شمشیر بے نیام
حصّہ اوّل
عنایت اللہ

پیش لفظ

"شمشیرِ بے نیام" کی پہلی جلد پیشِ خدمت ہے۔ دوسری جلد میں یہ ایمان افروز داستان مکمل ہوتی ہے۔ خالدؓ بن الولید اسلام کی وہ شمشیر تھے جو کفر کے خلاف ہمیشہ بے نیام رہی۔

خالدؓ بن الولید کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار (سیف اللہ) کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

خالدؓ اُن اوّلین سپہ سالاروں میں سے تھے جنہوں نے نورِ اسلام کو مدینہ سے دُور دُور تک پہنچا دیا تھا۔ تاریخِ اسلام ہی نہیں، عالمی جنگوں کی تاریخ خالدؓ بن الولید کو چند ایک عظیم جرنیلوں میں شمار کرتی ہے۔ فنِ حرب و ضرب کے ماہرین اور مبصر آج بھی خالدؓ کی جنگی چالوں، میدانِ جنگ میں ان کی قیادت اور عسکری فہم و فراست کے حوالے دیتے ہیں۔

ہر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی تعداد کم رہی ہے۔ کفار کی تعداد کہیں دگنی تھی کہیں سہ گنا اور یرموک کے میدان میں قیصرِ روم کی فوج اور اُس کے اتحادیوں کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دشمن کی فوج کا محاذ بارہ میل لمبا تھا اور اس میں کہیں بھی شگاف نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں نے دشمن کے محاذ کے پھیلاؤ کو دیکھ کر اپنا محاذ گیارہ میل پھیلا دیا تھا اور دستوں کے درمیان وسیع شگاف تھے۔

دشمن کے محاذ کی گہرائی بھی زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے کھڑے تھے جیسے چٹانوں کے پیچھے چٹانیں کھڑی ہوں۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے محاذ کی گہرائی تھی ہی نہیں۔

تاریخ حیران ہے، جنگی مبصر حیران ہیں کہ مسلمانوں نے یرموک میں رومیوں کو شکست کس طرح دی تھی — اور رومیوں کی یہ شکست فیصلہ کن تھی۔ اس کے بعد بیت المقدس پکے ہوئے پھل کی طرح مسلمانوں کی جھولی میں آن گرا تھا۔

یہ جنگی چالوں کا کمال تھا۔ یرموک کی جنگ میں خالدؓ بن الولید نے جو چالیں کامیابی سے آزمائی تھیں وہ آج ترقی یافتہ ممالک کی فوجوں کی ٹریننگ میں شامل ہیں۔

خالدؓ نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا کہ دشمن کی تعداد زیادہ اور اُس کے ہتھیار برتر ہیں اور مسلمان بہت تھوڑے ہیں تو دشمن کے سامنے آنا خطرناک ہوگا۔ ایسے موقعے بھی آئے کہ انہوں نے خلافت کے احکام کو نظرانداز کر کے دشمن پر حملہ کر دیا اور فتح پائی۔ یہ ایمان اور عزم کی پختگی کا کرشمہ تھا۔ یہ اسلام اور رسول اللہ کے عشق کا کمال تھا۔

خالدؓ کے کردار کی عظمت دیکھئے۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب نے انہیں پہلے سپہ سالاری سے معزول کیا تو خالدؓ بد دل نہ ہوئے اور سپاہیوں کی طرح لڑتے رہے۔ یرموک کی جنگ کے بعد عمرؓ بن الخطاب نے خالدؓ کو ایک الزام میں مدینہ بلا لیا۔ خالدؓ سے بازپرس ہوئی۔ عرب کے اُس وقت کے رواج کے مطابق طریقہ ایسا اختیار کیا گیا جو ایک سپہ سالار کے لیے توہین آمیز تھا لیکن خالدؓ کا ردِعمل ایسا تھا جو خلیفۃ المسلمین کو ناگوار نہ گزرا۔ انہوں نے سزا قبول کر لی۔

خالدؓ بن الولید کو معزولی پر بہت افسوس ہوا لیکن انہوں نے خلیفۃ المسلمین کا تختہ اُلٹنے کی کوشش نہ کی، اپنی الگ سیاسی پارٹی نہ بنالی نہ اپنا محاذ قائم کر لیا۔ اگر وہ ایسا اقدام کرتے تو پوری فوج اُن کے ساتھ تھی۔ وہ قوم کے

نگاہوں میں عزیز اور عظیم تھے۔ انہوں نے اُس وقت کی دو بہت بڑی جنگی طاقتوں کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا تھا۔۔ ایک تھے ایرانی آتش پرست اور دوسرے رومی تھے ۔۔ خالدؓ نے انہیں پے بہ پے شکستیں دے کر عراق اور شام کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا تھا لیکن انہوں نے خلافت کے خلاف ایک لفظ نہ کہا۔ انہوں نے اپنی عظمت کو نظرانداز کر کے خلیفۃ المسلمین کی عظمت کا خیال رکھا۔

خالدؓ کیا تھے اور انہوں نے اسلام کو کیا دیا اور آج کے مسلمان کو انہوں نے کیا ورثہ دیا، یہ آپ اِس داستان ۔۔ شمشیرِ بے نیام ۔۔ کی دو جلدوں میں پڑھیں گے۔

اسلام کی تاریخ کے ساتھ بہت زیادتیاں ہوئی ہیں مختلف مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے بعض واقعات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ایک ہی واقعہ کئی طرح بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک دھاندلی کی گئی ہے کہ بعض واقعات تعصب اور فرقہ بندی کے زیرِ اثر غلط رنگ میں پیش کئے گئے۔ تعصب سے یہ نہ سمجھئے کہ اس کا مظاہرہ غیر مسلم مؤرخوں نے کیا ہے۔ یہ تعصب اور دروغ مسلمان تاریخ نویسوں میں پایا جاتا ہے۔

ہر واقعہ کو صحیح انداز میں پیش کرنے کے لیے ہم نے بہت سی کتابوں سے مدد لی اور چھان بین کی ہے اور تحقیق کر کے ہر واقعہ لکھا ہے۔ ایسے مقامات بھی آئے کہ ہمارے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ صحیح کیا اور مفروضہ کیا ہے۔ ہم نے جانچ پڑتال کر کے فیصلہ کیا کہ صحیح کیا ہو سکتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم سے اختلاف کیا جائے گا لیکن یہ اختلاف چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم واقعات میں ہوگا۔

جس انداز سے ہم نے یہ داستانِ شجاعت لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ اُن تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں افسانوی بلکہ فلمی رنگ بھر دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم نے خالدؓ بن الولید اور ان کے تمام ہمعصر سالاروں کو عام انسانوں کے روپ میں پیش کیا ہے۔ انہیں آسمان سے اُترے ہُوئے سبز پوش نہیں بنایا نہ اُن سے ایسے معجزے کرائے ہیں کہ انہوں نے نعرہ لگایا اور دشمن دم دبا کر بھاگ گیا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیئے۔ یہ داستان ہماری روایات کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تفریحی اور اخلاق سوز کہانیوں نے مسلمان کی اولاد کو پٹڑی سے اتار دیا ہے، یہ کتاب جو ہم "شمشیرِ بے نیام" کے عنوان سے پیش کر رہے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے ۔۔ اور یہ ہماری روایت ہے۔ یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور

وہ مسافر عرب کے صحرا میں اکیلا چلا جا رہا تھا۔۔

۸ ہجری کے زمانے میں عرب کا وہ علاقہ جہاں مکّہ اور مدینہ واقع ہیں بڑا ہی خوفناک صحرا ہُوا کرتا تھا ۔۔ جلتا اور انسانوں کو جُھلساتا ہُوا ریگزار ۔۔ ایک تو صحرا کی اپنی صعوبتیں تھیں، دوسرا خطرہ رہزنوں کا تھا۔ مسافر قافلوں کی صورت میں سفر کیا کرتے تھے لیکن یہ مسافر اکیلا جا رہا تھا۔ وہ اعلیٰ نسل کے جنگی گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس کی زِرہ گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہُوئی تھی۔ اُس کی کمر سے تلوار لٹک رہی تھی اور اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔

اُس زمانے میں مردوں کے قد دراز، سینے چوڑے اور جسم گٹھے ہُوئے ہوتے تھے۔ یہ اکیلا مسافر بھی اُنہی مردوں میں سے تھا لیکن وہ جس انداز سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا تھا، اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ شہسوار ہے اور وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا کہ رہزن اُسے لُوٹ لیں گے، اُس سے اتنی اچھی نسل کا گھوڑا چھین لیں گے اور اُسے پیدل سفر کرنا پڑے گا لیکن اُس کے چہرے پر جو تاثر تھا وہ قدرتی نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یادوں سے دل بہلا رہا تھا یا کچھ یادوں کو ذہن میں دفن کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آگے ایک گھاٹی آگئی۔ گھوڑا چڑھتا چلا گیا۔ خاصی بلندی پر جا کر زمین ہموار ہوئی۔ سوار نے گھوڑا روک کر اسے گھمایا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر پیچھے دیکھا۔ اُسے مکّہ نظر نہ آیا۔ مکّہ افق کے نیچے چلا گیا تھا۔

"ابوسلیمان!" ۔۔ اُسے جیسے آواز سنائی دی ہو ۔۔ "اب پیچھے نہ دیکھو۔ مکّہ کو ذہن سے اتار دو۔ تم مردِ میدان ہو۔ اپنے آپ کو دو حصّوں میں نہ کٹنے دو۔ اپنے فیصلے پر قائم رہو۔ تمہاری منزل مدینہ ہے۔"

اُس نے مکّہ کی سمت سے نگاہیں ہٹا لیں۔ گھوڑے کا رخ مدینے کی طرف کیا اور باگ کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ گھوڑا اپنے سوار کے اشارے سمجھتا تھا۔ جچی تُلی چال چل پڑا۔ سوار کی عمر ۴۳ برس تھی لیکن وہ اپنی عمر سے جوان لگتا تھا۔ سلیمان اُس کے بیٹے کا نام تھا۔ اُس کے باپ کا نام الولید تھا لیکن سوار نے خالد بن الولید کی بجائے ابوسلیمان کہلانا زیادہ پسند کیا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ تاریخ اُسے خالدؓ بن ولید کے نام سے یاد رکھے گی اور یہ نام اسلام کی عسکری روایات اور جذبے کا دوسرا نام بن جائے گا مگر ۴۳ برس کی عمر میں جب خالد مدینے کی طرف جا رہا تھا اُس وقت وہ مسلمان نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے علاوہ وہ مسلمانوں کے خلاف دو بڑی جنگیں ۔۔ جنگِ احد اور جنگِ خندق ۔۔ لڑ چکا تھا۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر ۶۱۰ء بروز سوموار پہلی وحی نازل ہُوئی اُس وقت خالد کی عمر ۲۴ سال تھی۔ اُس وقت تک وہ اپنے قبیلے بنو مخزوم کی عسکری قوّت کا قائد بن چکا تھا۔ بنو مخزوم کا شمار قریش کے چند ایک معزز خاندانوں میں ہوتا تھا۔ قریش کے عسکری اُمور اسی خاندان کے سپرد تھے۔ قریش

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالد کے باپ الولید کے احکام اور فیصلے مانتے تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں یہ حیثیت خالد کو بھی حاصل ہو گئی تھی مگر اس حیثیت کو ٹھکرا کر خالد اُبوسلیمان مدینے کو جا رہا تھا۔

کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کی ذات سے کوئی قوت اُسے پیچھے کو گھسیٹ رہی ہو جب وہ اس قوت کے اثر کو محسوس کرتا تو اُس کی گردن پیچھے کو مڑ جاتی لیکن اُس کی اپنی ذات سے ایک آواز اُٹھتی ——"آگے دیکھ خالد! تُو ولید کا بیٹا تو ہے لیکن وہ مر گیا ہے۔ اب تُو سلیمان کا باپ ہے۔ وہ زندہ ہے"

اُس کے ذہن میں دو نام اٹک گئے —— محمدؐ (رسول اللہ) جو ایک نیا دین لاتے تھے اور الولید جو خالد کا باپ اور محمدؐ اور آپؐ کے نئے دین کا بہت بڑا دشمن تھا —— باپ یہ دشمنی ورثے کے طور پر خالد کے حوالے کر کے دنیا سے اُٹھ گیا تھا۔

خالد کے گھوڑے نے پانی کی مُشک پر اپنے آپ ہی رُخ بدل لیا تھا۔ خالد نے اُدھر دیکھا۔ اُسے گول دائرے میں کھجوروں کے درخت اور صحرا کے جھاڑی نما درخت نظر آتے۔ گھوڑا اُدھر ہی جا رہا تھا۔

نخلستان میں داخل ہو کر خالد گھوڑے سے کُود گیا۔ عمامہ اتار کر وہ پانی کے کنارے دوزانو ہو گیا۔ اُس نے پانی چُلّو بھر بھر کر اپنے سر پر ڈالا اور دو چار چھینٹے منہ پر پھینکے۔ اُس کا گھوڑا پانی پی رہا تھا۔ خالد نے اُس چشمے سے پانی پیا جو صرف انسانوں کے استعمال کے لیے تھا۔ یہ چھوٹا سا ایک جنگل تھا۔ خالد نے گھوڑے کی زین اتاری اور زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھوٹی سی ایک دری کھول کر جھاڑی نما درختوں کے جھنڈ تلے بچھائی اور لیٹ گیا۔

❁

وہ تھک گیا تھا۔ تھوڑی سی دیر کے لیے سو جانا چاہتا تھا مگر اُس کے ذہن میں یادوں کا جو قافلہ چل پڑا تھا وہ اُسے سونے نہیں دے رہا تھا۔ اُسے سات سال پہلے کا ایک دن یاد آیا جب اُس کے عزیزوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو قتل کرنے کا منصُوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے میں خالد کا باپ الولید پیش پیش تھا۔

وہ ستمبر ۶۲۲ء کی ایک رات تھی۔ قریش نے رسولِ خُدا کو سوتے میں قتل کرنے کے لیے ایسے آدمی چُنے تھے جو انسانوں کے رُوپ میں وحشی اور درندے تھے۔ خالد قریش کے سرکردہ خاندان کا جوان تھا۔ اُس وقت اُس کی عمر ستائیس سال تھی۔ وہ آنحضرتؐ کے قتل کی سازش میں شریک تھا لیکن وہ قتل کرنے والوں میں شامل نہیں تھا۔ اُسے سات سال پہلے کی وہ رات گزرے ہُوئے کل کی طرح یاد تھی۔ وہ اس قتل پر خوش بھی تھا، ناخوش بھی۔ خوش اس لیے کہ اُس کے اپنے قبیلے کے ہی ایک آدمی نے اُس کے مذہب کو جو بُت پرستی تھی، باطل کہہ دیا اور اپنے آپ کو خُدا کا پیغمبر کہہ دیا تھا۔ ایسے دشمن کے قتل پر خوش ہونا فطری بات تھی۔

اور وہ ناخوش اس لیے تھا کہ وہ اپنے دشمن کو للکار کر آمنے سامنے کی لڑائی لڑنے کا قائل تھا۔ اُس نے سوتے ہُوئے دشمن کو قتل کرنے کی کبھی سوچی ہی نہیں تھی۔ بہرحال اُس نے اس سازش کی مخالفت نہیں کی لیکن قتل کی رات جب قاتل رسولِ خدا کو مقررہ وقت پر قتل کرنے گئے تو آپؐ کا مکان خالی تھا۔ وہاں گھر کا سامان بھی نہیں تھا۔ نہ آپؐ کا گھوڑا تھا نہ اونٹنی۔ قریش اس امید پر سوتے ہُوتے تھے کہ صبح انہیں خوشخبری ملے گی کہ اُن کے مذہب کو جھٹلانے اور انہیں اپنے نئے مذہب کی طرف بلانے والا قتل ہو گیا ہے مگر صبح وہ ایک دوسرے کو مائُوسی کے عالم میں دیکھ رہے تھے، پھر وہ سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے پُوچھنے لگے ——"محمدؐ کہاں گیا؟"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم قتل کے وقت سے بہت پہلے اپنے قتل کی سازش سے آگاہ ہو کر مکّہ سے یثرب (مدینہ) کو ہجرت کر گئے تھے۔ صبح تک آپ بہت دُور نکل گئے تھے۔

آج، سات برس بعد، خالد بھی مدینے کی طرف جا رہا تھا اور اس کے ذہن پر محمدؐ کا نام سوار تھا۔ اُس نے جنگِ اُحد میں اپنے دیوتا ہُبل اور دیوی عُزیٰ کے دشمن محمدؐ کو قتل کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر آپؐ زخمی حالت میں وہاں سے نکل گئے تھے۔

خالد کے ذہن سے یادیں پھوٹتی چلی آرہی تھیں۔ ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتے ہٹتے سولہ برس دُور جا رُکا۔ ۶۱۳ء کی ایک شام رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے چند ایک سرکردہ افراد کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد رسولِ کریمؐ نے اپنے مہمانوں سے کہا:

"اے بنی عبدالمطلب! میں تمھارے سامنے جو تحفہ پیش کرنے لگا ہُوں وہ عرب کا کوئی اور شخص پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے اللہ نے مجھے منتخب کیا ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ تمھیں ایک ایسے مذہب کی طرف بلاؤں جو تمھاری دنیا کے ساتھ تمھاری عاقبت بھی آسودہ اور مسرور کر دے گا۔"

اس طرح رسولِ اکرمؐ نے پہلی وحی کے نزول کے تین سال بعد اپنے قریبی عزیزوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ خالد اس محفل میں نہیں تھا۔ اُس کا باپ مدعو تھا۔ اُس نے خالد کو مذاق اڑانے کے انداز میں بتایا تھا کہ عبدالمطلب کے پوتے محمدؐ نے کہا ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہُوا نبی ہے۔

"ہم جانتے ہیں عبدالمطلب قریش کا ایک سردار تھا" —— الولید نے اپنے بیٹے خالد سے کہا۔ "بیشک محمدؐ کا خاندان اعلیٰ حیثیت رکھتا ہے لیکن نبوّت کا دعویٰ اس خاندان کا کوئی فرد کیوں کرے؟ اللہ کی قسم، اور قسم ہُبل اور عزیٰ کی، میرے خاندان کا رُتبہ کسی سے کم نہیں کیا نبوّت کا دعویٰ کر کے کوئی ہم سے اُونچا ہو سکتا ہے؟"

"آپ نے اُسے کیا کہا ہے؟" —— خالد نے پُوچھا۔

"پہلے تو ہم چپ ہو گئے پھر ہم سب ہنس پڑے" —— الولید نے کہا —— "لیکن محمدؐ کے چچازاد بھائی علیؓ بن ابو طالب نے محمدؐ کی نبوّت کو قبول کر لیا ہے۔"

خالد اپنے باپ کی طنزیہ ہنسی کو بُھولا نہیں تھا۔

خالد کو ۶۲۹ء کے ایک روز مکّہ اور مدینہ کے راستے میں ایک نخلستان میں لیٹے ہُوئے وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ رسولؐ اللہ جن کی نبوّت کو قریش کے سردار قبول نہیں کر رہے تھے، اس نبوّت کو لوگ قبول کرتے چلے جا رہے تھے۔ ان میں اکثریت نوجوانوں کی تھی۔ بعض مفلس لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوصلے میں جان آ گئی اور آپؐ نے اسلام کی تبلیغ تیز کر دی۔ آپؐ بُت پرستی کے خلاف تھے۔ مسلمان اُن تین سو ساٹھ بُتوں کا مذاق اُڑاتے تھے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

جو کعبہ کے اندر اور باہر رکھے ہوتے تھے۔

طلوع اسلام سے پہلے عرب ایک خُدا کو مانتے تھے اور پُوجتے ان بُتوں کو تھے۔ انہیں وہ دیویاں اور دیوتا کہتے اور انہیں اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں مانتے تھے۔ وہ ہر بات میں اللہ کی قسم کھاتے تھے۔

قریش نے دیکھا کہ محمدؐ کے جس دین کا انہوں نے مذاق اُڑایا تھا وہ مقبول ہوتا جا رہا ہے تو اُنہوں نے آپؐ کی تبلیغی سرگرمیوں کے خلاف محاذ بنا لیا اور مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ خالد کو یاد آ رہا تھا کہ اُس نے اللہ کے رسولؐ کو گلیوں اور بازاروں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے اور بتاتے دیکھا تھا کہ بُت انہیں نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ عبادت کے لائق صرف اللہ ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔

رسولِ خُداؐ کی مخالفت کے قائد قریش کے چار سردار تھے۔ ایک تو خالد کا باپ الولید تھا۔ دوسرا نبی کریمؐ کا اپنا چچا اُبولہب تھا، تیسرا ابوسفیان اور چوتھا ابوالحکم تھا جو خالد کا چچازاد بھائی تھا۔ مسلمانوں پر سب سے زیادہ ظلم و تشدد اسی شخص نے کیا تھا۔ وہ جہالت کی حد تک کینہ پرور اور مُسلم کُش تھا۔ اسی لیے مسلمان اُسے اُبوجہل کہنے لگے تھے۔ یہ نام اتنا عام ہُوا کہ لوگ جیسے اُس کا اصل نام بھول ہی گئے ہوں۔ تاریخ نے بھی اس پستہ قد، بھینگے اور لوہے کی طرح مضبوط آدمی کو اُبوجہل کے نام سے ہی یاد رکھا ہے۔

٭

خالد کو یہ یادیں پریشان کرنے لگیں، شاید شرمسار بھی۔ قریش کے لوگوں نے رسولِ خُداؐ کے گھر میں کئی بار غلاظت پھینکی تھی۔ جہاں کوئی مسلمان اسلام کی تبلیغ کر رہا ہوتا وہاں قریش کے آدمی جا پہنچتے اور ہلّڑ مچاتے تھے۔ بداخلاق اور دھتکارے ہوئے آدمیوں کو رسُولِ خُداؐ کو پریشان کرتے رہنے کے کام پر لگا دیا گیا تھا۔

خالد کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ اُس کے باپ نے محمدؐ الرسول اللہ کے خلاف ایسی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی تھی۔ وہ دو مرتبہ قریش کے تین چار سرداروں کو ساتھ لے کر رسولِ خُداؐ کے چچا ابوطالب کے پاس یہ کہنے گیا تھا کہ وہ اپنے بھتیجے (رسولِ خُداؐ) کو بُتوں کی توہین اور نبوّت کے دعوے سے روکے ورنہ وہ کسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا۔ ابوطالب نے اِن لوگوں کو دونوں مرتبہ ٹال دیا تھا۔

خالد کو اپنے باپ کی بہت بڑی قربانی یاد آئی۔ عمارہ خالد کا بھائی تھا۔ وہ خاص طور پر خوبصورت نوجوان تھا۔ وہ ذہین تھا اور اُس میں بانکپن تھا۔ خالد کے باپ الولید نے اپنے اتنے خوبصورت بیٹے عمارہ کو قریش کے دو سرداروں کے حوالے کیا اور انہیں کہا کہ اسے محمدؐ کے چچا ابوطالب کے پاس لے جاؤ اور اُسے کہو کہ میرا بیٹا رکھ لو اور اس کے بدلے محمدؐ ہمیں دے دو۔

خالد اپنے باپ کے اِس فیصلے پر کانپ اُٹھا تھا اور جب اُس کا بھائی عمارہ دونوں سرداروں کے ساتھ چلا گیا تھا تو خالد تنہائی میں جا کر رو دیا تھا۔

"ابوطالب!" — سرداروں نے عمارہ کو رسولؐ کریم کے چچا کے آگے کر کے کہا — "اسے تم جانتے ہو۔ یہ عمارہ بن الولید ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ بنو ہاشم نے جس کے تم سردار ہو، ابھی تک اس جیسا سجیلا اور عقلمند جوان پیدا نہیں کیا۔ یہ ہم ہمیشہ کے لیے تمہارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ اسے اپنا بیٹا بنا کر رکھو گے تو تمام عمر فرمانبردار رہے گا اور اگر اسے اپنا غلام بناؤ گے تو قسم ہے اللہ کی تم پر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔"

"مگر تم اسے میرے حوالے کیوں کر رہے ہو؟" — ابوطالب نے پوچھا — "کیا بنو مخزوم کی ماؤں نے اپنے بیٹوں کو نیلام کرنا شروع کر دیا ہے؟.... کہو، اس کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟"

"اس کے عوض ہمیں اپنا بھتیجا محمدؐ دے دو" — قریش کے ایک سردار نے کہا — "تمہارا یہ بھتیجا تمہاری رسوائی کا باعث بن گیا ہے۔ اُس نے تمہارے آباؤ اجداد کے مذہب کو رد کر کے نیا مذہب بنا لیا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اُس نے قبیلے میں آدمی کو آدمی کا دشمن بنا دیا ہے۔"

"تم میرے بھتیجے کو لے جا کر کیا کرو گے؟"

"قتل" — قریش کے دُوسرے سردار نے جواب دیا — "ہم محمدؐ کو قتل کریں گے۔ یہ بے انصافی نہیں ہو گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تمہارے بھتیجے کے بدلے تمہیں اپنا بیٹا دے رہے ہیں۔"

"یہ بہت بڑی بے انصافی ہو گی" — اُبوطالب نے کہا — "تم میرے بھتیجے کو قتل کرو گے اور میں تمہارے بیٹے کو پالوں گا اور اس پر خرچ کروں گا اور اسے بہت اچھی زندگی دوں گا۔ تم میرے پاس کیسا انصاف لے کر آئے ہو؟.... میں تمہیں عزت سے رخصت کرتا ہُوں۔"

خالد نے جب اپنے بھائی کو اپنے سرداروں کے ساتھ واپس آتے دیکھا اور سرداروں سے سنا کہ اُبوطالب نے یہ سودا قبول نہیں کیا تو خالد کو دلی مسرّت ہوئی تھی۔

٭

"محمدؐ کا تم نے کیا بگاڑ لیا تھا ابوسلیمان!" — خالد کی ذات سے ایک سوال اٹھا۔ اُس نے خیالوں ہی خیالوں میں سر ہلایا اور دل ہی دل میں کہا — "کچھ نہیں.... بیشک محمدؐ کا جسم طاقتور ہے لیکن رکانہ بن عبد یزید جیسے پہلوان کو اٹھا کر پٹخنے کے لیے صرف جسمانی طاقت کافی نہیں۔"

رکانہ بن عبد یزید رسول اکرمؐ کا چچا تھا جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ عرب کا مانا ہُوا پہلوان تھا۔ نامی گرامی پہلوان آئے جنہیں اُس نے ایک ہی داؤ میں پٹخ کر اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔ وہ وحشی انسان تھا۔ صرف لڑنا مارنا جانتا تھا۔ خالد کو وہ وقت یاد آنے لگا جب مسلمانوں کو دِق کرنے والے تین چار آدمیوں نے ایک دن رکانہ پہلوان کو خوب کھلایا پلایا اور اُسے کہا تھا کہ تمہارا بھتیجا محمدؐ کسی کے ہاتھ نہیں آتا نہ اپنی تبلیغ سے باز آتا ہے نہ کسی سے ڈرتا ہے اور لوگ اُس کی باتوں کے جادو میں آتے چلے جا رہے ہیں، کیا تم اُسے سیدھا نہیں کر سکتے؟

"کیا تم میرے ہاتھوں اُس کی ہڈیاں تڑوانا چاہتے ہو؟" — رکانہ نے اپنے چہرے پر مست بھینسے کا تاثر پیدا کر کے تکبّر کے لہجے میں کہا تھا — "لاؤ اُسے میرے مقابلے میں..... لیکن وہ میرا نام سن کر مکّے سے بھاگ جائے گا۔ نہیں، نہیں میں اُس کے ساتھ لڑنا اپنی [illegible]

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس نے اُکسانے والے آدمیوں کی بات نہ مانی۔ وہ کسی پہلوان کو اپنے برابر سمجھتا ہی نہیں تھا۔ مسلمانوں کے دشمن خاموش ہو گئے لیکن سوچتے رہے کہ رسولِ خدا کو رکانہ کے ہاتھوں گرا کر آپؐ کا تماشہ بنایا جائے۔ مکّے کے یہودی خاص طور پر رسولِ اکرمؐ کے دشمن تھے لیکن وہ کُھل کر میدان میں نہیں آتے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اہلِ قریش آپس میں بٹ کر ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں انہیں پتہ چل گیا کہ قریش کے کچھ آدمیوں نے رکانہ پہلوان کو اُکسایا ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کو کشتی کے لیے للکارے لیکن وہ نہیں مان رہا۔

ایک روز رکانہ رات کے وقت ایک گلی سے گزر رہا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک بڑی حسین اور جوان لڑکی گزری۔ چاندنی رات میں لڑکی نے رکانہ کو پہچان لیا اور مسکرائی۔ رکانہ وحشی تھا۔ وہ رُک گیا اور لڑکی کا راستہ روک لیا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ عورت مرد کی طرف دیکھ کر مُسکراتی ہے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"——رکانہ پہلوان نے پوچھا——"کون ہو تم؟"

"اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت اس مرد کو چاہتی ہے"——جوان لڑکی نے جواب دیا——"میں سبت بنت ارمن ہُوں"

"او.... ارمن یہودی کی بیٹی!"——رکانہ نے کہا اور لڑکی کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اور اُسے اپنے قریب کر کے بولا——"کیا میرا جسم تجھے اتنا اچھا لگتا ہے اور کیا میری طاقت....؟"

"تمھاری طاقت نے مجھے مایوس کر دیا ہے"——سبت نے پیچھے ہٹتے ہُوئے کہا——"تم اپنے بھتیجے محمدؐ سے ڈرتے ہو"

"کون کہتا ہے؟"——رکانہ نے گرج کر پوچھا۔

"سب کہتے ہیں"——سبت نے کہا——"پہلے محمدؐ کو گراؤ۔ میں اپنا جسم تمہیں انعام میں دوں گی"

"اللہ کے بیٹوں اور بیٹیوں کی قسم، تیری بات پوری کر کے تیرے سامنے آؤں گا"——رکانہ نے کہا——"لیکن تُو نے غلط سنا ہے کہ میں محمدؐ سے ڈرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں اپنے سے کمزور کے ساتھ لڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن تیری بات پوری کروں گا"

❁

مشہور مؤرخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے خود رکانہ پہلوان کو کُشتی کے لیے للکارا تھا لیکن دوسرے مؤرخ ابن الاثیر نے جو شہادت پیش کی ہے وہ صحیح ہے کہ رکانہ نے رسولِ خُدا کو کُشتی کے لیے للکارا اور اُس نے کہا تھا:

"میرے بھائی کے بیٹے! تم بڑے دل اور بڑی جرأت والے آدمی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہُوں کہ تم جھوٹ بولنے سے نفرت کرتے ہو لیکن مرد کی جرأت اور صداقت کا پتہ اکھاڑے میں چلتا ہے۔ آؤ۔ میرے مقابلے میں اکھاڑے میں اُترو۔ اگر مجھے گرا لو تو میں تمہیں اللہ کا بھیجا ہُوا نبی مان لوں گا۔ اللہ کی قسم، تمھارا مذہب قبول کر لوں گا"

"لیکن یہ ایک بھتیجے اور چچا کی کُشتی نہیں ہو گی"——رسولِ خُدا نے رکانہ کی للکار کے جواب میں کہا——"یہ ایک بُت پرست اور سچّے دین کے ایک پیغمبر کی لڑائی ہو گی۔ تُو ہار گیا تو اپنا وعدہ نہ بھول جانا۔"

مکہ میں یہ خبر صحرا کی آندھی کی طرح پھیل گئی کہ رکانہ پہلوان اور محمدؐ کی کُشتی ہو گی اور جو ہار جائے گا وہ جیتنے والے کا مذہب قبول کر لے گا۔ قریش کا بچّہ بچّہ، مرد و زن اور یہودی ہجوم کر کے آ گئے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ وہ تلواروں اور برچھیوں سے مسلّح ہو کر آئے کیونکہ اُنہیں خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ قریش کُشتی کو بہانہ بنا کر رسولِ خُدا کو قتل کر دیں گے۔

عرب کا سب سے زیادہ طاقتور اور وحشی پہلوان رکانہ بن عبد یزید رسولِ کریمؐ کے مقابلے میں اُترا۔ اُس نے رسولؐ اللہ پر طنزیہ نگاہ ڈالی اور آپؐ پر پھبتی کسی۔ آپؐ مکمل خاموشی اور اطمینان سے رکانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے رہے کہ وہ بے خبری میں کوئی داؤ نہ کھیل جائے۔ رکانہ آپؐ کے اردگرد یوں گھوما جیسے شیر اپنے شکار کے اردگرد گھوم گیا ہو اور اب اسے کھا جائے گا۔ ہجوم رسولِ اکرمؐ کا مذاق اڑا رہا تھا۔ مسلمان خاموش تھے۔ وہ دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی تلواروں کے دستوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

پھر نہ جانے کیا ہُوا؟ رسولِ اکرمؐ نے کیا داؤ کھیلا؟ ابن الاثیر لکھتا ہے کہ آپؐ نے رکانہ کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ زخمی شیر کی طرح اٹھا اور غرّا کر آپؐ پر حملہ آور ہُوا۔ آپؐ نے پھر وہی داؤ کھیلا اور اُسے پٹخ دیا۔ وہ اٹھا تو آپؐ نے اُسے تیسری بار پٹخا۔ بھاری بھرکم جسم تین بار پٹخا گیا تو کشتی جاری رکھنے کے قابل نہ رہا۔ رکانہ سر جھکا کر اکھاڑے سے نکل گیا۔

ہجوم پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ اب مسلمان ننگی تلواریں اور برچھیاں ہوا میں لہرا لہرا اور اُچھال اُچھال کر نعرے لگا رہے تھے۔

"چچا رکانہ!"——رسولؐ اللہ نے للکار کر کہا——"اپنا وعدہ پورا کر اور یہیں اعلان کر کہ آج سے تُو مسلمان ہے"

رکانہ نے قبولِ اسلام سے صاف انکار کر دیا۔

❁

"یہ طاقت جسمانی نہیں تھی"——خالد نے نخلستان میں لیٹے لیٹے اپنے آپ سے کہا——"رکانہ کو یوں تین بار پٹخنا تو دُور کی بات ہے، اُسے کوئی پچھاڑ بھی نہیں سکتا تھا"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا تصوّر خالد کے ذہن میں نکھر آیا۔ وہ آپؐ کو اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ محمدؐ کوئی اور تھے جنہیں وہ بچپن سے جانتا تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے جو روپ اختیار کیا تھا اس میں خالد آپؐ کو نہیں پہچانتا تھا۔ نبوّت کے دعوے کے بعد خالد کی آپؐ کے ساتھ بول چال بند ہو گئی تھی۔ وہ آپؐ کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا لیکن وہ رکانہ کی طرح پہلوان نہیں تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں لڑنے والا اور لڑنے والوں کی قیادت کرنے والا جنگجو تھا لیکن اُس وقت مُسلمان فوج کی صُورت میں لڑنے کے قابل نہیں تھے۔

جب مُسلمان فوج کی صُورت میں لڑنے کے قابل ہُوئے اور قریش کے ساتھ اُن کا پہلا معرکہ ہُوا اس وقت خالد کے لیے ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ وہ اس معرکے میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا اُسے بہت افسوس تھا۔ یہ معرکہ بدر کا تھا جس میں تین سو تیرہ مجاہدینِ اسلام نے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایک ہزار قریش کو شکست دی تھی۔ خالد دانت پیتا رہ گیا تھا لیکن اس روز جب وہ ایک نخلستان میں لیٹا ہُوا تھا، اُسے خیال آیا کہ تین سو تیرہ نے ایک ہزار کو کس طرح شکست دے دی تھی۔ اُس نے شکست کھا کر آنے والے قریش سے پوچھا تھا کہ مسلمانوں میں وہ کون سی خوبی تھی جس نے اُنہیں فتح یاب کیا تھا۔

خالد اٹھ بیٹھا اور انگلی سے ریت پر بدر کے میدان کے خدوخال بنا کر قریش اور مسلمانوں کی پوزیشنیں اور معرکے کے دوران دونوں کی چالوں کی لکیریں بنانے لگا۔ باپ نے اُسے فنِ حرب و ضرب کا ماہر بنا دیا تھا۔ بچپن میں اُسے گھوڑسواری سکھائی۔ لڑکپن میں اُسے اکھڑ اور منہ زور گھوڑوں کو قابو میں لانے کے قابل بنایا۔ نوجوانی میں وہ شہسوار بن چکا تھا۔ شتر سواری میں بھی وہ ماہر تھا۔ اُس کا باپ ہی اُس کا اُستاد تھا۔ اُس نے خالد کو صرف سپاہی نہیں بلکہ سالار بنایا تھا۔ خالد کو جنگ و جدل اتنی اچھی لگی کہ وہ لڑنے اور لڑانے کے طریقوں پر غور کرنے لگا اور جوانی میں فوج کی قیادت کے قابل ہو گیا تھا۔

اُسے بدر کی لڑائی میں شامل نہ ہو سکنے کا افسوس تھا اور وہ انتقام کے طریقے سوچتا رہتا تھا لیکن اب اُس کی سوچوں کا دھارا کسی اور طرف چل پڑا تھا۔ مکّہ سے روانگی سے کچھ دن پہلے سے وہ اس سوچ میں کھو گیا تھا کہ رسولِ اکرمؐ نے رِکانہ پہلوان کو تین بار پٹخا تھا اور بدر میں آپؐ نے محض تین سو تیرہ مجاہدین سے ایک ہزار کو شکست دی۔ یہ کوئی اور ہی قوّت تھی، لیکن بدر کے معرکے کے بعد اُس کے دل میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔

مسلمان معرکۂ بدر میں قریش کے بہت سے آدمیوں کو قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ قریش کے سرداروں کے لیے تو یہ صدمہ تھا ہی، اس کا بہت بُرا اثر خالد نے قبول کیا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ جب بدر کا معرکہ لڑا جا رہا تھا تو مکّہ میں کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی کہ معرکے کا انجام کیا ہُوا۔ مکّہ کے لوگ بدر کی سمت دیکھتے رہتے تھے کہ اُدھر سے کوئی سوار دوڑا آئے گا اور فتح کی خبر سنائے گا۔

آخر ایک روز ایک شُتر سوار آتا نظر آیا۔ لوگ اُس کی طرف دوڑ پڑے۔ سوار نے عرب کے رواج کے مطابق اپنا کُرتہ پھاڑ دیا تھا اور وہ روتا آ رہا تھا۔ بُری خبر لانے والے قاصد ایسے ہی کیا کرتے تھے۔ وہ جب لوگوں کے درمیان پہنچا تو اُس نے روتے ہوئے بتایا کہ اہلِ قریش کو بہت بُری شکست ہُوئی ہے۔ جن کے عزیز رشتہ دار لڑنے گئے تھے وہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ بڑھ کر اُن کے متعلق پوچھتے تھے کہ وہ زندہ ہیں، زخمی ہیں یا مارے گئے ہیں۔ شکست خوردہ قریش پیچھے آ رہے تھے۔

مارے جانے والوں میں سترہ افراد خالد کے قبیلے بنو مخزوم کے تھے اور ان سب کے ساتھ خالد کا خُون کا بڑا قریبی رشتہ تھا۔ ابُوجہل بھی مارا گیا تھا۔ خالد کا بھائی جس کا نام ولید تھا، جنگی قیدی ہو گیا تھا۔

ابُوسفیان جو قریش کے سرداروں کا سردار تھا اور اُس کی بیوی ہِند بھی موجُود تھے۔

”کچھ میرے باپ اور میرے چچا کے متعلق بتا اے قاصد!“ ___ ہِند نے پوچھا۔

”تمھارا باپ عتبہ علیؓ اور حمزہؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے“ ___ قاصد نے کہا ___ ”اور تمھارے چچا

شیبہ کو اکیلے حمزہؓ نے قتل کیا ہے اور تمھارا بیٹا حنظلہ علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔“

ابُوسفیان کی بیوی ہِند نے پہلے تو علیؓ اور حمزہؓ کو بلند آواز سے گالیاں دیں پھر بولی ___ ”اللہ کی قسم، میں اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے خون کا بدلہ لوں گی۔“

ابُوسفیان پر خاموشی طاری تھی۔

خالد کا خون کھول رہا تھا۔

قریش کے سترّ آدمی مارے گئے اور جو جنگی قیدی ہوئے اُن کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔

☼

خالد اٹھا۔ دری جھاڑ کر لپیٹی اور گھوڑے کی زِین کے ساتھ باندھ کر سوار ہُوا اور مدینہ کی سمت چل پڑا۔ اُس نے ذہن کو یادوں سے خالی کر دینا چاہا لیکن اُس کا ذہن مدینہ پہنچ جاتا جہاں رسول اللہؐ تھے اور جو تبلیغ اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ آپؐ کا خیال آتے ہی اُس کا ذہن پیچھے چلا جاتا اور اُسے وہ منظر دکھاتا جن کے خالق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ اُس کے ذہن میں ہِند کے الفاظ یاد آتے جو اُس نے اپنے خاوند ابُوسفیان سے کہے تھے۔

”میں اپنے باپ اور چچا کو بھول سکتی ہوں“ ___ ہِند نے کہا تھا ___ ”کیا میں اپنے لختِ جگر حنظلہ کو بھی بھول جاؤں؟ ماں اپنے بیٹے کو کیسے بھُول سکتی ہے؟ اللہ کی قسم، میں محمدؐ کو اپنے بیٹے کا خون معاف نہیں کروں گی۔ یہ لڑائی محمدؐ نے کرائی ہے۔ میں حمزہؓ اور علیؓ کو نہیں بخشوں گی۔ وہ میرے باپ، میرے چچا اور میرے بیٹے کے قاتل ہیں۔“

”میرے خون کو صرف میرے بیٹے کا قتل گرما رہا ہے“ ___ ابُوسفیان نے کہا تھا ___ ”مجھ پر اپنے بیٹے کے خون کا انتقام فرض ہو گیا ہے۔ میں سب سے پہلے یہ کام کروں گا کہ محمدؐ کے خلاف زبردست فوج تیار کر کے اُسے آئندہ لڑنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔“

مشہور مؤرخ اور وقائع نگار واقدی لکھتا ہے کہ اگلے ہی روز ابُوسفیان نے تمام سرداروں کو بلایا۔ ان میں زیادہ تعداد اُن سرداروں کی تھی جو کسی نہ کسی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی عزیز اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ سب انتقام کا ارادہ لے کر اکٹھے ہوئے۔

”کیا مجھے زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت ہے؟“ ___ ابُوسفیان نے کہا ___ ”میرا اپنا جوان بیٹا مارا گیا ہے۔ اگر میں انتقام نہیں لیتا تو مجھے جینے کا کوئی حق نہیں۔“

سب ایک ہی بار بولنے لگے۔ وہ اس پر متفق تھے کہ مسلمانوں سے بدر کی شکست کا انتقام لیا جائے۔

”لیکن آپ میں سے اب کوئی بھی اپنے گھر میں نہ بیٹھا رہے“ ___ خالد نے کہا ___ ”بدر میں ہم صرف اس لیے ذلّت میں گرے کہ سردار گھروں میں بیٹھے رہے اور اُن لوگوں کو لڑنے کے لیے بھیج دیا جو قریش کی عظمت کو نہیں سمجھتے تھے۔“

”کیا میرے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا خیال نہ تھا؟“ ___ خالد کے چچا زاد بھائی عکرمہ نے جو ابُوجہل کا بیٹا تھا، برہم ہوتے ہوئے کہا ___ ”کیا صفوان بن امیّہ کے باپ کو بھی قریش کی عظمت کا

FUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خیال نہ تھا؟ ....تم کہاں تھے الولید کے بیٹے؟"

"ہم یہاں ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے اکٹھے نہیں ہوئے" ——ابوسفیان نے کہا ——"خالد! تمہیں ایسی بات نہیں کہنی چاہیئے تھی جس سے کوئی اپنی بے عزتی محسوس کرے"۔

"ہم میں سے کوئی بھی عزت والا نہیں رہا" ——خالد نے کہا ——"ہم سب اُس وقت تک بے عزت رہیں گے جب تک ہم محمدؐ اور اُس کے چیلوں کو ہمیشہ کے لیے ختم نہیں کر دیتے۔ مجھے اپنے گھوڑے کے سُموں کی قسم، میرے خون کی گرمی نے میری آنکھیں جلا دی ہیں۔ ان آنکھوں کو مسلمانوں کا خون ٹھنڈا کر سکتا ہے .... میں پھر کہوں گا کہ اب سردار آ گئے ہوں گے اور میں جانتا ہوں کہ میں میدانِ جنگ میں کہاں ہوں گا لیکن جنگ میں ہمارا جو سردار ہوگا، میں اُس کے حکم کا پابند رہوں گا اور اگر میں سمجھوں گا کہ سردار نے مجھے ایسا حکم دیا ہے جو ہمیں نقصان دے گا تو میں ایسا حکم نہیں مانوں گا"۔

سب نے متفقہ طور پر اُبوسفیان کو اپنا سردار مقرر کیا۔

اس سے کچھ روز پہلے اہلِ مکّہ کا ایک قافلہ فلسطین سے مکّہ واپس آیا تھا۔ یہ تجارتی قافلہ تھا۔ مکّہ کے باشندوں، خصوصاً قریش کے ہر خاندان نے اس تجارت میں حصہ ڈالا تھا۔ اس قافلے میں کم و بیش ایک ہزار اُونٹ تھے اور جو مال گیا تھا اس کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ قافلے کا سردار اُبوسفیان تھا جس نے پچاس ہزار پر پچاس ہزار دینار منافع کمایا تھا۔

قافلے کی واپسی کا راستہ مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا۔ مسلمانوں کو پتہ چل گیا۔ اُنہوں نے پورے قافلے کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ایک مقام پر قافلے کو گھیرے میں لے لیا لیکن وہ زمین ایسی تھی کہ اُبوسفیان نے ایک ایک آدمی اور ایک ایک اونٹ کو زمین کے اونچے نیچے خدوخال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیرے سے نکال دیا تھا۔

☼

خالد کا گھوڑا خراماں خراماں مدینہ کی طرف چلا جا رہا تھا مگر خالد کا ذہن پیچھے کو سفر کر رہا تھا۔ اُسے اُس وقت کا جب قریش انتقام کی سکیم بنانے کے لیے اکٹھے ہوتے تھے، ایک ایک لفظ جو کسی نے کہا تھا، سنائی دے رہا تھا۔

"اگر تم نے اپنی سرداری مجھے دی ہے تو میرے ہر فیصلے کی پابندی تم پر لازم ہے" ——اُبوسفیان نے کہا ——"میرا پہلا فیصلہ یہ ہے کہ میں نے ابھی پچاس ہزار دینار منافع سب میں تقسیم نہیں کیا وہ میں تقسیم نہیں کروں گا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ میں استعمال ہوگا"۔

"مجھے اور میرے خاندان کو یہ فیصلہ منظور ہے" ——سب سے پہلے خالد نے کہا۔

پھر "منظور ہے .... ایسا ہی کرو .... منظور ہے" کی آوازیں اُٹھیں۔

"میرا دوسرا حکم یہ ہے" ——اُبوسفیان نے کہا ——"کہ جنگِ بدر میں ہمارے جو آدمی مارے گئے ہیں۔ ان کے لواحقین آہ و زاری کر رہے ہیں۔ میں نے مردوں کو دھاڑیں مارتے اور عورتوں کو بَین کرتے سُنا ہے۔ اللہ کی قسم، جب آنسو بہ جاتے ہیں تو انتقام کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ آج سے بدر کے مقتولین پر کوئی نہیں روئے گا.... اور میرا تیسرا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں نے بدر کی لڑائی میں ہمارے

جن آدمیوں کو قید کیا ہے، ان کی رہائی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی جائے گی۔ تم جانتے ہو کہ مسلمانوں نے قیدیوں کی رہائی کے لیے ان کے درجے مقرر کر دیئے ہیں اور ان کا فدیہ ایک ہزار سے چار ہزار درہم مقرر کیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو ایک درہم بھی نہیں دیں گے۔ یہ رقم ہمارے ہی خلاف استعمال ہوگی"۔

خالد کو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے اور مدینہ کی طرف جاتے ہوئے جب وہ لمحے یاد آ رہے تھے تو اُس کی مٹھیاں بند ہوگئیں۔ غصے کی لہر اُس کے سارے وجود میں پھر گئی۔ وہ وقت بہت پیچھے رہ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے اندر غصہ بیدار ہو گیا۔ اُسے غصہ اس بات پر آیا تھا کہ اجلاس میں طے ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کے پاس مکّہ کا کوئی آدمی اپنے قیدی کو چھڑانے مدینہ نہیں جائے گا لیکن ایک آدمی چوری چھپے مدینہ چلا گیا اور فدیہ ادا کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لایا۔ اس کے بعد قریش کا کوئی نہ کوئی آدمی چوری چھپے مدینہ چلا جاتا اور اپنے عزیز رشتہ دار کو رہا کرا لاتا۔ ابوسفیان نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

خالد کا اپنا ایک بھائی جس کا نام ولید تھا مسلمانوں کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اگر اُس وقت تک قریش اپنے بہت سے قیدی رہا نہ کرا لاتے ہوتے تو خالد اپنے بھائی کی رہائی کے لیے کبھی نہ جاتا۔ اُسے اپنے بھائیوں نے مجبور کیا تھا کہ ولید کی رہائی کے لیے جائے۔ خالد کو یاد آ رہا تھا کہ وہ اپنے وقار کو ٹھیس پہنچانے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا لیکن اُسے ایک خیال آیا تھا۔ خیال یہ تھا کہ رسول کریمؐ بھی اُسی کے قبیلے کے تھے اور آپؐ کے پیروکار یعنی جو مسلمان ہو گئے تھے وہ بھی قریش اور اہلِ مکّہ سے تھے۔ وہ آسمان سے تو نہیں اُترے تھے۔ وہ اتنے جرّی اور دلیر تو نہیں تھے کہ تین سو تیرہ کی تعداد میں ایک ہزار کو شکست دے سکتے۔ اب اُن میں کیسی قوّت آ گئی ہے کہ وہ ہمیں نیچا دکھا کر ہمارے آدمیوں کی قیمتیں مقرر کر رہے ہیں؟

"انہیں ایک نظر دیکھوں گا" ——خالد نے سوچا تھا ——"محمدؐ کو غور سے دیکھوں گا"۔

اور وہ اپنے بھائی ہشام کو ساتھ لے کر مدینہ چلا گیا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھ چار ہزار درہم باندھ لیے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ بنو مخزوم کے سردار الولید کے بیٹے کا فدیہ چار ہزار درہم سے کم نہیں ہوگا۔ ایسے ہی ہُوا۔ اُس نے مسلمانوں کے ہاں جا کر اپنے بھائی کا نام لیا تو ایک مسلمان نے، جو قیدیوں کی رہائی اور فدیہ کی وصولی پر مامور تھا، کہا کہ چار ہزار درہم ادا کرو۔

"ہم فدیہ میں کچھ رعایت چاہتے ہیں" ——خالد کے بھائی ہشام نے اُس مسلمان سے کہا —— "تم لوگ آخر ہم میں سے ہو۔ کچھ پرانے رشتوں کا خیال کرو"۔

"اب ہم تم میں سے نہیں ہیں" ——مسلمان نے کہا ——"ہم اللہ کے رسولؐ کے حکم کے پابند ہیں"۔

"کیا ہم تمہارے رسُولؐ سے بات کر سکتے ہیں؟" ——ہشام نے پُوچھا۔

"ہشام!" ——خالد نے گرج کر کہا ——"میں اپنے بھائی کو اپنے وقار پر قربان کر چکا تھا مگر تم مجھے ساتھ لے آئے۔ یہ جتنا مانگتے ہیں اُتنا ہی دے دو۔ میں محمدؐ کے سامنے جا کر رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا"۔

اُس نے درہموں سے بھری ہوئی تھیلیاں مسلمان کے آگے پھینک کر کہا، "گِن لو اور ہمارا بھائی ہمارے حوالے کرو"۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رقم گنی جاچکی تو ولید کو خالد اور ہشام کے حوالے کر دیا گیا۔ تینوں بھائی اُسی وقت مکّہ کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں دونوں بھائیوں نے ولید سے پوچھا کہ ان کی شکست کا باعث کیا تھا۔ انہیں توقع تھی کہ ولید جو ایک جنگجو خاندان کا جوان تھا۔ انہیں جنگی فہم و فراست اور حرب و ضرب کے طور طریقوں کے مطابق مسلمانوں کی جنگی چالوں کی خوبیاں اور اپنی خامیاں بتائے گا مگر ولید کا انداز ایسا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ایسی تھی جیسے اُس پر کوئی پُراسرار اثر ہو۔

"ولید کچھ تو بتاؤ"۔۔۔ خالد نے اُس سے پُوچھا۔۔۔ "ہمیں اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ قریش کے تمام سردار اگلی جنگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ ہم اِردگرد کے قبائل کو بھی ساتھ ملا رہے ہیں اور وہ مکّہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں"۔

"سارے عرب کو اکٹھا کر لو خالد!"۔۔۔ ولید نے کہا۔۔۔ "تم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکو گے۔ میں نہیں بتا سکتا کہ محمدؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے یا اُن کا نیا عقیدہ سچّا یا کیا بات ہے کہ میں نے ان کا قیدی ہوتے ہوئے بھی انہیں ناپسند نہیں کیا"۔

"پھر تم اپنے قبیلے کے غدّار ہو"۔۔۔ ہشام نے کہا۔۔۔ "غدّار ہو یا تم پر ان کا جادو اثر کر گیا ہے۔ وہ یہودی پیشوا ٹھیک کہتا تھا کہ محمدؐ کے پاس کوئی نیا عقیدہ اور نیا مذہب نہیں۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی جادو آگیا ہے"۔

"جادو ہی تھا ورنہ بدر میں قریش شکست کھانے والے نہیں تھے"۔۔۔ خالد نے کہا۔

ولید جیسے اُن کی باتیں سُن ہی نہیں رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر تبسّم تھا اور وہ مڑ مڑ کر مدینے کی طرف دیکھتا تھا۔ مدینے سے کچھ دُور ذی الحلیفہ نام کی ایک جگہ ہُوا کرتی تھی۔ تینوں بھائی وہاں پہنچے تو رات گہری ہو چکی تھی۔ رات گزارنے کے لیے وہ وہیں رُک گئے۔

صبح آنکھ کھلی تو ولید غائب تھا۔ اُس کا گھوڑا بھی وہاں نہیں تھا۔ خالد اور ہشام سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچے کہ ولید واپس مدینے چلا گیا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا تھا کہ اُس پر کوئی اثر تھا۔ یہ اثر مسلمانوں کا ہی ہو سکتا تھا۔ دونوں بھائی مکّہ آ گئے۔ چند دنوں بعد اُنہیں مدینہ سے ولید کا زبانی پیغام ملا کہ اُس نے محمدؐ کو خُدا کا سچا رسول تسلیم کر لیا ہے اور وہ آپؐ کی شخصیّت اور باتوں سے اتنا متاثر ہُوا ہے کہ اُس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ ولید بن الولید رسول اکرمؐ کے منظورِ نظر رہے اور اُنہوں نے مذہب میں بھی اور کفّار کے ساتھ معرکہ آرائی میں بھی نام پیدا کیا۔

❋

خالد کو اُس وقت بہت غصہ آیا تھا۔ ایک تو اُس کا بھائی گیا، دوسرے چار ہزار درہم گئے۔ چونکہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان خونی دشمنی پیدا ہو چکی تھی اس لیے مسلمانوں نے یہ رقم واپس نہ کی۔ رقم واپس نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ولید نے رسولِ کریمؐ کو بتا دیا تھا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کُن جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اور اس کے لیے بے انداز درہم و دینار اکٹھے کیے جا چکے ہیں۔

خالد مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُسے اُفق سے ایک کوہان سی اُبھری ہُوئی نظر آنے لگی۔ خالد جانتا تھا یہ کیا ہے۔ یہ اُحد کی پہاڑی تھی جو مدینہ سے چار میل شمال میں ہے۔ اس وقت خالد ریت کی بڑی لمبی اور کچھ اونچی ٹیکری پر چلا جا رہا تھا۔

"اُحد.... اُحد"۔۔۔ خالد کے ہونٹوں سے سرگوشی نکلی اور اُسے اپنی للکار سنائی دینے لگی۔۔۔ "میں ابوسلیمان ہوں.... میں ابوسلیمان ہوں"۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اسے ایک خونریز جنگ کا شور و غُل اور سینکڑوں گھوڑوں کے ٹاپ اور تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ خالد یہ جنگ لڑنے کے لیے بیتاب تھا اور اُس نے یہ جنگ لڑی۔

خالد کا ذہن پیچھے ہی ہٹتا گیا۔

چار ہی سال پہلے کا واقعہ تھا۔ مارچ ۶۲۵ء (شوال ۳ ہجری) کے مہینے میں قریش نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے جو لشکر تیار کیا تھا وہ مکّہ میں اکٹھا ہو چکا تھا۔ اس کی کل تعداد تین ہزار تھی۔ اس میں سات سو افراد نے زِرہ پہن رکھی تھی۔ گھوڑسوار دو سو کے لگ بھگ تھے اور رسد اور سامانِ جنگ تین ہزار اونٹوں پر لدا ہُوا تھا۔ یہ لشکر کوچ کے لیے تیار تھا۔

خالد کو ایک روز پہلے کی بات کی طرح یاد تھا کہ اس لشکر کو دیکھ کر وہ کس قدر خوش ہُوا تھا۔ انتقام کی آگ بجھانے کا وقت آگیا تھا۔ اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ ابُوسفیان تھا اور خالد اِس لشکر کے ایک حصّے کا کمانڈر تھا۔ اُس کی بہن بھی اس لشکر کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ چودہ عورتیں اس لشکر کے ساتھ جانے کے لیے تیار تھیں۔ ان میں ابُوسفیان کی بیوی ہِند بھی تھی۔ عمرو بن العاص کی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کی بیویاں بھی شامل تھیں۔ باقی سب گانے بجانے والیاں تھیں جن کی آواز میں سوز تھا اور ان کے ساز دف اور ڈھولک تھے۔ ان عورتوں کا جنگ میں یہ کام تھا کہ جوشیلے اور جذباتی گیت گا کر سپاہیوں کا حوصلہ بلند رکھیں اور اُن کی یاد تازہ کرتی رہیں جو جنگِ بدر میں مارے گئے تھے۔

خالد کو افریقہ کا ایک حبشی یاد آیا جس کا نام وحشی بن حرب تھا۔ وہ قریش کے ایک سردار جُبیر بن مُطعِم کا غلام تھا۔ وہ دراز قد، سیاہ رُو اور طاقتور تھا۔ اُس نے برچھی مارنے کے فن میں شہرت حاصل کی تھی۔ اُس کے پاس افریقہ کی بنی ہوئی برچھی تھی۔ اُس کا افریقی نام کچھ اور تھا۔ اُسے عربی نام جُبیر نے اُس کے جنگی کمالات دیکھ کر دیا تھا۔

"بن حرب!"۔۔۔ کُوچ سے کچھ پہلے جُبیر بن مُطعِم نے اُسے کہا۔۔۔ "مجھے اپنے چچا کے خون کا بدلہ لینا ہے۔ شاید مجھے موقع نہ مل سکے۔ میرے چچا کو بدر کی لڑائی میں محمدؐ کے چچا حمزہؓ نے قتل کیا تھا۔ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا"۔

"حمزہؓ میری برچھی سے قتل ہوگا یا آقا!"۔۔۔ وحشی بن حرب نے کہا۔

یہ حبشی غلام اُس طرف جا نکلا جہاں وہ عورتیں اونٹوں پر سوار ہو چکی تھیں جو اِس لشکر کے ساتھ جا رہی تھیں۔

"اُبو وسمہ!"۔۔۔ کسی عورت نے پُکارا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یہ وحشی بن حرب کا دوسرا نام تھا۔ وہ رُک گیا۔ دیکھا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند اُسے بلا رہی تھی۔ وہ اُس کے قریب چلا گیا۔

"ابُودسمہ!" — ہند نے کہا "حیران نہ ہو۔ تجھے میں نے بُلایا ہے۔ میرا سینہ انتقام کی آگ سے جل رہا ہے۔ میرا سینہ ٹھنڈا کر دے۔"

"حکم خاتون!" — غلام نے کہا — "اپنے سالار کی زوجہ کے حکم پر اپنی جان دے دوں گا۔"

"بدر میں میرے باپ کو حمزہؓ نے قتل کیا تھا" — ہند نے کہا — "تُو حمزہؓ کو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ یہ دیکھ میں نے سونے کے جو زیورات پہن رکھے ہیں، اگر تُو حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو یہ سب زیورات تیرے ہوں گے۔"

وحشی بن حرب نے ہند کے زیورات پر نگاہ ڈالی تو وہ مُسکرایا اور زیرِ لب پُرعزم لہجے میں بولا — "حمزہؓ کو میں ہی قتل کروں گا۔"

خالد کو اپنے لشکر کا کُوچ یاد تھا۔ اسی راستے سے لشکر مدینہ کو گیا تھا۔ اُس نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اپنے لشکر کو دیکھا تھا۔ اُس کا سینہ فخر سے پھیل گیا تھا۔ اُسے مدینہ کے مسلمانوں پر رحم آ گیا تھا لیکن اس رحم نے بھی اُسے مسرّت دی تھی۔ یہ خون کی دشمنی تھی۔ یہ اُس کے وقار کا مسئلہ تھا۔ مسلمانوں کو کُچل ڈالنا اُس کا عزم تھا۔

❋

جنگِ اُحد کے بہت دن بعد اُسے پتہ چلا تھا کہ جب مکّہ میں قریش لشکر جمع کر رہے تھے تو اس کی اطلاع رسولِ اکرمؐ کو مل گئی تھی اور جب یہ لشکر مدینہ کے راستے میں تھا تو رسولِ خداؐ کو اس کی رفتار، پڑاؤ اور مدینے سے فاصلے کی اطلاعیں مسلسل ملتی رہی تھیں۔ آپؐ کو لشکر کے مکّہ سے کُوچ کی اطلاع حضرت عباسؓ نے دی تھی۔

قریش کے اس لشکر نے مدینہ سے کچھ میل دُور کوہِ اُحد کے قریب ایک ایسی جگہ کیمپ کیا تھا جو ہری بھری تھی اور وہاں پانی بھی تھا۔ خالد کو معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں کے دو جاسوس اس لشکر کی پُوری تعداد دیکھ آئے ہیں اور رسولِ کریمؐ کو بتا چکے ہیں۔

۲۱ مارچ ۶۲۵ء کے روز رسولِ کریمؐ نے اپنی فوج کو کُوچ کا حکم دیا اور شیخین نام کی ایک پہاڑی کے دامن میں جا خیمہ زن ہوئے۔ آپؐ کے ساتھ ایک ہزار پیادہ مجاہدین تھے جن میں ایک سو نے سَر وں پر زرہ پہن رکھی تھی۔ مجاہدین کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جن میں سے ایک رسولِ کریمؐ کے پاس تھا۔

اس موقع پر مسلمانوں کے نفاق کا پہلا خطرناک مظاہرہ ہوا جو غدّاری کے مترادف تھا۔ مدینے کے بعض ایسے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جو دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہیں رسولِ مقبولؐ نے منافقین کہا تھا۔ کسی کے متعلق یہ معلوم کرنا کہ وہ سچا مسلمان ہے یا منافق، بہت مشکل تھا۔ جب مجاہدین مدینے سے شیخین کی پہاڑی کی طرف کُوچ کرنے لگے تو ایک بااثر آدمی جس کا نام عبداللہ بن اُبی تھا، رسول اللہؐ کے ساتھ اس بحث میں اُلجھ گیا کہ قریش کا لشکر تین گنا ہے اس لیے مدینے سے باہر جا کر لڑنا نقصان دہ ہوگا۔

آپؐ نے مجاہدین کے دوسرے سرداروں سے رائے لی تو اکثریت نے کہا کہ شہر سے باہر لڑنا زیادہ بہتر ہوگا۔ آپؐ عبداللہ بن اُبی کے ہی ہم خیال تھے لیکن آپؐ نے اکثریت کا فیصلہ قبول فرمایا اور کُوچ کا حکم دے دیا۔ عبداللہ بن اُبی نے شہر سے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ اُس کے پیچھے ہٹنے کی دیر تھی کہ مجاہدینِ اسلام میں سے تین سو آدمی پیچھے ہٹ گئے۔ تب پتہ چلا کہ یہ سب منافقین تھے اور عبداللہ ان کا سردار ہے۔

اب تین ہزار کے مقابلے میں مجاہدین کی نفری صرف سات سو رہ گئی۔ رسول اللہؐ دل برداشتہ نہ ہوئے اور سات سو کو ہی ساتھ لے کر کوہِ اُحد کے دامن میں شیخین کے مقام پر مجاہدین کو جنگی ترتیب میں کر دیا۔ خالد نے ایک بلند ٹیکری پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کی یہ ترتیب دیکھی تھی اور اس نے اپنے سالار ابُوسفیان کو بتا کر اپنے دستے کی جگہ طے کر لی۔

رسولِ اکرمؐ نے مجاہدین کو کم و بیش ایک ہزار گز لمبائی میں پھیلا دیا۔ پیچھے وادی تھی۔ مجاہدین کے ایک پہلو کے ساتھ پہاڑی تھی لیکن دوسرے پہلو پر کچھ نہیں تھا۔ اس پہلو کو مضبوط رکھنے کے لیے رسولِ کریمؐ نے پچاس تیر اندازوں کو قریب کی ایک ٹیکری پر بٹھا دیا۔ ان تیر اندازوں کے کماندار عبداللہ بن جبیر تھے۔

"اپنی ذمہ داری سمجھ لو عبداللہؓ!" — رسولِ خداؐ نے اُسے ہدایات دیتے ہوئے فرمایا — "اپنے عقب کو دیکھو۔ دشمن ہمارے عقب میں نقل و حرکت کر سکتا ہے جو ہمارے لیے خطرہ ہے۔ دشمن کے پاس گھوڑ سوار زیادہ ہیں۔ وہ ہمارے پہلو پر گھوڑ سواروں سے حملہ کر سکتا ہے۔ اپنے تیر اندازوں کو گھوڑ سواروں پر مرکوز رکھو۔ پیادوں کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔"

تقریباً تمام مستند مؤرّخین جن میں ابنِ ہشام اور واقدی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو واضح الفاظ میں کہا تھا — "ہمارا عقب صرف تمہاری بیداری اور مستعدی سے محفوظ رہے گا۔ تمہاری ذرا سی کوتاہی بھی ہمیں بڑی ذلّت آمیز شکست دے سکتی ہے.... یاد رکھو عبداللہؓ! اگر تم دشمن کو بھاگتے ہوئے اور ہمیں فتح یاب ہوتے ہوئے دیکھ لو تو بھی اس جگہ سے نہ ہلنا۔ اگر دیکھو کہ ہم پر دشمن کا دباؤ بڑھ گیا ہے اور تمہیں ہماری مدد کے لیے پہنچنا چاہیئے تو بھی یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ پہاڑی کی یہ بلندی دشمن کے قبضے میں نہیں جانی چاہیئے۔ یہ بلندی تمہاری ہے۔ وہاں سے تم نیچے اُس تمام علاقے کے حکمران ہو گے جہاں تک تمہارے تیر اندازوں کے تیر پہنچیں گے۔"

خالد نے مسلمانوں کی ترتیب دیکھی اور ابوسفیان کو بتایا کہ مسلمان کھُلے میدان کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ ابُوسفیان کو اپنی کثیر نفری پر ناز تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لڑائی کھُلے میدان یعنی لامحدود محاذ پر ہو تا کہ وہ اپنے پیادوں اور گھوڑوں کی افراط سے مجاہدینِ اسلام کو کُچل ڈالے۔ خالد کو اپنے باپ نے جنگی چالوں کی تربیت بچپن سے دینی شروع کر دی تھی۔ دشمن پر بے خبری میں پہلو یا عقب سے جھپٹنا، دشمن کو چکر دے دے کر مارنا، اپنے دستوں کی تقسیم اور ان پر کنٹرول اس تربیت میں شامل تھا جو اسے باپ نے دی تھی۔ اس نے تجربہ کار سردار کی نگاہوں سے مجاہدین کی ترتیب دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ مسلمان فنِ حرب کے کمالات دکھا سکتے ہیں۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوسفیان اپنی فوج کو مسلمانوں کے بالمقابل لے گیا۔ اُس نے گھوڑسواروں کو مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ ایک پہلو پر خالد اور دوسرے پر عکرمہ تھا۔ دونوں کے ساتھ ایک سو گھوڑسوار تھے۔ تمام گھوڑسواروں کا کمانڈر عمرو بن العاص تھا۔ پیادوں کے آگے ابوسفیان نے ایک سو تیرانداز رکھے۔ قریش کا پرچم طلحہ بن ابوطلحہ نے اُٹھا رکھا تھا۔ اُس زمانے کی جنگوں میں پرچم کو دل جیسی اہمیت حاصل تھی۔ پرچم کے گرنے سے فوج کا حوصلہ ٹوٹ جاتا اور بھگدڑ مچ جاتی تھی۔

٭

قریش نے جنگ کی ابتدا اس طرح کی کہ اُن کی صفوں سے ایک شخص ابوعامر فاسق آگے ہوکر مجاہدین کے قریب چلا گیا۔ اُس کے پیچھے قریش کے غلاموں کی کچھ تعداد بھی تھی۔ ابوعامر مدینہ کا رہنے والا تھا۔ وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب رسولِ کریمؐ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے تو ابوعامر نے قسم کھائی تھی کہ وہ آپؐ کو اور تمام مسلمانوں کو مدینہ سے نکال کر دم لے گا۔ اُس پر ایک بڑی ہی حسین یہودن کا اور یہودیوں کے مال و دولت کا طلسم طاری تھا۔ یہودیوں کی اسلام دشمن کارروائیاں زیرِ زمین ہوتی تھیں۔ بظاہر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور فرمانبرداری کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ ابوعامر انہی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا لیکن ان یہودیوں نے اُسے قریش کا دوست بنا رکھا تھا۔

اب مجاہدین قریش کے خلاف لڑنے کے لیے مدینہ سے نکلے تو ابوعامر قریش کے پاس چلا گیا۔ اُس کے قبیلہ اوس کے بہت سے آدمی رسولِ کریمؐ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر چکے تھے اور وہ قریش کے مقابلے میں صف آرا تھے۔ ابوعامر آگے چلا گیا اور مجاہدین سے بلند آواز میں مخاطب ہُوا۔ رسولِ کریمؐ نے اُسے فاسق کا خطاب دیا تھا۔

"قبیلہ اوس کے غیرت مند بہادرو!" — ابوعامر فاسق نے کہا — "تم مجھے یقیناً پہچانتے ہو۔ میں کون ہوں۔ میری بات غور سے سُن لو اور . . . ."

وہ اپنی للکار پوری نہ کر پایا تھا کہ مجاہدینِ اسلام کی صف سے قبیلہ اوس کے ایک مجاہد کی آواز گرجی — "او فاسق، بدکار! ہم تیرے نام پر تھوک چکے ہیں۔"

خالد کو وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ مجاہدینِ اسلام کی صف سے ابوعامر اور اُس کے ساتھ گئے ہوئے غلاموں پر پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ پتھر برسانے والے قبیلہ اوس کے مجاہدین تھے۔ ابوعامر اور غلام جو مجاہدین کے پتھروں کی زد میں تھے، ایک ایک دو دو پتھر کھا کر پیچھے بھاگ آئے۔

یہودی مدینہ میں بیٹھے لڑائی کی خبروں کا انتظار کر رہے تھے۔ جس یہودن کے طلسم میں ابوعامر گرفتار تھا، وہ اپنی کامیابی کی خبر سُننے کے لیے بے تاب تھی۔ اُسے ابھی معلوم نہ تھا کہ اُس کے حُسن و جوانی کے طلسم کو مسلمانوں نے سنگسار کر دیا ہے۔ (اس سلسلے کی آنے والی اقساط میں یہودیوں اور قریش کی عورتوں کی زیرِ زمین کارروائیوں کی تفصیلی کہانیاں سنائی جائیں گی)۔

ابوعامر فاسق کے اس واقعہ سے پہلے وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ گئی تھیں لشکر کے درمیان کھڑی ہو کر سریلی آوازوں میں ایسے گیت گاتی تھیں جن میں جنگ میں مارے جانے والے

قریش کا ذکر ایسے الفاظ اور ایسی طرز میں کیا گیا تھا کہ سُننے والوں کا خون کھولتا اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ان عورتوں میں سے ایک دو نے جوشیلی تقریر کی صورت میں بھی قریش کے خون کو گرمایا تھا۔ عورتوں کو پیچھے چلے جانے کا حکم ملا تو ابوسفیان کی بیوی ہند نے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ایک گیت گانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز بلند تھی اور آواز میں سوز بھی تھا۔ تاریخ لکھنے والوں نے اُس کے گیت کے پُورے اشعار قلم بند نہیں کیے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ گیت فحش تھا جس میں مرد اور عورت کے درپردہ تعلقات کا ذکر تھا۔ اشعار جو تاریخ میں آئے ہیں وہ اس طرح ہیں۔ ان میں جس عبدالدار کا نام آتا ہے، یہ بنو عبدالدار ہے۔ بنو امیہ اسی کی ایک شاخ تھی۔ بنو عبدالدار قریش کا بہت اونچا خاندان تھا:

عبدالدار کے سپوتو!
ہمارے گھرانوں کے پاسبانو!
ہم رات کی بیٹیاں ہیں
ہم تکیوں کے درمیان حرکت کیا کرتے ہیں
اِس حرکت میں لُطف اور لذّت ہوتی ہے
تم دشمن پر چڑھ دوڑے تو ہم تمہیں اپنے سینوں سے لگالیں گی
تم بھاگ آئے تو ہم تمہارے قریب نہیں آئیں گی

٭

اس کے بعد ابوعامر فاسق پر مجاہدینِ اسلام کی طرف سے سنگباری ہوئی اور اس کے فوراً بعد قریش نے مجاہدین پر تیر پھینکنے شروع کر دئیے۔ مجاہدین نے اس کے جواب میں تیر برسائے۔ خالد اپنے پہلو والے مسلمانوں کے پہلو پر حملہ کرنے کے لیے اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ تیزی سے بڑھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ بلندی پر تیرانداز چھُپے بیٹھے ہیں۔ اُس کے سوار بے دھڑک چلے آ رہے تھے۔ راستہ ذرا تنگ تھا۔ سواروں کو آگے پیچھے ہونا پڑا۔

خالد سوچ سمجھ کر اپنے سوار دستے کو اس پہلو پر لایا تھا۔ اپنے باپ کی تربیت کے مطابق اُسے بڑی خود اعتمادی سے توقع تھی کہ وہ ہلہ بول کر مسلمانوں کو اس پوزیشن میں لے آئے گا کہ وہ پسپا ہو جائیں گے اور اگر جم کر لڑے تو قریش کے گھوڑوں تلے کُچلے جائیں گے مگر مسلمانوں کے پہلو سے اُس کے سوار ابھی دُور ہی تھے کہ اُوپر سے تیر اندازوں نے اُس کے اگلے سواروں کو نہ آگے جانے کے قابل چھوڑا نہ وہ پیچھے ہٹنے کے قابل رہے۔ ایک ایک سوار کئی کئی تیر کھا کر گرا اور جن گھوڑوں کو تیر لگے انہوں نے خالد کے سوار دستے کے لیے قیامت بپا کر دی۔ پیچھے والے سواروں نے گھوڑے موڑے اور پسپا ہو گئے۔

اِدھر قریش کی عورتوں نے دَف اور ڈھولک کی تھاپ پر وُہی گیت گانا شروع کر دیا جو ہند نے اکیلے گایا تھا — "عبدالدار کے سپوتو! ہم رات کی بیٹیاں ہیں۔ ہم تم تکیوں کے درمیان . . . ."

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مؤرخ واقدی لکھتا ہے کہ عربی جنگجوؤں کے اُس وقت کے رواج کے مطابق ایک ایک جنگجو کے لڑنے کا مرحلہ آیا۔ سب سے پہلے قریش کے پرچم بردار طلحہ بن ابوطلحہ نے آگے جاکر مجاہدینِ اسلام کو للکارا کہ اُس کے مقابلے کے لیے کسی کو آگے بھیجو۔

"آ میرے دین کے دشمن!" — حضرت علیؓ نے تند ہوا کے جھونکے کی طرح آگے آکر کہا۔ "میں آتا ہوں تیرے مقابلے کے لیے۔"

طلحہ اپنے قبیلے کا پرچم تھامے، تلوار لہراتے ہوئے، بپھرا ہُوا آیا مگر اُس کا وار ہوا کو چیرتا ہُوا گزر گیا۔ وہ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی تلوار نے اُسے ایسا گہرا زخم لگایا کہ پہلے اُس کا پرچم گرا پھر وہ خود گرا۔ قریش کا ایک آدمی دوڑا آیا اور پرچم اُٹھا کر پیچھے چلا گیا۔ علیؓ اُسے بھی گرا سکتے تھے مگر انفرادی مقابلوں میں یہ روا نہ تھا۔

طلحہ کو اُٹھا کر پیچھے لے آئے۔ اُس کے خاندان کا ایک اور آدمی آگے بڑھا۔

"میں انتقام لینے کا پابند ہوں" — وہ للکار کر آ گے گیا "علیؓ! آ، میری تلوار کی کاٹ دیکھ۔"

حضرت علیؓ خاموشی سے اُس کے مقابلے میں آ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ایک چکر کاٹا پھر اُن کی تلواریں اور ڈھالیں ٹکرائیں اور اس کے بعد سب نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور اُن کا مدِمقابل زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا۔

پھر قریش کے متعدد آدمی باری باری للکارتے ہوئے آگے بڑھے اور مجاہدین کے مقابلے میں مرتے گئے۔

قریش کا سالارِ اعلیٰ ابُوسفیان اپنے آدمیوں کو گرتا دیکھ کر غصّے سے باؤلا ہو گیا۔ جنگی دستور کے مطابق اُسے انفرادی مقابلے کے لیے نہیں اُترنا چاہیئے تھا کیونکہ وہ سالار تھا۔ اُس کے مارے جانے سے اُس کی فوج میں ابتری پھیل سکتی تھی لیکن وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور للکارتا ہُوا آگے چلا گیا۔

اُس کی بیوی ہُند نے اُسے جاتے دیکھا تو اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آگے چلی گئی اور بڑی بلند آواز سے وہی گیت گانے لگی جس کے اشعار یہ بھی تھے کہ تم بھاگ آئے تو ہم تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیں گی۔

ابوسفیان گھوڑے پر سوار تھا لیکن اُس کے مقابلے کے لیے جو مسلمان آگے آیا وہ پیادہ تھا۔ تاریخ اُسے حنظلہ بن ابوعامر کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ابوسفیان کے ہاتھ میں لمبی برچھی تھی۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ تلوار والا پیادہ برچھی والے گھوڑسوار سے زندہ بچ جائے گا۔ ابُوسفیان کا گھوڑا حنظلہ پر سرپٹ دوڑتا آیا۔ ابوسفیان نے برچھی تول کر پھر تاک کر ماری لیکن حنظلہ پھرتی سے ایک طرف ہو گیا۔

اس طرح تین مرتبہ ہُوا۔ تیسری مرتبہ ابوسفیان کا گھوڑا نکل گیا تو حنظلہ اُس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ گھوڑا رک کر پیچھے کو مڑا تو حنظلہ اُس تک پہنچ چکا تھا۔ ابوسفیان اُسے دیکھ نہ سکا۔ حنظلہ نے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسا زوردار وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ ابوسفیان دوسری طرف گرا۔ حنظلہ اس پر حملہ کرنے کو آگے بڑھا تو ابوسفیان گرے ہوئے گھوڑے کے اردگرد دوڑ دوڑ کر اپنے آپ

کو بچانے لگا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے قریش کو مدد کے لیے بُلایا۔

قریش کا ایک پیادہ دوڑا آیا۔ مسلمان اس غلط فہمی میں رہے کہ یہ آدمی ابوسفیان کو اپنے ساتھ لے جائے گا لیکن اُس نے بے اصولی کا مظاہرہ کیا۔ پیچھے سے حنظلہ پر وار کر کے اُسے شہید کر دیا۔ ابوسفیان اپنی صفوں میں بھاگ گیا۔

آخری مقابلے کے لیے قریش کی طرف سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر آیا۔ مؤرّخ واقدی نے یہ واقعہ اِس طرح بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اُبوبکر کی للکار پر اُس کے والد حضرت ابوبکرؓ جو اسلام قبول کر کے رسولؐ اللہ کے ساتھ تھے تلوار نکال کر اپنے جوان بیٹے کے مقابلے کے لیے نکلے۔

"آگے آ مسلمان باپ کے کافر فرزند!" — حضرت ابوبکرؓ نے للکار کر کہا۔

رسولِ کریمؐ نے دیکھا کہ باپ بیٹا مقابلے پر اُتر آئے ہیں تو آپ نے دوڑ کر حضرت ابوبکرؓ کو روک لیا۔

— "تلوار نیام میں ڈالیں ابوبکرؓ!" — رسولِ کریمؐ نے فرمایا اور ابوبکرؓ کو پیچھے لے گئے۔

❋

خالد کو جنگ کا شوروغل اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ وہ منظر اُس کی آنکھوں نے اپنی پلکوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔ انفرادی مقابلے ختم ہوتے ہی قریش نے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اُحد کی پہاڑی کو اپنے عقب میں رکھا ہُوا تھا اس لیے مجاہدینِ اسلام کو عقبی حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ آمنے سامنے کا معرکہ خونریز تھا۔ مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی تھی۔ اس کمی کو انہوں نے جذبے اور تیغ زنی کے کمالات سے پُورا کر دیا۔ اگر قریش کو نفری کی افراط حاصل نہ ہوتی تو وہ مسلمانوں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ وہ نفری کے زور پر لڑ رہے تھے۔

خالد کی نظر رسولِ کریمؐ پر تھی۔ آپؐ ایک پہلو پر تھے۔ یہی پہلو تھا جس پر خالد کو حملہ کرنا تھا۔ اب کے اُس نے اپنے سواروں کو یہ حکم دیا کہ وہ گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے تنگ راستے سے آگے نکل جائیں اور مسلمانوں کے پہلو پر ہلّہ بولیں مگر عبداللہؓ بن جُبیر کے پچاس تیراندازوں نے سواروں کو اس طرح پسپا کر دیا کہ وہ چند گھوڑے اور زخموں سے کراہتے ہوئے کچھ سواروں کو پیچھے چھوڑ گئے۔

معرکہ عروج پر تھا۔ صرف ایک آدمی تھا جو لڑ نہیں رہا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں برچھی اٹھائے یوں گھوم پھر رہا تھا جیسے کسی کو ڈھونڈ رہا ہو۔ وہ وحشی بن حرب تھا۔ وہ حمزہؓ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ حمزہؓ کو قتل کرنے کے اُس کے لیے دو انعام تھے۔ ایک یہ کہ اُس کا آقا اُسے آزاد کر دے گا اور دوسرا ابوسفیان کی بیوی ہُند کے وہ زیورات جو اُس نے پہن رکھے تھے۔

اُسے حمزہؓ نظر آ گئے۔ وہ قریش کے ایک آدمی سباع بن عبدالعزیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عرب میں رواج تھا کہ ختنہ عورتیں کیا کرتی تھیں۔ مؤرخ ابنِ ہشام کے مطابق اسلام سے پہلے عربوں میں ختنے کا رواج موجود تھا۔ حمزہؓ نے جس سباع کو للکارا تھا اُس کی ماں ختنے کیا کرتی تھی۔

"ختنے کرنے والی کے بیٹے!" — حمزہؓ نے اُسے للکارا — "اِدھر آ اور مجھے آخری بار دیکھ لے۔"

سباع بن عبدالعزیٰ حمزہؓ کی طرف بڑھا۔ غصّے سے اُس کا چہرہ لال تھا۔ وہ تلوار اور ڈھال کی لڑائی کا ماہر تھا۔ حمزہؓ بھی کچھ کم نہ تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور ایک دوسرے پر وار کرنے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لگے۔ دونوں کی ڈھالیں وار روک رہی تھیں۔ وہ پینترے بدل بدل کر وار کرتے تھے لیکن ڈھالیں تلواروں کے راستے میں آجاتی تھیں۔

اس وقت وحشی بن حرب جھکا ہوا، آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے زمین اور جھاڑیوں نے اوٹ دے رکھی تھی۔ حمزہؓ اپنے دشمن کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ سباع کے سوا انہیں کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

وحشی اُن کے قریب پہنچ گیا۔ برچھی نشانے پر پھینکنے کا وہ ماہر تھا۔ وہ اتنا قریب ہوگیا جہاں سے اُس کی برچھی خطا نہیں جاسکتی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور برچھی کو ہاتھ میں تولا پھر اُسے پھینکنے کی پوزیشن میں لایا۔ حمزہؓ نے سباع پر یکے بعد دیگرے تیزی سے دو تین وار کیے۔ آخری وار ایسا پڑا کہ حمزہؓ کی تلوار سباع کے پیٹ میں اُتر گئی۔ حمزہؓ نے تلوار اُس کے پیٹ سے اس طرح نکالی کہ اس کا پیٹ اور زیادہ پھٹ گیا اور وہ حمزہؓ کے قدموں میں گر پڑا۔

حمزہؓ ابھی سنبھلے ہی تھے کہ وحشی نے اُن پر پُوری طاقت سے برچھی پھینکی۔ فاصلہ بہت کم تھا۔ برچھی حمزہؓ کے پیٹ میں اتنی زیادہ اُتر گئی کہ اُس کی اَنی حمزہؓ کی پیٹھ سے آگے نکل گئی۔ حمزہؓ گرے نہیں۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں وحشی دکھائی دیا۔ حمزہؓ برچھی اپنے جسم میں لیے ہوئے وحشی کی طرف بڑھے۔ وحشی جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ حمزہؓ چار پانچ قدم چل کر گر پڑے۔ وحشی اُن کے جسم کو ہلتا جُلتا دیکھتا رہا۔ جب جسم کی حرکت بند ہوگئی تو وحشی اُن تک آیا۔ وہ شہید ہو چکے تھے۔ وحشی نے اُن کے جسم سے برچھی نکال لی اور چلا گیا۔۔۔ اب وہ ہند اور اپنے آقا جُبیر بن مُطعم کو ڈھونڈنے لگا۔

❋

خالد کو وہ معرکہ یاد آرہا تھا اور اُس کے دل پر بوجھ سا پڑتا جا رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا چلا جا رہا تھا۔ وہ نشیبی جگہ سے گزر رہا تھا اِس لیے اُحد کی پہاڑی کی چوٹی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ اُسے اپنے قبیلے کی عورتیں یاد آئیں جو قریش اور اُن کے اتحادی قبائل کو جوش دلا رہی تھیں۔ خالد کو یاد آیا کہ وہ معرکے کا نظارہ کرنے کے لیے ایک بلند جگہ چڑھ گیا تھا۔ اُسے مسلمان عورتیں نظر آئیں۔ مسلمان اپنے جن زخمیوں کو پیچھے لاتے تھے اُنہیں عورتیں سنبھال لیتی تھیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتیں اور انہیں پانی پلاتی تھیں۔ مسلمانوں کے ساتھ چودہ عورتیں تھیں جن میں حضرت فاطمہؓ بھی تھیں۔

پھر یوں ہُوا کہ قلیل تعداد مجاہدین کثیر تعداد کفّار پر غالب آگئے۔ قریش کا پرچم بردار گرا تو کسی اور نے پرچم اٹھا لیا۔ وہ بھی گرا۔ پرچم کئی بار گرا۔ آخر میں ایک غلام نے پرچم اُٹھا کر اونچا کیا لیکن وہ بھی مارا گیا پھر مسلمانوں نے قریش کو پرچم اُٹھانے کی مہلت نہ دی۔ قریش کے جذبے جواب دے گئے۔

خالد نے ان کی پسپائی دیکھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ مسلمان اُن کا تعاقب کر رہے ہیں۔ قریش اپنے کیمپ میں بھی نہ ٹھہرے۔ اپنا مال اسباب چھوڑ کر افراتفری کے عالم میں بھاگ گئے۔ یہاں سے جنگ کے لعد کا دھا۔ شروع ہوگیا۔ مسلمانوں نے فتح کی خوشی میں اور انتقامی جذبے کے تحت قریش کے کیمپ کو لُوٹنا شروع کر دیا۔ وہ فتح و نصرت کے نعرے لگا رہے تھے۔ قریش ایسے بوکھلا کر بھاگے کہ انہیں اپنی عورتوں کا بھی خیال نہ رہا۔ وہ پیدل بھاگ جا رہی تھیں لیکن مسلمانوں نے اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

قریش کے گھوڑ سواروں کے ایک دستے کا کمانڈر عکرمہ اور دوسرے کا خالد تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے پہلوؤں پر حملے کرنے تھے مگر جنگ کا پانسہ بُری طرح پلٹ گیا تھا۔ عکرمہ اور خالد نے پھر بھی اپنے سواروں کو وہیں رکھا جہاں انہیں تیاری کی حالت میں کھڑا کیا گیا تھا۔ خالد کو اس کیفیت میں بھی توقع تھی کہ وہ شکست کو فتح میں بدل دے گا لیکن جس راستے سے اُسے گزرنا تھا وہاں مسلمان تیر انداز تیار کھڑے تھے۔

اِن مسلمان تیر اندازوں نے اپنی بلند پوزیشن سے دیکھا کہ قریش بھاگ گئے ہیں اور اُن کے ساتھی لُوٹ مار کر رہے ہیں تو وہ مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ چھوڑنے لگے۔ اُن کے کمانڈر عبداللہؓ بن جُبیر نے اُنہیں کہا کہ اپنے رسولؐ کی حکم عدولی نہ کرو۔ آپؐ کا حکم ہے کہ آپؐ کی اجازت کے بغیر یہاں سے کوئی نہ ہٹے۔

"جنگ ختم ہو گئی ہے" ۔۔۔ تیر انداز شور مچاتے ہوئے پہاڑی سے اُترنے لگے ۔۔۔ "مالِ غنیمت، مالِ غنیمت ۔۔۔۔ فتح ہماری ہے"

عبداللہؓ بن جُبیر کے ساتھ صرف نو تیر انداز رہ گئے۔

خالد نے یہ منظر دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے خواب دیکھ رہا ہو۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ وہ تیر اندازوں کو دیکھتا رہا۔ جب وہ قریش کے کیمپ میں پہنچ گئے تو اُس نے اُس پہاڑی (عینین) پر حملہ کر دیا جہاں عبداللہؓ بن جُبیر اور اُس کے نو تیر انداز رہ گئے تھے۔ خالد انہیں نظر انداز بھی کر سکتا تھا لیکن ان سے وہ انتقام لینا چاہتا تھا۔ اُس کے گھوڑ سوار پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ اوپر سے تیر انداز تیزی سے تیر برسا رہے تھے۔

عکرمہ نے خالد کو عینین پر حملہ کرتے دیکھا تو وہ بھی اپنے سوار دستے کو وہیں لے گیا اور اُس کے گھوڑے ہر طرف سے اوپر چڑھنے لگے۔ سواروں کے پاس بھی تیر کمانیں تھیں۔ وہ اوپر کو تیر چلا رہے تھے۔ لیکن اتنے گھوڑ سواروں کو روکنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ سوار اوپر چلے گئے۔ تیر انداز دست بدست لڑائی بھی لڑے اور سب زخمی ہو کر گرے۔ خالد نے زخمیوں کو پہاڑی سے نیچے پھینک دیا۔ عبداللہؓ بن جُبیر بھی شہید ہوگئے۔

وہاں سے خالد اور عکرمہ نے اپنے گھوڑ سواروں کو اُتارا اور اُس مقام پر آگئے جہاں سے مسلمانوں نے لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ خالد کے حکم پر دونوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ مسلمان لڑنے کی حالت میں نہیں تھے لیکن رسولِ کریمؐ نے مجاہدین کی کچھ تعداد کو اپنے ساتھ رکھا ہُوا تھا۔ یہ مجاہدین گھوڑ سواروں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔

قریش کے ساتھ جو عورتیں آئی تھیں وہ بھاگ گئی تھیں لیکن عمرہ نام کی ایک عورت وہیں کہیں چھُپ گئی تھی۔ اُس نے جب قریش کے گھوڑ سواروں کو مسلمانوں پر حملہ کرتے دیکھا تو اُسے قریش کا پرچم زمین پر پڑا نظر آگیا۔ اس عورت نے پرچم اُٹھا کر اُوپر کر دیا۔

ابُوسفیان نے اپنے بھاگتے ہوئے پیادوں پر قابو پا لیا تھا۔ اُس نے اِدھر دیکھا تو اُسے اپنا پرچم لہراتا نظر آیا۔ اُس نے "ہُبل زندہ باد" اور "عزیٰ زندہ باد" کے نعرے لگائے اور پیادوں کو واپس لا کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالد کو وہ وقت یاد آرہا تھا۔ وہ رسولِ کریمؐ کو ڈھونڈ رہا تھا — اور آج، چار برس بعد، وہ مدینہ جا رہا تھا اور اُس کے ذہن پر رسولِ کریمؐ کا غلبہ تھا۔

اُحد کی پہاڑی اُفق سے اُبھرتی آرہی تھی اور خالد کا گھوڑا خراماں خراماں چلا جارہا تھا۔ خالد کی ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہوتی جارہی تھی جیسے اُسے آگے جانے کی کوئی جلدی نہ ہو اور کبھی وہ لگام کو یوں جھٹکا دیتا جیسے اُسے بہت جلدی پہنچنا ہو لیکن جس منزل کو وہ جارہا تھا وہ منزل ابھی اس پر پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی۔ کبھی اُسے یوں لگتا جیسے ایک مقناطیسی قوت ہے جو اُسے آگے ہی آگے کو کھینچ رہی ہے اور کبھی وہ محسوس کرتا جیسے اُس کے اندر سے اُٹھتی ہوئی ایک قوّت اُسے پیچھے دھکیل رہی ہے۔

"خالد!" — اُسے ایک آواز سنائی دی جو اُس کے اندر سے اُٹھی تھی لیکن اِسے حقیقی سمجھ کر اُس نے گھوڑے کی باگ کھینچی اور آگے پیچھے دیکھا۔ وہاں ریت کے سوا کچھ بھی نہ تھا لیکن آواز آرہی تھی — "خالد! کیا یہ سچ ہے جو میں نے سُنا ہے" — خالد نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ اُس کے ساتھی عکرمہ کی آواز تھی۔ ایک ہی روز پہلے عکرمہ اُسے کہہ رہا تھا — "اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے تو یہ خیال دل سے نکال دو۔ محمدؐ ہمارے بہت سے رشتہ داروں کا قاتل ہے۔ اپنے قبیلے کو دیکھ جو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے محمدؐ کو قتل کرنے کی قسم کھاتے ہوتے ہے۔"

خالد نے لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور گھوڑا چل پڑا۔ اُس کا ذہن پھر چار برس پیچھے چلا گیا جب وہ اُحد کے معرکے میں رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ قریش کی اِس قسم کو پورا کرنے کا عزم لیے ہوتے تھا کہ رسول اللہؐ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے قتل کرنا ہے۔ اُسے یاد آرہا تھا کہ مسلمانوں کے تیر اندازوں نے جب عینین کی پہاڑی چھوڑ دی تھی تو اُس نے اِس پہاڑی پر حملہ کر کے عبداللہؓ بن جبیر اور اُن کے نو تیر اندازوں کو جو رسول اللہؐ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے وہاں رہ گئے تھے، ختم کیا تھا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھاگے ہوتے قریش پھر واپس آگئے تھے اور اُنہوں نے اپنے آپ کو منظّم کرلیا تھا۔

مسلمان یہ معرکہ ہار چکے تھے اور یہ اپنے رسولؐ کی حکم عدولی کا نتیجہ تھا۔ خالد اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ فنِ حرب و ضرب کے ماہر تھے۔ اُن کے لیے ایک ایک مسلمان کو قتل کر دینا اب مشکل نہ رہا تھا۔ اب اللہ کے سوا مسلمانوں کی مدد کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خالد دیکھ رہا تھا کہ مسلمان دو حصّوں میں بٹ گئے تھے۔ بڑا حصّہ الگ تھا جو اپنے کمانڈر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کٹ گیا تھا۔ چند ایک تیر انداز رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ صحابہ کرامؓ تھے جن کے دلوں میں مالِ غنیمت کا لالچ نہ تھا۔ ان کی تعداد تیس تھی۔ ان میں ابودجانہ، سعد بن ابی وقاص، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوبکر، حضرت ابوعبیدہ، طلحہ بن عبداللہ، مصعب بن عمیر (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اُن چودہ خواتین میں سے جو زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے ساتھ آئی تھیں دو رسول اللہؐ کے ساتھ تھیں۔ ایک اُمِّ عمارہؓ تھیں اور دوسری اُمِّ ایمنؓ نام کی ایک حبشی خاتون تھیں۔ اُمِّ ایمنؓ آپؐ کے بچپن میں آپؐ کی دایہ رہ چکی تھیں۔ باقی بارہ خواتین ابھی تک زخمیوں کو اُٹھانے، پیچھے لانے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے میں مصروف تھیں۔

خالد رسولِ کریمؐ کو ڈھونڈ رہا تھا لیکن وہ میدانِ جنگ میں زیادہ گھوم پھر نہیں سکتا تھا کیونکہ اُس کی کمان میں گھوڑسواروں کا ایک جَیش تھا جسے اُس نے پوری طرح اپنے نظم و نسق میں رکھا ہُوا تھا۔ وہ اندھا دُھند حملے کا قائل نہیں تھا۔ اُس کا اصول تھا کہ دُشمن کی ایسی رگ پر ضرب لگاؤ کہ دوسری ضرب سے پہلے وہ گھُٹنے ٹیک دے۔

*

آج — چار برس بعد — جب کہ وہ تن تنہا صحرا میں جا رہا تھا اُس کے ذہن میں گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ اُسے تیر کمانوں کے زنّاٹے سُنائی دے رہے تھے۔ اُس کے ذہن میں مسلمانوں کے نعرے گُونج رہے تھے۔ اُس کا خیال تھا کہ مسلمان یہ ظاہر کرنے کے لیے نعرے لگا رہے ہیں کہ انہیں موت کا کوئی ڈر نہیں۔ طنز اور نفرت سے اب بھی اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ آ گئی۔

اُس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کرے گا، قیدی کم ہی بنائے گا۔ اُسے ابھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ رسولِ کریمؐ کہاں ہیں۔ اُس نے دیکھا کہ ابُوسفیان جو بھاگتے ہُوئے قریش کو ساتھ لے کر واپس آ گیا تھا، مسلمانوں کی فوج کے بڑے حصّے پر حملہ آور ہو چکا تھا اور مسلمان بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں نے اُسے اپنی زندگی کا آخری معرکہ سمجھ کر شجاعت اور بے خوفی کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ کثیر تعداد قریش پریشان ہو گئے۔

یہ صُورتِ حال دیکھ کر خالد آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے سواروں کو مسلمانوں پر ہلّہ بولنے کا حُکم دیا۔ اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی اور برچھی ہاتھ میں لے لی۔ اُس نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا تھا۔ اُس نے اِس برچھی سے مسلمانوں کو چُن چُن کر مارا۔ اُس کی برچھی جب کسی مسلمان کے جسم میں داخل ہوتی تو وہ چِلّا کر کہتا — "میں ہُوں ابوسلیمان" — ہر برچھی کے وار کے ساتھ اُس کی للکار سنائی دیتی — "میں ہوں ابُوسلیمان"۔

آج چار برس بعد جب وہ مسلمانوں کے مرکز مدینہ کی طرف جا رہا تھا تو اُسے اپنی ہی للکار سنائی دے رہی تھی — "میں ہُوں ابوسلیمان" — اُسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی برچھی کتنے مسلمانوں کے جسموں میں اُتری تھی۔ وہ رسول اللہؐ کو بھول گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے پتہ چلا تھا کہ مسلمان اپنے نبیؐ کی کمان سے نکل چکے ہیں اور عکرمہ مسلمانوں کے نبیؐ کی طرف چلا گیا ہے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ رسولِ کریمؐ کی کمان ختم ہو چکی تھی اور معرکے کی صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ آپؐ مسلمانوں کو ازسرِ نو منظّم نہیں کر سکتے تھے لیکن آپؐ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے نکلنا بھی نہ چاہتے تھے حالانکہ صورتِ حال ایسی تھی کہ آپؐ کو نکل جانا چاہیے تھا لیکن آپؐ کسی بہتر پوزیشن میں جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ قریش آپؐ

کو ڈھونڈ رہے ہوں گے اور آپؐ کے گروہ پر بڑا شدید حملہ ہو گا۔ آپؐ ایک پہاڑی کی طرف بڑھنے لگے۔ آپؐ کے ساتھیوں نے آپؐ کو اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔

آپؐ تھوڑی ہی دُور گئے ہوں گے کہ عکرمہ نے اپنے گھوڑسواروں سے آپؐ پر حملہ کر دیا۔ قریش کے ایک پیادہ جیش کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ رسولِ کریمؐ پر عکرمہ نے حملہ کر دیا ہے تو قریش کا یہ پیادہ جیش بھی آپؐ کے گروہ پر ٹوٹ پڑا۔ آپؐ کے اور آپؐ کے کسی ایک بھی ساتھی کے بچ نکلنے کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ آپؐ کے تیس ساتھیوں نے اور اُن دو خواتین نے جو آپؐ کے ساتھ تھیں آپؐ کے گرد گوشت پوست کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔

خالد کو یاد آ رہا تھا کہ رسول اللہؐ جسمانی طاقت کے لحاظ سے بھی مشہُور تھے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ آپؐ نے عرب کے مانے ہُوئے پہلوان رِکانہ کو تین بار اُٹھا اُٹھا کر پٹخا تھا۔ اب میدانِ جنگ میں اُن کی طاقت کے ایک اور مظاہرے کا وقت آ گیا۔ گوشت پوست کی وہ دیوار جو آپؐ کے فدائین نے آپؐ کے اِرد گِرد کھڑی کر دی تھی، اُسے آپؐ نے خود توڑا۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی، ترکش میں تیر بھی تھے۔ اُس وقت خالد مسلمانوں کے بڑے حصّے میں اُلجھا ہُوا تھا۔ اُسے جب بعد میں بتایا گیا تھا کہ رسول اللہؐ اور اُن کے تیس ساتھی اور دو عورتیں قریش کے گھوڑسواروں اور پیادوں کے مقابلے میں جم گئے تھے تو خالد نے بڑی مشکل سے یقین کیا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر کہا تھا کہ یہ طاقت جسمانی نہیں ہو سکتی۔ یہ کوئی اور ہی طاقت ہے۔ اُس وقت سے ایک سوال اُسے پریشان کر رہا تھا — کیا عقیدہ طاقت بن سکتا ہے؟ وہ اپنے قبیلے میں کسی سے اِس سوال کا جواب نہیں لے سکتا تھا کیونکہ فوراً یہ الزام عائد ہو سکتا تھا کہ اِس پر بھی محمدؐ کا جادُو اثر کر گیا ہے۔

آج وہ یہی سوال اپنے ذہن میں لیے مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُحد کی پہاڑی افق سے اُوپر اُٹھ آئی تھی۔ چار برس پرانی یادیں اُسے پھر اس پہاڑی کے دامن میں لے گئیں جہاں اُسے اپنا ہی نام سنائی دے رہا تھا — "ابُوسلیمان! ابُوسلیمان!"

وہ اپنے تصوّروں میں دیکھنے لگا کہ اُن تیس آدمیوں اور دو عورتوں نے اتنے سارے گھوڑسواروں اور پیادوں کا مقابلہ کس طرح کیا ہو گا۔ رسولِ کریمؐ اپنے دستِ مبارک سے تیر برسا رہے تھے۔ آپؐ کے ساتھی بڑھ بڑھ کر آپؐ کو اپنے حلقے میں لے لیتے تھے۔ ایک مؤرخ مغازی کی تحریر کے مطابق آپؐ اپنے گرد حلقے کو بار بار توڑتے اور جدھر سے اُن پر دشمن بڑھتا، اُس پر تیر چلاتے تھے۔ آپؐ کی جسمانی طاقت عام انسان سے کہیں زیادہ تھی۔ آپؐ کمان کو اس قدر زور سے کھینچتے تھے کہ آپؐ کا چھوڑا ہُوا تیر جس جسم میں لگتا تھا، تیر کی نوک اُس جسم کے دوسری طرف نکل جاتی تھی۔ آپؐ نے اس قدر تیر چلائے کہ ایک تیر چلانے کے لیے آپؐ نے کمان کو کھینچا تو کمان ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے اپنی ترکش میں بچے ہُوئے تیر سعدؓ بن ابی وقاص کو دے دیئے۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے نشانے کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ خود آپؐ سعدؓ کے نشانے کو تسلیم کرتے تھے۔

اُدھر مسلمان ابوسفیان اور خالد کے ہاتھوں کٹ رہے تھے اور خون کا آخری قطرہ بہ جانے تک مقابلہ کر رہے تھے، اِدھر آپؐ کے تیس فدائین اور دو خواتین کی بے جگری کا یہ عالم تھا جیسے اُن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کے جسم نہیں اُن کی روحیں لڑ رہی ہوں۔ مشہور مورّخ طبری لکھتا ہے کہ ایک ایک مسلمان نے بیک وقت چار چار یا پانچ پانچ قریش کا مقابلہ کیا۔ اُن کا انداز ایسا دہشتناک تھا کہ قریش پیچھے ہٹ جاتے تھے یا اُن پر حملہ کرنے والا اکیلا مسلمان زخموں سے چُور ہو کر گر پڑتا تھا۔

*

قریش نے جب رسولِ اکرم کے فدائین کی شجاعت کا یہ عالم دیکھا تو کچھ پیچھے ہٹ کر اُن پر تیروں کے ساتھ ساتھ پتھّر بھی برسانے لگے۔ اِس کے ساتھ ہی قریش کے چند ایک گھوڑسوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے آپؐ پر حملہ آور ہوئے لیکن آپؐ کے ساتھیوں کے تیر اُن کے جسموں میں اُتر کر اُنہیں واپس چلے جانے پر مجبور کر دیتے تھے۔ اِس صورتِ حال سے بچنے کے لیے قریش نے چاروں طرف سے تیروں اور پتھّروں کا مینہ برسا دیا۔

خالد کو عکرمہ نے بتایا تھا کہ ابُو دجانہؓ رسولِ اکرم کے آگے جا کھڑے ہوئے۔ اُن کی پیٹھ دشمن کی طرف تھی۔ ابُو دجانہؓ بیک وقت دو کام کر رہے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے تیر سعدؓ بن ابی وقاص کو دیتے جا رہے تھے اور سعدؓ بڑی تیزی سے تیر چلا رہے تھے۔ اِس کے ساتھ ہی ابُو دجانہؓ رسولِ اکرم کو تیروں سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیروں اور پتھّروں کی بارش میں کوئی نہ دیکھ سکا کہ ابُو دجانہؓ کس حال میں ہیں۔ جب ابو دجانہؓ گر پڑے تو اُس وقت دیکھا کہ اُن کی پیٹھ میں اتنے تیر اُتر گئے تھے کہ اُن کی پیٹھ خارپُشت کی پیٹھ لگتی تھی۔

رسولِ اکرم کو بچانے کے لیے آپؐ کے کئی ساتھیوں نے جان دے دی لیکن عکرمہ اور اُس کے گھوڑسواروں اور پیادوں پر اتنی دہشت طاری ہو چکی تھی کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ قریش تھک بھی گئے تھے۔ رسولِ کریم نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا۔ ہر طرف خون ہی خون تھا لیکن زخمیوں کو اُٹھانے اور مرہم پٹّی کرنے کا موقعہ نہ تھا۔ دشمن ایک اور ہلّہ بولنے کے لئے پیچھے ہٹا تھا۔

"مجھے قریش کے ایک اور آدمی کا انتظار ہے"۔۔۔ رسولِ اکرم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"کون ہے وہ یا رسول اللہ!"۔۔۔ آپؐ کے ایک صحابیؓ نے پُوچھا۔۔۔ "کیا وہ ہماری مدد کو آ رہا ہے"؟

"نہیں"۔۔۔ آپؐ نے فرمایا۔۔۔ "وہ مجھے قتل کرنے آئے گا۔ اُسے اب تک آ جانا چاہئے تھا"۔

"لیکن وہ ہے کون؟"

"اُبّی بن خلف"۔۔۔ آپؐ نے فرمایا۔

اُبّی بن خلف رسولِ اکرم کے کٹّر مخالفین میں سے تھا۔ وہ مدینے کا رہنے والا تھا۔ اُسے جب پتہ چلا کہ رسول اللہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے تو ایک روز وہ آپؐ کے پاس آیا اور اُس نے آپؐ کا مذاق اُڑایا۔ آپؐ نے تحمّل اور بُردباری سے اُسے اِسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

"کیا تم مجھے اتنا کمزور سمجھتے ہو کہ میں تمہارے اِس بے بنیاد عقیدے کو قبول کر لوں گا"۔۔۔ اُبّی بن خلف نے گستاخانہ لہجے میں کہا تھا۔۔۔ "میری بات غور سے سُن لے محمّد! کسی روز میرا گھوڑا دیکھ لینا۔ اِسے میں اُس وقت کے لیے موٹا تازہ کر رہا ہوں جب تم قریش کو پھر کبھی جنگ کے لئے للکارو گے۔ اب بدر کے خواب دیکھنے چھوڑ دو۔ میں اِسی گھوڑے پر سوار ہوں گا اور تم مجھے میدانِ جنگ میں اپنے سامنے دیکھو گے اور میں اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں اپنے ہاتھوں قتل کروں گا"۔

"اُبّی!"۔۔۔ رسولِ خدا نے مُسکرا کر کہا تھا۔۔۔ "زندگی اور موت اُس اللہ کے اختیار میں ہے جس نے مجھے نبوّت عطا فرمائی ہے اور مجھے گمراہ لوگوں کو سیدھے راستے پر لانے کا فرض سونپا ہے۔ ایسی بات مُنہ سے نہ نکالو جسے میرے اللہ کے سوا کوئی بھی پُورا نہ کر سکے۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم مجھے قتل کرنے آؤ اور تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ"۔

اُبّی بن خلف رسول اللہ کی اِس بات پر طنزیہ ہنسی ہنس پڑا اور ہنستا ہُوا چلا گیا۔

*

اب اُحد کے معرکے میں رسولِ خدا کو اُبّی بن خلف یاد آ گیا۔ جُوں ہی آپؐ نے اُس کا نام لیا تو دُور سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا۔ سب نے اُدھر دیکھا۔

"میرے عزیز ساتھیو!"۔۔۔ رسولِ اکرم نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔۔۔ "مجھے کچھ ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ سوار جو ہماری طرف بڑھتا آ رہا ہے اُبّی ہی ہو گا۔ اگر وہ اُبّی ہی ہُوا تو اُسے روکنا نہیں۔ اُسے میرے سامنے اور میرے قریب آنے دینا"۔

مورّخین واقدی، مغازی اور ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ وہ سوار اُبّی بن خلف ہی تھا۔ اُس نے للکار کر کہا۔۔۔ "سنبھل جا محمّد! اُبّی آ گیا ہے۔ یہ دیکھ میں اُسی گھوڑے پر سوار ہوں جو تمہیں دکھایا تھا"۔

"یا رسول اللہ!"۔۔۔ رسول اللہ کے ساتھیوں میں سے تین چار نے آگے ہو کر کہا۔۔۔ "ہمیں اجازت دیں کہ اسے آپؐ کے قریب آنے تک ختم کر دیں"۔

"نہیں"۔۔۔ رسولِ اکرم نے کہا۔۔۔ "اِسے آنے دو۔ میرے قریب آنے دو۔۔۔۔ اِسے راستہ دے دو"۔

رسولِ کریم کے سر پر زنجیروں والی خود تھی۔ اس کی زنجیریں آپؐ کے چہرے کے آگے اور دائیں بائیں لٹک رہی تھیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں برچھی تھی اور تلوار نیام میں تھی۔ اُبّی کا گھوڑا قریب آ گیا تھا۔

"آگے آ جا اُبّی!"۔۔۔ رسولِ خدا نے للکار کر کہا۔۔۔ "میرے سوا تیرے ساتھ کوئی نہیں لڑے گا"۔

اُبّی بن خلف نے اپنا گھوڑا قریب آ کر روکا اور طنزیہ قہقہہ لگایا۔ اُسے شاید پُورا الیقین تھا کہ وہ آپؐ کو قتل کر دے گا۔ اُس کی تلوار ابھی نیام میں تھی۔ آپؐ اُس کے قریب چلے گئے۔ وہ بڑے طاقتور گھوڑے پر تھا اور آپؐ زمین پر۔ اُس نے ابھی تلوار نکالی ہی تھی کہ آپؐ نے آگے بڑھ کر اور اُچھل کر اُس پر برچھی کا وار کیا۔ وہ وار بچانے کے لئے ایک طرف کو جھک گیا لیکن وار خالی نہ گیا۔ آپؐ کی برچھی کی اَنی اُس کے دائیں کندھے پر ہنسلی کی ہڈی سے نیچے لگی۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اُس کی پسلی ٹُوٹ گئی۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسولِ خدا کا وار اتنا کاری نہ تھا کہ اُبی جیسا قوی ہیکل آدمی اُٹھ نہ سکتا۔ رسولِ خدا اُس پر دوسرا وار کرنے کو دوڑے۔ وہ گھوڑے کے دوسری طرف گِرا تھا۔ اُس پر شاید دہشت طاری ہو گئی تھی یا آپؐ کا وار اُس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ اُٹھا اور اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وہ چلاّتا جا رہا تھا ― "محمدؐ نے مجھے قتل کر دیا ہے ..... اے اہلِ قریش، محمدؐ نے مجھے قتل کر ڈالا ہے۔"

قریش کے کچھ آدمیوں نے اُس کے زخم دیکھے تو اُسے تسلّی دی کہ اُسے کسی نے قتل نہیں کیا۔ زخم بالکل معمولی ہیں، لیکن اُس پر نہ جانے کیسی کیفیّت طاری ہو گئی تھی کہ اُس کی زبان سے یہی الفاظ نکلتے تھے ― "میں زندہ نہیں رہوں گا، محمدؐ نے کہا تھا کہ میں اُس کے ہاتھوں قتل ہو جاؤں گا۔"

مؤرخ ابنِ ہشام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اُبیّ نے یہ الفاظ بھی کہے تھے ― "اگر محمدؐ مجھ پر صرف تھوک دیتا تو بھی میں زندہ نہ رہ سکتا۔" ― جب اُحد کا معرکہ ختم ہو گیا تو اُبی قریش کے ساتھ مکّہ کو روانہ ہُوا۔ راستے میں اُنہوں نے پڑاؤ کیا تو اُبی مر گیا۔

*

خالد کو آج چار برس بعد وہ وقت کل کی بات کی طرح یاد آ رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ مسلمانوں کو اہلِ قریش کچل کر رکھ دیں گے لیکن مسلمان جس طرح جانیں قربان کر رہے تھے، اُس نے خالد کو پریشان کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے مسلمان پیادوں سے قریش کے گھوڑے بھی خوفزدہ ہیں۔ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اِس خونریز معرکے میں اُبوسفیان کو تلاش کرتا اُس تک پہنچا۔

"کیا ہم مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے قابل نہیں رہے؟" ― خالد نے اُبوسفیان سے کہا ― "کیا قریش کی ماؤں کے دُودھ ناقص تھے کہ یہ اِن مُٹھی بھر مسلمانوں سے خوفزدہ ہوئے جا رہے ہیں؟"

"دیکھو خالد!" ― اُبوسفیان نے کہا۔ "جب تک محمدؐ اُن کے ساتھ ساتھ ہے اور وہ زندہ و سلامت ہے، یہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک شکست نہیں کھائیں گے۔"

"تو یہ فرض مجھے کیوں نہیں سونپ دیتے؟" ― خالد نے کہا۔

"نہیں" ― اُبوسفیان نے کہا۔ "تم اپنے سواروں کے پاس جاؤ۔ تمہاری قیادت کے بغیر وہ بکھر جائیں گے۔ محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لئے میں پیادے بھیج رہا ہوں۔"

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو افسوس ہو رہا تھا کہ اُبوسفیان نے اُس کے ایک عزم کو کچل ڈالا تھا۔ رسولِ خدا کے قتل کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ وہ رسولِ خدا کو قتل کر کے اپنے سب سے بڑے دیوتاؤں ہُبل اور عُزیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے سالار کا حکم ماننا ضروری سمجھا اور اپنے سوار دستے کی طرف چلا گیا۔ اُسے اتنا اطمینان ضرور تھا کہ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ اب چند ایک ساتھی ہی رہ گئے ہوں گے اور آپؐ کو قتل کرنا اب کوئی مشکل نہیں ہو گا اور اس کے بعد مسلمان اُٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔ خالد کو میدانِ جنگ کی کیفیّت بڑی اچھی طرح یاد تھی۔ اُس نے ذرا بلندی سے دیکھا تھا کہ اُحد کے دامن میں دُور دُور تک زمین خون سے لال ہو گئی تھی۔ کہیں گھوڑے تڑپ رہے تھے اور کہیں خون میں نہائے ہوئے انسان کراہ رہے تھے۔ زخمیوں کو اُٹھانے کا ابھی کسی کو ہوش نہ تھا۔

پھر اُس نے دیکھا۔ پیادہ قریش رسولِ کریمؐ کے قریب پہنچ گئے تھے اور انہوں نے آپؐ کے ساتھیوں کا حلقہ بھی توڑ لیا تھا۔ قریش کے تین آدمی ― عتبہ بن ابی وقاص، عبداللہ بن شہاب اور ابنِ قُمیۂ ― رسولِ کریمؐ پر پتھر برسانے لگے۔ عجیب صورت یہ تھی کہ عتبہ کا سگا بھائی سعدؓ بن ابی وقاص رسولِ اکرمؐ کی حفاظت میں لڑ رہا تھا۔ رسولِ اکرمؐ کے ساتھیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی یا وہ لڑتے لڑتے بکھر گئے تھے۔

عتبہ نے آپؐ پر جو پتھّر برسائے ان سے آپؐ کے نیچے والے دو دانت ٹُوٹ گئے اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ عبداللہ کے پتھّر سے آپؐ کی پیشانی پر خاصا گہرا زخم آیا۔ ابنِ قُمیۂ نے قریب آ کر اتنی زور سے پتھّر مارا کہ آپؐ کے خود کی زنجیر کی دو کڑیاں ٹُوٹ کر رُخسار میں اُتر گئیں۔ ان سے رُخسار کی ہڈی بھی بُری طرح مجروح ہوئی۔ آپؐ نے برچھی سے دشمنوں پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دشمن قریب نہیں آتے تھے۔ آپؐ کا خون اتنا نکل گیا تھا کہ آپؐ گر پڑے۔ اُس وقت آپؐ کے ایک صحابی طلحہؓ نے جو قریش کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ لڑ رہے تھے، دیکھ لیا اور دوڑتے ہوئے آپؐ تک پہنچے۔ اُن کی للکار پر اُن کے دوسرے ساتھی بھی آ گئے۔ آپؐ کو پتھّروں سے گرانے والے قریش آپؐ پر تلواروں سے حملہ کرنے ہی والے تھے کہ سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنے سگے بھائی عتبہ پر حملہ کر دیا۔ عتبہ اپنے بھائی کا غیض و غضب دیکھ کر بھاگ اُٹھا۔

طلحہؓ نے رسولِ خدا کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ آپؐ پوری طرح ہوش میں تھے۔ اِس دوران آپؐ کے ساتھیوں نے اِن آدمیوں کو بھگا دیا تھا جنہوں نے رسولِ کریمؐ پر حملہ کیا تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ سعدؓ بن ابی وقاص پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ سعدؓ کہتے تھے ― "میں اپنے بھائی کو قتل کر کے اُس کے جسم کے ٹکڑے کر دینا چاہتا ہوں جس نے میری موجودگی میں میرے نبیؐ پر حملہ کیا ہے۔" ― وہ اکیلے ہی قریش کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتے تھے۔ اُنہیں بڑی مشکل سے روکا گیا۔ اگر رسولِ خدا اُنہیں رُکنے کا حکم نہ دیتے تو وہ کبھی نہ رُکتے۔

*

قریش غالباً بہت ہی تھک گئے تھے۔ وہ معرکے سے مُنہ موڑ گئے۔ تب رسولِ اکرمؐ کے ساتھیوں نے آپؐ کے زخموں کی طرف توجہ دی جو خواتین آپؐ کے ساتھ تھیں، اُنہوں نے آپؐ کو پانی پلایا۔ کپڑوں سے زخم صاف کیے۔ اس وقت یہ دیکھا گیا کہ خود کی زنجیروں کی ٹوٹی ہوئی کڑیاں آپؐ کے رُخسار کی ہڈی میں اُتری ہوئی ہیں۔ ایک صحابی اُبوعبیدہؓ جو عرب کے ایک مشہور جرّاح کے فرزند تھے، آگے بڑھے اور آپؐ کے رُخساروں سے کڑیاں نکالنے لگے لیکن ہاتھوں سے کڑیاں نہ نکلیں۔ آخر اُبوعبیدہؓ نے دانتوں کی مدد سے ایک کڑی نکال لی۔ جب دوسری کڑی نکالی تو کڑی تو نکل آئی لیکن اُبوعبیدہؓ کے سامنے کے دو دانت ٹُوٹ گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے اُبوعبیدہؓ کو الاثرم کہنا شروع کر دیا جس کا مطلب ہے وہ آدمی جس کے سامنے والے دانت نہ ہوں۔ پھر وہ اِسی نام سے مشہور ہو گئے۔

اُمِّ ایمنؓ جو رسولِ اکرمؐ کے بچپن میں آپؐ کی دایہ رہ چکی تھیں، آپؐ پر جُھکی ہوئی تھیں۔ اُس وقت تک آپؐ کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ اچانک ایک تیر اُمِّ ایمنؓ کی پیٹھ میں اُتر گیا اور اس کے ساتھ ہی دُور سے ایک قہقہہ سنائی دیا۔ سب نے اُدھر دیکھا تو قریش کا ایک آدمی حبان بن العرقہ دُور کھڑا ہنس رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ تیر اُسی نے چلایا تھا۔ وہ ہنستا ہُوا پیچھے کو مُڑا۔ رسولِ خدا نے ایک تیر سعدؓ بن

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

وقاص کو دے کر کہا کہ یہ شخص یہاں سے تیر لے کر ہی واپس جائے گا۔ سعدؓ نے جو تمام قبائل میں تیر اندازی میں خصوصی شہرت رکھتے تھے، کمان میں تیر ڈال کر حبان پر چلایا۔ تیر حبان کی گردن میں اُتر گیا۔ سعدؓ کے تمام ساتھیوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ حبان نے ڈگمگاتے ہوئے چند قدم اٹھائے اور وہ گر پڑا۔

آج خالد جب مدینہ کی طرف بڑھتا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اُفق سے اوپر ہی اوپر اٹھتی آرہی تھی، اُسے اپنے کچھ ساتھی یاد آنے لگے۔ عقیدوں کے اختلاف نے بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیا تھا لیکن خالد کو یہ خیال بھی آیا کہ بعض لوگ اپنے عقیدے کو اس لیے سچا سمجھتے ہیں کہ وہ اُس کے پیروکار ہوتے ہیں۔ حق اور باطل کے فرق کو سمجھنے کے لیے بڑی مضبوط شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک سوال اُسے پھر پریشان کرنے لگا ۔۔۔ ''میں مدینہ کیوں جا رہا ہوں؟ .... اپنا عقیدہ مدینے والوں پر ٹھونسنے کے لیے یا اُن کا عقیدہ اپنے اوپر مسلّط کرنے کے لیے؟'' ۔۔۔ اُسے ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو ایک ہی روز پرانی تھی ۔۔۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ تم مدینہ جا رہے ہو؟ کیا تمہاری رگوں میں ولید کا خون سفید ہوگیا ہے؟''

صحرا میں جاتے ہوئے اُن آوازوں نے کچھ دُور تک اُس کا تعاقب کیا۔ پھر وہ اپنے اُن دوستوں کی یاد میں کھو گیا جن کے خلاف وہ لڑا اور جن کا خون اُس کے سامنے بہہ گیا تھا۔ ان میں ایک مصعبؓ بن عمیر بھی تھے۔

قریش جو معرکے سے منہ موڑ گئے تھے کچھ دُور ہی پہنچے تھے کہ خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوسفیان کو جا پکڑا۔ اُس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم لوگ جنگ کو ادھورا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ مسلمانوں کا دم خم ختم ہو چکا ہے۔ ابوسفیان بھی یہی چاہتا تھا کہ یہ معرکہ فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچے۔ قریش کے چند سوار وہیں سے پلٹ آئے۔ خالد دیکھ چکا تھا کہ رسولِ کریمؐ کہاں ہیں۔ یہاں پھر ابوسفیان نے خالد کو کسی اور طرف بھیج دیا اور کچھ آدمیوں کو نبیؐ کریم پر حملے کا حکم دیا۔ اب رسولِ کریمؐ کے ساتھ کچھ اور مسلمان آن ملے تھے۔

*

اب پھر ابن قمئہ لڑتے ہوئے مسلمانوں کا حلقہ توڑ کر رسولِ اکرمؐ تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس وقت رسولِ اکرمؐ کے پاس مصعبؓ بن عمیر کھڑے تھے اور اُمّ عمّارہ اپنے قریب پڑے ہوئے دو تین زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اُنہوں نے جب قریش کو ایک بار پھر حملے کے لیے آتے دیکھا تو زخمیوں سے ہٹ کر اُنہوں نے ایک زخمی کی تلوار اُٹھالی اور قریش کے مقابلے میں ڈٹ گئیں۔ قریش کا سب سے پہلا سوار جواُن کے قریب آیا، اُس تک وہ نہیں پہنچ سکتی تھیں اس لیے اُنہوں نے تلوار سے اُس کے گھوڑے پر ایسا وار کیا کہ گھوڑا گر پڑا۔ سوار گھوڑے کے دوسری طرف گرا۔ اُمّ عمّارہ نے گھوڑے کے اوپر سے کود کر قریش کے اُس آدمی پر وار کیا اور اُسے زخمی کر دیا۔ وہ اُٹھا اور بھاگ گیا۔

مصعبؓ بن عمیر کی قدبُت اور شکل و صورت میں رسولِ کریمؐ کے ساتھ نمایاں مشابہت تھی۔ ابن قمئہ مصعبؓ کو رسولِ خدا سمجھ کر اُن پر حملہ آور ہُوا۔ مصعبؓ تیار تھے۔ انہوں نے ابن قمئہ کا مقابلہ کیا۔ کچھ دیر دونوں میں تیغ زنی ہوتی لیکن ابن قمئہ کا ایک وار مصعبؓ پر ایسا بھرپور پڑا کہ وہ گرے اور شہید ہو گئے۔ اُمّ عمّارہ

نے مصعبؓ کو گرتے دیکھا۔ غیظ و غضب سے ابن قمئہ پر تلوار کا وار کیا لیکن ابن قمئہ نے زرہ پہن رکھی تھی اور وار کرنے والی ایک عورت تھی اس لیے ابن قمئہ کو کوئی زخم نہ آیا۔ ابن قمئہ نے اُمّ عمّارہ کے کندھے پر بھرپور وار کیا جس سے وہ شدید زخمی ہو کر گر پڑیں۔

اُس وقت رسول کریمؐ جو قریب ہی تھے، ابن قمئہ کی طرف بڑھے لیکن ابن قمئہ نے پینترا بدل کر آپؐ پر ایسا وار کیا جو آپؐ کے خود پر پڑا۔ تلوار خود سے پھسل کر آپؐ کے کندھے پر لگی۔ آپؐ کے بالکل پیچھے ایک گڑھا تھا۔ آپؐ زخم کھا کر پیچھے ہٹے اور گڑھے میں گر پڑے۔ ابن قمئہ نے پیچھے ہٹ کر گلا پھاڑ کر کہا ۔۔۔ ''میں نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے'' ۔۔۔ وہ یہی نعرے لگاتا میدانِ جنگ میں گھوم گیا۔ اُس کی آواز قریش نے بھی سنی اور مسلمانوں نے بھی۔

قریش کو تو خوش ہونا ہی تھا، مسلمانوں پر اس کا بڑا تباہ کُن اثر ہُوا۔ وہ حوصلہ ہار بیٹھے اور اُحد کی پہاڑی کی طرف بھاگنے لگے۔

''اپنے نبیؐ کے شیدائیو!'' بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو ایک للکار سنائی دی ۔۔۔ ''اگر نبیؐ نہ رہے تو لعنت ہے ہم پر کہ ہم بھی زندہ رہیں۔ تم کیسے شیدائی ہو کہ نبیؐ کریم کی شہادت کے ساتھ ہی تم موت سے ڈر کر بھاگ رہے ہو۔''

مسلمان رُک گئے۔ اس للکار نے انہیں آگ بگولہ کر دیا۔ وہ پیادہ تھے لیکن اُنہوں نے قریش کے گھوڑ سواروں پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ خالد اور عکرمہ کے گھوڑ سواروں پر ہُوا تھا۔

خالد کو آج یاد آرہا تھا کہ اُس کے ہاتھوں کتنے ہی مسلمانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ ان میں ایک رفاعہؓ بن وقش بھی تھے۔ خالد کے دل میں درد کی ایک ٹیس سی اُٹھی۔ اُسے کچھ ایسا احساس ہونے لگا جیسے وہ بے مقصد خون بہاتا رہا ہے لیکن اُس وقت وہ مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔

اب مسلمانوں کا دم خم ٹوٹ چکا تھا۔ پیادے گھوڑ سواروں کا مقابلہ کب تک کرتے۔ وہ مجبور ہو کر پہاڑی کی طرف پسپا ہونے لگے۔ رسولِ اکرمؐ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک تنگ سی وادی کی طرف جا رہے تھے۔ جس طرح مسلمانوں نے مالِ غنیمت کے لالچ میں اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور جنگ کا پانسہ اپنے خلاف پلٹ دیا تھا اُسی طرح اب قریش کے آدمی مسلمانوں کی لاشوں پر اور تڑپتے ہوئے زخمیوں پر مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے کچھ قریش رسولِ کریمؐ کے تعاقب میں چلے گئے لیکن آپؐ کے ساتھیوں نے ان پر ایسی بے جگری سے ہلّہ بولا کہ ان میں سے زیادہ تر قریش کو جان سے مار ڈالا اور جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ رسولِ اکرمؐ ایک بلند جگہ پہنچ گئے۔ آپؐ نے وہاں سے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ آپؐ کے تیس صحابہؓ میں سے سولہ شہید ہو چکے تھے جو چودہ زندہ تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے۔ آپؐ نے بلندی سے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ آپؐ کو کوئی مسلمان نظر نہیں آرہا تھا۔ مسلمان یہ سمجھ کر کہ رسولِ اکرمؐ شہید ہو چکے ہیں، سخت مایوسی کے عالم میں ادھر اُدھر بکھر گئے۔ کچھ واپس مدینہ چلے گئے۔ کچھ قریش کے انتقام کے ڈر سے پہاڑی کے اندر جا چھپے۔

یہاں رسولِ خدا کو اپنے زخموں کی طرف توجہ دینے کی فرصت ملی۔ آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ جو آپؐ کو ہر طرف تلاش کر کر کے تھک چکی تھی، آپؐ کے پاس آ پہنچی۔ قریب ہی ایک چشمہ تھا۔ حضرت علیؓ وہاں سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کسی چیز میں پانی لائے اور آپؐ کو پلایا۔ حضرت فاطمہؓ آپؐ کے زخم دھونے لگیں۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھیں۔

*

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ رسولِ کریمؐ کی شہادت کی خبر نے اُسے روحانی سا اطمینان دیا تھا لیکن ایک للکار نے اُسے چونکا دیا۔ وادی میں اس للکار کی گونج بڑی دُور تک سنائی دے رہی تھی۔ کوئی بڑی ہی بلند آواز میں کہہ رہا تھا ——"مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ اور سلامت ہیں"—— اِس للکار پر خالد کو ہنسی بھی آئی تھی اور افسوس بھی ہُوا تھا۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ کوئی مسلمان پاگل ہو گیا ہے۔

ہُوا یوں تھا کہ جس طرح مسلمان اِکّا دُکّا اِدھر اُدھر بکھر گئے یا چُھپ گئے تھے، اسی طرح کعبؓ بن مالک نام کا ایک مسلمان اِدھر اُدھر گھومتا پہاڑی کے اُس مقام کی طرف چلا گیا جہاں رسولِ اکرمؐ ستا رہے تھے۔ اُس نے نبیؐ کریم کو دیکھا تو اُس نے جذبات کی شدّت سے نعرہ لگایا۔"ہمارے نبیؐ زندہ ہیں"۔ تمام مسلمان جو اکیلے اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے اس آواز پر دوڑتے آئے۔ حضرت عمرؓ بھی اس آواز پر رسولِ خداؐ تک پہنچے تھے۔

اس سے پہلے ابوسفیان میدانِ جنگ میں پڑی ہوئی ہر ایک لاش کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ رسولِ کریمؐ کا جسدِ مبارک تلاش کر رہا تھا۔ اب اُسے قریش کا جو بھی آدمی ملتا اُس سے پوچھتا، تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟ اسی تلاش میں خالد اُس کے سامنے آ گیا۔

"خالد!"—— ابوسفیان نے پوچھا ——"تم نے محمدؐ کی لاش نہیں دیکھی؟"

"نہیں"—— خالد نے جواب دیا اور ابوسفیان کی طرف ذرا سا جُھک کر پوچھا ——"کیا تمہیں یقین ہے کہ محمدؐ قتل ہو چکا ہے؟"

"ہاں"—— ابوسُفیان نے جواب دیا ——"وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا؟ .... کیا تمہیں شک ہے؟"

"ہاں ابوسفیان!"—— خالد نے جواب دیا ——"میں اُس وقت تک شک میں رہتا ہوں جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ محمدؐ اتنی آسانی سے قتل ہو جانے والا شخص نہیں"۔

"معلوم ہوتا ہے تم پر محمدؐ کا طلسم طاری ہے"—— ابوسفیان نے تکبّر کے لہجے میں کہا ——"کیا محمدؐ ہم میں سے نہیں تھا۔ کیا تم اُسے نہیں جانتے تھے۔ جو شخص اتنی قتل و غارت کا ذمہ دار ہے، ایک روز اُسے بھی قتل ہونا ہے۔ محمدؐ قتل ہو چکا ہے۔ جاؤ اور دیکھو۔ اُس کی لاش کو پہچانو۔ ہم اُس کا سر کاٹ کر مکّہ لے جائیں گے"۔

عین اُس وقت پہاڑی میں سے کعبؓ بن مالک کی للکار گرجی ——"مسلمانو! خوشیاں مناؤ۔ ہمارے نبیؐ زندہ سلامت ہیں"—— پھر یہ آواز رعد کی کڑک کی طرح گرجتی، کڑکتی وادی اور میدان میں گھومتی پھرتی رہی۔

"سُن لیا ابوسفیان!"—— خالد نے کہا ——"اب میں تمہیں بتاتا ہوں محمدؐ کہاں ہے۔ میں اُس پر حملہ کرنے جا رہا ہوں لیکن میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتا کہ میں محمدؐ کو قتل کر آؤں گا"۔

کچھ دیر پہلے خالد نے رسولِ کریمؐ اور اُن کے ساتھیوں کو پہاڑی کے اندر جاتے دیکھا تھا لیکن وہ بہت دُور تھا۔ خالد ہار ماننے والا اور اپنے ارادے کو ادھورا چھوڑنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے چند ایک سواروں کو ساتھ لیا اور پہاڑی کے اُس مقام کی طرف بڑھنے لگا جدھر اُس نے رسولِ کریمؐ کو جاتے

دیکھا تھا۔

مشہور مؤرخ ابنِ ہشام کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے جب خالد کو اپنے سواروں کے ساتھ اس گھاٹی پر چڑھتے دیکھا جہاں آپؐ تھے تو آپؐ کے منہ سے بے ساختہ دعا نکلی ——"خدائے ذوالجلال! انہیں اس وقت وہیں کہیں روک لے"۔

خالد اپنے سواروں کے ساتھ گھاٹی چڑھتا جا رہا تھا۔ یہ ایک درّہ سا تھا جو تنگ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ گھوڑوں کو ایک قطار میں ہونا پڑا۔ رسولِ کریمؐ زخموں سے چُور پڑے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جب خالد اور اُس کے سواروں کو اوپر آتے دیکھا تو وہ تلوار نکال کر کچھ نیچے اُترے۔

"ولید کے بیٹے!"—— حضرت عمرؓ نے للکارا ——"اگر لڑائی لڑنا جانتے ہو تو اُس درّے کی تنگی کو دیکھ لو۔ اس چڑھائی کو دیکھ لو۔ کیا تم اپنے سواروں کے ساتھ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جاؤ گے؟"

خالد لڑنے کے فن کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ یہ جگہ گھوڑوں کو گھما پھرا کر لڑانے کے لیے موزوں نہیں بلکہ خطرناک ہے۔ خالد نے خاموشی سے اپنا گھوڑا گھمایا اور اپنے سواروں کے ساتھ وہاں سے نیچے اُتر آیا۔

*

جنگِ اُحد ختم ہو چکی تھی۔ قریش اس لحاظ سے برتری کا دعویٰ کر سکتے تھے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچایا تھا لیکن یہ جنگ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی تھی۔

"لیکن یہ ہماری شکست تھی"—— خالد کو جیسے اپنی آواز سنائی دے رہی تھی ——"مسلمانوں کی نفری سات سو تھی اور ہم تین ہزار تھے۔ ہمارے پاس دو سو گھوڑے تھے۔ ہماری فتح تب ہوتی جب ہم محمدؐ کو قتل کر دیتے"۔

خالد نے اپنے آپ میں جھنجھناہٹ سی محسوس کی۔ اُس پر ایسی کیفیّت طاری ہو گئی کہ اُس کے دانت بجنے لگے اُسے جنگ کا آخری منظر یاد آنے لگا تھا۔ اُس نے اس بھیانک یاد کو ذہن سے نکالنے کے لیے سر کو جھٹکا دیا لیکن مکھیّوں کی طرح یہ یاد اُس کے اردگرد بھنبھناتی رہی۔ اُسے اپنے آپ میں شرم سی محسوس ہونے لگی۔ جنگجو یوں نہیں کیا کرتے۔

خالد جب حضرت عمرؓ کی للکار پر واپس آ رہا تھا تو اُس بلندی سے اُس کی نظر میدانِ جنگ پر پڑی۔ وہاں لاشیں بکھری ہوئی تھیں، شاید اُن میں بے ہوش زخمی بھی ہوں گے۔ لاشوں اور زخمیوں کو اُٹھانے کے لیے نہ ابھی مسلمان آگے بڑھے تھے نہ اہلِ قریش۔ خالد کو ابوسفیان کی بیوی ہُند نظر آئی۔ وہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے دوڑی چلی آ رہی تھی۔ اُس کے اشارے پر قریش کی وہ عورتیں جو قریش کے لشکر کے ساتھ آئی تھیں، اُس کے پیچھے پیچھے دوڑی آئیں۔ ہُند ہر اک لاش کو دیکھتی تھی۔ وہ اونچے قد کی اور فربہی مائل جسم کی پہلوان قسم کی عورت تھی۔ وہ ہر ایک لاش کو دیکھتی تھی۔ کوئی لاش اُوندھے منہ پڑی نظر آتی تو وہ پاؤں کی ٹھوکر سے اُس لاش کو سیدھا کر کے دیکھتی تھی۔ اُس نے اپنے ساتھ کی عورتوں سے کہا کہ وہ حمزہؓ کی لاش تلاش کریں۔

اُسے حمزہؓ کی لاش مل گئی۔ ہُند بھوکے درندے کی طرح لاش کو چیرنے پھاڑنے لگی۔ اُس نے لاش کے کچھ اعضاء کاٹ کر پرے پھینک دیئے۔ اُس نے دوسری عورتوں کو دیکھا جو اُس کے قریب کھڑی تھیں۔

"کھڑی دیکھ کیا رہی ہو؟"—— ہُند نے ان عورتوں سے یوں کہا جیسے وہ پاگل ہو چکی ہو ——"یہ دیکھو،

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

میں نے اپنے باپ، اپنے چچا اور اپنے بیٹے کے قاتل کی لاش کا کیا حال کر دیا ہے۔ جاؤ، مسلمانوں کی ہر ایک لاش کا یہی حال کر دو اور سب کے کان اور ناک کاٹ کر لے آؤ۔"

جب وہ عورتیں مسلمانوں کی لاشوں کو چیرنے پھاڑنے کے لیے وہاں سے ہٹ گئیں تو ہند نے خنجر سے حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے اُس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں لاش کا کلیجہ تھا جو ہند نے خنجر سے کاٹ لیا۔ اُس نے اسی پر اکتفا نہ کیا۔ حمزہؓ کے کلیجے کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اُس نے اپنے منہ میں ڈال لیا اور درندوں کی طرح اسے چبانے لگی لیکن تھوڑی دیر بعد اُس نے کلیجے کے اس ٹکڑے کو اُگل دیا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ اس ٹکڑے کو نگلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن یہ ٹکڑا اُس کے حلق سے نیچے نہیں جا رہا تھا۔

خالد کو دُور ابوسفیان کھڑا نظر آیا۔ ہند کی اس وحشیانہ حرکت نے خالد کا مزہ کرکرا کر دیا تھا۔ وہ جنگجو تھا۔ وہ صرف آمنے سامنے آ کر لڑنے والا آدمی تھا۔ اپنے دشمن کی لاشوں کے ساتھ یہ سلوک نہ صرف یہ کہ اُسے پسند نہ آیا بلکہ اُس نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔

ابوسفیان کو دیکھ کر خالد نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابوسفیان کے پاس جا گھوڑا روکا۔

"ابوسفیان!" خالد نے غصے اور حقارت کے ملے جلے لہجے میں کہا — "کیا تم اپنی بیوی اور ان عورتوں کی اس وحشیانہ حرکت کو پسند کر رہے ہو؟"

ابوسفیان نے خالد کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں بے بسی کی جھلک تھی اور صاف پتہ چلتا تھا کہ اُسے لاشوں کے ساتھ اپنی بیوی کا یہ سلوک پسند نہیں۔

"خاموش کیوں ہو ابوسفیان!"

"تم ہند کو جانتے ہو خالد!" — ابوسفیان نے دبی سی زبان میں کہا — "یہ عورت اس وقت پاگلوں سے بدتر ہے۔ اگر میں یا تم اسے روکنے کے لیے آگے بڑھے تو یہ خنجر سے ہمارے پیٹ بھی چاک کر دے گی۔"

خالد ہند کو جانتا تھا۔ وہ ابوسفیان کی بے بسی کو سمجھ گیا۔ ابوسفیان نے سر جھکایا، گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا اور منہ پھیر کر دوسری طرف چل پڑا۔ خالد بھی اس منظر کو برداشت نہ کر سکا۔

جب ہند حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ چبا کر اُگل چکی تو اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کے پیچھے جبیر بن مطعم کا غلام وحشی بن حرب کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں افریقہ کی بنی ہوئی وہی برچھی تھی جس سے اُس نے حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

"یہاں کیا کر رہے ہو بن حرب!" — ہند نے تحکمانہ انداز میں اُسے کہا — "جاؤ اور مسلمانوں کی لاشوں کے ٹکڑے کر دو۔"

وحشی بن حرب بولتا بہت کم تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ بات اشاروں میں ہی کر لی جائے۔ اُس نے ہند کا حکم ماننے کی بجائے اپنا ہاتھ ہند کے آگے پھیلا دیا اور اُس کی نظریں ہند کے گلے میں لٹکتے ہوئے سونے کے ہار پر جم گئیں۔ ہند کو اپنا وعدہ یاد آ گیا۔ اُس نے وحشی سے کہا تھا کہ تم میرے باپ، چچا اور بیٹے کے قاتل کو قتل کر دو تو میں نے جتنے زیورات پہن رکھے ہیں وہ تمہارے ہوں گے۔ اب وحشی اپنا انعام لینے آیا تھا۔ ہند نے اپنے تمام زیورات اُتار کر وحشی بن حرب کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ وحشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ وہاں سے چل پڑا۔ ہند پر اُس وقت فتح اور انتقام کا بھوت سوار تھا۔

"ٹھہر جاؤ بن حرب!" — ہند نے جوشیلی آواز میں اس حبشی کو بلایا۔ وہ جب اُس کے پاس آیا تو ہند نے کہا — "میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دو تو تمہیں اپنے زیورات دوں گی لیکن تم اس سے زیادہ انعام کے حقدار ہو۔" — ہند نے قریش کی عورتوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا — "تم جانتے ہو ان عورتوں میں کنیزیں کون کون ہیں۔ دیکھو، وہ جوان بھی ہیں خوبصورت بھی۔ تمہیں جو کنیز اچھی لگتی ہے، اُسے لے جاؤ۔"

وحشی بن حرب نے اپنی عادت کے مطابق خاموشی سے چند لمحے ہند کے چہرے پر نظریں گاڑیں لیکن اُس کی نظریں کنیزوں کی طرف نہ گئیں۔ اُس نے انکار میں سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد میدانِ جنگ کی ہولناکی میں سے ہند کی بلند اور مترنم آواز سنائی دینے لگی۔ مؤرخ ابن ہشام کے مطابق اُس نے ترنم سے جو نغمہ گایا اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

ہم نے بدر کے معرکے کا حساب برابر کر لیا ہے۔
ایک خونریز معرکے کے بدلے ہم نے ایک خونریز معرکہ لڑ لیا ہے۔
عتبہ کا غم میری برداشت سے باہر تھا۔
عتبہ میرا باپ تھا۔
مجھے چچا کا بھی غم تھا، اپنے بیٹے کا بھی غم تھا۔
اب میرا سینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔
میں نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔
وحشی نے میرے دل کے درد کا مداوا کر دیا ہے۔
میں عمر بھر وحشی کی احسان مند رہوں گی۔
اُس وقت تک جب تک میری ہڈیاں قبر کی مٹی میں مل کر مٹی نہیں ہو جاتیں۔

*

ابوسفیان اس بھیانک منظر کو برداشت نہ کر سکا تھا۔ وہ پہلے ہی منہ پھیر کر جا چکا تھا۔ اُس نے اپنے دو ساتھیوں سے کہا کہ اُسے یقین نہیں آ رہا کہ رسولؐ اکرم زندہ ہیں۔

"خالد نے دُور سے کسی اور کو دیکھ کر سمجھ لیا ہوگا کہ وہ محمدؐ ہے" — کسی نے ابوسفیان سے کہا۔

ابوسفیان یہ کہہ کر کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آتا ہے، اُس تنگ سے درّے کی طرف چلا گیا جہاں سے خالد اپنے سواروں کو واپس لایا تھا۔ وہ ایسی جگہ جا کھڑا ہوا جہاں سے اُسے مسلمان بیٹھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"محمدؐ کے پیروکارو!" — ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا — "کیا تم میں محمدؐ زندہ ہے؟"

رسولِ کریمؐ نے آواز سنی تو اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے مسلمانوں کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش رہیں۔ ابوسفیان نے اپنا سوال اور زیادہ بلند آواز سے دُہرایا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب نہ ملا۔

"کیا ابوبکرؓ تم میں زندہ موجود ہے" — ابوسفیان نے بلند آواز سے پوچھا۔ اب بھی اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ تین بار پوچھنے کے باوجود بھی مسلمان خاموش رہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"کیا عمرؓ زندہ ہے؟" — ابوسفیان نے پوچھا۔

اب کے بھی مسلمانوں نے خاموشی اختیار کیئے رکھی۔

ابوسفیان نے گھوڑے کو گھمایا۔ اُس نے نیچے دیکھا۔ قریش کے بہت سے آدمی رسولِ اکرمؐ کے متعلق صحیح خبر سننے کو بے تاب کھڑے تھے۔

"اے اہلِ قریش!" — ابوسفیان نے چلّا کر اعلان کیا — "محمدؐ مر چکا ہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی زندہ نہیں۔ اب مسلمان تمہارے سائے سے بھی ڈریں گے۔ خوشیاں مناؤ۔ ناچو۔"

اہلِ قریش ناچنے اور ہُلڑ مچانے لگے لیکن گرجتی ہوئی ایک آواز نے اُنہیں خاموش کر دیا۔

"اے خدا کے دشمن!" — درّے کی بلندی سے حضرت عمرؓ کی آواز گونجی — "اتنا جھوٹ نہ بول۔ وہ تینوں زندہ ہیں جن کے نام لے کے تو انہیں مُردہ کہہ رہا ہے۔ اپنے قبیلے کو دھوکا مت دے۔ تجھے تیرے گناہوں کی سزا دینے کے لیے ہم سب زندہ ہیں۔"

ابوسُفیان نے طنزیہ قہقہہ لگایا اور بلند آواز سے بولا — "ابن الخطّاب! تیرا خدا تجھے ہم سے محفوظ رکھے۔ کیا تُو اب بھی ہمیں سزا دینے کی بات کرتا ہے؟ کیا تُو یقین سے کہتا ہے کہ محمدؐ زندہ ہے؟"

"اللہ کی قسم! ہمارے نبیؐ زندہ ہیں" — حضرت عمرؓ ابن الخطاب کی آواز جواب میں گرجی — "اللہ کے رسولؐ تمہارا ایک ایک لفظ سُن رہے ہیں۔"

عربوں میں یہ رواج تھا کہ ایک معرکہ ختم ہونے کے بعد دونوں فریقوں کے سردار یا سالار ایک دوسرے پر طعنوں اور پھبتیوں کے تیر برسایا کرتے تھے۔ ابوسفیان اسی دستور کے مطابق دُور کھڑا حضرت عمرؓ سے ہمکلام تھا۔

"تم ہُبل اور عُزیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے" — ابوسفیان نے کہا۔

حضرت عمرؓ نے رسولِ اکرمؐ کی طرف دیکھا۔ آپؐ اونچا بول نہیں سکتے تھے۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ وہ ابوسفیان کو کیا جواب دیں۔

"او باطل کے پجاری!" — حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا — "اللہ کی عظمت کو پہچان جو سب سے بڑا اور سب سے زیادہ طاقت والا ہے۔"

"ہمارے پاس ہُبل جیسا دیوتا اور عُزیٰ جیسی دیوی ہے" — ابوسفیان نے کہا — "کیا تمہارے پاس کوئی ایسا دیوتا اور دیوی ہے؟"

"ہمارے پاس اللہ ہے" — رسولِ کریمؐ نے حضرت عمرؓ کی زبان سے کہلوایا جو حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا — "تمہارا خدا کوئی نہیں۔"

"جنگ کا فیصلہ ہو چکا ہے" — ابوسُفیان نے کہا — "تم نے بدر میں فتح پائی تھی۔ ہم نے اس پہاڑی کے دامن میں تم سے انتقام لے لیا ہے۔ اگلے سال ہم تمہیں بدر کے میدان میں ہی مقابلے کے لیے للکاریں گے۔"

"انشاء اللہ!" — حضرت عمرؓ نے رسولِ کریمؐ کے الفاظ بلند آواز سے دُہرائے — "اب تمہارے ساتھ ہماری ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہوگی۔"

ابوسفیان نے گھوڑا موڑا۔ گھوڑا دو قدم ہی چلا ہوگا کہ اُس نے گھوڑے کو روک لیا۔

"اے عمرؓ! ابوبکرؓ اور محمدؐ!" — ابوسفیان نے اب کے ذرا ٹھہری ہوئی آواز میں کہا — "تم جب میدان سے اپنی لاشیں اٹھاؤ گے تو تمہیں کچھ ایسی لاشیں بھی ملیں گی جن کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں گے اور اُنہیں چیرا پھاڑا گیا ہوگا۔ خدا کی قسم! میں نے کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اور میں نے تمہاری لاشوں کے ساتھ یہ سلوک بالکل پسند نہیں کیا۔ اگر اس کا الزام مجھ پر عائد کروگے تو میں اسے اپنی توہین سمجھوں گا" — ابوسفیان نے گھوڑا موڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

*

چلتے چلتے خالد کے گھوڑے نے اپنے آپ ہی رُخ بدل لیا۔ خالد نے گھوڑے کو نہ روکا۔ وہ سمجھ گیا کہ گھوڑے نے پانی کی بُو سُونگھ پالی ہے۔ کچھ دُور جا کر گھوڑا نیچے اُترنے لگا۔ خالد کو یہ مقام یاد آگیا۔ جنگِ اُحد کے بعد واپسی پر قریش نے کچھ دیر یہاں قیام کیا تھا۔ نیچے پانی کا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ گھوڑا بڑی تیزی سے گھاٹی اُتر گیا اور پانی پر جا رُکا۔ خالد گھوڑے سے کُود کر نیچے اُترا اور دو زانو ہو کر چُلّو بھر بھر کر اپنے چہرے پر پانی پھینکنے لگا۔ ذرا سستانے کے لیے بھُر بھُری سی ایک چٹان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اُسے وہ وقت یاد آیا جب اُحد کے معرکے کے بعد اہلِ قریش واپس آئے تھے۔ اُنہوں نے مدینے سے کچھ دُور آ کر قیام کیا تھا۔ اس قیام کے دوران قریش کے سردار اس بحث میں اُلجھ گئے تھے کہ واپس مکّہ پہنچا جائے یا مسلمانوں پر ایک اور حملہ کیا جائے۔

صفوان بن اُمیّہ نے کہا تھا — "ہم شکست کھا کر نہیں آئے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کی حالت بہت بُری ہے تو اپنی حالت دیکھو۔ ہماری حالت بھی اچھی نہیں۔ اب مسلمانوں کے ساتھ اتنی جلدی لڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے قسمت ہمارا ساتھ نہ دے۔"

جب یہ بحث جاری تھی تو قریش کے کچھ آدمی دو مسافروں کو پکڑ کر سرداروں کے سامنے لے آئے۔ اُنہیں بتایا گیا کہ یہ دونوں آدمی جو اپنے آپ کو مسافر کہتے ہیں، ہمارے خیموں کے اِرد گرد گھوم پھر رہے تھے اور ہمارے چار پانچ آدمیوں سے اُنہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔ ان دونوں نے ابوسفیان اور دوسرے سرداروں کے سامنے بھی یہی بیان دیئے کہ وہ مسافر ہیں اور کسی جگہ کا نام لے کر کہا کہ وہ اُدھر جا رہے ہیں۔ ابوسفیان کے حکم سے اُن کے پھٹے پُرانے کپڑے جو اُنہوں نے پہن رکھے تھے، اُتروائے گئے تو اندر سے خنجر اور تلواریں برآمد ہوئیں۔ اُن سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ ہتھیار چھپا کر کیوں رکھے ہیں۔ خالد کی نظر بہت تیز تھی۔ اُسے شک ہُوا کہ یہ مسلمانوں کے جاسوس ہیں۔ ان دونوں کو قریش کی فوج کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور پوچھا گیا کہ انہیں کوئی پہچانتا ہے؟

دو تین آوازیں آئیں کہ ہم انہیں پہچانتے ہیں۔ یہ یثرب (مدینہ) کے رہنے والے ہیں۔

"اس ایک کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں" — قریش کے ایک آدمی نے اُٹھ کر کہا — "اسے میں نے اپنے خلاف لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"تم اپنی زبان سے کہہ دو کہ تم محمدؐ کے جاسوس ہو" — ابوسفیان نے ان دونوں سے کہا — "اور جاؤ۔ میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔"

دونوں میں سے ایک نے اعتراف کر لیا۔

"جاؤ" — ابوسفیان نے کہا — "ہم نے تمہیں معاف کیا۔"

دونوں جو واقعی مسلمانوں کے بھیجے ہوئے جاسوس تھے اور قریش کے عزائم معلوم کرنے آئے تھے، ہنسی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خوشی اپنے اونٹوں کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان کے اشارے پر کئی ایک تیراندازوں نے کمانوں میں تیر ڈالے اور پیچھے سے ان دونوں مسلمانوں پر چلا دیئے۔ دونوں کئی کئی تیر اپنے جسموں میں لے کر گرے۔ پھر اُٹھ نہ سکے۔

"کیا تم اس کا مطلب سمجھتے ہو؟" ابوسفیان نے اپنے قریب کھڑے سرداروں سے کہا۔ "جاسوس بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہارے نہیں، وہ ابھی یا کچھ ہی عرصے بعد ہم پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ فوراً مکّہ کو کوچ کرو اور اگلی جنگ کی تیاری کرو۔"

اگلے روز رسولِ اکرمؐ کو کسی نے آکر بتایا کہ اہلِ قریش نے جہاں پڑاؤ کیا تھا وہاں اپنے دونوں جاسوسوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں اور اہلِ قریش مکّہ کو روانہ ہو گئے ہیں۔

خالد نے یہ پہلی بڑی جنگ لڑی تھی لیکن وہ سمجھتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکا۔ آج چار برس بعد وہ اس سوچ میں غرق تھا کہ مسلمانوں کی یہ طاقت عام انسانوں کی طاقت نہیں۔ کوئی راز ہے جسے وہ ابھی تک نہیں پا سکا۔ اُسے اہل قریش کی کچھ خامیاں یاد آنے لگیں۔ کچھ باتیں اور کچھ اعمال اُسے اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ اُسے یہودیوں کی وہ بڑی خوبصورت عورتیں بھی یاد آئیں جو اہلِ قریش کے سرداروں میں گھُل مِل گئی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی اپنے نسوانی حُسن کے جادو سے اہلِ قریش پر چھا جانے کی اور انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ طریقہ اُسے پسند نہ تھا لیکن ان میں سے ایک عورت ایک روز خالد سے ملی تو خالد نے محسوس کیا کہ یہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے، اس میں عقل و دانش ہے۔ اس عورت کے حسن و جوانی کا اپنا ایک اثر تھا لیکن طلسم جو اُس کی زبان میں تھا، اُس کا اثر خالد نے بھی محسوس کیا تھا — کچھ دیر تک یہ عورت خالد کے خیالوں پر چھائی رہی۔ اُس کا گھوڑا ہنہنایا تو خالد جیسے خوابِ بیداری سے بیدار ہو گیا۔ وہ تیزی سے اُٹھا۔ گھوڑے پر سوار ہُوا اور پھر مدینے کے راستے پر ہو لیا۔

ولید کا بیٹا خالد شہزادہ تھا۔ عیش و عشرت کا بھی دلدادہ تھا لیکن فنِ حرب و ضرب کا جنون ایسا کہ عیش و عشرت کو اس جنون پر حاوی نہیں ہونے دیتا تھا۔ مدینے کی طرف جاتے ہُوتے اُسے وہ حسین و جمیل یہودن یاد آئی جس کا نام یوحادہ تھا۔ اُس نے اس یہودن کو ذہن سے نکال دیا لیکن یوحادہ رنگ برنگی تتلی بن کر اُس کے ذہن میں اُڑتی رہی۔ خالد اُسے ذہن سے نکال نہ سکا۔

خالد کے ذہن میں اُڑتی ہُوتی اس تتلی کے رنگ پھیکے پڑنے لگے پھر تمام رنگ مِل کر سرخ ہو گئے — خون جیسے سُرخ — یہ ایک بھیانک یاد تھی۔ خالد نے اُسے ذہن سے اُگل دینے کی بہت کوشش کی لیکن تتلی جو زہریلی بھِڑ بن گئی تھی اُس کے ذہن سے نہ نکلی۔

یہ معرکۂ اُحد کے تین چار ماہ بعد کا ایک واقعہ تھا۔ یہ ایک سازش تھی جس میں وہ شریک نہ تھا لیکن وہ قبیلۂ قریش کا بڑا ہی اہم فرد تھا۔ مسلمانوں کے خلاف کسی سازش میں شریک نہ ہونے کے باوجود وہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اس میں شریک نہ تھا۔

معرکۂ اُحد میں زخمی ہونے والے بعض اہلِ قریش کے زخم ابھی ٹھیک نہیں ہُوتے تھے کہ ایک روز خالد کو خبر ملی کہ مدینے سے چھ مسلمان تبلیغِ اسلام کے لیے رجیع کی طرف جا رہے تھے کہ عسفان سے تھوڑی دور ایک غیر مسلم قبیلے نے انہیں روک لیا اور ان میں سے دو کو مکّہ لایا گیا ہے اور

انہیں نیلام کیا جا رہا ہے۔

خالد دوڑتا ہُوا وہاں گیا۔ وہ دو مسلمان خُبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثنہ تھے۔ خالد دونوں کو جانتا پہچانتا تھا۔ وہ اُسی کے قبیلے کے افراد ہُوا کرتے تھے اُنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان میں حُبِ رسولؐ کا یہ عالم تھا کہ رسولِ خدا پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ رسولِ خدا انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔ خالد نے دیکھا کہ انہیں ایک چبوترے پر کھڑا کر دیا گیا تھا اور ارد گرد اہلِ قریش کا ہجوم تھا۔ ایک غیر مسلم قبیلے کے چار افراد ان کے پاس کھڑے تھے۔ دونوں کے ہاتھ رسّیوں سے بندھے ہُوتے تھے۔

"یہ دونوں مسلمان ہیں" — ایک آدمی چبوترے پر کھڑا اعلان کر رہا تھا — "یہ دونوں اُحد میں تمہارے خلاف لڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں تمہارے عزیز اور خون کے رشتہ دار مارے گئے تھے۔ ہے کوئی جو انتقام کی آگ بجھانا چاہتا ہے؟... انہیں خریدو، انہیں اپنے ہاتھوں قتل کرو اور خون کے بدلے خون بہاؤ.... یہ آدمی سب سے اُونچی بولی دینے والے کو ملیں گے.... بولو۔"

"دو گھوڑے" — ایک آواز آئی۔

"بولو.... بڑھ کر بولو۔"

"دو گھوڑے ایک اونٹ" — ایک اور آواز آئی۔

"گھوڑوں اونٹوں کو چھوڑو۔ سونے میں بولی دو.... سونا لاؤ.... دشمن کے خُون سے انتقام کی پیاس بجھاؤ۔"

وہ لوگ جن کے قریبی رشتہ دار اُحد کی لڑائی میں مارے گئے تھے، بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ خُبیبؓ اور زیدؓ چُپ چاپ کھڑے تھے۔ اُن کے چہروں پر خوف نہ تھا، گھبراہٹ نہیں تھی، ہلکی سی بے چینی بھی نہیں تھی۔ خالد ہجوم کو چیرتا ہُوا آگے چلا گیا۔

"او قریش کے سردار کے جنگجو بیٹے!" — خُبیبؓ نے خالد کو دیکھ کر بڑی بلند آواز سے کہا — "تیرا قبیلہ ہم دونوں کا خُون بہا کر اُس مقدّس آواز کو خاموش نہیں کر سکتا جو غارِ حرا سے اُٹھی ہے۔ لا اپنے قبیلے کا کوئی نامور لڑاکا اور میرے ہاتھ کھُلوا دے، پھر دیکھ کون کِس کے خُون سے پیاس بُجھاتا ہے۔"

"میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانے والو!" — زیدؓ نے گرجدار آواز میں کہا — "تم نے شکست کا انتقام ہمارے بھائیوں کی لاشوں سے لیا ہے۔ تمہاری عورتوں نے اُحد کے میدان میں ہماری لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ کر ان کے ہار اپنے گلوں میں لٹکائے ہیں۔"

آج — چار برس بعد — مدینے کی طرف جاتے ہُوتے خالد کو خبیبؓ اور زیدؓ کی للکار طعنے صاف سنائی دے رہے تھے۔ وہ زیدؓ کے طعنے کو برداشت نہیں کر سکا تھا۔ آج، چار [illegible] اُسے یہ طعنہ یاد آیا تو بھی اُس کے جسم نے جھرجھری لی۔ اُسے اُحد کے میدان کا وہ منظر یاد آگیا جب ابوسفیان کی بیوی ہند نے حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ نکال کر اپنے منہ میں ڈال لیا اور چبا کر اُگل دیا تھا۔ اسی عورت نے اپنے ساتھ کی عورتوں سے کہا تھا کہ وہ مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناکیں کاٹ لائیں۔ ان عورتوں نے اُس کے آگے کانوں اور ناکوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ ہند نے ان کانوں اور ناکوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈال لیا تھا اور وہ پاگلوں کی طرح میدان میں ایک گیت گاتی اور ناچتی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پھری تھی۔ اس منظر کو اُس کے خاوند ابُوسفیان نے پسند نہیں کیا تھا۔ خالد نے تو نفرت سے مُنہ پھیر لیا تھا۔

○

تین چار ماہ بعد وہ مسلمان جن کے ہاتھ رسّیوں سے بندھے ہُوئے تھے اُسے طعنے دے رہے تھے۔ وہ اوچھے طریقے سے انتقام لینے والا آدمی نہیں تھا۔ وہ وہاں سے کھسک آیا اور اہلِ قریش کے ہجوم میں گم ہوگیا۔ اُسے اُس قبیلے کا ایک آدمی مِل گیا جو ان دو مسلمانوں کو پکڑ لایا تھا۔ (کسی بھی تاریخ میں اس قبیلے کا نام نہیں ملتا۔ مؤرخوں نے ابنِ ہشام کے حوالے سے اسے ایک جنگجو قبیلہ لکھا ہے جو قریش کا اتحادی تھا)۔

خالد نے اس جنگجو قبیلے کے اس آدمی سے پُوچھا کہ اِن دو مسلمانوں کو کس طرح پکڑا گیا ہے۔

"خُدا کی قسم!"۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ "کہو تو ہم ان مسلمانوں کے رسُولؐ کو پکڑ لائیں اور نیلامی کے چبُوترے پر کھڑا کر دیں"۔

"تم جو کام نہیں کر سکتے اُس کی قسم نہ کھاؤ"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔ "مجھے بتاؤ کہ ان دو کو کہاں سے پکڑا گیا ہے"۔

"یہ چھ تھے"۔۔۔ اس شخص نے جواب دیا۔۔۔ "ہم نے اُحد میں مارے جانے والوں کا انتقام لیا ہے۔ آئندہ بھی ایسے ہی انتقام لیتے رہیں گے۔ ہمارے قبیلے کے کچھ آدمی مدینہ محمدؐ کے پاس گئے اور کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا پورا قبیلہ اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر چکا ہے لیکن پُورا قبیلہ مدینے نہیں آسکتا۔ ہمارے ان آدمیوں نے محمدؐ سے کہا کہ ان کے ساتھ چند ایک مسلمانوں کو اُن کے قبیلے میں بھیجا جائے جو پورے قبیلے کو مسلمان کریں اور پھر قبیلے کو مذہبی تعلیم دینے کے لیے کچھ عرصہ وہیں رہیں....

"ہمارے یہ آدمی جب واپس آئے تو ان کے ساتھ چھ مسلمان تھے۔ اِدھر ہمارے سردار شارجہ بن مغیث نے ایک سو آدمیوں کو رجیع کے مقام پر بھیج دیا۔ جب یہ چھ مسلمان رجیع پہنچے تو ہمارے ایک سو آدمیوں نے انہیں گھیر لیا.... تم سن کر حیران ہو گے کہ یہ چھ مسلمان تلواریں نکال کر ایک سو آدمیوں کے مقابلے پر آگئے۔ ہم نے تین کو مار ڈالا اور تین کو پکڑ لیا۔ ان کے ہاتھ رسّیوں سے باندھ دیئے۔ شارجہ بن مغیث نے حکم دیا تھا کہ مدینے سے کچھ مسلمان تمہارے دھوکے میں آکر تمہارے ساتھ آگئے تو ان میں سے دو تین کو مکّہ لے جانا اور انتقام لینے والوں کے ہاتھ فروخت کر دینا....

"ہم تین کو اِدھر لا رہے تھے۔ راستے میں ان میں سے ایک نے رسّیوں میں سے ہاتھ نکال لیے مگر وہ بھاگا نہیں۔ وہ اِتنا پھرتیلا تھا کہ اُس نے ہمارے ایک آدمی کی نیام سے تلوار نکال لی کیونکہ اُسے ہم نے نہتّہ کر رکھا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے ہمارے دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ اکیلا آدمی اتنے سارے آدمیوں کا مقابلہ کب تک کرتا۔ وہ مارا گیا اور ہم نے اُس کے جسم کا قیمہ

کر دیا۔ یہ دو رہ گئے۔ ہم نے ان کے ہاتھ اور زیادہ مضبُوطی سے باندھ دیئے اور یہاں لے آئے"۔

"اور تم خوش ہو"۔۔۔ خالد نے اُسے طنزیہ کہا۔۔۔ "محمدؐ کیا کہے گا؟.... اہلِ قریش اور ان کے دوست قبیلے اتنے بُزدل ہو گئے ہیں کہ اب دھوکے دینے اور چھ آدمیوں کو ایک سَو سے مروانے پر اُتر آئے ہیں۔ کیا تم نے مجھے یہ بات سناتے شرم محسوس نہیں کی؟ کیا ان ایک سَو آدمیوں نے اپنی ماؤں کو شرمسار نہیں کیا جن کا اُنہوں نے دُودھ پیا ہے"؟

"تم نے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا تھا ولید کے بیٹے"؟۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ "کیا تم محمدؐ کی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ بدر میں ایک ہزار قریش تیرہ سے مار کھا آئے تھے۔ اُحد کی لڑائی میں محمدؐ کے پیروکار کتنی تعداد میں تھے؟.... سات سو سے کم ہوں گے زیادہ نہیں تھے۔ قریش کتنے تھے؟.... ہزاروں.... سُن خالد بن ولید! محمدؐ کے ہاتھ میں جادُو ہے۔ جہاں جادو چلتا ہے وہاں تلوار نہیں چل سکتی"۔

"پھر تمہاری تلوار کس طرح چلی ہے"؟۔۔۔ خالد نے پوچھا۔۔۔ "اگر محمدؐ کے ہاتھ میں جادُو ہے تو وہ تمہارے سردار شارجہ بن مغیث کے دھوکے میں کس طرح آگیا؟ اُس کے چار آدمیوں کو کس طرح مار ڈالا؟ ان دو کو محمدؐ کا جادو آزاد کیوں نہیں کرا لیتا؟.... تم جس چیز کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں رکھتے اُسے جادو کہہ دیتے ہو"۔

"ہم نے جادو کو جادو سے کاٹا ہے"۔۔۔ شارجہ بن مغیث کے قبیلے کے اس آدمی نے کہا۔۔۔ "ہمارے پاس یہودی جادوگر آتے تھے۔ ان کے ساتھ تین جادوگرنیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام یوحاوہ ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک گھنی جھاڑی میں سے ایک برچھی زمین پر سرکتی باہر آئی۔ یہ برچھی جھاڑی میں واپس چلی گئی اور سانپ بن کر باہر آئی۔ یہ سانپ واپس جھاڑی میں چلا گیا"۔

○

مدینے کی طرف جاتے ہُوئے اُسے یہ واقعہ یاد آرہا تھا۔ وہ اسے یاد نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن زہریلی بھڑوں کی طرح یہ یاد اُس کے اُوپر بھنبھناتی رہی۔ اُسے یوحاوہ یاد آتی۔ وہ جادوگرنی تھی یا نہیں، اُس کے حُسن میں، جسم کی ساخت، مُسکراہٹ اور بولنے کے انداز میں جادو تھا۔ اُس نے شارجہ بن مغیث کے اس آدمی کے مُنہ سے یوحاوہ کا نام سنا تو وہ چونکا۔ معرکۂ اُحد کے بعد جب اہلِ قریش کی فوج مکّہ واپس آئی تھی تو مکّہ کے یہودی ایسے انداز سے ابُوسفیان، خالد اور عکرمہ کے پاس آئے تھے جیسے اُحد میں یہودیوں کو شکست ہُوئی ہو۔ یہودیوں کے سرداروں نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ مسلمانوں کو شکست نہیں ہُوئی اور لڑائی ہار جیت کے بغیر ختم ہوگئی ہے تو یہ قریش کی شکست ہے، یہ یہودیوں کی ناکامی ہے.... یہودیوں نے اہلِ قریش کے ساتھ اس طرح ہمدردی کا اظہار کیا تھا جیسے وہ اہلِ قریش کی ناکامی پر غم سے مرے جا رہے ہوں۔

انہی دنوں خالد نے پہلی بار یوحاوہ کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کی ٹہلائی کے لیے آبادی سے باہر نکل گیا تھا جب وہ واپس آرہا تھا تو راستے میں اُسے یوحاوہ مِل گئی۔ یوحاوہ کی مُسکراہٹ نے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُسے روک لیا۔

"میں تسلیم نہیں کر سکتی کہ ولید کا بیٹا جنگ سے ناکام لوٹ آیا ہے" ۔۔۔ یوحاوہ نے کہا اور خالد کے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرنے لگی اور بولی۔ "مجھے اس گھوڑے سے پیار ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے گیا تھا"

خالد یوں گھوڑے سے اُتر آیا جیسے یوحاوہ کے جادو نے اُسے گھوڑے سے زمین پر کھڑا کر دیا ہو۔

"اس سے بڑی ناکامی اور کیا ہو گی کہ تم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکے" ۔۔۔ یوحاوہ نے کہا۔۔۔ "تمہاری شکست ہماری شکست ہے۔ اب ہم تمہارا ساتھ دیں گے لیکن تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی تم ہمیں اپنے ساتھ نہیں دیکھ سکو گے۔"

خالد نے یوں محسوس کیا جیسے اُس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ تلواروں، برچھیوں اور تیروں کی بوچھاڑوں کا مقابلہ کرنے والا خالد یوحاوہ کی مسکراہٹ کا مقابلہ نہ کر سکا۔

"اگر یہودی ہمارے ساتھ نہیں ہوں گے تو ہمارے کس کام آسکیں گے؟" ۔۔۔ خالد نے پوچھا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تیر ہی انسان کے جسم سے پار ہو جاتا ہے؟" ۔۔۔ یوحاوہ نے کہا۔۔۔ "عورت کا تبسّم تم جیسے دلیر اور جری مردوں کے ہاتھوں سے تلوار گرا سکتا ہے۔"

خالد اُس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن کچھ پوچھ نہ سکا۔ یوحاوہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور پھولوں کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر تبسّم آگیا۔ یوحاوہ آگے چل پڑی۔ خالد اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنے وجود کے اندر لطیف سے جھٹکے محسوس کیے۔ اس کے گھوڑے نے کھر مارا تو خالد اپنے آپ میں آگیا۔ وہ بڑی تیزی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور چل پڑا۔ کچھ دور آکر اُس نے پیچھے دیکھا۔ یوحاوہ رُک کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ یوحاوہ نے اپنا ہاتھ ذرا اُوپر کر کے ہلایا۔

○

اب جب کہ دو مسلمانوں کو نیلام کیا جا رہا تھا اور خالد کو ایک آدمی نے بتایا تھا کہ ان مسلمانوں کو کس طرح دھوکے میں لایا گیا ہے اور اُس آدمی نے یوحاوہ کا بھی نام لیا تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ معلوم کرے گا کہ یوحاوہ نے یہ جادو کس طرح چلایا تھا۔ اسے اپنے قبیلے کا ایک سر کردہ آدمی مل گیا اُس سے اُسے پتہ چلا کہ یہ مسلمان اہلِ قریش کے ہاتھ کس طرح آئے ہیں تین چار سر کردہ یہودی یوحاوہ اور دو تین اور یہودیوں کو ساتھ لے کر شارجہ بن مغیث کے پاس چلے گئے۔ یہ قبیلہ تھا تو جنگجو لیکن اُس پر مسلمانوں کا رعب کچھ اس طرح طاری ہو گیا تھا جیسے لوگ جادوگروں سے ڈرتے تھے۔ اس قبیلے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ رسولِ اکرمؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ یہودیوں نے اپنی زمین دوز کارروائیوں کے لیے اس قبیلے کو اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ جنگجو قبیلہ تھا۔

یہودی بڑی دانش مند قوم تھی۔ انہوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے جادو کا وہم اگر پھیل گیا تو دوسرے قبیلے بھی اس سے متاثر ہوں گے۔ یہ یہودی اس قبیلے کے سردار شارجہ بن مغیث کے پاس گئے اور اُس کا یہ وہم دور کرنے کے لیے کہ مسلمان جادوگر ہیں، اُسے بہت کچھ کہا لیکن شارجہ

بن مغیث نے تسلیم نہ کیا۔ رات کو یہودیوں کے کہنے پر شارجہ نے ان مہمانوں کی ضیافت کا انتظام باہر کھلے آسمان تلے کیا۔ ان یہودیوں نے اپنے ہاتھوں اپنے میزبانوں کو شراب پلائی۔ شارجہ بن مغیث اور اس کے قبیلے کے چند ایک سر کردہ افراد کو جو شراب پلائی گئی، اس میں یہودیوں نے کوئی سفوف سا ملا دیا۔ پھر یہودیوں نے اپنے جادو کے کچھ شعبدے دکھائے۔

یوحاوہ نے اپنے حُسن کا جادو چلایا۔ اس کا ذریعہ ایک رقص بھی تھا جس میں یہ یہودنیں نیم برہنہ تھیں۔ ناچتے ناچتے اُن کے جسموں پر جو ادھورے سے لباس تھے وہ بھی سرک کر زمین پر جا پڑے تھے۔ یہودی اپنے سازندے ساتھ لے گئے تھے۔

اگلے روز جب شارجہ بن مغیث کی آنکھ کھلی تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ بڑے ہی حسین خواب سے جاگا ہو۔ اُس کے خیالات بدلے ہوتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے قبیلے کے دوسرے سرداروں کے ساتھ یہودیوں کے پاس بیٹھا تھا۔ یہودنیں بھی وہاں موجود تھیں۔ یوحاوہ کو دیکھ کر وہ بے قابو ہو گیا۔ اُس نے لپک کر یوحاوہ کا بازو پکڑا اور اُسے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ضروری نہیں کہ دشمن کو میدانِ جنگ میں للکار کر اُسے شکست دی جائے" ۔۔۔ ایک یہودی نے کہا۔۔۔ "ہم مسلمانوں کو دوسرے طریقوں سے بھی ختم کر سکتے ہیں۔ اس کا ایک طریقہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔"

خالد کو بتایا گیا کہ ان چھ مسلمانوں کو مدینے سے دھوکے سے لانے کا یہ طریقہ یہودیوں نے بتایا تھا اور شارجہ بن مغیث نے جو آدمی رسولِ کریمؐ کے پاس بھیجے تھے، ان میں ایک یہودی بھی تھا۔ خالد مسلمانوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا لیکن اُسے یہ غیر جنگی طریقے اچھے نہیں لگتے تھے۔

خالد اپنے گھر گیا اور اپنی ایک خادمہ سے کہا کہ وہ یوحاوہ یہودن کو بلا لائے۔ یوحاوہ اتنی جلدی اُس کے پاس آ گئی جیسے وہ اُس کے بلاوے کے انتظار میں قریب ہی کہیں بیٹھی تھی۔

"تم نے مسلمانوں کو کامیابی سے دھوکہ دیا ہے" ۔۔۔ خالد نے یوحاوہ سے کہا ۔۔۔ "اور مغیث کے قبیلے کے لوگ تمہیں جادوگرنی کہنے لگے ہیں لیکن مجھے یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔"

"میری بات غور سے سنو خالد!" ۔۔۔ یوحاوہ اُس کے قریب جا بیٹھی اور اُس کی ران پر ہاتھ رکھ کر بولی۔۔۔ "تم اپنے قبیلے کے نامور جنگجو ہو لیکن تم میں عقل کی کمی ہے۔ دشمن کو مارنا ہے، تلوار سے مار دو، تیر سے مار دو یا اُسے تیکھی نظروں سے ہلاک کر دو۔ تیر اور تلوار چلائے بغیر دشمن کو کوئی مجھ جیسی عورت ہی مار سکتی ہے۔"

خالد یوحاوہ کے جسم کی تپش محسوس کر رہا تھا۔ یوحاوہ اُس کے اتنی قریب بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک بار یوحاوہ نے چہرہ خالد کی طرف موڑا تو اُس کے روئی جیسے ملائم گال خالد کے گال سے جا لگے۔ خالد نے اپنے جسم میں بڑی پُر لطف حرارت کی لہر دوڑتی محسوس کی لیکن کسی خیال سے وہ ذرا پرے سرک گیا۔

آج چار برس بعد، وہ جب صحرا میں تنہا جا رہا تھا، وہ اپنے گال پر یوحاوہ کے رخسار کا لمس محسوس کر رہا تھا۔ اس حد تک تو وہ خوش تھا کہ یہودی اُن کے ساتھ تھے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہودیوں کی دوستی میں جہاں مسلمانوں کی دشمنی ہے وہاں اُن کے اپنے مفادات بھی ہیں۔ البتہ اُس نے یہ تسلیم کر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لیا تھا کہ یوحاوہ اگر جادوگرنی نہیں تو اس کے سراپا میں جادو کا کوئی اثر ضرور ہے۔

○

خالد کا گھوڑا مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں پھر خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثِنہ آ گئے۔ لوگ ان کی بولیاں بڑھ چڑھ کر دے رہے تھے آخر سودا ہو گیا اور قریش کے دو آدمیوں نے انہیں بہت سے سونے کے عوض خرید لیا۔ یہ دونوں آدمی ان دونوں صحابیوںؓ کو ابوسفیان کے پاس لے گئے۔

"ہم نے اپنے عقیدے سے ہٹ کر محمدؐ کے پاس چلے جانے والے ان دو آدمیوں کو اس لیے خریدا ہے کہ اُن اہلِ قریش کے خون کا انتقام لیں جو اُحد کے میدان میں مارے گئے تھے" —انہیں خریدنے والوں نے کہا —"ہم انہیں آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ آپ قریش کے سردار اور سالار ہیں۔"

"ہاں!" —ابوسفیان نے کہا —"مکّہ کی زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔ اِن دو مسلمانوں کا خون اپنی زمین کو پلا دو... لیکن مجھے یاد آ گیا ہے کہ یہ مہینہ جو گزر رہا ہے ہمارے دیوتاؤں عزیٰ اور ہُبل کا مقدّس مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ختم ہو لینے دو۔ اگلے دن انہیں کھلے میدان میں لے جا کر لکڑی کے کھمبوں کے ساتھ باندھ دینا اور مجھے بلا لینا۔"

خالد نے جب ابوسفیان کا یہ حکم سُنا تو وہ اُس کے پاس گیا۔

"مجھے آپ کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا" — خالد نے ابوسفیان سے کہا —"ہم دگنی اور تگنی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنی زمین کو مسلمانوں کا خون نہیں پلا سکے تو ہمیں حق حاصل نہیں کہ دو مسلمانوں کو دھوکے سے یہاں لا کر اُن کا خون بہایا جائے .... ابوسفیان! کیا آپ جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے والی تین چار عورتیں تھیں؟ کیا آپ اپنے دشمن سے یہ کہلوانا چاہتے ہیں کہ اہلِ قریش اب عورتوں کی آڑ میں بیٹھ گئے ہیں؟"

"خالد!" —ابوسفیان نے بارعب لہجے میں کہا —"خبیبؓ اور زیدؓ کو میں بھی اتنا ہی اپنے قریب سمجھا کرتا تھا جتنا تم انہیں اپنے قریب سمجھتے تھے۔ تم اب بھی انہیں اپنے قریب سمجھ رہے ہو اور یہ بھول رہے ہو کہ اب یہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر تم انہیں آزاد کرانا چاہتے ہو تو لاؤ، اُس سے دُگنا سونا لے آؤ اور ان دونوں کو لے جاؤ۔"

"نہیں" — پردے کے پیچھے سے ایک گرجدار نسوانی آواز آئی۔ یہ ابوسفیان کی بیوی ہند کی آواز تھی۔ اُس نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا —"حمزہؓ کا کلیجہ چبا کر بھی میرے سینے میں انتقام کی آگ سرد نہیں ہوئی۔ اگر ساری دنیا کا سونا میرے آگے لا رکھو گے تو بھی میں ان دو مسلمانوں کو آزاد نہیں کروں گی۔"

"ابوسفیان!" — خالد نے کہا —"اگر میری بیوی میری بات کے درمیان یوں بولتی تو میں اُس کی زبان کھینچ لیتا۔"

"تم اپنی بیوی کی زبان کھینچ سکتے ہو؟" — ہند کی آواز آئی —"تمہارا باپ نہیں مارا گیا تمہارا کوئی بیٹا

نہیں مارا گیا اور تمہارا چچا بھی نہیں مارا گیا۔ تمہارا ایک بھائی قید ہوا تھا اور تم مسلمانوں کے پاس جا کر منہ مانگا فدیہ دے کر اپنے بھائی کو چھڑا لاتے تھے۔ آگ جو میرے سینے میں جل رہی ہے تم اس کی تپش سے ناآشنا ہو۔"

خالد نے ابوسفیان کی طرف دیکھا۔ ابوسفیان کے چہرے پر جہاں مردانہ جاہ و جلال اور ایک جنگجو سردار کا تاثر تھا وہاں ایک خاوند کی بے بسی کی جھلک بھی تھی۔

"ہاں خالد!" —ابوسفیان نے کہا —"جس کے دل پر چوٹ پڑتی ہے اُس کے خیالات تم سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ کسی کو اپنا دشمن کہنا کچھ اور بات ہے لیکن اپنے دشمن کو اپنے کسی عزیز کا خون بخش دینا بڑی ہی ناممکن بات ہے۔ تم کس کس کو قائل کرو گے کہ وہ ان دو مسلمانوں کی جاں بخشی کر دے۔ تم جاؤ خالد! ان دو مسلمانوں کو اپنے قبیلے کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔"

خالد خاموشی سے واپس چلا گیا۔

○

پھر خالد کو وہ بھیانک منظر یاد آیا جب باہر میدان میں لکڑی کے دو کھمبوں کے ساتھ خبیبؓ اور زیدؓ بندھے کھڑے تھے۔ تماشائیوں کا چیختا چلّاتا ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ اُدھر سے ابوسفیان اور ہند گھوڑوں پر سوار ہجوم میں داخل ہوتے ہجوم کے نعرے اور انتقامی طعنے پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے۔ اگر اس ہجوم میں کوئی خاموش تھا تو صرف خالد تھا۔

ابوسفیان گھوڑے پر سوار دونوں قیدیوں کے قریب گیا۔ دونوں نے اُسے کہا کہ وہ زندگی کی آخری نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے انہیں اجازت دے دی۔

خالد اب مدینے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے جب وہ منظر یاد آیا کہ دونوں قیدیوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے اور وہ قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ خالد پر اُس وقت جو اثر ہوا تھا وہ اب چار برس بعد اُس کی ذات سے اُبھر آیا۔ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے خالد کا سر جھک گیا۔

خبیبؓ بن عدی اور زیدؓ بن الدثِنہ ہجوم کی چیخ و پکار سے لاتعلق، اپنی موت سے بے پروا خُدا کے حضور رکوع و سجود میں محو تھے۔ اُنہوں نے نہایت اطمینان سے نماز پڑھی۔ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے۔ کوئی نہیں بتا سکتا، تاریخ بھی خاموش ہے کہ اُنہوں نے خُدا سے کیا دعا مانگی اُنہوں نے خُدا سے یہ نہیں کہا ہو گا کہ دشمن انہیں آزاد کر دے۔

وہ اُٹھے اور خود ہی لکڑی کے کھمبوں کے ساتھ پیٹھیں لگا کر کھڑے ہو گئے۔

"او بد قسمت انسانو!" — ابوسفیان نے بڑی بلند آواز سے خبیبؓ اور زیدؓ سے کہا —"تمہاری قسمت اور تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ اپنی زبانوں سے کہہ دو کہ ہم اسلام کو ترک کرتے ہیں اور اب ہم اہلِ قریش میں سے ہیں اور ۳۶۰ بُتوں کو برحق مانتے ہیں .... یہ اعلان کرو اور اپنی زندگیاں مجھ سے واپس لو۔ اگر نہیں تو موت کو گلے لگاؤ۔ یہ بھی سوچ لو کہ تمہاری موت سہل نہیں ہو گی۔"

"اے باطل کے پُجاری ابوسفیان!" — زیدؓ کی آواز گرجی —"ہم لعنت بھیجتے ہیں پتھر کے اُن بُتوں پر جو اپنے اُوپر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی نہیں اُڑا سکتے۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں عزیٰ اور ہُبل پر جو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تمہیں اگلے جہان دوزخ کی آگ میں پھینکیں گے۔ ہم پجاری ہیں اُس ایک اللہ کے جو رحمان اور رحیم ہے اور ہم عاشق ہیں محمدؐ کے جو اللہ کے رسُولؐ ہیں۔"

"میرا راستہ وہی ہے جو زیدؓ نے تمہیں دکھا دیا ہے"۔۔۔ خبیبؓ نے بلند آواز سے کہا۔۔۔ "اے اہلِ مکّہ! سچا وہی ہے جس کے نام پر ہم قربان ہو رہے ہیں۔ ہمیں نئی زندگی ملے گی جو اس زندگی سے بہت زیادہ حسین اور مقدّس ہوگی۔"

"باندھ دو انہیں ان کھمبوں کے ساتھ"۔۔۔ ابوسفیان نے حکم دیا۔۔۔ "یہ موت کا ذائقہ چکھنے کے مشتاق ہیں۔"

دونوں کے ہاتھ پیچھے کر کے کھمبوں کے ساتھ جکڑ دیئے گئے۔ ابُوسفیان نے گھوڑا موڑا اور ہجوم کی طرف آیا۔

"عزّیٰ اور ہبل کی قسم!"۔۔۔ ابوسفیان نے بلند آواز میں ہجوم سے کہا۔۔۔ "میں نے اپنے قبیلے میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جو اپنے سردار پر اس محبّت اور ایثار سے جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جس طرح محمدؐ کے پیروکار اُس کے نام پر فدا ہوتے ہیں۔"

ہُند اپنے گھوڑے پر سوار کچھ دُور کھڑی تھی۔ اُس کے قریب اُس کے چند ایک غلام کھڑے تھے۔ ایک غلام نے اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے جوش کا یہ مظاہرہ کیا کہ برچھی تان کر دونوں قیدیوں کی طرف کسی کے حکم کے بغیر بڑی تیز دوڑا اور کھمبے سے بندھے زیدؓ کے سینے پر برچھی کا اتنا زور دار وار کیا کہ برچھی کی اَنّی زیدؓ کی پیٹھ سے باہر نکل گئی۔ زیدؓ بن الدثنہ فوراً شہید ہو گئے۔

اس غلام نے سینہ تان کر ہجوم کی طرف خراجِ تحسین کی توقع پر دیکھا لیکن ہجوم کچھ اور ہی قسم کا شور بلند کرنے لگا تھا۔ تماشائی کہتے تھے کہ یہ کوئی تماشہ نہیں ہُوا۔ یہ مسلمان اتنی سہل موت کے قابل نہیں۔ ہمیں کوئی تماشہ دکھاؤ۔

"قتل کر دو اس غلام کو جس نے ایک مسلمان پر اتنا رحم کیا ہے کہ اسے اتنی جلدی مار ڈالا ہے"۔۔۔ ہُند نے دبنگ آواز میں کہا۔

کئی آدمی تلواریں اور برچھیاں لہراتے اس غلام کی طرف دوڑے لیکن بہت سے آدمی دوڑ کر ان آدمیوں اور غلام کے درمیان آ گئے۔

"خبردار! پیچھے کھڑے رہو"۔۔۔ ایک آدمی نے جو گھوڑے پر سوار تھا للکار کر کہا۔۔۔ "عربی خون اتنا بُزدل نہیں کہ دو آدمیوں کو باندھ کر مارنے کے لیے قریش کا پورا قبیلہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ خُدا کی قسم! ابوسفیان کی جگہ میں ہوتا تو ان دونوں آدمیوں کو آزاد کر دیتا۔ یہ ہمارا خون ہے اور یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم ان سے میدانِ جنگ میں لڑیں گے۔"

"یہ ٹھیک کہتا ہے"۔۔۔ ہجوم میں سے کئی آوازیں سنائی دیں۔۔۔ "دشمن کو باندھ کر مارنا عرب کی روایات کے خلاف ہے۔"

تماشائیوں کے ہجوم میں سے بے شمار آوازیں ایسی سنائی دے رہی تھیں جو کہتی تھیں کہ ہم تماشہ دیکھیں گے۔ ہم دشمن کو اس طرح ماریں گے کہ وہ مر مر کے جئیں۔

تھوڑی دیر بعد تماشائیوں کا ہجوم دو حصّوں میں بٹ گیا۔ ایک گروہ خبیبؓ کے قتل کے خلاف تھا۔

اسے وہ عرب کی روایتی بہادری کے منافی سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ خبیبؓ کو تڑپا تڑپا کر مارنے کے نعرے لگا رہا تھا۔ خالد نے جب اہلِ مکّہ کو اور دُور دُور سے آئے ہوئے تماشائیوں کو اس طرح ایک دوسرے کے خلاف نعرے لگاتے دیکھا تو وہ دوڑتا ہُوا ابوسفیان تک گیا۔

"دیکھ لیا ابوسفیان!"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔ "دیکھ لیں یہاں میرے کتنے حامی ہیں۔ ایک کو مار دیا ہے دوسرے کو چھوڑ دو، ورنہ اہلِ قریش آپس میں ٹکرا جائیں گے۔"

ہند نے خالد کو ابوسفیان کے پاس کھڑے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ خالد بھی خبیبؓ کی رہائی کا حامی ہے۔ ہُند نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُن دونوں کے پاس جا پہنچی۔

"خالد!"۔۔۔ ہُند نے سخت بپھری ہُوئی آواز میں کہا۔۔۔ "میں جانتی ہوں تم کیا چاہتے ہو۔ کیا تم ابوسفیان کو اپنا سردار نہیں مانتے؟ اگر نہیں تو یہاں سے چلے جاؤ۔ میں نے جو سوچا ہے وہ ہو کر رہے گا۔"

"خالد!"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔ "اگر تم سمجھتے ہو کہ میرا حکم اور میرے ارادے صحیح نہیں تو بھی مجھے ان پر عمل کرنے دو۔ اگر میں نے اپنا حکم واپس لے لیا تو یہ میری کمزوری ہوگی۔ پھر لوگ میرے ہر حکم پر یہ توقع رکھیں گے کہ میں اپنا حکم واپس لے لوں۔"

خالد کو آج مدینے کے راستے میں یاد آ رہا تھا اور اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے ابوسفیان کا حکم مان لیا تھا۔ خالد کی خوبیوں میں سب سے بڑی خوبی نظم و نسق اور اپنے سردار کی اطاعت تھی۔ اُس نے اپنے سینے پر پتھر رکھ کر صرف اس لیے ابوسفیان کا حکم مان لیا تھا کہ اہلِ قریش میں حکم عدولی کی روایت قائم نہ ہو۔

"اے اہلِ مکّہ!"۔۔۔ ابوسفیان نے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تماشائیوں سے بلند آواز میں کہا۔۔۔ "اگر آج یہاں دو مسلمانوں کے قتل پر ہم یوں بٹ گئے تو ہم میدانِ جنگ میں بھی کسی نہ کسی مسئلے پر پھٹ جائیں گے اور فتح تمہارے دشمن کی ہوگی۔ اگر اپنے سردار کی اطاعت سے یوں انحراف کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا۔"

ہجوم کا شور و غوغا کم ہو گیا لیکن خالد نے دیکھا کہ اہلِ مکّہ کے کئی ایک سردار چہروں پر نفرت کے آثار لیے واپس گھروں کو جا رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر بہت سے لوگ بھی جو تماشہ دیکھنے آئے تھے واپس چلے گئے۔ خالد وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا لیکن وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ دونوں گروہ آپس میں ٹکرا جائیں گے۔ اُس کے اپنے قبیلے کے زیادہ تر لوگ تماشائیوں میں موجُود تھے۔ وہ کم از کم اپنے قبیلے کو اپنے قابو میں رکھ سکتا تھا۔

○

ہُند نے تماشے کا پُورا انتظام کر رکھا تھا۔ اُس کے اشارے پر چالیس کمسن لڑکے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں دوڑتے اور چیختے چلاّتے ہوئے تماشائیوں میں سے نکلے اور خبیبؓ کے اردگرد ناچنے اور چیخنے چلاّنے لگے۔ دو چار لڑکے برچھیاں تانے ہُوئے خبیبؓ تک جاتے اور برچھیاں تول کر خبیبؓ پر وار کرتے لیکن خبیبؓ کو گزند پہنچائے بغیر ہاتھ روک لیتے۔ خبیبؓ بدکتے اور نعرہ لگاتے۔۔۔ "میرا خدا سچّا ہے اور محمدؐ خُدا کے رسول ہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

چند اور لڑکے اس طرح برچھیاں تان کر اُن پر للہ بولتے جیسے خبیبؓ کے جسم کو چھلنی کر دیں گے لیکن وار کر کے وار روک لیتے۔ خبیبؓ کے بدکنے پر تماشائیوں کا ہجوم داد و تحسین کے نعرے اور قہقہے لگاتا۔

لڑکوں کا یہ کھیل کچھ دیر جاری رہا۔ اس کے بعد لڑکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ برچھی کا وار بڑی زور سے کرتے لیکن خبیبؓ کے جسم پر اتنا سا وار لگتا کہ برچھیوں کی انّیاں کھال میں ذرا سی اُتر کر پیچھے آ جاتیں۔ بہت دیر تک یہی کھیل چلتا رہا۔ تماشائی داد و تحسین کے نعرے اور خبیبؓ اللہ اکبر اور محمدؐ رسُول اللہ کے نعرے بلند کرتے رہے۔ خبیبؓ کے کپڑے خون سے لال ہو چکے تھے۔

ابوجہل کا بیٹا عکرمہ ہاتھ میں برچھی لیے ان لڑکوں کے پاس جا پہنچا اور انہیں ہدایات جاری کرنے لگا۔ لڑکے اب اپنی برچھیاں خبیبؓ کے جسم میں چبھو رہے تھے۔ وہ دائرے میں گھومتے اور ناچتے تھے۔ خبیبؓ کے جسم کا کوئی بھی حصہ ایسا نہ رہا جہاں برچھی نہ چُبھی ہو اور وہاں سے خون نہ ٹپک رہا ہو۔ اُنؓ کے چہرے پر بھی برچھیاں ماری گئیں۔ جب بہت دیر گزر گئی اور لڑکے ناچ ناچ کر اور برچھیاں چبھو چبھو کر تھک گئے تو عکرمہ نے لڑکوں کو وہاں سے ہٹا دیا۔ خبیبؓ خون میں نہاتے ہُوئے تھے اور ابھی زندہ تھے۔ ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے نعروں میں کمی نہیں آئی تھی۔ عکرمہ اُن کے سامنے کھڑا ہو گیا اور برچھی تان کر خبیبؓ کے سینے میں اتنی زور سے ماری کہ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے برچھی خبیبؓ کے جسم سے پار ہو گئی۔ خبیبؓ شہید ہو گئے۔

"ان کی لاشیں یہیں بندھی رہنے دو"۔۔۔ ہُند کی گرجدار آواز سنائی دی ۔۔۔ "اب کئی دن ان کی لاشوں کے گلنے سڑنے کا تماشہ دیکھتے رہو"۔

○

یہ واقعہ جولائی ۶۲۵ء کا تھا جو خالد کو یاد آ رہا تھا۔ اُس نے اپنے دل میں درد کی ٹیس محسوس کی۔ خبیبؓ اور زیدؓ کے قتل نے قریش کے سرداروں میں اختلاف کا بیج بو دیا تھا۔ جس طرح ان دو مسلمانوں نے آخری وقت نماز پڑھی اور اسلام سے نکل آنے پر موت کو ترجیح دی تھی، اس نے قریش کے کئی سرداروں پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ خود خالد نے اگر اسلام کی نہیں تو خبیبؓ اور زیدؓ کی دل ہی دل میں بہت تعریف کی تھی۔ ابوسفیان اور اُس کی بیوی ہُند کے خلاف اُس کے دل میں ناپسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔

"یہ جنگجوؤں کا شیوہ نہیں تھا"۔۔۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا ۔۔۔ "یہ جنگجوؤں کو زیب نہیں دیتا تھا"۔

ایک روز وہ اُن سرداروں کی محفل میں بیٹھا تھا جو رسولِ خدا کے ان دو صحابہ کرامؓ کے قتل کے خلاف تھے

"کیا تم سب جانتے ہو کہ مارے جانے والے یہی دو نہیں بلکہ چھ مسلمان تھے؟"۔۔۔ خالد نے پوچھا۔

"ہاں"۔۔۔ ایک نے جواب دیا ۔۔۔ "یہ شارجہ بن مغیث کا کام تھا۔ وہ ان چھ مسلمانوں کو دھوکے سے پھندے میں لایا تھا"۔

"اور اس کے پیچھے مکّہ کے یہودیوں کا دماغ کام کر رہا تھا"۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "اور اس میں یوحاوہ یہودن نے دو تین اور یہودی لڑکیاں ساتھ لے جا کر اپنے اور اُن کے حُسن کا جادو چلایا تھا"۔

"یوحاوہ جادوگرنی ہے"۔۔۔ ایک سردار نے کہا ۔۔۔ "وہ بھائی کو بھائی کے ہاتھوں ذبح کرا سکتی ہے"۔

"کیا یہ خطرہ نہیں کہ یہودی ہمیں بھی ایک دوسرے کا دشمن بنا دیں گے؟"۔۔۔ کسی اور سردار نے کہا۔

"نہیں"۔۔۔ ایک بوڑھا سردار بولا ۔۔۔ "وہ محمدؐ کے اتنے ہی دشمن ہیں جتنے ہم ہیں۔ یہودیوں کا مفاد اس میں ہے کہ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اتنی پکّی اور اتنی شدید کر دیں کہ ہم مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں"۔

"ہمیں یہودیوں پر شک میں نہیں پڑنا چاہئے"۔۔۔ ایک سردار نے کہا ۔۔۔ "بلکہ ضرورت یہ ہے کہ ہم یہودیوں کو مسلمانوں کے خلاف زمین کے نیچے استعمال کریں"۔

"لیکن ایسے نہیں جیسے شارجہ نے کیا ہے"۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "اور ایسے بھی نہیں جیسے ابوسفیان اور اُس کی بیوی نے کیا ہے"۔

"کیا تم سب جانتے ہو کہ یوحاوہ مکّہ کے چند ایک یہُودیوں کے ساتھ مدینہ چلی گئی ہے؟"۔۔۔ بوڑھے سردار نے پوچھا اور خود ہی جواب دیا ۔۔۔ "وہ مدینہ اور ارد گرد کے یہودیوں اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف ابھاریں گے۔ اسلام کے فروغ سے وہ خود خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اگر محمدؐ کا عقیدہ پھیلتا چلا گیا اور میدانِ جنگ میں محمدؐ کے پیروکاروں کا جذبہ یہی رہا جو ہم دیکھ چکے ہیں تو ڈُوبتے یہودہ کا سورج غروب ہو جائے گا"۔

"لیکن یہودی لڑنے والی قوم نہیں"۔۔۔ خالد نے کہا ۔۔۔ "وہ میدانِ جنگ میں ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے"۔

"مسلمانوں کے لیے وہ میدانِ جنگ میں زیادہ مہلک ثابت ہوں گے"۔۔۔ ایک اور سردار نے کہا ۔۔۔ "وہ اپنی یوحاوہ جیسی دلکش لڑکیوں کے ذریعے مسلمان سرداروں اور سالاروں کو میدانِ جنگ میں اُترنے کے قابل نہیں چھوڑیں گے"۔

یوحاوہ خالد کے دل و دماغ پر غالب آتی جا رہی تھی اور چار برس پرانی باتیں اُسے سنائی دے رہی تھیں۔ وہ مدینے کی طرف چلا جا رہا تھا اور اُحد کی پہاڑی اوپر اٹھتی آ رہی تھی، پھر یہ پہاڑی اُس کی نظروں سے اوجھل ہونے لگی۔ اُس کا گھوڑا گھاٹی اُتر رہا تھا۔ یہ کوئی ایک میل لمبا اور ڈیڑھ دو فرلانگ چوڑا نشیب تھا جس میں کہیں کہیں مخروطی ٹیلے کھڑے تھے۔ یہ ریتلی مٹی کے تھے۔ خالد کو دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے چونک کر اُدھر دیکھا اور اُس کا ہاتھ تلوار کے دستے پر چلا گیا ۔۔۔ وہ چار پانچ غزال تھے جو اُس کے پیچھے دوڑتے جا رہے تھے۔ کچھ دور جا کر ایک غزال نے دوسرے غزال کے پہلو میں ٹکر ماری پھر دونوں غزال آمنے سامنے آ گئے اور اُن کے سر ٹکرانے لگے۔ دوسرے غزال انہیں دیکھنے رک گئے۔

○

اتنے خوبصورت جانور آپس میں لڑتے اچھے نہیں لگتے۔ خالد انہیں دیکھتا رہا۔ ایک تماشائی غزال نے خالد کے گھوڑے کو دیکھ لیا۔ اُس نے گردن تانی اور کھُر زمین پر مارا۔ لڑنے والے غزال جہاں تھے وہاں ساکت و جامد ہو گئے اور پھر تمام غزال ایک طرف بھاگ اُٹھے اور خالد کی نظروں سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُدجھل ہو گئے۔

قریش کے سردار دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ان کی آپس میں دشمنی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن پیار محبت اور اتحاد والی پہلی سی بات بھی نہیں رہی تھی۔ خالد کو آج یاد آرہا تھا کہ سب ابوسفیان کی سرداری اور سالاری کو تسلیم کرتے تھے لیکن کھچاؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ جب اتحاد کی ضرورت تھی، اُس وقت اہلِ قریش نفاق کے راستے پر چل پڑے تھے۔ خالد کو یہ صورتِ حال سخت ناگوار گزرتی تھی۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپس کا نفاق دشمن کو تقویت دیا کرتا ہے؟" — خالد نے ایک روز ابوسفیان سے کہا تھا "کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اس نفاق کو اتفاق میں کس طرح بدلا جاسکتا ہے؟"

"بہت سوچا ہے خالد!" — ابوسفیان نے اُکتائے ہوئے سے لہجے میں کہا تھا — "بہت سوچا ہے۔ سب مجھے پہلے کی طرح ملتے ہیں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بعض کے دل صاف نہیں.... کیا تم کوئی صورت پیدا کرسکتے ہو کہ دلوں سے مَیل نکل جائے؟"

"ہاں، میں نے ایک صورت سوچ رکھی ہے" — خالد نے کہا تھا — "میں یہی تجویز آپ کے سامنے لا رہا تھا۔ جن سرداروں کے دلوں میں مَیل پیدا ہو گئی ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم اب نام کے جنگجو رہ گئے ہیں اور ہم نے مسلمانوں کا ڈر اپنے دلوں میں بٹھا لیا ہے۔ شارجہ نے چھ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اور ان میں سے دو کو آپ کے ہاتھوں مروا کر ہماری شکل و صورت ہی بدل ڈالی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ہم مدینہ پر حملہ کریں یا مسلمانوں کو کہیں للکاریں اور ثابت کردیں کہ ہم جنگجو ہیں اور ہم مسلمانوں کو ختم کر کے دم لیں گے۔"

"ہمارے پاس جواز موجود ہے" — ابوسفیان نے اُچھل کر کہا تھا — "میں نے اُحد کی لڑائی کے آخر میں محمدؐ کو للکار کر کہا تھا کہ تم نے بدر میں ہمیں شکست دی تھی۔ ہم نے اُحد کی پہاڑی کے دامن میں انتقام لے لیا ہے۔ میں نے محمدؐ سے یہ بھی کہا تھا کہ قریش کے سینوں میں انتقام کی آگ جلتی رہے گی۔ ہم اگلے سال تمہیں بدر کے میدان میں للکاریں گے۔"

"ہاں، مجھے یاد ہے" — خالد نے کہا — "اُدھر سے عمرؓ کی آواز آئی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ ہمارے اللہ نے چاہا تو ہماری اگلی ملاقات بدر کے میدان میں ہی ہوگی۔"

"آواز تو عمرؓ کی تھی، الفاظ محمدؐ کے تھے" — ابوسفیان نے کہا — "محمدؐ بہت زخمی تھا۔ وہ اونچی آواز میں بول نہیں سکتا تھا.... میں محمدؐ کو پیغام بھیجتا ہوں کہ فلاں دن بدر کے میدان میں آجاؤ اور اپنے انجام کو پہنچو۔"

دونوں نے ایک دن مقرر کرلیا اور فیصلہ کیا کہ کسی یہودی کو مدینے بھیجا جاتے۔

دوسرے ہی دن ابوسفیان نے قریش کے تمام سرداروں کو اپنے ہاں بلایا اور بڑے جوش و خروش سے اعلان کیا کہ وہ مسلمانوں کو بدر کے میدان میں للکار رہا ہے۔ قریش یہی خبر سننے کے منتظر تھے۔ انہیں اپنے عزیزوں کے خون کا انتقام لینا تھا۔ ان کے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی دشمنی بارود کی طرح بھری ہوئی تھی جو ایک چنگاری کی منتظر تھی۔ وہ کہتے تھے کہ محمدؐ نے باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔

ابوسفیان کے اس اعلان نے سب کے دل صاف کردیئے اور وہ جنگی تیاریوں کی باتیں کرنے لگے۔ ایک دانشمند یہودی کو پیغام دیا گیا کہ وہ مدینے جا کر نبی کریمؐ کو دے کر جواب لے آئے۔

○

خالد کو یاد آرہا تھا کہ وہ اُس روز کس قدر مطمئن اور مسرور تھا۔ قریش کے سرداروں کے دلوں میں جو تکدر پیدا ہو گیا تھا، وہ صاف ہو گیا تھا۔ خالد ڈینگیں مارنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے یہ تہیّہ کرلیا تھا کہ وہ رسولِ خدا کو اپنے ہاتھوں قتل کرے گا۔

یہودی ایلچی جواب لے کر آگیا۔ رسولِ کریمؐ نے ابوسفیان کی للکار کو قبول کرلیا تھا۔ لڑائی کا جو دن مقرر ہوا وہ مارچ ۶۲۶ء کا ایک دن تھا لیکن ہوا یوں کہ سردیوں کے موسم میں عنقی بارش ہوا کرتی تھی اُس سے بہت کم ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ موسم تقریباً خشک گزر گیا اور مارچ کے مہینے میں گرمی اتنی زیادہ ہو گئی جتنی اُس کے دو تین ماہ بعد ہوا کرتی تھی۔ ابوسفیان نے اِس موسم کو لڑائی کے لیے موزوں نہ سمجھا۔

اس یاد نے خالد کو شرمسار سا کردیا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ابوسفیان موسم کی گرمی کا بہانہ بنا رہا تھا۔ مشہور مؤرخ ابنِ سعد لکھتا ہے کہ ابوسفیان نے قریش کے سرداروں کو بُلا کر کہا کہ وہ کوچ سے پہلے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہودیوں کی خدمات حاصل کیں اور انہیں خاصی اُجرت دے کر تاجروں کے بھیس میں مدینے بھیج دیا۔ اُنہیں ابوسفیان نے یہ کام سونپا تھا کہ مدینے میں وہ یہ افواہ پھیلائیں کہ قریش اتنی زیادہ تعداد میں بدر کے میدان میں آرہے ہیں جو مسلمانوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

اِس مؤرخ کے مطابق، مدینے میں اس افواہ کو سچ مانا گیا اور مسلمانوں کے چہروں پر اس کے اثرات بھی دیکھے گئے۔ جب رسولِ کریمؐ تک یہ افواہ پہنچی اور یہ اطلاع بھی کہ بعض مسلمانوں پر خوف و ہراس کے اثرات دیکھے گئے ہیں تو رسولِ کریمؐ نے باہر آکر لوگوں کو جمع کیا اور اعلان کیا:

"کیا اللہ کے نام لیوا صرف یہ سُن کر ڈر گئے ہیں کہ قریش کی تعداد زیادہ ہو گی؟ کیا اللہ سے ڈرنے والے آج بتوں کے پجاریوں سے ڈر گئے ہیں؟ اگر تم قریش سے اس قدر ڈر گئے ہو کہ اُن کی للکار پر تم مُنہ موڑ گئے ہو تو مجھے قسم ہے خدائے ذوالجلال کی جس نے مجھے رسالت کی ذمہ داری سونپی ہے، میں بدر کے میدان میں اکیلا جاؤں گا۔"

رسولِ خدا کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن رسالتِ مآب کے شیدائیوں نے نعروں سے آسمان کو ہلا ڈالا۔ یہ سراغ نہ مل سکا کہ افواہ کس نے اُڑائی تھی لیکن رسول اللہ کی پکار پر قریش کی پھیلائی ہوئی افواہ کے اثرات زائل ہو گئے اور مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ دن تھوڑے رہ گئے تھے۔ کوچ کے وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ ان میں صرف پچاس گھوڑسوار تھے۔

جن یہودیوں کو افواہ پھیلانے کے لیے مدینہ بھیجا گیا تھا، اُنہوں نے واپس آکر بتایا کہ افواہ نے پہلے پورا کام کیا تھا لیکن ایک روز محمدؐ نے مسلمانوں کو اکٹھا کر کے چند الفاظ ہی کہے تو تمام مسلمان بدر کو کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ اُن کی تعداد مدینے میں ہماری موجودگی تک ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ تعداد اس سے کم یا زیادہ نہیں ہو گی۔

آج مدینے کو جاتے ہوئے اس واقعہ کی یاد نے خالد کو اس لیے شرمسار کر دیا تھا کہ وہ اُس وقت محسوس کرنے لگا تھا کہ ابُوسفیان کسی نہ کسی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے جانے سے ہچکچا رہا ہے۔

خالد کو جب مسلمانوں کی تعداد کا پتہ چلا تو وہ بھڑکا بپھرا ہوا ابُوسفیان کے پاس گیا۔

"ابُوسفیان!" — خالد نے اُسے کہا — "سردار کی اطاعت ہمارا فرض ہے۔ میں اہلِ قریش میں سردار کی حکم عدولی کی روایت قائم نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے قریش کی عظمت کا بھی خیال ہے۔ آپ اپنے رویّے کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبیلۂ قریش کی عظمت کا احساس مجھ میں اتنا زیادہ ہو جائے کہ میں آپ کے حکم اور رویّے کی طرف توجہ ہی نہ دوں۔"

"کیا تم نے سُنا نہیں تھا کہ میں نے یہودیوں کو مدینے کیوں بھیجا تھا؟" — ابُوسفیان نے پُوچھا — "میں مسلمانوں کو ڈرانا چاہتا تھا..."

"ابُوسفیان!" — خالد نے اُس کی بات پُوری ہونے سے پہلے کہا — "لڑنے والے ڈرا نہیں کرتے۔ کیا آپ نے مسلمانوں کو قلیل تعداد میں لڑتے نہیں دیکھا؟ کیا آپ نے خبیبؓ اور زیدؓ کو اہلِ قریش کی برچھیوں کے سامنے کھڑے ہو کر نعرے لگاتے نہیں سُنا تھا؟... میں آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ اپنی سرداری کا احترام کریں اور بدر کو کُوچ کی تیاری کریں۔"

○

دوسرے ہی دن مکّہ میں یہ خبر پہنچی کہ مسلمان مدینہ سے بدر کو کُوچ کر گئے ہیں۔ اب ابُوسفیان کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ کُوچ کا حکم دے۔ قریش کی جو تعداد بدر کو کوچ کے لیے تیار ہوئی، وہ دو ہزار تھی اور ایک سَو گھوڑسوار اس کے علاوہ تھے۔ قیادت ابُوسفیان کی تھی اور اس کے ماتحت خالد، عکرمہ اور صفوان نائب سالار تھے۔ حسبِ معمول ابُوسفیان کی بیوی ہِند اُس کی چند ایک کنیزیں اور گانے بجانے والی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔

مسلمان رسولِ اکرمؐ کی قیادت میں ۴ اپریل ۶۲۶ء بمطابق یکم ذی القعد ۴ھ کے روز بدر کے میدان میں پہنچ گئے۔

قریش ابھی عسفان کے مقام تک پہنچے تھے۔ انہوں نے وہیں رات بھر کے لیے پڑاؤ کیا۔ علی الصبح اُن کی روانگی تھی لیکن صبح طلوع ہوتے ہی ابُوسفیان نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دینے کی بجائے اکٹھا کیا اور لشکر سے یوں مخاطب ہُوا:

"قریش کے بہادرو! مسلمان تمہارے نام سے ڈرتے ہیں۔ اب اُن کے ساتھ ہماری جنگ فیصلہ کُن ہو گی۔ اِن مُٹھی بھر مسلمانوں کا ہم نام و نشان مٹا دیں گے۔ نہ محمدؐ اس دُنیا میں رہے گا نہ کوئی اُس کا نام لینے والا لیکن ہم ایسے حالات میں لڑنے جا رہے ہیں جو ہمارے خلاف جا سکتے ہیں اور ہماری شکست کا باعث بن سکتے ہیں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم اپنے ساتھ پُورا اناج نہیں لا سکے۔ مزید اناج ملنے کی اُمید بھی نہیں کیونکہ خشک سالی نے قحط کی صورت پیدا کر دی ہے۔ پھر اِس گرمی کو دیکھو۔ میں نہیں چاہتا کہ میں اپنے بہادروں کو بھوکا اور پیاسا مروا دوں۔ میں فیصلہ کُن جنگ کے لیے

موزوں حالات کا انتظار کروں گا۔ ہم آگے نہیں جائیں گے۔ مکہ کو کُوچ کرو۔"

خالد کو یاد آ رہا تھا کہ قریش کے لشکر نے دو طرح کے نعرے بلند کیے۔ ایک اُن کے نعرے تھے جو انہی حالات میں مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ دوسرے نعرے ابُوسفیان کے فیصلے کی تائید میں تھے لیکن حکم سب کو ماننا تھا۔ خالد، عکرمہ اور صفوان نے ابُوسفیان کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا لیکن ابُوسفیان پر اُن کے احتجاج کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ اِن تینوں نائب سالاروں نے یہ جائزہ بھی لیا کہ کتنے آدمی اُن کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ جائزہ اُن کے خلاف ثابت ہُوا۔ لشکر کی اکثریت ابُوسفیان کے حکم پر مکّہ کی طرف کُوچ کر گئی۔ خالد اور اُس کے دونوں ساتھیوں کو مجبوراً لشکر کے پیچھے پیچھے آنا پڑا۔

خالد کو وہ لمحے یاد آ رہے تھے جب وہ اہلِ قریش کے لشکر کے پیچھے پیچھے عکرمہ اور صفوان کے ساتھ مکہ کو چلا جا رہا تھا۔ اُس کا سَر جُھکا ہُوا تھا۔ یہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ بھی نہیں رہے تھے جیسے ایک دوسرے سے شرمسار ہوں۔ خالد کو بار بار یہ خیال آتا تھا کہ لڑائی میں اُس کی ایک ٹانگ کٹ جاتی، بازو کٹ جاتے، اُس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو جاتیں تو اُسے یہ دُکھ نہ ہوتا جو بغیر لڑے واپس جانے سے ہو رہا تھا۔ اُس وقت وہ اس طرح محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کی ذات مر چکی ہو اور گھوڑے پر اُس کی لاش مکّہ کو واپس جا رہی ہو۔ نبی کریمؐ کا قتل اُس کا عزم اور عہد تھا جو وہ پُورا کیے بغیر واپس آ رہا تھا۔ یہ عزم بچھّو بن کر اُسے ڈس رہا تھا۔

اُسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ یادوں کا ایک ریلا تھا جو کہیں ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اُسے یہودیوں کے تینوں قبیلے۔ بنونضیر، بنوقریظہ اور بنوقینقاع — یاد آئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قریش مسلمانوں کے خلاف لڑنے سے منہ موڑ گئے ہیں تو وہ سرگرم ہو گئے۔ یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف زمین دوز کارروائیاں شروع کیں، مکّہ گئے اور قریش کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا مگر قریش کا سردار ابُوسفیان ٹس سے مس نہ ہُوا۔ خالد کو معلوم نہ ہو سکا کہ ابُوسفیان کے دل میں کیا ہے اور وہ مسلمانوں سے لڑنے سے کیوں گھبراتا ہے۔

اُسی سال کے موسمِ سرما کے اوائل میں خیبر کے چند ایک سرکردہ یہودی مکّہ گئے۔ ان کا سردار حیی بن اخطب تھا۔ یہ شخص یہودیوں کے قبیلے بنونضیر کا سردار بھی تھا۔ یہودیوں کے پاس زروجواہرات کے خزانے تھے۔ یہ چند ایک یہودی ابُوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے لیے بیش قیمت تحفے لے کر گئے۔ ان کے ساتھ حسین و جمیل لڑکیوں کا طائفہ بھی تھا۔

مکّہ میں یہ یہودی ابُوسفیان سے ملے۔ اُسے تحفے پیش کیے اور رات کو اپنے طائفہ کا رقص بھی دکھایا۔ اس کے بعد حیی بن اخطب نے ابُوسفیان سے خالد، عکرمہ اور صفوان کی موجودگی میں کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ختم نہ کیا اور اُن کے بڑھتے ہوئے قدم نہ روکے تو وہ یمامہ تک پہنچ جائیں گے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو قریش کے لیے وہ تجارتی راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گا جو بحرین اور عراق کی طرف جاتا ہے۔ قریش کے لیے یہ راستہ شہ رگ کی حیثیت رکھتا تھا۔

"اگر آپ ہمارا ساتھ دیں" — حیی بن اخطب نے کہا — "تو ہم مسلمانوں کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کر دیں گے۔"

"ہم مسلمانوں سے دُگنے تھے تو بھی اُنہیں شکست نہ دے سکے" — ابُوسفیان نے کہا — "اُن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے تین گُنا تعداد میں اُن سے لڑے تو بھی اُنہیں شکست نہ دے سکے۔ اگر چند اور قبیلے ہمارے ساتھ مل جائیں تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں۔"

"ہم نے یہ انتظام پہلے ہی کر دیا ہے" ــــ حیی بن اخطب نے کہا ــــ "قبیلہ غطفان اور بنو اسد آپ کے ساتھ ہوں گے۔ چند اور قبیلے ہماری کوششوں سے آپ کے ساتھ آجائیں گے۔"

خالد کو کیا کچھ یاد نہ آرہا تھا۔ تین چار سال پہلے کے واقعات اُسے ایک روز پہلے کی طرح یاد تھے۔ اُسے ابُوسفیان کا گھبرایا گھبرایا چہرہ اچھی طرح یاد تھا۔ خالد جانتا تھا کہ یہودی اہلِ قریش کو مسلمانوں کے خلاف صرف اس لیے بھڑکا رہے ہیں کہ یہودیوں کا اپنا مذہب اسلام کے مقابلے میں خطرے میں آگیا تھا لیکن اُنہوں نے ابُوسفیان کو ایسی تصویر دکھائی تھی جس میں اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں تباہی نظر آرہی تھی۔ دوسری طرف خالدؓ عکرمہ اور صفوان بن اُمیّہ نے ابُوسفیان کو سر اُٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ یہ تسلیم کریں کہ آپ بزُدل ہیں۔"

"اگر مسلمان موسم کی خرابی اور قحط میں لڑنے کے لیے آگئے تھے تو ہم بھی لڑ سکتے تھے۔"

"آپ نے جھُوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دیا ہے۔"

"ابُوسفیان بزُدل ہے..... ابُوسفیان نے پُورے قبیلے کو بزُدل بنا دیا ہے..... اب محمدؐ کے چیلے ہمارے سر پر کُودیں گے۔"

اور ایسی بہت سی طنز اور غصّے سے بھری ہوئی آوازیں مکّہ کے گلی کوچوں میں گشت کرتی رہتی تھیں۔ ان آوازوں کے پیچھے یہودیوں کا دماغ بھی کام کر رہا تھا لیکن اہلِ قریش کی غیرت اور ان کا جذبۂ انتقام انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ ابوسفیان اس حال تک پہنچ گیا کہ اُس نے باہر نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

خالد کو وہ دن یاد آیا جب اُسے ابوسفیان نے اپنے گھر بلایا تھا۔ خالد کے دل میں ابوسفیان کا وہ احترام نہیں رہ گیا تھا جو کبھی ہُوا کرتا تھا۔ وہ بادلِ نخواستہ صرف اس لیے چلا گیا کہ ابوسفیان اس کے قبیلے کا سردار ہے۔ وہ ابوسفیان کے گھر گیا تو وہاں عکرمہ اور صفوان بھی بیٹھے ہوئے تھے۔

"خالد!" ــــ ابوسفیان نے کہا ــــ "میں نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

خالد کو ایسے محسوس ہُوا جیسے اُس نے غلط سنا ہو۔ اُس نے عکرمہ اور صفوان کی طرف دیکھا۔ اُن دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"ہاں خالد!" ــــ ابوسفیان نے کہا ــــ "جس قدر جلدی ہو سکے لوگوں کو مدینے پر حملے کے لیے تیار کر لو۔"

○

یہودیوں نے جن قبائل کو قریش کا ساتھ دینے کے لیے تیار کیا تھا، اُن سب کی طرف پیغام بھیج دیئے گئے۔ یہ فروری ۶۲۷ء کے آغاز کے دن تھے۔ مختلف قبائل کے لڑاکا دستے مکّہ میں جمع ہونے لگے۔ ان قبائل میں سب سے زیادہ فوج غطفان کی تھی۔ اِس کی تعداد تین ہزار تھی۔ عُیینہ اس کا سالار تھا۔ سات سو آدمی بنو سلیم نے بھیجے۔ بنو اسد نے بھی خاصی فوج بھیجی جس کا سالار طلیحہ بن خویلد

تھا (اس کی تعداد تاریخ میں نہیں ملتی)۔ قریش کی اپنی فوج کی تعداد ۴ ہزار پیادہ، ۳ سو گھوڑ سوار اور ڈیڑھ ہزار شُتر سوار تھے۔ اس پورے لشکر کی تعداد جو مدینہ پر فوج کشی کے لیے جا رہی تھی کُل دس ہزار تھی۔ اس کی کمان ابوسفیان کے ہاتھ تھی۔ ابوسفیان نے اس متحدہ فوج کو جمعیۃ القبائل کہا تھا۔

ان میں سے کچھ قبائل مکّہ میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے اطلاع دی تھی کہ جب لشکر مکّہ سے روانہ ہوگا تو وہ اپنی اپنی بستی سے کوچ کر جائیں گے اور راستے میں لشکر سے مل جائیں گے۔ خالد کو آج وہ وقت یاد آرہا تھا جب اُس نے مکّہ سے کوچ کیا تھا۔ لشکر کا تیسرا حصّہ اُس کی کمان میں تھا۔ اُس نے ایک ٹیکری پر گھوڑا چڑھا کر وہاں سے اس تمام لشکر کو دیکھا تھا۔ اُسے لشکر کے دونوں سرے نظر نہیں آرہے تھے۔ دف اور نفریاں اور شہنائیاں اور لشکر کی مترنم آواز جو ایک ہی آواز لگتی تھی خالد کے خون کو گرما رہی تھی۔ اُس نے گردن تان کر اپنے آپ سے کہا تھا کہ مسلمان پِس کے رہ جائیں گے اور اسلام کے ذرّے عرب کی ریت میں مل کر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائیں گے ــــ یہ اُس کا عزم تھا۔

یہ لشکر ۲۴ فروری ۶۲۷ء بمطابق یکم شوال ہجری مدینے کے قریب پہنچ گیا۔ قریش نے اپنا پڑاؤ اُس جگہ ڈالا جہاں اُحد کی لڑائی کے لیے خیمہ زن ہوئے تھے۔ وہاں دو ندیاں آکر ملتی تھیں۔ دوسرے تمام قبائل اُحد کی پہاڑی کے مشرق کی طرف خیمہ زن ہوئے۔

○

قریش نے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مدینہ کے لوگوں کو قریش کے لشکر کی آمد کی اطلاع ملی ہے یا نہیں، دو جاسوس تاجروں کے بھیس میں مدینہ بھیجے۔ ابُوسفیان اور اس کے تمام نائب سالاروں کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ مدینے والوں پر بے خبری میں حملہ کیا جائے لیکن دوسرے ہی دن قریش کا ایک جاسوس جو یہودی تھا مدینہ سے آیا۔ اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ مسلمانوں کو حملہ آور لشکر کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے۔

"مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا" اس یہودی جاسوس نے بتایا ــــ "سارے شہر پر خوف طاری ہو گیا تھا لیکن محمدؐ اور اس کے قریبی حلقے کے آدمیوں کی للکار پر مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ گلی کوچوں میں ایسے اعلان ہونے لگے۔ جن سے تمام شہر کا جذبہ اور حوصلہ عود کر آیا اور مسلمان لڑائی کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہونے لگے۔ میرے خیال میں اُن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں ہوگی۔"

مورّخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ اُنہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ پر حملے کے لیے جو لشکر آیا ہے اُس کی تعداد دس ہزار ہے جس میں سینکڑوں گھوڑ سوار شُتر سوار بھی ہیں۔ اُس وقت تک عرب کی سرزمین نے کسی لڑائی میں اتنا لشکر نہیں دیکھا تھا۔ تعداد کو دیکھا جاتا اور فنِ حرب و ضرب کے پیمانے سے دونوں اطراف کی فوجوں کو ناپا تولا جاتا تو مسلمانوں کو لڑے بغیر ہتھیار ڈال دینے چاہئیں تھے یا وہ رات کی تاریکی میں مدینہ سے نکل جاتے اور کسی اور بستی کو اپنا ٹھکانہ بناتے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تین ہزار مسلمان دس ہزار کے لشکر کا مقابلہ ذرا سی دیر کے لیے بھی کر سکیں گے۔ دس ہزار لشکر نہایت آسانی سے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتا تھا لیکن یہ حق اور باطل کی ٹکر تھی۔ یہ اللہ کے آگے سجدے کرنے والوں اور

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

بُت پرستوں کا تصادم تھا۔ خدا کو حق کا ساتھ دینا تھا۔ خدا کو اپنے اُس عظیم پیغام کی لاج رکھنی تھی جو اس کی ذاتِ باری نے غارِ حرا میں عرب کے سپوتؐ کو دیا تھا اور اُسے رسالت عطا کی تھی۔

"خدا اُن کا ساتھ دیتا ہے جن کے دلوں میں حق اور صدق ہوتا ہے" ـــــ یہ نبی کریمؐ کی للکار تھی جو مدینے کے گلی کوچوں میں سنائی دے رہی تھی ـــــ "لیکن اے اللہ کی عبادت کرنے والو! خدا تمہارا ساتھ اسی صورت میں دے گا جب تم دلوں سے خوف و ہراس نکال کر ایک دوسرے کا ساتھ دو گے اور اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا عزم کرو گے۔ جو ہمارے اللہ کو نہیں مانتا اور جو ہمارے دین کو نہیں مانتا وہ ہمارا دشمن ہے اور اُس کا قتل ہم پر فرض ہے۔ یاد رکھو، قتل کرنے کے لیے قتل ہونا بھی پڑتا ہے۔ ایمان سے بڑھ کر اور کوئی طاقت نہیں جو تمہیں دشمن سے بچا سکے۔ تمہیں دفاع مدینے کا نہیں اپنے عقیدے کا کرنا ہے۔ اگر اس عزم سے آگے بڑھو گے تو دس ہزار پر غالب آجاؤ گے۔ خدا سوئے ہوئے یا خوفزدہ انسان کو معجزے نہیں دکھایا کرتا۔ اپنے عقیدے اور اپنی بستی کے دفاع کا معجزہ تمہیں خود دکھانا ہے۔"

نبی کریمؐ نے مدینے والوں کا حوصلہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ وہ اس سے بڑے لشکر کے مقابلے کے لیے بھی تیار ہو گئے لیکن رسولِ خداؐ اس سوچ میں ڈوب گئے تھے کہ اتنے بڑے لشکر سے مدینے کو بچانا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ آپؐ کو یہ تو پورا یقین تھا کہ خدا حق پرستوں کے ساتھ ہے لیکن حق پرستوں کو خود بھی کچھ کر کے دکھانا تھا۔ بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔

○

خدا نے اپنے نام لیواؤں کی مدد کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ ایک انسان تھا جس نے عمر کے آخری حصے میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس انسان کا نام سلمان فارسیؓ تھا۔ سلمان فارسیؓ آتش پرستوں کے مذہبی پیشوا تھے لیکن وہ شب و روز حق کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ وہ آگ کو پوجتے تو تھے لیکن آگ کی تپش اور چمک میں انہیں وہ راز نظر نہیں آتا تھا جسے وہ پا لینے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ عقل و دانش میں اُن کی ٹکر کا کوئی نہیں تھا۔ آتش پرست انہیں بھی اسی طرح پوجتے تھے جس طرح آگ کو۔

جب سلمان فارسیؓ کی عمر بڑھاپے کی دہلیز پھلانگ کر خاصی آگے نکل گئی تو اُن کے کانوں میں عرب کی سرزمین کی ایک انوکھی آواز پڑی ـــــ "خدا ایک ہے۔ محمدؐ اس کا رسول ہے" ـــــ یہ آواز سلمان فارسیؓ کے کان میں گھر بیٹھے نہیں پڑی تھی۔ اُن کی عمر علم کی تلاش میں سفر کرتے گذر رہی تھی۔ وہ تاجروں کے ایک قافلے کے ساتھ شام میں آئے تھے جہاں قریش کے تاجروں کے قافلے اور کچھ مسلمان تاجر بھی جایا کرتے تھے۔ قریش کے تاجروں نے سلمان فارسیؓ کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں بتایا کہ اُن کے قبیلے کے ایک آدمی کا دماغ چل گیا ہے اور اُس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔

ایک دو مسلمانوں نے عقیدت مندی سے سلمان فارسیؓ کو نبی کریمؐ کا عقیدہ اور آپؐ کی تعلیمات سنائیں۔ سلمان فارسیؓ یہ سب سُن کر چونک پڑے۔ انہوں نے ان مسلمانوں سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔

نہیں جو معلوم تھا وہ انہوں نے بتایا لیکن سلمان فارسیؓ تشنگی محسوس کر رہے تھے۔ وہ اتنا متاثر ضرور ہو گئے تھے کہ انہوں نے نبی کریمؐ تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ عرصے بعد سلمانؓ فارسی رسولِ خداؐ کے مقدس سائے میں جا بیٹھے ـــــ انہیں وہ راز مل گیا جس کی تلاش میں وہ مارے مارے عمر گذار رہے تھے۔ انہوں نے رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ اُس وقت تک سلمان فارسیؓ بڑھاپے کے آخری حصے میں پہنچ چکے تھے۔

اپنے ملک میں سلمان فارسیؓ صرف مذہبی پیشوا ہی نہ تھے، وہ جنگی علوم کے ماہر تسلیم کیے جاتے تھے۔ اُس دور کے مذہبی پیشوا بھی جنگ و جدل اور سپاہ گری کے ماہر ہوتے تھے۔ علم و ادب کے عالم بھی سپاہی ہوتے تھے لیکن سلمان فارسیؓ کو خدا نے جنگ و جدل کے امور میں غیر معمولی ذہانت دی تھی۔ اپنے ملک میں جب کوئی لڑائی ہوتی تھی یا دشمن حملہ آور ہوتا تھا تو سلمان فارسیؓ کو بادشاہ طلب کر کے صورتِ حال اُن کے آگے رکھتا اور مشورے لیتا تھا۔ نامور سالار بھی اُن کے شاگرد تھے۔

وہ سلمان فارسیؓ اُس وقت مدینے میں رسول اکرمؐ کے صحابۂ کرامؓ میں شامل تھے۔ رسول اکرمؐ نے یہ صورتِ حال جو قریش نے آپ کے لیے پیدا کر دی تھی سلمانؓ فارسی کے آگے رکھی۔

"خندق کھود دو جو سارے شہر کو گھیرے میں لے لے" ـــــ سلمان فارسیؓ نے کہا۔

رسول کریمؐ اور وہاں بیٹھے ہوئے تمام صحابۂ کرامؓ اور سالار ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے کہ سلمان فارسیؓ نے کیا کہہ دیا ہے۔ عرب خندق سے واقف نہیں تھے۔ فارس میں جنگوں میں خندق کا رواج تھا۔ سب کو حیران دیکھ کر سلمان فارسیؓ نے بتایا کہ خندق کیا ہوتی ہے اور اس سے دفاعی کام کس طرح لیا جاتا ہے۔ رسول کریمؐ نے جو خود تاریخ کے نامور سالار تھے خندق کی ضرورت اور افادیت کو سمجھ لیا لیکن آپؐ کے دیگر سالار شش و پنج میں پڑ گئے۔ ان کے لیے اتنے بڑے شہر کے ارد گرد اتنی چوڑی اور اتنی بڑی خندق کھودنا قابلِ فہم نہیں تھا لیکن انہیں رسولِ خداؐ کا حکم ماننا تھا۔ خندق کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کا حساب کر لیا گیا۔ رسولؐ خدا نے خندق کھودنے والوں کی تعداد کا حساب کیا۔ آپؐ نے کھدائی کا کام اس تعداد پر تقسیم کیا تو ایک دس آدمیوں کے حصے میں چالیس ہاتھ کھدائی آئی۔ رسولِ خداؐ نے دیکھا کہ لوگ خندق کو ابھی تک نہیں سمجھے اور وہ کھدائی سے ہچکچا رہے ہیں تو آپؐ نے کدال اٹھائی اور کھدائی شروع کر دی۔

یہ دیکھتے ہی مسلمان کدالیں اور بیلچے لے کر نعرے لگاتے ہوئے زمین کا سینہ چیرنے لگے۔ اُدھر سے اُس وقت کے ایک شاعر حسان بن ثابتؓ آگئے۔ حسانؓ مشہور نعت گو تھے جنہیں رسول اکرمؐ اکثر اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اس موقعے پر جب مسلمان خندق کھود رہے تھے، حسانؓ نے ایسے اشعار ترنم سے سنانے شروع کر دیئے کہ خندق کھودنے والوں پر وجد اور جنون کی کیفیت طاری ہو گئی۔ خندق کی لمبائی چند گز نہیں تھی اسے میلوں دُور تک جانا تھا۔ شیخین کی پہاڑی سے لے کر جبل بنی عبید تک یہ خندق کھودنی تھی۔ زمین نرم بھی تھی اور سنگلاخ بھی تھی اور یہ نہایت تیزی سے مکمل کرنی تھی، کیونکہ دشمن سر پہ آن بیٹھا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قریش کا لشکر اس عجیب وغریب طریقۂ دفاع سے بے خبر اُحد کی پہاڑی کے دوسری طرف خیمہ زن تھا۔

"اِس کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا" — چلتے چلتے خالد کو اپنی آواز سُنائی دینے لگی — "اہلِ قریش تو ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ اُن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔"

گھوڑا اپنی مرضی کی چال چلا جا رہا تھا۔ مدینہ ابھی دُور تھا۔ خالد کو جھینپ سی محسوس ہوئی۔ اُس کے قبیلہ قریش نے اُسے شرمسار کر دیا تھا۔ اُسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ یہودیوں کے اُکسانے پر اُس کے قبیلے کے سردار اور سالار اُبوسفیان نے مدینے پر حملے کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ خوش تھا کہ حملے کا فیصلہ تو ہُوا۔ اتنا بڑا لشکر جو سرزمین عرب پر پہلی بار کسی جنگ میں دیکھا گیا تھا، یہودیوں نے ہی جمع کیا تھا لیکن خالد اِس پر بھی مطمئن تھا کہ کسی نے ہی یہ کام کیا ہو، لشکر تو جمع ہو گیا تھا۔

وہ اُس روز بہت خوش تھا کہ اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر ہی مسلمان مدینہ سے بھاگ جائیں گے۔ اگر مقابلے پر جم بھی گئے تو گھڑی دو گھڑی میں اُن کا صفایا ہو جائے گا۔ وہ اُس وقت تو بہت ہی خوش تھا جب اُحد کی پہاڑی کی دوسری طرف یہ سارا لشکر خیمہ زن تھا۔ جس صبح حملہ کرنا تھا اُس رات اُس پر ایسی ہیجانی کیفیّت طاری تھی کہ وہ اچھی طرح سو بھی نہ سکا۔ اُسے ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

دوسری صبح جب قریش اور دوسرے اتحادی قبائل کا لشکر جس کی تعداد دس ہزار تھی، خیمہ گاہ سے نکل کر مدینہ پر حملے کے لیے شہر کے قریب پہنچا تو اچانک رُک گیا۔ شہر کے سامنے بڑی گہری خندق کھُدی ہوئی تھی۔ اُبوسفیان جو لشکر کے قلب میں تھا، لشکر کو رُکا ہُوا دیکھ کر گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آگے گیا۔

"قریش کے جنگجو رُک کیوں گئے ہیں"؟ — اُبوسفیان چلّاتا جا رہا تھا — "طوفان کی طرح بڑھو اور محمدؐ کے مسلمانوں کو کچل ڈالو.... شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دو۔"

اُبوسفیان کا گھوڑا جب آگے گیا تو اُس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور اُس کا گھوڑا اُسی طرح رُک گیا جس طرح اُس کے لشکر کے تمام سوار رُکے کھڑے تھے۔ اُس کے سامنے خندق تھی۔ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی۔

"خدا کی قسم! یہ ایک نئی چیز ہے جو میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں" — اُبوسفیان نے غُصیلی آواز میں کہا۔ "عرب کے جنگجو کھُلے میدان میں لڑا کرتے ہیں..... خالد بن ولید کو بلاؤ..... عکرمہ اور صفوان کو بھی بلاؤ۔"

اُبوسفیان خندق کے کنارے کنارے گھوڑا دوڑاتا لے گیا۔ اُسے کہیں بھی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی، جہاں سے اُس کا لشکر خندق عبور کر سکتا۔ یہ خندق شیخین کی پہاڑی سے لے کر جبل

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بنی عبید کے اُوپر سے پیچھے تک چلی گئی تھی۔ مدینہ کے مشرق میں شیخین اور لاوا کی پہاڑیاں تھیں، یہ مدینے کا قدرتی دفاع تھا۔

۷

اُبوسفیان دُور تک چلا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ خندق کے پار مسلمان اس انداز سے گھوم پھر رہے ہیں جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ اُس نے گھوڑا پیچھے موڑا اور اپنے لشکر کی طرف چل پڑا۔ تین گھوڑے اُس کی طرف سرپٹ دوڑے آرہے تھے جو اُس کے قریب آکر رُک گئے۔ وہ خالد، عکرمہ اور صفوان کے گھوڑے تھے۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مسلمان کتنے بُزدل ہیں؟" — اُبوسفیان نے اُن تینوں سے کہا۔ "کیا تم کبھی اپنے راستے میں رکاوٹ کھڑی کرکے یا رکاوٹ کھود کر اپنے دشمن سے لڑے ہو؟"

خالد پر خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اُسے یاد آرہا تھا کہ وہ اس خیال سے چُپ نہیں ہوگیا تھا کہ اُبوسفیان نے مسلمانوں کو بُزدل جو کہا تھا وہ ٹھیک کہا تھا بلکہ خاموش رہ کر وہ اس سوچ میں کھو گیا تھا کہ یہ خندق بُزدلی کی نہیں، دانشمندی کی علامت تھی۔ جس کسی نے شہر کے دفاع کے لیے یہ طریقہ سوچا تھا وہ کوئی معمولی عقل والا انسان نہیں تھا۔ اِس سے پہلے بھی اُس نے محسوس کیا تھا کہ مسلمان لڑنے میں اپنے جسم کی طاقت پر ہی بھروسہ نہیں کرتے، وہ عقل سے بھی کام لیتے ہیں۔ خالد کا دماغ ایسی ہی جنگی چالیں سوچتا رہتا تھا۔ مسلمانوں نے بدر کے میدان میں نہایت تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے قریش کو بہت بُری شکست دی تھی۔ خالد نے اکیلے بیٹھ کر اُس لڑائی کا جائزہ لیا تھا۔ مسلمانوں کی اس فتح میں اُسے مسلمانوں کی عسکری دانشمندی نظر آئی تھی۔

اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کی شکست یقینی تھی لیکن وہ جنگ فتح اور شکست کے فیصلے کے بغیر ختم ہوگئی تھی۔ اس میں بھی مسلمانوں کی عقل نے کام کیا تھا۔

"کوئی اور بات بھی تھی خالد!" — اُسے خیال آیا۔ "کوئی اور بات بھی تھی۔"

"کچھ بھی تھا" — خالد نے اپنے آپ کو جواب دیا۔ "جو کچھ بھی تھا، میں یہ نہیں مانوں گا کہ یہ محمدؐ کے جادو کا اثر تھا یا اُس کے ہاتھ میں کوئی جادو ہے۔ ہماری عقل جس عمل اور جس مظاہرے کو سمجھ نہیں سکتی اُسے ہم جادو کہہ دیتے ہیں۔ اہلِ قریش میں ایسا کوئی دانشمند نہیں جو مسلمانوں جیسے جذبے سے اہلِ قریش کو سرشار کردے اور ایسی جنگی چالیں سوچے جو مسلمانوں کو ایک ہی بار کُچل ڈالیں۔"

"خدا کی قسم! ہم اس لیے واپس نہیں چلے جائیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے راستے میں خندق کھود رکھی ہے" — اُبوسفیان خالد، عکرمہ اور صفوان سے کہہ رہا تھا۔ پھر اُس نے اُن سے پُوچھا — "کیا خندق عبور کرنے کا کوئی طریقہ تم سوچ سکتے ہو؟"

خالد کوئی طریقہ سوچنے لگا لیکن اُسے خیال آیا کہ اگر اُن کے لشکر نے خندق عبور کر بھی لی تو مسلمانوں کو شکست دینا آسان نہ ہوگا، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔ جن انسانوں نے تھوڑے

... وقت میں زمین اور چٹانوں کا سینہ چیر ڈالا ہے اُن انسانوں کو بڑے سے بڑا لشکر بھی ذرا مشکل سے ہی شکست دے سکے گا۔

"کیا سوچ رہے ہو ولید کے بیٹے!" — اُبوسفیان نے خالد کو گہری سوچ میں کھوئے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "ہمارے پاس سوچنے کا بھی وقت نہیں۔ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ ہم بوکھلا گئے ہیں۔"

"ہمیں تمام تر خندق دیکھ لینا چاہیئے" — عکرمہ نے کہا۔

"کہیں نہ کہیں کوئی ایسی جگہ ہوگی جہاں سے ہم خندق عبور کرسکیں گے" — صفوان نے کہا۔

"محاصرہ" — خالد نے خود اعتمادی سے کہا۔ "مسلمان خندق کھود کر اندر بیٹھ گئے ہیں۔ ہم محاصرہ کرکے باہر بیٹھے رہیں گے۔ وہ بُھوک سے تنگ آکر ایک نہ ایک دن خود ہی خندق کے اس طرف آجائیں گے جدھر ہم ہیں۔"

"ہاں" — اُبوسفیان نے کہا — "مجھے یہی ایک طریقہ نظر آتا ہے جو مسلمانوں کو باہر آکر لڑنے پر مجبور کردے گا۔"

اُبوسفیان اپنے ان تینوں نائب سالاروں کے ساتھ خندق کے ساتھ ساتھ تمام تر خندق کو دیکھنے کے لیے جبلِ بنی عبید کی طرف چل پڑا۔ سلع کی پہاڑی مدینہ اور جبلِ بنی عبید کے درمیان تھی۔ مسلمان اس کے سامنے مورچہ بند تھے۔ اُبوسفیان نے مسلمانوں کی تعداد دیکھی تو اُس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو ایک گھوڑا جو بڑا تیز دوڑا آرہا تھا، اُس کے پہلو میں آن رُکا۔ سوار کو اُبوسفیان بڑی اچھی طرح پہچانتا تھا۔ وہ ایک یہودی تھا جو تاجروں کے بہروپ میں مدینہ کے اندر گیا تھا۔ وہ مدینہ سے شیخین کے سلسلۂ کوہ میں سے ہوتا ہُوا قریش کے لشکر میں پہنچا تھا۔

۷

"اندر سے کوئی ایسی خبر لائے ہو جو ہمارے کام آسکے؟" — اُبوسفیان نے پُوچھا اور کہا — "ہمارے ساتھ ساتھ چلو اور اتنا اونچا بولتے چلو کہ میرے یہ تینوں نائب بھی سُن سکیں۔"

"مسلمانوں نے شہر کے دفاع اور آبادی کے تحفظ کے جو انتظامات کر رکھے ہیں وہ اس طرح ہیں۔" یہودی نے کہا۔ "یہ تو تم کو معلوم ہے کہ مدینہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور ایک دوسری کے ساتھ ملی ہوئی بستیوں کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے شہر کی عورتوں، بچّوں اور ضعیفوں کو پیچھے کی طرف والے قلعوں میں بھیج دیا ہے۔ خندق پر نظر رکھنے کے لیے مسلمانوں نے گشتی پہرے کا جو انتظام کیا ہے اس میں دو اڑھائی سَو افراد شامل ہیں۔ یہ افراد تلواروں کے علاوہ پھینکنے والی برچھیوں اور تیر کمانوں سے مسلّح ہیں۔ اُنہوں نے علاقے تقسیم کر رکھے ہیں جن میں وہ سارا دن اور پُوری رات گشت کرتے ہیں۔ جہاں کہیں سے بھی تم خندق عبور کرنے کی کوشش کروگے وہاں مسلمانوں کی خاصی زیادہ تعداد پہنچ جائے گی اور اس قدر زیادہ تیر اور برچھیاں برسائے گی کہ تم لوگ پیچھے کو بھاگ آنے کے سوا کچھ نہیں کرسکو گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ راتوں کو مسلمانوں کے جیش خندق سے باہر آکر تم پر شب خون مار کر واپس چلے جائیں۔"

"عبداللہ بن اُبی کیا کررہا ہے؟" — اُبوسفیان نے پُوچھا۔

"اے قریش کے سردار!" — یہودی جاسوس نے کہا — "اتنی عمر گزار کر بھی تم انسانوں کو سمجھنے کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قابل نہیں ہو سکے۔ عبداللہ بن اُبی منافق ہے۔ مسلمان اُسے جماعتِ منافقین کا سردار کہتے ہیں اور ہم اُسے یہودیت کا غدار سمجھتے ہیں۔ اُس نے مسلمان ہو کر ہم سے غداری کی تھی۔ مسلمانوں میں جا کر اُس نے تمہارے حق میں اُنہیں دھوکے دیئے۔ اگر اُحد کی جنگ میں تم جیت جاتے تو وہ تمہارے ساتھ ہوتا مگر مسلمانوں کا پلّہ بھاری دیکھ کر اُس نے تم سے بھی اور یہودیوں سے بھی نظریں پھیر لی ہیں۔ تمہیں ایسے آدمی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے جو کسی مذہب کا پیروکار اور وفادار نہ ہو۔"

"اور حُیّی بن اخطب کہاں ہے؟" — ابوسفیان نے پوچھا۔

"وہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوگا" — یہودی جاسوس نے جواب دیا — "مدینہ میں ابھی میرے ساتھی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو جس قدر نقصان پہنچا سکے، پہنچائیں گے۔"

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے اس یاد سے خفّت سی محسوس ہو رہی تھی کہ مکّہ سے مدینہ کو کُوچ کے وقت جب اُس نے اپنے ساتھ دس ہزار کا لشکر دیکھا تھا تو اُس کی گردن اونچی ہو گئی اور سینہ پھیل گیا تھا لیکن مدینہ کے سامنے آ کر دس ہزار کا لشکر ریت کے ٹیلوں کی طرح بے جان نظر آنے لگا تھا۔ اُسے محاصرے کا منظر یاد آنے لگا۔ لشکر کا جو حصّہ اُس کی زیرِ کمان تھا، اُسے اُس نے بڑے اچھے طریقے سے محاصرے کی ترتیب میں کر دیا تھا۔

یہ محاصرہ بائیس روز تک رہا۔ پہلے دس دنوں میں ہی شہر کے اندر مسلمان خوراک کی کمی محسوس کرنے لگے لیکن اس سے قریش کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے ساتھ خوراک اور رسد بہت کم لائے تھے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُنہیں مسلمان اپنے محاصرے میں لمبے عرصے کے لیے بٹھا لیں گے۔ خوراک کی جتنی کمی شہر والے محسوس کر رہے تھے، اُس سے کچھ زیادہ کمی قریش کے لشکر میں اپنا اثر دکھانے لگی تھی۔ سپاہیوں میں نمایاں طور پر بے چینی نظر آنے لگی۔

مورخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ اس کیفیت میں کہ شہر میں خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ تھا اور لوگوں کو روزانہ نصف خوراک دی جا رہی تھی، منافقین اور یہودی تخریب کار در پردہ حرکت میں آ گئے۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ آواز کہاں سے اُٹھی ہے لیکن یہ آواز سارے شہر میں پھیل گئی — "محمدؐ ہمیں کیسی بُری موت مروانے کا بندوبست کر رہا ہے۔ ایک طرف وہ کہتا ہے کہ بہت جلد قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے قدموں میں پڑے ہوں گے۔ دوسری طرف ہم نے اُس کی نبوّت کا یہ اثر بھی نہ دیکھا کہ آسمان سے ہمارے لیے خوراک اُترے۔"

لوگوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن وہ گوشت پوست کے انسان تھے۔ وہ پیٹ کی آوازوں سے متاثر ہونے لگے۔ آخر ایک آواز نے اُنہیں پیٹ کے بھُوت سے آزادی دلا دی۔

"کیا تم خدا سے یہ کہو گے کہ ہم نے اپنے پیٹ کو خدا سے زیادہ مقدّس جانا تھا" — یہ ایک رعد کی کڑک کی طرح آواز تھی جو مدینہ کے گلی کُوچوں میں سُنائی دینے لگی — "آج خدا کو وہ لوگ عزیز ہوں گے جو اُس کے رسولؐ کے ساتھ بھُوکے اور پیاسے جانیں دے دیں گے ... خدا کی قسم، اِس سے بڑی بزدلی اور بے غیرتی مدینے والوں کے لیے اور کیا ہو گی کہ ہم اہلِ مکّہ کے قدموں میں جا گریں اور

کہیں کہ ہم تمہارے غلام ہیں، ہمیں کچھ کھانے کو دو۔"

رسولِ اکرمؐ شہر کے دفاع میں اس قدر سرگرم تھے کہ آپؐ کے لیے دن اور رات ایک ہو گئے تھے۔ آپؐ اللہ کے محبوب نبیؐ تھے۔ آپؐ چاہتے تو معجزے بھی رونما ہو سکتے تھے لیکن آپؐ کو احساس تھا کہ ہر آدمی پیغمبر اور رسول نہیں نہ کوئی انسان آپؐ کے بعد نبوّت اور رسالت کا درجہ حاصل کر سکے گا، اس لیے آپؐ ان انسانوں کے لیے یہ مثال قائم کر رہے تھے کہ انسان اپنی اُن لازوال جسمانی اور نفسیاتی قوّتوں کو جو خداوند تعالےٰ نے اُسے عطا کی ہیں، استقلال اور ثابت قدمی سے استعمال کرے تو وہ مُعجزہ نما کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ محاصرے کے دوران آپؐ کی سرگرمیاں اور آپؐ کی حالت ایک سالار کے علاوہ ایک سپاہی کی بھی تھی۔ آپؐ کو اِس کیفیت اور اس سرگرمی میں دیکھ کر مسلمان بھُوک اور پیاس کو بھُول گئے اور اُن میں ایسا جوش پیدا ہو گیا کہ اُن میں بعض خندق کے قریب چلے جاتے اور قریش کو بزدلی کے طعنے دیتے۔

۷

وہ ۷، مارچ ۶۲۷ء کا دن تھا جب ابوسفیان نے پریشان ہو کر کہا کہ حُیّی بن اخطب کو بلاؤ۔ اُس کی پریشانی کا باعث یہ تھا کہ دس دنوں میں ہی اُس کے لشکر کی خوراک کا ذخیرہ بہت کم رہ گیا تھا۔ سپاہیوں نے قرب و جوار کی بستیوں میں لُوٹ مار کر کے کچھ خوراک حاصل کر لی تھی لیکن اُس ریگزار میں لوگوں کے گھروں میں بھی خوراک کا کوئی ذخیرہ نہ ہوتا تھا۔ قریش کے لشکر میں بددلی پھیلنے لگی۔ اپنے لشکر کے جذبے کو یوں ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر اُس نے یہودیوں کے ایک قبیلے کے سردار حُیّی بن اخطب کو بلایا جو قریش کی زمین دوز مدد کے لیے لشکر کے قریب ہی کہیں موجود تھا۔ وہ تو اس انتظار میں تھا کہ اہلِ قریش اُسے بلائیں اور اُس سے مدد مانگیں۔

مدینہ سے کچھ ہی دُور یہودیوں کے ایک قبیلے بنو قریظہ کی بستی تھی۔ اس قبیلے کا سردار کعب بن اسد اس بستی میں رہتا تھا۔ رات جب وہ گہری نیند سویا ہُوا تھا، دروازے کی بڑی زور کی دستک سے اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے اپنے غلام کو آواز دے کر کہا — "دیکھو، باہر کون ہے؟"

"حُیّی بن اخطب آیا ہے" — غلام نے کہا۔

"رات کے اس وقت وہ اپنے ہی کسی مطلب سے آیا ہوگا" — کعب بنی اسد نے غُصیلی آواز میں کہا — "اُسے کہو کہ میں اس وقت تمہارا کوئی مطلب پُورا نہیں کر سکتا۔ دن کے وقت آنا۔"

بنو قریظہ یہودیوں کا وہ قبیلہ تھا جس نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ اس معاہدے میں یہودیوں کے دوسرے دو قبیلے — بنو قینقاع اور بنو نضیر — بھی شامل تھے لیکن ان دونوں قبیلوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی اور مسلمانوں نے انہیں وہ سزا دی تھی کہ وہ لوگ شام کی طرف بھاگ گئے تھے۔ صرف بنو قریظہ تھا جس نے معاہدے کو برقرار رکھا اور اس کا احترام کیا۔ مسلمان جنگِ خندق میں اس قبیلے کی طرف سے ذرا سا بھی خطرہ محسوس نہیں کر رہے تھے۔ حُیّی بن اخطب بھی یہودی تھا۔ وہ کعب بن اسد کو اپنا ہم مذہب بھائی سمجھ کر اُس کے پاس گیا تھا۔ وہ کعب بن اسد کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانا چاہتا تھا اس لیے وہ غلام کے کہنے پر

بھی وہاں سے نہ ہٹا۔ کعب بن اسد نے پریشان ہو کر اُسے اندر بُلالیا۔

"میں جانتا ہوں تم اس وقت میرے پاس کیوں آئے ہو"— کعب بن اسد نے حُییّ سے کہا — "اگر تم اُبوسفیان کے کہنے پر آئے ہو تو اُسے کہہ دو کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر مسلمان پوری دیانتداری سے قائم ہیں۔ وہ ہمیں اپنا حلیف سمجھتے ہیں اور انہوں نے ہمیں پُورے حقوق دے رکھے ہیں۔"

"کعب بن اسد! ہوش میں آ"— حُییّ بن اخطب نے کہا — "بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لے۔ مسلمانوں کی شکست مجھے صاف نظر آرہی ہے۔ خدائے یہودہ کی قسم، دس ہزار کا لشکر مسلمانوں کو کچل ڈالے گا۔ پھر یہ مسلمان تم پر ٹوٹ پڑیں گے کہ یہودیوں نے اُنہیں شکست دلائی ہے۔"

"تم چاہتے کیا ہو حُییّ؟"— کعب بن اسد نے پُوچھا۔

"قریش کے لشکر کا ایک حصّہ پہاڑیوں کے پیچھے سے تمہارے پاس پہنچ جائے گا"— حُییّ نے کہا — "تمہاری موجودگی میں یہ سپاہی مسلمانوں پر عقب سے حملہ نہیں کر سکتے۔ تم اپنے قبیلے سمیت قریش سے مل جاؤ اور مسلمانوں پر اس طرح حملہ کرو کہ تمہیں جم کر نہ لڑنا پڑے بلکہ ضرب لگا کر پیچھے ہٹ آؤ۔ اس سے قریش کو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں کی توجّہ خندق سے ہٹ جائے گی اور قریش کا لشکر خندق کو عبور کرے گا۔"

"اگر میں تمہاری بات مان لوں اور ہمارا حملہ وہ کام نہ کر سکے جو تم چاہتے ہو تو جانتے ہو مسلمان ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"— کعب بن اسد نے کہا — "تم مسلمانوں کے قہر و غضب سے واقف ہو۔ کیا بنو قینقاع اور بنو نضیر کا کوئی ایک بھی یہودی تمہیں یہاں نظر آتا ہے؟"

"اُبوسفیان نے سب کچھ سوچ کر تمہیں معاہدے کی دعوت دی ہے"— حُییّ بن اخطب نے کہا — "اگر مسلمانوں کا قہر و غضب تم پر گرنے لگا تو قریش کے لشکر کا ایک حصّہ تمہارے قبیلے کی حفاظت کے لیے شیخین اور لاوا کی پہاڑیوں میں موجود رہے گا۔ وہ شب خون مارنے والے تجربہ کار سپاہیوں کا لشکر ہوگا جو مسلمانوں کو تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھنے کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"تم مجھے اتنے بڑے خطرے میں ڈال رہے ہو جو میرے پُورے قبیلے کو تباہ کر دے گا"— کعب بن اسد نے کہا۔

"تمہارا قبیلہ تباہ ہو یا نہ ہو، اہلِ قریش اتنی قیمت دیں گے جو تم نے کبھی سوچی بھی نہ ہوگی"— حُییّ نے کہا — "یا اپنے تعاون کی قیمت خود بتا دو..... جو کہو گے، جس شکل میں مانگو گے تمہیں قیمت مل جائے گی، اور تمہارے قبیلے کو پُورا تحفّظ ملے گا۔ مسلمان اگلے چند دنوں میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ تم اُس کا ساتھ دو جو زندہ رہے گا اور جس کے ہاتھ میں طاقت ہوگی۔"

کعب بن اسد آخر یہودی تھا۔ اُس نے زر و جواہرات کے لالچ میں آکر حُییّ بن اخطب کی بات مان لی۔

"قریش کا کوئی سپاہی ہماری بستی کے قریب نہ آئے"— کعب بن اسد نے کہا — "مسلمانوں پر میرا قبیلہ شبخون مارتا رہے گا۔ یہ کام رات کی تاریکی میں کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ شبخون مارنے والے بنو قریظہ کے آدمی ہیں..... اور حُییّ!"— کعب نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا — "تم دیکھ رہے ہو کہ میں یہاں اکیلا پڑا ہوں۔ میری راتیں تنہائی میں گزر رہی ہیں۔"

"آج کی رات تنہا گزارو"— حُییّ نے کہا — "کل تم تنہا نہیں ہو گے۔"

"مجھے دس دنوں کی مہلت ملنی چاہئیے"— کعب نے کہا — "مجھے اپنے قبیلے کو تیار کرنا ہے۔"

قریش اور بنو قریظہ کے درمیان معاہدہ ہو گیا۔

۷

سعد بن عتیق معمولی سی قسم کا ایک جوان تھا جس کی مدینے میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ خنجر اور تلواریں تیز کرنے کا کام کرتا تھا۔ اُس میں خوبی یہ تھی کہ خدا نے اُسے آواز پُرسوز اور سُریلی دی تھی اور وہ شہسوار تھا۔ راتوں کو کسی محفل میں اُس کی آواز سنائی دیتی تھی تو لوگ باہر آکر اُس کا گانا سنا کرتے تھے۔ کبھی رات کو وہ شہر سے باہر چلا جاتا اور اپنی ترنگ میں گایا کرتا تھا۔ اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

ایک رات وہ پُرسوز لَے میں شہر سے دُور کہیں گا رہا تھا کہ ایک بڑی خوبصورت اور جوان لڑکی اُس کے سامنے یوں آن کھڑی ہوئی جیسے کوئی جن یا چڑیل انسان کے حسین روپ میں آگئی ہو۔ سعد گھبرا کر خاموش ہو گیا۔

"اس آواز سے مجھے محروم نہ کر جو مجھے گھر سے نکال لائی ہے"— لڑکی نے کہا — "مجھے دیکھ کے تو خاموش ہو گیا ہے تو میں دُور چلی جاتی ہوں۔ اپنے نغمے کا خون نہ کر..... تیری آواز میں ایسا سوز ہے جیسے تُو کسی کے فراق میں نغمہ سرا ہے۔"

"کون ہے تُو؟"— سعد نے کہا — "اگر تُو جنّات میں سے ہے تو بتا دے۔"

لڑکی کی جل ترنگ جیسی ہنسی سنائی دی۔ صحرا کی شفّاف چاندنی میں اُس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

"میں بنو قریظہ کے ایک یہودی کی بیٹی ہوں۔"

"اور میں مسلمان ہوں۔"

"مذہب کو درمیان میں نہ لا"— یہودن نے کہا — "نغموں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ میں تیرے لیے نہیں تیرے نغمے اور تیری آواز کے لیے آئی ہوں۔"

سعد اس یہودن کے حُسن میں کھو گیا اور یہودن اُس کی آواز سے مدہوش ہو گئی اور آواز کے طلسم نے انہیں اُس رشتے میں جکڑ لیا جسے موت بھی نہیں توڑ سکتی۔ اس کے بعد بھی وہ ملے۔ وہ ایک دوسرے کے قیدی ہو گئے۔ ایک روز یہودن نے اُسے کہا کہ سعد قبول کرے تو وہ اُس کے پاس آجائے گی اور اسلام قبول کر لے گی۔

دو تین روز ہی گذرے تھے کہ مدینہ محاصرے میں آگیا۔ سعد بن عتیق کا کام بڑھ گیا۔ اُس کے پاس تلواریں، خنجر اور برچھیوں کی انیاں تیز کروانے والوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ راتوں کو بھی کام کرتا تھا۔

ایک روز یہ یہودن اپنے باپ کی تلوار اٹھائے اُس کے پاس آئی۔

"تلوار تیز کرانے کے بہانے آئی ہوں"— یہودن نے کہا — "آج ہی رات یہاں سے نکلو ورنہ ہم کبھی نہ مل سکیں گے۔"

"کیا ہو گیا ہے؟"

"پرسوں شام میرے باپ نے مجھے کہا کہ قبیلے کے سردار کعب بن اسد کو میری ضرورت ہے"— یہودن نے بتایا — "باپ نے حُییّ بن اخطب کا نام بھی لیا تھا۔ میں کعب کے گھر چلی گئی۔ وہاں حُییّ کے علاوہ دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے کہ مسلمانوں کے آخری دن آگئے ہیں۔"

کعب بن اسد، حُییّ بن اخطب اور قریش کے درمیان اس لڑکی کی موجودگی میں معاہدہ ہُوا اور مسلمانوں پر عقب سے حملوں کا منصوبہ طے ہُوا۔ اس یہودن کو رات بھر کعب کے پاس گذارنی پڑی۔ صبح وہ [illegible] آگئی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُسے مسلمانوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُس کی دلچسپیاں سعد کے ساتھ تھیں۔ اُس کے کانوں میں یہ بات بھی پڑی تھی کہ کعب اُسے بیوی یا داشتہ کی حیثیت سے اپنے پاس رکھ لے گا۔

سعد بن عتیق اس یہودن کی محبت کو تو بھول ہی گیا۔ اُس نے یہودن کو گھر بھیج دیا اور ایک بزرگ مسلمان کو بتایا کہ کعب بن اسد نے حُیی کے کہنے پر قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ اس بزرگ نے یہ اطلاع اوپر پہنچا دی اور رسولؐ اکرم کو بتایا گیا کہ بنو قریظہ نے بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح اپنا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ آپؐ نے کعب بن اسد کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے یہ یقین کر لینا ضروری سمجھا کہ بنو قریظہ نے واقعی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔

اللہ اپنے نام لیوا بندوں کی مدد کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس سے تصدیق ہو گئی کہ بنو قریظہ اور قریش کے درمیان بڑا خطرناک معاہدہ ہُوا ہے۔

واقعہ یوں ہُوا۔ عورتوں اور بچّوں کو شہر کے اُن مکانوں اور چھوٹے چھوٹے قلعوں میں منتقل کر دیا گیا تھا جو خندق سے دُور تھے۔ ایسے ایک قلعے میں رسولِ اکرم صلعم کی پھوپھی صفیہؓ چند ایک عورتوں اور بہت سے بچّوں کے ساتھ مقیم تھیں۔ ایک روز صفیہؓ قلعے کی فصیل پر گھوم پھر رہی تھیں۔ انہوں نے نیچے دیکھا۔ ایک آدمی دیوار کے ساتھ ساتھ مشکوک سی چال چلتا جا رہا تھا۔ وہ کہیں رُکتا، دیوار کو دیکھتا اور آگے چل پڑتا۔ صفیہؓ اُسے چُھپ کر دیکھنے لگیں۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ یہ آدمی قلعے کے اندر آنے کا کوئی راستہ یا ذریعہ دیکھ رہا ہے۔

صفیہؓ کو اس وجہ سے بھی اس آدمی پر شک ہُوا کہ شہر کے تمام آدمی خندق کے قریب مورچہ بند تھے یا جنگ کے کسی اور کام میں مصروف تھے۔ اگر یہ کوئی اپنا آدمی ہوتا اور کسی کام سے آیا ہوتا تو دروازے پر دستک دیتا۔

قلعے میں عورتوں اور بچّوں کے ساتھ صرف ایک مرد تھا۔ یہ تھے عرب کے مشہور شاعر حسّان بن ثابت۔ صفیہؓ نے حسّان سے کہا کہ نیچے ایک آدمی مشکوک انداز سے دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔

"مجھے شک ہے وہ یہودی ہے"۔۔۔ صفیہؓ نے حسّان سے کہا۔۔۔ "تم جانتے ہو حسّان! بنو قریظہ نے دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ یہ شخص مجھے یہودیوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے۔ بنو قریظہ ہم پر عقب سے حملہ کریں گے تاکہ ہمارے مردوں کی توجّہ خندق سے ہٹ جائے اور وہ پیچھے آ جائیں۔ یہودیوں کے پاس ہمارے مردوں کو مورچوں سے نکال کر پیچھے لانے کا یہ طریقہ کارآمد ہو گا کہ وہ اِن قلعوں پر حملے شروع کر دیں جن میں عورتیں اور بچّے ہیں۔۔۔۔ نیچے جاؤ حسّان! اللہ تمہارا نگہبان ہو۔ اس شخص کو للکارو۔ اگر وہ واقعی یہودی ہو تو اُسے قتل کر دو خیال رکھنا کہ اُس کے ہاتھ میں برچھی ہے اور اس کے چُغے کے اندر تلوار بھی ہو گی۔"

"اے عظیم خاتون!"۔۔۔ حسّان شاعر نے کہا۔۔۔ "کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں شاعر ہوں جو صرف جوش دلا سکتا ہے، جوش میں آ نہیں سکتا۔ شاعر سے توقع نہ رکھو کہ وہ اُس آدمی کے مقابلے میں جائے گا جو اتنی دلیری سے قلعے تک آ گیا ہے۔"

مؤرخ ابن ہشام اور ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ عرب کے عظیم شاعر کا یہ جواب سُن کر رسولؐ اکرم کی پھوپھی صفیہؓ نے اُسے قہر کی نظروں سے دیکھا اور ایسے طیش میں آئیں کہ خود اس مشکوک آدمی کو پکڑنے

یا مارنے کے لیے چل پڑیں لیکن یہ نہ دیکھا کہ ایک مسلّح مرد کے مقابلے میں جاتے ہوئے اُن کے ہاتھ میں کون سا ہتھیار ہے۔ وہ جلدی میں جو ہتھیار لے کر گئیں وہ برچھی نہیں تھی، تلوار نہیں تھی، وہ ایک ڈنڈا تھا۔ صفیہؓ دوڑتی باہر نکلیں اور اُس مشکوک آدمی کے پیچھے جا رُکیں جو دیوار کے ساتھ ایک اور جگہ کھڑا اوپر دیکھ رہا تھا۔

"کون ہے تو؟"۔۔۔ صفیہؓ نے اُسے للکارا۔

مشکوک آدمی نے بِدک کر پیچھے دیکھا۔ اگر وہ کسی غلط نیّت سے نہ آیا ہوتا تو اُس کا انداز کچھ اور ہوتا مگر اُس نے برچھی تان لی۔ صفیہؓ نے اُس کا چہرہ دیکھا تو کوئی شک نہ رہا۔ وہ یہودی تھا اور وہ بنو قریظہ کا ہی ہو سکتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ایک عورت اور وہ بھی ایک ڈنڈے سے مسلّح اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

"تجھ پر خدا کی لعنت!"۔۔۔ صفیہؓ نے للکار کر کہا۔۔۔ "کیا تُو بنو قریظہ کا مخبر نہیں ہے؟"

"محمدؐ کی پھوپھی! یہاں سے چلی جا!"۔۔۔ یہودی نے کہا۔۔۔ "کیا تو میرے ہاتھوں مرنے آئی ہے؟ ۔۔۔۔ ہاں، میں بنو قریظہ کا آدمی ہوں۔"

"پھر تُو یہاں سے زندہ نہیں جائے گا۔"

یہودی نے قہقہہ لگایا اور بڑھ کر برچھی ماری۔ جس تیزی سے برچھی آئی تھی، اُس سے زیادہ تیزی سے صفیہؓ ایک طرف ہو گئیں۔ یہودی کا وار خالی گیا تو وہ سنبھل نہ سکا۔ وہ آگے کو جُھکا اور اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک نہ سکا۔ صفیہؓ نے پوری طاقت سے اُس کے سر پہ ڈنڈہ مارا۔ ایک عورت کے بازو میں خدا کا قہر آ گیا تھا۔ یہودی رُک کر سیدھا ہُوا لیکن اُس کا سر ڈولنے لگا۔ صفیہؓ نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور اُس کے سر پہ پہلے سے زیادہ زور سے ڈنڈہ مارا۔

اب یہودی کھڑا نہ رہ سکا۔ اُس کے ہاتھ سے برچھی گری، پھر اُس کے گھٹنے زمین سے لگے۔ صفیہؓ نے اُس کے سر پر جس سے خون بہہ بہہ کر اُس کے کپڑوں کو لال کر رہا تھا، ایک اور ڈنڈہ مارا۔ وہ جب بے ہوش ہو کر لڑھک گیا تو صفیہؓ اُس کے سر پر ہی ڈنڈے سے مارتی چلی گئیں جیسے زہریلے ناگ کا سر کچل رہی ہوں۔۔۔ صفیہؓ نے اُس وقت ہاتھ روکا جب یہودی کی کھوپڑی کُھل گئی اور اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ صفیہؓ قلعے میں چلی گئیں۔

"حسّان!"۔۔۔ صفیہؓ نے اپنے شاعر حسّان سے کہا۔۔۔ "میں وہ کام کر آئی ہوں جو تمہیں کرنا تھا۔ اب جاؤ اور اُس یہودی کے ہتھیار اٹھا لاؤ اور اُس کے کپڑوں کے اندر جو کچھ ہے وہ بھی لے آؤ۔ میں عورت ہوں۔ کسی مرد کے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالنا ایک عورت کے لیے مناسب نہیں۔۔۔۔ چاہو تو یہ مالِ غنیمت تم لے سکتے ہو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"اللہ آپ کی عصمت و عفّت کی حفاظت کرے"۔۔۔ حسّان نے شاعروں کی مسکراہٹ سے کہا۔۔۔ "مالِ غنیمت کی ضرورت مجھے بھی نہیں"۔۔۔ اور حسّان وہاں سے کھسک گیا۔ وہ شاید کہنا یہ چاہتا تھا کہ اُس میں اتنی ہمت نہیں کہ کُھلی ہوئی کھوپڑی والی لاش کو ہاتھ لگائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ یہ خبر رسولؐ کریم تک پہنچی تو آپؐ کو پریشانی ہوئی۔ شہر میں خوراک کی کیفیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ہر فرد کو اُس کی اصل ضرورت کی صرف ایک چوتھائی خوراک ملتی تھی۔ رسولِ کریمؐ نے خدائے ذوالجلال سے مدد مانگی اور کوئی حکمتِ عملی سوچنے لگے۔

۷

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اِدھر خندق کا محاذ سرگرم تھا۔ خالد کو اپنی اُس وقت کی بے چینی اور بے تابی اچھی طرح یاد تھی۔ وہ خندق کے ساتھ ساتھ گھوڑا دوڑاتا اور کہیں سے خندق عبور کرنے کے طریقے سوچتا تھا۔ وہ مردِ میدان تھا، لڑے بغیر واپس جانے کو اپنی توہین سمجھتا تھا مگر وہاں لڑائی اس نوعیت کی ہو رہی تھی کہ قریش کے تیر انداز خاصی تعداد میں خندق کے اُس مقام پر قریب آتے جہاں مسلمان مورچہ بند تھے۔ یہ سلع کی پہاڑی تھی۔ تیر انداز مسلمانوں پر تیر برساتے۔ مسلمان جوابی تیر اندازی کرتے۔ کبھی قریش کا کوئی تیر انداز جیش کسی اور جگہ گشتی سنتریوں پر تیر چلاتا مگر مسلمانوں کا جیش فوراً پہنچ جاتا۔ رات کو مسلمان خندق پر سنتریوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے تھے اور قریش خندق سے دُور پیچھے خیمہ گاہ میں چلے جاتے تھے۔

رسولِ کریمؐ کو جہاں مدینہ میں خوراک کی قلّت کا جو قحط کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی، احساس تھا وہاں آپؐ کو یہ بھی معلوم تھا کہ قریش کا لشکر بھی نیم فاقہ کشی پر آگیا ہے۔ یہ وہ کیفیّت ہوتی ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے کی شرائط ماننے پر اور معاہدوں اور سمجھوتوں پر مجبور کر دیتی ہے۔

کسی بھی تاریخ میں اُس شخص کا نام نہیں لکھا جسے رسولِ کریمؐ نے خفیہ طریقے سے قریش کے اتحادی غطفان کے سالار عینیہ کے پاس اس مقصد کے لیے بھیجا کہ اُسے قریش کی دوستی ترک کرنے پر آمادہ کرے۔ اُسے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائے۔ رسولِ کریمؐ کا مقصد صرف یہ تھا کہ غطفان اور عینیہ رضامند ہو جائیں اور اپنے قبیلے کو واپس لے جائیں تو قریش کا لشکر دو ہزار نفری کی فوج سے محروم ہو جائے گا۔ یہ توقع بھی کی جا سکتی تھی کہ دوسرے قبیلے بھی غطفان کی تقلید میں قریش کے لشکر سے نکل جائیں گے۔

"کیا محمدؐ ہمیں زبانی معاہدے کی دعوت دے رہا ہے؟" — سالار عینیہ نے رسول اللہؐ کے ایلچی سے کہا — "ہم نے یہاں تک آنے کا جو خرچ برداشت کیا ہے وہ کون دے گا؟"

"ہم دیں گے" — رسولِ خدا کے ایلچی نے کہا — "نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے قبیلے کو واپس لے جاؤ تو اس سال مدینہ میں کھجور کی جتنی پیداوار ہو گی اس کا تیسرا حصّہ تم لے جانا۔ خود مدینہ آجانا۔ پوری پیداوار دیکھ لینا اور اپنا حصہ اپنے ہاتھوں الگ کر کے لے جانا۔"

سالار عینیہ میدانِ جنگ میں لڑنے اور لڑانے والوں کی قیادت کرنے والا جنگجو تھا، لیکن غیر جنگی مسائل اور امور کو بہت کم سمجھتا تھا۔ مؤرخ ابنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد رسول اللہؐ نے اُسے "مستعد احمق" کا خطاب دیا تھا۔ وہ بڑے طاقتور جسم والا اور جسمانی لحاظ سے پھرتیلا اور مستعد رہنے والا آدمی تھا۔ اُس نے اپنے سردار غطفان سے بات کی۔

"خدا کی قسم، محمدؐ نے ہمیں کمزور سمجھ کر یہ پیغام بھیجا ہے" — غطفان نے کہا — "اُس کے ایلچی سے پوچھو کہ مدینہ کے اندر لوگوں کو بھوک کا سامنا نہیں؟ ہم انہیں بھوک سے نڈھال کر کے ماریں گے۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہمارا اپنا لشکر بھوک سے نڈھال ہو رہا ہے؟" — سالار عینیہ نے کہا — "مدینہ والے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے گھر سے بہت دُور آگئے ہیں۔ کیا لشکر میں تم بے اطمینانی نہیں دیکھ رہے؟ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ہماری کمانوں سے نکلے ہوئے تیر اب اتنی دُور نہیں جاتے

جتنی دُور اُس وقت جاتے تھے جب تیر اندازوں کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا؟ ان کے بازوؤں میں کمانیں کھینچنے کی طاقت نہیں رہی۔"

"کیا اس کا فیصلہ تم کرو گے کہ ہمیں محمدؐ کو کیا جواب دینا چاہیئے؟" — غطفان نے پوچھا — "یا میں فیصلہ کروں گا جو قبیلے کا سردار ہوں؟"

"خدا کی قسم، میدان جنگ میں جو فیصلہ میں کر سکتا ہوں وہ تم نہیں کر سکتے" — سالار عینیہ نے کہا — "اور میدانِ جنگ سے باہر جو فیصلہ تم کر سکتے ہو وہ فیصلہ میری عقل نہیں کر سکتی۔ میری عقل تلوار کے ساتھ چلتی ہے مگر یہاں میری فوج کی تلواریں اور برچھیاں اور ہمارے تیر مایوس ہو گئے ہیں۔ ہم خندق کے پار نہیں جا سکتے۔ ہمیں محمدؐ کی بات مان لینی چاہیئے۔"

اور انہوں نے رسولِ کریمؐ کی بات مان لی۔ ایلچی امید افزا جواب لے کر آگیا۔ اُسے قریش کا کوئی آدمی نہیں دیکھ سکا تھا کیونکہ غطفان کی فوج محاصرے کے کسی اور مقام پر تھی۔

۷

اللہ کے رسولؐ کے خلاف کون بول سکتا تھا؟ — مگر آپؐ نے اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق اپنے سرکردہ ساتھیوں کو بلایا اور انہیں موقع دیا کہ کسی کو آپؐ کے فیصلے سے اختلاف ہے تو وہ بولے۔ آپؐ ایک شخص کا فیصلہ پوری قوم پر ٹھونسنے کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ آپؐ نے سب کو بتایا کہ آپؐ نے غطفان کو کیا پیش کش کی ہے۔

"نہیں" — آپؐ کے فیصلے کے خلاف دو تین آوازیں اٹھیں — "ہماری تلواریں جن کے خون کی پیاسی ہیں، خدا کی قسم، ہم انہیں اپنی زمین کی پیداوار کا ایک دانہ بھی نہیں دیں گے۔ جنگ تو ہوئی نہیں۔ ہم لڑے بغیر کیوں ظاہر کریں کہ ہم لڑ نہیں سکتے۔"

اس کی تائید میں کچھ آوازیں اٹھیں۔ ایسی دلیلیں دی گئیں جنہیں رسولؐ اللہ نے اس لیے قبول فرما لیا کہ یہ اکثریت کی آواز تھی۔ آپؐ نے اپنے ایلچی کو دوبارہ غطفان اور عینیہ کے پاس نہ بھیجا لیکن آپؐ نے سب پر واضح کر دیا کہ تدبّر اور حکمتِ عملی کے بغیر محاصرہ نہیں توڑا جا سکے گا۔

خدا حق پرستوں کے ساتھ تھا۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے اللہ سے مدد مانگی جو ایک انسان کے رُوپ میں آپؐ کے سامنے آگئی۔ یہ تھے نعیمؓ بن مسعود۔ ان کا تعلق غطفان کے قبیلے کے ساتھ تھا۔ نعیمؓ سرکردہ شخصیّت تھے۔ خدا نے انہیں غیر معمولی دماغ عطا کیا تھا۔ تین اہم قبیلوں — قریش، غطفان اور بنو قریظہ — پر ان کا اثر و رسوخ تھا۔ ایک روز نعیمؓ جو قبیلہ غطفان میں تھے مدینہ میں رسولِ خدا کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"خدا کی قسم، تُو قبیلۂ غیر کا ہے" — رسول اللہؐ نے فرمایا — "تُو ہم میں سے نہیں۔ تُو یہاں کیسے آگیا ہے؟"

"میں آپ ہی سے ہوں" — نعیمؓ نے کہا — "مدینہ میں گواہ موجود ہیں۔ میں نے درپردہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اپنے قبیلے کے ساتھ اسی مقصد کے لیے آیا تھا کہ آپؐ کے حضور حاضر ہو جاؤں گا مگر موقع نہ ملا۔ پتہ چلا کہ آپؐ نے میرے قبیلے کے سردار اور سالار کو قریش سے دوستی ترک کرکے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM
kutubistan.blogspot.com

واپس چلے جانے کا پیغام بھیجا تھا اور آپؐ نے اس کا معاوضہ بھی بتا دیا تھا لیکن آپ نے بات کو مزید آگے نہ بڑھایا۔"

"اللہ کی تجھ پر رحمت ہو"۔۔۔ رسولِ خداؐ نے پوچھا۔ "کیا تُو بات کو آگے بڑھانے آیا ہے؟"

"نہیں، میرے اللہ کے سچے نبیؐ!"۔۔۔ نعیمؓ نے جواب دیا۔ "مجھے آپؐ ہی کے قدموں میں آنا تھا۔ اہلِ مدینہ پر مشکل کا وقت آن پڑا ہے۔ میں اپنی جان لے کے حاضر ہوا ہوں۔ یہ حضورؐ کے اور اسلام کے شیدائیوں کے جس کام آسکتی ہے، حضورؐ کے قدموں میں پیش کرتا ہوں..... اپنے لشکر میں سے چھپ چھپ کر نکلا ہوں۔ خندق میں اُتر تو گیا لیکن سنتریوں کی موجودگی میں اوپر آنا خودکشی کے برابر تھا۔ اُوپر چڑھنا ویسے بھی محال تھا۔ بڑی مشکل پیش آئی۔ خدا سے آپ کے نام پر التجا کی۔ گڑگڑا کر دعا مانگی! اللہ نے کرم کیا۔ سنتری آگے چلے گئے اور میں خندق پر چڑھ آیا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعیمؓ کے متعلق بتایا گیا کہ یہ کس حیثیت کی شخصیت ہے۔ رسولِ کریمؐ نے اُن کے ساتھ دو چار باتیں کیں تو آپ کو اندازہ ہو گیا کہ نعیمؓ اونچی سطح اور عقل کے انسان ہیں۔ آپؐ نے نعیمؓ کو بتایا کہ محاصرے نے جو حالات پیدا کر دیئے ہیں ان سے نکلنے کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ قریش کے لشکر میں جو مختلف قبائل شامل ہیں انہیں قریش سے بدظن کیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو تین قبائل کے ساتھ خفیہ معاہدے کر لیے جائیں۔

"یا رسول اللہ!"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "اگر میں یہ کام اپنے طریقے سے کر دوں تو کیا حضورؐ مجھ پر اعتماد کریں گے؟"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو نعیمؓ!"۔۔۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ "میں تجھے اور تیرے نیک ارادوں کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

"میں واپس اپنے قبیلے میں چلا جاؤں گا"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "لیکن یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں مدینہ میں آیا تھا۔ یہاں سے میں کعب بن اسد کے پاس جا رہا ہوں..... میرے اللہ کے رسولؐ! میری کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔"

مدینہ میں رات کو پہرے بڑے سخت تھے۔ پیچھے کی طرف خندق نہیں تھی۔ اُدھر پہاڑیوں نے قدرتی دفاع مہیا کر رکھا تھا۔ اُدھر پہرہ داروں اور گشتی سنتریوں کی تعداد زیادہ رکھی گئی تھی اور شہر کے کسی آدمی کا بھی اُدھر جانا بڑا مشکل تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے نعیمؓ کے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیج دیا تھا تاکہ کوئی سنتری انہیں روک نہ لے۔ یہ آدمی نعیمؓ کو مدینہ سے باہر تک چھوڑ کر واپس آگیا۔ رات کا پہلا پہر تھا جب نعیمؓ بنو قریظہ کی بستی میں کعب بن اسد کے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ غلام نے کھولا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو نا کعب؟"۔۔۔ نعیمؓ نے پوچھا۔

"نعیمؓ بن مسعود کو کون نہیں جانتا"۔۔۔ کعب نے کہا۔ "غطفان کے قبیلے کو تجھ جیسے سردار پر بہت فخر ہو گا..... کہو نعیمؓ! رات کے اس وقت میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟..... میں نے دس دنوں کی مہلت مانگی تھی۔ ابھی تو چھ سات دن گزرے ہیں۔ میں نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے آدمی تیار کر لیے ہیں..... کیا تم یہی معلوم کرنے آئے ہو؟"

"میں اسی سلسلے میں آیا ہوں"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "تم بیوقوف ہو کعب! تم نے قریش کے ساتھ کس بھروسے پر معاہدہ کر لیا ہے؟..... مجھ سے نہ پوچھنا کہ میرے دل میں تمہاری ہمدردی کیوں پیدا ہوئی ہے۔ میں مسلمانوں کا بھی ہمدرد نہیں کیونکہ میں مسلمان نہیں۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرے دل میں انسانیت کی ہمدردی ہے۔ میرے دل میں ہمدردی ہے تمہاری ان خوبصورت اور جوان بیٹیوں، بیویوں اور بہنوں کی جو مسلمانوں کی لونڈیاں بن جائیں گی۔ تم نے قریش سے بڑا خطرناک معاہدہ کر لیا ہے لیکن اس کی ضمانت نہیں لی کہ اہلِ قریش تمہیں مسلمانوں سے بچا لیں گے۔ ہم نے بھی قریش کے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن کچھ ضمانت بھی لی ہے۔"

"کیا قریش جنگ ہار جائیں گے؟"۔۔۔ کعب بن اسد نے پوچھا۔

"وہ جنگ ہار چکے ہیں"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "کیا یہ خندق انہیں شہر پر حملہ کرنے دے گی؟..... قریش کے لشکر کو بھوک نے بے حال کرنا شروع کر دیا ہے۔ میرا قبیلہ بھوک سے پریشان ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل تم میرے قبیلے کو بدنام کرو کہ غطفان تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ تم مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں اپنا دشمن بنا لو گے اور قریش اور ہم محاصرہ اٹھا کر واپس چلے جائیں گے۔ اپنے دونوں قبیلوں، بنو قینقاع اور بنو نضیر، کا انجام جو مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تھا وہ تمہیں یاد ہو گا۔"

کعب بن اسد پر خاموشی طاری ہو گئی۔

"میں جانتا ہوں تم نے قریش سے کتنی اُجرت لی ہے"۔۔۔ نعیمؓ نے کہا۔ "لیکن یہ خزانہ جو تم اُن سے لے رہے ہو اور یہ خوبصورت لڑکیاں جو حیی بن اخطب نے تمہارے پاس بھیجی ہیں، یہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سب مسلمانوں کی ملکیت ہو جائے گی اور تمہارا سر تمہارے تن سے جُدا ہو گا۔"

"تو کیا میں قریش سے معاہدہ توڑ دوں؟" ــــ کعب نے پوچھا۔

"معاہدہ نہ توڑو" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "انہیں ابھی ناراض نہ کرو لیکن اپنی حفاظت کی اُن سے ضمانت لو۔ عرب کے رواج کے مطابق انہیں کہو کہ ان کے اونچے خاندانوں کے کچھ آدمی تمہیں یرغمال کے طور پر دے دیں۔ اگر اُنہوں نے اپنے چند ایک معزز اور سرکردہ آدمی دے دیئے تو یہ ثبوت ہو گا کہ وہ معاہدے میں مخلص ہیں۔"

"ہاں نعیمؓ!" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "میں اُن سے یرغمال میں آدمی مانگوں گا۔"

☆

نعیمؓ بن مسعود رات کے وقت پہاڑیوں میں چلے جا رہے تھے۔ اُن کی منزل قریش کی خیمہ گاہ تھی جو کئی میل دُور تھی۔ سیدھا راستہ چھوٹا تھا لیکن راستے میں خندق تھی۔ وہ بڑی دور کا چکر کاٹ کر جا رہے تھے۔ وہ گذشتہ رات سے مسلسل چل رہے تھے مگر چھپ چھپ کر چلنے اور عام سفر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ نعیمؓ جب اُبوسفیان کے پاس پہنچے تو ایک اور رات شروع ہو چکی تھی۔ اُس وقت اُن کی ہڈیاں بھی دکھ رہی تھیں اور اُن کی زبان سوکھ گئی تھی۔ ایک ہی بار بے شمار پانی پی کر وہ بولنے کے قابل ہُوئے۔ اُبوسفیان نعیمؓ کی دانشمندی اور تدبّر سے متاثر تھا۔

"تمھاری حالت بتا رہی ہے کہ تم اپنے لشکر سے نہیں آئے" ــــ اُبوسفیان نے نعیمؓ سے پوچھا ــــ "کہاں سے آ رہے ہو؟"

"بہت دُور سے" ــــ نعیمؓ بن مسعود نے جواب دیا ــــ "جاسُوسی کی ایک مہم سے آ رہا ہوں۔ تم لوگ بنو قریظہ کے ساتھ معاہدہ کر آئے ہو۔ کیا تم بھول گئے تھے کہ یہودیوں کو ہمارے ساتھ جو دلچسپی ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ اسلام کو ہمارے ہاتھوں ہمیں پر ختم کرا دینا چاہتے ہیں؟ .... میں بنو قریظہ کے دو دوستوں سے مِل آیا ہوں اور مجھے مدینے کا بھی ایک پرانا دوست مِل گیا تھا۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ کعب بن اسد نے محمدؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ کعب نے مسلمانوں کو خوش کرنے کا ایک نیا طریقہ سوچا ہے۔ تم نے اُسے کہا کہ وہ مدینہ میں مسلمانوں پر حملے کرے۔ وہ اب تم سے قریش کے سرکردہ خاندانوں کے چند افراد یرغمال میں ضمانت کے طور پر رکھنے کے لیے مانگے گا مگر انہیں وہ مسلمانوں کے حوالے کر دے گا اور مسلمان ان افراد کو قتل کر دیں گے، پھر یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں گے اور دونوں ہم پر حملہ کریں گے .... میں تمہیں خبردار کرنے آیا ہوں کہ یہودیوں کو یرغمال میں اپنا ایک بھی آدمی نہ دینا۔"

"خُدا کی قسم نعیمؓ!" ــــ اُبوسفیان نے کہا ــــ "اگر تمھاری یہ بات سچ نکلی تو میں بنو قریظہ کی بستیاں اُجاڑ دوں گا۔ کعب بن اسد کی لاش کو میں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھسیٹتا ہُوا مکّہ لے جاؤں گا۔ اُس نے کیا سوچ کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے؟"

"اُس کی سوچ پر آپ نے شراب اور حسین لڑکیوں کا طلسم طاری کر دیا ہے" ــــ نعیمؓ بن مسعود نے کہا ــــ "کیا شراب اور عورت کسی کے دل میں خلوص اور دیانتداری رہنے دیتی ہے؟"

"اُسے شراب اور عورت کس نے دی ہے؟" ــــ اُبوسفیان نے کہا ــــ "کیا بدبخت کعب اتنی سی بات نہیں سمجھ سکا کہ میں نے اُس کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے، اس میں اُس کی قوم اور اُس کے مذہب کا تحفّظ ہے؟ اگر محمدؐ کا مذہب اسی طرح پھیلتا چلا گیا تو یہودیت ختم ہو جائے گی۔"

"تم یہودیوں کو ابھی تک نہیں سمجھ سکے" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "وہ اپنے دشمن پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتے کہ وہ اُس کے دشمن ہیں .... حُییّ بن اخطب بھی یہودی ہے۔ اُس نے تمھاری طرف سے کعب کو شراب کا نصف مٹکا اور دو نہایت حسین لڑکیاں دی ہیں۔ میں جب کعب سے مِلا، وہ شراب میں بدمست تھا اور دونوں لڑکیاں نیم برہنہ حالت میں اُس کے پاس تھیں۔ اُس نے بدمستی کے عالم میں مجھے کہا کہ وہ اہلِ قریش کو انگلیوں پر نچا رہا ہے۔"

"نعیمؓ!" ــــ اُبوسفیان نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا ــــ "میں مدینہ سے محاصرہ اُٹھا کر بنو قریظہ کی نسل ختم کر دوں گا۔ اُس کی یہ جرأت کہ قبیلۂ قریش کے سرکردہ چند افراد کو ضمانت کے طور پر یرغمال بنا کر رکھنا چاہتا ہے؟"

"تمہیں اتنا نہیں بھڑکنا چاہیئے اُبوسفیان!" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "ٹھنڈے دل سے سوچو اور فیصلہ کر لو کہ کعب کو تم ایک بھی آدمی یرغمال میں نہیں دو گے۔"

"میں فیصلہ کر چکا ہُوں" ــــ اُبوسفیان نے کہا ــــ "کیا تم اہلِ مدینہ کی کوئی خبر دے سکتے ہو؟ وہ کس حال میں ہیں؟ وہ کب تک بھوک برداشت کریں گے؟"

نعیمؓ بن مسعود کو اُبوسفیان کے پاؤں اکھاڑنے کا موقع مِل گیا۔

"میں حیران ہوں اُبوسفیان!" ــــ نعیمؓ نے کہا ــــ "کہ اہلِ مدینہ خوش اور مطمئن ہیں۔ وہاں بُھوک کے کوئی آثار نہیں۔ خوراک کی کمی ضرور ہے لیکن اہلِ مدینہ کا جوش اور جذبہ ایسا ہے جیسے انہیں خُوراک کی ضرورت ہی نہیں۔"

"اِس کا مطلب یہ ہُوا کہ ہمارے محاصرے کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہُوا" ــــ اُبوسفیان نے کہا۔

"بالکل نہیں" ــــ نعیمؓ بن مسعود نے کہا ــــ "اُن پر محاصرے کا یہ اثر ہے کہ وہ جوش و خروش سے پھٹے جا رہے ہیں۔"

"ہمارے یہودی جاسوس ہمیں بتا رہے ہیں کہ مدینہ میں خوراک تقریباً ختم ہو چکی ہے" ــــ اُبوسفیان نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔

"وہ جھوٹ بولتے ہیں" ــــ نعیمؓ نے اُسے اور زیادہ پریشان کرنے کے لیے کہا ــــ "میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ یہودیوں پر بھروسہ نہ کرنا۔ یہ بتا کر کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں، وہ تمہیں اُکسا رہے ہیں کہ تم مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر کہیں سے خندق عبور کر لو اور مدینہ پر حملہ کر دو۔ وہ اہلِ قریش اور میرے قبیلے غطفان کو مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کرانا چاہتے ہیں۔"

"میں اُن کی نیّت معلوم کر لیتا ہوں" ــــ اُبوسفیان نے کہا اور اپنے غلام کو آواز دی۔ "عکرمہ اور خالد کو بلا لاؤ" ــــ اُبوسفیان نے غلام سے کہا۔

نعیمؓ بن مسعود یہ کہہ کر چلے گئے ــــ "میں اپنے سردار غطفان کو خبردار کرنے جا رہا ہُوں۔"

☆

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالد اور عکرمہ آئے تو ابوسفیان نے انہیں بتایا کہ نعیمؓ اُسے کعب بن اسد کے متعلق کیا بتا گئے ہیں۔

"غیروں کے سہارے لے کر لڑائیاں نہیں لڑی جا سکتیں ابوسفیان!"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔ "آپ نے یہ تو سوچا ہی نہیں کہ بنو قریظہ مسلمانوں کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ وہ زمین کے نیچے سے مسلمانوں پر وار کر سکتے ہیں لیکن وہ ہیں تو مسلمانوں کے رحم و کرم پر۔ اگر آپ لڑنے آئے ہیں تو جنگجوؤں کی طرح لڑیں۔"

"کیا یہ صحیح نہیں ہوگا کہ تم دونوں میں سے کوئی کعب بن اسد کے پاس جائے؟"۔۔۔ ابوسفیان نے پوچھا۔۔۔ "ہو سکتا ہے اُس نے نعیمؓ سے کہا ہو کہ وہ ہم سے یرغمال مانگے گا لیکن تم جاؤ تو وہ ایسی شرط پیش نہ کرے؟.... کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے کہ تمام کا تمام لشکر نیم فاقہ کشی کی حالت میں ہے؟ کیا یہ لشکر خندق عبور کر سکتا ہے؟.... یہی ایک صورت ہے کہ کعب مدینے کے اندر مسلمانوں پر شب خون مارنے کا انتظام کرے۔"

"میں جاؤں گا"۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔ "میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ کعب بن اسد نے یرغمال کی شرط پیش کی تو میں آپ سے پوچھے بغیر معاہدہ منسوخ کر آؤں گا۔"

"کیا میں بھی عکرمہ کے ساتھ چلا جاؤں؟"۔۔۔ خالد نے ابوسفیان سے پوچھا۔۔۔ "اس کا اکیلے جانا ٹھیک نہیں۔"

"نہیں"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔ "اگر خطرہ ہے تو میں دو سالار ضائع نہیں کر سکتا۔ عکرمہ اپنی حفاظت کے لیے جتنے لشکری ساتھ لے جانا چاہتا ہے لے جائے۔"

عکرمہ اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ چار لشکری تھے۔ اُسے بڑی دُور کا چکر کاٹ کر بنو قریظہ تک پہنچنا تھا۔ وہ جمعہ کی رات اور تاریخ ۱۴ مارچ، ۶۲۷ء تھی جب عکرمہ خندق سے دُور دُور چلتا شیخین کے سلسلۂ کوہ میں داخل ہُوا اور کعب بن اسد کے گھر پہنچا۔ کعب کو معلوم تھا کہ عکرمہ کیوں آیا ہے۔

"آؤ عکرمہ!"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "میں جانتا ہُوں تم کیوں آئے ہو۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے دس دن کی مہلت مانگی تھی۔"

کعب بن اسد نے اپنے غلام کو آواز دی۔ غلام آیا تو اُس نے غلام سے شراب اور پیالے لانے کو کہا۔

"پہلے میری بات سن لو کعب!"۔۔۔ عکرمہ نے دوٹوک لہجے میں کہا۔۔۔ "میں شراب پینے نہیں آیا۔ مجھے بہت جلدی واپس جانا ہے۔ ہم محاصرے کو اور زیادہ طول نہیں دے سکتے۔ ہم کل مدینے پر حملہ کر رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہُوا ہے اُس کے مطابق تم مدینے میں اُن جگہوں پر جو ہم نے تمہیں بتائی ہیں، کل سے حملے شروع کر دو۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ تم نے ظاہری طور پر ہمارے ساتھ معاہدہ کیا ہے لیکن درپردہ تم نے وہ معاہدہ قائم رکھا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ تم نے کیا ہے۔"

اتنے میں ایک نہایت حسین لڑکی شراب کی صراحی اور پیالے اُٹھائے کمرے میں داخل ہُوئی۔ وہ عکرمہ کو دیکھ کر مسکرائی۔ عکرمہ نے اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

"کعب!"۔۔۔ عکرمہ نے کہا۔۔۔ "تم نے اپنا مذہب اور اپنی زبان ان چیزوں کے عوض بیچ ڈالی ہے جنہوں نے کبھی کسی کا ساتھ نہیں دیا۔"

کعب بن اسد نے لڑکی کو اشارہ کیا تو وہ چلی گئی۔

"میرے عزیز عکرمہ!"۔۔۔ کعب نے کہا۔۔۔ "میں تمہارے چہرے پر رعونت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ تم مجھے اپنا غلام سمجھ کر حکم دینے آئے ہو۔ میں نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا وہ بنو قریظہ کے تحفّظ اور سلامتی کے لیے کیا تھا، اور میں نے جو معاہدہ تمہارے ساتھ کیا ہے، وہ تمہاری فتح اور مسلمانوں کی شکست کی خاطر کیا ہے۔ مسلمانوں کو ختم کرنا میرے مذہب کا حکم ہے۔ تمہارے ساتھ معاہدے نبھانا اسی سلسلے کی ایک کوشش ہے۔ اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے میں نہیں استعمال کروں گا۔ حُیّی بن اخطب سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اہلِ قریش اور اہلِ غطفان مجھے بنو قریظہ کی سلامتی کی ضمانت دیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم لوگ ناکام ہو جاؤ اور مسلمان ہم سے ظالمانہ انتقام لیں۔"

نعیمؓ بن مسعود نے جو چنگاری ان لوگوں کے درمیان پھینک دی تھی وہ عکرمہ کے سینے میں سلگ اُٹھی۔ نعیمؓ نے عکرمہ کے ذہن میں ابوسفیان کی معرفت پہلے ہی ڈال دیا تھا کہ کعب افراد کی صُورت میں ضمانت مانگے گا۔ کعب کی زبان سے ضمانت کا لفظ سنتے ہی عکرمہ بھڑک اٹھا۔

"کیا تمہیں ہم پر اعتبار نہیں؟"۔۔۔ عکرمہ نے غصیلی آواز میں کہا۔۔۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم شاید بھول گئے ہیں کہ محمدؐ ہمارا اور تمہارا مشترکہ دشمن ہے؟"

"میں یہ نہیں کہتا جو تم کہہ رہے ہو"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ اپنے مشترکہ دشمن کو جتنا میں جانتا ہُوں اتنا تم نہیں جانتے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو عقل خُدا نے محمدؐ کو دی ہے وہ ہم میں سے کسی کو نہیں دی.... میں اس کی ضمانت چاہتا ہُوں۔"

"کہو، تمہیں کیسی ضمانت چاہیئے؟"۔۔۔ عکرمہ نے پوچھا۔

"قبیلہ قریش اور غطفان کے چند ایک سرکردہ افراد ہمارے پاس بھیج دو"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا عکرمہ! یہ ہمارا تمہارا دستور ہے۔ اس رواج اور شرط سے تم واقف ہو۔ میں نے ضمانت کے طور پر یرغمال میں لینے والے آدمیوں کی تعداد نہیں بتائی۔ یہ تعداد تم خود مقرر کر لو۔ تم جانتے ہو کہ معاہدے کی خلاف ورزی کرو گے تو تمہارے ان سرکردہ افراد کو ہم قتل کر دیں گے۔"

"انہیں تم قتل نہیں کرو گے"۔۔۔ عکرمہ نے بھڑکی ہُوئی آواز میں کہا۔۔۔ "تم انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دو گے۔"

"کیا کہہ رہے ہو عکرمہ؟"۔۔۔ کعب بن اسد نے حیرت اور پریشانی کے لہجے میں پوچھا۔۔۔ "کیا تم مجھے اتنا رذیل سمجھتے ہو کہ میں تمہیں یہ دھوکہ دوں گا کہ تمہارے قبیلوں کے سرداروں کو مسلمانوں کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہاتھوں قتل کرواؤں گا؟ مجھ پر اعتبار کرو۔"

"یہودی پر اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نے سانپ پر اعتبار کر لیا ہو" ___ عکرمہ نے غصّے کے عالم میں کہا ___ "اگر تم اپنے آپ کو اتنا ہی قابلِ اعتماد سمجھتے ہو تو کل مدینہ میں اُن چھوٹے قلعوں پر حملے شروع کر دو جہاں مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچّوں کو رکھا ہُوا ہے۔"

"کل؟" ___ کعب نے کہا ___ "کل ہفتے کا دن ہے ہفتے کا دن یہُودیوں کا ایک مقدّس دن ہوتا ہے جسے ہم 'سبت' کہتے ہیں۔ اُس روز عبادت کے سوا ہم اور کوئی کام نہیں کرتے۔ کوئی یہودی سبت کے دن کوئی کام یا کاروبار کرے یا کسی پر حملہ کرے تو خدائے یہُودہ اُسے انسان سے خنزیر یا بندر کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔"

عکرمہ دیکھ چکا تھا کہ کعب بن اسد کی نیّت ٹھیک نہیں۔ وہ شراب پیتا چلا جا رہا تھا۔ عکرمہ نے شراب پینے سے انکار کر دیا تھا۔ اُس نے ابوسفیان سے کہا تھا کہ وہ فیصلہ کر کے ہی واپس آئے گا۔

"تم کل حملہ کر دو یا ایک دن بعد کرو، ہم تمہاری نیّت کو عملی صورت میں دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ تمہیں یرغمال میں اپنے آدمی دیئے جائیں یا نہ دیئے جائیں" ___ عکرمہ نے کہا ___ "اِس سے پہلے ہم تمہیں ایک آدمی بھی نہیں دیں گے۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ یرغمال کے بغیر ہم کچھ نہیں کریں گے" ___ کعب بن اسد نے کہا ___ "جُوں ہی تمہارے آدمی ہمارے پاس پہنچ جائیں گے ہم تمہاری منشا کے مطابق مدینہ کے اندر کھلبلی مچا دیں گے۔ تم دیکھنا ہم محمدؐ کی پیٹھ میں کس طرح چھُرا گھونپتے ہیں۔"

عکرمہ اٹھ کھڑا ہُوا اور غصّے میں بولا ___ "تم بدطینت ہو۔ تمہاری نیّت صاف ہوتی تو تم کہتے کہ مجھے کسی ضمانت کی ضرورت نہیں، آؤ مِل کر مسلمانوں کو مدینہ کے اندر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔"

"مجھے اگر حکم ہی ماننا ہے تو میں محمدؐ کا حکم کیوں نہ مان لوں" ___ کعب بن اسد نے عکرمہ کا غصّہ دیکھتے ہُوئے کہا ___ "ہم مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں جو تحفّظ ان سے مِل سکتا ہے وہ تم نہیں دے سکو گے۔"

مؤرخ ابنِ ہشام اور ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ نعیمؓ بن مسعود کا چھوڑا ہُوا تیر نشانے پر لگا۔ عکرمہ غصّے کے عالم میں کعب بن اسد کے گھر سے نکل آیا۔ یہودیوں اور اہلِ قریش کا معاہدہ جو اگر برقرار رہتا تو مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جاتی، کعب کے گھر کے اندر ہی ٹوٹ گیا۔

☆

جب عکرمہ کعب بن اسد سے ملنے جا رہا تھا، اُس وقت نعیمؓ بن مسعُود اپنے قبیلے کے سردار غطفان کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے۔ اُس کے ساتھ بھی اُنہوں نے کعب بن اسد کے متعلق وہی باتیں کیں جن باتوں سے وہ ابوسفیان کو بھڑکا چکے تھے۔ ابوسفیان نے غصّے میں آ کر عکرمہ کو بلا لیا تھا، غطفان نے اپنے سالار عیینہ کو بُلا لیا۔

"کیا تم نے سُنا ہے کہ کعب بن اسد ہمیں کیا دھوکہ دے رہا ہے؟" ___ غطفان نے عیینہ سے کہا ___ "وہ ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے سرکردہ افراد مانگتا ہے۔ کیا یہ ہماری توہین نہیں؟"

"سردار غطفان!" ___ سالار عیینہ نے کہا ___ "میں پہلے تمہیں کہہ چکا ہُوں کہ میرے ساتھ میدانِ جنگ کی بات کرو۔ میں آمنے سامنے کی لڑائی لڑنا جانتا ہوں۔ مجھے اُس شخص سے نفرت ہوگی جو پیٹھ کے پیچھے وار کرتا ہے اور مجھے اُس شخص سے بھی نفرت ہوگی جس کی پیٹھ پر وار ہوتا ہے ..... اور پھر تم یہودیوں پر اعتبار کرتے ہو؟ اگر کعب بن اسد کہے گا کہ مجھے اپنے قبیلے کا سردار غطفان یرغمال میں دے دو تو کیا میں تمہیں اُس کے حوالے کر دوں گا؟"

"میں اُس شخص کا سر اُڑا دوں گا جو ایسا مطالبہ کرے گا" ___ نعیمؓ بن مسعُود نے کہا ___ "میں ان یہُودیوں کو اپنے قبیلے کی ایک بھیڑ یا بکری بھی نہ دوں گا..... خُدا کی قسم! کعب نے ہماری توہین کی ہے۔"

"ابوسفیان کیا کہتا ہے؟" ___ غطفان نے نعیمؓ سے پُوچھا۔

"یہ بات سُن کر ابوسفیان غصّے سے کانپنے لگا تھا" ___ نعیمؓ نے کہا ___ "اُبوسفیان کہتا ہے کہ وہ کعب بن اسد سے اس توہین کا انتقام لے گا۔"

"اور اُسے انتقام لینا چاہیئے" ___ سالار عیینہ نے کہا ___ "بنو قریظہ کی حیثیّت ہی کیا ہے۔ وہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان اس طرح پس جائیں گے کہ اُن کا وجُود ہی ختم ہو جائے گا۔"

☆

خالد کو آج مدینہ کی طرف جاتے ہُوئے وہ وقت یاد آ رہا تھا جب عکرمہ بنو قریظہ کی بستی سے واپس آیا تھا۔ خالد دوڑتا ہُوا اُس تک پہنچا تھا۔ اُدھر سے ابوسفیان گھوڑا دوڑاتا گیا۔ عکرمہ کے چہرے پر غصّے اور تھکن کے گہرے آثار تھے۔

"کیا خبر لائے ہو؟" ___ اُبوسفیان نے اُس سے پوچھا۔

"خدا کی قسم اُبوسفیان! میں نے کعب سے زیادہ بدطینت انسان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا" ___ عکرمہ نے گھوڑے سے کُود کر اُترتے ہُوئے جواب دیا ___ "نعیمؓ نے ٹھیک کہا تھا۔"

"کیا اُس نے ہم سے یرغمال میں رکھنے کے لیے آدمی مانگے ہیں؟" ___ خالد نے پوچھا تھا۔

"ہاں خالد!" ___ عکرمہ نے کہا تھا ___ "اُس نے مجھے شراب پیش کی اور میرے ساتھ اس طرح بولا جیسے ہم اُس کے مقروض ہوں ..... اُس نے کہا کہ پہلے یرغمال میں اپنے آدمی دو پھر میں مدینہ کے اندر شب خُون ماروں گا۔"

"کیا تم نے اُسے کہا نہیں کہ اہلِ قریش کے سامنے بنو قریظہ کی حیثیت اونٹ کے مقابلے میں ایک چوہے کی ہے؟" ___ خالد نے کہا تھا ___ "کیا تم نے اُس کا سر اُس کے کندھوں سے اُتار نہیں دیا؟"

"میں نے اپنا ہاتھ بڑی مشکل سے روکا تھا" ___ عکرمہ نے کہا تھا ___ "اُس کے ساتھ ہمارا جو معاہدہ ہُوا تھا وہ میں توڑ آیا ہوں۔"

"تم نے اچھا کیا" ___ اُبوسفیان نے دبی دبی آواز میں کہا تھا ___ "تم نے اچھا کیا" ___ اور وہ پرے چلا گیا تھا۔

یہ کوئی بہت پرانا واقعہ نہیں تھا۔ ڈیڑھ دو سال پہلے کی ہی بات تھی۔ آج جب خالد مدینہ کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

طرف جا رہا تھا تو یہ جانا پہچانا راستہ اُسے اجنبی سا لگ رہا تھا۔ کبھی اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے وہ خود اپنے لیے اجنبی ہو گیا ہو۔ اُسے ابوسفیان کا افسردہ چہرہ نظر آنے لگا۔ خالد نے محسوس کر لیا تھا کہ ابوسفیان مدینہ پر حملے سے منہ موڑ رہا ہے۔ خالد اور عکرمہ وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو خالد؟" — عکرمہ نے پوچھا تھا۔

"کیا تم میری تائید نہیں کرو گے کہ میں اس شخص ابوسفیان کی موجودگی کو صرف اس لیے برداشت کر رہا ہوں کہ یہ میرے قبیلے کا سردار ہے؟" — خالد نے عکرمہ کو جواب دیا تھا — "اہلِ قریش کو ابوسفیان سے بڑھ کر بزدل سردار کوئی نہیں ملے گا.... تم پوچھتے ہو میں کیا سوچ رہا ہوں.... میں اور زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ میں نے خندق کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا ہے۔ ایک جگہ خندق تنگ ہے اور زیادہ گہری بھی نہیں۔ ہم وہاں سے خندق کے پار جا سکتے ہیں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں آج ہی، ابھی اُس جگہ سے چند سوار خندق کے پار لے جانا چاہتا ہوں۔ ابوسفیان کسی غیبی مدد اور سہارے کا انتظار کرنا چاہتا ہے تو کرتا رہے۔"

"میں تمہارا ساتھ کیوں نہ دوں گا خالد؟" — عکرمہ نے کہا تھا — "کیا میں مسلمانوں کے اُن قہقہوں کو برداشت کر سکوں گا جو اُس وقت بلند ہوں گے جب ہم یہاں سے لڑے بغیر واپس جائیں گے؟... چلو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

☆

وہ جگہ ذباب کی پہاڑی کے مغرب اور سلع کی پہاڑی کے مشرق میں تھی جہاں خندق کی چوڑائی اتنی تھی کہ گھوڑا اسے پھلانگ سکتا تھا۔ ضرورت شہسواری کی تھی۔ پیادے خندق میں اُتر کر اُوپر چڑھ سکتے تھے۔ اسی جگہ کے قریب تقریباً سامنے مسلمانوں کی خیمہ گاہ تھی۔

خالد نے عکرمہ کو یہ جگہ دُور سے دکھائی۔

"پہلے میرے سوار خندق پھلانگیں گے" — عکرمہ نے کہا — "لیکن ابھی ہم تمام کا تمام سوار نہیں گزاریں گے۔ پار جا کر مسلمانوں کو ایک ایک سوار کے مقابلے کے لیے للکاریں گے۔ وہ اس رواج کی خلاف ورزی نہیں کریں گے.... میرے ساتھ آؤ خالد! میں اپنے منتخب سوار آگے لاؤں گا۔ تم ابھی خندق کے پار نہ جانا۔ اگر ہم دونوں مارے گئے تو اہلِ قریش کو سوائے ذلت کے کچھ نہیں ملے گا۔ ابوسفیان کا دل محاصرہ اٹھا چکا ہے۔ وہ لڑنے کے جذبے کو سرد کر چکا ہے۔"

وہ مقام جہاں خندق گھوڑے کی لمبی چھلانگ سے پھلانگی جا سکتی تھی، ایسی اوٹ میں تھا جسے گشتی سنتری قریب آ کر ہی دیکھ سکتے تھے۔ عکرمہ نے سات سوار منتخب کر لیے تھے۔ ان میں ایک قوی ہیکل بلکہ دیو قامت شخص عمرو بن عبدُود بھی تھا جس کی دھاک اُس کی جسامت کی بدولت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ عکرمہ ان سات سواروں کو مقررہ مقام سے کچھ دور تک اس انداز سے لے گیا جیسے گھوڑوں کو ٹہلائی کے لیے لے جا رہے ہوں۔ مسلمانوں کے سنتریوں کو ان پر شک نہ ہوا۔

"سب سے پہلے میں خندق پھلانگوں گا" — عکرمہ نے چلتے چلتے اپنے سات سواروں سے کہا۔

"کیا یہ ٹھیک نہیں ہو گا کہ سب سے پہلے میرا گھوڑا خندق کو پھلانگے؟" — عمرو بن عبدُود نے کہا۔

"نہیں عمرو!" — عکرمہ نے کہا — "پہلے میں جاؤں گا۔ اگر میرا گھوڑا خندق میں گر پڑا تو تم خندق پھلانگنے کی کوشش نہ کرنا۔ تمہارا سالار اپنی جان کی قربانی دے گا۔"

یہ کہہ کر عکرمہ نے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے کا رُخ خندق کی طرف ہوا تو عکرمہ نے ایڑ لگا دی۔ عربی نسل کا گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ عکرمہ نے لگام اور ڈھیلی کر دی اور گھوڑے کو پھر ایڑ لگائی۔ گھوڑے کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ خندق کے کنارے پر جا کر عکرمہ گھوڑے کی پیٹھ سے اُٹھا اور آگے کو جھک گیا۔ گھوڑا ہوا میں بلند ہو گیا۔ خالد کچھ دُور کھڑا دیکھ رہا تھا۔ قبیلہ قریش کے بہت سے لشکری دیکھ رہے تھے۔ زمین و آسمان دیکھ رہے تھے — تاریخ دیکھ رہی تھی!

گھوڑے کے اگلے پاؤں خندق کے دوسرے کنارے سے کچھ آگے اور پچھلے پاؤں عین کنارے پر پڑے۔ گھوڑا رفتار کے زور پر آگے چلا گیا۔ اُس کی اگلی ٹانگیں دوہری ہو گئیں۔ اس کا منہ زمین سے لگا۔ عکرمہ گرتے گرتے بچا۔ گھوڑا بھی سنبھل گیا اور عکرمہ بھی۔ اُسے اپنے پیچھے للکار سنائی دی۔

"آگے نکل جاؤ عکرمہ!"

عکرمہ نے پیچھے دیکھا۔ عمرو بن عبدُود کا گھوڑا ہوا میں اُڑا آ رہا تھا۔ عمرو رکابوں پر کھڑا آگے کو جھکا ہوا تھا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ اتنے وزنی سوار کے نیچے گھوڑا خندق پھلانگ جائے گا لیکن گھوڑا اُسی جگہ جا پڑا جہاں عکرمہ کا گھوڑا گرا تھا۔ عمرو کے گھوڑے کی ٹانگیں ایسی دوہری ہوئیں کہ منہ کے بل گرا اور ایک پہلو پر لڑھک گیا۔ عمرو گھوڑے کی پیٹھ سے لڑھک کر قلابازیاں کھاتا گیا۔ ایک لمحے میں گھوڑا اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُدھر عمرو اٹھا اور پلک جھپکتے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

اُس کے پیچھے عکرمہ کے دو سوار اکٹھے چلے آ رہے تھے۔ خندق کے کنارے پر آ کر دونوں سواروں نے اپنے گھوڑوں کی پیٹھیں خالی کر دی تھیں اور ان کی گردنوں پر جھکے ہوئے تھے۔ دونوں گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

اہلِ قریش کے لشکر نے داد و تحسین کے نعرے لگائے۔ اس شور سے مسلمان پہریدار دوڑے آئے۔ اتنے میں عکرمہ کے دو اور گھوڑے اپنے سواروں کو اٹھائے خندق کے کنارے سے ہوا میں اُٹھے۔ اُن کے پیچھے سات میں سے باقی سواروں نے بھی اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ تمام گھوڑے خندق پھلانگ آئے۔

"ٹھہر جاؤ" — عکرمہ نے مسلمان سنتریوں کو بلند آواز میں کہا — "کوئی اور گھوڑا خندق کے اِس طرف نہیں آئے گا۔ محمدؐ کو بلاؤ۔ تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہے اُسے لاؤ۔ وہ میرے ایک آدمی کا مقابلہ کر کے گرا لے تو ہم سب کو قتل کر دینا.... خدا کی قسم، ہم تمہارا خون اس ریت پر چھڑک کر واپس چلے جائیں گے۔"

☆

مسلمانوں کی اجتماع گاہ میں کھلبلی بپا ہو چکی تھی۔ ایک شور تھا — "قریش اور غطفان نے خندق عبور کر لی ہے.... مسلمانو! تمہارے امتحان کا وقت آ گیا ہے.... ہوشیار.... خبردار.... دشمن آ گیا ہے۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے مسلمانوں کو بے قابو نہ ہونے دیا۔ آپؐ نے دیکھ لیا تھا کہ اہلِ قریش خندق کے پار کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کا مذاق بھی اڑا رہے تھے پھبتیاں بھی کس رہے تھے۔ رسولِ کریمؐ اُس جگہ پہنچے جہاں عکرمہ اور اُس کے سوار کھڑے للکار رہے تھے رسولِ اکرمؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپؐ نے صورتِ حال کا جائزہ لیا تو سمجھ گئے کہ عکرمہ انفرادی مقابلے کے لیے آیا ہے۔ آپؐ کو اور حضرت علیؓ کو دیکھ کر عمرو بن عبدُود نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔

"قسم ہے ہبل اور عزیٰ کی!" — عمرو نے للکار کر کہا — "تم میں مجھے کوئی ایک بھی نظر نہیں آرہا جو میرے مقابلے میں اُتر سکے۔"

مؤرخ عینی شاہدوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی خاموشی گواہی دے رہی تھی کہ اُن پر عمرو کا خوف طاری ہو گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ عمرو کی جسامت اور طاقت کے ایسے ایسے قصے مشہور تھے جیسے وہ مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہو۔ دیکھا شاید کسی نے بھی نہیں تھا لیکن سب کہتے تھے کہ عمرو گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے اور وہ پانچ سو گھوڑ سواروں کو اکیلا شکست دے سکتا ہے۔ اُس کے متعلق ہر کوئی تسلیم کرتا تھا کہ اُسے نہ کوئی گرا سکا ہے نہ کوئی گرا سکے گا۔

ابوسفیان خندق کے پار کھڑا دیکھ رہا تھا۔ خالد اور صفوان بھی دیکھ رہے تھے۔ غطفان، عیینہ اور اُن کا تمام لشکر دیکھ رہا تھا — اور نعیمؓ بن مسعود بھی غیر مسلموں کے لشکر میں دم بخود کھڑے تھے۔

"میں جانتا ہوں تم میں سے کوئی بھی آگے نہیں آئے گا" — عمرو بن عبدُود کی للکار ایک بار پھر گرجی۔ خندق کے پار قریش کا قہقہہ بلند ہُوا اور کئی پھبتیاں سنائی دیں۔

حضرت علیؓ نے رسولِ خُدا کی طرف دیکھا۔ آپؐ نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور حضرت علیؓ کے سر پر باندھ دیا، پھر اپنی تلوار حضرت علیؓ کو دی۔ مؤرخ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی سرگوشی سنائی دی — "علیؓ کا مددگار تو ہی ہے میرے اللہ!"

مؤرخین نے اس تلوار کے متعلق جو رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو دی تھی لکھا ہے کہ یہ قریش کے ایک مشہور جنگجو منبہ بن حجاج کی تھی۔ وہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ فاتح مجاہدین نے یہ تلوار حضورؐ کو پیش کی تھی آپؐ نے اس کے بعد یہی تلوار اپنے پاس رکھی۔ اب آپؐ نے وہی تلوار حضرت علیؓ کو دے کر عرب کے ایک دیوقامت کے مقابلے میں اتارا۔ یہ تلوار تاریخِ اسلام میں ذوالفقار کے نام سے مشہور ہُوئی۔

حضرت علیؓ عمرو بن عبدُود کے سامنے جا کھڑے ہُوتے۔

"ابوطالب کے بیٹے!" — عمرو جو گھوڑے پر سوار تھا، حضرت علیؓ سے مخاطب ہُوا — "کیا تم بھول گئے ہو کہ تمہارا باپ میرا کتنا گہرا دوست تھا؟ کیا یہ میرے لیے بہت بُرا فعل نہیں ہو گا کہ میں اپنے عزیز دوست کے بیٹے کو قتل کر دوں؟"

"اے میرے باپ کے دوست!" — حضرت علیؓ نے للکار کر جواب دیا — "ہماری دوستی ختم ہو چکی ہے۔ خُدا کی قسم، میں تمہیں صرف ایک بار کہوں گا کہ اللہ کو برحق اور محمدؐ کو اللہ کا رسول تسلیم کر لو اور ہم میں شامل ہو جاؤ۔"

"تم نے ایک بار کہہ لیا ہے" — عمرو نے کہا — "میں دوسری بار یہ بات نہیں سنوں گا... میں

یہ بھی کہوں گا کہ میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں عمرو!" — حضرت علیؓ نے کہا — "اُتر گھوڑے سے اور آ میرے مقابلے میں اور بچا اپنے آپ کو اس تلوار سے جو مجھے اللہ کے رسولؐ نے عطا کی ہے۔"

☆

عمرو کے متعلق مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ وحشی تھا۔ جب غصّے میں آتا تھا تو اُس کا چہرہ غضبناک ہو کر درندوں جیسا ہو جاتا تھا۔ وہ گھوڑے سے کُود کر اترا اور تلوار سونت کر حضرت علیؓ پر پہلا وار اتنی تیزی سے کیا کہ دیکھنے والے یہ سمجھے کہ اُس کی تلوار نے حضرت علیؓ کو کاٹ دیا ہے لیکن حضرت علیؓ یہ بھرپور وار بچا گئے۔ اس کے بعد عمرو نے یکے بعد دیگرے حضرت علیؓ پر متعدد وار کیے۔ حضرت علیؓ نے ہر وار غیر متوقع پینترا بدل کر بچایا۔ عمرو نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ جس جسامت اور طاقت پر اُسے اتنا گھمنڈ ہے وہ ہر جگہ کام نہیں آ سکتی۔ تیغ زنی کے معرکے میں جس تیزی اور پھرتی کا مظاہرہ حضرت علیؓ کر رہے تھے وہ عمرو نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کا جسم بھاری بھرکم تھا۔ اگر وہ گھوڑے کو اپنے کندھوں پر اٹھا بھی سکتا تھا تو بھی اس میں گھوڑے جیسی رفتار نہیں تھی۔ اُس کی طاقت گھوڑے سے زیادہ بھی ہو سکتی تھی۔ حضرت علیؓ نے اُس پر ایک بھی وار نہ کیا جسے عمرو نے خوفزدگی سمجھا ہو گا۔ وہ وار پہ وار کرتا رہا اور حضرت علیؓ کبھی اِدھر کبھی اُدھر ہوتے رہے۔

خندق کے پار اہلِ قریش کا لشکر جو قہقہے لگا رہا تھا، یکلخت خاموش ہو گیا کیونکہ اُن کا دیوقامت عمرو وار کرتے کرتے رُک گیا تھا اور خاموش کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ وہ غالباً حیران تھا کہ یہ نوجوان جو قد بُت میں اُس کے جسم کا بیسواں حصّہ بھی نہیں، اُس سے مرعُوب کیوں نہیں ہُوا۔ دراصل عمرو تھک گیا تھا۔

حضرت علیؓ نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی کہ وہ اپنی طاقت اتنے سارے وار کرتے کرتے صرف کر چکا ہے اور حیران و پریشان کھڑا ہے تو حضرت علیؓ نے یہ حیران کُن مظاہرہ کیا کہ تلوار پھینک کر بجلی کی سی تیزی سے عمرو پر جھپٹے اور اُچھل کر اُس کی گردن اپنے ہاتھوں میں دبوچ لی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے عمرو کی ٹانگوں میں اپنی ٹانگ ایسے پھنسائی کہ وہ پیٹھ کے بل گرا۔

اُس نے اپنی گردن چھڑانے کے لیے بہت زور لگایا لیکن اُس کی گردن حضرت علیؓ کی آہنی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔ حضرت علیؓ نے اُس کی گردن سے ایک ہاتھ ہٹا کر کمربند سے خنجر نکالا اور اُس کی نوک عمرو کی شہ رگ پر رکھ دی۔

"اب بھی میرے اللہ کے رسولؐ پر ایمان لے آ تو میں تیری جان بخشی کر دوں گا" — حضرت علیؓ نے کہا۔

عمرو بن عبدُود نے جب دیکھا کہ اُس کی وہ طاقت جس سے اہلِ عرب لرزتے تھے، بیکار ہو گئی ہے تو اُس نے یہ اوچھی حرکت کی کہ حضرت علیؓ کے مُنہ پر تھوک دیا۔

دیکھنے والے ایک بار پھر حیران رہ گئے کیونکہ حضرت علیؓ خنجر سے اُس کی شہ رگ کاٹ دینے کی بجائے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اُنہوں نے خنجر کمربند میں اُڑس لیا اور ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ عمرو اب اس طرح اٹھا جیسے اُس کے جسم کی طاقت ختم ہو چکی ہو۔ صرف اُسے ہی نہیں ہر کسی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کو توقع تھی کہ حضرت علیؓ اُسے زندہ نہیں اٹھنے دیں گے لیکن حضرت علیؓ بڑے آرام سے پیچھے ہٹے۔

"عمرو!" — حضرت علیؓ نے کہا — "میں نے اللہ کے نام پر تیرے ساتھ زندگی اور موت کا مقابلہ کیا تھا لیکن تو نے میرے منہ پر تھوک کر میرے دل میں ذاتی دشمنی پیدا کر دی ہے میں تجھے ذاتی دشمنی کی بنا پر قتل نہیں کروں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خدا کو میرا یہ انتقام اچھا نہ لگے .... جا یہاں سے اپنی جان لے کر واپس چلا جا۔"

عمرو بن عبدود شکست تسلیم کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ میدان میں یہ اُس کی پہلی ہار تھی جسے وہ برداشت نہ کر سکا۔ اُس نے اپنی ہار کو جیت میں بدلنے کے لیے یہ اوچھی حرکت کی کہ تلوار نکال کر حضرت علیؓ پر جھپٹ پڑا۔ حضرت علیؓ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن ان کی کامیابی کے لیے رسولِ خدا نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ عین وقت پر جب عمرو کی تلوار اور حضرت علیؓ کی گردن میں دو چار لمحوں کا فاصلہ رہ گیا تھا حضرت علیؓ نے اپنی ڈھال آگے کر دی۔ عمرو کا وار اس قدر زوردار تھا کہ اُس کی تلوار نے حضرت علیؓ کی ڈھال کو کاٹ دیا۔ ڈھال حضرت علیؓ کے کان کے قریب سر پر لگی جس سے خون پھوٹنے لگا۔

عمرو ڈھال میں سے تلوار کھینچ ہی رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی وہ تلوار جو انہیں رسول کریمؐ نے دی تھی، اتنی تیزی سے حرکت میں آئی کہ عمرو کی گردن کٹ گئی۔ گردن پوری نہ کٹی لیکن شہ رگ کٹ چکی تھی۔ عمرو کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ حضرت علیؓ نے اُس پر دوسرا وار نہ کیا۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہی وار کافی ہے۔ عمرو کی ٹانگیں دوہری ہوئیں۔ اُس کے گھٹنے زمین پر لگے اور وہ لڑھک گیا۔ عرب کی مٹی اُس کا خون چوسنے لگی۔

خندق کے پار دشمن کے لشکر پر ایسا سکوت طاری ہو گیا جیسے پورے کا پورا لشکر کھڑے کھڑے مر گیا ہو۔ اب مسلمانوں کے نعرے گرج رہے تھے۔

عربوں کی رسم کے مطابق اس مقابلے کا دوسرا مرحلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک جیش نے عکرمہ اور اُس کے باقی سواروں پر حملہ کر دیا۔ قریش کے ان سواروں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ خیریت سے پسپا ہونے کے لیے لڑے۔ اس معرکے میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا۔ عکرمہ نے اپنا گھوڑا خندق کی طرف موڑ کر بھاگ نکلنے کے لیے ایڑ لگا دی۔ خندق پھلانگنے سے پہلے عکرمہ نے اپنی برچھی پھینک دی۔ ان میں سے ایک سوار جس کا نام خالد بن عبداللہ تھا، خندق کو پھلانگ نہ سکا۔ اُس کا گھوڑا خندق کے اگلے کنارے سے ٹکرایا اور خندق میں جا پڑا۔ وہ اُٹھ کر کنارے پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن مسلمانوں نے اُس پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔

رسولِ کریمؐ نے حکم دیا کہ خندق کے اس مقام پر مستقل پہرے کا انتظام کر دیا جائے کیونکہ وہاں سے خندق پھلانگی جا سکتی تھی۔

دوسرے دن خالد اپنے گھوڑ سوار دستے میں سے چند ایک جانباز سوار منتخب کر کے خندق عبور کرنے کو چل پڑا۔

"خالد! رک جاؤ" — ابوسفیان نے اُسے کہا — "کیا تم نے کل عکرمہ کے سواروں کا انجام نہیں دیکھا؟ اب مسلمانوں نے وہاں پہرے کا اور زیادہ مضبوط انتظام کر دیا ہوگا۔"

"کیا یہ بہتر نہیں کہ لڑے بغیر واپس جانے کی بجائے تم میری لاش میرے گھوڑے پر رکھ کر لے جاؤ" — خالد نے کہا — "اگر ہم ایک دوسرے کے انجام سے ڈرنے لگے تو وہ دن بہت جلد طلوع ہوگا جب ہم مسلمانوں کے غلام ہوں گے۔"

"میں تمہیں نہیں روکوں گا میرے دوست!" — عکرمہ نے خالد سے کہا — "لیکن میری ایک بات سن لو۔ اگر تم میری شکست کا انتقام لینے جا رہے ہو تو رک جاؤ۔ اگر تمہیں قریش کی عظمت عزیز ہے تو ضرور جاؤ۔"

آج مدینہ کی طرف جاتے ہوئے خالد کو وہ لمحے یاد آ رہے تھے۔ اُسے نہ اُس وقت یہ خیال آیا تھا نہ آج کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خندق عبور کر کے بھی مارا جائے گا، نہ عبور کر سکا تو بھی مارا جائے گا، کیوں خندق کی طرف چل پڑا تھا۔

وہ ۱۶ مارچ ۶۲۷ء کے دن کا تیسرا پہر تھا۔ خالد چند ایک منتخب سواروں کے ساتھ خندق کی طرف بڑھا۔ اُس نے خندق پھلانگنے کے لیے کچھ فاصلے سے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی مگر اس مقام کے پہرے پر جو مسلمان کہیں چھپے بیٹھے تھے، انہوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ خالد نے لگام کو پوری طاقت سے کھینچا اور اُس کا گھوڑا خندق کے عین کنارے پر جا رُکا۔ خالد نے گھوڑے کو پیچھے موڑا اور اپنے تیراندازوں کو بلایا۔ اُس نے سوچا تھا کہ اُس کے تیرانداز مسلمانوں پر تیر پھینکتے چلے جائیں گے جس سے مسلمان سر نہیں اٹھائیں گے اور وہ خندق پھلانگ لے گا لیکن مسلمانوں نے تیراندازی میں اضافہ کر دیا۔ مسلمان تیروں کی بوچھاڑوں میں تیر چلا رہے تھے۔ خالد کو پسپا ہونا پڑا۔

خالد اس انداز سے اپنے سواروں کو وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف چل پڑا جیسے اُس نے خندق پر ایک اور حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔ مؤرخین جن میں ابن ہشام اور ابن سعد قابلِ ذکر ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ خالد کی ایک چال تھی۔ اُس نے چلتے چلتے اپنے سوار جیش میں مزید سوار شامل کر لیے۔ اُس نے سوچا یہ تھا کہ اُسے پسپا ہوتے دیکھ کر مسلمان پہرے دار اِدھر اُدھر ہو جائیں گے۔ اُس نے اُدھر دیکھا۔ وہاں اُسے کوئی پہرے دار نظر نہ آیا۔ اُس نے اپنے دستے کو خندق کے کم چوڑائی والے مقام کی طرف موڑ کر

دوڑا دیا۔

خالد کی یہ چال صرف اس حد تک کامیاب رہی کہ اُس کے تین چار گھوڑ سوار خندق پھلانگ گئے۔ ان میں خالد سب سے آگے تھا۔ مسلمان پہرہ داروں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ قریش کے جو سوار ابھی خندق کے پار تھے، اُن پر مسلمانوں نے اتنے تیر برسائے کہ انہیں پسپا ہونا پڑا۔ خالد اور اُس کے سواروں کے لیے مسلمانوں کے گھیرے سے نکلنا بہت مشکل ہو گیا۔ یہ زندگی اور موت کا معرکہ تھا جو خالد نے گھوڑا دوڑا دوڑا کر اور پینترے بدل بدل کر لڑا۔ اُس کے سوار بھی تجربہ کار اور پھرتیلے تھے۔ اُن میں سے ایک مارا گیا۔ خالد اب دفاعی معرکہ لڑ رہا تھا۔ اُس نے کئی مسلمانوں کو زخمی کیا جن میں سے ایک شہید ہو گیا۔ آخر اُسے نکلنے کا موقع مل گیا اور اُس کا گھوڑا خندق کو پھلانگ آیا۔ اُس کے جو سوار زندہ رہ گئے تھے وہ بھی خندق پھلانگ آئے۔

اس کے بعد قریش میں سے کسی نے بھی خندق کے پار جانے کی جرأت نہ کی۔ عکرمہ اور خالد کی ناکامی کے بعد قریش اور اُن کے دیگر اتحادی قبائل کے لشکر میں مایوسی جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھی اور بڑھ گئی۔ خوراک نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ ابُوسفیان جو اپنے اور دیگر تمام قبائل کے لشکر کا سالارِ اعلیٰ تھا، پہلے ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھا تھا۔ خالد، عکرمہ اور صفوان نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ اُن کا لشکر زندہ دلیلہ ہے، یہ کارروائی جاری رکھی کہ وقتاً فوقتاً خندق کے قریب جا کر مسلمانوں کی خیمہ گاہ پر تیر برساتے رہے۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے تیراندازوں کو خندق کے قریب پھیلا دیا جو اہلِ قریش کے تیراندازوں پر جوابی تیراندازی کرتے رہے۔ تیروں کے تبادلے کا یہ سلسلہ صرف ایک دن صبح سے شام تک چلا۔

اہلِ قریش اور غطفان اور دیگر قبائل جس محمدؐ کو شکست دینے آئے تھے، وہ محمدؐ کسی ملک کے بادشاہ نہیں تھے۔ وہ خدا کے رسولؐ تھے۔ خدا نے انہیں ایک عظیم پیغام دے کر رسالتؐ عطا کی تھی۔ آپؐ نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا اپنے رسولؐ کو کیسے مایوس کرتا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے اندر مسلمانوں کی عورتیں اور بچے دن رات اپنی کامیابی اور نجات کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ یہ دعائیں رائیگاں کیسے جاتیں۔

۱۸ مارچ ۶۲۷ء بروز منگل مدینہ کی فضا خاموش ہو گئی۔ سردی خاصی تھی۔ ہوا بند ہو گئی۔ موسم خوشگوار ہو گیا لیکن یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔ اچانک آندھی آ گئی جو اس قدر تیز و تند تھی کہ خیمے اُڑنے لگے۔ جھکڑ بڑے ہی سرد تھے۔ آندھی کی تُندی اور اس کی چیخوں سے گھوڑے اور اونٹ بھی گھبرا گئے اور رسیاں تڑوانے لگے۔

مسلمانوں کی اجتماع گاہ سلع کی پہاڑی کی اوٹ میں تھی اس لیے آندھی انہیں اتنا پریشان نہیں کر رہی تھی جتنا مکہ کے لشکر کو۔ قریش کھلے میدان میں تھے۔ آندھی اُن کا سامان اُڑا رہی تھی۔ خیمے اُڑ گئے یا لپیٹ دیئے گئے تھے۔ لشکر کے سردار اور سپاہی اپنے اوپر کمبل وغیرہ ڈال کر بیٹھ گئے۔ جو آگ کے پاس تھا۔ اُن کے لیے یہ آندھی خدا کا قہر بن گئی تھی۔ اس کی چیخوں میں قہر اور غضب تھا۔

ابُوسفیان برداشت نہ کر سکا۔ وہ اٹھا۔ اُسے اپنا گھوڑا نظر نہ آیا۔ قریب ہی ایک اونٹ بیٹھا تھا۔ ابُوسفیان اونٹ پر چڑھ بیٹھا اور اسے اٹھایا۔ مورخ ابنِ ہشام کی تحریر کے مطابق ابُوسفیان بلند آواز سے چلانے لگا:

”اے اہلِ قریش.... اے اہلِ غطفان! کعب بن اسد نے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ آندھی ہمارا بہت نقصان کر چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنا بہت خطرناک ہے۔ مکہ کو کوچ کرو.... میں جا رہا ہوں میں جا رہا ہوں۔“

اُس نے اونٹ کو مکہ کی طرف دوڑا دیا۔

خالد کو آج وہ منظر یاد آ رہا تھا۔ تمام لشکر جسے مکہ سے مدینہ کی طرف کُوچ کرتے دیکھ کر اُس کا سینہ فخر سے پھیل گیا اور سر اونچا ہو گیا تھا، ابُوسفیان کے پیچھے پیچھے ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح جا رہا تھا۔ خالد اور عمرو بن العاص نے اپنے طور پر سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے مسلمان عقب سے حملہ کر دیں چنانچہ انہوں نے اپنے سوار دستوں کو اپنے قابو میں رکھ کر لشکر کے عقب میں رکھا تھا۔ ابُوسفیان نے ایسے حفاظتی انتظام کی سوچی ہی نہیں تھی۔

اس پسپا ہوتے لشکر میں وہ آدمی نہیں تھے جو مارے گئے تھے ـــــ اور اِس لشکر میں نعیمؓ بن مسعود بھی نہیں تھے۔ قریش کا لشکر چلا تو نعیمؓ آندھی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خندق میں اُتر گئے اور رسولِ کریمؐ کے پاس پہنچ گئے تھے۔

آج خالد مدینہ کی طرف اُسی راستے پر جا رہا تھا جس راستے سے اُس کا لشکر ناکام واپس گیا تھا۔ اُسے شیخین کی پہاڑی نظر آنے لگی تھی۔

آندھی نے تاریخِ اسلام کا رُخ موڑ دیا۔

آندھی نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ خدا حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دشمنوں کی پسپائی تنکوں کی مانند تھی جو آندھی میں اُڑے جاتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی خبر نہیں ہوتی۔

خالد کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ مسلمان تعاقب کریں گے لیکن مسلمانوں نے تعاقب کی سوچی ہی نہیں تھی۔ اس آندھی میں تعاقب اور لڑائی مسلمانوں کے خلاف بھی جا سکتی تھی۔ جس دشمن کو خدا نے بھگا دیا تھا اُس کے پیچھے جانا دانش مندی نہیں تھی۔ البتہ رسول اللہؐ کے حکم سے چند ایک آدمیوں کو بلندیوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا کہ وہ دشمن پر نظر رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن کہیں دُور جا کر رُک جائے اور منظم ہو کر واپس آ جائے۔

آندھی اتنی مٹی اور ریت اُڑا رہی تھی کہ تھوڑی دُور تک بھی کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بہت دیر بعد تین چار مسلمان گھوڑ سوار اُس جگہ سے خندق پھلانگ گئے جہاں سے عکرمہ اور خالد کے گھوڑوں نے خندق پھلانگی تھی۔ وہ دُور تک چلے گئے۔ انہیں اڑتی ہوئی گرد اور ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہ آیا۔ وہ رُک گئے لیکن واپس نہ آئے۔

شام سے کچھ دیر پہلے آندھی کا زور ٹوٹ گیا اور جھکڑ تھم گئے۔ فضا صاف ہو گئی اور نظر دُور تک کام کرنے لگی۔ دُور اُفق پر زمین سے گرد کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ وہ اہلِ قریش اور اُن کے اتحادی قبائل کی پسپائی کی گرد تھی جو ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں میں بڑی صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ گرد مکہ کو جا رہی تھی۔ تعاقب میں جانے والے مسلمان سوار اُس وقت واپس آئے جب رات بہت گہری ہو چکی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"خدا کی قسم!" ــــ اُنہوں نے واپس آکر بتایا ــــ "وہ جو ہمارے عقیدے کو توڑنے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے آئے تھے، وہ مدینہ سے اتنی دہشت لے کر گئے ہیں کہ رُکے نہیں رہے، کہیں پڑاؤ نہیں کر رہے۔ کیا راتوں کو مسافر پڑاؤ نہیں کیا کرتے؟ کیا لشکر راتوں کو بھی چلتے رہتے ہیں؟.... وہی چلتے رہتے ہیں جو منزل تک بہت جلدی پہنچنا چاہتے ہوں۔"

احادیث اور مؤرّخوں کی تحریروں کے مطابق رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو جب یقین ہوگیا کہ دشمن گھبراہٹ کے عالم میں بھاگا ہے اور ایسا امکان ختم ہو چکا ہے کہ وہ منظّم ہو کر واپس آجائے، تب آپؐ نے کمر سے تلوار کھولی، خنجر اتار کر رکھ دیا اور اللہ کا شکر ادا کر کے غسل کیا۔

اس رات کی کوکھ سے جس صبح نے جنم لیا وہ مدینہ والوں کے لیے فتح و نصرت اور مسرّت و شادمانی کی صبح تھی۔ ہر طرف اللہ اکبر اور خوشیوں کے نعرے تھے سب سے زیادہ خوشی عورتیں اور بچّے منا رہے تھے جنہیں چھوٹے چھوٹے قلعوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ خوشی سے چیختے چلّاتے باہر نکلے۔ مدینے کی گلیوں میں مسلمان بہت مسرور پھر رہے تھے۔

فتح کے اس جشن میں بنو قریظہ کے یہودی بھی شامل تھے۔ رسولِ کریمؐ نے اُنہیں امن و امان میں رہنے کے عوض کچھ مراعات دے رکھی تھیں۔ ظاہری طور پر وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کا دوست کہتے اور دوستوں کی طرح رہتے تھے۔ اہلِ قریش کی پسپائی پر وہ مسلمانوں کی طرح خوشیاں منا رہے تھے لیکن اُن کا سردار کعب بن اسد اپنے قلعہ نما مکان میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس اپنے قبیلے کے تین سرکردہ یہودی بیٹھے تھے اور اُس وقت کی غیر معمولی طور پر حسین یہودن یوحاوہ بھی وہاں موجود تھی۔ وہ گذشتہ شام اہلِ قریش کی پسپائی کی خبر سُن کر آئی تھی۔

"کیا یہ اچھا نہیں ہُوا کہ ہم نے مسلمانوں پر حملے نہیں کیے؟" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "مجھے نعیمؓ بن مسعود نے اچھا مشورہ دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش سے معاہدے کی ضمانت کے طور پر چند آدمی یرغمال کے لیے مانگو۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ قریش اس سے دُگنا لشکر لے آئیں تو بھی خندق عبور نہیں کر سکتے۔ میں نے نعیمؓ کا مشورہ اس لیے قبول کر لیا تھا کہ وہ اہلِ قریش میں سے ہے۔"

"وہ اہلِ قریش میں سے نہیں" ــــ ایک یہودی نے کہا ــــ "وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے۔"

"خدائے یہودہ کی قسم، تمہاری بات سچ نہیں ہو سکتی" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "وہ اہلِ قریش کے ساتھ آیا تھا۔"

"مگر اُن کے ساتھ گیا نہیں" ــــ اُسی یہودی نے کہا ــــ "میں نے کل شام اُسے مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ دیکھا ہے۔ اُس وقت تک اہلِ قریش کا لشکر مدینہ سے بہت دُور جا چکا تھا۔"

"پھر تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ محمدؐ کے پیروکاروں میں سے ہے؟" ــــ کعب نے کہا ــــ "میں ایسی بات کو کیوں سچ مانوں جو تم نے کسی سے پوچھی نہیں؟"

"میں نے اپنے ایک مسلمان دوست سے پوچھا تھا" ــــ یہودی نے کہا ــــ "میں نے نعیمؓ کو دیکھ کر کہا تھا، کیا مسلمان اہلِ قریش کے جنگی قیدیوں کو اب کھُلا رکھتے ہیں؟.... میرے دوست نے

جواب دیا تھا کہ نعیمؓ کبھی کا اسلام قبول کر چکا ہے۔ اُسے مدینہ میں آنے کا موقع اب ملا ہے۔"

"پھر اُس نے ہمیں مسلمانوں سے نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہم سے بچایا ہے" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "اُس نے جو کچھ بھی کیا ہے، ہمارے لیے اچھا ثابت ہُوا ہے۔ اگر ہم قریش کی بات مان لیتے تو...."

"تو مسلمان ہمارے دشمن ہو جاتے" ــــ ایک اور یہودی نے کہا ــــ "تم یہی کہنا چاہتے ہو نا، کعب! مسلمان پھر بھی ہمارے دشمن ہیں ہمیں محمدؐ کے نئے مذہب کو یہیں پر ختم کرنا ہے ورنہ محمدؐ ہمیں ختم کرا دے گا۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ یہ مذہب جسے یہ لوگ اسلام کہتے ہیں، کتنی تیزی سے مقبول ہوتا جا رہا ہے؟" ــــ تیسرے یہودی نے جو معمّر تھا، کہا ــــ "ہمیں اس کے آگے بند باندھنا ہے۔ اسے روکنا ہے۔"

"لیکن کیسے؟" ــــ کعب بن اسد نے پوچھا۔

"قتل!" ــــ معمّر یہودی نے کہا ــــ "محمدؐ کا قتل!"

"ایسی جرأت کون کرے گا؟" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "تم کہو گے کہ وہ ایک یہودی ہو گا۔ اگر وہ محمدؐ کے قتل میں ناکام ہو گیا تو بنو قینقاع اور بنو نضیر کا انجام دیکھ لو مسلمانوں نے انہیں جس طرح قتل کیا ہے اور ان میں سے زندہ بچ رہنے والے جس طرح دور دراز کے ملکوں کو بھاگ گئے ہیں وہ نہ بھُولو۔"

"خدائے یہودہ کی قسم!" ــــ معمّر یہودی نے کہا ــــ "میری عقل تم سے زیادہ کام نہیں کرتی تو تم سے کم بھی نہیں۔ تم نے جو آج سوچا ہے وہ میں اور لیث بن موشان بہت پہلے سوچ چکے ہیں۔ کوئی یہودی محمدؐ کو قتل کرنے نہیں جائے گا۔"

"پھر وہ کون ہو گا؟"

"وہ قبیلہ قریش کا ایک آدمی ہے" ــــ بُوڑھے یہودی نے جواب دیا ــــ "لیث بن موشان نے اُسے تیار کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام کر دیا جائے۔"

"اگر تم لوگ بھول نہیں گئے کہ میں بنو قریظہ کا سردار ہُوں تو میں اُس کام کی اجازت کیسے دے سکتا ہُوں جو مجھے معلوم ہی نہ ہو کہ کیسے کیا جائے گا" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "اور مجھے کون بتائے گا کہ اُس آدمی کو اتنے خطرناک کام کے لیے کیسے تیار کیا گیا ہے؟ کیا اُسے ابُوسفیان نے تیار کیا ہے؟ خالد بن ولید نے تیار کیا ہے؟"

"سنو کعب!" ــــ بوڑھے یہُودی نے کہا اور یہودی حسینہ یوحاوہ کی طرف دیکھا۔

"میں یہ بات لیث بن موشان کی موجودگی میں سناؤں تو کیا اچھا نہ ہو گا؟" ــــ یوحاوہ نے کہا ــــ "اُس بات میں اس بزرگ کا عمل دخل زیادہ ہے۔"

"ہم اُس بُوڑھے جادوگر کو کہاں سے بلائیں؟" ــــ کعب بن اسد نے کہا ــــ "ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"وہ نہیں ہے" ـــــ بوڑھے یہودی نے کہا ـــــ "ہم اُسے ساتھ لاتے ہیں اور ہم اُسے بھی ساتھ لاتے ہیں جو محمدؐ کو قتل کرے گا۔ اب ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم سب کو امید تھی کہ قریش، غطفان اور ان کے دوست قبائل اسلام کا نام و نشان مٹا دیں گے مگر ہر میدان میں انہوں نے شکست کھائی۔ ہم نے انہیں مدینہ پر حملے کے لیے اُکسایا تھا۔ وہ یہاں سے بھی بھاگ نکلے.... خدائے یہوہ کی قسم، کعب! تم نے مسلمانوں پر عقب سے حملے نہ کر کے بہت بُرا کیا ہے۔"

"میں اس کی وجہ بتا چکا ہوں" ـــــ کعب بن اسد نے کہا۔

"وجہ صحیح تھی یا غلط!" ـــــ معمّر یہودی نے کہا ـــــ "وقت ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اب ہم قریش کی فتح کا انتظار نہیں کر سکتے" ـــــ اُس نے یوحاوہ سے کہا ـــــ "لیث بن موشان کو بلاؤ.... دوسرے کو ابھی باہر رکھو۔"

یوحاوہ کمرے سے نکل گئی۔ واپس آئی تو اُس کے ساتھ لیث بن موشان تھا۔ وہ ایک بوڑھا یہودی تھا جس کی عمر ستّر اور اسّی برس کے درمیان تھی۔ اُس کے سر اور داڑھی کے بال دودھ کی طرح سفید ہو چکے تھے۔ داڑھی بہت لمبی تھی۔ اُس کے چہرے کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اُس نے اونٹ کے رنگ کی قبا پہن رکھی تھی۔ اُس کے ہاتھ میں لمبا عصا تھا جو اُوپر سے سانپ کے پھن کی طرح تراشا ہُوا تھا۔

لیث بن موشان کو یہودیوں میں جادوگر کے نام سے شہرت حاصل تھی۔ شعبدہ بازی اور کالے علم میں وہ مہارت رکھتا تھا۔ وہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان کسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ اُس کے متعلق بہت سی روایات مشہور تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ مُردے کو تھوڑی سی دیر کے لیے زندہ کر سکتا ہے اور وہ کسی بھی مرد یا عورت کو اپنے تابع کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ یہودی اُسے اپنا پیر و مرشد سمجھتے تھے۔ وہ جہاندیدہ اور عالم فاضل تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہُوا تو سب اُس کی تعظیم کو اُٹھے۔ وہ جب بیٹھ گیا تو سب بیٹھے۔

"خاندانِ موشان کی عظمت سے کون واقف نہیں" ـــــ کعب بن اسد نے کہا ـــــ "خدائے یہودہ کی قسم، ہم میں سے کوئی بھی آپ کو یہاں بلانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یوحاوہ شاید آپ کو لے آئی ہے۔"

"میں پیغمبر نہیں کعب بن اسد!" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "میں یہ خوبصورت الفاظ سننے کا عادی نہیں اور تعظیم و احترام کا وقت بھی نہیں۔ کوئی نہ بلاتا تو بھی مجھے آنا تھا۔ تم لوگ اپنے فرض کی ادائیگی میں بہت وقت ضائع کر چکے ہو۔ تم سے یہ لڑکی اچھی ہے جس نے وہ کام کر دیا ہے جو تمہیں کرنا چاہیئے تھا۔"

"معزز موشان!" ـــــ کعب بن اسد نے کہا ـــــ "ہم نے ابھی اس انتہائی اقدام کی سوچی نہیں تھی۔ اگر ہم محمدؐ کے قتل جیسا خوفناک ارادہ کرتے بھی تو یوحاوہ کو استعمال نہ کرتے۔ ہم اتنی خوبصورت اور ایسی جوان لڑکی کو استعمال نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "کیا تم فراموش کر بیٹھے ہو کہ ساری دنیا پر خدائے یہودہ کی حاکمیّت ہوگی؟.... داؤد کے ستارے کی قسم، بنی نوعِ انسان پر بنی اسرائیل کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ہم سب کو قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ہمیں انسان کی فطری کمزوریوں کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مرد کیا چاہتا ہے؟.... اعلیٰ نسل کے بیس گھوڑے اور بیس غلام یوحاوہ کے ساتھ کھڑے کر دو۔ کسی سے بھی کہو کہ اُسے جو پسند ہے وہ لے جائے۔ داؤد کے ستارے کی قسم، وہ آدمی بیس گھوڑے اور بیس غلام چھوڑ دے گا اور یوحاوہ کو لے جائے گا۔"

اس محفل پر خاموشی طاری رہی۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میری بات نہیں سمجھ سکے" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "تمہارے دماغوں میں اپنی بیٹیوں کی عصمت سمائی ہوئی ہے.... میری بات غور سے سنو۔ عصمت کا شرم و حیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ہتھیار ہے جو ہمیں اپنے دشمنوں کو بیکار کرنے کے لیے استعمال کرنا ہے۔ بدی کیا ہے؟ نیکی کیا ہے؟.... میں جانتا ہوں تم مجھے کیا جواب دو گے۔ یہ جواب صحیح ہوگا لیکن جب تم دنیا کے کونے کونے تک یہودیّت کو پہنچانے کی بات کرو گے تو بدی اور نیکی کے معنی بدل جائیں گے۔ محمدؐ برائی اور بدی کو ختم کر رہا ہے۔ ہمیں برائی اور بدی پیدا کرنی ہے مگر ہم خود بُرے اور بدکار نہیں ہوں گے۔ اگر تم روئے زمین پر پھیلی ہوئی نسلِ انسانی کو اپنی غلامی کے جہنّم میں ڈالنا چاہتے ہو تو غیر یہودیوں کو جنّت دکھاؤ۔ انہیں جنّت کی حُوریں دکھاؤ۔ اُنہیں میٹھی شراب پلاؤ ـــــ یہ لوگ بدمست حیوان ہیں۔ ان میں اور زیادہ حیوانیت پیدا کرو۔ یہ مت سوچو کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ یہ دیکھو کہ یہودیّت کی حاکمیت کے لیے کیا اچھا ہے، خواہ وہ بُرا ہی ہو" ـــــ اُس نے یوحاوہ کی طرف دیکھا اور بولا ـــــ "انہیں بتاؤ یوحاوہ، انہیں سمجھاؤ۔"

یوحاوہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور اُس نے ایک کہانی سنا دی۔

یہ کہانی چند ماہ پہلے مکّہ سے شروع ہوئی تھی۔ یوحاوہ نے شرم و حجاب کے بغیر سب کو سنایا کہ وہ قریش کے تین نامور سالاروں ـــــ خالد، عکرمہ اور صفوان ـــــ کو اپنے حسن و جوانی کے طلسم میں الگ الگ گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے انہیں آپس میں ٹکرانے کی سوچی تھی لیکن ان میں کوئی بھی اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ اُس نے یہ بھی سوچا تھا کہ وہ تینوں کے دلوں میں اپنے سردار ابوسفیان کی نفرت پیدا کر دے گی۔

".... لیکن خالد پتھر ثابت ہُوا" ـــــ یوحاوہ نے کہا ـــــ "اُس نے مجھے دھتکارا نہیں لیکن وہ دلچسپی بھی ظاہر نہ کی جس کی مجھے توقع تھی۔ میرا خیال ہے عکرمہ اور صفوان پر خالد کا ہی اثر ہے۔ یہ تینوں جنگ و جدل کے دلدادہ ہیں۔ اس کے سوا کچھ سوچتے ہی نہیں۔"

یوحاوہ مایوس نہ ہوئی۔ اُس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ خالد سے اس نے توجہ جلدی ہٹالی کیونکہ اُس کے دماغ میں یہی ایک سودا سمایا ہُوا تھا کہ مسلمانوں کو میدان میں شکست دینی ہے اور رسولِ اکرمؐ کو میدانِ جنگ میں یا جنگی قیدی بنا کر قتل کرنا ہے۔

ایک روز یوحاوہ مکّہ سے چار میل دُور ایک گاؤں میں گئی اور دن کے پچھلے پہر وہاں سے واپس چلی۔ اُس کے ساتھ دو لڑکیاں اور تین آدمی تھے۔ وہ سب یہودی تھے اور دو گھوڑوں والی گاڑی پر سوار تھے۔ ابھی آدھا راستہ بھی طے نہیں ہُوا تھا کہ وہ صحرائی آندھی آگئی جو ریت کے ٹیلوں کو اڑا لے جاتی ہے۔ ایک تو اُس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ تنومند آدمی بھی پاؤں جما کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اگر جسم کا کوئی حصہ ننگا رہ جائے تو ریت اتنی زور سے ٹکراتی ہے کہ کھال اُترتی محسوس ہوتی ہے۔ اونٹ گھوڑے بے قابو

ہو کر بھاگ اٹھتے ہیں۔

اچانک ریت کی ایک دیوار جو زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی تھی بڑی تیزی سے آئی اور ان یہودیوں کی گھوڑا گاڑی کو اس دیوار نے نگل لیا۔ فضا لال ہو گئی۔ ریت کے تھپیڑے اتنی زور سے پڑنے لگے جیسے بحری طوفان میں موجیں اُٹھ اُٹھ کر کشتی میں پڑتی اور کشتی کو پٹختی ہیں۔ ٹیلے جڑوں سے اکھڑنے لگے۔ صحرائی آندھی میں رک کر کھڑے ہو جانا بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ ریت اس طرح جسم سے ٹکرا کر وہیں اکٹھی ہونے لگتی ہے جیسے کوئی بیلچے سے ریت پھینک رہا ہو۔ کچھ دیر بعد وہاں ریت کی اونچی ڈھیری بن جاتی ہے اور اس میں ایک انسان دفن ہوتا ہے مگر وہ زندہ رہ نہیں سکتا۔

"آندھی ہمارے پہلو کی طرف سے آئی تھی" — یوحاوہ نے سنایا — "گھوڑے ریت سے لدے ہوئے جھکڑ برداشت نہ کر سکے اور بے لگام ہو گئے۔ انہوں نے اپنا رُخ آندھی کے رُخ کے مطابق کر لیا اور سرپٹ دوڑ پڑے۔ آگے چھوٹے بڑے گڑھے آ گئے۔ گھوڑا گاڑی بڑی زور سے اچھلتی، ڈولتی اور بے لگام گھوڑوں کے رحم و کرم پر اُڑی جا رہی تھی۔ گاڑی کے اندر اس قدر ریت آ رہی تھی کہ اپنا آپ بھی نظر نہیں آتا تھا....

"ایک جگہ گاڑی کے ایک طرف کے پہیے گڑھے میں چلے گئے یا دوسری طرف کے پہیے اونچی جگہ چڑھ گئے۔ گاڑی ایک طرف سے اتنی اوپر اٹھ گئی کہ اس کا پہلو کے بل گرنا یقینی تھا لیکن گاڑی نہ گری۔ اسے اتنا سخت جھٹکا لگا کہ میں جو اُس طرف بیٹھی تھی، لڑھک کر باہر جا پڑی۔ گاڑی آگے نکل گئی۔ میں قلابازیاں کھاتی گئی۔ سنبھل کر اٹھی اور اپنے ساتھیوں کو پکارا مگر آندھی کے زنّاٹوں اور اس کی چیخوں میں اپنی آواز مجھے بھی مشکل سے سنائی دے رہی تھی۔ میرے ساتھ گاڑی میں جو بیٹھے تھے، انہوں نے شاید مجھے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھا تھا تو اُن میں سے کسی نے اتنی ہمّت نہ کی کہ میرے پیچھے کود آتا تاکہ میں تنہا نہ رہتی....

"میں اتنی خوفزدہ کبھی نہیں ہوئی تھی اور میں ایسی خوفناک آندھی میں بھی کبھی نہیں پھنسی تھی۔ آندھی میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میرے پیچھے کوئی راستہ نہیں تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ گھوڑے صحیح راستے سے ہٹ کر نہ جانے گاڑی کو کس طرف لے آئے تھے۔ میں چہرے پر کپڑا ڈالے آندھی کے رُخ میں جا رہی تھی۔ پاؤں جمتے نہیں تھے۔"

یوحاوہ کو آندھی دھکیلتی لے جا رہی تھی۔ اچانک آندھی کی چیخیں بہت ہی بلند اور ڈراؤنی ہو گئیں۔ یوحاوہ پہلے نیچے گئی۔ وہ گھاٹی تھی جو وہ آندھی کے زور پر اُتر گئی، پھر وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ یہ ریتلی مٹی کی دیوار تھی۔ یوحاوہ اس پر ہاتھ رکھ رکھ کر آگے چلتی گئی۔ یہ نشیبی جگہ تھی جس میں مٹی کے ٹیلے اور ٹنڈ منڈ سے صحرائی درخت بھی تھے۔ یہاں آندھی کی چیخیں ایسی ہو گئی تھیں جیسے بہت سی عورتیں چیخ چلّا رہی ہوں۔ بعض چیخیں آندھی کی لگتی ہی نہیں تھیں۔ یہ انسانوں کی بھی نہیں لگتی تھیں۔ یہ چڑیلوں یا درندوں کی معلوم ہوتی تھیں۔

یہ یہودی حسینہ جو اپنے آپ کو نڈر اور دلیر سمجھتی تھی، خوف سے رو پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ آندھی

تھم جائے گی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کسی کے ہاتھ چڑھ گئی تو وہ اُسے اُس کے گھر نہیں اپنے گھر لے جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی اُسے خراب کر کے قتل کر جائے۔ رات آ رہی تھی۔ بھیڑیوں کا خطرہ الگ تھا۔ کوئی اور خطرہ نہ ہوتا تو یہ خطرہ موجود تھا کہ وہ مکّہ کے راستے سے بھٹک آئی ہے۔ صحرا میں راستے کی تلاش ناممکن ہوتی ہے۔ بھٹکے ہوئے مسافر کا انجام موت ہوتا ہے۔ وہ تھکن سے نہیں پیاس سے مرتا ہے۔

اُسے اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز آئی۔ اُس کی دہشت زدگی بڑھ گئی لیکن اسے آندھی کی آواز سمجھ کر اُس نے دل کو تسلّی دے لی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ مٹی کی دیوار پر ہاتھ رکھ رکھ کر جا رہی تھی۔ یہ دیوار بہت بڑا ٹیلہ تھا جو آگے جا کر گھوم گیا۔ اونٹ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی اب یہ آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ اتنی قریب سے کہ یوحاوہ رُک کر پیچھے ہٹ آئی۔ اب اُسے شک نہ رہا۔ یہ اونٹ کی ہی آواز تھی۔

اونٹ اکیلا نہیں ہو سکتا تھا۔ دو تین آدمیوں کا وہاں ہونا ضروری تھا۔ یہ آدمی اُس کے ہمدرد تو نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ گناہ اور بدی کا دور تھا۔ یوحاوہ نے وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن کس طرف؟ کہاں؟ وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ آندھی ٹیلوں اور خشک درختوں کے درمیان سے گزر کر ہیبت ناک چیخیں پیدا کر رہی تھی۔ یوحاوہ کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔ اُسے اپنے اُن آدمیوں پر غصہ آنے لگا جن کے ساتھ وہ گھوڑا گاڑی میں جا رہی تھی۔ انہیں اتنا بھی پتہ نہ چلا کہ وہ گاڑی سے گر گئی ہے۔

کوئی طاقت تھی جو اُسے دھکیل کر ایک طرف لے گئی۔ وہاں سے دیوار کی طرح سیدھا کھڑا ٹیلہ اندر کو چلا گیا تھا۔ یہ بڑی اچھی اوٹ تھی۔ وہ آندھی کے تھپیڑوں سے محفوظ ہو گئی۔ وہاں تین چار گز دور تک وہ دیکھ بھی سکتی تھی۔ اُسے اونٹ نظر نہیں آ رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ وہ اور اندر گئی تو ایک غار کا دہانہ دکھائی دیا لیکن اُس نے اندر جانے کی جرأت نہ کی۔ وہ رُک گئی۔

"اندر آ جاؤ" — اُسے ایک آدمی کی آواز سنائی دی — "باہر کیوں کھڑے ہو بھائی! اندر آ جاؤ۔"

یوحاوہ کی بے اختیار چیخ نکل گئی اور وہ پیچھے کو دوڑی۔ جوں ہی وہ اس اوٹ سے باہر نکلی، آندھی نے اُس پر اس طرح ریت پھینکی جیسے کسی نے بیلچے سے پھینکی ہو۔ یوحاوہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ ایک آدمی جو پیچھے سے آیا تھا، اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"اوہ.... تم عورت ہو" — اُس آدمی نے پوچھا — "اکیلی ہو؟ تم اکیلی نہیں ہو سکتیں۔"

"میرے ساتھ چار آدمی ہیں" — یوحاوہ نے اپنا چہرہ اوڑھنی میں چھپا کر کہا — "اُن کے پاس گھوڑے ہیں۔ اُن کے پاس تلواریں اور برچھیاں ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ؟" — اُس آدمی نے کہا — "تم اُن سے الگ ہو کر ادھر کیوں آئی تھیں؟..... انہیں ادھر لے آؤ۔ بڑا اچھا غار ہے۔ ہم سب آسانی سے اس میں بیٹھ سکیں گے۔"

یوحاوہ وہاں سے نہ ہلی۔ اُس آدمی نے اُسے تین بار کہا کہ وہ اُن آدمیوں کو ساتھ لے آئے لیکن یوحاوہ کی زبان بند ہو گئی تھی۔ اُس آدمی نے جھپٹا مار کر یوحاوہ کی اوڑھنی کھینچ لی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تم اُس یہودی کی بیٹی نہیں ہو؟" ــــ اُس آدمی نے پوچھا اور یوحاوہ کے باپ کا نام لے کر بولا ــــ "تم اکیلی ہو؟"

"ہاں میں اکیلی ہوں" ــــ یوحاوہ نے روتی ہوئی آواز میں کہا ــــ "مجھ پر رحم کرو۔"

یوحاوہ نے اُسے بتادیا کہ یہاں کس طرح پہنچی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ" ــــ اُس آدمی نے کہا اور یوحاوہ کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے ساتھ لے چلا۔

"ذرا رُکو" ــــ یوحاوہ نے کہا ــــ "تم کتنے آدمی ہو؟ .... کیا تم مجھ پر رحم نہیں کرو گے؟ .... تم قبیلۂ قریش کے آدمی ہو شاید!"

"میں اکیلا ہوں" ــــ آدمی نے کہا ــــ "اور میرا قبیلہ قریش ہی ہے میں تم پر رحم ہی کر رہا ہوں۔"

"میں نے تمہیں مکّہ میں اکثر دیکھا ہے" ــــ یوحاوہ نے کہا ــــ "تمہارے نام سے میں واقف نہیں۔"

"میں جرید بن مسیّب ہوں .... میرے ساتھ آؤ۔"

"پھر تم مجھے گھر تک پہنچا دو گے؟" ــــ یوحاوہ نے پوچھا ــــ "میں تمہیں ناراض نہیں کروں گی۔"

اونٹ جس کی آوازیں یوحاوہ نے سُنی تھیں وہ جرید بن مسیّب کا تھا جو باہر کہیں بیٹھا تھا۔ جرید یوحاوہ کو غار میں لے گیا۔ جرید دراز قد، گٹھے ہوئے جسم اور دل کش چہرے مہرے والا جوان آدمی تھا۔ اُس نے غار میں لے جاکر یوحاوہ کو پانی پلایا اور ایک تھیلی اُس کے آگے رکھ دی جس میں کھجوریں تھیں۔

"خاموشی سے بیٹھی رہو" ــــ جرید نے کہا ــــ "آندھی کا زور ٹوٹ رہا ہے۔ میں تمہیں گھر پہنچا دوں گا" ــــ ذرا خاموش رہ کر اُس نے یوحاوہ سے پوچھا ــــ "تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں تمہیں ناراض نہیں کروں گی؟"

"تم مجھے گھر پہنچانے کا معاوضہ لو گے" ــــ یوحاوہ نے کہا ــــ "میں اور کیا معاوضہ دے سکتی ہوں؟"

"میں کوئی معاوضہ نہیں لوں گا" ــــ جرید نے کہا ــــ "میں اُن میں سے نہیں ہوں۔ اگر میں نے تمہیں کسی سے لڑ کر چھینا ہوتا تو تم میرا انعام ہوتیں مگر تم نے مجھ سے رحم مانگا ہے۔ رحم کرنے کا معاوضہ کون لیتا ہے؟"

یوحاوہ اُس کے منہ کی طرف دیکھتی رہی۔ جرید بن مسیّب لیٹ گیا۔ یوحاوہ نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یقین ہو گیا کہ جرید کی نیّت میں خرابی نہیں۔ وہ تو اُس کے ساتھ کُھل کر بات بھی نہیں کرتا تھا۔ یوحاوہ پریشان ہو گئی۔

"جرید!" ــــ یوحاوہ نے پوچھا ــــ "کیا میں خوبصورت نہیں؟ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتے؟"

جرید نے قہقہہ لگایا مگر بولا کچھ بھی نہیں۔

"تم کیوں ہنسے ہو؟" ــــ یوحاوہ نے پوچھا ــــ "میں تمہاری ہنسی سے ڈر گئی ہوں۔"

"خدا کی قسم، تم بہت خوبصورت ہو" ــــ جرید نے کہا ــــ "تم میری پسند کی لڑکی ہو لیکن جس طرح اور جس جگہ تم مجھے ملی ہو، یہ مجھے پسند نہیں .... میری مردانگی کو مت للکارو۔ تمہارا جسم مجھے بہت اچھا لگتا ہے لیکن میرے دیوتا مجھ پر لعنت بھیجیں گے کہ میں نے مصیبت میں پھنسی ہوئی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اُس کے جسم کو اپنا انعام سمجھ لیا۔"

جرید پھر خاموش ہو گیا۔ یوحاوہ کے دل سے خوف نکلتا چلا گیا اور جرید اُسے بڑا ہی خوبصورت نظر آنے لگا۔

"میں نے جرید کو مکّہ میں کتنی بار دیکھا تھا" ــــ یوحاوہ نے کعب بن اسد کے گھر میں سب کو یہ کہانی سناتے ہوئے کہا ــــ "لیکن میں نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ اپنے قبیلے میں اسے کوئی رُتبہ یا اونچی حیثیت حاصل نہیں تھی مگر اُس روز غار میں اُس کے پاس تنہا اور بے بس بیٹھ کر مجھے محسوس ہونے لگا کہ یہ تو اونچی حیثیت والے لوگوں سے بھی اونچا ہے ....

"آندھی کا زور ٹوٹا تو سورج ڈوب رہا تھا۔ اُس نے مجھے کہا، آؤ چلیں۔ میں اُس کے پیچھے پیچھے غار سے نکلی۔ کچھ دُور اُس کا اونٹ ٹیلے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ وہ اُونٹ پر بیٹھا اور مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اُس کے اشارے پر اونٹ اٹھا اور چل پڑا۔ گرد و غبار صاف ہو گیا تھا۔ میں نے وہ جگہ دیکھی۔ وہ بڑی ہی ڈراؤنی جگہ تھی۔ میں نے اُس جگہ کے متعلق کچھ پُراسرار باتیں سنی تھیں۔ آندھی میں تو میں دیکھ نہ سکی تھی کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ آندھی کے بعد دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بعض ٹیلے انسانوں کی طرح تھے۔ ان کا رنگ بھی ڈراؤنا تھا ....

"میں شتر سواری جانتی ہوں۔ اونٹ کو دوڑا سکتی ہوں لیکن اُس شام جرید کے پیچھے اونٹ پر بیٹھے ہوئے میں ڈرنے لگی کہ میں گر پڑوں گی۔ میں نے جرید کی کمر میں بازو ڈال کر اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ مجھ میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ میں بڑی کمزور لڑکی ہوں اور جرید بن مسیّب میرا محافظ ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ میں اپنے مذہب کے لیے کیا کر رہی ہوں لیکن آپ کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس راستے پر مجھے میرے باپ نے ڈالا ہے۔"

یوحاوہ نے انہیں بتایا کہ جب اہلِ قریش بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا کر آئے تو اُن کی عورتوں نے بازو لہرا لہرا کر بین کیے تھے۔ یوحاوہ کا باپ کٹّر یہودی تھا۔ قریش کی شکست پر اُس کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے کہا تھا کہ قریش کے ایک ہزار جنگجو اگر رسولِ خُدا کے تین سو تیرہ آدمیوں سے شکست کھا آئے ہیں تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "محمدؐ کوئی جادو لے کے آیا ہے" ــــ اُس نے کہا تھا ــــ "محمدؐ کے پیروکار اسی قبیلۂ قریش کے آدمی ہیں۔ وہ آسمان سے نہیں اُترے، پھر وہ جیت کس طرح گئے؟"

اُس وقت یوحاوہ کمسن تھی۔ اگلے روز اُس کے باپ نے گھر والوں کو اپنا خواب سنایا جو اُس نے گزشتہ رات دیکھا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں تلوار ہے جو خون سے لال ہے اور اُس کے سامنے ایک آدمی زمین پر پڑا تڑپ رہا ہے۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہیں۔ یوحاوہ کو معلوم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہیں کہ یہ کون ہے جسے اُس نے قتل کر دیا ہے۔ اُسے ایک آواز سنائی دیتی ہے ـــ "یہ کام تمہارا ہے" ـــ تڑپتا ہُوا زخمی مر جاتا ہے اور لاش اپنے آپ زمین میں غائب ہو جاتی ہے۔ وہاں سے ایک بڑی خوبصورت اور کمسن لڑکی اُبھرتی ہے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔

اُس پر اس خواب کا ایسا اثر ہُوا کہ وہ لیث بن موشان کے پاس چلا گیا اور اُس سے خواب کی تعبیر پوچھی۔ لیث بن موشان نے اُسے بتایا کہ وہ اپنی کمسن بیٹی یوحادہ کو اسلام کی جڑیں کاٹنے کے لیے وقف کر دے۔ اس بوڑھے یہودی جادوگر نے یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ جس نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے یعنی رسولؐ کریم، وہ اس لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوں گے یا یہ لڑکی اُن کی نبوّت کے خاتمے کا ذریعہ بنے گی۔

اُس نے یوحادہ کے باپ سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یوحادہ کو اُس کے پاس لے آئے۔

یوحادہ کو لیث بن موشان کے حوالے کر دیا گیا۔

"میں نے اس لڑکی کی تربیت کی ہے" ـــ لیث بن موشان نے یوحادہ کی بات کاٹ کر کہا۔ "خدائے یہودہ نے اسے جو حُسن اور جو جسم دیا ہے، یہ ایک دل کش تلوار ہے یا اسے بڑا میٹھا زہر سمجھ لیں۔ اس نے قریش کو مسلمانوں سے ٹکرانے میں جو کام کیا ہے وہ تم میں سے کوئی نہیں کر سکتا۔ چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سرداروں کو اس لڑکی نے قریش کا اتحادی اور محمدؐ کا دشمن بنایا ہے۔ اب اُس نے محمدؐ کے قتل کا جو انتظام مجھ سے کرایا ہے، وہ اسی سے سنو۔"

یوحادہ نے سنایا کہ لیث بن موشان نے اُس میں ایسی جرأت اور ایسی عقل پیدا کر دی کہ وہ مردوں پر اپنے حُسن کا جادُو چلانے کی ماہر ہوگئی۔ حسین لڑکی ہوتے ہُوئے اس میں مردوں جیسی جرأت آگئی تھی لیکن اُس کا اُستاد اُسے یہ نہ بتا سکا کہ جس نئے عقیدے کو روکنے کا اور جس شخصیّت کے قتل کا اُنہوں نے ارادہ کر رکھا ہے، وہ عقیدہ خُدا نے اُتارا ہے اور اُس شخصیّت کو خدا نے اس عقیدے کے فروغ کے لیے رسالت عطا کی ہے۔

یوحادہ کی تربیت ایسی ہی ہوئی کہ وہ اپنے مذہب کو دنیا کا واحد سچا مذہب سمجھتی رہی اور یہ نہ سمجھ سکی کہ حق پرستوں پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خُدا نے آندھی میں اُسے تنہا پھینک دیا لیکن وہ خُدا کا یہ اشارہ نہ سمجھ سکی۔ کہاں، وہ جرأت کے معاملے میں اپنے آپ کو مردوں کے برابر سمجھتی تھی کہاں وہ ایک کمزور اور بے بس لڑکی بن گئی۔

وہ مرد کے جسم سے نا آشنا نہیں تھی۔ جرید بن مسیب کا جسم بھی ایک مرد کا ہی جسم تھا لیکن اس جسم کو وہ مقدّس اور پاک سمجھنے لگی اور جرید اُسے فرشتہ لگنے لگا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ اُس کے حسین چہرے، ریشم جیسے بالوں اور دل کش جسم سے ذرا سا بھی متاثر نہیں ہُوا تھا۔ یوحادہ پر جرید کے اس رویّے کا اثر ہُوا کہ وہ جرید کے جسم میں کشش محسوس کرنے لگی۔

مکّہ دور نہیں تھا۔ شام کے بعد جب رات گہری ہو چکی تھی، جرید نے یوحادہ کو اُس کے گھر پہنچا دیا۔ یوحادہ کے قلعہ نما مکان کا دروازہ کھلا تو اُس کا باپ پریشان نظر آیا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ اُس کی بیٹی زندہ واپس آجائے گی۔ اُنہوں نے جرید کو روک لیا اور شراب سے اُس کی تواضع کی۔ جرید جب

چلا گیا تو یوحادہ نے اپنی ذات میں خلا محسوس کیا۔

دوسرے ہی روز اُس نے جرید کو پیغام بھیجا کہ اُسے ملے۔ جرید آگیا۔ یہ ایک جذباتی ملاقات تھی۔ جرید نے یہ ملاقات جذبات تک ہی رکھی۔ اس کے بعد اُن کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور جرید کے دل میں بھی یوحادہ کی محبت پیدا ہوگئی۔ یہ محبت پاک رہی۔ یوحادہ حیران تھی کہ اُس کے اندر پاکیزہ اور والہانہ محبت کے جذبات موجود ہیں۔ ایک روز جرید نے یوحادہ سے پوچھا کہ وہ اُس کے ساتھ شادی کیوں نہیں کر لیتی؟

"نہیں" ـــ یوحادہ نے جواب دیا ـــ "میں تمہارے جسم کی پُوجا کرتی ہُوں۔ شادی ہوگئی تو جذبات مر جائیں گے۔"

"میری بیٹیاں ہیں بیٹا کوئی نہیں" ـــ جرید نے اُسے کہا ـــ "میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہُوں۔ مجھے بیٹا چاہیئے۔"

یوحادہ سوچ میں پڑ گئی۔ وہ جرید بن مسیّب کی یہ خواہش پُوری کرنا چاہتی تھی۔ اُسے ایک راستہ نظر آگیا۔

"ہمارا ایک بزرگ ہے لیث بن موشان" ـــ یوحادہ نے کہا ـــ "اس کے پاس کوئی علم ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی طاقت ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل کے زور سے تمہیں اسی بیوی سے بیٹا دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ وہ میرا اتالیق ہے۔"

جرید اُس کے ساتھ لیث بن موشان کے پاس جانے کے لیے تیار ہوگیا۔

اُن کی دوستی دو آدمیوں یا دو عورتوں کی دوستی کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ وہ جب اکٹھے بیٹھتے تو رسولِ اکرمؐ کے خلاف بھی باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے فروغ کو روکنے کے منصوبے بھی بناتے تھے لیکن جرید مسلمانوں کے خلاف کسی جنگی کارروائی میں شریک نہیں ہوتا تھا۔ یوحادہ کو اُس کی یہ بات پسند نہیں تھی۔ اُسے وہ اُکساتی اور بھڑکاتی تھی۔

"میرا مذہب تم ہو" ـــ جرید بن مسیّب نے اُسے ایک روز فیصلے کے لہجے میں کہہ دیا تھا ـــ "تم میری بیوی نہیں بن سکتیں تو نہ سہی، میں تمہیں دیکھے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"میں تمہیں ایک راز بتا دیتی ہُوں جرید!" ـــ یوحادہ نے اُسے کہا تھا ـــ "میں کسی کی بھی بیوی نہیں بنوں گی۔ میرے باپ نے میری زندگی یہودیّت کے لیے وقف کر دی ہے۔ لیث بن موشان نے مجھے یہ فرض سونپا ہے کہ اسلام کے زیادہ سے زیادہ دشمن پیدا کروں۔ میرے دل میں اپنے مذہب کے بعد صرف تمہاری محبت ہے۔ مجھے تم اپنی ملکیّت سمجھو۔"

ایک روز جرید یوحادہ کے ساتھ لیث بن موشان سے ملنے اُس کے پاس چلا گیا۔ یوحادہ اُسے لیث بن موشان کے سامنے لے جانے کی بجائے پہلے خود اندر گئی اور اُس نے لیث کو صاف الفاظ میں بتایا کہ جرید کو وہ محبّت کا دیوتا سمجھتی ہے۔ اس نے لیث بن موشان کو بتایا کہ جرید نے اُسے موت کے منہ سے نکالا تھا۔ اُس نے لیث کو بتایا کہ جرید کی بیٹیاں ہیں بیٹا ایک بھی نہیں۔

"کیا آپ کے علم میں اتنی طاقت ہے کہ جریدہ کی بیوی کے بطن سے لڑکا پیدا ہو؟" — یوحاوہ نے پوچھا۔

"کیا نہیں ہو سکتا" — لیث بن موشان نے کہا — "پہلے میں اُسے دیکھوں گا پھر بتا سکوں گا کہ مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ اُسے میرے پاس بھیج دو۔"

یوحاوہ نے اُسے اندر بھیج دیا اور خود باہر کھڑی رہی۔ بہت سا وقت گزر جانے کے بعد لیث بن موشان نے جریدہ کو باہر بھیج کر یوحاوہ کو اندر بلا لیا۔

"جو شخص تم جیسی خوبصورت اور دلکش لڑکی کے ساتھ اتنا عرصہ پاک محبت کر سکتا ہے وہ بہت مضبوط شخصیت کا آدمی ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "یا وہ اس قدر کمزور شخصیت کا ہو سکتا ہے کہ تمہارے حُسن کا جادو اپنے اُوپر طاری کر کے تمہارا غلام ہو جائے۔"

"جریدہ مضبوط شخصیت کا آدمی ہے" — یوحاوہ نے کہا۔

"جریدہ کی ذات بہت کمزور ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "میں نے تمہارے متعلق اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ میں نے اُس کی ذات میں اُتر کر معلوم کر لیا ہے۔ یہ شخص تمہارے طلسم کا اسیر ہے۔"

"مقدّس اتالیق!" — یوحاوہ نے پوچھا — "آپ اس کے متعلق ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ .... میں اسے ایک بیٹا دینا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کے ساتھ اتنی محبت ہے کہ میں نے یہ بھی سوچ رکھا ہے کہ میں اس کے بیٹے کو جنم دوں گی۔"

"نہیں لڑکی!" — بوڑھے لیث نے کہا — "تمہاری کوکھ سے اس کا بیٹا جنم نہیں لے گا۔ یہ شخص ذریعہ بنے گا اس فرض کا جو خدائے یہودہ نے مجھے اور تمہیں سونپا ہے۔"

یوحاوہ خاموشی سے لیث بن موشان کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"جسے تم اپنی محبت کا دیوتا سمجھتی ہو وہ اس شخص کو قتل کرے گا جو کہتا ہے کہ اُسے خُدا نے نبوت دی ہے" — لیث بن موشان نے کہا — "جریدہ سے زیادہ موزوں آدمی اور کوئی نہیں ہوگا۔"

"کیا آپ پیشین گوئی کر رہے ہیں؟" — یوحاوہ نے پوچھا — "یہ کس طرح قتل کرے گا؟"

"اِسے میں تیار کروں گا۔"

"یہ تیار نہیں ہوگا" — یوحاوہ نے کہا — "یہ کہا کرتا ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں۔ محمدؐ کو اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ قتل و غارت کو پسند نہیں کرتا۔"

"یہ سب کچھ کرے گا" — بوڑھے لیث نے کہا — "اس کے ذہن پر میرا قبضہ ہوگا۔ تم میرے ساتھ ہو گی۔ تین روز تک یہ سورج کی روشنی نہیں دیکھ سکے گا۔ جب ہم اسے باہر نکالیں گے تو یہ ایک ہی بات کہے گا — کہاں ہے خدا کا نبی؟ وہ ہم میں سے ہے۔ میں اُسے زندہ نہیں رہنے دوں گا۔"

"مقدّس باپ!" — یوحاوہ نے رندھیائی ہوئی آواز میں التجا کی — "جریدہ مارا جائے گا۔ یہ واحد شخص ہے ....!"

"خدائے یہودہ سے بڑھ کر محبت کے لائق کوئی نہیں" — لیث بن موشان نے کہا — "تمہیں

قربانی دینی ہوگی۔ جریدہ اب مکہ کو واپس نہیں جائے گا۔"

پھر یوحاوہ بھی مکہ کو واپس نہ گئی، جریدہ بن مسیّب بھی نہ گیا۔ بوڑھے لیث نے دونوں کو تین دن اور تین راتیں ایک کمرے میں بند رکھا۔ جریدہ کو اپنے سامنے بٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں پھر اُسے کچھ پلایا اور کچھ زیرِ لب بڑبڑانے لگا۔ اُس نے یوحاوہ کو نیم برہنہ کر کے اس کے ساتھ بٹھا دیا۔ لیث یوحاوہ کو جو کہتا رہا وہ کرتی رہی۔

"یہ ضروری نہیں کہ میں تم سب کو یہ بھی بتاؤں کہ میں نے جریدہ کے ذہن اور اُس کی سوچوں کو کس طرح اپنے قبضے میں لیا" — لیث نے کہا — "میں اُسے ساتھ لایا ہوں۔ تم اُسے خود دیکھ لو۔"

لیث بن موشان نے یوحاوہ کو اشارہ کیا۔ یوحاوہ باہر چلی گئی اور جریدہ بن مسیّب کو اپنے ساتھ لے آئی۔ جریدہ نے اندر آکر سب کو باری باری دیکھا۔

"وہ یہاں نہیں ہے" — جریدہ نے کہا — "میں اُسے پہچانتا ہوں۔ وہ ہم میں سے ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔"

"ذرا صبر کرو جریدہ!" — بوڑھے لیث نے کہا — "ہم تمہیں اُس تک پہنچائیں گے۔ کل.... کل جریدہ! .... بیٹھ جاؤ۔"

جریدہ یوحاوہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور بازو اُس کی کمر میں ڈال کر اُسے اپنے اور قریب کر لیا۔

اگلی صبح جب مدینہ میں لوگ فتح کی خوشیاں منا رہے تھے اور کعب بن اسد کے گھر رسولِ اکرمؐ اور اسلام کے خلاف بڑی ہی خطرناک سازش تیار ہو چکی تھی، رسولِ کریمؐ کو یاد دلایا گیا کہ بنو قریظہ نے جس کا سردار کعب بن اسد تھا، مدینہ کے محاصرے کے دوران اہلِ قریش اور غطفان کے ساتھ خفیہ معاہدہ کیا تھا جسے نعیم بن مسعود نے بڑی دانشمندی سے بیکار کر دیا تھا۔

یہ واقعہ بھی دو چار روز پہلے کا تھا جس میں رسول اللہؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے ایک یہودی مُخبر کو قتل کیا تھا۔ یہ مُخبر اس چھوٹے سے قلعے میں داخل ہونے کا راستہ دیکھ رہا تھا جس میں مسلمانوں کی عورتوں اور ان کے بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس یہودی نے ایک عورت کو اپنے مقابلے میں دیکھ کر بڑے رعب اور گھمنڈ سے کہا تھا کہ وہ یہودی ہے اور مُخبری کے لیے آیا ہے۔ حضرت صفیہؓ نے اس کی تلوار کا مقابلہ ڈنڈے سے کیا اور اُسے ہلاک کر دیا تھا۔

"خدا کی قسم!" — کسی صحابی نے للکار کر کہا — "اِن یہودیوں پر اعتبار کرنا اور ان کی بدعہدی پر انہیں بخش دینا ایسا ہی ہے جیسے اپنا خنجر اپنے ہی دل میں اتار لیا جاتا ہے۔"

عبداللہ بن محمد بن اسماء اور نافع حضرت ابن عمرؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ معرکہ خندق کے خاتمے پر رسولِ اکرمؐ نے فرمایا — "تم میں ہر کوئی نمازِ عصر بنو قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔"

ایک اور حدیث ہے جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں۔ انہوں نے کہا تھا — "میں اب تک لشکرِ جبریل کا گرد و غبار بنو غنم میں اڑتے ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب رسولِ کریمؐ بنو قریظہ کو بدعہدی اور دھوکہ دہی کی سزا دینے گئے تھے۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کے حکم سے مسلمانوں نے چڑھائی کردی اور بنو قریظہ کی قلعہ بند بستی کو محاصرے میں لے لیا۔ احادیث کے مطابق سعدؓ بن معاذ کو بنو قریظہ کے سرداروں کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ وہ اپنی بدعہدی کی سزا خود تجویز کریں۔ سعدؓ بن معاذ زخمی تھے۔ خندق کی لڑائی میں انہیں قبیلہ قریش کے ایک آدمی حبان بن عرفہ کی برچھی لگی تھی۔

لیث بن موشان، یوحاوہ اور یہودیوں کے تین چار سرکردہ آدمی ابھی تک کعب بن اسد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جریدؔ بن مسیّب بھی وہیں تھا۔ انہوں نے اپنی سازش کا وقت رات کا مقرر کیا لیکن ایک یہودی دوڑتا ہوا اندر آیا۔

"مسلمان آرہے ہیں"۔۔۔ اُس نے گھبراہٹ سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "صاف نظر آتا ہے کہ وہ دوست بن کر نہیں آرہے۔ گرد بتا رہی ہے کہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہیں۔ گرد دائیں بائیں پھیل رہی ہے.... دیکھو۔ اٹھو اور دیکھو!"

کعب بن اسد دوڑتا باہر نکلا اور قلعے کے بُرج میں چلا گیا۔ وہاں سے دوڑتا اُترا اور لیث بن موشان کے پاس پہنچا۔

"مقدس موشان!"۔۔۔ کعب بن اسد نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "کیا آپ کا جادو اُن برچھیوں اور تلواروں کو توڑ سکتا ہے جو ہمیں قتل کرنے آرہی ہیں؟"

"روک سکتا ہے"۔۔۔ بوڑھے لیث بن موشان نے کہا۔۔۔ "اگر محمدؐ کا جادو زیادہ تیز ہُوا تو میں مجبور ہوں گا.... تم اوپر جاکر کیا دیکھ آئے ہو؟"

"خدائے یہودہ کی قسم!"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "یہ مُخبری نعیمؓ بن مسعود نے کی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہو چکا ہے.... مسلمان محاصرے کی ترتیب میں آرہے ہیں۔ ہم نکل نہیں سکیں گے۔"

"اِن دونوں کو نکال دو"۔۔۔ لیث بن موشان نے کہا۔۔۔ "یوحاوہ! جرید کو ساتھ لے کر پچھلے دروازے سے نکل جاؤ۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آرہا ہُوں۔"

"آپ اوپر کیوں نہیں جاتے لیث بن موشان؟"۔۔۔ کعب بن اسد نے کہا۔۔۔ "آپ کا وہ علم اور وہ جادو کہاں گیا جو آپ....؟"

"تم اس راز کو نہیں سمجھ سکتے"۔۔۔ بُوڑھے لیث نے کہا۔۔۔ "مُوسیٰؑ نے فرعون کو ایک دن میں ختم نہیں کر دیا تھا۔ یہ عصا جو تم میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو، وہی ہے جو مُوسیٰؑ نے دریا میں مارا تھا تو پانی نے انہیں راستہ دے دیا تھا۔ یہ عصا کا کرشمہ تھا کہ فرعون کا لشکر اور وہ خود دریا میں ڈوب کر فنا ہو گیا تھا۔ جس طرح موسیٰؑ اپنے قبیلے کو مصر سے نکال لائے تھے اسی طرح میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔"

یوحاوہ اور جرید بن مسیّب پچھلے دروازے سے نکل گئے اور لیث بن موشان بھی چل پڑا۔

مسلمان جب بنو قریظہ کی بستی کے قریب آئے تو عورتوں اور بچّوں میں ہڑبونگ بپا ہوگئی اور بھگدڑ مچ گئی۔ عورتیں اور بچّے اپنے گھروں کو بھاگے جارہے تھے۔ کوئی آدمی مقابلے کے لیے باہر نہ آیا جو مسلمان ٹیکریوں کی طرف سے محاصرے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے، انہیں دو آدمی اور ایک عورت نظر آئی۔ تینوں بھاگے جارہے تھے۔ آدمی جو بوڑھا تھا اور عورت اپنے ساتھی کو گھسیٹ رہے تھے۔ وہ پیچھے کو مڑ مڑ کر دیکھتا اور آگے نہیں چلتا تھا۔

وہ لیث بن موشان، جرید اور یوحاوہ تھے۔ لیث نے جرید کے ذہن پر قبضہ کر کے اُسے رسولِ کریمؐ کے قتل پر آمادہ کر لیا تھا لیکن اب جرید اس کے لیے مصیبت بن گیا تھا۔ وہ اُس عمل کے زیرِاثر تھا جسے آج ہپناٹزم کہا جاتا ہے۔ یوحاوہ اپنی محبت کی خاطر اُسے اپنے ساتھ لے جارہی تھی۔ اُسے یہی ایک خطرہ نظر آرہا تھا کہ جرید مسلمانوں کے ہاتھوں مارا جائے گا اور لیث جرید کو اس لیے اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش میں تھا کہ اُسے کسی اور موقع پر رسول اللہؐ کے قتل کے لیے استعمال کرے گا لیکن جرید لیث کے عملِ تنویم کے زیرِاثر بار بار کہتا تھا۔۔۔ "کہاں ہے وہ جو اپنے آپ کو خدا کا نبیؐ کہتا ہے.... وہ ہم میں سے ہے.... وہ میرے ہاتھوں قتل ہوگا.... مجھے چھوڑ دو.... مجھے مدینہ جانے دو۔"

ایک مُسلمان نے ٹیکری پر کھڑے ہو کر انہیں للکارا اور رکنے کو کہا۔ لیث اور یوحاوہ نے پیچھے دیکھا اور وہ جرید کو اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جرید نے تلوار نکال لی۔

"کہاں ہے محمدؐ!"۔۔۔ جرید نے تلوار لہرا کر ٹیکری کی طرف آتے ہوئے کہا۔۔۔ "وہ ہم میں سے ہے۔ میں اُسے پہچانتا ہوں۔ میں اُسے قتل کروں گا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے.... یوحاوہ میری ہے"۔۔۔ وہ للکارتا آرہا تھا۔۔۔ "یوحاوہ ہبل اور عزّیٰ سے زیادہ مقدّس ہے۔ سامنے لاؤ اپنے نبی کو۔"

کون مسلمان اپنے اللہ کے رسولؐ کی اتنی توہین برداشت کرتا۔ جس مسلمان نے ان تینوں کو للکارا تھا، اُس نے کمان میں تیر ڈالا اور دوسرے لمحے یہ تیر جرید بن مسیّب کی دائیں آنکھ میں اُتر کر کھوپڑی کے دُور اندر پہنچ چکا تھا۔ جرید کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس کا دوسرا ہاتھ دائیں آنکھ پر چلا گیا اور اُس نے تیر کو پکڑ لیا۔ وہ رک گیا۔ اس کا جسم ڈولا، پھر اُس کے گھٹنے زمین سے جا لگے۔ اُس کا وہ ہاتھ جس میں تلوار تھی، اس طرح زمین سے لگا کہ تلوار کی نوک اوپر کو تھی۔ جرید بڑی زور سے آگے کو گرا۔ تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ میں اُتر گئی۔ وہ ذرا سا تڑپا اور ہمیشہ کے لیے بے حس و حرکت ہوگیا۔

سعدؓ بن معاذؓ جو زخمی تھے، کعب بن اسد کے دروازے پر جا رُکے اور دستک دی۔ کعب نے غلام کو بھیجنے کی بجائے خود دروازہ کھولا۔

"بنو قریظہ کے سردار!"۔۔۔ سعد بن معاذؓ نے کہا۔۔۔ "تیرے قبیلے کے بچّے بچّے نے دیکھ لیا ہے کہ تیری بستی ہمارے گھیرے میں ہے۔ کیا تو کہہ سکتا ہے کہ تُو نے وہ گناہ نہیں کیا جس کی سزا آج تیرے پورے قبیلے کو ملے گی؟ کیا تُو نے سوچا نہیں تھا کہ بدعہدی کی سزا کیا ہے؟"

"مجھے انکار نہیں"۔۔۔ کعب بن اسد نے ہارے ہوتے لہجے میں کہا۔۔۔ "لیکن میں نے وہ گناہ کیا نہیں جو ابوسفیان مجھ سے کرانا چاہتا تھا۔"

"اس لیے نہیں کیا کہ تو اُس سے یرغمال میں اونچے خاندانوں کے آدمی مانگتا تھا" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "اس سے پہلے تو نے اُسے کہہ دیا تھا کہ تیرا قبیلہ مدینہ کے اُن مکانوں پر شبخون مارے گا جن میں ہماری عورتیں اور ہمارے بچے تھے۔ تو نے ایک مخبر بھی بھیجا تھا۔ بدبخت انسان! تو نہ سوچ سکا کہ مسلمانوں کی صرف ایک عورت بیدار ہوئی تو وہ یہودیوں کی شیطانیت کو صرف ایک ڈنڈے سے کچل دے گی۔"

"میں جانتا ہوں تمہیں نعیمؓ بن مسعود نے خبر دی ہے کہ میں نے تم سے بدعہدی کی ہے"۔ کعب بن اسد نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔ "تم یہ جان لو کہ یہ خبر غلط نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا وہ اپنے قبیلے کی سلامتی کے لیے کیا تھا۔"

"اب اپنے قبیلے کے لیے سزا خود ہی مقرر کر دے" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "تو جانتا ہے کہ معاہدہ توڑنے والے قبیلے کو کیا تاوان دینا پڑتا ہے۔ اگر تو خود اپنی سزا کا فیصلہ نہیں کرتا تو بھی تجھے معلوم ہے کہ تیرے قبیلے کا انجام کیا ہو گا۔ کیا تو بنوقینقاع اور بنونضیر کا انجام بھول گیا ہے؟ مجھے اِس زخم کی قسم جو میں نے خندق کی لڑائی میں کھایا ہے، تیرے قبیلے کا انجام اُن سے زیادہ بُرا ہو گا۔"

"ہاں سعد!" کعب بِن اسد نے کہا۔ "میں جانتا ہوں میرے قبیلے کا انجام کیا ہو گا۔ ہمارے بچے اور ہماری عورتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ میرا فیصلہ یہ ہے کہ معاہدے کے مطابق میرے قبیلے کے تمام مردوں کو قتل کر دو اور ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ وہ زندہ تو رہیں گے۔"

"صرف زندہ نہیں رہیں گے" سعد بن معاذؓ نے کہا۔ "وہ خدا کے سچے نبیؐ کے پیروکار بن کر باعزت زندگی بسر کریں گے ..... اپنے تمام آدمیوں کو باہر نکالو۔"

سعد بن معاذؓ واپس آ گئے۔

"یا رسول اللہؐ!" انہوں نے رسولِ کریمؐ سے کہا۔ "بنوقریظہ نے اپنی سزا خود مقرر کی ہے۔ اِن میں جو آدمی لڑنے کے قابل ہیں، انہیں قتل کر دیا جائے اور عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو اپنی تحویل میں لے لیا جائے۔"

سب نے دیکھا کہ بنوقریظہ کے لوگ قلعے سے باہر آ رہے تھے۔ محاصرے میں سے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملا۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں کی تاریخ فتنہ و فساد اور بدعہدی سے بھری پڑی تھی ایسے خدا کی دھتکاری ہوئی قوم کہا گیا تھا۔ ان کے ساتھ جس نے بھی نرمی برتی، اُسے یہودیوں نے نقصان پہنچایا۔ چنانچہ بنوقریظہ کو بخش دینا بڑی خطرناک حماقت تھی۔ مسلمانوں نے اس قبیلے کے ایسے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو لڑنے کے قابل تھے اور بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

دو مورخین نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے بنوقریظہ پر فوج کشی کی تو یہودیوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے پچیس روز بنوقریظہ کو محاصرے میں لیے رکھا۔ آخر یہودیوں نے رسولِ اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ سعد بن معاذ کو اُن کے پاس صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا جائے۔ چنانچہ سعد بن معاذؓ گئے اور یہ فیصلہ کر آئے کہ بنوقریظہ کے آدمیوں کو قتل کر دیا جائے اور اُن کی عورتوں اور بچّوں کو مالِ غنیمت میں لے لیا جائے۔ جن یہودیوں کو قتل کیا گیا اُن کی تعداد چار سو تھی۔

زیادہ تر مورخوں نے لکھا ہے کہ بنوقریظہ نے مقابلہ نہیں کیا اور اپنے کیے کی سزا پانے کے لیے قلعے سے نکل آئے۔

مدینہ میں یہودیوں کے قتلِ عام کے ساتھ یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس سے پہلے مسلمانوں نے یہودیوں کے دو قبیلوں، بنونضیر اور بنوقینقاع کو ایسی ہی بدعہدی اور فتنہ پردازی پر ایسی ہی سزا دی تھی۔ ان قبیلوں کے بچے کھچے یہودی شام کو بھاگ گئے تھے۔ شام میں ایرانیوں کی حکومت تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ ہرقل نے حملہ کر کے شام پر قبضہ کر لیا۔ یہودیوں نے اس کے ساتھ بھی بدعہدی کی۔ اِدھر مدینہ میں مسلمان بنوقریظہ کو قتل کر رہے تھے، اُدھر ہرقل بنونضیر اور بنوقینقاع کا قتلِ عام کر رہا تھا۔

ایک حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ہشام بن عروہ نے بیان کی ہے کہ سعد بن معاذؓ کے فیصلے کو رسولِ کریمؐ نے قبول فرما لیا اور بنوقریظہ کے یہودیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ ہشام بن عروہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اُن کے والدِ بزرگوار نے انہیں یہ واقعہ سنایا تھا کہ سعد بن معاذؓ کو سینے میں برچھی لگی تھی۔ جب بنوقریظہ کو سزا دی جا چکی تو رسول اللہؐ کے حکم سے سعد بن معاذؓ کے لیے مسجد کے قریب ایک خیمہ لگا کر اس میں انہیں رکھا گیا تا کہ اُن کے زخم کی دیکھ بھال آسانی سے ہوتی رہے۔

سعد بن معاذؓ اس خیمے میں لیٹ گئے لیکن اُٹھ بیٹھے اور اُنہوں نے خدا سے دعا مانگی، کہ اُن کی ایک ہی خواہش ہے کہ ہر اُس قوم کے خلاف لڑیں جو اللہ کے رسولؐ کو سچا نبیؐ نہیں سمجھتی مگر لڑائی ختم ہو چکی ہے۔ اُنہوں نے خدا سے التجا کی مسلمانوں کو کوئی اور لڑائی لڑنی ہے تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لیے زندگی عطا فرما۔ اگر یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو میرے زخم کو کھول دے کہ میں تیری راہ میں جان دے دوں۔

سعد بن معاذؓ کی یہ دعا تین چار آدمیوں نے سنی تھی لیکن اُنہوں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ صبح کسی نے دیکھا کہ سعد بن معاذؓ کے خیمے سے خون بہہ بہہ کر باہر آ رہا تھا۔ خیمے میں جا کر دیکھا سعد بن معاذؓ شہید ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے خدا سے شہادت مانگی تھی۔ خدا نے اُن کی دعا قبول کر لی۔ اُن کے سینے کا زخم کھُل گیا تھا۔

بنوقریظہ کی تباہی کی خبر مکہ پہنچی تو سب سے زیادہ خوشی اُبوسفیان کو ہوئی۔

"خدا کی قسم، بنوقریظہ کو اُس بدعہدی کی سزا ملی ہے جو اُس کے سردار کعب بن اسد نے ہمارے ساتھ کی تھی" ۔ اُبوسفیان نے کہا۔ "اگر اُس کا قبیلہ مدینے پر شبخون مار تا رہتا تو فتح ہماری ہوتی اور ہم بنوقریظہ کو موت کی بجائے مالِ غنیمت دیتے ..... کیوں خالد! کیا بنوقریظہ کا انجام بہت بُرا نہیں ہوا؟"

خالد نے اُبوسفیان کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا جیسے اُسے اُس کی بات اچھی نہ لگی ہو۔

"کیا تم بنوقریظہ کے اس انجام سے خوش نہیں ہو خالد؟" اُبوسفیان نے پوچھا۔

"مدینہ سے پسپائی کا دُکھ اتنا زیادہ ہے کہ بڑی سے بڑی خوشی بھی میرا یہ دُکھ ہلکا نہیں کر سکتی" — خالد نے کہا۔ "بدعہد کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہودیوں نے کس کے ساتھ وفا کی ہے؟ اپنی بیٹیوں کو یہودیت کے تحفّظ اور فروغ کے لیے دوسری قوموں کے آدمیوں کی عیّاشی کا ذریعہ بنانے والی قوم پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ہمیں مسلمانوں نے نہیں طوفانی آندھی نے محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا تھا"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔ "ہمارے پاس خوراک نہیں رہی تھی"۔

"تم لڑنا نہیں چاہتے تھے"۔۔۔ خالد نے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔

خالد اب خاموش رہنے لگا تھا۔ اُسے کوئی زبردستی بلاتا تو وہ جھنجھلا اُٹھتا۔ اُس کے قبیلے کا سردار ابوسفیان اُس سے گھبرانے لگا تھا۔ خالد اُسے بزدل کہتا تھا۔ خالد نے اپنے آپ سے عہد کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کو شکست دے گا لیکن اُسے جب میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی جنگی چالیں اور اُن کا جذبہ یاد آتا تھا تو وہ دل ہی دل میں رسولِ اکرمؐ کو خراجِ تحسین پیش کرتا تھا۔ ایسا عسکری جذبہ اور ایسی عسکری فہم و فراست قریش میں ناپید تھی۔ یہ فہم و فراست خالد میں تھی لیکن اپنے قبیلے سے اسے تعاون نہیں ملتا تھا۔

آج جب وہ مدینہ کی طرف اکیلا جا رہا تھا تو اُسے معرکہ خندق سے پسپائی یاد آ رہی تھی۔ اُسے غصّہ بھی آ رہا تھا اور وہ شرمسار بھی ہو رہا تھا۔ اُسے یاد آ رہا تھا کہ اس نے ایک سال کس طرح گذارا تھا۔ وہ مدینہ پر ایک اور حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن اہلِ قریش مدینہ کا نام سُن کر دبک جاتے تھے۔

آخر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ اُسے یہ خبر ابوسفیان نے سنائی تھی۔

"مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے صرف اس لیے آ رہے ہیں کہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ قبیلہ قریش محمدؐ سے ڈرتا ہے"۔۔۔ خالد نے ابوسفیان سے کہا۔ "کیا تم نے اپنے قبیلے کو کبھی بتایا ہے کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کر سکتے ہیں؟ کیا قبیلہ حملہ روکنے کے لیے تیار ہے؟"

"اب اس بحث کا وقت نہیں کہ ہم نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔ "مجھے اطلاع دینے والے نے بتایا ہے مسلمانوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار ہے..... تم کچھ سوچ سکتے ہو؟"

"میں سوچ چکا ہوں"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔ "مجھے تین سو سوار دے دو۔ میں مسلمانوں کو راستے میں روک لوں گا۔ میں کرع الغمیم کی پہاڑیوں میں گھات لگاؤں گا۔ وہ اِسی درّے سے گذر کر آئیں گے۔ میں انہیں اِن پہاڑیوں میں بکھیر کر ماروں گا"۔

"تم جتنے سوار چاہو لے لو"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔ "اور فوراً روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ درّے سے گذر آئیں"۔

خالد کو آج یاد آ رہا تھا کہ اس خبر نے اُس کے جسم میں نئی روح پھونک دی تھی۔ اُس نے اُسی روز تین سو سوار تیار کر لیے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ ان میں زیادہ تر لفری پیادہ تھی۔ خالد خوش تھا کہ اپنے سواروں کی قیادت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اب ابوسفیان اُس کے سر پر سوار نہیں تھا۔ سب فیصلے اُسے خود کرنے تھے۔۔۔ وہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

خالد کچھ دیر آرام کر کے اور گھوڑے کو پانی پلا کر چل پڑا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو تھکنے نہیں دیا تھا۔ سحر سے گھوڑا آرام آرام سے چلتا آیا تھا۔ خالد بڑی مضبوط شخصیّت کا آدمی تھا۔ اُس کے ذہن میں خواہشیں کم اور ارادے زیادہ ہُوا کرتے تھے۔ وہ ذہن کو اپنے قبضے میں رکھا کرتا تھا، مگر مدینہ کو جاتے ہوتے ذہن اُس پر قابض ہو جاتا تھا۔ یادوں کے تھپیڑے تھے جو اُسے طوفانی سمندر میں بہتی ہوئی کشتی کی طرح ہچکولے دے رہے تھے۔ کبھی اُس کی ذہنی کیفیّت ایسی ہو جاتی جیسے وہ مدینہ بہت جلدی پہنچنا چاہتا ہو اور کبھی یوں جیسے اُسے کہیں بھی پہنچنے کی جلدی نہ ہو۔ اُس کی آنکھوں کے آگے منزل سراب بن جاتی اور دُور ہی دُور ہٹتی نظر آتی تھی۔

گھوڑا اپنے سوار کے ذہنی خلفشار سے بے خبر چلا جا رہا تھا۔

سوار نے اپنے سر کو جھٹک کر گرد و پیش کو دیکھا۔ وہ ذرا بلند جگہ پر جا رہا تھا۔ افق سے اُحد کا سلسلۂ کوہ اوپر اوپر اُٹھ آیا تھا۔ خالد کو معلوم تھا کہ کچھ دیر بعد ان پہاڑیوں کے قریب سے مدینے کے مکان اُبھرنے لگیں گے۔

اُسے ایک بار پھر خندق اور پسپائی یاد آئی اور اُسے مسلمانوں کے ہاتھوں چار سو یہودیوں کا قتل بھی یاد آیا۔ بنو قریظہ کی اس تباہی کی خبر پر قریش کا سردار ابوسفیان تو بہت خوش ہُوا تھا مگر خالد کو نہ خوشی ہُوئی نہ افسوس ہُوا تھا۔

"قریش یہودیوں کی فریب کاریوں کا سہارا لے کر محمدؐ کے پیروکاروں کو شکست دینا چاہتے ہیں"۔۔۔ خالد کو خیال آیا۔ اُس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا جیسے اس خیال کو ذہن سے صاف کر دینا چاہتا ہو۔

اُس کا ذہن پیچھے ہی پیچھے ہٹتا جا رہا تھا۔ گھنٹیوں کی مترنّم آوازیں اُسے ماضی سے نکال لائیں۔ اُس نے دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں طرف وسیع نشیب تھا۔ خالد اُوپر اُوپر جا رہا تھا۔ نیچے چار اونٹ چلے آ رہے تھے۔ اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے تھے۔ ان کے پہلو میں ایک گھوڑا تھا۔ اونٹوں پر دو عورتیں، چند بچّے اور دو آدمی سوار تھے۔ اونٹوں پر سامان بھی لدا ہُوا تھا۔ گھوڑ سوار بُوڑھا آدمی تھا۔ اُونٹوں کی رفتار تیز تھی۔ خالد نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔

اونٹوں کا یہ مختصر سا قافلہ اُس کے قریب آ گیا۔ بوڑھے گھوڑ سوار نے اُسے پہچان لیا۔

"تمہارا سفر آسان ہو ولید کے بیٹے!"۔۔۔ بوڑھے نے بازو بلند کر کے لہرایا اور بولا۔۔۔ "نیچے آ جاؤ، کچھ دُور اکٹھے چلیں گے"۔

خالد نے گھوڑے کی لگام کو ایک طرف جھٹکا دیا اور ہلکی سی ایڑ لگائی۔ گھوڑا نیچے اُتر گیا۔

"ہا ہا!"۔۔۔ خالد نے اپنا گھوڑا بوڑھے کے گھوڑے کے پہلو میں لے جا کر خوشی کا اظہار کیا اور کہا۔۔۔ "ابوجریج!..... اور یہ سب تمہارا خاندان ہے"۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ہاں!"—— بوڑھے ابوجریج نے کہا —— "یہ میرا خاندان ہے.... اور تم خالد بن ولید! کدھر کا رُخ کیا ہے؟ مجھے یقین ہے تم مدینہ کو نہیں جا رہے.... مدینہ میں تمہارا کیا کام؟"

یہ قبیلہ غطفان کا ایک خاندان تھا جو نقلِ مکانی کر کے کہیں جا رہا تھا۔ ابوجریج نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ خالد مدینہ کو نہیں جا رہا تو خالد نے اُسے بتانا مناسب بھی نہ سمجھا۔

"اہلِ قریش کیا سوچ رہے ہیں؟"—— ابوجریج نے کہا —— "کیا یہ صحیح نہیں کہ محمدؐ کو لوگ نبی مانتے ہی چلے جا رہے ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوگا کہ ایک روز مدینہ والے مکّہ پر چڑھ دوڑیں گے اور اُبوسفیان ان کے آگے ہتھیار ڈال دے گا؟"

"جو سردار اپنی شکست کا انتقام لینا ضروری نہیں سمجھتا وہ ہتھیار ڈالنے کو بھی بُرا نہیں سمجھے گا"—— خالد نے کہا —— "کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم سب مل کر مدینہ پر حملہ کرنے گئے تھے تو مدینے والوں نے اپنے اردگرد خندق کھود لی تھی؟"—— خالد نے کہا —— "ہم خندق پھلانگ سکتے تھے۔ میں خندق پھلانگ گیا تھا عکرمہ بھی خندق کے پار چلا گیا تھا مگر ہمارا لشکر جس میں تمہارے قبیلے کے جنگجو بھی تھے، دُور کھڑا تماشہ دیکھتا رہا تھا۔ مدینہ سے پسپا ہونے والا سب سے پہلا آدمی ہمارا سردار ابوسفیان تھا۔"

"میرے بازوؤں میں طاقت نہیں رہی ابنِ ولید!"—— ابوجریج نے اپنا ایک ہاتھ جو ضعیفی سے کانپ رہا تھا، خالد کے آگے کر کے کہا —— "میرا جسم ذرا سا بھی ساتھ دیتا تو میں بھی اس معرکے میں اپنے قبیلے کے ساتھ ہوتا.... اُس روز میرے آنسو نکل آئے تھے جس روز میرا قبیلہ مدینہ سے پسپا ہو کر لوٹا تھا.... اگر کعب بن اسد دھوکہ نہ دیتا اور مدینہ پر تین چار شب خون مار دیتا تو فتح یقیناً تمہاری ہوتی۔"

خالد جھنجھلا اُٹھا۔ اُس نے ابوجریج کو قہر کی نظروں سے دیکھا اور چُپ رہا۔

"کیا تم نے سُنا تھا کہ یوحاوہ یہودن نے تمہارے قبیلے کے ایک آدمی جریر بن مسیّب کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کر لیا تھا؟"—— ابوجریج نے پوچھا۔

"ہاں!"—— خالد نے کہا —— "سُنا تھا.... اور مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ جریر بن مسیّب میرے قبیلے کا آدمی تھا.... کہاں ہے وہ؟ ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، اُس کا پتہ نہیں چلا۔ میں نے سُنا تھا کہ یوحاوہ یہودن اُسے اپنے ساتھ یہودی جادوگر لیث بن موشان کے پاس لے گئی تھی اور اُس نے جریر کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا مگر مسلمانوں کی تلواروں کے سامنے لیث بن موشان کا جادو جواب دے گیا۔ جریر بن مسیّب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ بنو قریظہ میں سے زندہ بھاگ جانے والے صرف دو تھے۔ لیث بن موشان اور یوحاوہ۔"

"اب صرف ایک زندہ ہے"—— ابوجریج نے کہا —— "لیث بن موشان.... صرف لیث بن موشان زندہ ہے۔"

"اور جریر اور یوحاوہ؟"

"وہ بدروحیں بن گئے تھے"—— اُبوجریج نے کہا —— "میں تمہیں اُن کی کہانی سُنا سکتا ہوں تم نے یوحاوہ کو دیکھا تھا۔ وہ مکّہ کی ہی رہنے والی تھی۔ اگر تم کہو گے کہ اُسے دیکھ کر تمہارے دل میں ہلچل نہیں ہوتی تھی اور تم اپنے اندر حرارت سی محسوس نہیں کرتے تھے تو خالد! میں کہوں گا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا تھا کہ مدینہ پر حملے کے لیے غطفان اہلِ قریش سے کیوں جا ملا تھا اور دوسرے قبیلوں کے سرداروں نے کیوں اُبوسفیان کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا؟.... یہ یوحاوہ اور اُس جیسی چار یہودنوں کا جادو چلا تھا۔"

☆

گھوڑے اور اونٹ چلے جا رہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی گھنٹیاں بوڑھے ابوجریج کے بولنے کے انداز میں جل ترنگ کا ترنّم پیدا کر رہی تھیں۔ خالد انہماک سے سن رہا تھا۔

"جریر بن مسیّب یوحاوہ کے عشق کا اسیر ہو گیا تھا"—— ابوجریج کہہ رہا تھا —— "تم نہیں جانتے ابنِ ولید! یوحاوہ کے دل میں اپنے مذہب کے سوا کسی آدمی کی محبّت نہیں تھی۔ وہ جریر کو اپنے طلسم میں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ میں لیث بن موشان کو جانتا ہوں۔ جوانی میں ہماری دوستی تھی۔ جادوگری اور شعبدہ بازی اُس کے باپ کا فن تھا۔ باپ نے یہ فن اُسے ورثے میں دیا تھا.... تم میری بات سن رہے ہو ولید کے بیٹے یا اُکتا رہے ہو؟.... اب میں باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

خالد ہنس پڑا اور بولا —— "سن رہا ہوں ابوجریج! غور سے سن رہا ہوں۔"

"یہ تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جب ہمارے لشکر کو مسلمانوں کی خندق اور آندھی نے مدینے کا محاصرہ اٹھا کر پسپائی پر مجبور کر دیا تو محمدؐ نے بنو قریظہ کی بستی کو گھیر لیا تھا"—— ابوجریج نے کہا —— "لیث بن موشان اور یوحاوہ جریر بن مسیّب کو وہیں چھوڑ کر نکل بھاگے۔"

"ہاں ہاں ابوجریج!"—— خالد نے کہا —— "مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچّوں کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔"

"میں جانتا ہوں تم میری باتوں سے اُکتا گئے ہو"—— ابوجریج نے ہنستے ہوئے کہا —— "تم میری پوری بات نہیں سن رہے۔"

"مجھے یہ بات وہاں سے سناؤ"—— خالد نے کہا —— "جہاں سے میں نے پہلے نہیں سنی۔ میں وہاں تک جانتا ہوں کہ جریر بن مسیّب اسی پاگل پن کی حالت میں مارا گیا تھا جو اس بوڑھے یہودی شعبدہ باز نے اُس پر طاری کیا تھا اور وہ خود یوحاوہ کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل بھاگا تھا۔"

"پھر یوں ہُوا"—— ابوجریج نے کہا —— "اُحد کی پہاڑیوں کے اندر جو بستیاں آباد ہیں وہاں کے رہنے والوں نے ایک رات کسی عورت کی چیخیں سنیں۔ تین چار دلیر قسم کے آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر تلواریں اور برچھیاں اٹھائے سرپٹ دوڑے گئے لیکن اُنہیں وہاں کوئی عورت نظر نہ آئی اور چیخیں بھی خاموش ہو گئیں۔ وہ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر واپس آ گئے۔"

"یہ چیخیں صحرائی لومڑیوں یا کسی بھیڑیے کی بھی ہو سکتی تھیں"—— خالد نے کہا۔

"بھیڑیے اور عورت کی چیخ میں بہت فرق ہے"—— ابوجریج نے کہا —— "لوگ اسے کسی مظلوم عورت کی چیخیں سمجھے تھے۔ وہ یہ سمجھ کر چپ ہو گئے کہ کسی عورت کو ڈاکو لے جا رہے ہوں گے یا وہ کسی ظالم خاوند کی بیوی ہو گی اور وہ سفر میں ہوں گے لیکن اگلی رات یہی چیخیں ایک اور بستی کے قریب سنائی دیں۔ وہاں کے چند آدمی بھی ان چیخوں کے تعاقب میں گئے لیکن انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد دوسری تیسری رات کچھ دیر کے لیے یہ نسوانی چیخیں سنائی دیتیں اور رات کی خاموشی میں تحلیل ہو جاتیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"پھر ان پہاڑوں کے اندر رہنے والے لوگوں نے بتایا کہ اب چیخوں کے ساتھ عورت کی پکار بھی سنائی دیتی ہے — 'جرید، جرید! کہاں ہو؟ آجاؤ، آجاؤ' — وہاں کے لوگ جرید نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتے تھے۔ اُن کے بزرگوں نے کہا کہ یہ کسی مرے ہوئے آدمی کی بدروح ہے جو عورت کے روپ میں چیخ چلا رہی ہے۔"

ابوجریج کے بولنے کے انداز میں ایسا تاثر تھا جو ہر کسی کو متاثر کر دیا کرتا تھا لیکن خالد کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ قبیلہ غطفان کے اس بوڑھے کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے۔

"لوگوں نے اُس راستے سے گزرنا چھوڑ دیا جہاں یہ آوازیں عموماً سنائی دیا کرتی تھیں" — ابوجریج نے کہا — "ایک روز یوں ہوا کہ دو گھوڑ سوار جو بڑے لمبے سفر پر تھے، ایک بستی میں گھوڑے سرپٹ دوڑاتے پہنچے۔ گھوڑوں کا پسینہ یوں پھوٹ رہا تھا جیسے وہ پانی میں سے گزر کر آئے ہوں۔ ہانپتے کانپتے سواروں پر خوف طاری تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ایک وادی میں سے گزر رہے تھے کہ انہیں کسی عورت کی پکار سنائی دی — 'جرید! ٹھہر جاؤ۔ جرید، ٹھہر جاؤ میں آرہی ہوں' — ان گھوڑ سواروں نے اُدھر دیکھا جدھر سے آواز آرہی تھی۔ ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک عورت کھڑی ان گھوڑ سواروں کو پکار رہی تھی۔ وہ تھی تو دُور لیکن جوان لگتی تھی۔ وہ پہاڑی سے اُترنے لگی تو دونوں گھوڑ سواروں نے ڈر کر ایڑ لگا دی....

"سامنے والی چٹان گھومتی تھی۔ گھوڑ سوار اس کے مطابق وادی کے اندر گھوم گئے۔ انہیں تین چار مزید موڑ مڑنے پڑے۔ گھبراہٹ میں وہ راستے سے بھٹک گئے تھے۔ وہ ایک اور موڑ مڑے تو اُن کے سامنے تیس چالیس قدم دُور ایک جوان عورت کھڑی تھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ نیم برہنہ تھی۔ اُس کا چہرہ لاش کی مانند سفید تھا۔ گھوڑ سواروں نے گھوڑے روک لیے۔ عورت نے دونوں بازو اُن کی طرف پھیلا کر اور آگے کو دوڑتے ہوئے کہا — 'میں تم دونوں کے انتظار میں بہت دنوں سے کھڑی ہوں' — دونوں گھوڑ سواروں نے وہیں سے گھوڑے موڑے اور ایڑ لگا دی" — بوڑھا ابوجریج بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنا ہاتھ خالد کی ران پر رکھا اور بولا — "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم کچھ دیر کے لیے رُک جائیں۔ پھر نہ جانے تم کب ملو۔ تمہارا باپ ولید بڑا زبردست آدمی تھا، تم میرے ہاتھوں میں پیدا ہوئے تھے۔ میں تمہاری خاطر تواضع کرنا چاہتا ہوں۔ روکو گھوڑے کو اور اُتر آؤ۔"

یہ قافلہ وہیں رُک گیا۔

☆

"وہ کسی مرے ہوئے آدمی یا عورت کی بدروح ہی ہو سکتی تھی" — ابوجریج نے بھنا ہوا گوشت خالد کے آگے رکھتے ہوئے کہا — "کھاؤ، ولید کے بیٹے!.... پھر ایک خوفناک واقعہ ہو گیا۔ ایک بستی میں ایک اجنبی اس حالت میں آن گرا کہ اُس کے چہرے پر لمبی لمبی خراشیں تھیں جن سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم پر بھی خراشیں تھیں۔ وہ گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس کے زخم دھوئے اور اُس کے منہ میں پانی ڈالا۔ وہ جب ہوش میں آیا تو اُس

نے بتایا کہ وہ دو چٹانوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ ایک چٹان کے اوپر سے ایک عورت چیختی چلاتی اتنی تیزی سے اُتری جتنی تیزی سے کوئی عورت نہیں اُتر سکتی....

"یہ آدمی اس طرح رُک گیا جیسے دہشت زدگی نے اُس کے جسم کی قوت سلب کر لی ہو۔ وہ عورت اتنی تیزی سے آرہی تھی کہ رُک نہ سکی۔ وہ اس آدمی کے ساتھ ٹکرائی اور چیخ نما آواز میں بولی — 'تم آگئے جرید! میں جانتی تھی تم زندہ ہو۔ آؤ چلیں'....

"اس شخص نے اُسے بتایا کہ وہ جرید نہیں لیکن وہ عورت اُسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتی رہی اور کہتی رہی — 'تم جرید ہو۔ تم جرید ہو' — اس شخص نے اُس سے آزاد ہونے کی کوشش میں اُسے دھکا دیا۔ وہ گر پڑی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ آدمی اُسے کوئی پاگل عورت سمجھ کر وہیں کھڑا رہا۔ وہ اس طرح اُس کی طرف آئی کہ اُس کے دانت بھیڑیوں کی طرح باہر نکلے ہوئے تھے اور اُس نے ہاتھ اس طرح آگے کر رکھے تھے کہ اُس کی انگلیاں درندوں کے پنجوں کی طرح ٹیڑھی ہو گئی تھیں۔ یہ آدمی ڈر کر اُلٹے قدم پیچھے ہٹا اور ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر پیٹھ کے بل گرا۔ یہ عورت اس طرح اُس پر گری اور پنجے اُس کے چہرے پر گاڑ دیئے جیسے بھیڑیا اپنے شکار کو پنجوں میں دبوچ لیتا ہے۔ اُس نے اس آدمی کا چہرہ نوچ ڈالا....

"اُس نے اس عورت کو دھکا دے کر پرے کیا اور اس کے نیچے سے نکل آیا لیکن اُس عورت نے اپنے ناخن اس شخص کے پہلوؤں میں اتار دیئے اور اس کے کپڑے بھی پھاڑ ڈالے اور کھال بھی بُری طرح زخمی کر دی۔ اس زخمی نے بتایا کہ اس عورت کی آنکھوں اور منہ سے شعلے سے نکلتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ وہ اسے انسانوں کے رُوپ میں آیا ہوا کوئی درندہ سمجھا۔ اس آدمی کے پاس خنجر تھا لیکن اس کے ہوش ایسے گم ہوئے کہ وہ خنجر نکالنا بھول گیا۔ اتفاق سے اس آدمی کے ہاتھ میں اس عورت کے بال آگئے۔ اس نے بالوں کو مٹھی میں لے کر زور سے جھٹکا دیا۔ وہ عورت چٹان پر گری۔ یہ آدمی بھاگ اُٹھا۔ اسے اپنے پیچھے اس عورت کی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ اُسے بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ اس بستی تک کس طرح پہنچا ہے۔ وہ ان خراشوں کی وجہ سے بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ اُس پر دہشت سوار تھی....

"پھر دو مسافروں نے بتایا کہ اُنہوں نے راستے میں ایک آدمی کی لاش پڑی دیکھی ہے جسے کسی درندے نے چیر پھاڑ کر ہلاک کیا ہوگا۔ اُنہوں نے بتایا کہ اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور تمام جسم پر خراشیں تھیں۔ اُس جگہ کے قریب جس جگہ اس عورت کی موجودگی بتائی جا سکتی تھی، چھوٹی سی ایک بستی تھی۔ وہاں کے لوگوں نے نقلِ مکانی کا ارادہ کر لیا لیکن یہودی جادوگر لیث بن موشان پہنچ گیا۔ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ ایک عورت اس علاقے میں 'جرید جرید' پکارتی اور چیختی چلاتی رہتی ہے اور جو آدمی اُس کے ہاتھ آجائے اُسے چیر پھاڑ دیتی ہے۔"

☆

ابوجریج نے خالد کو باقی کہانی یُوں سنائی۔ اُسے بدرُوحوں کے علم کے ساتھ گہری دلچسپی تھی اور وہ لیث بن موشان کو بھی جانتا تھا۔ جب اُسے پتہ چلا کہ یہ یہودی جادوگر وہاں پہنچ گیا ہے تو وہ بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

گھوڑے پر سوار ہُوا اور وہاں جا پہنچا۔ دو تین بستیوں میں پوچھتا وہ اُس بستی میں جا پہنچا جہاں لیث بن موشان آکر ٹھہرا تھا۔

"اُبوجریج!" ـــــ بوڑھے لیث بن موشان نے اُٹھ کر بازو پھیلاتے ہوئے کہا ـــــ "تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں یہ سن کر آیا ہوں کہ تم اس بدرُوح پر قابو پانے کے لیے آئے ہو" ـــــ ابوجریج نے اُس سے بغلگیر ہوتے ہُوئے کہا ـــــ "کیا میں نے ٹھیک سُنا ہے کہ اس بدرُوح نے یا وہ جو کچھ بھی ہے، دو تین آدمیوں کو چیر پھاڑ ڈالا ہے؟"

"وہ بدرُوح نہیں میرے بھائی!" ـــــ لیث بن موشان نے ایسی آواز میں کہا جو ملال اور پریشانی سے دبی ہُوئی تھی ـــــ "وہ خدائے یہودہ کی سچی نام لیوا ایک جوان عورت ہے۔ اُس نے اپنی جوانی، اپنا حُسن اور اپنی زندگی یہودیّت کے نام پر وقف کر رکھی تھی۔ اُس کا نام یوحاوہ ہے۔"

"میں نے اُسے مکّہ میں دو چار مرتبہ دیکھا تھا" ـــــ ابوجریج نے کہا ـــــ "اُس کے کچھ جھوٹے سچے قصّے بھی سنے تھے۔ یہ بھی سنا تھا کہ اُس نے قریش کے ایک آدمی جرید بن مسیّب کو تمہارے پاس لا کر محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا۔ پھر میں نے یہ بھی سُنا تھا کہ تم اور یوحاوہ مسلمانوں کے محاصرے سے نکل گئے تھے اور جرید پیچھے رہ گیا تھا.... اگر یوحاوہ زندہ ہے اور وہ بدرُوح نہیں تو وہ اس حالت تک کس طرح پہنچی ہے؟"

"اُس نے اپنا سب کچھ خدائے یہودہ کے نام پر قربان کر رکھا تھا" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "لیکن وہ آخر انسان تھی۔ جوان تھی، وہ جذبات کی قربانی نہ دے سکی۔ اُس نے جرید کی محبت کو اپنی رُوح میں اتار لیا تھا۔ جرید پر جتنا اثر میرے خاص عمل کا تھا اتنا ہی یوحاوہ کی وارفتہ محبّت کا تھا۔"

"میں سمجھ گیا" ـــــ ابوجریج نے کہا ـــــ "اُسے جرید بن مسیّب کی موت نے پاگل کر دیا ہے.... کیا تمہارا عمل اور تمہارا جادو اس عورت پر نہیں چل سکتا تھا؟"

لیث بن موشان نے لمبی آہ بھری اور بے نُور آنکھوں سے ابوجریج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا اور کچھ دیر چپ رہنے کے بعد کہا ـــــ "میرا عمل اُس پر کیا اثر کرتا! وہ مجھے بھی چیرنے پھاڑنے کو مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔ میرا عمل اس صورت میں کام کرتا کہ میں اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکتا اور میرا ہاتھ تھوڑی سی دیر کے لیے اُس کے ماتھے پر رہتا۔"

"جہاں تک میں اس علم کو سمجھتا ہوں" ـــــ ابوجریج نے کہا ـــــ "وہ پہلے ہی پاگل ہو چکی تھی اور تمہیں اپنا دشمن سمجھنے لگی تھی۔"

"اور اُسے میرے خلاف دشمنی یہ تھی کہ میں جرید بن مسیّب کو مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آیا تھا" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "میں اُسے اپنے ساتھ لا سکتا تھا لیکن وہ اس حد تک میرے طلسماتی عمل کے زیرِ اثر آ چکا تھا کہ ہم اُسے زبردستی لاتے تو شاید مجھے یا یوحاوہ کو قتل کر دیتا۔ میں نے اُس کے ذہن میں درندگی کا ایسا تاثر پیدا کر دیا تھا کہ وہ قتل و غارت کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر میں ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے کہتا کہ یہ ہے محمدؐ، تو وہ تلوار اُس درخت کے تنے میں اُتار دیتا۔

مجھے یہ توقع بھی تھی کہ یہ پیچھے رہ گیا تو ہو سکتا ہے محمدؐ تک پہنچ جائے اور اُسے قتل کر دے۔ لیکن وہ خود قتل ہو گیا۔"

"کیا تم اب یوحاوہ پر قابو پا سکو گے؟" ـــــ ابوجریج نے پوچھا۔

"مجھے امید ہے کہ میں اُسے اپنے اثر میں لے آؤں گا" ـــــ لیث بن موشان نے جواب دیا۔

"کیا تم مجھے اس کام میں شریک کر سکو گے؟" ـــــ ابوجریج نے پوچھا اور کہا ـــــ "میں کچھ جاننا چاہتا ہوں، کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر بڑھاپا تمہیں چلنے دے تو چلے چلو" ـــــ لیث بن موشان نے کہا ـــــ "میں تھوڑی دیر تک روانہ ہونے والا ہوں۔ یہاں کے کچھ آدمی میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے ہیں۔"

☆

"اور پھر خالد بن ولید!" ـــــ بوڑھے ابوجریج نے اپنے پاس بیٹھے ہُوئے خالد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جذباتی آواز میں کہا ـــــ "ہم دونوں بوڑھے اونٹوں پر سوار اُس پہاڑی علاقے میں پہنچے جہاں کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ایک عورت کو دیکھا گیا ہے۔ ہم تنگ سی ایک وادی میں داخل ہو گئے۔ ہمارے پیچھے دس بارہ گھوڑ سوار اور تین چار شتر سوار تھے۔ وادی میں داخل ہُوئے تو ان سب نے کمانوں میں تیر ڈال لیے۔ وادی آگے جا کر کھل گئی۔ ہم دائیں کو گھومے تو ہمیں کئی گدھ نظر آئے جو کسی مُردار کو کھا رہے تھے۔ ایک صحرائی لومڑی گدّھوں میں سے دوڑتی ہُوئی نکلی۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے مُنہ میں ایک انسانی بازو تھا۔ ہم آگے گئے۔ دو اور لومڑیاں بھاگیں اور گدّھ اُڑ گئے۔ وہاں انسانی ہڈیاں بکھری ہُوئی تھیں۔ سر الگ پڑا تھا۔ اُس کے لمبے بال اِدھر اُدھر بکھرے ہُوئے تھے۔ کچھ کھوپڑی کے ساتھ تھے۔ آدھے چہرے پر ابھی کھال موجود تھی.... وہ یوحاوہ تھی۔ لیث بن موشان کچھ دیر اُس کی بکھری ہوئی ہڈیوں کو اور آدھ کھاتے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کی دودھ جیسی سفید داڑھی میں جذب ہو گئے۔ ہم وہاں سے آ گئے۔"

"لیث بن موشان اور یوحاوہ نے جرید بن مسیّب کو محمدؐ کے قتل کے لیے تیار کیا تھا" ـــــ خالد نے ایسے لہجے میں کہا جس میں طنز کی ہلکی سی جھلک بھی تھی ـــــ "جرید بن مسیّب مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہُوا اور یوحاوہ کا انجام تم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے.... کیا تم سمجھے نہیں ہو ابوجریج؟"

"ہاں، ہاں!" ـــــ بوڑھے ابوجریج نے جواب دیا ـــــ "لیث بن موشان کے جادو سے محمدؐ کا جادو زیادہ تیز اور طاقتور ہے۔ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ محمدؐ کے ہاتھ میں جادو ہے۔ اس جادو کا ہی کرشمہ ہے کہ اس کے مذہب کو لوگ مانتے ہی چلے جا رہے ہیں.... جرید کو قتل ہونا ہی تھا۔"

"میرے بزرگ دوست!" ـــــ خالد نے کہا ـــــ "اس بدرُوح کے قصّے مدینے میں بھی پہنچے ہوں گے لیکن وہاں کوئی نہیں ڈرا ہو گا۔ محمدؐ کے پیروکاروں نے تسلیم ہی نہیں کیا ہو گا کہ یہ جن بھوت یا بدرُوح ہے۔"

"محمدؐ کے پیروکاروں کو ڈرنے کی کیا ضرورت ہے" ـــــ ابوجریج نے کہا ـــــ "محمدؐ کے جادو نے مدینہ کے گرد حصار کھینچا ہُوا ہے۔ محمدؐ کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اُحد کی لڑائی میں زخمی ہُوا اور زندہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رہا تمہارا اور ہمارا اتنا زیادہ لشکر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے گیا تو ایسی آندھی آئی کہ ہمارا لشکر تتر بتر ہو کر بھاگا۔ میدان جنگ میں محمدؐ کے سامنے جو بھی گیا اُس کا دماغ جواب دے گیا.... کیا تم جانتے ہو محمدؐ کے قتل کی ایک اور کوشش ناکام ہو چکی ہے؟"

"سنا تھا" — خالد نے کہا — "پوری بات کا علم نہیں"

"یہ خیبر کا واقعہ ہے" — ابو جریج نے کہا — "مسلمانوں نے خیبر کے یہودیوں پر چڑھائی کی تو یہودی ایک دن بھی مقابلے میں جم نہ سکے"

"فریب کار قوم میدان میں نہیں لڑ سکتی" — خالد نے کہا — "یہودی پیٹھ پر وار کیا کرتے ہیں"

"اور وہ اُنہوں نے خیبر میں کیا" — ابو جریج نے کہا — "یہودیوں نے مقابلہ تو کیا تھا لیکن اُن پر محمدؐ کا خوف پہلے ہی طاری ہو گیا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جب مسلمان خیبر کے مقام پر پہنچے تو یہودی مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ان میں سے بعض محمدؐ کو پہچانتے تھے کسی نے بلند آواز سے کہا — 'محمدؐ بھی آیا ہے' — پھر کسی اور نے چلّا کر کہا — 'محمدؐ بھی آیا ہے' — یہودی لڑے تو سہی لیکن اُن پر محمدؐ کا خوف ایسا سوار ہُوا کہ اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے"

ابو جریج نے خالد کو خیبر کے معرکے کی روئیداد سنا کر ایک یہودن کا قصّہ سنایا۔ فتح خیبر کے بعد رسول اللہؐ نے وہاں چند دن قیام کیا اور بنی عدی کے بھائی انصاری کو خیبر کا امیر مقرر کیا۔ یہ موقع پر جب فتح خیبر کے بعد مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا۔ "اگر مجھے اپنی آنے والی اُمّت کی مفلسی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر وہ ملک جو فتح ہوتا، فاتح مجاہدین میں تقسیم کر دیتا لیکن میں ہر مفتوحہ ملک کو آنے والی اُمّت کے لیے ورثے میں چھوڑ جاؤں گا"

یہودیوں نے شکست کھائی تو اُنہوں نے رسولِ کریمؐ سے وفاداری کا اظہار شروع کر دیا۔ ایسے مظاہرے کیے جن سے پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کی محبّت سے یہودیوں کے دل لبریز ہیں۔ انہی دنوں جب رسولِ کریمؐ خیبر میں ہی تھے، ایک یہودن نے آپؐ کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا۔ اُس نے عقیدت مندی کا اظہار ایسے جذباتی طریقے سے کیا کہ رسولِ خُداؐ نے اُسے مایوس کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپؐ اُس کے گھر چلے گئے۔ آپؐ کے ساتھ بشرؓ بن البارأ تھے۔

یہودن زینب بنت الحارث نے جو سلّام بن مشکم کی بیوی تھی، رسولِ خداؐ کے راستے میں آنکھیں بچھائیں اور آپؐ کو کھانا پیش کیا۔ اُس نے سالم دُنبہ بھُونا تھا۔ اُس نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ آپؐ کو دُنبے کا کون سا حصّہ پسند ہے۔ آپؐ نے دستی پسند فرمائی۔ یہودن دُنبے کی دستی کاٹ لائی اور رسولِ خداؐ اور بشرؓ بن البارأ کے آگے رکھ دی۔

بشرؓ بن البارأ نے ایک بوٹی کاٹ کر منہ میں ڈال لی۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بوٹی منہ میں ڈالی مگر اُگل دی۔

"مت کھانا بشرؓ!" — آپؐ نے فرمایا — "اِس گوشت میں زہر مِلا ہُوا ہے"

بشرؓ بن البارأ بوٹی چبا رہے تھے۔ اُنہوں نے اُگل تو دی لیکن زہر لعاب دہن کے ساتھ حلق سے اُتر چکا تھا۔

"اے یہودن!" — رسولِ خُداؐ نے فرمایا — "کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کہ تُو نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟"

یہودن انکار نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے جرم کا ثبوت سامنے آ گیا تھا۔ بشرؓ بن البارأ حلق پر ہاتھ رکھ کر اُٹھے اور چکرا کر گر پڑے۔ زہر اتنا تیز تھا کہ اس نے بشرؓ کو پھر اٹھنے نہ دیا۔ وہ زہر کی تلخی سے تڑپے اور فوت ہو گئے۔

"اے محمدؐ!" — یہودن نے بڑی دلیری سے اعتراف کیا — "خدائے یہودہ کی قسم، یہ میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا"

رسول اللہؐ نے اس یہودن اور اس کے خاوند کے قتل کا حکم فرمایا اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے جو مشفقانہ رویّہ اختیار کیا تھا وہ ان کی ذہنیت کے مطابق بدل ڈالا۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں — "مروان بن عثمان نے مجھے بتایا تھا کہ رسولِ خداؐ آخری مرض میں مبتلا تھے، آپؐ نے وفات سے دو تین روز پہلے اُمّ بشرؓ بن البارأ کو جب وہ آپؐ کے پاس بیٹھی تھیں، فرمایا تھا — 'اُمّ بشر! میں آج بھی اپنے جسم میں اُس زہر کا اثر محسوس کر رہا ہوں جو اُس یہودن نے گوشت میں ملایا تھا۔ میں نے گوشت چبایا نہیں، اُگل دیا تھا مگر زہر کا اثر آج تک موجود ہے' — اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ رسول اللہؐ کی آخری بیماری کا باعث یہی زہر تھا"

☆

"محمدؐ کو کوئی قتل نہیں کر سکتا" — خالد نے کہا۔

"آخر کب تک!" — ابو جریج نے کہا — "اُس کا جادو کب تک چلے گا؟ اُسے ایک نہ ایک دن قتل ہونا ہے.... خالد!" — ابو جریج نے خالد کے قریب ہوتے ہُوئے پوچھا — "کیا تم نے محمدؐ کے قتل کی کبھی کوئی ترکیب سوچی ہے؟"

"کئی بار" — خالد نے جواب دیا — "جس روز میرے قبیلے نے بدر کے میدان میں شکست کھائی تھی، اُس روز سے محمدؐ کو اپنے ہاتھوں قتل کرنے کی ترکیبیں سوچ رہا ہوں لیکن میری ترکیب کارگر نہیں ہُوئی"

"کیا وہ ترکیب مجھے بتاؤ گے؟"

"کیوں نہیں!" — خالد نے جواب دیا — "بڑی آسان ترکیب ہے۔ یہ ہے کھُلے میدان میں آمنے سامنے کی لڑائی لیکن میں ایک لشکر کے مقابلے میں اکیلا نہیں لڑ سکتا۔ ہم تین لڑائیاں ہار چکے ہیں"

"خدا کی قسم!" — ابو جریج نے قہقہہ لگا کر کہا — "میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ولید کا بیٹا بیوقوف ہو سکتا ہے.... میں یہودیوں جیسی ترکیب کی بات کر رہا ہُوں۔ میں دھوکے اور فریب کی بات کر رہا ہُوں۔ محمدؐ کو تم آمنے سامنے کی لڑائی میں نہیں مار سکتے"

"اور تم اُسے فریب کاری سے بھی نہیں مار سکتے" — خالد نے کہا — "فریب کبھی کامیاب نہیں ہُوا"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بوڑھا ابوجریج خالد کی طرف جھکا اور اُس کے سینے پر انگلی رکھ کر بولا — "کسی اور کا فریب ناکام ہو سکتا ہے، یہودیوں کا فریب ناکام نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فریب کاری یہودیوں کے مذہب میں شامل ہے۔ میں لیث بن موشان کا دوست ہوں۔ کبھی اُس کی باتیں سنو، وہ دانشمند ہے۔ اُس کی زبان میں جادو ہے۔ وہ تمہیں زبان سے مسحور کر دے گا۔ وہ کہتا ہے، سال لگ جائیں، صدیاں گزر جائیں، آخر فتح یہودیوں کی ہوگی۔ دنیا میں کامیاب ہوگا تو صرف یہودی کامیاب ہوگا۔ مسلمان ابھی تعداد میں تھوڑے ہیں اس لیے ان میں اتفاق اور اتحاد ہے۔ اگر ان کی تعداد بڑھ گئی تو یہودی ایسے طریقوں سے ان میں تفرقہ ڈال دیں گے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں گے اور سمجھ نہ سکیں گے کہ یہ یہودیوں کی کارستانی ہے۔ محمدؐ انہیں یکجان رکھنے کے لیے کب تک زندہ رہے گا!"

خالد اُٹھ کھڑا ہُوا۔ ابوجریج بھی اٹھا۔ خالد نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ابوجریج نے اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ مصافحہ کر کے خالد اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

"تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ جا کہاں رہے ہو" — ابوجریج نے پوچھا۔

"مدینے!"

"مدینے؟" — ابوجریج نے حیرت سے پوچھا — "وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟ اپنے دشمن کے پاس ...؟"

"میں محمدؐ کا جادو دیکھنے جا رہا ہوں" — خالد نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆

اُس نے کچھ دور جا کر پیچھے دیکھا۔ اُسے ابوجریج کا قافلہ نظر نہ آیا۔ خالد نشیبی جگہ سے نکل کر اوپر چلا گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی۔ اُسے ایسے لگا جیسے آوازیں اُس کا تعاقب کر رہی ہوں — "محمدؐ ... جادوگر ... محمدؐ کے جادو میں طاقت ہے"۔

"نہیں ... نہیں" — اُس نے سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہا — "لوگ جس چیز کو سمجھ نہیں سکتے اُسے جادو کہہ دیتے ہیں اور جس آدمی کا سامنا نہیں کر سکتے اُسے جادوگر سمجھنے لگتے ہیں ... پھر بھی ... کچھ نہ کچھ راز ضرور ہے ... محمدؐ میں کوئی بات ضرور ہے"۔

ذہن اُسے چند دن پیچھے لے گیا۔ ابوسفیان نے اُسے، عکرمہ اور صفوان کو بلا کر بتایا تھا کہ مسلمان مکہّ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ ابوسفیان کو یہ اطلاع دو شتر سواروں نے دی تھی جنہوں نے مسلمانوں کے لشکر کو مکہّ کی طرف آتے دیکھا تھا۔

خالد تین سو اپنی پسند کے چنے ہوئے گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کو راستے میں گھات لگا کر روکنے کے لیے چل پڑا تھا۔ وہ اپنے اس جانباز دستے کو سرپٹ دوڑاتے جا رہا تھا۔ اُس کے سامنے تیس میل کی مسافت تھی۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ مسلمان کراع الغمیم سے ابھی دور ہیں۔ خالد اس کوشش میں تھا کہ مسلمانوں سے پہلے کراع الغمیم پہنچ جاتے۔ مکہّ سے تیس میل دور کراع الغمیم ایک پہاڑی سلسلہ تھا جو گھات کے لیے موزوں تھا۔

اگر مسلمان پہلے وہاں پہنچ جاتے تو خالد کے لیے جنگی حالات دشوار ہو جاتے۔

اُس نے راستے میں صرف دو جگہ دستے کو روکا اور گھوڑوں کو سستانے کا موقع دیا۔ اُس نے دو جگہوں پر اپنے گھوڑ سواروں کو اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا — "یہ ہمارے لیے کڑی آزمائش ہے۔ اپنے قبیلے کی عظمت کے محافظ صرف ہم ہیں۔ آج ہمیں عزیٰ اور ہبل کی لاج رکھنی ہے۔ ہمیں اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کو کراع الغمیم کے اندر ہی روک کر انہیں تباہ نہ کر سکے تو مکہّ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگا۔ ہماری بہنیں اور بیٹیاں ان کی لونڈیاں ہوں گی اور ہمارے بچے ان کے غلام ہوں گے۔ عزیٰ اور ہبل کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ ہم قریش اور مکہّ کی آن اور وقار پر جانیں قربان کر دیں گے"۔

تین سو گھوڑ سواروں نے نعرے لگاتے — "ہم عزیٰ اور ہبل کے نام پر مرمٹیں گے ..... ایک بھی مسلمان زندہ نہیں جائے گا .... کراع الغمیم کی وادی میں مسلمانوں کا خون بہے گا .... محمدؐ کو زندہ مکہّ لے جائیں گے .... مسلمانوں کی کھوپڑیاں مکہّ لے جائیں گے .... کاٹ دیں گے .... تباہ کر کے رکھ دیں گے"۔

خالد کا سینہ پھیل گیا اور سر اونچا ہو گیا تھا۔ اُس نے گھات کے لیے بڑی اچھی جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اُس نے نہایت کارگر جنگی چالیں سوچ لی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ صرف سوار دستہ اس لیے لایا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بکھیر کر اور گھوڑے دوڑا دوڑا کر لڑنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کی زیادہ تعداد پیادہ تھی۔ خالد کو یقین تھا کہ وہ تین سو سواروں سے ایک ہزار چار سو مسلمانوں کو گھوڑوں تلے روند ڈالے گا۔ اُسے اپنی جنگی فہم و فراست پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اُس نے تیر انداز دستے کو ساتھ لانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی، حالانکہ پہاڑی علاقے میں تیر اندازوں کو بلندیوں پر بٹھا دیا جاتا تو وہ نیچے گزرتے ہوئے مسلمانوں کو چن چن کر مارتے۔

☆

آگے جا کر خالد نے دستے کو ذرا سی دیر کے لیے روکا تو ایک بار پھر اپنے سواروں کے جذبے کو بھڑکایا۔ اُسے ان سواروں کی شجاعت پر اعتماد تھا۔

مسلمان ابھی دور تھے۔ خالد نے شتربانوں کے بہروپ میں اپنے تین چار آدمی آگے بھیج دیئے تھے جو مسلمانوں کی رفتار کی اور دیگر کوائف کی اطلاعیں دے رہے تھے۔ وہ باری باری پیچھے آتے اور بتاتے تھے کہ مسلمان کراع الغمیم سے کتنی دور رہ گئے ہیں۔ خالد ان اطلاعوں کے مطابق اپنے دستے کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ مسلمان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں معمولی رفتار سے اُس پھندے کی طرف چلے آ رہے تھے جو اُن کے لیے خالد کراع الغمیم میں بچھانے جا رہا تھا۔

خالد اس اطلاع کو نہیں سمجھ سکا تھا کہ مسلمان اپنے ساتھ بہت سے دُنبے اور بکرے لا رہے ہیں۔ اُسے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا کہ وہ مکہّ پر حملہ کرنے آ رہے ہیں تو دُنبے اور بکرے کیوں [illegible] آ رہا؟

"انہیں ڈر ہو گا کہ محاصرہ طول پکڑ گیا تو خوراک کم ہو جائے گی"۔۔۔ خالد کے ایک ساتھی نے خیال ظاہر کیا۔۔۔"اس صورت میں وہ ان جانوروں کا گوشت کھائیں گے.... اس کے سوا ان جانوروں کا اور کیا استعمال ہو سکتا ہے؟"

"بے چاروں کو معلوم نہیں کہ مکّہ تک وہ پہنچ ہی نہیں سکیں گے"۔۔۔ خالد نے کہا۔۔۔"ان کے دُنبے اور بکرے ہم کھائیں گے۔"

☆

مسلمان ابھی کراع الغیمم سے پندرہ میل دُور عسفان کے مقام پر تھے کہ خالد اس سلسلہ کوہ میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنے دستے کو پہاڑیوں کے دامن میں ایک دوسرے سے دُور دُور رکنے کو کہا اور خود گھات کی موزوں جگہ دیکھنے کے لیے آگے چلا گیا۔ وہ درّے تک گیا۔ یہی راستہ تھا جس سے قافلے اور دستے گزرا کرتے تھے۔ وہ یہاں سے پہلے بھی گزرا تھا لیکن اُس نے اس درّے کو اس نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا تھا جس نگاہ سے آج دیکھ رہا تھا۔

اُس نے اس درّے کو دائیں بائیں والی بلندیوں پر جا کر دیکھا۔ نیچے آیا۔ چٹانوں کے پیچھے گیا اور گھوڑوں کو چھپانے کی ایسی جگہوں کو دیکھا جہاں سے وہ اشارہ ملتے ہی فوراً نکل آئیں اور مسلمانوں پر بے خبری میں ٹوٹ پڑیں۔

وہ مارچ ۶۲۸ء کے آخری دن تھے۔ موسم ابھی سرد تھا مگر خالد کا اور اُس کے گھوڑے کا پسینہ بہہ رہا تھا۔ اُس نے گھات کا علاقہ منتخب کر لیا اور اپنے دستے کو کئی حصّوں میں تقسیم کر کے گھوڑوں کو درّے کے علاقے میں چھپا دیا۔ اب اُس نے اپنے اُن آدمیوں کو جو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاعیں لاتے تھے، اپنے پاس روک لیا کیونکہ خدشہ تھا کہ مسلمان اُن کی اصلیّت معلوم کر لیں گے۔ مسلمان قریب آ گئے تھے۔ رات کو اُنہوں نے پڑاؤ کیا تھا۔

☆

اگلی صبح جب نمازِ فجر کے بعد مسلمان کوچ کی تیاری کر رہے تھے، ایک آدمی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آیا۔

"تمھاری حالت بتا رہی ہے کہ تم دوڑتے ہُوئے آئے ہو"۔۔۔ رسولِ اکرمؐ نے کہا۔۔۔"اور تم کوئی اچھی خبر بھی نہیں لاتے۔"

"یا رسولؐ اللہ!۔۔۔ مدینہ کے اس مسلمان نے کہا۔۔۔"خبر اچھی نہیں اور اتنی بُری بھی نہیں..... مکّہ والوں کی نیّت ٹھیک نہیں۔ میں کل سے کراع الغیمم کی پہاڑیوں کے اندر گھوم پھر رہا ہُوں۔ خُدا کی قسم، وہ مجھے نہیں دیکھ سکے جنہیں میں دیکھ آیا ہوں۔ میں نے اُن کی تمام نقل و حرکت دیکھی ہے۔"

"کون ہیں وہ؟"

"اہلِ قریش کے سوا اور کون ہو سکتا ہے"۔۔۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔"وہ سب گھوڑ سوار ہیں اور درّے کے اردگرد کی چٹانوں میں چھُپ گئے ہیں۔"

"تعداد؟"

"تین اور چار سَو کے درمیان ہے"۔۔۔ رسولِ کریمؐ کے اس جاسُوس نے کہا۔۔۔"میں نے اگر صحیح پہچانا ہے تو وہ خالد بن ولید ہے جس کی بھاگ دوڑ کو میں سارا دن چھُپ چھُپ کر دیکھتا رہا ہوں۔ میں اتنی قریب چلا گیا تھا کہ وہ مجھے دیکھتے تو قتل کر دیتے۔ خالد نے اپنے سواروں کو درّے کے اردگرد پھیلا کر چھپا دیا ہے۔ کیا یہ غلط ہو گا کہ وہ گھات میں بیٹھ گئے ہیں؟"

"مکّہ والوں کو ہمارے آنے کی اطلاع ملی تو وہ سمجھے ہوں گے کہ ہم مکّہ کا محاصرہ کرنے آتے ہیں"۔۔۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے کہا۔

"قسم خُدا کی جس کے ہاتھ میں ہم سب کی جان ہے"۔۔۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا۔۔۔"اہلِ قریش مجھے لڑائی کے لیے للکاریں گے تو بھی میں نہیں لڑوں گا۔ ہم جس ارادے سے آتے ہیں اُس ارادے کو بدلیں گے نہیں۔ ہماری نیّت مکّہ میں جا کر عمرہ کرنے کی ہے اور ہم یہ دُنبے اور بکرے قربانی کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ میں اپنی نیّت میں تبدیلی کر کے خدائے ذوالجلال کو ناراض نہیں کروں گا۔ ہم خون خرابہ نہیں عمرہ کرنے آتے ہیں۔"

"یا رسولؐ اللہ!۔۔۔ ایک صحابی نے پوچھا۔۔۔"وہ درّے میں ہمیں روکیں گے تو کیا ہم پر اپنے دشمن کا خون خرابہ جائز نہیں ہو گا؟"

صحابہ کرامؓ رسولِ خُداؐ کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ اس صُورتِ حال سے بچ کر نکلنے کے طریقوں اور راستوں پر بحث مباحثہ ہُوا۔ رسولِ کریمؐ اچھے مشورے کو دھیان سے سنتے اور اس کے مطابق حکم صادر فرماتے تھے۔

آخر رسولِ خُدا نے حکم صادر فرمایا۔ آپؐ نے بیس گھوڑ سوار منتخب کئے اور انہیں ان ہدایات کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ وہ کراع الغیمم تک چلے جائیں لیکن درّے میں داخل نہ ہوں۔ وہ خالد کے دستے کا جائزہ لیتے رہیں اور یہ دستہ ان پر حملہ کرے تو یوں لڑیں کہ پیچھے کو ہٹتے آئیں اور بکھر کر رہیں۔ تاثر یہ دیں کہ یہ مدینہ والوں کا ہراول جیش ہے۔

ان بیس سواروں کو دعاؤں کے ساتھ روانہ کر کے باقی اہلِ مدینہ کا راستہ آپؐ نے بدل دیا۔ آپؐ نے جو راستہ اختیار کیا وہ بہت ہی دشوار گزار تھا اور لمبا بھی تھا لیکن آپؐ لڑائی سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک مُشکل یہ بھی تھی کہ اہلِ مدینہ میں کوئی ایک بھی آدمی نہ تھا جو اس راستے سے واقف ہوتا۔

یہ ایک اور درّہ تھا جو ثنیہ المرار کہلاتا تھا۔ اسے ذات الحنظل بھی کہتے تھے۔ رسولِ کریمؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس درّے میں داخل ہو گئے اور سلسلۂ کوہ کے ایسے راستے سے گزرے جہاں سے کوئی نہیں گزرا کرتا تھا۔ وہ راستہ کسی کے گزرنے کے قابل تھا ہی نہیں۔

☆

خالد کی نظریں مسلمانوں کے ہراول دستے پر لگی ہُوئی تھیں لیکن ہراول کے یہ بیس سوار رُک گئے تھے۔ کبھی ان کے دو تین سوار درّے تک آتے اور ادھر اُدھر دیکھ کر واپس چلے جاتے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اگر وہ بیس کے بیس سوار درّے میں آبھی جاتے تو خالد انہیں گزر جانے دیتا کیونکہ اس کا اصل شکار تو پیچھے آرہا تھا۔ ان بیس سواروں پر حملہ کر کے وہ اپنی گھات کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

یہ کوئی پرانا واقعہ نہیں تھا۔ چند دن پہلے کی بات تھی۔ خالد پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر ابھی تک نظر نہیں آیا۔ کیا اس نے کوچ ملتوی کر دیا ہے یا اُسے گھات کی خبر ہوگئی ہے؟

اُس نے اپنے ایک شتر سوار سے کہا کہ وہ اپنے بہروپ میں جائے اور دیکھے کہ مسلمان کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔

اس دوران بیس مسلمان سواروں نے اپنی نقل و حرکت جاری رکھی۔ ایک دو مرتبہ وہ درّے تک آئے اور ذرا رُک کر واپس چلے گئے۔ ایک دو مرتبہ وہ پہاڑیوں میں کسی اور طرف سے داخل ہوئے۔ خالد چھپ چھپ کر اُدھر آگیا۔ وہ سوار وہاں سے بھی واپس چلے گئے۔ اس طرح اُنہوں نے خالد کی توجہ اپنے اوپر لگائے رکھی۔ خالد کے سوار اشارے کے انتظار میں گھات میں چھُپے رہے۔

سورج غروب ہو چکا تھا جب خالد کا شتر سوار جاسوس واپس آیا۔

"وہ وہاں نہیں ہیں" — جاسوس نے خالد کو بتایا۔

"کیا تمہاری آنکھیں اب انسانوں کو نہیں دیکھ سکتیں؟" — خالد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"صرف اُن انسانوں کو دیکھ سکتی ہیں جو موجود ہوں" — شتر سوار نے کہا — "جو نہیں ہیں وہ نہیں ہیں۔ وہ کوچ کر گئے ہیں۔ کدھر گئے ہیں؟ میں نہیں بتا سکتا۔"

خالد اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ صحرا کی شام گہری ہو گئی تو اُس نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے ہراول کے سوار بھی وہاں نہیں ہیں۔ اُسے اُن کے کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

★

صبح طلوع ہوئی تو خالد نے درّے سے نکل کر دیکھا۔ بیس سوار غائب تھے۔ اُسے اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگا۔ اُس کے ارادے اور اس کے جنگی منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے۔ اُس نے سوچا کہ خود عسفان تک چلا جائے لیکن پہچانے جانے کے ڈر سے رکا رہا۔ اُس نے دو تین آدمی اونچی پہاڑیوں پر بھیج دیئے کہ وہ ہر طرف نظر رکھیں۔

دن آدھا گزر گیا تھا۔ اُسے کوئی اطلاع نہ ملی۔ مسلمانوں کے ہراول کے بیس سوار بھی نظر نہ آئے۔ اُسے توقع تھی کہ وہ آئیں گے۔ دوپہر کے لگ بھگ اُس کا ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا اُس کے پاس آرُکا۔

"میرے ساتھ چلو" — سوار نے تیز تیز بولتے ہوئے کہا — "جو میں نے دیکھا ہے وہ تم بھی دیکھو۔"

"کیا دیکھا ہے تم نے؟"

"..." — سوار نے کہا — "خدا کی قسم۔ وہ خبر دسی فاصلے پر نہیں ہوسکتی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ

وہ مسلمانوں کا لشکر ہو؟"

خالد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مکّہ کی سمت پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُسے زمین سے گرد کے بادل اُٹھتے دکھائی دیئے۔

"خدا کی قسم!" — خالد نے کہا — "قبیلہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جو محمدؐ جیسا دانشمند ہو۔ وہ میری گھات سے نکل گیا ہے۔"

مسلمان رسول اللہؐ کی قیادت میں کراع الغمیم کی دوسری طرف سے مکّہ کی طرف نکل گئے تھے۔ رات کو اُن کے بیس سوار بھی دور کے راستے سے اُن کے پیچھے گئے اور اُن سے جا ملے تھے۔ خالد نے گھوڑا موڑا اور ایڑ لگائی۔ وہ کراع الغمیم کے اندر چلّاتا اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا پھر رہا تھا۔

"باہر آجاؤ.... مدینہ والے مکّہ کو چلے گئے ہیں.... تمام سوار سامنے آؤ۔"

تھوڑی سی دیر میں اُس کے تین سو گھوڑ سوار اُس کے پاس آگئے۔

"وہ ہمیں دھوکہ دے گئے ہیں" — خالد نے اپنے سواروں سے کہا — "تم نہیں مانو گے وہ گزر گئے ہیں۔ گزرنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے.... ہمیں اب زندگی اور موت کی دوڑ لگانی پڑے گی۔ سُست ہو جاؤ گے تو وہ مکّہ کا محاصرہ کرلیں گے۔ وہ بازی جیت جائیں گے۔"

آج مدینہ کے راستے پر جب مدینہ قریب رہ گیا تھا، خالد کو یاد آرہا تھا کہ اُسے مکّہ پر مسلمانوں کے قبضے کا ڈر تو تھا لیکن وہ رسولِ کریمؐ کی اس چال پر عش عش کر اُٹھا تھا۔ وہ خود فنِ حرب و ضرب اور عسکری چالوں کا ماہر اور دلدادہ تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ رسول اللہؐ نے اپنے ہراول کے بیس سوار دھوکہ دینے کے لیے بھیجے تھے۔ سواروں نے اُسے کامیابی سے دھوکہ دیا۔ اُس کی توجہ کو گرفتار کیے رکھا اور مسلمان دوسری طرف سے نکل گئے۔

"یہ جادو نہیں" — خالد نے اپنے آپ سے کہا — "اگر اپنے قبیلے کی سرداری مجھے مل جائے تو جادو کے یہ کرتب میں بھی دکھا سکتا ہوں۔"

یہ صحیح تھا کہ اُس کے باپ نے اُسے ایسی عسکری تعلیم و تربیت دی تھی کہ وہ میدانِ جنگ کا جادوگر کہلا سکتا تھا مگر اُس کے اُوپر ایک سردار تھا، اُبوسفیان۔ وہ قبیلے کا سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ اُس کے ماتحت خالد اپنی کوئی چال نہیں چل سکتا تھا۔ اپنی اس مجبوری نے اُس کے دل میں ابوسفیان کی نفرت پیدا کر دی تھی۔

★

اُسے چند دن پہلے کا یہ واقعہ یاد آرہا تھا۔ ایک ہزار چار سو مسلمان اُس کی گھات کو دھوکہ دے کر مکّہ کی طرف نکل گئے تھے۔ اُس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ تین سو سواروں سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کردے۔ اُسے احساس تھا کہ جو مسلمان قلیل تعداد میں کثیر تعداد کے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں انہیں تین سو سواروں سے شکست نہیں دی جا سکتی کیونکہ وہ کثیر تعداد میں ہیں۔

اُسے مکّہ ہاتھ سے جاتا نظر آنے لگا تھا اور اُسے یہ خفّت بھی محسوس ہونے لگی تھی کہ اُس کی گھات کی ناکامی پر اُبوسفیان اُسے طعنہ دے گا اور ہنسی اُڑائے گا۔ پھر اُسے قریش کی شکست اور مکّہ کے سقوط کا مجرم کہا جائے گا۔

اُس نے اپنے سواروں کو ایک راستہ بتا کر کہا کہ مسلمانوں سے پہلے مکّہ پہنچنا ہے۔ یہ دشوار راستہ تھا

لیکن وہ مسلمانوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کے تین سو سواروں نے گھوڑوں کو ایڑیں لگا دیں۔ راستہ لمبا ہونے کی وجہ سے تین میل کا فاصلہ ڈیڑھ گنا ہو گیا تھا جسے خالد رفتار سے کم کرنے کے جتن کر رہا تھا۔

عربی نسل کے اعلیٰ گھوڑے شام سے بہت پہلے مکہ پہنچ گئے۔ وہاں مسلمانوں کی ابھی ہوا بھی نہیں پہنچی تھی۔ مکّہ کے لوگ گھوڑوں کے شوروغل پر گھروں سے نکل آئے۔ ابوسفیان بھی باہر آ گیا۔

"کیا تمہاری گھات کامیاب رہی؟" ـــــ ابوسفیان نے پوچھا۔

"وہ گھات میں آئے ہی نہیں" ـــ خالد نے گھوڑے سے کود کر اُترتے ہوئے کہا ـــ "کیا تم مکّہ کے اردگرد ایسی خندق کھدوا سکتے ہو جیسی محمدؐ نے مدینہ کے اِردگرد کھُدوائی تھی؟"

"وہ کہاں ہیں؟" ـــــ ابوسفیان نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا ـــ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مجھے اُن کی کچھ خبر دو؟"

"جتنی دیر میں تم خبر سنتے اور سوچتے ہو، اتنی دیر میں وہ مکّہ کو محاصرے میں لے لیں گے" ـــ خالد نے کہا ـــ "ہبل اور عزّیٰ کی عظمت کی قسم، وہ پہاڑوں اور چٹانوں کو روندتے آ رہے ہیں۔ اگر وہ کراع الغیم میں سے کسی اور راستے سے گذر رہے ہیں تو وہ انسان نہیں۔ کوئی پیادہ وہاں سے اتنی تیزی سے نہیں گزر سکتا جتنی تیزی سے وہ گذر آئے ہیں۔"

"خالد!" ـــــ ابوسفیان نے کہا ـــ "ذرا ٹھنڈے ہو کر سوچو۔ خدا کی قسم، گھبراہٹ سے تمہاری آواز کانپ رہی ہے۔"

"ابوسفیان!" ـــ خالد نے جل کر کہا ـــ "تم میں صرف یہ خوبی ہے کہ تم میرے قبیلے کے سردار ہو۔ میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ اُن کے لیے مکّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مشکل نہیں" ـــــ خالد نے دیکھا کہ اُس کے دو ساتھی سالار، عکرمہ اور صفوان، قریب کھڑے تھے۔ خالد نے اُن سے کہا ـــ "آج بھول جاؤ کہ تمہارا سردار کون ہے۔ صرف یہ یاد رکھو کہ مکّہ پر طوفان آ رہا ہے۔ اپنی آن کو بچاؤ۔ یہاں کھڑے ایک دوسرے کا مُنہ نہ دیکھو۔ اپنے شہر کو بچاؤ، اپنے دیوتاؤں کو بچاؤ۔"

☆

سارے شہر میں بھگدڑ بپا ہو گئی۔ لڑنے والے لوگ برچھیاں، تلواریں اور تیر کمان اٹھائے مکّہ کے دفاع کو نکل آئے۔ عورتوں اور بچّوں کو ایسے بڑے مکانوں میں منتقل کیا جانے لگا جو قلعوں جیسے تھے۔ جوان عورتیں بھی لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ یہ اُن کے شہر کا اور جان و مال کا ہی نہیں، اُن کے مذہب کا بھی مسئلہ تھا۔ یہ دو نظریوں کی ٹکر تھی لیکن خالد اِسے اپنے ذاتی وقار کا اور اپنے خاندانی وقار کا مسئلہ سمجھتا تھا۔ اُس کا خاندان جنگ و جدل کے لیے مشہور تھا۔ اُس کے باپ کو لوگ عسکری قائد کہا کرتے تھے۔ خالد اپنے خاندان کے نام اور خاندانی روایات کو زندہ رکھنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا تھا۔

اُس نے ابوسفیان کو نظر انداز کر دیا۔ عکرمہ اور صفوان کو ساتھ لیا اور ایسی چالیں سوچ لیں جن سے وہ مسلمانوں کو شہر سے دُور رکھ سکتا تھا۔ اُس نے سواروں کی کچھ تعداد اس کام کے لئے منتخب کر لی کہ یہ سوار شہر سے دُور چلے جائیں اور مسلمان اگر محاصرہ کر لیں تو یہ گھوڑسوار عقب سے محاصرے پر حملہ کر دیں مگر وہاں جم کر لڑیں نہیں، بلکہ محاصرے میں کہیں شگاف ڈال کر بھاگ جائیں۔

شہر میں افراتفری اور لڑنے والوں کی بھاگ دوڑ اور للکار میں چند ایک عورتوں کی مترنّم آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اُن کی آوازیں ایک آواز بن گئی تھی۔ وہ رزمیہ گیت گا رہی تھیں جس میں رسول اللہؐ کے قتل کا ذکر تھا۔ بڑا جوشیلا اور بھڑکا دینے والا گیت تھا۔ یہ عورتیں گلیوں میں یہ گیت گاتی پھر رہی تھیں۔

چند ایک مسلّح شتر سواروں کو مدینہ کی طرف سے آنے والے راستے پر اور دو تین اور سمتوں کو دوڑا دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبریں پیچھے پہنچاتے رہیں۔ عورتیں اُونچے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر مدینہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ سورج افق میں اُترتا جا رہا تھا۔ صحرا کی شفق بڑی دلفریب ہُوا کرتی ہے مگر اُس شام مکّہ والوں کو شفق میں لہو کے رنگ دکھائی دے رہے تھے۔

کہیں سے، کسی بھی طرف گرد اُٹھتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"انہیں اب تک آ جانا چاہیئے تھا" ـــ خالد نے عکرمہ اور صفوان سے کہا ـــ "ہم اتنی جلدی خندق نہیں کھود سکتے۔"

"ہم خندق کا سہارا لے کر نہیں لڑیں گے" ـــ عکرمہ نے کہا۔

"ہم اُن کے محاصرے پر حملے کریں گے" ـــ صفوان نے کہا ـــ "اُن کے پاؤں جمنے نہیں دیں گے۔"

سورج غروب ہو گیا۔ رات گہری ہونے لگی۔ کچھ بھی نہ ہُوا۔

مکّہ میں زندگی بیدار اور سرگرم رہی جیسے وہاں رات آئی ہی نہ ہو۔ عورتوں، بچّوں اور بوڑھوں کو قلعوں جیسے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا اور جو لڑنے کے قابل تھے وہ اپنے سالاروں کی ہدایات پر شہر کے اردگرد اپنے مورچے مضبوط کر رہے تھے۔

رات آدھی گذر گئی۔ مدینہ والوں کی آمد کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔

پھر رات گذر گئی۔

☆

"خالد!" ـــ ابوسفیان نے پوچھا ـــ "کہاں ہیں وہ؟"

"اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ نہیں آئیں گے تو یہ بہت خطرناک فریب ہے جو تم اپنے آپ کو دے رہے ہو" ـــ خالد نے کہا ـــ "محمدؐ کی عقل تک تم نہیں پہنچ سکتے۔ جو وہ سوچ سکتا ہے وہ تم نہیں سوچ سکتے.... وہ آئیں گے۔"

اُس وقت تک مسلمان چند ایک معرکے دوسرے قبیلوں کے خلاف لڑ کر اپنی دھاک بٹھا چکے تھے۔ اُن میں غزوہ خیبر ایک بڑا معرکہ تھا۔ انہیں جنگ کا تجربہ ہو چکا تھا۔

"ابوسفیان!" ـــ خالد نے کہا ـــ "میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان اب وہ نہیں رہے جو تم نے اُحد میں دیکھے تھے۔ اب وہ لڑنے کے ماہر بن چکے ہیں۔ اُن کا ابھی تک سامنے نہ آنا بھی ایک چال ہے۔"

ابوسفیان کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ ایک شتر سوار نظر آیا جس کا اونٹ بہت تیز رفتار سے دوڑتا آ رہا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوسفیان اور خالد کے قریب آ کر اُس نے اونٹ روکا اور کود کر نیچے آیا۔

"میری آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ تم نہیں مانو گے" ـــــ شتر سوار نے کہا ـــــ "میں نے مسلمانوں کو حدیبیہ میں خیمہ زن دیکھا ہے۔"

"وہ محمدؐ اور اُس کا لشکر نہیں ہو سکتا" ـــــ ابوسفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم، میں محمدؐ کو اس طرح پہچانتا ہوں جس طرح تم دونوں مجھے پہچانتے ہو" ـــــ شتر سوار نے کہا ـــــ "اور میں نے ایسے اور آدمیوں کو بھی پہچانا ہے جو ہم میں سے تھے لیکن اُن کے ساتھ جا ملے تھے۔"

حدیبیہ مکّہ سے تیرہ میل دُور مغرب میں ایک مقام تھا۔ رسولِ کریمؐ خونریزی سے بچنا چاہتے تھے اس لیے آپؐ مکّہ سے دُور حدیبیہ میں جا خیمہ زن ہوتے تھے۔

"ہم اُن پر شبخون ماریں گے" ـــــ خالد نے کہا ـــــ "انہیں ستانے نہیں دیں گے۔ وہ جس راستے سے حدیبیہ پہنچے ہیں، اُس راستے نے انہیں تھکا دیا ہو گا۔ اُن کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں گی۔ وہ تازہ دم ہو کر مکّہ پر حملہ کریں گے۔ ہم انہیں آرام نہیں کرنے دیں گے"۔

"ہم انہیں وہاں سے بھگا سکتے ہیں" ـــــ ابوسفیان نے کہا ـــــ "چھاپہ مار جیش تیار کرو"۔

☆

رسولِ اکرمؐ نے اپنی خیمہ گاہ کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ گھوڑ سوار جیش رات کو خیمہ گاہ کے اردگرد گشتی پہرہ دیتے تھے۔ دن کو بھی پہرے کا انتظام تھا۔

ایک اور گھوڑ سوار جیش نے اپنے جیسا ایک گھوڑ سوار جیش دیکھا جو خیمہ گاہ سے دُور آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔ مسلمان سوار اُن سواروں کی طرف چلے گئے۔ وہ قریش کے سوار تھے جو وہاں نہ رُکے اور دُور چلے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک اور طرف سے آتے نظر آئے اور مسلمانوں کی خیمہ گاہ سے تھوڑی دُور رُک کر چلے گئے۔

دوسرے روز وہ سوار خیمہ گاہ کے قریب آ گئے۔ اب کے مسلمان سواروں کا ایک جیش جو خیمہ گاہ سے دُور نکل گیا تھا، واپس آ گیا۔ اس جیش نے اِن سواروں کو گھیر لیا۔ انہوں نے گھیرے سے نکلنے کے لیے ہتھیار نکال لیے۔ ان میں جھڑپ ہو گئی لیکن مسلمان سواروں کے کماندار نے اپنے سواروں کو روک دیا۔

"انہیں نکل جانے دو" ـــــ جیش کے کماندار نے کہا ـــــ "ہم لڑنے آتے ہوتے تو ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ جانے دیتے۔"

وہ مکّہ کے لڑاکا سوار تھے۔ انہوں نے واپس جا کر ابوسفیان کو بتایا۔

"چند اور سواروں کو بھیجو" ـــــ ابوسفیان نے کہا ـــــ "ایک شبخون مارو۔"

"میرے قبیلے کے سردار!" ـــــ ایک سوار نے کہا ـــــ "ہم نے شبخون مارنے کی بہت کوشش کی ہے لیکن اُن کی خیمہ گاہ کے اردگرد دن رات گھوڑ سوار گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔"

قریش کے چند اور سواروں کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شام کے ذرا بعد شبخون مارنے کی کوشش کی

لیکن مسلمان سواروں نے ان کے کچھ سواروں کو زخمی کر کے وہاں سے بھگا دیا۔

مکّہ والوں پر تذبذب کی کیفیت طاری رہی۔ وہ راتوں کو سوتے بھی نہیں تھے۔ محاصرے کے ڈر سے ہر وقت بیدار اور چوکس رہتے تھے اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ آخر ایک روز مکّہ میں ایک مسلمان سوار داخل ہُوا۔ اُس نے ابوسفیان کے متعلق پوچھا۔ لوگوں کا ایک ہجوم اُس کے پیچھے چل پڑا۔ ابوسفیان نے دُور سے دیکھا اور دوڑا آیا۔ خالد بھی آ گیا۔

"میں محمدؐ الرسول اللہ کا پیغام لے کر آیا ہوں" ـــــ مسلمان سوار نے کہا ـــــ "ہم لڑنے نہیں آتے، ہم عمرہ کرنے آتے ہیں عمرہ کر کے چلے جائیں گے۔"

"اگر ہم اجازت نہ دیں تو؟" ـــــ ابوسفیان نے پوچھا۔

"ہم مکّہ والوں کا نہیں خدا کا حکم ماننے والے ہیں" ـــــ مسلمان سوار نے کہا ـــــ "ہم اپنے اور اپنی عبادت گاہ کے درمیان کسی کو حائل نہیں ہونے دیا کرتے۔ اگر مکّہ کے مکان ہمارے لئے رکاوٹ بنیں گے تو خدا کی قسم، مکّہ ملبے اور کھنڈروں کی بستی بن جائے گی۔ اگر یہاں کے لوگ ہمیں روکیں گے تو مکّہ کی گلیوں میں خون بہے گا.... ابوسفیان ہم امن کا پیغام لے کر آئے ہیں اور یہاں کے لوگوں سے امن کا تحفہ لے کر جائیں گے۔"

خالد کو وہ لمحے یاد تھے جب یہ مسلمان سوار پُر وقار لہجے میں دھمکی دے رہا تھا۔ خالد کا خون کھول اُٹھنا چاہیئے تھا لیکن اُسے یہ آدمی بڑا اچھا لگا تھا۔ اُسے ابوسفیان کا جواب بھی جو اُس نے رسولِ کریمؐ کو بھیجا تھا، اچھا لگا تھا۔ ابوسفیان نے کہا تھا کہ دونوں طرف کے ذمہ دار آدمی صلح سمجھوتے کی شرائط طے کریں۔

☆

پھر ایک صلح نامہ تحریر ہُوا تھا جسے صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے اِس پر رسولِ اکرمؐ نے اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو نے دستخط کئے تھے۔ اس صلح نامے میں طے پایا تھا کہ مسلمان اور اہلِ قریش دس سال تک نہیں لڑیں گے اور مسلمان آئندہ سال عمرہ کرنے آئیں گے اور مکّہ میں تین دن ٹھہر سکیں گے۔

رسولِ کریمؐ قریش میں سے تھے۔ خالد آپؐ کو بہت اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب اُس نے آپؐ کو دیکھا تو اُس نے محسوس کیا کہ "یہ کوئی اور محمدؐ" ہے۔ وہ ایسا متاثر ہُوا کہ اُس کے ذہن سے اُتر گیا کہ یہ وہی محمدؐ ہے جسے وہ اپنے ہاتھوں قتل کرنے کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔

خالد نبی کریمؐ کو ایک سالار کی حیثیت سے زیادہ دیکھ رہا تھا۔ وہ آپؐ کی عسکری اہلیّت کا قائل ہو گیا تھا۔ صلح حدیبیہ تک مسلمان رسولِ اکرمؐ کی قیادت میں چھوٹے بڑے اٹھائیس معرکے لڑ چکے اور فتح و نصرت کی دھاک بٹھا چکے تھے۔

مسلمان عمرہ کر کے چلے گئے۔ دو مہینے گذر گئے۔ ان دو مہینوں میں خالد پر خاموشی طاری رہی لیکن اس خاموشی میں ایک طوفان اور ایک انقلاب پرورش پا رہا تھا۔ خالد نے مذہب میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اُسے نہ کبھی اپنے بُتوں کا خیال آیا تھا نہ کبھی اُس نے رسولِ کریمؐ کی رسالت کو سمجھنے کی کوشش

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی تھی، مگر اب از خود اُس کا دھیان مذہب کی طرف چلا گیا اور وہ اِس سوچ میں کھو گیا کہ مذہب کون سا سچا ہے اور انسان کی زندگی میں مذہب کی اہمیت اور ضرورت کیا ہے۔

"عکرمہ!" ــــ ایک روز خالد نے اپنے ساتھی سالار عکرمہ سے جو اُس کا بھتیجا بھی تھا، کہا ــــ "میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا سمجھ گئے ہو خالد!" ــــ عکرمہ نے پوچھا۔

"محمدؐ جادوگر نہیں" ــــ خالد نے کہا ــــ "اور محمدؐ شاعر بھی نہیں۔ میں نے محمدؐ کو اپنا دشمن سمجھنا چھوڑ دیا ہے اور میں نے محمدؐ کو خدا کا رسولؐ تسلیم کرلیا ہے۔"

"ہبل اور عزیٰ کی قسم، تم مذاق کر رہے ہو" ــــ عکرمہ نے کہا ــــ "کوئی نہیں مانے گا کہ ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ رہا ہے۔"

"ولید کا بیٹا اپنا مذہب چھوڑ چکا ہے" ــــ خالد نے کہا۔

"کیا تم بھول گئے ہو کہ محمدؐ ہمارے کتنے آدمیوں کو قتل کرا چکا ہے؟" ــــ عکرمہ نے کہا ــــ "تم اُن کے مذہب کو قبول کر رہے ہو جن کے خون کے ہم پیاسے ہیں!"

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے عکرمہ!" ــــ خالد نے دوٹوک لہجے میں کہا ــــ "میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔"

اُسی شام ابوسفیان نے خالد کو اپنے ہاں بلایا۔ عکرمہ بھی وہاں موجود تھا۔

"کیا تم بھی محمدؐ کی باتوں میں آگئے ہو؟" ــــ ابوسفیان نے اُس سے پوچھا۔

"تم نے ٹھیک سنا ہے ابوسفیان!" ــــ خالد نے کہا ــــ "محمدؐ کی باتیں ہی کچھ ایسی ہیں۔"

مشہور مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان قبیلے کا سردار تھا۔ اُس نے خالد کا فیصلہ بدلنے کے لیے اُسے قتل کی دھمکی دی۔ خالد اس دھمکی پر مسکرا دیا مگر عکرمہ برداشت نہ کرسکا حالانکہ وہ خود خالد کے فیصلے کے خلاف تھا۔

"ابوسفیان!" ــــ عکرمہ نے اُسے کہا ــــ "میں تمہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں لیکن خالد کو جو تم نے دھمکی دی ہے، وہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔ تم خالد کو اپنا مذہب بدلنے سے نہیں روک سکتے۔ اگر تم خالد کے خلاف کوئی کارروائی کرو گے تو ہوسکتا ہے کہ میں بھی خالد کے ساتھ مدینے چلا جاؤں۔"

☆

اگلے ہی روز مکہ میں ہر کسی کی زبان پر یہ الفاظ تھے ــــ "خالد بن ولید محمدؐ کے پاس چلا گیا ہے"

خالد یادوں کے ریلے میں بہتا مدینہ کو چلا جا رہا تھا۔ اُسے اپنا ماضی اس طرح یاد آیا تھا جیسے وہ گھوڑے پر سوار مدینہ کو نہیں بلکہ پیادہ اپنے ماضی میں چلا جا رہا ہو۔ اُسے مدینہ کے اونچے مکانوں کی منڈیریں نظر آنے لگی تھیں۔

"خالد!" ــــ اُسے کسی نے پکارا لیکن اسے گذرے ہوئے وقت کی آواز سمجھ کر اس نے نظر انداز کردیا۔

اُسے گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیئے تب اُس نے دیکھا۔ اُسے دو گھوڑے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ رُک گیا۔ گھوڑے اُس کے قریب آکر رُک گئے۔ ایک سوار اُس کے قبیلے کا مشہور جنگجو عمرو بن العاص تھے اور دوسرے عثمان بن طلحہ۔ ان دونوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

"کیا تم دونوں مجھے واپس مکہ لے جانے کے لیے آئے ہو؟" ــــ خالد نے اُن سے پوچھا۔

"تم جا کہاں رہے ہو؟" ــــ عمرو بن العاص نے پوچھا۔

"اور تم دونوں کہاں جا رہے ہو؟" ــــ خالد نے پوچھا۔

"خدا کی قسم، ہم تمہیں بتائیں گے تو تم خوش نہیں ہوگے" ــــ عثمان بن طلحہ نے کہا ــــ "ہم مدینہ جا رہے ہیں۔"

"بات پوری کرو عثمان!" ــــ عمرو بن العاص نے کہا ــــ "خالد! ہم محمدؐ کا مذہب قبول کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے محمدؐ کو خدا کا سچا نبی مان لیا ہے۔"

"پھر ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں" ــــ خالد نے کہا ــــ "آؤ، اکھٹے چلیں۔"

وہ ۳۱ مئی ۶۲۸ء کا دن تھا جب تاریخِ اسلام کے دو عظیم جرنیل، خالد بن ولید اور عمرو بن العاص مدینہ میں داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ تھے۔ تینوں رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچے۔ سب سے پہلے خالد بن ولید اندر گئے۔ ان کے پیچھے عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ گئے۔ تینوں نے قبولِ اسلام کی خواہش ظاہر کی۔

رسول اللہؐ اُٹھ کھڑے ہوئے اور تینوں کو باری باری گلے لگایا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شہیدوں کو دل سے اُتار دیں۔ ذہن سے اُن کا نام و نشان مٹا دیں۔ ان کی یادوں کو شراب میں ڈبو دیں۔ اُس زمین پر جو خدا نے ہمیں شہیدوں کے صدقے عطا کی ہے، بادشاہ بن کر گردن اکڑا لیں اور کہیں کہ میں ہوں اس زمین کا شہنشاہ۔ شہیدوں کے نام پر مٹی ڈال دیں۔ کسی شہید کی کہیں قبر نظر آئے تو اُسے زمین سے ملا دیں مگر زندگی کے ہر موڑ اور ہر دوراہے پر آپ کو شہید کھڑے نظر آئیں گے۔ آپ کے ذہن کے کسی گوشے سے شہید اُٹھیں گے اور شراب اور شہنشاہیت کا نشہ اُتار دیں گے کہ جس نے تخت و تاج کے نشے میں شہیدوں سے بے وفائی کی وہ شاہ سے گدا اور ذلیل و خوار ہُوا کیونکہ اُس نے قرآن کے اِس فرمان کی حکم عدولی کی کہ شہید زندہ ہیں، اُنہیں مُردہ مت کہو۔

عرب کے ملک اُردن میں گمنام سا ایک مقام ہے جس کا نام مُوتہ ہے۔ اِس کے قریب سے گزر جانے والوں کو بھی شاید پتہ نہ چلتا ہو گا کہ وہاں ایک بستی ہے۔ اس کی حیثیت چھوٹے سے ایک گاؤں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں لیکن شہیدوں نے اُردن کے بادشاہ کو اپنی موجودگی کا اور اپنی زندگی کا جو اُنہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے احساس دلا دیا ہے۔ وہ جس معرکے میں شہید ہُوئے تھے وہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے اِس مقام پر لڑا گیا تھا۔ پھر یہ مقام گزرتے زمانے کی اُڑتی ریت میں دبتا چلا گیا۔

کچھ عرصے سے مُوتہ کے رہنے والے ایک عجیب صورتِ حال سے دوچار ہونے لگے۔ آج بھی وہاں چلے جائیں اور وہاں کے رہنے والوں سے پُوچھیں تو وہ بتائیں گے کہ اُن میں سے کوئی نہ کوئی آدمی رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے کے مجاہدینِ اسلام چل پھر رہے ہیں۔ کفّار کا ایک لشکر آتا ہے اور مجاہدین اس کے مقابلے میں جم جاتے ہیں۔ ان کی تعداد تھوڑی ہے اور لشکرِ کفّار مانندِ سیلاب ہے۔ معرکہ بڑا خونریز ہے۔

یہ خواب ایک دو آدمیوں نے نہیں، وہاں کے بہت سے آدمیوں نے دیکھا ہے اور کسی نہ کسی کو یہ خواب ابھی تک نظر آتا ہے۔ یہ لوگ پڑھے لکھے نہیں۔ اُنہیں معلوم نہیں تھا کہ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے یہاں حق و باطل کا معرکہ لڑا گیا تھا مگر ان کے خوابوں میں شہید آنے لگے۔ یہ خبر اُردن کے ایوانوں تک پہنچی۔ تب یاد آیا کہ یہ وہ مُوتہ ہے جہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کی ایک لڑائی ہوئی تھی۔ یہ عیسائی عرب کے باشندے تھے۔

شہیدوں نے اپنے زندہ ہونے کا ایسا احساس دلایا کہ اُردن کی حکومت نے جنگِ مُوتہ اور اس جنگ کے شہیدوں کی یادگار کے طور پر ایک نہایت خوبصورت مسجد تعمیر کرنے کے احکام جاری کر دیئے۔ مسجد کی تعمیر ۱۹۷۸ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں تین سپہ سالار — زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن رواحہ — یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے تھے۔ اِن تینوں کی قبریں مُوتہ سے تقریباً دو میل دُور ہیں جو ابھی تک محفوظ ہیں۔

مدینہ میں آ کر خالدؓ بن ولید نے اسلام قبول کیا تو اُن کی ذات میں عظیم انقلاب آ گیا۔ تین مہینے گزر گئے تھے۔ خالدؓ زیادہ تر وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور بیٹھے فیض حاصل کرتے رہتے مگر اُنہیں ابھی عسکری جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ فنِ حرب و ضرب کے ماہر جنگجو تھے۔ اُن کا حسب و نسب بھی عام عربوں سے اونچا تھا لیکن اُنہوں نے ایسا دعویٰ نہ کیا کہ اُنہیں سالار کا رُتبہ ملنا چاہیئے۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو سپاہی سمجھا اور اسی حیثیت میں خوش رہے۔

آج کے شام اور اُردن کے علاقے میں اُس زمانے میں قبیلہ غسّان آباد تھا جو اس علاقے میں دُور تک پھیلا ہُوا تھا۔ یہ قبیلہ طاقت کے لحاظ سے زبردست مانا جاتا تھا کیونکہ جنگجو ہونے کے علاوہ اس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس قبیلے میں عیسائی بھی شامل تھے۔

اُس وقت رُوما کا شہنشاہ ہرقل تھا جس کی جنگ پسندی اور جنگی دہشت دُور دُور تک پہنچی ہوئی تھی۔ اسلام تیزی سے پھل پھُول رہا تھا۔ قبیلہ قریش کے ہزارہا لوگ اسلام قبول کر چکے تھے۔ اُن کے مانے منجھے ہوئے سردار اور سالار بھی مدینہ جا کر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے اور مسلمان ایک جنگی طاقت بنتے جا رہے تھے۔ کئی ایک چھوٹے چھوٹے قبائل حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔

مدینہ اطلاعیں پہنچ رہی تھیں کہ قبیلۂ غسّان مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اسلام کی مقبولیت کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو للکارنا چاہتا ہے اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔ یہ بھی سُنا گیا کہ غسّان کا سردارِ اعلیٰ رُوما کے بادشاہ ہرقل کے ساتھ دوستی کر کے اُس کی جنگی طاقت بھی مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنا ایک ایلچی (جس کا نام تاریخ میں محفوظ نہیں) غسّان کے سردارِ اعلیٰ کے ہاں اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ واحدہٗ لاشریک ہے اور اسلام ایک مذہب اور ایک دین ہے، باقی تمام عقیدے جو مختلف مذاہب کی صورت اختیار کر گئے ہیں، توہمات ہیں اور یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے غسّان کے سردارِ اعلیٰ کو قبولِ اسلام کی دعوت دی۔

نبیٔ کریمؐ نے یہ پیغام اس خیال سے بھیجا تھا کہ بیشتر اس کے کہ قبیلۂ غسّان رُوما کے شہنشاہ ہرقل کی جنگی قوت سے مرعوب ہو کر عیسائیت کی آغوش میں چلا جائے، یہ قبیلہ اسلام قبول کرے اور اسے اپنا اتحادی بنا کر ہرقل سے بچایا جائے۔

"خدا کی قسم، اس سے بہتر فیصلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا" — خالدؓ نے ایک محفل میں کہا — "ہرقل نے فوج کشی کی تو یوں سمجھو کہ باطل کا طوفان آ گیا جو سب کو اُڑا لے جائے گا۔"

"غسّان کی خیریت اسی میں ہے کہ رسول اللہؐ کی دعوت قبول کر لے" — کسی اور نے کہا۔

"نہیں کرے گا تو ہمیشہ کے لیے ہرقل کا غلام ہو جائے گا" — ایک اور نے کہا۔

اُس وقت ہرقل قبیلۂ غسّان کے علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ساتھ جو فوج تھی، اس کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ غسّان کے سردارِ اعلیٰ کو اطلاع مل چکی تھی مگر وہ پریشان نہیں تھا۔ وہ ہرقل کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

نبیؐ کریم کا ایلچی بصرہ کو جا رہا تھا۔ غسّان کا دارالحکومت بصرہ تھا۔ ایلچی کے ساتھ ایک اونٹ پر لدے ہُوئے زادِ راہ کے علاوہ تین محافظ بھی تھے۔

بڑی لمبی مسافت کے بعد ایلچی مُوتہ پہنچا اور اُس نے ذرا سستانے کے لئے اپنا مختصر سا قافلہ روک لیا۔ قریب ہی قبیلہ غسّان کی ایک بستی تھی۔ اس کے سردار کو اطلاع ملی کہ چار اجنبی بستی کے قریب پڑاؤ کئے ہُوئے ہیں۔ سردار نے جس کا نام شرجیل بن عمرو تھا، مدینہ کے ایلچی کو اپنے ہاں بلایا اور پُوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہا ہے۔

"میں مدینہ کا ایلچی ہوں اور بصرہ جا رہا ہوں" —— ایلچی نے جواب دیا۔ "میں اللہ کے رسولؐ کا پیغام تمہارے سردارِ اعلیٰ کے لئے لے جا رہا ہوں۔"

"کیا تم قبیلۂ قریش کے محمدؐ کی بات کر رہے ہو؟" —— شرجیل بن عمرو نے طنزیہ لہجے میں پُوچھا۔ "پیغام کیا ہے؟"

"پیغام یہ ہے کہ اسلام قبول کر لو" —— ایلچی نے کہا۔ "اور باطل کے عقیدے ترک کر دو۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے سردارِ اعلیٰ کی اور اپنے مذہب کی توہین برداشت کر لوں گا؟" —— شرجیل بن عمرو نے کہا۔ "اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو یہیں سے واپس مدینہ چلے جاؤ۔"

"میں بصرہ کے راستے سے ہٹ نہیں سکتا" —— ایلچی نے کہا۔ "یہ رسول اللہؐ کا حکم ہے جس کی تعمیل میں مَیں فخر سے اپنی جان دے دوں گا۔"

"اور میں بڑے فخر سے تمہاری جان لوں گا" —— شرجیل بن عمرو نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

ایلچی کے تینوں محافظ باہر بیٹھے تھے۔ اندر سے تین آدمی نکلے۔ وہ کسی کی خون آلود لاش گھسیٹتے ہوئے باہر لا رہے تھے۔ محافظوں نے دیکھا کہ لاش کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے پہچان لیا۔ یہ اُن کے ایلچی کی لاش تھی۔ شرجیل بن عمرو باہر آیا۔

"تم اس کے ساتھی تھے" —— شرجیل نے محافظوں سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس کے بغیر تم بصرہ نہیں جاؤ گے۔"

"نہیں" —— ایک محافظ نے جواب دیا۔ "پیغام اس کے پاس تھا۔"

"جاؤ۔ مدینہ کو لَوٹ جاؤ" —— شرجیل نے کہا۔ "اور محمدؐ سے کہنا کہ ہم اپنے قبیلے اور اپنے عقیدے کی توہین برداشت نہیں کیا کرتے۔ اگر یہ شخص بصرہ پہنچ جاتا تو وہاں قتل ہو جاتا۔"

"خدا کی قسم!" —— ایک محافظ نے کہا۔ "ہم اپنے مہمان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا کرتے۔"

"میں تمہیں مہمان سمجھ کر تمہاری جان بخشی کر رہا ہوں" —— شرجیل نے کہا۔ "اور مجھے یہ نہ کہنا کہ میں تمہیں اس کی لاش دے دوں۔"

مدینہ کی تمام تر آبادی کو معلوم ہو چکا تھا کہ رسول اللہؐ کا ایلچی دعوتِ اسلام لے کر بصرہ گیا ہُوا ہے۔

سب ایلچی کی واپسی کے منتظر تھے لیکن تینوں محافظ ایلچی کے بغیر واپس آئے۔ اُن کے چہروں پر صرف گرد کی تہہ اور تھکن کے آثار ہی نہیں تھے، غم و غصّے کے تاثرات بھی تھے۔ وہ مدینہ داخل ہوئے تو لوگ ہجوم کر کے آ گئے۔

"خدا کی قسم، ہم انتقام لیں گے" —— محافظ بازو لہرا لہرا کر کہتے جا رہے تھے۔ "مُوتہ کے شرجیل بن عمرو کا قتل ہم پر فرض ہو گیا ہے۔"

جب یہ خبر رسولِ اکرمؐ کو ملی تو باہر مدینہ کی آبادی اکٹھی ہو گئی تھی۔ عربوں کے رواج کے مطابق قتل کی سزا قتل تھی۔ باہر لوگ "انتقام انتقام" کے نعرے لگا رہے تھے۔ اُس دَور میں بھی، آج کل کی طرح ایک دوسرے کے ایلچیوں کو جن کی حیثیت سفیروں جیسی ہوتی تھی، دشمن بھی تحفظ دیتا تھا۔ کسی کے ایلچی کو قتل کر دینے کا مطلب اعلانِ جنگ سمجھا جاتا تھا۔

"اہلِ مدینہ!" —— رسولِ کریمؐ نے باہر آ کر مدینہ والوں کے بپھرے ہوئے ہجوم سے فرمایا۔ "میں نے اُنہیں لڑائی کے لیے نہیں للکارا تھا۔ میں نے اُنہیں سچّا دین قبول کرنے کو کہا تھا۔ اگر وہ لڑنا چاہتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔"

"ہم لڑیں گے ...... ہم انتقام لیں گے ...... مسلمان کمزور نہیں" —— ہجوم نعرے لگا رہا تھا —— "مسلمان کا خون اتنا ارزاں نہیں ...... ہم اللہ اور رسولؐ کے ناموس پر مر مٹیں گے۔"

رسولِ کریمؐ کے حکم سے اُسی روز مجاہدینِ اسلام کی فوج تیار ہو گئی جس کی تعداد تین ہزار تھی۔ رسولِ کریمؐ نے سپہ سالاری کے فرائض زیدؓ بن حارثہ کو سونپے۔

"اگر زیدؓ شہید ہو جائے تو سپہ سالار جعفرؓ بن ابی طالب ہو گا" —— نبیؐ کریم نے فرمایا۔ "جعفرؓ بھی شہید ہو جائے تو سپہ سالار عبداللہؓ بن رواحہ ہو گا۔ اگر عبداللہؓ کو بھی اللہ شہادت عطا کر دے تو فوج اپنا سپہ سالار خود چُن لے۔"

مؤرخ ابنِ سعد اور مغازی لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ نے یہ تین سپہ سالار درجہ بدرجہ مقرر کر کے مجاہدین کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ آپؐ نے سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ سے فرمایا کہ مُوتہ پہنچ کر سب سے پہلے شرجیل بن عمرو کو جو ہمارے ایلچی کا قاتل ہے، قتل کیا جائے پھر مُوتہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں کو کہا جائے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ انہیں بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے۔ اگر وہ قبول کر لیں تو ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔

مجاہدین کی اس فوج میں خالدؓ بن ولید محض سپاہی تھے، کسی دستے یا جیش کے کماندار بھی نہیں تھے۔

روما کے شہنشاہ ہرقل کی فوج آج کے اُردن میں کسی جگہ خیمہ زن تھی۔ یہ قبیلہ غسّان کا علاقہ تھا۔ فوج کی تعداد (مؤرخین کے مطابق) ایک لاکھ تھی۔ یہ فوج اس علاقے کی بستیوں پر چھا چکی تھی۔ کھڑی فصل گھوڑے اور اونٹ کھا رہے تھے۔ لوگوں کے گھروں سے اناج اور کھجوروں کے ذخیرے فوج نے اُٹھا لیے تھے اور جوان اور خوبصورت عورتیں فوج کے سرداروں اور کمانداروں کے خیموں میں تھیں۔

ہرقل کا خیمہ قناتوں اور شامیانوں کا محل تھا۔ قبیلہ غسّان کا سردارِ اعلیٰ ہرقل کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُسے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ہرقل کی فوج کشی کی اطلاع ملی تھی تو وہ بیش قیمت تحائف اور اپنے قبیلے کی بڑی حسین دس بارہ لڑکیاں اپنے ساتھ لے کر ہرقل کے استقبال کو چلا گیا تھا۔ اب ان لڑکیوں میں سے دو تین ہرقل کے پہلوؤں میں بیٹھی تھیں۔

"..... اور تم نے بتایا ہے کہ مدینہ سے محمدؐ نے تمہیں پیغام بھیجا تھا کہ تمہارا قبیلہ اُس کا مذہب قبول کر لے" ——— ہرقل نے کہا۔

"میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ میرے ایک سردار شرجیل بن عمرو نے مدینہ کے ایلچی کو مجھ تک نہیں پہنچنے دیا" ——— غسّان کے سردارِ اعلیٰ نے کہا ——— "اُسے مُوتہ میں قتل کر دیا تھا۔"

"کیا مدینہ والوں میں اتنی طاقت اور جرأت ہے کہ وہ اپنے ایلچی کے قتل کا انتقام لینے آئیں؟" ——— ہرقل نے پُوچھا۔

"اُن کی طاقت کم ہے اور جرأت زیادہ ہے" ——— سردارِ اعلیٰ نے کہا ——— "اُن لوگوں پر محمدؐ کا جادو سوار ہے۔ پہلے پہل مجھے اُن کے متعلق اطلاعیں ملیں تو میں نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی مگر اُنہوں نے ہر میدان میں فتح پائی ہے اور ہر میدان میں اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ میں نے سُنا ہے کہ محمدؐ اور اُس کے سالاروں کی جنگی چالوں کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ اُس نے مجھے اپنے مذہب کا جو پیغام بھیجا تھا، اُس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھنے لگا ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" ——— ہرقل نے ایک نیم برہنہ لڑکی کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ لیتے ہوئے پُوچھا۔

"بات صاف کہہ دوں تو میرے لیے بھی اچھا ہے، آپ کے لیے بھی" ——— سردارِ اعلیٰ نے کہا ——— "میں نے آپ کی فوج دیکھ لی ہے۔ میرا قبیلہ کوئی چھوٹا قبیلہ نہیں۔ اگر زیادہ نہیں تو آپ جتنی فوج میرے پاس بھی ہے۔ آپ اپنے ملک سے دُور ہیں۔ اگر ہم لڑیں گے تو میں اپنی زمین پر لڑوں گا جہاں کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گا۔"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟" ——— ہرقل نے مسکرا کر پُوچھا۔

"اگر یہ دھمکی ہے تو یہ میں اپنے آپ کو بھی دے رہا ہوں" ——— غسّان کے سردارِ اعلیٰ نے کہا ——— "میں آپ کو آپس کی لڑائی کے نتائج بتا رہا ہوں جو ہم دونوں کے لیے اچھے نہیں ہوں گے۔ اس کا فائدہ مدینہ والوں کو پہنچے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم دونوں مل کر مسلمانوں کو ختم کریں؟ میں فتح کی صورت میں آپ سے کچھ نہیں مانگوں گا۔ مفتوحہ علاقہ آپ کا ہو گا۔ میں اپنے علاقے میں واپس آ جاؤں گا..... ہم آپس میں لڑ کر اپنی طاقت ضائع نہ کریں۔ پہلے ایک ایسی طاقت کو ختم کریں جو مدینہ میں ہم دونوں کے خلاف تیار ہو رہی ہے۔"

"میں تمہاری تجویز کو قبول کرتا ہوں" ——— شہنشاہ ہرقل نے کہا۔

"پھر اپنی فوج کو حکم دے دیں کہ غسّان کی بستیوں میں لُوٹ مار بند کر دیں۔"

"دے دوں گا" ——— ہرقل نے کہا ——— "ہمیں مدینہ والوں کے انتظار میں نہیں رہنا چاہیے۔ ہم مدینہ کی طرف بڑھیں گے۔"

انہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ مدینہ کے تین ہزار مجاہدین مدینہ سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ مُوتہ سے کچھ فاصلے پر معان نام کا ایک مقام تھا، وہاں اُنہوں نے پڑاؤ کیا۔ اس علاقے اور اس سے آگے کے علاقے میں مجاہدین اجنبی تھے۔ اُنہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ آگے کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ آگے دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کتنی ہے اور کیسی ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے تین چار مجاہدین کو غریب سے شتر سواروں کے بھیس میں آگے بھیج دیا گیا۔

اِن آدمیوں نے رات آگے کہیں جا کر گزاری اور اگلی شام کو واپس آئے۔ وہ جو خبر لائے وہ اچھی نہیں تھی۔ وہ دُور آگے چلے گئے تھے۔ پہلے اُنہیں غسّان کے دو کُنبے نظر آئے جو نقل مکانی کر کے کہیں جا رہے تھے۔ دونوں کُنبوں میں نوجوان لڑکیاں اور جوان عورتیں زیادہ تھیں۔ وہ لوگ امیر کبیر معلوم ہوتے تھے۔ اُن کا سامان کئی اونٹوں پر لدا ہُوا تھا۔ یہ قافلہ ایک جگہ آرام کے لیے رُکا ہُوا تھا۔ مجاہدین بھی وہیں رُک گئے اور اُنہوں نے قافلے والوں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی اور یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ بصرہ جا رہے ہیں اور وہاں سے تجارت کا سامان لائیں گے۔

"یہیں سے واپس چلے جاؤ" ——— قافلے کے آدمیوں نے اُنہیں بتایا ——— "رُوما کے بادشاہ ہرقل کا لشکر لُوٹ مار اور قتل و غارت کرتا چلا آ رہا ہے۔ تم سے اونٹ اور مال و دولت چھین لیں گے اور ہو سکتا ہے تمہیں قتل بھی کر دیں۔"

پھر ہرقل کی فوج کشی کی باتیں ہوتی رہیں۔ پتہ چلا کہ اُنہوں نے ہرقل کی فوج دیکھی نہیں، صرف سُنا ہے کہ یہ فوج اُردن میں داخل ہو کر لُوٹ مار کر رہی ہے۔ ان کُنبوں میں چونکہ عورتیں زیادہ تھیں اِس لیے اُنہیں بچانے کے لیے یہ لوگ بھاگ نکلے۔

مجاہدین کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ ہرقل کے متعلق صحیح صورتِ حال معلوم کریں۔ یہ بہت بڑا خطرہ تھا۔ مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ اُنہیں غسّان کی ایک بستی نظر آ گئی۔ وہ بستی میں چلے گئے اور بتایا کہ وہ بصرہ جا رہے تھے مگر راستے میں رہزنوں نے اُنہیں لُوٹ لیا ہے۔ بستی والوں نے انہیں کھانا کھلایا اور خاصی آؤ بھگت کی۔ وہاں سے انہیں صحیح اطلاع مل گئی۔

صحیح صورتِ حال یہ تھی کہ ہرقل اور قبیلہ غسّان کے درمیان معاہدہ طے پا گیا تھا۔ قبیلہ غسّان نے اپنی فوج ہرقل کی فوج میں شامل کر دی تھی اور دونوں فوجوں کا رُخ مدینہ کی طرف تھا۔ مؤرّخوں نے ہرقل کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ اور ایک لاکھ غسّان کی فوج کی تعداد لکھی ہے لیکن بعض مؤرّخ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ دونوں فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بتاتے ہیں۔ بہر حال مدینہ کی اسلامی فوج کی تعداد سب نے تین ہزار لکھی ہے۔

اس صورتِ حال نے مجاہدین کے سالاروں کو پریشان کر دیا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ دشمن کی اس ہیبت ناک جنگی قوّت اور اپنی قلیل تعداد کو دیکھتے ہوئے واپس آ جاتے لیکن اُنہوں نے واپسی کی نہ سوچی، البتہ معان سے آگے پیش قدمی روک دی۔

"اگر ہم واپس چلے گئے تو یہ ہرقل اور غسّان کے لئے دعوت ہو گی کہ بے دھڑک مدینہ تک

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پڑے آؤ" — عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا — "ہم دشمن کو یہیں روکیں گے۔"

"کیا ہم اتنی تھوڑی تعداد میں اتنے بڑے لشکر کو روک سکیں گے؟" — زیدؓ بن حارثہ نے پوچھا۔

"کون سے میدان میں ہم تھوڑی تعداد میں نہیں تھے؟" — جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا — "اگر ہم مل کر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکتے تو ہم میں سے کوئی مدینہ چلا جاتے اور رسول اللہ سے احکام لے آئے۔"

"ہم اتنا وقت ضائع نہیں کر سکتے" — عبداللہؓ نے کہا — "دشمن ہمیں اتنی مہلت نہیں دے گا خدا کی قسم، میں دشمن کو یہ تاثر نہیں دوں گا کہ ہم اُس کے لشکر سے ڈر گئے ہیں۔"

"اور میں مدینہ میں یہ کہنے کے لیے داخل نہیں ہوں گا کہ ہم پسپا ہو آتے ہیں" — زیدؓ نے کہا — "ہم جانیں قربان کر کے زندہ رہنے والوں کے لیے مثال قائم کر جائیں گے۔ یہ مت بھولو کہ غسّان کی فوج میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ عیسائی اپنے مذہب کی خاطر لڑیں گے۔"

عبداللہؓ بن رواحہ اُٹھ کھڑے ہُوتے اور اپنے مجاہدین کو اکٹھا کر کے اتنے جوشیلے لہجے میں خطاب کیا کہ تین ہزار مجاہدین کے نعرے زمین و آسمان کو ہلانے لگے۔ سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ نے آگے کو کوچ کا حکم دے دیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مجاہدین اسلام نے اپنے آپ کو بڑے ہی خطرناک امتحان میں ڈال دیا۔ ہرقل اور غسّان کے سردار اعلیٰ کو معلوم ہو گیا تھا کہ مدینہ سے چند ہزار نفری کی فوج اپنے ایلچی کے قتل کا انتقام لینے آ رہی ہے۔ مجاہدین کو کچل ڈالنے کے لئے ہرقل اور غسّان کے لشکر آ رہے تھے۔

مجاہدین بڑھتے چلے گئے اور بلقاء پہنچے۔ انہیں اور آگے جانا تھا لیکن غسّان کی فوج کے دستے جن کی تعداد مجاہدین کی نسبت تین گنا تھی، راستے میں حائل ہو گئے۔ زیدؓ بن حارثہ نے مجاہدین کو دُور ہی روک لیا اور ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر علاقے کا جائزہ لیا۔ انہیں یہ زمین لڑائی کے لیے موزوں نہ لگی دوسرے سالاروں سے مشورہ کر کے زیدؓ بن حارثہ مجاہدین کو پیچھے لے آتے۔ غسّان کی فوج نے اسے پسپائی سمجھ کر مجاہدین کا تعاقب کیا۔

زیدؓ مُوتہ کے مقام پر رُک گئے اور فوراً اپنے مجاہدین کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ اُنہوں نے فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کیا — دایاں اور بایاں پہلو اور قلب — دائیں پہلو کی کمان قطبہؓ بن قتادہ کے پاس اور بائیں پہلو کی عبایہؓ بن مالک کے ہاتھ تھی۔ زیدؓ خود قلب میں رہے۔

"اللہ کے سچے نبیؐ کے عاشقو!" — زیدؓ بن حارثہ نے بڑی بلند آواز سے مجاہدین کو للکارا — "آج ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم حق کے پرستار ہیں۔ آج باطل کے نیچے سے زمین کھینچ لو۔ اپنے سامنے باطل کا لشکر دیکھو اور اس سے مت ڈرو..... یہ لڑائی طاقت کی نہیں، یہ جرأت، جذبے اور دماغ کی جنگ ہے۔ میں تمہارا سپہ سالار بھی ہوں اور عَلم بردار بھی۔ دشمن کا لشکر اتنا زیادہ ہے کہ تم اس میں گم ہو جاؤ گے لیکن اپنے ہوش گُم نہ ہونے دینا۔ ہم اکٹھے لڑیں گے اور اکٹھے مریں گے" — زیدؓ نے عَلم اُٹھا لیا۔

دشمن کی طرف سے تیروں کی پہلی بوچھاڑ آئی۔ زیدؓ کے حکم سے مجاہدین کے دائیں اور بائیں پہلو پھیل گئے اور آگے بڑھے۔ یہ آمنے سامنے کا تصادم تھا۔ مجاہدین دائیں اور بائیں پھیلتے اور آگے

بڑھتے چلے گئے اور زیدؓ نے قلب کو آگے بڑھا دیا۔ وہ خود آگے گے تھے۔ یہ معرکہ ایسا تھا کہ مجاہدین کا حوصلہ اور جذبہ برقرار رکھنے کے لیے سپہ سالار کا آگے ہونا ضروری تھا۔

چونکہ عَلم بھی سپہ سالار زیدؓ بن حارثہ کے پاس تھا اس لیے دشمن انہی پر تیر برساتا اور ہلّے بول رہا تھا زیدؓ کو تیر لگ چکے تھے۔ جسم سے خُون بہ رہا تھا لیکن اُنہوں نے عَلم نیچے نہ ہونا دیا اور ان کی للکار خاموش نہ ہوئی۔ عَلم اٹھاتے ہوتے وہ تلوار بھی چلا رہے تھے۔ پھر اُن کے جسم میں برچھیاں لگیں۔ آخر وہ گھوڑے سے گر پڑے اور شہید ہو گئے۔ عَلم گرتے ہی مجاہدین کچھ بددل ہُوتے لیکن جعفرؓ بن ابی طالب نے بڑھ کر عَلم اُٹھا لیا۔

"رسولؐ اللہ کے شیدائیو!" — جعفرؓ نے عَلم اوپر کر کے بڑی ہی بلند آواز سے کہا — "خُدا کی قسم، اسلام کا عَلم گر نہیں سکتا" — اور اُنہوں نے زیدؓ بن حارثہ شہید کی جگہ سنبھال لی۔

مجاہدین لشکرِ کفار میں گم ہو گئے تھے لیکن اُن کا جذبہ قائم تھا۔ اُن کی للکار اور اُن کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ ان کا عَلم بلند تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد عَلم گرنے لگا۔ عَلم گرتا تھا، اٹھتا تھا۔ عبداللہؓ بن رواحہ نے دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ عَلم بردار زخمی ہے اور وہ عَلم کو سنبھال نہیں سکتا۔ عَلم بردار سپہ سالار خود تھا۔ وہ جعفرؓ بن ابی طالب تھے۔ عبداللہؓ اُن کی طرف دوڑے۔ اُن تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

عبداللہؓ جعفرؓ تک پہنچے ہی تھے کہ جعفرؓ گر پڑے۔ اُن کا جسم خون میں نہا گیا تھا۔ جسم پر شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں تیر، تلوار یا برچھی کا زخم نہیں تھا۔ جعفرؓ گرتے ہی شہید ہو گئے۔ عبداللہؓ نے پرچم اٹھا کر بلند کیا اور نعرہ لگا کر مجاہدین کو بتایا کہ اُنہوں نے عَلم اور سپہ سالاری سنبھال لی ہے۔

یہ دشمن کی فوج کا ایک حصّہ تھا جس کی تعداد دس سے پندرہ ہزار تک تھی۔ یہ تمام تر نفری غسّانی عیسائیوں کی تھی جو اس معرکے کو مذہبی جنگ سمجھ کر لڑ رہے تھے۔ اتنی زیادہ تعداد کے خلاف تین ہزر مجاہدین کیا کر سکتے تھے لیکن اُن کی قیادت اتنی دانش مند اور عسکری لحاظ سے اتنی قابل تھی کہ اس کے تحت مجاہدین جنگی طریقے اور سلیقے سے لڑ رہے تھے۔ ان کا انداز لٹھ بازوں والا نہیں تھا مگر دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مجاہدین بکھرنے لگے۔ یہاں تک کہ بعض اس انتشار اور دشمن کے دباؤ اور زور سے گھبرا کر معرکے سے نکل گئے لیکن وہ بھاگ کر کہیں گئے نہیں، قریب ہی کہیں موجود رہے۔ باقی مجاہدین انتشار کا شکار ہونے سے یُوں بچے کہ وہ چار چار پانچ پانچ اکٹھے ہو کر لڑتے رہے۔

جنگی مبصّرین نے لکھا ہے کہ غسّانی مسلمانوں کی اس افراتفری کی کیفیّت سے کچھ بھی فائدہ نہ اُٹھا سکے جس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اتنی بے جگری سے اور ایسی مہارت سے لڑ رہے تھے کہ غسّانیوں پران کا رعب طاری ہو گیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا بکھر جانا بھی ان کی چال ہے۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالاروں اور کمانداروں نے اس صورتِ حال کو یوں سنبھالا کہ اپنے آدمیوں کو معرکے سے نکالنے لگے تاکہ انہیں منظّم کیا جا سکے۔

اس دوران عَلم ایک بار پھر گر پڑا۔ تیسرے سپہ سالار عبداللہؓ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے۔ اب کے مجاہدین میں بددلی نظر آنے لگی۔ عَلم کا تیسری بار گرنا اچھا شگون نہیں تھا۔ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تین سالار مقرر کئے تھے۔ اب مجاہدین کو سپہ سالار خود مقرر کرنا تھا۔

عَلم گرا ہُوا تھا جو شکست کی نشانی تھی۔ ایک سرکردہ مجاہد ثابتؓ بن ارقم نے عَلم اٹھا کر بلند کیا اور نعرہ لگانے کے انداز سے کہا۔ "اپنا سپہ سالار کسی کو بنالو۔ عَلم کو میں بلند رکھوں گا... میں ثابتؓ بن ارقمؓ۔"

مؤرّخ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ ثابتؓ اپنے آپ کو سپہ سالاری کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور وہ مجاہدین کی رائے کے بغیر سپہ سالار بننا بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کا حکم تھا کہ تینوں سالار اگر شہید ہو جائیں تو چوتھے سپہ سالار کا انتخاب مجاہدین خود کریں۔ ثابتؓ کی نظر خالدؓ بن ولید پر پڑی جو قریب ہی تھے مگر خالدؓ بن ولید کو مسلمان ہوئے ابھی تین ہی مہینے ہُوئے تھے اس لیے انہیں اسلامی معاشرت میں ابھی کوئی اہمیّت حاصل نہیں ہُوئی تھی۔ ثابتؓ بن ارقم خالدؓ کے عسکری جوہر اور جذبے سے واقف تھے۔ انہوں نے عَلم خالدؓ کی طرف بڑھایا۔

"بیشک اس رُتبے کے قابل تم ہو خالدؓ!"

"نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے جواب دیا۔۔۔ "میں ابھی اس کا مستحق نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے عَلم لینے سے انکار کر دیا۔ لڑائی کا زور کچھ ٹوٹ گیا تھا۔ ثابتؓ نے للکار کر مجاہدین سے کہا کہ خالدؓ سے کہو کہ عَلم اور سپہ سالاری لے لے۔ بیشتر مجاہدین خالدؓ کی عسکری قابلیّت سے واقف تھے اور قبیلہ قریش میں اُن کی حیثیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔

"خالدؓ... خالدؓ... خالدؓ"۔۔۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔۔۔ "خالدؓ ہمارا سپہ سالار ہے۔"

خالدؓ نے لپک کر عَلم ثابتؓ سے لے لیا۔

غسّانی لڑتو رہے تھے لیکن ذرا پیچھے ہٹ گئے تھے۔ خالدؓ کو پہلی بار آزادی سے قیادت کے جوہر دکھانے کا موقع مِلا۔ اُنہوں نے چند ایک مجاہدین کو اپنے ساتھ رکھ لیا اور ان سے قاصدوں کا کام لینے لگے۔ خود بھی بھاگ دوڑ کرنے لگے۔ لڑتے بھی رہے۔ اس طرح اُنہوں نے اُن مجاہدین کو جو لڑنے کے قابل رہ گئے تھے یکجا کر کے منظّم کر لیا اور انہیں پیچھے ہٹا لیا۔ غسّانی بھی پیچھے ہٹ گئے اور دونوں طرف سے تیروں کی بوچھاڑیں برسنے لگیں۔ فضا میں ہر طرف تیر اُڑ رہے تھے۔

خالدؓ نے صورتِ حال کا جائزہ لیا، اپنی نفری اور اس کی کیفیت دیکھی تو ان کے سامنے یہی ایک صُورت رہ گئی تھی کہ معرکہ ختم کر دیں۔ دُشمن کو کمک بھی مل رہی تھی لیکن خالدؓ پسپا نہیں ہونا چاہتے تھے۔ پسپائی بجا تھی لیکن خطرہ یہ تھا کہ دشمن تعاقب میں آئے گا جس کا نتیجہ مجاہدین کی تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

خالدؓ نے سوچ سوچ کر ایک دلیرانہ فیصلہ کیا۔ وہ مجاہدین کے آگے ہو گئے اور غسّانیوں پر حملہ بول دیا۔ مجاہدین نے جب اپنے سپہ سالار اور اپنے عَلم کو آگے دیکھا تو اُن کے حوصلے تر و تازہ ہو گئے۔ یہ حملہ اتنا دلیرانہ اور اتنا تیز تھا کہ کثیر تعداد غسّانی عیسائیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ مجاہدین کے حملے اور ان کی ضربوں میں قہر تھا۔ مورّخ لکھتے ہیں (اور حدیث بھی ہے) کہ اُس وقت تک خالدؓ کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ چکی تھیں۔

خالدؓ دراصل غسّانیوں کو بکھیر کر مجاہدین کو پیچھے ہٹانا چاہتے تھے۔ اس میں وہ کامیاب رہے۔ اُنہوں نے اپنے اور مجاہدین کے جذبے اور اسلام کے عشق کے بل بوتے پر یہ دلیرانہ حملہ کیا تھا۔ حملے اور ہلّے کی

شدت نے تو پورا کام کیا لیکن غسّانی مجاہدین کی اس غیر معمولی دلیری سے مرعوب ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ اُن میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کے دائیں پہلو کے سالار قطبہؓ بن قتادہ نے غسّانیوں کے قلب میں گھُس کر اُن کے سپہ سالار مالک کو قتل کر دیا۔ اس سے غسّانیوں کے حوصلے جواب دے گئے اور وہ تعداد کی افراط کے باوجود بہت پیچھے چلے گئے اور منظّم نہ رہ سکے۔

خالدؓ نے اسی لیے یہ دلیرانہ حملہ کرایا تھا کہ مجاہدین کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ وہ اُنہوں نے کر لیا اور مجاہدین کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح یہ جنگ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئی۔

جب مجاہدین خالدؓ بن ولید کی قیادت میں مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ میں پہلے ہی خبر پہنچ چکی تھی کہ مجاہدین پسپا ہو کر آ رہے ہیں۔ مدینہ کے لوگوں نے مجاہدین کو طعنے دینے شروع کر دیئے کہ وہ بھاگ کر آئے ہیں۔ خالدؓ نے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور معرکے کی تمام تر روئیداد پیش کی۔ لوگوں کے طعنے بلند ہوتے جا رہے تھے۔

"خاموش ہو جاؤ"۔۔۔ رسولِ کریمؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔۔۔ "یہ میدانِ جنگ کے بھگوڑے نہیں۔ یہ لڑ کر آئے ہیں اور آئندہ بھی لڑیں گے.... خالدؓ اللہ کی تلوار ہے۔"

ابنِ ہشام، واقدی اور مغازی لکھتے ہیں کہ رسولِ کریمؐ کے یہ الفاظ خالدؓ بن ولید کا خطاب بن گئے۔ "سیف اللہ"۔۔۔ اللہ کی شمشیر۔ اس کے بعد یہ شمشیر اللہ کی راہ میں ہمیشہ بے نیام رہی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قبیلۂ قریش کا سردارِ اعلیٰ ابوسفیان جو کسی وقت للکار کر بات کیا کرتا اور مسلمانوں کو محمدؐ کا گروہ کہہ کر انہیں پلّے ہی نہیں باندھتا تھا، اب بُجھ کے رہ گیا تھا۔ خالدؓ بن ولید کے قبولِ اسلام کے بعد تو ابوسفیان صرف سردار رہ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے جنگ وجدل کے ساتھ اُس کا کبھی تعلق رہا ہی نہیں تھا۔ عثمانؓ بن طلحہ اور عمرو بن العاص جیسے ماہر جنگجو بھی اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اُس کے پاس ابھی عکرمہ اور صفوان جیسے سالار موجود تھے لیکن ابوسفیان صاف طور پر محسوس کرنے لگا تھا کہ اُس کی یعنی قریش کی جنگی طاقت بہت کمزور ہو گئی ہے۔

"تم بُزدل ہو گئے ہو ابوسفیان!" — اُس کی بیوی ہند نے ایک روز اُسے کہا — "تم مدینے والوں کو مہلت اور موقع دے رہے ہو کہ وہ لشکر اکٹھا کرتے چلے جائیں اور ایک روز آ کر مکّہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔"

"میرے ساتھ رہ ہی کون گیا ہے ہند؟" — ابوسفیان نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"مجھے اُس شخص کی بیوی کہلاتے شرم آتی ہے جو اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے مقتولین کے خون کا انتقام لینے سے ڈرتا ہے" — ہند نے کہا۔

"میں قتل کر سکتا ہوں" — ابوسفیان نے کہا — "میں قتل ہو سکتا ہوں۔ میں بزدل نہیں۔ ڈرپوک بھی نہیں لیکن میں اپنے وعدے سے نہیں پھر سکتا.... کیا تم بھول گئی ہو کہ حدیبیہ میں محمدؐ کے ساتھ میرا کیا معاہدہ ہوا تھا؟.... اہلِ قریش اور مسلمان دس سال تک آپس میں نہیں لڑیں گے۔ اگر میں معاہدہ توڑ دوں اور میدانِ جنگ میں مسلمان ہم پر غالب آ جائیں تو...."

"تم مت لڑو" — ہند نے کہا — "قریش نہیں لڑیں گے۔ ہم کسی اور قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف لڑا سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد مسلمانوں کی تباہی ہے۔ ہم مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں کو در پردہ مدد دے سکتے ہیں۔"

"قریش کے سوا کون ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی جرأت کرے گا؟" — ابوسفیان نے کہا — "موتہ میں ہرقل اور غسان کے ایک لاکھ کے لشکر نے مسلمانوں کا کیا بگاڑ لیا تھا؟ کیا تم نے سنا نہیں تھا کہ ایک لاکھ کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی؟.... میں اپنے قبیلے کے کسی آدمی کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کسی قبیلے کی مدد کے لیے جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"مت بھول ابوسفیان!" — ہند نے غضب ناک لہجے میں کہا — "میں وہ عورت ہوں جس نے اُحد کی لڑائی میں حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے اُس کا کلیجہ نکالا اور اُسے چبایا تھا۔ تم میرے خون کو کس طرح ٹھنڈا کر سکتے ہو۔"

"تم نے حمزہؓ کا نہیں اُس کی لاش کا پیٹ چاک کیا تھا" — ابوسفیان نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ

لا کر کہا — "مسلمان لاشیں نہیں.... اور وہ جو کچھ بھی ہیں، خدا کی قسم میں معاہدہ نہیں توڑوں گا۔"

"معاہدہ تو میں بھی نہیں توڑوں گی" — ہند نے کہا — "لیکن مسلمانوں سے انتقام ضرور لوں گی اور یہ انتقام بھیانک ہو گا۔ قبیلۂ قریش میں غیرت والے جنگجو موجود ہیں۔"

"آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟" — ابوسفیان نے پوچھا۔

"تمہیں جلدی پتہ چل جائے گا" — ہند نے کہا۔

مکّہ کے گرد و نواح میں خزاعہ اور بنو بکر دو قبیلے آباد تھے۔ ان کی آپس میں بڑی پرانی عداوت تھی۔ حدیبیہ میں جب مسلمانوں اور قریش میں صلح ہو گئی اور دس سال تک عدمِ جارحیّت کا معاہدہ ہو گیا تو یہ دونوں قبیلے اس طرح اس معاہدے کے فریق بن گئے کہ قبیلہ خزاعہ نے مسلمانوں کا اور قبیلہ بنو بکر نے قریش کا اتحادی بننے کا اعلان کر دیا تھا۔ معاہدہ جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا خزاعہ اور بنو بکر کے لیے یوں فائدہ مند ثابت ہوا کہ دونوں قبیلوں کی آئے دن کی لڑائیاں بند ہو گئیں۔

اچانک یوں ہوا کہ بنو بکر نے ایک رات خزاعہ کی ایک بستی پر حملہ کر دیا۔ یہ کوئی بھی نہ جان سکا کہ بنو بکر نے معاہدہ کیوں توڑ دیا ہے۔ ایک روایت ہے کہ اس کے پیچھے ہند کا ہاتھ تھا۔ خزاعہ چونکہ مسلمانوں کے اتحادی تھے اس لیے ہند نے اس توقع پر خزاعہ پر بنو بکر سے حملہ کرایا تھا کہ خزاعہ مسلمانوں سے مدد مانگیں گے اور مسلمان اُن کی مدد کو ضرور آئیں گے اور وہ جب بنو بکر پر حملہ کریں گے تو قریش مسلمانوں پر حملہ کر دیں گے۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ غسّانی عیسائیوں اور یہودیوں کی سازش تھی۔ انہوں نے سوچا تھا کہ قریش اور مسلمانوں کے اتحادیوں کو آپس میں لڑا دیا جائے تو قریش اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو جائے گی۔ بنو بکر خزاعہ کے مقابلے میں طاقتور قبیلہ تھا۔ غسّانیوں اور یہودیوں نے بنو بکر کی ایک لڑکی اغوا کر کے قبیلہ خزاعہ کی ایک بستی میں پہنچا دی اور بنو بکر کے سرداروں سے کہا کہ خزاعہ نے اُن کی لڑکی کو اغوا کیا ہے۔ بنو بکر نے جاسوسی کی اور پتہ چلا کہ اُن کی لڑکی واقعی خزاعہ کی ایک بستی میں ہے۔

ہند نے اپنے خاوند ابوسفیان کو بتائے بغیر قریش کے کچھ آدمی بنو بکر کو دے دیئے۔ ان میں قریش کے مشہور سالار عکرمہ اور صفوان بھی تھے۔ چونکہ حملہ رات کو کیا گیا تھا، اس لیے خزاعہ کے بیس آدمی مارے گئے۔ یہ راز ہر کسی کو معلوم ہو گیا کہ بنو بکر کے حملے میں قریش کے آدمی مدد کے لیے گئے تھے۔

خزاعہ کا سردار اپنے ساتھ دو تین آدمی لے کر مدینہ چلا گیا۔ خزاعہ غیر مسلم قبیلہ تھا۔ خزاعہ کے یہ آدمی حضرت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور پہنچے اور آپؐ کو بتایا کہ بنو بکر نے قریش کی پشت پناہی سے حملہ کیا اور قریش کے کچھ جنگجو بھی اس حملے میں شریک تھے۔ خزاعہ کے ایلچی نے رسولِ اکرمؐ کو بتایا کہ عکرمہ بھی حملے میں شامل تھے۔ رسولِ اکرمؐ غصے میں آ گئے۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ آپؐ نے مجاہدین کو تیاری کا حکم دے دیا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ کا ردِّعمل بڑا ہی شدید تھا۔ اگر معاملہ صرف بنو بکر اور خزاعہ کی آپس کی لڑائی کا ہوتا تو حضورؐ شاید کچھ اور فیصلہ کرتے لیکن بنو بکر کے حملے میں قریش کے نامی گرامی سالار عکرمہ اور صفوان بھی شامل تھے اس لیے آپؐ نے فرمایا کہ معاہدے کی خلاف ورزی کی ذمّہ داری اہلِ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قریش پر عائد ہوتی ہے۔

"ابوسفیان نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی ہے" — مدینہ کی گلیوں اور گھروں میں آوازیں سنائی دینے لگیں — "رسول اللہؐ کے حکم پر ہم مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے..... اب قریش کو ہم اپنے قدموں میں بٹھا کر دم لیں گے۔"

رسول اللہؐ نے مکہ پر حملے کی تیاری کا حکم دے دیا۔

ابوسفیان کو اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ بنو بکر نے خزاعہ پر شب خون کی طرز کا حملہ کیا ہے اور خزاعہ کے کچھ آدمی مارے گئے ہیں۔ اُسے یاد آیا کہ عکرمہ اور صفوان صبح سویرے گھوڑوں پر سوار کہیں سے آرہے تھے۔ اُس نے اُن سے پوچھا تھا کہ وہ کہاں سے آرہے ہیں تو اُنہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ گھوڑ دوڑ کے لیے گئے تھے۔ دوپہر کے وقت جب اُسے پتہ چلا کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا ہے تو اُس نے عکرمہ اور صفوان کو بلایا۔

"تم دونوں مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ خزاعہ کی بستی پر بنو بکر کے حملے میں تم شریک نہیں تھے؟" — ابوسفیان نے اُن سے پوچھا۔

"کیا تم بھول گئے ہو کہ بنو بکر ہمارے دوست ہیں؟" — صفوان نے کہا — "اگر دوست مدد کے لیے پکاریں تو کیا تم دوستوں کو پیٹھ دکھاؤ گے؟"

"میں کچھ بھی نہیں بھولا" — ابوسفیان نے کہا — "خدا کی قسم تم بھول گئے ہو کہ قبیلہ قریش کا سردار کون ہے..... میں ہوں تمہارا سردار..... میری اجازت کے بغیر تم کسی اور کا ساتھ نہیں دے سکتے۔"

"ابوسفیان!" — عکرمہ نے کہا — "میں تمہیں اپنے قبیلے کا سردار مانتا ہوں۔ تمہاری کمان میں لڑائیاں لڑی ہیں۔ تمہارا ہر حکم مانا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم قبیلے کے وقار کو مجروح کرتے چلے جارہے ہو۔ تم نے اپنے دل پر مدینے والوں کا خوف طاری کر لیا ہے۔"

"اگر میں قبیلے کا سردار ہوں تو میں کسی کو ایسا جرم بخشوں گا نہیں جو تم نے کیا ہے" — ابوسفیان نے کہا۔

"ابوسفیان!" — عکرمہ نے کہا — "وہ وقت تمہیں یاد ہوگا جب خالد مدینہ کو رخصت ہوا تھا۔ تم نے اُسے بھی دھمکی دی تھی اور میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہر کسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اُس عقیدے کا پیروکار ہو جائے جسے وہ اچھا سمجھتا ہے، اور میں نے تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں بھی تمہارا ساتھ چھوڑنے اور محمدؐ کی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

"کیا تم نہیں سمجھتے کہ باوقار لوگ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے؟" — ابوسفیان نے کہا — "تم نے بنو بکر کا ساتھ دے کر اور مسلمانوں کے اتحادی قبیلے پر حملہ کر کے اپنے قبیلے کا وقار تباہ کر دیا ہے۔ اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ محمدؐ نے مکہ پر حملہ کر دیا تو تم حملہ پسپا کر دو گے تو تم خوش فہمی میں مبتلا ہو۔ کون سے میدان میں تم نے مسلمانوں کو شکست دی ہے؟ کتنا لشکر لے کر تم نے مدینہ کو محاصرے میں لیا تھا؟"

"وہاں سے پسپائی کا حکم تم نے دیا تھا" — صفوان نے کہا — "تم نے ہار مان لی تھی۔"

"میں تم جیسے ضدی اور کوتاہ بیں آدمیوں کے پیچھے پورے قبیلے کو ذلیل و خوار نہیں کراؤں گا" — ابوسفیان نے کہا — "میں مسلمانوں کے ساتھ ابھی چھیڑ خانی نہیں کر سکتا۔ میں محمدؐ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ایک دوست قبیلے نے مسلمانوں کے ایک دوست قبیلے پر حملہ کیا ہے اور اس میں قریش کے چند ایک آدمی شامل ہو گئے تھے تو اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں محمدؐ کو بتاؤں گا کہ قبیلہ قریش حدیبیہ کے معاہدے پر قائم ہے۔"

وہ عکرمہ اور صفوان کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

ابوسفیان اُسی روز مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ اہلِ مکہ حیران تھے کہ ابوسفیان اپنے دشمن کے پاس چلا گیا ہے۔ اُس کے خلاف آوازیں اُٹھنے لگیں۔ اُس کی بیوی ہند جو بڑے موٹے جسم اور اونچے قد کی عورت تھی، پھنکارتی پھر رہی تھی۔

مدینہ پہنچ کر ابوسفیان نے جس دروازے پر دستک دی وہ اُس کی اپنی بیٹی اُم حبیبہؓ کا گھر تھا۔ دروازہ کھلا۔ بیٹی نے اپنے باپ کو دیکھا تو بیٹی کے چہرے پر مسرت کی بجائے بے رُخی کا تاثر آگیا۔ بیٹی اسلام قبول کر چکی تھی اور باپ اسلام کا دشمن تھا۔

"کیا باپ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا؟" — ابوسفیان نے اُم حبیبہؓ سے پوچھا۔

"اگر باپ وہ سچا مذہب قبول کرلے جو اُس کی بیٹی نے قبول کیا ہے تو بیٹی باپ کی راہ میں آنکھیں بچھائے گی" — اُم حبیبہؓ نے کہا۔

"بیٹی!" — ابوسفیان نے کہا — "میں پریشانی کے عالم میں آیا ہوں۔ میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔"

"بیٹی کیا کر سکتی ہے؟" — اُم حبیبہؓ نے کہا — "آپ رسولِ خدا کے پاس جائیں۔"

بیٹی کی اس بے رُخی پر ابوسفیان سٹپٹا اُٹھا۔ وہ رسولِ کریمؐ کے گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں اُس نے وہ شناسا چہرے دیکھے جو کبھی اہلِ قریش کہلاتے تھے اور اُسے اپنا سردار مانتے تھے۔ اب اُس سے بیگانے ہو گئے تھے۔ وہ اُسے چُپ چاپ دیکھ رہے تھے۔ وہ اُن کا دشمن تھا۔ اُس نے اِن کے خلاف لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُحد کی جنگ میں ابوسفیان کی بیوی ہند نے مسلمانوں کی لاشوں کے پیٹ چاک کیے اور اُن کے کان اور ناکیں کاٹ کر اِن کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا تھا۔

ابوسفیان اہلِ مدینہ کی گھورتی ہوئی نظروں سے گزرتا رسولِ کریمؐ کے ہاں جا پہنچا۔ اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ رسولِ کریمؐ نے مصافحہ کیا لیکن آپؐ کی بے رُخی نمایاں تھی۔ رسولِ کریمؐ کو اطلاع مل چکی تھی کہ بنو بکر نے اہلِ قریش کی مدد سے خزاعہ پر حملہ کیا ہے۔ آپؐ اہلِ قریش کو فریب کار سمجھ رہے تھے۔ ایسے دشمن کا آپؐ کے پاس ایک ہی علاج تھا کہ فوج کشی کرو تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم کمزور ہیں۔

"اے محمدؐ!" — ابوسفیان نے کہا — "میں یہ غلط فہمی رفع کرنے آیا ہوں کہ میں نے حدیبیہ کے صلح نامے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اگر بنو بکر کی مدد کو قبیلہ قریش کے چند آدمی میری اجازت کے بغیر چلے گئے تو یہ میرا قصور نہیں۔ میں نے معاہدہ نہیں توڑا۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں معاہدے کی تجدید کے لیے تیار ہوں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مؤرخین ابنِ ہشام اور مغازی کی تحریروں سے پتہ ملتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے نہ اُس کی طرف دیکھا نہ اُس کے ساتھ کوئی بات کی۔

رسولِ کریمؐ کی خاموشی نے ابوسفیان پر خوف طاری کر دیا۔ وہ وہاں سے اُٹھ آیا اور حضرت ابوبکرؓ سے جا ملا۔

"محمدؐ میری کوئی بات سُننے پر آمادہ نہیں" — ابوسفیان نے ابوبکرؓ سے کہا — "تم ہم میں سے ہو ابوبکرؓ! خدا کی قسم ہم گھر آئے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے۔ اس کی بات بھی نہ سُنیں۔ میں دوستی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے آیا ہوں۔"

"اگر محمدؐ نے جو اللہ کے رسولؐ ہیں، تمہاری بات نہیں سُنی تو ہم تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے" — ابوبکرؓ نے کہا — "ہم اُس مہمان کی بات سُنا کرتے ہیں جو ہماری بات سنتا ہے۔ ابوسفیان! کیا تم نے محمدؐ کی بات سُنی ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا رسولؐ ہے؟ کیا تم نے اللہ کے رسولؐ کی یہ بات نہیں سُنی تھی کہ اللہ ایک ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں؟ ... سُنی تھی تو تم رسولؐ کے دشمن کیوں ہو گئے تھے؟"

"کیا تم میری کوئی مدد نہیں کرو گے ابوبکرؓ؟" — ابوسفیان نے التجا کی۔

"نہیں" — ابوبکرؓ نے کہا — "ہم اپنے رسولؐ کے حکم کے پابند ہیں۔"

ابوسفیان مایوسی کے عالم میں سر جھکائے ہوئے چلا گیا اور کسی سے حضرت عمرؓ کا گھر پوچھ کر اُن کے سامنے جا بیٹھا۔

"اسلام کے سب سے بڑے دشمن کو مدینہ میں دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی ہے" — عمرؓ نے کہا — "خدا کی قسم، تم اسلام قبول کرنے والوں میں سے نہیں۔"

ابوسفیان نے عمرؓ کو مدینہ میں آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی کہ رسولِ کریمؐ نے اُس کے ساتھ بات تک نہیں کی اور ابوبکرؓ نے بھی اُس کی مدد نہیں کی۔

"میرے پاس اگر چیونٹیوں جیسی کمزور فوج ہو تو بھی تمہارے خلاف لڑوں گا" — عمرؓ نے کہا — "تم میرے نہیں، میرے رسولؐ اور میرے مذہب کے دشمن ہو۔ میرا رویہ وہی ہو گا جو اللہ کے رسولؐ کا ہے۔"

ابوسفیان فاطمہؓ سے ملا، حضرت علیؓ سے ملا لیکن کسی نے بھی اُس کی بات نہ سُنی۔ وہ مایوس اور نامراد مدینے سے نکلا۔ اُس کے گھوڑے کی چال اب وہ نہیں تھی جو مدینہ کی طرف آتے وقت تھی۔ گھوڑے کا بھی جیسے سر جھکا ہوا تھا۔ وہ مکہ کو جا رہا تھا۔

رسولِ خداؐ نے اُس کے جانے کے بعد ان الفاظ میں حکم دیا کہ مکہ پر حملے کے لیے زیادہ سے زیادہ تعداد میں فوج تیار کی جائے۔ آپؐ کے حکم میں خاص طور پر شامل تھا کہ جنگی تیاری اتنے بڑے پیمانے کی ہو کہ مکہ والوں کو فیصلہ کُن شکست دے کر قریش کو ہمیشہ کے لیے تہہ تیغ کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ حضورِ اکرمؐ نے فرمایا کہ کُوچ بہت تیز ہو گا اور اسے ایسا خفیہ رکھا جائے گا کہ مکہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لیا جائے یا مکہ کے قریب اتنی تیزی سے پہنچا جائے کہ قریش کو مہلت نہ مل سکے کہ وہ اپنے

اتحادی قبائل کو مدد کے لیے بُلا سکیں۔

مدینہ میں مسلمانوں نے راتوں کو بھی سونا چھوڑ دیا۔ جدھر دیکھو تیر تیار ہو رہے تھے۔ تیروں سے بھری ہوئی ترکشوں کے انبار لگتے جا رہے تھے۔ برچھیاں بن رہی تھیں۔ گھوڑے اور اونٹ تیار ہو رہے تھے تلواریں تیز ہو رہی تھیں، نئی بن رہی تھیں۔ عورتیں اور بچے بھی جنگی تیاریوں میں مصروف تھے۔ رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ بھاگتے دوڑتے نظر آتے تھے۔

مدینہ میں ایک گھر تھا جس کے اندر کچھ اور سرگرمی تھی۔ وہ غیر مسلم گھرانہ تھا۔ وہاں ایک اجنبی آیا بیٹھا تھا۔ گھر میں ایک بوڑھا تھا، ایک ادھیڑ عمر آدمی، ایک جوان لڑکی، ایک ادھیڑ عمر عورت اور دو تین بچے تھے۔

"میں مسلمانوں کے ارادے دیکھ آیا ہوں" — اجنبی نے کہا — "ان کا ارادہ ہے کہ مکہ والوں کو بے خبری میں جا لیں۔ بلاشک و شبہ محمدؐ جنگی چالوں کا ماہر ہے۔ اُس نے جو کہا ہے وہ کر کے دکھا دے گا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں؟" — بوڑھے نے پوچھا۔

"میرے بزرگ!" — اجنبی نے کہا — "ہم اور کچھ نہیں کر سکتے لیکن ہم مکہ والوں کو خبردار کر سکتے ہیں کہ تیار رہو اور اِدھر اُدھر کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لو اور مکہ کے راستے میں کہیں گھات لگا کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو۔ مکہ پہنچنے تک ان پر شبخون مارتے رہو۔ مسلمان جب مکہ پہنچیں گے تو اِن کا دم خم ٹوٹ چکا ہو گا۔"

"قسم اُس کی جسے میں پوجتا ہوں" — بوڑھے نے جوشیلی آواز میں کہا — "تم عقل والے ہو۔ تم خدائے یہودہ کے سچے پجاری ہو۔ خدائے یہودہ نے تمہیں عقل و دانش عطا کی ہے۔ کیا تم مکہ نہیں جا سکتے؟"

"نہیں" — اجنبی نے کہا — "مسلمان ہر غیر مسلم کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں میں یہودی ہوں۔ وہ مجھ پر شک کریں گے ... میں اپنی جان پر کھیل جاؤں گا۔ مجھے اُن یہودیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جنہیں مسلمانوں نے قتل کیا تھا۔ میری رگوں میں بنو قریظہ کا خون دوڑ رہا ہے۔ یہ میرا فرض ہے کہ میں مسلمانوں کو ضرب لگاتا رہوں۔ اگر میں اپنا یہ فرض ادا نہ کروں تو خدائے یہودہ مجھے اُس کُتّے کی موت مارے جس کے جسم پر خارش اور پھوڑے ہوتے ہیں اور وہ تڑپ تڑپ کر مرتا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میں پکڑا جاؤں۔ میں مسلمانوں کو ڈنک مارنے کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔"

"میں بوڑھا ہوں" — بوڑھے نے کہا — "مکہ دُور ہے۔ گھوڑے یا اونٹ پر اتنا تیز سفر نہیں کر سکوں گا کہ مسلمانوں سے پہلے مکہ پہنچ جاؤں۔ یہ کام بچوں اور عورتوں کا بھی نہیں۔ میرا بیٹا ہے مگر بیمار ہے۔"

"اُس انعام کو دیکھو جو ہم تمہیں دے رہے ہیں" — اجنبی یہودی نے کہا — "یہ کام کر دو۔ انعام کے علاوہ ہم تمہیں اپنے مذہب میں شامل کر کے اپنی حفاظت میں لے لیں گے۔"

"کیا یہ کام میں کر سکتی ہوں؟" — ادھیڑ عمر عورت نے کہا — "تم نے میری اونٹنی نہیں دیکھی؟ تم

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نے مجھے اونٹنی کی پیٹھ پر کبھی نہیں دیکھا؟ اتنی تیز اونٹنی مدینہ میں کسی کے پاس نہیں ہے۔"

"ہاں!" ــــ یہودی نے کہا ــ "تم یہ کام کر سکتی ہو۔ اونٹوں اور بکریوں کو باہر لے جاؤ۔ تمہاری طرف کوئی دھیان نہیں دے گا۔ تم انہیں چرانے کے لیے ہر روز لے جاتی ہو۔ آج بھی لے جاؤ اور مدینہ سے کچھ دور جا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہو جاؤ" ــــ اُس نے ایک کاغذ اُس عورت کو دیتے ہوئے کہا ــ "اسے اپنے سر کے بالوں میں چھپا لو۔ اونٹنی کو دوڑاتی لے جاؤ اور مکّہ میں اُبوسفیان کے گھر جاؤ اور بالوں میں سے یہ کاغذ نکال کر اُسے دے دو۔"

"لاؤ" ــــ عورت نے کاغذ لے کر کہا ــ "پورا انعام میرے دوسرے ہاتھ پر رکھ دو اور اس یقین کے ساتھ میرے گھر سے جاؤ کہ مسلمان مکّہ سے واپس آئیں گے تو اِن کی تعداد آدھی بھی نہیں ہو گی اور ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے اور شکست ان کے چہروں پر لکھی ہوئی ہو گی۔"

یہودی نے سونے کے تین ٹکڑے عورت کو دیئے اور بولا ــ "یہ اُس انعام کا نصف ہے جو ہم تمہیں اُس وقت دیں گے جب تم یہ پیغام اُبوسفیان کے ہاتھ میں دے کر واپس آ جاؤ گی۔"

"اگر میں نے کام کر دیا اور زندہ واپس نہ آ سکی تو؟"

"باقی انعام تمہارے بیمار خاوند کو ملے گا" ــــ یہودی نے کہا۔

یہ عورت (کسی بھی تاریخ میں نام نہیں دیا گیا) اپنے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے لے گئی۔ انہیں وہ ہانکتی لے جا رہی تھی۔ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ اونٹوں کی پیٹھیں ننگی تھیں لیکن ایک اونٹنی سواری کے لیے تیار کی گئی تھی۔ اس کے ساتھ پانی کا مشکیزہ اور ایک تھیلا بھی بندھا ہوا تھا۔ عورت اس ریوڑ کو شہر سے دُور لے گئی۔

بہت دیر گزر گئی تو یہودی نے اُس جوان لڑکی کو جو گھر میں تھی، کہا ــ "وہ جا چکی ہو گی۔ تم جاؤ اور اونٹوں اور بکریوں کو شام کے وقت واپس لے آنا۔"

وہ لڑکی ہاتھ میں گڈریوں والی لاٹھی لے کر باہر نکل گئی لیکن وہ شہر سے باہر جانے کی بجائے شہر کے اندر چلی گئی۔ وہ اِس طرح اِدھر اُدھر دیکھتی جا رہی تھی جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہو۔ وہ گلیوں میں سے گزرتی ایک میدان میں جا رُکی۔ وہاں بہت سے مسلمان ڈھالیں اور تلواریں لیے تیغ زنی کی مشق کر رہے تھے۔ ایک طرف شتر دوڑ ہو رہی تھی۔ تماشائیوں کا بھی ہجوم تھا۔

لڑکی اس ہجوم کے اِرد گِرد گھومنے لگی۔ وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے جو بڑھتے جا رہے تھے۔ اُس کے قدم تیزی سے اُٹھنے لگے۔ ایک جواں سال آدمی نے اُسے دیکھ لیا اور بڑی تیز چلتا اُس کے پیچھے گیا۔ قریب پہنچ کر اُس نے دھیمی سی آواز میں کہا ــ "زاریہ!"

لڑکی نے چونک کر پیچھے دیکھا اور اُس کے چہرے سے پریشانی کا تاثر اُڑ گیا۔

"وہیں آ جاؤ" ــــ زاریہ نے کہا اور وہ دوسری طرف چلی گئی۔

زاریہ کو وہاں پہنچتے خاصا وقت لگ گیا جہاں وہ عورت اونٹوں اور بکریوں کو لے جایا کرتی تھی۔

اونٹ اور بکریاں وہیں تھیں، وہ عورت اور اُس کی اونٹنی وہاں نہیں تھی۔ زاریہ وہاں اس انداز سے بیٹھ گئی جیسے بکریاں چرانے آئی ہو۔ وہ بار بار اُٹھتی اور شہر کی طرف دیکھتی تھی۔ اُسے اپنی طرف کوئی آتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر پریشان ہونے لگی۔

سورج ڈوبنے کے لیے افق کی طرف جا رہا تھا جب وہ آتا دکھائی دیا۔ زاریہ نے سکون کی آہ بھری اور بیٹھ گئی۔

"اوہ عبید!" ــــ زاریہ نے اُسے اپنے پاس بٹھا کر کہا ــ "تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو۔ میں پریشان ہو رہی ہوں۔"

"کیا میں نے تمہیں پریشانی کا علاج بتایا یا نہیں؟" ــــ عبید نے کہا ــ "میرے مذہب میں آ جاؤ اور تمہاری پریشانی ختم ہو جائے گی۔ جب تک تم اسلام قبول نہیں کرتیں میں تمہیں اپنی بیوی نہیں بنا سکتا۔ سوچو زاریہ سوچو۔ ہم کب تک اس طرح چھپ چھپ کر ملتے رہیں گے۔"

"یہ باتیں پھر کر لیں گے" ــــ زاریہ نے کہا ــ "میری محبت مذہب کی پابند نہیں۔ میں تمہاری ہی پُوجا کرتی ہوں۔ خوابوں میں بھی تمہیں ہی دیکھتی ہوں لیکن آج میرے دل پر بوجھ آ پڑا ہے۔"

"کیسا بوجھ؟"

"مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے جا رہے ہیں" ــــ زاریہ نے کہا ــ "تم نہ جاؤ عبید! تمہیں اپنے مذہب کی قسم ہے نہ جانا .... کہیں ایسا نہ ہو ...."

"مکّہ والوں میں اتنی جان نہیں رہی کہ ہمارے مقابلے میں جم سکیں" ــــ عبید نے کہا ــ "لیکن زاریہ! اُن میں جان ہو نہ ہو، مجھے اگر میرے رسول ﷺ آگ میں کُود جانے کا حکم دیں گے تو میں آپ ﷺ کا حکم مانوں گا .... دل پر بوجھ نہ ڈالو زاریہ! ہمارا یہ حملہ ایسا ہو گا کہ اُنہیں اُس وقت ہماری خبر ہو گی جب ہماری تلواریں اُن کے سروں پر چمک رہی ہوں گی۔"

"ایسا نہیں ہو گا عبید!" ــــ زاریہ نے پریشانی اور جذبات کی شدت سے عبید کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا ــ "ایسا نہیں ہو گا۔ وہ گھات میں بیٹھے ہوں گے۔ آج رات کے پچھلے پہر یا کل صبح اُبوسفیان کو پیغام مل جائے گا کہ مسلمان تمہیں بے خبری میں دبوچنے کے لیے آ رہے ہیں .... تم نہ جانا عبید! قریش اور اُن کے دوست قبیلے تیار رہوں گے۔"

"کیا کہہ رہی ہو زاریہ؟" ــــ عبید نے بدک کر اپنا سر اُس کے سینے سے ہٹاتے ہوئے پُوچھا ــ "اُبوسفیان کو کس نے پیغام بھیجا ہے؟"

"ایک یہودی نے" ــــ زاریہ نے کہا ــ "اور یہ پیغام میرے بڑے بھائی کی بیوی لے کر گئی ہے .... میری محبت کا اندازہ کرو عبید! میں نے تمہیں وہ راز دے دیا ہے جو مجھے نہیں دینا چاہئے تھا۔ یہ صرف اس لیے دیا ہے کہ تم کسی بہانے رُک جاؤ۔ قریش اور دوسرے قبیلے مسلمانوں کا کُشت و خُون کریں گے کوئی قسمت والا مسلمان زندہ واپس آئے گا۔"

عبید نے اُس سے پوچھ لیا کہ اُس کے بھائی کی بیوی کس طرح اور کس وقت روانہ ہوئی ہے۔ عبید اُٹھ کھڑا ہوا اور زاریہ جیسی حسین اور نوجوان لڑکی اور اُس کی والہانہ محبت کو نظر انداز کر کے شہر کی طرف دوڑ پڑا۔ پیچھے سے زاریہ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں ــ "عبید! [illegible]"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے اوجھل ہو گیا۔

رسولِ کریمؐ کو پوری تفصیل سے بتایا گیا کہ ایک عورت بڑی تیز رفتار اونٹنی پر ابوسفیان کے نام پیغام اپنے بالوں میں چھپا کر لے گئی ہے۔ اُسے ابھی راستے میں ہونا چاہیے تھا۔ رسولِ کریمؐ نے اُسی وقت حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بُلا کر اس عورت اور اُس کی اونٹنی کی نشانیاں بتائیں اور انہیں اس عورت کو راستے میں پکڑنے کو بھیج دیا۔

حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے عربی نسل کے تھے۔ انہوں نے اُسی وقت گھوڑے تیار کیے اور ایڑیں لگا دیں۔ اُس وقت سورج غروب ہو رہا تھا۔ دونوں شاہسوار مدینہ سے دور نکل گئے تو سورج غروب ہو گیا۔

اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کے گھوڑے مدینہ میں داخل ہوئے۔ اُن کے درمیان ایک اونٹنی تھی جس پر ایک عورت سوار تھی۔ مدینہ کے کئی لوگوں نے اس عورت کو پہچان لیا۔ اُسے رسولِ کریمؐ کے پاس لے گئے۔ اُس کے بالوں سے جو پیغام نکالا گیا تھا وہ حضورؐ کے حوالے کیا گیا۔ آپؐ نے پیغام پڑھا تو چہرہ لال ہو گیا۔ یہ بڑا ہی خطرناک پیغام تھا۔ اس عورت نے اقبالِ جرم کر لیا اور پیغام دینے والے یہودی کا نام بھی بتا دیا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس عورت کو سزائے موت دے دی لیکن یہودی اُس کے گھر سے غائب ہو گیا تھا — اگر یہ پیغام مکّہ پہنچ جاتا تو مسلمانوں کا انجام بہت بُرا ہوتا۔ مکّہ پر فوج کشی کی تیاری رسول اللہؐ فرما رہے تھے۔

رسول اللہؐ نے تیاریوں کا جائزہ لیا اور کوچ کا حکم دے دیا۔

اس اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار پیادہ اور سوار تھی۔ اس لشکر میں مدینہ کے اردگرد کے وہ قبیلے بھی شامل تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ لشکر مکہ جا رہا تھا تو راستے میں دو تین قبیلے اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ تقریباً تمام مسلم اور غیر مسلم مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رسولِ خداؐ کی قیادت میں اس لشکر کی پیشقدمی غیر معمولی طور پر تیز تھی اور یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا جس کی نفری دس ہزار تک پہنچی تھی۔

یہ لشکر مکّہ کے شمال مغرب میں ایک وادی مرّالظہران میں پہنچ گیا جو مکّہ سے تقریباً دس میل دور ہے۔ اس وادی کا ایک حصہ وادیٔ فاطمہ کہلاتا ہے۔ رسولِ اکرمؐ اس مقصد میں کامیاب ہو چکے تھے کہ اہلِ مکہ کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو۔ اب خبر ہو بھی جاتی تو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب قریش دوسرے قبیلوں کو مدد کے لیے بُلانے نہیں جا سکتے تھے۔ رسولِ اکرمؐ نے کسی نہ کسی بہروپ میں اپنے آدمی مکّہ کے قریب گرد و نواح میں پھیلا دیئے تھے۔

تھوڑی دیر آرام کر کے اسلامی لشکر مکّہ کی طرف چل پڑا۔ جُحفہ ایک مقام ہے جہاں لشکر کا ہراول دستہ پہنچا تو مکّہ کی طرف سے چھوٹا سا ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔ اسے قریب آنے دیا گیا۔ دیکھا وہ قریش کا ایک سرکردہ آدمی عباس تھا جو اپنے پورے خاندان کو ساتھ لیے مدینہ کو جا رہا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے نام سے تاریخِ اسلام میں شہرت حاصل کی۔ انہیں رسولِ اکرمؐ کے حضور لے

جایا گیا۔ آپؐ انہیں اچھی طرح جانتے تھے۔

"کیوں عباسؓ!" — رسولِ اکرمؐ نے کہا — "کیا تُو اس لیے مکّہ سے بھاگ نکلا ہے کہ مکّہ پر قیامت ٹوٹنے والی ہے؟"

"خدا کی قسم، مکّہ والوں کو خبر ہی نہیں کہ محمدؐ کا لشکر اُن کے سر پر آ گیا ہے" — عباسؓ نے کہا — "اور میں تیری اطاعت قبول کرنے مدینہ کو جا رہا تھا۔"

"میری نہیں عباسؓ!" — رسولِ خداؐ نے کہا — "اطاعت اُس اللہ کی قبول کر جو واحدہٗ لاشریک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ میں اُس کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔"

حضرت عباسؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول کریمؐ نے انہیں گلے لگا لیا۔ آپؐ کو مسرّت اس سے ہوئی کہ اہلِ قریش مکّہ میں بے فکر اور بے غم بیٹھے تھے۔

حضرت عباسؓ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا کہ اہلِ قریش آخر ہمارا اپنا خون ہے۔ دس ہزار کے اس لشکر کے قدموں میں قریش کے بچے اور عورتیں بھی کچلی جائیں گی۔ عباسؓ نے رسول اللہؐ کو یہ بھی بتایا کہ قریش میں اسلام کی قبولیّت کی ایک لہر پیدا ہو گئی ہے۔ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ انہیں صلح کا ایک موقع دے دیا جائے؟

رسولِ اکرمؐ نے عباسؓ سے کہا کہ وہی مکّہ جائیں اور ابوسفیان سے کہیں کہ مسلمان مکّہ پر قبضہ کرنے آ رہے ہیں۔ اگر اہلِ مکّہ نے مقابلہ کیا تو کسی کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ مکّہ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے۔

رسولِ اکرمؐ نے عباسؓ کو نہ صرف مکّہ جانے کی اجازت دی بلکہ انہیں اپنا خچر بھی دیا جو آپؐ گھوڑے کے علاوہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

ابوسفیان مدینہ سے جو تاثر لے کر گیا تھا وہ اُس کے لیے بڑا ہی ڈراؤنا اور خطرناک تھا۔ وہ تجربہ کار آدمی تھا اور وہ مسلمانوں کی شجاعت اور عزم کی پختگی سے بھی واقف تھا۔ اُسے ہر لمحہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کریں گے۔ اُس کی بیوی ہند، اُس کے سالار عکرمہ اور صفوان اُس کا حوصلہ بڑھاتے رہتے تھے لیکن اُسے اپنے ذاتی وقار کی اور اپنے قبیلے کی تباہی نظر آ رہی تھی۔ وہ ہر وقت بے چین رہنے لگا تھا۔

ایک روز وہ اس قدر بے چین ہوا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر مکّہ سے باہر چلا گیا۔ اُس کی کوئی حِس اُسے بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اُس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہوتی چلی گئی۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ ہو گا یہی کہ مسلمان مکّہ پر حملہ کرنے آ جائیں گے۔ یہ سوچ کر وہ یہ دیکھنے کے لیے مدینے کے راستے پر ہو لیا کہ مدینہ کی فوج آ ہی تو نہیں رہی؟ اُسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا رُخ بھی بدلی بدلی سی ہو۔

وہ ان سوچوں میں گم مکّہ سے چند میل دور نکل گیا۔ اُسے عباسؓ ایک خچر پر سوار اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ وہ رُک گیا۔

"عباسؓ!" — اُس نے پوچھا — "کیا تم اپنے پورے خاندان کے ساتھ نہیں گئے تھے؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

واپس کیوں آ گئے ہو؟"

"میرے خاندان کی مت پوچھ ابُوسفیان!۔۔۔ عباسؓ نے کہا ۔۔۔"مسلمانوں کے دس ہزار پیادہ، گھوڑ سواروں اور شتر سواروں کا لشکر مکّہ کے اتنا قریب پہنچ چکا ہے جہاں سے چھوڑے ہُوئے تیر مکّہ کے دروازوں میں لگ سکتے ہیں۔ کیا تُو مکّہ کو اس لشکر سے بچا سکتا ہے؟ کسی کو مدد کے لیے بلا سکتا ہے تُو؟ صلح کا معاہدہ تیرے سالاروں نے توڑا ہے۔ محمدؐ جسے میں اللہ کا رسولؐ مان چکا ہُوں سب سے پہلے تجھے قتل کرے گا۔ اگر تُو میرے ساتھ رسولؐ اللہ کے پاس چلا چلے تو میں تیری جان بچا سکتا ہوں۔"

"خدا کی قسم۔ میں جانتا تھا مجھ پر یہ وقت بھی آئے گا"۔۔۔ ابُوسفیان نے کہا۔۔۔"چل میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔"

شام کے بعد عباسؓ ابوسفیان کو ساتھ لیے مسلمانوں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرؓ کیمپ کے پہرے داروں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ اُنہوں نے ابُوسفیان کو دیکھا تو آگ بگولا ہو گئے۔ کہنے لگے کہ اللہ کے دین کا یہ دشمن ہمارے پڑاؤ میں رسولؐ اللہ کی اجازت کے بغیر آیا ہے۔ عمرؓ رسولؐ اللہ کے خیمے کی طرف دوڑ پڑے۔ وہ ابُوسفیان کے قتل کی اجازت لینے گئے تھے لیکن عباسؓ بھی پہنچ گئے۔ رسولؐ اکرم نے انہیں صبح آنے کو کہا۔ عباسؓ نے ابوسفیان کو رات اپنے پاس رکھا۔

"ابُوسفیان!۔۔۔ صبح رسولِ کریمؐ نے ابوسفیان سے پوچھا۔۔۔"کیا تُو جانتا ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور وہی معبود ہے اور وہی ہم سب کا مددگار ہے؟"

"میں نے یہ ضرور مان لیا ہے کہ جن بتوں کی عبادت میں کرتا رہا ہوں وہ بُتوں کے سوا کچھ بھی نہیں"۔۔۔ ابوسفیان نے کہا۔۔۔"وہ میری کوئی مدد نہیں کر سکے۔"

"پھر یہ کیوں نہیں مان لیتا کہ میں اُس اللہ کا رسولؐ ہوں جو معبود ہے؟"۔۔۔ رسول کریمؐ نے پوچھا۔

"میں شاید یہ نہ مانوں کہ تم اللہ کے رسولؐ ہو"۔۔۔ ابُوسفیان ہاری ہوئی سی آواز میں بولا۔

"ابوسفیان!۔۔۔ عباس نے قہر بھری آواز سے کہا۔۔۔"کیا تُو میری تلوار سے اپنا سر تن سے جُدا کرانا چاہتا ہے؟"۔۔۔ عباسؓ نے رسولِ کریمؐ سے کہا۔۔۔"یا رسولؐ اللہ! ابوسفیان ایک قبیلے کا سردار ہے۔ باوقار اور خوددار بھی ہے۔ یہ ملتجی ہو کے آیا ہے۔"

ابوسفیان پر کچھ ایسا اثر ہُوا کہ اُس نے بے اختیار کہا۔۔۔"محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔۔۔ میں نے تسلیم کر لیا۔ میں نے مان لیا۔"

"جاؤ"۔۔۔ رسولِ کریمؐ نے کہا۔۔۔"مکّہ میں اعلان کر دو کہ مکّہ کے وہ لوگ مسلمانوں کی تلواروں سے محفوظ رہیں گے جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو مسجد میں داخل ہو جائیں گے اور وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو اپنے دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں رہیں گے۔"

ابوسفیانؓ اسی وقت مکّہ کو روانہ ہو گیا اور رسولِ اکرمؐ نے صحابۂ کرام کے ساتھ اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات شروع کر دیا کہ مکّہ میں عکرمہ اور صفوان جیسے ماہر اور دلیر سالار موجود ہیں۔ وہ مقابلہ کیے بغیر مکّہ پر قبضہ نہیں ہونے دیں گے۔

اُونٹ بہت تیز دوڑا آ رہا تھا۔ جب وہ مکّہ کے قریب پہنچا تو اس کے سوار نے چلّانا شروع کر دیا۔۔۔"عزّیٰ اور ہبل کی قسم۔ مدینہ والوں کا لشکر مرّالظّہران میں پڑاؤ کیے ہُوئے ہے اور میں نے اپنے سردار ابُوسفیان کو وہاں جاتے دیکھا ہے۔۔۔ اہلِ قریش! ہوشیار ہو جاؤ۔ محمدؐ کا لشکر آ رہا ہے۔"۔۔۔ اُس نے اونٹ کو روکا اور اسے بٹھا کر اترنے کی بجائے اس کی پیٹھ سے کُود کر اُترا۔

اُس کی پکار جس نے سنی وہ دوڑا آیا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں یہی کہے جا رہا تھا کہ مدینہ کا لشکر مرّالظّہران تک آن پہنچا ہے اور ابُوسفیان کو اس لشکر کے پڑاؤ کی طرف جاتے دیکھا ہے۔ مکّہ کے لوگ اُس کے اردگرد اکٹھے ہوتے چلے گئے۔

"ابُوحسنہ!۔۔۔ ایک معمّر آدمی نے اُسے کہا۔۔۔"تیرا دماغ صحیح نہیں یا تُو جھوٹ بول رہا ہے۔"

"میری بات کو جھوٹ سمجھو گے تو اپنے انجام کو بہت جلدی پہنچ جاؤ گے"۔۔۔ شتر سوار ابُوحسنہ نے کہا۔۔۔"کسی سے پوچھو ہمارا سردار اُدھر کیوں گیا ہے؟"۔۔۔ اُس نے پھر چلّانا شروع کر دیا۔۔۔"اے قبیلۂ قریش! مسلمان اچھی نیّت سے نہیں آتے۔"

ابُوحسنہ کا واویلا مکّہ کی گلیوں سے ہوتا ہُوا ابُوسفیان کی بیوی ہُند کے کانوں تک پہنچا۔ وہ آگ بگولہ ہو کے باہر آئی اور اُس ہجوم کو چیرنے لگی جس نے ابُوحسنہ کو گھیر رکھا تھا۔

"ابُوحسنہ!۔۔۔ اُس نے ابُوحسنہ کا گریبان پکڑ کر کہا۔۔۔"میری تلوار محمدؐ کے خون کی پیاسی ہے تُو میری تلوار سے اپنی گردن کٹوانے کیوں آ گیا ہے؟ کیا تو نہیں جانتا کہ جس پر تُو جھوٹا الزام تھوپ رہا ہے وہ میرا شوہر اور قبیلے کا سردار ہے؟"

"اپنی تلوار گھر سے لے آ خاتون!"۔۔۔ ابُوحسنہ نے کہا۔۔۔"لیکن تیرا شوہر آ جائے تو اُس سے پوچھنا وہ کہاں سے آیا ہے۔"

"اور تُو کہتا ہے محمدؐ لشکر لے کر آیا ہے؟"۔۔۔ ہُند نے پوچھا۔

"خُدا کی قسم!۔۔۔ ابوحسنہ نے کہا۔۔۔"میں وہ کہتا ہوں جو میں نے دیکھا ہے۔"

"اگر تُو سچ کہتا ہے تو مسلمانوں کو موت اِدھر لے آئی ہے"۔۔۔ ہُند نے کہا۔

ابُوسفیان واپس آ رہا تھا۔

اہلِ مکّہ ایک میدان میں جمع ہو چکے تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش قدمی اب راز نہیں رہ گئی تھی لیکن اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اہلِ قریش اب کسی کو مدد کے لیے نہیں بلا سکتے تھے۔ ابُوسفیان آ رہا تھا۔ لوگوں پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ابُوسفیان کی بیوی ہُند لوگوں کو دائیں بائیں دھکیلتی آگے چلی گئی۔ اُس کے چہرے پر قہر اور غضب تھا اور اُس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔ ابُوسفیان نے لوگوں کے سامنے آ کر گھوڑا روکا۔ اُس نے اپنی بیوی کی طرف توجہ نہ دی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اہلِ قریش!" — ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا — "پہلے میری بات ٹھنڈے دل سے سُن لینا، پھر کوئی اور بات کہنا۔ میں تمہارا سردار ہوں۔ مجھے تمہارا وقار عزیز ہے.... محمدؐ اتنا زیادہ لاؤلشکر لے کر آیا ہے جس کے مقابلے میں تم قتل ہونے کے سوا کچھ نہیں کر سکو گے۔ اپنی عورتوں کو بچاؤ، اپنے بچّوں کو بچاؤ۔ قبول کر لو اُس حقیقت کو جو تمہارے سر پر آگئی ہے۔ تمہارے لیے بھاگ جانے کا بھی کوئی راستہ نہیں رہا۔"

"ہمیں یہ بتا ہمارے سردار، ہم کیا کریں؟" — لوگوں میں سے کسی کی آواز آئی۔

"محمدؐ کی اطاعت قبول کر لینے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں" — ابوسفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم، مسلمان ہمیں پھر بھی نہیں بخشیں گے" — ایک اور آواز اُٹھی — "وہ اپنے مقتولوں کا بدلہ لیں گے۔ وہ سب سے پہلے تمہیں قتل کریں گے۔ اُحد میں تمہاری بیوی نے اُن کی لاشوں کو چیرا پھاڑا تھا۔"

ہُند الگ کھڑی پُھنکار رہی تھی۔

"میں تم سب کی سلامتی کی ضمانت لے آیا ہُوں" — ابوسفیان نے کہا — "میں محمدؐ سے مل کر آرہا ہُوں۔ اُس نے کہا ہے کہ تم میں سے جو میرے گھر میں آجائیں گے وہ مسلمانوں کے جبر و تشدّد سے محفوظ رہیں گے۔"

"کیا مکّہ کے سب لوگ تمہارے گھر میں سما سکتے ہیں؟" — کسی نے پُوچھا۔

"نہیں" — ابوسفیان نے کہا — "محمدؐ نے کہا ہے کہ جو لوگ اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلیں گے اور اُن کے دروازے بند رہیں گے، اُن پر بھی مسلمان ہاتھ نہیں اٹھائیں گے.... اور جو لوگ خانۂ خدا کے اندر چلے جائیں گے، اُن کو بھی مسلمان اپنا دوست سمجھیں گے۔ وہ دشمن صرف اُسے جانیں گے جو ہتھیار لے کر باہر آئے گا" — ابوسفیان گھوڑے سے اُتر آیا اور بولا — "تمہاری سلامتی اسی میں ہے، تمہاری عزّت اسی میں ہے کہ تم دوستوں اور بھائیوں کی طرح اُن کا استقبال کرو۔"

"ابوسفیان!" — قریش کے مشہور سالار عکرمہ نے للکار کر کہا — "ہم اپنے قبیلے کے قاتلوں کا استقبال تلواروں اور برچھیوں سے کریں گے۔"

"ہمارے تیر اُن کا استقبال مکّہ سے دُور کریں گے" — قریش کے دوسرے دلیر اور تجربہ کار سالار صفوان نے کہا — "ہمیں اپنے دیوتاؤں کی قسم، ہم دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں بند نہیں رہیں گے۔"

"حالات کو دیکھو عکرمہ!" — ابوسفیان نے کہا — "ہوش کی بات کرو صفوان! وہ ہم میں سے ہیں۔ آج خالدؓ محمدؐ کے ساتھ جا ملا ہے۔ تو مت بھول کہ اُس کی بہن فاختہ تمہاری بیوی ہے۔ کیا تو اپنی بیوی کے بھائی کو قتل کرے گا؟.... کیا تجھے یاد نہیں رہا کہ میری بیٹی اُمّ حبیبہؓ محمدؐ کی بیوی ہے؟ کیا تو یقین نہیں کرے گا کہ میں اپنے قبیلے کی عزت اور ناموس کی خاطر مدینہ گیا تو میری اپنی بیٹی نے میری بات سننے سے انکار کر دیا تھا؟ میں محمدؐ کے گھر میں چارپائی پر بیٹھنے لگا تو اُمّ حبیبہؓ نے میرے نیچے سے چارپائی پر بچھی ہُوئی چادر کھینچ لی تھی؟.... باپ بیٹی کا دشمن نہیں ہو سکتا صفوان!"

مکّہ کے لوگوں میں عکرمہ اور صفوان اور دو تین اور آدمیوں کے سوا اور کسی کی آواز نہیں سنائی

دے رہی تھی۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ قبیلہ قریش کی خاموشی ظاہر کرتی تھی کہ اُن لوگوں نے ابوسفیان کا مشورہ قبول کر لیا ہے۔ ابوسفیان کے چہرے پر اطمینان کا تاثر آگیا مگر اُس کی بیوی ہُند جو الگ کھڑی پھنکار رہی تھی، تیزی سے ابوسفیان کی طرف بڑھی اور اُس کی مونچھیں جو خاصی بڑی تھیں، اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیں۔

"میں سب سے پہلے تجھے قتل کروں گی" — ہُند نے ابوسفیان کی مونچھیں زور زور سے کھینچتے ہوئے کہا — "بزدل بوڑھے! تُو نے قبیلے کی عزت خاک میں ملا دی ہے" — اُس نے ابوسفیان کی مونچھیں چھوڑ کر اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مارا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی — "تم لوگ اس بوڑھے کو قتل کیوں نہیں کر دیتے جو تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار کرنے کی باتیں کر رہا ہے؟"

مورخ مغازی اور ابنِ سعد لکھتے ہیں کہ ہُند نے اپنے خاوند کے ساتھ اتنا توہین آمیز سلوک کیا تو لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ابوسفیان جیسے بت بن گیا ہو۔ عکرمہ اور صفوان ان کے درمیان آگئے۔

"ہم لڑیں گے ہُند!" — صفوان نے کہا — "اسے جانے دے۔ اس پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے۔"

ابوسفیان خاموش رہا۔

شام تک اہلِ قریش دو حصّوں میں بٹ چکے تھے۔ زیادہ تر لوگ لڑنے کے حق میں نہیں تھے۔ باقی سب عکرمہ، صفوان اور ہُند کا ساتھ دے رہے تھے۔

○

شام کے بعد صفوان اپنے گھر گیا۔ اُس کی بیوی جس کا نام فاختہ تھا، خالدؓ بن ولید کی بہن تھی۔ وہ بھی ابوسفیان کی باتیں سن چکی تھی۔

"کیا میں نے ٹھیک سُنا ہے کہ تم اپنے قبیلے کے سردار کی نافرمانی کر رہے ہو؟" — فاختہ نے صفوان سے پوچھا۔

"اگر فرمانبرداری کرتا ہُوں تو پورے قبیلے کا وقار تباہ ہوتا ہے" — صفوان نے کہا — "قبیلے کا سردار بزدل ہو جائے تو قبیلے والوں کو بُزدل نہیں ہونا چاہیئے۔ سردار اپنے قبیلے کے دشمن کو دوست بنا لے تو وہ قبیلے کا دوست نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم مسلمانوں کا مقابلہ کرو گے؟" — فاختہ نے پوچھا۔

"تو کیا تم یہ پسند کرو گی کہ تمہارا شوہر اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اپنی بیوی کے پاس بیٹھ جائے اور دشمن اُس کے دروازے کے سامنے دندناتا پھرے؟ کیا میرے بازو ٹوٹ گئے ہیں؟ کیا میری تلوار ٹوٹ گئی ہے؟ کیا تم اس لاش کو پسند نہیں کرو گی جو تمہارے گھر میں لائی جائے گی اور سارا قبیلہ کہے گا کہ یہ ہے تمہارے خاوند کی لاش جو بڑی بہادری سے لڑتا ہُوا مارا گیا ہے؟ یا تم اُس شوہر کو پسند کرو گی جو تمہارے پاس بیٹھا رہے گا اور لوگ تمہیں کہیں گے کہ یہ ہے ایک بزدل اور بے وقار آدمی کی بیوی جس نے اپنی بستی اور عبادت گاہ اپنے دشمن کے حوالے کر دی ہے.... تم مجھے کس حال میں دیکھنا پسند کرو گی؟"

"میں نے تم پر ہمیشہ فخر کیا ہے صفوان!" — فاختہ نے کہا — "عورتیں مجھے کہتی ہیں کہ تمہارا خاوند قبیلے کی آنکھ کا تارا ہے۔ لیکن اب حالات کچھ اور ہیں۔ تمہارا ساتھ دینے والے بہت تھوڑے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہیں، سُنا ہے مدینہ والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اب میرا بھائی خالدؓ بھی اُن کے ساتھ ہے۔ تم جانتے ہو وہ لڑنے مرنے والا آدمی ہے۔"

"کیا تم مجھے اپنے بھائی سے ڈرا رہی ہو فاختہ؟"

"نہیں" — فاختہ نے کہا — "مجھے خالدؓ مل جاتا تو میں اُسے بھی یہی کہتی جو میں تمہیں کہہ رہی ہوں.... وہ میرا بھائی ہے۔ وہ تمہارے ہاتھ سے مارا جا سکتا ہے۔ تم اُس کے ہاتھ سے مارے جا سکتے ہو۔ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں نہ آؤ۔ میں اُس کی بہن اور تمہاری بیوی ہوں۔ لاش تمہاری ہو گی یا خالدؓ کی، میرا غم ایک جیسا ہو گا۔"

"یہ کوئی عجیب بات نہیں فاختہ!" — صفوان نے کہا — "دشمنی ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ باپ بیٹے کا اور بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا ہے۔ اگر میں تمہارے رشتے کا خیال رکھوں تو...."

"تم میرے رشتے کا خیال نہ رکھو" — فاختہ نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — "قبیلے کا سردار تمہیں کہہ رہا ہے کہ لڑائی نہیں ہو گی، محمدؐ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔ پھر تم لڑائی کا ارادہ ترک کیوں نہیں کر دیتے؟ تمہارے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہوں گے۔"

"میں اطاعت قبول کرنے والوں میں سے نہیں" — صفوان نے کہا۔

"پھر میری ایک بات مان لو" — فاختہ نے کہا — "خالدؓ کے آمنے سامنے نہ آنا۔ اُسے میری ماں نے جنم دیا ہے۔ ہم دونوں نے ایک ماں کا دودھ پیا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہے، بہن یہی سننا چاہتی ہے کہ اُس کا بھائی زندہ ہے.... میں بیوہ بھی نہیں ہونا چاہتی صفوان!"

"پھر اپنے بھائی سے جا کے کہو کہ مکہ کے قریب نہ آئے" — صفوان نے کہا — "وہ میرے سامنے آئے گا تو ہمارے رشتے ختم ہو جائیں گے۔"

فاختہ کے آنسو صفوان کے ارادوں کو ذرا سا بھی متزلزل نہ کر سکے۔

○

رسولِ اکرمؐ نے ایک اور انتظام کیا۔ انہوں نے چند ایک آدمی مختلف بہروپوں میں مکہ کے اردگرد چھوڑ رکھے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مکہ سے کوئی آدمی باہر نکل کر کہیں جاتا نظر آئے تو اُسے پکڑ لیں۔ جاسوسی کا یہ اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ قریش اپنے دوست قبیلوں کو مدد کے لیے نہ بلا سکیں۔

دوسرے ہی دن دو شتر سواروں کو پکڑا گیا جو عام سے مسافر معلوم ہوتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے پڑاؤ میں لے جایا گیا۔ ایک دو دھمکیوں سے ڈر کر اُنہوں نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔ ان میں سے ایک یہودی تھا اور دوسرا قریش قبیلے کا۔ وہ مکہ سے چند میل دور رہنے والے قبیلہ بنو بکر کے ہاں یہ اطلاع لے کے جا رہے تھے کہ مسلمان مرالظہران میں پڑاؤ کیے ہوئے ہیں۔ بنو بکر کو پیغام بھیجا جا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں پر شب خون ماریں اور دو اور قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں۔ پیغام

میں یہ بھی تھا کہ مسلمان مکہ کو محاصرے میں لیں تو بنو بکر اور دوسرے قبیلے عقب سے ان پر حملہ کر دیں۔

اُن سے پوچھا گیا کہ مکہ میں لڑائی کی تیاریاں کس پیمانے پر ہو رہی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ابوسفیان لڑائی نہیں چاہتا اور مکہ والوں کی اکثریت اُس کے ساتھ ہے۔ صرف عکرمہ اور صفوان لڑیں گے لیکن اُن کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہیں۔ ان دونوں آدمیوں کو ابوسفیان نے نہیں، عکرمہ اور صفوان نے بھیجا تھا۔

رسولِ کریمؐ نے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا کہ مکہ میں یہ فرض کر کے داخل ہُوا جائے گا کہ قریش شہر کے دفاع میں لڑیں گے۔ آپؐ نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اُس زمانے میں مکہ کی طرف چار راستے جاتے تھے جو مکہ کے اردگرد کھڑی پہاڑیوں میں سے گزرتے تھے۔ فوج کے ہر حصے کو ایک ایک راستہ دے دیا گیا۔ انہیں اپنے اپنے راستے سے مکہ شہر کی طرف پیش قدمی کرنی تھی۔

فوج کے ان حصوں میں ایک کی نفری سب سے زیادہ رکھی گئی۔ اس کی کمان ابوعبیدہؓ کو دی گئی۔ حضرت رسولِ کریمؐ کو اس دستے کے ساتھ رہنا تھا۔ ایک حصے کی کمان علیؓ کے پاس تھی۔ ایک کے کماندار زبیرؓ تھے اور چوتھے حصے کی کمان خالدؓ کے پاس تھی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس سکیم میں غیر معمولی دانش کارفرما تھی۔ چار سمتوں سے پیش قدمی کا مقصد یہ تھا کہ مکہ کے دفاعی دستوں کو چار حصوں میں بکھیر دیا جائے۔ اگر وہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو کسی ایک یا دو راستوں پر روک بھی لیں تو دوسرے دستے آگے بڑھ کر شہر میں داخل ہو سکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی اس تقسیم کا مقصد یہ بھی تھا کہ قریش اگر دفاع میں نہ لڑیں تو وہ کسی راستے سے بھاگ بھی نہ سکیں۔

رسولِ اکرمؐ نے اس سکیم کے علاوہ جو احکام دیئے، وہ یہ تھے کہ قریش دفاع میں نہ لڑیں تو اُن پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ امن کا جواب پُرامن طریقے سے دیا جائے۔ اگر کہیں جھڑپ ہو جائے تو زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ اُن کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کی جائے۔ لڑنے والوں میں جو پکڑا جائے، اُس پر نہ تشدد کیا جائے نہ اُسے قتل کیا جائے اور اُسے جنگی قیدی بھی نہ سمجھا جائے اور ان میں سے کوئی بھاگ نکلے تو اُسے بھاگ جانے دیا جائے۔

اسلامی لشکر کے چاروں حصوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا گیا۔

○

۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری (۱۱ جنوری ۶۳۰ عیسوی) کا دن تھا۔ اسلامی لشکر کے تین حصے اپنے راستوں سے گزر کر مکہ میں داخل ہو گئے۔ کسی طرف سے اُن پر ایک تیر بھی نہ آیا۔ شہر کا کوئی دفاع نہ تھا۔ قریش کی کوئی تلوار نیام سے نہ نکلی۔ لوگ گھروں میں بند رہے۔ کسی کسی مکان کی چھت پر کوئی عورت یا بچے کھڑے نظر آتے تھے۔ مسلمان چوکنّے تھے۔ شہر کا سکوت مشکوک اور ڈراونا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس سکوت سے طوفان اُٹھنے والا ہو۔

شہر سے کوئی طوفان نہ اُٹھا۔ طوفان اٹھانے والے دو آدمی تھے۔ ایک عکرمہ دوسرا صفوان۔ دونوں شہر میں نہیں تھے۔ کئی اور آدمی شہر میں نہیں تھے۔ وہ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے تھے

وہ رات کو باہر نکل گئے تھے۔ اُن کے ساتھ تیر انداز بھی تھے۔ یہ ایک جیش تھا جو اس پہاڑی راستے کے قریب جا پہنچا تھا جو خالدؓ کے دستے کی پیش قدمی کا راستہ تھا۔ عکرمہ اور صفوان کو معلوم نہیں تھا کہ اس اسلامی دستے کے قائد خالدؓ ہیں۔ عکرمہ اور صفوان کا ایک آدمی کہیں بلندی پر تھا۔ اُس نے خالدؓ کو پہچان لیا اور اوپر سے دوڑتا نیچے گیا۔

"اے صفوان!" — اس آدمی نے صفوان سے کہا — "کیا تو ہمیں اجازت دے گا کہ تیری بہن کے بھائی کو ہم قتل کر دیں؟ .... میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ میں نے خالدؓ کو دیکھا ہے۔"

"اپنے قبیلے کی عزّت اور غیرت سے بڑھ کر مجھے کوئی اور عزیز نہیں" — صفوان نے کہا — "اگر خالدؓ میری بہن کا خاوند ہوتا تو آج میں اپنی بہن کو بیوہ کر دیتا۔"

"مت دیکھو کون کس کا بھائی، کس کا باپ اور کس کا خاوند ہے" — عکرمہ نے کہا — "خالدؓ میرا بھی کچھ لگتا ہے لیکن آج وہ میرا دشمن ہے۔"

خالدؓ کا دستہ اور آگے آیا تو اُس پر تیروں کی پہلی بوچھاڑ آئی۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک لیا۔

"اے اہلِ قریش!" — خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا — "ہمیں راستہ دے دو گے تو محفوظ رہو گے۔ ہمارے رسولؐ کا حکم ہے کہ اُس پر ہاتھ نہ اُٹھانا جو تم پر ہاتھ نہیں اُٹھاتا.... کیا تمہیں اپنی جانیں عزیز نہیں؟ میں تمہیں صرف ایک موقع دوں گا۔"

تیروں کی ایک اور بوچھاڑ آئی۔

"ہم تیرے رسولؐ کے حکم کے پابند نہیں خالدؓ!" — عکرمہ نے للکار کر کہا — "ہمّت کر اور آگے آ۔ ہم ہیں تمہارے پرانے دوست.... صفوان اور عکرمہ.... تو مکّہ میں زندہ داخل نہیں ہو سکے گا۔"

خالدؓ نے تیروں کی دوسری بوچھاڑ سے معلوم کر لیا تھا کہ دشمن کہاں ہے۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک کر پیچھے ہٹا لیا اور اپنے کچھ آدمیوں کو پہاڑیوں کے اُوپر سے آگے بڑھنے اور تیر اندازوں پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ عکرمہ اور صفوان خالدؓ کے ان آدمیوں کو نہ دیکھ سکے۔

تھوڑی سی دیر میں یہ آدمی دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ وادی سے خالدؓ نے ہلّہ بول دیا۔ جو اس قدر تیز اور شدید تھا کہ قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ خالدؓ نے اُوپر سے بھی حملہ کرایا تھا اور نیچے سے بھی۔

"کہاں ہو عکرمہ!" — خالدؓ للکار رہے تھے — "کہاں ہو صفوان!"

وہ دونوں کہیں بھی نہیں تھے۔ وہ خالدؓ کے ہلّے کی تاب نہ لا سکے اور خالدؓ کو نظر آئے بغیر کہیں بھاگ گئے۔ اُن کا جیش بھی لاپتہ ہو گیا۔ پیچھے قریش کی بارہ لاشیں رہ گئیں۔ مختصر سی اس جھڑپ میں دو مسلمان — حبیش بن اشعرؓ اور کرز بن جابرؓ فہری — شہید ہوئے۔

○

اسلامی فوج کے تین حصّے مکّہ میں داخل ہو چکے تھے۔ خالدؓ کا دستہ ابھی نہیں پہنچا تھا۔ سب حیران تھے کہ اہلِ مکّہ نے مزاحمت نہیں کی پھر خالدؓ کے نہ آنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ایک قاصد کو دوڑایا گیا۔ وہ خبر لایا کہ خالدؓ دو مسلمانوں کی لاشیں لے کر آ رہا ہے اور اس کے دستے

نے قریش کے بارہ آدمی مار ڈالے ہیں۔ رسولِ کریمؐ نے سنا تو آپؐ بہت برہم ہوئے۔ آپؐ اچھی طرح جانتے تھے کہ خالدؓ جنگ و جدل کا دلدادہ ہے۔ اُس نے بغیر اشتعال کے لڑائی مول لے لی ہو گی۔

خالدؓ کے مکّہ میں آنے کی اطلاع ملی تو رسول اللہؐ نے اُنہیں بلا کر پوچھا کہ اس حکم کے باوجود کہ لڑائی سے گریز کیا جائے اُنہوں نے قریش کے بارہ آدمیوں کو کیوں مار ڈالا؟

خالدؓ نے حضورِ اکرمؐ کو بتایا کہ عکرمہ اور صفوان کے ساتھ قریش کے متعدد آدمی تھے جنہوں نے ان پر تیر برسائے۔ خالدؓ نے یہ بھی بتایا کہ اُنہوں نے عکرمہ اور صفوان کو ایک موقع دیا تھا لیکن اُنہوں نے تیروں کی ایک اور بوچھاڑ پھینک دی۔

رسولِ خداؐ نے ابُوسفیان سے پوچھا کہ عکرمہ اور صفوان کہاں ہیں۔ ابُوسفیان نے بتایا کہ وہ مکہ کے دفاع میں لڑنے کے لئے چلے گئے تھے۔ رسولِ خداؐ کو یقین ہو گیا کہ لڑائی خالدؓ نے شروع نہیں کی تھی۔

مکّہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

رسولِ اکرمؐ مکّہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ہمراہ اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ اور عثمان بن طلحہؓ تھے۔

رسولِ کریمؐ کو مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو گئے سات سال گذر چکے تھے۔ آپؐ نے مکّہ کے در و دیوار کو دیکھا۔ وہاں کے لوگوں کو دیکھا۔ دروازوں میں اور چھتوں پر کھڑی عورتوں کو دیکھا بہت سے چہرے شناسا تھے۔ آپؐ گزرتے چلے گئے اور کعبہ میں داخل ہوتے ہی سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب مکّہ میں کسی کو اتنی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپؐ کو جادوگر کہے یا آپ پر پھبتی کسے۔

اہلِ قریش چہروں پر خوف و ہراس کے تاثرات لئے اپنے انجام کے منتظر کھڑے تھے۔ عربوں کے ہاں اپنی بے عزّتی اور قتل کے انتقام کا رواج بڑا بھیانک تھا۔ رسول اللہؐ نے حکم دے دیا تھا کہ جو امن قائم رکھیں گے اُن کے ساتھ پُر امن سلوک کیا جائے گا، اس کے باوجود قریش ڈرے سہمے ہوئے تھے۔

"اہلِ قریش!" — حضورِ اکرمؐ نے لوگوں کے سامنے رُک کر پوچھا — "خود بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو"۔

لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ وہ خیر اور بخشش کے طلبگار تھے۔

"اپنے گھروں کو جاؤ" — حضورِ اکرمؐ نے کہا — "ہم نے تمہیں بخش دیا"۔

رسول اللہؐ کی حیاتِ مقدسہ کی عظیم گھڑی تو وہ تھی جب آپؐ نے کعبہ میں رکھے ہوئے بُتوں کی طرف توجہ دی۔ بُتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ ان میں ایک بُت حضرت ابراہیمؑ کا بھی تھا۔ اس کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ اِن تیروں سے بُت خانے کے پیشوا فال نکالا کرتے تھے۔

حضورِ اکرمؐ کے ہاتھ میں ایک موٹی اور مضبوط لاٹھی تھی۔ آپؐ نے اس لاٹھی سے بُت توڑنے شروع کر دیئے — آپ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کر رہے تھے — آپؐ بُت توڑتے جاتے اور بلند آواز سے کہتے جاتے — "حق آیا، باطل چلا گیا.... بیشک باطل

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ٹوٹتے جاتا تھا" — مورّخ لکھتے ہیں کہ ایسے لگتا تھا جیسے یہ صدائیں حضورِ اکرم کی لاٹھی کی ہر ضرب سے کعبہ کی دیواروں سے اُٹھ رہی ہوں۔ کعبہ سے بُتوں کے ٹکڑے اٹھا کر باہر پھینک دیے گئے اور کعبہ عالمِ اسلام کی عبادت گاہ بن گیا۔

اس کے بعد آپؐ نے مکّہ کے انتظامی امور کی طرف توجہ دی۔ قریش اور دیگر قبائل کے لوگ قبولِ اسلام کے لیے آتے رہے۔

بُت صرف کعبہ میں ہی نہیں تھے۔ مکّہ کے گرد و نواح کی بستیوں میں مندر تھے، وہاں بھی بُت رکھے تھے۔ سب سے اہم بُت عزیٰ کا تھا جو چند میل دُور نخلہ کے مندر میں رکھا گیا تھا۔ رسولِ اکرم نے عزیٰ کا بُت توڑنے کا کام خالدؓ کے سپرد کیا۔ خالدؓ نے اپنے ساتھ تیس سوار لیے اور اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دوسرے مندروں کے بُت توڑنے کے لیے مختلف جیش روانہ کیے گئے تھے۔

عزیٰ کا بُت اکیلا نہیں تھا۔ چونکہ یہ دیوی تھی اس لیے اس کے ساتھ چھوٹی دیویوں کے بُت بھی تھے۔ خالدؓ وہاں پہنچے تو مندر کا پروہت اُن کے سامنے آ گیا۔ اُس نے التجا کی اُن کے بُت نہ توڑے جائیں۔

"مجھے عزیٰ کا بُت دکھاؤ" — خالدؓ نے نیام سے تلوار نکال کر پروہت سے پوچھا۔

پروہت موت کے خوف سے مندر کے ایک بغلی دروازے میں داخل ہو گیا۔ خالدؓ اُس کے پیچھے گئے۔ ایک کمرے سے گذر کر اگلے کمرے میں گئے تو وہاں ایک دیوی کا بڑا ہی خوبصورت بُت چبوترے پر رکھا تھا۔ پروہت نے بُت کی طرف اشارہ کیا اور بُت کے آگے فرش پر لیٹ گیا۔ مندر کی داسیاں بھی آ گئیں۔ خالدؓ نے تلوار سے اس حسین دیوی کا بُت توڑ ڈالا اور اپنے سواروں سے کہا کہ بُت کے ٹکڑے باہر بکھیر دیں۔

پروہت دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور داسیاں بَین کر رہی تھیں۔

خالدؓ نے دیویوں کے بُت بھی توڑ ڈالے اور گرج کر پروہت سے کہا — "کیا اب بھی تم اسے دیوی مانتے ہو جو اپنے آپ کو ایک انسان سے نہیں بچا سکی؟"

پروہت دھاڑیں مارتا رہا۔ خالدؓ فاتحانہ انداز سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے سواروں کو واپسی کا حکم دیا۔ جب خالدؓ اپنے تیس سواروں کے ساتھ مندر سے دُور چلے گئے تو پروہت نے جو دھاڑیں مار رہا تھا، بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔ پجارنیں جو بَین کر رہی تھیں، وہ بھی ہنسنے لگیں۔

"عزیٰ کی توہین کوئی نہیں کر سکتا" — پروہت نے کہا — "خالدؓ جو خود عزیٰ کا پجاری ہوا کرتا تھا، بہت خوش ہو کے گیا ہے کہ اُس نے عزیٰ کا بُت توڑ ڈالا ہے..... عزیٰ زندہ ہے، زندہ رہے گی"

○

"یا رسول اللہؐ!" — خالدؓ نے حضورِ اکرم کو اطلاع دی — "میں عزیٰ کا بُت توڑ آیا ہوں"۔

"کہاں تھا یہ بُت؟" — حضورِ اکرم نے پوچھا۔

خالدؓ نے وہ مندر اور اس کا وہ کمرہ بتایا جہاں اُنہوں نے بُت دیکھا اور توڑا تھا۔

"تم نے عزیٰ کا بُت نہیں توڑا خالدؓ!" — رسولِ کریمؐ نے کہا — "واپس جاؤ اور اصلی بُت توڑ کر آؤ"۔

مورّخ لکھتے ہیں کہ عزیٰ کے دو بُت تھے۔ ایک اصلی جس کی پُوجا ہوتی تھی، دوسرا نقلی تھا۔ یہ غالباً مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بنایا گیا تھا۔

خالدؓ کا خون کھولنے لگا۔ اُنہوں نے اپنے سواروں کو ساتھ لیا اور نخلہ کو روانہ ہو گئے۔ مندر کے پروہت نے دُور سے گھوڑ سواروں کو آتے دیکھا تو اُس نے مندر کے محافظوں کو بلایا۔

"وہ پھر آ رہے ہیں" — پروہت نے کہا — "انہیں کسی نے بتا دیا ہو گا کہ اصلی بُت ابھی مندر میں موجود ہے..... کیا تم عزیٰ کی عزّت کی حفاظت کرو گے؟ اگر کرو گے تو عزیٰ دیوی تمہیں مالا مال کر دے گی"۔

"کچھ سوچ کر بات کر مقدّس پیشوا!" — ایک محافظ نے کہا — "کیا ہم دو تین آدمی اتنے زیادہ گھوڑ سواروں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟"

"اگر عزیٰ دیوی ہے تو یہ اپنے آپ کو ضرور بچا لے گی" — ایک اور محافظ نے کہا۔ اُس کے لہجے میں طنز تھی۔ کہنے لگا — "دیوی دیوتا انسانوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں، انسان دیوتاؤں کی حفاظت نہیں کیا کرتے"۔

"پھر عزیٰ اپنی حفاظت خود کرے گی" — پروہت نے کہا۔

خالدؓ کے گھوڑے قریب آ گئے تھے۔ محافظ مندر کی پجارنوں کو ساتھ لے کر بھاگ گئے۔ پروہت کو یقین تھا کہ اُس کی دیوی اپنے آپ کو مسلمانوں سے بچا لے گی۔ اُس نے ایک تلوار لی اور اُسے عزیٰ کے گلے میں لٹکا دیا۔ پروہت مندر کے پچھلے دروازے سے نکلا اور بھاگ گیا۔

خالدؓ مندر میں آن پہنچے اور تمام کمروں میں عزیٰ کا بُت ڈھونڈنے لگے۔ انہیں ایک بڑا ہی خوشنما کمرہ نظر آیا۔ اس کے دروازے میں کھڑے ہو کر دیکھا۔ عزیٰ کا بُت سامنے چبوترے پر رکھا تھا۔ اُس کے گلے سے تلوار لٹک رہی تھی۔ یہ بُت ویسا ہی تھا جیسا خالدؓ پہلے توڑ گئے تھے۔ اس بُت کے قدموں میں لوبان جل رہا تھا۔ کمرے کی سجاوٹ اور خوشبو سے پتہ چلتا تھا کہ یہ عبادت کا کمرہ ہے۔

خالدؓ نے دہلیز سے آگے قدم رکھا تو سانولے رنگ کی ایک جوان عورت جو بالکل برہنہ تھی خالدؓ کے سامنے آ گئی۔ وہ رو رہی تھی اور فریادیں کرتی تھی کہ بُت کو نہ توڑا جائے۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ یہ عورت خالدؓ کے ارادے کو متزلزل کرنے کے لیے برہنہ ہو کے آئی تھی اور اُس کے رونے کا مقصد خالدؓ کے جذبات پر اثر ڈالنے کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ خالدؓ آگے بڑھے تو اُس عورت نے بازو پھیلا کر خالدؓ کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکالی اور اُس عورت پر ایسا زوردار وار کیا کہ اُس کا ننگا جسم دو حصّوں میں کٹ گیا۔ خالدؓ غصّے سے بپھرے ہوئے بُت تک گئے اور اس کے کئی ٹکڑے کر دیئے — طاقت اور خوشحالی کی دیوی اپنے آپ کو ایک انسان سے نہ بچا سکی۔

خالدؓ مندر سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور ایڑ لگائی۔ اُن کے سوار اُن کے پیچھے جا رہے تھے۔ مکّہ پہنچ کر خالدؓ رسولِ اکرمؐ کے حضور پہنچے۔

"یا رسول اللہؐ!" — خالدؓ نے کہا — "میں عزیٰ کا بُت توڑ آیا ہوں"۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ہاں خالدؓ!"—— رسول اللہؐ نے کہا —— "اب تم نے عزیٰ کا اصلی بُت توڑا ہے۔ اب اس خطّے میں بُت پرستی نہیں ہوگی"۔

○

قریش کا مشہور اور جوشیلا سالار عکرمہ مکّہ کے راستے میں خالدؓ کے خلاف آخری معرکہ لڑ کر روپوش ہوگیا تھا۔ اُس نے اور صفوان نے اپنے قبیلے کے سردار کی حکم عدولی کی تھی۔ اُسے اپنا انجام بہت بُرا نظر آرہا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ رسولِ کریمؐ بھی اُس کی یہ خطا نہیں بخشیں گے کہ اُس نے اسلامی فوج کے ایک دستے پر حملہ کیا اور اس دستے کے دو آدمی شہید کر دیئے تھے۔ عکرمہ کی بیوی مکّہ میں تھی۔

تاریخوں میں واضح اشارہ ملتا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فتح مکّہ کے بعد قریش کی چار عورتوں اور چھ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائی تھیں اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کی تھیں۔ انہیں مرتد کہا گیا تھا۔ ان میں ہُند اور عکرمہ کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہُند ہر اُس انسان کے خون کی پیاسی ہو جاتی تھی جو اسلام قبول کر لیتا تھا۔

عکرمہ کی بیوی مکّہ میں تھی۔ فتح مکّہ کے دو تین روز بعد ایک آدمی عکرمہ کے گھر آیا۔

"میں تمہارے لیے اجنبی ہوں بہن!"—— اس شخص نے عکرمہ کی بیوی سے کہا —— "عکرمہ میرا دوست ہے۔ میں قبیلہ بنو بکر کا آدمی ہوں ..... تمہیں معلوم ہوگا کہ عکرمہ اور صفوان نے مسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اُس کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ اُس کا مقابلہ خالدؓ سے تھا جو تجربہ کار جنگجو ہے اور اُس کے ساتھ آدمی بھی زیادہ تھے"۔

"میں جانتی ہوں"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا —— "میں پہلے سُن چکی ہوں ..... میرے اجنبی بھائی! مجھے بتا وہ کہاں ہے؟ وہ زندہ تو ہے؟"

"وہ مجھے بتا گیا تھا کہ یمن جا رہا ہے"—— اجنبی نے کہا —— "وہ کہہ گیا ہے کہ تجھے وہاں بلا لے گا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے وہ کس کے پاس گیا ہے۔ میں تجھے یہی بتانے آیا تھا۔ وہ واپس نہیں آئے گا"۔

"اُسے یہاں آنا بھی نہیں چاہیئے"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا —— "وہ آگیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا"۔

"تم تیار رہنا"—— اجنبی نے کہا —— "اُس کا پیغام آئے گا تو میں تمہیں اُس کے پاس پہنچا دوں گا۔ تم اُس کے پاس پہنچ جاؤ گی تو وہ تمہیں ساتھ لے کر حبشہ کو چلا جائے گا"۔

اجنبی اُسے اپنی بستی کا اور اپنا نام بتا کر چلا گیا۔

دو روز بعد عکرمہ کی بیوی بنو بکر کی بستی میں گئی اور اُس آدمی سے ملی جس نے اُسے عکرمہ کا پیغام دیا تھا۔

"کیا تو عکرمہ کے پاس جانے کو آئی ہے؟"—— عکرمہ کے دوست نے پوچھا۔

"میں اُسے واپس لانے کے لیے جا رہی ہوں"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا۔

"کیا تو نہیں جانتی کہ وہ آیا تو اُسے قتل کر دیا جائے گا؟"

"اُسے قتل نہیں کیا جائے گا"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا —— "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور رسول اللہؐ نے میری فریاد پر میرے شوہر کو معاف کر دیا ہے"۔

"کیا تو نے محمدؐ کو اللہ کا رسول مان لیا ہے؟"

"مان لیا ہے"۔

"محمدؐ نے تمہارے ساتھ سودا کیا ہوگا"—— عکرمہ کے دوست نے کہا —— "اُس نے تمہارے آگے یہ شرط رکھی ہوگی کہ تم اور عکرمہ اسلام قبول کر لو تو ....."

"نہیں"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا —— "محمدؐ نے جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولؐ ہیں، میرے ساتھ ایسا کوئی سودا نہیں کیا ..... اور محمدؐ اُن میں سے نہیں جو سودا کر کے اپنی بات منوایا کرتے ہیں۔ میں وہاں اپنے شوہر کی جان بخشی کی فریاد لے کر گئی تھی۔ یہ وہی محمدؐ ہیں جنہیں میں بڑی اچھی طرح جانتی تھی لیکن اب میں نے آپؐ کو دیکھا تو میں نے دل سے کہا کہ یہ وہ محمدؐ نہیں جو کبھی ہم میں سے تھے۔ یہ محمدؐ جن کے پاس میں اب فریاد لے کر گئی، آپؐ کی آنکھوں میں مجھے کوئی ایسی چیز نظر آئی جو کسی اور انسان میں نہیں ہوتی۔ مجھے ڈر تھا کہ محمدؐ جو اللہ کے رسول ہیں، کہیں گے کہ یہ عکرمہ کی بیوی ہے، اسے یرغمال بنا کر رکھو تا کہ عکرمہ آجائے اور اُسے قتل کر دیا جائے لیکن آپؐ نے مجھے ایک مجبور عورت جان کر عزّت سے بٹھایا۔ میں نے فریاد کی کہ فتح آپؐ کی ہے، میرے بچوں کو یتیم نہ کریں۔ میرے شوہر کی بدعہدی کی سزا مجھے اور میرے بچوں کو نہ دیں۔ آپؐ نے کہا، میں نے عکرمہ کو معاف کیا ..... میں نے محمد الرسول اللہؐ کا ہاتھ چوم لیا اور معلوم نہیں وہ کون سی طاقت تھی جس نے مجھ سے کہلوایا —— میں نے تسلیم کیا کہ محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اب میں اُس خدا کو مانتی ہوں جس نے محمدؐ کو رسالت دی ہے"۔

"اور تو مسلمان ہوگئی"—— عکرمہ کے دوست نے کہا۔

"ہاں!"—— عکرمہ کی بیوی نے کہا —— "میں مسلمان ہوگئی ..... مجھے اُس کے پاس لے چل میرے شوہر کے دوست! میں اُسے واپس لاؤں گی"۔

"میں دوستی کا حق ادا کروں گا"—— عکرمہ کے دوست نے کہا —— "چل، میں تیرے ساتھ چلتا ہوں"۔

○

کافی دنوں بعد عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوا۔ اپنے گھر جانے کی بجائے حضورِ اکرمؐ کے پاس گیا اور اُس نے اپنے کیے کی معافی مانگ کر اسلام قبول کر لیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُسی روز صفوان بھی واپس آ گیا۔ وہ بھاگ کر جدّہ چلا گیا تھا۔ ایک دوست اُس کے پیچھے گیا اور اُسے کہا کہ وہ سالاری رُتبے کا جنگجو ہے اور اُس کی قدر رسولِ کریمؐ ہی جان سکتے ہیں۔ اُسے یہ بھی کہا کہ قبیلہ قریش ختم ہو چکا ہے.... صفوان تلوار کا دھنی اور نامور سالار تھا۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ مکّہ آ گیا اور اُس نے رسولِ کریمؐ کے حضور پیش ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

ابُوسفیان کی بیوی ہند ایسی عورت تھی جس کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اسلام قبول کر لے گی۔ رسولِ کریمؐ نے اُس کے قتل کا حکم دے رکھا تھا اور وہ رُوپوش تھی۔ ابُوسفیان اسلام قبول کر چکا تھا۔ ہند کو جب پتہ چلا کہ عکرمہؓ اور صفوانؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ سامنے آ گئی، یہ جانتے ہوئے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا، وہ رسولِ اکرمؐ کے حضور جا پہنچی۔ آپؐ نے اُسے معاف کر دیا۔ اور وہ مسلمان ہو گئی۔

مکّہ کے اردگرد، دُور اور نزدیک، کچھ قبائل تھے۔ اِن میں بعض بُت پرست تھے اور بعض توہّمات کو عقیدہ بنائے ہوئے تھے۔ رسُولِ کریمؐ نے ان کی طرف پیغام بھیجے کہ وہ اللہ کا سچا دین قبول کر لیں پیغام لے جانے والے فوجی تھے لیکن آپؐ نے حکم دیا تھا کہ کسی پر تشدّد نہ کیا جائے اور جنگی کارروائی سے گریز کیا جائے۔

مکّہ کے جنوب میں تہامہ کا علاقہ ہے جہاں جنگجُو قبائل بکھرے ہوتے تھے۔ ان کے متعلق خطرہ تھا کہ لڑنے پر اُتر آئیں گے اس لیے اس علاقے میں فوج کا ایک دستہ بھیجا گیا اور اس کی کمان خالدؓ کو دی گئی۔ تمام کا تمام دستہ گھوڑ سوار تھا۔ اس میں بنوسلیم کے آدمی بھی تھے اور مدینہ کے بھی۔ اس دستے کو مکّہ سے تقریباً پچاس میل دُور یلملم کے مقام تک جانا تھا۔

خالدؓ اپنے سوار دستے کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ ان کی منزل پچاس میل دُور تھی لیکن بمشکل پندرہ میل دُور گئے ہوں گے کہ ایک مشہور جنگجو قبیلے بنو جذیمہ کے آدمیوں نے خالدؓ کے دستے کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ بنو جذیمہ باقاعدہ لڑائی کے لیے نکل آئے۔

"ہم لڑنے نہیں آئے" —— خالدؓ نے اعلان کیا —— "ہم دعوت دینے آئے ہیں کہ اسلام قبول کر لو"۔

"ہم اسلام قبول کر چکے ہیں" —— بنو جذیمہ کی طرف سے جواب آیا —— "ہم نمازیں پڑھتے ہیں"۔

"ہم دھوکہ کھانے نہیں آئے" —— خالدؓ نے بلند آواز سے کہا —— "اگر تم مسلمان ہو چکے ہو تو تلواریں اور برچھیاں پھینک دو"۔

"خبردار بنو جذیمہ!" —— بنو جذیمہ کی طرف سے کسی نے للکار کر کہا —— "اُسے میں جانتا ہوں، یہ مکّہ کے الولید کا بیٹا خالدؓ ہے۔ اس پر اعتبار نہ کرنا۔ ہتھیار ڈال دو گے تو یہ ہم سب کو قتل کرا دے گا... ہتھیار نہ ڈالنا"۔

"خدا کی قسم، مجھے رسول اللہؐ کا حکم نہ ملا ہوتا کہ جنگ نہ کرنا تو میں دیکھتا کہ تم ہتھیار ڈالتے ہو یا نہیں" —— خالدؓ نے کہا —— "ہم دوست بن کر آئے ہیں۔ ہم تم پر اللہ کا دین زبردستی ٹھونسنے نہیں آئے۔ ہمیں دوست سمجھو اور ہمارے ساتھ آ جاؤ"۔

"اہل قریش کی کیا خبر ہے؟" —— بنو جذیمہ کی طرف سے آواز آئی۔

"مکّہ چل کر دیکھو" —— خالدؓ نے کہا —— "ابوسفیان، عکرمہؓ اور صفوانؓ اسلام قبول کر چکے ہیں"۔

بنو جذیمہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔ خالدؓ گھوڑے سے اُتر کر آگے بڑھے اور بنو جذیمہ کے سردار سے گلے ملے۔ پورے قبیلے نے اسلام قبول کر لیا۔

مسلمانوں کو مکّہ ایک مرکز کی حیثیت سے مل گیا۔ یہ سورج کی مانند تھا جس کی کرنیں دُور دُور تک پھیلنے لگیں لیکن اسلام کی دشمن قوتیں یکجا ہو رہی تھیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

طائف ایک مقام ہے جو مکّہ معظمہ سے چند میل دُور ہے۔ جنوری ۶۳۰ء (سن ۸ھ) کی ایک رات وہاں جشن کا سماں تھا۔ فضا شراب کی بُو سے بوجھل اور رات مخمور تھی۔ رقص کے لیے طائف کے اِردگرد کے علاقے کی چُنی ہُوئی ناچنے والیاں آئی ہُوئی تھیں۔ اُن کے رقص اور حُسن نے مہمانوں کو مدہوش کر دیا تھا۔

مہمان مکّہ کے شمال مشرقی علاقے کے مشہور جنگجو قبیلے ہوازن کے سرکردہ افراد تھے۔ ان کے میزبان طائف اور گردونواح میں پھیلے ہُوئے قبیلے ثقیف کے سردار تھے جنہوں نے اپنے مہمانوں پر اپنی امارت اور فیاضی اور کشادہ ظرفی کا رعب جمانے کے لیے اتنی شاہانہ ضیافت اور اتنے شاندار جشن کا اہتمام کیا تھا۔

دو لڑکیاں رقص کے کمال دکھا رہی تھیں کہ میزبان قبیلے کا سردار مالک بن عوف اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُس نے تالی بجائی۔ ساز خاموش ہو گئے۔ ناچنے والیاں بُت بن گئیں اور ان کی نظریں مالک بن عوف پر جم گئیں۔ مہمانوں پر سناٹا طاری ہو گیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے رات کے گزرتے لمحوں کا قافلہ رُک گیا ہو۔ ہر کوئی مالک بن عوف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مالک بن عوف کی عمر تیس سال تھی۔ رقص اور مے نوشی کی محفلوں میں وہ عیّاش شہزادہ تھا لیکن میدانِ جنگ میں وہ آگ کا بگولہ تھا۔ وہ صرف تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑسواری میں ہی مہارت نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ فنِ حرب و ضرب کا بھی ماہر تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت وہ قبیلے کا سالار تھا۔ جنگ کے معاملے میں وہ انتہا پسند تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ٹھنڈے دل سے سوچنا اُسے آتا ہی نہیں۔ اُس کی جنگی چالیں اُس کے دشمن کے لیے بڑی خطرناک ہوتی تھیں۔ قبیلۂ قریش میں جو حیثیت کسی وقت خالدؓ بن ولید کو حاصل تھی ویسا ہی دبدبہ مالک بن عوف کا اپنے قبیلے پر تھا۔

"ہم نے بہت کھا لیا ہے" — مالک بن عوف نے رقص رُکوا کر میزبانوں اور مہمانوں سے خطاب کیا — "ہم شراب کے مشکیزے خالی کر چکے ہیں۔ ہم تھرکتی ہوئی جوانیوں سے لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ کیا ہمارے مہمانوں نے یہ نہیں سوچا کہ اس ضیافت اور اس جشن کی تقریب کیا ہے؟ ... میں نے تمہیں کوئی خوشی منانے کے لیے اکٹھا نہیں کیا۔ اے اہلِ ہوازن! میں نے تمہاری غیرت کو جگانے کے لیے تمہیں اپنے ہاں بلایا ہے۔"

"ہوازن کی غیرت سوئی کب تھی مالک بن عوف؟" — قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا — "بتا ہماری غیرت کو کس نے للکارا ہے؟"

"مسلمانوں نے!" — مالک بن عوف نے کہا — "محمدؐ نے .... کیا تم محمدؐ کو نہیں جانتے؟ کیا تم بھول گئے ہو اُس محمدؐ کو جو اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مکّہ سے بھاگ کر یثرب (مدینہ)

چلا گیا تھا؟"

"جانتے ہیں" — دو تین آوازیں اُٹھیں — "اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا نبی کہتا ہے۔"

"ہم اُسے نبی نہیں مانتے" — ایک اور آواز اُٹھی — "کوئی نبی ہوتا تو ہم میں سے ہوتا جو اہلِ ثقیف ہیں۔ ہوازن کے قبیلے سے ہوتا۔"

"وہ نبی ہے یا نہیں" — مالک بن عوف نے کہا — "میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس مکّہ سے محمدؐ بھاگا تھا، اُس مکّہ کا اب وہ حاکم ہے۔ مکّہ میں اُس کا حکم چلتا ہے اور اُس کی جنگی طاقت بڑھتی جا رہی ہے۔ قبیلۂ قریش اُس کے آگے ہتھیار ڈال چکا ہے اور اُس کے مذہب کو قبول کرتا چلا جا رہا ہے۔ ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان جیسے جابر جنگجو محمدؐ کا مذہب قبول کر چکے ہیں۔ خالدؓ بن ولید نے پہلے ہی یہ نیا مذہب قبول کر لیا تھا... مسلمانوں نے مکّہ میں تمام بُت توڑ ڈالے ہیں۔"

"اہلِ قریش کو اپنی غیرت اور اپنے مذہب کا پاس ہوتا تو وہ اپنی تلواریں اپنے پیٹوں میں گھونپ لیتے" — کسی اور نے کہا۔

"اب ستاروں سے بھرا ہُوا آسمان یہ دیکھے گا کہ ہوازن اور ثقیف کو اپنی غیرت کا کتنا پاس ہے" — مالک بن عوف نے کہا۔

"کیا تو چاہتا ہے کہ ہم میں سے کوئی محمدؐ کو قتل کر دے؟" — قبیلہ ہوازن کے ایک سردار نے کہا — "اگر تو یہی کہنا چاہتا ہے تو یہ کام میرے سپرد کر۔"

"اب محمدؐ کو قتل کر دینے سے کچھ حاصل نہ ہو گا" — مالک بن عوف نے کہا — "اُسے قتل کر دو گے تو اُس کے پیروکار اُسے اپنے دلوں میں زندہ رکھیں گے۔ اُن کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اب ایک آدمی کے قتل سے وہ اُس راستے سے نہیں ہٹیں گے جس پر انہیں ڈال دیا گیا ہے۔"

"کہتے ہیں محمدؐ کے ہاتھ میں کوئی جادو آ گیا ہے" — ہوازن کے ایک سردار نے کہا — "وہ جس پر نگاہ ڈالتا ہے وہ اُس کا مطیع ہو جاتا ہے۔"

"جہاں تلوار چلتی ہے وہاں کوئی جادو نہیں چل سکتا" — ہوازن قبیلے کے ایک اور سردار نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "مالک! آگے بول تو کیا کہتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ہم نے محمدؐ کے اسلام کو نہ روکا تو یہ سیلاب کی طرح بڑھتا ہُوا ہم سب کو بہا لے جائے گا" — مالک بن عوف نے کہا — "نہ ہوازن رہیں گے نہ ثقیف کا وجود ہو گا۔ قبیلۂ قریش کو محکوم بنانے والوں کو ہم مکّہ کے اندر ہی ختم کریں گے.... کیا تم محکوم بن جانے کا مطلب سمجھتے ہو؟" — مالک بن عوف نے سب کی طرف دیکھا اور بولا — "اگر نہیں سمجھتے تو میں تمہیں بتاتا ہوں" — اُس نے اپنے پیچھے دیکھا۔

مالک بن عوف کے پیچھے مہمانوں میں ایک معمّر سفید ریش بیٹھا تھا۔ اُس کا رنگ دوسروں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی نسبت صاف اور سپیدی مائل تھا۔ وہ ضعیف اتنا تھا کہ اُس کا سر ہلتا تھا اور کمر میں ہلکا سا خم تھا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ کندھوں سے ٹخنوں تک چُغہ بتاتا تھا کہ وہ کوئی عالم یا مذہبی پیشوا ہے۔ مالک بن عوف کے اشارے پر وہ اٹھا اور مالک کے پاس آگیا۔

”تم پر اُس کی رحمت ہو جس نے تمھیں پیدا کیا ہے“ ـــــ بُوڑھے نے کہا ـــــ ”اور وہ دیوتا تمھارے بچّوں کے محافظ ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ تم محکومی اور غلامی کا مطلب نہیں سمجھتے تو مجھ سے پوچھو۔ میری چار جوان بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیاں ہیں اور میرے دو جوان بیٹے مسلمانوں کے غلام ہیں۔ وہ تیغ زن اور شہسوار تھے لیکن اب انھیں تلوار ہاتھ میں لینے کی اور گھوڑے پر سوار ہونے کی اجازت نہیں۔ ہمیں گھروں سے نکال دیا گیا ہے....

”کیا تمھیں یاد نہیں کہ قریش نے مدینے کا محاصرہ کیا تھا تو مسلمانوں نے شہر کے ارد گرد خندق کھود لی تھی؟ قریش اس خندق کو پھلانگ نہیں سکے تھے، پھر اس قدر تند و تیز طوفان آیا کہ قریش جو پہلے ہی بد دل ہو چکے تھے، بکھر گئے اور مکّہ کو واپس چلے گئے تھے۔ جب مسلمانوں کے سر سے خطرہ ٹل گیا تو انہوں نے اُن یہودیوں پر ہلّہ بول دیا جو اُن کے ساتھ مدینہ میں امن سے رہتے تھے۔ ان یہودیوں کو انہوں نے قتل کر دیا اور اُن کی عورتوں کو اور اُن کے بچّوں کو آپس میں بانٹ کر انھیں لونڈیاں اور غلام بنا لیا۔“

”اے بزرگ!ـــــ قبیلہ ثقیف کے ایک سرکردہ آدمی نے بلند آواز سے کہا ـــــ ”اگر تو یہودی ہے تو کیا ہم نے غلط سنا تھا کہ تیرے قبیلے نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا تھا؟“

”تم نے جو سنا درست سنا تھا“ ـــــ بوڑھے نے کہا ـــــ ”ہمارا دھوکہ کامیاب نہیں ہُوا تھا۔ ہم مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر اتارنا چاہتے تھے لیکن قریش پیٹھ دکھا گئے۔ مسلمانوں کو دھوکہ دے کر کمزور کرنا ہمارا فرض تھا لیکن مسلمانوں کی تلواروں نے ہمیں کمزور کر دیا۔“

”تو جو بنی اسرائیل سے ہے، کیا ہمیں اُکسانے آیا ہے کہ ہم مسلمانوں سے تیرے قبیلے کے خون کا انتقام لیں؟“ ـــــ ثقیف کے قبیلے کے ایک سردار نے کہا۔

ایک اور ضعیف العمر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کا نام دُرید بن الصّمہ تھا۔ اس کا نام تاریخ میں تو ملتا ہے لیکن یہ پتہ نہیں ملتا کہ وہ قبیلہ ہوازن سے تھا یا قبیلہ ثقیف سے۔

”خاموش رہو“ ـــــ دُرید بن الصّمہ نے گرج کر کہا ـــــ ”ہم بنی اسرائیل کے خون کا انتقام نہیں لیں گے۔ کیا تم ابھی تک شک میں ہو؟ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے کہ ہم نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا خون اپنی تلواروں کو نہ پلایا اور اُن کے زخمیوں کو گھوڑوں تلے نہ روندا تو وہ ہمیں بھی قتل کر کے تمھاری بیٹیوں کو، تمھاری بہنوں کو اور تمھاری بیویوں کو اپنی لونڈیاں اور ہمارے بچوں کو اپنا غلام بنا لیں گے؟

”اس سے پہلے کہ اُن کے گھوڑے طائف کی گلیوں میں ہنہنائیں، کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہمارے گھوڑے اُن کی لاشوں کو مکّہ کی گلیوں میں کچلتے پھریں؟“ ـــــ مالک بن عوف نے جوش سے لرزتی ہُوئی آواز میں کہا ـــــ ”بنی اسرائیل کا یہ بزرگ ہماری پناہ میں آیا ہے۔ اس نے اپنے قبیلے کا جو انجام بتایا ہے میں تمھیں اس انجام سے بچانا چاہتا ہوں.... اُٹھو اور لات کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ

ہم محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکّہ کے تمام بُت توڑ ڈالے ہیں ختم کر کے اپنی عورتوں کو اپنے منہ دکھائیں گے۔“

۷

اُس زمانے میں جب اسلام کی کرنیں مکّہ سے پھیل رہی تھیں، عرب میں بُت پرستی عام تھی۔ وہ خدا کو بھی مانتے تھے لیکن خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے وہ بُتوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بُتوں کو راضی کیے بغیر خدا کو راضی نہیں کیا جا سکتا۔ بُتوں کی خوشنودی کے لیے وہ کچھ رسمیں ادا کرتے تھے۔ طائف کے علاقے میں جس بُت کو پوجا جاتا تھا، اُس کا نام لات تھا جو انسانی یا حیوانی شکل کا نہیں تھا۔ وہ بہت بڑا پتھر تھا جسے چٹان کہا جا سکتا ہے۔ یہ چٹان باقاعدہ مربع شکل کی تھی۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ مربع شکل کا قدرتی طور پر بنا ہُوا چبوترہ تھا جس پر شاید کسی زمانے میں کوئی بُت رکھا گیا ہو لیکن طلوعِ اسلام کے دور میں یہ صرف چبوترہ تھا اور ارد گرد کے قبائل اسی کو پُوجتے تھے۔

جنوری ۶۳۰ء کی اُس رات جب قبیلہ ہوازن کے سردار قبیلہ ثقیف کی دعوت پر طائف آئے اور مالک بن عوف اور دُرید بن الصّمہ انہیں مکّہ پر حملے کے لیے اُکسا رہے تھے، ہوازن کے ایک سردار نے مشورہ دیا کہ کاہن کو بلا کر فال نکلوائی جائے کہ ہمارا حملہ کامیاب ہوگا یا نہیں۔

یہ فال تیروں کے ذریعے نکالی جاتی تھی جسے ازلام کہتے تھے۔ بہت سے تیر اکٹھے رکھے ہوتے تھے۔ کسی پر ہاں لکھا ہوتا تھا، کسی پر نہیں۔ بُت کا کوئی مجاور یا کاہن (مذہبی پیشوا) اس ترکش سے ایک تیر نکالتا اور دیکھتا تھا کہ اس پر ہاں لکھا ہے یا نہیں۔ یہ فال کا جواب ہوتا تھا۔ مجاور کی نسبت کاہن کو بہتر سمجھا جاتا تھا۔ کاہن دانشمند ہوتے تھے۔ اُن کے پاس پُر اثر اور دل میں اُتر جانے والے الفاظ کا ذخیرہ ہوتا تھا اور اُن کے بولنے کا انداز تو ہر کسی کو متاثر کر لیتا تھا۔ کاہن فال نکالے بغیر غیب کی خبریں دیا کرتے اور لوگ انہیں سچ مانا کرتے تھے۔

اگلی صبح ہوازن اور ثقیف کے سردار ایک کاہن کے سامنے بیٹھے ہُوئے تھے۔ ان میں سے کسی نے ابھی بات بھی نہیں کی تھی کہ کاہن بول پڑا۔

”اگر میں غیب کی خبر دے سکتا ہُوں اور آنے والے وقت میں بھی جھانک کر بتا سکتا ہوں کہ کیسا ہوگا اور کیا ہوگا تو کیا میں یہ نہیں بتا سکوں گا کہ تمھارے دلوں میں کیا ہے؟“ ـــــ اُس نے کہا ـــــ ”تم اپنی زبانوں کو ساکن رکھو اور میری زبان سے سنو کہ تم کیا کہنے آئے ہو.... تم جس دشمن پر حملہ کرنے جا رہے ہو وہ یوں سمجھو کہ سویا ہُوا ہے۔ اُس نے مکّہ پر قبضہ کیا ہے اور وہاں کے انتظامات سیدھے کر رہا ہے۔ وہ اپنی بادشاہی کی بنیادیں پکّی کر رہا ہے۔ مکّہ میں اُس کے دشمن بھی موجود ہیں۔ ہر کسی نے محمدؐ کا مذہب قبول نہیں کیا۔“

”مقدّس کاہن!“ ـــــ دُرید بن الصّمہ نے کہا ـــــ ”ہمیں یہ بتا کہ ہم محمدؐ کو خبر ہونے سے پہلے اُس کو دبوچ سکتے ہیں؟ کیا ہمارا اچانک حملہ مکّہ کے مسلمانوں کو گھٹنوں بٹھا سکے گا؟“

کاہن نے آسمان کی طرف دیکھا، کچھ بڑبڑایا اور بولا ـــــ ”آنے والے وقت کے پردوں کو چاک

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کر کے دیکھا ہے.... تمھارا حملہ اچانک ہوگا۔ مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمھاری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں گی۔ کون ہے جو برستی تلواروں میں سنبھل کر اپنے آپ کو بچانے کی ترکیب بنا سکتا ہے؟.... یہی وقت ہے۔ یہی موقع ہے۔ مسلمان اگر سنبھل گئے تو تم اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ پھر مسلمان تمھارے گھروں تک تمھارا پیچھا کریں گے اور تمھارے خزانوں کو اور تمھاری عورتوں کو تمھاری لاشوں کے اوپر سے گزار کر اپنے ساتھ لے جائیں گے.... ازلام کی ضرورت نہیں۔ لات نے اشارہ دے دیا ہے اور پوچھا ہے کہ مجھے پوجنے والوں کی تلواریں ابھی تک نیاموں میں کیوں ہیں؟"

"کوئی قربانی؟" ـــــ ایک سردار نے پوچھا۔

"حام" ـــ کاہن نے کہا ـــ "ایک حام۔ اگر ہے تو دے دو۔ نہیں ہے تو اپنے قبیلے سے کہو کہ بیٹھ نہ دکھائیں۔ اپنے خون کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں.... حام کی تلاش میں وقت ضائع نہ کریں.... جاؤ۔ میں نے تمھیں خبر دے دی ہے۔ مکّہ میں مسلمان دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔ وہ لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔"

حام اُس اُونٹ کو کہتے تھے جس کی چوتھی نسل پیدا ہو جاتی تھی۔ اسے یہ لوگ اپنے بُت کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ اس اونٹ کو متبرک سمجھ کر اس پر نہ کوئی سواری کر سکتا تھا نہ اس سے کوئی اور کام لیا جاتا تھا۔ اس پر خاص نشان لگا دیا جاتا تھا۔ اسے جو کوئی دیکھتا تھا، اس کا احترام کرتا اور اسے اپنے کھانے کی چیزیں کھلا دیتا تھا۔

جب ہوازن اور ثقیف کے سردار کاہن کی اشیرباد لے کر چلے گئے تو کاہن اندرونی کمرے میں چلا گیا۔ وہاں وہ بوڑھا یہودی بیٹھا تھا جسے گذشتہ رات ضیافت کے دوران مالک بن عوف نے اشارے سے کہا تھا کہ وہ سب کو بتائے کہ محکومی اور غلامی کیا ہوتی ہے۔

"میں نے تمھارا کام کر دیا ہے" ـــ کاہن نے اُسے کہا ـــ "اب یہ لوگ مکّہ کی طرف کوچ میں تاخیر نہیں کریں گے۔"

"کیا انھیں کامیابی حاصل ہوگی؟" ـــــ بوڑھے یہودی نے پوچھا۔

"کامیابی کا انحصار ان کے لڑنے کے جذبے اور عقل پر ہے" ـــ کاہن نے کہا ـــ "اگر انہوں نے صرف جوش اور جذبے سے کام لیا اور عقل کو استعمال نہ کیا تو محمدؐ کی عسکری قابلیت انہیں بہت بُری شکست دے گی.... میرا انعام؟"

"تمھارا انعام ساتھ لایا ہوں" ـــ بوڑھے نے کہا اور آواز دی۔

دوسرے کمرے سے ایک حسین لڑکی آئی۔ بوڑھے یہودی نے اپنے چُغے کے اندر ہاتھ ڈال کر سونے کے دو ٹکڑے نکالے اور کاہن کو دے دیئے۔

"میں کل صبح اس لڑکی کو لے جاؤں گا" ـــــ بوڑھے نے کہا۔

"میں تمھیں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں" ـــ کاہن نے کہا ـــ "میں نے تمھارے کہنے پر ان لوگوں کو کہا ہے کہ فوراً حملہ کریں لیکن ان سرداروں میں سمجھ بوجھ ہے۔ حالات کو سمجھ لیتے ہیں۔ ان کا

بوڑھا سردار دُرید بن الصمّہ پہلے سے جانتا تھا کہ مسلمان مکّہ میں ابھی جم کے نہیں بیٹھ سکے۔ اُن کے سامنے اور بہت سے مسئلے ہیں۔ ان پر حملے کے لیے یہی وقت موزوں ہے۔ ہوازن اور ثقیف کے سردار اپنے ارادے کی تصدیق کے لیے میرے پاس آتے تھے۔ اچھا ہُوا کہ ان سے پہلے تم چوری چُھپے میرے پاس آ گئے تھے۔"

"میرا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ختم کیا جائے" ـــــ بُوڑھے یہُودی نے کہا۔

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ ہوازن اور ثقیف دو طاقتور قبیلے تھے۔ مسلمانوں نے مکّہ فتح کر لیا تو ان دونوں قبیلوں کو یہ خطرہ محسوس ہُوا کہ دونوں کے لوگ الگ الگ بستیوں میں رہتے ہیں اور بستیوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ ایک دوسری سے دُور دُور بھی ہیں۔ مسلمان ہر بستی پر قابض ہو کر دونوں قبیلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ انہوں نے سوچا کہ قبیلوں کو متحد کر کے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا جائے۔

دونوں قبیلے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لے کر حنین کے قریب اوطاس کے مقام پر لے گئے۔ ان کے سرداروں نے چھوٹے چھوٹے کئی اور قبائل کو اس قسم کے پیغام بھیج کر کہ مسلمان اُن کی بستیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے آ رہے ہیں، اپنے اتحادی بنا لیا تھا۔ اس متحدہ لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ اس کا سپہ سالار مالک بن عوف تھا۔ اُس نے لشکر کے ہر آدمی کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچّوں اور مویشیوں کو ساتھ لے آئے۔ اُس نے اِس اجازت کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ مکّہ کا محاصرہ بہت لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہُوا تو لشکریوں کو اپنے بیوی بچوں اور مویشیوں کا غم ہوگا کہ معلوم نہیں کیسے ہوں۔ اس اجازت سے تقریباً سب نے فائدہ اٹھایا تھا۔ اس طرح جتنا لشکر لڑنے والوں کا تھا، اس سے کہیں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ اونٹ بھی بیشمار تھے۔

دُرید بن الصمّہ بہت بوڑھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں جانے کے قابل نہیں تھا لیکن لڑنے اور لڑانے کا جو تجربہ اُسے تھا وہ اور کسی کو نہیں تھا۔ سپہ سالار مالک بن عوف کو بنایا گیا تھا لیکن اس میں خوبی صرف یہ تھی کہ وہ بہت جوشیلا تھا۔ دُرید کو اُس کے تجربے کی وجہ سے بلایا گیا تھا۔

دُرید بن الصمّہ اُس وقت اس لشکر میں شامل ہُوا جب لشکر اوطاس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ وہ شام کے وقت پہنچا۔ اُسے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے بکریوں اور گدھوں کی آوازیں بھی سنیں۔ اُس نے کسی سے پوچھا کہ لشکر کے ساتھ بچّے، بکریاں اور گدھے کون لایا ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ سپہ سالار نے بال بچّے اور مویشی ساتھ لے جانے کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ انہیں ساتھ لانے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

"مالک!" ـــ دُرید بن الصمّہ نے مالک بن عوف کے خیمے میں جا کر پوچھا ـــ "یہ تُو نے کیا کیا ہے؟ میں نے ایسا لشکر پہلی بار دیکھا ہے جو لڑنے والے لشکر کی بجائے نقلِ مکانی کرنے والوں کا قافلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"مجھے تمھاری جنگی فہم و فراست پر ذرا سا بھی شک نہیں میرے بزرگ!" ـــ مالک بن عوف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نے کہا ۔۔۔ "لیکن میں نے جو سوچا ہے وہ تم ساری عمر نہیں سوچ سکے۔ میں نے لشکریوں سے کہا تو یہ ہے کہ محاصرہ لمبا ہو جانے کی صورت میں انہیں اپنے اہل و عیال اور مال مویشی کے متعلق پریشانی پیدا ہو جائے گی لیکن میں نے سوچا کچھ اور ہے۔ میں مکّہ کو محاصرے میں نہیں لوں گا بلکہ یلغار کروں گا۔ مسلمانوں کو ہم بے خبری میں جا لیں گے۔ تمہیں معلوم ہے کہ لڑنے میں مسلمان کتنے تیز اور عقل مند ہیں۔ وہ پینترے بدل بدل کر لڑیں گے۔ ہو سکتا ہے ہمارے آدمی اُن کی بے جگری کے آگے ٹھہر نہ سکیں۔ وہ جب دیکھیں گے کہ اُن کی عورتیں اور جوان بیٹیاں اور بچّے اور دودھ دینے والے مویشی بھی ساتھ ہیں تو وہ انہیں بچانے کے لیے جان کی بازی لگا کر لڑیں گے اور زیادہ بہادری سے لڑیں گے۔ بھاگیں گے نہیں۔"

"تجربہ عمر سے حاصل ہوتا ہے مالک!" ۔۔۔ دُرید نے کہا ۔۔۔ "تیرے پاس جذبہ ہے، غیرت ہے، جرأت ہے لیکن عقل تیری ابھی خام ہے۔ لڑائی میں ان لوگوں کا دھیان آگے نہیں پیچھے ہوگا۔ یہ یہی دیکھتے رہیں گے کہ دشمن پہلو یا عقب سے ان کے بال بچوں تک تو نہیں آ گیا۔ دشمن جب ان پر جوابی حملہ کرے گا تو یہ تیزی سے اپنے بیوی بچّوں تک پہنچیں گے کہ یہ دشمن سے محفوظ رہیں.... تو بہت بڑی کمزوری اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ محمدؐ کی جنگی قیادت کو تو نہیں جانتا میں جانتا ہوں۔ اُس کے پاس ایک سے ایک بڑھ کر قابل سالار ہے۔ وہ تیری اسی کمزور رگ پر وار کریں گے۔ وہ کوشش کریں گے کہ تیرے لشکر کی عورتوں اور بچوں کو یرغمال میں لے لیں۔ انہیں دور پیچھے رہنے دو اور مکّہ کو کوچ کرو۔"

"احترام کے قابل بزرگ!" ۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا ۔۔۔ "تم بہت پرانی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے محسوس نہیں کیا کہ اتنی لمبی عمر نے تمہیں تجربوں سے تو مالا مال کر دیا ہے لیکن عمر نے تمھاری عقل کمزور کر دی ہے۔ اگر میں سپہ سالار ہوں تو میرا حکم چلے گا۔ میں جہاں ضرورت سمجھوں گا تم سے مشورہ لے لوں گا۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ دُرید بن الصّمہ یہ سوچ کر چُپ ہو گیا کہ یہ موقع آپس میں اُلجھنے کا نہیں تھا۔

"تم لشکر سے کچھ اور کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو" ۔۔۔ مالک بن عوف نے کہا۔

"جو کام مجھے کرنا ہے وہ میں تمھیں بتائے بغیر کروں گا" ۔۔۔ دُرید نے کہا ۔۔۔ "مجھ میں لڑنے کی طاقت نہیں رہی۔ لڑا سکتا ہوں۔"

اُس نے اپنے خیمے میں جا کر قبیلوں کے سرداروں کو بلایا اور اتنا ہی کہا ۔۔۔ "جب حملہ کرو گے تو تمھارا اتحاد نہ ٹوٹے۔ تمام لشکر سے کہہ دو کہ حملے سے پہلے تلواروں کی نیامیں توڑ کر پھینک دیں۔"

عربوں میں یہ رسم تھی کہ لڑائی میں جب کوئی اپنی نیام توڑ دیتا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ شخص لڑتا ہوا جان دے دے گا، پیچھے نہیں ہٹے گا اور شکست نہیں کھائے گا۔ نیام توڑنے کو وہ فتح یا موت کا اعلان سمجھتے تھے۔

کسی بھی تاریخ میں ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ دُرید بن الصمہ نے قبیلوں کے سرداروں سے کہا ہو کہ وہ اپنے اہل و عیال کو واپس بھیج دیں [illegible] رہنے دیں لیکن دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لڑائی کے وقت

صرف ہوازن قبیلہ تھا جس نے اپنی عورتوں، بچّوں اور بکریوں وغیرہ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔

۷

یہ دوسرا موقع تھا کہ اتنے زیادہ قبیلوں کی متحدہ فوج مسلمانوں کو تہس نہس کرنے آ رہی تھی۔ اس سے پہلے جنگِ خندق میں اتنے زیادہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف متحد ہوئے تھے۔ اب مالک بن عوف اس امید پر متحدہ فوج کو لے جا رہا تھا کہ وہ مکّہ پر اچانک ٹوٹ پڑے گا۔ اس لشکر کو اب اوطاس سے مکّہ کو کوچ کرنا تھا اور اس کوچ کی رفتار بہت تیز رکھنی تھی۔ اوطاس میں لشکر کا قیام اس لیے زیادہ ہو گیا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو وہاں اکٹھے ہونا تھا۔

اگر اس لشکر میں صرف لڑنے والے ہوتے تو لشکر فوراً مکّہ کی طرف پیشقدمی کر جاتا۔ اس میں عورتیں اور بچّے بھی تھے اور اُن کا سامان بھی تھا، اس لیے وہاں سے کوچ میں خاصی تاخیر ہو گئی۔ اِس دوران مکّہ کی گلیوں میں ایک للکار سنائی دی۔

"مسلمانو! ہوشیار .... تیار ہو جاؤ" ۔۔۔ وہ ایک شُتر سوار تھا جو رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے گھر کی طرف جاتے ہوئے اعلان کرتا جا رہا تھا ۔۔۔ "خُدا کی قسم، جو میں دیکھ آیا ہوں وہ تم میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔"

"کیا شور مچاتے جا رہے ہو" ۔۔۔ کسی نے اُسے کہا ۔۔۔ "رُکو اور بتاؤ کیا دیکھ آئے ہو۔"

"رسول اللہؐ کو بتاؤں گا" ۔۔۔ وہ کہتا جا رہا تھا ۔۔۔ "تیار ہو جاؤ .... ہوازن اور ثقیف کا لشکر...."

رسولِ کریمؐ کو اطلاع مل گئی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلوں کے ساتھ دوسرے قبیلوں کے ہزاروں لوگ اوطاس کے قریب خیمہ زن ہیں اور اُن کا ارادہ مکّہ پر حملے کا ہے اور وہ کوچ کرنے والے ہیں۔ تاریخوں میں اُس شخص کا نام نہیں ملتا جس نے اوطاس میں اس متحدہ لشکر کو دیکھا اور یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ لشکر کا ارادہ کیا ہے۔ مؤرخوں نے اتنا ہی لکھا ہے کہ رسولؐ کریم کو قبل از وقت غیر مسلم قبیلوں کے اجتماع کی خبر مل گئی۔

ان مؤرخوں کے مطابق (اور بعد کے مبصّروں کی تحریروں کے مطابق) رسولِ اکرمؐ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ جنگ و جدل سے گریز کیا جائے اور اُن غیر مسلموں کو جو آپؐ کو اور مسلمانوں کو دشمن سمجھتے اور آپؐ کے خلاف سازشیں تیار کرتے رہتے تھے، انہیں خیر سگالی اور بھائی چارے کے پیغام دیئے جائیں۔

اس خواہش اور کوشش کے علاوہ جنوری ۶۳۰ء میں حضورؐ اکرم لڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ آپؐ نے مکّہ کو چند ہی دن پہلے اپنی تحویل میں لیا تھا اور شہر کے انتظامات میں مصروف تھے۔ حضورؐ کو مشورے دیئے گئے کہ شہری انتظامات کو ملتوی کر کے دفاعی انتظامات کی طرف فوری توجہ دی جائے اور دشمن کے حملے یا محاصرے کا انتظار کیا جائے۔

رسول اللہؐ نے مشورہ دینے والوں سے یہ کہہ کر اُن کا مشورہ مسترد کر دیا کہ ہم یہاں دفاعی مورچے بنا کر [illegible] بیٹھ جائیں اور جب دشمن کو خبر ملے کہ ہم بیدار ہیں اور قلعہ بند ہو گئے ہیں تو دشمن مکّہ سے ہٹ کر خیمہ زن ہو کر اس انتظار میں تیار بیٹھ جائے کہ ہم دفاع میں ذرا سی [illegible] کوتاہی کریں اور وہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شہر کو محاصرے میں لے لے یا سیدھی یلغار کردے تو یہ دشمن کو دعوت دینے والی بات ہو گی کہ مسلسل خطرہ بن کر ہمارے سروں پر بیٹھا رہے۔

اُس دَور کی مختلف تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے یہ اصول وضع کیا اور مسلمانوں کو ذہن نشین کرایا تھا کہ دشمن اگر اپنے گھر بیٹھ کر ہی للکارے تو اُس کی للکار کا جواب ٹھوس طریقے یعنی عملی طریقے سے دو۔ دوسرا یہ کہ دشمن کی نیّت اور اُس کے عزائم کا علم ہو جائے تو اپنی سرحدوں کے اندر بیٹھ کر اُس کا انتظار نہ کرتے رہو، اُس پر حملہ کر دو اور حضورؐ نے اپنی اُمّت کو تیسرا اصول یہ دیا کہ ہر وقت تیاری کی حالت میں رہو اور دشمن کو احساس دلا دو کہ وہ تمہیں للکارے گا یا تمھارے لیے خطرہ بننے کی کوشش کرے گا تو تم بجلی کی طرح اُس پر کوندو گے۔

٭

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا" — مالک بن عوف اپنے خیمے میں غصّے سے بار بار زمین پر پاؤں مارتا اور کہتا تھا — "وہ اتنی جلدی کس طرح یہاں تک پہنچ سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے ساتھ غدّاروں کو بھی لائے تھے جنہوں نے محمدؐ کو بہت دن پہلے خبردار کر دیا تھا کہ ہم آ رہے ہیں؟"

"خود جا کر دیکھ لے مالک!" — بوڑھے دُرید بن الصّمہ نے کہا — "اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔"

"اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو اپنے دیوتاؤں کو دھوکہ دے رہا ہوں" — اُس آدمی نے کہا جو دیکھ آیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر جس کی تعداد کم و بیش دس ہزار تھی، حنین کے قریب آکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ اُس نے کہا — "انہوں نے خیمے نہیں گاڑے۔ وہ تیاری کی حالت میں ہیں.... اور یہ بھی جھوٹ نہیں کہ اس لشکر کا سپہ سالار محمدؐ خود ہے۔"

مالک بن عوف غصّے سے باؤلا ہُوا جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں پر اچانک ٹوٹ پڑنے چلا تھا۔ اُس نے اوطاس سے مکّہ کی طرف پیشقدمی کا حکم دے دیا تھا مگر اُسے اطلاع ملی کہ مسلمان اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں اُس کی جمعیت سے تھوڑی ہی دُور حنین کے گرد و نواح میں آ گئے ہیں اور مقابلے کے لیے تیار ہیں۔

"غصّہ تیری عقل کو کمزور کر رہا ہے مالک!" — دُرید نے اُسے کہا — "اب محاصرے اور یلغار کو دماغ سے نکال اور اُس زمین سے فائدہ اُٹھا جس پر مسلمانوں سے تیرا مقابلہ ہو گا۔ تُو اچھی چالیں سوچ سکتا ہے۔ تُو دشمن کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ تجھ میں جرأت ہے، پھر تو کیوں پریشان ہو رہا ہے؟ میں تیرے ساتھ ہوں.... میں تجھے ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ہوازن کے لوگوں نے اپنی عورتوں اور اپنے بچّوں اور اپنے مویشیوں کو ساتھ لا کے اچھا نہیں کیا.... آ میرے ساتھ، حنین کی وادی کو دیکھیں۔"

وہ دونوں اُس علاقے کو دیکھنے چل پڑے جہاں لڑائی متوقع تھی۔

٭

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی، اس کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ نفری میں مکّہ کے دو ہزار افراد ایسے تھے جنہیں اسلام قبول کیے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ بعض صحابہ کرام ان نومسلموں پر بھروسہ کرنے پر آمادہ نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔ ابوسفیان، عکرمہ اور صفوان بھی نومسلم تھے۔ یہ تینوں سرداری اور سالاری کے ذہنوں کے افراد تھے جن کا نومسلم قریش پر اثر و رسوخ بھی تھا لیکن دیکھا گیا کہ یہ سب اپنی مرضی سے اس لشکر میں شامل ہُوئے تھے۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ ان تینوں نے مجاہدین کے لیے کم و بیش ایک سو زرہ بکتر دیئے تھے۔

یہ لشکر ۲۷ جنوری ۶۳۰ء (۶ شوال ۸ھ) کی صبح مکّہ سے روانہ ہُوا اور ۳۱ جنوری کی شام حنین کے گرد و نواح میں پہنچ گیا تھا۔ کوچ برق رفتار تھا۔ رسولِ کریمؐ کو معلوم تھا کہ قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف لڑنے والے قبیلے ہیں اور ان کے قائد دُرید اور مالک جنگی فہم و فراست اور چالوں سے بخوبی واقف ہیں، اس لیے آپؐ نے ہراول جن سات سو مجاہدین کو رکھا وہ بنو سلیم کے تھے اور ان کے کمانڈر خالدؓ بن ولید تھے۔

(حنین ایک وادی ہے جو مکّہ سے گیارہ میل دُور ہے۔ بعض جگہوں پر یہ وادی سات میل چوڑی ہے، کہیں اس کی چوڑائی اس سے بھی کم ہے اور حنین کے قریب جا کر وادی کی چوڑائی کم ہوتے ہوتے بمشکل دو فرلانگ رہ جاتی ہے۔ یہاں سے وادی کی سطح اُوپر کو اٹھتی ہے یعنی یہ چڑھائی ہے۔ آگے ایک درّہ نما راستہ ہے جو دائیں بائیں مڑتا ایک اور وادی میں داخل ہوتا ہے۔ اس وادی کا نام نخلتہ الیمانیہ ہے۔ راستہ خاصا تنگ ہے۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوسوں کی آنکھوں سے دیکھا کہ قبیلوں کی متحدہ فوج ابھی اوطاس کے قریب خیمہ زن ہے مگر جاسوس رات کی تاریکی میں نہ جھانک سکے یا انہوں نے ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ رات کو بھی دیکھ لیتے کہ دشمن کوئی نقل و حرکت تو نہیں کر رہا۔ دن کے دوران متحدہ قبیلوں کے کیمپ میں کُوچ یا پیشقدمی کی تیاری کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ کیمپ پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی سرگرمی نہیں تھی۔

یکم فروری ۶۳۰ء (۱۱ شوال ۸ھ) کی سحر مجاہدین نے اوطاس کی طرف پیشقدمی کی۔ سکیم یہ تھی کہ دشمن کے کیمپ پر یلغار کی جائے گی۔ امید یہی تھی کہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں گے۔ پیشقدمی مکمل طور پر منظم تھی۔ ہراول میں بنو سلیم کے مجاہدین تھے جن کے قائد خالدؓ بن ولید تھے۔ اس حیثیت میں خالدؓ سب سے آگے تھے۔

اسلامی فوج کی نفری تو بارہ ہزار تھی لیکن اِس باقاعدہ فوج کے ساتھ ایک بے قاعدہ فوج بھی تھی جس کی نفری بیس ہزار تھی۔ یہ مکّہ اور گرد و نواح کے لوگ تھے جو فوج کی مدد کے لیے ساتھ آئے تھے۔

ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ اتنا زیادہ لشکر دیکھ کر بعض صحابہ کرام نے بڑے فخر سے کہا — "کون ہے جو ہمیں شکست دے سکتا ہے" — دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس فخر میں تکبّر کی جھلک بھی تھی۔

خالدؓ اسلامی لشکر کے آگے تھے۔ وہ جب وادیٔ حنین کے تنگ راستے میں داخل ہُوئے تو صبح طلوع ہو رہی تھی۔ خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رفتار تیز کر دی۔ خالدؓ جوشیلے جنگجو تھے اور ہر حال میں قیادت میں یقین رکھتے تھے۔ وہ جب مسلمان نہیں ہوئے تھے تو قبیلہ قریش کے سردارِ اعلیٰ ابوسفیان

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

سے انہیں سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ وہ انہیں کھل کر لڑنے نہیں دیتے تھے۔ اُن کے قبولِ اسلام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے رسولِ کریمؐ کی عسکری قیادت میں وہ جذبہ دیکھا تھا جو انہیں پسند تھا۔ خالدؓ نے قبولِ اسلام سے پہلے عکرمہ سے کہا بھی تھا کہ میرے عسکری جذبے اور میدانِ جنگ میں جارحانہ انداز کی قدر صرف مسلمان کر سکتے ہیں۔

رسول اللہؐ نے خالدؓ کی عسکری اہلیت اور قابلیت کی جو قدر کی تھی اس کا ثبوت یہ تھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کے ہراول کے کمانڈر تھے۔

٭

صبح طلوع ہو رہی تھی جب خالدؓ بن ولید کا ہراول دستہ گھاٹی والے تنگ راستے میں داخل ہوا۔ اچانک زمین و آسمان جیسے پھٹ پڑے ہوں۔ ہوازن، ثقیف اور دیگر قبیلوں کی متحدہ فوج کے نعرے گھٹاؤں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک کی طرح بلند ہوئے اور موسلا دھار بارش کی طرح تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ یہ تیر دائیں بائیں کی چٹانوں اور ٹیکریوں سے آ رہے تھے۔

یہ دشمن کی گھات تھی۔ مالک بن عوف اور دُرید بن الصمہ نے دن کے وقت اپنے کیمپ میں کوئی سرگرمی ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جنگی کیمپ نہیں کسی قافلے کا پڑاؤ ہے۔ شام کے بعد مالک بن عوف اپنی فوج کو حنین کے تنگ راستے پر لے گیا اور تیر اندازوں کو دونوں طرف چھپا کر بٹھا دیا تھا۔

تیروں کی بوچھاڑیں اچانک بھی تھیں اور بہت زیادہ بھی۔ مجاہدین کے گھوڑے تیر کھا کر بے لگام ہو کر بھاگے۔ جو سوار تیروں سے محفوظ رہے، وہ بھی پیچھے کو بھاگ اُٹھے۔ تیروں کی بوچھاڑیں اور تیز و تند ہو گئیں۔ گھوڑے بھی بے قابو اور سوار بھی بے قابو ہو گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔

٭

"مت بھاگو۔" خالدؓ بن ولید تیروں کی بوچھاڑوں میں کھڑے چلّا رہے تھے۔ "پیٹھ نہ دکھاؤ... مقابلہ کرو۔ ہم دشمن کو..." گھوڑوں اور سواروں کی بھگدڑ ایسی تھی کہ خالدؓ بن ولید کی پکار کسی کے کانوں تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ کوئی یہ دیکھنے کے لیے بھی نہیں رکتا تھا کہ خالدؓ کے جسم میں کتنے تیر اتر گئے ہیں اور وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے وہیں کھڑے اپنے دستے کو مقابلے کے لیے للکار رہے ہیں۔ وہ آخر بھگدڑ کے ریلے کی زد میں آ گئے اور اُن کے دھکوں سے یوں دور پیچھے آ گئے جیسے سیلاب میں بہتے جا رہے ہوں۔ جب بھگدڑ کا ریلا گذر گیا تو خالدؓ اتنے زخمی ہو چکے تھے کہ گھوڑے سے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔

ہراول کے پیچھے اسلامی فوج آ رہی تھی۔ اس کے رضا کاروں کا بے قاعدہ لشکر بھی تھا۔ ہراول کا دستہ بھاگتا دوڑتا پیچھے کو آیا تو فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ ہراول کے بہت سے آدمیوں کے جسموں میں تیر پیوست تھے اور اُن کے کپڑے خون سے لال تھے۔ گھوڑوں کو بھی تیر لگے ہوئے تھے۔ مالک بن عوف کی فوج کے نعرے جو پہلے سے زیادہ بلند ہو گئے تھے، سنائی دے رہے تھے۔ یہ حال دیکھ کر اسلامی فوج بکھر کر پیچھے کو بھاگی۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ قریش جو بے دلی سے مسلمان ہوئے تھے اور اسلامی فوج کے

ساتھ آ گئے تھے، انہوں نے اس بھگدڑ کو یوں بڑھایا جیسے جلتی پر تیل ڈالا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف بھاگے بلکہ انہوں نے خوف و ہراس پھیلایا۔ انہیں ایک خوشی تو یہ تھی کہ لڑائی سے بچے اور دوسری خوشی یہ کہ مسلمان بھاگ نکلے ہیں اور انہیں شکست ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی کچھ نفری وہیں جا پہنچی جہاں سے چلی تھی۔ اُس جگہ کو فوجی اڈہ (بیس) بنایا گیا تھا۔ زیادہ تعداد اُن مسلمانوں کی تھی جنہوں نے پیچھے ہٹ کر ایسی جگہوں میں پناہ لے لی جہاں چھپا جا سکتا تھا لیکن وہ چھپنے کے لیے بلکہ چھپ کر یہ دیکھنے کے لیے وہاں رکے تھے کہ ہُوا کیا ہے اور وہ دشمن کہاں ہے جس سے ڈر کر پوری فوج بھاگ اٹھی ہے۔ وہاں تو حالت یہ ہو گئی تھی کہ بھاگتے ہوئے اونٹ اور گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور پیادے ان کے درمیان آ کر کچلے جانے سے بچنے کے لیے ہر طرف بھاگ رہے تھے۔

٭

رسولِ کریمؐ نے اپنی فوج کی یہ حالت دیکھی تو آپؐ سُن ہو کے رہ گئے۔ آپؐ بھاگنے والوں کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ آپؐ کے ساتھ نو صحابہ کرامؓ تھے۔ ان میں چار قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت عمرؓ، حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ۔

"مسلمانو!" — رسولِ کریمؐ نے بلند آواز سے للکارنا شروع کر دیا۔ "کہاں جا رہے ہو۔ میں ادھر کھڑا ہوں.... میں جو اللہ کا رسول ہوں.... مجھے دیکھو۔ میں محمدؐ ابن عبداللہ یہاں کھڑا ہوں۔"

مسلمان حضورؐ کے قریب سے بھاگتے ہوئے گذرتے جا رہے تھے۔ آپؐ کی کوئی نہیں سن رہا تھا۔ خالدؓ بن ولید کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ آگے کہیں بے ہوش پڑے تھے۔ اتنے میں قبیلہ ہوازن کے کئی آدمی اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے تعاقب میں آئے۔ ان کے آگے ایک شتر سوار تھا جس نے جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک مسلمان کو ساتھ لیا اور اس شتر سوار علمبردار کے پیچھے دوڑ پڑے۔ قریب جا کر حضرت علیؓ نے اُس کے اونٹ کی پچھلی ٹانگ پر تلوار کا وار کر کے ٹانگ کاٹ دی۔ اونٹ گرا تو سوار بھی گر پڑا۔ حضرت علیؓ نے اُس کے اٹھتے اٹھتے اُس کی گردن صاف کاٹ دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیکری پر جا کھڑے ہوئے۔ دشمن کے کسی آدمی کی للکار سنائی دی — "وہ رہا محمدؐ... قتل کر دو۔" — تاریخ میں ان آدمیوں کو قبیلہ ثقیف کے لکھا گیا ہے جو اپنے آدمی کی للکار پر اُس ٹیکری پر چڑھنے لگے جس پر رسول اللہؐ کھڑے تھے۔ صحابہ کرامؓ جو آپؐ کے ساتھ تھے، ان آدمیوں پر ٹوٹ پڑے۔ مختصر سے معرکے سے وہ سب بھاگ نکلے۔ ان میں سے کوئی بھی رسولِ اکرمؐ تک نہ پہنچ سکا۔

"میں مالک بن عوف سے شکست نہیں کھاؤں گا۔" — رسول اللہؐ نے کہا۔ "وہ اتنی آسانی سے کیسے فتح حاصل کر سکتا ہے!"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو بکھرتے اور بھاگتے تو دیکھ ہی لیا تھا، آپؐ دشمن کو بھی دیکھ رہے تھے، بلکہ دشمن کو زیادہ دیکھ رہے تھے۔ آپؐ کی عسکری حس نے محسوس کر لیا کہ مالک بن عوف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اپنے پہلے بھرپور اور کامیاب وار پر اس قدر خوش ہو گیا ہے کہ اُسے اگلی چال کا خیال ہی نہیں رہا۔ وہ اسلامی فوج کی بھگدڑ اور افراتفری کی پسپائی سے فائدہ نہیں اٹھا رہا تھا۔ حضورؐ کو توقع تھی کہ مالک بن عوف کی متحدہ فوج مسلمانوں کے تعاقب میں آئے گی لیکن تعاقب میں دشمن کے جو آدمی آئے تھے وہ تعداد میں تھوڑے اور غیر منظم تھے۔

اس کے علاوہ حضورِ اکرمؐ نے اپنے ہراول دستے کو پیچھے آتے بھی دیکھا تھا اور آپؐ نے معلوم بھی کیا تھا کہ ہراول کے کتنے آدمی شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ آپؐ کو بتایا گیا کہ کئی ایک مجاہدین، گھوڑے اور اونٹ زخمی ہوئے ہیں، شہید ایک بھی نہیں ہوا۔ اس سے رسولِ کریمؐ نے یہ رائے قائم کی کہ یہ دشمن تیر اندازی میں اناڑی ہے اور جلد باز بھی ہے۔ اتنی زیادہ تیر اندازی کسی کو زندہ نہ رہنے دیتی۔

حضورِ اکرمؐ نے اپنے پاس کھڑے صحابہؓ کرام پر نظر ڈالی۔ آپؐ کی نظریں حضرت عباسؓ پر ٹھہر گئیں۔ حضرت عباسؓ کی آواز غیر معمولی طور پر بلند تھی جو بہت دُور تک سنائی دیتی تھی۔ جسم کے لحاظ سے بھی حضرت عباسؓ قوی ہیکل تھے۔

"عباسؓ"— حضورِ اکرمؐ نے کہا— "تم پر اللہ کی رحمت ہو مسلمانوں کو پکارو۔ انہیں یہاں آنے کے لیے کہو۔"

"اے انصار!"— حضرت عباسؓ نے انتہائی بلند آواز میں پکارنا شروع کیا— "اے اہلِ مدینہ ..... اے اہلِ مکہ ..... آؤ ..... اپنے رسولؐ کے پاس آؤ" حضرت عباسؓ قبیلوں کے اور آدمیوں کے نام لے لے کر پکارتے رہے اور کہتے رہے کہ اپنے رسولؐ کے پاس، اپنے اللہ کے رسولؐ کے پاس آؤ۔

سب سے پہلے انصار آئے۔ ان کی تعداد معمولی تھی لیکن ایک کو دیکھ کر دوسرا آتا چلا گیا بلکہ کچھ دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی آ گئے۔ ان کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ رسولِ کریمؐ نے دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے بہت سے آدمی پسپا ہوتے مسلمانوں کی طرف دوڑے آ رہے تھے۔ آپؐ نے اِن ایک سو مجاہدین کو دشمن کے اِن آدمیوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔

مجاہدین اُن کے عقب سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ہوازن کے آدمی بوکھلا گئے اور مقابلے کے لیے سنبھلنے لگے لیکن مجاہدین نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔ اُن میں سے بہت سے بھاگ نکلے۔ اُن کے زخمی اور ہلاک ہونے والے پیچھے رہ گئے۔

وہ تو اچانک ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ مجاہدین میں بھگدڑ مچ گئی تھی، ورنہ وہ ہمیشہ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن سے لڑے اور فاتح اور کامران رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ عباسؓ کی پکار پر مسلمان رسولِ اکرمؐ کے حضور اکٹھے ہو رہے ہیں اور دشمن مسلمانوں کے چھوٹے سے گروہ کے جوابی حملے کو بھی برداشت نہیں کر سکا اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہوازن اور ثقیف اُن کے تعاقب میں نہیں آ رہے تو کئی ہزار مجاہدین واپس آ گئے۔ رسولِ اکرمؐ نے انہیں فوراً منظم کیا اور دشمن پر حملے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ بن ولید لاپتہ تھے۔ کسی کو ہوش نہیں تھا کہ دیکھتا کہ کون لاپتہ ہے اور کون کہاں ہے۔

وہی تنگ گھاٹی جہاں مجاہدین پر قہر ٹوٹا تھا، اب متحدہ قبائل کے لیے موت کی گھاٹی بن گئی۔ قبیلہ ہوازن چونکہ سب سے زیادہ لڑاکا قبیلہ تھا اس لیے اسی کے آدمیوں کو آگے رکھا گیا تھا۔ یہ لوگ بلاشک و شبہ ماہر لڑاکے تھے لیکن مسلمانوں نے جس قہر سے حملہ کیا تھا، اس کے آگے ہوازن ٹھہر نہ سکے۔ مسلمان اُس خفّت کو بھی مٹانا چاہتے تھے جو انہیں غلطی سے اٹھانی پڑی تھی۔

یہ دست بدست لڑائی تھی۔ مجاہدین نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ ہوازن گھبرا رہے تھے یا معرکے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ رسولِ اکرمؐ معرکے کے قریب ایک بلند جگہ کھڑے تھے۔ آپؐ نے للکار للکار کر کہا:

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِب   اَنَا ابْنُ عَبْدُالمُطَّلِب

"یہ جھوٹ نہیں کہ میں نبیؐ ہوں۔ میں ابنِ عبدالمطلب ہوں"۔

ہوازن پیچھے ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ وہ اب وار کرتے کم اور وار روکتے زیادہ تھے۔ اُن کا دم خم ٹوٹ رہا تھا۔ ان کے پیچھے قبیلہ ثقیف کے دستے تیار کھڑے تھے۔ مالک بن عوف نے چلا چلا کر ہوازن کو پیچھے ہٹا لیا۔ قبیلہ ثقیف کے تازہ دم لڑاکوں نے ہوازن کی جگہ لے لی۔ مسلمان تھک چکے تھے اور ثقیف تازہ دم تھے لیکن مسلمانوں کو اپنے قریب اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی اور للکار نیا حوصلہ دے رہی تھی۔

مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں کی ضربوں میں جو قہر اور غضب تھا اور اُن کے نعروں اور للکاروں میں جو گرج اور کڑک تھی، اُس نے ثقیف پر دہشت طاری کر دی۔ ثقیف کے لڑاکے جو عرب میں خاصے مشہور تھے، تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے پھر اُن کے اونٹوں اور گھوڑوں نے بھگدڑ بپا کر دی۔ اس سے دشمن میں وہی کیفیت پیدا ہو گئی جو گھاٹی میں صبح کے وقت مسلمانوں میں پیدا ہو گئی تھی۔ ہوازن بڑی بُری حالت میں پیچھے کو بھاگے تھے، اب ثقیف بھی پسپا ہوئے تو ان کے اتحادی قبائل کے حوصلے لڑے بغیر ہی ٹوٹ پھوٹ گئے۔ وہ افراتفری میں بھاگ اٹھے۔

مالک بن عوف تنگ راستے سے دُور پیچھے ہوازن کے بھاگے ہوئے دستوں کو یکجا کر رہا تھا۔ اُس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جارحانہ کارروائی سے منہ موڑ چکا ہے اور اپنے دستوں کو دفاعی دیوار کے طور پر ترتیب دے رہا ہے۔

رسول اللہؐ نے یہ ترتیب دیکھی تو آپؐ اپنے لشکر کی طرف پلٹے۔ آپؐ نے دیکھا کہ جو مجاہدین صبح کے وقت بھاگ گئے تھے وہ سب واپس آ گئے ہیں۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ گھوڑسواروں کو آگے لاؤ۔ ذرا سی دیر میں سوار پیادوں سے الگ ہو گئے۔ آپؐ نے سواروں کو ایک خاص ترتیب میں کر کے حکم دیا کہ ہوازن کو سنبھلنے اور منظم ہونے کا موقع نہ دو اور برق رفتار حملہ کرو۔

ان سواروں میں بنو سلیم کے وہ سوار بھی شامل تھے جن پر سب سے پہلے تیروں کی بوچھاڑیں آئی تھیں اور مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو گئی تھی لیکن بنو سلیم کا کمانڈر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ تھے خالدؓ بن ولید۔

kutubistan.blogspot.com

ابھی تک کہیں بے ہوش پڑے تھے۔

رسولِ اکرمؐ نے اس سوار دستے کی قیادت زبیرؓ بن العوام کے سپرد کی اور انہیں حکم دیا کہ آگے جو درّہ ہے، اس پر مالک بن عوف قبضہ کیے بیٹھا ہے، اُسے درّے سے بیدخل کردو۔

رسولِ کریمؐ نے جنگ کی کمان اپنے دستِ مبارک میں لے لی تھی۔ آپؐ کے اشارے پر زبیرؓ بن العوام نے ایسا برق رفتار اور چجا تلا حملہ بولا کہ ہوازن جو ابھی تک بوکھلائے ہوئے تھے مقابلے میں جم نہ سکے اور درّے سے نکل گئے۔ درّہ خاصا لمبا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے زبیرؓ کے دستے کو درّے میں ہی رہنے دیا اور حکم دیا کہ اب درّہ جنگی اڈہ ہوگا۔

آپؐ نے دوسرا سوار دستہ آگے کیا جس کے کمانڈر ابو عامرؓ تھے۔ حضورِ اکرمؐ نے ابو عامرؓ کے سپرد یہ کام کیا کہ اوطاس کے قریب متحدہ قبائل کا جو کیمپ ہے اس پر حملہ کردو۔

"خالدؓ...... خالدؓ یہاں ہے"۔۔۔ کسی نے بڑی دور سے للکار کر کہا۔۔۔ "یہ پڑا ہے"۔

رسولِ اکرمؐ دوڑے گئے اور خالدؓ تک پہنچے۔ خالدؓ ابھی تک بیہوش پڑے تھے۔ آپؐ خالدؓ کے پاس بیٹھ گئے اور اُن کے سر سے پاؤں تک پھونک ماری۔ خالدؓ نے آنکھیں کھول دیں۔ رسول اللہؐ نے خالدؓ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ خالدؓ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں جو تیر لگے تھے وہ گہرے نہیں اُترے تھے۔ تیر نکال لیے گئے اور بڑی تیزی سے مرہم پٹی کردی گئی۔

"یارسول اللہؐ!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں لڑوں گا۔ میں لڑنے کے قابل ہوں"۔

رسولِ خداؐ نے خالدؓ بن ولید کے جسم میں اور ان کی رُوح میں سحر پھونک دیا تھا۔ آپؐ نے خالدؓ سے کہا کہ زبیرؓ کے سوار دستے میں شامل ہوجاؤ۔ تم ابھی کمان نہیں لے سکو گے۔

خالدؓ ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ان کے کپڑے خون سے لال تھے۔ اُنہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور زبیرؓ کے سوار دستے میں شامل ہو گئے۔ اُنہوں نے زبیرؓ سے پوچھا کیا حکم ہے۔ زبیرؓ نے انہیں بتایا کہ ہوازن کی خیمہ گاہ پر حملہ کرنا ہے جو اوطاس کے قریب ہے لیکن یہ حملہ ابو عامرؓ کریں گے۔

اوطاس دہاں سے کچھ دُور تھا۔ مالک بن عوف نے ہوازن دستے کو وہاں تک ہٹا لیا اور اسے اپنی خیمہ گاہ کے اردگرد پھیلا دیا تھا۔ یہ دفاعی حصار تھا جس کی ہوازن کے کیمپ کے گرد ضرورت اس لیے تھی کہ وہاں وہ ہزاروں عورتیں، بچے اور مویشی تھے جنہیں قبیلہ ہوازن کے سپاہی اپنے ساتھ لائے تھے۔ مالک بن عوف نے تو یہ سوچا تھا کہ ہوازن اپنی عورتوں اور بچّوں کو اپنے ساتھ دیکھ کر زیادہ غیرت مندی اور بے جگری سے لڑیں گے، مگر اب یہ صورت پیدا ہو گئی تھی کہ دُرید بن الصمہ مالک بن عوف کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ اُس کے منع کرنے کے باوجود مالک عورتوں کو ساتھ لے آیا تھا۔ ان کے لیے اب اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو مسلمانوں سے بچانا محال دکھائی دے رہا تھا۔

٭

ابو عامرؓ کا سوار دستہ اوطاس کی طرف بڑھا۔ قریب گئے تو ہوازن نے جم کر مقابلہ کیا۔ اب وہ جنگ جیتنے کے لیے یا مسلمانوں کو تہس نہس کر کے مکّہ پر قبضہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ مسلمانوں سے اپنے اہل وعیال اور مویشیوں کو بچانے کے لیے لڑ رہے تھے۔ یہ بھی دست بدست معرکہ تھا جس میں جنگی چالوں کے نہیں، ذاتی شجاعت کے مظاہرے ہو رہے تھے۔ سوار اور پیادے لڑتے ہوئے وادی میں پھیلتے جا رہے تھے۔

ابو عامرؓ نے دشمن کے نَو سواروں کو ہلاک کر دیا مگر دسویں ہوازن کو للکارا تو اُس کے ہاتھوں خود شہید ہو گئے۔ رسولِ اکرمؐ نے پہلے ہی اُن کا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ وہ تھے اُن کے چچازاد بھائی ابو موسیٰؓ۔ اُنہوں نے فوراً کمان سنبھال لی اور اپنے سواروں کو للکارنے لگے۔

ہوازن زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ اُن کے پاؤں اُکھڑ رہے ہیں۔ رسولِ اکرمؐ نے زبیرؓ بن العوام کو جنہیں آپؐ نے درّے میں روک لیا تھا، حکم دیا کہ اپنے دستے کو ابو موسیٰؓ کی مدد کے لیے لے جائیں۔ حضورؐ نے یہ اِس لیے ضروری سمجھا تھا کہ دونوں دستے مل کر ہوازن کا کام جلدی تمام کر سکیں گے۔

زبیرؓ نے اپنے سواروں کو حملے کا حکم دیا۔ جب گھوڑے دوڑے اُس وقت خالدؓ بن ولید کا گھوڑا دستے کے آگے تھا۔

ہوازن پہلے ہی ہمّت ہار چکے تھے۔ مسلمانوں کے دوسرے سوار دستے کے حملے کی وہ تاب نہ لا سکے۔ اُن کے زخمیوں کی تعداد معمولی نہیں تھی۔ وہ اپنی عورتوں اور بچّوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے کیمپ کو گھیرے میں لے لیا۔

چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے لڑاکوں نے جب ہوازن اور ثقیف جیسے طاقتور قبیلوں کو بھاگتے دیکھا تو وہ وہاں سے بالکل غائب ہو گئے اور اپنی اپنی بستیوں میں جا پہنچے۔ مالک بن عوف میدانِ جنگ میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ نظر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اُسے اپنے شہر طائف کی فکر پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ مسلمان جس رفتار اور جس جذبے سے آ رہے ہیں، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ طائف تک پہنچیں گے اور اِس بستی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اُس نے قبیلہ ثقیف کے تمام دستوں کو لڑائی سے نکالا اور طائف جا دم لیا۔

پیچھے حنین کی وادی میں کیفیت یہ تھی کہ ہوازن کی عورتیں اور بچّے چیخ وپکار کر رہے تھے۔ تمام وسیع وعریض وادی مجاہدینِ اسلام کی تحویل میں تھی۔ مکّہ کے جو غیر فوجی مجاہدین کے ساتھ آئے تھے وہ زخمی مجاہدین کو اُٹھا رہے تھے۔ دشمن کے زخمی کراہ رہے تھے، مر رہے تھے۔ مرنے والوں میں بوڑھا دُرید بن الصمہ بھی تھا۔ وہ لڑتا ہُوا مارا گیا تھا۔

مسلمانوں کو دشمن کے زخمیوں اور قیدیوں سے جو ہتھیار اور گھوڑے ملے، اِن کے علاوہ چھ ہزار عورتیں اور بچّے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور بے شمار چاندی ہاتھ لگی۔

مسلمانوں نے جنگ جیت لی تھی لیکن رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا کہ مالک بن عوف کو مہلت نہیں دی جائے گی کہ وہ سنبھل سکے اور اپنی فوج کو منظم کر سکے۔ آپؐ نے دراصل سانپ کا سر کچلنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آپؐ کے حکم سے مالِ غنیمت میں آئی ہوئی عورتوں، بچّوں، مویشیوں اور دیگر مال کو

ایک دستے کے ساتھ جعرانہ بھیج دیا گیا۔ اگلے حکم تک اُنہیں جعرانہ میں ہی رہنا تھا۔ دوسرے دن رسول اکرمؐ کے حکم سے اسلامی فوج طائف کی طرف پیشقدمی کر گئی جہاں بڑی خونریز جنگ کی توقع تھی۔

معرکۂ حنین کا ذکر قرآنِ حکیم میں سورۂ توبہ میں آیا ہے۔ بعض صحابۂ کرام نے معرکہ شروع ہونے سے پہلے کہا تھا کہ ہمیں کون شکست دے سکتا ہے، اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ سورۂ توبہ میں آیا ہے:

"اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی جب تم کو اپنی کثرت پر ناز تھا، حالانکہ وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود اپنی وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگے، پھر اللہ نے اپنے رسولؐ اور مسلمانوں پر تسلّی نازل کی اور وہ فوجیں اُتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور کافروں کا بدلہ یہی ہے۔"

طائف بڑی خوبصورت بستی ہُوا کرتی تھی۔ یہ باغوں کی بستی تھی۔ پھلوں اور پھولوں کی مہک سے ہوائیں مخمور رہتی تھیں۔ طائف میں جا کر دُکھی دل کھِل اُٹھتے تھے۔ یہ جنگجو سرداروں کی بستی تھی۔ یہ ثقیف جیسے طاقتور قبیلے کا مرکز تھا۔ اس بستی کے قریب اس قبیلے کی عبادت گاہ تھی جس میں ثقیف، ہوازن اور چند اور قبائل کے دیوتا لات کا بُت رکھا تھا جو بُت نہیں ایک چبوترہ تھا۔ یہ قبائل اس چبوترے کو دیوتا کہتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔

اس عبادت گاہ میں اُن کا کاہن رہتا تھا جسے خُدا کا اور دیوتا لات کا ایلچی سمجھا جاتا تھا۔ کاہن فال نکال کر لوگوں کو آنے والے خطروں سے آگاہ کر دیا کرتا تھا۔ کاہن کسی خوش نصیب کو ہی نظر آیا کرتا تھا۔ عام لوگوں کو کاہن نہیں عبادت گاہ کے صرف مجاور ملا کرتے تھے۔ کاہن کو جو دیکھ لیتا وہ ایسے خوش ہوتا تھا جیسے اُس نے خدا کو دیکھ لیا ہو۔ طائف چونکہ ان کے دیوتا کا مسکن تھا اس لیے یہ قبائل کا مقدّس مقام تھا۔

ایک ہی مہینہ پہلے طائف میں جشن کا سماں تھا۔ یہاں کے سردارِ اعلیٰ مالک بن عوف نے اپنے قبیلے جیسے ایک طاقتور قبیلے ہوازن اور کچھ اور قبیلوں کے سرداروں کو بہت بڑی ضیافت میں مدعو کیا تھا۔ علاقے کی چُنی ہُوئی خوبصورت ناچنے اور گانے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے رقص نے تماشائیوں پر وجد طاری کر دیا تھا۔ اُس رات شراب کے مٹکے خالی ہو رہے تھے۔

اُس رات اہلِ ثقیف اور اہلِ ہوازن نے عہد کیا تھا کہ وہ مکّہ پر اچانک حملہ کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور مکّہ کے تمام مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ ان قبائل کے ایک ضعیف العمر سردار دُرید بن الصّمہ نے کہا تھا کہ اُٹھو اور لات کے نام پر حلف اٹھاؤ کہ ہم محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکّہ کے تمام بُت توڑ ڈالے ہیں، ختم کر کے اپنی عورتوں کو مُنہ دکھائیں گے۔

مالک بن عوف جس کی عمر ابھی تیس سال تھی، جوش سے پھٹا جا رہا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ قبائل کا متحدہ لشکر مکّہ میں مسلمانوں کو بے خبری میں جا دبوچے گا۔

اُس رات مالک بن عوف، دُرید بن الصّمہ اور دوسرے قبیلوں کے سردار کاہن کے پاس گئے تھے۔ کاہن سے اُنہوں نے پُوچھا تھا کہ وہ مکّہ کے مسلمانوں کو بے خبری میں دبوچ سکیں گے اور کیا اُن کا اچانک اور غیر متوقع حملہ مسلمانوں کو گھٹنوں بٹھا سکے گا؟

کاہن نے انہیں یقین دلایا تھا کہ دیوتا لات نے انہیں اشیرباد دے دی ہے۔ کاہن نے بڑے وثوق سے کہا تھا۔ "مسلمانوں کو اس وقت پتہ [illegible] گا جب تمہاری تلواریں [illegible] ہی ہوں گی"۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اب ایک ہی ماہ بعد طائف کا حُسن اداس تھا۔ بستی کے ماحول پر خوف و ہراس طاری تھا۔ اپنے دیوتا لات کی آشیرباد سے اور کاہن کی یقین دہانی سے ثقیف، ہوازن اور دیگر قبیلوں کا جو لشکر مکّہ پر حملہ کرنے گیا تھا، وہ مکّہ سے دُور حنین کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ کر اور تتر بتر ہو کر واپس آرہا تھا۔ بھاگ کے آنے والوں میں پیش پیش اس متحدہ لشکر کا سالارِ اعلیٰ جواں سال اور جوشیلا سردار مالک بن عوف تھا۔ وہ سب سے پہلے اس لیے طائف پہنچا تھا کہ شہر کے دفاع کو مضبوط بنا سکے۔ مسلمان رسولِ اکرمؐ کی قیادت میں طائف کی طرف بڑھے آرہے تھے۔

"طائف کے لوگو!"___ طائف کی گلیوں میں گھبرائی گھبرائی سی آوازیں اُٹھ رہی تھیں ___"مسلمان آرہے ہیں.... شہر کا محاصرہ ہوگا.... تیار ہو جاؤ.... اناج اور کھجوریں اکٹھی کرلو۔ پانی جمع کرلو۔"

سب سے زیادہ گھبراہٹ مالک بن عوف پر طاری تھی۔ اُسے طائف ہاتھ سے جاتا نظر آرہا تھا۔ اُسے شکست اور پسپائی کی چوٹ تو پڑی ہی تھی، سب سے بڑی چوٹ اُس پر یہ پڑی کہ وہ جب شہر میں داخل ہُوا تو عورتوں نے اُس کی بہادری اور فتح کے گیت گانے کی بجائے اُسے نفرت کی نگاہوں سے دیکھا تھا اور اُس کے لشکریوں کو بعض عورتوں نے طعنے بھی دیئے تھے۔

"بیویاں اور بیٹیاں کہاں ہیں جنہیں تم ساتھ لے گئے تھے؟"___ عورتیں لشکریوں سے طنزیہ لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"بچے بھی مسلمانوں کو دے آئے ہو؟"___ یہ بھی ایک طعنہ تھا جو عورتیں انہیں دے رہی تھیں۔

مالک بن عوف نے اپنے سامنے اپنے نائب سالاروں اور کمانداروں کو بٹھا رکھا تھا اور انہیں بڑی تیز تیز بولتے ہُوئے کہہ رہا تھا کہ دوسرے قبیلوں کو بھی شہر میں لے آؤ، مسلمان آرہے ہیں.... مالک بن عوف نے ذرا سا بھی آرام نہ کیا۔ آتے ہی طائف کا دفاع مضبوط کرنے میں لگ گیا۔ اُس کے نائب، کماندار اور قاصد پسپا ہو کر آنے والوں کو اکٹھا کرنے میں لگے ہُوئے تھے۔

آدھی رات تک وہ تھک کر چُور ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنی سب سے زیادہ حسین اور چہیتی بیوی کو اپنے پاس بلایا۔ وہ آگئی۔

"کیا آپ نے حلف نہیں اٹھایا تھا کہ محمدؐ اور اُس کے تمام پیروکاروں کو جنہوں نے مکّہ کے بُت توڑ ڈالے ہیں، ختم کر کے اپنی عورتوں کو منہ دکھائیں گے؟"___ بیوی نے اُس سے کہا ___"آپ فتح کی بجائے ماتھے پر شکست کا داغ لے کر آئے ہیں۔ آپ کے حلف اور عہد کے مطابق میرا وجود آپ پر حرام ہے۔"

"تم میری بیوی ہو"___ مالک بن عوف نے غصّے سے کہا ___"میری حکم عدولی کی جرأت نہ کرو۔ میں بہت تھکا ہُوا ہوں اور میں بہت پریشان ہُوں۔ مجھے اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ تم میری سب سے پیاری بیوی ہو۔"

"آپ کو میری ضرورت ہے"___ بیوی نے کہا ___"لیکن مجھے ایک غیرت مند مرد کی ضرورت ہے مجھے اُس مالک بن عوف کی ضرورت ہے جو یہاں سے عہد کر کے نکلا تھا کہ مسلمانوں کو مکّہ کے اندر ہی ختم کر کے واپس آئے گا.... کہاں ہے وہ مالک بن عوف؟.... وہ میرے لیے مرگیا ہے۔ اس

مالک بن عوف کو میں نہیں جانتی جو اپنے قبیلے اور اپنے دوست قبیلوں کی ہزاروں عورتیں اور ہزاروں بچے اپنے دشمن کے حوالے کر کے اپنی خواب گاہ میں آ بیٹھا ہے اور ایک عورت سے کہہ رہا ہے کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے"___ اس حسین عورت کی آواز بلند ہو کر جذبات کی شدت سے کانپنے لگی۔ وہ مالک بن عوف کے پلنگ سے اُٹھ کھڑی ہُوئی اور کہنے لگی ___"آج رات تمہاری کوئی بیوی تمہارے پاس نہیں آئے گی۔ آج رات تمہاری کسی بیوی کو اُن عورتوں کی آہیں اور فریادیں چین سے سونے نہیں دیں گی جو مسلمانوں کے قبضے میں ہیں.... ذرا سوچ.... تصوّر میں لا اُن عورتوں کو، اُن نوخیز لڑکیوں کو جنہیں تو مسلمانوں کے حوالے کر آیا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے بچّے پیدا کریں گی۔ بچّے جو اُن کے قبضے میں ہیں وہ مسلمان ہو جائیں گے۔"

مالک بن عوف تو خطروں میں کُود جانے والا خود سر آدمی تھا۔ اُس نے اپنے بزرگ اور میدانِ جنگ کے منجھے ہُوئے اُستاد دُرید بن الصّمہ کی اس پند و نصیحت کو ٹھکرا دیا تھا کہ وہ عقل و ہوش سے کام لے اور جوانی کے جوش و خروش پر قابو پائے۔ اب وہی مالک بن عوف اپنی بیوی کے سامنے یوں سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے دہکتے ہُوئے انگاروں پر کسی نے پانی چھڑک دیا ہو۔ اُس کی مردانگی ختم ہو چکی تھی۔

"تم مسلمانوں کو ختم کرنے گئے تھے مالک!"___ بیوی اب اس طرح بولنے لگی جیسے اُس کی نگاہوں میں اتنے جری اور بہادر شوہر کا احترام ختم ہو چکا ہو۔ وہ کہہ رہی تھی ___"مسلمانوں کو ختم کرتے کرتے تم مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر آئے ہو۔"

"کاہن نے کہا تھا کہ...."

"کون کاہن؟"___ بیوی نے اُس کی بات کاٹتے ہُوئے کہا ___"وہ جو مندر میں بیٹھا فالیں نکالتا رہتا ہے؟ تم جیسے آدمی اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں اور اپنی قسمت اپنے ہاتھوں بنایا اور بگاڑا کرتے ہیں.... تم نے کاہن سے پوچھا نہیں کہ اُس کی فال نے جھوٹ کیوں بولا ہے؟"

مالک بن عوف اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کی سانسیں تیزی سے چلنے لگیں۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترنے لگا۔ اُس نے دیوار کے ساتھ لٹکتی ہُوئی تلوار اُتاری اور بیوی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا۔

طائف میں رات تو آئی تھی لیکن وہاں کی سرگرمیاں اور بھاگ دوڑ دیکھ کر دن کا گمان ہوتا تھا۔ باہر سے خبریں آرہی تھیں کہ مسلمان طائف کی طرف بڑی تیزی سے بڑھے چلے آرہے ہیں۔ لوگ دفاعی تیاریوں میں مصروف تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ خوراک اور پانی کا تھا۔ بہت سے لوگ پانی جمع کرنے کے لیے حوض بنا رہے تھے۔

مالک بن عوف ان سرگرمیوں کے شور و غل میں سے گزرتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ اتنے مصروف تھے کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلا کہ اُن کے درمیان سے اُن کا سالارِ اعلیٰ گزر گیا ہے۔

٭

عبادت گاہ میں وہ کاہن جس نے کہا تھا کہ ثقیف اور ہوازن مسلمانوں کو مکّہ میں بے خبری میں جا لیں گے، گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اُسے جگانے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ عبادت گاہ کے کسی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اندرونی حصّے میں سویا ہُوا تھا۔ عبادت گاہ کے مجاور کسی بیرونی کمرے میں سوتے ہُوئے تھے۔ انہیں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ یہ اُن کے فرائض میں شامل تھا کہ کاہن کے کمرے تک کسی کو نہ پہنچنے دیں۔ دو تین مجاور اُٹھ کر باہر آ گئے۔ ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی۔

"مالک بن عوف!" — ایک مجاور نے مالک کے راستے میں آکر کہا — "کیا قبیلے کا سردار نہیں جانتا کہ اس سے آگے کوئی نہیں جا سکتا؟ .... ہم سے بات کر مالک بن عوف!"

"اور کیا تم نہیں جانتے کہ ایک سردار کا راستہ روکنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے؟" — مالک بن عوف نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "میں کاہن کے پاس جا رہا ہوں۔"

"کاہن کے قہر کو سمجھ مالک!" — ایک اور مجاور نے کہا — "کاہن جو اس وقت تمہیں سویا ہُوا نظر آئے گا، وہ لات کے حضور گیا ہُوا ہے۔ اس حالت میں اُس کے پاس جاؤ گے تو...."

مالک بن عوف ایسی ذہنی کیفیت میں تھا جس نے اُس کے دل سے کاہن کا تقدّس اور خوف نکال دیا تھا۔ ایک تو وہ بہت بُری شکست کھا کر آیا تھا، دوسرے اُس کی اُس بیوی نے اُسے دھتکار دیا تھا جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ اُس نے مجاور کے ہاتھ میں پکڑے ہُوئے مشعل کے ڈنڈے پر ہاتھ مارا اور اُس کے ہاتھ سے مشعل چھین کر کاہن کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مجاور اُس کے پیچھے دوڑے لیکن وہ کاہن کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

کاہن مجاوروں کے شور سے جاگ اٹھا تھا۔ اپنے کمرے میں مشعل کی روشنی دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ مالک بن عوف نے مشعل دیوار میں اُس جگہ لگا دی جو اسی مقصد کے لیے دیوار میں بنائی گئی تھی۔

"مقدّس کاہن!" — مالک بن عوف نے کہا — "میں پُوچھنے آیا ہوں کہ...."

"کہ تمہاری شکست کا سبب کیا ہُوا" — کاہن نے اُس کی بات پوری کرتے ہوئے کہا — "کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ ایک حام کی قربانی دو؟"

"اور مقدّس کاہن!" — مالک بن عوف نے کہا — "تم نے یہ بھی کہا تھا کہ حام نہ ملے تو اپنے قبیلے سے کہو کہ اپنے خون کی اور اپنی جانوں کی قربانی دیں۔ تم نے کہا تھا کہ حام کی تلاش میں وقت ضائع نہ کرنا.... تم نے کہا تھا کہ مسلمان لڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔"

"کیا تُو اپنے دیوتا سے باز پُرس کرنے آیا ہے کہ دشمن نے تمہیں شکست کیوں دی ہے؟" — کاہن نے پوچھا — "میں نے کہا تھا کہ پیٹھ نہ دکھانا.... کیا تیرے لشکر نے پیٹھ نہیں دکھائی؟ تیرے لشکر میں تو اتنی سی بھی غیرت نہیں تھی کہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتا۔"

"میں پوچھتا ہوں تم نے کیا کیا؟" — مالک بن عوف نے پوچھا — "اگر سب کچھ ہمیں ہی کرنا تھا تو تم نے کیا کمال دکھایا؟ تم نے کیوں کہا تھا کہ مسلمانوں کو اُس وقت پتہ چلے گا جب تمہاری تلواریں اُنہیں کاٹ رہی ہوں گی؟ کیا تم نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا؟ کیا یہ درست نہیں کہ محمدؐ سچا ہے جس نے تمہاری فال کو جھٹلا دیا ہے؟ اگر تم کاہن نہ ہوتے تو میں تمہیں قتل کر دیتا.... اب طائف پر بہت بڑا خطرہ آ رہا ہے۔ کیا تم اپنے دیوتا کی بستی کو بچا سکتے ہو؟ کیا تم مسلمانوں پر قہر نازل کر سکتے ہو؟"

"پہلی بات یہ سن لے عوف کے بیٹے!" — کاہن نے کہا — "کاہن کو دنیا کی کوئی طاقت قتل نہیں کر سکتی۔ کاہن کی جب عمر ختم ہوتی ہے تو وہ دیوتا لات کے وجود میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ تم مجھ پر تلوار اٹھا کر دیکھ لو..... اور دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان طائف تک پہنچ سکتے ہیں، یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔"

☆

جس وقت مالک بن عوف کاہن کے کمرے میں داخل ہُوا تھا اُس وقت کسی انسان کی شکل کا ایک سایہ عبادت گاہ کی عقبی دیوار پر رینگ رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، وہ اپنی جان کا خطرہ مُول لے رہا تھا۔ یہ مالک بن عوف ہی تھا جو سرداری کے رعب میں رات کے وقت کاہن کے کمرے تک پہنچ گیا تھا۔ یہ عبادت گاہ صدیوں پرانی تھی۔ عقبی دیوار میں چھوٹا سا شگاف تھا۔ وہ انسان جس کا سایہ دیوار پر رینگ رہا تھا، اس شگاف میں داخل ہو گیا۔ آگے اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ وہ انسان گھاس اور جھاڑیوں میں سے یوں گزرنے لگا کہ اُس کے قدموں کی آہٹ یا ہلکی سی سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔

وہ گھاس اور جھاڑیوں میں سے گزر کر اُس چبوترے پر جا چڑھا جس پر عبادت گاہ کی عمارت کھڑی تھی۔ اُس طرف کے دروازے کے کواڑ دیمک خوردہ تھے۔ وہ انسان کھاتے ہُوئے ان کواڑوں میں سے گزر کر عبادت گاہ میں داخل ہو گیا۔ آگے تاریک غلام گردش تھی۔ اُس انسان نے جُوتے اتار دیئے اور دبے پاؤں آگے بڑھتا گیا۔

اس گُپ اندھیرے میں وہ یوں چلا جا رہا تھا جیسے پہلے بھی یہاں کبھی آیا ہو۔ وہ غلام گردش کی بھول بھلیّوں میں سے گزرتا کاہن کے کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ اُسے کاہن کی اور کسی اور کی باتیں سنائی دیں۔ وہ مالک بن عوف تھا جو کاہن کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ یہ انسان رُک گیا۔ اسے کاہن کے کمرے سے آتی ہوئی مشعل کی روشنی نظر آ رہی تھی۔

مالک بن عوف کاہن سے اتنا مرعوب ہُوا کہ وہ سر جھکاتے ہُوئے وہاں سے نکل گیا۔ یہ انسان جو قریب ہی کہیں چھپ گیا تھا، آگے بڑھا۔ کاہن دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں کیونکہ اُس کے سامنے ایک جواں سال لڑکی کھڑی تھی۔ اس لڑکی کو وہ پہچانتا تھا۔ یہ وہی یہودی لڑکی تھی جسے ایک ضعیف العمر یہودی کاہن کے پاس تحفے کے طور پر لایا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ اُس نے سونے کے دو ٹکڑے کاہن کی نذر کیے تھے۔ یہ کاہن کا انعام یا معاوضہ تھا۔ کاہن نے اُسے یقین دلایا تھا کہ ثقیف اور ہوازن کے قبیلے مسلمانوں کو مکّہ میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ اُس نے اس بوڑھے یہودی سے کہا تھا کہ دیوتا لات کا اشارہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

بُوڑھا یہودی اس یہودی لڑکی کو کاہن کے پاس ایک رات کے لیے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ طائف میں وہ اس خوشخبری کا منتظر بیٹھا تھا کہ ثقیف، ہوازن اور اُن کے دوست قبیلوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا ہے لیکن ہُوا یہ کہ مالک بن عوف سر جھکاتے ہُوئے طائف میں داخل ہُوا۔ پھر اس کے لشکری قدم گھسیٹتے ہُوئے دو دو چار چار کی ٹولیوں میں طائف میں آنے لگے۔ بوڑھے یہودی کی کمر عمر نے پہلے ہی دوہری کر رکھی تھی۔ مالک بن عوف کو شکست خوردگی کی حالت میں واپس آتے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دیکھ کر اُس کی کمر جیسے ٹوٹ ہی گئی ہو۔ اُس کی کمر پر آخری تنکا اس یہودی لڑکی نے رکھ دیا جسے وہ انعام کے طور پر کاہن کے حوالے کر آیا تھا۔

"میں حیران ہوں کہ تم جیسے جہاندیدہ بزرگ نے دھوکا کھایا" — لڑکی نے اُسے کہا تھا — "مجھے اس مکروہ کاہن کے کسی ایک لفظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے تمہارے حکم سے اپنی عصمت قربان کر دی۔"

"میرے حکم سے نہیں" — بوڑھے یہودی نے کہا تھا — "خدائے یہودہ کے حکم سے۔ تمہاری عصمت کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔"

یہودیوں میں یہ رواج عام تھا جو ابھی تک چلا آ رہا ہے کہ میدانِ جنگ میں آنے سے گریز کرتے تھے۔ وہ ایسی چال چلتے تھے کہ اپنے دشمنوں کو آپس میں لڑوا دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے وہ دولت کے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کی عصمت بھی ایک کامیاب حربے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کے معاشرے اور مذہب میں عصمت اور آبرو کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی لیکن یہ لڑکی اپنی قوم سے بہت ہی مختلف ثابت ہوئی۔ وہ بوڑھے یہودی پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتی تھی اور کہتی تھی کہ مسلمانوں کا قلع قمع ہو جاتا تو وہ فخر سے کہتی کہ اُس نے اس مقصد کے لیے اپنی عصمت کی قربانی دی ہے اور وہ یہ بھی کہتی تھی کہ کاہن نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔

رات کو جب بوڑھا یہودی گہری نیند سویا ہُوا تھا، یہ لڑکی اُٹھی۔ اُس نے خنجر اپنے تکیے کے نیچے رکھا ہُوا تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اپنے کپڑوں کے اندر چھپا لیا۔ وہ دبے پاؤں باہر نکل گئی۔

اُس رات اُسے روک کر یہ پوچھنے والا کوئی نہیں تھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ اُس رات طائف میں ہر کوئی جاگ رہا تھا۔ عورتیں اپنے شکست خوردہ مردوں کو کوس رہی تھیں اور جن کے مرد واپس نہیں آتے تھے وہ بین کر رہی تھیں۔ گلیوں میں لوگ آ جا رہے تھے۔ لڑکی اُن کے درمیان سے گزرتی لات کی عبادت گاہ تک پہنچ گئی۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُترا ہُوا تھا۔ وہ اُس دور کی عورتوں میں سے ایک تھی جن میں مردانہ شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی۔ وہ عبادت گاہ کے پچھواڑے کی دیوار سے اندر چلی گئی۔

"ہم جانتے تھے کہ ہمارا جادو تمہیں ایک بار پھر ہمارے پاس لے آئے گا" — کاہن اُس لڑکی سے کہہ رہا تھا — "آؤ، دروازے میں کھڑی کیا کر رہی ہو!"

لڑکی آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور کاہن کے قریب جا رُکی۔

"جادو نہیں، انتقام کہو" — لڑکی نے اپنی دھیمی آواز میں کہا جس میں قہر اور غضب چھپا ہُوا تھا — "مجھے انتقام کا جادو یہاں تک لے آیا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو لڑکی!" — کاہن نے حیرت زدہ مسکراہٹ سے کہا — "کیا تم مالک بن عوف سے انتقام لینا چاہتی ہو؟ ... وہ جا چکا ہے۔ وہ مجھے قتل کرنے آیا تھا۔ کیا کوئی انسان اتنی جرأت کر سکتا ہے کہ لات کے کاہن کو قتل کر دے؟"

"ہاں" — لڑکی نے کہا — "ایک انسان ہے جو لات کے کاہن کو قتل کر سکتا ہے۔ وہ لات کا پجاری نہیں۔ وہ میں ہوں، خدائے یہودہ کی پجارن!"

لڑکی نے پلک جھپکتے کپڑوں کے اندر سے خنجر نکالا اور کاہن کے دل میں اُتار دیا۔ اس کے ساتھ ہی لڑکی نے کاہن کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ اُس کی اونچی آواز نہ نکل سکے۔ لڑکی نے خنجر نکالا اور کاہن کی شہ رگ کاٹ دی۔ وہ بڑے اطمینان سے کاہن کے کمرے سے نکل آئی اور اُس رستے جس رستے وہ آئی تھی، عبادت گاہ کے احاطے سے نکل گئی۔

مالک بن عوف اپنی خوابگاہ میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اُس کی چہیتی بیوی اُس کے پاس بیٹھی تھی۔ غلام نے اطلاع دی کہ ایک اجنبی جوان عورت آئی ہے جس کے کپڑے خون سے لال ہیں اور اُس کے ہاتھ میں خون آلود خنجر ہے۔ مالک بن عوف جو نیم مُردہ نظر آ رہا تھا، اُچھل پڑا اور بولا کہ اُسے اندر لے آؤ۔ اُس کی اور اُس کی بیوی کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

وہ جوان عورت دروازے میں آن کھڑی ہوئی اور بولی — "جو کام تم نہیں کر سکے تھے وہ میں کر آئی ہوں۔ میں نے کاہن کو قتل کر دیا ہے۔"

مالک بن عوف پر سناٹا طاری ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔ اُس نے لپک کر تلوار اُٹھائی اور نیام پرے پھینک کر لڑکی کی طرف بڑھا۔ اُس کی بیوی راستے میں آ گئی۔

"اس لڑکی نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے" — بیوی نے اُسے کہا — "تمہیں جھوٹے سہارے اور جھوٹے اشارے دینے والا مر گیا ہے۔ اچھا ہُوا ہے۔"

"تم نہیں جانتیں ہم پر کیا قہر نازل ہونے والا ہے" — مالک بن عوف نے کہا۔

"تم پر کوئی قہر نازل نہیں ہو گا" — یہودی لڑکی نے کہا — "کیا کاہن نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ کاہن کو کوئی قتل نہیں کر سکتا اور کاہن کی جب عمر پوری ہو جاتی ہے تو وہ دیوتا لات کے وجود میں تحلیل ہو جاتا ہے؟ ... اگر تم میں جرأت ہے تو لات کے مجاوروں سے کہو کہ اپنے کاہن کی لاش لات کے وجود میں تحلیل کر دیں۔ اُس کی لاش کو باہر رکھ دو۔ پھر دیکھو کہ اُسے گدھ اور کُتے کس طرح کھاتے ہیں۔"

مالک بن عوف کی بیوی نے مالک کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور پلنگ پر پھینک دی۔

"ہوش میں آ عوف کے بیٹے!" — بیوی نے اُسے کہا — "اپنی قسمت اُس شخص کے ہاتھ میں نہ دے جو ایک لڑکی کے خنجر سے قتل ہو گیا ہے" — اُس نے غلام کو بُلایا اور اُسے کہا — "یہ لڑکی ہماری مہمان ہے۔ اس کے غسل اور آرام کا انتظام کرو۔"

مالک بن عوف کے چہرے سے خوف کا تاثر دُھلنے لگا۔ بیوی نے اُس کے خیالوں میں انقلاب بپا کر دیا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب شکست اور غم کے مارے ہوئے مالک بن عوف کو دو اطلاعیں ملیں۔ ایک یہ کہ رات کو کاہن قتل ہو گیا ہے اور مجاور یہ کہہ رہے ہیں کہ رات مالک بن عوف کے سوا کاہن کے کمرے میں اور کوئی نہیں گیا تھا اور نہ رات کے وقت کسی کو وہاں تک جانے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ مجاوروں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ کاہن کو مالک بن عوف نے خود قتل کیا ہے یا قتل کروایا ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مالک بن عوف کو دوسری خبر یہ ملی کہ مسلمان جو طائف کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے، معلوم نہیں کدھر چلے گئے ہیں۔ یہ خبر ایسی تھی جس نے مالک بن عوف کے حوصلے میں کچھ جان پیدا کر دی۔ اُس نے تیز رفتار گھوڑوں پر دو تین قاصد اُس راستے کی طرف دوڑا دیے جو حنین سے طائف کی طرف آتا تھا۔ اس کے بعد وہ عبادت گاہ میں چلا گیا۔ اُس نے لوگوں کو بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ مقدّس کاہن کو قتل کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ لوگ پوچھتے تھے کہ پھر قاتل کون ہے۔ مالک بن عوف نے کہا کہ وہ قاتل کا سراغ جلد ہی لگا لے گا۔ وہ یہودی لڑکی کو سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔ اُس نے لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹا کر مسلمانوں کی طرف کر دی جو طائف کو محاصرے میں لینے کے لیے بڑھے آرہے تھے۔ وہ عبادت گاہ کے اندر چلا گیا۔ اُس نے مجاوروں کے ساتھ کسی طرح معاملہ طے کر لیا۔

"لات کے پجاریو!"— ایک بوڑھے مجاور نے باہر آکر لوگوں کے ہراساں ہجوم سے کہا —"ہمارے مقدّس کاہن کو کسی نے قتل نہیں کیا۔ وہ دیوتا لات کے وجود میں گھُل مل گیا ہے۔ دیوتا لات کے حکم سے اب میں کاہن ہوں۔ جاؤ، اپنی بستی کو اُس دشمن سے بچاؤ جو بڑھا چلا آرہا ہے۔"

مالک بن عوف جب اپنے گھر پہنچا تو کچھ دیر بعد اُس کے بھیجے ہوئے قاصد واپس آ گئے۔ اُنہوں نے اُسے بتایا کہ اُس راستے پر جو طائف کی طرف آتا ہے، مسلمانوں کا نام و نشان بھی نہیں۔

مالک بن عوف نے اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھا۔ اُس نے اپنے قبیلے کے سرداروں سے کہا کہ محمدؐ اپنے دشمن کو بخشنے والا نہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرف سے جوابی وار ضرور کرے گا۔ اُس نے اعلان کیا کہ شہر کے دفاعی انتظامات میں کوئی کمی نہ رہنے دی جائے۔

قاصدوں نے مالک بن عوف کو بالکل صحیح اطلاع دی تھی کہ طائف کے راستے پر مسلمانوں کا نام و نشان نظر نہیں آتا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح طائف کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے۔ انہوں نے رسولِ اکرمؐ کے حکم سے راستہ بدل لیا تھا۔ بدلا ہوا راستہ بہت لمبا تھا لیکن رسولِ کریمؐ نے اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ چھوٹا راستہ پہاڑیوں اور چٹانوں میں سے گزرتا تھا۔ کھڈ نالے بھی تھے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے سالاروں سے کہا تھا کہ حنین کے پہلے تجربے کو نہ بھولو۔ مالک بن عوف بڑا کایاں جنگجو ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ طائف تک کا تمام علاقہ گھات کے لیے موزوں ہے۔ مالک بن عوف ویسی ہی گھات لگا سکتا ہے جیسی گھات میں اُس نے خالدؓ بن ولید کو تیروں سے چھلنی کر دیا تھا۔

رسولِ اکرمؐ نے جو راستہ طائف تک پہنچنے کے لیے اختیار کیا تھا وہ وادیٔ الملیح میں سے گزرتا تھا اور وادیٔ القرن میں داخل ہو جاتا تھا۔ آپؐ اپنے لشکر کو وادیٔ القرن میں سے گزارنے کی بجائے طائف کے شمال مغرب میں سات میل دُور نکل گئے اور نخب اور صاویرا کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ یہ علاقہ نشیب و فراز کا تھا اور اس میں پہاڑیاں اور چٹانیں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ مجاہدین کا یہ لشکر ۵ فروری ۶۳۰ء (۱۵ شوال ۸ ہجری) کے روز طائف کے گرد و نواح میں اُس سمت سے پہنچا جو طائف والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ مجاہدینِ اسلام کا کوچ بڑا ہی تیز تھا۔ ہراول میں بنو سلیم تھے جن کے کمانڈر خالدؓ بن ولید تھے۔ توقعات کے عین مطابق طائف تک دشمن کہیں بھی نظر نہ

آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی (جیسا کہ مؤرخین نے لکھا ہے) کہ مالک بن عوف اب کھُلے میدان میں لڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

حنین کے معرکے میں زیادہ تر نقصان بنو ہوازن کا ہوا تھا۔ قبیلہ ثقیف لڑا تھا لیکن جو ٹکّر بنو ہوازن نے لی تھی وہ بنو ثقیف کو لینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھر بھی ثقیف پسپا ہو آئے تھے۔ رسولِ کریمؐ اس خطرے سے بے خبر نہیں تھے کہ اہلِ ثقیف تازہ دم ہیں اور وہ اپنے شہر کے دفاع میں لمبے عرصے تک لڑیں گے۔

معلوم نہیں یہ کس کی غلطی تھی کہ مسلمان شہر کی دیوار کے خطرناک حد تک قریب جا رُکے۔ وہاں وہ پڑاؤ کرنا چاہتے تھے۔ اچانک اہلِ ثقیف دیواروں پر نمودار ہوئے اور اُنہوں نے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ بہت سے مسلمان زخمی اور کچھ شہید ہو گئے۔ مسلمان پیچھے ہٹ آئے۔ رسولِ کریمؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو محاصرے کا کمانڈر مقرر کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بڑی تیزی سے شہر کا محاصرہ مکمل کر لیا۔ اُنہوں نے اُن راستوں پر زیادہ نفری کے دستے رکھے جن راستوں سے دشمن کا فرار ممکن تھا۔

شہر کا دفاع بڑا مضبوط تھا۔ قبیلۂ ثقیف پوری طرح تیار تھا۔ مسلمان تیر اندازی کے سوا اور کوئی کارروائی نہیں کر سکتے تھے۔ مجاہدین نے یہاں تک بے خوفی کے مظاہرے کیے کہ شہر کی دیوار کے قریب جا کر اہلِ ثقیف کے اُن تیر اندازوں پر تیر پھینکے جو دیواروں پر تھے۔ چونکہ وہ دیوار کے اُوپر تھے اور اُنہیں اوٹ بھی میسّر تھی، اس لیے اُن کے تیر مسلمانوں کا زیادہ نقصان کرتے تھے۔ مسلمان تیر اندازوں کے جیش آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹ آتے۔ مسلمانوں کے زخمیوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ محاصرے کے کمانڈر حضرت ابو بکرؓ کے اپنے بیٹے عبداللہؓ بنو ثقیف کے تیروں سے شہید ہو گئے۔

پانچ چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ تاریخِ اسلام کی مشہور و معروف شخصیت سلمان فارسیؓ لشکر کے ساتھ تھے۔ جنگِ خندق میں مدینہ کے دفاع کے لیے جو خندق کھودی گئی تھی، وہ سلمان فارسیؓ کی جنگی دانش کا کمال تھا۔ اس سے پہلے عرب خندق کے طریقۂ دفاع سے ناواقف تھے۔ اب سلمان فارسیؓ نے دیکھا کہ محاصرہ کامیاب نہیں ہو رہا تو اُنہوں نے شہر پر پتھر پھینکنے کے لیے ایک منجنیق تیار کروائی لیکن یہ کامیاب نہ ہو سکی۔

سلمان فارسیؓ نے ایک دبابہ تیار کروائی۔ یہ لکڑی یا چمڑے کی بہت بڑی ڈھال ہوتی تھی جسے چند آدمی پکڑ کر آگے آگے چلتے تھے۔ خود اس کی اوٹ میں رہتے تھے اور اس کی اوٹ میں بہت سے آدمی قلعے کے دروازے تک چلے جاتے تھے۔ سلمان فارسیؓ نے جو دبابہ تیار کروائی، وہ گائے کی کھال کی بنی ہوئی تھی۔ ایک جیش اس دبابہ کی اوٹ میں شہر کے بڑے دروازے تک پہنچا۔ اوپر سے آنے والے تیروں کی تمام تر بوچھاڑیں دبابے میں لگتی رہیں لیکن دبابہ جب اپنی اوٹ میں جیش کو لے کر دروازے کے قریب پہنچی تو دشمن نے اُوپر سے دہکتے ہوئے انگارے اور لوہے کے لال سرخ ٹکڑے دبابے پر اتنے پھینکے کہ کھال کی دبابہ تیر روکنے کے قابل نہ رہی کیونکہ یہ کئی جگہوں سے جل گئی تھی۔ دبابہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

چونکہ عربوں کے لیے ایک نئی چیز تھی جو پہلے ہی استعمال میں بیکار ہوگئی اس لیے وہ اسے وہیں پھینک کر پیچھے کو دوڑے۔ اہلِ ثقیف نے ان پر تیر برسائے جن سے کئی ایک مجاہدین زخمی ہوگئے۔

دس دن اور گزر گئے۔ محاصرے اور دفاع کی صورت یہی رہی کہ مسلمان تیر برساتے ہوئے آگے بڑھتے تھے اور تیر کھا کر پیچھے ہٹ آتے تھے۔ بنو ثقیف پر اس کا یہ اثر ہُوا کہ اُن پر مسلمانوں کی بے جگری اور بے خوفی کی دہشت طاری ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ اُنہوں نے کسی طرف سے باہر آ کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ آخر ایک روز رسولِ اکرمؐ نے اپنے سالاروں کو اکٹھا کیا اور اُنہیں بتایا کہ محاصرے کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ آپؐ نے سالاروں سے مشورہ طلب کیا کہ کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ محاصرہ اُٹھا لیا جائے اور مکّہ کو کُوچ کا حکم دیا جائے۔ خود رسولِ کریمؐ محاصرہ اُٹھانے کے حق میں تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ مکّہ کے انتظامات آپؐ کی توجہ کے محتاج تھے۔ مکّہ چند ہی دن پہلے فتح کیا گیا تھا۔ خطرہ تھا کہ طائف کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو مکّہ میں دشمن کو سر اُٹھانے کا موقع مل جائے گا۔

۲۳ فروری ۶۳۰ء (۴ ذیقعدہ ۸ھ) کے روز محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ محاصرہ اُٹھانے کا اثر اہلِ ثقیف پر کچھ اور ہونا چاہیئے تھا لیکن اُن پر اس قسم کا خوف طاری ہو گیا کہ مسلمان جُواب جا رہے ہیں معلوم نہیں کس وقت لَوٹ آئیں اور شہر پر یلغار کر کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ خود مالک بن عوف کی سوچ میں انقلاب آچکا تھا۔ کاہن کی جھُوٹی پیش گوئی اور معرکۂ حنین میں مسلمانوں کی ضربِ کاری نے اُسے اپنے عقیدوں پر نظرِ ثانی کے لیے مجبور کر دیا تھا۔

مسلمان ۲۶ فروری کے روز جعرانہ کے مقام پر پہنچے جہاں رسولِ کریمؐ نے مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس مالِ غنیمت میں چھ ہزار عورتیں اور بچّے تھے اور ہزارہا اونٹ اور بھیڑ بکریاں بھی تھیں۔ فوجی سازوسامان کا انبار تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دشمن کی عورتوں، بچّوں اور جانوروں کو اپنے لشکر میں تقسیم کر دیا۔

مجاہدین کا لشکر جعرانہ سے ابھی چلا نہ تھا کہ قبیلہ ہوازن کے چند ایک سردار رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچے اور یہ اعلان کیا کہ ہوازن کے تمام تر قبیلے نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اِن سرداروں نے رسولِ اکرمؐ سے درخواست کی کہ اُن کا مالِ غنیمت انہیں واپس دے دیا جائے۔ رسولِ کریمؐ نے پُوچھا کہ اُنہیں مالِ غنیمت میں سے کون سی چیز زیادہ عزیز ہے، اہل وعیال یا اموال؟ سرداروں نے کہا کہ اُن کی عورتیں اور بچّے انہیں واپس دے دیئے جائیں اور باقی مالِ غنیمت مسلمان اپنے پاس رکھ لیں۔

رسولِ کریمؐ نے مجاہدین کے لشکر سے کہا کہ بنو ہوازن کو اُن کی عورتیں اور بچّے واپس کر دیئے جائیں۔ تمام لشکر نے عورتیں اور بچّے واپس کر دیئے۔

بنو ہوازن کو توقع نہیں تھی کہ رسولِ کریمؐ اس قدر فیّاضی کا مظاہرہ کریں گے یا مجاہدین کا لشکر اپنے حصّے میں آیا ہُوا مالِ غنیمت واپس کر دے گا۔ مسلمانوں کی اس فیّاضی کا اثر یہ ہُوا کہ قبیلۂ ہوازن نے اسلام کو دل وجان سے قبول کر لیا۔ ہوازن کے سردار اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر چلے گئے۔ مسلمانوں کی فیّاضی کے اثرات طائف کے اندر تک پہنچ گئے۔ مسلمان ابھی جعرانہ میں ہی تھے کہ ایک روز مالک بن عوف مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں آیا اور رسولِ کریمؐ کے حضور پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔

دیوتا لات کی خدائی ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

اسلام اب اُس دور میں داخل ہو چکا تھا جب عرب کے اِردگرد کے ممالک اور اِن سے بھی دُور کے ممالک میں اسلام کے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اسلام جس تیزی سے پھیل رہا تھا اس سے عالمِ کُفر پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ مسلمان ایک عظیم جنگی طاقت بن گئے تھے لیکن اسلام کا فروغ اِس جنگی طاقت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلام میں ایسی کشش تھی کہ جو کوئی بھی اللہ کا یہ پیغام سُنتا تھا وہ اسلام قبول کر لیتا تھا۔

مسلمانوں نے اپنے جاسُوس دُور دُور تک پھیلا رکھے تھے۔ ۶۳۰ء میں جاسُوسوں نے مدینہ آ کر رسولِ اکرمؐ کو اطلاع دی کہ رومی شام میں فوج کا بہت بڑا اجتماع کر رہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد یہ اطلاع ملی کہ رومیوں نے اپنی فوج کے کچھ دستے اُردن بھیج دیے ہیں۔

اکتوبر ۶۳۰ء بڑا ہی گرم مہینہ تھا۔ جھُلسا دینے والی لُو ہر وقت چلتی تھی اور دن کے وقت دُھوپ میں ذرا سی دیر ٹھہرنا بھی محال تھا۔ اس موسم میں رسولِ کریمؐ نے حکم دیا کہ پیشتر اس کے کہ رومی ہم پر یلغار کریں، ہم اُن کے کُوچ سے پہلے ہی اُن کا راستہ روک لیں۔

رسولِ کریمؐ کے اِس حکم پر مدینے کے اسلام دشمن عناصر حرکت میں آگئے۔ ان میں وہ مسلمان بھی شامل تھے جنہوں نے اسلام قبول تو کر لیا تھا لیکن اندر سے وہ کافر تھے۔ ان منافقین نے درپردہ اُن مسلمانوں کو جو جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے، ورغلانا اور ڈرانا شروع کر دیا کہ اس موسم میں اُنہوں نے کُوچ کیا تو گرمی کی شدت اور پانی کی قلّت سے وہ راستے میں ہی مر جائیں گے۔ اِن مخالفانہ سرگرمیوں میں یہودی پیش پیش تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت نے رسولِ اکرمؐ کے حکم پر لبیک کہی۔ رسولِ خداؐ نے تیاریوں میں زیادہ وقت ضائع نہ کیا۔ اکتوبر کے آخر میں جو فوج رسولِ خداؐ کی قیادت میں کُوچ کے لیے تیار ہوئی اس کی تعداد تیس ہزار تھی جس میں دس ہزار سوار شامل تھے۔ مجاہدین کے اس لشکر میں مدینہ کے علاوہ مکّہ کے اور اُن قبائل کے افراد بھی شامل تھے جنہوں نے سچّے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ مجاہدین کا مقابلہ اُس زمانے کے مشہور جنگجو بازنطینی شہنشاہ ہرقل کے ساتھ تھا۔

مجاہدینِ اسلام کا یہ عظیم لشکر اکتوبر ۶۳۰ء کے آخری ہفتے میں رسولِ کریمؐ کی قیادت میں ... کی طرف کُوچ کر گیا۔ تمازتِ آفتاب کا یہ عالم جیسے زمین شعلے اُگل رہی تھی۔ ریت اتنی گرم کہ گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں جلتے تھے۔ اُس سال قحط کی کیفیت بھی پیدا ہو گئی تھی اس لیے مجاہدین کے پاس خوراک کی کمی تھی۔ مجاہدین اس جھُلسا دینے والی گرمی میں پانی نہیں پیتے تھے کہ معلوم نہیں آگے کتنی دُور جا کر پانی ملے۔ تھوڑی ہی دُور جا کر مجاہدین کے ہونٹ خشک ہو گئے اور اُن کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے لیکن اُن کی زبان پر اللہ کا نام تھا اور وہ ایسے عزم سے سرشار تھے جس کا اجر خدا کے

سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ ایک لگن تھی، ایک جذبہ تھا کہ مجاہدین زمین و آسمان کے اُگلے ہوئے شعلوں کا منہ چڑاتے چلے جا رہے تھے۔

تقریباً چودہ روز بعد یہ لشکر شام کی سرحد کے ساتھ تبوک کے مقام پر پہنچ گیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اچھے اور خوشگوار موسم میں مدینہ سے تبوک کا سفر چودہ دنوں کا تھا جسے اُس وقت کے مسافروں کی زبان میں چودہ منزل کہا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین نے چودہ منزل کو چودہ دن کہا ہے۔ تبوک میں ایک جاسُوس نے اطلاع دی کہ رومیوں کے جو دستے اُردن میں آئے تھے وہ اس وقت دمشق میں ہیں۔

○

رسولِ کریمؐ نے لشکر کو تبوک میں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو صلاح مشورے کے لیے طلب کیا۔ سب کو یہی توقع تھی کہ تبوک سے کُوچ کا حکم ملے گا اور دمشق میں یا دمشق سے کچھ اِدھر رومیوں کے ساتھ فیصلہ کُن معرکہ ہو گا۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے اصول کے مطابق سب سے مشورے طلب کیے۔ ہر سالار نے یہ ذہن میں رکھ کر کہ رومیوں سے جنگ ہو گی، مشورے دیے لیکن رسولِ کریمؐ نے یہ کہہ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا کہ تبوک سے آگے کُوچ نہیں ہو گا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ رسولِ خداؐ کے اس فیصلے میں کہ آگے نہیں بڑھا جائے گا بہت بڑی جنگی دانش تھی۔ آپؐ نے مدینہ میں ہی کہہ دیا تھا کہ رومیوں کا راستہ روکا جائے گا۔ آپؐ مستقر سے اتنی دُور اور اتنی شدید گرمی میں نہیں لڑنا چاہتے تھے۔ اس کی بجائے آپؐ ہرقل کو اشتعال دلا رہے تھے کہ وہ اپنے مستقر سے دُور تبوک میں آ کر لڑے۔ مجاہدین لڑنے کے لیے گئے تھے۔ اُن کے دلوں میں کوئی وہم اور کوئی خوف نہیں تھا لیکن جنگ میں ایک خاص قسم کی عقل و دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسولِ کریمؐ نے عقل و دانش کو استعمال کیا اور مدینے کی طرف رومیوں کا راستہ روکنے کا یہ اہتمام کیا کہ اُس علاقے میں جو قبائل رومیوں کے زیرِ اثر تھے انہیں اپنے اثر میں لانے کی مہمات تیار کیں۔ ان میں چار مقامات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں جہاں ان مہمات کو بھیجا جانا تھا۔ ان میں ایک تو عقبہ تھا جو اُس دور میں ایلہ کہلاتا تھا۔ دوسرا مقام مقنّنہ، تیسرا اذرُح اور چوتھا جربہ تھا۔

رسولِ کریمؐ نے ان تمام قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کی بجائے دوستی کے معاہدے کی شرائط بھیجیں جن میں ایک یہ تھی کہ ان قبائل کے جو لوگ اسلام قبول نہیں کریں گے انہیں ان کی مرضی کے خلاف جنگ میں نہیں لے جایا جائے گا۔ دوسری شرط یہ تھی کہ اُن پر کوئی بھی حملہ کرے گا تو مسلمان ان کے دفاع کو اپنی ذمہ داری سمجھیں گے۔ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت اُن سے جزیہ وصول کرے گی۔

سب سے پہلے ایلہ کے فرمانروا یوحنّا نے خود آ کر رسولِ کریمؐ کی دوستی کی پیش کش قبول کی اور جزیہ کی باقاعدہ ادائیگی کی شرط بھی قبول کر لی۔ اس کے فوراً بعد دو اور طاقتور قبیلوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا اور جزیہ کی شرط بھی مان لی۔

الجوف ایک مقام ہے جو اُس دور میں دومتہ الجندل کہلاتا تھا۔ یہ بڑے ہی خوفناک صحرا میں واقع تھا۔ اُس زمانے کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقام کے اِردگرد ایسے ریتیلے ٹیلے اور نشیب

تھے کہ انہیں ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ دومتہ الجندل کا حکمران اُکیدر بن مالک تھا۔ چونکہ اُس کی بادشاہی انتہائی دشوار گزار علاقے میں تھی اس لیے وہ اپنے علاقے کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے جو وفد اُکیدر بن مالک کے پاس بھیجا تھا وہ یہ جواب لے کر آیا کہ اُکیدر نے نہ دوستی قبول کی ہے نہ وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوا ہے بلکہ اُس نے اعلانیہ کہا ہے کہ مسلمانوں کو وہ اپنا دشمن سمجھتا ہے اور وہ اسلام کی بیخ کنی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھے گا۔

رسولِ کریمؐ نے خالدؓ بن ولید کو بُلایا اور انہیں کہا کہ وہ چار سَو سوار اپنے ساتھ لیں اور اُکیدر بن مالک کو زندہ پکڑ لائیں۔

○

اُکیدر بن مالک اپنے دربار میں اونچی مسند پر بیٹھا تھا۔ اُس کے پیچھے دو نیم برہنہ لڑکیاں کھڑی مورچھل ہلا رہی تھیں۔ اُکیدر بن مالک کے چہرے پر وہی رعونت تھی جو روائتی بادشاہوں کے چہروں پر ہُوا کرتی تھی۔

"اے ابنِ مالک!" — اُس کے بوڑھے وزیر نے جو اُس کی فوج کا سالار بھی تھا، اُٹھ کر کہا — "تیری بادشاہی کو کبھی زوال نہ آئے۔ کیا تجھے پتہ نہیں چلا کہ ایلہ، جربہ، اذرُح اور مقنّنہ کے قبیلوں نے مدینہ کے مسلمانوں کی دوستی قبول کر لی ہے؟ آج دوستی قبول کی ہے تو کل قبیلۂ قریش کے محمدؐ کے مذہب کو بھی قبول کر لیں گے۔"

"کیا ہمارا بزرگ وزیر ہمیں یہ مشورہ دینا چاہتا ہے کہ ہم بھی مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیں؟" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "ہم ایسا کوئی مشورہ قبول نہیں کریں گے۔"

"نہیں ابنِ مالک!" — بوڑھے وزیر نے کہا — "میری عمر نے جو مجھے دکھایا ہے وہ تُو نے ابھی نہیں دیکھا۔ میں مانتا ہوں کہ تُو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تُو اپنے دشمن کو اتنا حقیر سمجھ رہا ہے کہ تُو یہ بھی نہیں سوچ رہا کہ مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہم تمہاری بادشاہی کو کس طرح بچائیں گے۔"

"صلیبِ مقدّس کی قسم!" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "ہمارے اِردگرد جو علاقہ ہے وہ ہماری بادشاہی کو بچائے گا۔ میرے اس خوفناک صحرا کی ریت مسلمانوں کا خون چُوس لے گی۔ ریت اور مٹی کے جو ٹیلے دومتہ الجندل کے اِردگرد کھڑے ہیں یہ خدا نے میرے سنتری کھڑے کر رکھے ہیں ہم پر کوئی فتح نہیں پا سکتا۔"

اُس وقت خالدؓ بن ولید اپنے چار سَو سواروں کے ساتھ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ اگلے روز وہ اُس صحرا میں داخل ہو گئے جسے مؤرخوں نے بھی ناقابلِ تسخیر لکھا ہے۔ مجاہدین کے چہرے ریت کی مانند خشک ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کی چال بتا رہی تھی کہ یہ مسافت اور پیاس اُن کی برداشت سے باہر ہوئی جا رہی ہے لیکن خالدؓ بن ولید کی قیادت مجاہدین کے دلوں میں نئی رُوح پھُونک دی تھی۔

دومتہ الجندل اچھا خاصا شہر تھا۔ اس کے اِردگرد دیوار تھی۔ خالدؓ بن ولید اس کے قریب پہنچ گئے اور اپنے سواروں کو ایک وسیع نشیب میں چھُپا دیا۔ مجاہدین کی جسمانی کیفیت ایسی تھی کہ اُنہیں کم از کم ایک دن اور ایک رات آرام کرنے کی ضرورت تھی لیکن خالدؓ نے اپنے سواروں کو تیاری کی حالت میں رکھا۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

سورج غروب ہوگیا۔ پھر رات گہری ہونے لگی۔ چاند پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ صحرا کی چاندنی بڑی شفاف ہوگئی۔ خالدؓ بن ولید اپنے ایک آدمی کو ساتھ لے کر شہر کی دیوار کی طرف چل پڑے۔ وہ جائزہ لینا چاہتے تھے کہ شہر کا محاصرہ کیا جائے جس کے لیے چار سو سوار کافی نہیں تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ شہر کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ دوسری صورت یلغار کی تھی۔

خالدؓ دیوار کے دروازے سے خاصا پیچھے ایک اوٹ میں بیٹھ گئے۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ دیوار کے اوپر سے خالدؓ نظر آ سکتے تھے۔

شہر کا بڑا دروازہ کھلا۔ خالدؓ سمجھے کہ اُکیدر فوج لے کر باہر آرہا ہے اور وہ اُن پر حملہ کرے گا لیکن اُکیدر کے پیچھے پیچھے چند سوار باہر نکلے اور دروازہ بند ہوگیا۔ خالدؓ کو یاد آیا کہ تبوک سے روانگی کے وقت رسولِ کریمؐ نے انہیں کہا تھا۔ "اُکیدر تمہیں شاید شکار کھیلتا ہوا ملے گا۔"

اُکیدر بن مالک کے متعلق مشہور تھا کہ وہ جیسے شکار کھیلنے کے لیے ہی پیدا ہوا تھا۔ صحرا میں شکار رات کو ملتا تھا کیونکہ دن کے وقت جانور دبکے چھپے رہتے تھے۔ پورے چاند کی رات بڑے شکار کے لیے موزوں سمجھی جاتی تھی۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی انٹیلی جنس کا کمال تھا کہ آپؐ نے دشمن کی عادات اور خصلتوں کا بھی پتہ چلا لیا تھا اور آپؐ نے خالدؓ کو اُکیدر کے متعلق پوری معلومات دے دی تھیں۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ اُکیدر ابنِ مالک چند ایک سواروں کے ساتھ باہر آیا ہے تو اُنہوں نے اُس کے انداز کا پوری طرح جائزہ لیا۔ خالدؓ سمجھ گئے کہ اُکیدر کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ چار سو مسلمان سوار اُس کے شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں اور وہ شکار کھیلنے جا رہا ہے۔ خالدؓ اپنے آدمی کے ساتھ رینگتے سرکتے پیچھے آئے جب اُکیدر اپنے سواروں کے ساتھ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو خالدؓ دوڑ کر اپنے سواروں تک پہنچ گئے۔ اُنہوں نے کچھ سوار منتخب کیے۔ اپنے تمام سواروں کو اُنہوں نے تیاری کی حالت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ سواروں کے ایک جیش کو اپنی قیادت میں اُس طرف لے گئے جدھر اُکیدر گیا تھا۔ خالدؓ نے یہ خیال رکھا کہ اُکیدر شہر سے اتنا آگے چلا جائے کہ جب اُس پر حملہ ہو تو شہر تک اُس کی آواز بھی نہ پہنچ سکے۔

رات کے سناٹے میں اتنے زیادہ گھوڑوں کی آواز کو دبایا نہیں جا سکتا تھا۔ اُکیدر اور اُس کے ساتھیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کے پیچھے گھوڑ سوار آرہے ہیں۔ اُکیدر کا بھائی حسان بھی اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ جا کے دیکھتا ہے کہ یہ کون ہیں۔ اُس نے اپنا گھوڑا پیچھے کو موڑا ہی تھا کہ خالدؓ نے اپنے سواروں کو ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ اُکیدر کو خالدؓ اور اُن کے سواروں کی للکار سے پتہ چلا کہ یہ مسلمان ہیں۔ حسان نے برچھی سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن مارا گیا۔

اُکیدر اپنے سواروں سے ذرا الگ تھا۔ خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رُخ اُکیدر کی طرف کر لیا۔ اُکیدر ایسا بوکھلایا کہ خالدؓ پر وار کرنے کی بجائے اُس نے راستے سے ہٹنے کی کوشش کی۔ خالدؓ نے اُس پر کسی ہتھیار سے وار نہ کیا نہ گھوڑے کی رفتار کم کی۔ انہوں نے گھوڑا اُکیدر کے گھوڑے کے قریب سے گذارا اور بازو اُکیدر کی کمر میں ڈال کر اُسے اُس کے گھوڑے سے

[اٹھا] لیا اور اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

اُکیدر بن مالک کے شکاری ساتھیوں اور محافظوں نے دیکھا کہ اُن کا فرمانروا پکڑا گیا اور اُس کا بھائی مارا گیا ہے تو اُنہوں نے خالدؓ کے سواروں کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ نکلنے کا راستہ دیکھا۔ وہ زمین ایسی تھی کہ چھپ کر نکل جانے کے لیے نشیب، کھڈ اور ٹیلے بہت تھے۔ اُن میں کچھ زخمی ہوئے لیکن نکل گئے۔ شہر میں داخل ہو کر اُنہوں نے دروازہ بند کر دیا۔

○

خالدؓ بن ولید نے اُکیدر کو پکڑے رکھا اور کچھ دُور جا کر گھوڑا روکا۔ اُکیدر سے کہا کہ اُس کے بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اُنہوں نے اُسے گھوڑے سے اُتارا، خود بھی اُترے۔

"کیا تم اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں، میں اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا تھا" — اُکیدر بن مالک نے کہا — "لیکن تُو نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"خالدؓ!" — خالدؓ نے جواب دیا — "خالدؓ بن ولید!"

"ہاں!" — اُکیدر نے کہا — "میں نے یہ نام سُنا ہے .... یہاں تک خالدؓ ہی پہنچ سکتا تھا!"

"نہیں اُکیدر!" — خالدؓ نے کہا — "یہاں تک ہر وہ انسان پہنچ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا نام ہے اور وہ محمدؐ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہے۔"

"میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟" — اُکیدر نے پوچھا۔

"تیرے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو تُو نے ہمارے رسولؐ کے ایلچی کے ساتھ کیا تھا" — خالدؓ نے کہا — "ہم سے اچھے سلوک کی توقع رکھ ابنِ مالک! اگر ہم رومی ہوتے اور ہرقل کے بھیجے ہوئے ہوتے تو ہم کہتے کہ اپنا خزانہ اور اپنے شہر کی بہت ہی خوبصورت لڑکیاں اور شراب کے مٹکے ہمارے حوالے کر دے۔ پہلے ہم عیش و عشرت کرتے پھر ہرقل کے حکم کی تعمیل کرتے۔"

"ہاں!" — اُکیدر نے کہا — "رُومی ہوتے تو ایسے ہی کرتے، اور وہ ایسا کر رہے ہیں۔ وہ کون سا تحفہ ہے جو میں ہرقل کو نہیں بھیجتا۔ ولید کے بیٹے! مجھ پر لازم ہے کہ رومیوں کو خوش رکھوں۔"

"کہاں ہیں رُومی؟" — خالدؓ نے کہا — "کیا تو اُنہیں مدد کے لیے بُلا سکتا ہے؟ ہم تیری مدد کو آئے ہیں۔ تجھے قیدی بنا کر نہیں، معزز مہمان بنا کر اللہ کے رسولؐ کے پاس لے جا رہا ہوں۔ تجھ پر کوئی ظلم نہیں ہوگا، جبر نہیں ہوگا۔ ہم دشمنی کا نہیں، دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ ہمارے رسولؐ کے سامنے جا کر تجھے تاسف ہوگا کہ جس کا تُو دشمن رہا ہے وہ تو دوستی کے قابل ہے۔"

اُکیدر بن مالک کی جیسے زبان گنگ ہوگئی ہو۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اُس کا گھوڑا وہیں کہیں آوارہ پھر رہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے سواروں سے کہا کہ اُکیدر کے گھوڑے کو پکڑ لائیں۔ سوار گھوڑے کو پکڑ لائے۔ خالدؓ نے اُکیدر کو گھوڑے پر سوار کیا اور تبوک کو واپسی کا حکم دے دیا۔

تبوک پہنچ کر خالدؓ نے اُکیدر بن مالک کو رسولِ خداؐ کے حضور پیش کیا۔ آپؐ نے اُس کے آگے کئی شرطیں رکھیں لیکن ایسی شرط کا اشارہ تک نہ کیا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ اُس کے ساتھ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مہمانوں جیسا سلوک کیا گیا۔ اُس پر کوئی خوف طاری نہ کیا گیا۔ اُسے بھی ایک شرط بہت اچھی لگی کہ مسلمان اُس کی حفاظت کریں گے۔ اُس نے جزیہ دینے کی شرط مان لی اور دوستی کا معاہدہ کرلیا۔

"بے شک صرف مسلمان ہیں جو میری مدد کو پہنچ سکتے ہیں" — معاہدہ کرکے اُس نے کہا تھا۔

جب اُکیدر بن مالک نے بھی دوستی کا معاہدہ کرکے مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا تو کئی اور چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے سردار تبوک میں رسولِ کریم کے پاس آ گئے اور اطاعت قبول کرلی۔ اس طرح دُور دُور تک کے علاقے مسلمانوں کے زیرِ اثر آ گئے اور تمام قبائلی مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان میں متعدد قبائل نے اسلام قبول کرلیا۔

اب رومیوں سے جنگ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اُن کی پیشقدمی کا راستہ رُک گیا تھا، بلکہ ہرقل کے لیے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے ٹکر لینے کو آگے بڑھا تو راستے کے تمام قبائل اُسے اپنے علاقے میں ہی ختم کر دیں گے۔

رسولِ اکرمؐ نے مجاہدین کے لشکر کو مدینہ کو واپسی کا حکم دے دیا۔

یہ لشکر دسمبر ۶۳۰ء میں مدینہ پہنچ گیا۔

○

اسلام عقیدے کے لحاظ سے اور عسکری لحاظ سے بھی ایک ایسی طاقت بن چکا تھا کہ رسولِ کریمؐ کے بھیجے ہوئے ایلچی کہیں بھی چلے جاتے، انہیں شاہی مہمان سمجھا جاتا اور ان کا پیغام احترام سے سُنا جاتا تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دُور دراز کے قبیلوں اور چھوٹی بڑی حکومتوں کو قبولِ اسلام کے دعوت نامے بھیجنے شروع کر دیئے۔ ان میں بعض سردار سرکش، خودسر اور کم فہم تھے۔ اِن کی طرف رسولِ کریمؐ کا پیغام اس قسم کا ہوتا تھا کہ قبولِ اسلام کی بجائے اگر وہ اپنی جنگی طاقت آزمانا چاہتے ہیں تو آزما لیں اور یہ سوچ لیں کہ شکست کی صورت میں انہیں مسلمانوں کا مکمل طور پر مطیع ہونا پڑے گا اور اُن کی کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رسولِ کریمؐ نے ایسی ایک مہم خالدؓ بن ولید کی زیرِ کمان یمن کے شمال میں نجران بھیجی۔ وہاں قبیلہ بنو حارثہ بن کعب آباد تھا۔ ان لوگوں نے رسولِ کریمؐ کے پیغام کا مذاق اُڑایا تھا۔ خالدؓ مجاہدین کے ایک سوار دستے کو جس کی تعداد چار سو تھی، ساتھ لے کر جولائی ۶۳۱ء میں یمن کو روانہ ہوئے۔ مشہور مؤرخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے خالدؓ سے کہا کہ انہیں حملے کے لیے نہیں بھیجا جا رہا بلکہ وہ پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ چونکہ بنو حارثہ سرکش ذہنیت کی وجہ سے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اس لیے خالدؓ انہیں تین بار کہیں کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اگر وہ سرکشی سے باز نہ آئیں اور خونریزی کو پسند کریں تو انہیں خونریزی کے لیے للکارا جائے۔

خالدؓ جس جارحانہ انداز سے وہاں پہنچے اور جس انداز سے انہوں نے بنو حارثہ بن کعب کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، اس نے مطلوبہ اثر دکھایا۔ اس قبیلے نے بلا حیل و حجت اسلام قبول کرلیا۔ خالدؓ واپس آنے کی بجائے وہیں رُکے رہے اور انہیں اسلام کے اصول اور ارکان سمجھاتے رہے۔ خالدؓ جنہیں تاریخ نے فنِ حرب و ضرب کا ماہر اور صفِ اوّل کا سالار

تسلیم کیا ہے، نجران میں چھ مہینے مبلّغ اور معلّم بنے رہے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام ان لوگوں کے دلوں میں اُتر گیا ہے تو خالدؓ جنوری ۶۳۲ء میں واپس آ گئے۔ اُن کے ساتھ بنو حارثہ کے چند ایک سرکردہ افراد تھے جنہوں نے رسولِ کریمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ رسولِ خداؐ نے ان میں سے ایک کو امیر مقرر کیا۔

○

اسلام کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا ممکن نہیں رہا اور یہ بھی دیکھا کہ اسلام لوگوں کے دلوں میں اُتر گیا ہے تو انہوں نے اسلام کو نقصان پہنچانے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا — یہ تھا رسالت اور نبوّت کا دعویٰ — متعدد افراد نے نبوّت کا دعویٰ کیا جن میں بنی اسد کا طلیحہ، بنی حنیفہ کا مسیلمہ اور یمن کا اسوَد عنسی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اُس کا نام عقیلہ بن کعب تھا۔ چونکہ اُس کا رنگ کالا تھا اس لیے وہ اسوَد کے نام سے مشہور ہُوا۔ اسوَد عربی میں کالے کو کہتے ہیں۔ وہ یمن کے مغربی علاقے کے ایک قبیلے عنس کا سردار تھا اس لیے اُسے اسوَد العنسی کہتے تھے۔ تاریخ میں اُس کا یہی نام آیا ہے۔ وہ عبادت گاہ کا کاہن بھی رہ چکا تھا۔ بالکل سیاہ رنگت کے باوجود اُس میں ایسی کشش تھی کہ لوگ اُس کے ہلکے سے اشارے کا بھی اثر قبول کر لیتے تھے۔ اُس میں مقناطیس جیسی قوّت تھی کہ عورتیں اُس کے کالے چہرے کو ناپسند کرنے کی بجائے اُس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ اُس نے یہ پُراسراریت عبادت گاہ میں حاصل کی تھی۔ کاہن کو لوگ دیوتاؤں کا منظورِ نظر اور ایلچی سمجھتے تھے۔

اس علاقے کے زیادہ تر لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اسوَد کے اپنے قبیلے میں اسلام داخل ہو چکا تھا لیکن اسوَد نے ان کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کی تھی جیسے ان لوگوں کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔

اُس وقت یمن کا حکمران بازان نام کا ایک ایرانی تھا۔ ایران کا شہنشاہ خسرو پرویز (کسریٰ) تھا۔ رسولِ کریمؐ نے دُور کے مُلکوں کے جن بادشاہوں کو قبولِ اسلام کے خطوط لکھے تھے، ان میں شہنشاہِ ایران بھی تھا۔ اُسے خط دینے کے لیے رسول اللہؐ نے عبداللہؓ بن حذافہ کو بھیجا تھا۔ عبداللہؓ نے خسرو پرویز کے دربار میں اُسے خط دیا۔ اُس نے خط کسی اور کو دے کر کہا کہ اُسے اس کا ترجمہ سنایا جائے۔

اُسے جب خط اُس کی زبان میں سنایا گیا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے غصے سے باؤلا ہو کر خط کو بری طرح پھاڑ کر اس کے پُرزے پھینک دیئے اور عبداللہ بن حذافہ کو دربار سے نکال دیا۔ عبداللہؓ اتنی دُور کی مسافت سے آئے اور رسول اللہؐ کے حضور بتایا کہ شہنشاہِ ایران نے خط پھاڑ ڈالا ہے۔

خسرو پرویز کا غصّہ خط پھاڑنے سے ٹھنڈا نہیں ہُوا تھا۔ یمن پر ایران کی حکمرانی تھی اور بازان وہاں گورنر تھا۔ شہنشاہِ ایران نے اپنے گورنر بازان کو خط بھیجا کہ حجاز میں محمدؐ نام کا کوئی آدمی ہے جس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اُس نے لکھا کہ رسولِ کریمؐ کو زندہ پکڑ کر یا آپؐ کا سر کاٹ کر اُس کے دربار (ایران) میں پیش کیا جائے۔

بازان نے یہ خط اپنے دو آدمیوں کو دے کر مدینہ بھیج دیا۔ مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کہتے ہیں کہ بازان نے ان آدمیوں کو رسول اللہؐ کو پکڑ لانے یا قتل کر کے آپؐ کا سر لانے کے لیے بھیجا تھا، اور کچھ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ بازان نے اسلام تو قبول نہیں کیا تھا لیکن وہ حضورؐ سے اتنا متاثر تھا کہ آپؐ کو اپنے شہنشاہ کے ارادے سے خبردار کرنا چاہتا تھا۔ بہرحال مؤرخ اس واقعہ پر متفق ہیں کہ بازان کے بھیجے ہوئے دو آدمی رسولِ خداؐ کے ہاں گئے تھے اور خسرو پرویز نے جو خط بازان کو لکھا تھا وہ آپؐ کے حضور پیش کیا تھا۔

رسولِ خداؐ نے خط دیکھا اور آپؐ نے مسکرا کر کہا کہ شہنشاہِ ایران گذشتہ رات اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے اور آج صبح سے ایران کا شہنشاہ شیرویہ ہے۔

"گذشتہ رات کے قتل کی خبر مدینہ میں اتنی جلدی کیسے پہنچ گئی؟" —— بازان کے ایک آدمی نے پوچھا اور کہنے لگا —— "کیا یہ ہمارے شہنشاہ کی توہین نہیں کہ یہ غلط خبر پھیلا دی جائے کہ اُسے اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے؟"

"مجھے میرے اللہ نے بتایا ہے" —— رسولِ کریمؐ نے کہا —— "جاؤ، بازان کو بتا دو کہ اُس کا شہنشاہ اب خسرو نہیں شیرویہ ہے" —— رسولِ خداؐ کو یہ خبر بذریعہ الہام ملی تھی۔

بازان کے آدمی واپس گئے اور اُسے بتایا کہ رسول اللہؐ نے کیا کہا ہے۔ تین چار دنوں بعد بازان کو اپنے نئے شہنشاہ شیرویہ کا خط ملا جس میں تحریر تھا کہ خسرو پرویز کو فلاں رات ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی رات تھی جو حضورؐ نے بتائی تھی۔ کچھ دنوں بعد بازان کو رسولِ کریمؐ کا خط ملا کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ بازان پہلے ہی آپؐ سے متاثر تھا۔ الہام نے اُسے اور زیادہ متاثر کیا۔ رسول اللہؐ نے اُسے یہ بھی لکھا تھا کہ اسلام قبول کر لینے کی صورت میں وہ بدستور یمن کا حاکم رہے گا اور اُس کی حکمرانی کا تحفظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

بازان نے اسلام قبول کر لیا اور وہ حاکمِ یمن رہا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد فوت ہو گیا۔ رسولِ اکرمؐ نے یمن کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصے کا الگ حاکم مقرر کیا۔ بازان کا بیٹا جس کا نام شہر تھا، حضورؐ نے اُسے صنعاء اور اُس کے گرد و نواح کے علاقے کا حاکم بنایا۔

○

یہ خبر اُڑی تھی کہ اسود عنسی یمن کے علاقہ مذحج میں چلا گیا ہے اور ایک غار میں رہتا ہے جس کا نام خبان ہے۔ اچانک یہ خبر ہوا کی طرح سارے یمن میں پھیل گئی کہ اسود غار سے نکل آیا ہے اور اسے خدا نے نبوّت عطا کی ہے اور اب وہ اسود عنسی نہیں "رحمٰن الیمن" ہے۔ خبر سنانے والے کسی شک کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ وہ مصدقہ خبر سناتے تھے کہ اسود کو نبوّت مل گئی ہے۔ انہوں نے اسے نبی تسلیم کر لیا تھا۔

"جا کر دیکھو" —— خبر سنانے والے کہتے پھرتے تھے —— "مذحج جا کر دیکھو۔ رحمٰن الیمن مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ آگ کے شعلوں کو پھول بنا دیتا ہے ...... چلو لوگو، چلو۔ اپنی روح کی نجات کے لیے چلو۔"

جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، وہ بھی مذحج کو اُٹھ دوڑے۔ اسود چونکہ کاہن رہ چکا تھا، اس لیے لوگ پہلے ہی تسلیم کرتے تھے کہ دیوتاؤں نے اُسے کوئی پُراسرار طاقت دے رکھی ہے۔ اب

نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو لوگوں نے فوراً اس دعوے کو تسلیم کر لیا۔

غارِ خبان کے سامنے ہر لحظہ لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ وہ اسود کی ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب رہتے تھے۔ وہ دن کو تھوڑے سے وقت کے لیے باہر نکلتا تھا اور غار کے قریب ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر لوگوں کو قرآن کی آیات کی طرز کے جملے سناتا اور کہتا تھا کہ اُس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے جو اُسے ہر روز خدا کی طرف سے ایک آیت اور راز کی ایک دو باتیں بتا جاتا ہے۔

وہ لوگوں کو اپنے معجزے بھی دکھایا کرتا تھا، مثلاً جلتی ہوئی مشعل اپنے منہ میں ڈال لیا کرتا اور جب مشعل اُس کے مُنہ سے نکلتی تو وہ جل رہی ہوتی تھی۔ اُس نے ایک لڑکی کو ہوا میں معلّق کر کے بھی دکھایا۔ ایسے ہی چند اور شعبدے تھے جو وہ لوگوں کو دکھاتا تھا اور لوگ انہیں معجزے کہتے تھے۔ ایک تو وہ چرب زبان تھا، دوسرے وہ خوش الحان تھا۔ اُس کے بولنے کا انداز پُرکشش تھا۔

اُس نے یمن والوں کو یہ نعرہ دے کر کہ یمن یمن والوں کا ہے، اُن کے دل موہ لیے تھے۔ یمنی بڑی لمبی مدت سے ایرانیوں کے زیرِ نگیں چلے آ رہے تھے۔ ایرانی تسلّط بازان کے قبولِ اسلام کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تو حجاز کے مسلمان آ گئے۔ اس کے علاوہ وہاں یہودی، نصرانی اور مجوسی بھی موجود تھے۔ یہ سب اسلام کی بیخ کنی چاہتے تھے۔ انہوں نے اسود عنسی کی "نبوّت" کے قدم جمانے میں درپردہ بہت کام کیا۔

اسود اپنی نبوّت کی صداقت ایک گدھے کے ذریعے ثابت کیا کرتا تھا۔ اُس کے سامنے ایک گدھا لایا جاتا۔ وہ گدھے کو کہتا —— "بیٹھ جا" —— گدھا بیٹھ جاتا۔ پھر کہتا —— "میرے آگے سر جھکا" —— گدھا سجدے کے انداز سے سر جھکا دیتا۔ گدھے کے لیے اُس کا تیسرا حکم ہوتا —— "میرے آگے گھٹنے ٹیک دے" —— گدھا اُس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اسود عنسی کو یمن کے لوگوں نے نبی مان لیا۔ اسود نے ان لوگوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کر لیا۔ اُس نے سب سے پہلے نجران کا رُخ کیا۔ وہاں رسولِ کریمؐ کے مقرر کیے ہوئے دو مسلمان حاکم تھے —— خالد بن سعید اور عمرو بن حزم —— اسود کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جو نجران میں داخل ہوا تو وہاں کے باشندے بھی اُس کے ساتھ مل گئے۔ دونوں مسلمان حاکموں کے لیے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ انہوں نے راہِ فرار اختیار کی۔

اسود عنسی اس پہلی فتح سے سرشار ہو گیا اور اُس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ ہو گئی۔ اُس نے نجران میں اپنی حکومت قائم کر کے صنعاء کی طرف پیش قدمی کی۔ وہاں بازان کا بیٹا شہر حکمران تھا۔ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی پھر بھی وہ مقابلے میں ڈٹ گیا۔ اُس کی للکار نے اپنی فوج کے قدم اکھڑنے نہ دیئے لیکن شہر بن بازان چونکہ اپنی فوج کا حوصلہ قائم رکھنے کے لیے سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا اس لیے شہید ہو گیا۔ اس سے اُس کی فوج کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔

اسود کے خلاف لڑنے والے وہ یمنی بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن شکست کی صورت میں جان کا خطرہ مسلمانوں کو تھا۔ انہیں اسود کے لشکر کے ہاتھوں قتل ہونا تھا۔ اسود کسی مسلمان کو نہیں بخشتا تھا۔ چنانچہ مسلمان جانیں بچا کر نکل گئے اور مدینہ جا پہنچے۔

اسود عنسی جو اب رحمٰن الیمن کہلاتا تھا، حضر موت، بحرین، احسا، اور عدن تک کے تمام علاقوں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پر بھی قبضہ کر کے تمام یمن کا بادشاہ بن گیا۔

اسلام کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا۔ شمال کی طرف سے رومیوں کے حملے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اس خطرے کو ختم کرنے کے لیے رسولِ خدا نے ایک لشکر رومیوں پر حملے کے لیے تیار کیا تھا جس کے سالارِ اعلیٰ بائیس سال عمر کے ایک نوجوان اسامہؓ تھے جو رسولِ کریمؐ کے آزاد کیے ہوئے غلام زیدؓ بن حارثہ کے بیٹے تھے۔ زیدؓ بھی سالار تھے اور وہ مُوتہ کے معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔

یمن کو ایک خود ساختہ نبی سے نجات دلانے کے لیے بہت بڑے لشکر کی ضرورت تھی لیکن لشکر رومیوں کے خلاف لڑنے کے لیے جا رہا تھا۔ اگر رومیوں پر حملہ ملتوی کر کے اس لشکر کو یمن بھیج دیا جاتا تو رومی یہ فائدہ اٹھا سکتے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر دیتے۔ یہ خطرہ مُول نہیں لیا جا سکتا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے دوسری صورت یہ سوچی کہ یمن میں جو مسلمان مجبوری کے تحت رہ گئے ہیں اور جنہوں نے اسود عنسی کی اطاعت قبول کر لی ہے، انہیں اسود کا تختہ الٹنے کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس طریقۂ کار کو حضورؐ کے تمام سالاروں نے پسند کیا۔ اس مقصد کے لیے چند ذہین قسم کے افراد کو یمن بھیجنا تھا۔

رسولِ اکرمؐ کی نظرِ انتخاب قیس بن ہبیرہ پر پڑی۔ آپؐ نے انہیں بلا کر یمن جانے کا مقصد سمجھایا اور پُوری طرح ذہن نشین کرایا کہ انہیں اپنے آپ کو چھپا کر وہاں کے مسلمانوں سے ملنا ملانا ہے اور ایک زمین دوز جماعت تیار کرنی ہے جو اس جھوٹے نبی اور عیش و عشرت میں ڈوبے ہُوئے خود ساختہ بادشاہ کا تختہ اُلٹے۔ آپؐ نے قیس بن ہبیرہ سے یہ بھی کہا کہ وہ مدینہ سے اپنی روانگی کو بھی خفیہ رکھیں اور یمن تک اس طرح پہنچیں کہ انہیں کوئی دیکھ نہ سکے۔

اس پُرخطر مہم کو اور زیادہ مستحکم کرنے کے لیے رسولِ کریمؐ نے دبر بن یحنس کو ایک خط دے کر یہ کہا کہ یمن میں کچھ مسلمان سردار موجود ہیں جنہوں نے مجبوری کے تحت اسود کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ یہ خط انہیں پڑھوا کر ضائع کر دینا ہے اور باقی کام قیس بن ہبیرہ کریں گے۔

○

اسود عنسی نے جب صنعاء پر حملہ کیا تھا تو وہاں کے حاکم شہر بن بازان نے مقابلہ کیا لیکن وہ شہید ہو گیا تھا۔ اُس کی جواں سال بیوی جس کا نام آزاد تھا، اسود کے ہاتھ چڑھ گئی۔ آزاد غیر معمولی طور پر حسین ایرانی عورت تھی۔ اُس نے اسود کو قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن اسود نے اُسے جبراً اپنی بیوی بنا لیا تھا۔ آزاد اب اس شخص کی اسیر تھی جس سے وہ انتہا درجے کی نفرت کرتی تھی۔ اکیلی عورت کر ہی کیا سکتی تھی۔ اُس کی خوش نصیبی صرف اتنی تھی کہ اسود عورتوں کا دلدادہ تھا۔ اُس نے اپنے حرم میں بیسیوں عورتیں رکھی ہُوئی تھیں۔ اُسے تحفے میں بھی نوجوان لڑکیاں مِلا کرتی تھیں۔ وہ ہر وقت عورت اور شراب کے نشے میں بدمست رہتا تھا۔

رسولِ اکرمؐ کے بھیجے ہُوئے قیس بن ہبیرہ چوری چھپے سفر کر کے اور بھیس بدل کر صنعا پہنچے۔ اسود نے صنعا کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ اُدھر دبر بن یحنس ایک مسلمان سردار کے ہاں خط لے کر پہنچ گئے۔

اس مسلمان سردار نے یہ یقین تو دلا دیا کہ وہ ایسے چند ایک مسلمان سرداروں کو اکٹھا کر لے گا جنہوں نے دِل سے اسود کی اطاعت قبول نہیں کی لیکن اسود کا تختہ الٹنا ممکن نظر نہیں آتا کیونکہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں، یمن کے باشندے اُسے اپنا نبی مانتے ہیں۔

قیس بن ہبیرہ ایک ایسے ٹھکانے پر پہنچ گئے جہاں رسولِ کریمؐ کے شیدائی مسلمان موجود تھے۔ ان مسلمانوں نے بھی وہی بات کہی جو مسلمان سردار نے کہی تھی لیکن ان مسلمانوں نے ایسی کوئی بات نہ کہی کہ وہ اس زمین دوز تحریک میں شامل نہیں ہوں گے۔ اُنہوں نے پُرعزم لہجے میں کہا کہ وہ خفیہ طریقے سے وفادار مسلمانوں کو اکٹھا کر لیں گے۔

"ہم اس جھوٹے نبی کو ختم کرنے کے لیے زیادہ انتظار نہیں کر سکتے" — ایک مسلمان نے کہا — "جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیا تم لوگ یہ نہیں سوچ سکتے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے؟"

"قتل کون کرے گا؟" — ایک اور مسلمان نے پوچھا — "اور اسے کہاں قتل کیا جائے گا؟ وہ محل سے باہر نکلتا ہی نہیں۔ یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ محل کے ارد گرد محافظوں کا بڑا سخت پہرہ ہوتا ہے۔"

"کیا ہم میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو اسلام کے نام پر اپنی جان قربان کر دے؟" — قتل کا مشورہ دینے والے مسلمان نے پوچھا۔

"اس طرح جان دینے سے کیا حاصل کہ جسے قتل کرنا ہے اُس تک پہنچ ہی نہ سکیں!" — اُس مسلمان نے کہا — "بہرحال ہمیں خفیہ طریقے سے یہ تحریک چلانی ہے کہ کم از کم مسلمان بغاوت کے لیے تیار ہو جائیں۔"

○

اسود عنسی نے یمن پر قبضہ کر کے پہلا کام یہ کیا تھا کہ ایران کے شاہی اور دیگر اعلیٰ خاندانوں کے جو ایرانی اُس کے ہاتھ چڑھ گئے تھے انہیں اُس نے مختلف طریقوں سے ذلیل و خوار کر کے رکھ دیا تھا۔ اُن کی حالت زرخرید غلاموں سے بدتر کر دی گئی تھی لیکن اسود کی حکومت میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس نہ کوئی تجربہ کار سالار تھا نہ کوئی کاروبارِ حکومت چلانے والا قابل آدمی تھا۔ یہ خطرہ تو وہ ہر لمحہ محسوس کرتا تھا کہ مسلمان اُس پر حملہ کریں گے۔ وہ خود عسکری ذہن نہیں رکھتا تھا۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اُسے ایرانیوں کا ہی تعاون حاصل کرنا پڑا۔

اُس کے سامنے تین نام آئے۔ ان میں ایک ایرانی کا نام قیس بن عبدیغوث تھا جو بازان کے وقتوں کا مانا ہُوا سالار تھا۔ دوسرے دو حکومت چلانے میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک تھا فیروز اور دوسرا داذویہ۔ فیروز نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں اور سچے دل سے مسلمان تھا۔ اسود نے قیس بن عبدیغوث کو سالارِ اعلیٰ بنا دیا اور فیروز اور داذویہ کو وزیر مقرر کیا۔ تینوں نے اسود کی وفاداری کا حلف اٹھایا اور اُسے یقین دلایا کہ وہ ہر حالت میں اُس کے وفادار رہیں گے۔

ایک روز فیروز باہر کہیں گھوم پھر رہا تھا کہ ایک گداگر نے اُس کا راستہ روک لیا اور ہاتھ پھیلا دیا۔ "تو مجھے معذور نظر نہیں آتا" — فیروز نے اُسے کہا — "اگر تو معذور ہے تو تیری معذوری بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کہ تجھ میں غیرت اور خودداری نہیں۔"

"تُو نے ٹھیک پہچانا ہے"۔۔۔ گداگر نے اپنا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔۔۔ "میری معذوری یہ ہے کہ میری غیرت مجھ سے چھن گئی ہے۔۔۔۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تیری بھی یہی معذوری ہے۔ میں نے بھیک کے لیے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ میں اپنی غیرت واپس مانگ رہا ہوں۔"

"اگر تُو پاگل نہیں ہو گیا تو مجھے بتا کہ تیرے دل میں کیا ہے"۔۔۔ فیروز نے گداگر سے پوچھا۔

"میرے دل میں اللہ کے اُس رسولؐ کا نام ہے جس کا تُو شیدائی ہے"۔۔۔ گداگر نے فیروز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔۔۔ "اگر اسود عنسی کی شراب تیری رگوں میں چلی نہیں گئی تو میں جھوٹ نہیں کہہ رہا، تُو نے دل پہ پتھر رکھ کر اسود کی وزارت قبول کی ہے۔"

فیروز نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مدینہ کا مسلمان ہے لیکن اُسے یہ خطرہ بھی محسوس ہُوا کہ یہ اسود کا کوئی مخبر بھی ہو سکتا ہے۔

"مت گھبرا فیروز!"۔۔۔ گداگر نے کہا۔۔۔ "میں تجھ پر اعتبار کرتا ہوں تُو مجھ پر اعتبار کر۔ میں تجھے اپنا نام بتا دیتا ہوں۔۔۔۔ قیس بن ہبیرہ۔۔۔۔ مجھے رسول اللہؐ نے بھیجا ہے۔"

"کیا تُو سچ کہتا ہے کہ رسول اللہؐ نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے؟"۔۔۔ فیروز نے اشتیاق سے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ قیس نے کہا۔۔۔ "رسول اللہؐ نے یہ کہا تھا کہ وہاں چلے جاؤ۔ اللہ کے سچے بندے مِل جائیں گے۔"

"تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں سچا مسلمان ہُوں؟"۔۔۔ فیروز نے پوچھا۔

"اپنے رسولؐ کا نام سن کر رسالتؐ کے شیدائیوں کی آنکھوں میں جو چمک پیدا ہو جاتی ہے وہ میں نے تیری آنکھوں میں دیکھی ہے"۔۔۔ قیس نے کہا۔۔۔ "تیری آنکھوں میں چمک کچھ زیادہ ہی آ گئی ہے۔"

فیروز نے قیس سے کہا کہ وہ چلا جائے۔ اُس نے قیس کو ایک اور جگہ بتا کر کہا کہ کل سورج غروب ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ وہاں بیٹھا گداگری کی صدا لگاتا رہے۔

○

اگلی شام فیروز اُس جگہ سے گزرا جو اُس نے قیس بن ہبیرہ کو بتائی تھی۔ فیروز کے اشارے پر قیس گداگروں کے انداز سے اُٹھ کر فیروز کے پیچھے پیچھے ہاتھ پھیلا کر چل پڑا۔

"رسولِ خداؐ ایک پیغام پہنچا دینا کہ آپؐ کے نام پر جان قربان کرنے والا ایک آدمی اسود عنسی کے سائے میں بیٹھا ہے"۔۔۔ فیروز نے چلتے چلتے اِدھر اُدھر دیکھے بغیر دھیمی سی آواز میں کہا۔۔۔ "اور میں حیران ہوں کہ اتنی جنگی طاقت کے باوجود رسول اللہؐ نے یمن پر حملہ کیوں نہیں کیا۔"

"ہرقل کا لشکر اُردن میں ہمارے سر پہ کھڑا ہے"۔۔۔ قیس نے کہا۔۔۔ "ہمارا لشکر رومیوں پہ حملہ کرنے جا رہا ہے۔ کیا ہم دو آدمی پورے لشکر کا کام نہیں کر سکیں گے؟"

"کیا تُو نے یہ سوچا ہے کہ دو آدمی کیا کر سکتے ہیں؟"۔۔۔ فیروز نے پوچھا۔

"قتل"۔۔۔ قیس نے جواب دیا اور کہنے لگا۔۔۔ "مجھ سے یہ نہ پوچھنا کہ اسود کو کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے۔ کیا تُو نے اپنے چچا [illegible] کا دل سے اُتار دیا ہے؟"

فیروز چلتے چلتے [illegible]

"تُو نے مجھے روشنی دکھا دی ہے"۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ "قتل کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ میری چچا زاد بہن کا نام لے کر تُو نے میرا کام آسان کر دیا ہے۔ یہ کام میں کروں گا۔ تُو اپنا کام کرتا رہ۔۔۔۔ جا قیس! زندہ رہے تو ملیں گے۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فیروز کے دل میں اسود کی جو نفرت دبی ہوئی تھی وہ اُبھر کر سامنے آ گئی۔ اُس نے اسود عنسی کے ایرانی سالار قیس بن عبد الیغوث اور داذویہ کو اپنا ہمراز بنا لیا۔ اسود کا قتل ایک وزیر کے لئے بھی آسان نہیں تھا جو اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ اسود کے محافظ اُسے ہر وقت اپنے نرغے میں رکھتے تھے۔ سوچ سوچ کر ان تینوں ایرانیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آزاد کو اس کام میں شریک کیا جائے لیکن قتل آزاد کے ہاتھوں نہ کرایا جائے۔

آزاد تک رسائی آسان نہیں تھی۔ اسود کو شک ہو گیا تھا کہ تینوں ایرانی اُسے دل سے پسند نہیں کرتے۔ اُس نے ان پہ بھروسہ کم کر دیا تھا۔ آزاد اور فیروز کی ویسے بھی کبھی ملاقات نہیں ہوتی تھی۔

آزاد تک پیغام پہنچانے کے لئے عورت کی ہی ضرورت تھی۔ ایک وزیر کے لئے ایسی عورت کا حصول مشکل نہ تھا۔ فیروز نے محل کی ایک ادھیڑ عمر عورت کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بھی مسلمان تھی۔ فیروز نے اُسے کہا کہ وہ اُسے اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے۔ اگر وہ پسند کرے تو وہ اُسے اپنے ہاں لا سکتا ہے۔ فیروز نے اُسے کچھ لالچ دیا۔ ایک یہ تھا کہ اُس سے اتنا زیادہ کام نہیں لیا جائے گا جتنا اب لیا جاتا ہے۔ وہ عورت مان گئی۔ فیروز نے اُسی روز اُسے اپنے ہاں بُلا لیا۔

○

ایک روز آزاد اکیلی بیٹھی تھی۔ وہ ہر وقت جلتی اور کُڑھتی رہتی تھی۔ اُسے کوئی راہِ فرار نظر نہیں آتی تھی۔ اس کیفیت میں فیروز کی وہی خادمہ اُس کے پاس آئی۔

"میں کسی کام کے بہانے آئی ہوں"۔۔۔ خادمہ نے کہا۔۔۔ "لیکن میں آئی دراصل تیرے پاس ہوں۔۔۔۔ کیا تُو اپنے چچا زاد بھائی سے کبھی ملی ہے جو رحمٰن الیمن کا وزیر ہے؟"

"کیا تُو جاسوسی کرنے آئی ہے؟"۔۔۔ آزاد نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں"۔۔۔ خادمہ نے کہا۔۔۔ "مجھ پر یہ شک نہ کر کہ میں اس جھوٹے نبی کی مُخبر ہوں۔ میرے دل میں بھی اسود کی اُتنی ہی نفرت ہے جتنی تیرے دل میں ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکی کہ تُو میرے پاس کیوں آئی ہے"۔۔۔ آزاد نے کہا۔

"فیروز وزیر نے بھیجا ہے"۔۔۔ خادمہ نے کہا۔

"میں فیروز کا نام بھی نہیں سُننا چاہتی"۔۔۔ آزاد نے کہا۔۔۔ "اگر اُس میں غیرت ہوتی تو وہ اُس شخص کا وزیر نہ بنتا جس نے اُس کی چچا زاد بہن کو بیوہ کیا اور اُسے جبراً اپنی بیوی بنا لیا ہے۔"

آزاد شاہی خاندان کی عورت تھی۔ وہ ان لونڈیوں اور باندیوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا کہ یہ عورت مُخبری کرنے نہیں آئی۔ اُس نے خادمہ سے پوچھا کہ فیروز نے اُس کے لئے کیا پیغام بھیجا ہے۔ خادمہ نے بتایا کہ وہ اُسے صرف ملنا چاہتا ہے۔ آزاد نے اُسے ایک جگہ بتا کر کہا کہ فیروز [illegible] آ جائے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"لیکن ہمارے درمیان ایک دیوار حائل ہوگی" — آزاد نے کہا — "اس میں ایک جگہ ایک دریچہ ہے جس میں سلاخیں لگی ہوتی ہیں۔ فیروز سلاخوں کے دوسری طرف کھڑا ہو کر بات کر سکتا ہے۔"

خادمہ نے آزاد کا پیغام فیروز کو دے دیا۔

اُسی رات فیروز محل کے اِردگرد کھڑی دیوار کے اُس مقام تک پہنچ گیا جہاں سلاخوں والا چھوٹا سا دریچہ تھا۔ آزاد اُس کے انتظار میں کھڑی تھی۔

"تیری خادمہ پہ مجھے اعتبار آگیا ہے" — آزاد نے کہا — "تجھ پر میں کیسے اعتبار کروں؟ میں نہیں مانوں گی کہ تُو مجھے اس وحشی سے آزاد کرانے کی سوچ رہا ہے۔"

"کیا تُو اس وحشی کے ساتھ خوش ہے؟" — فیروز نے پوچھا۔

"اس سے زیادہ قابلِ نفرت آدمی میں نے کوئی اور نہیں دیکھا" — آزاد نے کہا — "تیرا یہاں زیادہ دیر کھڑے رہنا ٹھیک نہیں۔ فوراً بتا تجھے اتنے عرصے بعد میرا کیوں خیال آیا ہے؟"

"کیا اِس وقت اسود کے اِدھر آنکلنے کا خطرہ ہے؟" — فیروز نے پوچھا — "یا ابھی وہ نہیں ...."

"نہیں" — آزاد نے کہا — "پہرہ داروں کا خطرہ ہے۔ اسوَد اِس وقت شراب کے نشے میں بے سُدھ پڑا ہے۔ اُس کے پاس عورتوں کی کمی نہیں۔"

"میں صرف تجھے نہیں، پورے یمن کو آزاد کراؤں گا" — فیروز نے کہا — "لیکن تیری مدد کے بغیر میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

"مجھے بتا فیروز!" — آزاد نے پُوچھا — "میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"کسی رات مجھے اسوَد تک پہنچا دے" — فیروز نے کہا — "اگلے روز وہاں سے اُس کی لاش اُٹھائی جائے گی .... کیا تُو یہ کام کر سکتی ہے؟"

"کل رات اِس وقت کے کچھ بعد اِس دیوار کے باہر اُس جگہ آجانا جو میں تمہیں بتاؤں گی" — آزاد نے کہا — "میرا کمرہ اِس دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔ تم دیوار کسی اور طریقے سے پھلانگ نہیں سکو گے۔ کمند پھینکنی پڑے گی۔ رسّہ لیتے آنا۔ اسے دیوار کے اُوپر سے اندر کو پھینکنا۔ میں اسے کہیں باندھ دوں گی۔ تم رسّے سے اُوپر آجانا۔"

اگلی رات فیروز اس طرح چھپتا چھپاتا دیوار کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اُسے پہرہ دار کے گُذر جانے تک چُھپنا پڑتا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے آزاد نے بتائی تھی۔ اُس نے دیوار پر رسّہ پھینکا جس کا اگلا سرا دوسری طرف نیچے تک چلا گیا۔ آزاد موجود تھی۔ اُس نے رسّہ پکڑ لیا اور کہیں باندھ دیا۔ فیروز رسّے کو پکڑ کر اور پاؤں دیوار کے ساتھ جماتا دیوار پہ چڑھ گیا۔ اُس نے رسّہ دیوار پہ باندھ دیا اور اس کی مدد سے نیچے اُتر گیا۔

آزاد اُسے اپنے کمرے میں لے گئی اور آدھی رات کے بعد تک اُسے کمرے میں ہی رکھا کیونکہ اسوَد کے بیدار ہونے کا خطرہ تھا۔

"آدھی رات کے بعد وہ بے ہوش اور بے سُدھ ہو جاتا ہے" — آزاد نے کہا — "یہ شخص انسانوں کے رُوپ میں دیو ہے۔ ایسا دیو جو شراب پیتا اور عورتوں کو کھاتا ہے .... تم نے اس کی جسامت دیکھی ہے۔ اتنا لمبا اور چوڑا جسم تلوار کے ایک دو وار تو شراب کی طرح پی جائے گا۔ اسے ہلاک کرنا آسان نہیں ہوگا۔"

"اسے ہلاک کرنا ہے خواہ میں خود ہلاک ہو جاؤں" — فیروز نے کہا۔

آزاد نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھولا اور باہر دیکھا۔ اس غلام گردش کے اگلے سرے پر ایک پہرہ دار کھڑا رہتا تھا۔ وہ سائے کی طرح کھڑا نظر آرہا تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس طرف اُس کی پیٹھ ہے۔ آزاد اپنے کمرے سے نکلی اور دبے پاؤں اسوَد کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ہلکی روشنی والا ایک فانوس جل رہا تھا۔ اسوَد پیٹھ کے بَل بستر پہ پڑا خراٹے لے رہا تھا۔

مؤرخ بلاذری نے اُس دَور کی تحریروں کے دو حوالے دے کر لکھا ہے کہ آزاد جب اسوَد کو دیکھ کر واپس آئی تو اُس کا انداز ایسا تھا جیسے ایک شعلہ آیا ہو۔ یہ انتقام اور نفرت کا شعلہ تھا۔

"آؤ فیروز!" — اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "وہ بے ہوش پڑا ہے۔"

فیروز آزاد کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اور دبے پاؤں آزاد کے پیچھے اسوَد کے کمرے میں داخل ہُوا۔ اسوَد جنگلی سانڈ جیسا انسان تھا۔ کمرے میں شراب اور گناہوں کا تعفن تھا۔ نہ جانے ایسے کیوں ہُوا، اسوَد بیدار ہو گیا۔ اپنے وزیر اور اپنی حسین ایرانی بیوی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ آزاد کو وہ قابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔ فیروز کو دیکھ کر اُسے کچھ شک ہُوا ہوگا۔

"اِس وقت کیا مصیبت آگئی ہے؟" — اسوَد نے نشے سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں پُوچھا۔

فیروز نے ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔ تلوار کھینچی اور پوری طاقت سے اسوَد کی گردن پر وار کیا۔ اسوَد نے گردن بچالی اور تلوار اُس کے ننگے سر پر پڑی۔ اسوَد کے منہ سے چیخ نما آوازیں نکلیں اور بستر سے لڑھک کر دوسری طرف گرا۔

غلام گردش میں دوڑتے قدموں کی دھمک سُنائی دی۔ آزاد تیزی سے باہر نکلی اور دروازہ بند کر دیا۔ پہرہ دار دوڑا آرہا تھا۔ آزاد نے تیزی سے آگے بڑھ کر پہرہ دار کو روک لیا۔ کمرے سے اسوَد کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔

"واپس اپنی جگہ چلے جاؤ" — آزاد نے پہرہ دار کو تحکمانہ لہجے میں کہا — "رحمٰن الیمن کے پاس فرشتہ آیا ہُوا ہے۔ وحی نازل ہو رہی ہے .... جاؤ، اِدھر نہ آنا۔"

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا اور چلا گیا۔

آزاد اندر آئی تو دیکھا کہ اسوَد فرش سے اُٹھ کر بستر پر گر رہا ہے اور فیروز دوسرے وار کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ اسوَد بستر پر گر پڑا۔ اُس کا سر پلنگ کے بازو پر تھا اور سانڈوں کی طرح ڈکار رہا تھا۔

"تم اسے مار نہیں سکو گے فیروز!" — آزاد نے آگے بڑھ کر کہا اور اسوَد کے بال جو لمبے تھے، دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر نیچے کو کھینچے اور وہ خود فرش پر بیٹھ گئی — "اب فیروز .... گردن کاٹ دو۔"

فیروز نے ایک ہی وار سے اسوَد کی گردن صاف کاٹ کر سر جسم سے الگ کر دیا۔ فیروز کے ساتھیوں قیس عبدلیغوث اور واذویہ کو معلوم تھا کہ آج رات کیا ہونے والا ہے۔ فیروز نے اسوَد کا سر اٹھایا اور ان دونوں کے ہاں جا پہنچا۔ محافظوں اور پہرہ داروں کو "رحمٰن الیمن" کے قتل کی خبر ملی تو انہوں نے محل کو محاصرے میں لے لیا۔ آزاد فیروز کے ساتھ رہی۔ محل میں بھگدڑ مچ گئی۔ حرم کی عورتوں کا ہجوم چیختا چلاتا باہر کو بھاگا۔

اُدھر رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے قیس بن ہبیرہ اور وبر بن یحنّس سرکردہ مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ کر

چکے تھے اور دن رات زمین دوز سرگرمیوں سے مسلمانوں کے حوصلے بحال کر چکے تھے۔

ابھی صبح صادق میں کچھ وقت باقی تھا۔ محل کی چھت سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ حیران ہوئے کہ محل میں اذان؟ لوگ محل کی طرف دوڑے۔ اسود کی فوج حکم کی منتظر تھی لیکن حکم دینے والا قیس عبدلیغوث تھا۔ وہی سپہ سالار تھا۔ اُس نے فوج کو باہر نہ آنے دیا۔

اسود کا سر محل کے باہر لٹکا دیا گیا۔ محل کی چھتوں سے للکار بلند ہو رہی تھی — "ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اسود عنسی کذاب ہے۔"

اسود کے پیروکاروں پر خوف طاری ہو گیا اور مسلمان مسلح ہو کر نکل آئے اور انہوں نے مینیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

مصر کے مشہور صحافی اور سابق وزیر معارف محمد حسین ہیکل نے اپنی کتاب "ابوبکرؓ۔ صدیق اکبرؓ" میں فیروز کی زبانی ایک روایت پیش کی ہے۔ فیروز نے کہا تھا:

"اسود کو قتل کر کے ہم نے وہاں کا انتظام پہلے کی طرح رہنے دیا، (یعنی جس طرح اسود کے تسلط سے پہلے تھا۔ ہم نے قتل کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ معاذ بن جبل کو بُلایا کہ وہ ہمیں باجماعت نماز پڑھائیں۔۔۔۔ ہم بے انتہا خوش تھے کہ ہم نے اسلام کے اتنے بڑے دشمن کو ختم کر دیا ہے، لیکن اچانک اطلاع ملی کہ رسولِ خدا وصال فرما گئے ہیں۔ اس خبر سے یمن میں ابتری سی پھیل گئی۔"

فیروز کو مسلمانوں نے صنعاء کا حاکم مقرر کر دیا۔

یہ واقعہ مئی ۶۳۲ء کا ہے۔ قیس بن ہبیرہ اور وبر بن یحنس جون ۶۳۲ء کے دوسرے ہفتے میں یہ خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے کہ جھوٹا نبی اپنے انجام کو پہنچ گیا ہے اور یمن پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا ہے لیکن مدینہ سوگوار تھا — ۵ جون ۶۳۲ء (۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ھجری) رسولِ خدا وصال فرما گئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر جوں جوں پھیلتی گئی یہ جنگل کی آگ ہی ثابت ہوئی۔ جہاں پہنچی وہاں شعلے اٹھنے لگے۔ یہ شعلے بغاوت کے تھے۔ ایک تو اسلام کے دشمن تھے جنہوں نے اپنی تخریبی سرگرمیاں تیز کر دیں، دوسرے وہ قبیلے تھے جنہوں نے صرف اس لیے اسلام قبول کیا تھا کہ اُن کے سردار مسلمان ہو گئے تھے۔ ایسے قبیلے اتنے زیادہ نہیں تھے جنہوں نے سچے دل سے اسلام قبول کیا تھا۔ باقی تمام قبیلے اسلام سے نہ صرف منحرف ہو گئے بلکہ انہوں نے مدینہ کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کر دیا اور مدینہ پر حملے کی باتیں کرنے لگے۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے باغی قبیلوں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام کو نہ چھوڑیں۔ قاصد جہاں بھی گئے وہاں سے انہیں جواب مِلا کہ ہمارا قبولِ اسلام صرف ایک شخص (رسولِ کریمؐ) کے ساتھ معاہدہ تھا۔ وہ شخصؐ نہیں رہا تو معاہدہ بھی نہیں رہا۔ اب ہم آزاد ہیں اور ہم اپنا راستہ اختیار کریں گے۔

تیسرا اور سب سے زیادہ خطرناک فتنہ مرتدین کا تھا۔ رسولِ کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوّت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہو گئے تھے۔ ان کی پشت پناہی رُومی، ایرانی اور یہودی کر رہے تھے۔ ان جھوٹے نبیوں میں ایک خوبی مشترک تھی۔ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھے۔ شعبدہ بازی اور جادُوگری میں یہودی ماہر تھے۔ اسود عنسی کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ بھی شعبدہ باز تھا۔

نبوّت کے دوسرے دو دعویدار طلیحہ اور مسیلمہ تھے۔ مسیلمہ خاص طور پر شعبدہ بازی میں مہارت رکھتا تھا۔ ایسے شعبدے پہلے کوئی نہ دکھا سکا تھا۔ مثلاً وہ پرندے کے پَر اس کے جسم سے الگ کر کے دکھاتا پھر پرندے اور پَروں کو اکٹھے ہاتھوں میں لے کر اُوپر پھینکتا تو پَر پرندے کے ساتھ ہوتے اور پرندہ اُڑ جاتا تھا۔

مسیلمہ بدصورت انسان تھا۔ اُس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے یہ انسان کا نہیں حیوان کا چہرہ ہو۔ خدوخال بھی حیوانوں جیسے تھے۔ اُس کا قد چھوٹا تھا۔ چہرے کا رنگ زرد تھا لیکن اُس کے جسم میں غیر معمولی طاقت تھی۔ اُس کی آنکھیں غیر قدرتی طور پر چھوٹی اور ناک چپٹی تھی۔ یہ ایک بھدّے آدمی کی تصویر ہے جسے کوئی بدصورت انسان بھی پسند نہیں کر سکتا مگر جو عورت خواہ وہ کتنی ہی حسین اور سرکش کیوں نہ ہوتی، اُس کے قریب جاتی تو اُس کی گرویدہ ہو جاتی اور اُس کے اشاروں پر ناچنے لگتی تھی۔

مسیلمہ نے رسولِ کریمؐ کی زندگی میں ہی نبوّت کا دعویٰ کیا تھا اور دو قاصدوں کے ہاتھ ایک خط ان الفاظ میں لکھا تھا:

"مسیلمہ رسول اللہ کی جانب سے، محمدؐ رسول اللہ کے نام۔ آپؐ پر سلامتی ہو۔ لعبدہٗ واضح ہو کہ میں رسالت میں آپؐ کا شریک بنایا گیا ہوں۔ لہٰذہ نصف زمین میری ہے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور نصف قریش کی مگر قریش انصاف نہیں کر رہے۔"

رسولِ اکرمؐ نے خط پڑھا اور قاصدوں سے پوچھا کہ مسیلمہ کے اس عجیب و غریب پیغام کے متعلق اُن کی کیا رائے ہے۔

"ہم وہی کہتے ہیں جو خط میں لکھا ہے"۔۔۔ ایک قاصد نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ رسول اللہؐ نے کہا۔۔۔"اگر قاصدوں کے قتل کو میں روا سمجھتا تو تم دونوں کے سر تن سے جُدا کر دیتا۔"

آپؐ نے مسیلمہ کو اُس کے خط کے جواب میں لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے متقی بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔"

اِس کے بعد مسیلمہ کو سب کذاب کہنے لگے اور اسلام کی تاریخ نے بھی اِسے مسیلمہ کذاب ہی کہا ہے۔

رسولِ خداؐ اُن دنوں بسترِ علالت پر تھے۔ آپؐ نے ضروری سمجھا کہ جس شخص نے یہ جسارت کی ہے کہ رسولِ کریمؐ سے زمین کا مطالبہ کر دیا ہے، اُس کی سرگرمیوں اور لوگوں پر اُس کے اثرات کو فوراً ختم کیا جائے۔ آپؐ کی نگاہ ایک شخص نہاراُ الرّجال پر پڑی۔ اس شخص نے اسلام قبول کر کے دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ قرآن کی آیات پر اُسے عبور حاصل تھا اور وہ عالم و فاضل کہلانے کے قابل تھا۔

رسولِ مقبولؐ نے اس شخص کو بلا کر ہدایات دیں کہ وہ یمامہ جائے اور لوگوں کو اسلامی تعلی[م] دے۔ آپؐ نے الرّجال کو اچھی طرح سمجھایا کہ مسیلمہ کے اثرات زائل کرنے ہیں تاکہ خون خرابے [کے] بغیر ہی یہ شخص گمنام اور اس کا دعویٰ بے اثر ہو جائے۔ رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل میں الرّجال روانہ [ہو گیا]

◇

مسیلمہ بن حبیب جو مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا تھا، رات کو اپنے دربار میں بیٹھا تھا۔ شرا[ب] کا دور چل رہا تھا۔ دربار میں اُس کے قبیلے کے سرکردہ افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب اُسے ا[للہ] کا رسول مانتے تھے۔ اُس نے اپنے مذہب کو اسلام ہی کہا تھا لیکن کچھ پابندیاں ہٹا دی تھیں۔ [شراب] اُس نے اپنی ایک آیت گھڑ کر اپنے پیروکاروں کو سنائی اور کہا کہ اُس پر وحی نازل ہوئی ہے کہ [شراب] حلال ہے۔ دیگر عیش و عشرت کو بھی اُس نے حلال قرار دے دیا تھا۔

اُس کا دربار جنّت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ نہایت حسین اور جوان لڑکیاں اُس کے دائیں با[ئیں] بیٹھی تھیں اور دو اُس کے پیچھے کھڑی تھیں۔ مسیلمہ کسی لڑکی کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر اور کسی کے گالوں کو تھپک کر اور کسی کے زانو پر ہاتھ رکھ کر بات کرتا تھا۔

ایک آدمی دربار میں آیا۔ وہ بیٹھا نہیں، کھڑا رہا۔ سب نے اُس کی طرف دیکھا۔ مسیلمہ نے جیسے اُس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہی نہ سمجھی ہو۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کسی کے کہے بغیر بیٹھ جائے گا مگر، وہ کھڑا رہا۔

"کیا تو ہم پر پہرہ دینے آیا ہے؟"۔۔۔ مسیلمہ نے اُسے کہا۔۔۔"یا تو اللہ کے رسول کے حکم [کے] بغیر بیٹھ جانا بدتہذیبی سمجھتا ہے؟"

"اللہ کے رسول!"۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔"ایک خبر لایا ہوں.... مدینہ سے ایک آدمی آیا [ہے]۔ وہ بہت دنوں سے یہاں ہے اور وہ ان لوگوں کو جنہوں نے کبھی اسلام قبول کیا تھا، بتاتا پھر [رہا] ہے کہ سچا رسول محمدؐ ہے اور باقی سب کذاب ہیں۔ میں نے خود اُس کی باتیں سنی ہیں۔ اُس کا [نام] نہاراُ الرّجال ہے۔"

"نہاراُ الرّجال؟"۔۔۔ دربار میں بیٹھے ہوئے دو آدمی بیک وقت بولے پھر ایک نے کہا۔۔۔ [وہ م]سلمانوں کے رسولؐ کا منظورِ نظر ہے۔ میں اُسے جانتا ہوں۔ اُس کے پاس علم ہے۔"

"ایسے شخص کو زندہ نہ چھوڑیں"۔۔۔ دربار میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے گرج کر کہا۔

"اے خدا کے رسول!"۔۔۔ ایک اور آدمی نے اُٹھ کر کہا۔۔۔"کیا تُو مجھے اجازت نہیں دے [گا] کہ میں اس بدبخت کا سر کاٹ کر تیرے قدموں میں رکھ دوں؟"

"نہیں"۔۔۔ مسیلمہ کذاب نے کہا۔۔۔"اگر وہ عالم ہے اور اُس نے محمدؐ کے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہے تو میں اُسے کہوں گا کہ میرے دربار میں آئے اور مجھے جھوٹا ثابت کرے۔ میں اُسے قتل نہیں ہونے دوں گا.... اُسے کل رات میرے پاس لے آنا۔ اُسے یقین دلانا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا۔"

◇

الرّجال کو مسیلمہ کے ایک آدمی نے کہا کہ اُسے "اللہ کے رسول" مسیلمہ بن حبیب نے اپنے ہاں مدعو کیا ہے۔

"کیا وہ میرے قتل کا انتظام یہیں نہیں کر سکتا تھا؟"۔۔۔ الرّجال نے کہا۔۔۔"میں اُسے اللہ کا رسول نہیں مانتا۔ مجھ پر یہ لازم نہیں کہ میں اُس کا حکم مانوں۔"

"وہ جہاں چاہے تمہیں قتل کرا سکتا ہے"۔۔۔ مسیلمہ کے ایلچی نے کہا۔۔۔"اس میں یہ طاقت بھی [ہ]ے کہ پھونک مار دے تو تیرا جسم مُردہ ہو جائے لیکن وہ تجھے زندہ دیکھنا اور رخصت کرنا چاہتا ہے۔"

مسلمانوں نے الرّجال سے کہا کہ وہ اِس کذاب کے ہاں نہ جائے۔

"یہ میری زندگی اور موت کا سوال نہیں"۔۔۔ الرّجال نے کہا۔۔۔"یہ صداقت اور کذب کا سوال [ہ]ے۔ اگر ایک کذاب کو صدق سے بہرہ ور کرنے میں میری جان چلی جاتی ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔"

"میں آؤں گا"۔۔۔ الرّجال نے کہا۔۔۔"آج ہی رات آؤں گا۔ مسیلمہ سے کہنا کہ تُو اگر سچا نبی ہے تو اپنے وعدے سے پھر نہ جانا۔"

ایلچی نے مسیلمہ کذاب کو الرّجال کا جواب بتایا۔ الرّجال یمامہ کے قلعے میں رہتا تھا۔ مشہور مورخ [طبر]ی نے لکھا ہے کہ مسیلمہ اپنے خاص مہمانوں کے لیے بڑا خوشنما خیمہ نصب کرایا کرتا تھا جس کی ساخت [مکا]ن جیسی ہوتی تھی۔ یہ خیمہ اندر سے بڑے دلفریب طریقوں اور کپڑوں سے سجایا جاتا تھا۔ صحرا کی [را]تیں سرد ہوتی تھیں اس لیے مسیلمہ خیمے میں بڑا خوبصورت آتش دان رکھوا دیا کرتا تھا۔ آتشدان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں وہ کوئی چیز یا ایسی جڑی بوٹی رکھ دیا کرتا تھا جس کی خوشبو عطر کی طرح ہوتی تھی لیکن یہ خوشبو جو اُس پر ایسا اثر کرتی تھی جیسے اس خیمے میں سونے والے کو ہپناٹائز کر لیا گیا ہو۔ مسیلمہ کا شکار بیہوش یا بے خبر نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ مسیلمہ کے اشاروں پر ناچنے لگتا تھا۔ خود مسیلمہ پر اس کا یہ اثر نہیں ہوتا تھا۔

مسیلمہ کذاب کو جب اطلاع ملی کہ الرّجال آ رہا ہے تو اُس نے اپنا مخصوص خیمہ نصب کرایا اور اس میں وہ تمام انتظامات کرا دیئے جو وہ کرایا کرتا تھا۔ اُس نے رات کے لیے آتش دان بھی رکھوا دیا۔

الرّجال آیا تو مسیلمہ نے باہر آکر اُس کا استقبال کیا۔

”تم ایک رسولؐ کے بھیجے ہوئے آدمی ہو“۔۔۔ مسیلمہ نے کہا۔۔۔ ”اور میں بھی رسول ہوں اس لیے تمہارا احترام میرا فرض ہے۔“

”میں صرف اُسے رسولؐ مانتا ہوں جس نے مجھے یہاں بھیجا ہے“۔۔۔ الرّجال نے کہا۔۔۔ ”اور میں تمہیں یہ کہتے ہوئے نہیں ڈروں گا کہ تم کذاب ہو۔“

مسیلمہ مسکرایا اور الرّجال کو خیمے میں لے گیا۔

تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خیمے میں مسیلمہ اور الرّجال کے درمیان کیا باتیں ہوئیں، کیسی سودا بازی یا یہ کیسا شعبدہ یا جادو تھا کہ الرّجال جب اگلی صبح خیمے سے نکلا تو اُس کے مُنہ سے پہلی بات یہ نکلی کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے، اُس نے یہ بھی کہا۔۔۔ ”میں نے محمدؐ کو بھی یہ کہتے سنا ہے کہ مسیلمہ سچّا نبی ہے۔“

الرّجال کی حیثیت صحابی کی سی تھی اس لیے مسلمانوں نے اُس پر اعتبار کیا۔ الرّجال بنو حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ الرّجال کا اعلان سُن کر بنو حنیفہ کے لوگ جوق در جوق مسیلمہ کو اللہ کا رسول مان کر اُس کی بیعت کو آ گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مسیلمہ نے یہ سوچ کر الرّجال کو قتل نہیں کرایا تھا کہ وہ عالم ہے اور صحابی کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اسے ہاتھ میں لے لیا جائے تو بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ اس شخص کو ہاتھ میں لینے کے لیے آتش دان کا اور اپنی زبان کا جادو چلایا اور الرّجال کو اپنا دستِ راست بنا لیا۔

الرّجال نے مسیلمہ کی جھوٹی نبوّت میں روح پھونک دی۔ اکثر ماں باپ اپنے نوزائیدہ بچّوں کو رسولِ کریمؐ کے پاس لایا کرتے تھے اور آپؐ بچّے کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ الرّجال نے مسیلمہ کذاب کو مشورہ دیا کہ وہ بھی نوزائیدہ بچّوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا کرے۔ مسیلمہ کو یہ بات اچھی لگی۔ اُس نے کئی نوزائیدہ بچّوں اور بچّیوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ بچے جب سنِ بلوغت میں داخل ہوئے تو اُن کے سروں کے بال اس طرح جھڑ گئے کہ کسی مرد یا عورت کے سر پر ایک بھی بال نہ رہا۔ اُس وقت تک مسیلمہ کو مرے ہوئے زمانہ گزر گیا تھا۔

◇

اس دوران ایک عورت نے بھی نبوّت کا دعویٰ کیا۔ اس کا نام سجاح تھا۔ وہ الحارث کی بیٹی تھی۔ اُسے اُمِ سادرہ بھی کہا جاتا تھا۔ اُس کی ماں عراق کے ایک قبیلے سے تھی اور باپ بنو یربوع سے تعلق رکھتا

تھا۔ الحارث اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ سجاح بچپن سے خودسر اور آزاد خیال تھی۔ وہ چونکہ سرداروں کے خاندان میں جنی پلی تھی اس لئے دوسروں پر حکم چلانا اُس کی سرشت میں شامل تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر ذہین اور عقل مند نکلی۔ ایک دو مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ غیب دان بھی تھی اور وہ آنے والے حالات کو قبل از وقت جان لیتی تھی۔ اس کے متعلق اختلاف رائے بھی پایا جاتا ہے لیکن یہ بات سب نے متفقہ طور پر کہی ہے کہ سجاح قدرتی طور پر شاعرہ تھی۔ ہر بات منظوم کرتی تھی۔ اُس کی زبان میں چاشنی تھی۔ اُس کی ماں کا قبیلہ عیسائی تھا اس لیے سجاح نے بھی عیسائیت کو ہی پسند کیا۔

سجاح کے کانوں میں یہ خبریں پڑیں کہ طلیحہ اور مسیلمہ نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ اُن کی بیعت کر رہے ہیں تو اُس نے بھی نبوّت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ جوان ہو چکی تھی۔ خدا نے اُسے دیگر اوصاف کے علاوہ حُسن بھی دیا تھا۔ اُس کے سراپا میں اور چہرے پر ایسا تاثر تھا کہ لوگ مسحور ہو کر اُسے نبی مان لیتے تھے بہت سے لوگ اُس کی شاعری سے متاثر ہوئے۔

وہ صرف نبی بن کے کہیں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے پیرکاروں کی ایک فوج تیار کر لی اور بنی تمیم کے ہاں جا پہنچی۔ ان قبائل کے جو سردار تھے، وہ رسولؐ اکرم کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ یہ تھے زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم، وکیع بن مالک اور مالک بن نویرہ۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کو اپنے پاس بلایا اور اُسے کہا کہ وہ مدینہ کو تہِ تیغ کرنے آئی ہے اور بنی تمیم اُس کا ساتھ دیں۔

مالک بن نویرہ نے اُسے بتایا کہ کئی قبیلے اُسے پسند نہیں کرتے۔ پہلے انہیں زیر کرنا ضروری ہے۔ سجاح زیر کرنے کا مطلب کچھ اور سمجھتی تھی۔ اُس کے پاس اچھا خاصا لشکر تھا۔ مالک نے اس میں اپنی فوج شامل کر دی اور قبیلوں کی بستیوں پر حملہ آور ہوئے۔ قبیلے ان کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے گئے لیکن سجاح نے انہیں یہ کہنے کی بجائے کہ اُسے نبی مانیں، اُن کے گھر لُوٹ لئے اور اُن کے مویشی چھین لئے۔ اس مالِ غنیمت سے اُس کا لشکر بہت خوش ہوا۔

اُس کی لُوٹ مار کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ سجاح ایک مقام نباج پہنچی اور اس علاقے کی بستیوں میں لُوٹ مار شروع کر دی لیکن یہ قبیلے متحد ہو گئے اور سجاح کو شکست ہوئی۔ وہ ایک اور ہلّہ کرنا چاہتی تھی لیکن اُسے ایک مجبوری کا سامنا تھا۔ اُس کے لشکر کے کئی سرداروں کو نباج کے قبیلوں نے پکڑ کر قید میں ڈال دیا تھا۔ سجاح نے اپنا ایلچی ان قیدیوں کی رہائی کے لیے بھیجا۔

”پہلے اس علاقے سے کُوچ کرو“۔۔۔ قبیلوں کے سرداروں نے ایلچی سے کہا۔۔۔ ”تمہیں تمہارے قیدی مل جائیں گے۔“

سجاح نے یہ شرط قبول کر لی اور اپنے سرداروں کو آزاد کرا کے اُس علاقے سے نکل گئی۔ اُس کے سرداروں نے اُس سے پوچھا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔

”یمامہ“۔۔۔ سجاح نے کہا۔۔۔ ”وہاں مسیلمہ بن حبیب کوئی شخص ہے جس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اُسے تلوار کی نوک پر رکھنا ضروری ہے۔“

”لیکن یمامہ کے لوگ جنگ و جدل میں بہت سخت ہیں“۔۔۔ ایک سردار نے اُسے کہا۔۔۔ ”اور مسیلمہ بڑا طاقتور ہے۔“

سجاح نے کچھ اشعار پڑھے جن میں اُس نے اپنے لشکر سے کہا تھا کہ ہماری منزل یمامہ ہے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسیلمہ کذاب نے اپنے جاسوسوں کو دُور دُور تک پھیلایا ہُوا تھا۔ اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک لشکر یمامہ کی طرف بڑھا آرہا ہے۔ مسیلمہ نے معلوم کرالیا کہ یہ سجاّح کا لشکر ہے۔ اُس نے الرّجال کو بلایا۔

"کیا تم نے سُنا ہے کہ سجاّح کا لشکر آرہا ہے الرّجال؟" مسیلمہ نے کہا۔ "لیکن میں اس سے لڑنا نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی فوج موجود ہے جس کا سپہ سالار عکرمہ ہے۔ کیا ہمارے لئے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سجاّح اور عکرمہ کی ٹکر ہو جاتے اور جب دونوں لشکر آپس میں اُلجھے ہوتے ہوں، اُس وقت ہم اُس پر حملہ کر دیں؟"

"اگر اُن کی ٹکر نہ ہوئی تو تم کیا کرو گے؟" — الرّجال نے کہا۔

"پھر میں سجاّح کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کروں گا" — مسیلمہ نے کہا

صورت وہی پیدا ہوگئی۔ سجاّح اور عکرمہ کی فوجیں ایک دوسرے سے بے خبر رہیں اور سجاّح یمامہ کے بالکل قریب آگئی۔ مسیلمہ نے اپنا ایک ایلچی سجاّح کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سجاّح اُسے ملنے اُس کے پاس آتے تاکہ دوستی کا معاہدہ کیا جا سکے۔ سجاّح نے جواب بھیجا کہ وہ آرہی ہے لیکن مسیلمہ کو قبل از وقت اطلاع مل گئی کہ سجاّح اپنے لشکر کو ساتھ لے کر آرہی ہے۔ اُس نے سجاّح کو پیغام بھیجا کہ لشکر کو ساتھ لانے سے میں یہ سمجھوں گا کہ تم دوستی کی نیت سے نہیں آرہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتی ہو کہ اپنے چند ایک محافظوں کو ساتھ لے آؤ۔

"یا رسول!" مسیلمہ کے ایک درباری نے اُسے کہا۔ "سنا ہے سجاّح کا لشکر اتنا بڑا ہے کہ یمامہ کی وہ اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔"

"اور یہ بھی سنا ہے" — ایک اور نے کہا — "کہ وہ قتل و غارت اور لُوٹ مار کر کے آگے چلی جاتی ہے۔ اُس سے وہی محفوظ ہے جو اُس کی نبوّت کو تسلیم کر لیتا ہے۔"

"کیا تم مجھے ڈرا رہے ہو؟" مسیلمہ نے پوچھا — "کیا تم یہ مشورہ دینا چاہتے ہو کہ میں اپنی نبوّت سے دستبردار ہو کر اُس کی نبوّت کو تسلیم کر لوں؟"

"نہیں اللہ کے رسول!" — اُسے جواب ملا — "ہمارا مطلب احتیاط سے ہے۔ وہ کوئی اپنا ہاتھ نہ دکھا جاتے۔"

مسیلمہ نے قہقہہ لگایا اور بولا — "تم شاید میری صورت دیکھ کر یہ مشورہ دے رہے ہو۔ کیا تم مجھے کوئی ایسی عورت دکھا سکتے ہو جو میرے پاس آئی ہو اور میری گرویدہ نہ ہو گئی ہو؟.... سجاّح کو آنے دو۔ وہ آئے گی، جائے گی نہیں اور وہ زندہ بھی رہے گی۔"

◇

وہ آگئی اور وہ لشکر کے بغیر آئی۔ یمامہ کے لوگوں نے اُسے دیکھا اور آوازیں سنائی دیں —
"اتنی خوبصورت اور اتنی طرحدار عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی.... اگر نبوّت حُسن پر ملتی ہے تو اس عورت کو نبوّت مل سکتی ہے۔"

اُس کے ساتھ چالیس محافظ تھے جو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت جوان تھا۔ کمر سے تلواریں لٹک رہی تھیں اور اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔

سجاّح جب قلعے کے دروازے پر پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ اُسے دیکھ کر بھی کسی نے دروازہ نہ کھولا

"کیا ایسا آدمی خدا کا رسول ہو سکتا ہے جو مہمان کو بلا کر دروازہ بند رکھتا ہے؟" — سجاّح نے بلند آواز سے کہا — "کیا وہ نہیں جانتا کہ وہ اُس عورت کی توہین کر رہا ہے جسے خدا نے نبوّت عطا کی ہے؟"

"معزّز مہمان!" — قلعے کے اوپر سے آواز آئی — "تم پر سلامتی ہو۔ ہمارے رسول نے کہا ہے کہ محافظ باہر رہیں اور مہمان [illegible] اجاتے۔"

"دروازہ کھول دو" — سجاّح نے دلیری سے کہا اور اپنے محافظوں سے کہا — "تم سب قلعے سے دُور چلے جاؤ۔"

"لیکن ہم ایک اجنبی پر کیسے اعتبار کرسکتے ہیں؟" — محافظ دستے کے سردار نے کہا۔

"اگر سورج غروب ہوتے تک میں واپس نہ آئی تو اس قلعے کو ملبے کا ڈھیر بنا دینا" — سجاّح نے کہا — "اور اس شہر کے ایک بچّے کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ میری لاش کو مسیلمہ اور اس کے خاندان کے خون سے نہلا کر یہیں دفن کر دینا..... لیکن مجھے یقین ہے کہ میں قلعے سے کچھ لے کر نکلوں گی۔"

محافظ چلے گئے اور دروازہ کُھل گیا مگر اُس کے استقبال کے لیے مسیلمہ موجود نہیں تھا۔ اُس کے حکم کے مطابق دروازے پر کھڑے دو گھوڑ سوار اُسے قلعے کے صحن میں لے گئے جہاں ایک چوکور خیمہ نصب تھا۔ اس کے اِردگِرد درخت اور پودے تھے اور نیچے گھاس تھی۔ سجاّح کو خیمے میں داخل کر دیا گیا۔ اندر کی سجاوٹ نے اُسے مسحور کر دیا مگر مسیلمہ وہاں نہیں تھا۔ وہ بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد مسیلمہ خیمے میں داخل ہُوا۔ سجاّح نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس مسکراہٹ میں تمسخر تھا۔ سجاّح نے اتنا بدصورت آدمی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اتنے چھوٹے قد کا آدمی شاذ و نادر ہی کبھی نظر آتا تھا۔

"کیا تم نے نبوّت کا دعویٰ کیا ہے؟" — سجاّح نے اُس سے طنزیہ لہجے میں پُوچھا۔

"دعویٰ کرنا کچھ اور بات ہے!" — مسیلمہ نے سجاّح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا — "یہ سچ ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہُوا رسول ہوں۔ میں محمدؐ کو رسول نہیں مانتا لیکن اُس نے اپنی رسالت منوالی ہے۔ لوگ اس لیے مان گئے ہیں کہ قبیلہ قریش کی تعداد اور طاقت بہت زیادہ ہے۔ اُنہوں نے اب دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا ہے۔"

طبری نے چند ایک حوالوں سے لکھا ہے کہ مسیلمہ نے سجاّح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اُس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔ بہت عرصہ بعد سجاّح نے کسی موقع پر کہا تھا کہ اُس نے اُن چھوٹی چھوٹی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالیں تو مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے ٹھگنا سا بدصورت آدمی پُراسرار سا ایک اثر بن کر آنکھوں کے راستے میرے وجود میں اُتر رہا ہے۔ مجھے اطمینان سا ہونے لگا کہ یہ شخص مجھے قتل نہیں کرے گا [illegible] اتو اس احساس نے مجھے بے بس کر دیا کہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں اس کے وجود میں سما جاؤں گی اور میرا وجود ختم ہو جائے گا۔

"اگر تم نبی ہو تو کوئی الہامی بات کرو" — سجاحؔ نے اُسے کہا۔

"تم نے کبھی سوچا ہے تم کس طرح پیدا ہوئی تھیں؟" — مسیلمہ نے ایسے انداز سے کہا جیسے شعر پڑھ رہا ہو — "تم نے شاید یہ بھی نہیں سوچا کہ جس طرح تم پیدا ہوئی تھیں اسی طرح تم بھی انسانوں کو پیدا کرو گی مگر تنہا نہیں . . . . مجھے خدا نے بتایا ہے" — اُس نے قرآن کی آیات کی طرز کے الفاظ بولے — "وہ ایک زندہ وجود سے زندہ وجود پیدا کرتا ہے۔ پیٹ سے، انتڑیوں سے۔ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ عورت مانند ظرف کے ہے جس میں کچھ ڈال کر نکالا جاتا ہے ورنہ ظرف بیکار ہے۔"

سجاحؔ مسحور ہوتی چلی گئی۔ مسیلمہ شاعروں کے لب و لہجے میں باتیں کرتا رہا۔ سجاحؔ نے محسوس ہی نہ کیا کہ مسیلمہ اُس کے جذبات کو مشتعل کر رہا ہے اور وہ یہ بھی محسوس نہ کر سکی کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ تم آج رات یہیں رہنا چاہو گی" — مسیلمہ نے کہا — "اگر چہرے دیکھنے ہیں تو تم دن ہو اور میں رات ہوں مگر تم نے اس پر بھی غور نہیں کیا ہو گا کہ دن پر رات کیوں غالب آجاتی ہے اور دن اپنا سورج رات کی تاریک گود میں کیوں ڈال دیتا ہے۔ یہ ہر روز ہوتا ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ رات سورج کی چمک دمک کو کھا نہیں جاتی۔ بڑے پیار سے اُسے جگا کر دوسرے اُفق پر رکھ دیتی ہے۔"

"ہاں مسیلمہ!" — سجاحؔ نے کہا — "میرا جی چاہتا ہے کہ میں مان لوں کہ تم سچے نبی ہو۔ اتنا بدصورت آدمی اتنی خوبصورت باتیں نہیں کر سکتا۔ کوئی غیبی طاقت ہے جو تم سے اتنی اچھی باتیں کرا رہی ہے" — وہ چونک پڑی اور بولی — "سُورج غروب ہو گیا ہے۔ اگر میں نے قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر اپنے محافظوں کو یہ نہ بتایا کہ میں زندہ ہوں تو تمہاری بستی کی گلیوں میں خون بہنے لگے گا۔"

مسیلمہ نے اُسے اپنے دو محافظوں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر بھیج دیا اور خیمے میں رکھا ہوا آتش دان جلانے کا حکم دیا۔ فانوس بھی روشن ہو گئے۔ مسیلمہ نے آتش دان میں چھوٹی سی کوئی چیز رکھ دی۔ کمرے میں خوشبو پھیلنے لگی۔

سجاحؔ واپس خیمے میں آئی تو اُس پر خمار سا طاری ہو گیا۔ وہ عام سی عورتوں کی طرح رومان انگیز باتیں کرنے لگی۔

"کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ ہم میاں بیوی بن جائیں؟" — مسیلمہ نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی" — سجاحؔ نے مخمور سی آواز میں جواب دیا۔

صبح طلوع ہوئی تو سجاحؔ اس انداز سے باہر نکلی جیسے دُلہن اپنی پسند کے دولہا کے ساتھ ازدواجی زندگی کی پہلی رات گذار کے نکلی ہو۔ قلعے میں شادیانے بجنے لگے۔ سجاحؔ کے لشکر تک یہ خبر

پہنچی کہ سجاحؔ نے مسیلمہ کے ساتھ شادی کر لی ہے۔

یہ شادی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئی۔ ارتداد کے دو لشکر متحد ہو گئے، لیکن یہ اتحاد جلدی بکھر گیا کیونکہ مسیلمہ نے سجاحؔ کو دھوکہ دیا اور وہ دل برداشتہ ہو کر عراق اپنے قبیلے میں چلی گئی۔ مسیلمہ نے اپنے لیے ایک بہت بڑے خطرے کو ختم کر دیا تھا۔ سجاحؔ کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ نبوت کے دعوے سے دستبردار ہو گئی۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گئی اور کوفہ چلی گئی تھی۔ اُس نے بڑی لمبی عمر پائی اور متقی اور پارسا مسلمان کی حیثیت سے مشہور رہی۔

◇

رسولِ اکرمؐ کے وصال کے ساتھ ہی ہر طرف بغاوت اور عہد شکنی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ایک طوفان صحابہ کرامؓ کے اپنے ہاں اُٹھا۔ یہ خلیفۂ اوّل کے انتخاب کا مسئلہ تھا۔ خلافت کے امیدواروں نے اپنا اپنا حق جتایا اور کچھ تناؤ سا بھی پیدا ہو گیا۔ ابوبکرؓ نے آخر یہ فیصلہ حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ پر چھوڑا اور کہا کہ یہ دونوں جسے پسند کریں اُسے سب خلیفہ مان لیں۔

"آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں" — عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نے آپس میں بات کر کے فیصلہ ابوبکرؓ کے حق میں دیا اور اُن سے کہا — "غار میں آپ رسول اللہؐ کے رفیق اور نماز پڑھانے میں ان کے قائم مقام رہے ہیں۔ دین کے احکام میں نماز سب سے افضل ہے۔ ہمیں ایسا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو آپ سے برتر ہو۔ بلاشک آپ خلافت کے حقدار ہیں۔"

سب سے پہلے عمرؓ نے آگے بڑھ کر ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد ابوعبیدہؓ اور ان کے بعد بشیرؓ بن سعد نے بیعت کی۔ جب اعلانِ عام ہوا کہ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ ہوں گے تو لوگ بیعت کے لیے دوڑے آئے۔

مسجدِ نبوی میں بیعتِ عام ہوئی۔ ابوبکرؓ نے پہلا خطبۂ خلافت دیا:

"لوگو! خدا کی قسم، میں نے خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی تھی، نہ کبھی دل میں نہ کبھی ظاہری طور پر اس کے لیے اللہ سے دُعا کی تھی، لیکن اس ڈر سے یہ بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پر اُٹھا لیا کہ اختلاف جھگڑے کی صورت اختیار نہ کر جائے، ورنہ خلافت اور امارت میں مجھے کوئی راحت نظر نہیں آتی۔ ایک بوجھ مجھ پر ڈال دیا گیا ہے جسے اُٹھانے کی طاقت مجھ میں کم ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس بوجھ کو اُٹھا نہیں سکوں گا۔ مجھے تم نے اپنا امیر بنایا ہے۔ میں تم سے بہتر اور برتر تو نہ تھا۔ اگر میں کوئی اچھا کام کروں تو میری مدد کرو۔ کوئی غلطی کر گزروں تو مجھے روک دو۔ تم میں سے جو کمزور ہے، میں اسے طاقتور سمجھتا ہوں۔ میں اُسے اُس کا حق دلاؤں گا۔ تم میں سے جو طاقتور ہے، اُسے میں کمزور سمجھوں گا اور اُسے اُس حق سے محروم کر دوں گا جس کا وہ حقدار نہیں۔ میں جب تک اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو۔ اگر میں انحراف کروں تو میرا ساتھ چھوڑ دینا۔"

◇

خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے سب سے پہلا یہ حکم دے کر کہ اسامہؓ کا لشکر رومیوں کے خلاف جائے گا، سب کو چونکا دیا۔ یہ موقع کسی اور جنگی مہم کے لیے موزوں نہ تھا۔ رومیوں پر حملہ بہت بڑی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کی پوری جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن دوسری طرف یہ صورت پیدا ہو گئی تھی کہ بیشتر قبیلوں نے نہ صرف بغاوت کر دی تھی بلکہ بعض نے مدینہ پر حملے کے لیے متحد ہونا شروع کر دیا تھا۔ یہودی اور نصرانی خاص طور پر مدینہ کے خلاف سرگرم ہو گئے۔ اس کے علاوہ جھوٹے پیغمبروں نے الگ محاذ بنا لیے تھے۔ طلیحہ اور خصوصاً مسیلمہ تو جنگی طاقت بن گئے تھے۔ اسلام بہت بڑے خطرے میں آ گیا تھا۔

ابوبکرؓ کے حکم کا پس منظر یہ تھا کہ تبوک اور مُوتہ کے معرکوں کے بعد رسولِ اکرمؐ نے یہ ضروری سمجھا تھا کہ رومیوں پر حملہ کر کے اُن کا دم خم توڑا جائے۔ تبوک اور مُوتہ کے معرکوں میں تو یہ کامیابی حاصل کی گئی تھی کہ اُن قبیلوں کو مطیع کر لیا گیا تھا جن کا خطرہ تھا کہ وہ رومیوں کے ساتھ اتحاد کر لیں گے اب رومیوں کو ختم کرنا ضروری تھا۔ یہ فیصلہ ملک گیری کی خاطر نہیں بلکہ نظریاتی دفاع کے لیے کیا گیا تھا۔ یہودی اور نصرانی اسلام کے خلاف رومیوں کے کیمپ میں چلے گئے تھے۔

رسولؐ اللہ نے رومیوں پر حملے کے لیے ایک لشکر تیار کیا تھا جس میں مہاجرین اور انصار کے سرکردہ افراد بھی شامل تھے۔ اس لشکر کے سپہ سالار زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہؓ تھے۔ اُن کی عمر بمشکل بیس سال تھی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اسامہؓ کو رسولِ کریمؐ نے اس لیے سپہ سالار مقرر کیا تھا کہ نوجوانوں میں قیادت کا شوق پیدا ہو اور وہ اپنے آپ میں اسامہؓ جیسی صلاحیتیں پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اسامہؓ کو رسولِ کریمؐ ویسے بھی بہت چاہتے تھے۔ اسامہؓ کے والد زیدؓ بن حارثہ جنگِ مُوتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اسامہؓ میں لڑکپن میں ہی عسکری صلاحیتیں اور شجاعت پیدا ہو گئی تھی۔ جنگِ اُحد کے وقت اسامہؓ بچے تھے اس لیے اُس جنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا تو اسامہؓ راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب لشکر ان کے قریب سے گذرا تو وہ لشکر میں شامل ہو گئے۔ اُن کی مراد پھر بھی پوری نہ ہوئی۔ انہیں میدانِ جنگ میں دیکھ لیا گیا اور واپس بھیج دیا گیا۔ البتہ حنین کی جنگ میں انہوں نے سب کو دکھا دیا کہ شجاعت کیا ہوتی ہے۔

جب رسولِ مقبولؐ نے اسامہؓ کو رومیوں پر حملہ کرنے والے لشکر کی سالاری سونپی تھی تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ جس لشکر میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے اعلیٰ حیثیت اور تجربے کے بزرگ شامل ہیں، اُس لشکر کی سپہ سالاری کل کے بچے کو دینا مناسب نہیں۔

یہ اعتراض رسولؐ اللہ تک اُس وقت پہنچا جب آپؐ زندگی کے آخری بخار میں مبتلا تھے۔ آپؐ میں بولنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ آپؐ نے بخار سے ذرا نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی ازواج سے کہا کہ آپؐ کو غسل کرائیں۔ آپؐ پر پانی کے سات مشکیزے ڈالے گئے۔ اس سے بخار خاصا کم ہو گیا۔ نقاہت زیادہ تھی، پھر بھی آپؐ مسجد میں چلے گئے جہاں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں اعتراض کرنے والے سرکردہ افراد بھی تھے۔

"اے لوگو!"—— رسولؐ اللہ نے فرمایا—— "اسامہؓ کے لشکر کو کُوچ کرنے دو۔ تم نے اُس کی سپہ سالاری پر اعتراض کیا ہے۔ تم نے اس کے باپ کی سپہ سالاری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ میں اسامہؓ کو اس منصب کے قابل

سمجھتا ہوں۔ اس کے باپ کو بھی میں نے اس منصب کے قابل سمجھا تھا، اور تم نے دیکھا کہ میں نے سپہ سالاری اُسے سونپ کر غلطی نہیں کی تھی۔"

اعتراض ختم ہو گیا اور رومیوں کے خلاف لشکر کُوچ کر گیا لیکن جرف کے مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ رسولِ کریمؐ کی بیماری تشویشناک صورت اختیار کر گئی ہے۔ اسامہؓ میں نوجوانی میں ہی بزرگوں جیسی دُور اندیشی پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے لشکر کو جرف کے مقام پر روک لیا اور خود رسولؐ اللہ کو دیکھنے مدینہ آئے۔ ایک تحریر میں اسامہؓ کا بیان ان الفاظ میں ملتا ہے:

"اطلاع ملی کہ رسولؐ اللہ کی حالت بگڑ گئی ہے تو میں اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ مدینہ آیا۔ ہم سیدھے رسولؐ اللہ کے حضور گئے۔ آپؐ پر نقاہت طاری تھی، اتنی کہ بول بھی نہ سکتے تھے۔ آپ نے دو تین بار ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف کئے اور ہر بار ہاتھ میرے اوپر رکھ دیئے۔ میں سمجھ گیا کہ حضورؐ میرے لیے دعا کر رہے ہیں۔"

دوسرے روز اسامہؓ پھر آپؐ کے حضور گئے اور کہا—— "یا رسولؐ اللہ! لشکر جرف میں میرا منتظر ہے۔ اجازت فرمایئے۔"

رسولؐ اللہ نے ہاتھ اوپر اُٹھائے مگر ہاتھ زیادہ نہ اُٹھ سکے۔ ضعف بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اسامہؓ دل پر غم کا بوجھ آنکھوں میں آنسو لے کر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد رسولِ کریمؐ وصال فرما گئے۔ قاصد اسامہؓ کے پیچھے دوڑا اور راستے میں جا لیا۔ اسامہؓ نے حضورؐ کے وصال کی خبر سنی۔ گھوڑا سرپٹ دوڑایا۔ اپنے لشکر تک پہنچے۔ حضورؐ کے وصال کی خبر نے لشکر میں کہرام بپا کر دیا۔ اسامہؓ لشکر کو مدینے لے آئے۔

◇

خلیفۂ اوّل کی بیعت ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسامہؓ کو بلا کر پوچھا کہ رسولؐ اللہ نے انہیں کیا حکم دیا تھا۔

"یہ حکم تو آپ کو بھی معلوم ہے"—— اسامہ نے جواب دیا—— "مجھ سے ہی سننا ہے تو سُن لیں۔ رسولؐ اللہ نے حکم دیا تھا کہ میں فلسطین میں بلقاء اور دوام کی سرحد سے آگے جا کر رومیوں پر حملہ کروں لیکن وہاں تک لشکر اس طرح پہنچے کہ دشمن کو حملے تک لشکر کی آمد کی خبر تک نہ ہو سکے۔"

"جاؤ اسامہؓ!"—— ابوبکرؓ نے کہا—— "اپنا لشکر لے جاؤ اور رسولؐ اللہ کے حکم کی تعمیل کرو۔"

لشکر کو جب یہ حکم ملا تو ابوبکرؓ پر اعتراض ہونے لگے۔ سب کہتے تھے کہ جب ہر طرف سے خطروں کے طوفان نے گھیر لیا ہے، اتنی بڑی جنگ، اور وہ بھی اتنی دُور، شروع نہیں کرنی چاہیے۔ اس لشکر کی اُن فتنوں کی سرکوبی کے لیے ضرورت ہے جو بڑی تیزی سے اُٹھ رہے ہیں۔

"قسم ہے اُس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے"—— ابوبکرؓ نے کہا—— "اگر مجھے جنگل کے درندے چیرنے پھاڑنے کے لئے آجائیں تو بھی میں اسامہؓ کے لشکر کو نہیں روکوں گا۔ میں اُس حکم کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں جو رسولؐ اللہ نے اپنی زندگی میں دیا تھا۔ میں اگر مدینہ میں اکیلا رہ گیا تو بھی میں اس لشکر کو نہیں روکوں گا۔"

"تم پر سلامتی ہو ابوبکرؓ!"—— عمرؓ نے کہا—— "اعتراض کرنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ لشکر کو بھیجنا ہی ہے تو سپہ سالاری اسامہؓ کی بجائے کسی تجربہ کار آدمی کو دیں۔"

"اے ابنِ خطاب!"—— ابوبکرؓ نے جواب دیا—— "کیا تم بھول گئے ہو کہ اسامہؓ کو رسولؐ اللہ نے سپہ سالار مقرر کیا تھا؟ کیا تم جرأت کرو گے کہ رسولؐ اللہ کے حکم کو منسوخ کر دو؟"

"میں ایسی جرأت نہیں کروں گا"—— عمرؓ نے کہا—— "مجھ میں اتنی جرأت نہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"میری سُن ابنِ خطاب!" ــــ ابوبکرؓ نے کہا ــــ "اپنی قوم کو دیکھ۔ پوری قوم غم سے نڈھال ہے۔ غم کے ساتھ ساتھ ایک خوف ہے جو ہر کسی کے دل میں اُترتا جا رہا ہے۔ یہ خوف اُن بغاوتوں کا ہے جو ہمارے اردگرد اُٹھ رہی ہیں۔ ہر روز ایک خبر آتی ہے کہ آج فلاں قبیلہ باغی ہو گیا ہے۔ بعض قبیلے اسلام سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسلام بھی خطرے میں آ گیا ہے مدینہ بھی۔ یہودیوں اور نصرانیوں نے بڑی خوفناک افواہیں پھیلانی شروع کر دی ہیں۔ ان سے اور زیادہ خوف پھیل رہا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں پر حملہ روک لیا تو دو نقصان ہوں گے۔ ایک یہ کہ قوم سمجھے گی کہ ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ دوسرا نقصان یہ کہ رومی اور مجوسی ہمیں کمزور سمجھ کر ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ میں قوم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کمزور نہیں ہو گئے۔ رسول اللہؐ کی رُوحِ مقدس ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں قوم کے حوصلے اور جذبے پہلے کی طرح مضبوط رکھنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہؐ کے نقشِ قدم پر چلنا میرا فرض ہے۔"

عمرؓ کو اِس استدلال نے مطمئن کر دیا۔ ابوبکرؓ نے کُوچ کا حکم دے دیا۔

◇

اسامہؓ کا لشکر روانہ ہُوا تو ابوبکرؓ کچھ دُور تک پیدل ہی ساتھ چل پڑے۔ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ایک سپہ سالار اور وہ بھی نوجوان، گھوڑے پر سوار تھا اور خلیفہ اُس کے ساتھ ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ ہر کسی کو دکھانا چاہتے تھے کہ سپہ سالار اسامہؓ تعظیم و تکریم کے قابل ہے۔

"اے خلیفۂ رسولؐ!" ــــ اسامہؓ نے کہا ــــ "آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔"

"نہ میں سوار ہوں گا نہ تم پیدل چلو گے" ــــ ابوبکرؓ نے کہا ــــ "میں رُوحانی تسکین محسوس کر رہا ہوں کہ اللہ کی راہ کی گرد میرے پاؤں پر بھی پڑ رہی ہے۔"

عمرؓ بھی لشکر میں شامل تھے۔ ابوبکرؓ کو محسوس ہُوا کہ انہیں مدینہ میں عمرؓ کی ضرورت ہو گی۔

"اسامہؓ!" ــــ خلیفہ نے سپہ سالار سے کہا ــــ "اگر تم اجازت دو تو میں عمرؓ کو مدینہ میں رکھ لوں۔ مجھے اس کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

اسامہ نے عمرؓ کو لشکر سے نکال کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ابوبکرؓ بہت بوڑھے تھے۔ ایک جگہ رُک گئے۔ اسامہؓ نے لشکر کو روک لیا۔ ابوبکرؓ نے ذرا بلند جگہ کھڑے ہو کر لشکر سے خطاب کیا:

"اسلام کے مجاہدو! میں تمہیں دس نصیحتیں کرتا ہوں۔ انہیں یاد رکھنا۔ خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا، چوری نہ کرنا، دشمن کی لاشوں کے اعضا نہ کاٹنا، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور پھلوں کے درخت نہ کاٹنا، کھانے کی غرض کے سوا کسی جانور کو ذبح نہ کرنا، تمہیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں نظر آئیں گی جن میں تارک الدنیا لوگ بیٹھے ہوں گے، انہیں پریشان نہ کرنا۔ کسی بستی کے لوگ برتنوں میں تمہارے لیے کھانا لائیں گے۔ یہ کھانا اللہ کا نام لے کر کھانا۔ تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے سروں میں شیطان کے گھونسلے بنا رکھے ہیں۔ ان کے سروں کے درمیان کا حصہ مُنڈا ہوا ہو گا اور باقی بال بہت لمبے لمبے ہوں گے۔ انہیں قتل کر دینا۔ اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔ خدا حافظ مجاہدو! اللہ تمہیں شکست اور وبا سے محفوظ رکھے۔"

لشکر کی مدینہ سے روانگی کی تاریخ ۲۴ جون ۶۳۲ء (یکم ربیع الثانی ۱۱ ہجری) تھی۔

◇

یہ کہانی چونکہ "شمشیرِ بے نیام" کی ہے اس لیے ہم وہ واقعات بیان کریں گے جن کا تعلق خالدؓ بن ولید سے ہے۔ رسول اللہؐ نے خالدؓ کو "اللہ کی تلوار" کہا تھا۔

اسامہؓ کے لشکر کے متعلق اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ انہوں نے صرف چالیس دنوں میں رومیوں کے خلاف وہ کامیابی حاصل کر لی جو رسولؐ کریم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسامہؓ سپہ سالاری کے ہر پہلو پر پورے اُترے اور جب وہ فتح یاب ہو کر مدینہ میں آئے تو اُن سب نے انہیں گلے لگایا جنہوں نے اُن کی سپہ سالاری پر اعتراض کئے تھے۔

دوسری بڑی جنگ مرتدین کے خلاف تھی۔ ابوبکرؓ نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کے سالار مقرر کئے اور اُن کے لیے محاذ مقرر کر دیئے یعنی ہر سالار کو ایک ایک علاقہ بتا دیا گیا جہاں انہیں حملہ کرنا تھا۔ اس تقسیم میں ابوبکرؓ نے خاص طور پر خیال رکھا تھا کہ ہر دشمن کی طاقت اور لڑنے والی نفری دیکھ کر اس کے مطابق سالار مقرر کئے جائیں۔ سب سے زیادہ طاقتور اور مکار دو مُرتد تھے۔ ایک طلیحہ اور دوسرا مسیلمہ۔ اُن دونوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے ہزارہا پیروکار پیدا کر لیے تھے۔ خالدؓ بن ولید کو ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ وہ طلیحہ کی بستیوں پر حملہ کریں اور اُس سے فارغ ہو کر بطاح کا رُخ کریں جہاں بنی تمیم کے سردار مالک بن نویرہ نے بغاوت کر دی تھی۔

تمام سالار اپنے اپنے محاذوں اور مہموں کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ اپنی مہم کے علاقے میں حسبِ عادت اتنی تیزی سے پہنچے کہ دشمن کو خبر تک نہ ہوئی۔ اُنہوں نے کچھ بستیوں کو گھیرے میں لیا تو خالدؓ کے پاس کچھ آدمی آئے اور انہیں بتایا کہ بعض قبیلے طلیحہ کے فریب کا شکار ہیں۔ ان کی خونریزی مناسب نہیں ہو گی۔ اگر خالدؓ ذرا انتظار کریں تو قبیلہ طئی کے کم و بیش پانچ سو آدمی خالدؓ کے دستے میں شامل ہو جائیں گے۔

خالد نے انتظار کیا اور یہ آدمی قبیلہ طئی کے پانچ سو آدمی لے آئے جو طلیحہ کے قبیلے اور اس کے زیرِ اثر قبیلوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ تھے۔ وہ مسلح ہو کر آئے تھے۔ اسی طرح قبیلہ جدیلہ بھی خالدؓ کے ساتھ مل گیا۔ طلیحہ کو پتہ چلا تو بہت گھبرایا لیکن ایک شخص عُیَینہ اُس کے ساتھ تھا۔ وہ بنی فزارہ کا سردار تھا۔ اُس کے دل میں مدینہ والوں کے خلاف اتنا عناد بھرا ہُوا تھا کہ اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ مدینہ والوں کی حکومت کو کسی قیمت پر تسلیم نہیں کر سکتا۔ غزوۂ احزاب میں جن تین لشکروں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں سے ایک لشکر کا سالار یہی شخص عیینہ بن حصن تھا۔ رسولِؐ کریم نے اپنے اس اصول کے مطابق کہ دشمن کو تیاری کی حالت میں پکڑو، مدینہ سے نکل کر ان تینوں لشکروں پر حملہ کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ نقصان عیینہ کے لشکر کو اٹھانا پڑا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اسلام کے خلاف سرگرم رہا۔

خالدؓ کو پتہ چلا کہ طلیحہ کے ساتھ عیینہ ہے تو اُنہوں نے عہد کیا کہ ان دونوں کو نہیں بخشیں گے۔

◇

خالدؓ نے پیش قدمی سے پہلے اپنے دو آدمیوں ــــ عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم انصاری ــــ کو لشکر سے آگے بھیج دیا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت یا کوئی اور بات دیکھیں جو لشکر کی پیشقدمی کے کام آ سکے تو پیچھے اطلاع دیں۔ دونوں چلے گئے اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ بڑھتے گئے۔ بہت دُور جا کر ان دونوں میں سے کوئی بھی واپس آتا نہ دکھائی دیا۔

کچھ اور آگے گئے تو تین لاشیں پڑی ملیں جو خون میں نہائی ہوئی تھیں۔ دو لاشیں انہی دو آدمیوں ــــ عکاشہ اور ثابت ــــ کی تھیں جنہیں خالدؓ نے آگے بھیجا تھا۔ تیسری لاش کسی اجنبی کی تھی۔ بعد میں جو انکشاف ہُوا (طبری اور قاموس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کے مطابق ہ کہ یہ دونوں آگے جا رہے تھے۔ راستے میں انہیں ایک شخص حبال مل گیا۔ ایک مؤرخ کامل ابنِ اثیر لکھتا ہے کہ حبال طلیحہ کا بھائی تھا لیکن طبری اور قاموس اُسے طلیحہ کا بھتیجا لکھتے ہیں۔ عکاشہ اور ثابت نے اُسے للکار کر قتل کر دیا۔

اس کی اطلاع طلیحہ کو مل گئی۔ وہ اپنے بھائی سلمہ کو ساتھ لے کر آگیا۔ عکاشہ اور ثابت ابھی اور آگے جا رہے تھے۔ طلیحہ اور سلمہ نے گھات لگائی اور دونوں کو مقابلے کی مہلت دیئے بغیر قتل کر دیا۔

خالدؓ آگ بگولہ ہو گئے اور طلیحہ کی بستی پہ جا دھمکے۔ عیینہ طلیحہ کی فوج کی کمان کر رہا تھا اور طلیحہ ایک خیمے میں نبی بنا بیٹھا تھا۔ عیینہ نے مسلمانوں کا قہر اور غضب دیکھا تو اپنے لشکر کو لڑتا چھوڑ کر طلیحہ کے پاس گیا۔ وہ طلیحہ کو سچا نبی مانتا تھا۔

"یا نبی!" ـــــ عیینہ نے طلیحہ سے پوچھا ـــــ "مشکل کا وقت آن پڑا ہے۔ جبریل کوئی وحی لائے ہیں؟"

"ابھی نہیں" ـــــ طلیحہ نے کہا ـــــ "تم لڑائی جاری رکھو۔"

عیینہ دوڑتا گیا اور لڑائی میں شامل ہو گیا۔ مسلمانوں کا قہر اور بڑھ گیا تھا۔ خالدؓ کی چالیں جھوٹے نبی کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ رہی تھیں۔ عیینہ ایک بار پھر طلیحہ کے پاس گیا۔

"یا نبی!" ـــــ اُس نے طلیحہ سے پوچھا ـــــ "کوئی وحی نازل ہوئی؟"

"ابھی نہیں" ـــــ طلیحہ نے کہا ـــــ "تم لڑائی جاری رکھو۔"

"وحی کب نازل ہوگی؟" ـــــ عیینہ نے جھنجھلا کر پوچھا ـــــ "تم کہا کرتے ہو کہ مشکل کے وقت وحی نازل ہوتی ہے۔"

"خدا تک میری دعا پہنچ گئی ہے" ـــــ طلیحہ نے کہا ـــــ "وحی کا انتظار ہے۔"

عیینہ اپنے لشکر میں چلا گیا مگر اب اُس کا لشکر خالدؓ کے گھیرے میں آگیا تھا۔ عیینہ گھبراہٹ کے عالم میں ایک بار پھر طلیحہ کے پاس گیا اور اُسے اپنے لشکر کی کیفیت بتا کر پوچھا کہ وحی نازل ہوئی ہے یا نہیں۔

"ہاں" ـــــ طلیحہ نے جواب دیا ـــــ "وحی نازل ہو چکی ہے۔"

"کیا؟"

"یہ کہ" ـــــ طلیحہ نے جواب دیا ـــــ "مسلمان بھی جنگ لڑ رہے ہیں، تم بھی جنگ لڑ رہے ہو۔ تم اس وقت کو کبھی نہ بھول سکو گے۔"

عیینہ کو کچھ اور توقع تھی لیکن طلیحہ نے اُسے مایوس کر دیا۔ اُسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ طلیحہ جھوٹ بول رہا ہے۔

"لاریب ایسے ہی ہوگا" ـــــ عیینہ نے غصے سے کہا ـــــ "وہ وقت جلدی آرہا ہے جسے تم ساری عمر نہیں بھول سکو گے۔"

عیینہ دوڑتا باہر گیا اور چلا چلا کر اپنے قبیلے سے کہنے لگا ـــــ "اے بنو فزارہ! طلیحہ کذاب ہے۔ جھوٹے نبی کے پیچھے جانیں مت گنواؤ۔ بھاگو۔ اپنی جانیں بچاؤ۔"

بنو فزارہ تو بھاگ اُٹھے، طلیحہ کے اپنے قبیلے کے لڑنے والے لوگ طلیحہ کے خیمے کے اردگرد جمع ہو گئے۔ شاید تماشہ دیکھنے لگے۔ طلیحہ کے خیمے کے ساتھ ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تیار کھڑے تھے۔ قبیلہ طلیحہ سے پوچھ رہا تھا کہ اب کیا حکم ہے۔ طلیحہ کی بیوی جس کا نام نوار تھا، اس کے ساتھ تھی۔ طلیحہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور

اُس کی بیوی اونٹ پر چڑھ بیٹھی۔

"لوگو!" ـــــ طلیحہ نے اپنے قبیلے سے کہا ـــــ "میری طرح جس کے پاس بھاگنے کا انتظام ہے وہ اپنے بیوی بچوں کو لے کر بھاگ جائے۔"

اس طرح اس کذاب کا فتنہ ختم ہو گیا۔ عمرؓ کے دورِ خلافت میں طلیحہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مسلمان ہو گیا تھا۔

◇

خالدؓ نے اور کئی قبیلوں کو مطیع کیا اور انہیں ارتداد کی کڑی سزا دی۔ ان پر اپنی شرطیں عائد کیں۔ اسلام سے جو منحرف ہو گئے تھے، انہیں دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام کیا۔ طلیحہ کی نبوت کو بھی خالدؓ نے ختم کر دیا اور عیینہ جو یہودیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن تھا، ایسا بھاگا کہ اُس نے عراق جا دم لیا مگر اُس کا زہر ابھی پیچھے رہ گیا تھا۔ یہ زہر ایک عورت کی شکل میں تھا جو سلمےٰ کہلاتی تھی۔ اُس کا پورا نام اُمِ زمل سلمیٰ بنتِ مالک تھا۔

سلمیٰ بنو فزارہ کے سرداروں کے خاندان کی ایک مشہور عورت اُمِ قرفہ کی بیٹی تھی۔ رسولِ کریمؐ کی زندگی کا واقعہ ہے کہ زید بن حارثہ (اسامہؓ کے والد) بنی فزارہ کے علاقے میں جا نکلے۔ یہ قبیلہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ وادی القریٰ میں زید کا سامنا بنی فزارہ کے چند آدمیوں سے ہو گیا۔ زید کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے۔ بنی فزارہ کے اِن آدمیوں نے ان سب کو قتل کر دیا اور زید کو گہرے زخم آئے۔ وہ گرتے پڑتے مدینہ پہنچ گئے۔ جب ان کے زخم ٹھیک ہو گئے تو رسولِ اکرمؐ نے انہیں باقاعدہ فوجی دستے دے کر بنی فزارہ پر حملے کے لیے بھیجا تھا۔

مسلمانوں نے بنی فزارہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور کچھ کو قید کر لیا۔ جنگ بڑی خونریز تھی۔ ان قیدیوں میں اُمِ قرفہ فاطمہ بنتِ بدر بھی تھی۔ اس عورت کی شہرت یہ تھی کہ اپنے قبیلے کے علاوہ دوسرے قبیلوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ اُسے مدینہ لا کر سزائے موت دے دی گئی۔ اس کے ساتھ اس کی کمسن بیٹی اُمِ زمل سلمیٰ بھی تھی۔ رسولِ کریمؐ نے یہ لڑکی اُم المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حوالے کر دی۔ اُسے پیار سے رکھا گیا مگر وہ ہر وقت اُداس رہتی تھی۔ عائشہ صدیقہؓ نے اُس پر رحم کرتے ہوئے اُسے آزاد کر دیا۔

بجائے اس کے کہ سلمیٰ مسلمانوں کی شکرگزار ہوتی کہ اُسے لونڈی نہ رہنے دیا گیا اور آزاد کر کے اُسے اُس کی اونچی حیثیت میں واپس بھیج دیا گیا ہے اس نے اپنے دل میں اپنی ماں کے قتل کا انتقام رکھ لیا اور جنگی تربیت حاصل کرنے لگی۔ وہ سرداروں کے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُس میں قیادت کے جوہر بھی پیدا ہو گئے۔ اُس نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کر لیا اور مدینہ پر حملے کے لیے پر تولنے لگی، مگر مسلمان ایک جنگی قوت بن چکے تھے اس لیے سلمیٰ مدینہ کے قریب آنے کی جرأت نہ کر سکی۔

اب طلیحہ اور عیینہ کو شکست ہوئی تو سلمیٰ میدان میں آگئی۔ اُس کی ماں عیینہ کی چچازاد بہن تھی۔ جن قبیلوں نے خالدؓ سے ٹکر لی تھی، انہیں یہ لڑائی بڑی مہنگی پڑی تھی۔ جو بچ گئے تھے وہ اِدھر اُدھر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بھاگ گئے تھے۔ ان میں غطفان، طئی، بنو سلیم اور ہوازن کے بعض سرکردہ لوگ سلمیٰ کے ہاں جا پہنچے اور عہد کیا کہ سلمیٰ اگر اُن کا ساتھ دے تو وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔ سلمیٰ تو موقع کی تلاش میں تھی۔ وہ تیار ہو گئی اور چند دنوں میں اپنا لشکر تیار کر کے روانہ ہو گئی۔

◇

اُس وقت خالدؓ بزاخہ میں تھے جہاں انہوں نے طلیحہ کو شکست دی تھی۔ انہیں اطلاع ملی کہ بنو فزارہ کا لشکر آرہا ہے۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو تیار کر لیا۔

جس طرح سلمیٰ کی ماں اپنے جنگی اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کے آگے آگے چلا کرتی تھی، اسی طرح سلمیٰ بھی اپنے لشکر کے آگے آگے تھی۔ اُس کے اِرد گرد ایک سو شتر سواروں کا گھیرا تھا جو تلواروں اور برچھیوں سے مسلح تھے۔ یہ لشکر جوش و خروش بلکہ قہر اور غضب کے نعرے لگاتا آرہا تھا۔

خالدؓ نے انتظار نہ کیا کہ دشمن اور قریب آئے۔ اُن کے ساتھ نفری تھوڑی تھی۔ وہ دشمن کو اتنی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے کہ وہ حملے کی ترتیب یا قلیل تعداد مسلمانوں کو نفری کی افراط کے بل بوتے پر گھیرے میں لینے کی پوزیشن میں آئے۔ خالدؓ نے ہلّہ بولنے کے انداز سے حملہ کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ دشمن کا لشکر سفر کا تھکا ہُوا ہے۔ خالدؓ نے دشمن کی اس جسمانی کیفیت سے بھی فائدہ اُٹھایا۔

سلمیٰ جو ایک سو جانباز شُتر سواروں کے حفاظتی نرغے میں تھی، اشتعال انگیز الفاظ سے اپنے لشکر کے جوش و خروش میں جان ڈال رہی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ بنو فزارہ نے خالدؓ کو بڑا ہی سخت مقابلہ دیا۔ نفری تھوڑی ہونے کی وجہ سے خالدؓ مجبور سے ہوتے جا رہے تھے اور دشمن کے حوصلے بڑھتے جا رہے تھے۔ سلمیٰ کی للکار اور الفاظ جلتی پر تیل کا کام کر رہے تھے۔

خالدؓ نے سوچا کہ صرف یہ عورت ماری جائے تو بنو فزارہ کے قدم اُکھڑ جائیں گے۔ انہوں نے اپنے چند ایک منتخب جانبازوں سے کہا کہ وہ سلمیٰ کا حفاظتی حصار توڑ کر اُسے اونٹ سے گرا دیں۔ سلمیٰ کے محافظ بھی جانباز ہی تھے۔ وہ خالدؓ کے جانبازوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ ان جانبازوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک ایک محافظ شُتر سوار کو دوسروں سے الگ کر کے مارنا شروع کر دیا۔ اس طرح جانبازوں نے گھیرا توڑ دیا لیکن کوئی جانباز سلمیٰ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ زخمی ہو کر پیچھے آجاتا تھا۔

آخر پورے ایک سو محافظ مارے گئے لیکن خالدؓ کو اس کی بہت قیمت دینی پڑی۔ جانبازوں نے تلواروں سے سلمیٰ کے کجاوے کی رسیاں کاٹ دیں۔ کجاوہ سلمیٰ سمیت نیچے آپڑا۔ جانبازوں نے خالدؓ کی طرف دیکھا کہ کیا حکم ہے۔ قیدی بنانا ہے یا ختم کرنا ہے۔ خالدؓ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ایک جانباز نے تلوار کے ایک ہی وار سے سلمیٰ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

بنو فزارہ نے یہ منظر دیکھا تو اُن میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ اپنی لاشوں اور زخمیوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

مدینہ سے تقریباً دو سو چھتّر میل شمال مشرق میں بطاح نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس میں بدّوؤں کے چند ایک کُنبے آباد ہیں۔ اس گاؤں کو کوئی اہمیّت، کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اگر وہاں اِدھر اُدھر غور سے دیکھیں تو ایسے آثار ملتے ہیں جیسے یہاں کبھی شہر آباد رہا ہے۔

چودہ صدیاں گزریں، یہاں ایک شہر آباد تھا۔ اس کا نام بطاح تھا جو آج تک زندہ ہے مگر شہر سُکڑ سمٹ کر چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔ اس شہر میں خوبصورت لوگ آباد تھے۔ وہ بہادر تھے نڈر تھے اور باتیں ایسے انداز سے کرتے تھے جیسے کوئی نظم سُنا رہے ہوں۔ عورتیں حسین تھیں اور مرد وجیہہ تھے۔ یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا جسے بنو تمیم کہتے تھے۔

بنو یربوع بھی ایک قبیلہ تھا لیکن الگ تھلگ نہیں بلکہ بنو تمیم کا سب سے بڑا حصّہ تھا۔ اس کا سردار مالک بن نویرہ تھا۔ بنو تمیم کا مذہب مشترک نہیں تھا۔ ان میں آتش پرست بھی تھے، قبر پرست بھی لیکن اکثریّت بُت پرست تھی بعض عیسائی ہو گئے تھے۔ یہ لوگ سخاوت، مہمان نوازی اور شجاعت میں مشہور تھے۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہر طرف قبولِ اسلام کے پیغام جن قبیلوں کو بھیجے تھے، اُن میں بنو تمیم خاص طور پر شامل تھے۔ اسلام کے فروغ اور استحکام کے لیے بنو تمیم جیسے طاقتور اور بااثر قبیلے کو ساتھ ملانا ضروری تھا۔

یہ ایک الگ کہانی ہے کہ اس قبیلے نے اسلام کس طرح قبول کیا تھا مختصر یہ کہ بنو تمیم کی غالب اکثریّت نے اسلام قبول کر لیا۔ مالک بن نویرہ منفرد شخصیّت اور حیثیت کا حامل تھا۔ وہ آسانی سے اپنے عقیدے بدلنے والا آدمی نہیں تھا لیکن اُس نے دیکھا کہ بنو تمیم کے بیشتر قبائل مسلمان ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنی مقبولیّت اور اپنی سرداری کو قائم رکھنے کے لیے اسلام قبول کر لیا۔ چونکہ یہی شخص زیادہ بارُعب اور اثر و رسوخ والا تھا اس لیے رسولِ کریمؐ نے اِسے بطاح کا امیر مقرر کر دیا۔ زکوٰۃ، عشر، دیگر محصول اور واجبات وصول کر کے مدینہ بھجوانا اُس کی ذِمّہ داری تھی۔

مشہور مؤرّخ بلاذری اور محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ بڑا وجیہہ اور خوبصورت آدمی تھا۔ اُس کے قد کاٹھ میں عجیب سی کشش تھی۔ اُس کے سر کے بال لمبے اور خوبصورت تھے۔ شہسوار ایسا کہ کوئی اُس کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اچھا خاصا شاعر تھا۔ آواز میں مٹھاس اور ترنّم تھا اور اُس میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہنس مُکھ تھا۔ غم کے مارے ہُوؤں کو ہنسا دیتا تھا۔ اُس میں خرابی یہ تھی کہ اُس میں غرور اور تکبّر بہت تھا۔ اس کی ایک وجہ تو اُس کی وہ حیثیت تھی جو اسے بنو تمیم میں اور خصوصاً اپنے قبیلے میں حاصل تھی۔ دوسری وجہ اُس کا مردانہ حُسن اور دیگر مردانہ اوصاف تھے جو ایک طلسم کی طرح دوسروں پر طاری ہو جاتے تھے۔

اُس کا تعلّق متعدد عورتوں کے ساتھ تھا۔ قبیلے کی جوان لڑکیاں اُس کا قُرب حاصل کرنے کی خواہاں اور کوشاں رہتی تھیں لیکن وہ وقتی تعلق رکھتا اور کسی کو بیوی نہیں بناتا تھا۔ کہتا تھا کہ اس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

طرح ایک عورت اُس کے ہم پلّہ ہو جاتے گی، حالانکہ اُس وقت بیویوں کو یہ مقام حاصل نہیں تھا۔ وہ قبیلے کی عورتوں کے دلوں میں بستا تھا۔

المنہال بنو تمیم کا معمولی سا ایک آدمی تھا جسے لوگ صرف نام سے جانتے پہچانتے تھے۔ اُسے کوئی رتبہ اور کوئی اونچا مقام حاصل نہیں تھا۔ اُس کی بیٹی لیلیٰ جوان ہوئی تو لوگ المنہال کا نام اِس طرح لینے لگے جیسے اُسے اونچا رتبہ مل گیا ہو۔ جوانی کی دہلیز پر اُس کی بیٹی لیلیٰ کا حُسن نکھر آیا تو قبیلے کے جوان آدمی اُسے رُک رُک کر دیکھنے لگے اور اسے قریب سے دیکھنے کے لیے اُس کے راستے میں کھڑے دکھائی دینے لگے۔

اصفہانی نے مختلف مؤرخوں اور اُس دور کی دیگر تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ لیلیٰ کو خُدا نے بڑی فیاضی سے حُسن دیا تھا لیکن اُس کی آنکھیں اتنی دلفریب تھیں کہ وہ جس کی طرف دیکھتی تھی وہ مسحور ہو جاتا تھا۔ وہ لباس ایسا پہنتی تھی کہ گھٹنوں تک اُس کی ٹانگیں عُریاں رہتی تھیں۔ مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس کی ٹانگوں کی ساخت میں غیر معمولی طور پر جاذبیت تھی۔ ایسے ہی اُس کے بازو تھے۔ گول اور لمبے۔ وہ اپنے بالوں کو کھُلا رکھتی تھی۔ بالوں کا رنگ اور ان کی چمک ایسی کہ ان میں طلسماتی تاثر تھا۔

اُسے اگر کوئی توجہ سے نہیں دیکھتا تھا تو وہ مالک بن نویرہ تھا۔ کئی بار ایسے ہُوا کہ وہ مالک کے قریب سے گزری۔ نہ مالک نے اُس کی طرف نہ لیلیٰ نے مالک کی طرف دیکھا۔

☆

ایک روز لیلیٰ اپنی اونٹنی کو پانی پلا کر لا رہی تھی۔ راستے میں اُسے ایک عورت مل گئی۔ لیلیٰ اُسے جانتی تھی۔ وہ مالک بن نویرہ کی خاص ملازمہ تھی۔ اُس نے لیلیٰ کو روک لیا۔

"لیلیٰ!"— ملازمہ نے اُسے کہا— "تو اس سے زیادہ غرور کر سکتی ہے۔ قبیلے میں کون ہے جو تیرے پاؤں کے ناخنوں کو چومنے کے لیے تیار نہ ہو۔"

"کیا تیرے آقا نے تجھے کوئی شعر یاد کرا کے نہیں بھیجا؟"— لیلیٰ نے مسکرا کر کہا— "مالک بن نویرہ شاعر ہے ناں کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں کہ تجھے تیرے آقا نے میرے لیے کوئی پیغام دے کر بھیجا ہے؟ میں مردوں کی آنکھوں میں اُن کے دلوں کے پیغام پڑھ لیا کرتی ہوں۔"

"خدا کی قسم!"— ادھیڑ عمر ملازمہ نے کہا— "تو اسی عمر میں دانائی کی باتیں کرنے لگی ہے۔ اگر تو نے میری آنکھوں میں میرے آقا کا پیغام پڑھ لیا ہے تو تیرا کیا جواب ہوگا؟ وہ تو تیرے لیے بے قرار ہے۔"

"اِس بستی میں مجھے کوئی ایسا آدمی دکھا سکتی ہو جو میرے لیے بے قرار نہیں؟"— لیلیٰ نے باوقار لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے آقا کی بات کچھ اور ہے"— ملازمہ نے کہا۔

"صرف اتنی سی بات اور ہے کہ وہ دوسرے آدمیوں کی طرح میری طرف دیکھتا نہیں"— لیلیٰ نے کہا— "اور میں جانتی ہوں کہ وہ میری طرف کیوں نہیں دیکھتا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اُس کی طرف دیکھوں۔ وہ سردار ہے ناں! اپنے آپ کو بہت خوبصورت سمجھتا ہے۔ اُسے کہنا

لیلیٰ تمہاری طرف کبھی نہیں دیکھے گی۔"

"کیا وہ اس جواب سے مایوس نہیں ہوگا؟"— ملازمہ نے کہا— "اور کیا تُو خوش نصیب نہیں کہ مالک بن نویرہ جیسا مرد تجھے چاہتا ہے؟ وہ تیرے قدموں میں سونے کے ٹکڑے رکھ دے گا۔"

"اُسے کہو میرے قدموں میں سر رکھے"— لیلیٰ نے کہا— "کیا تُو جانتی نہیں کہ اُس نے اتنی دلیری سے مجھے یہ پیغام کیوں بھیجا ہے؟ ... کیونکہ وہ سردار ہے۔ میرا باپ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اُس نے میری توہین کی ہے۔"

"تو کیا تو کسی اور کو چاہتی ہے؟"— ملازمہ نے پوچھا۔

لیلیٰ نے قہقہہ لگایا اور جواب میں کچھ بھی نہ کہا۔

"پھر میں اُسے کیا کہوں؟"— ملازمہ نے پوچھا۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا ہے"— لیلیٰ نے کہا— "اور اُسے کہنا کہ میں صرف ایک رات جلنے والی شمع نہیں ہُوں۔ میں اُس کے پاس جاؤں گی جو مجھے عمر بھر کی روشنی سمجھے گا۔"

جب مالک بن نویرہ کو یہ جواب مِلا تو اُس کے تکبّر اور غرور کا بُت ٹوٹ گیا۔

"آقا!"— ملازمہ نے کہا— "لیلیٰ کیا ہے؟ ... قبیلے کی ایک لڑکی ہے۔ شہزادی نہیں اُس کی شادی کا فیصلہ اُس کا باپ کرے گا۔ اُس کے باپ کو کہیں ..."

"مجھے جسم نہیں لیلیٰ کا دل چاہیئے"— مالک بن نویرہ نے کہا۔

اور ایک روز مالک لیلیٰ سے محبّت کی بھیک مانگ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں دھتکارا نہیں تھا"— لیلیٰ نے اُسے کہا— "میں نے یہ بتایا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھے تھے۔"

لیلیٰ نے مالک بن نویرہ کا تکبّر اور غرور اپنے پاؤں تلے مَسل ڈالا اور اُن کی شادی ہو گئی۔ بنو تمیم نے لیلیٰ کو "اُمِّ تمیم" کا خطاب دے دیا۔

☆

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کی خبر ملتے ہی مالک بن نویرہ نے مدینے والوں سے نظریں پھیر لیں اور ظاہر کر دیا کہ اُس نے اسلام قبول کیا تھا ایمان نہیں۔ اُس نے زکوٰۃ اور محصولات وصول کر کے اپنے گھر میں رکھے ہُوئے تھے۔ چند دنوں تک اُس نے یہ مال مدینہ کو بھیجنا تھا۔ اُس نے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کر کے انہیں زکوٰۃ اور محصولات واپس کر دیئے۔

"اب تم آزاد ہو"— مالک نے کہا— "میں نے مدینہ کی زنجیر توڑ ڈالی ہے۔ اب جو کچھ تم کماؤ گے، وہ سب تمہارا ہوگا۔"

لوگوں نے داد و تحسین کے نعرے بلند کیے۔

مالک بہت خوش تھا کہ مدینہ سے تعلّق توڑ کر وہ اپنے قبیلے کا پھر خود مختار سردار بن گیا ہے مگر اس کی خوشی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ دو تین قبیلوں کے سرکردہ آدمیوں نے مالک سے کہا کہ اُس نے مدینہ سے تعلق توڑ کر اچھا نہیں کیا۔

مالک نے انہیں مدینہ کے خلاف کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کی زبان کا جادو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نہ چل سکا۔

زکوٰۃ اور محصولات کی ادائیگی کے مسئلے پر بنو تمیم تین حصّوں میں بٹ گئے۔ ایک وہ تھے جو زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے وہ جو مدینہ والوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے اور تیسرے وہ تھے جن کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ کیا کریں۔

ان سب کے اختلافات اتنے بڑھ گئے کہ قبیلوں کی آپس میں خونریز لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ اتنے میں سجّاح اپنا لشکر لے کر آ گئی۔ سجّاح کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کیا تھا۔ الحارث کی بیٹی سجّاح اپنے لشکر کے ساتھ مالک بن نویرہ کے قبیلے بنو یربوع کے علاقے میں جاخیمہ زن ہوئی۔ اُس نے مالک بن نویرہ کو بلا کر کہا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔

"اگر تم اپنے قبیلے کو میرے لشکر میں شامل کر دو تو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکتے ہیں" — سجّاح نے کہا — "تمہیں معلوم ہو گا کہ میں بنو یربوع میں سے ہوں۔"

"خدا کی قسم!" — مالک بن نویرہ نے کہا — "میں تمھارا دستِ راست بن جاؤں گا لیکن ایک شرط ہے جو درصل ہماری ضرورت ہے۔ ... تم دیکھ رہی ہو کہ بنو تمیم کے قبیلوں میں دشمنی پیدا ہو چکی ہے۔ ان سب کو مصالحت کی دعوت دے کر انہیں مدینہ پر حملے کے لیے تیار کریں گے اگر یہ مصالحت پر آمادہ نہ ہوئے تو انہیں ہم تباہ و برباد کر دیں گے۔ اگر تم نے انہیں ختم نہ کیا تو یہ سب مل کر تمھارے خلاف ہو جائیں گے۔ ان میں مدینہ کے وفادار بھی ہیں۔ انہوں نے سچّے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے۔"

مالک بن نویرہ کی خواہش یہ تھی کہ سجّاح کے لشکر کو ساتھ ملا کر بنو تمیم کے مسلمانوں کو اور اپنے دیگر مخالفین کو ختم کیا جائے۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ سجّاح مالک بن نویرہ کے مردانہ حُسن اور جلال سے متاثر ہو گئی تھی۔ اُس نے مالک کی بات فوراً مان لی۔ دونوں نے تمام قبیلوں کے سرداروں کو مصالحت کے پیغام بھیجے۔ پیغام میں یہ بھی شامل تھا کہ مدینہ پر حملہ کیا جائے گا۔

صرف ایک قبیلے کا سردار وکیع بن مالک تھا جس نے ان سے مصالحت قبول کر لی۔ باقی تمام قبیلوں نے انکار کر دیا۔ اس کے نتیجے میں سجّاح، مالک اور وکیع کے متحدہ لشکر نے دوسرے قبیلوں پر حملہ کر دیا۔ بڑی خونریز لڑائیاں لڑی جانے لگیں۔ بنو تمیم جو سخاوت، مہمان نوازی اور زبان کی چاشنی کے لیے مشہور تھے۔ ایک دوسرے کے لیے وحشی اور درندے بن گئے بستیاں اُجڑ گئیں۔ خون بہ گیا۔ لاشیں بکھر گئیں۔

☆

لیلیٰ کو اپنے دروازے پر عورتوں کی آہ و بکا سنائی دی۔ کچھ عورتیں بین کر رہی تھیں۔

"کیا میں بیوہ ہو گئی ہوں؟" — لیلیٰ ننگے پاؤں باہر کو دوڑی۔ وہ کہہ رہی تھی — "مالک بن نویرہ کی لاش لائے ہیں؟"

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دس بارہ عورتیں کھڑی بین کر رہی تھیں۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُن کی آہ و زاری اور زیادہ بلند ہو گئی۔ تین عورتوں نے اپنے بازوؤں پر ننھے ننھے بچوں کی لاشیں اٹھا رکھی تھیں لاشوں

کپڑے تھے وہ خون سے لال تھے۔

"لیلیٰ! کیا تُو عورت ہے؟" — ایک عورت اپنے بچّے کی خون آلود لاش لیلیٰ کے آگے کرتے ہوئے چلاّتی — "تو عورت ہوتی تو اپنے خاوند کا ہاتھ روکتی کہ بچوں کا خون نہ کر۔"

"یہ دیکھ" — ایک اور عورت نے اپنے بچّے کی لاش لیلیٰ کے آگے کرتے ہُوئے کہا۔

"یہ بھی دیکھ" — ایک اور بچے کی لاش لیلیٰ کے آگے آ گئی۔

"یہ دیکھ میرے بچّے!" — ایک عورت نے اپنے دو بچے لیلیٰ کے سامنے کھڑے کر کے کہا — "یہ یتیم ہو گئے ہیں۔"

لیلیٰ کو چکر آنے لگا۔ عورتوں نے اُسے گھیر لیا اور چیخنے چلاّنے لگیں۔

"تُو ڈائن ہے۔"

"تیرا خاوند جلاّد ہے۔"

"سجّاح کو نبوّت کس نے دی ہے؟"

"سجّاح تیرے خاوند کی داشتہ ہے۔"

"سجّاح تیری سوکن ہے۔"

"تیرے گھر میں ہمارے گھروں کا لوٹا ہُوا مال آ رہا ہے۔"

"مالک بن نویرہ تجھے ہمارے بچّوں کا خون پلا رہا ہے۔"

"ہمارے تمام بچوں کو کاٹ کر پھینک دے، ہم سجاح کی نبوّت نہیں مانیں گی۔"

"ہمارے نبی محمدؐ ہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

بستی کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں عورتیں زیادہ تھیں۔ لیلیٰ نے اپنا حسین چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اُس کا جسم ڈولنے لگا۔ دو عورتوں نے اُسے تھام لیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹکا اور وہ سنبھل گئی۔ اُس نے عورتوں کی طرف دیکھا۔

"میں تمھارے بچّوں کے خون کی قیمت نہیں دے سکتی" — لیلیٰ نے کہا — "میرا بچّہ لے جاؤ اور اسے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔"

"ہم چڑیلیں نہیں" — ایک شور اُٹھا — "ہم ڈائنیں نہیں۔ لڑائی بند کراؤ۔ لُوٹ مار اور قتل و غارت بند کراؤ۔ تمھارا خاوند وکیع بن مالک اور سجّاح کے ساتھ مل کر لُوٹ مار کر رہا ہے۔"

"لڑائی بند ہو جائے گی" — لیلیٰ نے کہا — "بچّوں کی لاشیں اندر لے آؤ۔"

مائیں اپنے بچوں کی لاشیں اندر لے گئیں۔ لیلیٰ نے تینوں لاشیں اس پلنگ پر رکھ دیں جس پر وہ اور مالک بن نویرہ سویا کرتے تھے۔

☆

مالک بن نویرہ لیلیٰ کا پجاری تھا۔ اُس پر لیلیٰ کا حُسن جادو کی طرح سوار تھا۔ اُس زمانے میں سردار لڑائیوں میں اپنی بیویوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن یہ لڑائی اس قسم کی تھی کہ مالک لیلیٰ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا لیلیٰ سے وہ زیادہ دیر تک دُور بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ اگر کہیں قریب ہوتا تو رات کو لیلیٰ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کے پاس آجایا کرتا تھا۔ وہ اُس رات آگیا۔ لیلیٰ کو دیکھ کر اُس پر بڑی تیز شراب جیسا نشہ طاری ہوگیا۔

"کیا اس پلنگ پر کوئی سویا ہُوا ہے؟" — مالک بن نویرہ نے پوچھا۔

"نہیں" — لیلیٰ نے کہا — "تمھارے لیے ایک تحفہ ڈھانپ کے رکھا ہُوا ہے..... تین پھُول ہیں لیکن مُرجھا گئے ہیں۔"

مالک نے لپک کر چادر ہٹائی اور یوں پیچھے ہٹ آیا جیسے پلنگ پر سانپ کُنڈلی مارے بیٹھا ہو۔ اُس نے لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

"خون پینے والے درندے کے لیے اس سے اچھا تحفہ اور کوئی نہیں ہوسکتا" — لیلیٰ نے کہا اور اُسے سنایا کہ ان کی مائیں کس طرح آئی تھیں اور کیا کچھ کہہ گئی ہیں۔ اُس نے اپنا دودھ پیتا بچہ مالک کے آگے کر کے کہا — "جا، لے جا اسے اور اس کا بھی خون پی لے" — لیلیٰ نے کہا — "کیا تو وہ مالک بن نویرہ ہے جسے لوگ ہنس مُکھ کہتے ہیں؟ کیا یہ ہے تیری سخاوت اور شجاعت کہ تو ایک عورت کے جال میں آکر لُوٹ مار کرتا پھر رہا ہے؟ اگر تو بہادر ہے تو مدینہ پر چڑھائی کر۔ یہاں نہتے مسلمانوں کو قتل کرتا پھر رہا ہے"۔

مالک بن نویرہ معمولی آدمی نہیں تھا۔ اُس کی شخصیت میں انفرادیت تھی جو دوسروں پر تاثر پیدا کرتی تھی۔ اس نے طعنے کبھی نہیں سُنے تھے۔ اُس کا سر کبھی جُھکا نہیں تھا۔

"کیا یہ ہے تیرا غرور؟" — لیلیٰ نے اُسے خاموش کھڑا دیکھ کر کہا — "کیا تو اِن معصوم بچّوں کی لاشوں پر تکبّر کرے گا؟ ..... ایک عورت کی خاطر ..... ایک عورت نے تیرا غرور اور تکبّر توڑ کر تجھے قاتل اور ڈاکو بنا دیا ہے۔ میں اپنے بچّے کو تیرے پاس چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ پیچھے سے ایک تیر میری پیٹھ میں بھی اتار دینا۔"

"لیلیٰ!" — مالک بن نویرہ گرج کر بولا مگر بُجھ کے رہ گیا اور مجرم سی آواز میں کہنے لگا — "میں کسی عورت کے جال میں نہیں آیا۔"

"جھوٹ نہ بول مالک!" — لیلیٰ نے کہا — "میں جا رہی ہوں۔ سجّاح کو لے آ یہاں ..... یہ یاد رکھ لے۔ تیری سرداری، تیری خوبصورتی، تیری شاعری اور تیری خونخواری تجھے ان مرے ہوئے بچوں کی ماؤں کی آہوں اور فریادوں سے بچا نہیں سکیں گی..... یہ تو صرف تین لاشیں ہیں۔ بستیوں کو لوٹتے معلوم نہیں کتنے بچّے تیرے گھوڑوں کے قدموں تلے کچلے گئے ہوں گے۔ تو سزا سے بچ نہیں سکے گا۔ تیرا بھی خون بہے گا اور میں کسی اور کی بیوی ہوں گی۔"

مالک بن نویرہ نے یوں چونک کر لیلیٰ کی طرف دیکھا جیسے اُس نے اُس کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا باہر نکل گیا۔

☆

مالک رات بھر واپس نہ آیا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بطاح جو بارونق بستی تھی، ایک ایسے مریض کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو کبھی خوبرو جوان ہُوا کرتا تھا۔ اب اُس کا چہرہ بے نُور اور آنکھوں میں موت کا خوف رچا ہُوا تھا۔ بطاح کی عورتوں کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ یہ اُس مار دھاڑ کا نتیجہ تھا

جو ہوتیم میں ہو رہی تھی۔ سُورج کی پہلی کرنیں آئیں تو بطاح کی گلیوں میں ڈری ڈری سی داخل ہوئیں۔

اُس وقت سورج کچھ اور اوپر اُٹھ آیا تھا جب بطاح میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بعض عورتیں بچوں کو اٹھا کر گھروں کو دوڑی گئیں اور اندر سے دروازے بند کر لیتے۔ کچھ عورتیں اپنی جوان بیٹیوں کو ساتھ لیتے بستی سے نکل گئیں۔ وہ کہیں چُھپ جانے کو جا رہی تھیں۔ بوڑھے آدمی کمانیں اور ترکش اٹھائے چھتوں پر چڑھ گئے۔ بوڑھوں کے علاوہ جو آدمی بستی میں تھے، انہوں نے برچھیاں اور تلواریں نکال لیں — کسی نے بڑی بلند آواز سے کہہ دیا تھا کہ دشمن کا لشکر آ رہا ہے۔

دُور زمین سے جو گرد اُٹھ رہی تھی، وہ کسی لشکر کی ہی ہو سکتی تھی۔ بطاح میں جوان آدمی کم ہی رہ گئے تھے۔ سب مالک بن نویرہ کے ساتھ دوسرے قبیلوں سے لڑائی میں چلے گئے تھے۔ بطاح میں جو رہ گئے تھے، اُن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا۔

لیلیٰ کے گھر میں پلنگ پر تین بچوں کی لاشیں پڑی تھیں اور وہ اپنے بچے کو سینے سے لگاتے اپنے قلعہ نما مکان کی چھت پر کھڑی تھی۔ وہ بار بار اپنے بچّے کو دیکھتی اور اُسے چومتی تھی۔ وہ شاید سوچ رہی تھی کہ بچّوں کے خون کا انتقام اُس کے بچّے سے لیا جائے گا۔

زمین سے اٹھتی ہوئی گرد بہت قریب آگئی تھی اور اس میں گھوڑے اور اونٹ ذرا ذرا دکھائی دینے لگے تھے۔

"ہوشیار بنو یربوع، خبردار!" — بطاح میں کسی کی آواز سنائی دی — "جانیں لڑا دو۔ ڈرنا نہیں"۔

لشکر گرد سے نکل آیا اور قریب آ گیا۔ بستی کے کئی ایک آدمی گھوڑوں پر سوار، ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں لیتے آگے چلے گئے۔ اُن کا انجام ظاہر تھا لیکن انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر لشکر کی ترتیب میں کوئی فرق نہ آیا۔ آگے جا کر وہ لشکر کا حصّہ بن گئے۔

"اپنے ہیں" — انہوں نے نعرے لگاتے — "اپنے ہیں۔ مالک بن نویرہ ہے ..... لڑائی ختم ہوگئی ہے۔"

بطاح میں سے بھی نعرے گرجنے لگے۔ لوگوں نے آگے بڑھ کر اپنے لشکر کا استقبال کیا۔ مالک بن نویرہ کہیں بھی نہ رکا۔ وہ سیدھا اپنے گھر کے دروازے پر آیا اور گھوڑے سے کُود کر اندر چلا گیا۔ اُسے لیلیٰ صحن میں کھڑی ملی۔ اُس کے دلکش چہرے پر اداسی تھی اور اُس کی وہ آنکھیں بُجھی بُجھی کی تھیں جن پر قبیلے کے جوان جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔

"میں نے تیرا حکم مانا ہے لیلیٰ!" — مالک نے دوڑ کر لیلیٰ کو اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہُوئے کہا — "لڑائی ختم کر دی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے قیدی واپس کر دیں گے۔ میں نے سجّاح سے تعلق توڑ لیا ہے۔ اس پھول سے چہرے سے اداسی دھو ڈالو۔"

لیلیٰ کا جسم بے جان سا تھا۔ اُس میں وہ تپش پیدا نہ ہوئی جو مالک کو دیکھ کر پیدا ہُوا کرتی تھی۔ مالک نے اُسے بہلانے کی بہت کوشش کی لیکن لیلیٰ کا چہرہ بُجھا ہی رہا۔

"میرے دل پر ایک خوف بیٹھ گیا ہے" — لیلیٰ نے کہا۔

"کیسا خوف؟" — مالک نے پوچھا — "کس کا خوف؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"سزا کا" ــــ لیلیٰ نے کہا ــــ "انتقام کا"

☆

سجاح اکیلی رہ گئی۔ وکیع بن مالک نے بھی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مالک بن نویرہ نے وکیع سے کہا تھا کہ وہ ایک عورت کے جھانسے میں آکر اپنے ہی قبیلوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سجاح اپنے لشکر کو ساتھ لیے نباج کی طرف چلی گئی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ وہ یمامہ پر حملہ کرنے گئی تھی لیکن مسیلمہ کے جال میں آگئی اور مسیلمہ نے اُسے اپنی بیوی بنا لیا۔

مالک بن نویرہ کے گناہوں کی سزا شروع ہو چکی تھی۔ وکیع بن مالک جو اُس کا دستِ راست تھا اُس کا ساتھ چھوڑ گیا اور مسلمانوں سے جا ملا۔ مالک بن نویرہ نے اُسے روکا تھا۔

"اگر ہم دونوں الگ ہو گئے تو مسلمان ہمیں کچل کے رکھ دیں گے" ــــ مالک نے وکیع سے کہا تھا ــــ "ہم دونوں مل کر اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں"۔

"ہمیں زندہ رہنا ہے مالک!" ــــ وکیع نے کہا تھا ــــ "مدینہ کی فوج کا مقابلہ کس نے کیا ہے؟ غطفان ہار گئے، طئی ہار گئے۔ بنو سلیم، بنو اسد، ہوازن، کوئی بھی مسلمانوں کے آگے ٹھہر نہ سکا۔ پھر سب اکٹھے ہوتے اور اُمِّ زمل سلمیٰ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ کیا تم نہیں جانتے مالک، الولید کے بیٹے خالدؓ نے انہیں کس طرح بھگا دیا ہے؟ سلمیٰ قتل کر دی گئی ہے۔ مسلمان ہمیں مسلمانوں کا خون معاف نہیں کریں گے۔ تمام قبیلوں کو شکست دینے والا خالدؓ واپس مدینہ نہیں چلا گیا۔ وہ بزاخہ میں ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا مانا ہوا سپہ سالار اسامہؓ ہے۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت اِدھر کا رُخ کر سکتا ہے۔ ان سے خون معاف کرانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ میں اُن کی اطاعت قبول کر کے انہیں اپنے قبیلے کی زکوٰۃ اور محصول ادا کرتا رہوں"۔

مالک بن نویرہ کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔

خالدؓ بن ولید تک اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مالک بن نویرہ کو رسول اللہؐ نے امیر مقرر کیا تھا مگر اُس نے زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے مدینہ نہ بھیجی اور لوگوں کو واپس کر دی ہے۔ جاسوسوں نے خالدؓ کو مالک بن نویرہ کا ایک شعر بھی سنایا۔ اس میں اُس نے رسولِ اکرمؐ کے وصال کے بعد اپنے قبیلے سے کہا تھا کہ اپنے مال کو اپنے پاس رکھو اور مت ڈرو کہ نہ جانے کیا ہو جاتے۔ اگر اسلامی حکومت کی طرف سے ہم پر کوئی مصیبت آئے گی تو ہم کہیں گے کہ ہم نے محمدؐ کے دین کو قبول کیا تھا، ابوبکرؓ کے دین کو نہیں۔

مالک بن نویرہ نے سجاح کے ساتھ مل کر مسلمانوں کا جو قتلِ عام کیا تھا، اس کی بھی اطلاع خالدؓ کو مل گئی تھی۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو بطاح کی طرف تیز کوچ کا حکم دیا۔ اُن کے دستوں میں انصارِ مدینہ بھی تھے۔ انہوں نے بطاح کی طرف پیشقدمی کی مخالفت کی۔

"خدا کی قسم!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں اپنی سپاہ میں پہلے آدمی دیکھ رہا ہوں جو اپنے امیر اور سالار کی حکم عدولی کر رہے ہیں"۔

"اسے حکم عدولی سمجھیں یا جو کچھ بھی سمجھیں" ــــ انصار کی نمائندگی کرنے والے نے کہا ــــ

"خلیفۃ المسلمین کا حکم یہ تھا کہ طلیحہ کو مطیع کر کے اس علاقے میں رسول اللہؐ کی قائم کی ہوئی عملداری کو بحال کریں اور جو جنگ پر اتر آئے اُس کے ساتھ جنگ کریں اور بزاخہ میں اگلے حکم کا انتظار کریں۔ ہم جانتے ہیں کہ مدینہ سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا کہ ہم بطاح پر حملے کے لیے جائیں"۔

"کیا تم میں کوئی ہے جسے یہ معلوم نہ ہو کہ میں تمہارا امیر اور سپہ سالار ہوں؟" ــــ خالدؓ بن ولید نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں کوئی جواب نہ ملا تو انہوں نے کہا ــــ "میں نہیں جانتا کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ تم کیا معاہدہ کر کے آئے ہو۔ میں یہ جانتا ہوں کہ خلیفہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ جہاں بھی اسلام سے انحراف کی خبر ملے اور جہاں بھی مدینہ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدوں کی خلاف ورزی نظر آئے، وہاں تک جاؤ اور اسلام کا تحفظ کرو۔ میں سپہ سالار ہوں۔ اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے اگر مجھے کوئی ایسی کارروائی کرنی پڑے گی جو خلیفہ کے احکام میں شامل نہیں ہو گی تو میں وہ کارروائی ضرور کروں گا.... خلافت کے احکام میرے پاس آتے ہیں، تمہارے پاس نہیں"۔

"ہم نے کوئی قاصد آتا نہیں دیکھا"۔ انصار میں سے کسی نے کہا۔

"میں اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا" ــــ خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا ــــ "اور میں کسی ایسے آدمی کو اپنی سپاہ میں نہیں دیکھنا چاہتا جس کے دل میں ذرا سا بھی شک اور شبہ ہو۔ مجھے اللہ کی خوشنودی چاہیے۔ مجھے اللہ کے رسولؐ کی مقدس روح کی خوشنودی چاہیے۔ اگر تمہیں اپنی ذات کی خوشنودی چاہیے تو جاؤ۔ اپنے آپ کو خوش کرو۔ میرے لیے مہاجرین کافی ہیں اور میرے ساتھ جو نومسلم ہیں، میں انہیں بھی کافی سمجھتا ہوں"۔

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے احکام میں یہ شامل کیا تھا کہ بنی اسد کے سردار طلیحہ کی سرکوبی کے بعد خالدؓ کے دستے بطاح تک جائیں گے جہاں کے امیر مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ اور محصولات کی ادائیگی نہیں کی اور وہ اسلام سے منحرف ہو کر اسلام کا دشمن بن گیا ہے۔

طبری اور دیگر مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ انصار بزاخہ میں رہ گئے اور خالدؓ اپنے مجاہدین کو ان کے بغیر بطاح لے گئے۔ جب یہ لشکر بزاخہ سے چلا تو انصار نے باہم صلاح مشورہ کیا۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اتنی دور سے اکٹھے آتے تھے۔ اکٹھے لڑائیاں لڑیں اور اب ہم میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا۔

"اور اس لیے بھی ہمیں پیچھے نہیں رہنا چاہیے تھا" ــــ انصار میں سے ایک نے کہا ــــ "کہ مہاجرین اور نومسلموں نے فتح حاصل کر لی تو اس میں ہمارا نام نہیں ہو گا۔ ہمیں مدینہ جا کر شرمساری ہو گی"۔

"اور اس لیے بھی" ــــ ایک اور نے کہا ــــ "کہ خالدؓ بن ولید کو کہیں شکست ہوئی تو مدینہ میں لوگ ہم پر لعنت بھیجیں گے کہ ہم نے مدینہ سے اتنی دُور محاذ پر جا کر خالدؓ کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دیا۔ ہم ملعون کہلائیں گے"۔

خالدؓ کے دستے بزاخہ سے دُور نکل گئے۔ ایک تیز رفتار گھوڑا سوار پیچھے سے آن ملا اور...

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ کے پاس جا گھوڑا روکا۔

"کیا تم انصار میں سے نہیں ہو جو پیچھے رہ گئے ہیں؟" ـــ خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں امیرِ لشکر!" ـــ سوار نے کہا ـــ "میں اُنہی میں سے ہوں۔ انہوں نے بھیجا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ اُن کا انتظار کریں۔ وہ آرہے ہیں۔"

خالدؓ بن ولید نے اپنے دستوں کو روک لیا۔ کچھ دیر بعد تمام انصار آ گئے اور دستے بطاح کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆

"لیلیٰ!" ـــ بطاح میں مالک بن نویرہ اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا ـــ "تُو نے مجھے محبت دی ہے۔ تیرے حُسن نے اور تیری نشیلی آنکھوں نے میرے شعروں میں نئی روح ڈالی ہے۔ اب مجھے حوصلہ دو لیلیٰ! میرے دل میں خوف نے آشیانہ بنا لیا ہے۔"

"میں نے تجھے پہلے دن کہا تھا غرور اور تکبر چھوڑ دے مالک!" ـــ لیلیٰ نے کہا ـــ "لیکن تم اتنی دُور نکل گئے کہ انسانوں کو چیونٹیاں سمجھ کر مَسل ڈالا۔"

"مت یاد دلا مجھے میرے گناہ لیلیٰ!" ـــ مالک بن نویرہ نے کہا ـــ "گناہوں نے میری بہادری کو ڈس لیا ہے۔"

"آج کیا بات ہو گئی ہے کہ تم پر اتنا خوف طاری ہو گیا ہے؟"

"بات پوچھتی ہو لیلیٰ؟" ـــ مالک بن نویرہ نے کہا ـــ "یہ موت کی بات ہے۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ میرا تیرا ساتھ ختم ہو رہا ہے.... میں نے اپنے جاسوس بڑی دُور دُور تک بھیج رکھے ہیں۔ آج ایک جاسوس آیا ہے۔ اُس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر بڑی تیزی سے اِدھر آ رہا ہے۔ اگر لشکر کی رفتار یہی رہی تو پرسوں شام تک یہاں پہنچ جائے گا۔"

"پھر تیاری کرو" ـــ لیلیٰ نے کہا ـــ "قبیلوں کو اکٹھا کرو۔"

"کوئی میرا ساتھ نہیں دے گا" ـــ مالک نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا ـــ "میں نے وکیع اور سجاح کے ساتھ مل کر اپنے قبیلوں کا جو خون بہایا ہے وہ کوئی نہیں بخشے گا۔ ان سے صلح تو کر لی تھی لیکن دل پھٹے ہوئے ہیں۔ میرے قبیلے کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔"

"پھر آگے بڑھو اور مسلمانوں کے سپہ سالار سے کہو کہ تم نے اسلام ترک نہیں کیا" ـــ لیلیٰ نے کہا ـــ "شاید وہ تمہیں بخش دیں۔"

"نہیں بخشیں گے" ـــ مالک نے کہا ـــ "نہیں بخشیں گے۔ اُنہوں نے کسی کو نہیں بخشا۔"

مالک بن نویرہ پر خوف طاری ہوتا چلا گیا۔ اُسے خبریں مل رہی تھیں کہ خالدؓ کا لشکر قریب آ رہا ہے۔ اُس نے اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا۔

"اے بنو یربوع!" ـــ اُس نے قبیلے سے کہا ـــ "ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے مدینہ کی حکمرانی کو تسلیم کیا اور اُن سے منحرف ہو گئے۔ اُنہوں نے ہمیں اپنا مذہب دیا جو ہم نے قبول کیا پھر نافرمان ہو گئے۔ وہ آ رہے ہیں۔ سب اپنے گھروں کو چلے جاؤ اور دروازے بند کر لو۔ یہ نشانی

ہے کہ تم اُن کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاؤ گے۔ اُن کے بلانے پر اُن کے سامنے نہتے جاؤ۔ کچھ فائدہ نہ ہو گا مقابلے میں.... جاؤ، اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔"

لوگ سر جھکاتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

☆

نومبر ۶۳۲ء (شعبان ۱۱ ہجری) کے پہلے ہفتے میں خالدؓ بطاح پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے لشکر کو محاصرے کی ترتیب میں کیا مگر ایسے لگتا تھا جیسے بطاح اُجڑ گیا ہو۔ شہر کا دفاع کرنے والے تو نظر ہی نہیں آتے تھے، کوئی دوسرا بھی دکھائی نہ دیا۔ کسی مکان کی چھت پر ایک بھی سر نظر نہیں آتا تھا۔

"کیا مالک بن نویرہ اپنے آپ کو اتنا چالاک سمجھتا ہے کہ مجھے گھیرے میں لے لے گا؟" ـــ خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں سے کہا ـــ "محاصرے کی ترتیب بدل دو اور اپنے عقب کا خیال رکھو۔ میں اس بستی کو آگ لگا دوں گا۔ وہ یہاں سے نکل گئے ہیں۔ عقب سے حملہ کریں گے۔"

خالدؓ بن ولید زندہ دل، بے خوف اور مہم جُو تھے۔ ان کے احکام بڑے سخت ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دستوں کو اس ترتیب میں کر دیا کہ عقب سے حملہ ہو تو روک لیں اور اگر اس کے ساتھ ہی شہر سے بھی حملہ ہو جائے تو دونو طرف لڑا جائے۔ مسلمانوں کو اس دشواری کا سامنا تھا کہ اُن کی نفری تھوڑی تھی اور وہ اپنے مستقر (مدینہ) سے بہت دُور تھے۔ انہوں نے جن قبیلوں کو مطیع کیا تھا، اُن کی بستیوں کو اڈے بنا لیا تھا لیکن ابھی وہاں کے لوگوں پر پوری طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ خالدؓ کی پُرجوش اور ماہرانہ قیادت تھی جو مجاہدین کی قلیل تعداد میں بجلیوں جیسا قہر پیدا کئے رکھتی تھی۔

خالدؓ نے بستی میں ایک دستہ داخل کیا تو اُس پر ایک بھی تیر نہ آیا۔ ہر مکان کا دروازہ بند تھا۔ خالدؓ نے یہ خاموشی دیکھی تو وہ خود بستی میں داخل ہوئے۔

"مالک بن نویرہ!" ـــ خالدؓ نے کئی بار مالک کو پکارا اور کہا ـــ "باہر آ جاؤ۔ نہیں آؤ گے تو ہم بستی کو آگ لگا دیں گے۔"

"تجھ پر خدا کی سلامتی ہو" ـــ ایک چھت سے ایک آدمی کی آواز آئی ـــ "مت جلا ہمارے گھروں کو۔ وہ جسے تو بلا رہا ہے، یہاں نہیں ہے۔ یہاں کوئی نہیں لڑے گا۔"

"الولید کے بیٹے!" ـــ ایک اور چھت سے آواز آئی ـــ "کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ہم اپنے مکانوں کے بند دروازوں کے پیچھے بیٹھے ہیں؟ کیا مدینہ میں یہ رواج نہیں کہ بند دروازہ ایک اشارہ ہے کہ آ جاؤ، ہم تمہارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے؟"

"بے شک میں یہ اشارہ سمجھتا ہوں" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "مکانوں کے دروازے کھول دو اور باہر آ جاؤ۔ عورتوں اور بچوں پر جبر نہیں۔ اُن کی مرضی ہے، باہر آئیں یا نہ آئیں۔"

لوگوں کو رسم و رواج معلوم تھا۔ وہ ہتھیاروں کے بغیر باہر آ گئے۔ عورتیں اور بچے بھی نکل آئے۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو حکم دیا کہ ہر گھر کے اندر جا کر دیکھیں۔ کوئی آدمی اندر نہ رہے۔ خالدؓ نے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خاص طور پر حکم دیا کہ کسی گھر میں کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے نہ کسی پر ہلکا سا بھی تشدد کیا جائے۔

مالک بن نویرہ کے قلعہ نما مکان میں خالدؓ خود گئے۔ وہاں سامان پڑا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کے رہنے والے کچھ ہی دیر پہلے یہاں سے نکلے ہوں۔ بستی سے خالدؓ کو اتنا ہی پتہ چلا کہ مالک بن نویرہ اپنے قبیلے کو یہ کہہ کر کہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں، لیلیٰ کو ساتھ لے کر بستی سے نکل گیا تھا جنہوں نے اُسے جاتے دیکھا تھا، انہوں نے سمت بتائی جدھر وہ گیا تھا۔ مالک گھوڑے پر اور لیلیٰ اونٹ پر سوار تھی۔

خالدؓ نے اردگرد کی بستیوں کو اپنے آدمی بھیج دیئے اور کچھ آدمی اُس سمت روانہ کئے جدھر بتایا گیا تھا کہ مالک گیا ہے۔ وہ صحرا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے کے قدموں کے نشان بڑے صاف تھے یہ خالدؓ کے آدمیوں کو ایک بستی میں لے گئے۔ یہ بنو تمیم کی ایک بستی تھی۔

"اے بنو تمیم!" — خالدؓ کے آدمیوں میں سے ایک نے بلند آواز سے کہا — "مالک بن نویرہ کو اور بطاح کا کوئی اور آدمی جو یہاں چھپا ہوا ہو، اُسے ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر وہ ہماری تلاشی پر ملے تو اس بستی کو آگ لگا دی جائے گی۔"

ذرا ہی دیر بعد مالک بن نویرہ لیلیٰ کے ساتھ باہر آیا اور اپنے آپ کو خالدؓ کے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ بنو یربوع کے چند اور سرکردہ آدمی بھی جو یہاں آکر چھپ گئے تھے، باہر آ گئے۔ ان سب کو مالک بن نویرہ کے ساتھ بطاح لے آئے۔ لیلیٰ بھی ساتھ تھی۔

☆

"مالک بن نویرہ!" — خالدؓ نے مالک کو اپنے سامنے بلا کر پوچھا — "کیا یہ غلط ہے کہ تم نے زکوٰۃ اور محصول مدینہ کو بھیجنے کی بجائے لوگوں کو واپس کر دیئے تھے؟"

"میں اپنے قبیلے کو یہ کہہ کر نکلا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہ کرنا" — مالک بن نویرہ نے جواب دیا — "میں نے انہیں یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان ہو جاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو۔"

"اور تم خود اس لیے روپوش ہو گئے تھے کہ تم اسلام سے منحرف ہو گئے تھے" — خالدؓ نے کہا — "اور تم منحرف ہی رہنا چاہتے ہو.... تم نے اپنے شعروں میں لوگوں سے کہا تھا کہ وہ زکوٰۃ اور محصول ادا نہ کریں اور تم نے انہیں کہا تھا کہ اسلامی حکومت کے احکام کی تم خلاف ورزی کرو گے جو تم نے کی۔"

"ہاں ولید کے بیٹے!" — مالک نے کہا — "میں نے خلاف ورزی کی لیکن میں اپنے قبیلے سے کہہ رہا ہوں کہ اب وہ خلاف ورزی نہ کریں۔"

"اور تم نے سجاح کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کیا" — خالدؓ نے کہا — "اور اُس کے ساتھ مل کر لوگوں کو قتل کیا اور انہیں لوٹا اور تم نے اُن لوگوں کا قتل عام کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔"

مالک نے سر ہلا کر اس جرم کا اقرار کیا۔

"کیا تو مجھے بتا سکتا ہے کہ میں تمہیں قتل کیوں نہ کروں؟" — خالدؓ نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تمہارے خلیفہ نے تمہیں میرے قتل کا حکم نہیں دیا" — مالک بن نویرہ

نے کہا۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے کہا — "میں تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔"

خالدؓ نے وہ اُجڑی ہوئی بستیاں دیکھی تھیں جو مالک بن نویرہ اور سجاح نے اُجاڑی تھیں۔ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کی بستی بطاح پر بلاوجہ چڑھائی نہیں کی تھی۔ انہیں تمام رپورٹیں ملتی رہی تھیں کہ اس شخص نے اس علاقے میں مسلمانوں کو کس طرح تباہ و برباد کیا تھا۔

"لے جاؤ اسے اور اس کے ساتھیوں کو جو اس کے ساتھ روپوش تھے اور انہیں قتل کر دو" — خالدؓ بن ولید نے حکم دیا۔

انہیں جب لے گئے تو خالدؓ کو اطلاع دی گئی کہ ایک بڑی ہی حسین عورت جس کا نام لیلیٰ ہے اور جو مالک بن نویرہ کی بیوی ہے، اپنے خاوند کی زندگی کی التجا لے کے آئی ہے۔ خالدؓ نے کہا کہ اُسے آنے دو۔

خالدؓ ایک سردار کے فرزند تھے۔ انہوں نے امیرانہ گھرانے میں پرورش پائی تھی اس لیے ان کے دل و دماغ میں وسعت تھی۔ وہ خوش ذوق، خوش طبع اور زندہ مزاج تھے۔ لیلیٰ جب اُن کے سامنے آئی تو خالدؓ کچھ دیر اُسے دیکھتے ہی رہے۔ وہ ابھی جوان تھی۔

"کیا تو اپنے خاوند کو موت سے بچانے آئی ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"اس کے سوا میرا اور مقصد ہو ہی کیا سکتا ہے؟" — لیلیٰ نے کہا۔

"اگر تو اُس وقت اُسے ان جرائم سے روک دیتی جب وہ سمجھتا تھا کہ ہر بستی پر اُس کی حکمرانی ہے تو آج تو بیوہ نہ ہوتی" — خالدؓ نے کہا — "کیا اس نے تجھے بتایا نہیں تھا کہ اُس کی تلوار نے کتنی عورتوں کو بیوہ کیا ہے؟ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں ایک دن انصاف کا بھی آئے گا۔"

"میں اُس کا ہاتھ نہیں روک سکی" — لیلیٰ نے کہا۔

"اور تو میرا ہاتھ بھی نہیں روک سکتی" — خالدؓ نے کہا — "یہ میرا نہیں میرے اللہ کا حکم ہے۔"

خالدؓ نے لیلیٰ کی التجا قبول نہ کی۔ لیلیٰ ابھی خالدؓ کے پاس ہی تھی کہ اطلاع آئی کہ مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔

☆

پھر ایک ایسا واقعہ ہو گیا جس نے خالدؓ کے دستوں میں اور مدینہ میں ہلچل مچا دی — ہُوا یوں کہ بطاح میں ہی خالدؓ نے لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لی۔

انصارِ مدینہ اس شادی پر بہت برہم ہوئے۔ ابو قتادہؓ انصاری نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ خالدؓ کی قیادت میں کبھی کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ اعتراض کرنے والے کہتے تھے کہ خالدؓ نے لیلیٰ کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اُس کے خاوند مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا ہے کہ لیلیٰ کے ساتھ خود شادی کر لیں۔

اس سلسلے میں جو روایات مشہور ہوئیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ لیلیٰ اپنے خاوند کی جاں بخشی کے لیے خالدؓ کے پاس آئی اور اُس نے بیٹھ کر خالدؓ کے پاؤں پکڑ لیے۔ لیلیٰ سر سے ننگی تھی اور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بال کُھلے رکھتی تھی۔ خالدؓ کے پاؤں پر وہ جھکی تو اُس کے بال اُس کے کندھوں پر بکھر گئے۔ خالدؓ کو یہ بال اتنے اچھے لگے کہ اُنہوں نے کہا ـــ "اب تو میں تیرے خاوند کو ضرور قتل کروں گا۔"

یہ کہا جا سکتا ہے کہ خالدؓ جو خوش ذوق اور زندہ مزاج تھے، لیلیٰ کے حُسن سے متاثر ہوئے ہوں گے لیکن خالدؓ وہ شخصیت تھی جس نے بسترِ مرگ پر کہا تھا کہ میرے جسم پر کوئی جگہ ایسی ہے جس پر جہاد کا زخم نہ آیا ہو؟ اُن کا کردار اتنا کمزور نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ایک عورت کی خاطر اپنے رُتبے کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے۔

خالدؓ کے حق میں بات کرنے والوں نے کہا ہے کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کو قید میں ڈال دیا تھا اور انہیں مدینہ بھیجنا تھا۔ رات بہت سرد تھی۔ خالدؓ کو خیال آیا کہ قیدی سردی سے ٹھٹھر رہے ہوں گے۔ اُنہوں نے حکم دیا ـــ دافئوا اسراکم ـــ اس کا ترجمہ ہے ـــ "قیدیوں کو گرمی پہنچاؤ" ـــ کنانہ کی زبان میں مدافاۃ کا لفظ قتل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے یہ قیدی جن آدمیوں کے پہرے میں تھے وہ کنانہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ مالک بن نویرہ اور اُس کے ساتھیوں کے جرائم کتنے سنگین ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے "گرمی پہنچاؤ" کو قتل کے معنوں میں لیا اور مالک اور اُس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ خالدؓ کو پتہ چلا تو اُنہوں نے کہا ـــ "اللہ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ ہو کے رہتا ہے۔"

ان دو کے علاوہ اور بھی روایات مختلف تاریخوں میں آئی ہیں جو ایک دوسری کی تردید کرتی ہیں۔ ان میں بعض خالدؓ کے حق میں جاتی ہیں بعض خلاف۔ مخالفانہ روایات کے مصنّفوں کے مذہبی فرقوں کو دیکھو تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اُن کے ایک ایک لفظ میں تعصّب بھرا ہُوا ہے اور وہ خالدؓ بن ولید کو رُسوا کر رہے ہیں۔

تاریخ میں متضاد کہانیاں ملتی ہیں لیکن کسی بھی مؤرّخ نے یہ نہیں لکھا کہ اس شادی پر لیلیٰ کا ردِّ عمل کیا تھا۔ کیا لیلیٰ نے خالدؓ کو مجبور ہو کر قبول کیا تھا یا وہ خوش تھی کہ ایک عظیم سپہ سالار کی بیوی بن گئی ہے جس کی فتوحات کے چرچے سرزمینِ عرب کے گوشے گوشے تک پہنچ گئے ہیں۔

اُس وقت کے جنگی رواج کے مطابق لیلیٰ مالِ غنیمت تھی۔ خالدؓ اُسے لونڈی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ تاریخ میں ایک اشارہ ایسا ملتا ہے جو خالدؓ کے حق میں جاتا ہے۔ وہ یوں ہے کہ خالدؓ نے اُسے کسی کی یا اپنی لونڈی بننے سے بچا لیا تھا۔ وہ اتنی حسین تھی کہ شہزادی لگتی تھی۔ خالدؓ جانتے تھے کہ لونڈیوں کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ خالدؓ نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ لیلیٰ جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی ذہین اور دانا ہے۔ انہوں نے اس عورت کی صلاحیتوں کو تباہی سے بچا لیا تھا

☆

یہ خبر مدینہ بھی پہنچ گئی کہ خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُس کی بیوی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ خبر پہنچی بھی سیدھی خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے پاس، اور خبر پہنچانے والے ابوقتادہ انصاری تھے جو اس شادی پر ناراض ہو کر مدینہ چلے گئے تھے۔ ابوبکرؓ نے اس خبر کو زیادہ اہمیّت نہ دی۔ انہوں نے کہا کہ خالدؓ کو رسولِ کریمؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ ان کے خلاف وہ کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ خالدؓ نے کسی زندہ آدمی کی بیوی کو ورغلا کر اپنی بیوی نہیں بنایا۔

ابوقتادہ انصاری خلیفہ ابوبکرؓ کے جواب سے مطمئن نہ ہُوئے۔ وہ عمرؓ کے پاس چلے گئے اور انہیں ایسے انداز سے لیلیٰ کی خالدؓ کے ساتھ شادی کی خبر سنائی جیسے خالدؓ عیاش انسان ہوں اور اُن کی عیش پرستی اُن کے فرائض پر اثر انداز ہو رہی ہو۔ عمرؓ غصّے میں آ گئے اور ابوقتادہ کو ساتھ لے کر ابوبکرؓ کے پاس گئے۔

"خلیفۃ المسلمین!" ـــ عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا ـــ "خالدؓ کا جرم معمولی نہیں۔ وہ کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ بنویربوع کے سردار مالک بن نویرہ کا قتل جائز تھا۔"

"مگر تم چاہتے کیا ہو عمرؓ؟" ـــ ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"خالدؓ کی معزولی!" ـــ عمرؓ نے کہا ـــ "صرف معزولی نہیں۔ خالدؓ کو گرفتار کر کے یہاں لایا جائے اور اُسے سزا دی جائے۔"

"عمرؓ!" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "میں اتنا مان لیتا ہُوں کہ خالدؓ سے غلطی ہوئی ہے لیکن یہ غلطی اتنی سنگین نہیں کہ اُسے معزول بھی کیا جائے اور سزا بھی دی جائے۔"

عمرؓ ابوبکرؓ کے پیچھے پڑے رہے۔ دراصل عمرؓ انتہا درجے کے انصاف پسند اور ڈسپلن کی پابندی میں بہت سخت تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سالاروں میں کوئی غلط حرکت رواج پا جائے۔

"نہیں عمرؓ!" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلّط کیا ہو۔"

عمرؓ مطمئن نہ ہوئے۔ ابوبکرؓ عمرؓ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو مدینہ بلوا لیا۔

خالدؓ بڑی مسافت طے کر کے بہت دنوں بعد مدینہ پہنچے اور سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ میں گئے۔ اُنہوں نے اپنے عمامے میں ایک تیر اڑس رکھا تھا۔ عمرؓ مسجد میں موجود تھے۔ خالدؓ کو دیکھ کر عمرؓ طیش میں آ گئے۔ وہ اُٹھے، خالدؓ کے عمامے سے تیر کھینچ کر نکالا اور اسے توڑ کر پھینک دیا۔

"تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا ہے" ـــ عمرؓ نے غصّے سے کہا ـــ "اور اُس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا ہے۔ تم سنگسار کر دینے کے قابل ہو۔"

خالدؓ ڈسپلن کے پابند تھے۔ وہ چپ رہے۔ اُنہوں نے عمرؓ کے غصّے کو قبول کر لیا وہ خاموشی سے مسجد سے نکل آئے اور خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے ہاں چلے گئے۔ انہیں ابوبکرؓ نے ہی جواب طلبی کے لیے بلایا تھا۔ ابوبکرؓ کے کہنے پر خالدؓ نے مالک بن نویرہ کے تمام جرائم سنائے اور ثابت کیا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ مسلمانوں کا دشمن تھا۔

ابوبکرؓ خالدؓ سے بہت خفا ہُوئے اور انہیں تنبیہہ کی کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو دوسرے سالاروں میں غلط رواج کا باعث بنے۔ ابوبکرؓ نے (طبری اور ہیکل کے مطابق) فیصلہ سنایا کہ مفتوحہ قبیلے کی کسی عورت کے ساتھ شادی کر لینا اور عدّت کا عرصہ پورا نہ کرنا عربوں کے رواج کے عین مطابق ہے۔ اس عورت کو آخر لونڈی بننا تھا۔ یہ اُس کے آقا کی مرضی ہے کہ اُسے لونڈی بنائے رکھے یا اُسے نکاح میں لے لے۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوبکرؓ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اس وقت مسلمان ہر طرف سے خطروں میں گھرے ہوئے ہیں۔ قبیلے باغی ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے پاس نفری بہت تھوڑی ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی سالار دشمن کے کسی سردار کو غلطی سے قتل کرا دیتا ہے تو یہ سنگین جرم نہیں۔

عمرؓ کو خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ اسلام کا ایک بڑا دشمن مسیلمہ بن حنیفہ جس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے جنگی طاقت بن گیا ہے۔ اُس کے پاس کم و بیش چالیس ہزار نفری کا لشکر ہے اور عکرمہؓ بن ابوجہل اُس سے شکست کھا چکے ہیں۔ اب سب کی نظریں خالدؓ کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ اگر مسیلمہ کو شکست نہ دی گئی تو اسلام مدینہ میں ہی رہ جائے گا۔ اس کامیابی کے لیے صرف خالدؓ موزوں ہیں۔

عمرؓ خاموش رہے۔ انہیں بھی ان خطروں کا احساس تھا۔ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو حکم دیا کہ فوراً بطاح جائیں اور وہاں سے یمامہ پر چڑھائی کر کے اس فتنے کو ختم کریں۔

خالدؓ ایک بڑی ہی خطرناک جنگ لڑنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

دسمبر ۶۳۲ء (شوال ۱۱ ہجری) کے تیسرے ہفتے میں خالدؓ بن ولید نے تیرہ ہزار مجاہدین سے مرتدین کے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کے خلاف یمامہ کے مقام پر وہ جنگ لڑی جسے اسلام کی پہلی خونریز جنگ کہا جاتا ہے۔ اِس جنگ کا آخری معرکہ ایک وسیع باغ حدیقۃ الرحمٰن میں لڑا گیا تھا۔ وہاں دونوں طرف اس قدر جانی نقصان ہُوا تھا کہ حدیقۃ الرحمٰن کو لوگ حدیقۃ الموت (موت کا باغ) کہنے لگے۔ آج تک اسے حدیقۃ الموت کہا جاتا ہے۔

اُس وقت خالدؓ مدینہ میں تھے۔ انہیں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے عمرؓ کی اس شکایت پر جواب طلبی کے لیے مدینہ بلایا تھا کہ اُنہوں نے مالک بن نویرا کو قتل کروا کے اُس کی بیوی لیلیٰ کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ ابوبکرؓ نے اُن حالات کو دیکھتے ہوئے جن میں اِسلام گھِر گیا تھا، خالدؓ کے حق میں فیصلہ دیا اور خالدؓ کو واپس بطاح جانے اور یمامہ کے مسیلمہ کذاب کے فتنے کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا۔

مسیلمہ کذاب کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ اُس کے پیروکاروں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ اُس کا لشکر مسلمانوں کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ اُس وقت تک مسلمان ایک طاقت بن چکے تھے لیکن مسیلمہ کی طاقت بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ مدینہ کے لیے بھی خطرہ تھا اور اسلام کے لیے بھی۔ مدینہ سلطنت اسلامیہ کا مرکز تھا۔

خالدؓ کا لشکر بطاح میں تھا۔ وہیں انہوں نے مالک بن نویرا کو سزائے موت دی اور اُس کی انتہائی حسین بیوی لیلیٰ کے ساتھ شادی کی تھی۔ لیلیٰ وہیں تھی۔ خالدؓ بطاح کو روانہ ہو گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ اُن کے پرانے ساتھی سالار عکرمہؓ اُسی علاقے میں اپنے لشکر کے ساتھ موجود ہیں اور مسیلمہ کے خلاف مدد کو پہنچیں گے۔

عکرمہؓ بن ابوجہل اُن گیارہ سالاروں میں سے تھے جنہیں خلیفۃ المسلمین نے مختلف علاقوں میں مُرتد اور باغی قبائل کی سرکوبی کے لیے بھیجا تھا۔ دوسرے قبیلے اتنے طاقتور نہیں تھے جتنا مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا، اس لیے اس علاقے میں عکرمہؓ کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور سالار شرحبیل بن حسنہ کو بھیج دیا گیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے سالار شرحبیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ عکرمہؓ کو مدد دیں گے۔

عکرمہؓ یمامہ کی طرف جا رہے تھے۔ یہ دو اڑھائی مہینے پہلے کی بات ہے۔ اُس وقت خالدؓ طلیحہ سے نبرد آزما تھے۔ اُنہوں نے طلیحہ کو بہت بُری شکست دی تھی۔ یہ خبر عکرمہؓ تک پہنچی تو وہ جوش میں آ گئے۔ اُنہوں نے ابھی کسی قبیلے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کی تھی۔ کچھ دنوں بعد عکرمہؓ کو خبر ملی کہ خالدؓ نے سلمیٰ کے طاقتور لشکر کو شکست دی ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عکرمہؓ پر انسانی فطرت کی ایک کمزوری غالب آ گئی۔ اُنہوں نے اپنے ساتھی سالاروں سے کہا کہ خالدؓ فتح پہ فتح حاصل کرتے جا رہے ہیں اور انہیں ابھی لڑنے کا بھی موقع نہیں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ملا. خالدؓ اور عکرمہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ساتھی اور ایک جیسے جنگجو اور میدانِ جنگ کے ایک جیسے قائد تھے۔

"کیوں نہ ہم ایک ایسی فتح حاصل کریں جس کے سامنے خالدؓ کی تمام فتوحات کی اہمیت ختم ہو جائے"۔۔۔ عکرمہؓ نے اپنے ماتحت سالاروں سے کہا۔۔۔ "مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ شرجیل بن حسنہ ہماری مدد کو آرہا ہے۔ معلوم نہیں وہ کب پہنچے۔ میں زیادہ انتظار نہیں کرسکتا۔ میں مسیلمہ پر حملہ کروں گا۔"

مسیلمہ معمولی عقل و ذہانت کا آدمی نہیں تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ مسلمان اُس کی نبوّت کو برداشت نہیں کر رہے اور کسی بھی روز اسلامی لشکر اُس پر حملہ کر دے گا۔ اُس نے اپنے علاقے کے دفاع کا بندوبست کر رکھا تھا جس میں دیکھ بھال اور جاسوسی کا انتظام بھی شامل تھا۔ عکرمہؓ سوچے سمجھے بغیر بڑھتے گئے اور یمامہ کے قریب پہنچ گئے۔ وہ چونکہ جذبات سے مغلوب ہو کر جا رہے تھے اس لیے احتیاط نہ کرسکے کہ دشمن دیکھ رہا ہوگا۔ انہیں دشمن کے جاسوسوں نے دیکھ لیا اور مسیلمہ کو اطلاع دی۔

ایک علاقے میں جہاں اونچے ٹیلے اور ٹیکریاں تھیں، عکرمہؓ کو مسیلمہ کے کچھ آدمی دکھائی دیے عکرمہؓ نے اُن پر حملہ کر دیا مگر یہ مسیلمہ کا بچھایا ہُوا جال تھا۔ مسیلمہ نے وہاں خاصا لشکر چھپا رکھا تھا جس نے دائیں بائیں سے عکرمہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ عکرمہؓ اس غیر متوقع صورتِ حال میں سنبھل نہ سکے۔ مسیلمہ کے لشکر نے انہیں سنبھلنے دیا ہی نہیں۔ عکرمہؓ کے ساتھ نامی گرامی اور تجربہ کار سالار اور کماندار تھے لیکن میدان دشمن کے ہاتھ تھا۔ اُس نے مسلمانوں کی کوئی چال کامیاب نہ ہونے دی۔ عکرمہؓ کو نقصان اُٹھا کر پسپا ہونا پڑا۔

✪

عکرمہؓ اپنی اس شکست کو چھپا نہیں سکتے تھے۔ چھپا لیتے تو لشکر میں سے کوئی مدینہ اطلاع بھیج دیتا۔ چنانچہ عکرمہؓ نے خلیفۃ المسلمین کو لکھ بھیجا کہ اُن پر کیا گزری ہے۔ خلیفہ ابوبکرؓ کو سخت غصہ آیا۔ انہوں نے عکرمہؓ کو واضح حکم دیا تھا کہ شرجیل کا انتظار کریں اور اکیلے مسیلمہ کے سامنے نہ جائیں مگر عکرمہؓ نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ ابوبکرؓ نے عکرمہؓ کو جو تحریری پیغام بھیجا، اس میں غصے کا اظہار اس طرح کیا کہ عکرمہؓ کو ابنِ ابوجہل لکھنے کی بجائے ابنِ اُمّ عکرمہؓ (عکرمہؓ کی ماں کے بیٹے) لکھا۔ یہ عربوں میں رواج تھا کہ کسی کی توہین مقصود ہوتی تو اُس کے باپ کے نام کے بجائے اُسے اُس کی ماں سے منسوب کرتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ تمہاری ولدیّت مشکوک ہے یا یہ کہ تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں ہو۔ خلیفۃ المسلمین نے لکھا:

"اے ابنِ اُمّ عکرمہ! میں تمہاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ مدینہ آؤ۔ تم آتے تو یہاں کے لوگوں میں مایوسی پھیلاؤ گے۔ مدینہ سے دُور رہو۔ تم اب یمامہ کا علاقہ چھوڑ دو اور حذیفہ کے ساتھ جا ملو اور اہلِ عمان سے لڑو۔ وہاں سے فارغ ہو کر عرفجہ کی مدد کے لیے مہرہ چلے جانا۔ اس کے بعد یمن جا کر مہاجر بن ابی امیّہ سے جا ملنا۔ جب تک تم سالاری کے معیار پر پورے نہیں اُترتے مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔ میں تم سے بات تک نہیں کروں گا۔"

خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے شرجیل کو پیغام بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور جب خالدؓ آئیں تو اپنا لشکر اُن کے ساتھ کر کے خود اُن کے ماتحت ہو جائیں۔

خالدؓ کو بتا دیا گیا تھا کہ شرجیل کا لشکر بھی انہیں مل رہا ہے۔ وہ خوش ہُوئے کہ اب وہ مسیلمہ کا مقابلہ بہتر طریقے سے کرسکیں گے۔ انہیں توقع تھی کہ شرجیل کا لشکر تازہ دم ہوگا مگر یہ لشکر خالدؓ کو ملا تو وہ تازہ دم نہیں تھا۔ اس میں کئی مجاہدین زخمی تھے۔

"کیا ہُوا شرجیل؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"ندامت کے سوا میرے پاس کوئی جواب نہیں"۔۔۔ شرجیل نے کہا۔۔۔ "میں نے خلیفۃ المسلمین کی حکم عدولی کی ہے۔ میرے لیے حکم تھا کہ عکرمہؓ کو مدد دوں مگر میرے پہنچنے سے پہلے عکرمہؓ مسیلمہ کے لشکر سے ٹکرا کر پسپا ہو چکا تھا۔ یہ ایک خبط تھا جس نے مجھ پر بھی غلبہ پا لیا کہ۔۔۔"

"کہ ایک فتح تمہارے حساب میں لکھی جائے"۔۔۔ باریک بین اور دُور اندیش خالدؓ نے طنزیہ لہجے میں شرجیل کا جواب پورا کرتے ہُوئے کہا۔۔۔ "اکیلے پتھر کی کوئی طاقت نہیں ہوتی شرجیل! پتھر مل کر چٹان بنا کرتے ہیں، پھر اس چٹان سے جو ٹکراتا ہے وہ دوسری بار ٹکرانے کے لیے زندہ نہیں رہتا۔ خود غرضی اور ذاتی مفاد کا انجام دیکھ لیا تم نے؟ عکرمہؓ جیسا تجربہ کار سالار پٹ کر ذلیل ہو چکا ہے۔ میں تم پر کرم کرتا ہوں کہ خلیفہ کو تمہاری حماقت کی خبر نہیں ہونے دوں گا۔"

شرجیل بن حسنہ نے عکرمہؓ جیسی غلط حرکت کی تھی۔ اُس نے بھی خالدؓ سے بازی لے جانے کے لیے راستے میں مسیلمہ کے لشکر سے ٹکر لے لی اور پسپا ہونا پڑا تھا۔

✪

مسیلمہ کذاب دربار لگائے بیٹھا تھا۔ ٹھنگنے قد والا یہ بدصورت انسان مکمل نبی بن چکا تھا۔ اُس کا قبیلہ بنو حنیفہ تو اُسے نبی مان ہی چکا تھا، دوسرے قبیلوں کے لوگ جوق در جوق اُس کی بیعت کے لیے آتے اور اُس کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب رہتے تھے۔ لوگوں نے اُس کی قوّت اور کرامات دیکھ لی تھیں۔ اب اُس کے پیروکاروں نے دو معجزے اور دیکھ لیے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے دو نامور سالاروں کو ذرا ذرا سی دیر میں میدان سے بھگا دیا تھا۔

مذہبی اور نظریاتی لحاظ سے تو مسلمان ریشم کی طرح نرم تھے لیکن میدانِ جنگ میں وہ فولاد سے زیادہ سخت اور بجلیوں کی طرح قہر بن جاتے تھے۔ جنگی لحاظ سے مسلمان دہشت بن گئے تھے۔ عکرمہؓ اور شرجیل نے اپنی غلطی اور کج فہمی سے شکست کھائی تھی لیکن بنو حنیفہ نے انہیں اپنے کذاب نبی کے معجزوں اور کرامات کے کھاتے میں لکھ دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کو مسیلمہ کے سوا کون شکست دے سکتا ہے۔

"نہار الرجال!"۔۔۔ مسیلمہ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دستِ راست نہار الرجال سے کہا۔۔۔ "اب ہمیں مدینہ کی طرف کُوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔ مسلمانوں میں اب وہ دم خم نہیں رہا۔"

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نہار الرجال بن عنفوہ وہ شخص تھا جس نے رسولِ کریمؐ کے سامنے بیٹھ کر قرآن پڑھا اور مذہب پر عبور حاصل کیا تھا اور اُسے مبلّغ بنا کر مسیلمہ کے علاقے میں بھیجا گیا تھا

مگر اُس پر مسیلمہ کا جادو چل گیا۔ اُس نے مسیلمہ کی نبوّت کا پرچار شروع کر دیا۔ آیاتِ قرآنی کو موڑ توڑ کر اُس نے اُن لوگوں کو بھی مسیلمہ کا پیروکار بنا دیا جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ مسیلمہ نے اُسے اپنا معتمدِ خاص بنا لیا تھا۔ یہ شراب اور نسوانی حُسن کا جادو تھا۔ خود مسیلمہ جس کی شکل و صورت مکروہ سی تھی اور جو بیمفنی کی حد تک ٹھنگنا تھا، عورتوں میں زیادہ مقبول تھا۔ مورّخ لکھتے ہیں کہ عورتوں کے لیے اُس میں ایک مخصوص کشش تھی۔ سجاؔح جیسی عورت جو قلوپطرہ کی طرح جنگی قوت لے کر مسیلمہ کو تہہ تیغ کرنے آئی، صرف ایک ملاقات میں اُس کی بیوی بن گئی تھی۔

یہ مسیلمہ کی جسمانی طاقت اور مقناطیسیّت تھی۔ اب تو وہ بہت بڑی جنگی طاقت بن گیا تھا۔ عکرمہؓ اور شرجیلؓ کو پسپا کر کے اُس کے اپنے اور اُس کے لشکر کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ وہ اب مدینہ پر چڑھائی کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ دربار میں بیٹھا نہار الرّجال سے کہہ رہا تھا کہ مدینہ کی طرف کوچ کی تیاری کرنی چاہیے۔ نہار الرجال کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ مسیلمہ کو اطلاع دی گئی کہ ایک جاسوس آیا ہے مسیلمہ نے اُسے فوراً بلا لیا۔

"مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے"۔۔۔ جاسوس نے کہا۔۔۔ "تعداد دس اور پندرہ ہزار کے درمیان ہے"۔

"تم نے جب دیکھا، یہ لشکر کہاں تھا؟"۔۔۔ مسیلمہ نے پوچھا۔

"وادیِ حنیفہ سے کچھ دُور تھا"۔۔۔ جاسوس نے جواب دیا۔۔۔ "اب اور آگے آ چکا ہو گا"۔

"اِن بدبختوں کو موت وادیِ حنیفہ میں لے آتی ہے"۔۔۔ مسیلمہ نے رعونت سے کہا۔۔۔ "انہیں معلوم نہیں کہ ان کا دس پندرہ ہزار کا لشکر میرے چالیس ہزار شیروں کے ہاتھوں چیرا پھاڑا جائے گا"۔

وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ تمام درباری احترام کے لیے اُٹھے۔ وہ نہار الرجال کو ساتھ لے کر دربار سے نکل گیا۔ اُس نے اپنا گھوڑا تیار کرایا، نہار الرّجال کو ساتھ لیا اور دونوں کے گھوڑے انہیں یمامہ سے دُور لے گئے۔ وہ وادیِ حنیفہ کی طرف جا رہے تھے۔

"اِس وادی سے وہ زندہ نہیں نکل سکیں گے"۔۔۔ راستے میں مسیلمہ نے نہار الرجال سے کہا۔۔۔ "میرے اس پھندے سے وہ واقف نہیں"۔

نہار الرجال نے قہقہہ لگایا اور بولا۔۔۔ "آج محمدؐ کا اسلام وادیِ حنیفہ میں دفن ہو جائے گا"۔

وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے کہ آگے سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آ رہا تھا۔ مسیلمہ کو دیکھ کر وہ رُک گیا۔

"یا نبی!"۔۔۔ گھوڑ سوار نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔۔۔ "مجاعہ بن مرارہ کو مسلمانوں نے قید کر لیا ہے"۔

"مجاعہ کو!"۔۔۔ مسیلمہ نے حیرت سے کہا۔

"مجاعہ کو مسلمانوں نے ...." نور الرجال نے ڈری ہوئی سی آواز میں کہا۔

"مجاعہ کی ٹکر کا ہمارے پاس اور کوئی سالار نہیں"۔ مسیلمہ نے کہا۔۔۔ "مجاعہ کا قید ہو جانا ہمارے لیے اچھا شگون نہیں"۔

✪

مجاعہ بن مرارہ مسیلمہ کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ وہ خالدؓ سے ملتا جُلتا تھا۔ مورخوں نے لکھا

ہے کہ خالدؓ کے مقابلے میں لڑنے اور جنگی چالیں چلنے کی اہلیّت صرف مجاعہ میں تھی۔ مجاعہ مسلمانوں کے ہاتھ اس طرح چڑھ گیا تھا کہ اُس کے کسی قریبی رشتہ دار کو بنی عامر اور بنی تمیم کے کچھ لوگوں نے قتل کر دیا تھا۔ مجاعہ نے مسیلمہ سے اجازت لی تھی کہ وہ لشکر کے چالیس سوار ساتھ لے جا کر اپنے رشتہ دار کے قتل کا انتقام لے لے۔ مسیلمہ اپنے اتنے قابل سالار کو مایوس نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسے اجازت دے دی۔

مجاعہ اپنے دشمنوں کی بستی میں گیا اور انتقام لے کر واپس آ رہا تھا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ جس علاقے کو وہ محفوظ سمجھتا تھا، وہ اب محفوظ نہیں۔ اُس نے اپنے سواروں کو ایک جگہ آرام کے لیے روک لیا۔ وہ سب اپنا فرض کامیابی سے پورا کر آئے تھے۔ گھوڑوں کی زینیں اتار کر وہ لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔

خالدؓ کا لشکر اسی طرف آ رہا تھا۔ علی الصبح اس لشکر کا ہراول دستہ وہاں پہنچا جہاں مجاعہ اپنے چالیس سواروں کے ساتھ گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ ان سب کو مجاہدین نے جگایا۔ ان سے ہتھیار اور گھوڑے لے لیے اور انہیں حراست میں لے کر پیچھے خالدؓ کے پاس لے گئے۔ خالدؓ کو معلوم نہیں تھا کہ مجاعہ مسیلمہ کا بڑا قیمتی سالار ہے۔ خالدؓ اُسے بھی محض سوار یا سپاہی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے دراصل بڑا موٹا شکار پکڑا تھا۔

انہوں نے یہ تو بتا دیا کہ وہ مسیلمہ کی فوج کے آدمی ہیں لیکن مجاعہ کا رُتبہ ظاہر نہ ہونے دیا۔

"کیا تم ہمارے مقابلے کے لیے آتے تھے؟"۔۔۔ خالدؓ نے اِن سے پوچھا۔

"نہیں"۔۔۔ ایک نے جواب دیا۔۔۔ "ہمیں تو معلوم ہی نہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم بنی عامر اور بنی تمیم سے اپنے ایک خون کا بدلہ لینے گئے تھے"۔

"میں نے مان لیا"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں تمہاری جان بخشی کر سکتا ہوں۔ اب میرے اس سوال کا جواب دو کہ تم کسے اللہ کا سچّا رسول مانتے ہو اور کس پر ایمان رکھتے ہو؟"

"بے شک مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے"۔۔۔ ایک سوار نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "تم میری توہین کر دیتے تو میں تمہیں بخش دیتا، اپنے رسولؐ کی توہین کو میں کس طرح برداشت کر سکتا ہوں"۔

"تم اپنے رسولؐ کو مانو، ہم اپنے نبی کو مانتے ہیں"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔۔۔ "اصل بات بھی یہی ہے کہ مسیلمہ رسالت میں محمدؐ کا برابر کا حصّہ دار ہے"۔

"ہم سب کا عقیدہ یہی ہے"۔۔۔ سواروں نے کہا۔۔۔ "ایک نبی تم میں سے ہے ایک ہم میں سے ہے"۔

خالدؓ نے تلوار کھینچی اور ایک ہی وار سے ایک سوار کا سر اُڑا دیا اور حکم دیا کہ سب کو قتل کر ڈالو۔ خالدؓ کے آدمی آگے بڑھے اور مجاعہ کو پکڑ کر اُس کا سر کاٹنے کے لیے جھکا دیا۔ اُسے قتل کرنے والے کی تلوار ہوا میں بلند ہوئی۔

"ہاتھ روک لو"۔۔۔ قیدی سواروں میں سے ایک جس کا نام ساریہ بن عامر تھا، چلاّیا۔۔۔ "اِس آدمی کو زندہ رہنے دو۔ یہ تمہارے کام آ سکتا ہے"۔

تب انکشاف ہُوا کہ مجاعہ بنو حنیفہ کے سرداروں میں سے ہے لیکن یہ پھر بھی نہ بتایا گیا کہ یہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سالار بھی ہے۔ خالدؓ دُور اندیش تھے۔ کسی قبیلے کا سردار بڑا قیمتی یرغمال ہوتا تھا۔ اُسے کسی موقع پر استعمال کیا جاسکتا تھا۔ خالدؓ مجاعہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈلوا کر اُسے اپنے خیمہ میں لے گئے اور اپنی بیوی لیلیٰ کے حوالے کر دیا۔ باقی سب کو قتل کرا دیا۔

✪

مسیلمہ کے لیے مجاعہ کی گرفتاری معمولی نقصان نہیں تھا لیکن وادیٔ حنیفہ وہ پھندا تھا جو اس نقصان کو پورا کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد تیرہ ہزار تھی۔ مسیلمہ کے پاس گھوڑ سوار اور شتر سوار دستے زیادہ تھے۔ بعض مؤرخوں نے مسیلمہ کے لشکر کی تعداد ستّر ہزار لکھی ہے۔ بہر حال تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی، کم نہ تھی۔ خالدؓ کی ایک کمزوری تو یہ تھی کہ لشکر کی تعداد خطرناک حد تک کم تھی، دوسری کمزوری یہ کہ وہ اپنے مستقر سے بہت دُور تھے جہاں کمک اور رسد کا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ انہیں صرف ایک سہولت حاصل تھی۔ اُس علاقے میں پانی اور جانوروں کے لیے ہرے چارے کی کمی نہیں تھی۔ وہ زرخیز کھیتوں اور باغوں کا علاقہ تھا۔

مسیلمہ کو ہرے بھرے کھیتوں اور باغوں کا غم کھا رہا تھا۔ اس نے نہار الرجال سے کہا کہ وہ ایسے انداز سے لڑنا چاہتا ہے کہ مدینہ کا لشکر بستیوں کو، کھیتوں اور باغوں کو نہ اجاڑ سکے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ مسیلمہ کسی قسم کے تذبذب، اضطراب یا پریشانی میں مبتلا نہ تھا۔ وہ اِس طرح بات کرتا تھا جیسے اُسے اپنی فتح کا یقین ہو۔ وہ بڑی موزوں بنیادوں پہ کھڑا بات کر رہا تھا۔ اس کا چالیس ہزار کا لشکر بڑا بھی تھا اور یہ سب مسیلمہ کے نام پہ جانیں قربان کرنے والے لوگ تھے۔ مسیلمہ کی نبوّت کا تحفظ اُن کے لیے جنون بن چکا تھا۔

خالدؓ پھندے میں آنے والے سالار نہیں تھے۔ مُوتہ میں وہ پھندے میں آچکے تھے۔ یمامہ کے علاقوں سے وہ واقف نہیں تھے۔ اُنہوں نے دیکھ بھال اور آگے کی زمین کا جائزہ لینے کے لیے ایک پارٹی بھیج دی تھی۔ رات کو اِس پارٹی نے جو رپورٹ دی، اس کے مطابق خالدؓ نے اپنا راستہ بدل دیا تاکہ حنیفہ کی وادی کے اندر سے نہ گزرنا پڑے۔ وہ ذرا دُور کا چکر کاٹ کر آگے نکل گئے۔

مسیلمہ نے بھی دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اطلاع ملی کہ مدینہ والے آگے نکل گئے ہیں تو اُس نے اپنا لشکر بڑی تیزی سے عقربا کے میدان میں منتقل کر دیا۔ خالدؓ کی نظر اسی میدان پر تھی لیکن دشمن پہلے پہنچ گیا تھا۔ خالدؓ نے ایک جگہ دیکھ لی جو میدان سے بلند تھی۔ اُنہوں نے وہاں اپنا لشکر روک لیا۔ وہاں سے وہ مسیلمہ کے پڑاؤ کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔

مسیلمہ نے اسی میدان کو بہتر اور موزوں سمجھا تھا۔ ایک تو اُس نے اپنے لشکر کا تمام ترسازوسامان اور مال واسباب اپنی خیمہ گاہ سے پیچھے رکھا تھا، دوسرے یہ کہ کھیتیاں اور باغات بھی لشکر کے پیچھے تھے، ان سب کی وہ بڑی اچھی طرح حفاظت کر سکتا تھا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ خالدؓ یہاں سے آگے بڑھے تو وہ اُن پر عقب سے حملہ کر دے گا۔ خالدؓ بھی اس صورت کو بھانپ چکے تھے کہ وہ یہاں سے

آگے بڑھے تو مارے جائیں گے۔

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ اُس نے دائیں حصّے کی قیادت نہار الرجال کو دی۔ بائیں حصے کا سالار محکم بن طفیل تھا اور درمیان میں یعنی قلب میں خود رہا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو جس کا نام شرجیل تھا کہا کہ وہ لشکر سے خطاب کرے۔ ایک شرجیل بن حسنہ خالدؓ کے لشکر کا سالار تھا۔ مسیلمہ کے بیٹے کا نام بھی شرجیل تھا۔ شرجیل گھوڑے پر سوار ہُوا اور اپنے لشکر کے تینوں حصّوں کے سامنے باری باری جاکر کہا:

"اے بنو حنیفہ! آج اپنی آن اور اپنی آبرو پر مَر مِٹنے کا وقت آگیا ہے۔ خدا نے تمہارے قبیلے کو نبوّت دی ہے۔ آج اپنی آبرو اور نبوّت کی خاطر اِس طرح لڑو کہ مسلمانوں کو پھر کبھی تمہارے سامنے آنے کی جرأت نہ ہو۔ اگر تم نے پیٹھ دکھائی تو دشمن تمہاری بیویوں، تمہاری بہنوں اور تمہاری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا لے گا اور اِس زمین پر ہی جو تمہاری زمین ہے، اُن کی آبرو لوٹے گا۔ کیا تم یہ منظر برداشت کر لو گے؟"

مسیلمہ کے لشکر کو جیسے آگ لگ گئی ہو۔ وہ مسیلمہ کے نام کے نعرے لگانے لگے۔ گھوڑے کھُر مار مار کر ہنہنانے لگے۔ خالدؓ اِس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے کہ مسیلمہ کا لشکر اُن پر فوراً حملہ کر دے گا۔ نفری کی افراط کے زور پر مسیلمہ کو حملہ کر دینا چاہیے تھا لیکن مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ جنگ کے فن میں مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے حملے میں پہل نہ کی۔ اُس کا خیال تھا کہ پہلے خالدؓ حملہ کرے اور دفاع میں لڑا جائے اور جب مسلمان تھک جائیں تو دائیں بائیں سے حملے کر کے انہیں ختم کر دیا جائے۔

اُس دَور کی تحریریں بتاتی ہیں کہ خالدؓ مسیلمہ کی چال نہ سمجھ سکے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ مرتدین سے آمنے سامنے کی جنگ اس طرح لڑی جائے کہ اُسے اپنے دستوں کو اِدھر اُدھر کرنے کی مہلت نہ ملے اور وہ دفاعی لڑائی لڑتا رہے۔ خالدؓ کو توقع تھی کہ تیرہ ہزار سے چالیس ہزار کو شکست اسی طریقے سے دی جا سکتی ہے کہ اُسے کوئی چال چلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اُس وقت کے رواج کے مطابق خالدؓ کو بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھائیں۔ خلیفۃ المسلمین نے خالدؓ کی مدد کے لیے جو دستے بھیجے تھے، ان میں قرآن کے حافظ اور خوش الحان قاری بھی خاصی تعداد میں تھے۔ اُس دَور کے حافظِ قرآن اور قاری ماہر تیغ زن اور لڑنے والے بھی ہوتے تھے۔ وہ مسجدوں میں بیٹھے رہنے والے لوگ نہیں تھے۔

اس کے علاوہ خالدؓ کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ہر میدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن کو شکستیں دی تھیں۔ خالدؓ کے لشکر میں عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب اور ان کے بیٹے عبداللہؓ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ابو دجانہؓ بھی تھے جو جنگِ اُحد میں اُن تیروں کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے جو رسولِ کریمؐ پر آ رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے جسم کو آپؐ کی ڈھال بنا دیا تھا۔ خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی تھے اور ایک خاتون اُمِ عمارہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ گئی تھیں۔ اُمِ عمارہؓ جنگِ اُحد میں باقاعدہ لڑی تھیں۔

ان کے علاوہ وحشی نام کا حبشی بھی خالدؓ کے ساتھ تھا جس کی پھینکی ہوئی برچھی نشانے سے بال

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

برابر اِدھر اُدھر نہیں ہوتی تھی۔ قبولِ اسلام سے پہلے جنگِ اُحد میں اِسی وحشی نے حمزہؓ کو برچھی پھینک کر شہید کیا تھا۔

مجاہدین کا لشکر تعداد میں تو کم تھا لیکن جوشِ جہاد اور جذبے کے لحاظ سے کمتر نہ تھا۔ خالدؓ نے خود بھی اپنے لشکر کا حوصلہ بڑھایا اور قرآن کے حافظوں اور قاریوں سے کہا کہ وہ مجاہدین مدینہ کو آیاتِ قرآنی سُنا کر بتائیں کہ وہ گھروں سے اتنی دُور کس مقصد کے لیے لڑنے آئے ہیں۔

قاری اپنی پُراثر آوازوں میں لشکر کو وہ آیات سنانے لگے جن میں مسلمانوں کے لیے جہاد فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ رات بھر چلتا رہا۔ اللہ کے سوا اور کون تھا جو اِن قلیل تعداد مجاہدینِ اسلام کی مدد کرتا۔ مؤرخین کے مطابق مجاہدین کے اس لشکر نے تمام رات عبادت اور دعاؤں میں گزار دی۔

✪

دسمبر ۶۳۲ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح طلوع ہوئی تو خالدؓ نے مسیلمہ کے لشکر پر حملے کا حکم دے دیا۔ خالدؓ نے بھی اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ قلب کی قیادت اُنہوں نے اپنے پاس رکھی تھی۔ ایک طرف ابو حذیفہؓ اور دوسری طرف زیدؓ بن خطاب تھے۔ مسلمان جس قہر و غضب سے حملہ آور ہوئے اور جس بے جگری سے لڑے وہ دیکھ کر خالدؓ کو امید بندھ گئی کہ وہ مُرتدین کے لشکر کو اکھاڑ پھینکیں گے۔ خود خالدؓ سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے لیکن خاصا وقت گزر جانے کے بعد بھی مسیلمہ کا لشکر جہاں تھا وہیں رہا۔ بہت سے مجاہدین پہلے حملے میں ہی شہید ہو گئے۔

دن گزرتا جا رہا تھا۔ میدانِ جنگ کا قہر بڑھتا جا رہا تھا۔ ایک شور تھا، چیخ و پکار تھی، کربناک آہ و بکا تھی جو زمین و آسمان کو ہلا رہی تھی۔ مسیلمہ کا لشکر گھوم پھر کر لڑ رہا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لے اور مسلمانوں کا عزم یہ تھا کہ مرتدین کے اس لشکر کے قدم اُکھاڑنے ہیں اور یمامہ پر قبضہ کرنا ہے۔ دونوں لشکر اپنی اپنی کوششوں میں ناکام ہو رہے تھے۔ اگر کامیاب تھا تو وہ مسیلمہ کا لشکر تھا۔

مسیلمہ بہت چالاک اور ہوشیار جنگی قائد تھا۔ وہ یہ جائزہ لیتا رہا کہ مسلمان کس وقت تھک کر چُور ہوتے ہیں۔ آدھا دن گزر گیا۔ زمین خون سے لال ہوتی جا رہی تھی۔ زخمی انسان بھاگتے دوڑتے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ مسلمان اس قدر بے جگری سے لڑنے کی وجہ سے کچھ جلدی تھک گئے۔ مسیلمہ نے بھانپ لیا۔ اُس نے اپنے لشکر کے ایک تازہ دم حصّے کو مسلمانوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کے لشکر کا یہ حصّہ طوفانی موج کی طرح آیا۔ مسیلمہ نے سب کو یقین دلا رکھا تھا کہ جو اُس کی نبوّت کی خاطر لڑتا مرے گا وہ سیدھا جنّت میں جائے گا۔

خالدؓ نے تھوڑی ہی دیر بعد محسوس کر لیا کہ اُن کے لشکر پر دباؤ بہت تیز ہو گیا ہے۔ خالدؓ کوئی چال سوچ ہی رہے تھے کہ مسلمانوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ آگے والے دستے تیزی سے پیچھے ہٹے۔ پیچھے والے اُن سے زیادہ تیزی سے پسپا ہوئے۔ سالاروں نے بہت شور مچایا۔ لشکر کو پکارا۔ نعرے لگائے لیکن مرتدین کا دباؤ ایسے قہر کی صورت اختیار کر گیا تھا جسے مسلمان برداشت نہ کر سکے اور اُن میں بدنظمی پھیل گئی۔ دیکھا دیکھی مسلمان ایسی بُری طرح بھاگے کہ اپنی خیمہ گاہ میں بھی نہ رُکے اور دُور پیچھے چلے گئے۔

مسیلمہ کے لشکر نے اُن کا تعاقب کیا۔ اُحد کے میدان میں بھی مسلمانوں نے اپنے لئے ایسی ہی صورتِ حال پیدا کر لی تھی اور ہزیمت اُٹھائی تھی۔ یہ اُن کی دوسری پسپائی تھی جو بھگدڑ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔

✪

مسیلمہ کا لشکر جب مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچا تو اُس نے وہاں لُوٹ مار شروع کر دی۔ وہاں انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا۔ خالدؓ اور اُن کے تمام سالار دوڑ دوڑ کر اپنے لشکر کو روکنے کے لیے چیخ چلّا رہے تھے لیکن مسلمان اپنی خیمہ گاہ سے خاصی دُور جا رُکے۔ مسیلمہ کے لشکر کے کچھ آدمیوں کو خالدؓ کا خیمہ مل گیا۔ وہ اُس میں جا گھُسے۔ وہاں اُنہیں زیادہ مال و دولت ملنے کی توقع تھی لیکن اس خیمے میں انہیں دو اتنے قیمتی انسان مل گئے جن کی انہیں توقع نہیں تھی۔ ایک تو اُن کا اپنا سردار اور سالار مجاعہ تھا جو بیڑیوں میں جکڑا ہُوا تھا اور اُس کے ساتھ خالدؓ کی نئی بیوی لیلیٰ اُمِ تمیم تھی جس کے حُسن کے چرچے اُنہوں نے سُن رکھے تھے لیکن اُسے دیکھا کبھی نہیں تھا۔ مجاعہ کو تو اُنہوں نے پہچان لیا۔ لیلیٰ کے متعلق انہیں مجاعہ نے بتایا کہ یہ کون ہے۔ بیک وقت دو تین آدمی لیلیٰ کی طرف لپکے۔ وہ اُسے قتل کرنا یا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

"رُک جاؤ"— اُن کے قیدی سردار مجاعہ نے حکم دیا— "دشمن کے آدمیوں کے پیچھے جاؤ۔ ابھی عورتوں کے پیچھے پڑنے کا وقت نہیں۔ میں اب اس کا نہیں بلکہ یہ میری قیدی ہے۔"

اُن کے سردار کا حکم اتنا سخت تھا کہ وہ بڑی تیزی سے خیمے سے نکل گئے۔ اُنہیں اتنا بھی ہوش نہ رہا کہ اپنے سردار کی بیڑیاں ہی توڑ جاتے۔

"تم نے مجھے ان آدمیوں سے کیوں بچایا ہے؟"— لیلیٰ نے مجاعہ سے پوچھا— "کیا تم مجھے اپنا مالِ غنیمت سمجھتے ہو؟ اگر تمہاری نیّت یہی ہے تو کیا تمہیں یہ احساس نہیں کہ میں تمہیں قتل کر سکتی ہوں؟"

"تم نے میرے ساتھ جو اچھا سلوک قید کے دوران کیا ہے میں اس کے صلے میں اپنی جان دے سکتا ہوں"— مجاعہ نے کہا— "خدا کی قسم! میری بیڑیاں ٹوٹ کر تمہارے پاؤں میں پڑ جائیں تو بھی میں تمہیں مالِ غنیمت یا اپنی لونڈی نہیں سمجھوں گا۔ تم نے مجھے قیدی نہیں مہمان بنا کر رکھا ہے۔"

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا"— لیلیٰ نے کہا— "یہ مسلمانوں کی روایت ہے کہ دشمن اُن کے گھر چلا جائے تو اُسے وہ معزز مہمان سمجھتے ہیں۔ اگر تم میرے گھر میں ہوتے تو میں تمہیں اور زیادہ آرام پہنچا سکتی تھی۔"

"لیلیٰ"— مجاعہ نے کہا— "کیا تجھے ابھی احساس نہیں ہُوا کہ تمہارا خاوند شکست کھا کر بھاگ گیا ہے اور تم میرے قبیلے کے قبضے میں ہو؟"

"فتح اور شکست کا فیصلہ خدا کرے گا"— لیلیٰ نے جواب دیا— "میرا خاوند اس سے زیادہ سخت چوٹیں برداشت کر سکتا ہے۔"

"کم فہم خاتون!"— مجاعہ نے فاتحانہ مُسکراہٹ سے کہا— "کیا تجھے ابھی تک احساس نہیں ہُوا کہ خدا مسیلمہ کے ساتھ ہے جو اُس کا سچّا نبی ہے؟ محمدؐ کی رسالت سچّی ہوتی...."

"مجاعہ!"— لیلیٰ نے گرج کر اُس کی بات وہیں ختم کر دی اور بولی— "اگر تُو نے محمدؐ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی رسالت کے خلاف کوئی بات کی تو مجھ پر تیرا قتل فرض ہو جاتے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کر ہمارا لشکر مجھے اس خیمہ گاہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے جہاں میرے دین کے دشمن لوٹ مار کر رہے ہیں لیکن میرے دل پر ذرا سا بھی خوف نہیں۔ خوف اس لئے نہیں کہ مجھے محمدؐ کی روحِ مقدس پر پورا بھروسہ ہے۔"

مجاعہ خاموش رہا اور وہ کچھ دیر نظریں لیلیٰ کے چہرے پر گاڑے رہا۔ باہر فاتح لشکر کا فاتحانہ غل غپاڑہ تھا۔ وہ مسلمانوں کے خیموں کو پھاڑ پھاڑ کر ان کے ٹکڑے بکھیر رہے تھے۔ مجاعہ اور لیلیٰ کو توقع تھی کہ ابھی مسیلمہ کے آدمی آئیں گے اور دونوں کو ساتھ لے جائیں گے لیکن اچانک باہر کا غل غپاڑہ ختم ہو گیا اور لوٹ مار کرنے والے تمام لوگ بھاگتے دوڑتے خیمہ گاہ سے نکل گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسیلمہ کی طرف سے حکم آیا تھا کہ فوراً واپس میدان عقرباء میں پہنچو کیونکہ مسیلمہ نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان بڑی تیزی سے اکٹھے ہو کر منظم ہو رہے تھے۔ مسیلمہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ مسلمانوں کی شجاعت اور اُن کے جذبے سے مرعوب تھا۔

مجاعہ اور لیلیٰ خیمے میں اکیلے رہ گئے۔ مجاعہ کے چہرے پر جو رونق آئی تھی وہ پھر بجھ گئی۔

✪

خالدؓ اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں تھے۔ ضائع کرنے کے لئے اُن کے پاس ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کیا اور انہیں اس پسپائی پر شرم دلائی۔ اتنے میں ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا اور سالاروں وغیرہ کے اس اجتماع میں آرکا۔ وہ عمرؓ کے بھائی زیدؓ بن خطاب تھے۔

"خدا کی قسم ابن ولید!"— زیدؓ بن خطاب نے گھوڑے سے کود کر اترتے ہوئے جوشیلی آواز میں کہا— "میں نے مسیلمہ کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے ...... میں نے نہار الرجال کو اپنے ہاتھوں قتل کیا ہے۔ یہ اللہ کا اشارہ ہے کہ فتح ہماری ہو گی۔"

نہار الرجال کا ہلاک ہو جانا مسیلمہ کے لئے معمولی نقصان نہیں تھا۔ بتایا جا چکا ہے کہ وہ مسیلمہ کا معتمدِ خاص، واحد مشیر اور صحیح معنوں میں دستِ راست تھا۔ خالدؓ اور ان کے سالاروں نے یہ خبر سنی تو اُن کے چہروں پر تازہ حوصلوں کی سُرخی آگئی۔

"کیا تم جانتے ہو ہمیں کس جرم کی سزا ملی ہے؟"— خالدؓ نے غصیلی آواز میں کہا— "مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے لشکر میں دل پھٹ گئے تھے۔ لڑائی سے پہلے ہی ہمارے لشکر کے مہاجرین کہنے لگے تھے کہ بہادری میں انصار اور بدو اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انصار کہتے تھے کہ مسلمانوں میں اُن جیسا بہادر کوئی نہیں اور بدوؤں نے کہا کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ جنگ ہوتی کیا ہے ...... تم جانتے ہو کہ ہم میں مکہ کے مہاجر بھی ہیں، مدینہ کے انصار بھی ہیں اور ارد گرد کے علاقوں سے آئے ہوئے بدو بھی ہمارے ساتھ ہیں ان لوگوں نے ایک دوسرے پر طعنہ [illegible] شروع کر دی تھی۔"

"اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں"— ایک سالار نے کہا۔

"میرے پاس اس کا علاج ہے"— خالدؓ نے کہا— "ہم نے لشکر میں ان سب کو اکٹھا رکھا ہوا ہے۔ مزید وقت ضائع کئے بغیر تم سب جاؤ اور مہاجرین کو الگ، انصار کو الگ اور بدوؤں کو الگ کر لو۔"

تھوڑے سے وقت میں خالدؓ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک حصہ مہاجروں کا، دوسرا انصار کا اور تیسرا بدوؤں کا تھا۔ خالدؓ گھوڑے پر سوار اُن کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

"اللہ کے سپاہیو!"— خالدؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا— "ہم نے میدان میں پیٹھ دکھا کر دشمن کے لئے ہنسی اور طعنہ زنی کا موقع پیدا کر دیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم میں سے کون بہادری سے لڑا اور کون سب سے پہلے بھاگ اُٹھا ...... مہاجرین، انصار یا بدو؟ — اب میں نے تمہیں اس لئے الگ الگ کر دیا ہے کہ دشمن پر فوراً جوابی حملہ کرنا ہے۔ اب دیکھیں گے کہ تم میں سے کون کتنا بہادر ہے۔ بہادری اور بزدلی کا فیصلہ طعنہ زنی سے نہیں کیا جا سکتا۔ میدان میں کچھ کر کے دکھاؤ لیکن اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ رسول اللہ نے تمہیں جس باہمی پیار کا سبق دیا تھا وہ بھول نہ جانا۔ تم میں سے کوئی گروہ دشمن کے دباؤ کو برداشت نہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹے تو دوسرے گروہ اس کی مدد کو پہنچیں۔ ہمیں دشمن پر ثابت کرنا ہے کہ مسیلمہ جھوٹا نبی ہے۔ اگر ہم شکست کھا گئے تو یہ جھوٹی نبوت ہم پر مسلط ہو جائے گی اور ہم مسیلمہ کے غلام اور ہماری عورتیں مرتدین کی لونڈیاں بن جائیں گی۔"

خالدؓ کے یہ الفاظ اُن تیروں کی طرح کارگر ثابت ہوئے جو اپنے نشانے سے اِدھر اُدھر نہیں جایا کرتے۔ لشکر میں نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا۔ اُدھر مرتدین مجاہدین کی خیمہ گاہ لُوٹ کر اور تباہ کر کے جا چکے تھے۔ اِدھر سے مسلمان اشارہ ملتے ہی مسیلمہ کے لشکر کی طرف چل پڑے۔

✪

مسیلمہ نے اپنے لشکر کو پھر حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا تھا۔ جب مجاہدینِ اسلام کا لشکر مقابلے میں پہنچا تو انصار کے ایک سردار ثابت بن قیس گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر کے سامنے آگئے۔

"اے اہلِ مدینہ!"— اُنہوں نے بلند آواز سے کہا— "تم ایک شرمناک مظاہرہ کر چکے ہو"— ثابت بن قیس نے دشمن کی طرف اشارہ کر کے کہا— "اے میرے اللہ! جس کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں"— اُنہوں نے مجاہدین کی طرف مُنہ کر کے کہا— "اے اللہ! جو بُری مثال میرے اس لشکر نے قائم کی ہے میں اس پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر ثابت بن قیس نے نیام سے تلوار کھینچی اور گھوڑے کا رُخ دشمن کی طرف کر کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کے ایڑ لگا دی۔ اُن کے آخری الفاظ یہ تھے — "دیکھو، میری تلوار دشمن کو مزہ چکھائے گی اور تمہیں ہمت اور استقلال کا نمونہ دکھاتے گی۔"

ثابت بن قیس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی تلوار ایسی شدت اور ایسی مہارت سے چل رہی تھی کہ جو ان کے سامنے آیا وہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا نظر نہ آیا۔ اُن کے جسم کا شاید ہی کوئی حصہ رہ گیا ہوگا جہاں دشمن کی کوئی برچھی یا تلوار نہ لگی ہو۔ دشمن کی صفوں کے دُور اندر جا کر ثابت بن قیس گرے اور شہید ہو گئے۔ اپنے لشکر کے لئے وہ واقعی ہمت و استقلال کا بے مثال نمونہ پیش کر گئے۔

محمد حسین ہیکل نے بعض مؤرخوں کے حوالے دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ کے لشکر نے قسمیں کھائی تھیں کہ اب اُن کی لاشیں ہی اُٹھائی جائیں گی، وہ زندہ نہیں نکلیں گے۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے قسم کھائی کہ ہاتھ میں ہتھیار نہ رہا، ترکش میں تیر نہ رہا تو دانتوں سے لڑیں گے۔

خالدؓ نے یہ مثال قائم کی کہ چند ایک جانباز چُن کر اپنے ساتھ اس عزم سے کر لئے کہ جہاں لڑائی زیادہ خطرناک ہوگی وہاں وہ اِن جانبازوں کے ساتھ جا کُودیں گے۔ اُنھوں نے اپنے جانبازوں سے کہا — "تم سب میرے پیچھے رہنا۔" آگے وہ خود رہنا چاہتے تھے۔

✪

دوبارہ لڑائی شروع ہُوئی تو ایک نئی مصیبت آن پڑی۔ آندھی آگئی جس کا رُخ مجاہدینِ اسلام کی طرف تھا۔ کچھ مؤرخ لکھتے ہیں کہ یہ صحرائی آندھی نہیں تھی بلکہ تیز ہوا تھی۔ میدانِ جنگ میں گھوڑوں اور پیادوں کی اُڑائی ہوئی گرد زمین سے اُٹھتے بادلوں کی مانند تھی۔ تیز و تند ہوا کا رُخ مجاہدین کی طرف تھا اس لئے مٹی اور ریت مسلمانوں کی آنکھوں میں پڑتی تھی۔ بدر میں کفار کے ساتھ ایسے ہی ہُوا تھا۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔

کچھ مجاہدین نے زیدؓ بن خطاب سے پوچھا کہ ایسی آندھی میں وہ کیا کریں۔

"خُدا کی قسم!" — زیدؓ بن خطاب نے گرجدار آواز میں کہا — "میں اپنے اللہ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے دشمن کو شکست دینے تک زندہ رکھے ..... اے اہلِ مکہ و مدینہ! آندھی سے مت ڈرو۔ سروں کو ذرا جھکا کے رکھو۔ اس طرح ریت اور مٹی تمہاری آنکھوں میں نہیں پڑے گی۔ پیچھے نہ ہٹ جانا۔ ہمّت سے کام لو۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ آندھی اور طوفان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

زیدؓ بن خطاب سالار تھے۔ انھوں نے مجاہدین کے لئے یہ مثال قائم کی کہ تلوار لہراتے ہُوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے دستے اُن کے پیچھے گئے۔ زیدؓ بن خطاب تلوار چلاتے دُور تک نکل گئے اور شہید ہو گئے۔

ایک اور سالار ابو حذیفہ نے بھی یہی مثال قائم کی۔ وہ یہ نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے — "اے اہلِ قرآن! اپنے اعمال سے قرآنِ حکیم کی ناموس کو بچاؤ" — وہ بھی مقابلے میں آنے والے مُرتدوں کو کاٹتے گئے، زخم کھاتے گئے اور شہید ہو گئے۔

اِن سالاروں نے جانیں دے کر مجاہدین کے عزم میں جان ڈال دی اور وہ آسمانی بجلیوں کی طرح دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑنے لگے۔ اس کے باوجود مسیلمہ کا لشکر قائم و دائم تھا۔

خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں چالیں چلنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔ یہ آمنے سامنے کی ٹکر تھی۔ اس میں صرف ذاتی شجاعت ہی کام آسکتی تھی۔

خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیتے ہُوئے دیکھا کہ مسیلمہ کے محافظ اُس کی حفاظت کے لئے جانیں قربان کر رہے ہیں۔ خالدؓ کو فتح کا یہی ایک طریقہ نظر آیا کہ مسیلمہ کو مار دیا جاتے۔ یہ کام اتنا سہل نہیں تھا جتنی آسانی سے دماغ میں آیا تھا، لیکن خالدؓ ناممکن کو ممکن کر دکھانے کے لئے اس طرح مسیلمہ کی طرف بڑھے کہ اُن کے جانبازوں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا۔ جب قریب گئے تو مسیلمہ کے محافظوں نے اُن پر ہلّہ بول دیا۔ خالدؓ کے قریب جو آیا وہ زندہ نہ رہا مگر مسیلمہ تک پہنچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

خالدؓ کے جانبازوں نے اپنی ترتیب بکھرنے نہ دی۔ ایک موزوں موقع دیکھ کر خالدؓ نے اپنے جانبازوں کو مِل کر ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ خالدؓ خود بھی ہلّے میں شریک ہو گئے۔ کچھ محافظ پہلے ہی مر چکے تھے یا زخمی ہو کر زمین پر تڑپ رہے تھے۔ خالدؓ کے جانبازوں کا ہلّہ اتنا شدید تھا کہ مسیلمہ کے محافظ بوکھلا گئے۔ میدانِ جنگ کی صورتِ حال یہ ہو گئی تھی کہ مجاہدین جو فتح یا موت کی قسمیں کھا چکے تھے وہ مُرتدین پر ایک خوف بن کر چھا رہے تھے۔ مسیلمہ کو اپنی حفاظت کے لئے کوئی اور محافظ نہیں مِل سکتا تھا۔

مسلمانوں کے نعروں کے ساتھ آندھی کی چیخیں میدانِ جنگ کی ہولناکی میں اضافہ کر رہی تھیں۔ مسیلمہ کے بچے کھچے محافظ گھبرانے لگے۔ خالدؓ کے جانبازوں نے اُن کا حلقہ توڑ دیا۔

"یا نبی!" — کسی محافظ نے کہا — "اپنا معجزہ دکھا۔"

"اپنا وعدہ پورا کر ہمارے نبی!" — ایک اور محافظ نے کہا — "تیرا وعدہ فتح کا تھا۔"

مسیلمہ نے موت کو اپنی طرف تیزی سے بڑھتے دیکھا تو اُس نے بلند آواز سے اپنے محافظوں سے کہا — "اپنے حسب و نسب اور اپنی ناموس کی خاطر لڑو" — اور وہ بھاگ اُٹھا۔

✪

دشمن کا قلب ٹوٹ گیا۔ پرچم غائب ہو گیا تو مُرتدین میں شور اُٹھا — "نبی میدان چھوڑ گیا ہے ..... رسول بھاگ گیا ہے" — اس پکار نے مُرتدین کے حوصلے توڑ ڈالے اور وہ میدان سے نکلنے لگے۔

تھوڑی سی دیر میں مُرتدین میدان چھوڑ گئے، لیکن میدانِ جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ خُون ندی کی طرح ایک طرف کو بہنے لگا۔ جہاں یہ معرکہ لڑا گیا وہ تنگ سی گھاٹی تھی۔ اس کا کوئی نام نہ تھا۔ اس معرکے نے اسے ایک نام دے دیا۔ یہ تھا شعیب الدام جس کے معنی ہیں خُونی گھاٹی۔ دونوں لشکروں کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہُوا کہ میدان میں لاشوں کے اُوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تو ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ مسیلمہ کے لشکر کا جانی نقصان اُس کی تعداد کی

زیادتی کی وجہ سے زیادہ تھا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ کئی زخمی گھوڑے بے لگام ہو کر لاشوں اور زخمیوں کو روند رہے تھے۔ انہوں نے کئی اچھے بھلے آدمیوں کو کچل ڈالا۔

مسیلمہ کا لشکر جب بددل ہو کر بھاگا تو مجاہدین اُن کے تعاقب میں گئے۔ مسیلمہ کا ایک سالار محکم بن طفیل اپنے لشکر کو پکار رہا تھا — "بنو حنیفہ! باغ کے اندر چلے جاؤ۔"

انہیں اب باغ میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ اس باغ کا نام حدیقۃ الرحمٰن تھا جو وسیع و عریض تھا۔ اس کے اردگرد دیوار تھی۔ مسیلمہ اس باغ میں چلا گیا تھا۔ باغ میدانِ جنگ کے بالکل قریب تھا۔ مسیلمہ کے لشکر کے بچے کھچے آدمی بھی باغ میں داخل ہو گئے۔ جب مجاہدین باغ کے قریب پہنچے تو باغ کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ مؤرخین کے مطابق باغ میں پناہ لینے والے مُرتدین کی تعداد سات ہزار تھی۔

خالدؓ گھوڑا دوڑاتے باغ کے اردگرد گھوم گئے۔ انہیں اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اندر جانا ضروری تھا۔ مسیلمہ کو قتل کرنا تھا تاکہ یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔

اللہ کے ایک مجاہد براءؓ بن مالک آگے بڑھے اور بولے — "مجھے اُٹھا کر دیوار کے اندر پھینک دو۔ خُدا کی قسم، دروازہ کھول دوں گا۔"

براءؓ صحابہ کرام میں خصوصی درجہ رکھتے تھے۔ کسی نے بھی گوارا نہ کیا کہ انہیں باغ کے اندر پھینک دیا جاتے لیکن انہوں نے اتنا زیادہ اصرار کیا کہ دو تین مجاہدین نے انہیں اپنے کندھوں پر کھڑا کر دیا اور وہ دیوار پر جا کر باغ میں کُود گئے۔ باغ میں دشمن کے سات ہزار آدمی تھے اور براءؓ اکیلے۔

سات ہزار کُفّار میں ایک مسلمان کا کُود جانا ایسے ہی تھا جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے کے اندر کُود گیا ہو۔ براء بن مالک سراپا عشق تھے جو آتشِ نمرود میں کُود گئے تھے۔ اُنہوں نے باغ کا دروازہ اندر سے کھولنے کا بے حد خطرناک کام کسی کے حکم کے بغیر اپنے ذمّے لے لیا تھا۔ اُنہوں نے دروازے کے قریب سے دیوار پھاندی تھی۔ سات ہزار بنو حنیفہ جو باغ کے اندر چلے گئے اور جنہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا، ابھی افراتفری کے عالم میں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مُسلمان اُن کے تعاقب میں آ گئے ہیں اور اُنہوں نے باغ کو محاصرے میں لے لیا ہے لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی مسلمان اکیلا دیوار پھاند کر اندر آنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

"وہ کون ہے؟" — کسی نے بڑی بلند آواز میں کہا — "وہ دروازہ کھول رہا ہے۔"

براء بن مالک کو کسی نے دیکھ لیا اور ایک نے پہچان کر نعرہ لگایا — "مسلمان ہے۔"

"کاٹ دو اسے" — کوئی مرتد للکارا۔

"گردن مار دو" — ایک اور للکارا۔

"پکڑ لو.... مار ڈالو" — ایک شور اُٹھا۔

بے شمار مُرتد تلواریں اور برچھیاں تانے براء بن مالک کی طرف دوڑے۔ براء ابھی دروازہ کھول نہیں سکے تھے۔ اُنہوں نے تلوار نکالی اور بنو حنیفہ کا جو آدمی سب سے پہلے اُن تک پہنچا تھا، اُسے براء کی تلوار کے بھرپور وار نے وہیں روک دیا۔ وہ لڑکھڑاتا ہُوا پیچھے ہٹا۔ براء نے ایک بار پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ وہ بروقت پیچھے کو گھومے۔ بیک وقت دو آدمیوں نے اُن پر برچھیوں کے وار کئے تھے۔ براء پھرتی سے ایک طرف ہو گئے۔ دونوں برچھیوں کی انّیاں جو براء کے جسم میں اُترنے کے لیے آئی تھیں، دروازے میں اُتر گئیں۔ براء نے بڑی تیزی سے تلوار چلائی اور اِن دونوں آدمیوں کو اُس وقت گھائل کر دیا جب وہ دروازے میں سے برچھیاں نکال رہے تھے۔

کئی مُرتد براء بن مالک پر مل مل کر حملہ کرتے تھے اور براء دروازے کے ساتھ پیٹھ لگائے بڑی تیزی سے تلوار چلا رہے تھے۔ اُن کی زبان سے دو ہی نعرے گرجتے تھے — "اللہ اکبر.... محمد الرسول اللہ" — وہ وار روکتے۔ وار کرتے اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے تھے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ براء بن مالک نے بنو حنیفہ کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی ... دروازہ کھول دیا۔ بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ براء بن مالک کے پیچھے چند اور مسلمان دیوار پھاند کر اندر چلے گئے تھے جنہوں نے تیروں ... سے مُرتدین کو دُور رکھا اور براءؓ بن مالک نے دروازہ کھول دیا۔ اس پر تمام مؤرخ متفق ہیں کہ سب سے پہلے براء بن مالک دیوار پھاند کر اندر گئے تھے۔

دروازے کھلتے ہی مسلمان اس طرح دروازے میں سے اندر جانے لگے جیسے نہر کا کنارا ...

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے ٹوٹ گیا ہو۔ بہت سے مسلمان خالدؓ کے کہنے پر دیوار پر چڑھ گئے۔ یہ سب تیر انداز تھے۔ اُنہوں نے بنو حنیفہ پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان جو اندر چلے گئے تھے، وہ بنو حنیفہ پر قہر کی مانند ٹوٹے۔ مرتدین کا قتلِ عام ہونے لگا۔ اُن کے بھاگ نکلنے کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ اب زندہ رہنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ اُن کا نبی، خواہ جھوٹا ہی تھا، اُن کے ساتھ تھا۔ اُس کی للکار سنائی دے رہی تھی اور وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

مرتدین کی تعداد بہت زیادہ تھی جو بڑی تیزی سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ باغ خون سے سیراب ہو رہا تھا۔ خالدؓ کے ذہن میں یہی ایک ارادہ تھا کہ مسیلمہ کو قتل کیا جائے، ورنہ لڑائی ختم نہیں ہوگی لیکن مسیلمہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

مسیلمہ کذاب خالدؓ کو تو نظر نہیں آ رہا تھا، ایک اور انسان تھا جس کی عقابی نگاہوں نے مسیلمہ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حبشی غلام وحشی بن حرب تھے۔ برچھی نشانے پر پھینکنے میں وحشی کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اُس نے ایک بار اپنی برچھی کا کمال سب کو دکھایا تھا۔ ایک رقاصہ کے سر پر ایک کڑا جو کانچ کے اوسط سائز کا تھا، اُس کے بالوں کے ساتھ اس طرح باندھ دیا گیا تھا کہ کڑا اُس کے سر پر کھڑا تھا۔ وہ ناچنے لگی اور وحشی برچھی لے کر چند قدم دُور کھڑا ہو گیا۔

اُس نے برچھی ہاتھ پر اُٹھا کر تولی۔ رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ جوں ہی رقاصہ موزوں زاویے پر آئی، وحشی نے تاک کر برچھی پھینکی۔ برچھی رقاصہ کے سر پہ کھڑے کڑے میں سے گزر گئی۔

جنگِ اُحد میں وحشی بن حرب نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا حمزہؓ بن عبدالمطلب کو اسی طرح برچھی پھینک کر شہید کیا اور ابوسفیان کی بیوی ہند سے انعام وصول کیا تھا۔ اُس وقت وحشی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد اُس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اب مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں وحشی مسلمانوں کے لشکر میں تھا۔ باغ کے خونریز معرکے میں اُس نے مسیلمہ کو دیکھ لیا۔ اُس نے خالدؓ کی زبان سے سُن لیا تھا کہ مسیلمہ کو ختم کیے بغیر لڑائی ختم نہیں ہو گی۔ وحشی مسیلمہ کی تلاش میں دشمن کی تلواروں اور برچھیوں سے اور اپنے ساتھیوں کے تیروں سے بچتا، لاشوں اور تڑپتے ہوئے زخمیوں سے ٹھوکریں کھاتا سارے باغ میں گھوم گیا اور اُسے مسیلمہ نظر آ گیا۔ مسیلمہ اپنے محافظوں کے نرغے میں تھا جو اس قدر جانبازی کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

وحشی کو قریب جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ مسلمان مسیلمہ کے محافظوں کے ساتھ لڑ رہے تھے اور ان کے اردگرد وحشی گھوم رہا تھا کہ مسیلمہ پر برچھی پھینکنے کا موزوں موقع اور صحیح زاویہ مل جائے۔ اُسے ایک موقع مل گیا لیکن اُس کے راستے میں ایک خاتون اُمِ عمّارہؓ آ گئیں۔ وہ بھی مسیلمہ تک پہنچنے کی سعی کر رہی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ تھیں۔ وہ مسیلمہ کے محافظوں کا حصار توڑنے کے لیے آگے بڑھیں تو ایک مرتد کی تلوار نے انہیں روک لیا۔ اُمِ عمّارہؓ نے اپنی تلوار سے اُسے گرانے کی بہت کوشش کی لیکن مرتد کے ایک وار نے اُمِ عمّارہؓ کا ایک ہاتھ صاف کاٹ دیا۔ اُن کے بیٹے نے تلوار کے ایک ہی وار سے اِس مرتد کو مار گرایا اور یہ مجاہد اپنی ماں کو ساتھ لے گیا۔

وحشی کو موقع اور زاویہ مل گیا۔ اُس نے برچھی کو ہاتھ میں تولا اور تاک کر پوری طاقت سے برچھی

مسیلمہ پر پھینکی۔ برچھی مسیلمہ کے پیٹ میں اُتر گئی۔ اُس کے ہاتھوں نے برچھی کو پکڑ لیا لیکن برچھی اپنا کام کر چکی تھی۔ مسیلمہ کے ہاتھوں میں برچھی کو پیٹ سے نکالنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ مسیلمہ گرا۔ اُسے مرنا ہی تھا لیکن ابودجانہؓ نے اُسے تڑپ تڑپ کر مرنے کی اذیّت سے اِس طرح بچا لیا کہ اُس کا سر تلوار کے ایک زوردار وار سے اُس کے دھڑ سے الگ کر دیا۔

ابودجانہؓ مسیلمہ کی سرکٹی لاش ابھی دیکھ ہی رہے تھے کہ مسیلمہ کے ایک محافظ نے پیچھے سے اتنا سخت وار کیا کہ ابودجانہؓ گرے پھر اُٹھ نہ سکے اور شہید ہو گئے۔

"بنو حنیفہ!" — ایک مرتد گلا پھاڑ کر چلّایا — "ہمارے نبی کو ایک سیاہ فام حبشی نے مار ڈالا ہے۔"

مشہور مؤرّخ ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ باغ کے اندر معرکے کی خونریزی میں یہ آواز سنائی دینے لگیں — "نبی مارا گیا.... مسیلمہ قتل ہو گیا ہے۔"

☆

مسیلمہ کذاب کے قتل کا سہرا بلا شک و شبہ وحشی بن حرب کے سر ہے۔ وحشی کی زندگی عجیب گزری ہے۔ بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے بالکل اسی طرح جس طرح اُس نے مسیلمہ کو برچھی پھینک کر قتل کیا تھا، حمزہؓ کو جنگِ اُحد میں شہید کیا تھا۔ جب مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو رسول اللہؐ نے مکہ کے چند لوگوں کو جنگی مجرم قرار دیا تھا۔ اِن میں وحشی کا نام بھی تھا۔ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ اُسے مسلمان زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ وہ مکہ سے نکل گیا اور طائف میں قبیلہ ثقیف کے ہاں جا پناہ لی تھی۔ قبیلہ ثقیف کو مسلمانوں نے جس طرح شکست دی تھی، وہ بیان ہو چکا ہے۔ اِس قبیلے نے اسلام قبول کیا تو وحشی نے بھی اسلام قبول کر لیا اور بیعت کے لئے اور اپنی جان بخشی کے لئے رسول کریمؐ کے حضور گیا۔ آپؐ نے اُسے کئی برس پہلے دیکھا تھا۔ شاید حضورؐ اُسے اچھی طرح پہچان نہ سکے۔

"کیا تم وہ وحشی ہو؟" — رسولِ اکرمؐ نے اُس سے پوچھا۔

"وہی وحشی ہوں" — وحشی نے جواب دیا — "اور اب آپؐ کو اللہ کا رسولؐ مانتا ہوں۔"

"او وحشی!" — حضورؐ نے پوچھا — "بتا تو نے حمزہؓ کو کس طرح قتل کیا تھا؟"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ وحشی نے ایسے لب و لہجے میں سارا واقعہ سنایا جیسے وہ سننے والوں پر اپنی بہادری اور عسکری مہارت کا رعب گانٹھ رہا ہو۔ رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی جان بخشی کر دی لیکن (ابنِ ہشام کے مطابق) آپؐ نے اُسے کہا کہ وہ آپؐ کے سامنے نہ آیا کرے۔ حمزہؓ رسول اللہؐ کے صرف چچا ہی نہیں تھے بلکہ اُمّتِ محمدیہؐ میں اُن کا مقام بہت بلند تھا اور اُس وقت کے اسلامی معاشرے میں انہیں خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ یہ رسولِ کریمؐ کی عظمت تھی کہ آپؐ نے حمزہؓ جیسی شخصیّت کا قاتل ایک سیاہ فام غلام کو بخش دیا تھا لیکن آپؐ کے دل میں قلق موجود رہا۔

آنحضورؐ نے وحشی بن حرب کے لیے جس ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا ویسی ہی ناپسندیدگی کا اظہار انہوں نے ہند کے لیے بھی کیا تھا جس کے ایما پر وحشی نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ اس کے بعد سیّد الشہداء کی لاش کی جس طرح بے حرمتی کی گئی، اُس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ آنحضورؐ نے ان دونوں سے اس لیے اظہارِ ناپسندیدگی نہیں کیا کہ اُنہوں نے آپؐ کے چچا کو شہید کیا تھا بلکہ اس لیے کہ انہوں نے ایک

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جلیل القدر مسلمان کی لاش کی بے حرمتی کی تھی ورنہ ذاتی دشمنی کو دل میں رکھنا آپؐ کی شان کے شایاں نہیں تھا۔ آپؐ نے ہندہ اور وحشی سے کہا تھا کہ جب تم میری نظروں کے سامنے آتے ہو تو مجھے حمزہؓ کی لاش یاد آ جاتی ہے۔ بہر حال آپؐ نے وحشی اور ہندہ کو معاف فرما دیا تھا۔

وحشی بن حرب رسولِ کریمؐ کا گرویدہ ہو چکا تھا مگر حضورِ اکرمؐ نے اُسے اچھا نہیں سمجھا تھا جس کا وحشی کو بہت دُکھ تھا۔ وہ مکّہ سے چلا گیا اور اُس نے دو سال طائف کے علاقے میں کبھی یہاں کبھی وہاں گزارے۔ اُس پر خاموشی طاری رہتی اور وہ سوچوں میں گم رہتا تھا۔ اُس نے اسلام کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ وہ سچا مسلمان رہا۔

دو سال بعد اپنے بے چین ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گیا اور اُس نے خالدؓ کے دستوں میں رہنا پسند کیا۔ یمامہ کی جنگ میں اُسے پتہ چل گیا تھا کہ خالدؓ مسیلمہ کو ہلاک کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ فرض اُس نے اپنے ذمّے لے لیا اور فرض پورا کر دیا۔

اس کے بعد وحشی خالدؓ کے دستوں میں رہا اور کئی لڑائیوں میں اُس نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ شام کی فتح کے بعد وہ اسلامی لشکر سے الگ ہو کر حمص میں گوشہ نشین ہو گیا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے حمزہؓ کا قتل بہت بڑا گناہ بن کر اُس کے ضمیر پر سوار ہو گیا ہو۔ اُس نے شراب نوشی شروع کر دی جو عیاشی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے آپ کو فراموش کر کے الگ پڑا رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اُسے شراب نوشی کے جُرم میں اَسّی کوڑوں کی سزا دی تھی جس کا اس پر کچھ اثر نہیں ہُوا تھا۔ وہ شراب پیتا رہا۔

زندگی کے آخری دنوں میں اُسے ایسی شہرت ملی کہ لوگ اُسے عقیدت سے ملتے تھے مگر وہ ہوش میں کم ہی ہوتا تھا۔ جب کبھی ہوش میں ہوتا تو لوگوں کو حمزہؓ اور مسیلمہ کے قتل کے واقعات سناتا تھا۔ لوگ اس سے یہی واقعات سننے کے لیے جاتے تھے۔ اُس نے کئی بار اپنی برچھی ہاتھ میں لے کر کہا — ''میں جب مسلمان نہیں تھا تو اس برچھی سے میں نے ایک بڑے ہی اچھے آدمی کو قتل کیا تھا اور میں مسلمان ہُوا تو اس برچھی سے ایک بہت ہی بُرے آدمی کو قتل کیا۔''

☆

اُمِ عمارہؓ ایک عظیم خاتون تھیں۔ جنگِ اُحد میں وہ اُن مسلمان عورتوں کے ساتھ تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کے لیے اپنے لشکر کے ساتھ گئی تھیں۔ اس لڑائی میں ایسی صُورت پیدا ہو گئی کہ میدان پر قریش چھا گئے۔ اُنہوں نے رسولِ کریمؐ پر حملے بولنے شروع کر دیئے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا مگر دشمن کے ہلّے اتنے شدید تھے کہ آپؐ کے محافظوں کا گھیرا ٹوٹ گیا۔ قریش کا ایک آدمی ابن قمئہ رسولِ کریمؐ تک پہنچ گیا۔

رسولِ کریمؐ کے دائیں مصعبؓ بن عمیر تھے اور اُس وقت اُمِ عمارہؓ بھی قریب ہی تھیں۔ اُنہوں نے جب رسولِ کریمؐ کو خطرے میں دیکھا تو زخمیوں کو پانی پلانے اور اُنہیں اٹھانے کا کام چھوڑ کر رسولِ اکرمؐ کی طرف دوڑیں۔ اُنہوں نے ایک لاش یا شدید زخمی کی تلوار لے لی۔

ابن قمئہ حضورِ اکرمؐ پر حملہ کرنے کی بجائے آپؐ کے محافظ مصعبؓ کی طرف گیا۔ مصعبؓ نے اُس کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُمِ عمارہؓ نے ابن قمئہ پر تلوار کا وار کیا جو اُس کے کندھے پر پڑا مگر ابن قمئہ نے زرہ بکتر

پہن رکھی تھی اس لیے تلوار اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ ابنِ قمئہ نے گھوم کر اُمّ عمارہؓ پر جوابی وار کیا جو اُن کے کندھے پر پڑا اور اتنا گہرا زخم آیا کہ وہ گر پڑیں۔ ابنِ قمئہ نے دوسرا وار نہ کیا کیونکہ وہ رسولِ اکرمؐ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

اب جنگِ یمامہ میں اُمّ عمارہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ آئی تھیں۔ یہاں اُن کی دلیری کا یہ عالم کہ مسیلمہ کو قتل کرنے کا خطرہ مول لے لیا مگر ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

☆

وہ دسمبر ۶۳۲ء کے آخری دنوں میں سے ایک دن تھا۔ حدیقۃ الرحمٰن سرسبز اور ہرا بھرا باغ ہُوا کرتا تھا جو لوگوں کو پھل دیا کرتا تھا۔ وہاں تھکے ماندے مسافر آکر سستایا کرتے تھے۔ وہاں پھولوں کی مہک تھی مگر اب وہ حدیقۃ الموت بن چکا تھا۔ اُس کا حُسن خون میں ڈوب گیا تھا۔ اُس کی رعنائیاں لاشوں کے نیچے دب گئی تھیں۔ جہاں پرندے چہچہاتے تھے وہاں زخمیوں کی چیخ و پکار تھی۔ زخمی گھوڑے بے لگام بھاگ دوڑ رہے تھے۔ اُن کے ٹاپ یوں سنائی دے رہے تھے جیسے موت بے ہنگم قہقہے لگا رہی ہو۔

جب شور اُٹھا کہ مسیلمہ مارا گیا ہے تو مرتدین نکل بھاگنے کا راستہ دیکھنے لگے۔ وہ تو پہلے ہی بھاگے ہوئے اس باغ میں آئے تھے۔ ان پر پہلے ہی مسلمان دہشت بن کر طاری ہو چکے تھے۔ باغ میں ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے تھے۔ وہ ایسی جنگ لڑ رہے تھے جو پہلے ہی ہار چکے تھے۔ اب ان کے کانوں میں یہ صدائیں پڑیں کہ اُن کا نبی مارا گیا ہے تو اُن کی رہی سہی سکت بھی ختم ہو گئی۔ اُن میں جو ابھی تک لڑ رہے تھے، وہ باغ سے نکل بھاگنے کی کوشش میں تھے۔ شکست ان کے ذہنوں پر مسلط ہو چکی تھی۔

وہاں سے کچھ دور مسلمانوں کی لٹی ہُوئی اور تباہ حال خیمہ گاہ میں صرف ایک خیمہ صحیح سلامت کھڑا تھا۔ یہ خالدؓ کا خیمہ تھا۔ بنو حنیفہ باقی تمام خیمے پھاڑ کر پرزے پرزے کر گئے تھے۔ وہ خالدؓ کے خیمے میں بھی گئے تھے لیکن وہاں اُن کا اپنا سردار مجاعہ بن مرارہ زنجیروں میں جکڑا بیٹھا تھا۔ وہ لیلیٰ کو قتل کرنا یا اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن مجاعہ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا تھا کہ پہلے مردوں کی طرف جاؤ، ابھی عورتوں کو پکڑنے کا وقت نہیں۔ وہ سب اپنے سردار کے حکم سے چلے گئے تھے۔ اس طرح خالدؓ کا خیمہ محفوظ رہا تھا۔

خالدؓ کی بیوی لیلیٰ خیمے سے باہر ایک اونٹ پر بیٹھی تھی۔ اُسے کہیں جانا نہیں تھا۔ وہ اُونچی ہو کر میدانِ جنگ کو دیکھ رہی تھی۔ میدان خالی ہو چکا تھا۔ اُسے باغ کی دیوار اور درختوں کے بالائی حصے نظر آ رہے تھے لیکن یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ وہ اونٹ سے کود آئی اور خیمے میں چلی گئی۔

"ابنِ مرارہ!" — لیلیٰ نے مجاعہ سے کہا — "تمہارا نبی میدان خالی کر گیا ہے۔ خدا کی قسم، بنو حنیفہ بھاگ گئے ہیں۔"

"میں نے کبھی نہیں سنا کہ تیرہ ہزار نے چالیس ہزار کو شکست دی ہے" — مجاعہ نے کہا — "میدان چھوڑ جانا مسیلمہ کی چال ہو سکتی ہے پسپائی نہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"سب باغ کے اندر ہیں" — لیلیٰ نے کہا۔

"اگر سب باغ میں ہیں تو وہاں سے زندہ صرف بنوحنیفہ نکلیں گے" — مجاعہ بن مرارہ نے کہا۔ "اگر مسلمان باغ میں میرے قبیلے کے پیچھے چلے گئے ہیں تو سمجھ لو کہ انہیں موت باغ میں لے گئی ہے۔ بنوحنیفہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔"

"آج فیصلہ ہو جائے گا" — لیلیٰ نے کہا — "ٹھہرو.... مجھے گھوڑے کے ٹاپ سنائی دے رہے ہیں۔ میرے خاوند کا قاصد ہوگا" — وہ خیمے سے نکل کر کھڑی ہو گئی اور بولی — "وہ فتح کی خبر لایا ہوگا.... وہ آرہا ہے۔"

☆

گھوڑا جو سرپٹ دوڑتا آرہا تھا لیلیٰ کے قریب آرُکا اور سوار گھوڑے سے کود آیا — وہ خالدؓ تھے لیلیٰ انہیں اکیلا دیکھ کر گھبرائی۔ سالار کے اکیلے آنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اُس کی سپاہ تتر بتر ہو گئی ہے۔

"میدانِ جنگ کی کیا خبر ہے؟" — لیلیٰ نے پوچھا — "آپ اکیلے کیوں آئے ہیں؟"

"خدا کی قسم میں نے بنوحنیفہ کو کاٹ دیا ہے" — خالدؓ نے جوشیلی آواز میں کہا — "مسیلمہ کذاب مارا گیا ہے.... اور وہ قیدی کہاں ہے؟"

لیلیٰ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور سکون کی آہ بھر کر بولی — "مجاعہ کہتا ہے کہ بنوحنیفہ ناقابلِ تسخیر ہیں۔"

"میں پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے؟" — خالدؓ نے ہانپتی ہوئی آواز میں پوچھا — "کیا وہ اُسے چھڑا کر لے گئے ہیں؟"

"میں یہیں ہوں ولید کے بیٹے!" — خیمے کے اندر سے مجاعہ کی آواز آئی — "میں تیری اس بات کو سچ نہیں مانوں گا کہ مسیلمہ مارا گیا ہے۔"

"میرے ساتھ چل مجاعہ!" — خالدؓ نے خیمے کے اندر جا کر کہا — "ہو سکتا ہے تیری بات سچ ہو۔ میں مسیلمہ کو نہیں پہچانتا۔ تیرا قبیلہ یہ شور مچاتا بھاگ گیا ہے کہ مسیلمہ مارا گیا ہے۔ میرے ساتھ آ اور لاشوں میں اُس کی لاش دیکھ کر بتا کہ یہ ہے اُس کی لاش۔"

"پھر کیا ہوگا؟" — مجاعہ نے پوچھا — "مجھے آزاد کر دو گے؟"

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے کہا — "میں اس قبیلے کے ایک سردار کو آزاد نہیں کروں گا جو میرے دین کا دشمن ہے۔ رسالتؐ میں شرکت کا دعویٰ کرنے والے اور اس دعوے کو ماننے والوں کو میں کیسے بخش دوں؟ اللہ کے سوا تجھے کوئی نہیں بخش سکتا۔"

"او ولید کے بیٹے!" — مجاعہ بن مرارہ نے کہا — "میں نے اُسے کب نبی مانا تھا۔ وہ چرب زبانی اور شعبدہ بازیوں سے نبی بن گیا تھا اور تو نے دیکھ لیا ہے کہ کتنا بڑا لشکر اُس کا مُرید ہو گیا تھا۔ اگر میں اسے نبی نہ مانتا تو وہ میرے سارے خاندان کو زندہ جلا دیتا، اور یہ وجہ بھی تھی کہ میں اپنے قبیلے سے اپنے آپ کو کاٹ نہیں سکتا تھا۔ اگر تو میرے قتل کا حکم دے گا تو یہ ایک بیگناہ کا قتل ہوگا۔"

"اِس نے مجھے اپنے اُن لوگوں سے بچایا ہے جو ہماری خیمہ گاہ کو لوٹنے اور تباہ و برباد کرنے آئے تھے" — لیلیٰ نے خالدؓ سے کہا — "اِس نے انہیں کہا تھا کہ عورتوں کے پیچھے مت پڑو، پہلے

آدمیوں کے پیچھے جاؤ.... وہ چلے گئے۔ اِس نے انہیں یہ بھی نہ کہا کہ وہ اِس کی بیڑیاں کھول دیں۔"

"تو نے اس عورت پر رحم کیوں کیا ہے مجاعہ؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"کیونکہ اس نے مجھے قید میں بھی وہی عزت دی ہے جو مجھے اپنے قبیلے میں ملا کرتی ہے" — مجاعہ نے کہا — "میں نے اسے اس سلوک کا صلہ دیا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا.... کیا میں ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے آدمیوں سے کہتا کہ میری بیڑیاں کاٹ دیں، پھر میں تیری اتنی حسین بیوی کو اپنی لونڈی بنا لیتا؟"

"بے شک تُو عزت کے لائق ہے مجاعہ!" — خالدؓ نے کہا — "میں تیری بیڑیاں اپنے ہاتھوں کاٹتا ہوں، پھر میرے ساتھ چلنا اور بتانا کہ مسیلمہ کی لاش کون سی ہے۔"

☆

مجاعہ بن مرارہ خالدؓ کے ساتھ خیمے سے نکلا تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں نہیں تھیں۔ باہر خالدؓ کے دو محافظ کھڑے تھے۔ خالدؓ اکیلے اِدھر آئے تھے۔ ان کے محافظ دستے کو پتہ چلا کہ سپہ سالار کسی اور طرف نکل گئے ہیں تو دو محافظ ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھوم پھر کر اُن کے خیمے تک جا پہنچے۔ وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

مجاعہ نے اپنی آنکھوں میدانِ جنگ کی حالت دیکھی۔ اسے اپنے قبیلے کی لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا" — مجاعہ نے کہا — "دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا.... کیا اتنے تھوڑے مسلمان اتنے بڑے لشکر کو شکست دے سکتے ہیں؟"

"یہ فتح انسانوں نے نہیں پائی" — خالدؓ نے کہا — "یہ سچے عقیدے اور اللہ کے سچے رسولؐ کی فتح ہے۔ بنوحنیفہ باطل عقیدے کے لیے میدان میں اُترے تھے۔ ہماری تلواروں نے اس عقیدے کو کاٹ دیا اور اتنا بڑا لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

وہ لاشوں اور تڑپتے زخمیوں میں سے گزرتے باغ تک چلے گئے۔ اندر گئے تو وہاں لاشوں پر لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمان لاشوں کے ہتھیار اکٹھے کر رہے تھے۔ بنوحنیفہ میں سے جو زندہ تھے، وہ اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔

خالدؓ نے وحشی بن حرب کو بلایا اور اُس سے پوچھا کہ اُس شخص کی لاش کہاں ہے جسے اُس نے مسیلمہ سمجھ کر ہلاک کیا ہے۔ وحشی خالدؓ کو وہاں لے گیا جہاں مسیلمہ کی لاش پڑی تھی۔ اُس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں" — خالدؓ نے کہا — "یہ ٹھنگنا اور بدصورت آدمی مسیلمہ نہیں ہو سکتا۔ اِس کے چہرے پر کراہیت ہے۔"

"یہی ہے" — مجاعہ نے کہا — "یہ مسیلمہ کی لاش ہے۔"

"یہ اُس شخص کی لاش ہے جس نے ہزاروں لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا" — خالدؓ نے کہا — "یہ شخص ایک فتنہ تھا۔"

"ابنِ ولید!" — مجاعہ نے خالدؓ سے کہا — "فتح پر خوش نہ ہو۔ تیرے لیے اصل مقابلہ تو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

kutubistan.blogspot.com

ابھی باقی ہے۔"

"کس کے ساتھ؟"

"بنو حنیفہ کے ساتھ" — مجاعہ نے جواب دیا — "یہ تو وہ لشکر تھا جو میدان میں آکر لڑا تھا۔ یہ تو چھوٹا سا ایک حصّہ تھا۔ اس سے بھی بڑا لشکر یمامہ میں قلعے کے اندر تیار کھڑا ہے۔ اپنے جانی نقصان کو دیکھ اور سوچ کہ تیری یہ سپاہ جو بہت کم ہو گئی ہے، اتنے بڑے تازہ دم لشکر کا مقابلہ کر سکے گی؟ تیرے سپاہی تھک کر چُور ہو چکے ہیں۔"

خالدؓ نے لاشوں سے اَٹے ہوئے باغ میں نگاہ دوڑائی۔ اُن کا لشکر واقعی لڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جانی نقصان برداشت کے قابل نہیں تھا۔ زخمیوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ باقی لشکر کی جسمانی کیفیت یہ ہو چکی تھی کہ اللہ کے سپاہی اتنے تھک گئے تھے کہ جہاں جگہ دیکھتے وہاں لیٹ جاتے اور سو جاتے تھے۔ وہ اپنے سے تین گنا زیادہ لشکر سے لڑے تھے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔

"اگر تُو میری ایک تجویز مان لے تو میں قلعے میں جا کر صلح کی بات کرتا ہوں" — مجاعہ نے کہا — "میرا قبیلہ میری بات مان لے گا۔"

خالدؓ بڑے قابل سپہ سالار تھے۔ جنگی قیادت میں اپنی مثال آپ تھے۔ رسولؐ اللہ کے سچے عاشق تھے لیکن خود سر تھے اور زندہ دل بھی۔ وہ دشمن کو صرف شکست دے کر اسے فتح نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی فتح کو اُس وقت مکمل سمجھتے تھے جب بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کر کے اُس کی بستیوں کو اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ اُن کا اصول تھا کہ دشمن کو سانپ سمجھو اور اُس کا سر کچل کر بھی دیکھو کہ اس میں ذرا سی بھی حرکت باقی نہ رہ جائے۔

خود سری کو خالدؓ خوبی سمجھتے تھے۔ اُن میں ڈسپلن بڑا ہی سخت تھا۔ اس کے باوجود جہاں صُورتِ حال پیچیدہ ہو جاتی، خالدؓ اپنے نائب سالاروں سے مشورے اور تجاویز لیتے تھے۔ اب مجاعہ بن مرارہ نے صلح کی بات کی تو خالدؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ دشمن پسپا ہو چکا ہے، اس حقیقت کو بھی سامنے رکھا کہ ان کے مجاہدین لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بنو حنیفہ کا ایک سردار مجاعہ بن مرارہ صلح کی پیشکش کر رہا ہے۔

"اصل فتنہ تو ختم ہو چکا ہے" — عبداللہ بن عمرؓ نے کہا — "مسیلمہ کذاب کے مر جانے سے بنو حنیفہ کا دم خم ٹوٹ چکا ہے۔ میں تو یہ بہتر سمجھتا ہُوں کہ یمامہ کا محاصرہ فوراً کر لیا جائے اور دشمن کو ستانے کی مہلت نہ دی جائے۔"

"صرف یمامہ نہیں" — عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے کہا — "بنو حنیفہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر ایسی جگہوں میں چھپ گئے ہیں جو چھوٹے چھوٹے قلعے ہیں۔ پہلے انہیں پکڑنا ضروری ہے۔ اس کے بعد صلح کی بات ہو سکتی ہے۔"

"صلح کی شرائط ہماری ہوں گی" — عبداللہ بن عمرؓ نے کہا۔

"کیا تمہاری نظر اپنے لشکر کی جسمانی حالت پر بھی ہے؟" — خالدؓ نے کہا — "ابھی شہیدوں اور زخمیوں کی گنتی ہو رہی ہے۔ خدا کی قسم، کسی جنگ نے ہمارا اتنا خون نہیں پیا جتنا یہ جنگ پی گئی ہے اور شاید ہمیں اور بھی خون دینا پڑے گا.... کیا تم بہتر سمجھو گے کہ دشمن کے جو آدمی اِدھر اُدھر چھپ گئے ہیں انہیں پکڑا جائے تاکہ یہ یمامہ کے قلعے میں جا کر ہمارے مقابلے میں نہ آسکیں؟"

"ہم یقیناً اسی کو بہتر سمجھتے ہیں" — عبدالرحمٰنؓ نے کہا — "اگر ہم انہیں پکڑ لیں تو صلح کی کیا ضرورت رہ جائے گی؟"

"مجاعہ نے بتایا ہے کہ ان کے جس لشکر سے ہم لڑ چکے ہیں اس سے کچھ زیادہ لشکر یمامہ کے اندر موجود ہے" — خالدؓ نے کہا — "تم میری اس رائے کو صحیح مانو گے کہ ہماری سپاہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مجاہدین تھکن سے بے حال ہو کر جہاں بیٹھتے ہیں وہاں سو جاتے ہیں۔ ہمارے لیے کمک بھی نہیں رہی۔ اگر کمک منگوائی بھی جائے تو بہت دن لگ جائیں گے۔ اتنے دنوں میں دشمن منظم ہو جائے گا اور اُس پر ہماری جو دہشت غالب آئی ہوتی ہے وہ اُتر جائے گی۔"

"ابنِ ولید!" — عبداللہؓ نے کہا — "تم نے خود بھی تو کچھ سوچا ہو گا۔"

"ہاں ابنِ عمرؓ!" — خالدؓ نے جواب دیا — "میں نے سوچا ہے کہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے دشمن کو پکڑا جائے، پھر یمامہ کا محاصرہ کر لیا جائے اور اس دوران مجاعہ یمامہ میں جا کر اپنے سرداروں کے ساتھ صلح کی بات کرے۔ صلح کے لیے ہم یہ شرط ضرور رکھیں گے کہ بنو حنیفہ شکست تسلیم کر کے ہتھیار ڈال دیں۔"

"یہی بہتر ہے" — عبدالرحمٰنؓ نے کہا۔

"میں بھی اسی کو بہتر سمجھتا ہوں" — عبداللہؓ نے کہا۔

"پھر یہ کام ابھی شروع کر دو" — خالدؓ نے کہا — "دستوں کو مختلف سمتوں کو روانہ کر دو اور انہیں کہو کہ بنو حنیفہ کا کوئی آدمی، عورت یا بچّہ کہیں نظر آجائے اُسے پکڑ کر لے آو۔"

☆

دستوں کو روانہ کر دیا گیا اور خالدؓ نے مجاعہ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ابنِ مرارہ!" — خالدؓ نے مجاعہ سے کہا — "مجھے تجھ پر اعتماد ہے اور میں تجھے اس اعتماد کے قابل سمجھتا ہُوں۔ جا اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ ہم صلح کے لیے تیار ہیں لیکن شرط یہ ہو گی کہ تمہارے ہتھیار ہمارے سامنے زمین پر پڑے ہُوتے ہوں گے۔"

"میں اسی شرط پر صلح کرانے کی کوشش کروں گا" — مجاعہ نے کہا — "لیکن ابنِ ولید! اپنی فوج کی حالت دیکھ لے۔"

"میں مزید خون خرابے سے ہاتھ روکنا چاہتا ہُوں" — خالدؓ نے کہا — "کیا تو نہیں چاہے گا کہ تمہارے اور ہمارے جو آدمی زندہ ہیں وہ زندہ ہی رہیں؟ اپنے قبیلے میں جا کر دیکھ۔ آج کتنے ہزار عورتیں بیوہ اور کتنے ہزار بچے یتیم ہو چکے ہیں، اور یہ بھی سوچ کہ بنو حنیفہ کی کتنی ہی عورتیں ہماری لونڈیاں بن جائیں گی۔"

اُس وقت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کی یہ بات سن کر مجاعہ کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آگئی جس میں تمسخر یا طنز کی جھلک تھی۔ وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"میں جاتا ہوں" — مجاعہ نے کہا — "ابن ولید! تیری خواہش پوری کرنے کی میں پوری کوشش کروں گا۔"

خالدؓ اپنے خیمے کی طرف چل پڑے۔ وہ لاشوں اور زخمیوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ لیلیٰ نے خالدؓ کو دُور سے دیکھا اور دوڑی آئی۔

"کیا تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے؟" ــــ لیلیٰ نے خالدؓ سے پوچھا۔

خالدؓ نے اُسے بتایا کہ انہوں نے مجاعہ کو کس مقصد کے لیے چھوڑا ہے۔

"ابنِ ولید!" ــــ لیلیٰ نے کہا ــــ "اتنے انسانوں کا خون کس کی گردن پر ہوگا؟ میں نے اتنی زیادہ لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔"

"جب تک انسانوں میں انسانوں کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے کی ذہنیت موجُود رہے گی انسانوں کا خون بہتا رہے گا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں نے بھی اتنی لاشیں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ آنے والا زمانہ اس سے زیادہ لاشیں دیکھے گا۔ حق اور باطل آپس میں ٹکراتے رہیں گے.... میں اسی لیے صلح کی کوشش کر رہا ہوں کہ اور خون نہ بہے.... اس سے آگے نہ جانا۔ تم جو دیکھو گی اِسے تم برداشت نہیں کر سکو گی۔"

آسمان سے گِدھ اُترنے لگے تھے اور انہوں نے لاشوں کو نوچنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ مسلمان لاشوں کے درمیان اپنے زخمی ساتھیوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ انہیں اُٹھا اُٹھا کر خیمہ گاہ کی طرف لا رہے تھے۔ باقی سپاہ بنو حنیفہ کے چھپے ہُوئے آدمیوں کو پکڑنے کے لیے چلی گئی تھی۔

☆

رات کو خالدؓ کو اطلاعیں مِلنے لگیں کہ بنو حنیفہ کے آدمیوں کو لا رہے ہیں۔ بعض کے ساتھ عورتیں اور بچّے بھی تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ عورتوں اور بچّوں کو سردی اور بھوک سے بچایا جائے لیکن خیمہ گاہ لُٹ چکی تھی۔ خوراک کی قِلت تھی۔ خالدؓ نے کہا کہ خود بھوکے رہو، قیدی عورتوں اور بچّوں کے پیٹ بھرو۔

اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مسلمان مجاہدین لاشوں سے کھجوروں وغیرہ کی تھیلیاں کھول کر لے آتے۔ ہر سپاہی اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ سامان رکھتا تھا۔ یہ عورتوں اور بچّوں کو دیا گیا۔

علی الصبح مجاعہ یمامہ سے واپس آیا اور خالدؓ کے خیمے میں گیا۔

"کیا خبر لاتے ہو ابنِ مرارہ؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"خبر بُری نہیں" ــــ مجاعہ نے جواب دیا ــــ "لیکن تم اسے اچھا نہیں سمجھو گے.... بنو حنیفہ تمھاری شرط پر صلح کرنے کو تیار نہیں۔ وہ تمھاری غلامی قبول نہیں کریں گے۔"

"خدا کی قسم، میں انہیں اپنا غلام نہیں بنانا چاہتا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "ہم سب اللہ کے رسولؐ کے غلام ہیں۔ میں انہیں اس سچّے رسولؐ کے عقیدے کا غلام بناؤں گا۔"

"وہ اس شرط کو بھی نہیں مانیں گے" ــــ مجاعہ نے کہا ــــ "اور یہ بھی دیکھ کہ تیرے پاس رہ کیا گیا ہے ابنِ ولید! میں نے یمامہ کے اندر جا کر دیکھا ہے۔ ایک لشکر ہے جو زرہ پہنے تیری اس چھوٹی سی فوج کو لہولہان کر دینے کے لیے تیار ہے۔ کبھی یہ حماقت نہ کر بیٹھنا کہ یمامہ کو آ کے محاصرے میں لے لے تو کچلا جائے گا ابنِ ولید! جوش کو چھوڑ اور ہوش کی بات کر۔ اپنی شرط کو نرم کر۔ میں نے بنو حنیفہ کو ٹھنڈا کر لیا ہے۔ اُس لشکر کی آنکھوں میں خون اُترا ہُوا ہے۔"

خالدؓ گہری سوچ میں کھو گئے۔ مجاعہ نے انہیں کوئی نئی بات نہیں بتائی تھی۔ یہ تو خالدؓ دیکھ ہی چکے ے کہ ان کے پاس جو سپاہ رہ گئی ہے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ اس سپاہ کو آرام کی ضرورت تھی ن وہ رات بھر دشمن کے چھپے ہُوئے آدمیوں کو تلاش اور گرفتار کرتی رہی تھی۔ اب تو ان مجاہدین ے سر ڈول رہے تھے۔

"ابنِ مرارہ!" ــــ خالدؓ نے گہری سوچ سے نکل کر کہا ــــ "تجھے شاید معلوم نہ ہو، اپنے ان سرداروں ے پوچھ لینا جو اس جنگ میں شریک تھے کہ ہمارے پاس بنو حنیفہ کا کتنا مال اور سازوسامان ہے اور کتنے ع اور کتنے قیدی ہمارے قبضے میں ہیں۔ واپس جا اور اپنے سرداروں سے کہہ کہ مسلمان آدھا مالِ غنیمت ے باغ اور آدھے قیدی واپس کر دیں گے۔ انہیں سمجھا کہ یمامہ اور اس کی آبادی کو تباہی میں نہ ڈالیں۔"

ابنِ مرارہ چلا گیا۔ اِس دوران مزید قیدی لائے گئے۔

مجاعہ شام سے کچھ پہلے واپس آیا اور اُس نے بتایا کہ بنو حنیفہ کا کوئی سردار اس شرط کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ مجاعہ نے یہ بھی کہا کہ بنو حنیفہ اپنی شکست اور اپنے ہزاروں مقتولین کے خون کا انتقام ں گے۔"

"میری بات کان کھول کر سن ابنِ مرارہ!" ــــ خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا ــــ "اگر بنو حنیفہ یہ سمجھتے ہیں کہ قلیل تعداد ہونے کی وجہ سے ڈر جائیں گے تو انہیں جا کر کہہ دے کہ مسلمان کٹ مریں گے تمہیں نتقام کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"غصّے میں نہ آ ولید کے بیٹے!" ــــ مجاعہ نے مُسکرا کر کہا ــــ "ہمارا جو مالِ غنیمت، باغ اور قیدی تمھارے ں ہیں اُن کا چوتھائی حصّہ اپنے پاس رکھ لے باقی ہمیں دے دے اور آ صلح کر لیں۔ صلح نامہ تحریر ہوگا۔"

خالدؓ ایک بار پھر سوچ میں کھو گئے۔

"میں تجھے ایک بار پھر خبردار کرتا ہُوں ولید کے بیٹے!" ــــ مجاعہ نے کہا ــــ "یہ میرا کمال ہے کہ میں نے بنو حنیفہ کو صلح پر راضی کر لیا ہے۔ میں نے اُن کی لعنت ملامت برداشت کی ہے۔ اُنہوں نے مجھے غدار بھی کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں سے انعام لے کر ہمیں اُن کا غلام بنانا چاہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری تعداد اگر کم بھی ہوتی تو بھی ہم صلح نہ کرتے۔ ہمارے پاس نہ سازوسامان کی کمی ہے نہ خوراک کی۔ ان چیزوں کی کمی ہے تو مسلمانوں کو ہو گی۔ وہ کہتے ہیں کہ اتنی سخت سردی میں مسلمان کب تک محاصرے میں بیٹھے رہیں گے۔ راتوں کی سردی کو وہ کھلے آسمان تلے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ تیری اس چھوٹی سی فوج کے پاس خیمے بھی نہیں رہے.... سوچ لے ابنِ ولید! اچھی طرح سوچ لے۔ اگر تجھے شک ہے تو ذرا آگے جا کر یمامہ کی دیواروں پر ایک نظر ڈال اور دیکھ کہ ایک دیوار تو قلعے کی ہے اور اس کے اوپر ایک دیوار انسانی جسموں کی ہے۔"

خالدؓ بے شک اپنی کمزوریوں سے آگاہ تھے لیکن وہ دشمن کی ہر شرط ماننے کو تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے خیمے سے باہر نکل گئے۔ ان کے نائب سالار باہر کھڑے تھے۔ سالاروں نے بے تابی سے خالدؓ سے پوچھا کہ صلح کی بات کہاں تک پہنچی ہے۔

"میرے ساتھ آؤ" ــــ خالدؓ نے اُن سے کہا۔

نائب سالار خالدؓ کے ساتھ چل پڑے۔ خالدؓ انہیں بتاتے گئے کہ مجاعہ صلح نامے کی کیا شرط لایا ہے۔ وہ چلتے گئے اور ایسی جگہ جا رکے جہاں سے یمامہ شہر کی دیوار نظر آتی تھی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ دیوار پر آدمی ہی آدمی تھے۔ مجاعہ نے ٹھیک کہا تھا کہ شہر کی دیوار کے اوپر انسانی جسموں کی دیوار کھڑی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ شہر میں بہت بڑا لشکر موجود ہے۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نے محاصرہ کیا تو ہم نقصان اٹھائیں گے"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے نائب سالاروں سے کہا۔۔۔ "دیوار پر جو مخلوق کھڑی ہے اس کے تیر ہمیں دیوار کے قریب نہیں جانے دیں گے۔ ہمارے پاس مروانے کے لیے اتنے زیادہ آدمی نہیں"۔

"میں تو صلح کی رائے دوں گا"۔۔۔ ایک نائب سالار نے کہا۔

"جس فتنے کو ہم ختم کرنا چاہتے تھے وہ ختم ہو چکا ہے"۔۔۔ ایک اور نائب سالار نے کہا۔۔۔ "اب ہم صلح کر لیں تو ہم پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے؟"

خالدؓ واپس اپنے خیمے میں آئے اور مجاعہ کو بتایا کہ وہ صلح کے لیے تیار ہیں۔ اُسی وقت صلح نامہ تحریر ہُوا جس پر خالدؓ نے خلافت کی طرف سے اور مجاعہ بن مرارہ نے بنو حنیفہ کی طرف سے دستخط کیے۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمان یمامہ کے کسی آدمی کو جنگی مجرم قرار دے کر قتل نہیں کریں گے۔

مجاعہ واپس چلا گیا۔ اُسی روز اُس نے یمامہ کے دروازے کھول دیئے اور خالدؓ کو شہر میں مدعو کیا۔

☆

خالدؓ اپنے سالاروں اور کمانداروں کے ساتھ یمامہ شہر کے دروازے تک پہنچے۔ اُنہوں نے اُوپر دیکھا۔ دیواروں پر اب ایک بھی آدمی نہیں کھڑا تھا۔ برج بھی خالی تھے۔ خالدؓ کو توقع تھی کہ قلعے کے اندر انہیں بنو حنیفہ کا وہ لشکر نظر آئے گا جس کے متعلق مجاعہ نے انہیں بتایا تھا کہ مسلمانوں کو کچل ڈالے گا مگر وہاں کسی لشکر کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں عورتیں تھیں، بچے اور بوڑھے تھے۔ جوان آدمی ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے کھڑی تھیں بعض منڈیروں پر بیٹھی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عورتیں رو رہی تھیں۔ ان کے خاوند، باپ، بھائی یا بیٹے جنگ میں مارے گئے تھے۔

"ابنِ مرارہ!"۔۔۔ خالدؓ نے مجاعہ سے پوچھا۔۔۔ "وہ لشکر کہاں ہے؟"

"دیکھ نہیں رہے ہو ابنِ ولید!"۔۔۔ مجاعہ نے دروازوں کے سامنے اور چھتوں پر کھڑی عورتوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔۔۔ "یہ ہے وہ لشکر جو شہر کی دیوار پر تیر و کمان اور برچھیاں اُٹھائے کھڑا تھا"۔

"یہ عورتیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں ولید کے بیٹے!"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔۔۔ "شہر میں کوئی لشکر نہیں، یہاں صرف بُوڑھے آدمی ہیں جو لڑنے کے قابل نہیں، عورتیں ہیں اور بچے ہیں"۔

"کیا یہ ہمارے حملے کو روک سکتے تھے؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔۔۔ "کیا عورتیں مقابلے میں آتی تھیں؟"

"نہیں ابنِ ولید!"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔۔۔ "یہ میری ایک چال تھی۔ شہر سے تمام آدمی لڑنے کے لیے چلے گئے ہیں۔ شہر میں کوئی جوان آدمی نہیں رہا تھا۔ میں اپنے قبیلے کو تباہی سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے تمام عورتوں، بوڑھوں اور کمسن لڑکوں کو زرہ اور سروں پر خودیں پہنائیں اور ان کے ہاتھوں میں تیر و کمان اور برچھیاں دے کر دیوار پر کھڑا کر دیا۔ میں نے خود باہر جا کر دیکھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ عورتیں

بوڑھے آدمی اور کمسن لڑکے ہیں۔ میں نے تجھے موقع دیا کہ دیوار پر ایک نظر ڈال لے تاکہ تُو اس جھانسے میں آجائے کہ یمامہ میں بہت بڑا لشکر موجود ہے ۔۔۔۔ اور تو میرے جھانسے میں آگیا"۔

خالدؓ خشمگیں ہوئے۔ وہ مجاعہ کو اس دھوکے کی سزا دے سکتے تھے لیکن اُس عہد نامے کی خلاف ورزی انہیں گوارا نہیں تھی جس پر وہ دستخط کر چکے تھے۔

"خدا کی قسم!"۔۔۔ خالدؓ نے مجاعہ سے کہا۔۔۔ "تُو نے مجھے دھوکہ دیا ہے"۔

"میں تجھے دھوکہ دے سکتا ہوں"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔۔۔ "اپنے قبیلے کی عورتوں اور بچوں سے غدّاری نہیں کر سکتا۔ میں انہیں تیری تلواروں سے بچانا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں بچا لیا ہے"۔

"تُو خوش قسمت ہے کہ میں مسلمان ہُوں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "اسلام معاہدہ توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں صلح نامے پر دستخط کر چکا ہُوں، ورنہ میں تمھاری ان تمام عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتا"۔

"مجھے معلوم تھا تُو ایسے نہیں کرے گا"۔۔۔ مجاعہ نے کہا۔

"لیکن ایک بات سن لے ابنِ مرارہ!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں نے معاہدہ صرف یمامہ شہر کے لیے کیا ہے۔ اس میں ارد گرد کے علاقے شامل نہیں۔ میں پابند ہوں کہ یمامہ کے اندر کسی جنگی مجرم کو قتل نہ کروں۔ یمامہ کے باہر میں جسے سمجھوں گا کہ اسے قتل ہونا چاہیئے، اُس کے قتل سے میں گریز نہیں کروں گا"۔

☆

ارتداد کا سب سے بڑا مرکز یمامہ تھا جو خالدؓ نے اکھاڑ پھینکا اور جھوٹے نبی کو ہلاک کر کے اُس کی لاش کی نمائش کی گئی۔ اِس کے پیروکاروں سے کہا گیا کہ مسلیمہ کے پاس معجزوں کی طاقت ہوتی تو تمھارے چالیس ہزار سے زیادہ لشکر کا یہ حشر تیرہ ہزار آدمیوں کے ہاتھوں نہ ہوتا۔

"بنو حنیفہ!"۔۔۔ مسلمان یمامہ کی گلیوں میں اعلان کرتے پھرتے تھے۔۔۔ "عورتیں مت ڈریں۔ کسی کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا۔ شہر کے اندر کسی مرد، بچے یا عورت پر ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ مسیلمہ فریب کار تھا۔ اُس نے تم سب کو دھوکہ دے کر تمھارے گھر اُجاڑ دیئے ہیں"۔

یمامہ پر خوف و ہراس اور موت کی ویرانی طاری تھی۔ عورتیں شہر سے باہر نکلنے سے ڈرتی تھیں۔ انہیں مسلمانوں سے کوئی ڈر اور خدشہ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھنے سے ڈرتی تھیں۔ وہ شہر کی دیوار پر جا کر باہر کا منظر دیکھتی تھیں۔ انہیں گِدھوں، گیدڑوں اور بھیڑیوں کی خوفناک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ یہ سب لاشیں کھا رہے تھے۔

یمامہ اور گرد و نواح کے لوگوں نے اتنی قتل و غارت کبھی دیکھی نہ سنی تھی۔ یہ تو قہر نازل ہُوا تھا۔ گھر گھر ماتم ہو رہا تھا۔ اس بھیانک صُورتِ حال میں لوگ اس غیبی قوت کے آگے سجدے کرنا چاہتے تھے جس نے ان پر قہر نازل کیا تھا۔ مسلمانوں کی فوج میں قرآن کے حافظ اور قاری بھی تھے۔ اُنہوں نے لوگوں کو آیاتِ قرآنی سنا کر بتانا شروع کر دیا کہ انہیں تباہ کرنے والی غیبی طاقت کیا ہے۔

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ بنو حنیفہ کے جو آدمی بھاگ گئے تھے، ان کی تعداد کم و بیش بیس ہزار تھی۔ وہ یوں لاپتہ ہُوئے کہ اِدھر اُدھر چھپ گئے تھے۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے۔ وہ بھی خوفزدہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وہ نادم بھی تھے کہ انہوں نے ایک جھوٹے نبی کے ہاتھ پر بیعت کی جس نے انہیں کہا تھا کہ اُسے خُدا نے ایسی طاقت دی ہے کہ فتح بنو حنیفہ کی ہی ہو گی اور مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ انہیں تبلیغ کی اور اسلام کے تفصیلی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ ان میں بیشتر نے از خود اسلام قبول کر لیا۔

مجاعہ بن مرارہ بنو حنیفہ کی سرداری میں مسیلمہ کذاب کا جانشین تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا قبیلہ دھڑا دھڑ اسلام قبول کرتا جا رہا ہے تو اس سے اُسے یہ اطمینان ہُوا کہ خالدؓ کے دل میں اُس کے خلاف جو خفگی تھی وہ نکل گئی ہے۔

بنو حنیفہ کے لوگ جوق در جوق خالدؓ کے پاس بیعت کے لیے آ رہے تھے۔ خالدؓ نے ان میں سے چند ایک سرکردہ افراد کا ایک وفد تیار کیا اور انہیں خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر بیعت کے لیے مدینہ بھیج دیا۔

☆

خالدؓ کو یہ جنگ بہت مہنگی پڑی تھی۔ قدیم تحریروں اور دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کو اتنے بڑے لشکر پر فتح حاصل کرنے کی توقع کم ہی تھی۔ اُنہوں نے یہ اللہ کے بھروسے اور اپنی جنگی قابلیت کے بل بوتے پر لڑی تھی۔ اُن کے اعصاب تھک کر چُور ہو چکے تھے۔

اس جنگ کی خونریزی کا اندازہ یہ ہے کہ بنو حنیفہ کے اکیس ہزار آدمی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد الگ ہے۔ اس کے مقابلے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار دو سو تھی۔ ان میں تین سو شہید قرآن کے حافظ تھے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جب خلیفہ ابوبکرؓ کو اطلاع ملی کہ شہیدوں میں تین سو حافظ قرآن تھے تو اُنہوں نے یہ سوچ کر کہ جنگوں میں قرآن کے تمام حافظ شہید ہو سکتے ہیں، حکم دیا کہ قرآن ایک جگہ تحریر میں جمع کر لیا جائے۔ چنانچہ پہلی بار قرآن کو اِس شکل میں مرتّب کیا گیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔

جنگِ یمامہ کے بعد خالدؓ کی کیفیت یہ تھی کہ جسمانی اور ذہنی لحاظ سے شل ہو چکے تھے۔ لیلیٰ ان کے تھکے ماندے اعصاب سہلاتی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کسی بھی جنگ میں مسلمانوں کا اتنا جانی نقصان نہیں ہُوا تھا۔ اب ایک ہی بار ایک ہزار دو سو مجاہدین شہید ہو گئے تو باقی مجاہدین پر جیسے غم کے پہاڑ آ پڑے ہوں۔ خالدؓ دکھ اور غم کو قبول کرنے والے نہیں تھے۔ اگر وہ مرنے والوں کا ماتم کرنے بیٹھ جاتے یا دل پر غم طاری کر لیتے تو سپہ سالاری نہ کر سکتے۔ انہیں آگے چل عراق اور شام فتح کرنا تھا۔ انہیں ارتداد کو کچل کر اسلام کو دُور دُور تک پھیلانا تھا، اس لیے وہ اپنے آپ کو رنج و الم سے آزاد رکھتے تھے۔

”ولید کے بیٹے!“ — لیلیٰ نے خالدؓ سے کہا — ”میں تمہیں اس عظیم فتح پر ایک تحفہ دینا چاہتی ہُوں۔“

”کیا اللہ کی خوشنودی کافی نہیں“ — خالدؓ نے کہا۔

”وہ تو تمہیں مِل ہی گئی ہے“ — لیلیٰ نے کہا — ”تم اللہ کی تلوار ہو۔ میں اس دُنیا کی بات کر رہی ہُوں۔ تم بہت تھک گئے ہو۔“

”تحفہ کیا ہے؟“ — خالدؓ نے پوچھا۔

”مجاعہ بن مرارہ کی بیٹی“ — لیلیٰ نے کہا — ”تم نے اُسے نہیں دیکھا۔ میں اُس کے گھر گئی تھی بہت

خوبصورت لڑکی ہے۔ یمامہ کا ہیرا ہے۔ وہ تمہیں چاہتی بھی ہے۔ کہتی ہے کہ خالدؓ عظیم انسان ہے جس نے ہم پر فتح پا کر بھی اعلان کیا ہے کہ کسی عورت کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا، حالانکہ اُسے یمامہ کی عورتوں نے دھوکہ دیا تھا۔“

اُس دور میں عربوں کے ہاں سوکن کا تصوّر نہیں تھا۔ خالدؓ نے مجاعہ بن مرارہ سے کہا کہ وہ اُس کی بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مجاعہ اتنا حیران ہُوا جیسے اُس نے غلط سُنا ہو۔

”کیا کہا تُو نے ولید کے بیٹے؟“ — مجاعہ نے پوچھا۔

”میں تمھاری بیٹی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہُوں“ — خالدؓ نے اپنی بات دہرائی۔

”کیا خلیفہ ابوبکرؓ ہم دونوں سے خفا نہ ہوں گے؟“ — مجاعہ نے کہا۔ (مجاعہ کے صحیح الفاظ یہ تھے — ”کیا خلیفہ ہم دونوں کی کمر نہ توڑ ڈالیں گے؟“)

خالدؓ اسی پر اصرار کرتے رہے کہ وہ مجاعہ کی بیٹی کے ساتھ شادی کریں گے۔ آخر اُنہوں نے اس حسین اور جوان لڑکی کو اپنے عقد میں لے لیا۔ یہ خبر مدینہ پہنچی تو خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو خط لکھا:

”او ولید کے بیٹے! تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ شادیاں کرتے پھرتے ہو۔ تمھارے خیمے کے باہر بارہ سو مسلمانوں کا خُون بہہ گیا ہے۔ تم نے شہیدوں کا خُون بھی خشک نہیں ہونے دیا۔“

”یہ عمرؓ بن خطاب کی کارستانی ہے“ — خالدؓ نے خط پڑھ کر زیرِ لب کہا۔

یہ معاملہ سرزنش کے خط پر ہی ختم ہو گیا۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ وہ یمامہ کے علاقے میں رہیں اور اگلے حکم کا انتظار کریں۔ خالدؓ مجاعہ کی بیٹی اور لیلیٰ کو ساتھ لے کر یمامہ کے قریب وادئ وبر میں جا خیمہ زن ہُو گئے۔ دو ماہ بعد انہیں اگلا حکم مِلا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فروری ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے (ذوالقعدہ ۱۱ ہجری کے آخری ہفتے) کے ایک دن خلیفہ ابوبکرؓ سے ملنے ایک شخص آیا جس نے اپنا نام مثنیٰ بن حارثہ شیبانی بتایا۔ خلیفہ کے لئے اور اہلِ مدینہ کے لئے وہ ایک غیر اہم بلکہ گمنام آدمی تھا۔ اگر ایسا شخص کسی بادشاہ کے دربار میں جاتا تو اُسے وہاں سے نکال دیا جاتا لیکن ابوبکرؓ کسی اقلیم کے بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہِ دوجہاں کے خلیفہ تھے جن کے دروازے ہر کسی کے لئے کھُلے رہتے تھے۔

یہ شخص جب خلیفہ ابوبکرؓ کے پاس آیا، اُس وقت اُس کے چہرے پر تھکن اور شب بیداری کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ کپڑوں پر گَرد تھی اور وہ قدرتی روانی سے بول بھی نہیں سکتا تھا۔

"کیا مجھے کوئی بتا سکتا ہے یہ اجنبی مہمان کون ہے؟" ——— امیرالمومنین ابوبکرؓ نے پُوچھا۔

"یہ شخص جس نے اپنا نام مثنیٰ بن حارثہ بتایا ہے، یہ معمولی آدمی نہیں" ——— قیس بن عاصم المنقری نے جواب دیا ——— "امیرالمومنین! اس کے یہاں آنے میں کوئی فریب نہیں۔ شہرت اور عزت جو اس نے پائی ہے وہ اللہ ہر کسی کو عطا کرے۔ ہرمز جو عراق میں فارس کا سالار ہے اور جس کی فوج کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے، مثنیٰ بن حارثہ کا نام سُن کر سوچ میں پڑ جاتا ہے۔"

"امیرالمومنین!" ——— کسی اور نے کہا ——— "آپ کا اجنبی مہمان بحرین کے قبیلہ بکر بن وائل کا معزز فرد ہے۔ یہ اسلام قبول کرنے والے اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے کفر اور ارتداد کی آندھیوں میں اسلام کی شمع روشن رکھی ہے اور اس نے ہمارے سالار علاء بن حضرمی کے ساتھ مل کر عراق کی سرحد کے علاقوں میں مُرتدین کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں۔"

امیرالمومنین ابوبکرؓ کا چہرہ چمک اُٹھا۔ اب اُنہوں نے مثنیٰ بن حارثہ کو بدلی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ اُن کے ذہن میں عربی مسلمانوں کے وہ قبائل آ گئے جو ایرانیوں کے محکوم تھے۔ یہ عراق کے علاقے میں آباد تھے۔ یہ تھے بنو لخم، تغلب، ایاد، نمبر اور بنو شیبان۔ ایک روایت کے مطابق یہ وہ عربی باشندے تھے جنہیں پہلی جنگوں میں ایرانی جنگی قیدی بنا کر لے گئے اور انہیں دجلہ اور فرات کے ڈیلٹا کے دلدلی علاقے میں آباد کر دیا تھا۔

اِن قبائل نے ایرانیوں کا غلام ہوتے ہوئے بھی اپنے عقیدوں کو اپنے وطن کے ساتھ وابستہ رکھا۔ عرب میں اسلام کو فروغ ملا تو اُنہوں نے بھی اسلام کو قبول کر لیا۔ عراق سے سجاح جیسے چند افراد نے نبوّت کے دعوے کیے تو ان محکوم عربوں نے اس ارتداد کے خلاف محاذ بنا لیا۔

اِدھر مسلمان ایک ایسی جنگی طاقت بن چکے تھے جن کے سامنے مُرتدین اور کفّار کے متحدہ لشکر بھی نہ جم سکے۔ میدانِ جنگ سے ہٹ کر مسلمان جو عقیدہ پیش کرتے تھے وہ [illegible] میں اُتر

جاتا تھا۔ اس طرح مسلمان عسکری اور نظریاتی لحاظ سے چھاتے چلے جا رہے تھے لیکن ابھی وہ آتش پرست ایرانیوں کے خلاف ٹکر لینے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔ ایران اُس وقت کی بڑی طاقتور بادشاہی تھی جس کے طول و عرض کا حساب نہ تھا۔ اس بادشاہی کی فوج تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بہت طاقتور تھی۔ صرف رُومی تھے جنہوں نے ان سے جنگیں لڑیں اور انہیں کچھ کمزور کر دیا تھا۔

اس کے باوجود خلیفہ ابوبکرؓ ایران کی بادشاہی میں رسول اللہؐ کا پیغام پہنچانے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ ایرانی نہ صرف یہ کہ اسلام کو قبول کرنے پر تیار نہ تھے بلکہ وہ اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی ایلچی اُن کے کسی علاقے کے امیر کے دربار میں چلا جاتا تو وہ اُس کی بے عزتی کرتے اور بعض کو قید میں بھی ڈال دیا کرتے تھے۔

حکومتوں اور حکمرانوں کے انداز اور خیالات اپنے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے سوچنے کے انداز بھی مصلحت اور حالات کے تابع ہوتے ہیں لیکن عوام کی سوچیں ان کے جذبوں کے زیرِ اثر ہوتی ہیں اور ملک و ملّت کی خاطر عوام آگ اُگلتے پہاڑوں کے خلاف بھی سینہ سُپر ہو جاتے ہیں۔

۲

اُس دَور میں عراق ایران کی بادشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا امیر یا حاکم ہرمز تھا جو اُس دَور میں مانا ہُوا جنگجو اور نڈر جنگی قائد تھا۔ ظالم اور بدطینت اتنا کہ اُس کے علاقے کے لوگ کسی کے خلاف بات کرتے تو کہتے تھے ——— "وہ تو ہرمز سے بڑھ کر کمینہ اور بدفطرت ہے۔"

اُس کے ظلم و ستم کا زیادہ تر شکار مسلمان تھے جو دجلہ اور فرات کے سنگھم کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان کے خلاف ہرمز کو یہی ایک دشمنی تھی کہ وہ اسلام کے پَیروکار ہیں۔ کسی ایرانی کے ہاتھوں کسی مسلمان کا قتل ہو جانا اور کسی مسلمان عورت کا اغوا کوئی جُرم نہیں تھا۔ ہندوؤں کی طرح ایرانی مسلمانوں کو تکلیف پہنچا کر، کسی بہانے اُن کے گھروں کو لُوٹ کر اور جلا کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ مسلمان خوف و ہراس میں زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمان جس علاقے میں آباد تھے، اُس کی زمین سونا اُگلتی تھی۔ اناج اور پھلوں کی پیداوار کے لئے یہ علاقہ بڑا ہی زرخیز تھا۔ یہ علاقہ جو کم و بیش تین سَو میل لمبا تھا، زرخیزی اور شادابی کے علاوہ قدرتی مناظر کی وجہ سے حسین خطّہ تھا۔ حاکم عیش و عشرت کے لئے اسی علاقے میں آتے اور کچھ دن گزار جاتے تھے۔ اس زرخیز اور شاداب علاقے میں مسلمانوں کو آباد کرنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ کھیتی باڑی کریں اور خوشحال رہیں، بلکہ انہیں یہاں مزارعوں کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ وہ زمین کا سینہ چیر کر شبانہ روز محنت اور مشقت سے اناج اور پھل اُگاتے مگر اس میں سے اُنہیں اتنا ہی حصہ ملتا جو اُنہیں محض زندہ رکھنے کے لئے کافی ہوتا تھا۔ زمین کی اُگلی ہوئی تمام دولت حاکموں کے گھروں میں اور ایرانی فوج کے پاس چلی جاتی تھی۔ مسلمان مزارعوں کے لئے غربت اور ایرانیوں کی نفرت رہ جاتی تھی۔

مسلمان اپنی جوان بیٹیوں کو گھروں میں چھُپا کر رکھتے تھے۔ کسی ایرانی فوجی کو کوئی مسلمان لڑکی اچھی لگتی تو وہ کسی نہ کسی بہانے یا اُس کے گھر والوں پر کوئی الزام عائد کر کے اُسے اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ ایرانی فوجی کسی بہانے کے بغیر بھی مسلمان لڑکیوں کو اپنے ساتھ زبردستی لے جا سکتے تھے لیکن غلامی اور

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مظلومیت کے باوجود مسلمانوں میں غیرت کا جذبہ موجود تھا۔ پہلے پہل زبردستی اغوا کی وارداتیں ہوئیں تو مسلمانوں نے دو تین فوجیوں کو قتل کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو اس کی سزا تو بڑی ظالمانہ ملی تھی اور انہیں اپنی لڑکیوں کو بچانے کی قیمت بھی بہت دینی پڑی تھی لیکن زبردستی اغوا کا سلسلہ رُک گیا تھا۔

آتش پرست ایرانی اپنے فوجیوں کو سانڈوں کی طرح پالتے تھے۔ ہر سپاہی اس قسم کی زرہ پہنتا تھا کہ سر پہ آہنی زنجیروں کی خود اور بازوؤں پر دھات کے خول اس طرح چڑھے ہوتے تھے کہ بازوؤں کی حرکت میں رکاوٹ نہیں ہوتی تھی۔ ان کی ٹانگوں کو بھی بڑے سخت چمڑے یا کسی دھات سے محفوظ کیا ہوتا تھا۔

اسلحہ اتنا کہ ہر سپاہی کے پاس ایک تلوار، ایک برچھی اور ایک گُرز ہوتا تھا۔ گُرز پر ایرانی سپاہی خاص طور پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ ہر سپاہی کے پاس ایک کمان اور ترکش میں تیس تیر ہوتے تھے۔ انہیں عیش و عشرت، کھانے پینے اور لُوٹ مار کی کھُلی اجازت تھی۔ وہ جرأت اور عسکری مہارت میں قابلِ تعریف تھے۔ اُن کی کمزوری صرف یہ تھی کہ وہ صرف آمنے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے تھے اور لڑتے بھی بے جگری سے تھے لیکن اتنا اسلحہ اُٹھا کر وہ پھُرتی سے نقل و حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ کسی دستے یا جیش کو فوراً ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا پڑتا تو وہ مطلوبہ وقت میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اتنے زیادہ ہتھیاروں کا بوجھ انہیں جلدی تھکا دیتا تھا۔ البتہ اُن کی تعداد اتنی زیادہ تھی جو اُن کی سست رفتاری کی کمزوری کو چھُپا لیتی تھی۔

۲

دجلہ اور فرات کے سنگھم کے علاقے کے جنوب میں اُبلہ ایک مقام تھا جو عراق اور عرب کی سرحد پر تھا۔ اُس زمانے میں اُبلہ ایک شہر تھا۔ اس کے اِردگرد علاقہ شاداب اور سرسبز تھا۔ وہاں بڑے خوبصورت جنگل اور ہری بھری پہاڑیاں تھیں۔ یہ تاریخی اہمیت کا علاقہ تھا۔ آج بھی وہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں جو بزبانِ خاموشی تاریخی کہانیاں سناتے ہیں۔ ہر کہانی عبرت ناک ہے۔

اِس خطے میں اُن قوموں کی تباہی اور بربادی کے آثار بھی موجود ہیں جنہوں نے عیش و عشرت کو زندگی کا مقصد بنا لیا تھا اور رعایا کو وہ انسانیت کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ خدا نے اُنہیں راہِ مستقیم دکھانے کے لئے پیغمبر بھیجے تو ان لوگوں نے پیغمبروں کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ تم تو ہم میں سے ہو اور دُنیا میں تمہاری حیثیت اور تمہارا رُتبہ بھی کوئی نہیں، پھر تم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر کس طرح ہو سکتے ہو؟

آخر خدا نے اُنہیں ایسا تباہ و برباد کیا کہ اُن کے محلّات اور اُن کی بستیوں کو کھنڈر بنا دیا۔ خدا نے اُن کا تفصیلی ذکر قرآن میں کیا اور فرمایا ہے — "کیا تم نے زمین پر گھوم پھر کر نہیں دیکھا کہ جو اپنی بادشاہی پر اتراتے اور خدا کی سرکشی کرتے تھے اور جو اونچے پہاڑوں پر اپنی یادگاریں بناتے تھے کہ اُن کے نام ہمیشہ زندہ رہیں، وہ اب کہاں ہیں؟" — اب زمین کے نیچے سے اُن کے محلّات اور اُن کی یادگاروں کے کھنڈرات نکل رہے ہیں۔

ان کے بعد بھی پُرشکوہ شہنشاہ آئے اور ایک کے بعد ایک اپنے کھنڈرات چھوڑتا گیا۔ بابل کے کھنڈر بھی آج تک موجود ہیں۔ اس خطے میں اشوری آئے، ساسانی آئے اور اب جب مدینہ میں ابوبکرؓ صدیق امیر المومنین تھے، دجلہ اور فرات کے اس حسین اور عبرت انگیز خطے میں ایرانیوں کا طوطی بول رہا تھا اور یہ آتش پرست قوم پہلی قوموں کی طرح یہی سمجھتی رہی کہ اسے تو زوال آ ہی نہیں سکتا۔ وہ محکوموں کے خدا بنے ہوئے تھے۔

۲

"بنتِ سعود!" — ایک نوجوان مسلمان لڑکی اپنی سہیلی سے پُوچھ رہی تھی — "خدّام نہیں آیا؟"

زہرہ بنتِ سعود کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے آہ بھر کر منہ پھیر لیا۔

"تم کہتی تھیں وہ تمہیں دھوکہ نہیں دے گا" — سہیلی نے زہرہ سے کہا — "خدا نہ کرے، وہ اُس بدبخت ایرانی کے ہاتھ چڑھ گیا ہو۔"

"خدا نہ کرے" — زہرہ بنتِ سعود نے کہا — "وہ آئے گا... چار دن گزر گئے ہیں.... میں اس ایرانی کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ موت قبول کر لُوں گی، اُسے قبول نہیں کروں گی۔ خدّام مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔"

"زہرہ!" — سہیلی نے اُسے کہا — "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم اُس ایرانی کماندار کو قبول کر لو؟ تمہارے خاندان کے لئے بھی یہی بہتر ہو گا۔ یہی ہے نا کہ تمہیں اپنا عقیدہ بدلنا پڑے گا۔ ساری عمر عیش تو کرو گی نا!"

"میں نے جس خدا کو دیکھ لیا ہے اُسی کی عبادت کروں گی" — زہرہ نے کہا — "آگ خدا نے پیدا کی ہے، آگ خدا نہیں ہو سکتی۔ میں خدا کی موجودگی میں کسی اور کی پرستش کیوں کروں؟"

"سوچ لو زہرہ!" — سہیلی نے کہا — "تم اُسے قبول نہیں کرو گی تو وہ تمہیں زبردستی اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ اُسے کون روک سکتا ہے؟ وہ شاہی فوج کا کماندار ہے۔ وہ تمہارے گھر کے بچّے بچّے کو قید خانے میں بند کرا سکتا ہے۔ ہوں تو میں بھی مسلمان کی بیٹی۔ میں اللہ کی عبادت کرتی اور اللہ کی ہی قسم کھاتی ہوں لیکن اللہ نے ہماری کیا مدد کی ہے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ اللہ تمہاری مدد کرے گا؟"

"اگر اللہ نے میری مدد نہ کی تو اپنی جان لے لُوں گی" — زہرہ نے کہا — "اور اللہ سے کہوں گی کہ یہ لے، اگر میرے وجود میں جان تُو نے ڈالی تھی تو واپس لے لے" — اور اُس کے آنسو بہنے لگے۔

زہرہ اپنے جیسے ایک خوبصورت جوان خدّام بن اسد کو چاہتی تھی اور خدّام اُس پر جان نثار کرتا تھا۔ اُن کی شادی ہو سکتی تھی لیکن شمر ایرانی فوج کا ایک کماندار تھا جس کی نظر زہرہ بنتِ سعود پر پڑ گئی تھی۔ اُس نے اس لڑکی کے باپ سے کہا تھا کہ وہ اُس کی بیٹی کو بڑی آسانی سے گھر سے لے جا سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کرے گا۔

"میں تمہاری بیٹی کو مالِ غنیمت سمجھ کر نہیں لے جاؤں گا" — شمر نے کہا تھا — "اسے دو گھوڑوں والی اُس بگھی پر لے جاؤں گا جس پر دُولہے اپنی دُلہنوں کو لے جایا کرتے ہیں۔ تم لوگوں کو فخر سے بتایا کرو گے کہ تمہاری بیٹی ایک ایرانی کماندار کی بیوی ہے۔"

"لیکن ایرانی کماندار!" — زہرہ کے باپ نے کہا تھا — "تمہارا احترام ہم پر لازم ہے۔ اگر لڑکی تمہاری دُلہن بننا چاہے گی تو ہم اُسے نہیں روکیں گے۔"

"تم غلیظ عربی!" — ایرانی کماندار نے اُس نفرت سے جس سے وہ ہر مسلمان سے بات کیا کرتا تھا، کہا — "تُو بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے والی قوم میں سے ہے اور کہتا ہے کہ اپنی شادی کا فیصلہ تیری بیٹی خود کرے گی۔ زرتشت کی قسم، اگر تیری بیٹی نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں نہ دیا تو تجھے اور تیری بیٹی کو اُن کوٹھڑیوں

میں بند کردوں گا جن میں کوڑھی بند ہیں .... بہت تھوڑی مہلت دوں گا بُوڑھے!"

اُس کے ساتھ اُس کے تین گھوڑ سوار سپاہی تھے۔ اُنہوں نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا تھا۔

"مدینہ بہت دُور ہے بدبخت بُوڑھے!" — ایک سپاہی نے اُسے دھکّہ دے کر کہا تھا — "تیرا امیرالمومنین تیری مدد کو نہیں آئے گا۔"

زہرہ کے باپ کو اور اُس کے بھائیوں کو معلوم تھا کہ وہ ایران کے ایک سپاہی کی بھی حکم عدولی نہیں کر سکتے، یہ تو کماندار تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ شمر اُن کی بیٹی کو اُٹھوا بھی سکتا ہے اور وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن اس خطّے کے مسلمانوں کے دلوں میں آگ کے پُجاریوں کی جو نفرت تھی، وہ انہیں مجبور کر رہی تھی کہ وہ اِن کے غلام ہوتے ہوئے بھی اِن کی غلامی قبول نہ کریں اور اس کا انجام کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو، اسے برداشت کریں۔ انہیں اپنے اللہ پر بھروسہ تھا۔

زہرہ اور خدّام کو ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ پھلوں کے باغات میں کام کرتے تھے۔ جس روز شمر زہرہ کے گھر آیا تھا اُس سے اگلے روز زہرہ، خدّام سے ملی اور خوفزدہ لہجے میں اُس نے خدّام کو بتایا کہ ایرانی کماندار کیا دھمکی دے گیا ہے۔

"ہم یہاں سے بھاگ نہ چلیں؟" — زہرہ نے پُوچھا۔

"نہیں" — خدّام نے جواب دیا — "اگر ہم بھاگ گئے تو یہ بدبخت تمہارے اور میرے خاندان کے بچّے بچّے کو قتل کر دیں گے۔"

"پھر کیا ہوگا؟" — زہرہ نے پُوچھا۔

"جو خدا کو منظور ہوگا" — خدّام نے کہا۔

"خدا، خدا، خدا" — زہرہ نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا — "جو خدا ہماری مدد نہیں کر سکتا....."

"زہرہ!" — خدّام نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا — "خدا اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالا کرتا ہے۔ بندے خدا کا امتحان نہیں لے سکتے" — خدّام گہری سوچ میں کھو گیا۔

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تم اس آتش پرست شمر کا مقابلہ کرو گے" — زہرہ نے کہا۔

خدّام گہری سوچ میں کھویا رہا۔

"سوچنے کیا ہو؟" — زہرہ نے کہا — "تم اس شخص کو قتل تو نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے۔"

"خدا نجات کا راستہ بھی دکھا دے گا" — خدّام نے کہا۔

"تمہیں ایک اور راستہ میں دکھا سکتی ہوں" — زہرہ نے کہا — "مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دو اور تم زندہ رہو۔"

"تھوڑی سی قربانی دو" — خدّام نے کہا — "میں اُس نفرت کا اندازہ کر سکتا ہوں جو شمر کے خلاف تمہارے دل میں بھری ہوئی ہے لیکن اُس پر یہ ظاہر کرو کہ تم اُسے پسند کرتی ہو۔ اُسے دھوکے میں رکھو۔ میں کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جاؤں گا۔"

"کہاں جاؤ گے؟" — زہرہ نے پُوچھا — "کیا کرنے جاؤ گے؟"

"مجھ سے ہر بات نہ پُوچھو زہرہ!" — خدّام نے کہا — "میں خدائی مدد حاصل کرنے جا رہا ہوں۔"

"خدا کی قسم، خدّام!" — زہرہ نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا — "اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو میری بدرُوح تمہیں چین سے جینے نہیں دے گی۔ میں ایک دن کے لئے بھی اُس کافر کی بیوی بن کے نہیں رہ سکوں گی۔ اُس کی بیوی بننے کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے تم ہی نہیں میرا مذہب بھی چھن جائے گا۔"

"اگر تم مذہب کی اتنی پکّی ہو تو خدا ہماری مدد کو آئے گا" — خدّام نے کہا۔

"خدّام!" — زہرہ نے مایوسی کے لہجے میں کہا — "میں مذہب کی تو پکّی ہوں لیکن خدا پر میرا عقیدہ متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔"

۷

خدّام کچھ اور کہنے ہی لگا تھا کہ باغ میں کام کرتے ہوئے لوگوں میں ہڑبونگ سی مچ گئی۔ تین چار آدمیوں نے خدّام کو پُکارا۔ زہرہ اُٹھی اور وہیں سے پودوں میں غائب ہو گئی۔ خدّام نے اُٹھ کر دیکھا۔ کچھ دُور پرے ایرانی کماندار شمر اپنے گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ اُس نے دُور سے ہی کہا تھا کہ خدّام کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔ خدّام آہستہ آہستہ چلتا شمر کی طرف گیا۔

"تیز چلو!" — شمر نے گھوڑا روک کر دُور سے کہا۔

خدّام نے اپنی چال نہ بدلی۔ شمر نے ایک بار پھر گرج کر اُسے تیز چلنے کو کہا۔ خدّام اپنی ہی رفتار چلتا رہا۔ شمر گھوڑے سے کُود کر اُترا اور کولہوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ باغ میں کام کرتے ہوئے مسلمان دم بخود دیکھتے رہے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ شمر خدّام کی ہڈی پسلی ایک کر دے گا لیکن خدّام جب اس کے سامنے جا رُکا تو شمر نے ہاتھ بھی نہ اُٹھایا۔

"دیکھ کمینے انسان!" — شمر نے خدّام سے حقارت کے لہجے میں کہا — "میں تمہارے باپ پر اور تمہاری جوانی پر رحم کرتا ہوں۔ آج کے بعد میں تمہیں اس لڑکی کے ساتھ نہ دیکھوں۔"

"اگر تم نے مجھے اس لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟" — خدّام نے پُوچھا۔

"پھر میں تمہارے منہ پر ایک دو تھپّڑ نہیں ماروں گا" — شمر نے پُوچھا — "تمہیں درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دوں گا۔ جاؤ میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔"

شمر گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ خدّام وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"خدّام!" — اُسے کسی نے بلایا اور کہا — "اِدھر آ جاؤ" — پھر اُسے تین چار آدمیوں کی آوازیں سُنائی دیں — "آ جاؤ خدّام، آ جاؤ۔"

وہ پیچھے مُڑا اور لوگوں کے پاس جا رُکا۔ سب اُس سے پوچھنے لگے کہ شمر نے کیا کہا تھا۔ خدّام نے اُنہیں بتایا۔ سب جانتے تھے کہ خدّام کا جُرم کیا ہے۔ اگر یہ مسلمان آزاد ہوتے۔ اُن کی اپنی حکومت ہوتی اور یہ معاشرہ اُن کا اپنا ہوتا تو وہ خدّام کو بُرا بھلا کہتے کہ وہ کسی کی نوجوان بیٹی کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے تھا لیکن وہاں صورت مختلف تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ خدّام بُرے چال چلن کا نوجوان نہیں۔ اس مظلومیت میں بھی مسلمان متحد تھے، لیکن باغ میں کام کرنے والوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ آتش پرست ادھر کیا لینے آیا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اُسے اِدھر لایا گیا تھا" — ایک نے کہا — "اور لانے والا کوئی ہم میں سے ہی تھا"

"معلوم کرو وہ کون ہو سکتا ہے" — ایک بوڑھے نے کہا — "یہاں سوال ایک لڑکی اور لڑکے کا نہیں۔ یہ ظالم اور مظلوم کا معاملہ ہے۔ یہ ہماری آزادی اور خودداری کا معاملہ ہے۔ آج اگر اس شخص نے اس ذرا سی بات پر مخبری کی ہے تو کل وہ بہت بڑی غدّاری کر سکتا ہے"

سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ ایک ادھیڑ عمر عورت نے جوان آدمیوں کے پیچھے کھڑی تھی بول پڑی۔

"میں بتاتی ہوں وہ کون ہے" — اُس عورت نے کہا اور ان آدمیوں میں بیٹھے ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھنے لگی۔ عورت نے ہاتھ لمبا کر کے اُنگلی سے اُس کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا — "اُبونصر! تم وہاں اُس ٹیکری کے پیچھے کھڑے کیا کر رہے تھے؟"

اُبونصر کے ہونٹ ہلے لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اسی سے سب سمجھ گئے کہ یہ شخص آتش پرستوں کا مُخبر ہے۔ اُس نے آخر اس الزام کو تسلیم نہ کیا۔

"میں تمہیں دیکھ رہی تھی" — اس عورت نے کہا — "تم ٹیکری کے پیچھے غائب ہو گئے اور وہاں سے شمر نکلا"

"دیکھ اُبونصر!" — ایک بوڑھے نے کہا — "ہمیں کوئی ڈر نہیں کہ اب تم شمر کو یہ بھی جا کر بتاؤ گے کہ ہم نے تمہیں مُخبر اور غدّار کہا ہے۔ یہ سوچ لو کہ آتش پرست تمہیں گلے نہیں لگائیں گے۔ وہ کہتے ہوں گے تم اُن کے غلام ہو اور اپنی قوم کے خلاف مُخبری اور غدّاری تمہارا فرض ہے"

اُبونصر نے سر جُھکا لیا۔ اُس پر طعنوں اور گالیوں کے تیر برسنے لگے جس کے منہ میں جو آیا اُس نے کہا۔ آخر اُبونصر نے سر اُٹھایا۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے دُھلا ہُوا تھا اور آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔ ندامت کے یہ آنسو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔

"تمہیں آخر کتنا انعام ملنا ہوگا؟" — ان کے ایک بزرگ نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں" — اُبونصر نے سسکی لینے کے انداز میں کہا — "میں نے یہ پہلی مُخبری کی ہے۔ اگر تم لوگ مجھے موت کی سزا دینا چاہو تو مجھے قبول ہے"

"ہم پوچھتے ہیں کیوں؟" — ایک نے کہا — "آخر تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

"میری مجبوری" — اُبونصر نے جواب دیا — "پرسوں کی بات ہے۔ اس کماندار نے مجھے راستے میں روک کر کہا تھا کہ میں زہرہ کے گھر پر نظر رکھوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں دیکھتا رہوں کہ زہرہ گھر سے بھاگ نہ جائے اور اُسے کسی جوان آدمی کے ساتھ الگ تھلگ کھڑا دیکھوں تو اُسے اطلاع دوں۔۔۔ میں نے اُسے کہا کہ میں اس لڑکی پر نظر رکھوں گا، لیکن میری دو بیٹیوں پر کون نظر رکھے گا۔ میں نے کہا کہ شاہی فوج کے کماندار اور سپاہی ہماری بیٹیوں کو بُری نظر سے دیکھتے رہتے ہیں۔۔۔

"شمر میری بات سمجھ گیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری بیٹیوں کو کوئی شاہی فوجی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اُس نے میرے ساتھ پکّا وعدہ کیا کہ وہ میری بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کا پکّا انتظام کرے گا۔۔۔ یہ میرے لیے بہت بڑا انعام تھا"

"خدا کی قسم!" — بوڑھے نے کہا — "تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں مسلمان کہا جائے تم نے

اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے اپنے بھائی کی بیٹی کی عزت کا خیال نہ کیا"

"تجھ پر خدا کی لعنت ہو اُبونصر!" — ایک اور بولا — "تو جانتا ہے کہ ان آتش پرستوں کے وعدے کتنے جھوٹے ہوتے ہیں۔ ان میں تمہیں ایک بھی نہیں ملے گا جو کسی مسلمان سے وفا کرے گا"

"اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت کے لیے ہم خود موجود ہیں" — ایک اور نے کہا — "تمہاری بیٹیاں ہماری بیٹیاں ہیں"

"میں اسے معاف کرتا ہوں" — زہرہ کے باپ سعود نے کہا۔

"اور میں بھی اسے معاف کرتا ہوں" — خدّام بولا — "خدا کی قسم! میں شمر سے انتقام لوں گا"

"جوش میں مت آ لڑکے" — بزرگ عرب نے کہا — "کچھ کرنا ہے تو کر کے دکھا، اور یہ بھی یاد رکھ جوش میں آ کر مت بول۔ دماغ کو ٹھنڈا کر کے سوچ"

دوسری صبح جب یہ مسلمان کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گئے تو ان میں خدّام نہیں تھا۔ ہر کسی نے خدّام کے باپ سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ باپ پریشان تھا۔ اُسے صبح پتہ چلا تھا کہ خدّام غائب ہے۔

"زرتشت کے یہ پجاری میرے بیٹے کو کھا گئے ہیں" — خدّام کے باپ نے روتے ہُوئے کہا — "اُسے انہوں نے کسی طرح دھوکے سے باہر بلایا ہوگا اور قتل کر کے لاش دریا میں بہا دی ہوگی"

سب کا یہی خیال تھا۔ صرف زہرہ تھی جسے امید تھی کہ خدّام خود کہیں چلا گیا ہوگا۔ اُس نے زہرہ کو بتایا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے غائب ہو جائے گا۔ زہرہ نے یہ بات کسی کو نہ بتائی بلکہ اُس نے بھی یہی کہا کہ خدّام کو ایرانیوں نے غائب کر دیا ہے۔ زہرہ نے اپنی سہیلیوں سے کہا کہ وہ دو تین روز ہی خدّام کا انتظار کرے گی۔ وہ نہ آیا تو وہ دریا میں ڈوب مرے گی۔

۷

تین چار روز بعد رات کو شمر فوج کی ایک چوکی میں بیٹھا دو نو عمر لڑکوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔ ایران کے شاہی درباروں میں ایسے لڑکوں کا رقص مقبول تھا جن کے جسم لڑکیوں کی طرح دل کش، گداز اور لچکدار ہوتے تھے۔ انہیں ایسا لباس پہنایا جاتا تھا جس میں وہ نیم عُریاں رہتے تھے۔

شمر شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اُس رات یہ دو لڑکے اُس نے اپنے سپاہیوں کے لیے بلوائے تھے۔ شراب کا دَور چل رہا تھا۔ سپاہی چیخ چیخ کر داد دے رہے تھے۔ شراب میں بدمست ہو کر دو تین سپاہیوں نے بھی لڑکوں کے ساتھ ناچنا شروع کر دیا۔ شمر کے حکم پر ان سپاہیوں کو دوسرے سپاہی اُٹھا کر چوکی سے باہر پھینک آتے۔

یہ چوکی چھوٹا سا ایک قلعہ تھا لیکن اس کے دروازے رات کو بھی کُھلے رہتے تھے۔ ایرانیوں کو کسی دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ رقص جب عروج کو پہنچا اور شراب کا نشہ شمر اور اُس کے سپاہیوں کے دماغوں کو ماؤف کرنے لگا تو سنسناتا ہُوا ایک تیر آیا جو شمر کی گردن میں ایک طرف سے لگا اور اُس کی نوک دوسری طرف سے باہر نکل گئی۔ شمر دونوں ہاتھ اپنی گردن پر رکھ کر اُٹھا۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ سب شمر کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ تین چار اور تیر آئے۔ تین چار چیخیں سنائی دیں۔ پھر ان ایرانیوں پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ انہیں سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ ملا اور وہ کٹنے لگے۔ ان میں سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جو بھاگ کر دروازوں کی طرف گئے وہ دروازوں میں کٹ گئے۔

چوکی والوں کو کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ کسی بھی دروازے سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ انہیں ہتھیار اٹھانے کی تو مہلت ہی نہیں ملی تھی۔ اس حملے میں جو بچ گئے وہ زمین پر لیٹ گئے۔

یہ ایک طوفان تھا یا بگولہ جو غیر متوقع طور پر آیا اور جب گزر گیا تو اپنے ساتھ وہ تمام مال اور دولت جو اس چوکی میں تھا، لے گیا۔ پیچھے لاشیں رہ گئیں یا تڑپتے ہوئے زخمی یا وہ اچھے بھلے ایرانی سپاہی جو جان بچانے کے لیے لاشوں اور زخمیوں میں لیٹ گئے تھے۔

صبح ہوتی مسلمان کھیتوں اور باغوں میں کام کرنے کے لیے گھروں سے نکل رہے تھے کہ گھوڑ سوار ایرانی فوج نے ان کی بستی کو گھیرے میں لے لیا۔ دوسری چوکی کو اُس وقت اس چوکی پر حملے کی اطلاع ملی تھی جب حملہ آور اپنا کام کر کے بہت دور نکل گئے تھے۔ مسلمانوں کو کام پر جانے سے روک لیا گیا۔ ایرانی فوج نے مردوں کو الگ اکٹھا کر کے کھڑا کر دیا اور ان کے گھروں سے عورتوں کو باہر نکال کر مردوں سے ذرا دور کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ فوجی ان کے گھروں میں گھس گئے اور اس طرح تلاشی لی جیسے اُن کے مکانوں کے فرش بھی کھود کر دیکھے ہوں۔

انہیں کسی گھر سے کوئی ایسی چیز نہ ملی جو شک پیدا کرتی۔ البتہ سپاہیوں کو اپنے کام کی جو چیزیں نظر آئیں وہ انہوں نے اُٹھا لیں۔ پھر انہوں نے عورتوں اور مردوں کو اکٹھا کھڑا کر کے انہیں دھمکیاں دیں۔ مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک اُن کے لیے نیا نہیں تھا۔ کسی نہ کسی بہانے اُن کے گھروں کی تلاشی ہوتی ہی رہتی تھی۔ اس کے بعد انہیں اسی طرح دھمکیاں ملتی تھیں لیکن اب ایرانیوں کو معقول بہانہ ملا تھا۔

"رات اُبلہ کی ایک مضافاتی فوجی چوکی پر بہت سے آدمیوں نے شب خون مارا ہے"۔۔۔ ایک ایرانی کماندار نے مسلمانوں سے کہا۔۔۔ "ہمارا ایک کماندار اور ساٹھ سپاہی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے ہیں۔ اگر تم میں کوئی مرد یا عورت اس گروہ کے کسی ایک آدمی کو بھی پکڑوا دے گا، اُسے انعام ملے گا۔ نقد انعام کے علاوہ اُسے اس فصل کا آدھا حصہ ملے گا"۔۔۔ اس نے سب پر نگاہ دوڑائی اور پوچھا ۔۔۔ "ایک دوسرے کو دیکھ کر بتاؤ کہ تم میں کون غیر حاضر ہے"۔

سب نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ یہ نہیں دیکھ رہے تھے کہ کون غیر حاضر ہے۔ اُن کی نگاہیں خدّام کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ تین چار دنوں سے بستی سے غائب تھا ۔۔۔ سب نے دیکھا خدّام وہاں موجود تھا۔ سب نے سکون کی سانس لی۔ پھر بہت سی آوازیں اُٹھیں کہ کوئی بھی غیر حاضر نہیں۔

ایرانی فوجیوں کے جانے کے بعد جنہیں معلوم تھا کہ خدّام تین چار روز غائب رہا ہے، وہ باری باری اُس سے پوچھنے لگے کہ وہ کہاں چلا گیا تھا۔

"میں شمر کے ڈر سے بھاگ گیا تھا"۔۔۔ خدّام نے ہر کسی کو یہی ایک جواب دیا۔

اُس کے باپ نے سب کو بتایا کہ خدّام گذشتہ رات کے پچھلے پہر آیا تھا۔

اُس روز باغ میں کام کرتے ہوئے زہرہ اور خدّام کام سے کھسک گئے اور اُس جگہ جا بیٹھے جہاں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ زہرہ خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی اور وہ رہ رہ کر خدّام کی بلائیں لیتی تھی۔

"یہ کیسے ہوا خدّام؟"۔۔۔ اُس نے خوشی سے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے پوچھا ۔۔۔ "یہ ہوا کیسے؟"

"اسے اللہ کی مدد کہتے ہیں زہرہ!"۔۔۔ خدّام نے کہا ۔۔۔ "اب نہ کہنا کہ خدا مدد نہیں کرتا"۔

"خدّام!"۔۔۔ زہرہ سنجیدہ ہو گئی جیسے اُس کے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ آئی ہی نہ ہو۔ خدّام کے چہرے پر نظریں گاڑھ کر قدرے پریشان سے لہجے میں بولی ۔۔۔ "سچ کہو خدّام! شمر کے قاتل تم ہی تو نہیں؟..... کہتے ہیں رات صحرائی ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ نے شمر کی چوکی پر اُس وقت شب خون مارا تھا جب وہ شراب اور رقص میں بدمست تھے۔ ایسا تو نہیں کہ تم ان ڈاکوؤں سے جا..."

خدّام کے اچانک قہقہے نے بنتِ سعود کی بات پوری نہ ہونے دی۔ وہ ہنستا ہی رہا اور اُس نے اپنا بازو زہرہ کی کمر میں ڈال کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ زہرہ پر جذبات کا ایسا آسیب طاری ہوا کہ وہ بھول ہی گئی کہ وہ خدّام سے کیا کہہ رہی تھی۔

خدّام نے قہقہے میں ایک راز چھپا لیا تھا اور زہرہ پہ جذبات کا آسیب طاری کر کے یہ راز اُس کی آنکھوں کے آگے سے ہٹا لیا تھا۔ زہرہ کو یہ خطرہ نظر آیا تھا کہ خدّام غیر معمولی طور پر دلیر، غیرت مند اور جسمانی لحاظ سے طاقتور اور پھرتیلا ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ شمر کو قتل کرانے کے لیے ڈاکوؤں کے گروہ سے جا ملا ہو۔ اُس زمانے میں صحرائی ڈاکوؤں کے گروہ فوجی دستوں کی طرح اپنی کارروائیاں کرتے تھے۔ وہ مسافروں کے قافلوں کو لوٹتے اور اگر فوج کے مقابلے میں آ جاتے تو جم کر مقابلہ کرتے اور لڑتے لڑتے یوں غائب ہو جاتے تھے جیسے انہیں صحرا کی ریت اور ریتلے ٹیلوں نے نگل لیا ہو۔

زہرہ نے کئی بار دیکھا تھا کہ دو تین اجنبی مسافر آئے اور یہ بتا کر کہ وہ بہت دور جا رہے ہیں، کسی مسلمان کے گھر ٹھہرے اور صبح ہوتے ہی چلے گئے۔ وہ جب بھی آتے تھے، خدّام اور اُس جیسے تین چار نوجوان زیادہ وقت اُن کے ساتھ گزارتے اور اُن کے جانے کے بعد یہ نوجوان پُراسرار سی سرگرمیوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔

زہرہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اجنبی مسافروں کے جانے کے بعد مسلمان قبیلوں کے بزرگ سر جوڑ کے بیٹھ جاتے اور سرگوشیوں میں باتیں کرتے تھے۔ پھر جب مسلمان کھیتی باڑی، باغبانی اور دیگر کاموں میں مصروف ہوتے تو یہ بزرگ ان کے درمیان گھومتے پھرتے اور ان کے ساتھ ایسی باتیں کرتے تھے جیسے انہیں اشارہ کر رہے ہوں۔

"اپنے مذہب کو نہ چھوڑنا"۔۔۔ بزرگ اس قسم کی باتیں کرتے تھے ۔۔۔ "جس خُدا کے بھیجے ہوئے رسولؐ کو مانتے ہو، اُس خُدا کی مدد آ رہی ہے..... آتش پرست طاقتور ہیں، بہت طاقتور ہیں لیکن وہ اللہ سے زیادہ طاقتور نہیں..... ثابت قدم رہو..... ظالم کا ہاتھ کٹنے والا ہے..... اللہ مظلومین کے ساتھ ہے"۔

"کب؟..... آخر کب؟"۔۔۔ ایک روز ایک آدمی نے جھنجلا کر ان بزرگوں سے پوچھا ۔۔۔ "خدا کی قسم، تم یہ کہتے رہتے ہو کہ ہم ظلم و ستم سہتے چلے جائیں اور چپ رہیں اور تمہارے وعظ سنتے رہیں۔ اگر آج ہم کہہ دیں کہ ہم مسلمان نہیں اور اسلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں تو غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں..... خدا کی مدد آ رہی ہے..... کب آ رہی ہے؟"

KITABISTANBLOGSPOT.COM

"اسے بتاؤ" —— ایک بزرگ نے اس آدمی کے ساتھ کام کرنے والے آدمی سے کہا۔ "اسے اچھی طرح سمجھاؤ..... اسے بتاؤ کہ اس علاقے میں یہ صدیوں پرانے جو کھنڈر کھڑے ہیں، خدا کا ہاتھ ان میں سے اُٹھے گا اور ظالم کا ہاتھ کٹ جائے گا۔"

ان بزرگوں کے سینے میں بھی وہی راز تھا جو خدام نے زہرہ بنت سعود سے چھپا لیا تھا۔

ایرانی کماندار شمر کی چوکی پر جو اتنا زبردست شب خون مارا گیا تھا، وہ پہلا شب خون نہیں تھا۔ اُبلہ کے علاقے میں یہ پہلا تھا۔ یہ چوکی چونکہ آبادی کے قریب تھی اس لیے ان مسلمانوں کو پتہ چل گیا تھا۔ اگر ان کے گھروں کی تلاشی نہ لینی ہوتی تو شاید انہیں نہ ہی پتہ چلتا۔ عراق کے سرحدی علاقے میں دوسری تیسری رات ایرانیوں کی کسی نہ کسی چوکی پر ایسا ہی شب خون پڑتا اور شب خون مارنے والے چوکی میں قتل و غارت کر کے وہاں سے جو مال اور سامان ہاتھ لگتا لے کر غائب ہو جاتے۔

دو بار ایرانی فوج نے یہ جوابی کارروائی کی کہ کثیر تعداد گھوڑسوار دستہ شب خون مارنے والوں کی تلاش میں گیا۔ اس سرسبز اور شاداب علاقے سے نکلتے ہی صحرا شروع ہو جاتا تھا جو ہموار صحرا نہیں تھا۔ وہاں ریت کی گول گول اور اونچی اونچی ٹیکریاں تھیں۔ آگے وسیع نشیب تھے جن میں عجیب و غریب شکلوں کے ٹیلے کھڑے تھے۔ ریت کی پہاڑیاں تھیں جن سے شعلے سے نکلتے محسوس ہوتے تھے۔ اس خوفناک علاقے میں جو میل ہا میل پھیلا ہُوا تھا، صحرا کے بھیدی ہی جا سکتے تھے۔ کسی اجنبی کا وہاں جانا ہی محال تھا اور وہاں جا کر زندہ نکل آنا تو ناممکن تھا۔

دونوں بار ایرانی فوج کے گھوڑسوار دستے کا یہ انجام ہُوا کہ اُسے گھوڑوں اور انسانوں کے نقوشِ پا ملتے رہے جو صاف بتاتے تھے کہ یہ ایک گروہ ہے اور شب خون مارنے والا یہی گروہ ہو سکتا ہے، مگر یہ نقوش انہیں سیدھے موت کے منہ میں لے گئے۔ ایرانی جوں ہی پہلے نشیب میں داخل ہُوئے اور پورا دستہ نشیب میں اُتر گیا تو اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ پہلی بوچھاڑ میں کئی سوار اور گھوڑے گھائل ہو گئے۔ زخمی گھوڑے بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے۔ سارے دستے میں بھگدڑ مچ گئی۔ اُن پر تیر برستے رہے مگر بکھر جانے کی وجہ سے تیر خطا ہونے لگے۔

بھول بھلیوں جیسے اس نشیب میں سے چند ایک گھوڑسوار نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ اُن کے کُرتے بڑے لمبے اور سروں پر سیاہ کپڑے اس طرح لپٹے ہوتے تھے کہ اُن کے چہرے اور گردنیں بھی ڈھکی ہوتی تھیں۔ اُن کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ان گھوڑوں کے قدموں میں اور ان کے سواروں کے بازوؤں میں ایسی پھُرتی تھی کہ ایرانی سوار جو پہلے ہی ہراساں تھے، برچھیوں سے زخمی ہو کر گرنے لگے۔ ان میں سے کئی بھاگ نکلے۔ وہ ٹیلوں اور گھاٹیوں والے نشیب سے تو نکل گئے لیکن ریت کی گول گول ٹیکریوں میں داخل ہُوئے تو وہ گھومنے لگے۔ ان سینکڑوں ٹیکریوں میں جو ایک دوسری کے ساتھ ساتھ کھڑی تین چار میل کی وسعت میں پھیلی ہوئی تھیں، یہی خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی اجنبی ان کے اندر چلا جائے تو وہ اندر ہی اندر چلتا رہتا ہے، نکل نہیں سکتا۔ آخر تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگتے ہیں اور ریگستان کے یہ گول گول بھوت اُسے بڑی اذیت ناک موت مارتے ہیں۔

دوسری بار ایرانیوں کے سوار دستے پر کسی اور جگہ ایسا ہی حملہ ہُوا تھا اور سوار بکھر کر بھاگ رہے تھے تو انہیں ایک للکار سنائی دینے لگی —— "زرتشت کے پجاریو! میں مثنیٰ بن حارثہ ہوں..... زرتشت کو ساتھ لاؤ..... مثنیٰ بن حارثہ..... ہرمز کو یہ نام بتا دینا..... مثنیٰ بن حارثہ" —— اس ایرانی دستے کے جو سوار زندہ واپس گئے وہ نیم مُردہ تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈروں کو بتایا کہ انہیں صحرا میں یہ للکار سنائی دی تھی۔

اس کے بعد ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر چھاپے پڑتے رہے لیکن انہوں نے چھاپہ ماروں کے تعاقب کی اور اُن کو تلاش کرنے کی جرأت نہ کی۔ بعض چھاپوں کے بعد بھی یہ للکار سنائی دیتی "مثنیٰ بن حارثہ..... آتش پرستو! میں مثنیٰ بن حارثہ ہوں۔"

پھر مثنیٰ بن حارثہ دہشت کا، کسی جن کا، بھوت کا، کسی بدرُوح کا ایک نام بن گیا۔ ایرانی فوجی اس نام سے ڈرنے لگے۔ انہوں نے مثنیٰ بن حارثہ یا اُس کے گروہ کے کسی ایک آدمی کو پکڑنے کے بہت اہتمام کیے لیکن جب کہیں شب خون پڑتا تھا تو ایرانی فوجی جن کی جرأت اور بے جگری مشہور تھی، دہشت سے دبک جاتے تھے۔

یہ تھا وہ مثنیٰ بن حارثہ جو فروری ۶۳۳ء کے ایک روز مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کے سامنے ایک گمنام اجنبی کی حیثیت سے بیٹھا تھا۔ وہ جنوبی عراق کا رہنے والا اور اپنے قبیلے بنوبکر کا سردار تھا۔ تاریخ میں ایسا اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ اُس نے کب اور کس طرح اسلام قبول کیا تھا۔ یہ اُسی کی کاوش کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف اُس کے اپنے قبیلے نے بلکہ اُن علاقوں میں رہنے والے کئی اور قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

جب جنگِ یمامہ ختم ہوئی اور ارتداد کے فتنے کا سر کچل دیا گیا تو مثنیٰ بن حارثہ نے عراق کے جنوبی علاقے میں ایرانیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ انہوں نے اُن مسلمانوں میں سے جو ایرانی بادشاہی کی رعایا تھے، ایک گروہ بنا لیا اور ایرانی فوج کی سرحدی چوکیوں پر شبخون مارنے شروع کر دیئے۔ اُن کے شبخون اس قدر اچانک اور تیز ہوتے تھے کہ چوکی والوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور مثنیٰ کا گروہ صفایا کر کے غائب ہو جاتا تھا۔

انہوں نے بڑے ہی دشوار گذار صحرا میں اپنا اڈہ بنا لیا تھا جسے انہوں نے مالِ غنیمت سے بھر دیا تھا۔ پھر انہوں نے اُن بستیوں پر بھی شبخون مارنے شروع کر دیئے جہاں صرف ایرانی رہتے تھے۔ مثنیٰ نے سرحد پر ایرانی فوج کو بے بس اور مجبور کر دیا۔ ایرانی فوج کے کئی سینئر کمانڈر مثنیٰ کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ نے دوسرا کام یہ کیا کہ عراق کے جنوبی علاقے میں جو مسلمان ظلم و ستم میں زندگی گذار رہے تھے، انہیں اس نے اپنے زیرِ اثر میں لے کر متحد رکھا ہُوا تھا۔ ان کا ایک گروہ تو شبخون مارنے کا کام کرتا تھا اور ایک گروہ بستیوں میں رہ کر مسلمانوں کو اتحاد کی لڑی میں پروئے رکھتا اور انہیں بتاتا رہتا تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ مسلمان اپنے چھاپہ ماروں کی کامیابیاں دیکھ رہے تھے اور وہ مطمئن تھے —— یہ تھی وہ خدائی مدد جس کے انتظار میں وہ ایرانیوں کا ظلم و ستم سہہ رہے تھے اور اپنا مذہب نہیں چھوڑ رہے تھے، ورنہ مظالم سے بچنے کا اُن کے سامنے بڑا سہل طریقہ تھا کہ اسلام سے منحرف ہو کر آتش پرست ہو جاتے۔

خدام نے زہرہ سے کہا تھا کہ وہ تین چار دنوں کے لیے غائب ہو جائے گا۔ وہ غائب ہو کر چھاپہ ماروں کے اڈے پر چلا گیا تھا اور انہیں ایرانی کماندار شمر کے متعلق بتایا تھا۔ اُس کی چوکی تک چھاپہ ماروں کی راہنمائی اُسی نے کی تھی۔ چوکی پر حملہ پوری طرح کامیاب رہا۔ اُس کے فوراً بعد خدام اپنے گھر آ گیا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مثنیٰ بن حارثہ نے امیرالمومنین ابوبکرؓ کو تفصیل سے بتایا کہ اُنہوں نے خلیج فارس کے ساحل کے ساتھ ساتھ اور عراق کے جنوبی علاقے میں کس طرح عربی مسلمانوں کے قبیلوں کو اپنے اثر میں لیا اور انہیں اسلام پر قائم رکھ کر انہیں زمیں دوز محاذ پر جمع کیا ہے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ابنِ حارثہ!"——خلیفہ نے کہا۔"تُو اگر یہ مشورہ دینے آیا ہے کہ میں ایرانیوں پر فوج کشی کروں تو مجھے سوچنا پڑے گا۔ کیا تُو نے دیکھا نہیں کہ ایرانیوں کی فوج کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور اُن کے دسائل اور ذرائع کتنے دسیع اور لامحدود ہیں؟ ہم اپنے مستقر سے اتنی دُور قلیل تعداد اور بغیر دسائل کثیر تعداد اور طاقتور فوج کے مقابلے کے قابل نہیں ہوتے لیکن میں نے سلطنتِ فارس کو نظر انداز بھی نہیں کیا۔"

"امیرالمومنین!"——مثنیٰ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا——"اگر ایک آدمی اتنے بڑے ملک کی فوج کے ساتھ ٹکر لے سکتا ہے اور اُن پر مسلمانوں کے عسکری جذبے کی دھاک بٹھا سکتا ہے تو میں اپنے اللہ کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ ایک منظم فوج بہت کچھ کر سکتی ہے۔ میں اُس آتش پرست سلطنت کی اندرونی کیفیت دیکھ آیا ہوں۔ شاہی خاندان تخت و تاج کی خاطر آپس میں دست و گریباں ہو رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شہنشاہ ہرقل فارسیوں کو نینوا اور دستجرد میں بہت بُری شکست دے چکا ہے۔ اُس کی فوجیں آتش پرست فارسیوں کے دارالحکومت مدائن کے دروازوں تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کے بعد فارسی (ایرانی) سنبھل نہیں سکے۔ اگر اُن کی عیش پرستی کو دیکھا جاتا تو وہ سنبھلے ہوتے لگتے ہیں لیکن اُن میں اب بادشاہی کے تاج پر رسّہ کشی ہو رہی ہے۔ یمن اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور وہاں کے حاکم بازان نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اُن کی رعایا اُن کی زنجیریں توڑنا چاہتی ہے۔ اُن کی محکومی میں اُن کے جنوبی علاقوں کے مسلمان میرے اشارے کے اور مدینہ کی فوج کے منتظر ہیں۔"

"تجھ پر رحمت ہی رحمت ہو مثنیٰ!"——امیرالمومنین نے کہا——"لاریب تیری باتیں میرے دل میں اُتر رہی ہیں۔ میرا اگلا قدم وہیں پڑے گا جہاں تُو کہتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں سالاروں کی مجلس سے بات کر لوں؟"

"یا امیرالمومنین!"——مثنیٰ نے کہا۔"فیصلہ وہی بہتر ہوتا ہے جو صلاح مشورے کے بعد کیا جاتا ہے لیکن میں امیرالمومنین سے اجازت چاہوں گا کہ میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ لوں اور آپ میری باتیں سالاروں کے سامنے ضرور رکھیں .... دجلہ اور فرات جہاں ملتے ہیں، وہاں کے بڑے وسیع علاقے میں عربی قبیلے آباد ہیں جو سب کے سب مسلمان ہیں۔ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے وہ آگ کے پجاری بادشاہوں کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ مسجدوں پر بھی اُن کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا۔ فارسیوں کے ہاتھوں اُن کی جان محفوظ نہیں، اُن کی عزت محفوظ نہیں ....

"وہ مسلمان فصل اُگاتے ہیں جو پک جاتی ہے تو آتش پرست زمیندار اور فوجی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ وہاں مسلمان مزارعے ہیں اور انہیں دھتکاری ہوئی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ وہ مسلسل خوف و ہراس میں رہتے ہیں۔ اُن کے خلاف الزام صرف یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور کفر کے طوفانوں میں بھی وہ اسلام کی شمع روشن رکھے ہوئے ہیں۔ وہ مدینہ کو روشنی کا مینار سمجھتے ہیں ....

"امیرالمومنین! اگر آپ بیٹھے یہ سوچتے رہیں کہ دشمن بہت طاقتور ہے تو وہ روز بروز طاقتور ہوتا جائے گا اور مسلمان مایوس ہو کر اپنی بھلائی کا کوئی ایسا طریقہ سوچ لیں گے جو اسلام کے منافی ہوگا۔ میرے چھاپہ ماروں نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اور آپ کی فوج کے لیے جو زمین ہموار کی ہے، وہ دشمن کے حق میں چلی جائے گی .... کیا رسولؐ اللہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کو نہیں پہنچا کرتے تھے؟"

"خدا کی قسم، میں اُن کی مدد کو پہنچوں گا"——خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا اور اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک سالار سے پوچھا——"ولید کا بیٹا خالدؓ کہاں ہے؟"

"یمامہ میں آپ کے اگلے حکم کا انتظار کر رہا ہے امیرالمومنین!"——انہیں جواب ملا۔

"کوئی تیز رفتار قاصد بھیجو اور اُسے پیغام بھیجو کہ جلدی مدینہ پہنچے"——خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا——"فارس کی بادشاہی سے ہم اللہ کی تلوار کے بغیر ٹکر نہیں لے سکتے"——خلیفہ مثنیٰ سے مخاطب ہوئے——"اور تم مثنیٰ! واپس جاؤ اور عرب قبیلوں کے جس قدر لڑنے والے آدمی اکٹھے کر سکتے ہو کر لو۔ اب تمہیں کُھلی جنگ لڑنی پڑے گی جو تم شبخون اور چھاپوں کے انداز سے بھی لڑ سکتے ہو لیکن اپنے فیصلوں میں تم آزاد نہیں ہوگے۔ خالدؓ سالارِ اعلیٰ ہوگا۔ تم اُس کے فیصلوں کے پابند ہو گے۔"

"تسلیم امیرالمومنین!"——مثنیٰ ابن حارثہ نے کہا۔"ایک عرض اور ہے .... اُس علاقے میں جو عرب قبیلے ہیں، وہ سب کے سب مسلمان نہیں۔ ان میں عیسائی بھی ہیں اور دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی۔ وہ سب آتش پرستوں کے خلاف ہیں۔ فارس کے آتش پرست اُن کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی تو غیر مسلم عربوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہئے جیسا وہاں کے عرب مسلمانوں کے ساتھ ہوگا۔"

"ایسے ہی ہوگا"——امیرالمومنین نے کہا——"جنہوں نے اسلام کے خلاف کچھ نہیں کیا، اسلام اُن کی پریشانی کا باعث نہیں بنے گا .... تم آج ہی روانہ ہو جاؤ۔"

☆

خالدؓ اُس وقت یمامہ میں تھے۔ اُن کی دونوں نئی بیویاں لیلیٰ اُمّ تمیم اور بنت مجاعہ اُن کے ساتھ تھیں۔ امیرالمومنین کا پیغام ملتے ہی خالدؓ یمامہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ گئے۔

"کیا مثنیٰ بن حارثہ کا نام تم نے کبھی سُنا ہے؟"——خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ سے پوچھا۔

"سنا ہے"——خالدؓ نے جواب دیا——"اور یہ بھی سُنا ہے کہ فارسیوں کے خلاف اُس نے ذاتی قسم کی جنگ شروع کر رکھی ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ اُس کی ذاتی جنگ ذاتی مفاد کے لیے ہے یا وہ اسلام کی خاطر لڑ رہا ہے۔"

"وہ یہاں آیا تھا"——امیرالمومنین نے کہا——"جہاد جو اُس نے شروع کر رکھا ہے اس میں اُس کی کوئی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ذاتی مفاد نہیں۔ میں نے اس لیے تمہیں بلایا ہے کہ تم سے مشورہ کروں کہ مثنیٰ ہم سے جو مدد مانگتا ہے، وہ اُسے دی جاتے یا اُس وقت کا انتظار کیا جاتے جب ہم فارسیوں کی اتنی بڑی قوت کے خلاف لڑنے کے قابل ہو جائیں گے؟"

"وہ کس قسم کی جنگ لڑ رہا ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو پوری تفصیل سے بتایا کہ مثنیٰ شبخون کی نوعیت کی جنگ لڑ رہا ہے اور اس وقت تک وہ کتنی کامیابی حاصل کر چکا ہے۔

"اُس کی سب سے بڑی کامیابی تو یہ ہے خالدؓ!" — خلیفہ نے کہا — "کہ اُس نے زرتشتوں کے محکوم مسلمانوں کو متحد رکھا ہوا ہے اور اُن میں ایسا جذبہ پیدا کیا ہے کہ اُنہوں نے زرتشتوں کے ظلم و ستم میں اپنے سینوں میں اسلام کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ ابلہ اور عراق کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہ فارسیوں کے غیر انسانی تشدد کا نشانہ بنے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اپنے عقیدوں کو سینے سے لگائے رکھنا بے معنی سا بن جاتا ہے۔ وہ مسلمان صرف اتنا کہہ دیں کہ اسلام اور مدینہ کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں تو اُن کے سارے مصائب ختم ہو جائیں گے۔ یہ مثنیٰ اور اُس کے چند ایک ساتھیوں کا کمال ہے کہ اُنہوں نے ان حالات میں بھی وہاں کے مسلمانوں کو اسلام سے منحرف نہیں ہونے دیا۔ اس کے علاوہ اُنہیں اپنے عقیدے کا اتنا پکا بنا رکھا ہے کہ وہ زرتشتوں کے خلاف زمین دوز کارروائیوں میں مصروف رہتے ہیں۔"

"امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا — "مثنیٰ نے کچھ کیا ہے یا نہیں کیا، مسلمان کی حیثیت سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جو مسلمان غیر مسلموں کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوتے ہوں اُن کی مدد کو پہنچیں۔"

"کیا تم یہ مشورہ دیتے ہو کہ ہمیں ایرانیوں سے ٹکر لینی چاہیے؟" — خلیفہ نے پوچھا۔

"ہاں امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا — "ٹکر کیوں نہ لی جائے؟ .... یہاں تو صورتِ حال کچھ اور ہے۔ جیسا کہ آپ نے بتایا ہے کہ مثنیٰ نے وہاں کچھ کامیابیاں حاصل کر لی ہیں اور اُس نے ہمارے حملے کے لیے راہ ہموار کر دی ہے۔ شبخون اور چھاپے مارنے والے اتنا ہی کر سکتے ہیں جتنا مثنیٰ نے کیا ہے۔ وہ کسی علاقے پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ قبضہ کرنا منظم لشکر کا کام ہے۔ یہ کام ہمیں ہر قیمت پر کرنا چاہیے۔ اگر ہم نے مثنیٰ کی کامیابی کو آگے نہ بڑھایا تو اُس کے دو نقصان ہوں گے۔ ایک یہ کہ یہ کامیابیاں ضائع ہو جائیں گی اور دوسرا یہ کہ زرتشت مثنیٰ اور تمام مسلمانوں سے بہت بُرا انتقام لیں گے۔ اس کے علاوہ فارسی دلیر ہو جائیں گے ....

"جیسا کہ مثنیٰ نے آپ کو بتایا ہے کہ اُس نے ایرانیوں کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے کہ اُن کے حوصلے مجروح ہو گئے ہیں۔ اگر اُنہیں دم لینے کا موقع دے دیا گیا تو وہ اپنے محکوم مسلمانوں کو قتل کریں گے اور اس خطرے کو ختم کر کے وہ اس سرحدی علاقے کو پہلے سے زیادہ مضبوط کر لیں گے۔ اپنے علاقوں کو محفوظ کرنے کے لیے وہ اپنی سرحد کے باہر کے علاقوں پر بھی قابض ہو سکتے ہیں۔ اس خطرے سے محفوظ رہنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم مثنیٰ کی مدد کو پہنچیں اور پیشتر اس کے کہ زرتشت ہماری طرف بڑھیں ہم اُنہیں اُن کے اپنے علاقے سے بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں۔"

خلیفہ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو یہ ہدایت دے کر رخصت کر دیا کہ وہ اپنے لشکر کو ساتھ لے کر عراق کی طرف پیش قدمی کریں۔

"خالدؓ!" — خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا — "تمہارے لشکر میں زیادہ تعداد اُن لوگوں کی ہے جو بڑے لمبے عرصے سے گھروں سے دُور لڑ رہے ہیں۔ اُنہیں فارسیوں جیسے طاقتور دشمن کے خلاف لڑانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ فارسیوں کے خلاف وہی لوگ جم کر لڑ سکیں گے جنہیں احساس ہو گا کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں۔ میں کسی کو مجبور نہیں کروں گا۔ بہتر صورت یہ ہو گی کہ تم رضاکاروں کی ایک فوج بناؤ۔ اس میں ایسے آدمیوں کو رکھو جو مرتدین کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ تمہارے ساتھ کچھ ایسے آدمی بھی ہوں گے جو مرتدین کے ساتھ تھے، شکست کھا کر اُنہوں نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو جائیں۔ ایسے کسی آدمی کو اپنے لشکر میں نہ رکھنا۔ ہم بڑے طاقتور دشمن کو للکارنے جا رہے ہیں اس لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔"

"امیرالمومنین!" — خالدؓ نے پوچھا — "کیا آپ مجھے یہ اجازت دے رہے ہیں کہ ان لوگوں کو اپنے لشکر سے نکال دوں؟"

"نکال دینا اور بات ہے ولید کے بیٹے!" — خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا — "تم اپنے لشکر سے یہ کہنا کہ جو آدمی اپنے گھر کو جانا چاہتا ہے اُسے جانے کی اجازت ہے۔ پھر دیکھنا تمہارے ساتھ کون رہتا ہے۔ اگر تمہارا لشکر بہت کم رہ گیا تو خلافت اس کمی کو کسی نہ کسی طرح پورا کرے گی .... جاؤ ولید کے بیٹے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

خلیفہ ابوبکرؓ عزم اور ایمان کے پکے تھے۔ اُنہوں نے عراق پر حملے کا جو فیصلہ کر لیا تھا اس پر وہ ہر حال میں اور ہر قیمت پر پورا عمل کرنا چاہتے تھے۔ خالدؓ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ اُنہیں لڑنے کا موقع ملتا رہے۔ اُنہوں نے خلیفہ کے ارادے کو اور زیادہ پختہ کر دیا۔

☆

عراق کے اُس علاقے میں جہاں دجلہ اور فرات ملتے ہیں، مسلمانوں کی بستیاں تھیں۔ یہ مسلمان مظلومیت اور مجبوری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اب وہاں کی صورتِ حال یہ ہو گئی کہ وہ پہلے کی طرح مظلوم اور مقہور رہے جیسے وہ چلتی پھرتی لاشیں ہوں لیکن اُن کے گھروں میں ایسی سرگرمی شروع ہو گئی کہ وہ چھپ چھپ کر برچھیاں اور تیر و کمان بنانے لگے۔ اُنہیں مثنیٰ بن حارثہ کی طرف سے جو حکم ملتا تھا وہ سرگوشیوں میں گھر گھر پہنچ جاتا تھا۔ مثنیٰ کے چھاپہ ماروں نے عراق کی سرحد سے دُور ایک دشوار گزار علاقے میں اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ برچھیاں اور تیر کمان جو گھروں میں چوری چھپے تیار ہوتے تھے، وہ رات کی تاریکی میں اُس اڈے تک پہنچ جاتے تھے۔ بستیوں سے جوان آدمی بھی غائب ہونے لگے۔ ایرانیوں کی سرحدی چوکیوں پر اور اُن کے فوجی قافلوں پر مسلمانوں کے شب خون پہلے سے زیادہ ہو گئے — یہ مسلمان درپردہ ایک فوج کی صورت میں منظم ہو رہے تھے اور اس فوج کی نفری بڑھتی جا رہی تھی۔

یمامہ میں خالدؓ کی فوج میں صورتِ حال اس کے اُلٹ ہو گئی۔ خالدؓ نے جب اپنی فوج میں جا کر یہ اعلان کیا کہ جو کوئی اپنے گھر کو واپس جانا چاہتا ہے وہ جا سکتا ہے، تو اُس کے دس ہزار نفری کے لشکر میں صرف دو ہزار آدمی رہ گئے۔ آٹھ ہزار آدمی مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ خالدؓ نے خلیفہ کے نام پیغام لکھا جس میں اُنہوں نے لکھا کہ اُن کے پاس صرف دو ہزار نفری رہ گئی ہے۔ خالدؓ نے زور دے کر لکھا کہ اُنہیں فوری طور پر کمک کی ضرورت ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امیرالمومنین ابوبکرؓ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے۔ خالدؓ کے قاصد نے اُنہیں خالدؓ کا تحریری پیغام دیا۔ خلیفہ نے یہ خط بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ مجلس میں اُن کے جو مشیر اور دیگر افراد بیٹھے ہیں وہ سُن لیں تاکہ کوئی مشورہ دے سکیں۔

"امیرالمومنین!" — ایک مشیر نے کہا — "خالدؓ کے لیے کمک بہت جلد چلی جانی چاہیئے۔ دو ہزار نفری سے زرتشتوں کے خلاف لڑائی کی سوچی بھی نہیں جا سکتی"۔

"قعقاع بن عمرو کو بلاؤ" — امیرالمومنین نے حُکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد گٹھے ہُوئے جسم کا ایک قدآور نوجوان خلیفہ کے سامنے آن کھڑا ہُوا۔

"قعقاع!" — امیرالمومنین نے اس نوجوان سے کہا — "خالدؓ کو کمک کی ضرورت ہے۔ تیاری کرو اور فوراً یمامہ پہنچو اور اُسے کہو کہ میں ہُوں تمھاری کمک"۔

"یا امیرالمومنین!" — ایک مشیر نے حیران ہو کر کہا — "خُدا کی قسم، آپ مذاق نہیں کر رہے لیکن اُس سالار کو جس کی آٹھ ہزار فوج اُس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو، صرف ایک آدمی کی کمک دینا مذاق لگتا ہے"۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھے۔ اُنہوں نے قعقاع بن عمرو کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور سکون کی آہ لے کر بولے — "مجاہدین کے جس لشکر میں قعقاع جیسا جوان ہو گا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا"۔

قعقاع اُسی وقت گھوڑے پر سوار ہُوا اور مدینہ سے نکل گیا۔ مشہور مؤرخ طبری، ابنِ اسحاق، واقدی اور سیف بن عمر نے یہ واقعہ بیان کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسا واقعہ ہو چکا تھا۔ ایک سالار عیاض بن غنم نے محاذ سے مدینہ میں قاصد بھیجا تھا کہ کمک کی ضرورت ہے۔ خلیفہ ابوبکرؓ نے صرف ایک آدمی عبد بن عوف الحمیری کو کمک کے طور پر بھیجا تھا۔ اُس وقت بھی اہلِ مجلس نے حیرت کا اظہار کیا اور امیرالمومنین نے یہی جواب دیا تھا جو قعقاع کو خالدؓ کے پاس بھیجنے پر دیا۔

حقیقت یہ تھی کہ خلیفہ ابوبکرؓ خالدؓ کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن مدینہ میں کمک نہیں تھی۔ صرف یہی ایک محاذ نہیں تھا، اُس وقت تمام کے تمام مشہور سالار مختلف محاذوں پر لڑ رہے تھے اور یہ ساری جنگ ارتداد کے خلاف لڑی جا رہی تھی۔ اسلام کے دُشمن دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا بڑا مہنگا سودا ہے، چنانچہ اسلام کو کمزور کر کے ختم کرنے کا اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کئی افراد نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اپنے طریقوں سے پیروکار بنا لیے۔ متعدد ایسے قبیلے جو اسلام قبول کر چکے تھے، اسلام سے منحرف ہو گئے اور انحراف کا یہ سلسلہ تیز ہوتا جا رہا تھا۔ ارتداد کے فتنے کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ تھا۔

خلیفہ ابوبکرؓ کی خلافت اسی فتنے کے خلاف برسرِ پیکار رہی۔ اِس فتنے کو وعظوں اور تبلیغی لیکچروں سے نہیں دبایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے مسلّح جہاد کی ضرورت تھی۔ یہ جنگی پیمانے کی مہم تھی جسے سَر کرنے کے لیے مدینہ فوج سے خالی ہو گیا تھا۔ کمزور محاذوں کو کمک دینے کے لیے دوسرے محاذوں سے فوج بھیجی جاتی تھی۔

امیرالمومنین نے خالدؓ کو صرف ایک آدمی دینے پر اکتفا نہ کی، اُنہوں نے دو طاقتور قبیلوں — مضر

اور ربیعہ — کے سرداروں کو پیغام بھیجے کہ خالدؓ کو زیادہ سے زیادہ آدمی دیں۔

☆

"صرف ایک آدمی؟" — قعقاع بن عمرو جب خالدؓ کے پاس پہنچا تو خالدؓ نے اپنے خیمے میں غصّے سے ٹہلتے ہُوئے کہا — "صرف ایک آدمی؟... کیا میں نے امیرالمومنین کو بتایا نہیں کہ میرے پاس صرف دو ہزار لڑنے والے رہ گئے ہیں؟ اور خلافت مجھ سے توقع رکھتی ہے کہ میں فارس کی اُس فوج سے ٹکر لُوں جو زِرہ میں ڈوبی ہُوئی ہے"۔

"میرے سالار!" — قعقاع نے کہا — "میں آٹھ ہزار کی کمی پوری نہیں کر سکتا۔ خُدا کی قسم، کوئی کمی رہنے بھی نہیں دوں گا۔ وقت آنے دیں، جس رسولؐ کا کلمہ پڑھتا ہوں، اُس کی رُوحِ مقدس کے آگے تمہیں شرمسار نہیں ہونے دوں گا"۔

"آفرین عرب کے بیٹے!" — حسین و جمیل لیلیٰ اُمِّ تمیم نے قعقاع کے کندھے پر بڑی زور سے تھپکی دے کر کہا — "جس دین کے تم پرستار ہو، اُسے تم جیسے نوجوان قیامت تک زندہ رکھیں گے"۔

"خُدا کی قسم!" — خالدؓ کی دوسری بیوی بنتِ مجاعہ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "یہ نوجوان آٹھ ہزار کی کمی پوری کر سکتا ہے"۔

"میں یمامہ میں بیٹھا نہیں رہوں گا" — خالدؓ نے ایسے کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہے ہوں — "مثنیٰ میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ میں اُسے اکیلا نہیں چھوڑوں گا لیکن..." خالدؓ خاموش ہو گئے۔ اُنہوں نے اُوپر دیکھا اور سرگوشی میں کہا — "خدائے عزوجل! میں نے تیرے نام کی قسم کھائی ہے، اپنے نام کی خاطر میری مدد کر، مجھے ہمّت اور استقلال عطا فرما کہ میں اس آگ میں کُود کر اسے ٹھنڈا کر دوں جس کی زرتشت عبادت کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور محمدؐ تیرے رسول ہیں"۔

"کیا تو ہمّت ہار رہا ہے ولید کے بیٹے؟" — لیلیٰ نے کہا — "کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ اللّٰہ کی راہ میں لڑنے والوں کی مدد اللّٰہ کرتا ہے؟"

"میں ہمّت نہیں ہاروں گا" — خالدؓ نے کہا — "لیکن میں شکست کا عادی نہیں.... اللّٰہ مدد کرے گا۔ خُدا کی قسم، میں جاہ و جلال کا طلبگار نہیں۔ مجھے فارس کے بادشاہ کا تخت نہیں چاہیئے۔ مجھے وہ زمین چاہیئے جو اللّٰہ کی ہے اور اس پر بسنے والے اللّٰہ اور اُس کے رسولؐ کے نام لیوا ہوں گے"۔

☆

وہ دو ہزار مجاہدین جو خالدؓ کے ساتھ رہ گئے تھے، یمامہ کے ایک میدان میں خالدؓ کے رُوبرو کھڑے تھے۔ خالدؓ گھوڑے پر سوار تھے۔

"مجاہدینِ اسلام!" — خالدؓ اپنی اس قلیل فوج سے بڑی بلند آواز میں مخاطب ہُوئے — "اللّٰہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کا نام دُور دُور تک پہنچانے کے لیے چُنا ہے۔ وہ جنہیں اپنے گھر اور اپنے مال و عیال عزیز تھے وہ چلے گئے ہیں۔ ہمیں اُن سے گلہ نہیں۔ اُنہوں نے خاک و خون کے راستوں پر ہمارا ساتھ دیا تھا۔ بڑے لمبے عرصے تک وہ ہمارے ہمسفر رہے۔ اللّٰہ انہیں جہاد کا صلہ عطا فرمائے.... تم نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اِس کا اجر میں نہیں اللہ دے گا۔ ہم بہت ہی طاقتور دشمن پر حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ مت دیکھو ہماری تعداد کتنی ہے۔ بدر کے میدان میں تم کتنے اور قریش کتنے تھے! اُحد میں بھی مُسلمان تھوڑے تھے۔ میں اُس وقت مسلمانوں کے دشمن قبیلے کا فرد تھا۔ تم میں بھی ایسے موجود ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے بدر کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے؟ کیا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو ہم گھوڑوں تلے کچل ڈالیں گے؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم جو تعداد میں بہت زیادہ تھے، اُن کے ہاتھوں پسپا ہوئے تھے جو تعداد میں بہت تھوڑے تھے؟ ..... کیوں؟ ..... ایسا کیوں ہُوا تھا؟ ..... اس لیے کہ مسلمان حق پر تھے اور اللہ حق پرستوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آج تم حق پرست ہو۔"

خالدؓ کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جو اُنہوں نے کھول کر اپنے سامنے کیا۔

"امیر المومنین نے ہمارے نام ایک پیغام بھیجا ہے۔ اُنہوں نے لکھا ہے ــــ "میں خالدؓ بن ولید کو فاسقوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ تم سب خالدؓ کی قیادت میں اُس وقت تک جنگ جاری رکھو گے جب تک تمہیں خلافت کی طرف سے حکم نہیں ملتا۔ خالدؓ کا ساتھ نہ چھوڑنا اور دشمن کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، بزدلی نہ دکھانا۔ تم اُن میں سے ہو جنہوں نے اس اجازت کے باوجود کہ جو گھروں کو جانا چاہتے ہیں جا سکتے ہیں، اللہ کی تلوار کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تم نے اپنے لیے وہ راستہ منتخب کیا ہے جو اللہ کی راہ کہلاتا ہے۔ تصوّر میں لاؤ اُس ثوابِ عظیم کو جو اللہ کی راہ پر چلنے والوں کو ملتا ہے۔ اللہ تمہارا حامی اور ناصر ہو۔ تمہاری کمی وہی پُوری کرے گا۔ اُسی کی رضا اور خوشنودی کے طلبگار رہو۔"

ایک مؤرّخ ازدی نے اس خط کا پورا متن اپنی تاریخ میں دیا ہے۔ معلوم نہیں ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر نے جن کی تحریریں مستند مانی جاتی ہیں، اس خط کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

ان دو ہزار مجاہدین کو کسی وعظ کی یا اشتعال انگیزی کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ تو رضا کارانہ طور پر خالدؓ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ ان میں بیشتر ایسے تھے جنہوں نے رسولِ کریمؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا اور آپؐ کی قیادت میں لڑائیاں لڑی تھیں۔ حضورِ اکرمؐ کے وصال کے بعد وہ یوں محسوس کرتے جیسے آپؐ کی روحِ مقدس اُن کی قیادت کر رہی ہو۔

رسول اللہؐ کے ان شیدائیوں نے خالدؓ کی اجازت سے ایک کام یہ بھی کیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر یمامہ کے گرد و نواح میں نکل گئے اور بستی بستی جا کر لوگوں کو گھوڑسواری کے مختلف کرتب دکھانے لگے۔ مثلاً دوڑتے گھوڑوں سے اُترنا اور سوار ہونا، سرپٹ دوڑتے گھوڑوں سے نشانے پر تیر چلانا، نیزہ بازی اور گھوڑوں کو دوڑاتے ہُوئے تیغ زنی کے کمالات ــــ وہ جوانوں کو فوج میں بھرتی ہو جانے پر اُکساتے اور اُنہیں بتاتے تھے کہ جنگ میں جا کر اُنہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

اِس کے علاوہ وہ ان لوگوں کو یہ بھی بتاتے تھے کہ وہ فوج میں بھرتی نہ ہُوتے تو ایرانی آکر انہیں اپنا غلام بنا لیں گے جو اُن سے بیگار لیں گے، انہیں دیں گے کچھ بھی نہیں اور اُن کی جوان بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا کریں گے۔ اس خطّے نے ایرانیوں کا دورِ حکومت دیکھا تھا، پھر اُنہوں نے جھوٹے پیغمبروں کی شعبدہ بازیاں دیکھی تھیں اور اب وہ مسلمانوں کی حکومت دیکھ رہے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں غلام بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان کے انداز، طور طریقے اور رہن سہن بادشاہوں جیسے یا حکمرانوں جیسے نہیں تھے۔ وہ عام لوگوں کی طرح رہتے، عام لوگوں کے ساتھ باتیں کرتے اور اُن کی سنتے تھے۔ اُن کے

عورتوں کی عزّت محفوظ تھی۔

ان لوگوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مسیلمہ جیسے شعبدہ باز نے انہیں گمراہ کیا اور اسلام کے راستے سے ہٹا لیا تھا۔ اُنہوں نے مسیلمہ کی نبوّت کو مسلمانوں کے ہاتھوں بے نقاب ہوتے دیکھا اور مسیلمہ کی جنگی قوت کو مسلمانوں کی قلیل نفری کی بے جگری کے آگے ریزہ ریزہ ہوتے دیکھا تھا اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ سچّا عقیدہ اور نظریہ اسلام ہی ہے جو جھوٹ کی طاقتوں کو کچل دیتا ہے اور وہ غیبی طاقت جو سچّے کو جھوٹے پر، حق کو باطل پر فتح دیتی ہے وہ اسلام میں مضمر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ یہ خالدؓ کے مجاہدین کی کوششوں کا حاصل تھا۔

☆

یمامہ میں شور اُٹھا۔ کچھ لوگ دوڑتے ہُوئے بستی سے باہر چلے گئے۔ عورتیں چھتوں پر جا چڑھیں۔ اُفق سے گرد کی گھٹائیں اُٹھ رہی تھیں اور یمامہ کی طرف بڑھی آ رہی تھیں۔

"آندھی آ رہی ہے۔"

"لشکر ہے ..... کسی کا لشکر آ رہا ہے۔"

"ہوشیار ..... خبردار ..... تیار ہو جاؤ۔"

خالدؓ ایک قلعہ نما مکان پر جا چڑھے۔ یہ آندھی نہیں، کسی کی فوج تھی۔ مرتدین کے سوا اور کس کی فوج ہو سکتی تھی۔ خالدؓ کو افسوس ہونے لگا کہ کس بُرے وقت اُنہوں نے اپنی فوج سے کہا تھا کہ جو گھروں کو جانا چاہتے ہیں چلے جائیں۔ گرد کے جو بادل اُٹھتے آ رہے تھے یہ بہت بڑے لشکر کی گرد تھی۔ خالدؓ کے پاس صرف دو ہزار نفری تھی یا وہ نفری تھی جو ابھی ابھی فوج میں شامل ہُوئی تھی۔ اس پر ابھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ یمامہ کی آبادی تھی۔ اس میں لڑنے والے آدمی موجود تھے لیکن یہ خطرہ بھی تھا کہ یہ لوگ دشمن سے مل جائیں گے، اور یہ خطرہ بھی کہ یہ پیٹھ پر وار کریں گے۔

"مجاہدینِ اسلام!" ــــ خالدؓ نے قلعہ نما مکان کی چھت سے للکار کر کہا ــــ "بہت بڑے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں" ــــ خالدؓ چپ ہو گئے کیونکہ اُنہیں دفوں اور ڈھولوں کی دھمک سنائی دینے لگی تھی۔

حملہ آور دف بجاتے نہیں آیا کرتے۔ دھمک بلند ہوتی جا رہی تھی۔ خالدؓ نے اُدھر دیکھا۔ گرد بہت قریب آ گئی تھی اور اس میں چھپے ہُوئے اونٹ اور گھوڑے نظر آنے لگے تھے۔ گرد کے دبیز پردے میں آنے والا لشکر نعرے لگانے لگا۔

"اسلام کے پاسبانو!" ــــ خالدؓ نے اُوپر سے چلّا کر کہا ــــ "اللہ کی مدد آ رہی ہے ..... آگے بڑھو۔ استقبال کرو۔ دیکھو یہ کون ہیں۔"

خالدؓ دوڑتے نیچے اُترے۔ اپنے گھوڑے پر کُود کر سوار ہُوئے اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر بستی سے نکل گئے۔ آنے والا لشکر بستی سے کچھ دُور رُک گیا اور دو گھوڑسوار آگے بڑھے۔ خالدؓ اُن تک پہنچے اور گھوڑے سے اُترے۔ وہ دونوں سوار بھی اُتر آئے۔ وہ مضر اور ربیعہ قبیلوں کے سردار تھے۔

"مدینہ سے اطلاع آئی تھی کہ تمہیں مدد کی ضرورت ہے" ــــ ایک سردار نے کہا ــــ "میں چار ہزار آدمی ساتھ لایا ہُوں۔ ان میں شتر سوار ہیں، گھوڑسوار بھی ہیں اور پیادے بھی۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اور چار ہزار کی تعداد میرے قبیلے کی ہے" ـــــ دوسرے سردار نے کہا۔

خالدؓ نے فرطِ مسرّت سے دونوں کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں بولے ـــ "اللہ کی قسم، اللہ نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔"

☆

خالدؓ کے پاس اب دس ہزار نفری کا لشکر جمع ہوگیا تھا۔ انہوں نے مضر اور ربیعہ کے سرداروں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کہاں جانا ہے اور دشمن کتنا طاقتور ہے۔

"ہم تمہاری مدد کو آتے ہیں ولید کے بیٹے!" ـــــ ایک سردار نے کہا ـــ "ہماری منزل وہی ہے جو تمہاری ہے۔"

"مدینہ سے ہمیں اطلاع ملی ہے کہ میرِ لشکر تم ہو" ـــــ دوسرے سردار نے کہا ـــ "جہاں کہو گے چلیں گے، دشمن جیسا بھی ہوگا لڑیں گے"

خالدؓ نے ایرانی سلطنت کے ایک حاکم ہرمز کے نام پیغام لکھوایا۔ اُس وقت عراق ایران کی شہنشاہی کا ایک صوبہ تھا۔ اُس کا حاکم یا امیر ہرمز تھا جس کی حیثیت آج کل کے گورنر جیسی تھی۔ اُس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ وہ بڑا ہی بدطینت، جھوٹا اور فریب کار تھا۔ کمینگی میں اُس کا نام ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

خالدؓ نے اُس کے نام خط میں لکھوایا:

"تم اسلام قبول کر لو گے تو تمہارے لئے امن ہوگا۔ اگر نہیں تو اپنا علاقہ سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر دو۔ اس کے حاکم تم ہی رہو گے اور مدینہ کی خلافت کو جزیہ ادا کرتے رہو گے۔ اس کے عوض تمہاری اور تمہارے لوگوں کی سلامتی اور دفاع کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔

اگر یہ بھی منظور نہیں تو اپنی سلامتی کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ تمہارا انجام کیا ہوگا۔ فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے لیکن میں تمہیں خبردار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہم وہ قوم ہیں جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنی تمہیں زندگی عزیز ہے.... میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔"

خالدؓ نے یہ خط ایک ایلچی کو دے کر کہا کہ وہ دو محافظ اپنے ساتھ لے جاتے اور جس قدر تیز جا سکتا ہے، یہ پیغام ہرمز تک پہنچاتے اور جواب لاتے۔

"تمہاری واپسی تک میں یمامہ میں نہیں ہوں گا" ـــــ خالدؓ نے ایلچی سے کہا ـــ "مجھے عراق کی سرحد پر کہیں ڈھونڈ لینا۔ اُبلہ کو یاد رکھنا۔ وہاں سے تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کہاں ہوں۔"

ایلچی کی روانگی کے فوراً بعد خالدؓ نے دس ہزار کے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔

☆

خالدؓ کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ کی ابھی اور مدد اُس کی منتظر ہے۔ امیر المومنین ابوبکرؓ نے شمال مشرقی عرب کے علاقوں میں آباد تین قبیلوں کے سرداروں ـــ مذعور بن عدی، ہرملہ اور سلمہ ـــ کو پیغام بھیجے تھے کہ اپنے اپنے قبیلے کے زیادہ سے زیادہ ایسے آدمی مثنیٰ بن حارثہ کے پاس لے جائیں جنہیں جنگ کا تجربہ ہو اور جو پیٹھ دکھانے والے نہ ہوں۔ انہیں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ خالدؓ اپنی فوج لے کر آرہا ہے اور وہ اُن کا اور اپنے لشکر کا سالارِ اعلیٰ ہوگا۔

اُبلہ اور دیگر ایسے علاقوں میں جہاں عربی مسلمان ایرانیوں کے محکوم تھے، صورتِ حال کچھ اور ہی ہو چکی تھی۔ پہلے مثنیٰ بن حارثہ نے اِن بستیوں کے چند ایک جوشیلے جوانوں کو ایرانیوں کی فوجی چوکیوں اور فوجی قافلوں پر شب خون مارنے کے لیے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا، لیکن اب اس محکوم آبادی میں سے ایک فوج تیار کر لی تھی۔ کچھ فوج تو اُس نے اپنے قبیلے بکر بن وائل سے تیار کر لی تھی جو مدینہ کے ایک سالار علاء بن حضرمی کے دوش بدوش عراق کی سرحد کے علاقوں میں مرتدین کے خلاف لڑی بھی تھی۔ مثنیٰ نے ایرانیوں کے محکوم مسلمانوں کو اطلاع بھیج دی تھی کہ جس قدر جوان آدمی وہاں سے نکل کر باہر آسکیں آجائیں۔

مسلمانوں کا وہاں سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا کیونکہ زرتشتوں کی فوج مسلمانوں کی بستیوں پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ اُن پر شب خون مارنے والے یہی مسلمان ہیں۔ اب ایران کی فوج کو نئے احکام ملے تھے۔ یہ احکام جاری کرنے والا عراقی صوبے کا حاکم ہرمز تھا۔ چند ہی دن پہلے کا واقعہ تھا کہ خالدؓ کا ایلچی ہرمز کے دربار میں پہنچا۔ یہ شہنشاہوں کا دربار تھا۔ ہرمز کو جب اطلاع دی گئی کہ مدینہ کے سالار خالدؓ کا ایلچی آیا ہے تو ہرمز نے چہرے پر نفرت اور رعونت کے آثار پیدا کر لیے تھے۔

"میں کسی مسلمان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا" ـــــ اُس نے کہا تھا ـــ "لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں آیا ہے۔"

"زرتشت کی قسم!" ـــــ ایک درباری نے اُٹھ کر ہرمز سے کہا ـــ "خالدؓ کا ایلچی کوئی پیغام لایا ہوگا جو اُس کی اپنی موت کا پیغام ثابت ہوگا۔"

"لے آؤ اُسے اندر" ـــــ ہرمز نے کہا۔

خالدؓ کا ایلچی دو محافظوں کے ساتھ بڑے تیز قدم اٹھاتا ہرمز کے دربار میں داخل ہوا اور سیدھا ہرمز کی طرف گیا۔ دو برچھی برداروں نے سامنے آکر اُسے روکا، لیکن وہ دونوں کے درمیان سے گذر کر ہرمز کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"السّلام علیکم" ـــــ ایلچی نے کہا ـــ "ہرمز آتش پرست کو خالدؓ بن ولید سالارِ مدینہ کا سلام پہنچے جن کا ایک پیغام لایا ہوں۔"

"ہم اُس سالار کا سلام قبول نہیں کریں گے جس کے ایلچی میں اتنی بھی تمیز نہیں کہ ہمارے جاہ و جلال کو پہچان سکے" ـــــ ہرمز نے حقارت سے کہا ـــ "کیا مدینہ میں جنگلی اور گنوار آباد ہیں؟ کیا تمہیں بتایا نہیں گیا کہ تم ایک شاہی دربار میں جا رہے ہو؟ تمہیں دربار کے آداب بھی نہیں سکھائے گئے۔"

"مسلمان صرف اللہ کے دربار کے آداب سے آگاہ ہوتا ہے" ـــــ ایلچی نے جرأت سے سر کچھ اور اونچا کر کے کہا ـــ "اُس انسان کو اسلام کوئی حیثیت نہیں دیتا جو اللہ کے بندوں پر اپنے دربار کا رعب گانٹھتا ہے۔ میں تمہارا درباری نہیں، اُس سالار کا ایلچی ہوں جسے اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی تلوار کہا ہے۔"

"ہرمز کے سامنے وہ تلوار کند ہو جاتی ہے" ـــــ ہرمز نے فرعونوں کے سے لہجے میں کہا اور ہاتھ بڑھا کر طنزیہ لہجے میں بولا ـــ "لاؤ تمہارے اللہ کی تلوار نے کیا پیغام بھیجا ہے۔"

ایلچی نے پیغام اُس کے ہاتھ میں دے دیا جو وہ اس طرح پڑھنے لگا جیسے ازراہِ مذاق اُس نے ایک مزاحیہ سا ہاتھ میں لے لیا ہو۔ پیغام پڑھ کر اُس نے اُسے مٹھی میں اس طرح مڑ تڑ کر دیا جیسے یہ ایک ردّی کا ٹکڑا ہو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جیسے وہ پھینک دے گا۔

"کیا کیڑے مکوڑے یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک چٹان سے ٹکرلے سکیں گے؟" — ہرمز نے کہا — "کیا مدینہ والوں کو کسی نے بتایا نہیں کہ ہرقل بھی اس چٹان سے ٹکرا کر اپنا سر پھوڑ چکا ہے؟ کیا ہم انہیں اپنی فوج کی ایک جھلک دکھائیں تاکہ تم اپنے سالار کو اور اپنے بوڑھے خلیفہ کو بتا سکو کہ عراق کی سرحدوں کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہ کریں؟"

"مجھے سالارِ اعلیٰ نے صرف یہ حکم دیا تھا کہ یہ پیغام ہرمز تک پہنچا کر اس کا جواب لاؤں" — ایلچی نے کہا — "میں تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ مجھے ایسا کوئی حکم نہیں ملا۔"

"تم جیسے ایلچی کے ساتھ ہم یہ سلوک کیا کرتے ہیں کہ اُسے قید خانے میں پھینک دیتے ہیں" — ہرمز نے کہا — "اگر ہم رحم کریں تو اُسے قید خانے کی اذیت سے بچانے کے لیے جلّاد کے حوالے کر دیتے ہیں۔"

"میری جان میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے" — ایلچی نے پہلے سے زیادہ جرأت سے کہا — "اگر تم مسلمان ہوتے تو تمہیں علم ہوتا کہ مہمان کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے، لیکن اللہ کے منکر اور آگ کے پجاری سے اس سے بہتر سلوک کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے جلّاد کے حوالے کر دو، لیکن یہ سوچ لو کہ مسلمان میرے اور میرے محافظوں کے خون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لیں گے۔"

ہرمز بدک کر سیدھا ہو بیٹھا۔ غصّے سے اُس کی آنکھیں لال سُرخ ہو گئیں۔ ویسی ہی سرخی اُس کے چہرے پر آ گئی جیسے وہ خالدؓ کے اس ایلچی کو کچا چبا جائے گا۔

"نکال دو اسے ہمارے دربار سے" — ہرمز نے گرج کر کہا۔

چار پانچ درباری جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں، تیزی سے آگے بڑھے۔ ایلچی کے دونوں محافظوں نے تلواریں نکال لیں۔ پہلے وہ دونوں ایلچی کے پیچھے کھڑے تھے، اب وہ ایلچی کے پہلوؤں میں اس طرح کھڑے ہو گئے کہ اُن کی پیٹھیں ایلچی کی طرف تھیں۔

"ہرمز!" — ایلچی نے بارُعب آواز میں کہا — "جنگجو میدانِ جنگ میں لڑا کرتے ہیں۔ اپنی طاقت کا گھمنڈ اپنے دربار میں نہ دکھا۔ مجھے اپنے سالار کے پیغام کا جواب مل گیا ہے۔ تجھے ہماری کوئی شرط قبول نہیں.... کیا یہی ہے تیرا جواب؟"

"نکل جاؤ اس دربار سے" — ہرمز نے غصّے سے کانپتی ہوئی بلند آواز میں کہا — "اپنے سالار سے کہنا کہ میری طاقت کو میدانِ جنگ میں آزما لے۔"

ہرمز کے برچھی بردار درباری اُس کے اشارے پر رُک گئے تھے۔ ایلچی کے محافظوں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں۔ ایلچی پیچھے کو مڑا اور تیز قدم دربار سے نکل گیا۔ دونوں محافظ اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔

ہرمز نے مٹھی کھولی جس میں خالد کا پیغام مُڑا تُڑا ہوا تھا۔ چونکہ یہ پیغام باریک کھال پر لکھا ہوا تھا اس لیے مٹھی کھولتے ہی سیدھا ہو گیا۔ ہرمز نے یہ پیغام فارس کے شہنشاہ اُردشیر کی طرف اس اطلاع کے ساتھ بھیج دیا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے فوری طور پر سرحد کی طرف کوچ کر رہا ہے اور وہ مسلمانوں کو سرحد سے دُور ہی ختم کر دے گا۔

"ہرمز کا اقبال بلند ہو" — اُس کے ایک درباری نے کہا — "جس دشمن کو آپ سرحد سے دُور ختم کرنا چاہتے ہیں وہ پہلے ہی سرحد کے اندر موجود ہے۔"

ہرمز نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"یہ وہ عربی مسلمان ہیں" — اُس درباری نے کہا — "جو دجلہ اور فرات کے اُس علاقے میں آباد ہیں جہاں یہ دونوں دریا ملتے ہیں۔ یہ علاقہ ابلہ تک چلا جاتا ہے۔ انہوں نے کبھی کی سلطنتِ ایران کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے۔ مدینہ والوں نے ہم پر حملہ کیا تو یہ مسلمان اُن سے مل جائیں گے۔"

"میں ایک عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں" — ایک فوجی مشیر نے کہا — "کئی دنوں سے اطلاعیں مل رہی ہیں کہ مسلمان جو لڑنے کے قابل ہیں یعنی جوان ہیں وہ اپنی بستیوں سے غائب ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ یقیناً مثنیٰ بن حارثہ تک پہنچ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فوج کی صورت میں منظم ہو رہے ہیں۔"

"کیا تم نے فرار کا یہ سلسلہ روکنے کے لئے کوئی کارروائی کی ہے!" — ہرمز نے پوچھا۔

"فوجی دستے باقاعدہ نگرانی کر رہے ہیں" — فوجی مشیر نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود مسلمان غائب ہو رہے ہیں" — ہرمز نے غصّے اور طنز سے کہا — "سرحدی چوکیوں کو ابھی حکم بھیجو کہ مسلمانوں کی بستیوں پر چھاپے مارتے رہیں۔ ہر بستی کی تمام آبادی کو باہر نکال کر دیکھیں کہ کتنے آدمی غائب ہیں اور وہ کب سے غائب ہیں۔ جس گھر کا آدمی غائب ہو اُس گھر کو آگ لگا دو۔ کوئی مسلمان سرحد کی طرف جاتا نظر آئے تو اُسے پکڑ کر قتل کر دو یا دُور سے اُس پر تیر چلا دو۔"

☆

اُس علاقے میں مسلمانوں کی ایک بستی تھی جو سرحد کے بالکل قریب تھی۔ ایرانی فوج کی تھوڑی سی نفری نے اس بستی میں جا کر اعلان کیا کہ بچے سے بوڑھے تک باہر نکل آئیں۔ سپاہیوں نے گھروں میں گُھس گُھس کر لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ عورتوں کو الگ اور مردوں کو الگ کھڑا کر لیا گیا۔ سپاہیوں کا انداز بڑا ہی ظالمانہ تھا۔ وہ گالیوں کی زبان میں بات کرتے اور ہر کسی کو دھکے دے دے کر اِدھر سے اُدھر کرتے تھے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ اُن آدمیوں کے نام بتاتے جائیں اور اُن کے گھر دکھاتے جائیں جو بستی میں نہیں ہیں۔

تمام آبادی خاموش رہی۔

"جواب دو" — ایرانی کمانڈر نے غصّے سے چلّاتے ہوئے کہا۔

اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ کمانڈر نے آگے بڑھ کر ایک بوڑھے آدمی کو گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا اور اُس سے پوچھا کہ اس ہجوم میں کون کون نہیں ہے۔

"مجھے معلوم نہیں" — بوڑھے نے جواب دیا۔

کمانڈر نے نیام سے تلوار نکال کر بوڑھے کے پیٹ میں گھونپ دی اور تلوار زور سے باہر کو کھینچی۔ بوڑھا دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ کر گر پڑا۔ کمانڈر ایک بار پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اچانک ایک طرف سے آٹھ دس گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ اُن کے سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ ایرانی فوجی دیکھنے بھی نہ پاتے تھے کہ یہ کون ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک کے جسموں میں برچھیاں اُتر چکی تھیں اور گھوڑے جس طرح آئے تھے، اُسی طرح سرپٹ دوڑتے بستی سے نکل گئے۔ ایرانی فوجیوں کی تعداد چالیس پچاس تھی۔ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ اُن میں سے آٹھ دس زمین پر پڑے تڑپ رہے تھے۔

گھوڑوں کے قدموں کی دھمک سنائی دے رہی تھی جو دُور ہٹتی گئی اور اب پھر قریب آنے لگی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اب فوجیوں نے بھی برچھیاں اور تلواریں تان لیں اور اُس طرف دیکھنے لگے جدھر سے گھوڑوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ پیچھے سے بستی کی آبادی اُن پر ٹوٹ پڑی۔ ان سپاہیوں میں سے وہی زندہ رہے جو کسی طرف بھاگ نکلے تھے۔ جب سوار بستی میں پہنچے تو اُنہیں گھوڑے روکنے پڑے کیونکہ اُن کے راستے میں بستی کے لوگ حائل تھے جو ایرانی فوجیوں کا کُشت وخون کر رہے تھے۔

اس سے پہلے مسلمانوں نے یوں کُھلے بندوں ایرانی فوج پر حملہ کرنے کی جرأت کبھی نہیں کی تھی۔ ایک ایرانی سپاہی پر ہاتھ اُٹھانے کی سزا یہ تھی کہ ہاتھ اُٹھانے والے کے پُورے خاندان کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ اب یہاں کے مسلمان اس لئے دلیر ہو گئے تھے کہ اُنہیں اطلاع مل چکی تھی کہ مدینہ کی فوج آگئی ہے۔ جن سواروں نے ایرانی فوجیوں پر حملہ کیا تھا وہ کچھ اس بستی کے رہنے والے جوان تھے کچھ دوسری بستیوں کے تھے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ مثنیٰ بن حارثہ کی طرف جاتے ہوئے اس بستی کے قریب سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے اس بستی کی آبادی کو باہر کھڑے دیکھا اور ایرانی فوجیوں کو بھی دیکھا۔ وہ چُھپ کر آگے نکل سکتے تھے لیکن ایرانی کمانڈر نے بوڑھے کے پیٹ میں تلوار گھونپی تو سب نے آپس میں صلاح مشورہ کئے بغیر گھوڑوں کے رُخ اس طرف کر لئے۔ ایرانی فوجیوں نے تو اُنہیں جاتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ اللہ کی مدد تھی جو اس مظلوم بستی کو بروقت مل گئی۔

یہ بستی تو خوش قسمت تھی کہ اسے مدد مل گئی اور ایرانیوں کی بھیانک سزا سے بچ گئی۔ مسلمانوں کی دوسری بستیوں پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ ہر بستی کے ہر گھر کی تلاشی ہو رہی تھی۔ یہ دیکھا جا رہا تھا کہ کتنے آدمی غائب ہو چکے تھے۔ ہر بستی میں ایرانی کئی آدمیوں کو قتل کر رہے تھے۔ بعض مکانوں کو اُنہوں نے نذرِ آتش بھی کر دیا۔

★

تین چار روز یہ سلسلہ چلا۔ اس کے بعد ایرانی فوج کو بستیوں کی طرف توجہ دینے کی مہلت نہ ملی۔ ہرمز اپنی فوج لے کر آگیا۔ سرحدی فوج کو بھی اُس نے اپنے ساتھ لے لیا اور سرحد سے نکل گیا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ خالدؓ کو وہ سرحد سے دُور روک لے گا۔ ہرمز کی پیش قدمی بہت تیز تھی۔

مارچ ۶۳۳ء کا تیسرا ہفتہ تھا جب خالدؓ نے یمامہ سے دس ہزار فوج لے کر کوچ کیا تھا۔ یہ محرم ۱۲ھ کا مہینہ تھا۔ اُن کی پیش قدمی بھی بہت تیز تھی۔

ہرمز اپنی فوج کے ساتھ اپنی سرحد سے بہت دُور کاظمہ کے مقام پر پہنچ گیا اور فوج کو وہیں خیمہ زن کر دیا۔ یہ مقام یمامہ اور اُبلہ کے راستے میں پڑتا تھا۔ ہرمز کو معلوم نہیں تھا کہ اُس کی پیش قدمی کو دیکھنے والے موجود ہیں۔ خالدؓ ابھی کاظمہ سے دُور تھے کہ اُنہیں عراق کی سمت سے آتے ہوئے دو شتر سوار ملے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو بتایا کہ زرتشتوں کی فوج کاظمہ میں خیمہ زن ہے۔ خالدؓ نے وہیں سے راستہ بدل دیا۔ یہ شتر سوار مثنیٰ کے بھیجے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو یہ بھی بتایا کہ وہ حفیر کے مقام تک اس طرح پہنچ جائیں کہ زرتشتوں کی فوج کے ساتھ اُس کی ٹکر نہ ہو۔ شتر سواروں نے خالدؓ کو ایک خوشخبری یہ سُنائی کہ اُن کے لیے آٹھ ہزار نفری کی فوج تیار ہے۔ یہ فوج اس طرح تیار ہوئی تھی کہ مثنیٰ بن حارثہ، مذعور بن عدی، ہرملہ اور سُلمہ نے دو دو ہزار لڑنے والے جوان اکٹھے کر لئے تھے۔ اس طرح خالدؓ کی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار ہو گئی۔

خالدؓ نے اپنی پیشقدمی کا راستہ اس طرح بدل دیا کہ کاظمہ کے دُور سے گزر کر حفیر تک پہنچ سکیں، لیکن ہرمز کے جاسوس بھی صحرا میں موجود تھے۔ اُنہوں نے خالدؓ کے لشکر کو دُور کے راستے سے جاتے دیکھ لیا۔ آگے وہ راستہ تھا جو حفیر سے نباج کی طرف جاتا تھا۔ ہرمز نے اپنی فوج کو خیمے اُکھاڑنے اور بہت تھوڑے وقت میں حفیر کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ حفیر کے ارد گرد پانی کے کنوئیں موجود تھے۔ ہرمز نے وہاں خالدؓ سے پہلے پہنچ کر خیمے گاڑ دیئے۔ اس طرح پانی ایرانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔

خالدؓ ابھی حفیر سے کچھ دُور تھے کہ ایک بار پھر وہ دونوں شتر سوار اُن کے راستے میں آگئے اور خالدؓ کو اطلاع دی کہ دشمن حفیر کے مقام پر پانی کے کنوئیں پر قابض ہو چکا ہے۔ خالدؓ نے کچھ اور آگے جا کر ایسی جگہ پڑاؤ کا حکم دے دیا جہاں دُور دُور تک پانی کی ایک بُوند نہیں مل سکتی تھی۔ فوج نے وہاں پڑاؤ تو ڈال دیا لیکن خالدؓ کو بتایا گیا کہ فوج میں بے اطمینانی پائی جاتی ہے کہ پڑاؤ ایسی جگہ کیا گیا ہے جہاں دُور دُور تک پانی کا نام ونشان نہیں۔

"میں نے کچھ سوچ کر یہاں پڑاؤ کیا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "تمام لشکر سے کہو کہ دشمن اگر پانی پر قابض ہے تو پریشان نہ ہوں۔ ہماری پہلی لڑائی پانی کے لیے ہو گی۔ پانی اُسی کو ملے گا جو جان کی بازی لگا کر لڑے گا۔ تم نے دشمن کو پانی سے محروم کر دیا تو سمجھو کہ تم نے جنگ جیت لی۔"

سالارِ اعلےٰ کا یہ پیغام سارے لشکر کو سُنا دیا گیا اور سب ایک خونریز جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

اب لشکر کی نفری اٹھارہ ہزار ہو گئی تھی۔ مثنیٰ بن حارثہ، مذعور بن عدی، ہرملہ اور سُلمہ دو دو ہزار آدمی ساتھ لئے خالدؓ سے آملے تھے۔ خالدؓ نے جو ایلچی ہرمز کے پاس بھیجا تھا، وہ بھی اسی پڑاؤ میں خالدؓ کے پاس آیا اور بتایا کہ ہرمز نے اُس کے ساتھ کیسا توہین آمیز سلوک کیا ہے۔

"اُس کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نے اُس کا دماغ خراب کر رکھا ہے"۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے جو پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، کہا۔۔۔ "خدا یہ نہیں دیکھتا کہ کسی انسان کے سر پہ کیا رکھا ہے، خدا تو دیکھتا ہے کہ اُس کے سر کے اندر کیا ہے۔ اُس کے عزائم کیا اور اُس کی نیت کیا ہے اور وہ سوچتا کیا ہے۔"

"ایک لاکھ درہم کی ٹوپی؟"۔۔۔ خالدؓ نے حیران ہو کر پُوچھا۔۔۔ "کیا ہرمز اتنی قیمتی ٹوپی پہنتا ہے؟"

"فارس کی شہنشاہی کا ایک دستور ہے"۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا۔۔۔ "ان کے ہاں حسب ونسب اور حیثیت کو دیکھ کر اس کے مطابق ٹوپی پہنائی جاتی ہے جو ان کے شہنشاہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ زیادہ قیمتی ٹوپی صرف وہ افراد پہنتے ہیں جو اعلیٰ حسب ونسب کے ہوں اور جنہوں نے رعایا میں بھی اور شاہی دربار میں بھی توقیر اور وجاہت حاصل کر رکھی ہو۔ اس وقت ہرمز سب سے زیادہ قیمتی ٹوپی پہنتا ہے۔ کوئی اور ایک لاکھ درہم کی ٹوپی نہیں پہن سکتا۔ اس ٹوپی میں بیش قیمت ہیرے لگے ہوئے ہیں اور اس کی کلغی بھی بہت قیمتی ہے۔"

"فرعونوں نے اپنے سروں پر خدائی ٹوپیاں سجا لی تھیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "کہاں ہیں وہ؟ کہاں ہیں اُن کی ٹوپیاں؟ ۔۔۔ مجھے کسی کی بیش قیمت ٹوپی مرعوب نہیں کر سکتی نہ کسی کی ٹوپی تلوار کے وار کو روک سکتی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آتش پرستوں کی فوج لڑنے میں کیسی ہے اور میدانِ جنگ میں کتنی تیزی سے نقل وحرکت

کرتی ہے۔"

"فارس کے سپاہی کی زِرہ اور ہتھیار دیکھ کر خوف سا آتا ہے" ــــ مُثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ کو بتایا ــــ "سر پر لوہے کی زنجیروں کی خود، بازوؤں پر کسی اور دھات کے خول اور ٹانگیں آگے کی طرف سے موٹے چمڑے یا دھات سے محفوظ کی ہوئیں۔ ہتھیار اتنے کہ ہر سپاہی کے پاس ایک برچھی، ایک تلوار، ایک وزنی گرُز، ایک کمان اور ایک ترکش ہوتی ہے جس میں ہر سپاہی تیس تیر رکھتا ہے۔"

"اور لڑتے میں کیسے ہیں؟"

"جرأت اور عقل سے لڑتے ہیں" ــــ مُثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا ــــ "ان کی دلیری مشہور ہے۔"

"مُثنیٰ!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ آتش پرستوں کے سپاہی کتنے کمزور ہیں اور اُن کی جرأت کی حد کیا ہے؟ ... اُن کی جرأت کی حد آہنی خود اور بازوؤں اور ٹانگوں پر چڑھائے ہوئے خولوں تک ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ جذبہ لوہے کو کاٹ دیا کرتا ہے۔ لوہے کی تلوار اور برچھی کی اَنی جذبے کو نہیں کاٹ سکتی۔ زِرہ اور دھات یا چمڑے کے خول حفاظت کے جھوٹے ذریعے ہیں۔ ایک خول کٹ گیا تو سپاہی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے، پھر اُس میں اتنی سی جرأت رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کی اور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ کے سپاہی کی زِرہ اس کا عقیدہ اور ایمان ہے ... میں تمہیں فارسیوں کی ایک اور کمزوری دکھاؤں؟" ــــ خالدؓ نے قاصد سے کہا ــــ "سالاروں اور کمانداروں کو فوراً بلاؤ۔"

☆

"فوری طور پر کاظمہ کی طرف کوُچ کرو" ــــ خالدؓ نے حکم دیا ــــ "اور کوُچ بہت تیز ہو۔"

ہرمز حفیرہ کے علاقے میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ وہ کاظمہ سے اپنی فوج کو یہاں لایا تھا کیونکہ خالدؓ کا لشکر حفیرہ کی طرف آ گیا تھا۔ اب یہ لشکر پھر کاظمہ کی طرف جا رہا تھا۔ دونوں فوجوں کے چند ایک گھوڑسوار ایک دوسرے کی خیمہ گاہ کو دیکھتے رہتے تھے۔ ہرمز کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر کاظمہ کی طرف کوچ کر گیا ہے تو ہرمز نے اپنی فوج کو کاظمہ کی طرف کوُچ کا حکم دے دیا۔

ہرمز کو اُبلہ کا بہت فکر تھا۔ یہ ایرانیوں کی بادشاہی کا بہت اہم شہر تھا۔ یہ تجارتی مرکز تھا۔ ہندوستان کو تاجروں کے قافلے یہیں سے جایا کرتے تھے اور ہندوستان خصوصاً سندھ کا مال اسی مقام پر آیا کرتا تھا۔ یہ ایرانیوں کا فوجی مرکز بھی تھا۔ اس علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کو دبائے رکھنے کے لئے اُبلہ میں فوج رکھی گئی تھی۔ ہرمز کی کوشش یہ تھی کہ خالدؓ کا لشکر اُبلہ تک نہ پہنچ سکے۔ ہرمز کو اُبلہ پہلے سے زیادہ خطرے میں نظر آنے لگا کیونکہ مسلمان اُبلہ کے جنوب میں کاظمہ کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لیے کوُچ اتنا مشکل نہ تھا جتنا ایرانیوں کے لئے دشوار تھا۔ مسلمانوں کے پاس اونٹ اور گھوڑے خاصے زیادہ تھے۔ سپاہی ہلکے پھُلکے تھے۔ وہ آسانی سے تیز چل سکتے تھے۔ ان کے مقابلے میں ایرانی سپاہی زِرہ اور ہتھیاروں سے لدے ہوئے تھے اس لئے وہ تیز نہیں چل سکتے تھے۔ ایک دو دن ہی پہلے وہ کاظمہ سے حفیرہ آئے تھے۔ اِس کوُچ کی تھکن ابھی باقی تھی کہ اُنہیں ایک بار پھر کوُچ کرنا پڑا اور وہ بھی بہت تیز تاکہ مسلمانوں سے پہلے کاظمہ کے علاقے میں پہنچ جائیں۔

اس کوُچ نے راستے میں ہی انہیں تھکا دیا۔

ہرمز کی فوج جب کاظمہ میں مسلمانوں کے بالمقابل پہنچی تو نڈھال ہو چکی تھی۔ مسلمان سپاہی صحرائی لڑائیوں اور صحرا میں نقل و حرکت کے عادی تھے۔ خالدؓ نے ہرمز کو یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ اپنے لشکر کو آرام نہیں کرنے دے گا، لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ خود قلب میں رہے۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں کی کمان عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کے پاس تھی۔ عاصم بن عمرو قعقاع بن عمرو کے بھائی تھے اور عدی بن حاتم قبیلہ طے کے سردار تھے جو دراز قد، مضبوط جسم والے بڑے بہادر جنگجو تھے۔

خالدؓ کو اپنی فوج کو لڑائی کی ترتیب میں کرتے دیکھ کر ہرمز نے بھی اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب میں وہ خود رہا اور دونوں پہلوؤں کی کمان شاہی خاندان کے دو افراد، قباذ اور انوشجان، کو دی۔ ہرمز دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج پسینے میں نہا رہی ہے اور سپاہیوں کی سانسیں پھُولی ہوئی ہیں۔ اُنہیں آرام کی ضرورت تھی لیکن مسلمان جنگی ترتیب میں آ چکے تھے۔ ہرمز نے اپنی فوج کی ترتیب ایسی رکھی کہ کاظمہ شہر اُس کی فوج کے پیچھے آ گیا۔ اُن کے سامنے ریگستانی میدان تھا اور ایک طرف بے آب و گیاہ ٹیلہ نما پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔

خالدؓ نے اپنی فوج کو اس طرح آگے بڑھایا کہ یہ پہاڑی سلسلہ اُن کی پُشت کی طرف ہو گیا۔

☆

اپریل ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے کا ایک دن تھا جب مسلمان پہلی بار آتش پرست ایرانیوں کے مقابل آئے۔

"اگر خالدؓ بن ولید مارا جائے تو یہ معرکہ بغیر لڑے ختم ہو سکتا ہے" ــــ ہرمز کے ایک سالار نے اُسے کہا ــــ "مسلمان جو اتنی دُور سے آئے ہیں، اپنے سالار کی موت کے بعد ہمارے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔"

"فوج سے کہو زنجیریں باندھ لیں" ــــ ہرمز نے سالار سے کہا ــــ "میں ان کے سالار کا بندوبست کرتا ہوں۔ سب سے پہلے یہی مرے گا" ــــ اُس نے سالار کو بھیج کر اپنے محافظوں کو بلایا اور اُنہیں کچھ بتایا۔

زنجیریں باندھ لینے کا مطلب یہ تھا کہ ایرانی فوج کے سپاہی اپنے آپ کو اس طرح زنجیروں سے باندھ لیتے تھے کہ پانچ سے دس سپاہی ایک لمبی زنجیر میں بندھ جاتے تھے۔ ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا تھا کہ وہ آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیریں باندھ کر لڑنے سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی سپاہی بھاگ نہیں سکتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اُن کے دشمن کے گھوڑسوار جب اُن پر حملہ بولتے تھے تو سپاہی زنجیریں سیدھی کر دیتے۔ زنجیریں گھوڑوں کی ٹانگوں کے آگے آ جاتیں اور گھوڑے گر پڑتے تھے، لیکن زنجیروں کا بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ ایک زنجیر میں بندھے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک دو زخمی یا ہلاک ہو جاتے تو باقی بے بس ہو جاتے اور دشمن کا آسان شکار بنتے تھے۔

اس جنگ کو جو ہرمز اور خالدؓ کے درمیان لڑی گئی، جنگِ سلاسل یعنی زنجیروں کی جنگ کہتے ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایرانی اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ رہے ہیں تو وہ حیران ہونے لگے۔ کسی نے بلند آواز سے کہا — "وہ دیکھو فارسی اپنے آپ کو ہمارے لئے باندھ رہے ہیں۔"

"فتح ہماری ہے" — خالدؓ نے بلند آواز سے کہا — "اللہ نے ان کے دماغوں پر مہر لگا دی ہے۔"

خالدؓ نے جو کچھ سوچ کر کاظمہ سے حفیر اور حفیر سے کاظمہ کو کوچ کیا تھا، وہ فائدہ انہیں نظر آ گیا تھا۔ ہرمز کی فوج جوزرہ اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی تھی، لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی تھک گئی تھی۔ خالدؓ نے ایرانیوں کو آرام کی مہلت نہیں دی تھی۔ اب ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ خالدؓ نے سوچ لیا کہ وہ کیا چال چلیں گے اور ایرانیوں کو کس طرح لڑائیں گے۔

ہرمز نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دونوں فوجوں کے درمیان ایسی جگہ آکر رُک گیا جہاں زمین کٹی پھٹی اور کہیں کہیں ٹیلے تھے۔ اُس کے محافظ اُس سے کچھ دُور آکر رُک گئے۔

☆

"کہاں ہے خالدؓ!" — ہرمز نے للکار کر کہا — "آ، پہلے میرا اور تیرا مقابلہ ہو جائے۔"

یہ اُس زمانے کا دستور تھا کہ جنگ شروع کرنے سے پہلے دونوں فوجوں کے سالار ذاتی مقابلوں کے لیے ایک دوسرے کو للکارتے تھے۔ دونوں فوجوں کے آدمی انفرادی طور پر آگے جا کر تلواروں سے بھی لڑتے تھے اور کُشتی بھی کرتے تھے۔ نتیجہ دونوں میں سے ایک کی موت ہوتا تھا۔ جنگِ سلاسل میں ہرمز نے خود آگے آکر خالدؓ کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔ ہرمز مانا ہُوا جنگجو اور بہادر آدمی تھا۔ تیغ زنی کی مہارت کے علاوہ اُس کے جسم میں بہت طاقت تھی۔

خالدؓ کی عمر اڑتالیس سال ہو چکی تھی۔ وہ جنگی چالوں کے ماہر تھے۔ اُن کے جسم میں اچھی خاصی طاقت تھی لیکن ہرمز زیادہ طاقتور تھا۔ اُس کی للکار پر خالدؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہرمز کے سامنے جا رُکے۔ ہرمز گھوڑے سے اُترا اور خالدؓ کو گھوڑے سے اُترنے کا اشارہ کیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔

دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے، پینترے بدلے، گھوم گھوم کر ایک دوسرے پر آئے مگر تلواریں آپس میں ہی ٹکراتی رہیں۔ پھر خالدؓ کے ہاتھوں اور پینتروں میں پھُرتی آ گئی۔ دونوں فوجیں شور و غل بپا کر رہی تھیں۔ ہرمز محسوس کرنے لگا کہ وہ خالدؓ کی تلوار سے بچ نہیں سکے گا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گیا اور اُس نے تلوار پھینک دی۔

"تلواریں فیصلہ نہیں کر سکیں گی" — ہرمز نے کہا — "آ خالدؓ! ہتھیار کے بغیر آ اور کُشتی لڑ۔"

خالدؓ تلوار پھینک کر کُشتی کے لئے آگے بڑھے اور دونوں گُتھم گُتھا ہو گئے۔ کُشتی میں ہرمز کا پلّہ بھاری نظر آتا تھا مگر مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہرمز کی چال کچھ اور تھی۔ اُس نے اپنے محافظوں کو پہلے سے بتا رکھا تھا کہ وہ جب خالدؓ کو اتنی مضبوطی سے پکڑ لے کہ خالدؓ ہلنے کے قابل نہ رہیں تو محافظ دونوں کو اس طرح گھیرے میں لے لیں کہ اُن کی نیّت اور ارادے پر شک نہ ہو یعنی وہ تماشائی بنے رہیں اور ان میں سے ایک محافظ خنجر نکال کر خالدؓ کا پیٹ چاک کر دے۔ جنگجو اس طرح دھوکہ نہیں دیا کرتے تھے لیکن ہرمز کمینگی کی وجہ سے مشہور تھا۔

ہرمز کے محافظ آگے بڑھ آئے اور اپنی فوج کی طرح نعرے لگاتے نرغے کی ترتیب میں ہونے گئے۔ وہ گھوڑوں پر سوار نہیں تھے۔ وہ گھیرا تنگ کرتے گئے، حتیٰ کہ دونوں کے قریب چلے گئے۔ خالدؓ کی توجہ

بٹ گئی۔ ہرمز نے پھُرتی سے خالدؓ کے دونوں بازو اس طرح جکڑ لئے کہ اُس کے بازو خالدؓ کی بغلوں میں تھے۔ محافظ اور قریب آ گئے۔

ہرمز نے اپنی زبان میں محافظوں سے کچھ کہا۔ خالدؓ اُس کی زبان تو نہ سمجھ سکے، اشارہ سمجھ گئے۔ اُنہوں نے خطرے کو بھانپ لیا اور جسم کی تمام تر طاقت صرف کر کے اتنی زور سے گھومے کہ ہرمز کو بھی اپنے ساتھ گھما لیا، پھر خالدؓ ایک جگہ کھڑے گھومتے رہے۔ ہرمز کے پاؤں زمین سے اُٹھ گئے۔ خالدؓ نے ہرمز کے بازو اپنی بغلوں میں جکڑ لئے تھے اور اپنے ہاتھ ہرمز کی بغلوں میں لے جا کر اُسے گھماتے رہے۔ اس طرح محافظوں کا دائرہ کھُلتا گیا اور اُن میں سے کسی کو آگے بڑھ کر خالدؓ پر وار کرنے کا موقع نہ ملا، لیکن خالدؓ کا یہ داؤ زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا تھا۔ وہ تھک چکے تھے۔

اچانک ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا جسے ہرمز کے محافظ نہ دیکھ سکے۔ گھوڑا محافظوں کے دائرے کو کاٹتا گزر گیا اور تین محافظ زمین پر تڑپنے لگے۔ ان میں سے ایک کو گھوڑے نے کچل ڈالا تھا اور دو کو گھوڑسوار کی تلوار نے کاٹ دیا تھا۔ گھوڑا آگے جا کر مُڑا اور پھر ہرمز کے محافظوں کی طرف آیا۔ محافظوں نے اب اُس سے بچنے کی کوشش کی پھر بھی تین محافظ گرے اور تڑپنے لگے۔ باقی بھاگ گئے اور سوار اپنی فوج سے جا ملا۔

یہ سوار نوجوان قعقاعؓ بن عمرو تھا جسے خلیفہ ابوبکرؓ نے کمک کے طور پر خالدؓ کی طرف بھیجا اور کہا تھا "جس لشکر میں قعقاعؓ جیسا جوان ہوگا وہ لشکر شکست نہیں کھائے گا۔"

اس سوار سے نظریں ہٹا کر سب نے ہرمز اور خالدؓ کو دیکھا۔ ہرمز پیٹھ کے بل زمین پر پڑا تھا اور خالدؓ اُس کے پیٹ پر بیٹھے اُس کے سینے سے اپنا خنجر نکال رہے تھے۔ خنجر سے ہرمز کا خون ٹپک رہا تھا۔ قعقاعؓ نے ہرمز کے محافظوں کی نیّت بھانپ لی تھی اور کسی کے حکم کے بغیر گھوڑے کو ایڑ لگا کر محافظوں پر جا ہلّہ بولا اور خالدؓ کو بچا لیا تھا۔

☆

خالدؓ ہرمز کی لاش سے اُٹھے۔ ہرمز کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی خالدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ ٹوپی اور اُس کے خون میں لتھڑا ہُوا خنجر بلند کر کے خالدؓ نے اپنی فوج کو کھُلے حملے کا حکم دے دیا۔ اُن کے پہلے سے دیئے ہوئے احکام کے مطابق مسلمان لشکر کے دونوں پہلو کھُل گئے اور اس نے دائیں اور بائیں سے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ ایرانی اپنے ہرمز جیسے سالار کی موت سے بددل ہو گئے تھے لیکن اپنی روایتی شجاعت سے وہ دستبردار نہ ہوئے۔ اُن کی تعداد مسلمانوں کی نسبت خاصی زیادہ تھی۔ ہتھیاروں اور گھوڑوں کے لحاظ سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں جم گئے۔ نظر یہی آ رہا تھا کہ ایرانیوں کو شکست نہیں دی جا سکے گی یا یہ کہ اُنہیں شکست دینے کے لیے بے شمار جانیں قربان کرنی پڑیں گی۔

ایرانی سپاہی پانچ پانچ، سات سات، دس دس ایک ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے اور ہر طرف سے آنے والے حملے روک رہے تھے۔ خالدؓ نے اُنہیں تھکانے کے لئے گھوڑسواروں کو استعمال کیا۔ گھوڑسواروں نے پیادوں پر اس طرح حملے شروع کر دیئے کہ پیادوں کو دائیں بائیں دوڑنا پڑتا۔ اپنے پیادوں کو بھی خالدؓ نے اسی طرح استعمال کیا۔ ایرانی پیادوں کو بھاگ دوڑ کرنا پڑا۔ ان کے مقابلے میں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسلمان تیزی سے حرکت کر سکتے تھے۔

آخر ایرانیوں میں سستی اور تھکن کے آثار نظر آنے لگے۔ اُنہوں نے اپنی روایت کے مطابق جوز نجیریں باندھ رکھی تھیں، وہ اُن کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں۔ ہتھیاروں کی برتری وبالِ جان بن گئی۔ ایرانیوں کی تنظیم اور ترتیب بکھرنے لگی۔ ان کے قلب کی کمان تو ہرمز کے مرتے ہی ختم ہو گئی تھی اِن کے پہلوؤں کے سالاروں، قباذ اور انوشجان، نے شکست یقینی دیکھی تو پسپائی کا حکم دے دیا۔ پسپا وہی ہو سکے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے نہیں تھے۔ ان میں زیادہ گھوڑ سوار تھے۔ قباذ اور انوشجان پہلوؤں سے اپنی فوج کی بہت سی نفری بچا کر لے گئے لیکن قلب کے ہزاروں سپاہی مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے۔ یہ تو آتش پرستوں کا قتلِ عام تھا جو سورج غروب ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ شام تاریک ہو گئی تو یہ خونی سلسلہ رُکا۔

مسلمانوں نے ایک بڑے ہی طاقتور دشمن کو بہت بُری شکست دے کر ثابت کر دیا کہ نفری کی افراط اور ہتھیاروں کی برتری سے فتح حاصل نہیں کی جا سکتی، جذبہ لڑا کرتا ہے۔

اگلے روز مالِ غنیمت اکٹھا کیا گیا۔ خالدؓ نے اسے پانچ حصّوں میں تقسیم کیا۔ چار حصے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیئے اور ایک حصّہ مدینہ خلیفہ ابوبکرؓ کو بھیج دیا۔ ہرمز کی ایک لاکھ درہم کی ٹوپی بھی خالدؓ نے خلیفہ کو بھیج دی۔ خلیفہ نے یہ ٹوپی خالدؓ کو واپس بھیج دی کیونکہ ذاتی مقابلوں میں مارے جانے والے کا مالِ غنیمت جیتنے والے کا حق ہوتا ہے۔ یہ ٹوپی خالدؓ کی ملکیت تھی۔

"یہ دیکھو.... باہر آؤ.... دیکھو یہ کیا ہے!"

مدینہ کی گلیوں میں کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ دوڑتے گھروں سے باہر آنے لگے۔

"جانور ہے"

"نہیں.... خدا کی قسم، ہم نے ایسا جانور کبھی نہیں دیکھا"

"یہ جانور نہیں.... خدا کی عجیب مخلوق ہے"

عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آتے۔ سب کے چہروں پر حیرت تھی۔ بچے ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ جنہوں نے خدا کی اس عجیب مخلوق کو پکڑ رکھا تھا، وہ ہنس رہے تھے اور وہ آدمی بھی ہنس رہا تھا جو اس عجیب مخلوق کی گردن پر بیٹھا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" ــــ لوگ پوچھ رہے تھے ــــ "اِسے کیا کہتے ہیں؟"

"اِسے ہاتھی کہتے ہیں" ــــ ہاتھی کے ساتھ ساتھ چلنے والے ایک آدمی نے بلند آواز سے کہا ــــ "یہ جنگی جانور ہے۔ یہ ہم نے فارس والوں سے چھینا ہے"

جنگِ سلاسل میں جب ایرانی زرتشت بھاگے تھے تو یہ ہاتھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔ تقریباً تمام مورخین نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ خالدؓ نے مالِ غنیمت کا جو پانچواں حصّہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو بھیجا تھا، اس میں ایک ہاتھی بھی تھا۔ مدینہ والوں نے ہاتھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس ہاتھی کو مدینہ شہر میں گھمایا پھرایا گیا تو لوگ حیران ہو گئے اور بعض ڈر بھی گئے۔ وہ اِسے جانور نہیں، خدا کی عجیب مخلوق کہتے تھے۔ ہاتھی کے ساتھ اس کا ایرانی مہاوت بھی تھا۔

اس ہاتھی کو چند دن مدینہ میں رکھا گیا۔ کھانے کے سوا اس کا اور کوئی کام نہ تھا۔ مدینہ والے اِس سے کام لینا جانتے بھی نہیں تھے۔ اس کے علاوہ صرف ایک ہاتھی سے وہ کرتے بھی کیا! امیر المومنین نے اس کے مہاوت کو ہاتھی سمیت آزاد کر دیا۔ کسی بھی تاریخ میں یہ نہیں لکھا کہ یہ ہاتھی مدینہ سے کہاں چلا گیا تھا۔

▽

دجلہ اور فرات آج بھی بہہ رہے ہیں۔ ایک ہزار تین سو باون سال پہلے بھی بہہ رہے تھے مگر اُس روانی میں اور آج کی روانی میں بہت فرق ہے۔ ساڑھے تیرہ صدیاں پہلے دجلہ اور فرات کی لہروں میں اسلام کے اولین مجاہدین کے جوشیلے اور پُرعزم نعروں کا ولولہ تھا۔ ان دریاؤں کے پانیوں میں شہیدوں کا خون شامل تھا۔ شمعِ رسالتؐ کے شیدائی اسلام کو دجلہ اور فرات کے کنارے دُور آگے لے جا رہے تھے۔ زرتشت کی آگ کے شعلے لپک لپک کر مسلمانوں کا راستہ روکتے تھے۔ مسلمان بڑھتے ہی چلے جا رہے تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُن کا بڑھنا سہل نہیں تھا۔ وہ فارسیوں کی شہنشاہی میں داخل ہو چکے تھے۔ اُن کی نفری اور جسموں کی تازگی کم ہوتی جا رہی تھی، اور دشمن کی جنگی قوت ہیبت ناک تھی۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے آتش پرست فارسیوں کی جنگی طاقت مسلمانوں کے قلیل لشکر کو اپنے پیٹ میں کھینچ رہی ہو۔

اپریل ۶۳۳ عیسوی کا تیسرا اور صفر ۱۲ ہجری کا پہلا ہفتہ تھا۔ خالدؓ کاظمہ کے مقام پر آتش پرست ایرانیوں کو شکست دے کر آگے ایک مقام پر پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے دو ہی ہفتے پہلے ایرانیوں کو شکست دی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اتنی بڑی شہنشاہی سے ٹکر لی تھی جس کی جنگی قوت سے زمین کانپتی تھی۔ امیر المومنین ابوبکرؓ نے کہا تھا کہ ابھی ہم اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے کے قابل نہیں لیکن اُنہوں نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ ٹکر لینا ناگزیر ہو گیا ہے، ورنہ زرتشت مدینہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ اُن کے عزائم ایسے ہی تھے۔ وہ مسلمانوں سے نفرت کرنے والے لوگ تھے اور اپنی بادشاہی میں مسلمانوں پر بہت ظلم کرتے تھے۔ امیر المومنین نے خالدؓ کو یمامہ سے بلا کر زرتشتوں کے خلاف بھیجا تھا۔

خالدؓ کو رسول کریمؐ نے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ اب خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے بھی کہا تھا — "اللہ کی تلوار کے بغیر ہم فارس کی بادشاہی سے ٹکر نہیں لے سکتے"۔

خالدؓ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اللہ کی تلوار ہیں۔

فارس کی شہنشاہی کی گدّی مدائن میں تھی۔ فارس کا شہنشاہ اُردشیر مدائن میں شہنشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھا تھا۔ اُس کی گردن اُن شہنشاہوں کی طرح اکڑی ہوئی تھی جو اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ اُس کے تخت کے دائیں بائیں ایران کا حُسن مچل رہا تھا۔ وہ تخت سے اُٹھنے ہی لگا تھا کہ اُسے اطلاع دی گئی کہ اُبلہ کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔

"فوراً بلاؤ" — اُردشیر نے شاہانہ رعونت سے کہا — "اس کے سوا وہ اور کیا خبر لایا ہو گا کہ ہرمز نے مسلمانوں کو کچل ڈالا ہے.... کیا حیثیت ہے عرب کے ان بدوؤں کی جنہوں نے کھجور اور جَو کے سوا کھانے کی کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی!"

قاصد دربار میں داخل ہوا تو اُس کا چہرہ اور اُس کی چال بتا رہی تھی کہ وہ اچھی خبر نہیں لایا۔ اُس نے ایک بازو سیدھا اوپر کیا اور جھک گیا۔

"سیدھے ہو جاؤ" — اُردشیر نے فاتحانہ لہجے میں کہا — "ہم اچھی خبر سننے کے لیے اتنا انتظار نہیں کر سکتے.... کیا مسلمانوں کی عورتوں کو بھی پکڑا گیا ہے؟.... بولو.... تم خاموش کیوں ہو؟"

"زرتشت کی ہزار رحمت تختِ فارس پر" — قاصد نے دربار کے آداب کے عین مطابق کہا — "شہنشاہ اُردشیر کی شہنشاہی...."

"خبر کیا لائے ہو؟" — اُردشیر نے گرج کر پوچھا۔

"عالی مقام ہرمز نے کمک مانگی ہے" — قاصد نے کہا۔

"ہرمز نے؟" — اُردشیر چونک کر آگے کو جھکا اور اُس نے حیران ہو کر پوچھا — "کمک مانگی ہے؟.... کیا وہ مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا ہے؟ کیا وہ پسپا ہو رہا ہے؟.... ہم نے سُنا تھا کہ مسلمان لٹیروں کے ایک گروہ کی مانند ہیں۔ کیا ہو گیا ہے ہرمز کو؟ کیا اُس نے سپاہ کو زنجیروں سے نہیں باندھا تھا؟

.... بولو!"

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا جیسے وہاں کوئی بھی نہ ہو اور در و دیوار چُپ چاپ ہوں۔

"شہنشاہِ فارس کی شہنشاہی افق تک پہنچے" — قاصد نے کہا — "زنجیریں باندھی تھیں مگر مسلمانوں نے ایسی چالیں چلیں کہ یہی زنجیریں ہماری سپاہ کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں"۔

"مدینہ والوں کی تعداد کتنی ہے؟"

"بہت تھوڑی شہنشاہِ فارس!" — قاصد نے جواب دیا — "ہمارے مقابلے میں اُن کی تعداد کچھ بھی نہیں تھی لیکن...."

"دُور ہو جا ہماری نظروں سے" — شہنشاہ اُردشیر گرجا اور ذرا سوچ کر بولا — "قارن کو بلاؤ"۔

قارن بن قریانس ایرانی فوج کا بڑا ہی قابل اور دلیر سپہ سالار تھا۔ وہ بھی ہرمز کی طرح لاکھ درہم کا آدمی تھا اور ہرمز کی ٹوپی کی طرح ٹوپی پہنتا تھا۔ اطلاع ملتے ہی دوڑا آیا۔

"قارن!" — اُردشیر نے کہا — "کیا تم اس خبر کو سچ مان سکتے ہو کہ ہرمز نے مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے کمک مانگی ہے؟" — اُردشیر نے درباریوں پر نگاہ دوڑائی تو تمام درباری اُٹھ کھڑے ہوئے، سب تعظیم کو جھکے اور باہر نکل گئے۔ اُردشیر قارن کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا — "کیا یہ قاصد مسلمانوں کا آدمی تو نہیں جو ہمیں دھوکہ دینے آیا ہو؟"

"مسلمان اتنی جرأت نہیں کر سکتے" — قارن نے کہا — "میدانِ جنگ میں ذرا سی غلطی پانسہ پلٹ دیا کرتی ہے۔ اگر ہرمز نے کمک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُسے کمک کی ضرورت ہے اور اُس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے"۔

"کیا مسلمانوں میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہماری فوج کو پسپا کر سکیں؟" — اُردشیر نے پوچھا۔

"ان میں ہمّت ہی نہیں بے پناہ جرأت بھی ہے" — قارن نے کہا — "وہ اپنے عقیدے کی جنگ لڑتے ہیں۔ اُبلہ کے علاقے میں ہم نے مسلمانوں کو اس قدر ذلیل کر کے رکھا ہوا ہے کہ وہ کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اُنہوں نے زمین دوز حملے کر کے اور شب خُون مار مار کر اُس علاقے کی کئی چوکیاں صاف کر دی ہیں.... آج تک اُنہوں نے جتنی جنگیں لڑی ہیں اُن میں اُنہوں نے کسی ایک میں بھی شکست نہیں کھائی۔ ہر جنگ میں اُن کی سپاہ کی تعداد خاصی تھوڑی رہی ہے۔ ان کے پاس گھوڑوں کی بھی کمی تھی"۔

"وہ لڑنے والے ہی ایسے تھے" — شہنشاہ اُردشیر نے کہا — "ان میں کوئی بھی ہماری فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا"۔

"لیکن مسلمانوں نے مقابلہ کر لیا ہے" — قارن نے کہا — "اور ہمارا اتنا زبردست سالار ہرمز کمک مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے.... شہنشاہِ فارس! دشمن کو اتنا حقیر نہیں جاننا چاہیے۔ ہمیں اپنے گریبان میں دیانت داری سے جھانکنا ہو گا۔ فارس کی شہنشاہی کا طوطی بولتا تھا لیکن ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ رُومی ہم پر غالب آ گئے تھے اور ہمیں یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہم رُومیوں کا سامنا کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس نئی صورتِ حال کا جائزہ دیانت داری سے لیں شہنشاہِ فارس! ہرمزؔ نے اگر کمک مانگی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اُس کے لشکر پر غالب آ گئے ہیں"۔

"میں نے تمہیں اسی لیے بلایا ہے کہ تم ہی ہرمز کی مدد کو پہنچو" — اُردشیر نے کہا — "اگر ہرمز گھبرا گیا ہے تو اُس کی مدد کے لیے اگر اُس سے بہتر سالار نہ جائے تو اسی جیسے سالار کو جانا چاہیے۔ تم ایسا لشکر تیار کرو جسے دیکھتے ہی مسلمان سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑیں یا مدینہ کو بھاگ جائیں .... فوراً قارن! فوراً"

قارن نے اُسے سلام کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا چل پڑا۔

▽

ایرانیوں کا سالار قارن بن قریانس تازہ دم لشکر سے کر اُبلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ پوری امید لے کر جا رہا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے لوٹے گا۔ وہ اپنے لشکر کو دجلہ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نے مذار کے مقام پر لشکر کو دریائے دجلہ پار کرایا اور جنوب میں دریائے معقل تک پہنچ گیا۔ جب وہ دریائے معقل کے پار گیا تو اُسے ہرمز کے لشکر کی ٹولیاں آتی دکھائی دیں۔ سپاہی بڑی بری حالت میں تھے۔

"تم پر زرتشت کی لعنت ہو" — قارن نے پہلی ٹولی کو روک کر اور اُن کی حالت دیکھ کر کہا — "کیا تم مسلمانوں کے ڈر سے بھاگے آ رہے ہو؟"

"سپہ سالار ہرمز مارا گیا ہے" — ٹولی میں سے ایک سپاہی نے کہا — "دونوں پہلوؤں کے سالار قباذ اور انوشجان بھی بھاگ آئے ہیں۔ وہ شاید پیچھے آ رہے ہوں"

قارن بن قریانس ہرمز کی موت کی خبر سن کر "سن" ہو کے رہ گیا۔ اُس نے یہ پوچھنے کی بھی جرأت نہ کی کہ ہرمز کس طرح مارا گیا ہے۔ قارن کا سر جھک گیا تھا۔ اُس نے جب سر اٹھایا تو دیکھا کہ فارس کے فوجیوں کی قطاریں چلی آ رہی تھیں۔ اپنے تازہ دم لشکر کو دیکھ کر بھاگے ہوئے یہ فوجی وہیں رُکنے لگے۔ اتنے میں ہرمز کی فوج کے دوسرے سالار قباذ اور انوشجان بھی آ پہنچے۔ انہیں دور سے آتا دیکھ کر قارن نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑا چل پڑا۔ قارن نے اپنے دونوں شکست خوردہ سالاروں کے سامنے جا گھوڑا روکا۔

"میں سن چکا ہوں ہرمز مارا گیا ہے" — قارن نے کہا — "لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ تم دونوں بھاگ آتے ہو۔ کیا تم گنوار اور اُجڈ عربوں سے شکست کھا کر آئے ہو؟ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ تم بزدل ہو اور تم اس رتبے اور عہدے کے اہل نہیں ہو.... کیا تم نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے؟"

"کیوں نہیں چاہتے!" — قباذ نے کہا — "ہم کہیں چھپنے کے لیے پیچھے نہیں آئے ہیں۔ ہمیں ہرمز کی شیخیوں نے مروایا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اسلامی فوج کے پاس بڑے ہی قابل اور جرأت والے سالار ہیں لیکن وہ اتنے قابل بھی نہیں کہ ہماری فوج کو یوں بھگا دیتے"

"قارن!" — انوشجان نے کہا — "ہماری فوجی قیادت میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے جس کا مظاہرہ تم نے بھی کیا ہے۔ تم نے عرب کے ان مسلمانوں کو گنوار اور اُجڈ کہا ہے۔ ہرمز بھی ایسے ہی کہتا تھا، لیکن ہم نے میدانِ جنگ میں اس کے اُلٹ دیکھا ہے"

"تم نے اُن میں کیا خوبی دیکھی ہے جو ہم میں نہیں؟" — قارن نے پوچھا۔

"یہ پوچھو کہ ہم میں کیا خامی ہے جو اُن میں نہیں" — انوشجان نے کہا — "ہم اپنے دس دس بارہ بارہ سپاہیوں کو ایک ایک زنجیر سے باندھ دیتے ہیں کہ وہ جم کر لڑیں اور بھاگیں نہیں۔ اسی لیے ہم آمنے سامنے کی جنگ لڑتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب ہماری سپاہ کو پابندِ سلاسل دیکھا تو اُنہوں نے دائیں بائیں کی چالیں چلنی شروع کر دیں۔ ہماری سپاہ گھوم پھر کر لڑنے سے قاصر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا اتنا طاقتور لشکر شکست کھا گیا"

"ہمارے پاس باتوں کا وقت نہیں" — قباذ نے کہا — "مسلمان ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں"

▽

اُن کے تعاقب میں مثنیٰ بن حارثہ دو ہزار نفری کی فوج کے ساتھ آ رہا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ اسلام کا وہ شیدائی تھا جس نے ایرانیوں کے خلاف زمین دوز جنگی کارروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ اُسی کی ترغیب پر امیر المومنین ابوبکرؓ نے خالدؓ کو بلا کر ایرانیوں کے خلاف بھیجا تھا۔ ایرانیوں کے تعاقب میں جانا غیر معمولی طور پر دلیرانہ اقدام تھا۔ تعاقب کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان اپنے مستقر سے دور ہٹتے ہٹتے ایرانیوں کے قلب میں جا رہے تھے جہاں اُن کا گھیرے میں آ جانا یقینی تھا لیکن یہ خالدؓ کا حکم تھا کہ ایرانیوں کا تعاقب کیا جائے۔ اس حکم کے پیچھے ایرانیوں کے خلاف وہ نفرت بھی تھی جو مثنیٰ بن حارثہ کے دل میں بھری ہوئی تھی۔

جنگ سلاسل ختم ہو گئی اور ایرانی بھاگ اُٹھے تو خالدؓ نے دیکھا کہ اُن کا لشکر تھک گیا ہے۔ اُنہوں نے مثنیٰ بن حارثہ کو بلایا۔

"ابن حارثہ!" — خالدؓ نے کہا — "اگر یہ بھاگتے ہوئے فارسی زندہ چلے جائیں تو کیا تم اپنی فتح کو مکمل سمجھو گے؟"

"خدا کی قسم ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ بن حارثہ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "مجھے صرف حکم کی ضرورت ہے۔ یہ میرا شکار ہے"

"تو جاؤ" — خالدؓ نے کہا — "دو ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور زیادہ سے زیادہ ایرانیوں کو پکڑ لاؤ اور جو مقابلہ کرے اُسے قتل کر دو.... میں جانتا ہوں میرے جانباز تھک گئے ہیں لیکن میں شہنشاہِ فارس کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم زمین کے دوسرے سرے تک اُن کا تعاقب کریں گے"

مثنیٰ بن حارثہ نے دو ہزار سوار لیے اور بھاگتے ہوئے ایرانیوں کے پیچھے چلا گیا۔ ایرانیوں نے دُور سے دیکھ لیا کہ اُن کا تعاقب ہو رہا ہے تو وہ بکھر گئے۔ اُنہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے گُرز اور ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ مثنیٰ کے لیے تعاقب کا اور ایرانیوں کو پکڑنے کا کام دشوار ہو گیا تھا کیونکہ ایرانی ٹولی ٹولی ہو کر بکھرے پھر وہ اکیلے اکیلے ہو کر بھاگنے لگے۔ اس کے مطابق مثنیٰ کے سوار بھی بکھر گئے۔

مثنیٰ بن حارثہ کو آگے جا کر اپنے سواروں کو اکٹھا کرنا پڑا کیونکہ آگے ایک قلعہ آ گیا تھا۔ یہ قلعہ حصن المرأۃ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ ایک عورت کا قلعہ تھا اسی لیے اس کا نام حصن المرأۃ مشہور ہو گیا تھا یعنی عورت کا قلعہ۔ مثنیٰ نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا کیونکہ خیال یہ تھا کہ ایرانی اس قلعے میں چلے گئے ہوں گے۔ قلعے سے مزاحمت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ دو دن محاصرے میں گزر گئے تو مثنیٰ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کو احساس ہُوا کہ وہ جس کام کے لیے آیا تھا وہ تو رہ گیا ہے۔ مثنیٰ کا ایک بھائی معنّیٰ اُس کے ساتھ تھا۔

"معنّیٰ!" ——— مثنیٰ بن حارثہ نے اُسے کہا۔ "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ میں ایرانیوں کے تعاقب میں آیا تھا اور مجھے اس قلعے نے روک لیا ہے؟"

"مثنیٰ بھائی!" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تم مجھے کہتے کہ اس قلعے کو تم محاصرے میں رکھو اور میں ایرانیوں کے پیچھے جاتا ہوں۔"

"ہاں معنّیٰ!" ——— مثنیٰ نے کہا۔ "مجھے تم پر بھروسہ نہیں۔ یہ قلعہ ایک جوان عورت کا ہے اور تم جوان آدمی ہو۔ خُدا کی قسم، میں نے قلعے سر کرنے والوں کو ایک عورت کی تیکھی نظروں اور اداؤں سے سر ہوتے دیکھا ہے۔"

"میرے باپ کے بیٹے!" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "مجھ پر بھروسہ کر اور آگے نکل جا۔ مجھے تھوڑے سے سوار دے جا پھر دیکھ کون سر ہوتا ہے.... قلعہ یا میں!.... اگر تُو یہیں بندھا رہا تو بھاگتے ہُوئے فارسی بہت دور نکل جائیں گے۔"

"اگر میرا دماغ ٹھیک کام کرتا ہے تو میں کچھ اور سوچ کر ادھر آیا ہوں" ——— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا۔ "میں اُس اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ جس کے نبی ہیں کہ اُس نے ہمیں خالدؓ بن ولید جیسا سپہ سالار دیا ہے۔ مدینہ کی خلافت سے اُسے جو حکم ملا تھا وہ اُس نے پورا کر دیا ہے لیکن وہ اس پر مطمئن نہیں۔ وہ فارس کی شہنشاہی کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے پر تلا ہُوا ہے۔ وہ مدائن کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا عزم کیے ہُوئے ہے۔"

"عزم اور چیز ہے میرے بھائی!" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "عزم کو پورا کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ ولید کا بیٹا تیر کی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے؟.... میرے باپ کے بیٹے! تیر خطا بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا سی رکاوٹ اسے روک بھی سکتی ہے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خالدؓ کو وہیں رُک جانا چاہیئے جہاں اُس نے فارسیوں کو شکست دی ہے؟" ——— مثنیٰ نے کہا۔ "خُدا کی قسم! تم ایک بات بھول رہے ہو۔ شہنشاہِ فارس کو اپنی شہنشاہی کا غم ہے اور ہمیں اپنے اللہ کی ناراضگی کا ڈر ہے۔ اُردشیر اپنے تخت و تاج کو بچانا چاہتا ہے لیکن ہم شاہِ دو جہاںؐ کی آن کی خاطر لڑ رہے ہیں.... سمجھنے کی کوشش کرو میرے بھائی! یہ بادشاہوں کی نہیں عقیدوں کی جنگ ہے۔ ہمارے لیے یہ اللہ کا حکم ہے کہ ہم اُس کے رسُولؐ کا پیغام دنیا کے آخری کونے تک پہنچائیں۔ ہمارا بچھونا یہ ریت ہے اور یہ پتھر ہیں۔ ہم تخت کے طلبگار نہیں۔"

"میں سمجھ گیا ہوں" ——— معنّیٰ نے کہا۔

"نہیں" ——— مثنیٰ بولا۔ "تم ابھی پوری بات نہیں سمجھے۔ تم بھول رہے ہو کہ ہمیں اُن مسلمانوں کے خُون کے ایک ایک قطرے کا انتقام لینا ہے جو فارسیوں کے زیرِ نگیں تھے اور جن پر فارسیوں نے ظلم و تشدد کیا تھا۔ خالدؓ فارسیوں کا یہ گناہ کبھی نہیں بخشے گا۔ وہ مظلوم مسلمان مدینہ کی طرف دیکھ رہے تھے...."

ہیں تمہیں کہہ رہا تھا کہ میں فارسیوں کے تعاقب میں نہیں آیا۔ میں فارس کے اُس لشکر کی تلاش میں آیا ہوں جو ہرمز کی شکست خوردہ فوج کی مدد کے لیے آ رہا ہو گا۔ مجھے پوری امید ہے کہ ان کی کمک آ رہی ہو گی۔ میں اُسے راستے میں روکوں گا۔"

"پھر اتنی باتیں نہ کرو مثنیٰ!" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "مجھے کچھ سوار دے دو اور تم آگے نکل جاؤ.... یہ خیال رکھنا کہ فارسی اگر آ گئے تو اُن کی تعداد اور طاقت زیادہ ہو گی۔ آمنے سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ جا میرے بھائی! میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

▽

کسی بھی مؤرخ نے سواروں کی صحیح تعداد نہیں لکھی جو مثنیٰ اپنے بھائی معنّیٰ کو دے کر چلا گیا تھا۔ بعض مؤرخوں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ سواروں کی تعداد تین سو سے کم اور چار سو سے زیادہ نہیں تھی۔ معنّیٰ نے اتنے سے سواروں سے ہی قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعے کے دروازے کے اتنا قریب چلا گیا جہاں وہ تیروں کی بڑی آسان زد میں تھا۔ دروازے کے اوپر جو بُرج تھا اُس میں ایک خوبصورت عورت نمودار ہوئی۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا لینے آئے ہو؟" ——— عورت نے بلند آواز میں معنّیٰ سے پوچھا۔

"ہم مسلمان ہیں" ——— معنّیٰ نے اُس سے زیادہ بلند آواز میں جواب دیا۔ "ہم میدانِ جنگ سے بھاگے ہوئے فارسیوں کے تعاقب میں آئے ہیں۔ اگر تم نے قلعے میں اُنہیں پناہ دی ہے تو انہیں ہمارے حوالے کر دو ہم چلے جائیں گے۔"

"یہ میرا قلعہ ہے" ——— عورت نے کہا۔ "بھاگے ہوئے فارسیوں کی پناہ گاہ نہیں۔ یہاں کوئی فارسی سپاہی نہیں۔"

"خاتون!" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "ہم پر تیرا احترام لازم ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا ہم پر حرام ہے خواہ وہ قلعہ دار ہی ہو۔ اگر تم فارس کی جنگی طاقت کے ڈر سے اُس کے سپاہی ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتیں تو سوچ لو کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے فارس کی اس ہیبت ناک جنگی طاقت کو شکست دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر ہمارے ہاتھوں زیادتی ہو جائے۔ ہم اسلام کے اُس لشکر کا ہراول ہیں جو پیچھے آ رہا ہے۔"

"میں نے مسلمانوں کا کیا بگاڑا ہے؟" ——— عورت نے کہا۔ "میرا قلعہ تمہارے لشکر کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔"

"تمہارا قلعہ محفوظ رہے گا" ——— معنّیٰ نے کہا۔ "شرط یہ ہے کہ قلعے کا دروازہ کھول دو۔ ہم اندر آ کر دیکھیں گے۔ تمہارے کسی آدمی اور کسی چیز کو میرے سوار ہاتھ نہیں لگائیں گے۔ ہم اپنی تسلی کر کے چلے جائیں گے۔ اگر یہ شرط پوری نہیں کرو گی تو تمہاری اور تمہاری فوج کی لاشیں اس قلعے کے ملبے کے نیچے گل سڑ جائیں گی۔"

"قلعے کا دروازہ کھول دو" ——— عورت کی تحکمانہ آواز سنائی دی۔

اس آواز کے ساتھ ہی قلعے کا دروازہ کُھل گیا۔ معنّیٰ نے اپنے سواروں کو اشارہ کیا۔ تین چار سو گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ معنّیٰ نے اُنہیں صرف اتنا کہا کہ قلعے کی صرف تلاشی ہو گی، کسی چیز اور کسی انسان کو ہاتھ تک نہیں لگایا جائے گا۔ معنّیٰ کا گھوڑا قلعے میں داخل ہو گیا۔ اُس کے تمام سوار اُس کے پیچھے پیچھے قلعے میں گئے۔ معنّیٰ نے ایک جگہ رُک کر قلعے کی دیواروں پر نظر دوڑائی۔ ہر طرف تیر انداز کھڑے تھے۔ نیچے اُسے کہیں کوئی سپاہی نظر نہ آیا۔ معنّیٰ کے سوار قلعے میں پھیل گئے تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تم نے ٹھیک کہا تھا" — عورت نے معنیٰ سے کہا — "میں فارسیوں سے ڈرتی ہوں۔ اس قلعے میں کوئی بھی طاقتور لشکر آئے گا تو میں اُس کے رحم و کرم پر ہوں گی ..... مسلمانوں کو میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں"۔

"اور تم اُنہیں ساری عمر یاد رکھو گی" — معنیٰؓ نے کہا۔ "خدا کی قسم، تم باقی عمر ان کے انتظار میں گذار دو گی۔ ..... مسلمانوں کے لیے حکم ہے کہ قلعوں کو نہیں دلوں کو سَر کرو لیکن قلعوں والوں کے دل قلعے کی دیواروں جیسے سخت ہو جائیں تو پھر ہمارے لیے کچھ اور حکم ہے۔ ہم جب اِس حکم کی تعمیل کرتے ہیں تو فارس کی طاقت بھی ہمارے آگے نہیں ٹھہر سکتی۔ کیا تم نے اُنہیں بھاگتے دیکھا نہیں؟ کیا وہ اِدھر سے نہیں گذرے؟"

"گذرے تھے" — قلعہ دار عورت نے جواب دیا — "ذرا سی دیر کے لیے یہاں رُکے بھی تھے۔ اُنہوں نے بتایا تھا کہ وہ مسلمانوں سے بھاگ کر آ رہے ہیں۔ وہ دس بارہ آدمی تھے۔ میں حیران تھی کہ اتنے بڑے کٹے سپاہی خوف سے مرے جا رہے ہیں۔ میں اس پر بھی حیران تھی کہ وہ کون ہیں جنہوں نے فارس کے لشکر کو اس قدر دہشت زدہ کر کے بھگا دیا ہے۔ تم نے جب کہا کہ تم ہو وہ لوگ جنہوں نے فارسیوں کو شکست دی ہے تو میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ میں نے قلعے کا دروازہ خوف کے عالم میں کھولا تھا۔ میں تم سے اور تمہارے سواروں سے اچھے سلوک کی توقع رکھ ہی نہیں سکتی تھی۔ مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ تم اپنے متعلق جو کہہ رہے ہو وہ سچ کہہ رہے ہو"۔

یہ خاتون معنیٰؓ کو اُس عمارت میں لے گئی جہاں وہ رہتی تھی۔ وہ تو شیش محل تھا۔ اُس کے اشارے پر دو غلاموں نے شراب اور بھُنا ہوا گوشت معنیٰؓ کے سامنے لا رکھا۔ معنیٰؓ نے ان چیزوں کو پرے کر دیا۔

"ہم شراب نہیں پیتے" — معنیٰؓ نے کہا — "اور میں یہ کھانا اس لیے نہیں کھاؤں گا کہ تم نے مجھے ایک طاقتور فوج کا آدمی سمجھ کر خوف سے مجھے کھانا پیش کیا ہے۔ میں اسے بھی حرام سمجھتا ہوں"۔

"کیا تم مجھے بھی حرام سمجھتے ہو؟" — اس خوبصورت اور جوان عورت نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جس میں دعوت کا تاثر تھا۔

"ہاں" — معنیٰؓ نے جواب دیا — "مفتوحہ عورت کو ہم شراب کی طرح حرام سمجھتے ہیں۔ وہ اُس وقت تک ہم پر حرام رہتی ہے جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمارے عقد میں نہ آ جائے"۔

معنیٰ کو اطلاع دی گئی کہ اُس کے سوار قلعے کی تلاشی لے کر آ گئے ہیں۔ معنیٰ تیزی سے اُٹھا اور اُسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

▼

سواروں کے کمانڈروں نے معنیٰ کو تفصیل سے بتایا کہ اُنہوں نے تلاشی کس طرح لی ہے اور کیا کچھ دیکھا ہے۔ کہیں بھی اُنہیں کوئی ایرانی سپاہی نظر نہیں آیا تھا۔ اِن عورت کا اپنا قبیلہ تھا جس کے آدمی تیروں، تلواروں اور برچھیوں وغیرہ سے مسلح تھے۔ ان میں معنیٰؓ کے سواروں کے خلاف لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ قلعے کی مالکن نے اُنہیں لڑنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ اِس قلعے کو اپنی اطاعت میں لینا ضروری تھا کیونکہ یہ کسی بھی موقع پر ایرانیوں کے کام آ سکتا تھا۔ معنیٰؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ عورت اُسے نظر نہ آئی۔ معنیٰ اندر چلا گیا۔

"کچھ ملا میرے قلعے سے؟" — عورت نے پوچھا۔

"نہیں" — معنیٰ نے جواب دیا — "میرے لیے شک رفع کرنا ضروری تھا اور اب یہ پوچھنا ضروری ہے

سمجھتا ہوں کہ میرے کسی سوار نے تمہارے کسی آدمی یا عورت کو یا میں نے تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دی؟"

"نہیں" — عورت نے کہا اور ذرا سوچ کر بولی — "لیکن تم چلے جاؤ گے تو مجھے بہت تکلیف ہو گی"۔

"کیا تم ایرانیوں کا خطرہ محسوس کر رہی ہو؟" — معنیٰؓ نے پوچھا — "یا تمہارے دل میں مسلمانوں کا ڈر ہے؟"

"دونوں میں سے کسی کا بھی نہیں" — عورت نے جواب دیا — "مجھے تنہائی کا ڈر ہے۔ تم چلے جاؤ گے تو مجھے تنہائی کا احساس ہو گا جو تمہارے آنے سے پہلے نہیں تھا"۔

معنیٰؓ نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"تم اپنے فرض میں اتنے اُلجھے ہوتے ہو کہ تمہیں یہ بھی احساس نہیں رہا کہ تم ایک جوان آدمی بھی ہو" — عورت نے کہا — "فاتح سب سے پہلے مجھ جیسی عورت کو اپنا کھلونا بناتے ہیں۔ میں نے تم جیسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ اب دیکھا ہے تو دل چاہتا ہے کہ دیکھتی ہی رہوں ..... کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگی؟"

معنیٰؓ نے اُسے غور سے دیکھا۔ سر سے پاؤں تک پھر پاؤں سے سر تک دیکھا۔ اُسے ایک آواز سنائی دی — "خدا کی قسم، میں نے قلعے سر کرنے والوں کو ایک عورت کی ترچھی نظروں اور اداؤں سے سَر ہوتے دیکھا ہے"۔

"کیا تم ہوش میں نہیں ہو؟" — عورت نے پوچھا۔

"میں شاید ضرورت سے زیادہ ہوش میں ہوں" — معنیٰؓ نے کہا — "تم مجھے اچھی لگی ہو یا نہیں، یہ بعد کی بات ہے۔ اِس وقت مجھے تمہارا قلعہ اچھا لگ رہا ہے"۔

"کیا میرا یہ تحفہ قبول کرو گے؟" — عورت نے کہا — "طاقت سے قلعہ سَر کرنے کی بجائے مجھ سے یہ قلعہ محبت کے تحفے کے طور پر لے لو تو کیا یہ اچھا نہیں رہے گا؟"

"محبت!" — معنیٰ نے زیرِ لب کہا پھر سَر جھٹک کر جیسے بیدار ہو گیا ہو۔ کہنے لگا — "محبت کا وقت نہیں۔ میں تمہارے ساتھ شادی کر سکتا ہوں۔ اگر تم رضامند ہو تو پہلے اپنے سارے کے سارے قبیلے سمیت اسلام قبول کرو"۔

"میں نے قبول کیا" — عورت نے کہا — "میں اُس مذہب پر جان بھی دے دوں گی جس کے تم پیروکار ہو"۔

دو مؤرخوں طبری اور ابنِ رُستہ نے اس خاتون کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا ہے لیکن دونوں کی تحریروں میں اس خاتون کا نام نہیں ملتا۔

▼

شہنشاہ فارس اُردشیر آگ بگولہ ہوا جا رہا تھا۔ اُسے ہرمز پر غصہ آ رہا تھا جس نے کمک مانگی تھی۔ کمک بھیجنے کے بعد اُسے ابھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال کیا ہے۔ وہ دربار میں بیٹھا ہوتا تو مجسمۂ عتاب بنا ہوتا۔ محل میں ہوتا یا کہیں بھی ہوتا تو اس کیفیت میں ہوتا کہ بیٹھے بیٹھے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ تیز تیز ٹہلنے لگتا اور بلاوجہ کسی نہ کسی پر غصہ جھاڑنے لگتا۔ اس روز وہ باغ میں ٹہل رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ قارن کا قاصد آیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ قاصد کو بلاتا، وہ قاصد کی طرف بڑی تیزی سے چل پڑا۔

"کیا قارن نے اُن صحرائی گیدڑوں کو کچل ڈالا ہے؟" — اُردشیر نے پوچھا۔

"شہنشاہِ فارس!" — قاصد نے کہا — "جان بخشی ہو۔ شہنشاہ کا غلام اچھی خبر نہیں لایا"۔

"کیا قارن نے بھی کمک مانگی ہے؟" — اُردشیر نے پوچھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"نہیں شہنشاہِ فارس!"۔۔۔ قاصد نے کہا۔"سالار ہرمز مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔"

"مارا گیا ہے؟"۔۔۔ اُردشیر نے حیرت سے کہا۔"کیا ہرمز کو بھی مارا جا سکتا ہے!... نہیں۔نہیں۔ یہ غلط ہے۔ یہ جھوٹ ہے"۔۔۔ اُس نے گرج کر قاصد سے پُوچھا۔"تمہیں یہ پیغام کس نے دیا ہے؟"

"سالار قارن بن قریانس نے"۔۔۔ قاصد نے کہا۔"ہمارے دو سالار قباذ اور انوشجان پسپا ہو کر آ رہے تھے۔ باقی سپاہ بھی جو زندہ تھی، ایک ایک دو دو کر کے اُن کے پیچھے آ رہی تھی۔ دریائے معقل کے کنارے وہ ہمیں آتے ہوئے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ سالار ہرمز نے مسلمانوں کو انفرادی مقابلے کے لیے للکارا تو اُن کا سالار خالدؓ بن ولید ہمارے سالار کے مقابلے میں آیا۔ سالار ہرمز نے اپنے محافظوں کو ایک طرف چھپا دیا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کے سالار کو گھیرے میں لے کر قتل کرنا تھا۔ انہوں نے اُسے گھیرے میں لے بھی لیا تھا لیکن کسی طرف سے ایک مسلمان سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں تلوار تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے سالار ہرمز کے چھ سات محافظوں کو ختم کر دیا۔ عین اُس وقت مسلمانوں کے سالار نے سالار ہرمز کو گرا لیا اور خنجر سے انہیں ختم کر دیا۔"

اُردشیر کا سر جُھک گیا اور وہ آہستہ آہستہ محل کی طرف چل پڑا۔ جب وہ محل میں پہنچا تو اُس نے یوں دیوار کا سہارا لے لیا جیسے اُسے ٹھوکر لگی ہو اور گرنے سے بچنے کے لیے اُس نے دیوار کا سہارا لے لیا ہو۔ وہ اپنے کمرے تک دیوار کے سہارے پہنچا۔ کچھ دیر بعد محل میں ہڑبونگ سی مچ گئی۔ طبیب دوڑے آئے۔ اُردشیر پر کسی مرض کا اچانک حملہ ہو گیا تھا۔ یہ صدمے کا اثر تھا۔ فارس کی شہنشاہی شکست سے ناآشنا رہی تھی۔ اسے پہلی ضرب رومیوں کے ہاتھوں پڑی تھی اور فارس کی شہنشاہی کچھ حصے سے محروم ہو گئی تھی۔ اب اس شہنشاہی کو اُس قوم کے ہاتھوں چوٹ پڑی تھی جسے اُردشیر قوم سمجھتا ہی نہیں تھا۔ اُردشیر کے لئے یہ صدمہ معمولی نہیں تھا۔

▽

قارن بن قریانس ابھی دریائے معقل کے کنارے پر خیمہ زن تھا۔ اُس نے وہاں اتنے دن اس لیے قیام کیا تھا کہ ہرمز کی فوج کے بھاگے ہوئے کماندار اور سپاہی ابھی تک چلے آ رہے تھے۔ قارن انہیں اپنے لشکر میں شامل کرتا جا رہا تھا۔ ہرمز کے دونوں سالار، قباذ اور انوشجان اُس کے ساتھ ہی تھے۔ وہ اپنی شکست کا انتقام لینے کا عہد کئے ہوئے تھے۔ اُن کے کہنے پر قارن پیشقدمی میں محتاط ہو گیا تھا۔

قیام کے دوران اُس کے جاسُوس اُسے اطلاعیں دیتے رہے تھے کہ مسلمانوں کی سرگرمیاں اور عزائم کیا ہیں۔ ان اطلاعوں سے اُسے یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان واپس نہیں جائیں گے بلکہ آگے آ رہے ہیں۔

خالدؓ نے جنگِ سلاسل جیتنے کے بعد کاظمہ، اُبلہ اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے انتظامی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ جب وہ ان آبادیوں میں گیا تو وہاں کے مسلمانوں نے چلّا چلّا کر "خالدؓ زندہ باد...... اسلام زندہ باد..... خلافتِ مدینہ زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ وہ سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ عورتوں نے خالدؓ اور اُن کے محافظوں کے راستے میں پھول پھینکے۔

اس علاقے کے مسلمانوں کو بڑی لمبی مدت بعد ایرانی جور و استبداد سے نجات ملی تھی۔

"خالدؓ، کیا تُو ہماری عصمتوں کا انتقام لے گا؟"۔۔۔ خالدؓ کو کئی عورتوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"ہمارے جوان بیٹوں کے خون کا انتقام.... انتقام.... خالدؓ انتقام"۔۔۔ یہ ایک شور تھا، للکار تھی اور خالدؓ اس شور سے گزرتے جا رہے تھے۔

"ہم واپس جانے کے لئے نہیں آئے"۔۔۔ خالدؓ نے وہاں کے مسلمانوں سے کہا۔"ہم انتقام لینے آئے ہیں۔"

مسلمانوں کے ایک وفد نے خالدؓ کو بتایا کہ اس علاقے کے غیر مسلموں پر وہ بھروسہ نہ کرے۔

"یہ سب فارسیوں کے مددگار ہیں"۔۔۔ وفد نے خالدؓ کو بتایا۔"مجوسیوں نے ہمیشہ ہمارے خلاف مُخبری کی ہے۔ ہمارے بیٹے جب فارسی فوج کی کسی چوکی پر شب خون مارتے تھے تو مجوسی مُخبری کر کے ہمارے بیٹوں کو گرفتار کرا دیتے تھے۔"

"تمام عیسائیوں اور یہودیوں کو گرفتار کر لو"۔۔۔ خالدؓ نے حکم دیا۔"اور مسلمانوں میں سے جو اسلامی لشکر میں آنا چاہتے ہیں آ جائیں۔"

"وہ پہلے ہی مثنیٰ بن حارثہ کے ساتھ چلے گئے ہیں"۔۔۔ خالدؓ کو جواب ملا۔

فوراً ہی مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ ان میں سے صرف انہیں جنگی قیدی بنایا گیا جن کے متعلق مصدقہ شہادت مل گئی کہ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی کارروائیاں کی تھیں یا مُخبری کی تھی۔

نظم و نسق کے لیے اپنے کچھ آدمی کاظمہ میں چھوڑ کر خالدؓ آگے بڑھ گئے۔ اب اُن کی پیش قدمی کی رفتار تیز نہیں تھی کیونکہ کسی بھی مقام پر ایرانیوں سے لڑائی کا امکان تھا۔ خالدؓ نے اپنے جاسُوس جو اُس علاقے کے مسلمان تھے، آگے اور دائیں بائیں بھیج دیئے تھے۔

▽

مثنیٰ ابن حارثہ آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ دریائے معقل عبور کرنا چاہتا تھا لیکن دُور سے اُسے ایرانیوں کی خیمہ گاہ نظر آئی۔ وہ بہت بڑا لشکر تھا۔ مثنیٰ کے پاس ڈیڑھ ہزار سے کچھ زیادہ سوار تھے۔ اتنی تھوڑی تعداد سے مثنیٰ ایرانی لشکر سے ٹکر نہیں لے سکتا تھا۔

"ہمیں یہیں سے پیچھے ہٹ آنا چاہیئے"۔۔۔ مثنیٰ کے ایک ساتھی نے کہا۔"یہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے کر ختم کر سکتا ہے۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو"۔۔۔ مثنیٰ نے کہا۔"اگر ہم پیچھے ہٹے تو فارسیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ ہمارے سپہ سالار خالدؓ نے کہا تھا کہ پیشتر اس کے کہ فارسیوں کے دلوں سے ہماری دہشت ختم ہو جائے ہم اُن پر حملے کرتے رہیں گے۔ ہمیں اپنی دہشت برقرار رکھنی ہے۔ میں آگ کے ان پُجاریوں کی فوج کو یہ تاثر دوں گا کہ ہم اپنے لشکر کا ہراول دستہ ہیں۔ ہم لڑنے کے لیے بھی تیار رہیں گے۔ اگر لڑنا پڑا تو ہم ان سے وہی جنگ لڑیں گے جو ایک مدت سے لڑ رہے ہیں.... ضرب لگاؤ اور بھاگو.... کیا تم ایسی جنگ نہیں لڑ سکتے؟"۔۔۔ مثنیٰ نے ایک سوار کو بلایا اور اُسے کہا۔"گھوڑے کو ایڑ لگاؤ۔ سپہ سالار

خالدؓ بن ولید کاظمہ یا اُبلہ میں ہوں گے۔ انہیں بتاؤ کہ معقل کے کنارے فارس کا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ انہیں کہنا کہ میں اس لشکر کو آگے نہیں بڑھنے دوں گا اور آپ کا جلدی پہنچنا ضروری ہے۔"

خالدؓ پہلے ہی کاظمہ سے چل پڑے تھے۔ انہیں گھوڑوں اور باربردار اونٹوں کے لئے چارے اور لشکر کے لیے کھانے پینے کے سامان کی کمی نہیں تھی۔ اُس علاقے کے مسلمانوں نے ہر چیز کا بندوبست کر دیا تھا۔ خالدؓ کا راستہ کوئی اور تھا۔ وہ اُبلہ سے کچھ دور کھنڈروں کے قریب سے گزر رہے تھے۔ سامنے ایک گھوڑ سوار بڑی تیز رفتار سے آرہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ وہ آگے جاکر دیکھیں یہ کون ہے۔

محافظوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آنے والے سوار کو راستے میں جالیا۔ اُس سوار نے گھوڑا روکا نہیں۔ دونوں محافظوں نے اپنے گھوڑے اُس کے پہلوؤں پر کر لئے اور اُس کے ساتھ آئے۔

"مثنیٰ بن حارثہ کا پیغام لایا ہے" —— دُور سے ایک محافظ نے کہا۔

"فارس کا ایک تازہ دم لشکر دریائے معقل کے کنارے پڑاؤ کیے ہوئے ہے" —— مثنیٰ کے قاصد نے خالدؓ کے قریب آکر رُکتے ہوئے کہا —— "تعداد کا اندازہ نہیں۔ آپ کے اور مثنیٰ کے لشکر کی تعداد سے اُس لشکر کی تعداد سات آٹھ گنا ہے۔ فارس کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی اُس لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"مثنیٰ کہاں ہے؟" —— خالدؓ نے پُوچھا۔

"فارسیوں کے سامنے!" —— قاصد نے کہا —— "مثنیٰ نے حکم دیا ہے کہ کوئی عسکری پیچھے نہیں ہٹے گا اور ہم فارسیوں کو یہ تاثر دیں گے کہ ہم اپنے لشکر کا ہراول ہیں۔۔۔۔ مثنیٰ نے پیغام دیا ہے کہ جلدی پہنچیں۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کی رفتار تیز کر دی اور رُخ اُدھر کا کر لیا جدھر مثنیٰ بن حارثہ تھا۔

▽

خالدؓ کی فوج مثنیٰ کے سواروں سے جا ملی۔ خالدؓ نے سب سے پہلے دشمن کا جائزہ لیا۔ وہ مثنیٰ کے ساتھ ایک اونچی جگہ کھڑے تھے۔ دشمن جنگ کی تیاری مکمل کر چکا تھا۔

"فارسی ہمیں آمنے سامنے کی لڑائی لڑانا چاہتے ہیں" —— خالدؓ نے مثنیٰ سے کہا —— "دیکھ رہے ہو ابن حارثہ؟۔۔۔ اُنہوں نے دریا کو اپنے پیچھے رکھا ہے۔"

"یہ فارسی صرف آمنے سامنے کی لڑائی لڑ سکتے ہیں" —— مثنیٰ نے کہا —— "مجھے ان کے ایک قیدی سے پتہ چلا ہے کہ ان کے دو سالار جن کے خلاف ہم لڑے ہیں، زندہ پیچھے آ گئے ہیں۔ ایک کا نام قباذ ہے اور دوسرے کا انوشجان۔ اُنہوں نے اپنے سپہ سالار کو بتایا ہو گا کہ ہمارے لڑنے کے انداز کیسے ہیں۔ اسی لیے اُنہوں نے اپنے عقب کو ہم سے اس طرح محفوظ کر لیا ہے کہ اپنے پیچھے دریا کو رکھا ہے۔۔۔۔ زیادہ نہ سوچ ولید کے بیٹے! میں اِن کے خلاف زمین کے نیچے سے لڑتا رہا ہوں۔"

"اللہ تجھے اپنی رحمت میں رکھے ابن حارثہ!" —— ولیدؓ نے کہا —— "اللہ تمہارے ساتھ ہے۔۔۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہم دریا پار نہیں کر سکتے۔"

"اللہ کا نام لے ابن ولید!" —— مثنیٰ نے کہا —— "مجھے امید ہے ہم اِن کی صفیں اس طرح درہم برہم کر دیں گے کہ ہمیں اِن کے پہلوؤں سے آگے نکلنے اور پیچھے سے اِن پر آنے کا موقع مل جائے گا۔ میرے سوار ٹک کر لڑنے والے نہیں، یہ گھوم پھر کر لڑنے والے ہیں۔ انہیں آگے دھکیلنے کی ضرورت نہیں۔

مشکل یہ پیش آئے گی کہ انہیں پیچھے کس طرح لایا جائے۔ فارسیوں کو دیکھ کر تو یہ شعلے بن جاتے ہیں۔ انہوں نے فارسیوں کے ہاتھوں بہت زخم کھائے ہیں۔ ابن ولید! تم جانتے ہو انہوں نے کس قسم کی غلامی دیکھی ہے۔ فارس کے اِن آتش پرستوں نے اس علاقے کے مسلمانوں کو انسانوں کی طرح زندہ رہنے کے حق سے محروم کر رکھا تھا۔"

"ہم زرتشت کی اُس آگ کو سرد کر دیں گے ابن حارثہ جس کی یہ عبادت کرتے ہیں" —— خالدؓ نے کہا —— "یہ خود مانیں گے کہ عبادت کے لائق ایک اللہ ہے جس کی راہ میں ہم اپنی جانیں قربان کرنے آئے ہیں۔۔۔۔ آؤ، میں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا۔ یہ جس طرح رُکے ہوئے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ محتاط ہیں اور ان پر ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔۔۔۔ تم اپنے سواروں کے ساتھ قلب میں رہو۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بہت سوچا کہ کسی طرح انہیں چالیں چلنے کا موقع مل جائے لیکن ایرانیوں کا سالار قارن بن قریانس دانشمند آدمی تھا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ خالدؓ کس طرح لڑتا ہے۔ قارن نے اپنے شکست خوردہ سالاروں، قباذ اور انوشجان، کو پہلوؤں پر رکھا اور اپنے لشکر کو آگے لے آیا۔ اس لشکر کی اپنی ہی شان تھی۔ پتہ چلتا تھا کسی شہنشاہ کی فوج ہے۔ ان کے قدموں کے نیچے زمین ہلتی تھی۔

اِدھر یثرب کے سرفروش تھے۔ ظاہری طور پر اِن کی کوئی شان نہیں تھی۔ ایرانیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہتھیار بھی کمتر لگتے تھے۔ لباس بھی یونہی سے تھے اور ان کی تعداد ایرانیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا تو ہزاروں قدموں کی دھمک اور گھوڑوں کے ٹاپوں کے ساتھ کلمۂ طیبہ کا وِرد کوئی اور ہی تاثر پیدا کر رہا تھا۔ یہ فوج تھکی ہوئی تھی۔ زرتشت تازہ دم تھے۔

دونوں فوجوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو خالدؓ نے اپنی فوج کو روک لیا۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے سوار دستے کے ساتھ خالدؓ کے پیچھے تھا۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر خالدؓ کے مقرر کیے ہوئے دو سالار، عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم تھے۔

▽

اُس دور کی جنگوں کے دستور کے مطابق زرتشتوں کا سپہ سالار قارن آگے آیا اور اُس نے مسلمانوں کو انفرادی مقابلے کے لئے للکارا۔

"مدینہ کا کوئی شتربان میرے مقابلے میں آسکتا ہے؟" —— اُس نے دونوں فوجوں کے درمیان آکر اور للکار کر کہا —— "میرے مقابلے میں آنے والا یہ سوچ کر آئے کہ میں شہنشاہِ فارس کا سپہ سالار ہوں۔"

"میں ہوں تیرے مقابلے میں آنے والا!" —— خالدؓ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور للکارے —— "قارن۔۔۔ آ اور اپنے سالار ہرمز کے قتل کا انتقام لے۔ میں ہوں اُس کا قاتل۔"

خالدؓ ابھی قارن سے کچھ دُور ہی تھے کہ خالدؓ کے عقب سے ایک گھوڑا تیزی سے آیا اور خالدؓ کے قریب سے گزر گیا۔

"پیچھے رہ ابن ولید!" —— یہ گھوڑ سوار للکارا —— "آتش پرستوں کا یہ سالار میرا شکار ہے۔"

خالدؓ نے دیکھا۔ وہ ایک مسلمان سوار معقل بن الاعشی تھا۔ وہ پہلوانی اور تیغ زنی میں مہارت اور شہرت

رکھنا تھا۔ یہ ڈسپلن کے خلاف تھا کہ کوئی سپاہی یا سوار اپنے سالار پر برتری حاصل کرنے کی کوشش کرتا لیکن وہ وقت ایسا تھا کہ بندہ و صاحب اور محتاج و غنی ایک ہو گئے تھے۔ سپاہی اور سوار جنگ کا مقصد سمجھتے تھے۔ جو جذبہ سپاہیوں میں تھا وہی سالاروں میں تھا معقل بن الاعشیٰ یہ برداشت نہ کر سکا کہ اُس کا سالار ایک آتش پرست کے ہاتھوں گھائل ہو۔

خالدؓ اپنی سپاہ کے جذبے کو سمجھتے تھے۔ وہ رک گئے۔ اُنہوں نے اپنے اس سوار کے جذبے کو مارنے کی کوشش نہ کی۔

معقل کے گھوڑے کی رفتار تیز تھی۔ گھوڑا ایرانیوں کے سالار قارن بن قریانس سے آگے نکل گیا معقل نے آگے جا کر گھوڑے کو موڑا اور قارن کو للکارا۔ قارن نے پہلے ہی تلوار اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ اُس کے سر پر زنجیروں والا خود تھا اور اُس کا اوپر کا دھڑ زرہ میں تھا۔ اُس کی ٹانگوں پر موٹے چمڑے کے خول چڑھے ہوئے تھے۔ اُس کے چہرے پر انتقام کے تاثرات کی بجائے تکبر تھا جیسے لوہے اور موٹے چمڑے کا یہ لباس اُسے مسلمان کی تلوار سے بچا لے گا۔

قارن نے اپنے گھوڑے کی باگ کو جھٹکا دیا۔ دونوں کے گھوڑے ایک دوسرے کے ارد گرد ایک دو چکر لگا کر آمنے سامنے آگئے۔

"اے آگ کے پوجنے والے!" — معقل نے بڑی بلند آواز سے کہا — "میں سپاہی ہوں، سالار نہیں ہوں۔"

قارن بن قریانس کے چہرے پر رعونت کے آثار اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ دونوں گھوڑے ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ ان کے سواروں کی تلواریں بلند ہوئیں۔ پہلے وار میں تلواریں ایک دوسری سے ٹکرائیں اور دونوں سوار پیچھے ہٹ گئے۔ گھوڑے ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ تلواریں ایک بار پھر ہوا میں ٹکرائیں۔ اس کے بعد گھوڑے پیچھے ہٹ ہٹ اور گھوم گھوم کر ایک دوسرے کی طرف آئے۔ دونوں سوار ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ آخری بار قارن نے تلوار بلند کی۔ معقل نے وہ وار روکنے کی بجائے اُس کی بغل کو ننگا دیکھا تو تلوار برچھی کی طرح اُس کی بغل میں اتنی زور سے ماری کہ تلوار قارن کے جسم میں دُور تک اُتر گئی۔

قارن کے اسی ہاتھ میں تلوار تھی جو اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ قارن گھوڑے پر ایک طرف جھکا۔ معقل نے اب اُس کی گردن دیکھ لی جس سے قارن کے آہنی خود کی زنجیریں ہٹ کر نیچے کو لٹک آئی تھیں۔

معقل نے پوری طاقت سے گردن پر ایسا وار کیا کہ تکبر اور رعونت سے اکڑی ہوئی گردن صاف کٹ گئی۔ مسلمانوں کے لشکر سے داد و تحسین اور اللہ اکبر کے نعرے رعد کی طرح کڑکنے لگے۔

قارن بن قریانس کا سر زمین پر پڑا تھا۔ اُس کے زنجیروں والے خود کے نیچے اُس کی حیثیت کے مطابق ایک لاکھ درہم کے ہیروں والی ٹوپی تھی۔ ایسی ہی ٹوپی ہرمز کے سر پر بھی تھی۔ قارن کا باقی دھڑ گھوڑے سے لڑھک گیا لیکن اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ معقل نے قارن کے گھوڑے کو ٹھڈ مارا۔ گھوڑا قارن کے جسم کو گھسیٹتا دونوں فوجوں کے درمیان بے لگام دوڑنے لگا۔ ایرانیوں کے لشکر پر موت کا سناٹا طاری تھا۔

▽

آتش پرستوں کی صفوں سے دو گھوڑے آگے آئے۔

"کون ہے ہمارے مقابلے میں آنے والا!" — ان دو میں سے ایک گھوڑسوار للکارا — "ہم اپنے سپہ سالار کے خون کا انتقام لیں گے۔"

"میں اکیلا دونوں کے لیے کافی ہوں" — خالدؓ نے دشمن کی للکار کا جواب دیا اور ایڑ لگائی۔

انہیں للکارنے والے دونوں ایرانی سالار قباذ اور انوشجان تھے۔

اچانک خالد کے عقب سے دو گھوڑے آئے جو اُس کے دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ خالدؓ کو ایک کی للکار سنائی دی — "پیچھے رہو ولید کے بیٹے! ان دونوں سالاروں نے ہمارے ہاتھ دیکھے ہوئے ہیں۔"

"اب ہم انہیں بھاگ نکلنے کی مہلت نہیں دیں گے"۔ خالدؓ کے لشکر کے دوسرے سوار نے کہا۔

خالدؓ نے دیکھا۔ یہ دونوں سوار جو اُس کے قریب سے گزر کر دشمن کے مقابلے میں چلے گئے تھے، اُس کے لشکر کے دائیں اور بائیں کے پہلوؤں کے سالار عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم تھے۔ ان دونوں نے کپڑوں کا لباس زیب تن کر رکھا تھا اور وہ جن کے مقابلے میں گئے تھے وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ مسلمان سالاروں کو اپنے اللہ پر بھروسہ تھا اور آتش پرست اُس زرہ پر یقین رکھتے تھے جو اُنہوں نے پہن رکھی تھی۔ اُنہیں معلوم نہ تھا کہ تلوار کے وار کو آہن نہیں عقیدہ رد کا کرتا ہے۔

دونوں طرف تجربہ کار سالار تھے جو تیغ زنی کی مہارت رکھتے تھے۔ اُن کی تلواریں ٹکرانے لگیں۔ مسلمانوں کی تلواریں آتش پرستوں کی زرہ کو کاٹنے سے قاصر تھیں اس لیے وہ محتاط ہو کر وار کرتے تھے تاکہ تلواروں کی دھار کو نقصان نہ پہنچے۔ عاصم اور عدی اس تاک میں تھے کہ دشمن کا کوئی نازک اور غیر محفوظ جسم کا حصہ سامنے آئے تو وہ معقل کی طرح وار کریں۔ آخر ان دونوں نے باری باری معقل کی ہی طرح اپنے اپنے دشمن کے قریب جا کر انہیں موقع دیا کہ وہ اُوپر سے تلوار کا وار کریں۔ آتش پرستوں کے دونوں سالاروں نے وہی غلطی کی جو قارن نے کی تھی۔ اُنہوں نے بازو اوپر کیے اور تلواریں اُن کی بغلوں میں داخل ہو گئیں اور دونوں کی تلواریں گر پڑیں۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ زرتشتوں کا سپہ سالار مارا گیا اور اس کے بعد اُس کے وہ دونوں سالار بھی جنہیں اپنے لشکر کو منظم طریقے سے لڑانا تھا، مارے گئے ہیں تو خالدؓ نے اپنے لشکر کو حملے کا حکم دے دیا۔

ایرانیوں کے لشکر میں وہ سپاہی بھی شامل تھے جو اپنے دلوں پر مسلمانوں کی دہشت لیے ہوئے جنگِ سلاسل سے بھاگے تھے۔ اب اُنہوں نے اپنے تین سالاروں کو مرتے دیکھا تو اُن کی دہشت میں اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے یہ دہشت اپنے سارے لشکر پر طاری کر دی۔ لشکر کا حوصلہ تو پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا۔ یہ لشکر مقابلے کے لیے بہر حال تیار ہو گیا۔ ایرانیوں کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ اُن کے پیچھے دریا تھا جس نے اُن کے عقب کو محفوظ رکھا ہوا تھا۔ اس دریا کا دوسرا فائدہ انہیں یہ نظر آ رہا تھا کہ اُس میں بڑی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں جو لشکر کے ساتھ آئی تھیں۔ پسپا ہونے کے لئے ان کشتیوں نے اُن کے کام آنا تھا۔ اُنہیں یہ ڈر بھی نہ تھا کہ مسلمان تعاقب میں آسکیں گے۔

▽

خالدؓ کے حملے کا انداز ہلہ بولنے والا یا اندھا دُھند ٹوٹ پڑنے والا نہیں تھا۔ انہوں نے ایک ہی بار اپنے تمام دستے جنگ میں نہ جھونک دیئے۔ اُنہوں نے قلب کے دستوں کو باری باری آگے بھیجا اور انہیں ہدایت یہ دی کہ وہ دشمن کی صفوں کے اندر نہ جائیں بلکہ دشمن کو اپنے ساتھ آگے لانے کی کوشش کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ خالدؓ پہلوؤں کو اس طرح پھیلاتے چلے گئے کہ وہ دشمن پر پہلوؤں سے حملہ

kutubistan.blogspot.com

سکیں۔ دشمن کے سپہ سالار اور دو سالاروں کی لاشیں گھوڑوں کے سُموں تلے کچلی مسلی گئی تھیں۔ یہ فارس کی شہنشاہی کا غرور تھا جو مسلمانوں کے گھوڑوں تلے کچلا جا رہا تھا۔ اس صورتِ حال میں آتش پرستوں کے حوصلے مر سکتے تھے، بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔ مسلمانوں کے نعرے اور اُن کی للکار اُن کے پاؤں اکھاڑ رہی تھی۔

"زرتشت کے پجاریو! اللہ کو مانو۔"

"ہم ہیں محمدؐ کے شیدائی۔"

اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کانپ رہی تھی۔

جوش و خروش تو مثنیٰ بن حارثہ کے سواروں کا تھا۔ اُن کی للکار الگ تھلگ تھی۔

"اپنے غلاموں کی ضرب دیکھو۔"

"آج ظالموں سے خون کا حساب لیں گے۔"

"بلاؤ اُردشیر کو۔"

"زرتشت کو آواز دو۔"

ایرانی سپاہ کے حوصلے جواب دینے لگے۔ اُن کی دوہری کمزوری نے اُن کے جسم توڑ دیئے۔ یہ کمزوری اُن کے ہتھیاروں کا اور زرہ کا بوجھ تھا۔ وہ تھکن محسوس کرنے لگے۔ خالدؓ نے جو اپنی سپاہ کے ساتھ سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے، بھانپ لیا کہ آتش پرست ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے جس شدت سے مقابلے اور جوابی حملوں کا آغاز کیا تھا، اس شدت میں نمایاں کمی نظر آنے لگی۔ خالدؓ نے اپنے قاصد پہلوؤں کے سالاروں عاصم اور عدی کی طرف اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ اپنے اپنے پہلوؤں کو اور باہر لے جا کر بیک وقت دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کریں۔

اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے قلب کے پیچھے رکھے ہوئے محفوظہ کے دستے کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا۔ اُن دستوں کو جو پہلے موج در موج کے انداز سے حملے کر رہے تھے، خالدؓ نے پیچھے ہٹا لیا تا کہ وہ جوش و خروش میں ایسی تھکن محسوس نہ کرنے لگیں جو اُن کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔

ایرانی لشکر مسلمانوں کے نئے حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ اُن کا جانی نقصان بہت ہو چکا تھا۔ اب وہ بکھرنے لگے۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ پیچھے جو ایرانی سپاہی تھے وہ دریا کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ اُس وقت مسلمانوں کو وہ کشتیاں دکھائی دیں جو سینکڑوں کی تعداد میں دریا کے کنارے بندھی تھیں۔

"کشتیاں توڑ دو" — ایک مسلمان کی للکار سنائی دی۔

"دشمن بھاگنے کے لیے کشتیاں ساتھ لایا ہے" — ایک اور للکار سنائی دی۔

جب یہ للکار خالدؓ تک پہنچی تو انہوں نے دائیں بائیں قاصد اس حکم کے ساتھ دوڑا دیئے کہ دشمن کے عقب میں جانے کی کوشش کرو اور اس کی کشتیاں توڑ دو یا ان پر قبضہ کر لو۔ قبضہ کر لینے کی صورت میں یہ کشتیاں خالدؓ کے لشکر کے کام آ سکتی تھیں، انہیں بھی دریا پار کرنا تھا۔

جب یہ حکم سالاروں تک اور سالاروں سے سپاہیوں تک پہنچا تو یہی ایک للکار بلند ہونے لگی —
"کشتیوں تک پہنچو... کشتیاں بیکار کر دو... کشتیاں پکڑ لو۔"

اس للکار نے آتش پرستوں کا رہا سہا دم خم بھی توڑ دیا۔ زندہ بھاگ نکلنے کا ذریعہ یہی کشتیاں تھیں جو مسلمانوں نے دیکھ لی تھیں۔ ایرانیوں نے لڑائی سے منہ موڑ کر کشتیوں کا رُخ کیا۔ وہ ایک دوسرے سے پہلے کشتیوں میں سوار ہونے کے لیے دھکم پیل کرنے لگے۔ اُن کی حالت ڈری ہوئی بھیڑوں کی مانند ہو گئی جو ایک دوسری کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کیا کرتی ہیں۔ ایرانی سپاہیوں نے کشتیوں پر سوار ہونے کے لیے گھوڑے چھوڑ دیئے، حالانکہ کشتیاں اتنی بڑی تھیں کہ ان پر گھوڑے بھی لے جائے جا سکتے تھے۔

یہ تھا وہ موقع جب مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں آتش پرستوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ وہ کشتیوں میں سوار ہونے کی کوشش میں کٹ رہے تھے۔ ان میں سے جو کشتیوں میں سوار ہو گئے اور رسّے کھول کر کشتیاں کنارے سے ہٹالے گئے، ان میں زیادہ تر مسلمانوں کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔ پھر بھی کچھ خوش نصیب تھے جو بچ کر نکل گئے۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس معرکے میں تیس ہزار ایرانی فوجی مارے گئے۔ زخمیوں کی تعداد کسی نے نہیں لکھی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اتنی اموات ہوئیں وہاں زخمیوں کی تعداد اموات کے ہی لگ بھگ ہو گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شہنشاہِ فارس کی اُس جنگی قوت کا بُت ٹوٹ گیا تھا جسے ناقابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا۔

اللہ کی تلوار نے کسریٰ کی طاقت اور غرور پر ضربِ کاری لگائی تھی جس نے مدائن میں کسریٰ کے ایوانوں کو ہلا ڈالا تھا۔

دریائے معقل کے کنارے خون میں ڈوب گئے تھے۔ میدانِ جنگ کا منظر بڑا ہی بھیانک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں اور تڑپتے زخمی بکھرے نظر آتے تھے۔ زخمی گھوڑے دوڑتے پھرتے اور زخمیوں کو روندتے پھر رہے تھے۔ مجاہدینِ اسلام اپنے زخمی ساتھیوں کو اور شہیدوں کی لاشوں کو اٹھا رہے تھے۔ میدان خون سے لال ہو گیا تھا۔

خالدؓ ایک بلند جگہ پر کھڑے میدانِ جنگ کو دیکھ رہے تھے۔ ایک طرف سے ایک گھوڑ سوار گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا آیا۔ اُس نے خالدؓ کے قریب آ کر گھوڑا روکا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ تھا۔ گھوڑا خالدؓ کے گھوڑے کے پہلو کے ساتھ کر کے مثنیٰ گھوڑے پر ہی خالدؓ سے بغلگیر ہو گیا۔

"ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا — "ہم نے آج مظلوم مسلمانوں کے خون کا انتقام لے لیا ہے۔"

"ابھی نہیں ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا — "ابھی تو ابتدا ہے۔ ہمارے لیے اصل خطرہ اب شروع ہوا ہے۔ کیا تم نے ان کشتیوں کی تعداد نہیں دیکھی؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہ کشتیاں کتنی بڑی اور کتنی مضبوط تھیں؟ اور تم نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ فارسیوں کے پاس ساز و سامان کس قدر زیادہ ہے۔ ان کے وسائل بڑے وسیع ہیں۔ ہم اپنے وطن سے بہت دُور آ گئے ہیں۔ ہمیں اب انہی سے ہتھیار اور رسد چھین کر اپنی ضرورت پوری کرنی ہے۔ یہ کام آسان نہیں ابنِ حارثہ! اور میرے لیے یہ بھی آسان نہیں کہ میں ان دشواریوں اور محرومیوں سے گھبرا کر یہیں سے واپس چلا جاؤں۔"

"ہم واپس نہیں جائیں گے ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے پُرعزم لہجے میں کہا — "ہمیں کسریٰ کے ایوانوں کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اینٹ سے اینٹ بجانی ہے۔ ہمیں ان آتش پرستوں پر یہ ثابت کرنا ہے کہ جھوٹے 'خدا' کسی کی دستگیری نہیں کر سکتے۔"

▽

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اس سے پہلے وہ مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کا حکم دے چکے تھے۔

"ہماری مشکلات اب شروع ہوئی ہیں" ـــــ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا ـــــ "ہم اس وقت دشمن کی سرزمین پر کھڑے ہیں۔ یہاں کے درخت اور یہاں کے پتھر اور اس مٹی کا ذرّہ ذرّہ ہمارا دشمن ہے۔ یہاں کے لوگ ہمارے لیے اجنبی ہیں۔ ان لوگوں پر فارس کی شہنشاہی کی دہشت طاری ہے۔ یہ لوگ اُردشیر کو فرعون سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی مشکل سے مانیں گے کہ کوئی ایسی طاقت بھی ہے جس نے فارس کی شہنشاہی کا بُت توڑ ڈالا ہے....

"میرے رفیقو! یہاں کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے بغیر ہم یہاں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ہم کسی سے تعاون کی بھیک نہیں مانگیں گے۔ ہم محبت سے ان کے دل موہ لینے کی کوشش کریں گے اور جس پر ہمیں ذرا سا بھی شک ہوگا کہ وہ ہمیں ظاہری طور پر یا درپردہ نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے اُسے ہم زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دیں گے۔ ہم ان لوگوں کو غلام بنانے نہیں آئے۔ ہم انہیں غلامی سے اور باطل کے عقیدوں سے نجات دلانے آئے ہیں۔ جو علاقے ہم نے لے لیے ہیں ان کے انتظامی امور کی طرف فوری توجہ دینی ہے۔ یہاں مسلمان بھی آباد ہیں۔ وہ یقیناً ہمارا ساتھ دیں گے، لیکن میرے دوستو! کسی پر صرف اس لیے اعتماد نہ کر لینا کہ وہ مسلمان ہے۔ غلامی اتنی بُری چیز ہے کہ انسانوں کی فطرت بدل ڈالتی ہے....

"یہاں کے مسلمانوں کو اعتماد میں لے کر ان سے معلوم کرنا ہے کہ شہنشاہِ فارس کے حامی کون کون ہیں۔ ان کی چھان بین کر کے اُن کے درجے مقرر کرنے ہیں جس پر ذرا سا بھی شک ہو اُسے گرفتار کر لو اور جو غیر مسلم سچے دل سے ہمارے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہے اُسے اسلام کی دعوت دو.... میں مختلف شعبے قائم کر رہا ہوں۔"

خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر سب سے زیادہ توجہ دی۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ جو غیر مسلم باشندے مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں گے اُن سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور مسلمان اُنہیں اپنی پناہ میں سمجھیں گے۔ اُن کی ضروریات اور ان کے جان و مال کا تحفّظ مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی بیشتر باشندے مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے۔ خالدؓ نے اس علاقے سے جزیہ اور محصولات وغیرہ جمع کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کر دیا جس کا نگران سوید بن مقرن کو مقرر کیا گیا۔ دوسرا شعبہ جس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی وہ جاسوسی کا شعبہ تھا۔ اب باقاعدہ اور ماہرانہ جاسوسی کی ضرورت تھی۔ خالد نے اُسی وقت اپنے جاسوس جو اُسی علاقے کے رہنے والے مسلمان تھے، دریائے فرات کے پار بھیج دیئے۔

جب مالِ غنیمت جمع ہوگیا تو دیکھا کہ یہ جنگِ سلاسل کی نسبت خاصا زیادہ تھا۔ خالدؓ نے اس کے پانچ حصے کئے۔ چار اپنی سپاہ میں تقسیم کر کے پانچواں حصہ مدینہ بھیج دیا۔

مؤرّخ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے خالدؓ کو اتنا سنجیدہ اور اتنا متفکر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا جتنا وہ اب تھے۔

مئی ۶۳۳ء کے پہلے ہفتے میں جو ماہ صفر ۱۲ ہجری کا تیسرا ہفتہ تھا، زرتشت کے پجاریوں کے لئے دریائے فرات کا سرسبز و شاداب خطہ جہنّم بن گیا تھا۔

کس قدر ناز تھا انہیں اپنی جنگی طاقت پر، اپنی شان و شوکت پر، اپنے گھوڑوں اور ہاتھیوں پر۔ وہ تو فرعونوں کے ہم پلّہ ہونے کا دعویٰ کرنے لگے تھے اور کسریٰ دہشت کی علامت بنتا جا رہا تھا۔ دجلہ اور فرات کے سنگم کے وسیع علاقے میں خالدؓ نے جنہیں رسولِ اکرم نے اللہ کی تلوار کا خطاب دیا تھا، فارس کے زرتشتوں کو بہت بُری شکستیں دی تھیں اور اُن کے ہرمز، قارن بن قریانس، انوشجان اور قباذ جیسے سالاروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا لیکن کسریٰ اُردشیر نے ابھی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ اُس کے پاس ابھی بے پناہ فوج موجود تھی اور مدینہ کے مجاہدین کو وہ اب بھی بدّو اور صحرائی لٹیرے کہتا تھا۔

اُس نے شکست تسلیم تو نہیں کی تھی لیکن شکست اور اپنے نامور سالاروں کی مسلمانوں کے ہاتھوں موت کا جو اُسے صدمہ ہوا تھا، اسے وہ چھپا نہیں سکا تھا۔ ہرمز کی موت کی اطلاع پر وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ اُس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی تھی لیکن ایسے مرض کا آغاز ہو چکا تھا جس نے اُسے بستر پر گرا دیا تھا۔ مؤرخوں نے اِس مرض کو صدمے کا اثر لکھا ہے۔

"کیا میرے لیے شکست اور پسپائی کے سوا اب کوئی خبر نہیں رہ گئی؟" ـــــ اُس نے بستر میں اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے گرج کر کہا۔ "کیا مدینہ کے مسلمان جنّات ہیں؟ کیا وہ کسی کو نظر نہیں آتے اور وار کر جاتے ہیں؟"

طبیب، اردشیر کی منظورِ نظر دو جواں سال بیویاں اور اُس کا وزیر حیران اور پریشان کھڑے اُس قاصد کو گھور رہے تھے جو ایرانیوں کی فوج کی ایک اور شکست اور پسپائی کی خبر لایا تھا۔ اُس کے آنے کی جب اطلاع اندر آئی تو طبیب نے باہر جا کر قاصد سے پوچھا تھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔ قاصد نے خبر سنائی تو طبیب نے اُسے کہا تھا کہ وہ کسریٰ کو ابھی ایسی بُری خبر نہ سنائے کیونکہ اُس کی طبیعت اس کی متحمل نہیں ہو سکے گی لیکن یہ قاصد کوئی معمولی سپاہی نہیں تھا کہ وہ طبیب کا کہا مان جاتا۔ وہ پرانا کماندار تھا۔ اس کا عہدہ سالاری سے دو ہی درجے کم تھا۔ اُسے کسی سالار نے نہیں بھیجا تھا۔ اُسے بھیجنے کے لیے کوئی سالار زندہ نہیں رہا تھا۔

طبیب کے روکنے سے وہ نہ رکا۔ اُس نے کہا کہ اُسے کسریٰ کی صحت کا نہیں فارس کی شہنشاہی اور زرتشت کی عظمت کا غم ہے۔ اگر شہنشاہ اُردشیر کو اُس نے دجلہ اور فرات کی جنگی کیفیت کی پوری اطلاع نہ دی تو مسلمان مدائن کے دروازے پر آ دھمکیں گے۔ اُس نے طبیب کی اور کوئی بات نہ سُنی۔ اندر چلا گیا اور اُردشیر کو بتایا کہ مسلمانوں نے فارس کی فوج کو بہت بُری شکست دی ہے۔ اُردشیر لیٹا ہوا تھا، اُٹھ بیٹھا۔ غصے سے اُس کے ہونٹ اور اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"شہنشاہِ فارس!" ـــــ کماندار نے کہا ـــــ "مدینہ والے جنّات نہیں۔ وہ سب کو نظر آتے ہیں لیکن..."

"کیا قارن مر گیا تھا؟" ـــــ اُردشیر نے غصّے سے پُوچھا۔

"ہاں شہنشاہ!" ـــــ کماندار نے جواب دیا ـــــ "وہ ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔ اُس نے دونوں فوجوں کی لڑائی تو دیکھی ہی نہیں۔"

"مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ قباذ اور انوشجان بھی اُس کے ساتھ تھے۔"

"وہ بھی قارن کے انجام کو پہنچ گئے تھے" ـــــ کماندار نے کہا ـــــ "وہ قارن کے قتل کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ دونوں نے اکٹھے آگے بڑھ کر مدینہ کے سالاروں کو للکارا اور دونوں مارے گئے ... شہنشاہِ فارس! کیا فارس کی اس عظیم شہنشاہی کو اس انجام تک پہنچنا ہے؟ ... نہیں ... نہیں ... گستاخی کی معافی چاہتا ہوں۔ اگر کسریٰ نے صدمے سے اپنے آپ کو یوں روگ لگا لیا تو کیا ہم زرتشت کی عظمت کو مدینہ کے بدّوؤں سے بچا سکیں گے؟"

"تم کون ہو؟" ـــــ اُردشیر نے پوچھا۔

"میں کماندار ہوں" ـــــ کماندار نے جواب دیا ـــــ "میں کسی کا بھیجا ہُوا قاصد نہیں۔ میں زرتشت کا جاں نثار ہوں۔"

"دربان کو بلاؤ" ـــــ اُردشیر نے حکم دیا ـــــ "تم نے مجھے نیا حوصلہ دیا ہے .... مجھے یہ بتاؤ کیا مسلمانوں کی نفری زیادہ ہے؟ کیا اُن کے پاس گھوڑے زیادہ ہیں؟ کیا ہے اُن کے پاس؟"

دربان اندر آیا اور حکم کے انتظار میں جھک کر دوہرا ہو گیا۔

"سالار اندرزغر کو فوراً بلاؤ" ـــــ اُردشیر نے دربان سے کہا اور کماندار سے پوچھا ـــــ "کیا ہے اُن کے پاس؟ .... بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ۔"

"ہمارے مقابلے میں اُن کے پاس کچھ بھی نہیں" ـــــ کماندار نے جواب دیا ـــــ "اُن میں لڑنے کا جذبہ ہے۔ میں نے اُن کے نعرے سُنے ہیں۔ وہ نعروں میں اپنے خُدا اور رسولؐ کو پکارتے ہیں۔ میں نے اُن میں اپنے مذہب کا جنون دیکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے بہت پکّے ہیں اور یہی اُن کی طاقت ہے۔ ہر میدان میں اُن کی تعداد تھوڑی ہے۔"

"ٹھہر جاؤ" ـــــ اُردشیر نے کہا ـــــ "اندرزغر آ رہا ہے۔ مجھے اپنے اس سالار پر بھروسہ ہے۔ اسے بتاؤ کہ ہماری فوج میں کیا کمزوری ہے کہ اتنی زیادہ تعداد میں ہوتے ہوئے بھاگ آتی ہے۔"

☆

"اندرزغر!" ـــــ اُردشیر بستر پر نیم دراز تھا۔ اپنے ایک نامور سالار سے کہنے لگا ـــــ "کیا تم نے سنا نہیں کہ قارن بن قریانس بھی مارا گیا ہے؟ قباذ بھی مارا گیا اور انوشجان بھی مارا گیا ہے؟"

اندرزغر کی آنکھیں ٹھہر گئیں جیسے حیرت نے اُس پر سکتہ طاری کر دیا ہو۔

"اسے بتاؤ کماندار!" ـــــ اُردشیر نے کماندار سے کہا ـــــ "کیا میں ان حالات میں زندہ رہ سکوں گا؟"

کماندار نے سالار اندرزغر کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں دریائے معقل کے کنارے کس طرح شکست دی ہے اور یہ بھی تفصیل سے بتایا کہ مدائن کی فوج کس طرح بھاگی ہے۔

"اندرزغر!" ـــــ اُردشیر نے کہا ـــــ "ہم اب ایک اور شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ مسلمانوں سے شکست کا صرف انتقام نہیں لینا، ان کی لاشیں فرات میں بہا دینی ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ فوج لے کر جاؤ۔ تم اُس علاقے سے واقف ہو۔ تم بہتر سمجھتے ہو کہ مسلمانوں کو کہاں گھسیٹ کر لڑانا چاہیئے۔"

"وہ ریگستان کے رہنے والے ہیں" ـــــ اندرزغر نے کہا ـــــ "اور وہ ریگستان میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ میں انہیں سرسبز اور دلدلی علاقے میں آنے دوں گا اور ان پر حملہ کروں گا۔ میری نظر میں ولجہ موزوں علاقہ ہے" ـــــ اُس نے کماندار سے پوچھا ـــــ "اُن کے گھوڑسوار کیسے ہیں؟"

"اُن کے سوار دستے ہی اُن کی اصل طاقت ہیں" ـــــ کماندار نے کہا ـــــ "اُن کے سوار بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ دوڑتے گھوڑوں سے اُن کے چلاتے ہُوئے تیر خطا نہیں جاتے۔ اُن کے سواروں کا حملہ بہت ہی تیز ہوتا ہے۔ وہ جم کر نہیں لڑتے۔ ایک ہلّہ بول کر اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔"

"یہی وہ راز ہے جو ہمارے سالار نہیں سمجھ سکے" ـــــ اندرزغر نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر کہا ـــــ "مسلمان آمنے سامنے کی جنگ لڑ ہی نہیں سکتے۔ ہم اُن سے کئی گنا زیادہ فوج لے جائیں گے۔ میں انہیں اپنی فوج کے نیم دائرے میں لے کر مجبور کر دوں گا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے آمنے سامنے کی لڑائی لڑیں۔"

"اندرزغر!" ـــــ اُردشیر نے کہا ـــــ "یہاں بیٹھ کر منصوبہ بنا لینا آسان ہے لیکن دشمن کے سامنے جا کر اس منصوبے پر اس کے مطابق عمل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کماندار نے ایک بات بتائی ہے۔ اس پر غور کرو۔ یہ کہتا ہے کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنے عقیدے کے وفادار ہیں اور وہ اپنے خدا اور اپنے رسولؐ کا نام لے کر لڑتے ہیں۔ کیا ہماری فوج میں اپنے مذہب کی وفاداری ہے؟ .... اتنی نہیں جتنی مسلمانوں میں ہے .... اور اس پر بھی غور کرو اندرزغر! مسلمان اپنے علاقے سے بہت دُور آ گئے ہیں۔ یہ اُن کی کمزوری ہے۔ یہاں کے لوگ اُن کے خلاف ہوں گے۔"

"نہیں شہنشاہ!" ـــــ کماندار نے کہا ـــــ "فارس کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا ہے، وہاں کے لوگ اُن کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ اُن کا سلوک ایسا ہے کہ لوگ انہیں پسند کرنے لگتے ہیں۔ وہ قتل صرف اُنہیں کرتے ہیں جن پر انہیں کچھ شک ہوتا ہے۔"

"یہاں کے وہ عربی لوگ اُن کے ساتھ نہیں ہو سکتے جو عیسائی ہیں" ـــــ اندرزغر نے کہا ـــــ "میرے دل میں ان لوگوں کی جو محبت ہے اسے وہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں انہیں اپنی فوج میں شامل کروں گا۔ ہم یہاں کے مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ یہ ہمیشہ باغی رہے ہیں۔ ان پر ہمیں کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔ ان کی وفاداریاں مدینہ والوں کے ساتھ ہیں۔"

"ان مسلمانوں کے ساتھ پہلے سے زیادہ بُرا سلوک کرو" ـــــ اُردشیر نے کہا ـــــ "انہیں اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑو۔"

"ہم نے انہیں مویشیوں کا درجہ دے رکھا ہے" ـــــ اندرزغر نے کہا ـــــ "انہیں بھوکا رکھا ہے۔ ان کی کھیتیوں سے ہم فصل اٹھا کر لے آتے ہیں اور انہیں صرف اتنا دیتے ہیں جس پر وہ صرف زندہ رہ سکتے ہیں لیکن وہ اسلام کا نام لینے سے باز نہیں آتے۔ بھُوکے مر جانا پسند کرتے ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑتے۔"

"یہی ان کی قوت ہے" — کماندار نے کہا — "ورنہ ایک آدمی دس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کپڑوں میں ملبوس آدمی زرہ پوش کو قتل نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں نے یہ کر کے دکھا دیا ہے۔"

"میں اس قوت کو کچل ڈالوں گا" — اُردشیر نے بلند آواز سے کہا — "اندرزغر! ابھی ان مسلمانوں کو نہ چھیڑنا جو ہماری رعایا ہیں۔ انہیں دھوکہ دو کہ ہم انہیں چاہتے ہیں۔ پہلے اُن کا صفایا کرو جنہوں نے ہماری شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کی ہے۔ اس کے بعد ہم ان کا صفایا کریں گے جو ہمارے سائے میں سانپوں کی طرح پل رہے ہیں۔"

☆

اُسی روز اُردشیر نے اپنے وزیر، اندرزغر اور اس کے ماتحت سالاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ہم مدینہ پر حملہ کرتے اور اسلام کا وہیں خاتمہ کر دیتے لیکن حملہ انہوں نے کر دیا ہے اور ہماری فوج ان کے آگے بھاگی بھاگی پھر رہی ہے۔

"صرف دو معرکوں میں ہمارے چار سالار مارے گئے ہیں" — اُردشیر نے کہا — "ان چاروں کو میں اپنی جنگی طاقت کے ستون سمجھتا تھا، لیکن ان کے مر جانے سے کسریٰ کی طاقت نہیں مر گئی۔ سب کان کھول کر سُن لو جو سالار یا نائب سالار شکست کھا کر واپس آئے گا، اُسے میں جلّاد کے حوالے کر دوں گا۔ اُس کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو خود ہی ختم کر لے یا کسی اور طرف نکل جائے، فارس کی سرحد میں قدم نہ رکھے....

"اندرزغر! تم مدائن اور ارد گرد سے جس قدر فوج ساتھ لے جانا چاہو لے جاؤ۔ سالار بہمن کو میں نے پیغام بھیج دیا ہے کہ وہ اپنی تمام تر فوج کے ساتھ فرات کے کنارے ولجہ کے مقام پر پہنچ جائے۔ تم اُس سے جلدی ولجہ پہنچ جاؤ گے۔ وہاں خیمہ زن ہو کر بہمن کا انتظار کرنا۔ جوں ہی وہ آجائے دونوں مل کر مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرنا۔ اُن کا کوئی آدمی اور کوئی ایک جانور بھی زندہ نہ رہے۔ اُن کی تعداد تمہارے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ میں کوئی مسلمان قیدی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں اُن کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھنے آؤں گا کہ اُن کے گھوڑوں اور اونٹوں کے مردار اُن کی لاشوں کے درمیان پڑے ہیں۔ تمہیں زرتشت کے نام پر حلف اُٹھانا ہوگا کہ فتح حاصل کرو گے یا موت....

"اندرزغر دونوں فوجوں کا سپہ سالار ہوگا.... اندرزغر! تمہارے ذہن میں کوئی شک اور وسوسہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ بھی سوچ لو کہ مسلمان اور آگے بڑھ آئے اور ہمیں ایک اور شکست ہوئی تو رُومی بھی ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔"

"شہنشاہِ فارس اب شکست کی آواز نہیں سنیں گے" — سالار اندرزغر نے کہا — "مجھے اجازت دیں کہ میں عیسائیوں کو اپنے ساتھ لے لوں۔ اس سے میری فوج میں بیشمار اضافہ ہو سکتا ہے۔"

"تم جو بہتر سمجھتے ہو وہ کرو" — اُردشیر نے کہا — "لیکن میں وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر عیسائی تمہارے ساتھ وفا کرتے ہیں تو انہیں ساتھ لے لو۔"

☆

یہ عراق کا علاقہ تھا جہاں عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ بکر بن وائل آباد تھا۔ یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے۔ اسلام پھیلتا چلا گیا اور یہ عیسائی جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے، عراق کے اس علاقے میں اکٹھے ہوتے رہے اور یہیں آباد ہو گئے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو کسی وقت ایرانیوں کے خلاف لڑے اور جنگی قیدی ہو گئے تھے۔ ایرانیوں نے انہیں اس علاقے میں آباد ہونے کے لیے آزاد کر دیا تھا۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں مثنیٰ بن حارثہ جیسا قائد مل گیا تھا جس نے انہیں پکّا مسلمان بنا دیا تھا۔ مسلمانوں پر تو ایرانی بے پناہ ظلم و تشدد کرتے تھے لیکن عیسائیوں کے ساتھ ان کا رویّہ کچھ بہتر تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے زرتشتی سالار اندرزغر ہرمز کی طرح ظالم نہیں تھا۔ مسلمانوں پر اگر وہ ظلم نہیں کرتا تھا تو انہیں اچھا بھی نہیں سمجھتا تھا، عیسائیوں کے ساتھ اس کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اُسے اب عیسائیوں کی مدد کی ضرورت محسوس ہُوئی۔ اُس نے ان کے قبیلے بکر بن وائل کے بڑوں کو بلایا۔ وہ اطلاع ملتے ہی دوڑے آئے۔

"اگر تم میں سے کسی کو میرے خلاف شکایت ہے تو مجھے بتاؤ" — اندرزغر نے کہا — "میں اس کا ازالہ کروں گا۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ سالار ہمیں فوراً بتا دے کہ ہمیں کیوں بلایا گیا ہے؟" — ایک بوڑھے نے کہا — "ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہمیں شکایت ہُوئی بھی تو نہیں کریں گے۔"

"ہمیں کوئی شکایت نہیں" — ایک اور نے کہا — "آپ نے جو کہنا ہے وہ کہیں۔"

"مسلمان بڑھے چلے آ رہے ہیں" — اندرزغر نے کہا — "شہنشاہِ فارس کی فوج انہیں فرات میں ڈبو دے گی لیکن ہمیں تمہاری ضرورت ہے۔ ہمیں تمہارے جوان بیٹوں کی ضرورت ہے۔"

"اگر شہنشاہِ فارس کی فوج اسلامی فوج کو فرات میں ڈبو دے گی تو آپ کو ہمارے بیٹوں کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟" — وفد کے بڑوں میں سے ایک نے پوچھا — "ہم سن چکے ہیں کہ فارس کی فوج کے چار سالار مارے گئے ہیں۔ آپ ہم سے پوچھتے کیوں ہیں؟ ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہمیں حکم دیں۔ ہم سرکشی کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"میں کسی کو اپنے حکم کا پابند کر کے میدانِ جنگ میں نہیں لے جانا چاہتا" — اندرزغر نے کہا — "میں تمہیں تمہارے مذہب کے نام پر فوج میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں زمین کے کسی خطّے کے لیے نہیں اپنے مذہب اور اپنے عقیدوں کے تحفّظ کے لیے لڑنا ہے۔ مسلمان صرف اس لیے فتح پہ فتح حاصل کرتے چلے آ رہے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ وہ جس علاقے کو فتح کرتے ہیں، وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کو کہتے ہیں۔ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے، اُن سے مسلمان جزیہ وصول کرتے ہیں....

"کیا یہ غلط ہے کہ تم میں وہ بھی ہیں جو اس لیے اپنے گھروں سے بھاگے تھے کہ وہ اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمان آجائیں اور تمہاری عبادت گاہوں کے دروازے بند ہو جائیں؟ کیا تم برداشت کر لو گے کہ مسلمان تمہاری بیٹیوں کو لونڈیاں بنا کر اپنے ساتھ لے جائیں؟ .....ذرا غور کرو تو سمجھو گے کہ ہمیں تمہاری نہیں بلکہ تمہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں ایک فرج دے رہے ہیں۔ اسے اور زیادہ طاقتور بناؤ اور اپنے مذہب کو ایک بے بنیاد مذہب سے بچاؤ۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اندرزغر نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسا مشتعل کیا کہ وہ اُسی وقت واپس گئے اور (مورخوں کی تحریروں کے مطابق) اپنے قبیلے کی ہر بستی میں جاکر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر قتل و غارت اور لُوٹ مار کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ صرف اُسے بخشتے ہیں جو اُن کا مذہب قبول کر لیتا ہے۔ وہ جوان اور کمسن لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔

"اپنی لڑکیوں کو چھپالو۔"

"مال و دولت زمین میں دبادو۔"

"عورتیں بچّوں کو لے کر جنگلوں میں چلی جائیں۔"

"جوان آدمی ہتھیار، گھوڑے اور اونٹ لے کر ہمارے ساتھ آجائیں۔"

"شہنشاہِ فارس کی فوج ہمارے ساتھ ہے۔"

"یسوع مسیح کی قسم، ہم اپنی عزت پر کٹ مریں گے۔"

"اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔"

ایک شور تھا، للکار تھی جو آندھی کی طرح دشت دجبل کو، جنّ و انس کو لپیٹ میں لیتی آرہی تھی۔ کوئی بھی کسی سے نہیں پوچھتا تھا کہ یہ سب کیا ہے؟ کس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے؟ کدھر سے آرہا ہے؟ جوش و خروش تھا۔ عیسائی مائیں اپنے جوان بیٹوں کو رخصت کر رہی تھیں بیویاں خاوندوں کو، بہنیں بھائیوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ ایک فوج تیار ہوتی جارہی تھی جس کی نفری تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ کسریٰ کی فوج کے کماندار وغیرہ آ گئے تھے۔ وہ ان لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتے جارہے تھے جو کسریٰ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے آرہے تھے۔

ایک بستی میں لڑنے والے عیسائی جمع ہو رہے تھے۔ سورج کبھی کا غروب ہو چکا تھا۔ بستی میں مشعلیں گھوم پھر رہی تھیں اور شور تھا۔ بستی دن کی طرح بیدار اور سرگرم تھی۔ دو آدمی جو اس بستی والوں کے لیے اجنبی تھے، بستی میں داخل ہُوئے اور لوگوں میں شامل ہو گئے۔

"ہم ایک للکار سن کر آتے ہیں"— ان میں سے ایک نے کہا— "ہم روزگار کی تلاش میں بڑی دور سے آتے ہیں اور شاید مدائن تک چلے جائیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"تم ہو کون؟"— کسی نے اُن سے پوچھا— "مذہب کیا ہے تمھارا؟"

دونوں نے اپنی اپنی شہادت کی اُنگلیاں باری باری اپنے دونوں کندھوں سے لگائیں پھر اپنے اپنے سینے پر اُنگلیاں اوپر نیچے کر کے صلیب کا نشان بنایا اور دونوں نے بیک زبان کہا کہ وہ عیسائی ہیں۔

"پھر تم مدائن جاکر کیا کرو گے؟"— انہیں ایک بوڑھے نے کہا— "تم تنومند ہو۔ تمھارے جسموں میں طاقت ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو کنواری مریم کی آبرو پر قربان ہونے کے قابل نہیں سمجھتے؟ کیا تمھارے لیے تمھارا پیٹ مقدّس ہے؟"

"نہیں"— ان میں سے ایک نے کہا— "ہمیں کچھ نہ بتاؤ اور تم میں جو سب سے زیادہ سیانا ہے ہمیں اُس سے ملاؤ، ہم کچھ بتانا چاہتے ہیں۔"

☆

وہاں فارس کی فوج کا ایک پرانا کماندار موجود تھا۔ ان دونوں کو اُس کے پاس لے گئے۔

"سنا ہے تم کچھ بتانا چاہتے ہو"— کماندار نے کہا۔

"ہاں!"— ایک نے کہا— "ہم اپنا راستہ چھوڑ کر اِدھر آتے ہیں۔ سنا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک فوج تیار ہو رہی ہے۔"

"ہاں، ہو رہی ہے"— کماندار نے کہا— "کیا تم اس فوج میں شامل ہونے آتے ہو؟"

"عیسائی ہو کر ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس فوج میں شامل نہیں ہوں گے!"— ان میں سے ایک نے کہا— "ہم کاظمہ سے تھوڑی دور کی ایک بستی کے رہنے والے عرب ہیں۔ ہم مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر اِدھر آتے ہیں۔ اب آگے نہیں جائیں گے، تمھارے ساتھ رہیں گے..... ہم بتانا یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن سامنے وہ بہت تھوڑی تعداد دکھلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمھاری فوج اُن سے شکست کھا جاتی ہے۔"

"اِسے زمین پر لکیریں ڈال کر سمجھاؤ"— اُس کے دوسرے ساتھی نے اُسے کہا پھر ایرانی کماندار سے کہا— "ہمیں معمولی دماغ کے آدمی نہ سمجھنا۔ ہم تمھیں اچھی طرح سمجھا دیں گے کہ مسلمانوں کے لڑنے کا طریقہ کیا ہے اور وہ اِس وقت کہاں ہیں اور تم لوگ انہیں کہاں لاکر لڑاؤ تو انہیں شکست دے سکتے ہو۔ ہم جو کچھ بتائیں یہ اپنے سالار کو بتا دینا۔"

ایک مشعل لاکر اس کا ڈنڈہ زمین میں گاڑ دیا گیا۔ یہ دونوں آدمی زمین پر بیٹھ کر انگلیوں سے لکیریں ڈالنے لگے۔ اُنہوں نے جنگی اصطلاحوں میں ایسا نقشہ پیش کیا کہ کماندار بہت متاثر ہُوا۔

"اگر ہمیں پتہ چل جاتے کہ مدائن کی فوج کس طرف سے آرہی ہے تو ہم تمھیں بہتر مشورہ دے سکتے ہیں"— اِن میں سے ایک نے کہا— "اور کچھ خطروں سے بھی خبردار کر سکتے ہیں۔"

"دو فوجیں مسلمانوں کو کچلنے کے لیے آرہی ہیں"— کماندار نے کہا— "مسلمان ان کے آگے نہیں ٹھہر سکیں گے۔"

"بشرطیکہ دونوں فوجیں مختلف سمتوں سے نہ آئیں"— ایک اجنبی عیسائی نے کہا۔

"وہ مختلف سمتوں سے آرہی ہیں"— کماندار نے کہا— "ایک فوج مدائن سے ہمارے بڑے ہی دلیر اور قابل سالار اندرزغر کی زیرِ کمان آرہی ہے اور دوسری فوج ایسے ہی ایک اور نامور سالار بہمن جاذویہ لا رہا ہے۔ دونوں ولجہ کے مقام پر اکٹھی ہوں گی۔ اس کے ساتھ بکر بن وائل کا پورا قبیلہ ہوگا چند چھوٹے چھوٹے قبیلوں نے بھی اپنے آدمی دیے ہیں۔"

"تو پھر تمھارے سالاروں کو جنگی چالیں چلنے کی ضرورت نہیں"— دوسرے نے کہا— "تمھاری فوج تو سیلاب کی مانند ہے، مسلمان تنکوں کی طرح بہہ جائیں گے..... کیا تم ہم دونوں کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟ ہم نے تم میں خاص قسم کی ذہانت دیکھی ہے۔ تم سالار نہیں تو نائب سالاری کے عہدے کے قابل ضرور ہو۔"

"تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو"— کماندار نے کہا۔

"ہم اپنے گھوڑے لے آئیں"— دونوں میں سے ایک نے کہا— "ہم تمھیں صبح یہیں ملیں گے۔"

"صبح کُوچ ہو رہا ہے"— کماندار نے کہا— "اِن تمام لوگوں کو جو لڑنے کے لیے جارہے ہیں

ایک جگہ جمع کیا جا رہا ہے۔ تم ان کے ساتھ آجانا، میں تمہیں مل جاؤں گا۔"

دونوں بستی سے نکل گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے بستی سے کچھ دُور ایک درخت کے ساتھ باندھ دیئے اور بستی میں پیدل گئے تھے۔ بستی سے نکلتے ہی وہ دوڑ پڑے اور اپنے گھوڑوں پر جا سوار ہوتے۔

"کیا ہم صبح تک پہنچ سکیں گے بن آصف!" ——— ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

"خدا کی قسم! ہمیں پہنچنا پڑے گا، خواہ اُڑ کر پہنچیں" ——— بن آصف نے کہا ——— "یہ خبر ابن ولید تک بروقت نہ پہنچی تو ہماری شکست لازمی ہے۔ گھوڑے تھکے ہوئے نہیں۔ اللہ کا نام لو اور ایڑ لگا دو۔"

دونوں نے ایڑ لگائی اور گھوڑے دوڑ پڑے۔

"اشعر!" ——— بن آصف نے بلند آواز سے اپنے ساتھی سے کہا ——— "یہ تو طوفان ہے۔ اب آتش پرستوں کو شکست دینا آسان نہیں ہوگا۔ صرف بکر بن وائل کی تعداد دیکھ لو۔ کتنی ہزار ہوگی۔"

"میں نے اپنے سالار ابن ولیدؓ کو پریشانی کی حالت میں دیکھا تھا" ——— اشعر نے کہا۔

"کیا تم اُس کی پریشانی کو نہیں سمجھے اشعر!" ——— بن آصف نے کہا ——— "ہم اتنے طاقتور دشمن کے پیٹ میں آگئے ہیں۔"

"اللہ ہمارے ساتھ ہے" ——— اشعر نے کہا ——— "آتش پرست اس زمین کے لیے لڑ رہے ہیں جو وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی ہے اور ہم اللہ کی راہ میں لڑ رہے ہیں جس کی یہ زمین ہے۔"

یہ دونوں گھوڑسوار خالدؓ کے اُس جاسوسی نظام کے بڑے ذہین آدمی تھے جو خالدؓ نے فارس کی سرحد کے اندر آکر قائم کیا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ وہ مدینہ سے بہت دُور اجنبی زمین پر آگئے ہیں جہاں اللہ کے سوا اُن کی مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ خالدؓ نے دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے ہر طرف اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔

☆

خالدؓ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ اُن کے خیمے کے قریب دو گھوڑے آرکے۔ سوار کود کر اُترے۔ خالدؓ نماز باجماعت پڑھ کر آرہے تھے۔ ان سواروں کو دیکھ کر اُن کے قریب جا رُکے۔ گھوڑوں کا پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے دریا میں سے گذر کر آتے ہوں۔ اُن کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ سواروں کی حالت گھوڑوں سے بھی بُری تھی۔

"اشعر!" ——— خالدؓ نے کہا۔ "بن آصف!.... کیا خبر لائے ہو؟.... اندر چلو۔ ذرا دم لے لو۔"

"دم لینے کا وقت نہیں سالار!" ——— بن آصف نے خالدؓ کے پیچھے اُن کے خیمے میں داخل ہوتے ہوتے کہا ——— "آتش پرستوں کا سیلاب آرہا ہے۔ ہم نے یہ خبر عیسائیوں کی ایک بستی سے لی ہے۔ بکر بن وائل کی الگ فوج تیار ہوگئی ہے۔ یہ مدائن کی فوج کے ساتھ اندرزغر نام کے ایک سالار کی زیرِ کمان آرہی ہے۔ دوسری فوج بہمن جاذویہ کی زیرِ کمان دوسری طرف سے آرہی ہے۔"

"کیا یہ فوجیں ہم پر مختلف سمتوں سے حملہ کریں گی؟" ——— خالدؓ نے پوچھا۔

"نہیں" ——— اشعر نے جواب دیا ——— "دونوں فوجیں ولجہ میں اکٹھی ہوں گی۔"

"اور تم کہتے ہو کہ سیلاب کی طرح آگے بڑھیں گی" ——— خالدؓ نے کہا۔

"کمانداروں نے یہی بتایا ہے" ——— بن آصف بولا۔

ان دونوں کی رپورٹ ابھی مکمل ہوئی ہی تھی کہ ایک شتر سوار خیمے کے باہر آرکا اور اونٹ سے اُتر کر بغیر اطلاع خیمے میں آگیا۔ اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ فلاں سمت سے ایرانیوں کی ایک فوج بہمن جاذویہ کی قیادت میں آرہی ہے۔ یہ بھی ایک جاسوس تھا جو کسی بھیس میں اُس طرف نکل گیا تھا جدھر سے بہمن کی فوج آرہی تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو اس طرح کوچ کرنا تھا کہ دونوں کی فوجیں بیک وقت یا تھوڑے سے وقفے سے ولجہ پہنچتیں مگر ہُوا یوں کہ اندرزغر پہلے روانہ ہوگیا۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ کسریٰ اُردشیر کے قریب تھا اس لیے اُردشیر اُس کے سر پر سوار تھا۔ بہمن دُور تھا۔ اُسے کوچ کا حکم قاصد کی زبانی پہنچا تھا۔ وہ دو دن بعد روانہ ہُوا۔

کسی بھی مؤرخ نے اُس فوج کی تعداد نہیں لکھی جو اندرزغر کے ساتھ تھی۔ بہمن کی فوج کی تعداد بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ صرف یہ ایک بڑا واضح اشارہ ملتا ہے کہ آتش پرستوں کی فوج جو مسلمانوں کے خلاف آرہی تھی وہ واقعی سیلاب کی مانند تھی۔ اُردشیر نے کہا تھا کہ وہ ایک اور شکست کا خطرہ مول نہیں لے گا، چنانچہ اُس نے اتنی زیادہ فوج بھیجی تھی جتنی اکٹھی ہوسکتی تھی۔

اندرزغر کی فوج کا تو شمار ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنی باقاعدہ فوج کے علاوہ اُس نے بکر بن وائل کے معلوم نہیں کتنے ہزار عیسائی اپنی فوج میں شامل کر لیے تھے۔ ان میں پیادہ تھے اور سوار بھی۔ اس فوج میں مزید اضافہ کُوچ کے دوران اس طرح ہُوا کہ جنگِ دریا میں آتش پرستوں کے جو فوجی مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگے تھے، وہ ابھی تک قدم گھسیٹتے مدائن کو جا رہے تھے۔ وہ صرف تھکن کے مارے ہوئے نہیں تھے، اُن پر مسلمانوں کی دہشت بھی طاری تھی۔ پسپائی کے وقت مسلمانوں کے ہاتھوں اُن کی فوج کا قتلِ عام ہُوا تھا۔ انہوں نے کشتیوں میں سوار ہو کر بھاگنے کی کوشش کی تھی اس لیے وہ خالدؓ کے مجاہدین کے لیے بڑا آسان شکار ہوئے تھے۔

اس بھگدڑ میں جو کشتیوں میں سوار ہو گئے تھے، اُن پر مجاہدین نے تیروں کا مینہ برسا دیا تھا۔ ایسی کشتیوں میں جو سپاہی زندہ رہے تھے اُن کی ذہنی حالت بہت بُری تھی۔ اُن کی کشتیوں میں اُن کے ساتھی جسموں میں تیر لیے تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے۔ اس طرح زندہ سپاہیوں نے لاشوں اور تڑپ تڑپ کر مرتے ساتھیوں کے ساتھ سفر کیا تھا۔ کشتیاں خون سے بھر گئی تھیں۔ زندہ سپاہیوں کو کشتیاں کھینے کی بھی ہوش نہیں تھی۔ کشتیاں دریا کے بہاؤ کے ساتھ خود ہی بہتی کہیں سے کہیں جا پہنچی تھیں اور دُور دُور کنارے سے لگی تھیں اور زرتشت کے یہ پجاری بہت بُری جسمانی اور ذہنی حالت میں مدائن کی طرف چل پڑے تھے۔

وہ دو دو چار چار اور اس سے بھی زیادہ کی ٹولیوں میں جا رہے تھے۔ پُرانی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں کئی ایک نے جب اندرزغر کی فوج کو آتے دیکھا تو بھاگ اُٹھے۔ وہ تیز دوڑ نہیں سکتے تھے۔ انہیں پکڑ لیا گیا اور فوج میں شامل کر لیا گیا۔ کچھ تعداد ایسے سپاہیوں کی ملی جو دماغی توازن کھو بیٹھے تھے۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو بولتے ہی نہیں تھے۔ ان سے بات کرتے تھے تو وہ خالی خالی نگاہوں سے ہر کسی کو دیکھتے تھے۔ بعض بولنے کی بجائے چیخیں مارتے اور دوڑ پڑتے تھے۔

"پیشتر اس کے کہ یہ ساری فوج کے لیے خوف و ہراس کا سبب بن جائیں انہیں فوج سے دُور لے جا کر ختم کر دو" ——— اُن کے سالار اندرزغر نے حکم دیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

مدائن کی یہ فوج تازہ دم تھی۔ اُس نے ابھی مسلمانوں کے ہاتھ نہیں دیکھے تھے لیکن دریا کے معرکے سے بچے ہوئے سپاہی جب راستے میں اس تازہ دم فوج میں شامل ہوئے تو ہلکے سے خوف کی ایک لہر ساری فوج میں پھیل گئی۔ شکست خوردہ سپاہیوں نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بے جگری سے لڑے ہیں، مسلمانوں کے متعلق اپنی فوج کو ایسی باتیں سنائیں جیسے مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت طاقت ہو اور وہ جن بھوت ہوں۔

خالدؓ کی جنگی قیادت کی یہ خوبی تھی کہ وہ دشمن کو جسمانی شکست ایسی دیتے تھے کہ دشمن پر نفسیاتی اثر بھی پڑتا تھا جو ایک عرصے تک دشمن کے سپاہیوں پر باقی رہتا اور اسی دشمن کے ساتھ جب ایک اور معرکہ لڑا جاتا تو یہ نفسیاتی اثر خالدؓ کو بہت فائدہ دیتا تھا۔ یہ اثر پیدا کرنے کے لیے خالدؓ دشمن کو پسپا کرنے پر ہی مطمئن نہیں ہو جاتے تھے بلکہ دشمن کا تعاقب کرتے اور اُسے زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پہنچاتے تھے۔

☆

خالدؓ کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی انہیں دی کہ پچھلے معرکے کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی مدائن سے آنے والی فوج میں شامل ہو رہے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"میرے عزیز ساتھیو!" — خالدؓ نے انہیں کہا — "ہم یہاں صرف اللہ کے بھروسے پر لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ہم فارس کی فوج سے ٹکر لینے کے قابل نہیں۔ اپنے وطن سے ہم بہت دُور نکل آئے ہیں۔ ہمیں کمک نہیں مل سکتی۔ ہم واپس بھی نہیں جائیں گے۔ ہم فارسیوں کو اور کسریٰ کو نہیں، آگ کے خداؤں کو شکست دینے کا عزم کیے ہوئے ہیں....

"میں تم سب کے چہروں پر تھکن کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری آنکھیں بھی تھکی تھکی سی ہیں اور تمہاری باتوں میں بھی تھکن ہے لیکن ربِ کعبہ کی قسم، ہماری روحیں تھکی ہوئی نہیں۔ ہمیں اب رُوح کی طاقت سے لڑنا ہے۔"

"ایسی باتیں زبان پر نہ لا ابنِ ولیدؓ!" — ایک سالار عاصم بن عمرو نے کہا — "ہمارے چہروں پر تھکن کے آثار ہیں، مایوسی کے نہیں۔"

"ہمارے ارادوں میں کوئی تھکن نہیں ابنِ ولیدؓ!" — دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا — "ہم نے آرام کر لیا ہے۔ سپاہ نے بھی آرام کر لیا ہے۔"

"میں اسی لیے یہاں خیمہ زن ہو گیا تھا کہ اللہ کے سپاہی آرام کر لیں" — خالدؓ نے کہا — "تمہارے ارادے تھکے ہوئے نہیں تو مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں دوسری باتیں کرنا چاہتا ہوں جو زیادہ ضروری ہیں.... تم نے دیکھا ہے کہ ہم نے فارسیوں کو پہلے معرکے میں شکست دی تو وہ پھر ہمارے سامنے آ گئے۔ ان کے ساتھ اُن کے وہ سپاہی بھی آ گئے جو پہلے معرکے سے بھاگے تھے۔ اب مجھے پھر اطلاع ملی ہے کہ دوسرے معرکے سے بھاگے ہوئے سپاہی مدائن سے آنے والی فوج کے ساتھ راستے میں ملتے آ رہے ہیں۔ اب تمہیں یہ کوشش کرنی ہے کہ اگلے معرکے میں آتش پرستوں کا کوئی سپاہی زندہ نہ جا سکے۔ ہلاک کرو یا پکڑ لو۔ میں کسریٰ کی فوج کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا ہوں۔"

"ہمارا اللہ یوں ہی کرے گا" — تین چار آوازیں سنائی دیں۔

"سب اللہ کے اختیار میں ہے" — خالدؓ نے کہا — "ہم اُسی کی خوشنودی کے لیے گھروں سے اتنی دُور آ گئے ہیں.... اب جو صورت ہمارے سامنے ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ یہ فیصلے جذبات سے نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے کہ فارسیوں کی جنگی طاقت اور تعداد جو اَب آ رہی ہے، ہم اس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں لیکن پسپائی کو دل سے نکال دو۔ تازہ اطلاعوں کے مطابق مدائن کی فوج دجلہ عبور کر آئی ہے۔ آج رات فرات کو بھی عبور کر لے گی پھر وہ ولجہ پہنچ جائے گی۔ ان کی دوسری فوج بھی آ رہی ہے۔ ہمارے جاسوس اُس کا کُوچ دیکھ رہے ہیں اور مجھے اطلاعیں دے رہے ہیں....

"خدائے ذوالجلال ہماری مدد کر رہا ہے۔ یہ اُسی کی ذاتِ باری کا کرم ہے کہ فارس کی یہ دوسری فوج جو ایک سالار بہمن خاذویہ کی زیرِ کمان آ رہی ہے، اُس کی رفتار تیز نہیں۔ وہ پڑاؤ زیادہ کر رہی ہے۔ ہم اپنی قلیل نفری سے اِن دونوں فوجوں سے ٹکر لے سکتے ہیں۔ میری عقل اگر صحیح کام کر رہی ہے تو میں یہی ایک طریقہ بہتر سمجھتا ہوں کہ مدائن کی فوج جو سالار اندرزغر کے ساتھ آ رہی ہے وہ ولجہ تک جلدی پہنچ جائے گی۔ پیشتر اس کے کہ بہمن کی فوج بھی اس سے آ ملے، ہم اندرزغر پر حملہ کر دیں گے۔ کیا میں نے بہتر سوچا ہے؟"

"اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا" — سالار عاصم نے کہا — "مجھے مدائن کی اس فوج میں ایک کمزوری نظر آ رہی ہے۔ اس فوج میں عیسائیوں کے قبیلوں کے لوگ بھی ہیں جو لڑنا تو جانتے ہوں گے لیکن انہیں جنگ اور باقاعدہ معرکے کا تجربہ نہیں۔ میں انہیں ایک مسلح ہجوم کہوں گا۔ دشمن کی دوسری کمزوری وہ سپاہی ہیں جو پچھلے معرکے سے بھاگے ہوئے مدائن کی فوج کو راستے میں ملے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ڈرے ہوئے ہوں گے۔ انہوں نے اپنے ہزاروں ساتھیوں کو تلواروں، تیروں اور برچھیوں کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ پسپائی کی صورت میں وہ سب سے پہلے بھاگیں گے۔"

"خدا کی قسم بن عمرو!" — خالدؓ نے پُرجوش آواز میں کہا — "تجھ میں وہ عقل ہے جو ہر بات سمجھ لیتی ہے" — خالدؓ نے ان سب پر نگاہ دوڑائی جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا — "تم میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو اس بات کو نہ سمجھ سکا ہو، لیکن دشمن کے اس پہلو کو نہ بھولنا کہ اُس کے پاس ساز و سامان، رسد اور کمک کی کمی نہیں۔ صرف اندرزغر کی فوج ہماری تعداد سے چھ گنا زیادہ ہے۔ میں نے جو طریقہ سوچا ہے یہ موزوں اور مؤثر ضرور ہو گا لیکن آسان نہیں۔ لڑنا سپاہ نے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں، پھر بھی انہیں اچھی طرح سمجھا دو کہ ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے اور ہم مدائن میں ہوں گے یا خدائے بزرگ و برتر کے حضور پہنچ جائیں گے۔"

☆

دو مؤرخوں، طبری اور یاقوت نے لکھا ہے کہ یہ فہم و فراست کی جنگ تھی۔ اگر تعداد اور ساز و سامان اور دیگر جنگی احوال و کوائف کو دیکھا جاتا تو آتش پرستوں اور مسلمانوں کا کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ خالدؓ کا چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ اُن کی راتیں گہری سوچ میں گذر رہی تھیں۔ خیمہ گاہ میں وہ چلتے چلتے رُک جاتے اور گہری سوچ میں کھو جاتے۔ انہیں زمین پر بیٹھ کر انگلی سے مٹی پر لکیریں ڈالتے ہوئے بھی دیکھا گیا۔ خالدؓ کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ وہ آتش پرستوں سے فیصلہ کن معرکہ لڑے بغیر واپس نہ آنے کا عہد کر چکے تھے۔

انہوں نے اپنی فوج کو حسبِ معمول تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح دائیں اور بائیں پہلوؤں پر سالار

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عاصم بن عمرو اور سالار عدی بن حاتم کو رکھا۔ اپنے ساتھ انہوں نے صرف ڈیڑھ ہزار نفری رکھی جن میں پیادے بھی تھے اور گھوڑ سوار بھی۔ اس تقسیم کے بعد انہوں نے کُوچ کا حکم دیا۔ یہ حکم انہوں نے جاسوسوں کی اِس اطلاع کے مطابق دیا کہ اندرزغر کی فوج دریائے فرات عبور کر رہی ہے۔ خالدؓ نے اپنی رفتار ایسی رکھی کہ آتش پرست ولجہ میں جونہی پہنچیں، وہ اُس کے سامنے ہوں۔ یہ جنگی فہم و فراست کا غیر معمولی مظاہرہ تھا۔

ایسے ہی ہُوا جیسے انہوں نے سوچا تھا۔ اندرزغر کی فوج ولجہ پہنچی تو اُسے خیمے گاڑنے کا حکم ملا کیونکہ اُسے بہمن کی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ فوج اتنے لمبے سفر کی تھکی ہوئی خیمے گاڑنے لگی اور اس کے ساتھ ہی شور بپا ہو گیا کہ بہمن جاذویہ کی فوج آ رہی ہے۔ تمام سپاہ اُس کے استقبال میں خوشی کا شور و غل مچانے لگی لیکن یہ شور اچانک خاموش ہو گیا۔

"یہ مدینہ کی فوج ہے" ۔۔۔ کسی نے بلند آواز سے کہا اور اس کے ساتھ کئی آوازیں سنائی دیں ۔۔۔ "دشمن آ گیا ہے ..... تیار ..... ہوشیار۔"

اندرزغر گھوڑے پر سوار آگے گیا اور اچھی طرح دیکھا۔ یہ خالدؓ کی فوج تھی اور جنگی ترتیب میں رہ کر پڑاؤ ڈال رہی تھی۔ یہ فوج خیمے نہیں گاڑ رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان لڑائی کے لیے تیار ہیں۔

"سالارِ اعلیٰ!" ۔۔۔ اندرزغر کو ایک سالار نے کہا ۔۔۔ "ہماری دوسری فوج نہیں پہنچی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی دُور ہے ورنہ ہم ان مسلمانوں کو ابھی کچل ڈالتے۔ یہ تیار ہیں اور ہماری سپاہ تھکی ہوئی ہے۔"

"کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ان کی تعداد کتنی تھوڑی ہے؟" ۔۔۔ اندرزغر نے کہا ۔۔۔ "بمشکل دس ہزار ہوں گے۔ میں انہیں چیونٹیوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا ..... ان کے گھوڑ سوار دستے کہاں ہیں؟"

"کہاں ہو سکتے ہیں!" ۔۔۔ اُس کے سالار نے کہا ۔۔۔ "کھُلا میدان ہے۔ جو کچھ ہے صاف نظر آ رہا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے ہمارے سالاروں اور کمانداروں کو ایک ایک کے چھ چھ نظر آتے رہے ہیں" ۔۔۔ اندرزغر نے کہا ۔۔۔ "شکست کھا کر بھاگنے والوں نے مدائن میں بتایا تھا کہ مسلمانوں کا رسالہ بڑا زبردست ہے اور اس کے سوار لڑنے کے اتنے ماہر ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہیں آتے ..... مجھے تو ان کا رسالہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"ہمیں جھوٹی اطلاعیں دی گئی ہیں" ۔۔۔ سالار نے کہا ۔۔۔ "ہم بہمن کا انتظار نہیں کریں گے۔ اُس کے آنے تک ہم ان مسلمانوں کو ختم کر چکے ہوں گے۔"

☆

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے گھوڑ سوار وہاں نہیں تھے۔ وہی تھوڑے سے سوار تھے جو پیادوں کے ساتھ تھے یا خالدؓ کے ساتھ کچھ گھوڑ سوار محافظ تھے۔ آتش پرستوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اندرزغر کے لیے یہ فتح بڑی آسان تھی۔ خالدؓ نے اتنی تھوڑی نفری کے ساتھ اتنے بڑے لشکر کے سامنے آ کر غلطی کی تھی۔

جس میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں وہ ہموار میدان تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں دو بلند ٹیکریاں تھیں۔ ایک ٹیکری آگے جا کر مُڑ گئی تھی۔ اس کے پیچھے ایک اور ٹیکری تھی۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کر رکھا تھا۔ اُدھر آتش پرست بھی جنگی ترتیب میں ہو گئے اور دونوں فوجوں کے سالار ایک دوسرے کا جائزہ لینے لگے۔

[illegible] پرستوں نے پیچھے دریا تھا لیکن اندرزغر نے اپنی فوج کو دریا سے تقریباً ایک میل دُور رکھا [illegible] آتش پرستوں کے پہلے سالاروں نے اپنا عقب دریا کے بہت قریب رکھا تھا تاکہ عقب محفوظ رہے لیکن اندرزغر نے اپنے عقب کی اتنی احتیاط نہ کی۔ اُسے یقین تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمان اُس کے [illegible] کریں گے۔

"زرتشت کے پجاریو!" ۔۔۔ اندرزغر نے اپنی سپاہ سے خطاب کیا ۔۔۔ "یہ ہیں وہ مسلمان جن سے ہمارے ساتھیوں نے شکست کھائی ہے۔ انہیں اپنی آنکھوں دیکھ لو۔ کیا ان سے شکست کھا کر تم ڈوب نہیں مرو گے؟ کیا تمہیں انہیں فوج کہو گے؟ یہ ڈاکوؤں اور لٹیروں کا گروہ ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ جائے۔"

وہ دن یوں ہی گزر گیا۔ سالار ایک دوسرے کی فوج کو دیکھتے اور اپنی اپنی فوج کی ترتیب سیدھی کرتے رہے۔

اگلے روز خالدؓ نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ فارس کی فوج تہہ در تہہ کھڑی تھی۔ مسلمانوں کا حملہ تیز اور شدید تھا لیکن دشمن کی تعداد اتنی زیادہ تھی مسلمانوں کو پیچھے ہٹ آنا پڑا۔ دشمن نے اپنی اگلی صف کو پیچھے کر کے تازہ دم سپاہیوں کو آگے کر دیا۔

☆

خالدؓ نے ایک اور حملے کے لیے اپنے چند ایک دستوں کو آگے بھیجا۔ گھمسان کا معرکہ ہُوا لیکن مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ آتش پرستوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ نیم زرہ پوش بھی تھے۔ مسلمانوں کو یوں محسوس ہُوا جیسے وہ ایک دیوار سے ٹکرا کر واپس آ گئے ہوں۔

خالدؓ نے کچھ دیر اور حملے جاری رکھے مگر مجاہدین تھکن محسوس کرنے لگے۔ متعدد مجاہدین زخمی ہو کر بیکار ہو گئے۔ خالدؓ نے اس خیال سے کہ اُن کی فوج حوصلہ نہ ہار بیٹھے، خود حملے کے لیے سپاہیوں کے ساتھ جانے لگے۔ اس سے مسلمانوں کا جذبہ تو قائم رہا لیکن اُن کے جسم شل ہو گئے۔ آتش پرست اُن پر قہقہے لگا رہے تھے۔

اُس وقت تک مسلمانوں نے خالدؓ کی زیرِ کمان جتنی لڑائیاں لڑی تھیں اُن میں یہ پہلی لڑائی تھی جس میں مسلمانوں نے اپنے سالار کے خلاف احتجاج کیا۔ احتجاج دبا دبا سا تھا لیکن فوج میں بے اطمینانی سی صاف نظر آنے لگی۔ خالدؓ جیسے عظیم سالار کے خلاف سپاہیوں کی بے اطمینانی عجیب سی بات تھی۔ وہ پوچھتے تھے کہ اپنا سوار دستہ کہاں ہے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ خالدؓ اپنے مخصوص انداز سے نہیں لڑ رہے۔ خالدؓ سپاہیوں کی طرح ہر حملے میں آگے جاتے تھے، پھر بھی اُن کے سپاہیوں کو کسی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔ دشمن کی اتنی زیادہ نفری دیکھ کر بھی مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ انہیں شکست نظر آنے لگی تھی۔

آتش پرستوں نے ابھی ایک بھی حملہ نہیں بولا تھا۔ اندرزغر مسلمانوں کو تھکا کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مسلمان تھک چکے تھے۔ خالدؓ اپنی فوج کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے انہوں نے حملے روک دیئے تھے۔ وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا چال چلیں کہ آتش پرستوں کی طرف سے ایک دیو ہیکل آدمی آگے آیا اور اُس نے مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ جس میں میرے مقابلے کی ہمت ہے آگے آ جائے۔

یہ ہزار مرد پہلوان اور تیغ زن تھا۔ فارس میں "ہزار مرد" کا لقب اُس جنگجو پہلوان کو دیا جاتا تھا جسے کوئی شکست نہیں دے سکتا تھا۔ "ہزار مرد" کا مطلب تھا کہ یہ ایک آدمی ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔

[illegible] آگے گیا کر کے مسلمانوں کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں میں اُس کے مقابلے [illegible] کرنے والا کوئی نہ تھا۔ خالدؓ [illegible] سے تلوار نکالی اور [illegible] سامنے جا پہنچے۔ کچھ دیر [illegible]

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دونوں کی تلواریں ٹکراتی رہیں اور دونوں پینترے بدلتے رہے۔ آتش پرست پہلوان مست بھینسا لگتا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت تھی کہ اُس کا ایک وار انسان کو دو حصّوں میں کاٹ دیتا۔ خالدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وار کم کر دیئے اور اُسے وار کرنے کا موقع دیتے رہے تاکہ وہ تھک جائے۔ اُس پر انہوں نے یہ ظاہر کیا جیسے وہ خود تھک کر چُور ہو گئے ہوں۔

ایرانی پہلوان خالدؓ کو کمزور اور تھکا ہُوا آدمی سمجھ کر اُن کے ساتھ کھیلنے لگا۔ کبھی تلوار گُھما کر، کبھی اوپر سے نیچے کو وار کرتا اور کبھی وار کرتا اور ہاتھ روک لیتا۔ وہ طنزیہ کلامی بھی کر رہا تھا۔ وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں لاپرواہ سا ہو گیا۔ ایک بار اُس نے تلوار یوں گھمائی جیسے خالدؓ کی گردن کاٹ دے گا۔ خالدؓ یہ وار اپنی تلوار پر روکنے کی بجائے تیزی سے پیچھے ہٹ گئے۔ پہلوان کا وار خالی گیا تو وہ گھوم گیا۔ اس کا پہلو خالدؓ کے آگے ہو گیا۔ خالدؓ اسی کے انتظار میں تھے۔ انہوں نے نوک کی طرف سے پہلوان کے پہلو میں تلوار کا اس طرح وار کیا کہ برچھی کی طرح تلوار اُس کے پہلو میں اُتار دی۔ وہ گرنے لگا تو خالدؓ نے اُس کے پہلو سے تلوار کھینچ کر ایسا ہی ایک اور وار کیا اور تلوار اُس کے پہلو میں دُور اندر تک لے گئے۔

طبری اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ پہلوان گرا اور مر گیا۔ خالدؓ اُس کے سینے پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اُنہیں کھانا دیا جائے۔ اُنہیں کھانا دیا گیا جو اُنہوں نے "ہزار مرد" کی لاش پر بیٹھ کر کھایا۔ اس انفرادی معرکے نے مسلمانوں کے حوصلے میں جان ڈال دی۔

☆

آتش پرست سالار اندرزغر نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمان تھک گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے حملے کا حکم دے دیا۔ اسے بجا طور پر اپنی فتح کی پوری امید تھی۔ آتش پرست سمندر کی موجوں کی طرح آئے۔ مسلمانوں کو اب کچلے جانا تھا۔ انہوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ ایک ایک مسلمان کا مقابلہ دس دس بارہ بارہ آتش پرستوں سے تھا۔ اب ہر مسلمان ذاتی جنگ لڑ رہا تھا۔ اس کے باوجود اُنہوں نے ڈسپلن کا دامن نہ چھوڑا اور بھگدڑ نہ مچنے دی۔

اس موقع پر بھی سپاہیوں کو خیال آیا کہ خالدؓ اپنے پہلوؤں کو اُس طریقے سے کیوں استعمال نہیں کرتے جو اُن کا مخصوص طریقہ تھا۔ خالدؓ خود سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے اور اُن کے کپڑوں پر خون تھا جو اُن کے کسی زخم سے نکل رہا تھا۔

چونکہ ایرانیوں کی نفری زیادہ تھی اس لیے جانی نقصان اُنہی کا زیادہ ہو رہا تھا۔ اندرزغر نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور تازہ دم دستوں سے دوسرا حملہ کیا۔ یہ حملہ زیادہ نفری کا تھا۔ مسلمان اُن میں نظر ہی نہیں آتے تھے۔ اندرزغر کا یہ عہد پورا ہو رہا تھا کہ ایک بھی مسلمان کو زندہ نہیں جانے دیں گے۔ اندرزغر نے مسلمانوں کا کام جلدی تمام کرنے کے لیے مزید دستوں کو ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ اب تو مسلمانوں کے لیے بھاگ نکلنا بھی ممکن نہ رہا۔ وہ اب زخمی شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔

خالدؓ اس معرکے سے نکل گئے تھے۔ اُن کا عَلم بردار اُن کے ساتھ تھا۔ انہوں نے عَلم اپنے ہاتھ میں لے کر اُوپر کیا اور ایک بار دائیں اور ایک بار بائیں کیا پھر عَلم عَلم بردار کو دے دیا۔ یہ ایک اشارہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی میدانِ جنگ کے پہلوؤں میں جو ٹیکریاں تھیں، ان میں سے دو ہزار گھوڑسوار

نکلے۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جو اُنہوں نے آگے کر لیں۔ گھوڑے سرپٹ دوڑے آ رہے تھے۔ وہ ایک ترتیب میں ہو کر آتش پرستوں کے عقب میں آ گئے۔ جنگ کے شور و غل میں آتش پرستوں کو اُس وقت پتہ چلا کہ اُن پر عقب سے حملہ ہو گیا ہے جب مسلمانوں کے گھوڑسوار اُن کے سر پر آ گئے تھے۔

یہ تھے مسلمانوں کے وہ سوار دستے جنہیں اندرزغر ڈھونڈ رہا تھا۔ خود خالدؓ کی سپاہ پوچھ رہی تھی کہ اپنے سوار دستے کہاں ہیں۔ خالدؓ نے اپنی نفری کی کمی اور دشمن کی نفری کی افراط دیکھ کر یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ رات کو تمام گھوڑسواروں کو ٹیکری کے عقب میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ اپنی فوج کو بھی پتہ نہ چل سکے۔ اُن کے لیے عَلم کے دائیں بائیں ہلنے کا اشارہ مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کو ایسی جگہ چھپایا گیا تھا جو دشمن سے ڈیڑھ میل کے لگ بھگ دُور تھی۔ وہاں سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز دشمن تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رات کو گھوڑوں کے منہ باندھ دیئے گئے تھے۔ ان دو ہزار گھوڑسواروں کے کماندار بُسر بن ابی رہم اور سعید بن مرّہ تھے۔ جب صبح لڑائی شروع ہوئی تھی تو ان دونوں کمانداروں نے گھوڑسواروں کو پابرکاب کر دیا اور خود ایک ٹیکری پر کھڑے ہو کر اشارے کا انتظار کرتے رہے تھے۔

آتش پرستوں پر عقب سے قیامت ٹوٹی تو خالدؓ نے اگلی چال چلی جو پہلے سے طے کی ہوئی تھی۔ پہلوؤں کے سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم نے لڑتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بچا کر رکھا ہُوا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے۔ جب گھوڑسواروں نے عقب سے دشمن پر ہلّہ بولا تو پہلوؤں کے اِن دونوں سالاروں نے اپنے اپنے پہلو پھیلا کر آتش پرستوں کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے خالدؓ نے اپنا محفوظہ بھی معرکے میں پہلے ہی جھونک دیا تھا۔

آتش پرستوں کے فتح کے نعرے آہ و بکا میں تبدیل ہو گئے۔ مسلمان گھوڑسواروں کی برچھیاں انہیں کاٹتی اور گراتی جا رہی تھیں۔ دشمن میں بھگدڑ تو اُن ہزاروں عیسائیوں نے مچائی جنہیں جنگ کا تجربہ نہیں تھا، اور اس بھگدڑ میں اضافہ دشمن کے اُن سپاہیوں نے کیا جو پہلے معرکوں سے بھاگے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اب مسلمانوں کے نعرے گرج رہے تھے۔ جنگ کا پانسہ ایسا پلٹا کہ زرتشت کی آگ سرد ہو گئی۔ بعض مؤرخوں نے ولجہ کے معرکے کو ولجہ کا جہنّم لکھا ہے۔ آتش پرستوں کے لیے یہ معرکہ جہنّم سے کم نہ تھا۔ اتنا بڑا لشکر ڈری ہوئی بھیڑ بکریوں کی صورت اختیار کر گیا۔ وہ بھاگ رہے تھے کٹ رہے تھے۔ گھوڑوں تلے روندے جا رہے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اندرزغر زندہ بھاگ گیا لیکن مدائن کی طرف جانے کی بجائے اُس نے صحرا کا رُخ کر لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ واپس گیا تو اُردشیر اُسے جلّاد کے حوالے کر دے گا۔ وہ صحرا میں بھٹکتا رہا اور بھٹکتا بھٹکتا مر گیا۔

دوسرے آتش پرست سالار بہمن جاذویہ کی فوج ابھی تک ولجہ نہیں پہنچی تھی۔ مسلمانوں کو ابھی ایک اور معرکہ لڑنا تھا۔

آتش پرستوں کے دوسرے سالار بہمن جاذویہ کو بھی ولجہ پہنچنا تھا اور کسریٰ اُردشیر کے حکم کے مطابق اُس کے لشکر کو اپنے ساتھی سالار اندرزغر کے لشکر کے ساتھ مل کر خالدؓ کے لشکر پر حملہ کرنا تھا مگر وہ ولجہ سے کئی میل دور تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہ اور اندرزغر مسلمانوں کو تو کچل ہی دیں گے، جلدی کیا ہے۔ اُس کا لشکر آخری پڑاؤ سے چلنے لگا تو چار پانچ سپاہی پڑاؤ میں داخل ہُوتے۔ ان میں دو زخمی تھے اور جو زخمی نہیں تھے، اُن کی سانسیں پھولی ہُوئی تھیں۔ تھکن اتنی کہ وہ قدم گھسیٹ رہے تھے۔ چہروں پر خوف اور شب بیداری کے تاثرات تھے اور ان تاثرات پر دُھول کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔

"کون ہو تم؟" — اُن سے پوچھا گیا۔ "کہاں سے آ رہے ہو؟"

"ہم سالار اندرزغر کے لشکر کے سپاہی ہیں" — ان میں سے ایک نے تھکن اور خوف سے کانپتی ہُوئی آواز میں کہا۔

"سب مارے گئے ہیں" — دوسرے نے کہا۔

"وہ انسان نہیں ہیں" — ایک اور کراہتے ہُوتے بولا — "تم نہیں مانو گے ..... تم یقین نہیں کرو گے دوستو!"

"یہ جھوٹ بولتے ہیں" — جاذویہ کے لشکر کے ایک کماندار نے کہا — "یہ بھگوڑے ہیں اور سب کو ڈرا کر بے قصور بن رہے ہیں۔ انہیں سالار کے پاس لے چلو۔ ہم ان کے سر قلم کر دیں گے۔ یہ بزدل ہیں۔"

انہیں سالار بہمن جاذویہ کے سامنے لے گئے۔

"تم کون سی لڑائی لڑ کر آ رہے ہو؟" — جاذویہ نے کہا — "لڑائی تو ابھی شروع ہی نہیں ہُوتی۔ میرا لشکر تو ابھی ....!"

"محترم سالار!" — ایک نے کہا — "جس لڑائی میں آپ نے شامل ہونا تھا وہ ختم ہو چکی ہے۔ سالار اندرزغر لاپتہ ہیں۔ ہمارا تیغ زن پہلوان ہزار مرد مسلمانوں کے سالار کے ہاتھوں مارا گیا ہے.... ہم جیت رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس گھوڑسوار دستے تھے ہی نہیں۔ ہمیں حکم ملا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو کاٹ دو۔ اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ ہم ان کے جسموں کی بوٹیاں بکھیرنے کے لیے نعرے لگاتے اور خوشی کی چیخیں بلند کرتے آگے بڑھے۔ جب ہم اُن سے اُلجھ گئے تو ہمارے پیچھے سے نہ جانے کتنے ہزار گھوڑسوار ہم پر آ پڑے، پھر ہم میں سے کسی کو اپنی ہوش نہ رہی۔"

"سالارِ عالی مقام!" — زخمی سپاہی نے ہانپتے ہُوتے کہا — "سب سے پہلے ہمارا جھنڈا گرا۔ کوئی حکم دینے والا نہ رہا۔ ہر طرف نفسا نفسی اور بھگدڑ تھی۔ مجھے اپنوں کی صرف لاشیں نظر آتی تھیں۔"

"میں کس طرح یقین کر لوں کہ اتنے بڑے لشکر کو اتنے چھوٹے لشکر نے شکست دی ہے؟" — جاذویہ نے کہا۔

اتنے میں اُسے اطلاع دی گئی کہ چند اور سپاہی آ رہے ہیں۔ انہیں بھی اُس کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ یہ تیرہ چودہ سپاہی تھے۔ اُن کی حالت اتنی بُری تھی کہ تین چار گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گئے۔

"تم مجھے ان میں سب سے زیادہ پرانے سپاہی نظر آتے ہو" — جاذویہ نے ایک ادھیڑ عمر سپاہی سے جس کا جسم توانا تھا، کہا — "کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ میں نے جو سُنا ہے یہ کہاں تک سچ ہے؟..... تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ بزدلی کی، میدانِ جنگ سے بھاگ آنے کی اور جھوٹ بولنے کی سزا کیا ہے؟"

"اگر آپ نے یہ سنا ہے کہ سالار اندرزغر کی فوج مدینہ کی فوج کے ہاتھوں کٹ گئی ہے تو ایسے ہی سچ ہے جیسے آپ سالار ہیں اور میں سپاہی ہوں" — اس پرانے سپاہی نے کہا — "اور یہ ایسے ہی سچ ہے جیسے وہ آسمان پر سورج ہے اور ہم سب زمین پر کھڑے ہیں..... میں نے مسلمانوں کے خلاف یہ تیسری لڑائی لڑی ہے۔ ان کی نفری تینوں لڑائیوں میں کم تھی..... بہت کم تھی..... زرتشت کی قسم! میں جھوٹ بولوں تو یہ آگ مجھے جلا دے جس کی میں پُوجا کرتا ہُوں۔ اُن کے پاس کوئی ایسی طاقت ہے جو نظر نہیں آتی۔ اُن کی یہ طاقت اُس وقت ہم پر حملہ کرتی ہے جب انہیں شکست ہونے لگتی ہے۔"

"مجھے اس لڑائی کا بتاؤ" — سالار بہمن جاذویہ نے کہا — "تمہارے لشکر کو شکست کس طرح ہُوئی؟"

اس سپاہی نے پُوری تفصیل سے سنایا کہ کس طرح مسلمان اچانک سامنے آ گئے اور اُنہوں نے حملہ کر دیا اور اس کے بعد یہ معرکہ کس طرح لڑا گیا۔

"اُن کی وہ جو طاقت ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے" — سپاہی نے کہا — "وہ گھوڑسوار دستے کی صورت میں سامنے آئی۔ اس دستے میں ہزاروں گھوڑے تھے۔ ان کے حملے سے پہلے یہ گھوڑے کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اتنے ہزار گھوڑوں کو کہیں چھپایا نہیں جا سکتا۔ ہمارے پیچھے دریا تھا۔ گھوڑے دریا کی طرف سے آتے اور ہمیں اُس وقت پتہ چلا جب مسلمان سواروں نے ہمیں کاٹنا اور گھوڑوں تلے روندنا شروع کر دیا تھا..... عالی مقام! یہ ہے وہ طاقت جس کی میں بات کر رہا ہُوں۔"

◁

"تم میں ایمان کی طاقت ہے" — خالدؓ اپنے لشکر سے خطاب کر رہے تھے — "یہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا فرمان ہے کہ تم میں صرف بیس ایمان والے ہُوتے تو وہ دو سو کفّار پر غالب آئیں گے۔"

آتش پرستوں کا لشکر اور اُن کے ساتھی عیسائی بھاگ کر دُور نکل گئے تھے۔ میدانِ جنگ میں لاشیں بکھری ہُوئی تھیں اور ایک طرف مالِ غنیمت کا انبار لگا ہُوا تھا۔ خالدؓ اس انبار کے قریب اپنے گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے خطاب کر رہے تھے۔

"خُدا کی قسم!" — خالدؓ کہہ رہے تھے — "قرآن کا فرمان تم سب نے عملی صُورت میں دیکھ لیا ہے۔ کیا تم آتش پرستوں کے لشکر کو دیکھ کر گھبرا نہیں گئے تھے؟ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ یہ کمال خالدؓ بن ولید کا تھا کہ اُس نے اپنے سواروں کو چھپا کر رکھا ہُوا تھا اور انہیں اُس وقت استعمال کیا جب دشمن مسلمانوں کو کاٹنے اور کچلنے کے لیے آگے بڑھ آیا تھا... لیکن میں کہتا ہُوں کہ یہ کرشمہ ایمان کی قوت کا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھا۔ خُدا اُن کے ساتھ ہوتا ہے جو اُس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ایمان لاتے ہیں۔ میرے دوستو! ہمیں اور آگے جانا ہے۔ یہ آتش پرستوں کی نہیں، اللہ کی سرزمین ہے اور ہمیں زمین کے آخری سرے تک اللہ کا پیغام پہنچانا ہے۔"

میدانِ جنگ فتح و نصرت کے نعروں سے گونج رہا تھا۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنی سپاہ میں مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ معلوم ہُوا کہ اب کے مالِ غنیمت پہلی دونوں جنگوں کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ خالدؓ نے حسبِ معمول مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے مدینہ بھجوا دیا۔

اُس وقت تک آتش پرستوں کے سالار بہمن جاذویہ کو پوری طرح یقین آگیا تھا کہ اندرزغر کا لشکر مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گیا ہے اور اندرزغر ایسا بھاگا ہے کہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ بہمن جاذویہ نے اپنے ایک سالار جابان کو بلایا۔

"تم اندرزغر کا انجام سن چکے ہو"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "ہمارے لیے کسریٰ کا حکم یہ تھا کہ ہم ولجہ میں اندرزغر کے لشکر سے جا ملیں۔ اب وہ صورت ختم ہو گئی ہے۔ کیا تم نے سوچا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"ہم اور جو کچھ بھی کریں"۔۔۔ جابان نے کہا۔۔۔ "ہمیں بھاگنا نہیں چاہیے۔"

"لیکن جابان!"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "ہمیں اب کوئی کارروائی اندھا دُھند بھی نہیں کرنی چاہیے۔ مُسلمان ہمیں تیسری بار شکست دے چکے ہیں۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ وہ وقت گزر گیا ہے جب ہم مدینہ کے لشکر کو صحرائی لٹیرے اور بدّو کہا کرتے تھے؟ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہو گا۔"

"ہماری ان تینوں شکستوں کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا جو بھی سالار مدینہ والوں سے ٹکر لینے گیا، وہ اس انداز سے گیا جیسے وہ چند ایک صحرائی قزاقوں کی سرکوبی کے لیے جا رہا ہو"۔۔۔ جابان نے کہا۔۔۔ "جو بھی گیا وہ دشمن کو حقیر اور کمزور جان کر گیا۔ ہماری آنکھیں پہلی شکست میں ہی کھُل جانی چاہئیں تھیں لیکن ایسا نہ ہُوا۔۔۔۔ آپ نے بھی تو کچھ سوچا ہو گا۔"

"سب سے پہلی سوچ تو مجھے یہ پریشان کر رہی ہے"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "کہ کسریٰ اُردشیر بیمار پڑا ہے۔ میں جانتا ہوں اُسے پہلی دو شکستوں کے صدمے نے بستر پر ڈال دیا ہے۔ ایک اور شکست کی خبر اُسے لے ڈوبے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شکست کی خبر پہنچانے والے کو وہ قتل ہی کرا دے۔"

"لیکن جاذویہ!"۔۔۔ جابان نے کہا۔۔۔ "ہم کسریٰ کی خوشنودی کے لیے نہیں لڑ رہے۔ ہمیں زرتشت کی عظمت اور آن کی خاطر لڑنا ہے۔"

"میں تم سے ایک مشورہ لینا چاہتا ہوں جابان!"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔۔۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ کسریٰ نے ہمیں جو حکم دیا تھا وہ بے مقصد ہو چکا ہے۔ میں مدائن چلا جاتا ہوں۔ کسریٰ سے نیا حکم لوں گا۔ میں اُس کے ساتھ کچھ اور باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اُسے بھی یہ کہنے کی عادت ہو گئی ہے کہ جاؤ اور مسلمانوں کو کچل ڈالو۔ اُسے ابھی تک کسی نے بتایا نہیں کہ جنگی طاقت صرف ہمارے پاس نہیں۔ میں نے مان لیا ہے کہ لڑنے کی جتنی اہلیت اور جتنا جذبہ مسلمانوں میں ہے وہ ہمارے ہاں ناپید ہے۔۔۔۔ جابان! طاقت کے گھمنڈ سے کسی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔"

"میں بھی اسی کو بہتر سمجھوں گا"۔۔۔ جابان نے کہا۔۔۔ "آپ کُوچ کو روک دیں اور مدائن چلے جائیں۔"

"کُوچ روک دو"۔۔۔ جاذویہ نے حکم کے لہجے میں کہا۔۔۔ "لشکر کو یہیں خیمہ زن کر دو۔ میری واپسی تک تم لشکر کے سالار ہو گے۔"

"اگر آپ کی غیر حاضری میں مسلمان یہاں تک پہنچ گئے یا اُن سے آمنا سامنا ہو گیا تو میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟"۔۔۔ جابان نے پوچھا۔۔۔ "کیا میں اُن سے لڑوں یا آپ کے آنے تک جنگ شروع نہ کروں؟"

"تمھاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ میری واپسی تک تصادم نہ ہو"۔۔۔ جاذویہ نے کہا۔

آتش پرستوں کے لشکر کا کوچ روک کر اسے وہیں خیمہ زن کر دیا گیا اور بہمن جاذویہ اپنے محافظ دستے کے چند ایک گھوڑ سواروں کو ساتھ لے کر مدائن کو روانہ ہو گیا۔

▽

بکر بن وائل کی بستیوں میں ایک طرف گریہ وزاری تھی اور دوسری طرف جوش و خروش اور جذبۂ انتقام کی للکار۔ اس عیسائی قبیلے کے وہ ہزاروں آدمی جو للکارتے اور نعرے لگاتے ہُوئے آتش پرست لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکالنے گئے تھے، وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر اپنی بستیوں کو چلے گئے تھے۔ یہ وہ تھے جو زندہ نکل گئے تھے۔ ان کے کئی ساتھی مارے گئے تھے۔ ان میں بعض زخمی تھے جو اپنے آپ کو گھسیٹتے آ رہے تھے مگر راستے میں مر گئے تھے۔

یہ عیسائی جب سر جھکاتے ہُوئے اپنی بستیوں میں پہنچنے لگے تو گھر گھر سے عورتیں، بچے اور بوڑھے نکل آئے۔ ان شکست خوردہ ٹولیوں میں عورتیں اپنے بیٹوں، بھائیوں اور خاوندوں کو ڈھونڈنے لگیں۔ بچے اپنے باپوں کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہیں پہلا صدمہ تو یہ ہُوا کہ وہ پِٹ کر لَوٹے تھے، پھر صدمہ اُنہیں ہُوا جن کے عزیز واپس نہیں آ رہے تھے۔ بستیوں میں عورتوں کی آہ و فغاں سنائی دینے لگی۔ وہ اونچی آواز میں روتی تھیں۔

"پھر تم زندہ کیوں آ گئے ہو؟"۔۔۔ ایک عورت نے شکست کھا کر آنے والوں سے چلّا چلّا کر کہا۔۔۔ "تم اُن کے خون کا بدلہ لینے کے لیے وہیں کیوں نہیں رہے؟"

یہ آواز کئی عورتوں کی آواز بن گئی، پھر عورتوں کی یہی للکار سنائی دینے لگی۔۔۔ "تم نے بکر بن وائل کا نام ڈبو دیا ہے۔ تم نے اُن مسلمانوں سے شکست کھائی ہے جو اسی قبیلے کے ہیں۔۔۔۔ جاؤ اور شکست کا انتقام لو۔۔۔۔ مثنیٰ بن حارثہ کا سر کاٹ کر لاؤ جس نے ایک ہی قبیلے کو دو دھڑوں میں کاٹ دیا ہے۔"

مثنیٰ بن حارثہ اسی قبیلے کا ایک سردار تھا۔ اُس نے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور اُس کے زیرِ اثر اس قبیلے کے ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ ان مسلمانوں میں سے کئی خالدؓ کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ اِس طرح ایک ہی قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔

طبری اور ابنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ شکست خوردہ عیسائی اپنی عورتوں کے طعنوں اور اُن کی للکار سے متاثر ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بیشتر مؤرخین نے لکھا ہے کہ عیسائیوں

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

کو اس لیے بھی طیش آیا تھا کہ ان کے اپنے قبیلے کے کئی ایسے افراد نے اسلام قبول کر لیا تھا جن کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن وہی افراد اسلامی فوج میں جا کر ایسی طاقت بن گئے تھے کہ فارس جیسی طاقتور شہنشاہی کو نہ صرف للکار رہے تھے بلکہ اُسے تیسری شکست دے چکے تھے۔

"اب ان لوگوں کو اپنے مذہب میں واپس لانا بہت مشکل ہے" — بجر بن وائل کے ایک سردار عبدالاسود عجلی نے کہا — "ان کا ایک ہی علاج ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔"

عبدالاسود بنو عجلان کا سردار تھا۔ یہ بھی بجر بن وائل کی شاخ تھی اس لیے وہ عجلی کہلاتا تھا۔ مانا ہوا جنگجو عیسائی تھا۔

"کیا تم مسلمانوں کے قتل کو آسان سمجھتے ہو؟" — ایک بوڑھے عیسائی نے کہا — "میدانِ جنگ میں تم انہیں پیٹھ دکھا آئے ہو۔"

"میں ایک مشورہ دیتا ہوں" — اس قبیلے کے ایک اور بڑے نے کہا — "ہمارے ساتھ جو مسلمان رہتے ہیں، انہیں ختم کر دیا جائے۔ پہلے انہیں کہا جائے کہ عیسائیت میں واپس آ جائیں اگر انکار کریں تو انہیں خفیہ طریقوں سے قتل کیا جائے۔"

"نہیں" — عبدالاسود نے کہا — "کیا تم بھول گئے ہو کہ ہمارے قبیلے کے ان مسلمانوں نے خفیہ کارروائیوں سے فارس کی شہنشاہی میں کیسی تباہی مچائی تھی۔ انہوں نے کتنی دلیری سے فارس کی فوجی چوکیوں پر حملے کیے تھے۔ انہوں نے کسریٰ کی رعایا ہو کر کسریٰ کی فوج کے کئی کمانداروں کو قتل کر دیا تھا۔ اگر تم نے یہاں کسی ایک مسلمان کو خفیہ طریقے سے قتل کیا تو مثنیٰ بن حارثہ کا گروہ خفیہ طریقوں سے تمہارے بچے بچے کو قتل کر جائے گا اور تمہارے گھروں کو آگ لگا دے گا۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"پھر ہم انتقام کس طرح لیں گے؟" — ایک نے پوچھا — "تمہارے لیے تو انتقام بہت ہی ضروری ہے کیونکہ تمہارے دو جوان بیٹے ولجہ کی لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔"

"شہنشاہِ فارس اور مسلمانوں کی اپنی جنگ ہے" — عبدالاسود نے کہا — "ہم اپنی جنگ لڑیں گے لیکن فارس کی فوج کی مدد کے بغیر شاید ہم مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکیں گے۔ اگر تم لوگ مجھے اجازت دو تو میں مدائن جا کر شہنشاہِ فارس سے ملوں گا۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ وہ ہمیں مدد دے گا۔ اگر اس نے مدد نہ دی تو ہم اپنی فوج بنا کر لڑیں گے۔ تم ٹھیک کہتے ہو، مجھے مسلمانوں سے اپنے دو بیٹوں کے خون کا حساب چکانا ہے۔"

عیسائیوں کے سرداروں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ جس قدر لوگ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو سکیں وہ دریائے فرات کے کنارے اُلیّس کے مقام پر اکٹھے ہو جائیں اور ان کا سردارِ اعلیٰ عبدالاسود عجلی ہو گا۔ قبیلہ بجر بن وائل اور اس کے ذیلی قبیلوں کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ ان کے زخم تازہ تھے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کے گھروں میں ماتم ہو رہا تھا۔ ان حالات اور اس جذباتی کیفیت میں نوجوان بھی اور وہ بوڑھے بھی جو اپنے آپ کو لڑنے کے قابل سمجھتے تھے، لڑنے کے لیے نکل آئے۔ یہ لوگ اس قدر بھڑکے ہوئے تھے کہ جوان لڑکیاں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

عراقی عیسائیوں کے عزائم جنگی تیاریاں اور اُلیّس کے مقام پر اُن کا ایک فوج کی صورت میں اجتماع خالدؓ سے پوشیدہ نہیں تھا۔ خالدؓ کی فوج وہاں سے دُور تھی لیکن اُنہیں دشمن کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع مل رہی تھی۔ اُن کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائیوں کے علاقے میں عرب کے مسلمان بھی رہتے تھے۔ اُن کی ہمدردیاں مدینہ کے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کو دیکھ کر اُنہیں آتش پرستوں سے آزادی اور دہشت گردی سے نجات بڑی صاف نظر آنے لگی تھی۔ وہ دل و جان سے مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ وہ کسی کے حکم کے بغیر خالدؓ کے لیے جاسوسی کر رہے تھے۔

خالدؓ کے لشکر کے حوصلے بلند تھے۔ اتنی بڑی جنگی طاقت پر مسلسل تین فتوحات نے اور بے شمار مالِ غنیمت نے اور اسلامی جذبے نے اُن کے حوصلوں کو تر و تازہ رکھا ہوا تھا لیکن خالدؓ جانتے تھے کہ اُن کے مجاہدین کی جسمانی حالت ٹھیک نہیں۔ مجاہدین کے لشکر کو آرام ملا ہی نہیں تھا۔ وہ کوچ اور پیش قدمی کی حالت میں رہے یا میدانِ جنگ میں لڑتے رہے تھے۔

"انہیں مکمل آرام کرنے دو" — خالدؓ اپنے سالاروں سے کہہ رہے تھے — "ان کی ہڈیاں بھی دُکھ رہی ہوں گی۔ جتنے بھی دن ممکن ہو سکا میں انہیں آرام کی حالت میں رکھوں گا..... اور ان دستوں کو بھی یہیں بلا لو جنہیں ہم دجلہ کے کنارے دشمن پر نظر رکھنے کے لیے چھوڑ آئے تھے..... تم میں مجھے مثنیٰ بن حارثہ نظر نہیں آ رہا۔"

"وہ گذشتہ رات سے نظر نہیں آیا" — ایک سالار نے جواب دیا۔

ایک گھوڑے کے ٹاپ سنائی دیئے جو قریب آ رہے تھے۔ گھوڑا خالدؓ کے خیمے کے قریب آ کر رکا۔

"مثنیٰ بن حارثہ آیا ہے" — کسی نے خالدؓ کو بتایا۔

مثنیٰ گھوڑے سے کود کر اُترا اور دوڑتا ہوا خالدؓ کے خیمے میں داخل ہوا۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ نے پرجوش آواز میں کہا اور بیٹھنے کی بجائے خیمے میں ٹہلنے لگا۔

"خدا کی قسم ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے مسکراتے ہوئے کہا — "تیری چال ڈھال اور تیرا جوش بتا رہا ہے کہ تجھے کہیں سے خزانہ مل گیا ہے۔"

"خزانے سے زیادہ قیمتی خبر لایا ہوں ابنِ ولید!" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "میرے قبیلے کے عیسائیوں کا ایک لشکر تیار ہو کر اُلیّس کے مقام پر جمع ہونے کے لیے چلا گیا ہے۔ ان کے سرداروں نے دروازے بند کر کے ہمارے خلاف جو منصوبہ بنایا ہے وہ مجھ تک پہنچ گیا ہے۔"

"کیا یہی خبر لانے کے لیے تو رات سے کسی کو نظر نہیں آیا؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں" — مثنیٰ نے جواب دیا — "وہ میرا قبیلہ ہے۔ میں جانتا تھا کہ میرے قبیلے کے لوگ انتقام لیے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ میں اپنا حلیہ بدل کر اُن کے پیچھے چلا گیا تھا۔ جس مکان میں بیٹھ کر اُنہوں نے ہمارے خلاف لڑنے کا منصوبہ بنایا ہے، میں اُس کے ساتھ والے مکان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں وہاں سے پوری خبر لے کر نکلا ہوں..... دوسری اطلاع یہ ہے کہ اُن کے سردار اس مقصد کے لیے مدائن چلے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

گئے ہیں کہ وہ اُردشیر سے فوجی مدد لے کر ہم پر حملہ کریں گے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ میں اپنے لشکر کو آرام کی مہلت نہیں دے سکوں گا"___ خالدؓ نے کہا ___"کیا تم پسند نہیں کرو گے کہ جس طرح ہم نے ولجہ میں آتش پرستوں کو تیاری کی مہلت نہیں دی تھی اسی طرح ہم عیسائیوں اور آتش پرستوں کے اجتماع سے پہلے ہی اُن پر حملہ کردیں؟"

"خدا تیری عمر دراز کرے ابنِ ولید!"___ مثنیٰ نے کہا ___"طریقہ یہی بہتر ہے کہ دشمن کا سر اُٹھنے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔"

خالدؓ نے اپنے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا جیسے وہ اُن سے مشورہ مانگ رہا ہو۔

"ہونا تو ایسا ہی چاہیے"___ سالار عاصم بن عمرو نے کہا ___"لیکن لشکر کی جسمانی حالت دیکھ لیں۔ کیا ہمارے لیے یہ فائدہ مند نہ ہوگا کہ کم از کم دو دِن لشکر کو آرام کرنے دیں؟"

"ہاں ابنِ ولید!"___ دوسرے سالار عدی بن حاتم نے کہا ___"کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی تین فتوحات کے نشے میں ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔"

"ابنِ حاتم!"___ خالدؓ نے کہا ___"میں تیرے اتنے اچھے مشورے کی تعریف کرتا ہوں، لیکن یہ بھی سوچ کہ ہم نے دو دن عیسائیوں کو دے دیئے تو کیا ایسا نہیں ہوگا کہ فارس کا لشکر اُن سے آملے؟"

"ایسا ہو سکتا ہے"___ عدی بن حاتم نے کہا ___"لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آتش پرستوں کے لشکر کو آنے دیں۔ یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بکر بن وائل کے عیسائیوں سے اُلجھے ہُوئے ہوں اور آتش پرست عقب سے ہم پر آپڑیں۔ جس جس کو ہمارے خلاف لڑنا ہے اُسے اس میدان میں آنے دیں جہاں وہ لڑنا چاہتے ہیں۔"

"ابنِ ولید!"___ مثنیٰ بن حارثہ نے کہا ___"کیا تو مجھے اجازت نہیں دے گا کہ عیسائیوں پر حملے کی پہل میں کروں؟"

"تو نے ایسا کیوں سوچا ہے؟"___ خالدؓ نے پُوچھا۔

"اِس لیے کہ جتنا انہیں میں جانتا ہُوں اور کوئی نہیں جانتا"___ مثنیٰ بن حارثہ نے جواب دیا ___"اور میں اس لیے بھی سب سے آگے ہو کر اُن پر حملہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے منصوبے میں یہ بھی شامل ہے کہ اُن کے قبیلے کے جن لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے انہیں قتل کر دیا جائے۔ میں انہیں کہوں گا کہ دیکھو کون کِسے قتل کر رہا ہے۔"

"اِس وقت ہماری نفری کتنی ہے؟"___ خالدؓ نے پوچھا۔

"اٹھارہ ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہو گی"___ ایک سالار نے جواب دیا۔

"جب ہم فارس کی سرحد میں داخل ہُوئے تھے تو ہماری نفری اٹھارہ ہزار ہی تھی"___ خالدؓ نے کہا ___"اس علاقے کے مسلمانوں نے میری نفری کم نہیں ہونے دی۔"

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ان تین جنگوں میں بہت سے مسلمان شہید اور شدید زخمی ہُوئے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ نفری تقریباً آدھی رہ گئی تھی، لیکن مثنیٰ بن حارثہ کے قبیلے نے نفری کی کمی پُوری کر دی تھی۔

آتش پرستوں کا سالار بہمن جاذویہ اُردشیر سے نیا حکم لینے کے لیے مدائن پہنچ چکا تھا لیکن شاہی طبیب نے اُسے روک لیا۔

"اگر کوئی اچھی خبر لائے ہو تو اندر چلے جاؤ"___ طبیب نے کہا ___"اگر خبر اچھی نہیں تو میں تمہیں اندر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"خبر اچھی نہیں"___ جاذویہ نے کہا ___"ہماری فوج تیسری بار شکست کھا چکی ہے۔ اندرزغر ایسا بھاگا ہے کہ لاپتہ ہو گیا ہے۔"

"جاذویہ!"___ طبیب نے کہا ___"اُردشیر کے لیے اس سے زیادہ بُری خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ اندرزغر کو تو کسریٰ اُردشیر اپنی جنگی طاقت کا سب سے زیادہ مضبُوط ستون سمجھتا تھا۔ جب سے یہ سالار گیا ہے شہنشاہ دن میں کئی بار پُوچھتا رہا کہ اندرزغر مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال کر واپس آیا ہے یا نہیں۔ تھوڑی دیر پہلے بھی اُس نے پوچھا تھا۔"

"محترم طبیب!"___ جاذویہ نے کہا ___"کیا ہم ایک حقیقت کو چھپا کر غلطی نہیں کر رہے؟ کسریٰ کو کسی نہ کسی دن تو پتہ چل ہی جائے گا۔"

"جاذویہ!"___ طبیب نے کہا ___"میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم نے یہ خبر شہنشاہ کو سنائی تو اُس کا خُون تمہاری گردن پر ہو گا۔"

جاذویہ وہیں سے لوٹ گیا لیکن اپنے لشکر کے پاس جانے کی بجائے اس خیال سے مدائن میں رُکا رہا کہ اُردشیر کی صحت ذرا بہتر ہو گی تو وہ اُسے خود شکست کی خبر سنائے گا اور اُس کے ساتھ وعدہ کرے گا کہ وہ مسلمانوں سے تینوں شکستوں کا انتقام لے گا۔

اُس روز یا ایک دو روز بعد عیسائیوں کا ایک وفد اردشیر کے پاس پہنچ گیا۔ اُس کا طبیب اور شاہی خاندان کا کوئی بھی فرد قبل از وقت نہ جان سکا کہ یہ وفد کس مقصد کے لیے آیا ہے۔ اردشیر کو چونکہ معلوم تھا کہ عیسائیوں نے اُس کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی ہے اِس لیے اُس نے بڑی خوشی سے ان عیسائیوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس وفد نے اردشیر کو پہلی خبر یہ سنائی کہ سالار اندرزغر شکست کھا گیا ہے۔

"اندرزغر شکست نہیں کھا سکتا"___ اردشیر نے ایک جھٹکے سے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا ___"کیا تم لوگ مجھے یہ جھوٹی خبر سنانے آئے ہو؟ ..... کہاں ہے اندرزغر؟ اگر اُس کی شکست کی خبر صحیح ہے تو یہ بھی صحیح ہے کہ جس روز وہ مدائن میں قدم رکھے گا، وہ اُس کی زندگی کا آخری روز ہو گا۔"

"ہم جھوٹی خبر سنانے نہیں آئے"___ وفد کے سربراہ نے کہا ___"ہم آپ کی اس تیسری شکست کو فتح میں بدلنے کا عہد لے کر آئے ہیں لیکن آپ کی مدد کے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اُردشیر کچھ دیر چپ چاپ خلاء میں گھورتا رہا۔ اُس کی بیماری بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بہت کمزور ہو چکا تھا۔ دواؤں کا اُس پر اُلٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اب تیسری شکست کی خبر نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ اُس کا طبیب اُس کے پاس کھڑا تھا۔

"کسریٰ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے"___ طبیب نے کہا ___"معزز مہمان اِس وقت چلے جائیں تو کسریٰ کے لیے بہتر ہو گا۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عیسائیوں کا وفد اٹھ کھڑا ہُوا۔

"ٹھہرو!"— اُردشیر نے نحیف آواز میں کہا— "تم لوگوں نے شکست کو فتح میں بدلنے کی بات کی تھی۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"اپنے کچھ دستے جن میں سوار زیادہ ہوں، ہمیں دے دیں"— وفد کے سردار نے کہا— "ہمارا پُورا قبیلہ الیّس پہنچ گیا ہوگا۔"

"جو مانگو گے دوں گا"— اُردشیر نے کہا— "بہمن جاذویہ کے پاس چلے جاؤ اور اُس کا لشکر اپنے ساتھ لے لو۔ جاذویہ دجلہ کے قریب کہیں ہوگا۔"

"بہمن جاذویہ مدائن میں ہے"— کسی نے اُردشیر کو بتایا— "وہ شہنشاہ کے پاس آیا تھا لیکن طبیب نے اُسے آپ تک نہیں آنے دیا۔"

"اُسے بلاؤ"— اُردشیر نے حکم دیا— "مجُھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

▽

جب جاذویہ اُردشیر کو بتا رہا تھا کہ اُسے میدانِ جنگ تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں مِلا، اُس وقت الیّس میں صُورتِ حال کچھ اور ہو چکی تھی۔ جاذویہ اپنے دوسرے سالار جابان کو لشکر دے آیا تھا اور اُس نے جابان سے کہا تھا کہ وہ اُس کی واپسی تک مسلمانوں سے لڑائی سے گریز کرے۔

جابان الیّس کے کہیں قریب تھا۔ اُسے ایک اطلاع یہ مِلی کہ عیسائیوں کا ایک لشکر الیّس کے گرد و نواح میں جمع ہے اور دوسری اطلاع یہ مِلی کہ مسلمانوں کا لشکر الیّس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جابان کے لیے حکم تو کچھ اور تھا لیکن اس اطلاع پر کہ مسلمان پیش قدمی کر رہے ہیں، وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ اُس نے اپنے لشکر کو کُوچ کا حکم دیا اور الیّس کا رُخ کر لیا۔

ابھی جاذویہ واپس نہیں آیا تھا۔ جابان تک اُردشیر کا بھی کوئی حکم نہیں پہنچا تھا چونکہ وہ وہاں موجود تھا اِس لیے یہ اُس کی ذمّہ داری تھی کہ مسلمانوں کو روکے۔ تاریخ میں بکر بن وائل کے اُن عیسائیوں کی تعداد کا کوئی اشارہ نہیں ملتا جو الیّس میں لڑنے کے لیے پہنچے تھے۔ اُن کا سردار اور سالارِ اعلیٰ عبدالاسود عجلی تھا۔ وہ مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

خالدؓ انتظار کرنے والے سالار نہیں تھے۔ اُنہوں نے اپنی فوج کو تھوڑا سا آرام دینا ضروری سمجھا تھا، پھر اُنہوں نے الیّس کی طرف پیشقدمی کا حکم دیا۔ رفتار معمول سے کہیں زیادہ تیز رکھی۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے جانبازوں کا دستہ لیے باقی لشکر سے الگ تھلگ جا رہا تھا۔

"اللہ کے سپاہیو!"— مثنیٰ نے راستے میں اپنے دستے سے کہا— "یہ لڑائی تم اُس طرح لڑو گے جس طرح ہم کسریٰ کی سرحدی چوکیاں تباہ کرنے کے لیے لڑتے رہے ہیں.... چھاپہ مار لڑائی... شب خون.... تم اُن لوگوں سے لڑنے جا رہے ہو جو تمہاری طرح لڑنا نہیں جانتے۔ انہیں تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے ہی قبیلے کے لوگ ہیں۔ ہم انہیں بھگا بھگا کر لڑائیں گے۔ اسی لیے میں نے تمہیں لشکر سے الگ کر لیا ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ ہم اسی لشکر کے سالار کے ماتحت ہیں اور یہ بھی خیال رکھنا کہ یہ مذاہب کی جنگ ہے۔ وہ باطل عقیدے تمہارے مقابلے میں ہیں تمہیں ثابت کرنا ہے کہ خُدا تمہارے

ساتھ ہے.... خدا کی قسم! یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف ہمیشہ مُخبری کی اور آتش پرستوں کے ہاتھوں ہمارے گھروں کو نذرِ آتش کرایا ہے۔"

سواروں کا یہ دستہ پُرجوش نعرے لگانے لگا لیکن مثنیٰ نے روک دیا اور کہا کہ خاموشی برقرار رکھنی ہے، دشمن کو اُس وقت پتہ چلے کہ ہم آ گئے ہیں جب ہماری تلواریں انہیں کاٹ رہی ہوں۔

▽

عیسائیوں کا لشکر اُلیّس کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہُوئے مدائن سے اپنے وفد کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"ہوشیار! دشمن آ رہا ہے"— عیسائی لشکر کے سنتریوں نے واویلا بپا کر دیا— "خبردار! ہوشیار! تیار ہو جاؤ۔"

ہڑبونگ مچ گئی۔ اُن کے سرداروں نے درختوں پر چڑھ کر دیکھا۔ ایک لشکر چلا آ رہا تھا۔ سرداروں نے درختوں کے اُوپر سے ہی حکم دیا کہ تیرانداز اگلی صف میں آ جائیں۔ یہ لوگ چونکہ باقاعدہ فوجی نہیں تھے اس لیے ان میں نظم و ضبط اور صبر و تحمّل کی کمی تھی۔ وہ لوگ ہجوم کی صُورت میں لڑنا جانتے تھے۔ پھر بھی اُنہوں نے صف بندی کر لی۔

آنے والا لشکر قریب آ رہا تھا۔ جب یہ لشکر اور قریب آیا تو سرداروں کو کوئی شک ہونے لگا تب ایک سالار نے کہا کہ یہ لشکر مسلمانوں کا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اُس طرف سے آ رہا ہے جدھر بہمن جاذویہ کا لشکر ہونا چاہیئے تھا۔ سالار نے دو گھوڑسواروں کو یہ کہہ کر دوڑا دیا کہ جا کر دیکھو، یہ کس کا لشکر ہے۔

"یہ دوست ہیں"— ایک سوار نے پیچھے مڑ کر بلند آواز میں کہا— "یہ فارس کی فوج ہے۔"

"یسوع مسیحؑ کے پجاریو!"— درخت سے سالارِ اعلیٰ نے چلّا کر کہا— "تمہاری مدد کے لیے مدائن سے فوج آ گئی ہے۔"

عیسائی نعرے لگانے لگے اور تھوڑی دیر بعد جابان کا لشکر عیسائیوں کے پڑاؤ میں آ گیا۔ جابان نے اس تمام لشکر کی کمان لے لی اور عیسائی سرداروں سے کہا کہ اب وہ اس کے حکم اور ہدایات کے پابند ہوں گے۔ جابان نے عیسائیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے پُرجوش تقریر کی جس میں اُس نے انہیں بتایا کہ اب انہیں پہلی تینوں شکستوں کا انتقام لینا ہے۔

"....اور تم اپنی جوان عورتوں کو بھی ساتھ لاتے ہو"— جابان نے کہا— "اگر تم ہار گئے تو یہ عورتیں مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہوں گی۔ انہیں وہ لونڈیاں بنا کر لے جائیں گے۔ انہی کی خاطر اپنی جانیں لڑا دو۔"

عیسائیوں کی صفوں میں جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ تو پہلے ہی انتقام کی آگ میں جل رہے تھے۔ اب اپنے ساتھ فارس کا ایک منظّم لشکر دیکھ کر وہ اور زیادہ دلیر ہو گئے۔

مدینہ کی فوج کی پیش قدمی خاصی تیز تھی۔ مثنیٰ اپنے دستے کے ساتھ دائیں طرف کہیں آگے نکل گیا تھا۔ وہ سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ درختوں کی بہتات تھی۔ ہری جھاڑیاں اور اونچی گھاس بھی تھی۔ تھوڑی دُور جا کر آدمی نظروں سے اوجھل ہو جاتا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں فارس کے بڑے بڑے افسر سیر و تفریح اور شکار وغیرہ کے لیے آیا کرتے تھے۔ الیّس سے آگے حیرہ ایک شہر تھا جس کی اہمیّت تجارتی اور فوجی لحاظ سے خاصی زیادہ تھی۔ آبادی کے لحاظ سے یہ عیسائیوں کا شہر تھا جو ہر لحاظ سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خوبصورت شہر تھا۔

"اور یہ بھی ذہن میں رکھو"— جابان لشکر کے سالاروں سے کہہ رہا تھا۔ "کہ آگے حیرہ ہے۔ تم جانتے ہو کہ حیرہ ہماری بادشاہی کا ایک ہیرہ ہے۔ اگر مسلمان اس شہر تک پہنچ گئے تو نہ صرف یہ کہ کسریٰ کا دل ٹوٹ جائے گا بلکہ فارس کے پورے لشکر کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے۔ حیرہ مدائن سے زیادہ قیمتی ہے۔"

▽

سبزہ زار میں ایک گھوڑ سوار جیسے تیرتا چلا آرہا ہو۔ خالدؓ اپنے لشکر کے وسط میں تھے۔ کسی اور کو اُس سوار کی طرف بھیجنے کی بجائے انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس سوار کو راستے میں جالیا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کے دستے کا ایک سوار تھا۔

"ابنِ حارثہ کا پیغام لایا ہوں"— سوار نے خالدؓ سے کہا۔ "اُلّیس کے میدان میں آتش پرستوں کی فوج بھی آگئی ہے۔ ابنِ حارثہ نے کہا ہے کہ سنبھل کر آگے آئیں۔"

"فوراً واپس جاؤ"— خالدؓ نے سوار سے کہا۔ "اور مثنیٰ سے کہو کہ اُڑ کر مجھ تک پہنچے۔"

مثنیٰ کا قاصد یوں غائب ہو گیا جیسے اُسے زمین نے نگل لیا ہو۔ اُس کے گھوڑے کے ٹاپ کچھ دیر تک سنائی دیتے رہے جو درختوں میں سے گزرتی ہوا کی شاں شاں میں تحلیل ہو گئے۔ خالدؓ واپس اپنے لشکر میں آئے اور اپنے سالاروں کو بلا کر انہیں بتایا کہ آگے صرف بکر بن وائل کے لوگ ہی نہیں بلکہ مدائن کا لشکر بھی اُن کے ساتھ آملا ہے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں کو یہ بھی بتایا کہ مثنیٰ بن حارثہ آرہا ہے۔ انہوں نے پہلے کی طرح سالار عاصمؓ بن عمرو اور سالار عدیؓ بن حاتم کو دائیں اور بائیں پہلو میں رکھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مثنیٰ یوں آن پہنچا جیسے وہ واقعی اُڑ کر آیا ہو۔

"ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے کہا۔ "کیا تم نے اپنی آنکھوں سے فارس کے لشکر کو عیسائیوں کے ساتھ دیکھا ہے؟"

مثنیٰ بن حارثہ نے صرف دیکھا ہی نہیں تھا بلکہ اُس نے جانبازی کا مظاہرہ کر کے بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اُس نے اپنے جاسوس آگے بھیج رکھے تھے۔ اُنہوں نے اُسے اطلاع دی تھی کہ مدائن کی فوج عیسائیوں سے آملی ہے۔ مثنیٰ نے پوری معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کو اُس نے اپنے ساتھ تین سوار لیے اور دشمن کے پڑاؤ کے قریب جا کر گھوڑوں سے اترے اور انہیں ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ وہاں سے وہ چھپ چھپ کر اور جہاں ضرورت پڑی وہاں پیٹ کے بل رینگ کر پڑاؤ کے قریب چلے گئے۔ آتش پرستوں کے سنتری پڑاؤ کے اردگرد گھوم پھر رہے تھے۔ یہ صفر ۱۲ ہجری کے وسط کی راتیں تھیں۔ آدھے چاند کی چاندنی تھی جو فائدہ بھی دے سکتی تھی، نقصان بھی۔

دو سنتری ان کے سامنے سے گزر گئے۔ انہیں پیچھے سے جا کر پکڑا جا سکتا تھا لیکن ان کے پیچھے پیچھے ایک گھوڑ سوار آرہا تھا۔ اُس نے اپنے سنتریوں کو آواز دے کر روک لیا اور ان کے پاس آ کر انہیں بیدار اور ہوشیار رہنے کو کہنے لگا۔ وہ کوئی کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔

"مسلمان رات کو تو حملہ نہیں کر سکتے"— ایک سنتری نے کہا۔ "پھر بھی ہم بیدار اور ہوشیار ہیں۔"

"تم سپاہی ہو"— گھوڑ سوار نے حکم کے لہجے میں کہا۔ "جو ہم کمانڈر جانتے ہیں وہ تم نہیں جانتے۔ مسلمانوں کا کچھ پتہ نہیں وہ کس وقت کیا کر گزریں۔ انہیں عام قسم کا دشمن نہ سمجھو۔ کیا تم نے مثنیٰ بن حارثہ کا نام نہیں سُنا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ کسریٰ نے مثنیٰ کے سر کی کتنی قیمت مقرر کر رکھی ہے؟ تم اگر اُسے زندہ یا مُردہ پکڑ لاؤ یا اُس کا صرف سر پیش کر دو تو تم مالا مال ہو جاؤ گے لیکن تم اُسے پکڑ نہیں سکو گے۔ وہ جن ہے، کسی کو نظر نہیں آتا..... چلو آگے چلو۔ اپنے علاقے کی گشت کرو۔"

سنتری آگے نکل گئے اور گھوڑ سوار وہیں کھڑا رہا۔ مثنیٰ بن حارثہ اپنے تین جانبازوں کے ساتھ ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپا ہُوا تھا۔ گھوڑ سوار اُس طرف جانے کی بجائے جس طرف سنتری چلے گئے تھے، دوسری طرف چلا گیا۔ گھوڑے پر اُسے پکڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ مثنیٰ نے اپنے ایک جانباز کے کان میں کچھ کہا اور گھوڑ سوار کمانڈر کو دیکھا جو آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔

مثنیٰ قریب کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اُس کے جانباز نے ذرا اونچی آواز میں کچھ کہا۔ کمانڈر نے گھوڑا روک لیا۔ جانباز نے اُسے واپس آنے کو کہا۔ وہ اس آواز پر واپس آرہا تھا۔ اچانک درخت سے مثنیٰ کُودا اور گھوڑ سوار کے اُوپر گرا اور اُسے گھوڑے سے گرا دیا۔ مثنیٰ کے ایک آدمی نے دوڑ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور دو نے کمانڈر کو دبوچ لیا اور اُس کا مُنہ باندھ دیا۔ اُسے اور اُس کے گھوڑے کو وہاں سے دُور لے گئے۔ اُنہوں نے اپنے گھوڑے کھولے اور وہاں سے اتنی دور نکل گئے جہاں وہ چیختا چلّاتا تو بھی اُس کی آواز اُس کے پڑاؤ تک نہ پہنچتی۔

"زندہ رہنا چاہتے ہو تو بتاؤ کہ تمہاری فوج کہاں سے آئی ہے"— مثنیٰ نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر رکھ کر پُوچھا۔

وہ بہمن جاذویہ کے لشکر کا کمانڈر تھا۔ اُس نے جان بچانے کی خاطر سب کچھ بتا دیا۔ یہ بھی کہ جاذویہ مدائن چلا گیا ہے اور اُس کی جگہ جابان سالار ہے اور بکر بن وائل کا لشکر انہیں اتفاق سے مل گیا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اس قبیلے کے کچھ سردار مدائن سے فوج اپنے ساتھ لائیں گے۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ مدینہ کی فوج کہاں ہے؟"— مثنیٰ نے اُس سے پوچھا۔

"وہ بہت دور ہے"— کمانڈر نے جواب دیا۔ "ہم اُس پر حملہ کرنے جا رہے ہیں..... شاید دو روز بعد۔"

جب اُس سے ہر ایک بات معلوم ہو گئی تو اُسے ہلاک کر کے لاش وہیں دفن کر دی گئی۔

▽

سُورج طلوع ہو چکا تھا جب مثنیٰ بن حارثہ خالدؓ کو یہ روئیداد سنا رہا تھا۔

"تعداد کا اندازہ کیا ہے؟"— خالدؓ نے پُوچھا۔

"صحیح اندازہ مشکل ہے ابنِ ولید!"— مثنیٰ نے کہا۔ "ہماری اور ان کی تعداد کا تناسب وہی ہے جو پہلے تھا۔ وہ ہم سے چار گنا نہیں تو تین گنا سے یقیناً زیادہ ہیں۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کو روکا نہیں تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور دشمن کو بے خبری میں جا لیں۔ اُنہوں نے چلتے چلتے اپنے سالاروں سے مشورے لیے، خود سوچا اور احکام دیئے۔ ان عربوں کے متعلق

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

آتش پرستوں کے سب سے زیادہ جری اور تجربہ کار سالار ہرمز نے کہا تھا کہ یہ لوگ صحرا کے رہنے والے ہیں اور صحرا میں ہی لڑ سکتے ہیں۔ ہرمز نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ انہیں دجلہ اور فرات کے اس علاقے میں لڑائے گا جس میں درخت، جھاڑیاں، گھاس اور کہیں کہیں دلدل ہے لیکن ہرمز کے خواب اسی سرسبز اور دلدلی علاقے میں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔

"خدا کی قسم، تم اب دریاؤں اور جنگلوں میں بھی لڑ سکتے ہو"— خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔ "اس زمین پر تم نے اتنے طاقتور دشمن کو تین شکستیں دی ہیں۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ ہمارے دشمن کے لڑنے کا طور طریقہ کیا ہے۔ مثنیٰ نے بتایا ہے کہ دشمن اگر اسی میدان میں ہُوا جہاں وہ پڑاؤ کیے ہُوئے ہے تو یہ ذہن میں رکھ لو کہ یہ میدان دو دریاؤں (دریائے فرات اور دریائے خسیف) کے درمیان ہے۔ میدان ہموار ہے لیکن درختوں اور سبزے کی بہتات ہے۔ دوڑتے گھوڑوں پر تمہیں درختوں کا اور ان کے جھکے ہُوئے ٹہنوں کا خیال رکھنا پڑے گا ورنہ ان ٹہنوں سے ٹکرا کر مارے جاؤ گے....

"میدان محدود بھی ہے۔ ہمیں دشمن کو کسی قسم کا دھوکہ دینے کا اور چالیں چلنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔ ہمیں آمنے سامنے کا معرکہ لڑنا پڑے گا۔ ابنِ عمرو اور ابنِ حاتم پہلوؤں کے سالار ہوں گے۔ نہیں جب بھی اور جیسا بھی موقع ملا، یہ اس کے مطابق نقل و حرکت کریں گے۔ اپنے کمانداروں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ آمنے سامنے کی لڑائی میں جذبے کی شدّت اور جسمانی پھرتی اور مضبُوط حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے....

"ابنِ حارثہ! تم ہمارے پابند ہو کر نہیں لڑو گے۔ تمہارے ساتھ پہلے طے ہو چکا ہے کہ تم اپنے انداز کا معرکہ لڑو گے لیکن تم یہ احتیاط کرو گے کہ تمہارے سوار ہمارے راستے میں نہ آئیں۔ تم نے اپنے سواروں کو یہی تربیت دے رکھی ہے، انہیں اسی طرح استعمال کرو لیکن اندھا دھند نہیں۔ نظم و ربط بہت ضروری ہے۔"

"ابنِ ولید!"— مثنیٰ بن حارثہ نے کہا— "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، تو نے جیسا کہا ہے تجھے ویسا ہی نظر آئے گا.... کیا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں اپنے دستے میں چلا جاؤں؟"

"میں تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں حارثہ کے بیٹے!"— خالدؓ نے کہا— "جا.... میدانِ جنگ میں ملیں گے یا میدانِ حشر میں۔"

مثنیٰ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور پلک جھپکتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اُس کے ساتھ اُس آتش پرست کماندار کا گھوڑا بھی تھا جسے اُس نے قتل کر دیا تھا۔ وہ یہ گھوڑا خالدؓ کے لشکر کو دے گیا تھا۔

▽

اتنی تھوڑی تعداد میں اور اتنے محدود وسائل کے بھروسے مدینہ کے مجاہدین اُس لشکر پر حملہ کرنے جا رہے تھے جس کی تعداد اُن سے تین گُنا سے بھی زیادہ تھی اور جس کے ہتھیار بھی بہتر تھے اور جن کے سر لوہے کے خودوں سے اور چہرے لوہے کی زنجیروں سے ڈھکے ہوتے تھے۔ اُن کی ٹانگوں پر جانوروں کی موٹی اور خشک کھالوں کے خول چڑھے ہوتے تھے۔

مجاہدین کے دلوں میں کوئی خوف نہ تھا، ذہنوں میں کوئی وہم اور وسوسہ نہ تھا۔ اُن کے سامنے ایک پاک اور عظیم مقصد تھا۔ اُن کی نگاہوں میں اپنے اللہ، رسولؐ اور مذہب کی عظمت تھی، اپنی جانوں کی کوئی اہمیت نہ تھی سوائے اس کے کہ یہ جان اللہ کی دی ہوئی ہے اور اسے اللہ کی راہ میں ہی قربان کرنا ہے۔ اپنی زندگی دے کر وہ اسلام کو زندہ رکھنے کا عہد کیے ہُوئے تھے۔ وہ گھروں سے، اپنی بیویوں سے، اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں سے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔ اُن کے شب و روز خاک و خون میں گذر رہے تھے۔ زمین اُن کا بچھونا تھی اور اوپر آسمان تھا۔ باطل کی چٹانوں سے ٹکرانا، کفر کے تلاطم کو چیرنا اور دشمنانِ دین کے عزائم کو کچلنا اُن کی عبادت تھی۔ اُن کی زبانوں پر اللہ کا نام تھا۔ وہ تلوار کا وار کرتے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے اور تلواروں سے کٹ کر گرتے تھے تو اللہ کا نام لیتے تھے۔ زخمی ہوتے تو اللہ کو پکارتے تھے۔ لاریب ایمان کی پختگی اور جذبے کی دیوانگی اُن کے ہتھیار تھے اور یہی اُن کی ڈھال تھی۔

▽

وہ اُس وقت دشمن کے سامنے پہنچے جب دشمن کا دوپہر کا کھانا تیار ہو چکا تھا۔ اُن کے سالار جابان کے حکم سے لشکر کے لیے خاص کھانا تیار کیا گیا تھا۔ مؤرخ طبری، ابنِ ہشام اور محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ فارس کی فوج کو سانڈوں کی طرح پالا جاتا تھا۔ سپاہیوں کو مرغن کھانے کھلاتے جاتے تھے۔ فارس کے شہنشاہوں کا اصول بلکہ عقیدہ تھا کہ مضبوط اور مطمئن فوج ہی سلطنت اور تخت و تاج کی سلامتی کی ضامن ہوتی ہے۔

فارسی سالار جابان نے اُس سے زیادہ مرغن اور پُرتکلف کھانا تیار کرایا تھا جو فوج کو عام طور پر ملا کرتا تھا۔ اُس کھانے کا ذکر تاریخوں میں بھی آیا ہے۔ بے شمار جانور ذبح کر دیتے گئے تھے گوشت کے علاوہ کئی چیزیں پکائی گئی تھیں۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جابان اپنے لشکر کی خاطر تواضع کر رہا تھا کہ سپاہی خلوصِ دل سے لڑیں گے اور اچھے سے اچھا کھانا کھانے کے لیے زندہ رہیں گے۔

کھانا چونکہ خاص تھا اس لیے اس کی تیاری میں معمول سے زیادہ وقت لگ گیا۔ دن کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا جب کھانا تیار ہُوا۔ لشکر بھوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ جب لشکر کو اطلاع دی گئی کہ کھانا تیار ہو گیا ہے اور لشکر کھانے کے لیے بیٹھ جاتے، عین اُس وقت گشتی سنتریوں نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کی فوج سر پر آ گئی ہے۔

خالدؓ اپنے اِس مقصد میں کامیاب تھے کہ دشمن کو اُن کی آمد کی خبر قبل از وقت نہ ہو۔ اُنہوں نے دشمن کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں میں ہڑبونگ سی بپا ہو گئی۔ سالار اور کماندار چلّا چلّا کر دونوں لشکروں کو جنگ کی تیاری اور صف بندی کا حکم دے رہے تھے مگر لشکر کے سامنے جو زرنگار کھانے رکھے جا رہے تھے، اُنہیں لشکر چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ طبری کی تحریر شاہد ہے کہ لشکر سے بڑی بلند آواز اٹھی کہ مسلمانوں کے پہنچنے تک وہ کھانا کھا لیں گے۔ بیشتر سپاہی کھانے میں مصروف ہو گئے۔

خالدؓ کی فوج جنگی ترتیب میں بالکل سامنے آ گئی۔ یہ فوج حملے کے لیے بالکل تیار تھی۔ آتش پرستوں

kutubistan.blogspot.com

اور عیسائیوں میں وہ بھی تھے جو مسلمانوں سے شکست کھا چکے تھے۔ اُنہوں نے اپنی فوج کو مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹتے دیکھا تھا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر ہی ڈر گئے۔

"کھانا چھوڑ دو"۔۔۔ ان میں سے کتنی ایک نے واویلا بپا کر دیا۔۔۔ "اِن مسلمانوں کو موقع نہ دو۔۔۔ کاٹ دیں گے۔ مار دیں گے۔۔۔ تیار ہو جاؤ"۔

وہ کھانا چھوڑ کر لڑنے کی تیاری کرنے لگے۔ باقی لشکر اپنے سالاروں اور کمانداروں کا بھی حکم نہیں مان رہا تھا وہ سب بھوک سے مرے جا رہے تھے لیکن جنہوں نے مسلمانوں کے ہاتھ دیکھے ہوتے تھے، اُن کی خوفزدہ ہڑبونگ دیکھ کر سارا لشکر کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔

مدینہ کے مجاہدین اور آگے چلے گئے۔ خالدؓ انہیں احکام دے رہے تھے۔

دشمن نے ابھی گھوڑوں پر زینیں کسی تھیں اور سارے لشکر نے زرہ پہنی تھی۔ جابان نے مہلت حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اُس دَور کے رواج کے مطابق عیسائیوں کے سردار عبدالاسود عجلی کو ذاتی مقابلے کے لیے آگے کر دیا۔

"کس میں ہمّت ہے جو میرے مقابلے کے لیے آتے گا؟"۔۔۔ عبدالاسود نے اپنے لشکر سے آگے آکر مسلمانوں کو للکارا۔ "جسے میری تلوار سے کٹ کر مرنے کا شوق ہے وہ آگے آجاتے"۔

"میں ہوں ولید کا بیٹا!"۔۔۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکال کر بلند کی اور گھوڑے کو ایڑ لگاتی۔ "میں ہوں جس کی تلوار تجھ جیسوں کے خون کی پیاسی رہتی ہے۔۔۔۔ گھوڑے کی پیٹھ پر رہ اور اپنا نام پکار"۔

"میں ہُوں عبدالاسود عجلی"۔ اُس نے بلند آواز سے کہا۔ "نام عجلان کا بلند ہو گا"۔

خالدؓ کا گھوڑا اُس کے قریب سے گذر گیا، آگے جا کر مُڑا اور خالدؓ نے تلوار تان لی عبدالاسود نے بھی تلوار نکال لی تھی۔ خالدؓ نے دوڑتے گھوڑے سے اُس پر وار کیا لیکن یہ وار خطا گیا۔ عبدالاسود نے بھی خالدؓ کی طرح گھوڑا دوڑا دیا اور ایک بار پھر دونوں سوار آمنے سامنے آتے۔ اب کے عبدالاسود نے وار کیا۔ خالد نے وار اس طرح روکا کہ اُن کی تلوار عبدالاسود کی تلوار کے دستے پر لگی جہاں اس عیسائی سردار کا ہاتھ تھا۔ اُس کے اس ہاتھ کی دو انگلیوں کے اوپر کے حصّے صاف کٹ گئے تلوار اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

عبدالاسود نے بھاگ نکلنے کی بجاتے بلند آواز میں کہا کہ اُسے برچھی دی جاتے۔ اُس کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا جس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ وہ دوڑتا ہُوا اپنے سردار کی طرف آیا۔ خالدؓ نے اُس کا راستہ روکنے کے لیے گھوڑے کا رُخ اُس کی طرف کر دیا۔ وہ آدمی پیادہ تھا۔ اُس نے خالدؓ سے بچنے کے لیے برچھی اپنے سردار کی طرف پھینکی۔ خالدؓ پہنچ گتے تھے۔ برچھی آ رہی تھی جسے خالدؓ کے سر کے اوپر سے گذرنا تھا۔ عبدالاسود نے برچھی پکڑنے کے لیے دونوں ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ خالدؓ نے برچھی کو تلوار ماری۔ برچھی کٹ تو نہ سکی لیکن، اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ برچھی راستے میں رُک گئی اور گر پڑی۔

خالدؓ نے گھوڑے کا رُخ عبدالاسود کی طرف کر دیا۔ اب یہ شخص وار سے صرف بچ سکتا تھا۔ وار کو روکنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ خالد نے بغرضِ تماشہ اسے اِدھر اُدھر بھگایا۔

"اِبنِ ولید!"۔۔۔ خالد کے ایک سالار نے بلند آواز میں کہا۔۔۔ "اسے ختم کرو۔ دشمن تیار ہو رہا ہے"۔

خالدؓ نے گھوڑے کی رفتار تیز کر کے اور اسود کے قریب سے گذرتے تلوار برچھی کی طرح ماری۔ عبدالاسود نے گھوڑے کے ایک پہلو پر جُھک کر بچنے کی کوشش کی، لیکن خالدؓ کی تلوار اُس کے دُوسرے پہلو میں اُتر گئی۔ عبدالاسود سنبھل گیا لیکن وہ بھاگا نہیں۔ خالدؓ نے اب پیچھے سے آکر اُس پر ایسا وار کیا کہ اُس کی گردن اس طرح کٹی کہ سر ڈھلک کر ایک کندھے پر چلا گیا۔ گردن پوری نہیں کٹی تھی۔

▽

اِدھر عیسائیوں کا سردار عبدالاسود گھوڑے سے گرا اُدھر دریاتے فرات کی طرف سے بے شمار گھوڑوں کے دوڑنے کا شور سنائی دیا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آ رہے تھے۔ اُس پہلو پر عیسائیوں کا لشکر تھا۔ گھوڑسواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ گھوڑے عیسائیوں کے لشکر میں جا گھسے اور سواروں کی برچھیوں نے اُنہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ عیسائیوں کی توجہ سامنے مسلمانوں کی طرف تھی۔ وہ مقابلے کے لیے سنبھل نہ سکے۔

"مین ہوں حارثہ کا بیٹا مثنٰی"۔۔۔ اس شوروغوغا میں سے ایک للکار سنائی دے رہی تھی ۔۔۔ "ہم بھی تم میں سے ہیں۔۔۔۔۔ میں ہوں مثنٰی بن حارثہ"

یہ مثنٰی کا سوار دستہ تھا جسے اُس نے خالدؓ کو بتا کر لشکر سے الگ رکھا تھا۔ وہ چھاپہ مار جنگ لڑنے کا ماہر تھا اور اس جنگ میں لڑائی کا یہ طریقہ بے حد ضروری تھا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ میدانِ جنگ بمشکل دو میل وسیع تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں دریا تھے۔ خالدؓ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا اس میدان میں وہ اپنی مخصوص جنگی چالیں نہیں چل سکیں گے۔ اپنے سالاروں سے اُنہوں نے کہا تھا کہ آمنے سامنے کی لڑائی میں وہ صرف اس صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ دشمن پر بہت تیز اور شدید حملہ کیا جاتے بلکہ حملہ موج در موج ہو یعنی ایک دستہ دشمن سے ٹکر لے کر پیچھے ہٹے اور دوسرا دستہ حملہ کرے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کو اسی قسم کے حملوں کی تربیت دے رکھی تھی اور اکثر اُس کی مشق کراتے رہتے تھے۔

خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ اُنہوں نے پہلوؤں کے دستوں کو بھی اس حملے میں جھونک دیا۔ حملے کی پہلی فوج کی قیادت خالدؓ نے خود کی۔ پہلوؤں کے سالاروں عاصم اور عدی نے بھی اپنے اپنے دستے کے ساتھ خود جا کر حملہ کیا۔ آتش پرستوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ وہ تازہ دم تھے۔ مجاہدین تھکے ہوتے تھے، لیکن مسلمانوں کو یہ فائدہ مل گیا کہ آتش پرست ابھی پوری طرح لڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ یورپی مورخوں نے صاف لکھا ہے کہ فارس کی فوج ذہنی طور پر بھی لڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ یہ فوج بھوکی تھی اور اُسے وہ کھانا چھوڑنا پڑا تھا جو اُس کے لیے خاص طور پر پکوایا گیا تھا۔ اس کھانے کے لیے تو اُنہوں نے مسلمانوں کی بھی پروا نہیں کی تھی۔

مسلمانوں کو اس پہلے حملے میں خون کی خاصی قربانی دینی پڑی۔ آتش پرستوں نے تیار نہ ہوتے ہوتے بھی کتنی مسلمانوں کو گھائل کر دیا۔ خالدؓ پیچھے ہٹے اور دوسرے دستوں کو آگے بڑھایا۔ آتش پرستوں کو تعداد کی افراط کا فائدہ حاصل تھا۔ ایک ایک مجاہد کا مقابلہ چار چار پانچ پانچ آتش پرستوں اور عیسائیوں سے تھا۔ دشمن کو اس فائدے سے محروم کرنے کے لیے مثنٰی کا سوار دستہ سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوتے تھا۔ اُس نے سواروں کو متعدد ٹولیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ ٹولیاں باری باری گھسٹتے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

سرپٹ دوڑاتی بگولوں کی طرح کبھی پہلو سے کبھی عقب سے آتیں اور کفار کے کئی آدمیوں کو برچھیوں سے کاٹتی گذر جاتیں۔ اس طرح دشمن کی توجہ اپنے عقب پر بھی چلی گئی، لیکن مثنّٰی کے سوار رُک کر نہیں لڑتے تھے۔ ان سواروں نے دشمن کی ترتیب درہم برہم کیے رکھی۔ مثنّٰی کی اس کارروائی سے خالدؓ نے پورا فائدہ اٹھایا۔

"بنو بکر!" — میدانِ جنگ میں ایک اعلان سنائی دینے لگا — "اور زرتشت کے پجاریو! جم کر لڑو۔ مدائن سے بہمن جاذویہ کا لشکر آ رہا ہے۔"

یہ اعلان بار بار سنائی دیتا تھا۔ خالدؓ کو یہ اعلان کچھ پریشان کر رہا تھا۔ اُنہوں نے پہلوؤں کے سالاروںؓ کو پیغام بھیجے کہ ہر طرف دھیان رکھیں۔ خالدؓ نے اپنے محفوظہ کے دستوں کو بھی خبردار کر دیا کہ عقب سے حملے کا خطرہ ہے۔

تقریباً تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ بہمن جاذویہ مدائن سے کوئی لشکر نہیں لا رہا تھا۔ کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ وہ جابان کی مدد کے لیے کیوں نہیں پہنچ سکا تھا۔ ایک مؤرخ یاقوت نے لکھا ہے کہ بہمن جاذویہ اپنے لشکر میں شامل ہونے کے لیے واپس آ رہا تھا۔ راستے میں اُسے اس لڑائی سے بھاگے ہوئے کچھ سپاہی مل گئے جنہوں نے اُسے الیّس کی جنگ کا حال سنایا۔ جاذویہ آگے آنے کی بجائے وہیں رُک گیا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ شکست اُس کے کھاتے میں نہ لکھی جاتے۔ بہرحال اس اعلان نے کہ مدائن سے جاذویہ فوج لا رہا ہے مسلمانوں میں نئی روح پھونک ڈالی۔ خالدؓ نے اعلان کیا کہ مدائن کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا صفایا کر دو، لیکن آتش پرست اور عیسائی چٹانوں کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔

خالدؓ دعا تو کرتے ہی تھے، لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ خالد گھوڑے سے اُترے، زمین پر گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ بلند کر کے دُعا کی — "خدائے ذوالجلال! ہمت عطا فرما کہ ہم اس لشکر کو نیچا دکھا سکیں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ میں تیرے دین کے دشمنوں کے خون کا دریا بہا دوں گا۔"

اب کے خالدؓ نے نئے جوش و خروش سے حملے کروائے۔ پہلوؤں کے دونوں سالاروں نے دشمن کو نیم دائرے میں لے لیا۔ عقب سے مثنّٰی بن حارثہ کے سواروں نے اپنی چھاپہ مار کارروائیاں جاری رکھیں۔ وہ تین گھنٹے بعد صاف نظر آنے لگا کہ دشمن کے قدم اُکھڑ رہے ہیں۔ چونکہ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اس لیے اُس کے مرنے اور زخمی ہونیوالوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر آتش پرستوں اور عیسائیوں کے وہ لوگ جو پہلی تین جنگوں سے زندہ بھاگ نکلے تھے، حوصلہ ہار بیٹھے اور جانیں بچانے کے لیے میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے۔ پھر لشکر کے دوسرے لوگ بھی پیچھے ہٹنے لگے۔ یہ صورت دیکھ کر مسلمانوں نے اپنے حملوں میں مزید شدّت پیدا کر دی۔ پھر اچانک یوں ہُوا کہ کفّار نے بھاگنا شروع کر دیا۔

▽

"تعاقب کرو" — خالدؓ نے اپنے تمام لشکر میں قاصد اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیئے اور بلند آواز میں اعلان بھی کرایا — "انہیں بھاگنے مت دو۔ انہیں قتل بھی نہ کرو۔ زندہ پکڑ کر لاؤ۔"

اس اعلان کا کفار پر ایک اثر یہ ہُوا کہ اُنہوں نے بھاگنے کی بجائے ہتھیار ڈالنے شروع کر

دیئے۔ بعض نے خوفزدہ ہو کر بھاگ اٹھنا بہتر سمجھا۔ مثنّٰی کے سواروں نے انہیں گھیر گھیر کر پیچھے لانا شروع کر دیا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ میدانِ جنگ لاشوں اور تڑپتے اور بے ہوش زخمیوں سے اٹا پڑا تھا۔ ایک طرف وہ کھانا محفوظ پڑا تھا جو دشمن کے لشکر کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ خالدؓ کے حکم سے مجاہدین کھانے پر بیٹھ گئے۔ جو سوار بھاگنے والوں کو پکڑ پکڑ کر لا رہے تھے، وہ بھی باری باری کھانا کھانے لگے۔

خالدؓ نے مجاہدین سے کہا — "اللہ نے یہ کھانا تمہارے لیے تیار کرایا تھا۔ اطمینان سے کھاؤ۔"

مسلمان مختلف کھانے دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ اُنہوں نے ایسے کھانے پہلے کبھی دیکھے ہی نہیں تھے۔ وہ جَو کی روٹی، اونٹنی کا دُودھ اور کھجوریں کھانے والے لوگ تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ دشمن کے جن آدمیوں کو زندہ پکڑ کر لایا جا رہا تھا، انہیں خالدؓ کے حکم سے خسیف کے کنارے لے جاتے اور اُن کے سر اس طرح کاٹ دیتے جاتے کہ سر دریا میں گرتے تھے۔ ان کے دھڑ اس طرح کنارے پر پھینکے جاتے کہ اِن کا خون دریا میں جاتا تھا۔ اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ہزاروں کے حساب سے تھی۔

غیر مسلم مؤرخوں اور مبصروں نے خالدؓ کے اس حکم کو ظالمانہ فعل کہا ہے لیکن خالدؓ کہتے تھے کہ اُنہوں نے خدا سے عہد کیا تھا وہ کفار کے خون کا دریا بہا دیں گے۔ دریا کے اوپر بند بندھا ہُوا تھا جس نے دریا کا پانی روکا ہُوا تھا اس لیے خون دریا میں جمتا جا رہا تھا۔ کسی نے خالدؓ کو مشورہ دیا کہ خون کا دریا صرف اس صورت میں بہے گا کہ بند کھول دیا جاتے۔ چنانچہ بند کھول دیا گیا۔ جب اتنا زیادہ خون پانی میں ملا تو پانی سُرخ ہو گیا اور خون کا دریا بہنے لگا۔ اسی لیے تاریخ میں اس دریا کو دریائے خون لکھا گیا ہے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بچ نکلنے والوں اور ہتھیار ڈالنے والوں کا قتلِ عام اس لیے کرایا تھا کہ یہ سپاہی ایک جنگ سے بھاگ کر اگلی جنگ میں پھر سامنے آ جاتے تھے۔ اس کا علاج خالدؓ نے یہ سوچا کہ دشمن کے کسی ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ رہنے دیا جاتے۔ کہتے ہیں تین دن آتش پرستوں اور عیسائیوں کو قتل کیا جاتا رہا۔ اس طرح قتل ہونے والوں کی تعداد ملا کر دریائے خون کی جنگ میں جو آتش پرست اور عیسائی مارے گئے، ان کی تعداد ستّر ہزار تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شہنشاہِ فارس اُردشیر جو نوشیرواں عادل کا پوتا تھا، ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا تھا جو شاہی طبیبوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اتنا تو وہ جانتے تھے کہ یہ پے بہ پے تین شکستوں کا صدمہ ہے لیکن صدمہ آخر جسمانی مرض کی صُورت اختیار کر گیا تھا۔ اس کا علاج دوائیوں سے ہونا چاہیئے تھا لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دوائیاں نہیں بلکہ دوائیاں اُسے کھا رہی ہوں۔

اُردشیر پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ جو اپنے وقت کا فرعون تھا، سحر کے دیئے کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ طبیب اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ اُردشیر تک جنگ کی کوئی بُری خبر نہ پہنچے لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ وہ جب بولتا تھا تو یہی کہتا تھا کہ آگے کی کیا خبر ہے؟

"خبریں اچھی آ رہی ہیں" —— طبیب جو ہر وقت حاضر رہتا تھا، اُسے جواب دیتا اور اُسے صدمے سے بچانے کے لیے کبھی کہتا —— "مسلمان پچھتا رہے ہیں کہ وہ کس دیو کو چھیڑ بیٹھے ہیں" —— کبھی کہتا —— "فارس کی شہنشاہی ایک چٹان ہے۔ اس سے جو بھی ٹکرایا اُس نے اپنا سر پھوڑ لیا" —— اور کبھی اُس کی چہیتی ملکہ یہ کہہ کر اُس کا دل مضبوط کرتی —— "عرب کے بدّو کسریٰ کے جاہ و جلال کی تاب نہیں لا سکتے۔"

ان تسلّیوں اور ان حوصلہ افزا الفاظ کا کسریٰ اُردشیر پر دوائیوں کی طرح اُلٹا ہی اثر ہو رہا تھا۔ اُس کی خاموشی نہ ٹوٹ سکی اور اُس کے چہرے پر اُداسیوں کی پرچھائیاں کم ہونے کی بجائے گہری ہوتی گئیں۔

اُس کی مَن پسند رقاصہ نے اُس کے سامنے حسین ناگن کی طرح اپنے جسم کو بہت بَل دیئے۔ اُس نے اپنا جسم نیم عریاں کیا، اُردشیر کے علیل چہرے پر اپنے عطر بیز ریشم جیسے ملائم بالوں کا سایہ کیا، پھر عریاں ہو کر رقص کی اداؤں سے کسریٰ کے روگی وجود کو سہلانے کے جتن کیے مگر ایسے لگتا تھا جیسے مورنی جنگل میں ناچ رہی ہو اور ناچ کا طلسم جنگل کی ہواؤں میں اُڑتا جا رہا ہو۔

اُس کی پسندیدہ مغنّیہ جو اُردشیر کو مسحور کر لیا کرتی تھی، اُس کا سحر بھی رائیگاں گیا۔ یہ رقّاصہ اور یہ مغنّیہ فارس کے حُسن کے شاہکار تھے۔ فارس کا حُسن تو کسریٰ کے حرم میں پھولوں کی طرح کِھلا ہُوا تھا۔ ان پھُولوں میں اَدھ کھِلی کلیاں بھی تھیں۔ اُردشیر ان کے مخملیں جسموں کی بُو باس سے مدہوش رہا کرتا تھا مگر اب ایک ایک کو اُس کی تنہائی کا ساتھی بنایا گیا تو اُردشیر نے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔ اُس کے سرد جسم میں نوخیز جوانی کی تپش ذرا سی حرارت بھی پیدا نہ کر سکی۔

"بیکار ہے، سب بیکار ہے" —— ملکہ نے باہر آ کر اُس بوڑھے شاہی طبیب سے کہا جس کے متعلق فارس کے کونے کونے تک مشہور تھا کہ اُسے دیکھ کر موت منہ موڑ جاتی ہے۔ ملکہ نے رندھی ہُوئی آواز میں اُسے کہا —— "کیا آپ کا علم اور تجربہ بھی بیکار ہے؟ کیا یہ محض ڈھونگ ہے؟ کیا

آپ کسریٰ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ نہیں لا سکتے؟ کون کہتا ہے آپ موت کا منہ موڑ دیا کرتے ہیں؟"

"زرتشت کی رحمتیں ہوں تجھ پر ملکۂ فارس!" —— بوڑھے طبیب نے کہا —— "نہ کسی کی موت میرے ہاتھ میں ہے نہ کسی کی زندگی میرے ہاتھ میں ہے۔ میں زندگی اور موت کے درمیان کمزور سی ایک دیوار ہوں۔ موت کے ہاتھ اتنے مضبوط اور توانا ہیں کہ اس دیوار کو دروازے کے کواڑ کی طرح کھول لیتے ہیں اور مریض کو اٹھا لے جاتے ہیں اور میرا علم اور میرا تجربہ مُنہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔"

"الفاظ، محض الفاظ" —— ملکہ نے فرش پر بڑی زور سے پاؤں مار کر کہا —— "کھوکھلے الفاظ.... کیا الفاظ کسی دُکھیارے کا دُکھ مٹا سکتے ہیں؟ کسی روگی کو روگ سے نجات دلا سکتے ہیں؟ کیا آپ کے الفاظ میں اتنی طاقت ہے کہ کسریٰ کے روگ کو چُوس لیں؟"

"نہیں ملکۂ فارس!" —— طبیب نے بڑے تحمّل سے کہا اور کانپتے ہُوتے ہاتھ سے ملکہ کے بازو کو پکڑا اور اُسے بٹھا کر کہا —— "الفاظ کسی کے دکھ اور کسی کے روگ کو مٹا نہیں سکتے، البتہ دکھ اور روگ کی اذیّت کو ذرا کم کر دیا کرتے ہیں۔ حقیقت کے سامنے الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے اور حقیقت اگر تلخ ہو تو عالم کے منہ سے نکلتے ہُوئے الفاظ یوں لگتے ہیں جیسے خزاں میں شجر کے زرد پتّے گر رہے ہوں۔ سُوکھے ہُوئے ان پتّوں کو پھر ہوائیں اُڑاتی پھرتی ہیں۔"

"ہم کسریٰ کو حقیقت سے بے خبر رکھ رہے ہیں" —— ملکہ نے کہا —— "میں انہیں رقص و نغمہ سے بہلانے کی...."

"کب تک؟" —— بُوڑھے طبیب نے کہا —— "ملکۂ کسریٰ! تم کسریٰ سے اس حقیقت کو کب تک چھپاتے رکھو گی! یہ رقص اور یہ نغمے اور یہ مخمل جیسے نرم و ملائم اور نوخیز جسم کسریٰ اُردشیر کا دل نہیں بہلا سکتے۔ اگر کسریٰ صرف شہنشاہ ہوتے تو وہ اپنے آپ کو بڑے حسین فریب دے سکتے تھے۔ فرار کے بڑے دل کش راستے اختیار کر سکتے تھے لیکن وہ جنگجو بھی ہیں۔ ان کے گھوڑے کے سُموں نے زمین کے تختے کو ہلا ڈالا تھا۔ فارس کی اتنی وسیع شہنشاہی کسریٰ کے زورِ بازو کا حاصل ہے۔ اس شہنشاہی کو اُنہوں نے رومیوں کی طاقتور فوج سے بچایا ہے۔ کسریٰ نے لڑائیاں لڑی ہیں، بڑے خونریز معرکے لڑے ہیں۔ اب وہ جنگجو اُردشیر بیدار ہو گیا ہے۔ اب رقص و نغمہ اور یہ طلسماتی جوانیاں اُن پر الٹا اثر کر رہی ہیں۔ اب وہ کسی رقاصہ اور کسی مغنّیہ کو نہیں، ہرمز کو بلاتے ہیں، اندرزغر کی پوچھتے ہیں، بہمن جاذویہ اور انوشجان کو پکارتے ہیں.... کہاں ہیں ان کے یہ سالار؟ تم انہیں کیا دھوکہ دو گی؟"

"کچھ نہیں" —— ملکہ نے آہ بھر کر کہا —— "کچھ بھی نہیں.... آپ ٹھیک کہتے ہیں.... لیکن کچھ تو بتائیں میں کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ کیا آپ ان مسلمانوں کو جانتے ہیں؟ یہاں چند عیسائی آئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں کوئی پُراسرار طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا.... اور میں نے دیکھا ہے کہ دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے میں ہم نے جن مسلمانوں کو آباد کر کے انہیں اپنا غلام بنا رکھا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھا اور جنہیں ہم کیڑوں مکوڑوں سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھتے تھے، وہی مدینہ والوں کا بازو بن گئے ہیں اور ہمارا لشکر ان کے آگے بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔"

"یہ عقیدے کی طاقت ہے ملکۂ فارس!" ــــ طبیب نے کہا۔

"تو کیا ان کا عقیدہ سچا ہے؟"

"نہیں ملکۂ فارس!" ــــ بوڑھے طبیب نے کہا ــــ "ایک بات کہوں گا جو شاید تمہیں اچھی نہ لگے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بادشاہی صرف اللہ کی ہے اور بندے اُس کے حکم کے پابند ہیں.... اور وہ کہتے ہیں کہ اُس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں.... کیا تم اس راز کو سمجھی ہو ملکۂ کسریٰ؟"

"نہیں بزرگ طبیب!" ــــ ملکہ نے جواب دیا ــــ "میں نہیں سمجھ سکی۔ بادشاہی تو ایک خاندان اور اس کے ایک فرد کی ہوتی ہے۔"

"اس کا انجام تم دیکھ رہی ہو ملکۂ کسریٰ!" ــــ طبیب نے کہا ــــ "آج وہ ایک انسان جو اپنے آپ کو انسانوں کا شہنشاہ سمجھتا ہے، بے بس اور مجبور اندر پڑا ہے اور اپنی بادشاہی کو بچا نہیں سکتا۔ اُس کا لشکر پسپا ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان سپاہیوں کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایک خاندان اور ایک انسان کی شہنشاہی کی خاطر اپنی جانیں دیں؟ وہ جو ہزاروں کی تعداد میں مر رہے ہیں وہ بھاگتے ہوئے مر رہے ہیں۔ وہ جب دیکھتے ہیں کہ مالِ غنیمت تو ہے ہی نہیں پھر لڑیں کیوں؟ وہ تمہارے خزانے سے ماہانہ وصول کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

"اور مسلمان؟"

"مسلمان!" ــــ طبیب نے کہا ــــ "مسلمان کسی ایک انسان کے آگے جوابدہ نہیں۔ وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے لڑتے ہیں اور اپنے امیر کا حکم مانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اتنی کم تعداد میں بھی طوفان کی طرح بڑھے آ رہے ہیں.... ملکۂ فارس! عقیدہ اپنا اپنا اور مذہب اپنا اپنا ہوتا ہے۔ میں علم اور تجربے کی بات کرتا ہوں۔ جب ایک خاندان اور ایک انسان اپنے آپ کو شہنشاہ بنا لیتا اور انسانوں کو انسان سمجھنا چھوڑ دیتا ہے تو ایک دن آتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنی فوج کو بھی اور اپنی رعایا کو بھی تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی" ــــ ملکہ نے کہا ــــ "میں سمجھنا نہیں چاہتی۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کسریٰ صحت یاب ہو جائیں۔ کچھ کرو بزرگ طبیب! کچھ کرو۔"

"کچھ نہیں ہو سکتا ملکۂ فارس!" ــــ طبیب نے کہا ــــ "کچھ نہیں ہو سکتا۔ صرف یہ خبر لے آؤ کہ مسلمانوں کو فارس کی سرحد سے نکال دیا گیا ہے، یا خالدؓ بن ولید کو زنجیروں میں باندھ کر کسریٰ کے دربار میں لے آؤ تو کسریٰ اُٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"ایسی خبر کہاں سے لاؤں!" ــــ ملکہ نے رنجیدہ اور شکست خوردہ لہجے میں کہا ــــ "مدینہ کے اس سالار کو کیسے زنجیروں میں باندھ کر لے آؤں.... اگر میرے سالار شکست کھا کر زندہ آ جاتے تو میں ان کی ٹانگیں زمین میں گاڑ کر ان پر کتے چھوڑ دیتی۔"

وہ سر جھکائے ہوئے چل پڑی۔

☆

ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا اور محل کے باہر رُکا۔ ملکہ دوڑتی باہر گئی۔ بوڑھا طبیب بھی اُس کے پیچھے گیا۔ وہ ایک کماندار تھا۔ گھوڑے سے کُود کر وہ ملکہ کے سامنے دوزانو ہو گیا۔ اُس کا منہ کھلا ہُوا تھا۔ آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ چہرے پر صرف تھکن ہی نہیں گھبراہٹ بھی تھی۔

"کوئی اچھی خبر لاتے ہو؟" ــــ ملکہ نے پوچھا اور شاہانہ جلال سے بولی ــــ "اٹھو اور فوراً بتاؤ۔"

"کوئی اچھی خبر نہیں" ــــ کماندار نے ہانپتی ہُوئی آواز سے کہا ــــ "مسلمانوں نے پورا لشکر کاٹ دیا ہے۔ اُنہوں نے ہمارے ہزاروں آدمیوں کو پکڑ کر دریائے خسیف کے کنارے اس طرح قتل کر دیا ہے کہ دریا میں خون چل پڑا۔ دریا خشک تھا۔ مسلمانوں کے سالار نے اُوپر سے دریا کا بند کھلوا دیا تو بادقلی خون کا دریا بن گیا۔"

"تم کیوں زندہ واپس آ گئے ہو؟" ــــ ملکہ نے غضب ناک آواز میں پوچھا ــــ "کیا تم میرے ہاتھوں کٹنے کے لیے آئے ہو؟"

"میں اگلی جنگ لڑنے کے لیے زندہ آ گیا ہوں" ــــ کماندار نے جواب دیا ــــ "میں چھپ کر اپنے لشکر کے قیدیوں کے سر جسموں سے الگ ہوتے دیکھتا رہا ہُوں۔"

"خبردار!" ــــ ملکہ نے حکم دیا ــــ "یہ خبر یہیں سے واپس لے جاؤ۔ شہنشاہِ فارس کو...."

"شہنشاہ فارس یہی خبر سننے کے لیے زندہ ہے" ــــ اُردشیر کی آواز سنائی دی۔

ملکہ نے اور طبیب نے دیکھا۔ اُردشیر ایک ستون کے سہارے کھڑا تھا۔ دو بڑی حسین اور نوجوان لڑکیوں نے اُس کے ہاتھ اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

"یہاں آؤ" ــــ اُس نے کماندار کو حکم دیا ــــ "میں نے محسوس کر لیا تھا کوئی آیا ہے.... کہو کیا خبر لائے ہو؟"

کماندار نے ملکہ اور طبیب کی طرف دیکھا۔

"اِدھر دیکھو" ــــ اُردشیر نے گرج کر کہا ــــ "بولو۔"

کماندار نے وہی خبر سنا دی جو وہ ملکہ کو سنا چکا تھا۔ کسریٰ اردشیر آگے کو جھک گیا۔ دونوں لڑکیوں نے اُسے سہارا دیا۔ ملکہ نے لپک کر اُس کا سر اوپر اٹھایا۔ بوڑھے طبیب نے اُس کی نبض پر اُنگلیاں رکھیں۔ ملکہ نے طبیب کی طرف دیکھا۔ طبیب نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"فارس کسریٰ اُردشیر سے محروم ہو گیا ہے" ــــ طبیب نے کہا۔

محل میں ہڑبونگ مچ گئی۔ اُردشیر کی لاش اٹھا کر اُس کے اُس کمرے میں لے گئے جہاں اُس نے کئی بار کہا تھا کہ عرب کے ان لٹیرے بدوؤں کو فارس کی سرحد میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہُوئی ہے۔ اُس نے اسی کمرے میں ولید کے بیٹے خالدؓ اور حارثہ کے بیٹے مثنیٰ کو زندہ یا مردہ لانے کا حکم دیا تھا۔ اپنے حکم کی تعمیل سے پہلے ہی اس کمرے میں اس کی لاش پڑی تھی۔ وہ شکستوں کے صدمے سے ہی مر گیا تھا۔

ملکہ نے حکم دیا کہ لڑنے والے لشکر تک کسریٰ کی موت کی خبر نہ پہنچنے دی جائے۔

☆

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مسلمانوں کے پڑاؤ میں ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا داخل ہُوا۔ اُس کا سوار چلّا رہا تھا۔

"کہاں ہے ولید کا بیٹا!"— گھوڑ سوار بازو بلند کرکے لہراتا آرہا تھا— "باہر آ ابنِ ولید!"

خالدؓ بڑی تیزی سے سامنے آئے۔

"ابنِ ولید!"— سوار کہتا آرہا تھا— "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ تیری دہشت نے اُردشیر کی جان لے لی ہے۔"

"کیا تو پاگل ہوگیا ہے ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے آگے بڑھ کر کہا۔

سوار مُثنیٰ بن حارثہ تھا۔ وہ گھوڑے سے کُودا اور اتنے پُرجوش طریقے سے خالدؓ سے بغلگیر ہُوا کہ خالدؓ گرتے گرتے بچے۔

"مدائن کے محل رو رہے ہیں"— مُثنیٰ نے خوشی سے بے قابو آواز میں کہا— "اُردشیر کو مرے آج چار دن ہوگئے ہیں۔ میرے دو آدمی مدائن کے محل میں موجود تھے۔ وہاں حکم دیا گیا ہے کہ اُردشیر کی موت کی خبر اُس کے لشکر کو نہ دی جائے۔"

خالدؓ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیئے۔

"میرے اللہ!"— اُنہوں نے کہا— "میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ مجھے فتح کے تکبّر اور غرور سے بچانا خدائے ذوالجلال! سب تعریفیں تیرے لیے اور صرف تیرے لیے ہیں۔"

خالدؓ نے ہاتھ نیچے کرکے اِدھر اُدھر دیکھا اور بلند آواز سے کہا— "اپنے تمام لشکر کو یہ مژدہ سنا دو کہ فارس کی وسیع و عریض شہنشاہی کا ستون گر پڑا ہے اور یہ اللہ کی دَین ہے۔ سب سے کہہ دو کہ کسریٰ کو تمہاری دہشت نے مارا ہے۔"

خالدؓ مُثنیٰ بن حارثہ کو اپنے خیمے میں لے گئے اور اُس سے پُوچھا کہ آگے کیا ہے۔

"تھوڑی ہی دُور فارس کا ایک بڑا شہر امینشیا ہے"— مُثنیٰ نے بتایا— "یہ شہر اس لیے بڑا ہے کہ وہاں فارس کی فوج رہتی ہے۔ اسے فوج کا بہت بڑا اڈہ سمجھ لو۔ یہ شہر تجارتی مرکز ہے۔ اس کے اردگرد زمین بہت زرخیز ہے۔ تجارت، اناج اور باغوں کے پھلوں کی وجہ سے امینشیا امیروں کا شہر کہلاتا ہے۔ شہر پناہ بہت مضبُوط ہے۔ شہر کے دروازے مضبُوط ہیں قریب جاؤ گے تو دیوار کے اوپر سے تیروں کا مینہ برسے گا.... ولید کے بیٹے! اس شہر کے لیے جانوں کی قربانی دینی پڑے گی۔ اگر تو نے یہ شہر لے لیا تو سمجھ لے کہ تُو نے دشمن کی ایک موٹی رگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔"

"کیا اب بھی وہاں فوج ہے؟"— خالدؓ نے پُوچھا— "اگر ہے تو کتنی ہوگی؟"

"اتنی نہیں ہوگی جتنی پہلے تھی"— مُثنیٰ نے جواب دیا— "جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے، الیس کی لڑائی میں کچھ فوج وہاں سے بھی آئی تھی۔"

دریائے فرات میں ایک چھوٹا دریا آکر گرتا تھا۔ اسے دریائے بادقلی کہتے تھے۔ جہاں یہ دریا ملتے تھے وہاں شہر امینشیا آباد تھا۔ خالدؓ بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ اُن کا ہر اگلا قدم پچھلے قدم سے زیادہ دشوار ہوتا جا رہا ہے۔ تاہم اُنہوں نے حکم دیا کہ فوراً امینشیا کی طرف

کوچ کیا جائے۔ فوراً کوچ سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ آتش پرستوں کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے۔

☆

وہ مئی ۶۳۳ء (ربیع الاوّل ۱۲ ہجری) کے تیسرے ہفتے کا ایک ابتدائی دن تھا جب خالدؓ نے الیّس سے کوچ کیا۔ مدینہ کے مجاہدین فتح و نصرت سے سرشار تھے۔ وہ علاقہ سرسبز اور زرخیز تھا۔ گھوڑوں اور انسانوں کے لیے خوراک کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن امینشیا کا دفاع خالدؓ کو پریشان کر رہا تھا۔

جب شہر کی دیوار اور برج نظر آنے لگے تو خالدؓ نے اپنے لشکر کو روک لیا۔ مُثنیٰ بن حارثہ اُن سے الگ ہوگیا تھا۔ وہ چھاپہ مار جنگ لڑنے کا ماہر تھا۔ وہ اپنے جانباز دستے کو ساتھ لے گیا تھا۔ خالدؓ نے یہ کام اُسے سونپا تھا کہ اپنے دو چار آدمیوں کو کسی بھیس میں امینشیا تک بھیج کر معلوم کرے کہ وہاں آتش پرستوں کا کتنا لشکر ہے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مُثنیٰ آگیا۔

"ابنِ ولید!"— اُس نے خالدؓ سے کہا— "یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی قسم! آتش پرست آمنے سامنے کی لڑائی سے منہ موڑ گئے ہیں اور اب وہ دھوکے اور فریب کی لڑائی لڑنا چاہتے ہیں۔"

"کیا تو یہ نہیں بتائے گا کہ تُو نے کیا دیکھا ہے؟"— خالدؓ نے پوچھا— "اور وہ کیسا دھوکہ ہے جو آتش پرست ہمیں دے رہے ہیں؟"

"شہر خالی ہے"— مُثنیٰ بن حارثہ نے کہا— "دروازے کھلے ہُوئے ہیں۔ بُرجوں میں اور دیواروں پر کوئی بھی نظر نہیں آتا۔"

"کیا تیرے آدمی شہر کے اندر گئے تھے؟"

"نہیں ابنِ ولید!"— مُثنیٰ نے جواب دیا— "وہ دروازوں تک گئے تھے۔ وہ تو قبرستان لگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دروازوں میں سے انہیں نہ کوئی انسان نظر آیا نہ جانور.... کیا تُو اسے دھوکہ یا جال نہیں سمجھتا ابنِ ولید؟"

"ہاں ابنِ حارثہ!"— خالدؓ نے کہا— "میں تیرے آدمیوں پر شک نہیں کروں گا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر انہوں نے خواب نہیں دیکھا تو ہمیں احتیاط سے آگے جانا ہوگا۔"

"خُدا کی قسم! وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں"— مُثنیٰ نے کہا— "ان کا ایمان اتنا کمزور ہوتا تو وہ فارسیوں کے جور و ستم سے بچنے کے لیے کبھی کے اپنا مذہب چھوڑ چکے ہوتے.... اور سُن ولید کے بیٹے! سب سے پہلے میرے آدمی شہر میں داخل ہوں گے۔ اگر یہ دھوکہ ہے، پھندہ ہے، جال ہے، پہلے اس میں میرے آدمی جائیں گے تاکہ تیرا لشکر محفوظ رہے۔"

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ امینشیا خالی پڑا ہے اور یہ دھوکہ ہوگا۔

"دھوکہ یہی ہوگا کہ ہم اپنے لشکر کو شہر میں لے جائیں گے"— خالدؓ نے کہا— "وہاں کوئی نہیں ہوگا۔ اچانک دروازے بند ہوجائیں گے اور ہم محاصرے میں یا پھندے میں آجائیں گے.... ہم فوراً شہر پر ہلّہ بول رہے ہیں.... ابنِ حارثہ!"— خالدؓ مُثنیٰ سے مخاطب ہُوئے— "تیرا دستہ لشکر سے دُور رہے گا اور تیری نظر لشکر پر ہوگی۔ اگر دشمن کہیں سے نکل آیا تو اُس پر تیرا دستہ اپنے انداز سے حملہ کرے گا اور چھاپہ مار قسم کے حملے کرتا رہے گا۔ تجھے اور کچھ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بتانے کی ضرورت نہیں۔"

باقی فوج کو انہوں نے تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح دائیں اور بائیں سالار عاصم بن عمرو اور سالار عدی بن حاتم کو رکھا لیکن اب ان کے کام مختلف تھے۔ دروازے کھلے ہونے کی صورت میں خالدؓ کو شہر کے اندر جانا تھا۔ عاصم بن عمرو کو اُن کے پیچھے رہنا تھا تاکہ بوقتِ ضرورت خالدؓ کی مدد کو پہنچ سکے۔ عدی بن حاتم کو اپنے دستے قلعے کے اردگرد پھیلا دینے تھے۔

تمام تر ہدایات اور احکام دے کر خالدؓ نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

٭

لشکر کے تینوں حصّے شہر کے قریب جاکر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ آگے مثنیٰ بن حارثہ کے جانباز سوار شہر کے باہر کے علاقے میں گھوم پھر رہے تھے۔ قریب ایک جنگل تھا۔ کچھ علاقہ چٹانی تھا۔ مثنیٰ نے اپنے چھاپہ مار دستے کو ٹولیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان ٹولیوں نے ہر وہ علاقہ دیکھ لیا تھا جہاں دشمن کے چھپنے کا امکان تھا لیکن دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا، پھر یہ ٹولیاں دُور دُور تک گشت کر رہی تھیں۔

لشکر کے تینوں حصّے شہر کی دیوار کے قریب پہنچ گئے تو سالار عدی بن حاتم نے اپنے دستوں کو شہر کے اردگرد پھیلا دیا۔ خالدؓ نے بڑے دروازے میں جاکر بلند آواز سے اعلان کرائے کہ شہر کے لوگ گھروں سے باہر آجائیں۔

"اگر لوگ باہر نہ آئے تو شہر کا کوئی مکان کھڑا نہیں رہنے دیا جائے گا۔"

"آتش پرستو! زندہ رہنا ہے تو باہر آجاؤ۔"

"اپنے سالاروں سے کہو بزدل نہ بنیں۔"

اس طرح کے اعلان ہوتے رہے مگر دروازے کے اندر سکوت طاری رہا۔ خالدؓ نے نیام سے تلوار نکالی۔ بلند آواز سے کہا — "میرے پیچھے آؤ" — اور اُنہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ فوج کے جو دستے اُن کے ساتھ تھے، وہ اُن کے پیچھے شہر کے دروازے میں یوں داخل ہوئے جیسے کسی نہر یا دریا کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ سب سے آگے سوار دستے تھے۔

اندر جاکر گھوڑے پھیل گئے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ گھر گھر کی تلاشی لی جائے۔ خالدؓ خود ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے اور احکام دینے لگے۔ انہوں نے قاصد سے کہا کہ سالار عاصم بن عمرو کے پاس جائے اور اُسے کہے کہ اپنے دستے اندر لے آؤ اور پیادہ تیر اندازوں کو شہر پناہ کی دیواروں پر پھیلا دو۔

دیکھتے ہی دیکھتے عاصم بن عمرو کے تیر انداز تمام دیوار پر پھیل گئے۔ وہ اندر بھی دیکھ رہے تھے باہر بھی۔ خالدؓ دیوار کے اوپر گئے اور سارے شہر کے گرد گھوم آئے۔ شہر میں انہیں اپنے دستوں کے سوا اور کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ باہر عدی بن حاتم کے دستے تھے۔ خالدؓ کی نظر جہاں تک کام کرتی تھی، انہیں دشمن کے لشکر کا کوئی کُھرا کھوج نہیں مل رہا تھا۔ انہیں گھوڑ سواروں کی تین ٹولیاں دکھائی دیں۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کے سوار تھے۔ خالدؓ نیچے آ گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ

ایک ضعیف العمر آدمی ایک مکان میں چارپائی پر پڑا اونگھ رہا ہے۔ خالدؓ اُس مکان میں گئے۔ ایک بوڑھا جس کی آنکھیں اَدھ کُھلی تھیں اور منہ بھی کُھلا ہُوا تھا، چارپائی پر پڑا لاش لگ رہا تھا۔ اُس کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ خالدؓ نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ وہ اس کے منہ کے ساتھ کان لگا کر سُنے۔

"کیا تم وہی لوگ ہو جن کے ڈر سے شہر خالی ہو گیا ہے؟" — بُوڑھے نے پوچھا۔

"ہم مسلمان ہیں" — محافظ نے کہا۔

"مدینہ کے مسلمان؟" — بوڑھے نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا — "میں یہاں کا عیسائی ہوں۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ سب چلے گئے ہیں۔"

"کہاں چلے گئے ہیں؟"

"بھاگ گئے ہیں" — بوڑھے نے کہا — "سالار بھاگ جائیں، فوج بھاگ جائے تو لوگ کیوں نہیں بھاگیں گے؟ کیا خالدؓ بن ولید تمہارا سالار ہے؟.... یہاں سب اُسے جن اور دیو کہتے ہیں.... ہاں، ہاں.... جس نے کسریٰ کی اتنی طاقتور فوج کو بھگا دیا ہے وہ انسان نہیں ہو گا۔"

خالدؓ نے اُسے نہ بتایا کہ وہ جن اور دیو اُس کے سامنے کھڑا ہے۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ بوڑھے کے منہ میں دودھ ڈالا جائے۔

"فوج گئی کہاں ہے؟" — بوڑھے سے پوچھا گیا۔

"آگے شہر حیرہ ہے" — بوڑھے نے جواب دیا — "ازادبہ وہاں کا حاکم ہے۔ شاید اُس نے حکم دیا تھا کہ سب لوگ حیرہ آجاؤ.... ہمارے اس شہر کے جوان آدمی مدینہ والوں کے خلاف لڑنے گئے تھے۔ بہت سارے مارے گئے ہیں۔ وہ جو بچ کر آ گئے تھے، وہ حیرہ چلے گئے تھے۔ پیچھے بوڑھے، عورتیں اور بچے رہ گئے تھے۔ یہاں کے سب لوگ خالدؓ بن ولید سے ڈرتے ہیں۔ ہمارے بھاگ کر آنے والے جوانوں نے لوگوں کو اور زیادہ ڈرا دیا۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان خون کا دریا بہا دیتے ہیں، اور وہ اِدھر آ رہے ہیں.... سب بھاگ گئے ہیں۔ میں نہیں بھاگ سکا۔ میں تو اٹھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مجھے مرنے کے لیے چھوڑ گئے ہیں۔"

اِس بوڑھے کو اونٹنی کا دودھ پلا کر اُس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ امینشیا شہر اس حالت میں خالی ہوا کہ لوگوں کے گھروں میں سامان اور قیمتی اشیاء ایسے پڑی تھیں جیسے ان مکانوں کے مکین ابھی ابھی کچھ دیر کے لیے باہر نکل گئے ہوں۔ لوگ اتنی عجلت میں بھاگے تھے کہ رقمیں اور سونا وغیرہ بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

خالدؓ کے حکم سے تمام فوج کو شہر میں بلا لیا گیا اور انہیں مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی چھٹی دے دی گئی۔ یہ امیروں کا شہر تھا۔ گھروں میں قیمتی اشیاء اور کپڑوں کی افراط تھی۔ مسلمان بعض چیزوں کو دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ یہ چیزیں وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔

جب سامان ایک جگہ اکٹھا کیا گیا تو خالدؓ نے دیکھا۔

"آگ لگا دو اس سامان کو" — خالدؓ نے حکم دیا — "یہ عیش و عشرت کا وہ سامان ہے جس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نے اس قوم کو بزدل بنا دیا ہے۔ ان لوگوں کا انجام دیکھ لو۔ ان کے محل اور مکان دیکھ لو۔ خدا کی قسم، خدا جسے تباہ کرنا چاہتا ہے اُسے عیش و عشرت میں ڈال دیتا ہے..... ہمیں آگے جانا ہے..... جلا دو اسے اور سونا، ہیرے جواہرات اور رقمیں الگ جمع کر دو۔"

طبری نے خاص طور پر لکھا ہے کہ خالدؓ نے اس خیال سے قیمتی ظروف، ریشمی کپڑے اور امیر گھروں کا سامان جلا دینے کا حکم دیا تھا کہ مجاہدین جہاد سے منہ موڑ جائیں گے۔ طبری کے علاوہ دوسرے مؤرخوں نے بھی لکھا ہے کہ جو مالِ غنیمت اس شہر سے ملا اتنا کہیں سے بھی نہیں ملا تھا۔ خالدؓ نے دستور کے مطابق اس کے چار حصے فوج میں تقسیم کر دیئے اور پانچواں حصہ مدینہ میں خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو بھیج دیا۔

محمد حسین ہیکل نے مختلف مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو مدینہ کو بھیجا گیا اس کا میرِ کارواں بنی عجل کا ایک شخص جندل تھا۔ فارسیوں کے خلاف پہلی تینوں جنگوں کے جنگی قیدیوں کو اسی قافلے کے ساتھ مدینہ کو بھیجا گیا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے ان قیدیوں میں سے ایک خوبصورت لونڈی جندل کو بطور انعام دی۔

طبری نے لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے مدینہ کے مسلمانوں کو مسجد میں بلایا اور انہیں خالدؓ کی فتوحات کی تفصیلات سنائیں۔ انہوں نے کہا — "اے قریش! تمہارا شیر ایک اور شیر پہ جھپٹ پڑا اور اُسے مار گرایا ہے۔ اب عورتیں خالدؓ جیسا بیٹا پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔"

☆

"ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ سے کہا — "آگے فارس کی شہنشاہی کا ایک اور بڑا شہر حیرہ ہے۔ اسے تُو فارس کا ہیرا سمجھ لیکن اسے لینا آسان نہیں ہوگا۔"

"ہاں حارثہ کے بیٹے!" — خالدؓ نے کہا — "امینشیا کی تمام فوج اور تمام عیسائی جوان حیرہ پہنچ گئے ہیں۔ وہ سب ہمارے مقابلے میں آئیں گے۔ انہیں مقابلے میں آنا چاہیئے ..... مدائن کی کیا خبر ہے؟"

"آج ہی میرا ایک جاسوس واپس آیا ہے" — مثنیٰ نے کہا — "وہ بتاتا ہے کہ مدائن میں مایوسی پھیلی ہوئی ہے۔ کسریٰ کے محل میں ماتم ہو رہا ہے..... اچھی خبر یہ ہے کہ وہاں سے اب فوج کا کوئی دستہ نہیں آئے گا۔"

"کیا یہ لوگ اب بھی نہیں سمجھے کہ تخت و تاج اور خزانے طاقت نہیں ہوتے کہ دشمن سے بچا لیں؟" — خالدؓ نے کہا — "کیا یہ ہمارا فرض نہیں کہ ان لوگوں کو اللہ کے سچے رسولؐ کا پیغام دیں کہ طاقت اور ثروت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ ہی عبادت کے لائق ہے جس کا کوئی شریک نہیں؟"

"ہاں ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے کہا — "یہ ہمارا فرض ہے کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں۔"

"اس کے ساتھ ہی مجھے ہر اُس خطرے کو کچلنا ہے جو اسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے" — خالدؓ نے کہا — "کفر کا سر کچلنا ہے۔"

تاریخِ اسلام کا یہ ابتدائی دور بڑا ہی نازک تھا۔ اِسی دور میں اسلام کی عسکری روایات کی بنیاد رکھی تھی۔ اُمّتِ رسولؐ کے لیے جذبے کی شدت اور اہمیت کا تعیّن کرنا تھا۔ اِس روایت کی بنیاد اِس اصول پر رکھی تھی کہ نفری اور طاقت کی کمی شکست کا باعث نہیں بن سکتی۔ جذبہ اور اسلام کی محبت اس کمی کو پورا کر دیا کرتی ہے۔

خالدؓ کو احساس تھا کہ وہ اس خیال سے پیچھے ہٹ آئے کہ لشکر مسلسل لڑ لڑ کر تھک گیا ہے اور نفری بھی کم ہوتی جا رہی ہے اور اپنے مستقر یعنی مدینہ سے بھی دُور ہٹتے جا رہے ہیں تو آنے والی نسلوں کے لیئے یہی روایت بن جائے گی جہاں رکاوٹ یا کوئی دشواری پیش آگئی، سالار اپنی فوج کو واپس لے آئیں گے۔ خالدؓ ایسی روایت قائم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

خالدؓ کو خلیفۃ المسلمین کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اُس وقت کی خلافت کی پالیسی میں کفّار کے ساتھ دوستی یا مذاکرات کا ذرا سا بھی دخل نہیں تھا۔ دشمن کو دشمن ہی سمجھا جاتا تھا۔ یہ نہیں دیکھا جاتا تھا کہ دشمن کتنی دُور ہے اور کتنا طاقتور ہے۔ اصول یہ تھا کہ دشمن کے سر پر سوار رہو اور اُس کے لیئے دہشت بن جاؤ۔

فارس کی شہنشاہی کوئی معمولی طاقت نہیں تھی۔ خالدؓ نے اتنی بڑی طاقت کے پیٹ میں جا کر بھی پیچھے ہٹنے کی نہ سوچی۔ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ لشکر کو کچھ آرام دیتے اور اس کی تنظیم میں اگر کچھ خامیاں رہ گئی تھیں تو وہ دُور کر لیتے۔ مثنیٰ بن حارثہ نے انہیں بتایا کہ حیرہ میں مقابلہ بڑا سخت ہوگا تو بھی خالدؓ نے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی نہ سوچی۔ انہوں نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بُلایا۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے سالاروں سے کہا — "مجھے یقین ہے کہ تم یہ نہیں سوچ رہے کہ ہم جتنا آگے بڑھتے جا رہے ہیں ہمارے لیے خطرے بڑھتے جا رہے ہیں۔"

"نہیں ابنِ ولید!" — ایک سالار نے کہا — "ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچ رہا۔"

"اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا" — دوسرے سالار نے کہا۔

"اور مجھے یہ بھی یقین ہے" — خالدؓ نے کہا — "کہ تم میں سے کوئی بھی نہیں سوچے گا کہ دشمن کتنا طاقتور ہے۔"

"نہیں ابنِ ولید!" — سالار عاصم بن عمرو نے کہا — "ہمیں یہ بتا کہ تُو آج یہ بات کیوں پوچھ رہا ہے؟"

"تم پر اللہ کی رحمت ہو!" — خالدؓ نے کہا — "ہماری اگلی منزل بہت دشوار ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ہم میں سے کون رہتا ہے اور کون دنیا سے اُٹھ جاتا ہے۔ اپنے دلوں پر نقش کر لو کہ اپنے فرض سے مُنہ موڑ کر اللہ کے سامنے جاؤ گے تو تمہارا ٹھکانہ بہت بُرا ہوگا اور تم جانتے ہو وہ ٹھکانہ کیسا ہے۔ روایت جو تم آج قائم کر دو گے وہ ایک ورثہ ہوگا جو تم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جاؤ گے اور یہ روایت اسلام کی بقا کا یا فنا کا باعث بنے گی۔ ہمیں اسلام کی بقا اور سربلندی کے لیے لڑنا ہے۔ قرآن کا حکم یاد کرو کہ لڑو اُس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ موجود ہے اور دشمن کو معاف اُس وقت کرو جب وہ ہتھیار ڈال کر تمہارے آگے جُھک جاتے، پھر اُس سے وہ شرطیں منواؤ کہ اُس کا ڈنک مارا جاتے اور اُس کا دل رسول اللہؐ کے شیدائیوں کے خوف

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے کانپتا رہے۔"

اپنے سالاروں کے جذبے میں نئی روح پھونک کر خالدؓ نے انہیں بتایا کہ آگے آتش پرستوں کا بڑا مضبوط فوجی اڈہ حیرہ ہے جہاں کے حاکم ازادبہ نے بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آتش پرست پہلی لڑائیوں میں بے شمار کشتیاں لاتے تھے۔ وہ اب مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو کشتیوں میں حیرہ تک لے جانے کا فیصلہ کیا۔ دریائی راستہ آسان تھا اور چھوٹا بھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ریگزاروں میں لڑنے والے دریاؤں کے سینے پر سوار ہوتے۔

کشتیوں میں سوار لشکر کی حفاظت کے لیے خالدؓ نے یہ انتظام کیا کہ دریا کے دونوں کناروں پر سو ڈیڑھ سو گھوڑ سواروں کو رکھا جنہیں کشتیوں کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ فتح و نصرت سے سرشار لشکر جذبے اور اسلام کی محبت کے جوش سے دریائے فرات کے سینے پر چلا جا رہا تھا۔ جنگی ترانے کی ایک گونج تھی جو فرات کے پانی پر وجد طاری کر رہی تھی۔ پھر یہ جنگی ترانہ کلمہ طیبہ میں بدل گیا۔ اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی آواز ایک، عزم ایک، جذبہ ایک تھا۔ اُن کے دِلوں میں ایک اللہ اور ایک رسولؐ کا عشق تھا۔

☆

دشمن سویا ہُوا نہیں تھا۔ حیرہ کا حاکم ازادبہ راتوں کو بھی نہیں سوتا تھا۔ حیرہ میں یہ خبر نہیں پہنچنے دی گئی تھی کہ شہنشاہ فارس اُردشیر مر چکا ہے۔ وہ ابھی تک ہر بات اور ہر حکم میں اُردشیر کا نام لیتا تھا۔

اُس روز وہ حیرہ کی شہر پناہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اُس نے شہر میں بے پناہ لشکر جمع کر لیا تھا۔ وہ جس دستے کے سامنے جاتا وہاں چلّا چلّا کر کہتا ۔۔۔ "زرتشت کی رحمت ہو تم پر! وہ بزدل تھے جو کاظمہ، مذار اور الیّس میں صحرا کے بدوؤں کے ہاتھوں پٹ گئے تھے۔ اُن کے مُردہ جسموں کو زرتشت کے شعلے چاٹ رہے ہیں .... اے یسوع مسیح کے نام لیواؤ! تم ہمارے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے ہو۔ یاد کرو اپنی اُن بیٹیوں کو جو لونڈیاں بن کر مدینہ پہنچ گئی ہیں۔ یاد کرو اُن جوان بیٹوں کو جن کے مُردہ جسموں کا گوشت بھیڑیئے، گیدڑ اور گوشت خور پرندے کھا گئے ہیں اور اُنہیں بھی جو قیدی ہو کر مدینہ والوں کی غلامی میں جا پڑے ہیں .... مسلمان فتح کے نشے میں بے خطر بڑھے آ رہے ہیں۔ اُن کے لیے ایسا خطرہ بن جاؤ کہ زندہ واپس نہ جا سکیں۔ شہنشاہِ فارس اُردشیر تمہیں خود مبارک دینے آئیں گے۔ تمہیں انعام و اکرام سے مالا مال کر دیں گے۔"

شہر پناہ اور بُرجوں کے معائنے کے دوران اُس نے دیکھا، دُور ایک گھوڑ سوار گھوڑے کو انتہائی رفتار پر دوڑاتا آ رہا تھا۔

"دروازہ کھول دو" ۔۔۔ ازادبہ چلّایا ۔۔۔ "یہ سوار امینشیا کی طرف سے آ رہا ہے۔"

کئی آوازیں سنائی دیں ۔۔۔ "دروازہ کھول دو۔ سوار کو آنے دو۔"

ازادبہ بڑی تیزی سے دیوار سے اُتر گیا۔ سوار کے پہنچنے تک دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ سوار رفتار کم کئے بغیر اندر آ گیا۔ ازادبہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آنے

والے سوار کی طرف گیا۔ دونوں گھوڑے پہلو بہ پہلو رُک گئے۔

"کوئی خبر؟" ۔۔۔ ازادبہ نے پوچھا۔

"وہ آ رہے ہیں" ۔۔۔ سوار نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا ۔۔۔ "سارا لشکر کشتیوں میں آ رہا ہے"۔

وہ خالدؓ کے لشکر کی پیشقدمی کی خبر دے رہا تھا۔

"کشتیوں میں؟" ۔۔۔ ازادبہ نے پوچھا ۔۔۔ "بند سے کتنی دُور ہیں؟"

"بہت دُور" ۔۔۔ سوار نے جواب دیا ۔۔۔ "ابھی بہت دُور ہیں۔"

ازادبہ کا بیٹا سالار تھا۔ ازادبہ نے اپنے بیٹے کو بُلایا۔ (کسی بھی تاریخ میں اُس کے بیٹے کا نام نہیں ملتا۔ اسے "ازادبہ کا بیٹا" ہی لکھا گیا ہے)

"آج تیری آزمائش کا وقت ہے میرے بیٹے!" ۔۔۔ ازادبہ نے کہا ۔۔۔ "ایک سوار دستہ ساتھ لے اور طوفان سے زیادہ تیز رفتار سے بند تک پہنچ اور فرات کا پانی اس طرح پی لے کہ فرات سوکھ جائے۔ مسلمانوں کا لشکر کشتیوں میں آ رہا ہے۔ دیکھ، تو پہلے پہنچتا ہے یا مسلمان!"

اُس کا بیٹا ایک سوار دستہ لے کر بہت تیز رفتار سے شہر سے نکل گیا۔

☆

خالدؓ کا لشکر بڑی اچھی رفتار پر آ رہا تھا۔ چونکہ وہ بارش کا موسم نہیں تھا اس لیے دریا میں پانی کم تھا لیکن کشتیوں کے لیے کافی تھا۔ اچانک پانی کم ہونے لگا، پھر پانی ختم ہو گیا اور تمام کشتیاں کیچڑ میں پھنس کے رہ گئیں۔ مدینہ کے مجاہدین پر خوف طاری ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دریا کا خشک ہو جانا خوف والی بات تھی۔ خود خالد پریشان ہو گئے۔

"مت گھبرا ولید کے بیٹے!" ۔۔۔ کنارے سے مثنیٰ بن حارثہ کی للکار سنائی دی ۔۔۔ "اور مت ڈرو اہلِ مدینہ! آگے دریا پر ایک بند ہے۔ ہمارے دشمن نے بند پر پانی روک لیا ہے"۔

بڑی تیزی سے سوار اپنے گھوڑے کشتیوں سے نکال لائے اور یہ دستہ سرپٹ دوڑتا بند تک پہنچا۔ ازادبہ کا بیٹا ابھی اپنے سواروں کے ساتھ وہیں تھا۔ مسلمان سواروں نے اُن پر ہلّہ بول دیا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ مسلمانوں نے بند کھول دیا۔ کشتیوں تک پانی پہنچا تو کشتیاں اٹھنے لگیں۔ ملّاحوں نے چپّو تھام لیے اور کشتیاں تیرنے لگیں۔

ازادبہ اچھی خبر کے انتظار میں دیوار پر کھڑا بے تاب ہو رہا تھا۔ اُس کا ایک سالار اُس کے پاس آن کھڑا ہُوا۔

"بہت بُری خبر آئی ہے" ۔۔۔ سالار نے کہا۔

"کہاں سے؟" ۔۔۔ ازادبہ نے گھبرا کر پوچھا ۔۔۔ "کیا میرا بیٹا ...."

"مدائن سے!" ۔۔۔ سالار نے کہا ۔۔۔ "شہنشاہ اُردشیر مر گئے ہیں لیکن یہ خبر خفیہ رکھنی ہے۔"

اتنے میں ایک سوار اُن کے پاس آیا اور گھوڑے سے اُتر کر آداب بجا لایا۔

"اگر یہ میرا فرض نہ ہوتا تو میں ایسی خبر زبان پر نہ لاتا" ۔۔۔ سوار نے کہا۔

"میں سُن چکا ہوں" ۔۔۔ ازادبہ نے کہا ۔۔۔ "کسریٰ اُردشیر ...."

"نہیں" — سوار نے کہا — "آپ کا بیٹا بند پر مارا گیا ہے۔ اُس کے تمام سواروں کو مسلمانوں نے کاٹ ڈالا ہے۔"

"میرا بیٹا!" — ازادبہ کے مُنہ سے نکلا اور اُس کا رنگ لاش کی طرح سفید ہو گیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

kutubistan.blogspot.com

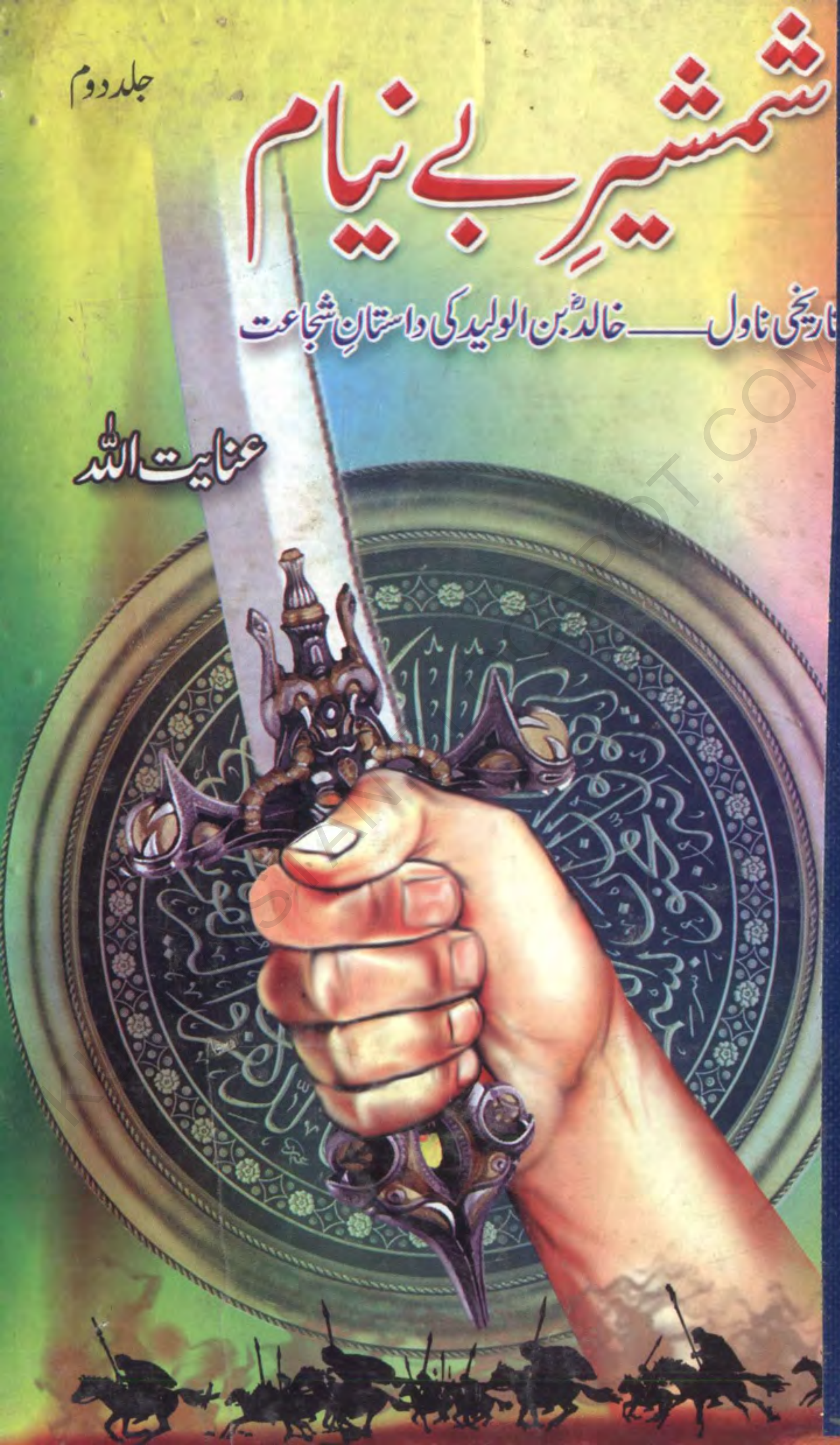
جلد دوم
شمشیرِ بے نیام
تاریخی ناول ـــــ خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت
عنایت اللہ

پیش لفظ

"شمشیرِ بے نیام" کا دوسرا اور آخری حصہ پیشِ خدمت ہے۔
اِس حصے میں خالدؓ بن الولید کی داستانِ شجاعت ختم ہو جاتی ہے۔ ہمیں اسلام اور جنگوں کی تاریخ کے اس عظیم جرنیل کی داستانِ حیات کے تعارف کے طور پر جو کچھ کہنا تھا وہ "شمشیرِ بے نیام" کے پہلے حصے میں کہہ دیا ہے۔ صرف یہ بات دُہرانے کی ضرورت ہے کہ جس انداز سے ہم نے یہ ولولہ انگیز داستان لکھی ہے اسے تاریخی ناول کہا جاتا ہے لیکن یہ اُن تاریخی ناولوں میں سے نہیں جن میں افسانوی بلکہ فلمی رنگ بھر دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ زیادہ اور ناول نہ ہونے کے برابر ہے۔

ہم یہ بھی ایک بار پھر کہنا چاہیں گے کہ یہ داستان ہماری روایات کا مجموعہ ہے۔ آج جب کہ تفریحی اور اخلاق سوز کہانیوں نے مسلمانوں کی اولاد کو پٹڑی سے اتار دیا ہے، یہ کتاب اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ اس میں کہانی کی تمام تر دلچسپیاں موجود ہیں اور یہ ہماری تاریخ ہے اور یہ اسلام کی عسکری روح کی صحیح تصویر ہے۔

عنایت اللہ

مدیر — ماہنامہ "حکایت" — لاہور

ازادبہ پر مایوسی، غم اور رنج و ملال کے ساتھ دہشت بھی طاری ہوگئی تھی جیسے آسمان پھٹ گیا ہو اور اُس کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہو۔ وہ جھکا جھکا سا دیوار پر چل پڑا۔ اُس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اُس کے دو محافظ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ اُس نے یاس اور نومیدی کے عالم میں دائیں اور بائیں دیکھا اور رُک گیا۔ دو محافظوں کو اپنے پہلوؤں میں دیکھ کر اُس کا چہرہ خشمگیں ہوگیا۔

"میں تمہارے سہارے کے بغیر چل سکتا ہُوں" ـــــ اُس نے محافظوں سے کہا ـــــ "میرے برابر آنے کی جرأت نہ کرو۔"

محافظ کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ازادبہ نے اپنے جھکے ہُوئے سر کو اُوپر اٹھایا اور سیدھا ہو کر چلنے لگا لیکن اُس کے کندھے اپنے آپ ہی سکڑ گئے اور آگے کو جھک گئے جیسے اُس پر ایسا بوجھ آپڑا ہو جو اُس کی برداشت سے باہر ہو۔ بوجھ تو اُس پر آہی پڑا تھا۔ یہ ذمّہ داریوں کا بوجھ تھا۔ حیرہ اُس کی ذمّہ داری میں تھا جہاں اُس کا بیٹا اُس کا دستِ راست تھا۔ وہ بھی نہ رہا۔

وہ خود اُردشیر کا دستِ راست بنا ہُوا تھا لیکن اُردشیر کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اُردشیر نے اُسے بہت بڑی حیثیت دے رکھی تھی۔ وہ حیرہ جیسے شہر اور اس کے مضافاتی علاقے کا حاکم تھا اور بہت حد تک خود مختار حاکم تھا مگر وہ کسریٰ اُردشیر مر گیا تھا جس نے اُسے اتنی زیادہ خود مختاری دے رکھی تھی۔ فارس کی شہنشاہی کے تخت پر بیٹھنے والے نئے شہنشاہ سے ازادبہ اتنی مُروّت اور رُتبے کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔ مدینہ کے مجاہدین نے صحیح معنوں میں اُس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ لی تھی۔

"مگر کیوں؟" ـــــ اُس کے ایک سالار نے اُسے اُس وقت کہا جب وہ اپنے شیش محل کے خاص کمرے میں پہنچ چکا تھا۔ سالار نے اُسے کہا ـــــ "معلوم ہوتا ہے آپ نے لڑنے سے پہلے ہی شکست قبول کرلی ہے۔"

"کیا آپ بیٹے کا خون مدینہ کے بدّوؤں کو بخش دیں گے؟" ـــــ اُس کے مرنے والے بیٹے کی ماں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"مجھے سوچنے دو" ـــــ ازادبہ گرجا مگر اُس کی گرج کانپ رہی تھی۔ اُس نے کہا ـــــ "کیا تم لوگ یہ سمجھ رہے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال رہا ہوں؟ کیا تم نے سنا نہیں؟" ـــــ اُس کی آواز دب گئی۔ بوجھل آواز میں بولا ـــــ "شہنشاہِ اُردشیر مر گیا ہے۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کمرے میں سنّاٹا طاری ہوگیا۔

"شہنشاہ مرگیا ہے؟"— ازادبہ کی بیوی نے یوں کہا جیسے وہ سسکیاں لے رہی ہو— "اُردشیر مرگیا ہے.... میرا بیٹا مرگیا ہے"— اُس نے ازادبہ کی طرف دیکھا اور بلند آواز سے بولی — "زرتشت ہمیں اپنی توہین کی سزا دے رہا ہے۔ ہمیں اب اس آگ میں جلنا ہے جس کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ آپ زرتشت کی قربان گاہ پر اپنے لہو کا، اپنی جان کا نذرانہ پیش کرسکتے ہیں۔ کسی مسلمان کو یہاں سے زندہ نہ جانے دیں۔"

ایک محافظ اندر آیا۔ ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر اُس نے ازادبہ کو سلام کیا اور بتایا کہ قاصد آیا ہے۔

"بھیج دو"— ازادبہ کو خاموش دیکھ کر اُس کی بیوی نے محافظ سے کہا۔

محافظ کے جاتے ہی ایک سپاہی اندر آیا اور اُس نے بھی ایک گھٹنہ فرش پر ٹیک کر سلام کیا۔ ازادبہ نے اُداس نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"مدینہ والوں کی کشتیاں بند سے بہت آگے نکل آئی ہیں"— قاصد نے کہا— "اُن کی رفتار تیز ہے۔"

"لشکر کی تعداد کتنی ہوگی؟"— ازادبہ نے پُوچھا۔

"ہم سے آدھی بھی نہیں سالارِ عالی مقام!"— قاصد نے جواب دیا— "میرے اندازے کے مطابق بیس ہزار پوری نہیں۔"

"ہم انہیں اپنے گھوڑوں کے سُموں تلے کچل ڈالیں گے"— سالار نے کہا— "سالارِ اعلیٰ! حکم دیں۔ ہم فرات میں اُن پر تیروں کا مینہ برسا دیں گے۔ اُن کی کشتیاں اُن کی لاشوں کو واپس لے جائیں گی۔"

"تیروں کا مینہ برسانے سے پہلے دریا کے کنارے تک پہنچنے کے لیے ایک لڑائی لڑنی پڑے گی"— قاصد نے کہا— "اُن کے بہت سے گھوڑسوار دریا کے دونوں کناروں پر کشتیوں کے ساتھ ساتھ آرہے ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کرلیا ہے کہ ان سواروں کا کمانڈر مُثنیٰ بن حارثہ ہے اور زیادہ تر سوار فارس کی شہنشاہی کے مسلمان باشندے ہیں، اور جن کشتیوں میں وہ آرہے ہیں وہ ہماری فوج کی کشتیاں ہیں۔"

"یہ اُن بزدلوں کی کشتیاں ہیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے"— ازادبہ نے کہا— "اُنہوں نے ایسے دشمن کے لیے راستہ صاف کردیا جو بہت کمزور تھا۔ مدینہ کے ان عربوں کو ہم نے کبھی پلّے نہیں باندھا تھا۔"

"ہم آج بھی انہیں کمزور سمجھتے ہیں"— سالار نے کہا— "سالارِ اعلیٰ! میں حکم کا منتظر ہُوں۔ مجھے بتائیں مسلمانوں کو کہاں روکنا ہے، یا آپ قلعے میں بند ہوکر لڑنا چاہتے ہیں؟"

"اگر میں کہوں کہ میں لڑنا ہی نہیں چاہتا"— ازادبہ نے کہا— "تو تم لوگ....؟"

"ہم لوگ تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ آپ نے ایسی بات کہی ہے"— سالار نے کہا—

"اس وقت آپ شہنشاہ اُردشیر اور اپنے بیٹے کی موت پر اتنے زیادہ مغموم ہیں کہ آپ اچھی طرح سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"اس غم کے باوجود ہمیں سوچنا پڑے گا"— ازادبہ کی بیوی نے کہا— "اور بڑی تیزی سے سوچنا پڑے گا۔ ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ عیسائی عرب ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم نے خود انہیں یہاں اکٹھا کیا ہے کہ مسلمانوں کو حیرہ سے آگے نہ بڑھنے دیا جاتے اور انہیں یہیں ختم کردیا جاتے۔"

"ہاں، ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں"— ازادبہ نے کہا— "لیکن کوئی کمی ضرور ہے جس سے ہم ہر میدان میں شکست کھا رہے ہیں۔ میں اپنے پیچھے اپنے نام کے ساتھ شکست کی تہمت چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں فتح حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ سوچوں گا۔ میں مدائن جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ وہاں کے حالات کیا ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ شہنشاہ اُردشیر کے مرنے کے بعد ہمیں کوئی مدد دینے والا بھی ہے یا نہیں۔"

"نہیں سالارِ اعلیٰ!"— اُس کے سالار نے کہا— "ابھی مدائن نہ جائیں۔ دشمن سر پہ آگیا ہے۔"

"کیا تم مُجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہو؟"— ازادبہ نے غصیلی آواز میں کہا— "کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں بھاگ رہا ہوں؟ جو میں سوچ رہا ہُوں وہ تم نہیں سوچ سکتے۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ ہماری فوج میں وہ کون سی کمزوری ہے جو ہر میدان میں ہماری شکست کا باعث بنتی ہے۔ کیا تم اس پر غور نہیں کررہے کہ ہرمز جیسا جنگجو مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے.... اَندرزغر، بہمن جادویہ، انوشجان اور قباذ معمولی قسم کے سالار نہیں تھے۔ اندرزغر کو کیا ہوگیا تھا؟ جابان کدھر گیا؟.... مجھ سے فیصلہ کُن جنگ اور فتح کی کیوں توقع رکھی جارہی ہے؟.... میں لڑوں گا لیکن سوچ سمجھ کر.... تمام سالاروں اور نائب سالاروں کو بلاؤ۔"

☆

خالدؓ کا لشکر دریائے فرات کے سینے پر سوار آگے ہی آگے بڑھتا جارہا تھا۔ گھوڑسوار دریا کے دونوں جانب پھیلے ہُوتے ساتھ ساتھ جارہے تھے۔ ہر لمحہ توقع تھی کہ حیرہ کی فوج کسی مقام پر حملہ کرے گی، لیکن اس فوج کا دُور دُور تک کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا۔ مُثنیٰ بن حارثہ کے گھوڑسوار کناروں سے ہٹ کر دور تک چلے جاتے اور دشمن کا کُھرا کھوج ڈھونڈنے کی کوشش کرتے تھے۔

خالدؓ کو معلوم تھا کہ حیرہ کی جنگ بڑی خونریز ہوگی۔ مُثنیٰ بن حارثہ نے معلوم کرلیا تھا کہ ازادبہ نے حیرہ میں بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ خالدؓ کا جذبہ اور عزم تھا کہ وہ دشمن کے ایک بڑے ہی مضبوط فوجی اڈے کی طرف بڑھے جارہے تھے، ورنہ مسلمانوں اور آتش پرستوں کی جنگی طاقت کا تناسب ایسا تھا کہ خالدؓ کو ایک قدم اور آگے بڑھانے کی بجائے واپس آجانا چاہیے تھا مگر خالدؓ ملک گیری کی ہوس سے یہ خطرے مول نہیں لے رہے تھے بلکہ وہ اللہ کے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

حکم کی تعمیل کر رہے تھے۔ اسلام کے پڑوس میں اتنے بڑے اور بہت ہی طاقتور باطل کی موجودگی اسلام کے لیے ایسا خطرہ تھی کہ اسلام آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹتا جاتا پھر غائب ہو جاتا۔

"ابنِ ولید!" — خالدؓ کو دریا کے کنارے سے مثنیٰ بن حارثہ کی پکار سنائی دی — "منزل قریب آگئی ہے۔"

خالدؓ نے اپنے کشتی رانوں سے کہا کہ کشتی کنارے کے ساتھ لے جائیں اور انہیں اتار کر کشتی آگے لے جائیں۔ مثنیٰ اس علاقے سے واقف تھا پھر بھی اُس نے اس علاقے کے دو آدمیوں کو پکڑ کر کچھ انعام دیا اور راہنمائی کے لیے انہیں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔

خالدؓ جب کنارے پر اُترے تو مثنیٰ نے اپنے ایک سوار سے کہا کہ وہ گھوڑا خالدؓ کو دے دے۔ خالدؓ اس گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مثنیٰ اور خالدؓ کے گھوڑے پہلو بہ پہلو جا رہے تھے اور مثنیٰ کی نظریں خالدؓ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ خالدؓ اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نظریں جب مثنیٰ بن حارثہ پر آئیں تو بھی مثنیٰ کی نظریں اُن کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیوں، ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے مسکراتے ہوئے پوچھا — "کیا تو مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"ہاں، ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ نے سنجیدہ اور ٹھہرے لہجے میں کہا — "میں تجھے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تو مجھے انسان نہیں لگتا۔ تیرے چہرے پر کچھ گھبراہٹ اور کچھ پریشانی ہونی چاہیے تھی۔"

"میں اندر ہی اندر پریشان ہوں" — خالدؓ نے کہا — "اور میرے دل پر گھبراہٹ بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ میں انسان ہوں لیکن میں پریشانی اور گھبراہٹ کو چہرے پر نہیں آنے دوں گا۔"

"یہ چہرہ ایک لشکر کا چہرہ ہے" — مثنیٰ نے کہا — "یہ اسلام کا چہرہ ہے۔۔۔ میں سمجھتا ہوں ابنِ ولید! سالارِ اعلیٰ کا چہرہ بگڑ جاتے تو پورے لشکر کا اور ساری ہی قوم کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔"

"مجھے یہ بتا ابنِ حارثہ!" — خالدؓ نے پوچھا — "تو نے یہ باتیں کیوں کی ہیں؟ کیا تو مجھے پریشانی اور گھبراہٹ میں دیکھنا چاہتا ہے؟"

"ہاں ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے کہا — "تجھے شاید احساس نہیں کہ تو کتنے بڑے اور کتنے طاقتور دشمن کے سامنے جا رہا ہے۔"

"میں اپنے لیے جا رہا ہوتا تو مجھے اپنا غم ہوتا کہ بادشاہ بننے سے پہلے ہی نہ مارا جاؤں" — خالدؓ نے کہا — "میں اللہ کے حکم پر جا رہا ہوں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے اور تجھے گھبرانے کی اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ مجھے یہ بتاؤ کہ آگے کیا ہے۔"

مثنیٰ نے اُن دو آدمیوں کو بلایا جو اِس علاقے کے رہنے والے تھے اور اُنہیں کہا کہ وہ بتائیں کہ آگے کیا ہے۔ ان دونوں نے بتایا کہ آگے حیرہ ہے اور وہاں تک زمین

کیسی ہے۔ خالدؓ نے اِن آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور مثنیٰ کے ساتھ حیرہ پر حملے کی سکیم بنانے لگے۔

☆

حیرہ فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو کشتیوں سے کنارے پر بلایا۔

"میں مان نہیں سکتا کہ آتش پرست ہمیں حیرہ کے راستے میں نہیں روکیں گے" — خالدؓ نے کہا — "اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے جسے وہ اِس سارے علاقے میں پھیلا سکتے ہیں۔ تمام عیسائی بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اگر ہم حیرہ کے سامنے جا کر کشتیوں سے اُترے تو دشمن وہیں ہم پر حملہ کر دے گا۔ ہم حیرہ سے دُور کشتیاں چھوڑ دیں گے۔"

خالدؓ بیٹھ گئے اور اپنی تلوار نکال کر اس کی نوک سے حیرہ کا محلِ وقوع اور اپنی پیشقدمی کا نقشہ بنانے لگے۔ اُنہوں نے اُس مقام سے جہاں وہ کھڑے تھے، حیرہ تک پہنچنے کے راستے کی لکیر بنائی جو سیدھی نہیں تھی بلکہ یہ نیم دائرہ تھا۔ اُنہوں نے یہ لکیر ایک مقام پر ختم کی جو ایک قصبہ تھا۔ یہ حیرہ سے تقریباً تین میل دُور تھا۔

"اس قصبے کا نام خورنق ہے" — خالدؓ نے کہا — "ہم اس کے قریب سے گزریں گے اور حیرہ کی طرف تیزی سے بڑھیں گے۔ توقع یہی ہے کہ آتش پرست شہر سے کچھ دُور ہی ہمارے راستے میں آجائیں گے۔ میرے بھائیو! یہ لڑائی خوفناک ہو گی۔ زرتشت کے پجاری اب شکست کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ آگے مدائن ہے۔ میں تمہیں بڑے ہی سخت امتحان میں ڈال رہا ہوں لیکن اس امتحان میں پورا اُترنا ہے۔ دشمن کی تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے۔۔۔۔ اگر ہمیں حیرہ کو محاصرے میں لینے کا موقع مل گیا تو محاصرہ بہت لمبا ہو گا۔ ہم اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔ اپنے دلوں میں اللہ سے عہد کر دو کہ حیرہ کو فتح کرنا ہے۔۔۔ اب کشتیاں چھوڑ دو اور تمام لشکر کو کنارے پر لے آؤ۔"

مسلمانوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ یہ لشکر کشتیوں سے اتر کر کنارے پر آگیا اور بڑی تیزی سے پیشقدمی کے لیے منظم ہو گیا۔ خالدؓ نے سالار عاصم بن عمرو کو آگے اور عدی بن حاتم کو پیچھے رکھا اور خود درمیان میں رہے۔ مثنیٰ بن حارثہ کا سوار دستہ ہراول کے طور پر لشکر سے کم و بیش ایک میل آگے نکل گیا تھا۔

خالدؓ کے حکم سے مجاہدین کا لشکر خاموشی سے جا رہا تھا۔ نعروں اور جنگی ترانوں کی ممانعت کر دی گئی تھی تاکہ پتہ نہ چلے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔ خالدؓ نے راستہ ایسا اختیار کیا تھا جو جنگل اور ویران علاقے سے گزرتا تھا اور اُدھر مسافروں کی گزرگاہ نہیں تھی۔

مثنیٰ بن حارثہ کے سوار پھیل کر جا رہے تھے تاکہ گھات کا کہیں بھی شک ہو تو لشکر کو پیغام بھیج کر پیچھے ہی روک لیا جائے۔

☆

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ کا لشکر خورنق تک پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج کا کہیں بھی نام ونشان تک نہ ملا۔ خالدؓ نے لشکر کو روک لیا اور اپنے ایک جاسوس سے کہا کہ وہ قصبے کے اندر جاتے اور دیکھے کہ دشمن کی فوج وہاں تو نہیں!

خالدؓ کا جاسوسی کا نظام ذہین اور جرأت مند آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں اُن مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی جو فارس والوں کے غلام تھے۔ وہ دجلہ اور فرات کے سنگم کے علاقے میں رہتے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی بھیس بدل کر خورنق چلا گیا اور خبر لایا کہ اس قصبے میں کوئی فوج نہیں اور قصبے میں امن وامان ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس قصبے میں متموّل لوگ رہتے تھے۔ آج وہاں خورنق کا نشان بھی نہیں ملتا۔

انسان مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتے ہیں، مقام مٹ جاتے ہیں، بلند و بالا مکان اور عالیشان محل مٹ جاتے ہیں۔ زندہ صرف تاریخ رہتی ہے — اچھی یا بُری — انسانوں کے نام زندہ رہتے ہیں۔ اُن کی قائم کی ہُوئی روایات زندہ رہتی ہیں۔ آج وہ قصبہ موجود نہیں جہاں تاجر اور دیگر دولت مند لوگ رہتے تھے۔ خالدؓ نے آتشِ نمرود میں کودنے سے پہلے اس قصبے کے قریب قیام کیا تھا۔ قصبہ نہیں رہا، خالدؓ زندہ ہے۔ اُن کی روایات زندہ ہیں۔ مثنیٰ بن حارثہ کو، عاصم اور عدی کو اور اُن اٹھارہ ہزار مجاہدین کو تاریخ نے زندہ رکھا ہے۔ اُن کے گھوڑوں کے سُموں کی گرد کو سورج کی کرنوں نے چُوما ہے۔

کیا مقصد تھا اُن اوّلین مجاہدین کا جو اُس دشمن سے ٹکر لینے جا رہے تھے جو اٹھارہ ہزار نفوس کو نگل لینے کی طاقت رکھتا تھا؟ خالدؓ اور اُن کے سالاروں کے دلوں میں تخت و تاج کی ہوس نہیں تھی۔ زر و جواہرات کا لالچ نہیں تھا۔ ایک عزم تھا جو اُن کے لیے جنون بن گیا تھا۔ وہ اُس کفر کو اپنے پڑوس میں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے جو اسلام کی بقا اور فروغ کے لیے خطرہ تھا۔ اُن کے ذہنوں میں کوئی شک نہ تھا، کوئی وہم اور کوئی وسوسہ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والی روایت اپنے خون سے لکھنے جا رہے تھے۔

مؤرخ نے اُس وقت کے وقائع نگاروں کے حوالوں سے لکھا ہے کہ خالدؓ پر خاموشی طاری تھی۔ کوئی سپاہی اُن کی طرف دیکھتا تھا تو وہ مُسکراتے تھے۔ خالدؓ جب خورنق سے آگے نکلے تو اُن کے منہ سے کوئی حکم نکلتا تھا یا کوئی ہدایت۔ اس کے سوا وہ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ مثنیٰ بن حارثہ شب خون اور دن کی چھاپہ مار جنگ کا اور بھاگ دوڑ کر لڑنے والی لڑائی کا ماہر تھا۔ وہ جب خالدؓ کو بتاتا تھا کہ وہ یوں کرے گا اور یوں کرے گا تو خالدؓ کے مُنہ سے ہر بار یہی الفاظ نکلتے تھے — "اللہ تجھے اجر دے گا ابنِ حارثہ!"

☆

خالدؓ اپنے لشکر کو خورنق سے پرے پرے آگے لے گئے۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں گے۔ انہیں معلوم تھا کہ دشمن ضرورت سے زیادہ بیدار ہوگا۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ اس قصبے پر نظر رکھنے کے لیے چند ایک مجاہدین کو پیچھے رہنے دیا جاتے

تاکہ اس میں سے نکل کر کوئی آدمی حیرہ یہ اطلاع نہ دینے چلا جاتے کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔

یہ پھندہ تھا جس میں مدینہ کا لشکر جا رہا تھا۔ وہ علاقہ گھات کے لیے موزوں تھا لیکن گھات کے بھی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ یہی ہو سکتا تھا کہ دشمن کا لشکر اچانک ہر طرف سے آتے گا اور اٹھارہ ہزار کے اس لشکر کو گھیرے میں لے کر سالاروں سے سپاہیوں تک کاٹ دے گا۔

کچھ اور آگے گئے تو ایک ٹیکری آ گئی۔ خالدؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ٹیکری پر چڑھ گئے۔ اُن کے حکم سے لشکر رُک گیا۔

"اللہ کے سپاہیو!" — خالدؓ نے بلند آواز سے کہا — "تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ آج خُدائے واحد نے تمہیں بڑے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ آج اللہ کے رسولؐ کی رُوحِ مقدس تمہیں دیکھ رہی ہے۔ آج تم ایک پہاڑ سے ٹکرانے اور اسے ریزہ ریزہ کرنے جا رہے ہو۔ اب جس لشکر کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوگا وہ پہاڑ سے کم نہیں۔ مجاہدینِ اسلام! اگر آج تم نے پیٹھ دکھائی تو تمہیں نہ خُدا بخشے گا نہ دشمن۔ آج اس عہد سے آگے بڑھو، فتح یا موت۔ ہماری جانیں اللہ کی امانت ہیں۔ یہ امانت اللہ کو لوٹانی ہے لیکن باوقار طریقے سے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تعداد اور ہتھیاروں کی کمی اور افراط شکست اور فتح کا باعث نہیں بن سکتی۔ فتح جذبے اور عزم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس یقین کے ساتھ آگے بڑھو کہ رسولؐ اللہ کی روحِ مقدس تمہارے ساتھ ہے۔"

خالدؓ نے اپنے لشکر کے جذبے کو اور زیادہ گرما دیا اور لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

☆

وہ حیرہ کے عقب کو جا رہے تھے۔ اس طرح انہیں خاصا بڑا چکر کاٹنا پڑا۔ جب شہر کے قریب گئے تو بھی دشمن کا کوئی سپاہی نظر نہ آیا۔ دیوار کے اُوپر اور بُرجوں میں بھی کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ امنیشیا میں بھی ایسے ہی ہُوا تھا اور خالدؓ نے اسے دھوکہ سمجھا تھا لیکن یہ دھوکہ نہیں تھا۔ دشمن شہر خالی کر کے چلا گیا تھا۔ حیرہ میں بھی آتش پرستوں کی فوج کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ شہر پناہ کے دروازے کھلے تھے۔

مثنیٰ بن حارثہ اپنے چند ایک سواروں کے ساتھ شہر کے اردگرد چکر لگا آیا۔

"ابنِ ولید!" — مثنیٰ نے خالدؓ سے کہا — "سامنے والا دروازہ بھی کُھلا ہے اور لوگ گھومتے پھرتے دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا" — خالدؓ نے کہا — "امنیشیا خالی تھا۔ تُو کہتا ہے شہر میں لوگ موجود ہیں۔ یہ پھندہ ہے ابنِ حارثہ! یہ جال ہے.... عاصم اور عدی کو بلاؤ۔"

دونوں سالار آئے تو خالدؓ نے انہیں بتایا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے۔ کچھ دیر تبادلۂ خیالات اور بحث مباحثہ ہُوا اور طے پایا کہ تمام دروازوں سے لشکر کے دستے طوفان کی طرح اندر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جائیں اور شہر میں پھیل جائیں۔

اگر خطرہ تھا تو یہ کوئی معمولی خطرہ نہیں تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو جس طرح شہر میں داخل ہونے کو کہا تھا اس طرح اکیلے اکیلے مجاہد کے کٹ جانے یا مکانوں میں چھپے ہوئے تیر اندازوں کے تیروں کا نشانہ بننے کا خطرہ تھا لیکن خالدؓ نے یہ خطرہ مول لے لیا اور لشکر کو شہر میں داخل کر دیا۔ مجاہدین دوڑتے ہوئے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے اندر گئے۔

شہر کے لوگ چھپنے یا بھاگنے کی بجائے باہر آ گئے۔ عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں۔ بعض لوگ گھروں میں چھپ گئے تھے اور انہوں نے دروازے بند کر لیے تھے لیکن قتل و غارت اور لوٹ مار نہ ہوئی تو چھپے ہوئے لوگ بھی باہر آ گئے۔

خالدؓ نے سارے شہر میں اعلان کرایا کہ جس گھر میں آتش پرستوں کے لشکر کا کوئی آدمی ہو، اُسے گھر سے نکال دو، کسی مکان سے ایک بھی تیر آیا اُس مکان کو آگ لگا دی جائے گی۔

شہر کے معززین اور سرکردہ افراد کا ایک وفد خالدؓ کے پاس آیا اور بتایا کہ شہر کے کسی بھی گھر میں فوج کا کوئی آدمی نہیں۔

"فوج کہاں گئی؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"مدائن چلی گئی ہے" — وفد کے سردار نے کہا۔

"حاکم ازادبہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی چلا گیا ہے" — خالدؓ کو جواب ملا۔

"مجھے کون یقین دلا سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا؟" — خالدؓ نے پوچھا — "کون مان سکتا ہے کہ حاکم بھی چلا جائے، فوج بھی چلی جائے اور رعایا اپنے دشمن کی فوج کو اپنے شہر میں دیکھ کر بھی امن و امان سے رہے اور اُسے اپنے دشمن کا کوئی خوف نہ ہو؟"

"ہم سالارِ مدینہ کو یہی یقین دلانے آئے ہیں کہ حیرہ کی رعایا امن و امان سے رہے گی اور امن و اماں کی درخواست کرتی ہے" — وفد کے سردار نے کہا — "دھوکہ آپ کے ساتھ نہیں ہوگا، دھوکہ ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ جس رعایا کو اُس کا حاکم اور فوج دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے وہ رعایا دشمن کو دوست بنانے کی کوشش کرے گی، دشمن کو دھوکہ دینے کا خطرہ مول نہیں لے گی۔ ہم اس فوج کا ساتھ نہیں دے سکتے جس نے کاظمہ میں شکست کھائی، الیّس سے بھاگی، امغیشیا جیسا شہر خالی کر کے بھاگ آئی اور یہ اتنا بڑا شہر اور اپنی رعایا کو چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"امن!" — وفد کے سردار نے جواب دیا — "شہر کے باشندے امن کی اور اپنے جان و مال اور عزت کے تحفظ کی قیمت دیں گے۔"

"ہم قیمت نہیں لیا کرتے" — خالدؓ نے کہا — "خدا کی قسم، امن کے جواب میں امن دیں گے..... کیا میرے لشکر کے کسی ایک بھی آدمی نے کسی کے گھر سے کوئی چیز اٹھائی ہے؟

کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟"

"نہیں" — وفد کے سردار نے کہا۔

"ہم صرف اُس شہر کے اموال کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں جس کے باشندے بھاگ گئے ہوں" — خالدؓ نے کہا — "تم اپنے گھروں میں موجود تھے اور تم ہمارے مقابلے میں بھی نہیں آئے اس لیے یہ میرا فرض ہے کہ میں اس شہر کے باشندوں کو اپنی پناہ میں لے لوں..... اور میں اس کی کوئی قیمت نہیں لوں گا..... جاؤ، امن سے آئے ہو تو امن سے جاؤ۔"

"بے شک یہ ہے وہ طاقت جو آپ کو ہر میدان میں فتح دیتی ہے" — وفد کے سردار نے کہا۔

☆

تاریخ میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ خالدؓ نے حیرہ کے باشندوں کو قبولِ اسلام کی دعوت دی تھی یا نہیں، البتہ یہ شہادت بڑی صاف ملتی ہے کہ حیرہ کے باشندوں کو یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کی فوج اُن کے گھر لوٹ لے گی اور اُن کی خوبصورت عورتوں کو اپنے قبضے میں لے لے گی، لیکن مسلمان اُن کے گھروں میں گئے بھی تو صرف یہ دیکھنے کہ وہاں فارس کے سپاہی نہ چھپے ہوتے ہوں۔ حیرہ والوں نے جب مسلمانوں کا یہ کردار دیکھا اور خالدؓ نے انہیں یقین دلا دیا کہ اس شہر کے باشندے مسلمانوں کی پناہ میں ہیں تو وہ اتنے متاثر ہوئے کہ بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

خالدؓ کو حیرہ کے لوگوں سے ایک فائدہ یہ بھی ملا کہ نومسلموں نے اور ایک دو سرکردہ افراد نے بھی خالدؓ کو بڑی قیمتی معلومات دیں۔

"حیرہ آپ کا ہے" — حیرہ کے ایک سردار نے خالدؓ سے کہا — "لیکن آپ اس شہر پر قبضہ کر کے امن سے نہیں رہ سکیں گے۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ حیرہ کے اردگرد چار قلعے ہیں جن کے قلعہ دار مختلف قبیلوں کے سردار ہیں اور ہر ایک قلعے میں عیسائی عربوں کی فوج موجود ہے۔"

"اگر ہم نے فارس کے نامور سالاروں کو شکست دے دی ہے تو ان قلعہ داروں کو شکست دینا شاید مشکل نہ ہوگا" — خالدؓ نے کہا اور پوچھا — "قلعوں کی فوجیں لڑنے میں کیسی ہیں؟"

"ہر ایک سپاہی جان لڑا دے گا" — مجوسی سردار نے کہا — "ہم ان فوجوں کو فارس کی فوجوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور جری سمجھتے ہیں۔"

خالدؓ کو ان چار قلعوں کی جو تفصیلات بتائی گئیں وہ یوں تھیں:

ہر قلعے کا اپنا ایک نام تھا۔ ایک قلعے کا نام قصرِ ابیض تھا۔ اس کا قلعہ دار ایاس بن قبیصہ تھا۔ دوسرے قلعے کا نام قصر العدسین تھا۔ عدی بن عدی اس کا قلعہ دار تھا۔ تیسرے قلعے کا نام قصرِ بنو مازن اور قلعہ دار کا نام ابنِ اکال تھا۔ چوتھے قلعے کا نام قلعہ دار کے نام پر تھا۔ قلعے کا نام قصر ابن بقیلہ تھا جب کہ اس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بقیلہ تھا۔

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ ان قلعوں کو فتح کرنا لازمی ہے ورنہ حیرہ

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

پر ہمارا قبضہ نہیں رہ سکے گا۔ اسلام کی عسکری روح یہی ہے کہ جہاں سے خطرے کی بُو آتے وہاں حملہ کردو۔ دشمن کے چیلنج کو قبول کرنا اور تیاری کی حالت میں اُس پر جا پڑنا اسلامی فنِ حرب و ضرب کی بنیاد ہے۔ اسی اصول کے تحت خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بتایا کہ کون کس قلعے پر حملہ کرے گا۔

قصرِ ابیض پر حملہ کرنے کے لیے ضرار ابن الازور کو حکم دیا گیا۔ ان کے ہم نام ضرار ابنِ خطاب کو قصر العدسیین پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ قصرِ ابن بقیلہ مثنیٰ کے حصّے میں آیا۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ ان قلعوں کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے۔ خالدؓ نے سب سے پہلے چاروں قلعہ داروں کو پیغام بھیجے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ اگر دونوں صورتیں اُنہیں منظور نہیں تو مسلمانوں کی تلواروں سے کٹنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

چاروں قلعوں سے کورا جواب آیا۔ تمام قلعہ داروں نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ وہ نہ اپنے قلعوں سے دستبردار ہوں گے نہ اپنے مذہب سے۔

چاروں قلعوں پر مسلمانوں نے بیک وقت حملہ کیا اور قلعوں کو محاصرے میں لے لیا۔ فوراً ہی مجاہدین نے قلعوں میں داخل ہونے کی بڑی ہی دلیرانہ کوششیں شروع کر دیں، لیکن ہر قلعے کی فوج مجاہدین کی ہر کوشش کو ناکام کر رہی تھی۔ قصرِ ابیض کے دفاع نے سالار ضرار کو بہت پریشان کیا۔ قلعے کی دیواروں سے عیسائیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان دیوار کے قریب جانے سے بے بس ہو گئے۔ قلعے کی دیوار پر ایک منجنیق تھی جس سے مٹی کے بڑے بڑے گولے مسلمانوں پر پھینکے جا رہے تھے۔

سالار ضرار نے قلعے کے چاروں طرف گھوڑا دوڑا کر دیکھا۔ کسی بھی طرف سے قلعے کو سر کرنے کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ منجنیق مٹی کے خشک گولے بڑی تیزی سے پھینک رہی تھی۔ سالار ضرار نے ایسے تیر اندازوں کو الگ کیا جو جسمانی لحاظ سے توانا تھے۔ ان سب کو ضرار نے حکم دیا کہ منجنیق کے جس قدر قریب جا سکتے ہیں چلے جائیں اور بیک وقت منجنیق چلانے والوں پر تیروں کی باڑیں ماریں۔

تیر انداز جوش و خروش سے آگے بڑھے۔ اُوپر سے اُن پر تیروں کی بوچھاڑیں آئیں اور اس کے ساتھ ہی منجنیق کے پھینکے ہوتے مٹی کے گولے بھی آنے لگے۔ کتی مجاہدین تیروں سے شدید زخمی ہو گئے لیکن اتنے زیادہ تیر بھی اُن کا حوصلہ نہ توڑ سکے۔ ضرار کے بعض تیر انداز اس حالت میں آگے بڑھتے گئے کہ اُن کے جسموں میں دو دو تین تین تیر اُترے ہوتے تھے۔ ان سب نے منجنیق چلانے والوں پر تیر چلائے۔ منجنیق بالکل سامنے تھی۔ اس سے مٹی کے گولے پھینکنے والے تقریباً تمام کے تمام تیر کھا کر گرے اور منجنیق کے گولے بند ہو گئے۔

مسلمان تیر اندازوں نے اُس حکم کی تعمیل کر دی تھی جو انہیں ملا تھا۔ اُنہوں نے منجنیق کو بیکار کر دیا تھا، پھر بھی وہ واپس نہ آتے۔ اُنہوں نے قلعے کے تیر اندازوں پر تیر برسانے شروع کر دیتے۔ فضا میں اُڑتے تیروں کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا۔ ان مجاہدین کی سرفروشی کو دیکھتے ہوتے کتی اور تیر انداز آگے چلے گئے۔ یہ تیروں کی جنگ تھی جس میں دونوں طرف کے آدمی تیروں کا شکار

ہو رہے تھے۔

سالار ضرار نے جب اپنے ان تیر اندازوں کی بے خوفی دیکھی تو وہ قلعے کے ارد گرد گھوم گیا اور اُس نے تیر اندازوں سے کہا کہ وہ اور قریب سے تیر چلائیں۔

باقی تین قلعوں کی کیفیت بالکل اسی جیسی تھی۔ عیسائی بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مسلمان گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوتے دیوار کے قریب جاتے اور دوڑتے گھوڑوں سے تیر چلا کر آگے نکل جاتے۔ اس طرح مسلمان سواروں کو یہ فائدہ حاصل ہوتا تھا کہ وہ تیروں کا نشانہ بننے سے بچ جاتے تھے۔ اس کے باوجود سوار تیروں سے زخمی ہوتے۔ بعض مجاہدین نے یہاں تک بے جگری کا مظاہرہ کیا کہ دروازوں تک چلے گئے اور اُنہوں نے دروازے توڑنے کی کوشش کی لیکن قلعوں کے دفاع میں لڑنے والوں نے اس سے زیادہ بے جگری کے مظاہرے کئے۔ دیواروں سے تیر برسانے والے جتنے تیر انداز مسلمانوں کے تیروں سے گرتے تھے، اتنے ہی تازہ دم تیر انداز ان کی جگہ لے لیتے تھے۔

☆

خالدؓ ہر قلعے کے ارد گرد گھوڑا دوڑاتے، صورتِ حال کا جائزہ لیتے اور مجاہدین کو یہی ایک بات کہتے کہ چاروں قلعے شام سے پہلے پہلے سر کرنے ہیں، ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ خالدؓ نے پیچھے رہ کر حکم نہیں دیتے بلکہ آگے دیواروں کے قریب وہاں تک جاتے رہے جہاں اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آ رہی تھیں۔ وہ دو قلعوں کے دروازوں تک بھی پہنچے اور تیر اُن کے ارد گرد اُڑتے رہے۔

خالدؓ اس لیے انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ انہیں خطرہ نظر آ رہا تھا کہ ازادبہ اچانک کسی طرف سے فوج کے ساتھ نمودار ہوگا اور عقب سے حملہ کر دے گا۔ وہ ملک آتش پرستوں کا تھا، زمین اُن کی، فوج اُن کی اور وہاں کے باشندے اُن کے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہاں اُن کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یہ خالدؓ کی غیر معمولی جنگی فہم و فراست اور اُن کی اور اُن کے سالاروں کی بے مثال جرأت تھی کہ وہ خطروں میں گِرتے چلے جا رہے تھے اور پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ فارس کی فوج کے لیے وہ دہشت بن گئے تھے۔

خالدؓ اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے والے سالار نہیں تھے کہ دشمن جو شکست کھاتا اور پسپا ہوتا چلا جا رہا ہے وہ جوابی وار نہیں کرے گا۔ وہ اِن چار قلعوں کو ہی پھندہ یا جال میں دانہ سمجھ رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور آدمی بھیج رکھے تھے جو بلند جگہوں یا درختوں پر چڑھ کر ہر طرف دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لیے حکم تھا کہ دُور سے انہیں فوج آتی نظر آتے تو خالدؓ کو فوراً اطلاع دیں۔

"وہ آئیں گے .... وہ ضرور آئیں گے" — خالدؓ کا یہ پیغام ہر ایک سالار اور ہر ایک سپاہی تک پہنچ گیا تھا، اور یہ بھی — "اللہ کے شیرو! ہمت کرو۔ قلعے لے لو۔ دشمن آتے تو اُس پر تمہارے تیر قلعوں کی دیواروں سے برسیں"۔

مسلسل لڑائیوں، کوچ اور پیشقدمی کے تھکے ہوتے مجاہدین اپنے جسموں کو جیسے بھول ہی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

گئے تھے۔ وہ اب روحانی قوتوں سے لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو پکارتے، ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھاتے اور دشمن کو للکارتے تھے۔ اُن کے تیر نیچے سے اوپر جا رہے تھے۔

☆

قلعوں کے اندر یہ عالم تھا کہ دیواروں سے زخمی تیر اندازوں کو اُتار رہے تھے۔ زیادہ کو تیر چہروں، آنکھوں اور گردنوں میں لگے تھے۔ اُن کی چیخ و پکار سے اُن کے ساتھیوں کے حوصلے ٹوٹنے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کی للکار اور اُن کے نعرے قلعوں کے اندر بھی سنائی دے رہے تھے۔ اِن سے قلعہ بند لوگوں پر خوف طاری ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قلعوں کو بہت بڑے لشکر نے محاصرے میں لے رکھا ہے۔

مورخوں کے حوالوں سے محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ چاروں قلعوں میں پادری اور دیگر مذہبی پیشوا تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دیواروں سے اتنے زیادہ زخمی اتارے جا رہے ہیں تو وہ قلعہ داروں کے پاس گئے۔ تاریخ میں صرف ایک قلعے کی اندرونی کیفیت ذرا تفصیل سے ملتی ہے۔ یہ قلعہ قصرِ ابن بُقیلہ تھا جس کا قلعہ دار عبدالمسیح بن عمرو بن بُقیلہ تھا۔

عبدالمسیح کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ کوئی معمولی سا قلعہ دار نہ تھا۔ اُسے عراق کا شہزادہ بھی کہا گیا ہے۔ عراق پر آتش پرست قابض ہو گئے مگر عبدالمسیح کے باپ دادا نے یہ قلعہ اپنے پاس رکھا تھا۔ شہنشاہِ فارس کی طرف سے اُسے کوئی اختیار حاصل نہ تھا لیکن وہ خود مختار بنا ہُوا تھا۔ اُس نے باقی قلعہ داروں کو بھی اپنے زیرِ اثر رکھا ہُوا تھا۔ وہ غیر معمولی طور پر دانشمند تھا اور جرأت میں بھی بے مثال تھا۔ اُس کی سب سے بڑی خوبی حاضر دماغی اور حاضر جوابی تھی۔ وہ ضعیف العمر ہو چکا تھا لیکن جذبے اور حوصلے کے لحاظ سے وہ جوان تھا۔

اُس نے نوشیرواں عادل کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی عمر خاصی زیادہ تھی۔ خوش گفتاری اور ظرافت کی وجہ سے نوشیرواں (کسریٰ اُردشیر کا دادا) عبدالمسیح کو بہت پسند کرتا تھا۔

"نوشیرواں!"— اُس نے نوشیرواں عادل سے کہا —"میں اور میرے کچھ سردار تمہاری اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم اپنے قلعوں میں رہیں گے۔ اس سے شاید تمہیں بھی کچھ فائدہ ہو۔"

"میں تمہیں اور تمہاری پسند کے سرداروں کو چار قلعے دے دیتا ہوں"— نوشیرواں عادل نے کہا تھا —"لیکن میرے مرنے کے بعد تمہارے ساتھ فارس میں کیا سلوک ہو گا، میں بتا نہیں سکتا۔"

"تمہارے مرنے کے بعد فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہو گا"— عبدالمسیح نے کہا تھا۔

"اتنی اچھی باتیں کرنے والی زبان سے میں ایسی بات سُن نہیں سکتا ابنِ بُقیلہ!"— نوشیرواں نے کہا تھا —"کیا تُو مجھے بددُعا دے رہا ہے یا فارس کے زوال کا باعث

تُو خود بنے گا؟"

"دونوں باتیں نہیں"— عبدالمسیح نے کہا تھا —"تُو عادل ہے۔ تیرے بعد عدل بھی مر جائے اور پیچھے شہنشاہی رہ جائے گی۔ تیسری یا چوتھی نسل تیرا نام ڈبو دے گی، پھر فارس کی سرحدیں سکڑنے لگیں گی اور یہاں کوئی اور قوم آکر حکمران بنے گی۔"

"ماننے کو جی نہیں چاہتا"— نوشیرواں عادل نے کہا تھا —"فارس ایک طاقت کا نام ہے۔"

"غور سے سُن عادل بادشاہ!"— عبدالمسیح نے کہا تھا —"جس دماغ میں شہنشاہی گھر کر لیتی ہے اُس دماغ سے عدل و انصاف نکل جاتا ہے۔ تخت پر بیٹھ کر رعایا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ تیرے بعد آنے والے اگر فوج پر بھروسہ کر کے رعایا کا خیال نہیں کریں گے تو وہ اپنے زوال کو تیز کریں گے۔ اُن سے تنگ آئی ہوئی رعایا اُن کا ساتھ دے گی جو باہر کے حملہ آور ہوں گے۔ میری عمر ابھی اتنی زیادہ نہیں کہ تجربے کی بنا پر بات کروں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ آنے والا وقت فارس کے لئے اپنے ساتھ کیا لا رہا ہے۔"

اب عبدالمسیح کی عمر اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ کمر جھک گئی تھی۔ کندھے سکڑ گئے تھے۔ رعشہ ایسا کہ اُس کا سر ہلتا اور ہاتھ کانپتے تھے۔ نوشیرواں عادل کی دوسری نسل کا شہنشاہ شکست کے صدمے سے مر چکا تھا اور فارس کا زوال شروع ہو چکا تھا۔

☆

خالدؓ کے لشکر نے آج عبدالمسیح اور اُس کے سرداروں کے قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور اُس کی قلعہ بند فوج کا حوصلہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اُس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ دیوار پر جا کر دیکھتا کہ محاصرے کی اور مسلمانوں کی کیفیت کیا ہے اور مسلمانوں کی نفری کتنی ہے۔ اُسے شاید مسلمانوں کی نفری کا اندازہ نہیں تھا۔ مسلمان صرف اٹھارہ ہزار تھے اور اُنہوں نے چار قلعوں کو محاصرے میں لے رکھا تھا بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ عبدالمسیح اپنے محل میں گیا تو دو پادری اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔

"کیا گرجے میں اپنی فتح اور دشمن کی تباہی کی دعائیں ہو رہی ہیں؟"— عبدالمسیح نے پادریوں سے پوچھا۔

"ہو رہی ہیں"— بڑے پادری نے جواب دیا۔

"اور تم یہاں کیوں آ گئے ہو؟"— عبدالمسیح نے کہا —"جاؤ اور گرجے کے گھنٹوں کو خاموش نہ ہونے دو۔"

"ہم اپنی فوج اور لوگوں کو قتلِ عام سے اور اِن کے گھروں کو لُٹ جانے سے بچانے آئے ہیں"— بڑے پادری نے کہا —"کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمارے کتنے سپاہی زخمی اور ہلاک ہو چکے ہیں؟ کیا آپ دشمن کی للکار اور اُس کے نعرے نہیں سُن رہے ہیں؟"

"کیا تم مجھے یہ کہنے آئے ہو کہ میں ہتھیار ڈال دوں؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"آپ کی جگہ کوئی اور قلعہ دار ہوتا تو ہم ایسا مشورہ کبھی نہ دیتے" دوسرے پادری نے کہا۔ "لیکن آپ دانشمند اور تجربہ کار ہیں۔ جو آپ سمجھ سکتے ہیں وہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔ حقیقت کو دیکھیں۔ اس سے پہلے کہ مسلمان قلعہ سر کرلیں اور قلعے میں داخل ہو کر قتلِ عام اور لُوٹ مار کریں اور ہماری عورتوں کو اپنے ساتھ لے جائیں، آپ قلعہ کچھ شرائط پر پیش کرکے اُن کے حوالے کردیں۔ یہ بہت بڑی نیکی ہوگی۔"

"مجھے سوچنے دیں" عبدالمسیح نے کہا۔

"سوچنے کا وقت کہاں ہے!" پادری نے کہا۔ "اُوپر دیکھیں۔ مسلمانوں کے تیر دیوار کے اُوپر سے اندر آرہے ہیں..... اور وہ دیکھیں۔ زخمیوں کو کندھوں پر اٹھا کر اُوپر سے نیچے لارہے ہیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ دیوار پر اور بُرجوں میں ہمارے تیر اندازوں کی تعداد کس تیزی سے کم ہوتی جارہی ہے؟ ناحق خون نہ ہونے دیں۔"

قلعے کے باہر مسلمانوں کے حملے اور تیروں کی بوچھاڑیں تیز ہوگئی تھیں، حالانکہ اُن کے زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ عبدالمسیح نے پادریوں کی موجودگی میں قاصد کو بھیجا کہ وہ قلعے کے دفاع کی صورتِ حال معلوم کرکے فوراً آئے۔

قاصد نے واپس آکر جو صورتِ حال بتائی وہ امید افزا نہیں تھی۔ دوسرے قلعوں کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی جو عیسائیوں کے حق میں نہیں جاتی تھی۔

☆

قلعے کا دروازہ کھُل گیا۔ ایک ضعیف العمر آدمی گھوڑے پر سوار باہر نکلا۔ اُس کے ساتھ دو تین سردار تھے۔ ان میں سے ایک سردار نے بلند آواز سے کہا کہ وہ دوستی کا پیغام لے کر باہر نکلے ہیں۔ ان کے پیچھے قلعے کا دروازہ بند ہوگیا۔

"ہم تمہارے سالار سے ملنا چاہتے ہیں" — عبدالمسیح کے اس سردار نے بلند آواز سے کہا۔

دیوار سے تیر آنے بند ہوگئے تھے۔ مسلمانوں نے بھی تیر اندازی روک لی۔ خالدؓ کو کسی نے بتایا کہ دشمن باہر آگیا ہے۔

"کون ہیں وہ؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"قلعہ دار عبدالمسیح خود آیا ہے" — خالدؓ کو جواب ملا۔

"اُسے کہو مجھے اس سے ملنے کی کوئی خواہش نہیں" — خالدؓ نے کہا — "میں جانتا ہوں وہ ان سب کا سردار ہے۔ اُسے کہو کہ شام تک باقی تینوں قلعہ داروں نے بھی ہتھیار نہ ڈالے تو ہم انہیں اُس حال تک پہنچا دیں گے جس میں وہ ہماری ہر شرط قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

جب عبدالمسیح کو خالدؓ کا یہ پیغام ملا تو وہ جان گیا کہ فتح آخر مسلمانوں کی ہی ہوگی۔ اُس نے اُسی وقت اپنے سرداروں کو دوسرے قلعوں کی طرف دوڑا دیا۔ دوسرے قلعوں کے اندر بھی یہی کیفیت تھی جو عبدالمسیح کے قلعے کے اندر تھی۔ فوجوں کا حوصلہ کمزور پڑ گیا تھا اور لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ اُن قلعوں کے سردار ہتھیار ڈالنے کے لیے تیار تھے لیکن کوئی قلعہ دار یہ نہیں چاہتا تھا کہ ہتھیار ڈالنے میں وہ پہل کرے اور یہ تہمت اُس پر لگے کہ ہتھیار سب سے پہلے اس نے ڈالے تھے ورنہ کوئی بھی ہتھیار نہ ڈالتا۔ عبدالمسیح

کا پیغام ملتے ہی انہوں نے تیر اندازی بند کردی اور تینوں قلعہ دار باہر آگئے۔ اُنہیں خالدؓ کے سامنے لے گئے۔ اُس وقت خالدؓ ایک گھنے درخت کے نیچے کھڑے تھے۔

"کیا تم نے ہمیں کمزور سمجھ کر ہمارا مقابلہ کیا تھا؟" — خالدؓ نے ان قلعہ داروں سے کہا۔ "کیا تم بھُول گئے تھے کہ تم عربی ہو؟ کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ہم بھی عربی ہیں؟ اگر تم عجمی ہوتے تو بھی تمہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے تھی کہ تم اُس قوم کو شکست دے سکو گے جو عدل و انصاف میں یکتا ہے اور جس کی تلوار کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔"

"تُو جو کچھ بھی کہنا چاہتا ہے کہہ سکتا ہے" — ضعیف العمر عبدالمسیح نے کہا۔ "تُو فاتح ہے۔ ہمیں کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ ہم نے تیرے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔"

مشہور مؤرخ ابُو یوسف نے خالدؓ اور عبدالمسیح کے مکالمے لکھتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ عبدالمسیح اس قدر بُوڑھا ہوچکا تھا کہ اُس کی بھنویں دُودھ کی مانند سفید ہوچکی تھیں اور اتنی نیچے آگئی تھیں کہ اُن سے اُس کی آنکھیں ڈھک گئی تھیں۔ اسی مؤرخ کے مطابق خالدؓ عبدالمسیح سے متاثر ہوئے۔

"تمہاری عمر کتنی ہے؟" — خالدؓ نے عبدالمسیح سے پُوچھا۔

"دو سو سال" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ یہ جواب سُن کر بہت حیران ہوئے۔ اُنہوں نے اس بُوڑھے قلعہ دار کو اور زیادہ غور سے دیکھا جیسے انہیں یقین نہ آرہا ہو کہ یہ شخص دو سو سال سے زندہ ہے۔ کسی بھی مؤرخ نے عبدالمسیح کی صحیح عمر نہیں لکھی۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اُس کی عمر ایک سَو سال سے کچھ اُوپر تھی۔

"تُو نے بڑی لمبی عمر پائی ہے" — خالدؓ نے کہا۔ "یہ بتا کہ اتنی لمبی زندگی میں تم نے سب سے زیادہ عجیب چیز کیا دیکھی ہے؟"

"نوشیرواں کا عدل و انصاف" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔ "اس دور میں حکومت اُس کی ہوتی ہے جس کے بازو میں طاقت اور ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے، لیکن نوشیرواں نے عدل و انصاف کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر فتح پائی۔ تم کہتے ہو کہ مسلمان عدل و انصاف میں یکتا ہیں..... نہیں۔ میں نوشیرواں کو عادل مانتا ہوں۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" — خالدؓ نے عبدالمسیح سے پوچھا۔ "کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"ایک گاؤں سے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔ "جہاں تک کوئی عورت بھی سفر کرے تو اُس کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑہ بھی کافی ہوتا ہے۔"

"کیا تم احمق نہیں ہو؟" — خالدؓ نے کہا — "میں پوچھ کیا رہا ہوں اور تم جواب کیا دے رہے ہو؟..... میں نے پوچھا تھا کہاں سے آئے ہو۔"

"اپنے باپ کی ریڑھ کی ہڈی سے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تم قلعہ دار بننے کے قابل کب ہوئے تھے؟" — خالدؓ نے جھنجھلا کر کہا — "میں نے پوچھا ہے تم کہاں سے آئے ہو؟"

"اپنی ماں کے رحم سے" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ نے جب دیکھا کہ اس بوڑھے کا بولنے کا، سوچنے کا اور جواب دینے کا انداز مضحکہ خیز سا ہے تو اُنہوں نے تفریحِ طبع کے لیے اس سے ویسے ہی سوال کرنے شروع کر دیے۔ یہ سوال و جواب تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھے ہیں۔

"تم کہاں جاؤ گے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"آگے کو" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تمھارے آگے کیا ہے؟"

"آخرت" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو کہاں کھڑے ہو؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"زمین پر" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

خالدؓ اُس کی بے رخی اور لاپرواہی دیکھ کر اُسے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ فاتح سالارِ اعلیٰ کے سامنے کھڑا ہے۔ خالدؓ نے معلوم نہیں کیا سوچ کر اُس سے پوچھا — "تم کس چیز کے اندر ہو؟"

"اپنے کپڑوں کے اندر" — عبدالمسیح نے جواب دیا۔

اب خالدؓ کو غصہ آنے لگا۔ اُنہوں نے طنزیہ لہجے میں کہا — "دنیا کم عقلوں کو تباہ کرتی ہے لیکن دانا لوگ دنیا کو تباہ کرتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں تم کم عقل ہو یا دانا۔ مجھے صحیح جواب تمھارے لوگ ہی دے سکتے ہیں۔"

"اے فاتحِ سالار!" — عبدالمسیح نے کہا — "چیونٹی بہتر جانتی ہے کہ اُس کے بِل کے اندر کیا کچھ رکھا ہے۔ اونٹ نہیں بتا سکتا۔"

خالدؓ نے چونک کر عبدالمسیح کی طرف دیکھا۔ ان کا غصہ ختم ہو گیا۔ اُنہوں نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص احمق یا کم عقل نہیں۔ خالدؓ نے اُسے اپنی برابری میں بٹھا لیا۔ اب خالدؓ کے انداز میں احترام تھا۔

"اے بزرگ!" — خالدؓ نے کہا — "کوئی ایسی بات بتا جو تُو ہمیشہ یاد رکھنا چاہتا ہے۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عبدالمسیح گہری سوچ میں کھو گیا۔ اُس کے چہرے پر اُداسی آ گئی۔ اُس نے قلعے کی طرف دیکھا۔

"میں اُس وقت کو یاد کیا کرتا ہوں" — عبدالمسیح نے کہا — "جب ان قلعوں کے عقب میں بہتے ہوئے فرات میں چین کے بحری جہاز بادبان پھیلائے آیا کرتے تھے، پھر مجھے جو وقت یاد ہے وہ نوشیرواں کا عہدِ حکومت ہے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن تھی۔ کوئی جھونپڑی میں رہتا تھا یا محل میں، نوشیرواں کا انصاف سب کے لیے ایک تھا۔"

"محترم بزرگ!" — خالدؓ نے کہا — "خدا کی قسم، تُو مسلمانوں کے عدل و انصاف کو بھی یاد رکھے گا..... اگر تُو اپنے لوگوں کے ساتھ اسلام قبول کر لے تو تیری اور تیرے لوگوں کی حفاظت ہمارے ذمے ہو گی۔ تم سب کو وہی حقوق ملیں گے جو دوسرے مسلمانوں کو ملتے ہیں۔ اگر اسلام کو قبول کرنے کے لیے تُو اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکتا تو تجھے اور ان تمام قلعہ داروں کو وہ جزیہ ادا کرنا ہو گا جو میں مقرر کروں گا۔ اگر تجھے یہ بھی قبول نہیں

تو پھر تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ مسلمان قلعوں کو کس طرح سر کرتے ہیں اور اُن کی تلوار کی کاٹ کیسی ہے۔"

"ہم سے کچھ اور مانگ ہم دبیں گے" — عبدالمسیح نے کہا — "اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے۔ بتا جزیہ کتنا ہو گا۔"

"تجھ جیسے دانا سے مجھے اس جواب کی توقع نہیں تھی" — خالدؓ نے کہا — "کفر نے تجھے شکست تک پہنچایا ہے۔ اُس عربی کو میں کم عقل سمجھتا ہوں جو عربی راستے سے ہٹ کر عجمی راستہ اختیار کر لے۔"

خالدؓ کے ان الفاظ نے نہ عبدالمسیح کو متاثر کیا نہ دوسرے کسی قلعہ دار یا سردار کو۔ وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جب خالدؓ نے اُنہیں جزیے کی رقم بتائی تو اُنہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ یہ رقم ایک لاکھ نوّے ہزار درہم تھی۔ جو عہد نامہ تحریر کیا گیا اس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"یہ عہد نامہ خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے سرداروں عدی بن عدی، عمرو بن عدی، عمرو بن عبدالمسیح، ایاس بن قبیصہ الطائی اور حیری بن اکال سے کیا ہے۔ اِس عہد نامے کو حیرہ کے لوگوں نے قبول کر لیا ہے اور اپنے سرداروں کو اس کی تکمیل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس عہد نامے کے مطابق اہلِ حیرہ خلافتِ مدینہ کو ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ ادا کیا کریں گے۔ یہ جزیہ حیرہ کے پادریوں اور دیگر راہبوں سے بھی وصول کیا جائے گا۔ صرف اپاہجوں، نادار افراد اور تارک الدنیا راہبوں کو یہ جزیہ معاف ہو گا.....

"اگر یہ جزیہ باقاعدگی سے ادا کیا جاتا رہا تو اہلِ حیرہ کے تحفظ کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔ اگر مسلمانوں نے اس ذمہ داری میں کوتاہی کی تو جزیہ نہیں لیا جائے گا اور اگر اہلِ حیرہ نے اس عہد نامے کی خلاف ورزی کی تو مسلمان اپنی ذمہ داری سے بری سمجھے جائیں گے۔ یہ معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ ہجری میں تحریر ہوا۔"

☆

حیرہ پر مسلمانوں کے قبضے کی تکمیل ہو گئی۔ معاہدے کے بعد تمام قلعہ داروں، سرداروں اور امراء نے خالدؓ کی اطاعت قبول کر لی۔ یہ دراصل امیر المومنین ابوبکرؓ کی اطاعت تھی۔ خالدؓ نمائندگی کر رہے تھے۔ اس کے بعد خالدؓ نے اپنی تمام تر فوج کے ساتھ آٹھ رکعت نفل شکرانے کے پڑھے۔ فارغ ہونے کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج سے مختصر سا خطاب کیا۔

"موتہ کی لڑائی میں میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں لیکن آتش پرستوں نے جس جوانمردی سے مقابلہ کیا ہے اسے میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ انہوں نے الیّس میں ہم سے جو لڑائی لڑی ہے ایسی لڑائی میں نے پہلے نہیں دیکھی..... اسلام کے پاسبانو! فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے۔ اُس کے نام کو، اُس کی نعمتوں کو اور اُس کے رسولؐ کو ہر وقت دل میں رکھو۔ حیرہ بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ یہ بھی دل میں رکھو کہ ہمارا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا۔ جب تک کفر کا فتنہ باقی ہے جہاد ختم نہیں ہو گا۔"

خالدؓ نے شہیدوں کے لیے دعائے مغفرت کی، پھر زخمیوں کی عیادت کو گئے۔ شہیدوں کی نمازِ جنازہ بڑا ہی رقت آمیز منظر تھا۔ وطن سے اتنی دور جا کر شہید ہونے والوں کے لیے ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ شہیدوں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کو قبروں میں اتارا گیا تو یہ قبریں تاریخ کے سنگ ہائے میل بن گئیں۔

خالدؓ جب حیرہ کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے اُس محل نما مکان میں گئے جو ازادبہ کا رہائشی مکان تھا تو بے شمار رؤساء اور امراء تحفے لیے کھڑے تھے جو اُنہوں نے خالدؓ کو پیش کیے۔ ان میں بیش قیمت اشیاء تھیں، ہیرے اور جواہرات بھی تھے۔ مدینہ کے مجاہدین حیران ہو رہے تھے کہ کوئی قوم اتنی دولت مند بھی ہو سکتی ہے۔

خالدؓ نے یہ تحفے قبول تو کر لیے لیکن بوریا نشینوں کی قوم کے اس سالارِ اعلیٰ نے اپنے لیے ایک بھی تحفہ نہ رکھا۔ تمام تحفے مالِ غنیمت کے ساتھ امیرالمومنین کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مدینہ بھیج دیئے۔ مالِ غنیمت زیادہ نہیں تھا کیونکہ حیرہ والوں نے جزیہ تسلیم کر لیا اور اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔

☆

ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ ہو گیا۔

کچھ برس پہلے کی بات ہے، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں بیٹھے تھے اور اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں کا رُخ کفّار کے علاقوں کی طرف مُڑ گیا اور ذکر فارس کی شہنشاہی کا چل نکلا۔ حیرہ اس شہنشاہی کا بڑا اہم مقام تھا۔ کسی صحابی نے کہا کہ حیرہ ہاتھ آ جائے تو اُسے فوجی اڈا بنا کر کسریٰ پر کاری ضربیں لگائی جا سکتی ہیں۔

دو مؤرخوں، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد حیرہ ہمارے قبضے میں ہو گا۔ یہ دونوں مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس محفل میں حیرہ کی اہمیت اور اس علاقے کی خوبصورتی کی باتیں ہونے لگیں۔ عبدالمسیح مشہور آدمی تھا۔ اُس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام کرامہ تھا۔ اُس کے حُسن کے چرچے تاجروں وغیرہ کی زبانی دُور دُور تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُس کے اپنے ملک میں اُس کا حُسن و جمال ضرب المثل بن گیا تھا۔

بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ رسولِ کریمؐ کی اس محفل میں سیدھا سادہ اور عام سا ایک آدمی شویل بھی موجود تھا۔

"یا رسول اللہ!" ـــ شویل نے عرض کی ـــ "اگر حیرہ فتح ہو گیا تو عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ مجھے دے دی جائے۔"

رسولِ کریمؐ مسکرائے اور ازراہِ مذاق کہا ـــ "حیرہ فتح ہو گیا تو کرامہ بنتِ عبدالمسیح تیری ہو گی۔"

اِن مؤرخوں نے یہ نہیں لکھا کہ حیرہ کی فتح سے کتنا عرصہ پہلے یہ بات ہوئی تھی۔ اب حیرہ فتح ہو گیا۔ خالدؓ کی فوج کا ایک ادھیڑ عمر سپاہی اُس وقت اُن کے سامنے جا کھڑا ہوا جب کچھ شرائط عبدالمسیح اور خالدؓ کے درمیان طے ہو رہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا؟" ـــ خالدؓ نے اپنے اس سپاہی سے پوچھا ـــ "اور میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"سالارِ اعلیٰ!" ـــ سپاہی نے کہا ـــ "میرا نام شویل ہے۔ خدا کی قسم رسول اللہؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ عبدالمسیح کی بیٹی کرامہ تجھے دے دی جائے گی۔ آج حیرہ فتح ہو گیا ہے شہزادی کرامہ مجھے دی جائے۔"

"کیا تو کوئی گواہ پیش کر سکتا ہے؟" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "خدا کی قسم، میں رسول اللہؐ کے وعدے کی

خلاف ورزی کی جرأت نہیں کر سکتا لیکن گواہ نہ ہوئے تو میں تیری بات کو سچ نہیں مان سکتا۔"

شویل کو دو گواہ مل گئے۔ وہ حیرہ کی فاتح فوج میں موجود تھے۔ اُنہوں نے تصدیق کی کہ رسول اللہؐ نے اُن کی موجودگی میں شویل سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔

"رسول اللہؐ کا وعدہ میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے" ـــ خالدؓ نے عبدالمسیح سے کہا ـــ "تجھے اپنی بیٹی اس شخص کے حوالے کرنی ہو گی۔"

"یہ بھی شرائط میں لکھ لو" ـــ عبدالمسیح نے کہا ـــ "کہ میری بیٹی کرامہ اس سپاہی کو دے دی جائے۔"

یہ حکم عبدالمسیح کے گھر پہنچا کہ کرامہ مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ کے پاس آ جائے۔ کرامہ نے پوچھا کہ اُسے کیوں بلایا جا رہا ہے۔ اُسے بتایا گیا کہ ایک مسلمان سپاہی نے اُس کی خواہش کی ہے اور اُسے اس سپاہی کے حوالے کیا جائے گا۔

"ایسا نہ ہونے دو" ـــ گھر میں جو ایک محل کی مانند تھا، دوسری عورتوں کا شور اُٹھا ـــ "ایسا نہ ہونے دو۔ شاہی خاندان کی ایک عورت کو ایک سپاہی کے حوالے نہ ہونے دو جو عرب کا وحشی بدّو ہے۔"

"مجھے اُس کے پاس لے چلو" ـــ کرامہ نے کہا ـــ "اس مسلمان سپاہی نے میری جوانی کے حُسن کی باتیں سُنی ہوں گی۔ وہ کوئی جاہل اور احمق لگتا ہے۔ اُس نے کسی سے یہ نہیں پوچھا ہو گا کہ یہ کب کی بات ہے کہ جب میں جوان ہُوا کرتی تھی۔"

بلاذری کی تحریر کے مطابق کرامہ کو خالدؓ کے سامنے لے جایا گیا۔ شویل موجود تھا۔ اُس نے ایک ایسی بڑھیا دیکھی جس کے چہرے پر جھُریاں تھیں اور بال سفید ہو چکے تھے۔ مؤرخ طبری نے کرامہ کی عمر اسّی سال لکھی ہے۔ اُس کے باپ عبدالمسیح نے خالدؓ کو اپنی عمر دو سو سال بتائی تھی۔ بعض مؤرخ ان عمروں کو تسلیم نہیں کرتے۔ عبدالمسیح کی عمر ایک سو سال سے ذرا ہی زیادہ تھی اور کرامہ کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان تھی۔ بہرحال کرامہ ضعیف العمر تھی۔

شویل نے اُسے دیکھا تو اُس کے چہرے پر خوشی کے جو آثار تھے وہ اُڑ گئے اور وہ مایوس ہو گیا۔

اچانک اُسے ایک خیال آ گیا۔

"امیرِ لشکر!" ـــ شویل نے کہا ـــ "یہ شرط لکھ لی گئی ہے کہ کرامہ بنتِ عبدالمسیح میری لونڈی ہے۔ اگر یہ مجھ سے آزادی چاہتی ہے تو مجھے رقم ادا کرے۔"

"کتنی رقم؟" ـــ کرامہ نے پُوچھا۔

"ایک ہزار درہم!" ـــ شویل نے کہا ـــ "میں اپنی ماں کا بیٹا نہیں ہوں گا کہ ایک درہم بھی بخش دوں۔"

کرامہ کے بوڑھے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اُس خادمہ کو جو اُس کے ساتھ آئی تھی، اشارہ کیا۔ خادمہ دوڑی گئی اور ایک ہزار درہم لے آئی۔ کرامہ نے یہ درہم شویل کے حوالے کر دیئے اور آزاد ہو گئی۔

شویل کا یہ عالم تھا کہ ایک ہزار درہم دیکھ کر حیران ہو رہا تھا جیسے اُس کے ہوش گُم ہو گئے ہوں۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جا کر فاتحانہ لہجے میں بتایا کہ اُس کے ساتھ دھوکا ہُوا تھا کہ اُس نے ایک ضعیف العمر عورت کو جوان سمجھ لیا تھا لیکن اُس نے اُس سے ایک ہزار درہم کما لیے۔

"صرف ایک ہزار درہم؟" ـــ اُس کے ساتھی نے اُسے کہا ـــ "تو ساری عمر احمق ہی رہا۔ کرامہ شاہی خاندان کی عورت ہے۔ اُس سے تو کئی ہزار درہم لے سکتا تھا۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اچھا؟" ۔۔۔ شوبل نے مایوس ہو کر کہا ۔۔۔ "میں تو سمجھتا تھا کہ ایک ہزار درہم سے زیادہ رقم ہوتی ہی نہیں۔"
اُس کے ساتھیوں کے ایک زوردار قہقہے نے اُسے اور زیادہ مایوس کر دیا۔

خالدؓ نے مالِ غنیمت کے ساتھ تمام تحفے مدینہ بھیج دیئے تھے۔ مدینہ سے خالدؓ کے لیے امیرالمومنین نے پیغام بھیجا کہ یہ تحفے اگر مالِ غنیمت میں شامل ہیں یا جزیئے میں تو قابلِ قبول ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو جنہوں نے یہ تحفے دیئے ہیں اُن سے ان کی قیمت معلوم کر کے جزیئے میں شامل کر لو۔ اگر تم جزیہ وصول کر چکے ہو تو تحفوں کی رقم اُن لوگوں کو واپس کر دو۔

خالدؓ نے اُن سب کو بلا کر انہیں تحفوں کی قیمت ادا کر دی۔

حیرہ کی فتح کے بعد چند دنوں میں خالدؓ نے وہاں کا نظم و نسق رواں کر دیا اور حیرہ کے اُمراؔ کو ہی انتظامیہ کا ذمّہ دار بنا دیا۔

"میرے بھائیو!" ۔۔۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا ۔۔۔ "میرے پاس وقت نہیں کہ میں یہاں بیٹھا رہوں لیکن نظم و نسق کی بحالی بہت ضروری ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ نظم و نسق کو اس بنیاد پر رواں کیا جائے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ وہ سکون اور اطمینان محسوس کریں کہ اُن کے جان و مال اور اُن کی عزت و آبرو کو تحفظ حاصل ہے۔ خدا کی قسم، میں ان لوگوں پر، ان عیسائیوں اور ان آتش پرستوں پر ثابت کر دوں گا کہ اسلام وہ مذہب ہے جو ظلم کو بہت بڑا گناہ سمجھتا ہے۔ رعایا کو اپنی اولاد سمجھو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ میں نے نظم و نسق انہی لوگوں کے سپرد کر دیا ہے؟ ربّ کعبہ کی قسم، میں ان پر اپنا حکم نہیں ٹھونسوں گا۔"

اپنا حکم نہ ٹھونسنے کے نتائج چند دنوں میں سامنے آ گئے۔ اسلام کا بنیادی اصول یہی تھا کہ لوگوں کے دل جیتو مگر دل جیت کر انہیں دھوکہ نہ دو۔ انہیں ان کے حقوق دو۔ خالدؓ اسلام کے پہلے سالار تھے جنہوں نے مدینہ سے نکل کر کسی دوسری قوم کے علاقے فتح کیے اور انہیں اسلام کے اس بنیادی اصول پر عمل کرنے کا موقع ملا۔ مصر کے محمد حسین ہیکل نے بہت سے مؤرخوں کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمنوں کے سر اڑانے شروع کیے تو فرات کو لال کر دیا اور ایسے کسی آدمی کو زندہ نہ چھوڑا جس کی طرف سے دینِ اسلام کو ذرا سا بھی خطرہ تھا۔ خالدؓ ذاتی دشمنی کے قائل نہیں تھے۔ متعصّب تاریخ دانوں نے خالدؓ کو ظالم سالار کہا ہے لیکن خالدؓ نے جو بھی علاقہ فتح کیا وہاں کا انتظام مفتوحہ امراء و رؤسا کے سپرد کر دیا۔ البتّہ ان کے نگران یعنی بالائی حکام مسلمان مقرر کیے جاتے تھے۔

حیرہ کو فتح کر کے خالدؓ نے سارے فارس کو فتح نہیں کر لیا تھا بلکہ خالدؓ خطروں میں گھِر گئے تھے۔ آتش پرست اُن پر چاروں طرف سے حملہ کر سکتے تھے۔ اگر بڑے پیمانے پر حملہ نہ کرتے تو شب خون مار مار کر مسلمانوں کی فوج کو نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن آتش پرستوں نے ایسی کوئی کارروائی نہ کی۔ اس کی کئی اور وجوہات تھیں جن میں ایک یہ تھی کہ مفتوحہ علاقوں کے لوگ مسلمانوں کے سلوک سے متاثر ہو کر اُن کے حامی اور معاون بن جاتے تھے۔

حیرہ کے نواحی علاقے میں دیر ناطف نام کی ایک بستی تھی جو عیسائیوں کی بستی کہلاتی تھی۔ وہاں بہت بڑا گرجا تھا جس کے پادری کا نام صلوبا بن نسطونا تھا۔ وہ عیسائیوں کا مذہبی پیشوا ہی نہیں اُن کا عسکری قائد بھی تھا۔ وہ میدانِ جنگ میں کبھی نہیں گیا تھا لیکن جنگ و جدل میں مہارت رکھتا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فارس کے عیسائی للکار کر مسلمانوں کے مقابلے میں آتے تھے اور مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے بُری طرح کٹتے تھے۔ ایسے عیسائیوں کی تعداد خاصی کم ہوگئی تھی جو لڑنے کے قابل تھے۔ بوڑھے زندہ رہ گئے تھے یا عورتیں زندہ تھیں۔ صلوبا ابن نسطونا اکثر کہا کرتا تھا کہ مذہب صرف ایک زندہ رہے گا اور یہ عیسائیت ہوگی۔

"نہ زرتشت رہے گا نہ مدینہ کا اسلام!" — اُس نے اپنے وعظ میں کئی بار کہا تھا — "سب مٹ جائیں گے اور زمین پر یسوع مسیح کی حکومت ہوگی۔"

حیرہ فتح ہونے تک لڑنے والے ہزارہا عیسائی مٹ گئے تھے۔ باقی مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر اِدھر اُدھر جا چھپے تھے۔ ان کے سرکردہ افراد نے پادری صلوبا ابن نسطونا کے ساتھ رابطہ رکھا ہُوا تھا۔ صلوبا نے کوشش کی تھی کہ عیسائیوں کو یکجا اور متحد کر کے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لیے تیار کرے لیکن عیسائیوں پر مسلمانوں کی ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی کہ وہ شب خون اور چھاپہ مار جنگ کے لیے تیار نہ ہُوتے۔

☆

"مقدس باپ!" — ایک رات ایک نامور جنگجو عیسائی شمیل بورزانہ نے پادری صلوبا ابن نسطونا سے کہا — "کیا تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ گرجے کی گھنٹیاں اور تمھارے وعظ اِس تباہی کو روک لیں گے جو ہماری طرف تیزی سے بڑھی آرہی ہے؟"

"نہیں" — پادری صلوبا نے کہا — "میرے وعظ اور گرجے کے گھنٹے کی آوازیں اب اس تباہی کو نہیں روک سکتیں۔"

"پھر تم ہمیں اجازت کیوں نہیں دیتے کہ ہم مسلمانوں کی فوج پر ہر رات شب خون ماریں؟" — شمیل بورزانہ نے کہا — "مدینہ کے مسلمان جن نہیں، بھوت نہیں۔ انسان ہیں۔ ہماری طرح کے انسان ہیں۔"

"شمیل!" — پادری صلوبا نے کہا — "بیشک وہ انسان ہیں لیکن تمھاری طرح نہیں۔ میں نے ان میں کچھ اور ہی بات دیکھی ہے .... وہ فتح کا عزم لے کر آتے ہیں۔ اگر اُنھوں نے اپنے جسموں کے متعلق یہی رویّہ رکھا تو آخری فتح بھی اُنہی کی ہوگی۔"

"مقدّس باپ!" شمیل نے کہا — "میں جسموں والی بات نہیں سمجھا۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو" — پادری صلوبا نے کہا — "یہ لوگ جنہیں کسریٰ اُردشیر عرب کے بدّو کہتا رہا ہے، جسمانی آسائشوں اور لذّتوں کو قبول نہیں کرتے۔"

"مقدّس باپ کی زبان سے دشمن کی تعریف اچھی نہیں لگتی" — شمیل نے کہا۔

"اگر تم اپنے آپ میں دشمن کے اچھے اوصاف پیدا کر لو تو تم شکست سے بچ سکتے ہو" — پادری صلوبا نے کہا — "کیا تمھارے دوستوں نے مسلمانوں کو جال میں پھانسنے کے لیے پندرہ حسین لڑکیاں نہیں بھیجی تھیں؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اس کا مجھے علم نہیں ہوتا؟ تمھاری تلواروں کی دھار کند ہوچکی ہے اس لیے تم لوگوں نے عورتوں کو استعمال کیا ہے۔ کیا تم انکار کرو گے؟"

"نہیں مقدس باپ!" — شمیل نے شرمسار سا ہو کے کہا — "ہمارے ایک بزرگ نے کہا تھا کہ ایک تلوار ایک وار میں ایک آدمی کو کاٹ سکتی ہے لیکن ایک حسین عورت کا ایک وار ایک سو آدمیوں کو گھائل کر دیتا ہے۔ مسلمان سوار گھوڑوں کو جھیل سے پانی پلانے لایا کرتے ہیں۔ وہ چار چار چھ چھ کی ٹولیوں میں آتے ہیں۔ جھیل کے ارد گرد اونچی چٹانیں اور گھنا جنگل ہے۔ ہماری لڑکیوں نے مسلمان سواروں کو اپنی طرف کھینچنے کی بہت کوشش کی لیکن اُن پر کچھ اثر نہ ہُوا۔ ہماری بعض لڑکیاں نیم برہنہ ہو کر انہیں چٹانوں کے پیچھے چلنے کے اشارے کرتی رہیں لیکن ہُوا یہ کہ بعض سوار منہ پھیر لیتے اور بعض ہنس پڑتے تھے۔"

"اور مجھے یہ بھی معلوم ہے شمیل!" — پادری صلوبا نے کہا — "کہ تم لوگوں نے مسلمانوں کے گشتی سنتریوں کو بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی اور تم لوگوں نے یہ بھی سوچا تھا کہ مسلمانوں کے سالاروں کو اور خالدؓ بن ولید کو قتل کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کیا جاتے۔"

"ہاں مقدّس باپ!" — شمیل نے کہا — "ہم نے ایسا سوچا تھا۔"

"پھر اس سوچ پر عمل کیوں نہ کیا؟"

"اس لیے نہ کیا کہ جس فوج کے سپاہیوں کا کردار اتنا مضبوط ہے، اُس کے سالار تو فرشتوں جیسے ہوں گے" — شمیل نے جواب دیا — "اب ہمارے سامنے یہی ایک صُورت رہ گئی ہے کہ مسلمان فوج پر شب خون مارنے شروع کر دیں اور انہیں اتنا نقصان پہنچائیں کہ یہ پسپائی پر مجبور ہو جائیں۔"

"کیا تم کسریٰ کی فوج سے زیادہ طاقتور ہو؟" — پادری صلوبا نے کہا — "وہ جو کہتے تھے کہ زمین پر کوئی طاقت ان کے مقابلے میں اُٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتی، اب کہاں ہیں۔ آگ کو پوجنے والوں کے تمام نامور سالار مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ گئے ہیں۔ ہم نے ان کی خاطر مسلمانوں سے لڑ کر غلطی کی ہے۔"

"تو کیا مقدّس باپ، تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہ رکھیں؟" — شمیل نے حیران سا ہو کے پوچھا۔

"ہاں!" — پادری صلوبا نے جواب دیا — "میں یہی کہنا چاہتا ہوں، بلکہ میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"مقدّس باپ!" — شمیل نے کہا — "پھر تم کہو گے کہ تم مسلمانوں کے مذہب کو بھی قبول کرنا چاہتے ہو۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہوگا" — پادری صلوبا نے کہا — "جب سے حیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہُوا ہے، میں یہی دیکھ رہا ہوں کہ ان سے ہمارے مذہب کو کتنا کچھ خطرہ ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ عیسائیت کو کوئی خطرہ نہیں۔ مسلمان اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ زبردستی اپنا مذہب مفتوحہ لوگوں پر نہیں ٹھونستے .... کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہاں

ایک گرجا ہے جس میں مجھ جیسا جہاندیدہ اور مذہب پر مر مٹنے والا پادری موجود ہے؟.... انہیں معلوم ہے شمیل! میں دو اتوار گرجے میں آنے والے عیسائیوں کے ہجوم میں دو اجنبی آدمیوں کو دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے اُن کے گلوں میں صلیبیں لٹکتی دیکھی تھیں۔ وہ ہر لحاظ سے عیسائی لگتے تھے لیکن میری دُوربین آنکھوں نے بھانپ لیا تھا کہ دونوں مسلمان ہیں اور وہ مدینہ کے نہیں فارس کے رہنے والے ہیں۔ وہ ولید کے بیٹے خالدؓ کے جاسوس تھے۔ میں اپنے وعظ میں محتاط رہا۔"

"مقدس باپ!"—— شمیل نے کہا—"اگر تم مجھے اشارہ کر دیتے تو وہ دونوں زندہ واپس نہ جاتے۔"

"پھر اس گرجے کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی"—— پادری صلوبا نے کہا—"عقل اور جوش میں یہی فرق ہے شمیل! تم میں جوش ہے اور میں عقل سے کام لے رہا ہوں .... میں تم لوگوں کو مسلمانوں پر شب خون مارنے اور لڑنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

☆

دو تین روز بعد پادری صلوبا بن نسطونا گرجے میں تمام عیسائی سرداروں سے کہہ رہا تھا —"... حقیقت کو دیکھو۔ کسریٰ کی اتنی زبردست فوج مدینہ کی قلیل سی فوج کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکی۔ تم نے بھی مسلمانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ اب مسلمانوں سے ٹکرا کر تم تباہ ہو جانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ وقت کا ساتھ دو۔ مسلمانوں نے تمہارے مذہب کے لیے کوئی خطرہ پیدا نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیں اور آتش پرستوں کو بھی اپنی اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کی اجازت دے رکھی ہے۔ مسلمانوں نے عدل و انصاف میں جو مساوات قائم کی ہے وہ تم خود دیکھ رہے ہو....

"اور تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ تم ان کے خلاف آتش پرستوں کے دوش بدوش لڑے تھے لیکن مسلمانوں نے تمہارے خلاف کسی قسم کی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ انہوں نے کاشتکاروں کی زمینوں پر قبضہ نہیں کیا۔ ان کی فصلوں میں اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں چھوڑے بلکہ آتش پرست حاکم ان غریب کسانوں پر جو ظلم و تشدد کرتے اور اُن کی کھیتیوں کی پیداوار اٹھا لے جاتے تھے، یہ لوٹ کھسوٹ ختم ہو گئی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہ کرو کہ مسلمان رعایا کو پورے حقوق دے رہے ہیں۔"

"تم پر خدا اور یسوع مسیح کی رحمت ہو!"—— ایک سردار نے پادری صلوبا کو ٹوکتے ہوئے کہا—"کیا تم ہمیں یہ ترغیب دے رہے ہو کہ ہم مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لیں؟"

"کیا یہ ہماری بے عزتی نہیں؟"—— ایک اور سردار نے کہا۔

"مسلمانوں نے تمہاری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا"—— پادری صلوبا نے کہا—"کیا تم نے انہیں پھانسنے اور گمراہ کرنے کے لیے اپنی لڑکیوں کو نہیں بھیجا تھا؟ کیا وہ تمہاری لڑکیوں کو اُٹھا کر نہیں لے جا سکتے تھے؟.... اور مت بھولو کہ کسریٰ کے حاکموں

نے تمہاری کتنی لڑکیوں کے ساتھ زبردستی شادی کی تھی۔ جسے جو لڑکی اچھی لگی وہ اُسے حکماً لے گیا.... اور یہ بھی سوچو کہ فارس کے وہ سالار اور کماندار کہاں ہیں جن کے ساتھ مل کر تم مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے؟ کیا اُنہوں نے تم سے پُوچھا ہے کہ تم کس حال میں ہو؟ کیا اُنہوں نے آ کر دیکھا ہے کہ تم میں سے جو مارے گئے ہیں، اُن کی بیویاں کس حال میں ہیں؟ اُن کے بچے کس حال میں ہیں؟ اور مسلمان تمہیں سزا تو نہیں دے رہے؟"

"بے شک وہ ہمیں بھول گئے ہیں"—— ایک بوڑھے سردار نے کہا۔

"تو بجا کہتا ہے مقدس باپ!"—— ایک اور سردار بولا—"اب بتا ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو ہمیں کس راستے پر لے جانا چاہتا ہے۔"

"یہ تمہاری سلامتی کا راستہ ہو گا"—— پادری صلوبا نے کہا—"اس میں تمہارے جان و مال کی اور تمہارے مذہب کی سلامتی ہے .... میں مسلمانوں کی اطاعت قبول کر رہا ہوں اور میں بانقیا اور لبسما کے علاقے کی تمام قابلِ کاشت اراضی کا لگان وصول کر کے مسلمانوں کو ادا کیا کروں گا۔"

☆

تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے حُسنِ سلوک، عدل و انصاف اور اسلوبِ حکومت سے متاثر ہو کر دیر ناطف کے پادری صلوبا بن نسطونا نے سب سے پہلے خالدؓ کے سامنے جا کر اطاعت قبول کی اور دس ہزار دینار خالدؓ کو پیش کیے۔ اس رقم کے ساتھ وہ ہیرے اور بیش قیمت موتی بھی تھے جو کسریٰ اُردشیر نے پادری صلوبا کو تحفے کے طور پر دیئے تھے۔ یہ موتی دراصل رشوت تھی جو اُردشیر نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لیے پادری صلوبا کو دی تھی۔ خالدؓ کے حکم سے ایک معاہدہ لکھا گیا:

"یہ معاہدہ مدینہ کے سالار خالدؓ بن ولید اور صلوبا بن نسطونا کی قوم کے ساتھ طے ہُوا اور تحریر کیا جاتا ہے۔ اس کے مطابق صلوبا بن نسطونا عیسائی قوم کی طرف سے دس ہزار دینار سالانہ بطور جزیہ ادا کرے گا اور کسریٰ کے ہیرے اور موتی اس رقم کے علاوہ وصول کیے جائیں گے۔ جزیہ کی رقم صرف ان عیسائیوں سے ہر سال وصول کی جایا کرے گی جو اس کی استطاعت اور توفیق رکھتے ہیں اور جو کمانے کے قابل ہوں گے۔ ہر کسی کو جزیہ کا اتنا ہی حصہ دینا پڑے گا جتنا وہ آسانی سے ادا کر سکے گا۔ اس معاہدے کی رُو سے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عیسائیوں کی بستیوں بانقیا اور لبسما کو ہر طرح کا تحفظ مہیا کریں۔ پادری صلوبا بن نسطونا کو اُس کی قوم کا نمائندہ تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ اُسے اُس کی قوم نے تسلیم کیا ہے۔ اس معاہدے پر جو خالدؓ بن ولید نے کیا ہے، تمام مسلمان رضامند ہیں اور اس پر عمل کریں گے۔"

پادری صلوبا اُس علاقے کی نامور شخصیت تھی۔ اردگرد کے بڑے بڑے سرداروں اور سرکردہ افراد نے جب دیکھا کہ صلوبا نے خالدؓ کی اطاعت قبول کر لی ہے تو وہ سب حیرہ پہنچے اور خالدؓ کی اطاعت قبول کرنے لگے۔ انہوں نے جو نقد جزیہ ادا کیا وہ بیس لاکھ درہم تھا۔ مسلمانوں کی

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

شجاعت کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ بڑا ہی وسیع علاقہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگیا۔ خالدؓ نے وقت ضائع کیے بغیر اس علاقے میں اسلامی حکومت قائم کردی اور انہی سرداروں میں اُمراء منتخب کر کے مختلف علاقوں میں مقرر کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اپنی فوج کے کچھ دستے اس مقصد کے لیے سارے علاقے میں پھیلا دیئے کہ کہیں سے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت نہ اُٹھ سکے۔

یہ دستے گھوڑسوار تھے اور برق رفتار۔ خالدؓ نے اپنے تین بڑے ہی تیز اور پھرتیلے سالاروں ــــ ضرار بن الازور، قعقاع اور مثنیٰ بن حارثہ ــــ کو ان دستوں کے ساتھ بھیجا تھا۔ ان تینوں کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ جدھر جاتے تھے اُدھر لوگ دبک جاتے اور ان کے سردار آ کے اطاعت قبول کر لیتے تھے۔ اس طرح جون ۶۳۳ء (ربیع الآخر ۱۲ ہجری) میں دجلہ اور فرات کے درمیانی علاقے اسلامی سلطنت میں آگئے۔

★

تخت و تاج کے ہوس کاروں نے اپنی قوموں کو تاریخ کی تاریکیوں میں گم کیا اور اپنے ملک دشمن کے حوالے کیے ہیں۔ فارس کی شہنشاہی جو ناقابلِ تسخیر سمجھی جاتی تھی اور جس کی فوج زرہ پوش تھی، اب زوال پذیر تھی۔ مسلمانوں کی فوج کی نفری فارس کی فوج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ یہ نفری زرہ پوش بھی نہیں تھی اور آتش پرستوں کی فوج کی طرح اتنی زیادہ مسلح بھی نہیں تھی مگر آتش پرست شکست پہ شکست کھاتے چلے گئے اور فارس کے دارالحکومت مدائن کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ وہاں اب کسریٰ اُردشیر نہیں تھا۔ وہ صدمے سے مر گیا تھا۔

تاریخ گواہ ہے اور یہ قرآن کا فرمان ہے کہ اللہ جس قوم کو اُس کے اعمالِ بد کی سزا دینے پر آتا ہے اُس پر نااہل اور خودغرض حکمران مسلّط کر دیتا ہے جو اسی قوم کے افراد ہوتے ہیں۔ اللہ کا یہ قہر آتش پرستوں پر گرنا شروع ہو گیا تھا۔ مدائن میں اُردشیر کی موت کے بعد اُس کے خاندان میں تخت و تاج کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔

خالدؓ کے جاسوس مدائن میں ہی نہیں، کسریٰ کے محل میں بھی پہنچ چکے تھے۔ وہ جو خبریں بھیج رہے تھے وہ خالدؓ کے لیے امید افزا تھیں۔

"مدائن کا تخت اب وہ تختہ بن چکا ہے جس پر میّت کو غسل دیا جاتا ہے"۔۔۔ ایک جاسوس نے مدائن سے آ کر خالدؓ کو بتایا۔۔۔ "یہ تخت کسریٰ کے تین شہزادوں کی جانیں لے چکا ہے۔

اُردشیر کی متعدد بیویاں ہیں اور ہر بیوی کے جوان بیٹے ہیں۔ ہر بیوی اپنے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھنا چاہتی ہے۔ اُردشیر کے مرنے کے بعد ایک شہزادے کو تخت پر بٹھایا گیا۔ دو روز بعد وہ اپنے کمرے میں اس حالت میں مُردہ پایا گیا کہ اُس کا سر اُس کے دھڑ سے الگ تھا۔

دو نہایت خوبصورت اور نوجوان لڑکیوں کو، دربان کو اور دو پہرہ داروں کو جلّاد کے حوالے کر دیا گیا۔ اس شہزادے کے قتل کے شبہے میں ان سب کے سر قلم کر دیئے گئے۔۔۔۔

"اس کی جگہ اُردشیر کی ایک اور بیوہ کے بیٹے کے سر پر کسریٰ کا تاج رکھا گیا۔ تیسرے دن

اُس نے شراب پی اور بے ہوش ہو گیا اور ذرا دیر بعد مر گیا۔ اب سات آٹھ آدمیوں اور تین جوان عورتوں کو شہزادے کو شراب میں زہر پلانے کے شبہ میں قتل کیا گیا۔۔۔۔ سالارِ اعلیٰ تیسرا شہزادہ تخت پر بیٹھا۔ دوسرے روز وہ محل کے باغ میں ایک بڑی دلکش رقاصہ کے ساتھ ٹہل رہا تھا کہیں سے بیک وقت دو تیر آئے۔ ایک اُس کی آنکھ میں اور دوسرا اُس کی شہ رگ میں اُتر گیا کسریٰ کا تخت پھر خالی ہو گیا۔۔۔۔

"تخت ابھی تک خالی ہے۔ کسریٰ کے وزیر اور دو سالاروں نے تاجپوشی کا سلسلہ روک دیا ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ جو علاقے فارس کی شہنشاہی میں رہ گئے ہیں، انہیں مسلمانوں سے بچایا جائے۔ انہوں نے دجلہ کے پار اپنی فوج کو اس طرح پھیلا دیا ہے کہ ہم جس طرف سے بھی پیش قدمی کریں، ہمیں روک لیا جائے"۔

"اُن کی اس فوج کی نفری کتنی ہوگی؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"ہم سے دُگنی ہوگی"۔۔۔ جاسوس نے جواب دیا۔۔۔ "اس سے زیادہ ہو گی کم نہیں ہو سکتی۔ مدائن دجلہ کے پار ہے۔ آتش پرست ہمیں دریا پار نہیں کرنے دیں گے"۔

"اللہ کے دریا اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کو نہیں روک سکتے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "آتش پرست ہمیں روکنے کے قابل نہیں رہے۔ جس قوم کے سرداروں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اُس قوم کی قسمت میں تباہی کے سوا کچھ نہیں رہتا"۔

★

"ہم مدائن کی طرف کوچ کر رہے ہیں"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "ہم دشمن کو سنبھلنے کی مہلت نہیں دیں گے"۔

خالدؓ اپنے سالاروں کو کوچ کے احکام دے ہی رہے تھے کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ مدینہ سے خلیفۃ المسلمین کا قاصد آیا ہے۔ خالدؓ نے قاصد کو فوراً اندر بلا لیا۔

"کیا مدینہ کے لوگ ہمیں اچھے نام سے یاد کرتے ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے قاصد سے پوچھا۔

"خدا کی قسم، مدینہ کی ہوائیں بھی آپ کو یاد کرتی ہیں"۔۔۔ قاصد نے کہا۔۔۔ "امیر المومنین مسجد میں آپ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کئی بار کہہ چکے ہیں۔ کیا مائیں خالدؓ جیسا ایک اور بیٹا جن سکیں گی؟۔۔۔ لوگ ہر روز آپ کی خبر کا انتظار کرتے ہیں"۔

"پیغام کیا ہے؟"

قاصد نے پیغام خالدؓ کو دے دیا۔ خالدؓ پڑھتے جا رہے تھے اور اُن کے چہرے کا تاثر بدلتا جا رہا تھا۔ وہاں جو سالار موجود تھے، وہ پیغام سننے کو بیتاب ہو گئے۔

"امیر المومنین کے سوا مجھے کون روک سکتا تھا"۔۔۔ خالدؓ نے کہا اور سالاروں سے مخاطب ہو کر بولے۔۔۔ "امیر المومنین نے حکم بھیجا ہے کہ عیاض بن غنم دومتہ الجندل میں لڑ رہا ہے۔ اللہ اُسے فتح عطا فرمائے۔ اُدھر سے فارغ ہو کر وہ ہمارے پاس آجائے گا۔ امیر المومنین نے کہا ہے کہ جب عیاض اپنی فوج لے کر ہمارے پاس آجائے تو ہم آگے بڑھیں۔ اُس کے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

آنے تک ہم جہاں ہیں وہیں رکے رہیں"۔

☆

خالدؓ کے چہرے پر جو رونق اور آنکھوں میں فتح و نصرت کی جو چمک ہر وقت رہتی تھی وہ بجھ گئی اور وہ گہری سوچ میں کھو گئے۔ سالاروں کے اس اجلاس پر سناٹا طاری ہو گیا جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ خلیفۃ المسلمین نے پیشقدمی روک دی تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کے چہرے پر ایسا تاثر کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور یہ تاثر ایک طوفان کا پیش خیمہ ہوا کرتا تھا۔ کسی بھی سالار کو خلیفہ کے اس حکم کے متعلق کوئی بات کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔

چند منٹ بعد خالدؓ گہری سوچ سے بیدار ہوتے اور قاصد کی طرف دیکھا۔

"اللہ تجھے سفر میں سلامتی اور رحمت عطا کرے!" — خالدؓ نے کہا — "آرام کرنا چاہتا ہے تو کر لے اور واپسی کا سفر اختیار کر..... امیر المومنین سے میرا اور میرے ساتھیوں کا سلام کہنا، پھر کہنا کہ جنگ کے حالات کو وہی بہتر سمجھتے ہیں جو میدانِ جنگ میں ہوتے ہیں۔ محاذ سے اتنی دور بیٹھ کر کوئی فیصلہ کرنا لڑنے والوں کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے..... پھر کہنا کہ ولید کا بیٹا خلافت کی حکم عدولی کی جرأت نہیں کرے گا لیکن حالات نے مجبور کیا اور اسلام کو خطرہ لاحق ہوا تو میں حکم کی پرواہ نہیں کروں گا۔ میں خلافتِ مدینہ کا امین اور اسلام کا پاسبان ہوں میں دشمن کو اپنے اوپر آتا دیکھ کر ایک شخص کے حکم کو ایک طرف رکھ دوں گا۔ مجھے خوشنودی اللہ کی درکار ہے اللہ کے کسی بندے کی نہیں۔ میں معلوم کروں گا کہ سالار عیاض کے محاذ کی صورتِ حال کیا ہے، ہو سکتا ہے اُسے مدد کی ضرورت ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے محاذ سے جلدی فارغ نہ ہو سکے اور آتش پرست اِس عرصے میں سنبھل جائیں.....

"اور خلیفۃ المسلمین سے کہنا کہ ہم نے زرتشت کی آگ کو سرد کر دیا ہے۔ اللہ نے ہمیں ایسی فتح عطا کی ہے جس نے کسریٰ کے محل کو شیطان کا بسیرا بنا دیا ہے۔ اُردشیر کے تخت پر جو کوئی بیٹھتا ہے وہ دو روز بعد اپنے بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔ فارس کی شہنشاہی اور اس کی شان و شوکت کو ہم نے دجلہ اور فرات میں ڈبو دیا ہے۔ حیرہ جسے فارس کا ہیرا کہتے ہیں، ہمارا فوجی اڈہ ہے۔ ہمارے لیے دُعا کرتے رہیں"۔

قاصد کی روانگی کے بعد خالدؓ نے ایک کماندار کو بلا کر کہا کہ اپنے ساتھ دو بڑے تیز اور توانا سپاہی لے کر بہت تیز رفتار سے دومتہ الجندل جائے اور غور سے دیکھے کہ وہاں کی صُورتِ حال کیا ہے اور سالار عیاض بن غنم کب تک فارغ ہو سکیں گے اور کیا اس کے جلدی فارغ ہونے کا امکان ہے بھی یا نہیں۔

کماندار اُسی وقت روانہ ہو گیا۔

"خلیفۃ المسلمین کے اِس حکم کو جو تم نے سنا ہے، ذہن سے اُتار دو" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "دِل میں خلافتِ مدینہ کا پورا احترام رکھتے ہوتے اِن حالات کو دیکھو جو ہم نے آتش پرستوں کے لیے پیدا کر دیتے ہیں۔ اگر ہم عیاض کے انتظار میں یہیں بیٹھے

رہے تو کسریٰ کی فوج کو سنبھلنے کا وقت مل جائے گا۔ خدا کی قسم، تم سب یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ کسریٰ کی فوج پر تم نے جو خوف طاری کر دیا ہے وہ انہیں کسی میدان میں تمہارے مقابلے میں نہیں ٹھہرنے دے گا.....

"اور مدائن کے محلات میں تخت نشینی پر جو قتل و غارت ہو رہی ہے وہ ہمارے حق میں جاتی ہے۔ قوم کے سرداروں میں جب تخت نشینی وجۂ پیکار بن جاتی ہے تو فوج ایسی تلوار کی مانند ہو جاتی ہے جو بڑے ہی ڈھیلے اور کمزور ہاتھوں میں ہو"۔

"ہاں، ابنِ ولید!" — سالار عاصم بن عمرو نے کہا — "کسریٰ کے جن سالاروں نے فارس کے بچے ہوتے علاقوں میں اپنی فوج پھیلا دی ہے وہ سالار بھی تخت کے خواہشمند ہوں گے۔ وہ ہم پر فتح حاصل کر کے فارس کے تخت پر قابض ہونا چاہتے ہیں"۔

"اگر ایسا ہوا تو فارس جلدی تباہ ہو گا" — سالار عدی بن حاتم نے کہا — "سالاروں کے دماغوں پر جب تخت و تاج سوار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ملک اور قوم کو بڑی جلدی تباہ کر دیتے ہیں"۔

"جب توجہ تخت کے تحفظ اور اپنی ذات پر مرکوز ہو جاتی ہے تو نگاہیں دشمن سے ہٹ جاتی ہیں" — خالدؓ نے کہا — "میں اِن حالات سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اپنی فوج کو تیاری کی حالت میں رکھو۔ ہم آخری فیصلہ دومتہ الجندل کی صورتِ حال معلوم ہو جانے پر کریں گے"۔

☆

دومتہ الجندل کی صورتِ حال سالار عیاض بن غنم کے لیے مخدوش تھی۔ دومتہ الجندل اُس دور کا مشہور تجارتی مرکز تھا۔ آج کے عراق اور شام کی شاہراہیں یہیں آکر ملتی تھیں۔ رسولِ اکرمؐ نے تبوک پر چڑھائی کی تھی تو اِس دوران خالدؓ دومتہ الجندل تک پہنچے اور یہاں کے قلعے سے قلعہ دار اُکیدر بن مالک کو گرفتار کر کے رسولِ اکرمؐ کے حضور پیش کیا تھا۔

اُکیدر بن مالک نے اسلام تو قبول نہ کیا، رسولِ اللہؐ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن حضورؐ کی وفات کے بعد ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اس شخص نے مدینہ کی وفاداری ترک کر دی اور عیسائیوں اور بُت پرستوں کو ساتھ مِلا کر ان کا سردار بن گیا تھا۔ ابوبکرؓ نے اُکیدر بن مالک کی سرداری کو ختم اور اس کے زیرِ اثر غیر مسلم قبائل کو اپنے زیرِ نگیں کرنے کے لیے سالار عیاض بن غنم کو بھیجا تھا۔

عیاض تجربہ کار سالار تھے لیکن دومتہ الجندل پہنچے تو دیکھا کہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا قبیلہ جو کلب کہلاتا تھا، اپنے علاقے کے دفاع کے لیے تیار تھا۔ یہ قبیلہ جنگ و جدل میں شہرت رکھتا تھا۔ عیاض نے قلعے کو محاصرے میں لے لیا لیکن عیسائیوں نے باہر سے مسلمانوں کو محاصرے میں لے لیا۔ عیاض کی فوج کو آگے بھی اور عقب میں بھی لڑنا پڑا۔ اس صورتِ حال نے جنگ کو ایسا طول دیا جو ختم ہوتا نظر نہیں آتا تھا اور یہ صورتِ حال عیاض کے لیے روز بروز مخدوش ہوتی جا رہی تھی۔

☆

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ کا بھیجا ہوا کمانڈر واپس آیا تو اُس نے خالدؓ کو بتایا کہ عیاض بن غنم کیسے آئے گا، اُسے تو خود مدد کی ضرورت ہے۔ کمانڈر نے دومتہ الجندل میں عیاض اور دشمن کی فوجوں کی پوزیشنیں تفصیل سے بیان کیں۔

"خدا کی قسم، میں یہاں انتظار میں فارغ نہیں بیٹھ سکتا"— خالدؓ نے پُرجوش آواز میں کہا۔ —"پیشتر اس کے کہ دشمن آگے آجاتے، میں آگے بڑھوں گا۔ مدائن کی شہر پناہ مجھے پکار رہی ہے .... کوچ کی تیاری کرو۔"

مشہور مؤرخوں طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ خالدؓ کی خود سری اور سرکشی مشہور تھی۔ وہ چین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس صورت میں کہ دشمن چار شکستیں کھا چکا تھا اور اُس کا نظام درہم برہم ہوگیا تھا اور مدائن کے شاہی ایوان میں ابتری پھیلی ہوئی تھی، خالدؓ فارغ بیٹھ ہی نہیں سکتے تھے۔

خالدؓ کا جاسوسی کا نظام بڑا تیز اور ذہین تھا۔ اس میں زیادہ تر وہ مسلمان تھے جو فارس میں غلاموں جیسی زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ وہ ان علاقوں سے واقف تھے اور مختلف قبیلوں کی زبانیں سمجھ اور بول سکتے تھے اور ان کا بہروپ دھار سکتے تھے۔ وہ مدائن کے محلات کے اندر کی خبریں لے آتے تھے۔ اب اُنہوں نے خالدؓ کو خبریں دینی شروع کر دیں کہ فارس کی فوج کہاں کہاں موجود ہے اور کس جگہ کیا کیفیت ہے۔

ان کی اطلاعوں کے مطابق ایرانیوں کی فوج کی زیادہ تر نفری دو شہروں میں تھی۔ ایک تھا عین التمر اور دوسرا انبار۔ عین التمر حیرہ کے قریب تھا اور انبار اس سے دُگنے فاصلے پر آگے تھا۔ عین التمر دریائے فرات سے دُور ہٹ کر واقع تھا اور انبار فرات کے کنارے پر تھا۔ خالدؓ نے فیصلہ کیا کہ پہلے انبار پر حملہ کیا جائے۔ یہ بھی تجارتی شہر تھا جس میں غلّے کے بہت بڑے بڑے ذخیرے تھے۔

جون ۶۳۳ء کے آخر (ربیع الاوّل ۱۲ھ کے وسط) میں خالدؓ نے حیرہ سے کوچ کیا۔ اُن کے ساتھ اُن کی آدھی فوج یعنی نو ہزار نفری تھی جو حملے کے لیے بہت ہی تھوڑی تھی لیکن خالدؓ کو اللہ پر اور اپنی جنگی فہم و فراست پر بھروسہ تھا۔ وہ مفتوحہ علاقوں کو فوج کے بغیر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ عیسائی اور دیگر قبیلوں نے اطاعت تو قبول کر لی تھی لیکن مسلمانوں کو بڑے تلخ تجربے ہوتے تھے۔ اطاعت قبول کرنے والے موقع ملتے ہی اطاعت سے منکر اور باغی ہو جاتے تھے۔ حیرہ میں خالدؓ نے قعقاع بن عمرو اور اقرع بن حابس کو چھوڑا تھا۔

یہاں ایک غلطی کی وضاحت ضروری ہے۔ دو چار تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حیرہ میں سالار عیاض بن غنم کے انتظار میں ایک سال رُکے رہے۔ یہ غلط ہے۔ اُس دور کی تحریروں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے حیرہ میں پورا ایک مہینہ بھی انتظار نہیں کیا نہ اُنہوں نے امیر المسلمین کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ اُن کے حکم کے خلاف سالارِ عیاض کا انتظار کئے بغیر مدائن کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں۔

☆

خالدؓ اپنی نو ہزار سپاہ کے ساتھ فرات کے کنارے کنارے بڑی تیزی سے بڑھتے گئے۔ ان کے جاسوس مختلف بہروپوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر آگے آگے جا رہے تھے۔ انبار سے تھوڑی دُور رہ گئے تو خالدؓ نے فرات عبور کیا اور اُس کنارے پر چلے گئے جس پر انبار واقع تھا۔ وہاں انہوں نے مختصر سا قیام کیا اور دو خط تحریر کرائے۔ ایک کسریٰ کے نام اور دوسرا مدائن کے حکام اور امراء وغیرہ کے نام۔ کسریٰ کے نام خالدؓ نے لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے شاہِ فارس کے نام۔ میں شکر ادا کرتا ہوں اللہ کا جس نے تمہاری بادشاہی کو تہہ و بالا کر ڈالا ہے اور تمہاری عیاریوں کو کامیابی سے محروم رکھا ہے اور تم آپس میں ہی دست و گریباں ہو رہے ہو۔ اللہ اگر تمہیں مزید مہلت دیتا تو بھی گھاٹے میں تم ہی رہتے۔ اب تمہاری نجات کا ایک ہی راستہ ہے۔ مدینہ کی اطاعت قبول کر لو۔ اگر یہ منظور ہے تو میں شرائط طے کرنے کے لیے دوستوں کی طرح آؤں گا، پھر ہم تمہارے علاقے سے آگے نکل جائیں گے۔ اگر پس و پیش کرو گے تو تمہیں ایسی قوم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے جسے موت اتنی ہی عزیز ہے جتنا تم زندگی کو عزیز رکھتے ہو۔"

خالدؓ نے مدائن کے حکام اور امراء کے نام لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالدؓ بن ولید کی جانب سے فارس کے اُمراء کے نام۔ تمہارے لیے بہتر صورت یہی ہے کہ اسلام قبول کر لو۔ ہم تمہاری سلامتی اور تحفظ کے ذمہ دار ہوں گے۔ اسلام قبول نہ کرو تو جزیہ ادا کرو، ورنہ سوچ لو کہ تمہارا سامنا ایک ایسی قوم سے ہے جو موت کی اتنی ہی شیدائی ہے جتنے فریفتہ تم شراب پر ہو۔"

خالدؓ نے شاہِ فارس کے نام خط حیرہ کے رہنے والے ایک آدمی کے ہاتھ بھیجا اور امراء وغیرہ کے نام خط لے جانے والا انبار کا رہنے والا ایک آدمی تھا۔ کسی بھی مؤرخ نے ان دونوں آدمیوں کے نام نہیں لکھے۔

☆

انبار جس علاقے میں تھا وہ ساباط کہلاتا تھا۔ ساباط آج کل کے ضلعوں کی طرح تھا اور انبار اِس ضلعے کا سب سے بڑا شہر تھا۔ ساباط کا حاکم یا امیر شیرزاد تھا جو اُس وقت انبار میں مقیم تھا۔ وہ دانشمند اور عالم تھا۔ اُس میں عسکری صلاحیت ذرا کم تھی، لیکن انبار میں فوج اتنی زیادہ تھی کہ اُسے عسکری سُوجھ بُوجھ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اپنی فوج کے علاوہ اُس کے ساتھ عیسائیوں کی بے شمار نفری تھی۔

اتنی زیادہ فوج کے علاوہ انبار کی شہر پناہ بڑی مضبوط تھی اور دفاع کا یہ انتظام بھی تھا کہ شہر کے اِرد گرد گہری خندق تھی جس میں پانی تھا۔ اس طرح انبار کو ناقابلِ تسخیر شہر بنا دیا گیا تھا۔ خالدؓ کے لیے تو یہ اس لیے بھی ناقابلِ تسخیر تھا کہ اُن کی فوج کی کل نفری نو ہزار تھی۔

انبار کے جاسوسوں نے مسلمانوں کی فوج کو شہر کی طرف آتے دیکھا تو انہوں نے شیرزاد کو جا بتایا، پھر سارے شہر میں خبر پھیل گئی کہ مدینہ کی فوج آ رہی ہے۔ شیرزاد دوڑا گیا اور دیوار

پر جا چڑھا۔ اُسے جاسوسوں نے مدینہ کی فوج کی نفری دس ہزار بتائی تھی۔

"نہیں، یہ دھوکہ ہے" — دیوار پر کھڑے شیرزاد نے مسلمانوں کی فوج کو دیکھ کر کہا — "جنہوں نے ہماری اتنی زبردست فوج کو یکے بعد دیگرے چار لڑائیوں میں شکست دی ہے وہ اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ اتنے بڑے قلعہ بند شہر پر حملہ کرنے کے لیے اتنی قلیل فوج لائیں۔ یہ ان کی فوج کا ہراول ہوگا۔ اگر ہراول نہیں تو اتنی ہی فوج پیچھے آ رہی ہوگی یا کسی اور سمت سے آ رہی ہوگی"۔

شہر کے لوگوں میں افراتفری مچ گئی تھی۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے بڑے دہشت ناک قصّے سُنے تھے۔ انہوں نے اپنی شکست خوردہ فوج کے زخمیوں کو اور میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والوں کو دیکھا تھا۔ اُن کا خوف و ہراس بھی دیکھا تھا۔ پسپائی میں اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے اُنہوں نے لوگوں کو جنگ کے ایسے واقعات سناتے تھے جیسے مسلمان جنّ بھُوت ہوں۔ اب وہ مسلمان اُن کے اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے زیورات اور رقمیں اور اپنی جوان لڑکیاں چھپانی شروع کر دیں۔

شہر میں یہ خوف و ہراس اور بھگدڑ زیادہ دیر نہ رہی کیونکہ دیوار کے اوپر سے بلند آوازیں سنائی دینے لگی تھیں کہ مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ وہ ساری عمر شہر کی دیوار تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ پھر دیوار کے اوپر قہقہے بلند ہونے لگے۔

"مسلمانو!" — آتش پرست مسلمانوں پر آوازے کَس رہے تھے — "تمہیں موت یہاں تک لے آئی ہے"۔

"زندہ رہنا ہے تو مدینہ کو لوٹ جاؤ"۔

شہر پناہ پر تیراندازوں کا ہجوم کھڑا تھا۔ مسلمانوں نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تھا اور خندق نے انہیں روک لیا۔ طبری اور یاقوت لکھتے ہیں کہ خندق دیوار کے اتنا قریب تھی کہ اس کے قریب آنے والے اوپر سے چھوڑے ہوئے تیروں کی زد میں آ جاتے تھے۔ ایسا نہ ہوتا تو بھی خندق کو پھلانگنا ممکن نہیں تھا۔ یہ بہت چوڑی تھی۔ تیرانداز مسلمانوں پر ہنس رہے تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں دیوار پر یوں کھڑے تھے جیسے مسلمانوں کا تماشہ دیکھ رہے ہوں۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا — "یہ لوگ نہیں جانتے جنگ کیا ہے اور کس طرح لڑی جاتی ہے"۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ انبار ہر لحاظ سے ناقابلِ تسخیر تھا لیکن خالدؓ کے چہرے پر پریشانی کا ہلکا سا بھی تاثر نہیں تھا۔ وہ پُرسکون تھے۔ رات کو اُنہوں نے اپنے خیمے میں اپنے سالاروں کو یقین دلایا کہ فتح انہی کی ہوگی لیکن قربانی بہت دینی پڑے گی۔ انہیں صرف یہ بات فتح کی امید دلا رہی تھی کہ شہر کی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی جتنی قلعوں کی ہُوا کرتی تھی۔

☆

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ گھوڑے پر سوار ہوتے اور شہر کے اردگرد گھوڑا دوڑانے لگے۔ وہ دیوار اور خندق کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں ایک ہزار ایسے تیراندازوں کی ضرورت ہے جنہیں اپنے نشانے پر پُورا پُورا اعتماد ہو اور جن کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہو کہ کمانوں کو کھینچیں تو کمانیں دوہری ہو جائیں اور عام تیراندازوں کی نسبت ان کے تیر بہت دُور جائیں۔

"جلدی" — خالدؓ نے کہا — "بہت جلدی ہمیں شام تک اس شہر میں داخل ہونا ہے"۔

تھوڑی سی دیر میں ایک ہزار تیرانداز آ گئے۔ یہ چُنے ہوئے تھے اور سب کے سب جوان اور بڑے مضبوط جسموں والے تھے۔

"تم سب خندق تک اس طرح ٹہلتے ہُوئے جاؤ کہ کمانیں تمہارے ہاتھوں میں لٹک رہی ہوں" — خالدؓ نے کہا — "ایسا لگے جیسے تم ٹہلتے ٹہلتے خندق کے قریب چلے گئے ہو۔ جوں ہی خندق کے قریب جاؤ، نہایت تیزی سے ترکشوں سے تیر نکالو، کمانوں میں ڈالو اور دیوار پر کھڑے دشمن کے تیراندازوں کی آنکھوں کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ۔ پیشتر اس کے کہ وہ جان سکیں کہ یہ کیا ہو گیا ہے، ایک ایک، اس کے بعد پھر ایک ایک تیر چلاؤ"۔

مؤرخ طبری کے مطابق خالدؓ نے حکم دیا تھا — "صرف آنکھیں.... صرف آنکھیں"۔

ایک ہزار تیرانداز خالدؓ کے حکم کے عین مطابق آہستہ آہستہ خندق تک گئے۔ دیوار پر دشمن کے سپاہی ہنس رہے تھے اور بے پروائی سے کھڑے تھے۔ انہیں مسلمانوں کا کوئی ارادہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ خندق کو پھلانگنے کی کوشش کریں گے۔ خندق کے قریب پہنچ کر ان ایک ہزار تیراندازوں نے اوپر دیکھا، اِدھر اُدھر دیکھا، خندق میں دیکھا اور احمقوں کی سی حرکتیں کیں۔ آتش پرستوں کے تیراندازوں نے اِن پر تیر چلانے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ مسلمان تیرانداز اُن کی زد میں تھے۔

اچانک مسلمان تیراندازوں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکالا، پلک جھپکتے تیر کمانوں میں ڈالے، کمانیں آگے کر کے دشمن کی آنکھوں کے نشانے لیے اور تیر چھوڑ دیئے۔ ایک ہزار تیروں میں سے بیشتر آتش پرستوں کے تیراندازوں کی ایک ایک آنکھ میں اُتر گئے۔ معاً بعد مسلمان تیراندازوں نے ایک ہزار تیر چھوڑے، پھر ایک ہزار اور۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کا کوئی بھی تیر خطا نہیں گیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ زیادہ تیر دشمن کی آنکھوں میں لگے اور شہر میں یہ خبر تیز ہوا کی طرح پھیل گئی — "ہمارے سینکڑوں سپاہیوں کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں" — جب ان سینکڑوں سپاہیوں کو شہر پناہ سے اتارا گیا تو شہر کے لوگوں نے ہر ایک کی ایک ایک آنکھ میں تیر اُترا ہُوا اور ان زخمیوں کو کربناک آہ وزاری کرتے دیکھا۔

ایک انگریز مبصّر سر والٹر نے متعدّد مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے۔ "مسلمانوں کی طرف سے تین ہزار تیر اتنی تیزی سے چلے کہ آتش پرست اپنے آپ کو بچا ہی نہ سکے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور تیر جن کی آنکھوں میں نہ لگے اُن کے چہروں میں اُتر گئے۔ چونکہ فارس کے یہ سپاہی اور اُن کی مدد کو آتے ہوتے عیسائی شہرپناہ پر گھنے ہجوم کی طرح کھڑے تھے اس لیے کوئی تیر ضائع نہ گیا۔ ہر تیر نے ایک ایک آدمی کو زخمی کیا۔

طبری کی تحریر کے مطابق انبار کے محاصرے کو "ذات العیون" یعنی آنکھوں کی تکلیف بھی کہا جاتا رہا ہے۔

مسلمانوں کے اِس وار نے شہر کے لوگوں پر ہی نہیں، فارس کی فوج پر بھی خوف طاری کر دیا۔ مسلمانوں نے تو جادو کا کرتب دکھا دیا تھا۔ ساباط کا آتش پرست حاکم شیرزاد دانش منداور دوراندیش آدمی تھا۔ اُس نے بھانپ لیا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جو جذبہ تھا وہ ماند پڑ گیا ہے۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ اس کی فوج پہلی شکستوں کی بھی ڈری ہوئی ہے۔ چنانچہ مزید قتل و غارت کو روکنے کے لیے اُس نے خالدؓ سے صلح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے دو اُمرا کو قلعے کے باہر بھیجا۔

خندق کے قریب آکر ان دو امیروں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ کہاں ہے۔ خالدؓ کو اطلاع ملی تو وہ آ گئے۔

"ہمارے امیر شیرزاد نے ہمیں بھیجا ہے" ——— شیرزاد کے بھیجے ہوتے دو آدمیوں میں سے ایک نے خالدؓ سے کہا۔ "ہم آپ سے صلح کرنا چاہتے ہیں لیکن ایسی شرائط پر جو ہمارے لیے قابلِ قبول ہوں۔ اگر صلح ہو جائے تو شیرزاد اپنی فوج کو ساتھ لے کر انبار سے چلا جائے گا۔"

"شیرزاد سے کہو کہ شرطیں منوانے کا وقت گزر گیا ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اب شرطیں ہماری ہوں گی اور تم لوگ ہتھیار ڈالو گے۔"

دونوں آدمی واپس چلے گئے اور شیرزاد کو خالدؓ کا پیغام دیا۔ شیرزاد نے اپنے سالاروں کی طرف دیکھا۔

"ہم اتنی جلدی ہتھیار نہیں ڈالیں گے" ——— ایک سالار نے کہا۔

"ہمارے پاس فوج کی کمی نہیں" ——— دوسرے سالار نے کہا ——— "مسلمان خندق سے آگے نہیں آ سکتے۔"

شیرزاد نے سر ہلایا۔ یہ ایسا اشارہ تھا جس سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ شہر کا دفاع جاری رکھنا یا خالدؓ کے پیغام پر غور کر کے کوئی اور فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس کے سالاروں نے اُس کے اشارے کو جنگ جاری رکھنے کا حکم سمجھا اور وہ شہرپناہ پر آ گئے۔ ایک ہزار مسلمان تیر انداز جنہوں نے انبار کے دو ہزار سے زائد سپاہیوں کی آنکھیں نکال دی تھیں، پیچھے ہٹ گئے۔

☆

خالدؓ نے شہر کے اردگرد ایک اور چکر لگایا۔ اب وہ صرف خندق کو دیکھ رہے تھے اُنہوں نے خندق پار کرنے کا تہیّہ کر لیا تھا۔ ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی لیکن اتنی کم نہیں تھی کہ دُور

سے گھوڑا دوڑاتے لاتے اور وہ خندق پھاند جاتا۔ خالدؓ کے دماغ میں ایک طریقہ آ گیا۔ اُنہوں نے حکم دیا کہ اپنی فوج کے ساتھ جتنے اونٹ کمزور یا بیمار ہو گئے ہیں انہیں آگے لے آؤ۔

ایسے بہت سے اونٹ تھے جو پورا سامان اٹھانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ خالدؓ کے حکم سے ان اونٹوں کو ذبح کر کے خندق میں اُس جگہ پھینکتے گئے جہاں خندق کم چوڑی تھی۔ اتنے اونٹ ذبح کر کے خندق میں ترتیب سے پھینک دیئے گئے کہ ایک پُل بن گیا۔

"اللہ نے تمہارے لیے گوشت اور ہڈیوں کا پُل بنا دیا ہے" ——— خالدؓ نے بلند آواز سے کہا ——— "اب ہم خندق کے پار جا سکتے ہیں۔"

اونٹوں کا یہ پُل ہموار نہیں تھا۔ ان کے ڈھیر پر چلنا خطرناک تھا۔ پاؤں پھسلتے تھے لیکن گزرنا بڑی تیزی سے تھا۔ اشارہ ملتے ہی پیادہ مجاہدین کودتے پھلانگتے اس عجیب پُل سے گزرنے لگے۔ چند ایک مجاہدین پھسلے اور گرے اور وہ پانی میں سے نکل کر اونٹوں کی ٹانگیں گردنیں وغیرہ پکڑتے اوپر آ گئے۔

شہرپناہ سے دشمن کے تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ ادھر "آنکھیں پھوڑنے والے" مسلمان تیر اندازوں نے بڑی تیزی اور مہارت سے تیر اندازی جاری رکھی۔ اب ان کی تعداد ایک ہزار نہیں، خاصی زیادہ تھی۔ اونٹوں کے پُل سے گزرنے والوں میں سے کئی مجاہدین تیروں سے زخمی ہو رہے تھے لیکن وہ رُکے ہُوئے سیلاب کی طرح خندق سے پار جاتے اور پھیلتے رہے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا یہ اقدام غیر معمولی طور پر دلیرانہ تھا۔ وہ زخمی تو ہُوتے، شہید بھی ہُوتے لیکن انبار کی فوج پر اس اقدام کا جو اثر ہُوا وہ اُس کے سپاہیوں کے لڑنے کے جذبے کے لیے مہلک ثابت ہو رہا تھا۔ اُن پر مسلمانوں کی دہشت پہلے ہی غالب تھی، اب انہوں نے مسلمانوں کا یہ عجیب طریقہ دیکھا کہ اپنے اونٹ ذبح کر کے پُل بنا دیا اور تیروں کی بوچھاڑوں میں اس پُل سے گزرنے لگے تو دیوار سے برسنے والے تیروں میں کمی آ گئی۔ دشمن کے تیر انداز زخمی ہو کر کم ہو رہے تھے اور اُن میں بھگدڑ کی کیفیّت بھی پیدا ہو گئی تھی۔

خندق پھلانگنے والا صرف ایک دستہ تھا۔ اس دستے کا جوش و خروش اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ خود خالدؓ ان کے ساتھ تھے اور سب سے پہلے مرے ہُوئے اونٹوں پر سے گزرنے والے خالدؓ تھے۔ تیر اُن کے دائیں بائیں سے گزر رہے تھے اور اُن کے قدموں میں زمین میں لگ رہے تھے مگر خالدؓ یوں بے پرواہ تھے جیسے اُن پر بارش کے قطرے گر رہے ہوں۔ اللہ اکبر کے نعروں کی گرج الگ تھی اور اس گرج میں اللہ کی رحمت اور برکت تھی۔

شہر کے لوگوں کا یہ عالم تھا کہ بھاگتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ شہرپناہ سے اُن کے زخمی سپاہیوں کو اتارتے تھے تو لوگ اُن کی گردنوں میں، چہروں میں اور سینوں میں ایک ایک،

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دو دو اور تین تین تیر اُترے ہُوئے دیکھتے تھے۔ زخمیوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی اور شہر میں خوف وہراس زیادہ ہوتا جارہا تھا۔ لوگوں نے چلّانا شروع کردیا ——— "سمجھوتہ کرلو۔ صلح کرلو۔ دروازے کھول دو۔"

شیرزاد کے لیے یہ صُورتِ حال بڑی ہی تکلیف دہ تھی۔ وہ دانشمند آدمی تھا۔ اُس نے جب لوگوں کی آہ وزاری سنی اور جب بچّوں اور عورتوں کو خوف کی حالت میں پناہوں کی تلاش میں بھاگتے دوڑتے دیکھا تو اُسے احساس ہُوا کہ یہ معصوم بیگناہ مارے جائیں گے۔ انہیں بچانے کا اُس کے پاس ایک ہی ذریعہ تھا کہ ہتھیار ڈال دے۔ اُس نے اپنے سالارِ اعلیٰ کو بلاکر کہا کہ وہ مزید خون خرابہ روکنا چاہتا ہے۔

"نہیں" ——— سالارِ اعلیٰ نے کہا ——— "ابھی کوئی فیصلہ نہ کریں۔ مجھے ایک کوشش کرلینے دیں۔"

شیرزاد خاموش رہا۔

☆

سالارِ اعلیٰ شہر پناہ کے اُوپر اپنی سپاہ کی کیفیّت دیکھ رہا تھا جو بڑی تیزی سے مخدوش ہوتی چلی جارہی تھی۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مسلمان خندق عبور کر آتے ہیں۔ اُس نے ایک جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ اس نے ایک دستہ چنے ہوئے سپاہیوں کا تیار کیا اور قلعے کا دروازہ کھول کر اس دستے کو باہر لے آیا۔ اس دستے نے اُن مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا جو خندق عبور کر آتے تھے۔ خندق کے دوسرے کنارے کھڑے مسلمانوں نے دشمن کے اِس دستے پر تیر چلانے شروع کردیتے۔

اس دستے کا مقابلہ مسلمانوں کے ایسے دستے کے ساتھ تھا جس کے قائد خالدؓ تھے۔ مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑوں سے آتش پرستوں کے دستے کی ترتیب اور یکسوئی ختم ہوگئی۔ خالدؓ نے اس دستے کو اس طرح لیا کہ اپنے دستے کو دیوار کی طرف رکھا تاکہ خندق کی طرف سے مسلمان تیرانداز دشمن پر تیر برساتے رہیں۔ خالدؓ اس دستے کو خندق کی طرف دھکیلنا چاہتے تھے۔

گھمسان کا معرکہ ہُوا۔ آتش پرستوں کے کئی سپاہی خندق میں گرے اور باقیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس دستے کے سالار نے اس ڈر سے دروازہ بند کرادیا کہ مسلمان اندر آجائیں گے۔ دروازہ بند ہوتے ہوتے دشمن کے اس دستے کے بچے کھچے سپاہی بھاگ کر اندر چلے گئے۔

خالدؓ شہر پناہ کا جائزہ لینے لگے۔ وہ مجاہدین کو اس دیوار پر چڑھانا چاہتے تھے جو آسان نظر نہیں آتا تھا۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ دیوار کی دوسری طرف ایرانی فوج اور شہر کے لوگوں کی حالت کیا ہوچکی ہے۔

قلعے کا دروازہ ایک بار پھر کھُلا۔ اب دروازے میں صرف ایک آدمی نمودار ہُوا۔ اُس کے پیچھے دروازہ بند ہوگیا۔ اس نے ہاتھ اوپر کرکے بلند آواز سے کہا کہ وہ شہر کا ایلچی

ہے اور صلح کی بات کرنے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر پناہ سے تیر برسنے بند ہوگئے۔

"اے آگ کے پُوجنے والے!" ——— جب اُسے خالدؓ کے سامنے لے گئے تو خالدؓ نے اُس سے پوچھا ——— "اب تُو کیا خبر لایا ہے؟ کیا زرتشت نے تم لوگوں سے نظریں پھیر نہیں لیں؟ کیا اب بھی تم لوگ اللہ کو نہیں مانو گے؟"

"اے اہلِ مدینہ! میں کسی اور سوال کا جواب نہیں دے سکتا" ——— ایلچی نے کہا ——— "میں حاکمِ ساباط شیرزاد کا ایلچی ہُوں۔ شیرزاد نے کہا ہے کہ تم لوگ اُسے اور اہلِ فارس کو شہر سے چلے جانے کی اجازت دے دو تو شہر تمہارے حوالے کردیا جائے گا۔"

طبری اور واقدی لکھتے ہیں کہ خالدؓ یہ شرط بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُنہوں نے ایک بار پھر شہر کی دیوار کی بلندی دیکھی اور سوچا کہ اس پر کس طرح چڑھا جاسکتا ہے لیکن بہت مشکل تھا۔

"حاکمِ ساباط شیرزاد سے کہو کہ خالدؓ بن ولید اُس پر رحم کرتا ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اُسے کہو کہ وہ فارس کے فوجیوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکل جائے لیکن وہ اُن گھوڑوں کے سوا جن پر وہ سوار ہوں گے، اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاسکیں گے۔ وہ اپنا سب مال اموال پیچھے چھوڑ جائیں گے اور وہ ہماری فوج کے سامنے سے گزریں گے.... اگر اُسے یہ شرط منظور نہ ہو تو اُسے کہنا کہ تیار ہوجائے اس تباہی کے لیے جو اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔"

ایلچی واپس چلا گیا۔ خالدؓ نے شہر کے اِردگرد اپنا حکم پہنچا دیا کہ تیراندازی روک لی جائے۔

☆

کچھ دیر بعد شہر کا دروازہ ایک بار پھر کھُلا۔ بہت سے سپاہی بڑی موٹی لکڑی کا ایک پانچ چھ گز چوڑا اور بہت لمبا تختہ اٹھائے باہر نکلے۔ تختے کے ساتھ رسّے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے تختہ خندق کے کنارے پر کھڑا کیا اور رسّے پکڑ لیے۔ پھر یہ تختہ آہستہ آہستہ خندق پر گرنے لگا اور اس کا اوپر والا سرا خندق کے باہر والے کنارے پر جا پڑا۔ یہ پُل تھا جو شیرزاد اور اُس کی فوج کے گزرنے کے لیے خندق پر ڈالا گیا تھا۔

سب سے پہلے جو گھوڑا باہر آیا اس کی سج دھج بتاتی تھی کہ شاہی اصطبل کا گھوڑا ہے۔ اُس کا سوار بلاشک وشبہ حاکمِ ساباط شیرزاد تھا۔ اُس کے پیچھے اُس کی بچی کھچی فوج باہر نکلی۔ پیادے بھی تھے سوار بھی۔ ان میں زخمی بھی تھے جو اپنے ساتھیوں کے سہارے چل رہے تھے۔ وہ اپنے مرے ہُوئے ساتھیوں کی لاشیں جہاں تھیں وہیں چھوڑ گئے تھے۔ یہ شکست خوردہ فوج ماتمی جلوس کی طرح جارہی تھی اور مسلمان خاموشی سے اس جلوس کو دیکھ رہے تھے۔ کسی نے ان کا مذاق نہ اڑایا، پھبتی نہ کسی، فتح کا نعرہ نہ لگایا۔

خالدؓ گھوڑے پر سوار ایک طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ تھکے ہُوئے نظر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

آتے تھے لیکن چہرے پر فتح کی رونق اور زبان پر اللہ کے شکرانے کے کلمات تھے ـــــ یہ جولائی ۶۳۳ء کا ایک دن تھا۔

جب آخری سپاہی بھی نکل گیا تو خالدؓ مجاہدین کے آگے آگے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے۔ آگے شہر کے امراء اور روساء دست بستہ کھڑے تھے۔ شہر کے لوگوں کا شور و غل سنائی دے رہا تھا۔ اس طرح کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ـــــ "وہ آ گئے ہیں ..... مسلمان آ گئے ہیں ..... بھاگو ..... چھپ جاؤ۔"

خالدؓ گھوڑے سے اُترے۔ انبار کے امراء وغیرہ نے انہیں تحفے پیش کیے۔

"شہر کے لوگ ہم سے ڈر کیوں رہے ہیں؟" ـــــ خالدؓ نے امراء سے کہا ـــــ "انہیں کہو کہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ہم نے اس شہر کو فتح کیا ہے، شہر کے لوگوں کو نہیں۔ انہیں کہو کہ ہم امن اور دوستی لے کر آتے ہیں۔ ہم جزیہ ضرور لیں گے لیکن بلاوجہ کسی کی جان نہیں لیں گے۔ ہم کسی کی بیٹی پر اپنا حق نہیں جتائیں گے۔ کسی کے مال و دولت کو ہاتھ نہیں لگائیں۔ ہم صرف اُن کے مال اموال کو اپنے قبضے میں لیں گے جو ہم سے شکست کھا کر چلے گئے ہیں ..... جاؤ۔ اپنے لوگوں کو ہماری طرف سے امن اور سکون کا پیغام دو۔"

خالدؓ نے اپنی فوج کو ایک حکم تو یہ دیا کہ جو لوگ اُن کے خلاف لڑ کر چلے گئے ہیں اُن کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کر لیا جائے اور دوسرا حکم یہ کہ شہر میں گھوم پھر کر یہاں کے لوگوں کو دوستی اور امن کا تاثر دیا جائے اور یہ بھی کہ لُوٹ مار نہیں ہو گی۔

شہر پناہ پر گدھ اُتر رہے تھے وہاں آتش پرست سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ شدید زخمی بیہوشی کی حالت میں اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ شہر کی فضا میں موت کی بو تھی۔

خالدؓ اُس مکان میں گئے جس میں شیرزاد رہتا تھا۔ وہ تو محل تھا۔ دنیا کی کون سی آسائش اور زیبائش تھی جو اس محل میں نہیں تھی۔ خالدؓ جو زمین پر سونے کے عادی تھے، حیران ہو رہے تھے کہ ایک انسان نے اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھنے کے لیے کتنی دولت خرچ کی ہے۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ بیش قیمت اشیاء کو مالِ غنیمت میں شامل کر لیا جائے اور خزانہ ڈھونڈا جائے۔ خزانہ ملنے دیر نہ لگی۔ اس میں سونے اور ہیرے جواہرات کے انبار لگے ہوئے تھے۔

اردگرد کے قبیلوں کے سردار اطاعت قبول کرنے کے لیے خالدؓ کے پاس آنے لگے۔ خالدؓ نے جزیہ کی رقم مقرر کر کے اس کی وصولی کا حکم دیا۔ اس دوران جاسوسوں نے آ کر بتایا کہ فارس کی فوج عین التمر میں اکٹھی ہو گئی ہے اور اب مقابلہ بڑا سخت ہو گا۔

مدائن میں آتش پرست شہنشاہیت کا محل اُسی طرح کھڑا تھا جس طرح اپنے شہنشاہوں کی زندگی میں کھڑا رہتا تھا۔ یہ کسریٰ کا وہ محل تھا جسے جنگی طاقت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے باہر والے دروازے کے دائیں اور بائیں دو ببر شیر بیٹھے رہتے تھے۔ یہ کسریٰ کی ہیبت اور دہشت کی علامت تھے لیکن یہ گوشت پوست کے نہیں، پتھروں کے تراشے ہوئے مجسّمے تھے۔ ان مجسّموں اور محل کے درمیان ایک مینار کھڑا تھا جو اوپر سے گول اور مینار کی گولائی سے زیادہ بڑا تھا۔ اُس جگہ الاؤ ہر وقت دہکتا رہتا تھا۔ جب یہ مینار تعمیر ہُوا تھا اس کے اوپر پروہتوں نے یہ آگ جلائی تھی۔ کئی نسلیں پیدا ہوئیں اور اگلی نسلوں کو جنم دے کر دنیا سے رخصت ہو گئیں، یہ الاؤ دہکتا رہا۔ اس سے اٹھتا ہُوا دُھواں محل کی فضا میں یوں منڈلاتا رہتا تھا جیسے زرتشت نے اس محل کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہو۔

الاؤ اب بھی دہک رہا تھا۔ اُس کا دُھواں اب بھی کسریٰ کے محل کی فضا میں منڈلا رہا تھا لیکن ایسے لگتا تھا جیسے یہ دُھواں محل کو پناہ میں لینے کی بجائے خود پناہ ڈھونڈ رہا ہو۔ محل جو کبھی دوسروں کے لیے ہیبت کا نشان تھا، اب خود اُس پر ہیبت طاری تھی۔ اس کی شان و شوکت پہلے جیسی ہی لگتی تھی، جاہ و جلال بھی پہلے جیسا تھا مگر اس کے مکین اب صاف طور پر محسوس کرنے لگے تھے کہ اس محل پر آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ موت کی دبی دبی ہنسی کی سِس سِس دن رات سنائی دیتی تھی۔

ایک غیبی ہاتھ کسریٰ کے زوال کی داستان اُس کے خاندان کے خون سے لکھ رہا تھا۔ کہاں وہ وقت کہ اس تخت سے دوسروں کی موت کے پروانے جاری ہوتے تھے، کہاں یہ وقت کہ اُردشیر کے مرنے کے بعد اس تخت پر جو بیٹھتا تھا وہ پُراسرار طور پر قتل ہو جاتا تھا۔ دو چار سالار تھے جو فارس کی لرزتی ڈولتی ہُوئی عمارت کو کچھ دیر اور تھامے رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ایران کی نوخیز حسینائیں اب بھی اس محل میں موجود تھیں مگر رقص کی ادائیں نہیں تھیں۔ ساز خاموش تھے۔ نغمے چُپ تھے۔ شراب کی بُو پہلے کی طرح موجود تھی مگر اس میں خُون کی بُو شامل ہو گئی تھی۔ پہلے یہاں عیش و عشرت کے لیے شراب پِی جاتی تھی اب اپنے آپ کو فریب دینے اور تلخ حقائق سے فرار کی خاطر جام پر جام چڑھائے جا رہے تھے۔

اب مدائن کا محل تخت و تاج کے حصول کا میدانِ جنگ بن گیا تھا۔ درپردہ جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ اسی محل سے خالدؓ اور اُن کی سپاہ پر طنز کے یہ تیر چلے تھے کہ عرب کے بدّوؤں اور لٹیروں کو فارس کی شہنشاہی میں قدم رکھنے کی جرأت کیسے ہُوئی؟ وہ کبھی واپس نہ جانے کے لیے آتے ہیں۔ انہیں موت یہاں لے آئی ہے مگر اب فارسیوں کو خود اپنی شہنشاہی میں قدم جمائے رکھنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ دوسروں پر دہشت طاری کرنے والے تخت و تاج پر خالدؓ کی اور مدینہ کے مجاہدین کی دہشت طاری ہو گئی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مدائن میں اب شکست اور پسپائی کے سوا کوئی خبر نہیں آتی تھی۔

جولائی ۶۳۳ء کے ایک روز مدائن میں آتش پرستوں کو اپنی ایک اور شکست کی خبر ملی۔ خبر لانے والا کوئی قاصد نہیں بلکہ حاکم ساباط شیرزاد تھا اور اُس کے ساتھ اُس کی شکست خوردہ فوج کے بے شمار سپاہی تھے۔ ان کا استقبال کسریٰ کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے کیا۔ ان کی حالت دیکھ کر ہی وہ جان گیا کہ بہت بُری شکست کھا کر آئے ہیں۔

"شیرزاد!"— بہمن جاذویہ نے کہا —"تمھارے پاس ہتھیار بھی نہیں۔ میں تم سے کیا پوچھوں؟"

"تمہیں پوچھنا بھی نہیں چاہیئے"— شیرزاد نے تھکی ہاری آواز میں کہا —"تم بھی تو اُن سے لڑے تھے؟ کیا تم پسپا نہیں ہوئے تھے؟"

"کیا تم قلعہ بند نہیں تھے؟"— بہمن جاذویہ نے کہا —"قلعے کے اردگرد خندق تھی۔ مسلمان اُڑ تو نہیں سکتے۔ اتنی چوڑی خندق اُنہوں نے کیسے عبور کرلی تھی؟"

شیرزاد نے اُسے تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے اُسے کس طرح شکست دی ہے۔

"میرے سالار نااہل اور بزدل نکلے"— شیرزاد نے کہا —"اور مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں نے عیسائیوں پر بھروسہ کیا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ زبردست لڑاکے ہیں لیکن انہیں معلوم ہی نہیں کہ لڑائی ہوتی کیا ہے۔"

"تم شاید یہ نہیں دیکھ رہے کہ تم پسپا ہو کر مسلمانوں کو اپنے پیچھے لا رہے ہو"— بہمن جاذویہ نے کہا —"اور تمہیں یہ معلوم نہیں کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے.... شاہی خاندان تخت کی وراثت پر آپس میں لہولہان ہو رہا ہے۔ فارس کی آبرو کے محافظ ہم دو چار سالار رہ گئے ہیں۔"

"اور جب تخت سالاروں کی تحویل میں آجائے گا تو وہ شاہی خاندان کی طرح ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے"— شیرزاد نے کہا اور رازداری کے لہجے میں کہنے لگا —"کیا تم ابھی تک محسوس نہیں کر سکے کہ فارس کی شہنشاہی کا زوال شروع ہو چکا ہے؟ کیا ہمارا سورج ڈوب نہیں رہا؟"

"شیرزاد!"— بہمن جاذویہ نے کہا —"اُس حلف کو نہ بھولو جو ہم نے زرتشت کے نام پر اٹھایا تھا کہ ہم فارس کو دشمن سے بچانے کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں گے.... تم نے غلطی کی ہے جو یہاں چلے آئے ہو۔"

"کہاں جاتا؟"

"عین التمر!"— بہمن جاذویہ نے کہا —"عین التمر ابھی محفوظ ہے، بلکہ یہ ہمارا ایک مضبوط اڈہ ہے۔ قلعہ دار مہران بن بہرام لڑنا اور لڑانا جانتا ہے۔ اطلاع ملی ہے کہ اُس نے چند ایک بدوی قبیلوں کو بھی عین التمر میں اکٹھا کر لیا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اُدھر کا رُخ کیا تو ایسے ہی ہوگا جیسے وہ پہاڑ سے ٹکرائے ہوں۔ اُن میں پسپا ہونے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔ وہ مسلسل لڑتے آرہے ہیں۔ وہ جنات تو نہیں۔ آخر انسان ہیں۔ اُن میں پہلے والا دم خم نہیں رہا۔"

"لیکن میں نے انہیں تازہ دم پایا ہے"— شیرزاد نے کہا —"میں نے ان میں تھکن اور کم ہمتی کے کوئی آثار نہیں دیکھے.... اور بہمن! مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ نشے میں بدمست تھے۔ ایسی بے جگری سے وہی لڑ سکتا ہے جس نے کوئی نشہ پی رکھا ہو۔"

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ اُن کا عقیدہ صحیح ہے"— بہمن جاذویہ نے کہا —"لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان پر اپنے عقیدے کا نشہ طاری ہے۔ ہم اپنی سپاہ میں یہ ذہنی کیفیت پیدا نہیں کر سکے۔"

"تم کہہ رہے تھے کہ مجھے عین التمر چلے جانا چاہیئے تھا"— شیرزاد نے کہا —"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمھارے ساتھ رہوں اور اپنی سپاہ کو منظم کرلیں پھر مسلمانوں پر جوابی حملے کی تیاری کریں؟"

"اب تمھارا عین التمر جانا ٹھیک بھی نہیں"— بہمن جاذویہ نے کہا —"ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔"

o

عین التمر انبار کے جنوب میں فرات کے مشرقی کنارے سے کئی میل دُور ہٹ کر انبار کی طرح ایک بڑا تجارتی مرکز ہوا کرتا تھا۔ آج صرف ایک چشمہ اُس کی نشانی رہ گئی ہے۔ اُس زمانے میں اس شہر کا تجارتی رابطہ دنیا کے چند ایک دوسرے مُلکوں کے ساتھ بھی تھا۔ قلعہ مضبوط اور شاندار تھا۔ وہاں کا حاکم اور قلعہ دار ایک فارسی سالار مہران بن بہرام چوبین تھا۔

مہران دیکھ رہا تھا کہ مسلمان فارس کی فوج کو ہر میدان میں شکست دیتے آرہے ہیں اور جو قلعہ اُن کے راستے میں آتا ہے وہ ریت کا گھروندا ثابت ہوتا ہے۔ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دے کر فارس کی تاریخ میں نام پیدا کرے گا۔ اُس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ فارس کی فوج مسلمانوں کو روکنے میں نہ صرف ناکام رہی ہے بلکہ سپاہیوں نے اپنے اُوپر مسلمانوں کی دہشت طاری کر لی ہے۔ اس خطرے کو ختم کرنے اور اپنی نفری بڑھانے کے لیے اُس نے عیسائی اور دیگر عقیدوں کے قبیلوں کو عین التمر میں اکٹھا کر لیا تھا۔

ان میں بنی تغلب، نمر اور ایاد کے قبیلے خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔ یہ سب عرب کے بدّو تھے۔

ان کے سردار عقہ بن ابی عقہ اور ہذیل تھے۔ یہ دونوں اُس وقت کے مانے ہوئے جنگجو تھے۔ یہ قبیلے کسریٰ کی رعایا تھے۔ ایک تو وہ خود اپنے آقاؤں کو خوش کرنا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ مہران بن بہرام نے انہیں بہت زیادہ انعام اور مراعات دینے کا وعدہ کیا تھا اور فارس سے وفاداری کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ان قبیلوں کے سرداروں اور دیگر بڑوں کو احساس تھا کہ مسلمان صرف ملک فتح کرنے نہیں آئے بلکہ وہ اُن کے عقیدوں پر حملہ کرنے آئے ہیں اور اُن پر اپنا عقیدہ مسلّط کریں گے۔

اُس رات عین التمر میں بہت بڑی ضیافت دی گئی۔ یہ جشن کا سماں تھا۔ ایران کی بڑی حسین ناچنے اور گانے والیاں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ یہ ضیافت ان بدوی قبیلوں کے سرداروں اور سرکردہ افراد کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ ان بدّوؤں نے ایسی ضیافت اور ایسی عیاشی کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ بڑی خوبصورت اور جوان عورتیں انہیں شراب پلا رہی تھیں اور اُن کے ساتھ فحش حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔

مؤرّخوں نے لکھا ہے کہ اس کیفیت میں جب اُن پر شراب اور عورت کا نشہ طاری تھا، بدّوی قبیلوں کے ایک سردار عقہ بن ابی عقہ نے مہران بن بہرام سے کہا کہ وہ اپنی فوج کو پیچھے رکھے اور بدّوی قبیلے آگے جا کر مسلمانوں کو عین التمر سے دُور جا کر روکیں گے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اگر تم ایسا ہی بہتر سمجھتے ہو تو میں اعتراض نہیں کروں گا"۔۔۔ مہران بن بہرام نے کہا۔۔۔ "لیکن مجھے ڈر ہے کہ تمھارے قبیلے ہماری فوج کے بغیر نہیں لڑ سکیں گے۔"

"ہم عربی ہیں"۔۔۔ عقہ نے کہا۔۔۔ "عربوں سے لڑنا صرف ہم جانتے ہیں۔ عرب کے اِن مسلمانوں سے ہمیں لڑنے دو۔ فارسیوں نے ان کے مقابلے میں آکر دیکھ لیا ہے۔"

مشہور مؤرّخ طبری نے مہراں اور عقہ کی یہ گفتگو اُن ہی کے الفاظ میں اپنی تاریخ میں شامل کی ہے۔

"میں تسلیم کرتا ہوں"۔۔۔ مہراں بن بہرام نے کہا۔۔۔ "تمھاری بہادری کو میں تسلیم کرتا ہوں عقہ! جس طرح ہم عجمیوں کے خلاف لڑنے کے ماہر ہیں اسی طرح تم عربوں کے خلاف لڑنے کی مہارت رکھتے ہو۔ تم ان عربی مسلمانوں کو کاٹ پھینکنے کے لیے آگے چلے جاؤ۔ میری فوج تمھارے قریب ہی کہیں موجود ہو گی۔ جوں ہی ضرورت پڑی ہم تمھاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔"

رات گزر گئی۔ صبح فارس کی فوج کے دو سالار مہراں بن بہرام کے پاس گئے۔

"رات کو ہم نے آپ کی اور عقہ کی بات چیت میں دخل دینا مناسب نہ سمجھا"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔۔۔ "ہم نے بولنے کی ضرورت اس لیے بھی نہ سمجھی کہ رات کو یہ بات چیت نشے کی حالت میں ہو رہی تھی۔"

"میں پوری طرح ہوش میں تھا"۔۔۔ مہراں نے کہا۔۔۔ "کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے ان بدوی قبیلوں کو جو اہمیّت دی ہے یہ ہمارے لیے اچھی نہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"کیوں اچھی نہیں؟"

"اس سے ان قبیلوں کو یہ تاثر ملا ہے کہ ہم مسلمانوں سے ڈرتے ہیں"۔۔۔ سالار نے جواب دیا۔۔۔ "یا یہ کہ ہم کمزور ہیں۔ یہ لوگ اتنی اہمیّت کے قابل نہیں۔"

"اگر بدوی قبیلوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی"۔۔۔ دوسرے سالار نے کہا۔۔۔ "تو کہا جائے گا کہ یہ فتح ان قبیلوں کی ہے اور اگر یہ نہ ہوتے تو ہم ایک اور شکست سے دوچار ہوتے۔"

"میں نے انہیں جو اہمیّت دی ہے یہ آخر تمھیں ملے گی"۔۔۔ مہراں نے کہا۔۔۔ "کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ ہم پر حملہ کرنے وہ شخص آرہا ہے جس نے ہمارے نامور سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اُس (خالدؓ) نے فارس کی شہنشاہی کی بنیادیں ہلا ڈالی ہیں؟ میں اس اعتراف سے نہیں شرماؤں گا کہ تم خالدؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے کچھ سوچ کر ان بدوی قبیلوں کو آگے جانے کی اجازت دی ہے۔ اگر انہوں نے مسلمانوں کو شکست دے دی تو یہ تمھاری فتح ہو گی۔ یہ بدوی قبیلے ہماری رعایا ہیں۔ اگر یہ مسلمانوں کو شکست نہ دے سکے اور پسپا ہو گئے تو ہم مسلمانوں پر اس حالت میں حملہ کریں گے کہ وہ تھک کر چُور ہو چکے ہوں گے اور ہماری فوج تازہ دم ہو گی۔"

دونوں سالاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن کے چہروں پر رونق آ گئی تھی۔ اپنے حاکم کی یہ چال انہیں بہت پسند آئی تھی۔

○

خالدؓ مجاہدین کے لشکر کو لے کر عین التمر کی طرف جا رہے تھے۔ اُنہوں نے دریائے فرات عبور کیا اور بڑی تیز رفتار سے دریا کے کنارے پیشقدمی جاری رکھی۔ انہوں نے دیکھ بھال کے لیے جو آدمی آگے بھیج رکھے تھے، وہ اپنی اطلاعیں قاصدوں کے ذریعے بھیج رہے تھے۔

انبار میں خالدؓ اپنے ایک نائب سالار زبرقان بن بدر کو چھوڑ آئے تھے۔

عین التمر دس میل دُور رہ گیا تھا جب جاسوس اور دیکھ بھال کرنے والے دوسرے آدمی پیچھے آ گئے۔ اُنہوں نے خالدؓ کو اطلاع دی کہ ذرا ہی آگے ایک بہت بڑا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور یہ لشکر فارس کا نہیں بلکہ بدوی قبیلوں کا ہے۔ اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ عقہ بن ابی عقہ اور اُس کا نائب ہذیل ہے۔

خالدؓ نے اپنے لشکر کو روک لیا اور خود آگے دیکھنے گئے۔ اُنہوں نے چھپ کر دیکھا۔ انہیں کسریٰ کی فوج کہیں بھی نظر نہ آئی۔ یہ لشکر بدوی قبیلوں کا تھا۔ خالدؓ کا لشکر ابھی کُوچ کی ترتیب میں تھا جو دراصل ترتیب نہیں تھی۔ منزل ابھی دس میل دُور تھی۔ ابھی لشکر قافلے کی صورت چلا آ رہا تھا۔ عین التمر پہنچ کر شہر کو محاصرے میں لینا تھا لیکن راستے میں ایک انسانی دیوار آ گئی جو مسلمانوں کے لیے غیر متوقع تھی۔ مؤرخوں نے ان قبیلوں کی تعداد نہیں لکھی سوائے اس کے کہ وہ تعداد میں مدینہ کے مجاہدین سے خاصے زیادہ تھے۔ عین التمر کی اپنی فوج اس تعداد کے علاوہ تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا مقابلہ کم از کم تین گنا طاقتور دشمن سے تھا۔

خالدؓ نے فوراً اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے کی طرح خود قلب میں رہے اور اپنے دونوں تجربہ کار سالاروں عاصمؓ بن عمرو اور عدیؓ بن حاتم کو دائیں اور بائیں پہلوؤں میں رکھا۔ خالدؓ نے تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا۔

"ہماری ترتیب وہی ہے جو آمنے سامنے کے ہر معرکے میں ہُوا کرتی ہے"۔۔۔ خالدؓ نے سالاروں سے کہا۔۔۔ "لیکن لڑنے کا طریقہ مختلف ہو گا۔ اب قلب سے حملہ نہیں ہو گا۔ میرا اشارہ ملتے ہی دونوں پہلو دشمن کے پہلوؤں پر ہلّہ بول دیں اور وہاں دشمن کو پوری طرح الجھا لیں۔ تھوڑی دیر بعد اس طرح پیچھے ہٹیں کہ دشمن کو یہ تاثر ملے کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔ تھوڑا سا پیچھے آ کر پھر آگے بڑھو اور پھر پیچھے ہٹو۔ اس طرح دشمن کے پہلوؤں کو آپس میں اُلجھائے رکھنا کہ اپنے قلب کی انہیں ہوش نہ رہے۔ میں سیدھا دشمن کے قلب پر حملہ کروں گا لیکن کچھ دیر بعد۔ تم دونوں اس کوشش میں رہنا کہ دشمن کے پہلوؤں سے اُس کے قلب کو مدد نہ مل سکے۔"

"ولید کے بیٹے!"۔۔۔ دشمن کی طرف سے للکار سنائی دی۔۔۔ "آنکھیں کھول.... دیکھ تیری موت تجھے کس کے سامنے لے آئی ہے.... میں عقہ ہوں.... عقہ بن ابی عقہ!"

"ولید کا بیٹا دیکھ چکا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اور رکابوں میں کھڑے ہو کر للکار کا جواب دیا۔۔۔ "تیری مکروہ آواز سُننے بغیر دیکھ لیا ہے.... کیا کسریٰ کے سالاروں نے محل میں ناچنا اور گانا شروع کر دیا ہے کہ اُن کی لڑائی تم لڑنے آ گئے ہو؟"

"ابنِ ولید!"۔۔۔ عقہ کی للکار بلند ہوئی۔۔۔ "کیا تو زندہ واپس جانے کا خواہش مند نہیں؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"میں زندہ واپس جاؤں گا"۔۔۔ خالدؓ نے گلا پھاڑ کر کہا۔۔۔ "خدا کی قسم تیرے سر کو تیرے جسم سے الگ کر کے جاؤں گا۔"

خالدؓ اپنے سالاروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ربِّ کعبہ کی قسم!۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "میں عقہ کو زندہ پکڑوں گا پھر اسے زندہ نہیں رہنے دوں گا.... تم سب اپنے دستوں تک پہنچو اور سب کو بتاؤ کہ آج تمہارا مقابلہ دو فوجوں کے ساتھ ہے۔ ایک یہ فوج ہے جو تمہارے سامنے سیاہ پہاڑ کی مانند کھڑی ہے اور ایک وہ فوج ہے جو شہر کے اندر ہے یا کہیں رُوپوش ہے اور نہ جانے کس طرف سے تم پر حملہ کر دے گی۔ سب کو بتا دو کہ آج جس نے پیٹھ دکھائی وہ اللہ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ مدینہ کے مجاہدین مسلسل لڑ رہے تھے اور کوچ کر رہے تھے اور اُن کی تعداد بھی کم تھی۔ عین التمر میں دشمن کو للکار کر خالدؓ بظاہر غلطی کر رہے تھے لیکن خالدؓ کے چہرے پر سنجیدگی ضرور تھی، پریشانی کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ انہیں دشمن للکار رہا تھا۔

خالدؓ نے اشارہ دے دیا۔ ایک پہلو سے سالار عاصم بن عمرو اور دوسرے پہلو سے سالار عدی بن حاتم نے بدوی قبیلوں کے لشکر کے پہلوؤں پر حملہ کر دیا۔ عقہ بن ابی عقہ اپنے لشکر کے قلب میں تھا اور اس کی نظر مسلمانوں کے قلب پر تھی جہاں خالدؓ تھے۔ اُسے توقع تھی کہ دستور کے مطابق سامنے سے قلب کے دستے حملہ کریں گے مگر خالدؓ دستور سے ہٹ گئے تھے۔

دونوں فوجوں کے پہلو جب گتھم گتھا ہوتے تو تھوڑی سی دیر میں اپنی اُڑائی ہوئی گرد میں چھُپ گئے۔ اِس گرد سے گھوڑوں کے ہنہنانے، تلوار اور ڈھالوں کے ٹکرانے کی مہیب آوازیں اور زخمیوں کی کربناک صدائیں اُٹھ رہی تھیں۔ ایک قیامت تھی جو گرد کے اندر بپا تھی۔

پہلوؤں کے دونوں سالاروں نے خالدؓ کی ہدایت کے مطابق اپنے دستے پیچھے ہٹائے تو بدوی قبیلے اس خوش فہمی میں مسلمانوں کے پیچھے آ گئے کہ مسلمان پسپا ہو رہے ہیں۔ وہ جوش و خروش سے نعرے لگا رہے تھے لیکن مسلمان رُک گئے اور انہوں نے دشمن پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ پیچھے ہٹنے لگا۔ مسلمان ایک بار پھر پیچھے ہٹنے لگے۔ بدوی پھر اُن کے پیچھے آ گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے دشمن کے پہلوؤں کو ایسا اُلجھایا کہ انہیں اپنے قلب کی ہوش نہ رہی۔ گرد اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ خالدؓ بڑی غور سے دیکھ رہے تھے۔ اُن کی نظر عقہ پر تھی جو (مؤرخ بلاذری اور طبری کے مطابق) یہ دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا قلب کیوں آگے نہیں بڑھتا۔ مسلمانوں کے قلب کے دستوں کا انداز کچھ ایسا ڈھیلا ڈھالا سا تھا جیسے وہ حملہ نہیں کرنا چاہتے۔

عقہ بن ابی عقہ نے جب مسلمانوں کے قلب کے دستوں کو اس لاتعلقی کی سی حالت میں دیکھا تو اُس نے مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کو کچلنے کے لیے قلب سے خاصی نفری اپنے پہلوؤں کی مدد کے لیے بھیج دی۔ خالدؓ اسے اسی دھوکے میں لانا چاہتے تھے جس میں وہ آ گیا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کو ساتھ رکھا۔ انہیں وہ بتا چکے تھے کہ عقہ کو زندہ پکڑنا ہے۔ خالدؓ نے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا اشارہ دے دیا۔

عقہ کے لیے یہ حملہ اچانک اور غیر متوقع تھا۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں سے عقہ اور اُس کے محافظوں کو گھیرے میں لے لیا۔ عقہ کے محافظ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو وہ قریب نہیں آنے دے رہے تھے۔ عقہ ان کے درمیان میں تھا۔ مسلمانوں کے دستوں نے بدوی قبائلیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ عقہ بھاگ نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سامنے آ عقہ!۔۔۔ خالدؓ نے اُسے للکارا۔۔۔ "تو مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔"

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے کمند پھینک کر عقہ کو پکڑ لیا لیکن مؤرخوں کی اکثریت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ عقہ خالدؓ کی للکار پر مقابلے میں آ گیا۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ عقہ کو تاریخ نے ماہر جنگجو اور تیغ زن قرار دیا ہے۔ مستند یہی ہے کہ خالدؓ اور عقہ کے درمیان بڑا سخت مقابلہ ہوا۔ خالدؓ کو اللہ کے رسولؐ نے "اللہ کی تلوار" کا خطاب عطا کیا تھا۔ انہوں نے عقہ کا ہر وار بچایا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ انہیں جوں ہی موقع ملا، عقہ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ خالدؓ اپنے گھوڑے سے کود کر اُترے۔ عقہ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ خالدؓ کی تلوار کی نوک عقہ کے پہلو کے ساتھ لگ چکی تھی۔ اُس کے ساتھ ہی خالدؓ کے تین چار محافظوں نے برچھیوں کی انّیاں عقہ کے جسم کے ساتھ لگا دیں۔

عقہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اُس کے کئی محافظ ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ جو بچ گئے وہ بھاگ اُٹھے۔ فوراً یہ خبر تمام بدوی قبائلیوں تک پہنچ گئی کہ اُن کا سردارِ اعلیٰ عقہ ہتھیار ڈال چکا ہے۔ یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ عقہ مارا گیا ہے۔ ادھر مسلمانوں کے سالار عاصم اور عدی دشمن کے پہلوؤں کے دستوں کا بہت نقصان کر چکے تھے۔ اس خبر کے ساتھ ہی کہ عقہ پکڑا گیا یا مارا گیا ہے، پہلوؤں کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔

تھوڑی دیر تک صورتِ حال یہ ہو گئی کہ بدوی ایک ایک دو دو، عین التمر کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

عقہ خالدؓ کا قیدی تھا لیکن وہ پریشان نہیں تھا۔ اُسے توقع تھی کہ عین التمر کی فارسی فوج اُس کی مدد کے لیے پابہ رکاب ہو گی اور آ رہی ہو گی۔ وہ مسلمانوں کی حالت دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ مسلمان تھک کر نڈھال ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے اپنے قاصدوں کو بلایا۔

"تمام سالاروں اور کمانداروں کو پیغام دو کہ بدوی لشکر کی پسپائی کو ابھی اپنی فتح نہ سمجھیں"۔۔۔ خالدؓ نے قاصدوں سے کہا۔۔۔ "ابھی مالِ غنیمت کی طرف بھی نہ دیکھیں۔ ایک اور فوج آ رہی ہے۔ وہ تازہ دم ہو گی۔ اس کے مقابلے کے لیے تیار رہو۔"

یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ مہران بن بہرام کی فوج کس طرف سے آئے گی یا وہ عین التمر میں قلعہ بند ہو کر لڑے گی۔ اس فوج پر نظر رکھنے کے لیے مثنیٰ بن حارثہ اپنے چھاپہ مار دستے کے ساتھ عین التمر تک کے علاقے میں موجود اور متحرک تھا۔ اُس نے خالدؓ کو بار بار یہی ایک پیغام بھیجا تھا کہ آتش پرستوں کی فوج کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔ پھر اُس کا یہ پیغام خالدؓ تک پہنچا کہ عقہ کے قبائلی خوف و ہراس کی حالت میں بھاگ بھاگ کر عین التمر میں پناہ لے رہے ہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مثنیٰ بن حارثہ کے چھاپہ مار بھاگنے والے بدوی قبائلیوں کا تعاقب کرکے انہیں مار رہے تھے۔

جب عقہ کے پہلے چند ایک آدمی عین التمر میں داخل ہوئے تو انہیں مہراں کے پاس لے گئے۔

"تم موت سے بھاگ کر آئے ہو"— مہراں نے انہیں کہا—"کیا تم نہیں جانتے تھے کہ یہاں بھی تمہارے لیے موت ہے؟"— اُس نے حکم دیا۔"لے جاؤ ان بزدلوں کو اور انہیں قتل کردو۔"

"کس کس کو قتل کرو گے؟"— ایک بدوی نے پوچھا۔

"پہلے عقہ کو قتل کرو جس نے ہتھیار ڈال کر سارے لشکر میں بزدلی پھیلائی"— دوسرے نے کہا۔

"مسلمانوں نے جس طرح حملے کیے انہیں ہمارے سردار سمجھ ہی نہ سکے"— ایک اور نے کہا۔

اُنہوں نے میدانِ جنگ کی صُورتِ حال ایسے رنگ میں پیش کی کہ مہراں گھبرا گیا۔ مسلمانوں کے لڑنے کے جذبے اور جوش و خروش کو اُنہوں نے مبالغے سے بیان کیا اور بتایا کہ اپنا لشکر جو مسلمانوں کے ہاتھوں کٹنے سے بچ گیا ہے، شہر کی طرف بھاگا آرہا ہے۔

"تو کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو وہاں لے جاکر کاٹیں جہاں ان کا دم ختم ہو چکا ہو؟"— مہراں بن بہرام نے اپنے سالاروں سے کہا—"پھر وہ پسپا ہونے کے بھی قابل نہیں رہیں گے؟"

"کیا سوچ کر آپ نے یہ بات کہی ہے؟"— ایک سالار نے کہا—"اتنا بڑا شہر چھوڑ کر ہم چلے جائیں گے تو یہ پسپائی ہوگی۔ یہ کہیں کہ آپ پر مسلمانوں کا خوف طاری ہوگیا ہے اور آپ یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔"

"جو میں سوچ سکتا ہوں وہ تم نہیں سوچ سکتے"— مہراں نے شاہانہ رعب سے کہا—"میں یہاں کا حاکم ہوں۔ جاؤ اور میرے اگلے حکم کا انتظار کرو۔"

سالار خاموشی سے چلے گئے۔ وہ سالار تھے۔ شہر کا دفاع اُن کی ذمہ داری تھی۔ وہ مسلمانوں کو شہر پیش کرنے کی بجائے لڑ کر مرنا بہتر سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے آپس میں طے کر لیا کہ وہ مہراں کا یہ حکم نہیں مانیں گے لیکن میدانِ جنگ سے بھاگ کر آنے والے بنی تغلب، نمر اور ایاد کے آدمی ٹولیوں میں شہر کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ دس میل کی مسافت طے کرکے آئے تھے جو انہوں نے خوف اور بھگدڑ کی کیفیت میں طے کی تھی۔ ان میں بعض زخمی تھے۔

"کاٹ دیا..... سب کو کاٹ دیا"— وہ گھبراہٹ کے عالم میں کہہ رہے تھے—"ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ بڑے زبردست ہیں۔"

"عقہ بن ابی عقہ مارا گیا ہے"— وہ شہر پر خوف طاری کر رہے تھے—"ھذیل لاپتہ ہے۔"

"دروازے بند کردو"— بعض چلّا رہے تھے—"وہ آرہے ہیں۔"

مورخوں نے لکھا ہے کہ زرتشت کے پجاریوں پر پہلے ہی مسلمانوں کی دہشت طاری تھی۔ مسلمانوں نے ان کے بڑے نامور سالار مار ڈالے تھے۔ اب عین التمر والے اپنی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ یہ جنگجو قبیلے کس حالت میں واپس آرہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس شہر پر خوف و ہراس طاری ہوگیا۔ شہر میں جو فوج تھی اُس کی ذہنی حالت اُس کمزور اور بزدل کتے جیسی ہوگئی تھی جو دُم پچھلی ٹانگوں میں دبا

لیا کرتا ہے۔

ان کے سالاروں نے جب اپنی فوج کو اس ذہنی کیفیت میں دیکھا تو انہیں شہر کے حاکم اور سالارِ اعلیٰ مہراں کے اگلے حکم کی ضرورت نہ پڑی۔ انہیں یہ اطلاع بھی ملی کہ مہراں خزانہ مدائن بھجوا رہا ہے اور شہر کے لوگ بھی اپنے اموال چھپا رہے تھے یا ساتھ لے کر شہر سے نکل رہے تھے۔

خالدؓ کے فنِ حرب و ضرب کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے میدانِ جنگ میں تو دشمن کو شکست دی ہی تھی، دشمن کو انہوں نے نفسیاتی لحاظ سے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اُس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہوگیا تھا۔ آتش پرستوں کی نفسیاتی کیفیت تو یہ ہوگئی تھی کہ خالدؓ کا یا مسلمانوں کا یا مدینہ کا نام سن کر ہی وہ پیچھے دیکھنے لگتے تھے کہ کمک آرہی ہے یا نہیں یا پسپائی کا راستہ صاف ہے یا نہیں۔

پھر وہ وقت جلدی آگیا جب میدانِ جنگ میں لاشیں اور بے ہوش زخمی رہ گئے اور انہیں کچلنے کے لیے وہ گھوڑے رہ گئے جو سواروں کے بغیر بے لگام دوڑتے پھر رہے تھے۔ بدوی قبیلے اپنے سرداروں کے بغیر عین التمر جا پہنچے اور شہر کے دروازے بند کر لیے۔ اُنہوں نے شہر میں واویلا بپا کیا کہ مہراں کی فوج وعدے کے مطابق ان کی مدد کو نہیں آئی لیکن وہاں اُن کا واویلا سننے والا کوئی نہ تھا۔ خوف و ہراس کے مارے ہوئے شہری تھے جو بھاگ نہیں سکتے تھے۔ مہراں بن بہرام اپنی فوج سمیت شہر سے جا چکا تھا۔ وہ فوج کو مدائن لے جا رہا تھا۔ وہ عقہ اور ہذیل اور دوسرے قبائلی سرداروں کو کوس رہا تھا۔

"دشمن کا تعاقب کرو"— خالدؓ نے اپنی سپاہ کو حکم دیا—"زخمیوں کو سنبھالنے کے لیے کچھ آدمی یہیں رہنے دو اور بہت تیزی سے عین التمر کا محاصرہ کرلو۔"

عین اُس وقت مثنیٰ بن حارثہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا اور خالدؓ کے پاس گھوڑا روک کر اُترا۔ وہ خالدؓ سے بغل گیر ہوگیا۔

"ولید کے بیٹے!"— مثنیٰ نے کہا—"قسم رب العالمین کی! دشمن عین التمر سے بھاگ گیا ہے۔"

"کیا تیرا دماغ اپنی جگہ سے ہل تو نہیں گیا؟"— خالدؓ نے پوچھا—"یوں کہہ کہ دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔"

مثنیٰ بن حارثہ نے خالدؓ کو بتایا کہ اُس نے جو جاسوس عین التمر کے اردگرد بھیج رکھے تھے، اُنہوں نے اطلاع دی ہے کہ فارس کی فوج جو شہر میں تھی، شہر سے نکل گئی ہے۔

"کیا تو نہیں سمجھ سکتا کہ یہ فوج ہمارے عقب پر اُس وقت حملہ کرے گی جب ہم عین التمر کو محاصرے میں لیے ہوئے ہوں گے؟"— خالدؓ نے کہا۔

"ابن ولید!"— مثنیٰ نے کہا—"مہراں اپنی فوج کے ساتھ جا چکا ہے۔ اگر وہ فوج یہاں کہیں چھپی ہوئی ہوتی تو میرے چھاپہ مار اُسے چین سے نہ بیٹھنے دیتے..... آگے بڑھ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ۔ عین التمر تیرے قدموں میں پڑا ہے۔"

یہ خبر جب مجاہدین کے لشکر کو ملی تو ان کے جسم جو تھکن سے ٹوٹ رہے تھے تر و تازہ ہوگئے۔ اُنہوں نے فتح و نصرت کے نعروں کی گرج میں عین التمر تک کے دس میل طے کر لیے۔ مثنیٰ کے بڑادر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

پہلے ہی وہاں موجود تھے، اُنہوں نے بتایا کہ شہر کے تمام دروازے بند ہیں۔

خالدؓ کے حکم سے شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بدوی عیسائی اور ان کے دیگر ساتھی جو شہر میں پناہ لینے آئے تھے، مقابلے پر اُتر آئے۔ اُنہوں نے شہر پناہ کے اُوپر جاکر مسلمانوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔

"عقہ بن ابی عقہ کو اور تمام جنگی قیدیوں کو آگے لاؤ"۔۔۔ خالدؓ نے حکم دیا۔

ذرا سی دیر میں تمام بدوی قیدیوں کو سامنے لے آئے۔ خالدؓ نے عقہ کو بازو سے پکڑا اور اُسے اتنی آگے لے گئے جہاں وہ شہر پناہ سے آنے والے تیروں کی زد میں تھے۔

"یہ ہے تمہارا سردار!"۔۔۔ خالدؓ نے بڑی بلند آواز سے کہا۔۔۔"تم اِسے بہادروں کا بہادر سمجھتے تھے۔ اسی نے تمہاری دوستی فارس والوں سے کرائی تھی۔ کہاں ہیں تمہارے دوست؟"۔۔۔ خالدؓ نے عقہ کو آگے کر کے کہا۔۔۔"اس سے پوچھو مہراں اپنی فوج کو بچا کر کہاں لے گیا ہے"۔

پھر بے شمار قیدیوں کو آگے کر دیا گیا۔

"یہ ہیں تمہارے بھائی!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"چلاؤ تیر! سب اِن کے سینوں میں اُتریں گے"۔

یہ خبر کسی طرح شہر میں پھیل گئی کہ قلعے کے باہر مسلمان بنی تغلب اور دیگر قبیلوں کے قیدیوں کو لائے ہیں۔ ان قیدیوں میں سے کئی ایک کے بیوی بچے اور لواحقین شہر میں تھے۔ ان کی بستیاں تو کہیں اور تھیں لیکن ان کی سلامتی کے لیے انہیں عین التمر میں لے آئے تھے۔ جنگ کی صُورت میں وہ انہیں اپنی بستیوں میں محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ ان عورتوں اور بچّوں کو جب پتہ چلا کہ اُن کے قبیلوں کے قیدی باہر آئے ہیں تو مائیں اپنے بچّوں کو اٹھائے شہر کی دیوار پر آگئیں۔ میدانِ جنگ میں جانے والوں میں سے جو واپس نہیں آئے تھے، اُن کی بیویاں، بہنیں، مائیں اور بیٹیاں اس امید پہ دیوار پر آئی تھیں کہ اُن کے آدمی قیدیوں میں ہوں گے۔

ان عورتوں نے دیوار کے اوپر ہنگامہ بپا کر دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو پکار رہی تھیں جنہیں اپنے آدمی قیدیوں میں نظر نہیں آ رہے تھے، وہ آہ و زاری کر رہی تھیں۔ تیر انداز انہیں پیچھے ہٹا رہے تھے مگر عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔

"ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے"۔۔۔ خالدؓ کے حکم سے اُن کے ایک محافظ نے بلند آواز سے کہا۔۔۔"ہتھیار ڈال دو اور دروازے کھول دو۔ اگر ہمارے مقابلے میں تم ہار گئے اور دروازوں میں ہم خود داخل ہوئے تو تم سب کا انجام بہت بُرا ہو گا"۔

"ہم اپنی دو تین شرطوں پر دروازہ کھولنے پر آمادہ ہیں"۔۔۔ دیوار کے اوپر سے آواز آئی۔

"تمہاری کوئی شرط نہیں مانی جائے گی"۔۔۔ خالدؓ کی طرف سے جواب گیا۔۔۔"ہتھیار ڈال دو، دروازے کھول دو۔ تمہاری سلامتی اسی میں ہے"۔

بنی تغلب اور ان کے اتحادی قبیلے جانتے تھے کہ اُن کی سلامتی اسی میں ہے کہ ہتھیار ڈال دیں اور مسلمانوں سے رحم کی درخواست کریں چنانچہ اُنہوں نے دروازے کھول دیئے اور مسلمان شہر میں داخل ہوئے۔ اُس وقت کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے کسی شہری کو پریشان نہیں کیا، البتہ مسلمانوں کے خلاف جو بدوی لڑے تھے، اُن سب کو قیدی بنا لیا گیا۔ یہ ان قیدیوں کے

لواحقین پر منحصر تھا کہ وہ خالدؓ کا مقرر کیا ہُوا فدیہ ادا کر کے اپنے قیدیوں کو رہا کرا لیں۔

تمام شہر کی تلاشی لی گئی۔ شہر میں ایک عبادت گاہ یا درس گاہ تھی جس میں پادری بننے کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اُس وقت چالیس نو عمر لڑکے زیرِ تعلیم تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔ ان میں سے اکثر نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا اور ان میں سے ایک کو تاریخ اسلام کی ایک نامور شخصیّت کا باپ ہونے کا شرف حاصل ہُوا تھا۔ اس لڑکے کا نام نصیر تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا اور ایک مسلمان عورت کے ساتھ شادی کی جس نے موسیٰ بن نصیر کو جنم دیا۔ یہ موسیٰ بن نصیر شمالی افریقہ کے امیر مقرر ہُوئے۔ اُنہوں نے ہی طارق بن زیاد کو اُندلس فتح کرنے کو بھیجا تھا۔

دو تین متعصب مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے بنی تغلب، نمر اور ایاد کے اُن تمام آدمیوں کو قتل کر دیا جو اُن کے خلاف لڑے تھے۔ یہ ایک مفروضہ ہے جو خالدؓ کو بدنام کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا۔ مؤرخوں کی اکثریت نے ایسے قتلِ عام کا ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا۔ محمد حسین ہیکل نے متعدد تاریخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ عقہ بن ابی عقہ کو کُھلے میدان میں لا کر خالدؓ نے اپنا عہد پورا کرتے ہُوئے اُس کا سر تن سے کاٹ ڈالا۔

خالدؓ نے اعلان کیا تھا کہ بدوی غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں تو وہ بڑے بُرے انجام سے محفوظ رہیں گے۔ دشمن نے مسلمانوں کی شرائط پر ہتھیار ڈالے تھے۔ اُن کے قتلِ عام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

عین التمر کی فتح کے بعد خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ انبار اور عین التمر کا مالِ غنیمت اکٹھا کر کے مجاہدین میں تقسیم کیا اور خلافت کا حصہ الگ کر کے ولید بن عقبہ کے سپرد کیا کہ وہ مدینہ امیر المومنین کو پیش کریں۔ انہوں نے امیر المومنین کے لیے ایک پیغام بھی بھیجا۔

ولید بن عقبہ نے مدینہ پہنچ کر امیر المومنین ابو بکرؓ کو انبار اور عین التمر کی لڑائی اور فتح کی تفصیل سنائی، مالِ غنیمت پیش کیا پھر خالدؓ کا پیغام دیا۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ نے خالدؓ کے لیے حکم بھیجا تھا کہ وہ عیّاض بن غنم کے انتظار میں حیرہ میں رُکے رہیں۔ اُس وقت عیّاضؓ دومتہ الجندل میں لڑ رہے تھے لیکن لڑائی کی صورتِ حال عیّاضؓ کے لیے اچھی نہ تھی۔ خالدؓ نے خلافت کے حکم کو نظر انداز کر دیا اور حیرہ سے کوچ کر کے انبار کو محاصرے میں لیا، فتح پائی پھر عین التمر کا معرکہ لڑا اور کامیابی حاصل کی۔

خالدؓ نے اپنے پیغام میں کہا تھا کہ وہ حیرہ میں بیٹھے رہتے تو فارس والوں کو اپنی شکستوں سے سنبھلنے کا اور جوابی حملے کی تیاری کا موقع مل جاتا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو کہیں بھی قدم جمانے کا اور جوابی وار کرنے کا وقت نہ مل سکے۔ اُنہوں نے آتش پرستوں کی فوج کو نفسیاتی لحاظ سے کمزور کر دیا۔ خالدؓ نے امیر المومنین کی حکم عدولی تو کی تھی لیکن عملاً ثابت کر دیا کہ یہ حکم عدولی کتنی ضروری تھی۔ عیّاضؓ بن غنم ابھی تک دومتہ الجندل میں پھنسے ہُوئے تھے اور اُن کی کامیابی کی توقع بہت کم تھی۔

"خالدؓ نے جو مناسب سمجھا وہ کیا"۔۔۔ خلیفہ ابو بکرؓ نے ولید بن عقبہ سے کہا۔۔۔"اُس نے جو سوچا تھا وہی ہُوا۔ عیّاضؓ کی طرف سے جو اطلاعیں آ رہی ہیں وہ امید افزا نہیں۔۔۔ دومتہ الجندل پر قبضہ بہت ضروری تھا لیکن اب مجھے عیّاضؓ کے متعلق تشویش ہونے لگی ہے۔۔۔۔ ابنِ عقبہ! تم عین التمر واپس

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

نہ جاؤ۔ دومتہ الجندل چلے جاؤ اور وہاں کی صورتِ حال دیکھ کر خالدؓ کے پاس جاؤ اور اُسے کہو کہ عیاضؓ کی مدد کو پہنچے۔"

ولید بن عقبہ روانہ ہو گئے۔ عیاض بن غنم خود بھی پریشان تھے۔ اُن کے ساتھ جو سالار تھے، وہ انہیں کہہ رہے تھے کہ اِس صورتِ حال سے نکلنے کے لیے مدد کی ضرورت ہے ورنہ شکست کا خطرہ صاف نظر آرہا تھا۔ آخر (مؤرخ طبری اور ابُو یوسف کی تحریروں کے مطابق) عیاضؓ بن غنم نے خالدؓ کو ایک تحریری پیغام بھیجا جس میں اُنہوں نے اپنی مخدوش صورتِ حال اور اپنی ضرورت لکھی۔

ولید بن عقبہ بھی عیاضؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کا جلدی پہنچنا آسان نہ تھا۔ مدینہ سے دومتہ الجندل کا فاصلہ تین سو میل سے کچھ کم تھا اور زیادہ تر علاقہ صحرائی تھا۔ پہنچنا جلدی تھا۔ ولید جب عیاض کے پاس پہنچے تو وہ جیسے ہوش وحواس میں نہیں تھے۔ انہوں نے آرام کی نہ سوچی، عیاضؓ کی صورتِ حال دیکھی۔

"میں نے خالدؓ کو مدد کے لیے کل ہی پیغام بھیجا ہے"— عیاض بن غنم نے ولید بن عقبہ سے کہا— "معلوم نہیں وہ خود کس حال میں ہے لیکن میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ تم دیکھ رہے ہو۔"

"الحمد لِلّٰہ!"— ولید نے کہا— "خالدؓ نے آتش پرستوں کی شہنشاہی اور اُن کی جنگی طاقت کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ امیر المومنین نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تمہاری ضرورت کا جائزہ لے کر انہیں بتاؤں لیکن تمہیں فوری مدد کی ضرورت ہے۔ میں مدینہ جانے کی بجائے عین التمر چلا جاتا ہوں خالدؓ تمہاری مدد کو آئے گا۔"

یہ اُس دَور کی فرض شناسی اور جذبہ تھا جس میں خوشامد، دکھاوے اور کام چوری کا ذرا سا بھی عمل دخل نہ تھا۔ ولید بن عقبہ نے یہ نہ سوچا کہ وہ واپس مدینہ جائیں اور خلیفہ کے حکم کے مطابق انہیں اپنی کارگزاری بڑھا چڑھا کر سنائیں اور ساتھ یہ کہیں کہ حضور عیاض تو بڑا نالائق سالار ہے۔ اگر اُس کی جگہ میں ہوتا تو یوں کرتا مگر ولید نے دیکھا کہ صورتِ حال مخدوش ہے تو وہ اپنے حاکم خود بن گئے اور مدینہ کی بجائے عین التمر کو گھوڑا دوڑا دیا۔ اُن کے سامنے پُورے تین سو میل صحرائی مسافت تھی۔ عراق اور شام کے صحرا اسی علاقے میں ملتے اور مسافروں کے لیے جان کا خطرہ بن جاتے تھے۔ ولید نے اپنے گھوڑے پر، اپنے آپ پر، اپنے چار محافظوں اور اُن کے گھوڑوں پر یہ ظلم کیا کہ کم سے کم آرام کے لیے کہیں رُکے۔ وہ موسم گرمی کے عروج کا تھا۔ مہینہ اگست ۶۳۳ء تھا۔

دومتہ الجندل بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ دُور دراز ممالک کے تاجر یہاں آیا کرتے تھے۔ تجارت کے علاوہ یا تجارت کی بدولت اس شہر کو دولت اور زر وجواہرات کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نے اس شہر اور اس سے ملنے والی شاہراہوں کی جغرافیائی پوزیشن دیکھ کر اس پر فوج کشی کی تھی۔ یہ مہم غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہُوئی۔ اس وقت دومتہ الجندل کا حاکم اور قلعہ دار اُکیدر بن عبدالملک تھا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔ خالدؓ بھی اس معرکے میں شریک تھے۔ انہوں نے اُکیدر کو غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہُوئے زندہ پکڑ لیا تھا اور اُس کی سپاہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ اُکیدر بن عبدالملک نے رسولِ اکرمؐ کی اطاعت قبول کر لی اور وفاداری کا حلف اٹھایا۔ اُس نے

اسلام بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح یہ اتنا بڑا شہر مسلمانوں کے زیرِ نگین آگیا تھا۔

رسول اللہؐ کی وفات کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ طوفان کی طرح اٹھا تو اُکیدر بھی مدینہ سے منحرف ہو گیا اور اُس نے اطاعت اور وفاداری کے معاہدے کو آگ پھینک دیا۔ اُس نے دومتہ الجندل کو ایک ریاست بنا لیا جس کے باشندے عیسائی بھی تھے اور بُت پرست بھی۔ عیسائیوں کا سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ کلب تھا۔

امیر المومنین ابو بکرؓ نے اُکیدر بن عبدالملک کی سرکوبی کے لیے اور اُسے اپنی اطاعت میں لانے کے لیے عیاض بن غنم کو ایک لشکر دے کر بھیجا تھا۔ وہاں جا کر عیاض نے دیکھا کہ ان کا لشکر تو بہت تھوڑا ہے اور دشمن کئی گنا طاقت ور ہے لیکن مدینہ سے تقریباً تین سو میل دُور آکر واپس چل پڑنا تو مناسب نہ تھا۔ دومتہ الجندل کی دیوار اونچی اور مضبُوط تھی۔ پورا شہر بڑا مضبوط قلعہ تھا۔

عیاض نے شہر کا محاصرہ کیا جو مکمل نہ تھا۔ ایک طرف راستہ کُھلا تھا۔ اُکیدر کی سپاہ کی کچھ نفری خالی طرف سے باہر آتی اور مسلمانوں پر حملہ کرتی۔ کچھ دیر لڑائی ہوتی اور یہ نفری بھاگ کر قلعے میں چلی جاتی۔ ان حملوں کے علاوہ قلعے کی دیواروں سے مسلمانوں پر تیروں کا مینہ برستا رہتا اور اس کے جواب میں مسلمان تیر انداز دیواروں پر تیر پھینکتے رہتے۔ اُنہوں نے قلعے کے دروازوں پر ہلّے بھی بولے لیکن قلعے کا دفاع توقع سے زیادہ مضبوط تھا۔

مسلمانوں کے خلاف جنگ کا پانسہ اس طرح پلٹ گیا کہ قبیلہ کلب کے عیسائیوں نے عقب سے آکر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ وہ مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے اور مسلمان جان کی بازی لگا کر حملوں کو روکتے اور پسپا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی اس بے خوفی کو دیکھ کر عیسائیوں نے حملے کم کر دیئے مگر مسلمانوں کو گھیرے میں رکھا تاکہ وہ پسپا نہ ہو سکیں اور رسد وغیرہ کی کمی سے پریشان ہو کر ہتھیار ڈال دیں۔ عیاض نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ ایک جگہ راستہ کُھلا رکھا اور اس کی حفاظت کے لیے آدمی مقرر کر دیئے تھے۔

یہ صُورتِ حال مسلمانوں کے لیے بڑی ہی خطرناک تھی۔ ان کا جانی نقصان خاصا ہو چکا تھا۔ زخمیوں اور شہیدوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ مسلمان، زندہ رہنے کے لیے لڑ رہے تھے۔ صاف نظر آرہا تھا کہ شکست انہی کو ہوگی۔ دن پہ دن گزرتے جا رہے تھے۔

خالدؓ عین التمر کو اپنے انتظام میں لانے کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے عمال مقرر کر دیئے تھے۔ دو چار دنوں میں ہی وہاں کے شہریوں کو یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان نہ انہیں زبردستی مسلمان بنا رہے ہیں نہ اُن کے حقوق پامال کر رہے ہیں نہ اُن کی عورتوں پر بُری نظر رکھتے ہیں اور اُن کے گھر اور اموال بھی محفوظ ہیں، اس لیے وہ اسلامی حکومت کے وفادار بن گئے تھے۔

خالدؓ کے پاس عیاضؓ بن غنم کا قاصد پہنچا اور اُن کا تحریری پیغام دیا۔ عیاض جس مصیبت میں پھنس گئے تھے وہ لکھی تھی۔ تفصیل قاصد نے بیان کی۔ دوسرے ہی دن ولید بن عقبہ پہنچ گئے۔ اُنہوں نے خالدؓ سے کہا کہ ایک گھڑی جو گزرتی ہے وہ عیاضؓ اور اُس کے مجاہدین کو شکست اور موت کے قریب دھکیل جاتی ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"شکست؟" ۔۔۔ خالدؓ نے پُرجوش لہجے میں کہا ۔۔۔ "خُدا کی قسم، اسلام کی تاریخ میں شکست کا لفظ نہیں آنا چاہیئے.... کیا اکیدر بن عبدالملک مجھے بھُول گیا ہے؟ کیا وہ ہمارے رسولؐ کو بھول گیا ہے جنہوں نے اُسے اطاعت پر مجبور کر دیا تھا؟ کیا وہ ہمارے اللہ کو بھول گیا ہے جس نے ہمیں اُس پر فتح عطا کی تھی؟"

تاریخ شاہد ہے کہ بدلے ہیں تو انسان بدلے ہیں، اللہ نہیں بدلا۔ اللہ نے فتوحات کو شکستوں میں اُس وقت بدلا تھا جب مسلمان بدل گئے تھے اور خدا کے بندوں کے "خُدا" بن گئے تھے۔

خالدؓ نے عیاضؓ بن غنم کو پیغام کا تحریری جواب دیا۔ اُس دور میں عربوں کی تحریر کا انداز شاعرانہ ہُوا کرتا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کا جواب منظوم انداز کا تھا۔ اُنہوں نے لکھا:

"منجانب خالدؓ بن ولید بنام عیاض بن غنم۔ میں تیرے پاس بہت تیز پہنچ رہا ہُوں۔
تیرے پاس اونٹنیاں آرہی ہیں جن پر کالے اور زہریلے ناگ سوار ہیں۔ فوج کے دستے ہیں جن کے پیچھے بھی دستے آگے بھی دستے ہیں۔ ذرا صبر کرو۔ گھوڑے ہوا کی رفتار سے آرہے ہیں۔ ان پر تلواریں لہراتے شیر سوار ہیں۔ دستوں کے پیچھے دستے آرہے ہیں۔"

پیغام کا جواب قاصد کو دے کر خالدؓ نے اُسے کہا کہ وہ جتنی تیز آیا تھا اس سے زیادہ تیز دومتہ الجندل پہنچے اور عیاض کو تسلی دے۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اپنے ایک نائب سالار عویم بن کاہل اسلمی کو بلایا۔

"ابنِ کاہل اسلمی!" ۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "کیا تُو جانتا ہے میں تجھے کتنی بڑی ذمہ داری سونپ رہا ہُوں؟"

"اللہ مجھے ہر اُس ذمہ داری کو نبھانے کی ہمت و عقل عطا فرمائے جو مجھے سونپی جائے" ۔۔۔ عویم نے کہا ۔۔۔ "میری ذمّہ داری کیا ہوگی ابنِ ولید؟"

"عین التمر!" ۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔ "اس کا انتظام اور اس کی حفاظت۔ اندر سے بغاوت اُٹھ سکتی ہے، باہر سے حملہ ہوسکتا ہے۔ میں تجھے اپنا نائب بنا کر دومتہ الجندل جا رہا ہُوں۔ عیاض بن غنم مشکل میں ہے۔"

"اللہ تجھے سلامتی عطا کرے" ۔۔۔ عویم نے کہا ۔۔۔ "عین التمر کو اللہ کی امان میں سمجھ۔"

خالدؓ کے ساتھ ابتدا میں جو سپاہ تھی وہ جانی نقصان کے علاوہ اس وجہ سے بھی کم ہوگئی کہ ہر مفتوحہ جگہ ایک دو دستے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ عین التمر تک پہنچتے نفری اور کم ہوگئی تھی۔ اُس علاقے کے مسلمان باشندوں سے نفری بڑھانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ کچھ نو مُسلم بھی سپاہ میں شامل ہو گئے تھے لیکن ابھی اُن پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

خالدؓ نے کچھ دستے عین التمر میں چھوڑے، چھ ہزار سوار اپنے ساتھ لیے اور دومتہ الجندل کو روانہ ہوگئے۔ فاصلہ تین سو میل تھا۔

خالدؓ نے تین سو میل کی یہ صحرائی مسافت صرف دس دِنوں میں طے کر لی۔ وہ ابھی راستے میں تھے جب اکیدر کے آدمیوں نے اس لشکر کو دیکھ لیا۔ وہ مسافر ہوں گے۔ اُنہوں نے خالدؓ کے پہنچنے

سے پہلے دومتہ الجندل میں اطلاع دے دی کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آرہا ہے۔ بعض مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دومتہ الجندل والوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اِس اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ ہیں۔

اُس وقت تک عیسائیوں کے تین بڑے قبیلے ۔۔۔ بنو کلب، بنو بہرا اور بنو غسان ۔۔۔ جنگ میں شریک تھے۔ اُکیدر بن عبدالملک کو اطلاع ملی تو اُس نے بڑی عجلت سے عیسائیوں اور بُت پرستوں کے چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلاوا بھیج دیا۔ خالدؓ کے پہنچنے تک ان چھوٹے قبیلوں نے اپنے آدمی بھیجنے شروع کر دیئے تھے۔

خالدؓ طوفان کی مانند پہنچے۔ مجاہدین نے خالدؓ کے کہنے پر جوش وخروش سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ عیاض بن غنم کے لشکر نے یہ نعرے سنے تو سارے لشکر نے نعرے لگائے۔ اُن کے ہارے ہوئے حوصلے تروتازہ ہو گئے۔ خالدؓ نے میدانِ جنگ کا جائزہ لیا پھر قلعے کے اردگرد گھوڑا دوڑا کر قلعے کی دیواروں کا جائزہ لیا اور قلعے کی دیواروں پر کھڑے دشمن کو دیکھا۔

دشمن کی فوج کے دو حصّے تھے۔ ایک کا سالارِ اعلیٰ اکیدر اور دوسرے کا جودی بن ربیعہ تھا جو قلعے کے باہر تھا۔ قلعے کے باہر اُن چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے آدمی بھی جمع ہو گئے تھے جو اُکیدر کے بلاوے پر ابھی ابھی آئے تھے۔ ان سب کے لیے قلعے کا کوئی دروازہ نہ کھُلا کیونکہ خالدؓ کی آمد قلعے کے لیے بڑی خطرناک تھی۔

خالدؓ ایک دہشت کا دوسرا نام تھا۔ خالدؓ دشمن پر جو نفسیاتی وار کرتے تھے اُس کا اثر مستقل ہوتا تھا۔ ایسا ہی ایک زخم اُکیدر بن عبدالملک پہلے ہی خالدؓ کے ہاتھوں کھا چکا تھا۔ خالدؓ تو سوچ رہے تھے کہ وہ قلعے میں کس طرح داخل ہو سکتے ہیں لیکن اُن کی دہشت قلعے کے اندر پہنچ چکی تھی۔ اُکیدر نے عیسائی سرداروں کو بُلا رکھا تھا اور انہیں کہہ رہا تھا کہ وہ خالدؓ سے ٹکر نہ لیں اور صلح کر لیں۔ عیسائی سردار اُس کا مشورہ نہیں مان رہے تھے۔

"میرے دوستو!" ۔۔۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے اُس کے یہ الفاظ لکھے ہیں ۔۔۔ "خالدؓ سے جتنا میں واقف ہوں اُتنا تم نہیں ہو۔ میں نہیں بتا سکتا اُس میں کیسی طاقت ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ قسمت ہر میدان میں اُس کے ساتھ ہوتی ہے۔ میدانِ جنگ کا اور قلعوں کی تسخیر کا جو کمال اُس میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔ تم سوچ رہے ہو گے اور وہ تمہارے سر پر کھڑا ہو گا۔ خالدؓ کے مقابلے میں جو قوم آتی ہے، خواہ طاقتور، خواہ کمزور، وہ خالدؓ کے ہاتھوں پٹ جاتی ہے۔ میرا مشورہ تسلیم کرو اور خالدؓ سے صلح کر لو۔"

عیسائیوں نے خالدؓ سے شکستیں کھائی تھیں۔ وہ انتقام لینا چاہتے تھے۔

"تم اُس سے لڑو گے تو ہار جاؤ گے" ۔۔۔ اُکیدر نے کہا ۔۔۔ "پھر وہ تم پر رحم نہیں کرے گا۔ اگر لڑے بغیر صلح کر لو گے تو وہ تمہاری جان، تمہاری عورتوں اور تمہارے اموال کی حفاظت کرے گا مگر تم اُس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تم اُس کی چالیں نہیں سمجھتے۔"

"ہم لڑے بغیر شکست تسلیم نہیں کریں گے" ۔۔۔ عیسائی سرداروں نے متفقہ فیصلہ دے دیا۔

"پھر تم میرے بغیر لڑو گے" ۔۔۔ اُکیدر نے کہا ۔۔۔ "میں اتنا بڑا شہر تباہ نہیں کراؤں گا۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عیسائی سردار لڑنے کے ارادے سے چلے گئے۔ انہیں اُکیدر کے ارادوں کا اس کے سوا کچھ علم نہ تھا کہ وہ نہیں لڑنا چاہتا۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ خالدؓ کا سالار عاصم بن عمرو قلعے کے اُس طرف گشت پر پھر رہا تھا جدھر علاقہ خالی تھا۔ اُسے چار پانچ آدمی قلعے سے نکل کر اُس کھلے علاقے میں آتے دکھائی دیئے۔ وہ سائے سے لگتے تھے۔ عاصم بن عمرو کے ساتھ چند ایک محافظ تھے۔ انہیں عاصم نے کہا کہ اِن آدمیوں کو گھیرے میں لے کر روک لیں۔

محافظوں کو معلوم تھا کہ کس طرح بِکھر کر گھیرا ڈالا جاتا ہے۔ وہ آدمی خود ہی رُک گئے۔ سالار عاصم اُن تک پہنچے۔

"میں دومتہ الجندل کا حاکم اُکیدر بن عبدالملک ہوں" — ان میں سے ایک نے کہا۔

"اپنے اور اپنے آدمیوں کے ہتھیار میرے آدمیوں کے حوالے کر دو" — عاصم نے کہا۔

"مجھے خالدؓ کے پاس لے چلو" — اُکیدر نے اپنی تلوار ایک محافظ کے حوالے کرتے ہوئے کہا — "میں نہیں لڑوں گا۔ خالدؓ کے ساتھ صلح کی بات کروں گا۔"

"میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا ابنِ عبدالملک!" — خالدؓ نے اپنے خیمے میں اُس کی بات سُن کر کہا — "تو میرا مجرم نہیں میرے رسولؐ کا مجرم ہے۔ تُو نے اللہ کے رسولؐ سے بدعہدی کی تھی۔ تُو نے اسلام قبول کیا پھر ارتداد کے سرداروں سے جا ملا۔"

اُکیدر نے اپنی صفائی میں بہت کچھ کہا۔ بہت کچھ پیش کیا۔ عیسائی قبیلوں سے لاتعلق ہو جانے کا عہد کیا۔

"اگر یہ لڑائی میری اور تیری ہوتی، یہ دشمنی میری اور تیری ہوتی تو تجھے بخش دینے سے کوئی نہ روک سکتا" — خالدؓ نے کہا — "مگر تو میرے رسولؐ کا، میرے مذہب کا دشمن تھا۔ خدا کی قسم، میں تجھے بخش نہیں سکتا، تجھے زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا" — خالدؓ نے حکم دیا — "لے جاؤ اسے۔ کل کا سورج اِسے زندہ نہ دیکھے۔"

رات کو ہی اُکیدر بن عبدالملک کا سر قلم کر دیا گیا۔

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ نے عیاض بن غنم کو بلایا اور اُسے بتایا کہ اب وہ اپنی سپاہ کا خود مختار سالار نہیں۔ اس حکم کے ساتھ خالدؓ نے عیاض کی سپاہ اپنی کمان میں لے لی۔

"اب لڑائی قلعے کے باہر ہو گی" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "اتنے مضبوط قلعے پر وقت اور طاقت خرچ کرنا محض بیکار ہو گا۔ پہلے اس دشمن کو ختم کرنا ہے جو قلعے کے باہر ہے۔"

خالدؓ نے تمام سپاہ کو ترتیب میں کیا۔ عیاض کی سپاہ میں جو مجاہدین نوجوان اور جوان تھے، انہیں الگ کر کے اُس طرف بھیج دیا جدھر ایک راستہ عرب کی سمت جاتا تھا۔ خالدؓ نے ان جوانوں سے کہا کہ دشمن اِدھر سے بھاگنے کی کوشش کرے گا، اُسے زندہ نہ نکلنے دیا جائے۔

خالدؓ نے کچھ دستے اپنی زیرِ کمان لے کر ایک عیسائی سردار جودی بن ربیعہ کے مقابل رکھے اور عیاض کو کچھ دستے دے کر دشمن کے دو سرداروں — ابنِ حدرجان اور الایہم — کے دستوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اپنے دونوں سالاروں عاصم بن عمرو اور عدی بن حاتم کو حسبِ معمول پہلوؤں پر رکھا۔

عیسائی اور بُت پرست سالار قلعے کے اندر سے بھی فوج کی خاصی نفری باہر لے آئے۔ اس طرح اُن کی تعداد مسلمانوں کی نسبت کئی گنا زیادہ ہو گئی۔

خالدؓ نے ایسی چال چلی جس سے دشمن پریشان ہو گیا۔ چال یہ چلی کہ ذرا سی بھی حرکت نہ کی۔ دشمن اس انتظار میں تھا کہ مسلمان حملے میں پہل کریں گے لیکن مسلمان تو جیسے بُت بن گئے تھے۔ عیسائی سردار لڑائی کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ جب بہت سا وقت گذر گیا اور مسلمانوں نے دشمن کی للکار کا بھی کوئی جواب نہ دیا تو دشمن نے عیاض کے دستوں پر ہلّہ بول دیا۔ اس کے ساتھ ہی جودی نے خالدؓ کے دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ نے اپنے سالاروں کو جو ہدایات دے رکھی تھیں ان کے مطابق مجاہدین کے دستوں میں دشمن کو اپنی طرف آتا دیکھ کر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ دشمن اور زیادہ جوش میں آ گیا۔ جب دشمن کے سپاہی مسلمانوں کی صفوں میں آتے تو مسلمانوں نے انہیں راستہ دے دیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے گھونسہ کسی کو مارو اور وہ آگے سے ہٹ جائے۔

فوراً ہی عیسائیوں اور بُت پرستوں کو احساس ہو گیا کہ وہ تو مسلمانوں کے پھندے میں آ گئے ہیں۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کے ساتھ عیسائیوں اور بُت پرستوں کے سب سے بڑے سالار جودی بن ربیعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اُس کے خاندان کے چند ایک جوان اُس کے ساتھ تھے۔ وہ تو کٹ گئے اور جودی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔

خالدؓ نے اپنے لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھا تھا جو دشمن کے لیے پھندہ تھا۔ دشمن کے سپاہی جدھر کو بھاگتے تھے اُدھر مسلمانوں کی تلواریں اور برچھیاں ان کا راستہ روکتی تھیں۔ آخر وہ قلعے کی طرف بھاگے مگر دروازہ بند تھا۔ مسلمان اوپر آ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دروازے کے سامنے عیسائیوں اور بُت پرستوں کی لاشوں کا انبار لگ گیا۔

ایک دروازہ اور بھی تھا۔ اپنے آدمیوں کو پناہ میں لینے کے لیے قلعے والوں نے دروازہ کھول دیا۔ عیسائی اور بُت پرست بھاگ کر دروازے میں داخل ہونے لگے لیکن مسلمان تو جیسے ان کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ اس طرح صورت یہ پیدا ہو گئی کہ دشمن کا ایک آدمی اندر جاتا تو دو مسلمان اُس کے ساتھ اندر چلے جاتے تھے۔

عیسائیوں اور بُت پرستوں کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے تھے۔ اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ لڑائی نہیں تھی، وہ عیسائیوں اور بُت پرستوں کا قتلِ عام تھا۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ قتلِ عام کا یہ سلسلہ جاری رہے۔

یہ اگست ۶۳۳ء کے آخری (جمادی الآخر ۱۲ ہجری کے وسط کے) دن تھے۔ خالدؓ نے جودی بن ربیعہ اور اُس کے تمام ساتھی سالاروں اور سرداروں کو سزائے موت دے دی — دومتہ الجندل مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اسلام دشمن طاقتیں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔ ایران کے آتش پرستوں کو جس طرح اسلام کے علمبرداروں نے شکست پہ شکست دی اور جتنا جانی نقصان انہیں پہنچایا تھا، اتنا کوئی قوم برداشت نہیں کر سکتی لیکن وہاں صرف آتش پرست نہیں تھے۔ تمام غیرمسلم قبیلے جن میں اکثریت عربی عیسائیوں کی تھی اُن کے ساتھ تھے۔ آتش پرستوں نے اب ان قبیلوں کو آگے کرنا شروع کر دیا تھا جیسا مہران بن بہرام نے عین التمر میں کیا تھا۔ آتش پرستوں کے سالار میدانِ جنگ سے بھاگ بھاگ کر مدائن میں اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔

ان کے نامور سالار بہمن جاذویہ نے جب مہران بن بہرام کو اپنی فوج کے ساتھ واپس آتے دیکھا تھا تو اُسے اتنا صدمہ ہُوا تھا کہ اُس پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"مت گھبرا بہمن!" — مہران نے اُسے کہا تھا — "دل چھوٹا نہ کر۔ آخر فتح ہماری ہوگی میں شکست کھا کر نہیں آیا۔ شکست بدوی قبیلوں کو ہُوئی ہے۔"

"اور تو لڑے بغیر واپس آگیا ہے" — سالار بہمن جاذویہ نے کہا تھا — "تو اتنا بڑا شہر اپنے دشمن کی جھولی میں ڈال آیا ہے۔ تو خوش قسمت ہے کہ یہاں تجھے سزا دینے والا کوئی نہیں۔ سزا دینے والے آپس میں لڑ رہے ہیں۔ وہ جانشینی پر ایک دوسرے کا خُون بہا رہے ہیں۔"

"بہمن!" — مہران نے طنزیہ لہجے میں کہا — "کیا تو مجھے سرزنش کر رہا ہے؟ کیا تو مسلمانوں سے شکست کھانے والوں میں سے نہیں؟ اگر تو میدان میں جم جاتا تو آج مدینہ والے یوں ہمارے سر پر نہ آ بیٹھتے۔ شکستوں کی ابتدا تجھ سے ہُوئی ہے۔ میری تعریف کر کہ میں اپنے لشکر کو بچا کر لے آیا ہُوں۔ میں اسی لشکر سے مسلمانوں کو شکست دوں گا۔ مدائن میں اس وقت جو لشکر جمع ہو چکا ہے اسے ہم ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار کریں گے۔"

اُس وقت مدائن میں فارس کے جتنے بھی نامور سالار تھے وہ سب خالدؓ سے شکست کھا کر آئے تھے۔ انہوں نے اسے ذاتی مسئلہ بنا لیا تھا، ورنہ وہاں انہیں حکم دینے والا کوئی نہ تھا۔ حکم دینے والے شاہی خاندان کے افراد تھے جو تخت کی وراثت کے لیے جوڑ توڑ میں لگے ہُوئے تھے۔ وہ سالاروں کو بھی اپنی سازشوں میں استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن سالار فارس کی شہنشاہی کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ یہ چند ایک سالار ہی تھے جنہوں نے مدائن کا بھرم رکھا ہُوا تھا ورنہ کسریٰ کی بنیادیں ہل چکی تھیں اور یہ عمارت زمیں بوس ہُوا ہی چاہتی تھی۔

اُس وقت خالدؓ مدائن سے کم و بیش چار سو میل دُور دومتہ الجندل میں تھے۔ آتش پرستوں اور عیسائیوں کو ابھی معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خالدؓ عین التمر میں ہیں۔ خالدؓ کو دراصل حیرہ واپس آنا تھا۔ ایک تو وہ مفتوحہ علاقوں کے انتظامات وغیرہ کو بہتر بنانا چاہتے تھے، دوسرے یہ کہ فوج کو کچھ آرام دینا تھا اور تیسرا کام یہ تھا کہ فوج کو از سرِ نو منظّم کرنا تھا۔

☆

ایک تو یہ مجاہدین تھے جو میدانِ جنگ میں دشمن کے آمنے سامنے آ کر لڑتے تھے، دوسرے مجاہدین وہ تھے جو دشمن کے مختلف شہروں میں بہروپ دھار کر خفیہ سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ وہ جاسوس تھے۔ وہ ہر لمحہ جان کے خطرے میں رہتے تھے۔ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور عزائم معلوم کرتے اور پیچھے اطلاع بھجواتے یا خود اطلاع لے کر آتے تھے۔ تاریخ میں ان میں سے کسی کا بھی نام نہیں آیا۔ ان میں بعض پکڑے گئے اور دشمن کے جلّادوں کے حوالے ہُوتے۔ ان جاسوسوں کی بروقت اطلاعوں پر خالدؓ کئی بار دشمن کے اچانک حملے اور شکست سے بچے۔

خالدؓ جب دومتہ الجندل میں تھے تو مفتوحہ علاقوں کے لیے ایک خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ مدائن پر کسریٰ کی شکست اور زوال کی سیاہ کالی گھٹائیں چھائی ہُوئی تھیں۔ لوگوں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ کسریٰ کی اُس تلوار پر زنگ لگ چکا تھا جس کا خوف بڑی دور تک پہنچا ہُوا تھا مگر دو چار سالار تھے جو اِس ڈوبتی کشتی کو طوفان سے نکال لے جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

اِن حالات میں ایک گھوڑ سوار مدائن میں داخل ہُوا اور بہمن جاذویہ تک پہنچا۔

"اب اور کیا بُری خبر رہ گئی تھی جو تُو لایا ہے؟" — بہمن نے پوچھا — "کہاں سے آیا ہے تُو؟ کیا مسلمانوں کا لشکر مدائن کی طرف آ رہا ہے؟"

"نہیں" — اس آدمی نے کہا — "مسلمانوں کا لشکر چلا گیا ہے۔"

"چلا گیا ہے؟" — بہمن جاذویہ نے طنزیہ سے لہجے میں پوچھا — "تو اُن لشکریوں میں سے معلوم ہوتا ہے جنہیں مسلمانوں کی دہشت نے پاگل پن تک پہنچا دیا ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا تیرے جُرم کی سزا موت ہے؟"

یہ آدمی گھوڑے سے اُتر چکا تھا۔ اُس کی اطلاع پر بہمن جاذویہ باہر آگیا تھا۔ اُس نے اِس آدمی کو اندر لے جا کر عزت سے بٹھانے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ سزائے موت کا نام سنتے ہی اس آدمی نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور تیزی سے آگے ہو کر سالار بہمن جاذویہ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"میں عین التمر سے آیا ہوں" — اُس نے گھبرائی ہوئی اور ملتجی آواز میں کہا — "بے شک میں شکست کھانے والوں میں سے ہُوں لیکن میں اُن میں سے بھی ہُوں جو شکست کو فتح میں بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے وہ بات سُن لیں جو میں بتانے آیا ہوں پھر میرا سر کاٹ دینا لیکن میری بات کو ٹالو گے تو یہ نہ بھولنا کہ تم میں سے کسی کا بھی سر مسلمانوں کے ہاتھوں سلامت نہیں رہے گا۔"

"بول، جلدی بول!" — بہمن نے کہا — "کیا بات ہے وہ جو تُو مجھے اتنی دُور سے سنانے آیا ہے؟"

بہمن جاذویہ کی ایک بیٹی جو جوان تھی، ایک آدمی کو اپنے باپ کے قدموں میں بیٹھا دیکھ کر قریب آ گئی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ جب سے اُس کا باپ شکست کھا کر آیا ہے، وہ غصّے سے بھرا رہتا ہے اور سزائے موت کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ لڑکی تماشہ دیکھنے آئی تھی کہ اُس کا باپ آج ایک اور سپاہی کو جلّاد کے حوالے کرے گا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"خالدؓ عراق سے چلا گیا ہے" ــــ عین التمر سے آتے ہوئے آدمی نے کہا ــــ "میں خود نہیں آیا، مجھے شمشیر بن قیس نے بھیجا ہے۔ آپ اُسے جانتے ہوں گے۔ مسلمانوں کے سالار خالدؓ نے عین التمر پر قبضہ کر کے وہیں کے سرکردہ افراد کو عمال مقرر کر دیا ہے۔ اُس کا اور باقی سب عملہ اور مسلمانوں کا سلوک مقامی لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا ہے کہ سب اُن کے وفادار ہو گئے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ میں خود دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں کی فوج اچانک عین التمر سے نکل گئی۔"

"زرتشت کی قسم!" ــــ بہمن جاذویہ نے کہا ــــ "خالدؓ اُن شکاریوں میں سے نہیں جو پنجوں میں آتے ہوئے شکار کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں.... کیا اُس کی ساری فوج ہمارے علاقے سے نکل گئی ہے؟"

"میں پوری خبر لایا ہوں سالار!" ــــ اس آدمی نے کہا ــــ "عین التمر، حیرہ اور دوسرے شہروں میں جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، مسلمانوں کی بہت تھوڑی فوج رہ گئی ہے اور ایک ایک سالار ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کا بڑا لشکر دومتہ الجندل چلا گیا ہے جہاں اُن کی کسی کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے۔ شمشیر بن قیس نے مجھے آپ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ یہ وقت پھر نہیں آئے گا۔ اِس وقت اپنے مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے چھڑائے جا سکتے ہیں۔"

کچھ اور سوال و جواب کے بعد بہمن جاذویہ کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی غلط خبر نہیں لایا۔ بہمن کو معلوم تھا کہ دومتہ الجندل کتنی دُور ہے اور وہاں تک پہنچنے اور واپس آنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔

"تم واپس چلے جاؤ" ــــ بہمن جاذویہ نے اس آدمی سے کہا ــــ "اور شمشیر بن قیس سے کہنا کہ اتنا بڑا انعام تمہارے نام لکھ دیا گیا ہے جسے تم تصوّر میں بھی نہیں لا سکتے۔ ایک آدمی تمہارے پاس تاجر کے روپ میں آئے گا۔ اُس کے ساتھ تمہاری بات ہو گی۔ وہ تمہارا ساتھی ہو گا۔ ہم بہت جلد حملے کے لیے آ رہے ہیں۔ اندر سے دروازے کھولنا تمہارا کام ہو گا۔"

"کیا ہو گیا ہے محترم باپ؟" ــــ بہمن کی بیٹی نے عین التمر کے سوار کے جانے کے بعد بہمن سے پوچھا ــــ "مسلمان کہاں چلے گئے ہیں؟"

"اوہ میری پیاری بیٹی!" ــــ بہمن نے بیٹی کو فرطِ مسرّت سے گلے لگا لیا اور پُرجوش اور پُرعزم آواز میں بولا ــــ "مسلمان وہیں چلے گئے ہیں جہاں سے آتے تھے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ مدائن تک پہنچنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے جو فتح حاصل کرنی تھی کر چکے ہیں، اب ہماری باری ہے۔ اب میں اپنی بیٹی کو مسلمانوں کی لاشیں دکھاؤں گا۔"

"کب؟" ــــ بیٹی نے بچّوں کے سے اشتیاق سے پوچھا ــــ "مجھے خالدؓ کی لاش دکھانا محترم پدر! یہاں سب کہتے ہیں کہ وہ انسانوں کے رُوپ میں آیا ہوا جن ہے۔"

بہمن جاذویہ نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔

☆

بہمن جاذویہ کا یہ فاتحانہ اور طنزیہ قہقہہ پہلے کسریٰ کے محلاّت میں پہنچا، وہاں سے سالاروں

تک گیا پھر مدائن کی ہزیمت خوردہ فوج نے سنا اور پھر یہ احکام اور ہدایات کی صُورت اختیار کر گیا۔ بہمن جاذویہ کی بیٹی نے اپنی تمام سہیلیوں کو اور شاہی محل کی عورتوں کو اور جس کے ساتھ بھی اُس نے بات کی، یہ الفاظ کہے ــــ "میں تمہیں خالدؓ کی لاش دکھاؤں گی۔"

"خالدؓ کی لاش؟" ــــ تقریباً ہر لڑکی اور ہر عورت کا ردِّ عمل یہی تھا ــــ "کہتے ہیں خالدؓ کو کوئی نہیں مار سکتا۔ وہ انسان نہیں۔ اُسے دیکھ کر فوجیں بھاگ جاتی ہیں۔"

شاہی اصطبل میں جہاں شاہی خاندان اور سالاروں کے گھوڑے ہوتے تھے، گہماگہمی بڑھ گئی تھی۔ سائیسوں کو حکم مِلا تھا کہ گھوڑے میں ذرا سا بھی کوئی نقص یا کمزوری دیکھیں تو اُسے ٹھیک کریں یا اُسے الگ کر دیں۔

بہمن جاذویہ کی بیٹی اس طرح ہر طرف پھدکتی پھر رہی تھی جس طرح عید کا چاند دیکھ کر ننھے کبوتروں

"میرے گھوڑے کا بہت سارا خیال رکھنا" ــــ اُس نے اپنے خاندان کے سائیس سے کہا۔

ایک ادھیڑ عمر سائیس جو تین چار مہینے پہلے اس اصطبل میں آیا تھا، دوڑا آیا اور لڑکی سے پوچھا کہ اپنی فوج کہیں جا رہی ہے یا مدینہ کے لشکر کے حملے کا خطرہ ہے؟

کی خوشی میں ناچتے کودتے ہیں۔ وہ اصطبل میں گئی۔ وہاں اُس کے باپ کے گھوڑے کے ساتھ اُس کا اپنا گھوڑا بھی تھا جو باپ نے اُسے تحفے کے طور پر دیا تھا۔

"اب تم مدینہ والوں کی لاشیں دیکھو گے" ــــ لڑکی نے کہا۔

باقی گھوڑوں کے سائیس بھی اس کے اِردگِرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ بھی تازہ خبر سننا چاہتے تھے۔ لڑکی نے انہیں بتایا کہ خالدؓ تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑ کر زیادہ تر فوج اپنے ساتھ لے گیا ہے اور وہ عراق سے دُور نکل گیا ہے۔ (یہ تمام علاقہ جو خالدؓ نے فارس والوں سے چھینا تھا، عراق تھا)۔ لڑکی نے سائیسوں کو بتایا کہ اب اپنی فوج پہلے عین التمر پر پھر دوسرے شہروں پر حملے کر کے انہیں دوبارہ اپنے قبضے میں لے لے گی۔ اگر خالدؓ واپس آیا بھی تو اُسے اپنی شکست اور موت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔

"کیا اُسے زندہ پکڑا جائے گا؟" ــــ ادھیڑ عمر سائیس نے مسرور سے لہجے میں پُوچھا۔

"زندہ یا مُردہ اُسے [illegible] ن بیٹی نے جواب دیا ــــ "اُسے مدائن میں لایا جائے گا۔ اگر زندہ ہُوا تو تم اُس کا سر قلم ہوتا دیکھو گے۔"

تین چار روز گزرے تو یہ ادھیڑ عمر سائیس لاپتہ ہو گیا۔ اُسے سب عیسائی عرب سمجھتے تھے۔ ہنس مکھ اور ملنسار آدمی تھا۔ صرف ایک سائیس نے اُس کے متعلق بتایا کہ وہ کہتا تھا کہ وہ اپنے قبیلے میں واپس جانا چاہتا ہے جہاں وہ قبیلے کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑے گا۔ وہ اپنے خاندان کے اُن مقتولین کا انتقام لینا چاہتا تھا جو دو جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

☆

جس وقت شاہی اصطبل میں اس سائیس کی غیر حاضری کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں، اُس وقت وہ مدائن سے دُور نکل گیا تھا۔ مدائن سے وہ شام کو نکلا تھا جب شہر کے دروازے ابھی کھلے تھے۔ اُس کے پاس اپنا گھوڑا تھا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ عیسائی نہیں مسلمان تھا اور وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا جس پر ایران کے آتش پرستوں کا قبضہ رہا تھا۔ وہ مثنیٰ بن حارثہ کا چھاپہ مار جاسوس تھا۔ اُس نے مدائن میں جا کر شاہی اصطبل کی نوکری حاصل کر لی تھی۔

بہمن جاذویہ کی بیٹی سے اُس نے عراق سے خالدؓ اور اُن کے لشکر کی روانگی اور مدائن کے سالاروں کے عزائم کی تفصیل سُنی تو وہ اُسی شام مدائن سے نکل آیا۔ یہ اطلاع بہت قیمتی تھی۔ سورج غروب ہو کر جب اُس کے اور مدائن کی شہر پناہ کے درمیان سیاہ پردہ ڈال دیا تو اس مسلمان جاسوس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اُس کی منزل انبار تھی جہاں تک وہ اڑ کر پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ جہاں گھوڑا تھکتا محسوس ہوتا، وہ اُس کی رفتار کم کر دیتا۔ صرف ایک جگہ اُس نے گھوڑے کو پانی پلایا۔

اگلے روز کا سورج افق سے اٹھ آیا تھا جب وہ انبار میں داخل ہُوا اور کچھ دیر بعد وہ سالار زبرقان بن بدر کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس نے ہانپتے ہُوئے سنایا کہ مدائن میں کیا ہو رہا ہے۔

"میں اُسی روز آجاتا جس روز مجھے بہمن جاذویہ کی بیٹی سے یہ خبر ملی تھی"۔۔۔ اُس نے سالار زبرقان سے کہا۔۔۔"لیکن میں وہاں تین دن یہ دیکھنے کے لیے رُکا رہا کہ دشمن کیا تیاریاں کر رہا ہے اور وہ سب سے پہلے کہاں حملہ کرے گا"۔

اس جاسوس نے جسے تاریخ نے "ایک جاسوس" لکھا ہے، مدینہ کی فوج کے سالار زبرقان بن بدر کو جو تفصیلی رپورٹ دی، وہ تاریخ کا حصّہ ہے اور تقریباً ہر مؤرخ نے بیان کیا ہے۔ خالدؓ جب عین التمر سے سالار عیاض بن غنم کی مدد کے لیے دومتہ الجندل کو روانہ ہُوتے تو عین التمر سے ایک عیسائی عرب نے مدائن اطلاع بھیج دی کہ خالدؓ عراق سے چلے گئے ہیں۔ اُن کی منزل دومتہ الجندل بتائی گئی۔ اس سے مدائن کے تجربہ کار سالار بہمن جاذویہ نے یہ رائے قائم کی کہ مسلمان تاخت و تاراج اور لوٹ مار کرنے آتے تھے اور اپنے کچھ دستے برائے نام قبضہ برقرار رکھنے کے لیے پیچھے چھوڑ کر چلے گئے اور یہ دستے ذرا سے دباؤ سے بھاگ اُٹھیں گے۔

اُس زمانے میں اکثر یوں ہوتا تھا کہ کوئی بادشاہ بہت بڑی فوج تیار کر کے طُوفان کی مانند یکے بعد دیگرے کئی ملکوں پر چڑھائی کرتا اور قتلِ عام اور لوٹ مار کرتا اپنے پیچھے کھنڈر اور لاشوں کے انبار چھوڑ جاتا تھا۔ وہ کسی بھی ملک پر مستقل طور پر قبضہ نہیں کرتا تھا۔ مدائن کے محل میں خالدؓ کے کوچ کے متعلق یہی رائے قائم کی گئی لیکن خالدؓ نے عراق میں فارس کے جو مقبوضہ شہر اور بڑے قلعے فتح کیے تھے، وہاں وہ ایک ایک سالار اور کچھ دستے چھوڑ گئے تھے۔ یہ صُورتِ حال کسریٰ کے سالاروں کو کچھ پریشان کر رہی تھی۔

"فوج کو مدائن سے نکالو اور حملے پہ حملہ کرو"۔۔۔ کسریٰ کے دربار سے حکم جاری ہُوا۔

"ہم تیار ہیں"۔۔۔ شیرزاد نے کہا جو حاکم ساباط تھا اور انبار سے مسلمانوں سے شکست کھا کر بھاگا تھا۔

"ہم بالکل تیار ہیں"۔۔۔ مہران بن بہرام نے کہا جو عین التمر کا بھگوڑا تھا۔

"مگر لشکر تیار نہیں"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا جو تجربہ کار سالار تھا شکست تو اُس نے بھی کھائی تھی لیکن اُس نے کچھ تجربہ حاصل کیا تھا۔

"کیا کہ رہے ہو بہمن؟"۔۔۔ کسریٰ کے اُس وقت کے جانشین نے کہا۔۔۔"کیا ہم نے اس لشکر کو اس لیے پالا تھا کہ شکست کھا کر ہمارے پاس بھاگ آئے اور ہم ان سپاہیوں اور کمانداروں کو سانڈوں کی طرح پالتے رہیں؟"

"اگر ان سپاہیوں اور کمانداروں کو سزا دینی ہے تو آج ہی کُوچ کا حکم دے دیں"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا۔۔۔"اپنے لشکر کی حالت مجھ سے سنیں"۔

اُس نے اپنے لشکر کی جو کیفیت بیان کی وہ، مؤرخوں اور بعد کے جنگی مبصّروں کے الفاظ میں یوں تھی کہ فارس کی اس جنگی طاقت کے پرانے اور تجربہ کار سپاہیوں کی بیشتر نفری مسلمانوں کے ہاتھوں چار پانچ جنگوں میں ماری جا چکی تھی یا جسمانی لحاظ سے معذور بلکہ اپاہج ہو گئی تھی۔ خاصی تعداد جنگی قیدی تھی اور لشکر کے جو سپاہی اور ان کے کمانڈر بچ گئے تھے وہ ذہنی طور پر معذور نظر آتے تھے۔ تین الفاظ مدینہ، خالدؓ بن ولید اور مسلمان، اُن کے لیے خوف کا باعث بن گئے تھے۔ وہ فوری طور پر میدانِ جنگ میں جانے اور لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اُن کا جوش اور جذبہ بُری طرح مجروح ہُوا تھا۔ گھوڑوں کی بھی کمی واقع ہو گئی تھی۔

بہمن جاذویہ نے دربارِ خاص میں بتایا کہ جو عیسائی قبیلے ان کے اتحادی بن کر لڑے تھے، اُن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مہران بن بہرام نے انہیں عین التمر میں جو دھوکہ دیا تھا، اس کی وجہ سے وہ فارس والوں کے ساتھ ملنے سے انکار کر سکتے تھے۔

"پھر بھی انہیں ساتھ ملا لیا جائے گا"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے کہا۔۔۔"لیکن اپنے لشکر کے لیے ہزارہا جوان آدمیوں کی بھرتی کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے لشکر میں نیا خون شامل کرنا پڑے گا۔ ان جوانوں کو ہم بتائیں گے کہ مسلمانوں نے اُن کی شہنشاہی کو، اُن کی غیرت کو اور اُن کے مذہب کو للکارا ہے۔ اگر اُنہوں نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا نہ دیا تو اُن پر زرتشت کا قہر نازل ہوگا۔ ان کی جوان اور کنواری بہنوں کو مسلمان اپنی لونڈیاں بنا لیں گے"۔

"اتنے زیادہ لشکر کی کیا ضرورت ہے؟"۔۔۔ مہران بن بہرام نے پوچھا۔۔۔"اطلاع تو یہ ملی ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں کی نفری برائے نام ہے"۔

"ہر شہر اور ہر قلعے میں ہمارے اپنے آدمی موجود ہیں"۔۔۔ شیرزاد نے کہا۔۔۔"اِس وقت وہ مسلمانوں کی ملازمت میں ہیں لیکن انہیں جب پتہ چلے گا کہ فارس کی فوج نے شہر کا محاصرہ کیا ہے تو۔۔۔"

"تو وہ اندر سے قلعے کے دروازے کھول دیں گے"۔۔۔ بہمن جاذویہ نے شیرزاد کی بات پوری کرتے ہُوئے کہا۔۔۔"تم جھوٹی امیدوں کے سہارے لڑائی لڑنا چاہتے ہو؟ مجھے اطلاعیں ملتی رہتی ہیں۔ مسلمان اپنے مفتوح اور محکوم لوگوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتے ہیں کہ اُن کے ساتھ کوئی آدمی بیوفائی نہیں کرتا۔ اگر فاتح اپنے مفتوح کی جوان اور حسین بیٹیوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور اُس کی عزت اور اموال کو تحفظ دے تو مفتوح ایسے فاتح کے ساتھ کبھی بیوفائی نہیں کرے گا"۔

"نہ سہی!" — شاہی خاندان کے کسی فرد نے کہا — "اتنے زیادہ لشکر کی پھر بھی ضرورت نہیں"۔

"یہ ان سالاروں سے پوچھیں جو مسلمانوں سے شکست کھا کر آتے ہیں" — بہمن جاذویہ نے کہا — "میں تو کہتا ہوں کہ مسلمان جتنے تھوڑے ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ مسلمان قلعہ بند ہوں گے۔ انہیں زیر کرنے کے لیے ہمارے پاس دس گنا نفری ہونی چاہیئے۔ میں اپنی جوابی کارروائی کو فیصلہ کُن بنانا چاہتا ہوں۔ یہ خیال بھی رکھو کہ ہم ایک دن میں مقبوضہ شہر مسلمانوں سے واپس نہیں لے سکتے۔ مسلمان جہاں مقابلے میں جم گئے وہاں ہمیں مہینوں تک باندھ لیں گے۔ اس عرصے میں خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ واپس آسکتا ہے۔ اُس کے واپس آجانے سے صُورتِ حال بالکل ہی بدل جائے گی۔ اگر ہمارے لشکر کی نفری کم ہُوئی تو اس جنگ کا پانسہ پلیٹ سکتا ہے۔ ہم لشکر تیار کر کے اسے کئی حصّوں میں تقسیم کریں گے اور ایک ہی وقت ہر جگہ حملہ کریں گے"۔

"کیا خالدؓ کے خاتمے کا کوئی اِنتظام نہیں ہو سکتا؟" — کِسریٰ کے جانشین نے پوچھا۔

"یہ انتظام بھی میرے پیشِ نظر ہے" — بہمن جاذویہ نے کہا — "دیکھ بھال کے لیے میں تیز رفتار گھوڑ سوار ہر طرف پھیلا دوں گا۔ خالدؓ جدھر سے بھی آئے گا۔ مجھے اطلاع مِل جائے گی۔ میں اُسے عراق سے دُور روک لوں گا"۔

☆

بہمن جاذویہ کو وسیع اختیارات مل گئے۔ اُس نے اپنے لشکر میں اُن سپاہیوں کو زیادہ ترجیح دی جو مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی نئی بھرتی شروع کر دی۔ نوجوانوں کو ایسا بھڑکایا گیا کہ وہ ہتھیاروں اور گھوڑوں سمیت لشکر میں آنے لگے۔ عیسائیوں کو زیادہ مراعات دے کر فوج میں شامل کیا گیا۔

عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو مدائن بلایا گیا اور انہیں بتایا گیا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو عراق سے نکال لے گیا ہے اور جو مسلمان فوج پیچھے رہ گئی ہے اسے یہیں ختم کرنا ہے اور زندہ بچ رہنے والے مسلمانوں کو صحرا میں بھٹک بھٹک کر مرنے کے لیے چھوڑ دینا ہے۔

"بنی تغلب سے اب یہ توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری لڑائی لڑیں گے" — عیسائی قبیلے بنی تغلب کے ایک سالار نے فارس کے سالاروں سے کہا — "ہم ایک بار پھر وہ دھوکہ نہیں کھانا چاہتے جو ایک بار کھا چکے ہیں۔ عین التمر سے مہران بن بہرام اپنی ساری فوج لے کر بھاگ نہ آتا تو مسلمان وہیں ختم ہو جاتے۔ ہم اپنی لڑائی لڑیں گے۔ ہمیں مسلمانوں سے اپنے سردار عقہ بن ابی عقہ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ ہم تمہاری مدد اور تمہارے ساتھ کے بغیر مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں"۔

"کیا تم اپنی لڑائی الگ لڑو گے؟" — بہمن جاذویہ نے پوچھا — "کیا ایسا نہیں ہوگا کہ مسلمان ہم دونوں کو الگ الگ شکست دے دیں؟"

"لڑیں گے تمہارے دوش بدوش ہی!" — بنی تغلب کے سردار نے کہا — "میری عقل میرے قابو میں ہے۔ ہمارا دشمن مشترک ہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہوں گے لیکن تم پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں خالدؓ کا سر چاہیئے"۔

"خالد یہاں نہیں" — مہران بن بہرام نے کہا — "وہ جا چکا ہے"۔

"جہاں کہیں بھی ہے" — عیسائی سردار نے کہا — "زندہ تو ہے۔ ہم پہلے اُس کے اِن دستوں کو ختم کریں گے جو یہاں ہیں، پھر ہم خالدؓ بن ولید کے پیچھے جائیں گے .... وہ خود آجائے گا۔ وہ دستوں کی مدد کو ضرور آئے گا لیکن یہاں موت اُس کی منتظر ہوگی"۔

یہ مسلمان جاسوس مدائن میں عیسائی بن کر شاہی اصطبل میں نوکری کر رہا تھا اس لیے وہ عیسائیوں میں گھُل مل گیا تھا۔ اُس نے سالار زبرقان بِن بدر کو بتایا کہ آتش پرستوں کی نسبت عیسائی قبیلے خالدؓ کے زیادہ دشمن بنے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے فارس کے سالاروں سے کہا کہ وہ پیچھے رہیں، مسلمانوں پر پہلا وار عیسائی قبیلے، بنی تغلب، نمر اور ایاد کریں گے۔

☆

سالار زبرقان بِن بدر نے مدائن کی یہ رپورٹ سُنی اور اُسی وقت دو قاصد بلائے۔ انہیں کہا کہ دو بہترین گھوڑے لیں اور اُڑتے ہوئے دومتہ الجندل پہنچیں۔ زبرقان نے انہیں خالدؓ کے نام زبانی پیغام دیا۔

"... اور سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید سے یہ بھی کہنا کہ جب تک انبار میں آخری مسلمان کی سانسیں چل رہی ہوں گی، دشمن شہر کے اندر نہیں آسکے گا" — زبرقان بن بدر نے قاصدوں سے کہا — "تو آجائے گا تو ہمیں سہولت ہو جائے گی۔ نہیں آسکو گے تو وہ اللہ ہمارے ساتھ ہے جس کے رسولؐ کا پیغام ہم اپنے سینوں میں لیے یہاں تک آئے ہیں .... اور ابنِ ولید سے کہنا کہ دومتہ الجندل کی صورتِ حال تجھے آنے دیتی ہے تو آ اور تو اگر وہاں مشکل میں پھنسا ہُوا ہے تو ہمیں اللہ کے سپرد کر، ہم اُسی طرح لڑیں گے جس طرح تیری شمشیر کے سائے تلے لڑتے رہے ہیں"۔

اِن قاصدوں کو روانہ کر کے سالار زبرقان نے چند ایک اور قاصدوں کو بلایا اور ہر ایک کو اُس کی منزل بتائی۔ ان قاصدوں کو اُن شہروں میں جانا اور وہاں کے سالاروں کو بتانا تھا کہ خالدؓ کی غیر حاضری سے آتش پرستوں نے کیا تاثر لیا ہے اور وہ حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ پیغام میں زبرقان نے یہ بھی کہا کہ اُس نے دومتہ الجندل کو قاصد بھیج دیا ہے، اگر وہاں سے مدد نہ آئی تو ہم ایک دوسرے کی مدد کو پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

مسلمانوں کے لیے بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ دشمن کے مقابلے میں نفری پہلے ہی تھوڑی تھی۔ وہ بھی بکھری ہوئی تھی۔ اِس صورت میں کہ دشمن بیک وقت تمام اُن شہروں کو جن پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، محاصرے میں لے لیتا تو مسلمان ایک دوسرے کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔

دونوں طرف بے پناہ سرگرمی شروع ہو گئی۔ عیسائی قبیلوں کے سرداروں نے بستی بستی جا کر لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ اُن چھوٹے چھوٹے قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا رہے تھے جو عیسائی نہیں تھے۔ وہ بت پرست تھے۔ عیسائیوں کی جوان لڑکیاں بھی غیر مسلم بستیوں میں چلی گئیں۔ وہ عورتوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتی تھیں کہ وہ اپنے مردوں کو، جوان بھائیوں اور بیٹوں کو باہر [illegible] یں ورنہ تمام جوان لڑکیوں کو مسلمان اپنے ساتھ لے جا کر لونڈیاں بنا لیں گے۔ ایسے نعرے بھی اِن لڑکیوں نے لگائے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

—"ہم مسلمانوں کی لونڈیاں بننے جا رہی ہیں"— اور دوسرا نعرہ جو بستی بستی لگ رہا تھا وہ یہ تھا— "اپنے مقتولوں کے انتقام کا وقت آگیا ہے ..... باہر آؤ، انتقام لو۔"

اُدھر مدائن میں فارس کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ اب لشکر میں شامل ہونے والوں میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی جو جوش سے پھٹے جا رہے تھے۔ انہیں میدانِ جنگ میں لڑنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ گھوڑسواری، تیراندازی، تیغ زنی اور نیزہ بازی تو وہ جانتے تھے، ان میں انہیں مزید طاق کیا جا رہا تھا۔ بہمن جاذویہ تو جیسے پاگل ہُوا جا رہا تھا۔ وہ خود لشکر کی تربیت اور مشقوں کی نگرانی کرتا تھا۔ اُس کے ساتھی سالار اُسے کہتے تھے کہ حملہ جلدی ہونا چاہیئے لیکن وہ نہیں مانتا تھا۔ کہتا تھا کہ خالدؓ واپس نہیں آئے گا۔ اگر اُسے واپس آنا ہی ہُوا تو لشکر کے ساتھ اُس وقت یہاں پہنچے گا جب عراق کی زمین پر کھڑا ہونے کے لیے اُسے ایک بالشت بھی زمین نہیں ملے گی۔

مسلمان جن شہروں پر قابض تھے، وہاں کی سرگرمی اپنی نوعیت کی تھی۔ ہر شہر میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ انہوں نے کم تعداد سے قلعوں کے دفاع کی مشقیں شروع کر دی تھیں۔ لاکھوں کے حساب سے تیر اور پھینکنے والے برچھے تیار ہو رہے تھے۔ سالاروں نے مجاہدین کا ایک ایک چھاپہ مار جیش تیار کر لیا تھا۔ انہیں زیادہ وقت قلعوں کے باہر گذارنا اور عام راستوں سے دُور رہنا تھا۔ ان کا کام یہ تھا کہ دشمن شہر کا محاصرہ کر لے تو عقب سے اُس پر "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر چھاپے اور شبخون مارتے رہیں۔

خالدؓ کی غیر حاضری میں سالار عاصم بن عمرو کے بھائی قعقاع بن عمرو مفتوحہ علاقوں میں مختلف شہروں میں مقیم دستوں کے سالار تھے۔ اُس کا ہیڈ کوارٹر حیرہ میں تھا۔ اُس کی ذمہ داری صرف حیرہ کے دفاع تک محدود نہیں تھی۔ عراق کے تمام تر مفتوحہ علاقے کا دفاع اُس کی ذمہ داری میں تھا۔ اُس نے اس علاقے میں بکھرے ہوئے تمام سالاروں کو ہدایات بھیج دی تھیں۔ اُس نے سب کو زور دے کر کہا تھا کہ دومتہ الجندل سے خالدؓ اور اپنے لشکر کے انتظار میں نہ بیٹھے رہیں۔ اپنے اللہ پر بھروسہ رکھیں اور یہ سمجھ کر لڑنے کی تیاری کر لیں کہ اُن کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔

قعقاع نے ایک کارروائی یہ کی خالدؓ نے جو دستے دریائے فرات کے پار خیمہ زن کئے تھے، ان میں سے زیادہ تر نفری کو حیرہ میں بلا لیا تاکہ اس شہر کے دفاع کو مضبوط کیا جا سکے۔ قعقاع کا اپنا جاسوسی کا نظام تھا۔ اس کے ذریعے قعقاع کو اطلاع ملی کہ فارس کا لشکر کہاں کہاں جمع ہوگا۔ یہ دو جگہیں تھیں۔ ایک حصید اور دوسری خنافس۔ یہ دونوں مقام انبار اور عین التمر کے درمیان تھے۔ قعقاع نے اپنے ایک دستے کو حصید اور دوسرے کو خنافس اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا کہ فارس کی فوج وہاں آئے تو اس پر نظر رکھیں اور فوج کسی طرف پیشقدمی کرے تو اُس پر چھاپے ماریں اور اس پیشقدمی میں رکاوٹ ڈالتے رہیں، شبخون بھی ماریں۔

یہ دونوں دستے جب اِن مقامات پر پہنچے تو دونوں جگہوں پر فارس کے ہراول کے دستے آئے ہوئے تھے۔ وہ جو خیمے گاڑ رہے تھے، ان سے پتہ چلتا تھا کہ یہ خیمے کسی بہت بڑے لشکر کے لیے

گاڑے جا رہے ہیں۔ مسلمان دستوں نے ان کے سامنے اُسی انداز سے خیمے گاڑنے شروع کر دیئے جیسے وہ بھی بہت بڑے لشکر کا ہراول ہوں۔

☆

اِدھر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مجاہدینِ اسلام کو خس و خاشاک کی مانند اُڑا لے جانے کے لیے بڑا ہی تُند طوفان اُٹھ کھڑا ہُوا تھا، اُدھر سالار زبرقان بن بدر کے روانہ کئے ہوئے دونوں قاصد دومتہ الجندل خالدؓ کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے ساڑھے تین سَو میل فاصلہ صرف پانچ دنوں میں طے کیا تھا۔ خالدؓ جب دومتہ الجندل گئے تھے تو انہوں نے تین سَو میل فاصلہ دس دنوں میں طے کیا تھا۔ اب دو قاصدوں نے ساڑھے تین سَو میل سے زیادہ صحرائی اور دشوار مسافت پانچ دنوں میں طے کی۔ بھوک اور پیاس سے اُن کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اُن کے چہروں پر باریک ریت کی تہہ جم گئی تھی۔ اُن کی زبانیں اکڑ گئی تھیں۔ اُنہوں نے پھر بھی بولنے کی کوشش کی۔

"تم پر اللہ کی رحمت ہو"— خالدؓ نے کہا— "خشک جسموں سے تم کیسے بول سکو گے؟"

انہیں کھلایا پلایا گیا تو وہ بولنے کے قابل ہوئے۔

"سالارِ اعلیٰ کو انبار کے سالار زبرقان بن بدر کا سلام پہنچے"— ایک قاصد نے کہا۔

"وعلیکم السلام!"— خالد نے پوچھا— "اور وہ پیغام کیا ہے جو لائے ہو؟"

"مدائن میں بہت بڑا لشکر تیار ہو رہا ہے"— قاصد نے کہا— "اور ایک لشکر عیسائی قبیلوں کا تیار ہو رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں ابنِ ولید اُن کے علاقوں سے چلا گیا ہے اور وہ تھوڑے سے جو دستے چھوڑ گیا ہے انہیں ایک ہی حملے میں ختم کر کے اپنے علاقے واپس لیں گے۔"

دونوں قاصدوں نے خالدؓ کو تمام تر تفصیل بتائی اور کہا کہ خالدؓ کو دومتہ الجندل کے حالات اجازت نہ دیں تو نہ آئیں، دستے جو فارس کی شہنشاہی کے علاقے میں ہیں وہ اُسی طرح لڑیں گے جس طرح خالدؓ کی قیادت میں لڑے تھے۔

خالد دومتہ الجندل پر قبضہ مکمل کر چکے تھے۔ اُنہوں نے وہاں کا انتظام ایک نائب سالار کے حوالے کیا اور فوری طور پر کوچ کا حکم دے دیا۔

"خدا کی قسم!"— مورخوں کے مطابق خالدؓ نے ان الفاظ میں قسم کھائی— "بنی تغلب پر اس طرح جھپٹوں گا کہ پھر کبھی وہ اسلام کے خلاف اُٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے۔"

مورخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے مجاہدین سے کہا کہ اتنی تیز چلو کہ صحرا کی ہوائیں پیچھے رہ جائیں پیادے گھوڑوں سے آگے نکل جائیں۔ یہ ایک امتحان ہے جو بڑا ہی سخت ہے۔ یہ ایک دوڑ تھی آتش پرستوں اور حق پرستوں کی۔ آتش پرستوں کو اپنے ہی علاقے میں پہنچنا تھا اور یہ مسافت کچھ بھی نہیں تھی۔ حق پرست بڑی دور سے چلے تھے۔ اُن کے سامنے سینکڑوں میلوں کی مسافت ہی نہیں تھی، بڑا ظالم صحرا تھا میل ہا میل کی وسعت میں صحرائی ٹیلے تھے اور باقی سب ریت کا سمندر تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ پانی کا اور اس سے بڑا مسئلہ رفتار کا تھا جو کم نہیں کی جا سکتی تھی۔ ناممکن کو ممکن کر دکھانا تھا۔

چاند اور ستاروں نے انہیں چلتے دیکھا۔ سورج نے انہیں چلتے دیکھا۔ صحرا کی آندھی بھی انہیں

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

نہ روک سکی۔ آندھی، سورج، پیاس اور بھوک جسموں کو معذور کیا کرتی ہے۔ وہ جو تپتے صحراؤں میں پیاس سے مر جاتے ہیں وہ جسم ہوتے ہیں، اور وہ جو خالدؓ کی قیادت میں دومتہ الجندل سے چلے تھے وہ اپنے جسموں سے دستبردار ہو گئے۔ اُن کی قوتِ ارادی کا اور قوتِ ایمانی کا کرشمہ یہ تھا کہ اُنہوں نے جسمانی ضروریات سے نگاہیں پھیرلیں اور روحانی قوتوں کو بیدار کر لیا تھا۔ اُن کی زبان پر اللہ کا نام تھا، دلوں میں ایمان اور یقینِ محکم تھا۔ اپنی ہی آواز اُن پر وجد طاری کر رہی تھی۔

جنگی ترانے گانے والے لشکر کے وسط میں اونٹوں پر سوار تھے۔ اُن کی آواز آگے بھی اور پیچھے بھی جاتی تھی۔ لشکر کے قدم دفوں اور نفیریوں کی تال پر اُٹھتے تھے اور یہ تال بڑی تیز تھی۔ کچھ فاصلہ طے کر کے ترانے اور دف خاموش ہو جاتے اور تمام لشکر کلمہ طیبہ کا وِرد بلند آواز میں شروع کر دیتا۔ ہزار ہا حق پرستوں کی آواز ایک ہو جاتی پھر یہ آواز ایک گونج بن جاتی اور یوں لگتا جیسے صحرا اور صحرائی ٹیلوں پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

اسلام کے شیدائیوں کا لشکر اپنی ہی آواز سے مسحور ہوتا چلا جا رہا تھا۔

☆

بہمن جاذویہ نے اپنے تیار کیے ہوتے لشکر کو آخری بار دیکھا اور اسے دو حصّوں میں تقسیم کر کے ایک حصّے کو حُصید کی طرف اور دوسرے کو خنافس کی طرف روانہ کر دیا۔ اب اُس نے کمان نئے سالاروں کو دی تھی حُصید والے حصّے کا سالار روزبہ تھا اور خنافس والے حصّے کا زرمہر۔ اِن کے لیے حکم تھا کہ اپنے اپنے مقام پر جا کر خیمہ زن ہو جائیں اور بنی تغلب اور دوسرے عیسائی قبیلوں کے لشکر کا انتظار کریں۔ قعقاع کے جاسوس نے صحیح اطلاع دی تھی کہ مدائن کے لشکر حُصید اور خنافس کو اجتماع گاہ بنائیں گے اور اگلی کارروائی یہیں سے کریں گے۔

عیسائیوں کا لشکر ابھی پوری طرح تیار نہیں ہُوا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ایرانیوں کی طرح عیسائی بھی دو حصّوں میں تیار ہو رہے تھے۔ ایک کا سردار ہذیل بن عمران تھا اور دوسرے کا ربیعہ بن بُجیر۔ یہ لشکر حُصید اور خنافس سے کچھ دُور دو مقامات ثنیٰ اور زُمَیل پر جمع ہو رہے تھے۔

مدائن کے لشکر کے دو حصوں اور عیسائیوں کے دو حصّوں کو یکجا ہونا تھا۔ یہ بہت بڑی جنگی طاقت تھی مسلمانوں کی تعداد ہر جنگ میں دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی رہی ہے لیکن اب مسلمان آٹے میں نمک کے برابر لگتے تھے۔ اسلام کے فدائیوں کا سامنا اتنے بڑے لشکر سے کبھی نہیں ہُوا تھا۔

ان چاروں خیمہ گاہوں میں رات کو سپاہی اس طرح ناچتے اور گاتے تھے جیسے انہوں نے مسلمانوں کو بڑی بُری شکست دے دی ہو۔ انہیں اپنی فتح صاف نظر آ رہی تھی۔ حالات اُن کے حق میں تھے، نفری اُن کی بے پناہ تھی، ہتھیار اُن کے بہتر تھے۔ گھوڑوں کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ انعام و اکرام جو انہیں پیش کیے گئے تھے پہلے کبھی نہیں کیے گئے تھے۔ مالِ غنیمت کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سب اُن کا ہو گا۔ اُن سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔

اِن میں صرف اُن پرانے سپاہیوں پر سنجیدگی سی چھائی ہوئی تھی جو مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ وہ جب کوئی سنجیدہ بات کرتے تھے تو نوجوان سپاہی اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔

☆

ایسی ایک اور رات فارس کے لشکر نے گاتے بجاتے اور پیتے پلاتے گذار دی۔ صبح ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور حُصید کی خیمہ گاہ میں مدائن کے لشکر کا ایک حصّہ سویا ہُوا تھا۔ انہیں جاگنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان قلعوں میں ہیں اور تعداد میں اتنے تھوڑے کہ وہ باہر آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ اُنہوں نے دیکھا تھا کہ اُن سے کچھ دُور مسلمانوں نے آ کر جو ڈیرے ڈالے تھے وہ واپس چلے گئے ہیں۔ مسلمان ایک شام پہلے وہاں سے آ گئے تھے۔

آتش پرستوں کی خیمہ گاہ کے سنتری جاگ رہے تھے یا چند ایک وہ لوگ بیدار تھے جو گھوڑوں کے آگے چارہ ڈال رہے تھے۔ پہلے سنتریوں نے واویلا بپا کیا پھر گھوڑوں کو چارہ وغیرہ ڈالنے والے چلّانے لگے۔ ”ہوشیار .... خبردار .... مدینہ کی فوج آ گئی ہے“ — خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ سپاہی ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ سوار اپنے گھوڑوں کی طرف دوڑے لیکن مسلمان صحرائی آندھی کی مانند آ رہے تھے۔ ان کی تعداد آتش پرستوں کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑی تھی لیکن یہ غیر متوقع تھا کہ وہ حملہ کریں گے۔

مسلمانوں کی تعداد صرف پانچ ہزار تھی۔ اُن کا سالار قعقاع بن عمرو تھا۔ گذشتہ شام خالدؓ اپنے لشکر سمیت پہنچ گئے تھے۔ اُنہوں نے آرام کرنے کی بجائے صورتِ حال معلوم کی۔ انہوں نے شام کو ان مختصر دستوں کو حُصید اور خنافس سے واپس بلا لیا تھا۔ اس سے آتش پرستوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ مسلمان اُن کے اتنے بڑے لشکر سے مرعوب ہو کر بھاگ گئے ہیں۔

خالدؓ نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ پانچ ہزار نفری ایک اور سالار ابو لیلیٰ کو دی اور اُسے مدائن کے اُس لشکر پر حملہ کرنے کو روانہ کیا جو خنافس کے مقام پر خیمہ زن تھا۔

”تم پر اللہ کی رحمت ہو میرے دوستو!“ — خالدؓ نے ان دونوں سالاروں سے کہا — ”تم دونوں صبح طلوع ہوتے ہی بیک وقت اپنے اپنے ہدف پر حملہ کرو گے۔ خنافس حُصید کی نسبت دُور ہے۔ ابو لیلیٰ! تجھے تیز چلنا پڑے گا۔ کیا تم دونوں سمجھتے ہو کہ دونوں لشکروں پر ایک ہی وقت کیوں حملہ کرنا ہے؟“

”اِس لیے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کو نہ جا سکیں“ — قعقاع بن عمرو نے جواب دیا — ”ابنِ ولید! تیری اس چال کو ہم ناکام نہیں ہونے دیں گے۔“

”فتح اور شکست اللہ کے اختیار میں ہے“ — خالدؓ نے کہا — ”تمہارے ساتھ صرف پانچ پانچ ہزار سوار اور پیادے ہیں۔ میں دشمن کی تعداد کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ لڑائی نہیں ہو گی، یہ چھاپہ ہو گا۔ اتنے بڑے لشکر پر اتنے کم آدمیوں کا حملہ چھاپہ ہی ہوتا ہے .... وقت بہت کم ہے میرے رفیقو! جاؤ۔ میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“

خالدؓ خود عین التمر میں اس خیال سے تیاری کی حالت میں رہے کہ عیسائی قبیلے جو ثنیٰ اور زمیل میں اکٹھے ہو رہے تھے وہ فارس کے لشکر کے ساتھ جا ملنے کو چلیں تو انہیں وہیں اُلجھا لیا جائے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ خالدؓ کی جنگی ذہانت کا کمال تھا کہ اُنہوں نے دشمن کی اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ اُس کا لشکر ابھی چار حصّوں میں بٹا ہُوا چار مختلف مقامات پر تھا۔ ان چار حصّوں کو یکجا ہونا تھا۔ خالدؓ نے ایسی چال چلی کہ چاروں حصّے الگ الگ رہیں اور ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکیں اور ہر ایک کو الگ الگ شکست دی جائے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کا یہ حکم تھا — "دشمن کو تباہ کر دو"۔ ان مؤرخوں نے اس حکم کا مطلب یہ لیا ہے کہ جنگی قیدی اکٹھے نہ کیے جائیں، دشمن کا صفایا کر دو۔ خالدؓ اتنے طاقتور دشمن کی طاقت کو ختم کرنا چاہتے تھے، لیکن دیکھنا یہ تھا کہ خالدؓ اتنی تھوڑی اور تھکی ہوئی نفری سے اتنے طاقت ور دشمن کو ختم کر سکتے تھے؟

☆

سالار قعقاع بن عمرو توقت پر اپنے ہدف پر پہنچ گئے۔ دشمن کے لیے اُن کا حملہ غیر متوقع تھا۔ حُصَید کی خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ مسلمان بند توڑ کر آنے والے سیلاب کی مانند آرہے تھے۔ پانچ ہزار نفری کو سیلاب نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن ان پانچ ہزار کی تندی اور تیزی سیلاب سے کم نہ تھی۔

آتش پرستوں کا سالار رُوزبہ اس صورتِ حال سے گھبرا گیا۔ اُس نے ایک قاصد کو اپنے اُس لشکر کے سالار زرمہر کی طرف جو خنافس میں خیمہ زن تھا، اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ مسلمانوں نے اچانک حملہ کر دیا ہے اور صورتِ حال مخدوش ہے۔

قاصد بہت تیز وہاں پہنچا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ سالار زرمہر اپنے ساتھی سالار رُوزبہ کے اس پیغام پر ہنس پڑا۔ اُس نے کہا کہ رُوزبہ کا دماغ چل گیا ہے، مسلمانوں میں اتنی جرأت کہاں کہ باہر آکر حملہ کریں۔ قاصد نے اُسے بتایا کہ وہ کیا دیکھ آیا ہے۔ زرمہر اپنے لشکر کو وہاں سے کہیں بھی نہیں لے جا سکتا تھا کیونکہ اُس کے سالارِ اعلیٰ بہمن جاذویہ کا حکم تھا کہ کسی اور جگہ کچھ ہی ہوتا رہے، کوئی لشکر بغیر اجازت اِدھر اُدھر نہیں ہو گا، لیکن قاصد نے زرمہر کو پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے بہتر سمجھا کہ لشکر کو خنافس رہنے دے اور خود حصید جا کر دیکھے کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

وہ جب حُصَید پہنچا تو اپنے ساتھی سالار رُوزبہ کو مشکل میں پھنسا ہوا پایا۔ قعقاع کا حملہ بڑا زوردار ہلّہ تھا۔ اُس نے دشمن کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ دشمن کو یہ سہولت حاصل تھی کہ اُس کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس افراط کے بل بوتے پر آدھا لشکر بڑی عجلت میں لڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

زرمہر بھی آگیا تھا۔ اُس نے رُوزبہ کا ساتھ دیا۔ توقع یہی تھی کہ آتش پرست مسلمانوں پر چھا جائیں گے۔ قعقاع خالدؓ والی شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ رُوزبہ کو للکار رہا تھا۔ رُوزبہ قلب میں تھا۔ قعقاع کی بار بار للکار پر وہ سامنے آگیا۔ قعقاع اپنے محافظوں کے نرغے میں اُس کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ وہ اپنے محافظوں کے حصار سے نکل آیا۔ اِدھر قعقاع اپنے محافظوں کو چھوڑ کر آگے ہوا۔

دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے، وار روکے، پینترے بدلے اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قعقاع کی تلوار روزبہ کے پہلو میں بغل سے ذرا نیچے اُتر گئی۔ قعقاع نے تلوار کھینچ لی اور گھوڑے کو روک کر پیچھے کو موڑا۔ روزبہ گھوڑے پر سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قعقاع نے پیچھے سے آکر تلوار اُس کی پیٹھ میں خنجر کی طرح ماری جو روزبہ کے جسم میں کئی انچ اُتر گئی۔ روزبہ گھوڑے سے اس طرح گرا کہ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ قعقاع نے دیکھ لیا اور گھوڑے کو روزبہ کے گھوڑے کے قریب کر کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چبھوئی۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ پڑا اور روزبہ کو زمین پر گھسیٹتا اپنے ساتھ ہی لے گیا۔

زرمہر قریب ہی تھا۔ کسی بھی مؤرخ نے اُس مسلمان کماندار کا نام نہیں لکھا جس نے زرمہر کو دیکھ لیا

اور اُسے للکارا۔ زرمہر مقابلے کے لیے سامنے آیا اور اُس کا بھی وہی انجام ہوا جو اُس کے ساتھی رُوزبہ کا ہو چکا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُسے اُس کے گھوڑے نے گھسیٹا نہیں تھا۔ وہ خون میں لت پت اپنے گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔

مدائن کے اس لشکر میں ایک تو وہ کماندار اور سپاہی تھے جو پہلے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں پٹ چکے اور انہیں بے جگری سے لڑتے دیکھ چکے تھے۔ انہیں اپنی شکست کا یقین تھا۔ اُن کے حوصلے اور جذبے میں ذرا سی بھی جان نہیں تھی۔ وہ کٹ رہے تھے یا لڑائی سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جاذویہ نے جن نوجوانوں کو بھرتی کیا تھا وہ تیغ زنی، تیر اندازی وغیرہ میں تو طاق تھے اور اُن میں جوش و خروش بھی تھا لیکن اُنہوں نے میدانِ جنگ پہلی بار دیکھا تھا اور مسلمانوں کو لڑتا بھی انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اُنہوں نے تڑپتے ہوئے اور پیاس سے مرتے ہوئے زخمی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ زخم خوردہ گھوڑوں کو بے لگام دوڑتے اور انسانوں کو کچلتے بھی انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اب اُنہوں نے اتنی غارت گری اور اتنا زیادہ خون دیکھا کہ زمین لال ہو گئی تو انہیں اُن پرانے سپاہیوں کی باتیں یاد آنے لگیں جو مسلمانوں سے لڑے اور بھاگ گئے تھے۔ اب وہ سپاہی زخمی ہو ہو کر گر رہے تھے یا بھاگ رہے تھے۔ نوجوانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ تلواروں اور برچھیوں پر اُن کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

آتش پرستوں کے لشکر کا حوصلہ تو پہلے ہی ٹوٹ رہا تھا، اُنہوں نے جب دو نعرے سنے تو وہ فرار کا راستہ دیکھنے لگے۔

"خدا کی قسم! — یہ کسی مسلمان کا نعرہ تھا — "زرتشت کے پجاریوں کے دونوں سالار مارے گئے ہیں" — یہ للکار بلند ہوتی چلی گئی۔

پھر دشمن کے اپنے سپاہیوں نے چلّانا شروع کر دیا — "رُوزبہ اور زرمہر ہلاک ہو گئے ہیں"۔

اُس کے ساتھ یہ للکار بھی سنائی دی — "خالدؓ بن ولید آگیا ہے ... خالدؓ بن ولید کا لشکر آگیا ہے"۔

اس نعرے نے مدائن کے لشکر کا رہا سہا دم بھی ختم کر دیا اور لشکر بکھر کر فرداً فرداً بھاگ اُٹھا۔ بھاگنے والوں کا رُخ خنافس کی طرف تھا جہاں مدائن کے لشکر کا دوسرا حصہ خیمہ زن تھا۔

☆

خنافس کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے خالدؓ نے سالار ابولیلیٰ کو اس ہدایت کے ساتھ بھیجا تھا کہ خنافس اور حُصَید پر بیک وقت حملے ہوں لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ وجہ یہ تھی کہ خنافس حُصَید کی نسبت دُور تھا۔ ابولیلیٰ اپنی پانچ ہزار فوج کو لے کر چلے تو بہت تیز لیکن بروقت نہ پہنچ سکے۔ حُصَید پر قعقاع نے پہلے حملہ کر دیا۔ تاخیر کا نقصان یہ ہونا تھا کہ دشمن بیدار ہوتا لیکن تاخیر بھی سُودمند ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ابولیلیٰ کے پہنچنے سے ذرا ہی پہلے خنافس کے لشکر کو اطلاع مل گئی کہ مسلمانوں نے رُوزبہ اور زرمہر کو مار ڈالا ہے اور لشکر بُری طرح کٹ رہا ہے۔

ابولیلیٰ جب دشمن کے سامنے گئے تو دشمن کو لڑائی کے لیے تیار پایا۔ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ تھی۔ ابولیلیٰ کو سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا تھا۔ وہ ہلّہ نہیں بول سکتے تھے۔ انہیں چالوں کی جنگ

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

لڑنی تھی۔

اس انتظار میں کہ دشمن حملے میں پہل کرے، حُصَید سے بھاگے ہوئے سپاہی خنافس کی خیمہ گاہ میں پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے گھوڑسوار آئے۔ ان میں بہت سے زخمی تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بلاوجہ نہیں بھاگے، اُنہوں نے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد اور ان کے لڑنے کے قہر و غضب کو مبالغے سے بیان کیا اور ایسی دہشت پھیلائی کہ خنافس کے لشکر کا حوصلہ لڑے بغیر ہی ٹوٹ گیا۔ بھگوڑوں نے یہ خبر بھی سنائی کہ خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ آگیا ہے۔

خنافس والے لشکر کی کمان اب ایک اور آتش پرست سالار مہبوذان کے پاس تھی۔ زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مہبوذان اور دیگر تمام سالاروں کو یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمان قلعوں میں بند ہیں اور اُن کی نفری بہت تھوڑی ہے اور یہ بھی کہ خالدؓ جا چکا ہے، لہٰذا قلعوں پر حملے کر کے مسلمانوں کو ختم کر دینا ہے۔

اب صورتِ حال بالکل ہی بدل گئی تھی۔ مدائن کے سالار مہبوذان نے رُوزبہ کے لشکر کی حالت سنی اور اپنے لشکر کی ذہنی حالت دیکھی اور یہ سنا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو لے کر آگئے ہیں تو اُس نے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔

ابولیلیٰ نے بغیر لڑے فتح حاصل کر لی۔ اُس نے اپنے ایک دو آدمی مہبوذان کے لشکر کے پیچھے بھیجے کہ وہ چھپتے چھپاتے جائیں اور دیکھیں کہ یہ لشکر کہاں جاتا ہے۔

☆

خالدؓ عین التمر میں تھے۔ انہیں پہلی اطلاع یہ ملی کہ حُصَید کا لشکر بھاگ گیا ہے۔ بہت دیر بعد اُبولیلیٰ کا بھیجا ہُوا قاصد خالدؓ کے پاس پہنچا اور یہ خبر سنائی کہ خنافس والا لشکر بغیر لڑے پسپا ہو گیا ہے اور مضیح پہنچ کر عیسائیوں کے ساتھ جا مِلا ہے۔ وہاں جو عیسائی قبیلوں کا لشکر جمع تھا، اُس کی کمان ھذیل بن عمران کے پاس تھی۔

اس طرح مضیح میں دشمن کا بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا تھا۔ خالدؓ سوچ میں پڑ گئے۔ وہ آتش پرستوں کے مرکزی مقام مدائن پر حملہ کر سکتے تھے۔ مدائن فارس کی جنگی طاقت کا دل تھا۔ خالدؓ نے سوچا کہ وہ اِس دل میں خنجر اتار سکتے ہیں یا نہیں۔ مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ خالدؓ مدائن پر حملہ کرتے تو فتح کا امکان تھا لیکن اُن پر عقب سے یہ لشکر حملہ کر سکتا تھا جو مضیح میں جمع ہو گیا تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ پہلے مضیح کی اجتماع گاہ کو ختم کیا جائے۔

یہ فیصلہ اور ارادہ کر لینا کہ اس لشکر کو ختم کیا جائے، آسان تھا، عملاً اتنے بڑے لشکر کو اتنی تھوڑی نفری سے ختم کرنا کہاں تک ممکن تھا، یہ یقینی نہیں تھا مگر خالدؓ اسے یقینی بنانے پر تلے ہُوئے تھے۔ وہ ناممکن کو ممکن کر دکھانے والے جرنیل تھے۔ اُنہوں نے ایسی سکیم بنائی جسے آج کے جنگی مبصر بے مثال کہتے ہیں۔

"میرے رفیقو!"— خالدؓ نے اپنے سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر کہا— "خدا کی قسم، تم نے جتنی کامیابیاں حاصل کی ہیں یہ انسانی سطح سے بالا تھیں۔ تم نے پانچ گنا قوی دشمن کو، اس سے بھی زیادہ نفری کو جس [illegible] کاٹا اور بھگایا ہے۔ یہ تمہاری مافوق الفطرت طاقت تھی۔ یہ

ایمان کی قوت ہے۔ تمہیں اس کا اجر خدا دے گا.... اب میں تمہیں ایک بڑے ہی کٹھن امتحان میں ڈال رہا ہوں۔"

"ابن ولید!"— سالار قعقاع بن عمرو نے خالدؓ کو ٹوک دیا— "کیا اتنی باتوں کو ضروری سمجھتا ہے؟ ربِّ کعبہ کی قسم، ہم اُس اللہ کے حکم سے لڑ رہے ہیں جس نے تجھے ہمارا امیر بنایا ہے۔ حکم دے کہ ہم آگ میں کود جائیں پھر ہمارے جسموں کو جلتا ہُوا دیکھ۔"

"تجھ پر خدا کی رحمت ابن عمرو!"— خالدؓ نے کہا— "میں نے یہ باتیں اس لیے ضروری سمجھی تھیں کہ میں تمہیں آگ میں کودنے کا حکم دینے والا ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی مجاہد یہ نہ کہے کہ ولید کے بیٹے نے بڑا ظالم حکم دے دیا تھا.... میرے رفیقو! ہمیں جان کی بازی لگانی ہے۔ تمام مجاہدین سے کہو کہ تمہارے صبر اور استقلال کا ایک اور امتحان باقی ہے اور اسے اللہ کا حکم سمجھنا۔"

خالدؓ نے اپنی جو سکیم سب کو بتائی وہ یہ تھی کہ دشمن پر رات کے وقت تین اطراف سے حملہ کرنا ہے اور حملے کے مقام تک اتنی خاموشی سے پہنچنا ہے کہ دشمن کو خبر نہ ہونے پائے۔ خالدؓ نے اپنی تمام فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصّے میں تقریباً پانچ ہزار سوار اور پیادے تھے۔ یہ تینوں حصّے ایک جگہ نہیں بلکہ ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر تھے — حُصَید، خنافس اور عین التمر — ان سب کو اپنے اپنے مقام سے مقررہ راستوں سے مضیح تک پہنچنا تھا۔ خالدؓ نے حملے کی رات بھی مقرر کر دی تھی اور مقام بھی جو مضیح میں دشمن کی اجتماع گاہ سے کچھ دُور تھا۔ تینوں حصّوں کو رات کے وقت اس مقام پر پہنچنا تھا۔ مضیح میں دشمن کا جو لشکر خیمہ زن تھا، اُس کی تعداد کے متعلق مؤرخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ساٹھ اور ستّر ہزار کے درمیان تھی۔ اس پر حملہ کرنے والے مجاہدین کی تعداد پندرہ ہزار تھی۔

☆

اس قسم کی سکیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ناممکن کی حد تک مشکل تھا۔ پانچ پانچ ہزار کے لشکر کے لیے سفر کے دوران خاموشی برقرار رکھنا آسان کام نہیں تھا لیکن بڑی سختی سے خاموشی برقرار رکھنی تھی۔

دوسری مشکل خالدؓ کے لیے تھی۔ وہ خود عین التمر میں تھے جہاں ان کی فوج کا صرف ایک حصّہ تھا۔ دوسرے دو حصوں کو حُصَید اور خنافس سے چلنا تھا۔ انہیں قاصدوں کے ذریعے اپنے رابطے میں رکھنا تھا تاکہ حملے والے مقام پر بروقت پہنچ سکیں۔

جو رات مقرر کی گئی تھی وہ نومبر ۶۳۳ء کے پہلے (شعبان ۱۲ ہجری کے چوتھے) ہفتے کی ایک رات تھی۔

خالدؓ کے مجاہدین کے تینوں حصّے اپنے اپنے مقام سے چل پڑے۔ گھوڑوں کے منہ باندھ دیئے گئے تھے۔ تینوں حصّوں نے یہ انتظام کیا تھا کہ چند ایک آدمی لشکر کے آگے اور دائیں بائیں جا رہے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ کوئی بھی آدمی راستے میں مل جائے اُسے پکڑ لیں تاکہ وہ دشمن تک خبر نہ پہنچا سکے۔ دشمن کے بیدار ہو جانے کی صورت میں مجاہدین کی کامیابی مخدوش ہو جاتی اور دشمن گھات بھی لگا سکتا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رات کے چلے ہوئے اُسی رات نہیں پہنچ سکتے تھے۔ دن کو لشکر کو چھپا کر رکھا گیا۔ دیکھ بھال والے آدمی دور دور پھیلے رہے۔ خالدؓ نے اپنے جاسوس دشمن کی اجتماع گاہ مضیح تک بھیج رکھے تھے۔ وہ دشمن کے متعلق اطلاعیں دے رہے تھے۔ ان کی آخری اطلاع یہ تھی کہ دشمن نے ابھی تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی جس سے پتہ چلے کہ وہ کسی طرف حملے کے لیے کوچ کرنے والا ہے۔ مؤرّخ لکھتے ہیں کہ دشمن کے سالار اپنے سالارِ اعلیٰ بہمن جاذویہ کے اگلے حکم کا انتظار کر رہے تھے خالدؓ کے آجانے سے اُن کے لیے صورتِ حال بدل گئی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے اپنی ساری سکیم بدلنی تھی۔

☆

اُس رات بھی مضیح کی خیمہ گاہ میں دشمن کا لشکر گہری نیند سو رہا تھا جس رات خالدؓ کی فوج کے تینوں حصّے بخیر و خوبی سکیم کے عین مطابق مضیح کے قریب مکمل خاموشی سے پہنچ گئے تھے۔ بعض مؤرخوں نے اسے محض معجزہ کہا ہے اور کچھ اسے خالدؓ کی دی ہوئی ٹریننگ اور اُن کے پیدا کیے ہوئے ڈسپلن کا کرشمہ کہتے ہیں۔

آدھی رات سے ذرا بعد دشمن پر قہر ٹوٹ پڑا۔ لشکر سویا ہُوا تھا۔ مجاہدین نے جگہ جگہ آگ لگا دی تھی جس کی روشنی میں اپنے پرائے کی پہچان آسان ہو گئی تھی۔ مدائن کے اور عیسائی قبیلوں کے اس لشکر کو سنبھلنے اور تیار ہونے کی مہلت ہی نہ ملی۔ مسلمان نعرے لگا رہے تھے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار اس دہشت میں اضافہ کر رہی تھی جو دشمن کے لشکر پر طاری ہو گئی تھی۔

"مدینہ کے مجاہدو!" — خالدؓ کے حکم سے یہ للکار بڑی بلند تھی — "کسی کو زندہ نہ رہنے دو۔ دیمک کی طرح دشمن کا صفایا کر دو۔"

دشمن کے گھوڑے جہاں بندھے تھے وہیں بندھے رہے۔ ان کے سوار ان تک پہنچنے سے پہلے ہی کٹ رہے تھے۔ مسلمانوں نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اسی اندھیرے سے دشمن نے بھی فائدہ اٹھایا۔ کئی آتش پرست اور عیسائی زندہ نکل گئے۔ ان کی اجتماع گاہ ڈیڑھ دو میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ حملہ تین اطراف سے کیا گیا تھا۔

صبح کا اجالا صاف ہُوا تو دشمن کی اتنی وسیع و عریض خیمہ گاہ میں کوئی بھی لشکری زندہ نہیں تھا۔ زندہ وہی رہے تھے جو مسلمانوں کے اس پھندے سے نکل گئے تھے۔ منظر بڑا ہی ہیبت ناک تھا۔ جدھر نظر جاتی تھی سوائے لاشوں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لاشوں کے اوپر لاشیں پڑی تھیں۔ زخمی تڑپ تڑپ کر بیہوش ہو رہے تھے۔ فضا خون اور موت کی بُو سے بوجھل تھی۔

سالاروں کے خیمے دیکھے گئے۔ ان میں سامان وغیرہ پڑا تھا۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ ہر چیز ایسے پڑی تھی جیسے ان شاہانہ خیموں کے مکین ابھی ابھی نکل کے گئے ہیں اور ابھی واپس آجائیں گے۔ کوئی سالار نظر نہ آیا۔ وہ زندہ نکل گئے تھے۔ سالار مہبوذان بھی نکل گیا تھا اور عیسائیوں کا سردار اور سالار ھذیل بن عمران بھی زندہ نکل گیا تھا۔

جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق، آتش پرستوں اور عیسائیوں کے سردار ذُومیل چلے گئے تھے

جہاں عیسائی قبائل کا دوسرا حصہ خیمہ زن تھا۔ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ابھی تیاری ہی کر رہا تھا۔ وہ جس لشکر کا حصّہ تھا، اُس کے تین حصّے تباہ ہو چکے تھے۔ ذومیل والے اس لشکر کا سردار ربیعہ بن بُجیر تھا۔

مالِ غنیمت میں مسلمانوں کو جو سب سے زیادہ قیمتی اور کار آمد چیز ملی وہ ہزاروں گھوڑے تھے جو انہیں زینوں سمیت مِل گئے تھے۔

اس سے آگے ثنیّ اور ذومیل دو مقامات تھے جہاں بنی تغلب، نمر اور ایاد کے عیسائی مسلمانوں کے خلاف خیمہ زن تھے۔ وہ بھی مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادے سے گھروں سے نکلے تھے۔ عیسائیوں کے سردار عقّہ بن ابی عقّہ کا بیٹا بلال بن عقّہ بھی کہیں آ گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لیے عیسائی لشکر کے ساتھ آیا تھا۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے مضیح کی معجزہ نما فتح کے بعد اپنے سالاروں سے کہا — "میں دومۃ الجندل سے قسم کھا کر چلا تھا کہ بنی تغلب پر اس طرح جھپٹوں گا کہ پھر کبھی وہ اسلام کے خلاف اٹھنے کے قابل نہیں رہیں گے..... بنی تغلب ابھی آ گئے ہیں۔ اُن پر جھپٹنے کی تیاری کرو۔"

مضیح کی بستی پر بھی مسلمانوں نے چھاپہ مارا تھا۔ یہ عیسائیوں کی بستی تھی۔ وہاں دو ایسے آدمیوں کو مسلمانوں نے قتل کر دیا جو مسلمان تھے۔ انہوں نے کسی وقت مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا اور واپس اپنی بستی میں چلے گئے تھے۔ انہیں مجاہدین نے انجانے میں عیسائی سمجھ کر مار ڈالا۔

خالدؓ نے اتنی بڑی فتح کی خبر خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ کو مدینہ بھیجی اور پیغام میں یہ اطلاع بھی دے دی کہ مجاہدین کے ہاتھوں عیسائیوں کی ایک بستی میں دو مسلمان بھی غلطی سے مارے گئے ہیں خلیفۃ المسلمین نے فتح کی خبر کے ساتھ ان دو مسلمانوں کے قتل کی خبر بھی سب کو سنا دی۔

"خالدؓ کو اس کی سزا ملنی چاہیئے" — عمرؓ نے کہا — "مسلمان کا خون معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"جو لوگ کفّار کے ساتھ رہتے ہیں وہ اس صورتِ حال میں جو وہاں پیدا ہو گئی تھی، مارے جا سکتے ہیں" — خلیفۃ المسلمین نے کہا۔

"اس قتل کا ذمہ دار خالدؓ ہے" — عمرؓ نے اصرار کیا — "اُسے سزا ملنی چاہیئے۔"

"خلافتِ مدینہ کی طرف سے دونوں مقتولین کے پسماندگان کو خون بہا ادا کیا جائے گا" — ابوبکرؓ نے فیصلہ سنایا — "اور یہ خون بہا اسی قاصد کے ہاتھ بھیج دیا جائے جو فتح کی خبر لایا ہے۔"

عمرؓ نے پھر سزا کی بات کی۔

"عمرؓ!" — خلیفۃ المسلمین نے گرج کر کہا — "خالد واپس نہیں آئے گا۔ میں اُس شمشیر کو نیام میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کفار کے خلاف بے نیام کیا ہے۔" (بحوالہ طبری، ابن ہشام، ابوسعید حسین ہیکل)

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مضیح کے میدانِ جنگ میں ہڈیاں اور کھوپڑیاں رہ گئی تھیں جو دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔ گدھ، گیدڑ، بھیڑیئے، صحرائی لومڑیاں، گرگٹ، سانپ اور حشرات الارض ان ہڈیوں سے گوشت کھا گئے تھے۔ یہ آتش پرستوں کی اُس جنگی قوت کی ہڈیاں تھیں جس نے عرب، عراق اور شام پر دہشت طاری کر رکھی تھی۔ ان میں اُن عیسائیوں کی ہڈیاں بھی شامل تھیں جو فارس کی جنگی قوت میں اضافہ کرنے آتے تھے۔ یہ عیسائی اپنے سرداروں کے خون کا بدلہ لینے آئے تھے۔ اسے اُنہوں نے مذہبی جنگ بھی سمجھا تھا۔ وہ اسلام کے راستے میں حائل ہونے آئے تھے۔

ان ہڈیوں میں اُن ہاتھوں کی ہڈیاں بھی تھیں جنہوں نے حق پرستوں کو کاٹنے کے لیے نیاموں سے تلواریں نکالی تھیں۔ ان ہاتھوں میں برچھیاں بھی تھیں۔ ان ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں بھی تھیں وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر آئے تھے کہ ارض وسما کی طاقت انہی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ جب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو اُن کے نیچے زمین کانپتی ہے مگر اب وہ زمین جو کبھی کسی انسان اور اُس کے گھوڑے کے بوجھ اور خوف سے نہیں کانپی، اُن کے نیچے سے نکل گئی تھی اور زمین نے اُن کے مردہ جسموں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

زمین تو حق پرستوں کے بوجھ اور رُعب سے بھی نہیں کانپتی تھی۔ اللہ کا فرمان قرآن کی صورت میں مکمل ہو چکا تھا اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک ماننے والے اللہ کے اس فرمان سے آگاہ تھے کہ گردن کو کتنا ہی اکڑا لے، سر کو جتنا بھی اونچا کر لے، تو پہاڑوں سے اونچا نہیں ہو سکے گا اور تو کتنے ہی رعب اور دبدبے سے کیوں نہ چلے، زمین کو تو نہیں پھاڑ سکے گا۔

حق پرستوں کو اللہ کا یہ وعدہ بھی یاد تھا کہ تم میں دس ایمان والے ہُوئے تو ایک سو کفّار پر غالب آئیں گے۔ یہ ایمان کی ہی قوت تھی کہ دس ایمان والے ایک سو پر اور بیس دو سو پر غالب آ گئے تھے۔

"سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید کہتے نہ کہے، کیا تم خود نہیں جانتے؟"— مسلمانوں کے سالار ابولیلیٰ اپنے کمانداروں اور چند ایک سپاہیوں کو جو اُن کے اردگرد اکٹھے ہو گئے تھے، کہہ رہے تھے —"اگر تم سے ایمان لے لیا جاتے تو تمہارے پاس گوشت اور ہڈیوں کے جسم رہ جائیں گے.... کیا انجام ہو گا ان جسموں کا؟.... وہ دیکھو۔ وہ کھوپڑیاں دیکھو۔ ان کے اوپر کا گوشت کھایا جا چکا ہے۔ ان کے اندر مغز موجود ہیں مگر یہ مغز اب سوچنے کے قابل نہیں رہے۔ ان میں کیڑے داخل ہو چکے ہیں اور ان کے مغز کیڑوں کی خوراک بن رہے ہیں۔"

وہ ذرا اونچی جگہ کھڑے تھے۔ سب نے اس وسیع میدان کی طرف دیکھا جہاں کسریٰ کی فوج کا اور عیسائیوں کے لشکر کا کیمپ تھا۔ تین راتیں پہلے یہاں گہما گہمی تھی۔ سپاہی ناچ رہے تھے۔ ان کے سالار اور سردار خیموں میں شراب پی رہے تھے۔ مسلمانوں کا شب خون ان پر قیامت بن کر ٹوٹا تھا۔

"....اور اب دیکھو!"— سالار قعقاع بن عمرو اپنے ماتحتوں اور سپاہیوں سے کہہ رہے تھے — "یہ اُن کا انجام ہے جنہوں نے اللہ کو نہ مانا، محمدؐ کو اللہ کا رسول نہ مانا۔ اُنہوں نے اپنے خُدا بنا رکھے ہُوتے تھے۔ ان کے سردار خداؤں کے ایلچی بنے ہُوئے تھے۔ فارس کے بادشاہ اللہ کے بندوں کو اپنے بندے سمجھتے تھے۔ سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید نے کہا ہے کہ مجاہدین کو بتاؤ کہ تمہیں اللہ دیکھ رہا ہے اور وہی ہے اجر دینے والا اور اُسی نے تمہارے جسموں میں اتنی طاقت بھر دی ہے کہ آرام کا ایک پل نہیں ملتا، تمہارے جسم لڑ رہے ہوتے ہیں یا کوچ کر رہے ہوتے ہیں اور اگلے روز اگلی لڑائی کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ یہ طاقت جسمانی نہیں، یہ روح کی طاقت ہے اور روح کو ایمان تقویّت دیتا ہے۔"

"سالارِ اعلیٰ نے کہا ہے سب سے کہہ دو کہ تم زمین کی ملکیّت پر لڑنے نہیں آئے، تم کُفر پر غالب آنے کے لیے لڑ رہے ہو"— سالار زبرقان اپنے دستوں کے کمانداروں سے کہہ رہے تھے — "ابنِ ولید نے کہا ہے کہ ان جسموں کو ایمان سے اور پاک عزم سے خالی کر دو تو ابھی گر پڑو گے اور جسم روح سے خالی ہو جائیں گے۔ جسم تو دو لڑائیاں لڑ کر ہی ختم ہو گئے تھے، اب تمہاری روحیں لڑ رہی ہیں۔"

سالار عدیؓ بن حاتم بھی اپنے دستوں کو سالارِ اعلیٰ خالدؓ کا یہی پیغام دے رہے تھے۔ سالار عاصم بن عمرو بھی جو سالار قعقاع بن عمرو کے بڑے بھائی تھے، اپنے مجاہدین کے ساتھ یہی باتیں کر رہے تھے۔ خالدؓ نے اپنے تمام سالاروں سے کہا تھا کہ مجاہدین کے جسم لڑنے کے قابل نہیں رہے اور یہ عزم کی پختگی کا کرشمہ ہے کہ شل اور چُور جسموں سے بھی ہر میدان میں یہ تازہ دم ہو جاتے ہیں۔ خالدؓ نے سالاروں سے کہا تھا کہ ان کے حوصلے اور جذبے کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

"دشمن کے پاؤں اُکھڑے ہُوتے ہیں"— خالدؓ نے کہا تھا— "اسے سنبھلنے کی مہلت مِل گئی تو یہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے.... اور میرے رفیقو! جس طرح اللہ ہمیں فتح پہ فتح عطا کرتا چلا جا رہا ہے، یہ فتوحات بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ ہمارا لشکر یہ نہ سمجھ لے کہ ہمیں شکست ہو ہی نہیں سکتی۔ انہیں بتاؤ کہ انہیں دشمن پر ہر میدان میں غالب کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اُس کی ذاتِ باری کو دل سے نہ نکالیں اور تکبّر سے بچیں۔"

مدینہ کے مجاہدین کا حوصلہ تو بھاگتے دشمن کو، میدانِ جنگ میں اُس کے زخمیوں کو تڑپتا اور لاشوں کو سر دھوتا دیکھ کر تر و تازہ ہو جاتا تھا لیکن وہ آخر انسان تھے اور انسان کوتاہی کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے، اپنا سر تکبّر اور غرور سے اونچا بھی کر سکتا ہے۔ خالدؓ اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ اُنہوں نے کفّار پر اپنی دہشت طاری کر کے انہیں نفسیاتی لحاظ سے بہت کمزور کر دیا تھا لیکن ان مؤرخین کے مطابق جو جنگی امور کو سمجھتے تھے، خالدؓ کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اُن کی سپاہ اس مقام تک نہ پہنچ جائے جہاں پیچھے بعد دیگرے کئی فتوحات کے بعد دشمن کے دباؤ سے تھوڑا سا بھی پیچھے ہٹنا پڑے تو سپاہ بالکل ہی پسپا ہو جائے۔

اس خطرے نے انہیں پریشان سا کر دیا تھا۔ اُنہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ اپنے لشکر کو آرام کے لیے کچھ دن دے دیں۔ وہ ایسی جنگی چالیں سوچ رہے تھے جن سے دشمن کو بے خبری میں دبوچا جا سکے۔ ایک چال خالدؓ مضیح میں آزما چکے تھے۔ یہ کامیاب رہی تھی۔ یہ تھا شب خون۔ پورے لشکر نے دشمن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا تھا لیکن ضروری نہیں تھا کہ یہ چال ہر بار کامیاب ہوتی کیونکہ پورے لشکر کو خاموشی سے دشمن کی خیمہ گاہ تک پہنچانا آسان کام نہیں تھا۔

اُس وقت دشمن کا لشکر دو مقامات پر جمع تھا۔ ایک ذمیل تھا اور دوسرا ثنّی۔ انہی دو مقامات کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آتش پرستوں اور عیسائیوں کے لشکر جمع ہیں۔ اب حُصید کا بھاگا ہُوا لشکر بھی وہیں جا پہنچا تھا اور مضیح سے دشمن کی جو نفری بچ نکلی تھی، وہ بھی انہی دو مقامات پر چلی گئی تھی۔

اس شکست خوردہ نفری نے ثنّی اور ذمیل میں جا کر دہشت پھیلا دی۔ وہاں سردار اور سالار بھی تھے انہیں بہت مشکل پیش آئی۔ جذبے کے لحاظ سے لشکر لڑنے کے قابل نہیں تھا جسمانی لحاظ سے لشکر تازہ دم تھا۔ ثنّی میں ان کی عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی تھے۔ عورتوں نے مردوں کو بزدلی اور بے غیرتی کے طعنے دیئے اور انہیں لڑنے کے لیے تیار کیا۔

ن

ان دو مقامات پر جنگ کی تیاریوں کا منظر جنگ جیسا ہی تھا۔ سوار اور پیادے تیغ زنی کی مشق صبح سے شام تک کرنے لگے۔ سوار دستوں کو حملہ کرنے اور حملہ روکنے کی مشقیں کرائی جانے لگیں۔ اُس وقت تک کسریٰ کے سالار اور ان کے اتحادی عیسائیوں کے سردار خالدؓ کی جنگی چالیں سمجھ چکے تھے۔

"لیکن چالیں سمجھنے سے کیا ہوتا ہے!"— عیسائیوں کے ایک قبیلے کا سردار ربیعہ بن بجیر کہہ رہا تھا— "دِل کو ذرا مضبوط رکھیں تو ان تھوڑے سے مسلمانوں کو کچلنا کوئی مشکل نہیں۔"

اُس کے پاس عیسائیوں کے بڑے سردار عقّہ بن ابی عقہ کا بیٹا بلال بن عقہ بیٹھا ہُوا تھا۔ عقہ بن ابی عقّہ سرداروں میں سرکردہ سردار تھا۔ اُس نے للکار کر کہا تھا کہ وہ خالدؓ کا سر کاٹ کر لائے گا مگر عین التمر کے معرکے میں وہ پکڑا گیا۔ اس سے پہلے خالدؓ نے قسم کھائی تھی کہ وہ عقہ کو زندہ پکڑیں گے۔ خالدؓ کی قسم پوری ہوگئی اور اُنہوں نے عقّہ کا سر اپنی تلوار سے کاٹا تھا۔ بلال عقّہ کا جوان بیٹا تھا جو اپنے باپ کے خُون کا بدلہ لینے آیا تھا۔

"ابنِ بجیر!"— اس نے اپنے سردار ربیعہ کی بات سن کر کہا— "میں اپنے باپ کے سر کے بدلے خالدؓ کا سر لینے آیا ہوں۔"

"ایک نہیں ہم پر ہزاروں سروں کا قرض چڑھ گیا ہے"— ربیعہ بن بجیر نے کہا۔

وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر بلال بن عقہ چلا گیا۔ رات کا وقت تھا۔ رات سرد اور تاریک تھی مہینہ نومبر کا تھا اور اسی شام رمضان کا چاند نظر آیا تھا۔ بلال باہر جا کر رُک گیا۔ وہ اپنے لشکر کے خیموں سے کچھ دُور تھا۔ اُسے ایک طرف سے اپنی طرف کوئی آتا نظر آیا۔ نیا چاند کبھی کا ڈوب چکا تھا۔ تاریک رات میں چلتے پھرتے انسان متحرک سائے لگتے تھے۔ سایہ جو بلال کی طرف آ رہا تھا، قریب آیا تو بلال نے دیکھا کہ وہ کوئی آدمی نہیں عورت ہے۔

"ابنِ عقہ!"— عورت نے کہا— "میں صابحہ ہُوں .... صابحہ بنتِ ربیعہ بن بجیر .... ذرا رُک سکتے ہو میری خاطر؟"

"اوہ! ربیعہ بن بجیر کی بیٹی!"— بلال بن عقہ نے مسرور سے لہجے میں کہا— "کیا میں ابھی ابھی تیرے

گھر سے اٹھ کے نہیں آیا؟"

"لیکن بات جو کہنی ہے وہ میں باپ کے سامنے نہیں کہہ سکتی تھی"— صابحہ نے کہا۔

"کیا تو نے مجھے اپنے قابل سمجھا ہے؟"— بلال نے کہا— "بات جو تُو کہنا چاہتی ہے وہ پہلے ہی میرے دل میں ہے۔"

"غلط نہ سمجھ ابنِ عقّہ!"— صابحہ نے کہا— "پہلے میری بات سُن لے! .... مجھے بتا کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت لڑکی تُو نے کبھی دیکھی ہے؟"

"نہیں بنتِ ربیعہ!"

"کبھی مدائن گیا ہے تو؟"— صابحہ نے کہا۔

"گیا ہوں۔"

"سنا ہے فارس کی لڑکیاں بہت خوبصورت ہوتی ہیں"— صابحہ نے کہا— "کیا وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں؟"

"کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ تو وہ بات کہہ دے جو تیرے دل میں ہے؟"— بلال نے پوچھا اور کہا— "میں نے تجھ سے زیادہ کسی لڑکی کو کبھی حسین نہیں سمجھا۔ میں تجھے تیرے باپ سے مانگنا چاہتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا تیرے دل میں پہلے ہی میری محبت پیدا ہو چکی ہے۔"

"محبت تو اب بھی پیدا نہیں ہوئی"— صابحہ نے کہا— "میں کسی اور کو چاہتی ہوں۔ آج سے نہیں، اُس دن سے چاہتی ہُوں اُسے جس دن میں نے محسوس کیا تھا کہ میں جوان ہونے لگی ہُوں اور جوانی ایک ساتھی کا مطالبہ کرتی ہے۔"

"پھر مجھے کیا کہنے آئی ہے تُو؟"

"یہ کہ میں نے اُسے اپنے قابل سمجھنا چھوڑ دیا ہے"— صابحہ نے کہا— "مرد کی طاقت عورت کے جسم کے لیے ہی تو نہیں ہوتی۔ وہ طاقتور اور خوبصورت آدمی ہے۔ وہ جب گھوڑے پر بیٹھتا ہے تو مجھے اور زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔"

"پھر کیا ہُوا اُسے؟"

"وہ بزدل نکلا"— صابحہ نے کہا— "وہ لڑائیوں میں سے بھاگ کر آیا ہے۔ دونوں بار اُسے خراش تک نہیں آئی تھی۔ مجھے شک ہے کہ وہ لڑے بغیر بھاگ آتا رہا ہے۔ وہ میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اُسے کہہ دیا ہے کہ وہ مجھے بھول جائے۔ میں کسی بزدل کی بیوی نہیں بن سکتی۔ اُس نے میرے باپ کو بتایا تو باپ نے مجھے کہا کہ میں تو اس کی بیوی بننے والی ہُوں۔ میں نے باپ سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں میدان سے بھاگے ہوئے کسی آدمی کی بیوی نہیں بنوں گی۔ میں نے باپ سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اِس شخص کی بیوی بنانا ہے تو میری لاش اُس کے حوالے کر دو۔"

"کیا تم اب میری بہادری آزمانا چاہتی ہو؟"— بلال نے پوچھا۔

"ہاں!"— صابحہ نے جواب دیا— "اور اس کا انعام دیکھ۔ اتنا حسین جسم تجھے کہاں ملے گا!"

"کہیں نہیں"— بلال نے کہا— "لیکن میں ایک کام کا وعدہ نہیں کروں گا۔ ہمارے سردار اور ہمارے

URDUSTAN.BLOGSPOT.COM

قبیلوں کے جوشیلے جوان یہ اعلان کر کے مسلمانوں کے خلاف لڑنے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے سالار خالدؓ بن ولید کا سر کاٹ کر لائیں گے مگر خود کٹ جاتے ہیں یا بھاگ آتے ہیں۔ میں ایسا وعدہ نہیں کروں گا۔ خالدؓ کا سر کون کاٹے گا، اُس تک کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا۔"

"میں ایسا وعدہ نہیں لوں گی" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "میں تیرے منہ سے نہیں، دوسروں سے سننا چاہتی ہوں کہ تُو نے سب سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا ہے اور مسلمانوں کو شکست دینے میں تیرا ہاتھ سب سے زیادہ ہے۔ میں یہ بھی وعدہ کرتی ہوں کہ تُو مارا گیا تو میں کسی اور کی بیوی نہیں بنوں گی، اپنے آپ کو ختم کر دوں گی۔"

"میں تجھے ایک بات بتا دیتا ہُوں صابحہ!" ـــ بلال نے کہا ـــ "میں تیری خاطر میدان میں نہیں اتر رہا۔ میرے اوپر اپنے باپ کے خون کا قرض ہے۔ میں نے یہ قرض چکانا ہے۔ میری روح کو تسکین تب ہی ہو گی کہ میں ابنِ ولید کا سر اپنی برچھی کی انّی پر لاؤں اور بنی تغلب کے بچے بچے کو دکھاؤں لیکن وہ بات کیوں زبان پر لاؤں جو ہاتھ سے کر نہ سکوں۔ اُس تک پہنچوں گا ضرور۔ راستے میں جو آئے گا اُسے کاٹتا جاؤں گا۔ میں نے اپنا گھوڑا تبدیل کر لیا ہے۔ ہوا سے تیز ہے اور بڑا ہی طاقتور۔"

"میں تیری طاقت اور تیری تیزی اور پھرتی دیکھنا چاہتی ہُوں" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "اگر ایسا ہو سکے تو مجھے ساتھ لے چل۔ مردوں کی طرح لڑوں گی لیکن تو نے پیٹھ دکھائی تو میری تلوار تیری پیٹھ میں اُتر جائے گی۔"

"میں تجھے مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتا" ـــ بلال نے کہا ـــ "اور یہ بھی سُن لے صابحہ! میرا باپ عقّہ بن ابی عقّہ یہی عہد کر کے گیا تھا کہ وہ خالدؓ بن ولید کو خون میں نہلا کر آئے گا مگر اُس نے ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ معلوم نہیں مسلمانوں کو کس نے بتا دیا کہ یہ شخص ابنِ ولید کا خون بہانے کا عہد کر کے آیا تھا۔ ابنِ ولید نے میرے باپ کو قیدیوں سے الگ کیا اور سب کے سامنے اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ دیا..... میں تجھے بھی یہی کہتا ہوں کہ وہ بات نہ کہہ جو تُو نہیں کر سکتی۔"

"اور میں تجھے ایک بات کہنا چاہتی ہوں جو تجھے اچھی نہیں لگے گی" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "اگر اب میرے قبیلے نے میدان ہار دیا تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دوں گی اور اُن سے کہوں گی کہ میں اُس آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہوں جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔"

"ہم اس کوشش میں اپنی جانیں لڑا دیں گے کہ مسلمان ہماری عورتوں تک نہ پہنچ سکیں" ـــ بلال بن عقّہ نے کہا ـــ "لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کیا ہو گا۔ ایک طرف تیرے دل میں مسلمانوں کی دشمنی ہے اور دوسری طرف تم اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کی باتیں کرتی ہو۔"

"میں یہ باتیں اس لیے کرتی ہوں کہ میرے دل میں کچھ شک اور کچھ شبہے پیدا ہوتے جا رہے ہیں" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے مذہب مسلمانوں کا ہی سچّا ہے۔ اتنی تھوڑی تعداد میں وہ فارس کے اور ہمارے تمام قبیلوں کے لشکروں کو ہر میدان میں شکست دیتے چلے آ رہے ہیں تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہیں کسی غیبی طاقت کی مدد حاصل ہے۔ اگر یسوع مسیحؑ خدا کے بیٹے ہوتے تو کیا خدا اپنے بیٹے کی امّت کو اس طرح ذلیل و خوار کرتا؟ مجھے بتانے والا کوئی نہیں کہ مسلمان اسی خدا کو اللہ کہتے ہیں یا اللہ کوئی اور ہے۔"

"ایسی باتیں منہ سے نہ نکالو صابحہ" ـــ بلال نے جھنجھلا کر کہا ـــ "تم بہت بڑے سردار کی بیٹی ہو۔ اپنے مذہب پر ایسا شک نہ کرو کہ اس کی سزا ہم سب کو ملے۔"

"میں مجبور ہُوں ابنِ عقّہ!" ـــ صابحہ نے کہا ـــ "میری ذات سے کچھ آوازیں سی اُٹھتی ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے جیسے میں اپنے قبیلے میں اور اپنے گھر میں اجنبی ہوں۔ ایسے لگتا ہے جیسے میں کہیں اور کی رہنے والی ہُوں..... میں کچھ نہیں سمجھتی بلال! میں جو کہتی ہوں وہ کر دیکھ، میں تمہاری ہُوں۔"

"ایسا ہی ہو گا صابحہ!" ـــ بلال نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا ـــ "میں اگر زندہ واپس آیا تو فاتح ہو کر آؤں گا۔ اگر مارا گیا تو واپس آنے والوں سے پُوچھ لینا کہ میں نے مرنے سے پہلے کتنے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔"

بلال ثنّی کی رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ صابحہ بنت ربیعہ بن بجیر وہیں کھڑی بلال کو سائے کی طرح رات کی تاریکی میں تحلیل ہوتا دیکھتی رہی۔

ن

تین یا چار راتیں ہی گزری تھیں۔ ثنّی کی خیمہ گاہ اور عیسائیوں کی بستیاں تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ رمضان ۱۲ھ کا تیسرا یا چوتھا چاند کبھی کا افق میں اُتر چکا تھا۔ انسانوں کا ایک سیلاب ثنی کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ یہ مدینہ کے مجاہدین کی فوج تھی جو سیلاب کہلانے کے قابل نہیں تھی کیونکہ ان کی تعداد پندرہ اور سولہ ہزار کے درمیان تھی اور دشمن کی نفری تین چار گنا تھی۔ خالدؓ نے ثنّی پر بھی مضیح والا داؤ آزمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مجاہدین سے کہا تھا کہ دشمن کو اور اپنے آپ کو بھی مہلت دینا خطرناک ہو گا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ فتح اور شکست اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم اُسی کی ذاتِ باری کے نام پر کفر کی آگ میں کُودے ہیں۔ خالدؓ نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔ مجاہدین کے انداز میں جوش و خروش پہلے والا ہی تھا۔ جسموں میں البتّہ وہ دم خم نہیں رہا تھا لیکن عزم روزِ اوّل کی طرح زندہ و پائندہ تھا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ پندرہ سولہ ہزار کے لشکر سے دشمن پر شب خُون مارنا اس لیے خطرناک ہوتا ہے کہ خاموشی برقرار نہیں رکھی جا سکتی اور دشمن قبل از وقت بیدار ہو جاتا ہے۔ اس میں دشمن کی گھات کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ خالدؓ نے ان خطروں سے نمٹنے کا یہ اہتمام کر رکھا تھا کہ پہلے شب خون کی طرح اب کے بھی انہوں نے اپنے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ سالار بھی وہی تھے جنہیں پہلے شب خون کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔

اب جاسوسوں نے انہیں دشمن کے قیام کی جو اطلاعیں دی تھیں اُن کے مطابق مدائن کی فوج اور عیسائیوں کا لشکر ایک ہی خیمہ گاہ میں نہیں تھے۔ خیمہ گاہ میں صرف مدائن کی فوج تھی اور عیسائی اپنی بستیوں میں تھے۔ یہ بنی تغلب کی بستیاں تھیں۔ جاسوسوں نے ان بستیوں کے محلِ وقوع بتا دیئے تھے۔ خالدؓ نے اپنی فوج کے ایک حصّے کی کمان سالار قعقاع کو اور دوسرے حصّے کی کمان سالار ابولیلیٰ کو دی تھی۔ تیسرا حصہ اپنی کمان میں رکھا تھا۔ اُنہوں نے قعقاع اور ابولیلیٰ کو عیسائی قبیلے بنی تغلب کی بستیوں پر شب خون مارنے کے لیے بھیجا اور اپنے حصّے کو ان کے پیچھے رکھا۔ پیچھے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو خیمہ گاہ پر شب خون مارنا تھا جو بستیوں کی نسبت ذرا قریب تھی۔ تینوں حصّوں کو بیک وقت حملہ کرنا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مؤرخین نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے حکم دیا تھا کہ کسی عورت اور کسی بچے پر ہاتھ نہ اُٹھایا جائے۔

کفار کو مضیح کے مقام پر مسلمانوں کے ایک شب خُون کا بڑا ہی تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے ثنیٰ کی خیمہ گاہ کے اِرد گرد پہرے کا بڑا سخت انتظام کر رکھا تھا۔ گشتی پہرے کا انتظام بھی تھا۔ چار چار گھوڑسوار خیمہ گاہ سے دور دور تک گشت کرتے تھے۔ مسلمان جاسوسوں نے خالدؓ کو اس انتظام کی بھی اطلاع دے دی تھی۔ خالدؓ نے اس انتظام کو بیکار کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

۞

ثنیٰ سے کچھ دُور خالدؓ کی فوج پہلے سے طے کئے ہوئے منصُوبے کے مطابق رک گئی۔ اسے آگے کی اطلاع کے مطابق آگے بڑھنا تھا۔ چند ایک شتر سوار جو مثنیٰ بن حارثہ کے آزمائے ہُوئے چھاپہ مار تھے، آگے چلے گئے تھے۔ وہ اونٹوں کے قافلے کی صُورت میں جا رہے تھے۔ وہ ثنیٰ کی خیمہ گاہ سے ابھی دُور ہی تھے کہ انہیں کسی نے للکارا۔ وہ رک گئے اور اپنی طرف آتے ہُوئے گھوڑوں کے ٹاپ سننے لگے۔ چار گھوڑے ان کے پاس آرُکے۔

"کون ہو تم لوگ؟" ــــ ایک گھوڑسوار نے ان سے پُوچھا۔

"مسافر ہیں" ــــ ایک شتر سوار نے ڈرے ہُوئے لہجے میں جواب دیا اور کسی بستی کا نام لے کر کہا کہ وہاں جا رہے ہیں۔

شتر سوار آٹھ دس تھے۔ ان میں سے ایک تو گھوڑسواروں کو بتا رہا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ دوسرے شتر سوار اونٹوں کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے رہے حتیٰ کہ چار گھوڑسوار اُن کے نرغے میں آگئے۔

"اُترو اونٹوں سے!" ــــ ایک گھوڑسوار نے بڑے رعب سے حکم دیا۔

چار شتر سوار اونٹوں سے اس طرح اترے کہ اُوپر سے ایک ایک گھوڑسوار پر جھپٹے۔ اُن کے ہاتھوں میں خنجر تھے جو گھوڑسواروں کے جسموں میں اُتر گئے۔ انہیں گھوڑوں سے گرا کر ختم کر دیا گیا۔ چار مجاہدین چاروں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور دشمن کی خیمہ گاہ تک چلے گئے۔ ایک سنتری انہیں اپنی سوار گشت سمجھ کر ان کے قریب آیا۔ اندھیرے میں دو گھوڑسوار اترے اور اس سنتری کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

اُنہوں نے کئی اور سنتریوں کو خاموشی سے ختم کیا اور واپس آگئے۔ خالدؓ بے صبری سے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ جو اونٹوں پر گئے تھے، چار گھوڑے بھی ساتھ لے آئے۔ انہوں نے خالدؓ کو بتایا کہ راستہ صاف ہے۔

خالدؓ نے سرگوشیوں میں قاصدوں کو دوسرے سالاروں کی طرف اس پیغام کے ساتھ دوڑا دیا کہ ہلہ بول دو۔ اُس وقت تک گھوڑوں کے منہ بندھے ہُوئے تھے۔ وہ ہنہنا نہیں سکتے تھے۔ سواروں نے سالاروں کے کہنے پر گھوڑوں کے منہ کھول دیئے۔ اُن کے ہدف دُور نہیں تھے۔ کچھ دُور تک گھوڑے پیادوں کی رفتار کے ساتھ آہستہ چلائے گئے پھر رفتار تیز کر دی گئی اور پیادوں کو دوڑنا پڑا۔

بستیوں کے قریب جا کر مشعلیں جلا لی گئیں۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو اتنی تیزی سے آگے نہ بڑھایا۔ انہیں انہوں نے شب خون کی ترتیب میں پھیلا دیا تھا۔

یہ ایسی پیش قدمی تھی جس میں کوئی نعرہ نہ لگایا گیا، نہ کسی کو للکارا گیا۔

۞

نومبر ۶۳۲ء کے دوسرے اور رمضان المبارک ۱۲ ہجری کے پہلے ہفتے کی وہ رات بہت سرد تھی۔ بنی تغلب کی بستیوں میں اور فارس کی فوج کی خیمہ گاہ میں جو وسیع و عریض تھی، لوگ گرم بستروں میں دبکے ہُوئے تھے۔ کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ کون کیا خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک کے ذہن پر مسلمانوں کی فوج اور اس کی دہشت سوار ہوگی۔ لوگ اسی فوج کی باتیں کرتے سوئے تھے۔

اچانک بستیوں کے گھروں کے دروازے ٹوٹنے لگے۔ گلیوں میں گھوڑے دوڑنے لگے۔ مجاہدین نے مکانوں سے چارپائیاں اور لکڑیاں باہر لا کر جگہ جگہ ان کے ڈھیر لگائے اور آگ لگا دی تاکہ بستیاں روشن ہو جائیں۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار نے سرد رات کو ہلا کے رکھ دیا۔

"عورتیں اپنے بچّوں کے ساتھ باہر آکر ایک طرف کھڑی ہو جائیں" ــــ یہ مجاہدین کی للکار تھی جو بار بار سنائی دیتی تھی۔

بنی تغلب کے آدمی کٹ رہے تھے۔ خالدؓ کا حکم تھا کہ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کے سوا کسی آدمی کو زندہ نہ رہنے دیا جائے۔

ان لوگوں کو وہ لشکر بچا سکتا تھا جو تھوڑی ہی دور خیمہ گاہ میں پڑا تھا۔ بستیوں کا واویلا لشکر تک پہنچا لیکن وہاں نیند اور سردی نے سب کو بیہوش سا کر رکھا تھا۔ لشکر کو جگانے کے لیے کوئی سنتری زندہ نہ تھا۔

آخر خیمہ گاہ میں کچھ لوگ بیدار ہو گئے۔ انہیں ارد گرد کی بستیوں میں روشنی نظر آئی جیسے آگ لگی ہُوئی ہو۔ شور بھی سنائی دیا۔ وہ ابھی سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کہ ویسی ہی ہڑبونگ خیمہ گاہ کے ایک گوشے میں بپا ہُوئی جو آندھی کی مانند بڑھتی اور پھیلتی گئی۔ کچھ خیموں کو آگ لگ گئی۔ خالدؓ کے دستوں نے آتش پرستوں کی فوج کو کاٹنا شروع کر دیا تھا۔ یہ فوج اب کٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

دشمن کے بہت سے سپاہی خیموں میں دبک گئے تھے۔ ان خیموں کی رسیاں مسلمانوں نے کاٹ دیں۔ خیمے سپاہیوں کے لیے جال اور پھندے بن گئے۔ مسلمانوں نے انہیں برچھیوں سے ختم کر دیا۔ مسلمانوں کے نعرے اور ان کی للکار بڑی دہشت ناک تھی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اتنے وسیع پیمانے پر شب خون مارنے کا دوسرا تجربہ ہُوا۔ اب اُنہوں نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ کسی کو بھاگنے نہ دیا جائے۔ بستیوں اور خیمہ گاہ کے ارد گرد مثنیٰ بن حارثہ کے گھوڑسوار گھوم پھر رہے تھے۔ کوئی آدمی بھاگ کے جاتا نظر آتا تو اُس کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا جاتا اور برچھی یا تلوار سے اُسے ختم کر دیا جاتا۔ اگر کوئی عورت بھاگتی نظر آتی تو اُسے پکڑ کر اُس جگہ پہنچا دیتے جہاں عورتوں اور بچّوں کو اکٹھا کیا جا رہا تھا۔

جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی، بنی تغلب کی بستیوں میں اور مدائن کی فوج کی خیمہ گاہ میں شور وغوغا واویلا کم ہوتا جا رہا تھا اور زخمیوں کی کربناک آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جو نکلے تھے، اُن کی لاشیں ٹھنڈی ہو رہی تھیں اور ان کے زخمی پیاس سے مر رہے تھے اور اُن کی بیٹیاں مسلمانوں کے قبضے میں تھیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صبح طلوع ہوئی تو اُجالے نے بڑا ہی بھیانک اور عبرتناک منظر دکھایا۔ لاشوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ لاشیں خون سے نہائی ہوئی تھیں۔ یہ فتح ایسی تھی جیسے کسریٰ کے بازو کاٹ دیئے گئے ہوں خیمہ گاہ اور بستیاں موت کی بستیاں بن گئی تھیں جن گھوڑوں پر ان کفار کو ناز تھا، وہ گھوڑے وہیں بندھے ہوتے تھے جہاں گزشتہ شام انہیں باندھا گیا تھا۔

عورتیں الگ بیٹھی رو رہی تھیں۔ بچے بلبلا رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ سب سے پہلے عورتوں اور بچوں کو کھانا دیا جائے۔

مجاہدین مالِ غنیمت لا لاکر ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔ سالار ابولیلیٰ کے پاس ایک بہت ہی حسین لڑکی کو لایا گیا۔ اُس نے درخواست کی تھی کہ اُسے سالارِ اعلیٰ یا کسی سالار کے ساتھ بات کرنے کی اجازت دی جائے۔

"یہ ایک سردار کی بیٹی ہے"۔۔۔ اُسے لانے والے نے سالار ابولیلیٰ سے کہا۔۔۔ "سردار کا نام ربیعہ بن بجیر بتاتی ہے۔ یہ اپنے باپ کی لاش کے پاس بیٹھی رو رہی تھی"۔

"کیا نام ہے تیرا!"۔۔۔ ابولیلیٰ نے لڑکی سے پوچھا۔

"صابحہ!"۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "صابحہ بنت ربیعہ بن بجیر.... میرے باپ کو لڑنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا"۔

"کیا تو یہی بات کہنے کے لیے ہمارے سالارِ اعلیٰ سے ملنا چاہتی ہے؟"۔۔۔ سالار ابولیلیٰ نے پوچھا۔ "جنہیں لڑنے کا موقع ملا تھا، کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا؟.... اب بتا تو چاہتی کیا ہے!"

"تم لوگ مجھے اجازت نہیں دو گے کہ میں لاشوں میں ایک آدمی کی لاش ڈھونڈ لوں"۔۔۔ صابحہ نے کہا۔۔۔ "اُس کا نام بلال بن عقہ ہے"۔

"کیا جلی ہوئی لکڑیوں کے انبار میں کسی ایک خاص درخت کی لکڑی کو ڈھونڈ لے گی؟"۔۔۔ ابولیلیٰ نے پوچھا۔۔۔ "تو اُسے ڈھونڈ کے کیا کرے گی؟ زندہ ہے تو ہمارا قیدی ہو گا، مر گیا ہے تو تیرے کس کام کا؟"

صابحہ نے سالار ابولیلیٰ کو وہ گفتگو سنائی جو اُس کے اور بلال بن عقہ کے درمیان ہوئی تھی اور کہا کہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ وہ زندہ ہے یا مارا گیا ہے۔

مسلمان سالاروں نے چند عیسائیوں کو اس مقصد کے لیے زندہ پکڑ لیا تھا کہ ان سے اس علاقے اور علاقے کے لوگوں کے متعلق معلومات اور جنگی اہمیت کی معلومات لی جائیں۔ ابولیلیٰ کے حکم سے ایسے دو تین آدمیوں کو بلا کر بلال بن عقہ کے متعلق پوچھا۔

"دو تین روز پہلے تک وہ یہیں تھا"۔۔۔ ایک عیسائی نے بتایا۔۔۔ "وہ ذومیل چلا گیا ہے"۔

"کیا اُسے وہاں ہونا چاہیئے تھا یا یہاں؟"۔۔۔ ابولیلیٰ نے پوچھا۔

"وہ قبیلے کے سردار کا بیٹا ہے"۔۔۔ عیسائی نے بتایا۔۔۔ "وہ کسی کے حکم کا پابند نہیں۔ وہ حکم دینے والوں میں سے ہے"۔

"کیا وہ اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے آیا ہے؟"

"اُس نے کئی بار کہا ہے کہ وہ ابنِ ولید سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لے گا"۔۔۔ دوسرے

عیسائی نے جواب دیا۔

"اب بتا لڑکی!"۔۔۔ ابولیلیٰ نے صابحہ سے پُوچھا۔

"میں تمہاری قیدی ہوں"۔۔۔ صابحہ نے کہا۔۔۔ "میرے ساتھ لونڈیوں اور باندیوں جیسا سلوک کرو گے تو میں تمہیں روک نہیں سکوں گی۔ سنا ہے مسلمانوں کے دلوں میں رحم ہوتا ہے۔ میری ایک التجا ہے.... میں ایک سردار کی بیٹی ہوں۔ کیا میری اس حیثیت کا خیال رکھا جائے گا؟"

"اسلام میں انسانوں کو درجوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا"۔۔۔ ابولیلیٰ نے کہا۔۔۔ "ہم اُس شخص کو بھی اپنا سردار بنا لیا کرتے ہیں جس کے آبا و اجداد نے کبھی خواب میں بھی سرداری نہیں دیکھی ہوتی۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ سرداری کا اہل ہے اور اُس کا اخلاق بہت اونچا اور پاک ہے اور اُس کو اپنی ذات کا کوئی لالچ نہیں.... پریشان نہ ہو لڑکی! تو خوبصورت ہے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ تجھے جو چاہے گا اپنا کھلونا بنا لے گا۔ کوئی ہمت والا تجھے خریدے گا اور تیرے ساتھ شادی کر لے گا"۔

"تمہاری قیدی ہو کر میری پسند اور ناپسند ختم ہو گئی ہے"۔۔۔ صابحہ نے کہا۔۔۔ "اگر مجھے پسند کی ذرا سی بھی آزادی دی جائے تو میں تم میں سے اُس کی بیوی بننا پسند کروں گی جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔ جو اپنی قوم اور قبیلے کی عزت اور غیرت پر جان دینے والا ہو، میدان سے بھاگنے والا نہ ہو.... عورت کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اُس آدمی کا مذہب ہے جس کی ملکیت میں اُسے دے دیا جاتا ہے لیکن عقیدے دلوں میں ہوتے ہیں۔ عورت کے جسم کو ملکیت میں لے سکتے ہو، اُس کے دل کا مالک کوئی نہیں بن سکتا.... میں وعدہ کرتی ہوں کہ مجھے کوئی مضبوط دل والا اور قبیلے کی غیرت پر دشمن کا خون بہانے اور اپنا سر کٹوانے والا آدمی مل جائے تو میں اپنا دل اور اپنے عقیدے اُس پر قربان کر دوں گی"۔

"خُدا کی قسم! تو غیرت اور عقل والی لڑکی ہے"۔۔۔ ابولیلیٰ نے کہا۔۔۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے بلال بن عقہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ میں پورا کروں گا، شرط یہ ہو گی کہ وہ اپنا وعدہ پورا کر دے۔ وہ ہمارے سالارِ اعلیٰ خالدؓ بن ولید کو اپنے ہاتھوں قتل کر دے لیکن بنتِ ربیعہ! وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ابنِ ولید کے سر پہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کہا ہے.... پھر بھی تم انتظار کرو۔ ذومیل میں بلال کے ساتھ ہماری ملاقات ہو گی"۔

"کیا میں اپنے گھر میں رہ سکتی ہوں؟"

"کیا ہے اُس گھر میں؟"۔۔۔ ابولیلیٰ نے کہا۔۔۔ "وہاں تیرے باپ، بھائیوں اور محافظوں کی لاشوں کے سوا رہ ہی کیا گیا ہے؟ اپنے قبیلے کی عورتوں کے ساتھ رہ۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی تجھے۔ ہمارا کوئی آدمی کسی عورت کے قریب نہیں جائے گا"۔

صابحہ بنتِ ربیعہ بن بجیر رنجیدہ سی چال چلتی ہُوئی ایک مجاہد کے ساتھ اُس طرف چلی گئی جہاں عورتوں اور بچوں کو رکھا گیا تھا۔ اس کی رنجیدہ چال میں اور ملول چہرے پر تمکنت تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ عام سے کردار کی لڑکی نہیں۔

"ابنِ حارثہ!"۔۔۔ خالدؓ نے فتح کی مسرت سے لبریز لہجے میں مثنیٰ بن حارثہ سے کہا۔۔۔ "کیا اللہ نے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تیری ہر خواہش پوری نہیں کر دی ؟"

"لاریب، لاریب!" ــــــ مثنیٰ بن حارثہ نے جوشیلے لہجے میں کہا ــــ "کفّار کی آنے والی نسلیں کہیں گی کہ مسلمانوں نے ان کے آباؤ اجداد پر بہت ظلم کیا تھا اور ہماری نسلیں انہیں اپنے اللہ کا یہ فرمان سنائیں گی کہ جس پر ظلم ہُوا ، وہ اگر ظالم پر ظلم کرے تو اس پر کوئی الزام نہیں ..... تو نہیں جانتا ولید کے بیٹے ! ان آتش پرستوں نے اور صلیب کے پجاریوں نے جو ظلم ہم پر توڑے ہیں ، تو نہیں جانتا ۔ تو نے سنے ہیں ، ہم نے سہے ہیں ۔"

"اب یہ لوگ اللہ کی گرفت میں آ گئے ہیں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "لیکن حارثہ کے بیٹے ! میں ڈرتا ہوں تکبّر اور غرور سے ..... دل میں بار بار ارادہ آتا ہے حج پر جاؤں ۔ میں خانہ کعبہ میں جا کر اللہ کا شکر ادا کروں گا ۔ کیا اللہ مجھے موقع دے گا کہ اپنا یہ ارادہ پورا کر سکوں ؟"

"تُو نے ارادہ کیا ہے تو اللہ تجھے ہمت بھی دے گا ، موقع بھی پیدا کر دے گا" ــــ مثنیٰ نے کہا ۔

کچھ دیر بعد تمام سالار خالدؓ کے سامنے بیٹھے تھے اور خالدؓ انہیں بتا رہے تھے کہ اگلا ہدف ذومیل ہے ۔ جاسوسوں کو ذومیل بھیج دیا گیا تھا ۔

"پہلے یوں ہوتا رہا ہے کہ ایک جگہ ہم حملہ کرتے تھے تو دشمن کے آدمی بھاگ کر کہیں اور اکٹھے ہو جاتے تھے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اب ہم نے کسی کو بھاگنے نہیں دیا ۔ ثنیٰ سے شاید ہی کوئی بھاگ کر ذومیل پہنچا ہو لیکن ذومیل خالی نہیں ۔ وہاں بھی دشمن موجود ہے اور وہ بے خبر بھی نہیں ہو گا ۔ کل رات ذومیل کی طرف کوچ ہو گا اور اگلی رات وہاں اسی قسم کا شب خون مارا جائے گا ۔"

تاریخوں میں یہ نہیں لکھا کہ ثنیٰ میں خالدؓ نے کس سالار کو چھوڑا ۔ سورج غروب ہوتے ہی مسلمانوں کا لشکر ذومیل کی سمت کوچ کر گیا ۔ ساری رات چلتے گزری ۔ دن نشیبی جگہوں میں چھپ کر گزرا اور سورج کا سفر ختم ہُوا تو مجاہدین اپنے ہدف کی طرف چل پڑے ۔

ذومیل میں بھی دشمن سویا ہُوا تھا ۔ سنتری بیدار تھے ۔ یہاں بھی گشتی سنتریوں اور دیگر سنتریوں کو اُسی طریقے سے ختم کیا گیا جو مضیح اور ثنیٰ وغیرہ میں آزمایا گیا تھا ۔ مسلمانوں کی ترتیب وہی تھی یعنی لشکر تین حصّوں میں تقسیم تھا ۔

یہ شب خون بھی پوری طرح کامیاب رہا ۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ کسی ایک بھی آدمی کو زندہ نہ نکلنے دیا گیا ۔ یہاں بھی عورتوں اور بچوں کو الگ کر لیا گیا تھا ۔

ن

سالار ابولیلیٰ نے بلال بن عقہ کے متعلق معلوم کیا ۔ پتہ چلا کہ وہ ایک روز پہلے یہاں سے نکل گیا تھا ۔ یہ بھی پتہ چلا لیا گیا کہ ذومیل سے تھوڑی دور رضاب نام کی ایک بستی ہے جس میں عیسائیوں کی خاصی تعداد جمع ہو گئی ہے اور ان کے ساتھ مدائن کی فوج کے ایک دو دستے بھی ہیں ۔

خالدؓ نے دو حکم دیئے ۔ ایک یہ کہ ثنیٰ سے مالِ غنیمت اور دشمن کی عورتوں اور بچوں کو ذومیل لایا جائے ۔ دوسرا حکم یہ کہ فوری طور پر رضاب پر حملہ کیا جائے ۔ آتش پرستوں کا لڑنے کا جذبہ تو جیسے بالکل سرد پڑ گیا تھا ۔

مسلمان تین اطراف سے رضاب پر حملہ آور ہُوئے لیکن یہ گھونسہ ہوا میں لگا ۔ رضاب بالکل خالی

تھا ۔ پتہ چلتا تھا کہ یہاں فوج موجود رہی ہے لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا ۔ اپنے باپ عقہ بن ابی عقہ کا بیٹا بلال بھی لاپتہ تھا ۔ فوج کا ایک سوار دستہ دُور دُور تک گھوم آیا ۔ دشمن کا کہیں نام و نشان نہیں مِلا ۔ آخر فوج واپس آ گئی ۔

ثنیٰ کی عورتیں ذومیل میں لائی جا چکی تھیں ۔ مالِ غنیمت بھی آ گیا ۔ خالدؓ نے خلافتِ مدینہ کا حِصّہ الگ کر کے باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا ۔ ابولیلیٰ نے صابجہ کو بلایا ۔

"بلال بن عقہ یہاں سے بھی بھاگ گیا ہے" ــــ ابولیلیٰ نے اُسے کہا ــــ "اُس نے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہوتا تو یوں بھاگا نہ پھرتا ۔ کیا اب بھی تُو اُس کا انتظار کرے گی ؟"

"میں اپنی مرضی سے تو کچھ بھی نہیں کر سکتی" ــــ صابجہ نے کہا ۔

ابولیلیٰ خالدؓ سے بات کر چکے تھے ۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس لڑکی کی خوبصورتی اور جوانی کو دیکھ کر سب کا خیال یہ تھا کہ خالدؓ اس کے ساتھ شادی کر لیں گے ۔ صابجہ کی یہ خواہش بھی پوری ہو سکتی تھی کہ وہ سب سے زیادہ بہادر اور بے خوف آدمی کی بیوی بننا چاہتی ہے لیکن خالدؓ نے کہا کہ مجھ سے زیادہ بہادر موجود ہیں ۔ چنانچہ خالدؓ نے خاص پیغام کے ساتھ مالِ غنیمت اور عورتیں مدینہ کو روانہ کر دیں ۔

جو دستہ مالِ غنیمت کے ساتھ بھیجا گیا اس کے کماندار نعمان بن عوف شیبانی تھے ۔ اُنہوں نے صابجہ کے متعلق مدینہ میں بتایا کہ یہ لڑکی کون ہے ، کیسی ہے اور اس کی خواہش کیا ہے ۔

مؤرخوں کے مطابق صابجہ کو حضرت علیؓ نے خرید لیا ۔ صابجہ نے بخوشی اسلام قبول کر لیا اور حضرت علیؓ نے اُس کے ساتھ شادی کر لی ۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے عمر اور صاحبزادی رقیبہ صابجہ کے بطن سے پیدا ہُوئی تھیں ۔

ن

مدائن میں کسریٰ کے محل پہلے کی طرح کھڑے تھے ۔ ان کے در و دیوار پر خراش تک نہ آئی تھی ۔ ان کا حُسن ابھی جوان تھا لیکن ان پر ایسا تاثر طاری ہو گیا جیسے یہ کھنڈر ہوں ۔ ایران کی اب کوئی رقاصہ نظر نہیں آتی تھی ۔ رقص و نغمہ کی محفلیں اب سوگوار تھیں ۔ یہ وہی محل تھا جہاں سے انسانوں کی موت کے پروانے جاری ہُوا کرتے تھے ۔ یہاں کنواریوں کی عصمتیں لٹتی تھیں ۔ رعایا کی حسین بیٹیوں کو زبردستی نچایا جاتا تھا ۔

عرب کے جو مسلمان عراق میں آباد ہو گئے تھے انہیں فارس کے شہنشاہوں نے بھیڑ بکریاں بنا دیا تھا ۔ عراق فارس کی سلطنت میں شامل تھا ۔ مسلمانوں کو آتش پرستوں نے دجلہ اور فرات کے سنگم کے دلدلی علاقے میں رہنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ ان کے فصل ، ان کی خون پسینے کی کمائی اور ان کے مال و اموال پر ان کا کوئی حق نہ تھا ۔ حد یہ کہ مسلمانوں کی بیٹیوں ، بہنوں اور بیویوں پر بھی ان کا حق نہیں رہا تھا ۔ کسریٰ کا کوئی حاکم کسی بھی مسلمان خاتون کو جب چاہتا ، زبردستی اپنے ساتھ لے جاتا تھا ۔

یہی وہ حالات ہوتے ہیں جو مثنیٰ بن حارثہ جیسے مجاہدین کو جنم دیا کرتے ہیں ۔ مثنیٰ بن حارثہ کو پکڑ کر قتل کر دینے کا حکم انہی محلّات میں سے جاری ہُوا تھا اور جب ان محلّات میں یہ خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے مسلمانوں کا لشکر فارس کی سرحد میں داخل ہو گیا ہے تو یہاں سے فرعونوں جیسی آواز اٹھی تھی کہ عرب کے ان بدّوؤں کو یہ جرأت کیسے ہُوئی ..... تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ فرعونوں کے ان محلّات میں موت کا سناٹا طاری تھا ۔ ان کا کوئی

سالار مسلمانوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکا تھا۔ نامی گرامی سالار مارے گئے تھے اور جو بچ گئے تھے وہ بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔

"مدائن کو بچاؤ"۔۔۔ اب کسریٰ کے محلات سے بار بار یہی آواز اٹھتی تھی۔

"مدائن مسلمانوں کا قبرستان بنے گا"۔۔۔ یہ آواز ہارے ہوئے سالاروں کی تھی۔۔۔ "وہ مدائن تک آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔"

"کیا تم اب بھی اپنے آپ کو دھوکے دے رہے ہو؟"۔۔۔ کسریٰ کا جانشین کہہ رہا تھا۔۔۔ "کیا وہ مدائن تک آنے کی جرأت نہیں کریں گے جنہوں نے چند دنوں میں چار میدان اس طرح مار لیے ہیں کہ ہماری تجربہ کار فوج کو ختم کر ڈالا ہے؟ ہماری فوج میں رہ ہی کیا گیا ہے؟ ڈرے ہوئے شکست خوردہ سالار اور اناڑی نوجوان سپاہی.... کیا کوئی عیسائی زندہ رہ گیا ہے؟.... مدائن کو بچاؤ۔"

خالدؓ کی منزل مدائن ہی تھی۔ مدائن فارس کی شہنشاہی کا دل تھا لیکن مدائن پر شب خون نہیں مارا جا سکتا تھا۔ خالدؓ جانتے تھے کہ مدائن کو بچانے کے لیے کسریٰ ساری جنگی طاقت داؤ پر لگا دیں گے اور خالدؓ یہ بھی جانتے تھے کہ غیر مسلموں خصوصاً عیسائیوں کے کئی چھوٹے چھوٹے قبیلے ہیں جو کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔ خطرہ تھا کہ آتش پرست ان قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیں گے اور مدائن کے اردگرد انسانوں کی بڑی مضبوط دیوار کھڑی ہو جائے گی۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے ضروری تھا کہ ان قبیلوں کو اپنا وفادار بنا لیا جائے۔ اس مقصد کے لیے خالدؓ نے اپنے ایلچی مختلف قبیلوں کے سرداروں سے ملنے کے لیے روانہ کر دیئے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ لوگ سوچتے کیا ہیں اور ان کا رجحان کیا ہے۔

"ان قبیلوں پر ہماری دھاک بیٹھی ہوئی ہے"۔۔۔ ایک جاسوس نے خالدؓ کو تفصیلی اطلاع دی۔۔۔ "وہ اپنی عورتوں اور اموال کے لیے پریشان ہیں۔ انہیں کسریٰ پر بھروسہ نہیں رہا۔"

"....اور وہ نوشیرواں عادل کے دور کو یاد کرتے ہیں"۔۔۔ ایک ایلچی نے آکر بتایا۔۔۔ "وہ مدائن کی خاطر لڑنے پر آمادہ نہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ بنی تغلب، نمر اور ایاد جیسے بڑے اور جنگجو قبیلوں کا کیا انجام ہوا ہے۔"

"وہ اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار ہیں"۔۔۔ ایک اور ایلچی نے بتایا۔۔۔ "بشرطیکہ اُن کے ساتھ انصاف کیا جائے اور محصولات کے لیے انہیں مفلس اور کنگال نہ کر دیا جائے۔"

"خدا کی قسم، وہ مانگیں گے ہم انہیں دیں گے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "کیا کسی نے انہیں بتایا نہیں کہ ہم زمین پر قبضہ کرنے اور یہاں کے انسانوں کو غلام بنانے نہیں آئے؟... بلاؤ، ان سب کے سرداروں کو بلاؤ۔"

ایک دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے عراق کے طول و عرض میں جگہ جگہ حملے کر کے اور شب خون مار کر تمام قبیلوں کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ حقیقت یہ ہے جو زیادہ تر مؤرخوں نے بیان کی ہے کہ خالدؓ نے دوستی کا ہاتھ بڑھا کر ان قبیلوں کو اپنا اتحادی بنا لیا تھا۔ ان کے اطاعت قبول کرنے میں خالدؓ کی دہشت بھی شامل تھی۔ یہ خبر صحرا کی آندھی کی طرح تمام تر قبیلوں تک پہنچ گئی تھی کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی فوج بھی نہیں ٹھہر سکتی۔

ایرانیوں کے متعلق بھی انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ہر میدان میں انہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی ہے اور عیسائیوں کو آگے کر کے خود بھاگ آتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ایران کے بادشاہوں اور اُن کے حاکموں نے انہیں زر خرید غلام بنائے رکھا اور ان کے حقوق بھی غصب کیے تھے۔

خالدؓ نے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کر کے ان سے اطاعت بھی قبول کروالی اور انہی میں سے عمال مقرر کر کے محصولات وغیرہ کی فراہمی کا بندوبست کر دیا۔ انہیں مذہبی فرائض کی ادائیگی میں پوری آزادی دی۔ ان لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ مسلمان ان کی آئی خوبصورت عورتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ خالدؓ نے ان کے ساتھ معاہدے میں یہ بھی شامل کیا کہ مسلمان ان کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

"ولید کے بیٹے!"۔۔۔ ایک قبیلے کے بوڑھے سردار نے خالدؓ سے کہا تھا۔۔۔ "نوشیرواں عادل کے دور میں ایسا ہی انصاف تھا۔ یہ ہمیں بڑی لمبی مدت بعد نصیب ہوا ہے۔"

خالدؓ نے دریائے فرات کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ آگے عراق (فارس کے زیر نگیں) کی سرحد ختم ہوتی اور رومیوں کی سلطنت شروع ہوتی تھی۔ شام پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ خالدؓ نے بڑے خطرے مول لیے تھے مگر یہ خطرہ جس میں وہ جا رہے تھے، سب سے بڑا تھا اور مسلمانوں کی فتوحات پر پانی پھیر سکتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یکے بعد دیگرے اتنی زیادہ فتوحات نے خالدؓ کا دماغ خراب کر دیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ حقائق کا جائزہ لے کر سوچتے تھے۔ ان کا کوئی قدم بلا سوچے نہیں اٹھتا تھا۔

"خدا کی قسم، ہم نے مدینہ کو زرتشت کے پجاریوں سے محفوظ کر لیا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا۔۔۔ "اب ایسا خطرہ نہیں رہا کہ وہ ہماری خلافت کے مرکز پر حملہ کریں گے۔"

"کیا یہ اللہ کا کرم نہیں کہ فارسیوں کو اب اپنے مرکز کا غم لگ گیا ہے؟"۔۔۔ سالار قعقاع بن عمرو نے کہا۔۔۔ "وہ اب عرب کی طرف دیکھنے سے بھی ڈریں گے۔"

"لیکن سانپ ابھی مرا نہیں"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "اگر ہم یہیں سے واپس چلے گئے تو کسریٰ کی فوج پھر اٹھے گی اور یہ علاقے واپس لینے کی کوشش کرے گی جو ہم نے فارسیوں سے چھین لیے ہیں۔ ہمیں ان کے راستے بند کرنے ہیں.... اور میرے بھائیو! کیا تم میں سے کسی نے ابھی سوچا نہیں کہ آتش پرستوں کے پہلو میں رومی ہیں۔ اگر رومیوں میں کچھ عقل ہے تو وہ اس صورتِ حال سے جو ہم نے عراق میں پیدا کر دی ہے، فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ آگے بڑھیں گے اور اگر وہ کامیاب ہو گئے تو عرب کے لیے وہی خطرہ پیدا ہو جائے گا جو اس سے پہلے ہمیں زرتشت کے پجاریوں سے تھا۔"

خالدؓ نے زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر اپنے سالاروں کو بتایا کہ وہ کون سا راستہ ہے جس سے رومی آسکتے ہیں اور وہ کون سا مقام ہے جہاں قبضہ کر کے ہم اس راستے کو بند کر سکتے ہیں۔

وہ مقام فراض تھا۔ یہ شہر فرات کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ وہاں سے رومیوں اور فارسیوں کی یعنی شام اور عراق کی سرحدیں ملتی تھیں۔ عراق کے زیادہ تر علاقے پر اب مسلمان قابض ہو گئے تھے۔ یہی علاقے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خطرے میں تھے۔ فراض سے خشکی کے راستے کے علاوہ رومی یا فارسی دریائی راستہ بھی اختیار کر سکتے تھے۔ مشہور یورپی مؤرخ لین پول اور ہنری سمتھ جو جنگی امور پر زیادہ نظر رکھتا تھا، لکھتے ہیں کہ خالدؓ نہ صرف میدان جنگ میں دشمن کو غیر متوقع چالیں چل کر شکست دینے کی اہلیت رکھتے تھے بلکہ جنگی تدبّر بھی اُن میں موجود تھا اور اُن کی نگاہ دُور دُور تک دیکھ سکتی تھی۔ وہ آنے والے وقت کے خطروں کو پہلے ہی بھانپ لیا کرتے تھے۔

خالدؓ جب فراض کی طرف کوچ کر رہے تھے اُس وقت ایک خطرے سے وہ آگاہ نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دشمن فوجوں کے درمیان آجائیں گے۔

ن

رومیوں کے دربار میں ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جن میں ضروری پن تھا اور صاف پتہ چلتا تھا کہ کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ تختِ شاہی کے سامنے رومی فوج کے بڑے بڑے جرنیل بیٹھے تھے۔

"خبر ملی ہے کہ مسلمان فراض تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا ارادہ کیا ہے"۔

"وہ کسی اچھے ارادے سے تو نہیں آئے.... کیا آپ کو فارسیوں کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی؟"

"اُن کے پاس مدائن کے سوا کچھ نہیں رہا"۔

"پھر ہمیں انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ پیشتر اس کے کہ مسلمان ہمارے ملک میں داخل ہو جائیں ہمیں اُن پر حملہ کر دینا چاہیئے"۔

"کیا تم سے بڑھ کر کوئی احمق ہماری فوج میں ہوگا؟ کیا تم نے سنا نہیں کہ فارس کی فوج کو اور ان کے ساتھی ہزارہا عیسائیوں کو ان مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ ہر جگہ شکست دی ہے بلکہ ان کے نامور جرنیلوں کو اور ہزاروں سپاہیوں کو مار ڈالا ہے؟"

"آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ یہ دیکھنا ضروری ہے کہ مدینہ والوں کا لڑنے کا طریقہ کیا ہے"۔

"بہت ضروری ہے دیکھنا۔ وہ جو اتنی تھوڑی تعداد میں اتنی زیادہ تعداد کو شکست دے کر ختم کر چکے ہیں، ان کا کوئی خاص طریقۂ جنگ ہوگا۔ ہم بھی فارس کی فوج کے خلاف لڑ چکے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نے فارسیوں کو شکست دی تھی لیکن ہماری فوج کی نفری اُن سے زیادہ تھی"۔

"اَب میرا فیصلہ سُن لو۔ ہم فارسیوں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے"۔

"فارسیوں کو ساتھ ملا کر؟ کیا ہمیں بھول جانا چاہیے کہ فارسیوں کے ساتھ ہماری دشمنی ہے؟ ہماری آپس میں جنگیں ہو چکی ہیں"۔

"ہاں! ہمیں بھول جانا چاہیے۔ مسلمان ان کے اور ہمارے مشترکہ دشمن ہیں۔ ایسے دشمن کو شکست دینے کے لیے اپنے دشمن کو دوست بنا لینا دانشمندی ہوتی ہے۔ ہم فارسیوں کی طرح شکست نہیں کھانا چاہتے۔ اگر فارسی ہمارے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیتے ہیں تو ان کے ساتھ عیسائی قبیلے بھی آ جائیں گے"۔

اس فیصلے کے مطابق رومیوں کا ایلچی دوستی کا پیغام لے کر مدائن گیا تو آتش پرستوں نے بازو پھیلا کر ایلچی کا استقبال کیا۔ تحائف کا تبادلہ ہُوا اور ایلچی کے ساتھ ہی معاہدے کی شرطیں طے ہو گئیں۔ فارس والوں کو اپنا تختِ الٹتا نظر آ رہا تھا۔ رومیوں کے پیغام کو انہوں نے غیبی مدد سمجھا۔

مدائن کے دربار سے ان تمام عیسائی قبیلوں کے سرداروں کو بلاوا بھیجا گیا۔ یہ وہ تین قبیلے بنی تغلب نمر اور ایاد تھے جو مسلمانوں سے بہت بُری شکست کھا چکے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ انہیں جوں ہی اطلاع ملی تو وہ فوراً مدائن پہنچے۔ وہ اپنے ہزارہا مقتولین کا انتقام لینا چاہتے تھے اور وہ اسلام کے پھیلاؤ کو بھی روکنا چاہتے تھے۔ ان قبیلوں میں جو لڑنے والے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ جواں سال آدمی بہت کم رہ گئے تھے۔ اب اکثریت ادھیڑ عمر لوگوں کی تھی۔

خالدؓ کا فراض کی طرف کوچ اُن کی خودسری کا مظاہرہ تھا۔ امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ نے انہیں صرف فارس والوں سے لڑنے کی اجازت دی تھی۔ امیر المومنین کو تو یہ بھی توقع نہیں تھی کہ اپنی اتنی کم فوج فارس جیسی طاقتور فوج کو شکست دے گی لیکن امیر المومنین ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کہ اتنی لڑائیاں لڑ کر رومیوں سے بھی ٹکر لی جائے۔ رومیوں کی فوج فارسیوں کی فوج سے بہتر تھی۔

یہ خالدؓ کا اپنا فیصلہ تھا کہ فراض کے مقام پر جا کر رومیوں اور فارسیوں کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ خالدؓ چین سے بیٹھنے والے سالار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ وہ رسولِ اکرمؐ کے جنگی اصولوں کے [illegible] تھے۔ مثلاً یہ کہ دشمن کے سر پر سوار رہو۔ اگر دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہے تو اُس کے حملے کا انتظار [illegible] کرو، آگے بڑھو اور حملہ کر دو۔ خالدؓ نے اپنے آپ پر جہاد کا جنون طاری کر رکھا تھا۔

ن

جب خالدؓ کے جاسوسوں نے انہیں اطلاعیں دینی شروع کیں تو خالدؓ کے چہرے پر ایسی سنجیدگی طاری ہو گئی جو پہلے کم ہی کبھی طاری ہوئی تھی۔ انہیں پتہ چلا کہ وہ دو فوجوں کے درمیان آ گئے ہیں۔ ایک طرف رومی دوسری طرف فارسی اور ان کے ساتھ عیسائی قبیلوں کے بھی لوگ تھے۔ خالدؓ کے ساتھ نفری پہلے سے کم ہو گئی تھی کیونکہ جو علاقے انہوں نے فتح کیے تھے وہیں اپنی کچھ نفری کا ہونا لازمی تھا۔ بغاوت کا بھی خطرہ تھا اور آتش پرست فارسیوں کے جوابی حملے کا بھی۔

خالدؓ فراض میں رمضان ۱۲ھ کے آخری (دسمبر ۶۳۳ء کے پہلے) ہفتے میں پہنچے تھے۔ مجاہدین روزے سے تھے۔

مسلمانوں کی فوج دریائے فرات کے ایک کنارے پر خیمہ زن تھی۔ دوسرے کنارے پر بالکل سامنے رومی، ایرانی اور عیسائی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ دونوں طرف کے سنتری فرات کے کناروں پر ہر وقت پہرے پر کھڑے رہتے اور گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار دریا کے کناروں پر پھرتے رہتے تھے۔ خود خالدؓ دریا کے کنارے دور تک چلے جاتے اور دشمن کو دیکھتے تھے۔

ایک شام رومیوں اور ایرانیوں کی خیمہ گاہ میں ہڑبونگ مچ گئی اور وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں کے کیمپ سے ایک شور اٹھا تھا اور دف اور نقارے بجنے لگے تھے۔ تمام فوج اچھل کود کر رہی تھی۔ دشمن اسے حملے سے پہلے کا شور سمجھا۔ اس کے سالار وغیرہ فرات کے کنارے پر آ کر دیکھنے لگے۔

"ان کے گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے ہوئے ہیں"۔۔۔ دشمن کے کسی آدمی نے چلا کر کہا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"وہ تیاری کی حالت میں نہیں"---کسی اور نے کہا۔

"وہ دیکھو"---ایک اور نے کہا---"آسمان کی طرف دیکھو۔ مسلمانوں نے عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ آج رات اور کل سارا دن یہ لوگ خوشیاں منائیں گے"۔

اگلے روز مسلمانوں نے ہنگامہ خیز طریقے سے عیدالفطر کی خوشیاں منائیں۔ اسی خوشی میں فتوحات کی مسرتیں بھی شامل تھیں۔ مسلمان جب عید کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو دریا کے کنارے اور کیمپ کے اردگرد سنتریوں میں اضافہ کر دیا گیا تاکہ دشمن نماز کی حالت میں حملہ نہ کر سکے۔

"مجاہدین اسلام!" خالدؓ نے نماز کے بعد مجاہدین سے مختصر سا خطاب کیا---"نماز کے بعد ایسے انداز سے اس تقریبِ سعید کی خوشیاں مناؤ کہ دشمن یہ تاثر لے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں اور انہیں اپنی فتح کا پورا یقین ہے۔ دریا کے کنارے جا کر ناچو کودو۔ تم نے جس طرح دشمن پر اپنی تلوار کی دھاک بٹھائی ہے اس طرح اس پر اپنی خوشیوں کی دہشت بٹھا دو، لیکن میرے رفیقو! اس حقیقت کو نہ بھولنا کہ تم اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ایک سے ایک کٹھن آزمائش میں پورے اترے ہو، مگر اب تمہارے سامنے سب سے زیادہ کٹھن اور خطرناک آزمائش آگئی ہے۔ تمہارا سامنا اِس وقت کی دو طاقتور فوجوں سے ہے جنہیں عیسائیوں کی مدد بھی حاصل ہے۔ میں جانتا ہوں تم جسمانی طور پر لڑنے کے قابل نہیں رہے، لیکن اللہ نے تمہیں رُوح کی جو قوتیں بخشی ہیں اُنہیں کمزور نہ ہونے دینا، کیونکہ تم اِن قوتوں کے بل پر دشمن پر غالب آتے چلے جا رہے ہو۔ میں بتا نہیں سکتا کل کیا ہوگا۔ ہر خطرے کے لئے تیار رہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے"۔

خالدؓ کے خاموش ہوتے ہی مجاہدین کے نعروں نے اَرض و سما کو ہلا ڈالا۔ پھر سب دوڑتے کودتے دریا کے کنارے جا پہنچے۔ اُنہوں نے دریا کے کنارے گھوڑے بھی دوڑائے اور ہر طرح عید کی خوشی منائی۔

خالدؓ کے سالاروں کو توقع تھی کہ خالدؓ بن ولید یہاں بھی شب خُون کی سوچ رہے ہوں گے۔ خالدؓ نے اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی سالاروں کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ فوجیں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ آخر خالدؓ نے اپنے سالاروں کو مشورے، تجاویز اور احکام کے لیے بلایا۔

"میرے رفیقو!---خالدؓ نے کہا---"شاید تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ یہاں بھی شب خُون مارا جائے گا لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ یہاں صورتِ حال شب خون والی نہیں۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم ہمیشہ قلیل تعداد میں لڑے ہیں لیکن یہاں ہمارے درمیان دریا حائل ہے۔ دشمن اس دریا سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ دشمن اتنی زیادہ تعداد کے باوجود ہم پر حملہ نہیں کر رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احتیاط سے کام لے رہا ہے۔ ہمارے لیے بہتر یہ ہے کہ اُس کی احتیاط کو ہم اور طول دیں اور حملے میں پہل نہ کریں۔ میں چاہتا ہوں کہ حملے میں وہ پہل کرے۔ اگر تم کوئی مشورہ دینا چاہو تو میں اُس پر غور اور عمل کروں گا"۔

تقریباً تمام سالاروں نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم پہل نہ کریں اور کوئی ایسی صورت پیدا کریں کہ دشمن دریا عبور کر آئے۔ کچھ دیر سالاروں نے بحث مباحثہ کیا اور ایک تجویز پر متفق ہو گئے اور اُسی روز اُس پر عمل شروع کر دیا گیا۔ اس کے مطابق کوئی ایک دستہ تیار ہو کر دریا کے ساتھ کسی طرف چل پڑتا۔ دشمن یہ

سمجھتا کہ مسلمان کوئی نقل و حرکت کر رہے ہیں چنانچہ اُسے بھی اس کے مطابق کوئی نقل و حرکت یا پیش بندی کرنی پڑتی۔

یہ سلسلہ پندرہ سولہ دن چلتا رہا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی مسلمانوں کی ان حرکات سے تنگ آ گئے۔ وہ پہلے مسلمانوں کے خلاف کسی میدان میں نہیں لڑے تھے۔ اُن کے سالاروں کے ذہنوں پر یہ بات آسیب کی طرح سوار ہو گئی تھی کہ جس قلیل فوج نے فارسیوں جیسی طاقتور فوج کو ہلنے کے قابل نہیں چھوڑا وہ فوج کوئی خاص داؤ چلتی ہے جسے ان کے سوا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ خالدؓ دشمن پر نفسیاتی وار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ اس صُورتِ حال میں بھی انہوں نے رومیوں کو تذبذب میں مبتلا کر کے اُن کے ذہنوں پر ایسا نفسیاتی اثر ڈالا کہ وہ نہ کچھ سمجھنے کے اور نہ کوئی فیصلہ کرنے کے قابل رہے۔

۲۱ جنوری ۶۳۴ء (۱۵ ذلیقعد ۱۲ھ) کے روز دشمن اس قدر تنگ آگیا کہ اُس کے ایک سالار نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر بڑی بلند آواز سے مسلمانوں سے کہا---"کیا تم دریا پار کر کے اِدھر آؤ گے یا ہم دریا پار کر کے اُدھر آجائیں؟ لڑنا ہے تو سامنے آؤ"۔

"ہم تعداد میں بہت تھوڑے ہیں"---خالدؓ بن ولید نے اعلان کر دیا---"ہم سے ڈرتے کیوں ہو؟ تمہاری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ تمہیں ہم سے پوچھے بغیر اِدھر آجانا چاہیئے"۔

"پھر سنبھل جاؤ"---دشمن کی طرف سے للکار سنائی دی---"ہم آرہے ہیں"۔

دشمن نے دریا عبور کرنا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو دریا کے کنارے سے ہٹا کر کچھ دور لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ حسبِ معمول ان کی فوج تین حصّوں میں بٹی ہوئی تھی اور خالدؓ خود درمیانی حصّے کے ساتھ تھے۔ جنگی مبصّروں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے دشمن کے لیے اتنی زیادہ جگہ خالی کر دی کہ دشمن اور اس کے پیچھے دریا، ان دونوں کے درمیان اتنی جگہ خالی رہے کہ اس کے عقب میں جانا پڑے تو جگہ مل جائے ورنہ دریا ان کے عقب کی حفاظت کرتا۔

جب دشمن میدان میں آگیا تو رومی جرنیلوں نے فارسیوں اور عیسائیوں کے لشکر کو ان کے قبیلوں کے مطابق تقسیم کر دیا۔ انہوں نے ایرانی سالاروں سے کہا کہ اس تقسیم سے یہ پتہ چل جائے گا کہ کون کس طرح لڑا ہے۔ بھاگنے والوں کے قبیلے کا بھی علم ہو جائے گا۔

یہ تقسیم اس طرح ہُوئی کہ رومی الگ ہو گئے۔ مدائن کی فوج اُن سے کچھ دور الگ ہو گئی اور عیسائیوں کے قبیلے مدائن کی فوج سے الگ اور ہر قبیلہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گیا۔ رومی جرنیلوں نے (مؤرخوں کے مطابق) یہ تقسیم اس لیے بھی کی تھی کہ مسلمانوں کو بھی اس تقسیم کے مطابق اپنی تقسیم کرنی پڑے گی جس کے نتیجے میں وہ بکھر جائیں گے اور انہیں آسانی سے شکست دی جا سکے گی۔

"میرے رفیقو!"---خالدؓ نے دشمن کو اس طرح تقسیم ہوتے دیکھ کر اپنے سالاروں کو بلایا اور اُن سے کہا---"خُدا کی قسم، دشمن خود احمق ہے یا ہمیں احمق سمجھتا ہے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ دشمن نے اپنی جمعیّت کو کس طرح بکھیر دیا ہے؟"

"دشمن نے ہمارے لیے مشکل پیدا کر دی ہے ابنِ ولید!"---سالار قعقاع بن عمرو نے کہا---"اس کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

مطابق ہمیں بھی بکھرنا پڑے گا۔ پھر ایک ایک کا مقابلہ دس دس کے ساتھ ہوگا۔"

"دماغوں کو روشنی دینے والا اللہ ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"ہم آمنے سامنے کی لڑائی نہیں لڑیں گے۔ سوار دستوں کے سالار سن لیں۔ فوراً سوار دو حصّوں میں تقسیم ہوکر دشمن کے دائیں اور بائیں چلے جائیں۔ پیادے بھی ان کے ساتھ رہیں اور دائیں بائیں پہنچ کر عقب میں جانے کی کوشش کریں۔ میں اپنے دستوں کے ساتھ دشمن کے سامنے رہوں گا۔ دشمن پر ہر طرف سے شدید حملہ کردو۔ دشمن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوا۔ چاروں طرف سے دشمن پر ایسا حملہ کرو کہ اُس کی تقسیم درہم برہم ہو جائے۔ اللہ کا نام لو اور نکل جاؤ۔"

رومی، ایرانی اور عیسائی تقسیم تو ہو گئے تھے لیکن ابھی لڑائی کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ خالدؓ کے اشارے پر مسلمانوں نے ہر طرف سے اُن پر حملہ کر دیا۔ دشمن پر جب حملے کے ساتھ ہر طرف سے تیر برسنے لگے تو اُس کے بٹے ہوئے حصّے اندر کی طرف ہونے لگے اور ہوتے ہوتے وہ ہجوم کی صورت میں یکجا ہو گئے۔ مسلمان سواروں نے تھوڑی سی تعداد میں ہوتے ہوتے اتنے کثیر دشمن کو گھیرے میں لے لیا۔ دشمن کی حالت ایک گھنے ہجوم کی سی ہوگئی جس سے گھوڑوں کے گھومنے پھرنے کے لیے جگہ نہ رہی۔ ایرانی اور عیسائی پہلے ہی مسلمانوں سے ڈرے ہوئے تھے۔ وہ چھپنے یا پیچھے ہٹنے کے انداز سے رومی دستوں کے اندر چلے گئے اور انہیں حرکت کے قابل نہ چھوڑا۔

مسلمان سواروں نے دوڑتے گھوڑوں سے دشمن کے اس ہجوم پر تیر برسائے جن سے دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور زیادہ سمٹ گئی۔ اس کیفیّت میں پیادہ مجاہدین نے ہلّہ بول دیا۔ عقب سے حملہ ایک سوار دستے نے کیا۔ خالدؓ نے اپنے تمام دستوں کو ایک ہی بار حملے میں نہ جھونک دیا۔ دستے باری باری حملہ کرتے تھے۔

خالدؓ نے ایسی چال چلی تھی کہ لڑائی کی صورت لڑائی کی نہ رہی بلکہ یہ رومیوں، آتش پرستوں اور عیسائیوں کا قتلِ عام تھا۔ رومیوں نے دفاعی لڑائی لڑنے کی کوشش کی لیکن میدان اُس کے زخمیوں اور اُس کی لاشوں سے بھر گیا۔ سپاہیوں کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ میدان سے بھاگنے لگے۔

"پیچھے جاؤ"۔۔۔ خالدؓ نے حکم دیا۔۔۔"ان کے پیچھے جاؤ۔ کوئی زندہ بچ کر نہ جائے۔"

مجاہدین نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں کو تیروں اور برچھیوں سے ختم کیا اور معرکہ ختم ہوگیا۔ تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس معرکے میں ایک لاکھ رومی، ایرانی اور عیسائی مارے گئے۔ ایک بہت بڑی اتحّادی فوج ختم ہوگئی۔ مسلمانوں کی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔

خالدؓ دس روز وہیں رہے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے وہاں کا انتظامی ڈھانچہ مکمل کیا۔ ایک دستہ وہاں چھوڑا اور ۳۱ جنوری ۶۳۴ء (۲۵ ذلیقعد ۱۲ھ) کے روز لشکر کو حیرہ کی طرف کوچ کا حکم دیا۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے ابنِ ولید چُپ سا ہو گیا ہے؟"۔۔۔ ایک سالار اپنے ایک ساتھی سالار سے کہہ رہا تھا۔۔۔"خدا کی قسم، میں نہیں مانوں گا کہ ابنِ ولید تھک گیا ہے یا مسلسل معرکوں سے اُکتا گیا ہے۔"

"اور میں یہ بھی نہیں مانوں گا کہ ابنِ ولید ڈر گیا ہے کہ وہ اپنے مستقر سے اتنی دُور دشمن ملک کے اندر آ گیا ہے"۔۔۔ دوسرے سالار نے کہا۔۔۔"لیکن میں اسے کسی سوچ میں ڈوبا ہُوا ضرور دیکھ رہا ہوں۔"

"ہاں، وہ کچھ اور سوچ رہا ہے۔"

"پوچھ نہ لیں؟"

"ہم نہیں پوچھیں گے تو اور کون پوچھنے آئے گا؟"

خالدؓ سوچ میں ڈوب ہی جایا کرتے تھے۔ یہ ایک معرکے کی فراغت کے بعد اگلے معرکے کی سوچ ہوتی تھی۔ وہ سوچ سمجھ کر اور تمام تر دماغی قوّتوں کو بروئے کار لاکر لڑا کرتے تھے۔ دشمن کے پاس بے پناہ جنگی قوت تھی۔ وہ گہری سوچ کے بغیر اپنی فوج کی برتری اور افراط کے بل بوتے پر بھی لڑ سکتا تھا۔ مسلمان ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ان کی تعداد کسی بھی معرکے میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ان کی تعداد پندرہ اور اٹھارہ ہزار کے درمیان رہتی تھی۔ ایک ایک مجاہد کا مقابلہ تین سے چھ کفّار سے ہوتا تھا۔ لہٰذہ انہیں عقل اور ہوشمندی کی جنگ لڑنی پڑتی تھی۔

ایسی عقل اور ہوشمندی میں خالدؓ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ انہی اوصاف کی بدولت رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں اللہ کی تلوار کہا تھا۔ جذبہ تو خالدؓ میں تھا ہی لیکن انہیں دماغ زیادہ لڑانا پڑتا تھا۔ ہر معرکے سے پہلے خالدؓ جاسوسوں سے دشمن کی کیفیت اور اُس کی زمین اور نفری وغیرہ کی تفصیلات معلوم کر کے گہری سوچ میں ڈوب جاتے پھر اپنے سالاروں سے صلاح مشورہ کرتے تھے لیکن فراض کی جنگ کے بعد اُن پر ایسی خاموشی طاری ہوگئی تھی جو کچھ اور ہی قسم کی تھی۔ اُن کی اس خاموشی کو دیکھ کر اُن کے سالار کچھ پریشان سے ہو رہے تھے۔ یہ فراض سے حیرہ کی طرف کوچ (۲۵ ذلیقعد ۱۲ ہجری) سے دو روز پہلے کا واقعہ ہے۔ تین چار سالار خالدؓ کے خیمے میں جا بیٹھے۔

"ابنِ ولید!"۔۔۔ سالار قعقاع بن عمرو نے کہا۔۔۔"خُدا کی قسم، جس سوچ میں تُو ڈوبا ہُوا ہے اس کا تعلق کسی لڑائی کے ساتھ نہیں۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تجھے اکیلا پریشان نہیں ہونے دیں گے۔"

خالدؓ نے سب کی طرف دیکھا اور مُسکرائے۔

"ابنِ عمرو ٹھیک کہتا ہے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔"میں جس سوچ میں پڑا رہتا ہوں اس کا تعلق کسی لڑائی کے ساتھ نہیں۔"

"کچھ ہمیں بھی بتا ابنِ ولید!"۔۔۔ ایک اور سالار نے کہا۔۔۔"خُدا کی قسم، تُو پسند نہیں کرے گا کہ ہم سب تجھے دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتے رہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

”نہیں پسند کروں گا“ — خالدؓ نے کہا — ”تم میں سے کوئی بھی پریشان ہوگا تو یہ مجھے ناپسند ہوگا۔ میں کسی لڑائی کے لیے کبھی پریشان نہیں ہُوا۔ تین تین دشمنوں کی فوجیں مِل کر ہمارے خلاف آئیں میں پریشان نہیں ہُوا۔ میں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہُوئے رومیوں کو جاللکارا۔ میں نے ایک خطرہ مول لیا تھا۔ میں پریشان نہیں ہُوا۔ مجھے ہر میدان میں اور ہر مشکل میں اللہ نے روشنی دکھائی ہے اور تمہیں اللہ نے ہمّت دی ہے کہ تم اتنے جری دشمن پر غالب آئے ....

”اب میری پریشانی یہ ہے کہ میں فریضۂ حج ادا کرنا چاہتا ہُوں لیکن تم دیکھ رہے ہو میں کہاں ہوں اور میری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ کیا میں اس فرض کو چھوڑ کر حج کا فرض ادا کر سکتا ہوں؟ .... نہیں کر سکتا میرے رفیقو! لیکن میرا دل میرے قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ خُدا کی قسم، یہ میری روح کی آواز ہے کہ ولید کے بیٹے، کیا تجھے یقین ہے کہ تُو اگلے حج تک زندہ رہے گا؟ .... مجھے یقین نہیں میرے رفیقو! ہم نے جن دو دشمنوں کو شکستیں دی ہیں، ان کی جنگی طاقت تم نے دیکھ لی ہے اور تم نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ تمام قبیلے فوراً اُن سے جا ملتے ہیں۔ ابھی ہمیں بڑی خونریز جنگیں لڑنی ہیں۔ فارسی اور رُومی تیار ہو کر ہم سے شکستوں کا انتقام لیں گے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری زندگی چند روز رہ گئی ہے ....

”اور میرے رفیقو! میں کچھ بھی نہیں۔ تم کچھ بھی نہیں۔ صرف اللہ ہے جو ہمارے سینوں میں ہے وہی سب کچھ ہے، پھر میں کیوں نہ اُس کے حضور اُس کے عظیم گھر میں جا کر سجدہ کروں۔ کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ میں اپنی طرف سے، تم سب کی طرف سے اور ہر ایک مجاہد کی طرف سے خانہ کعبہ جا کر اللہ کے حضور شکر ادا کروں؟“

”بے شک، بے شک“ — ایک سالار نے کہا — ”کون رد کر سکتا ہے اس جذبے کو اور اِس خواہش کو جو تُو نے بیان کی ہے!“

”لیکن تُو حج پہ جائے گا کیسے ابنِ ولید!“ — مثنیٰ بن حارثہ نے پوچھا — ”پیچھے کچھ ہو گیا تو....“

”میں کسی لڑائی میں مارا جاؤں گا تو خدا کی قسم تم یہ نہیں سوچو گے کہ اب کیا ہوگا“ — خالدؓ نے کہا — ”کیا میرے نہ ہونے سے تمہارے حوصلے ٹوٹ جائیں گے؟ .... نہیں .... نہیں .... ایسا نہیں ہوگا۔“

”ربِّ کعبہ کی قسم، ایسا نہیں ہوگا“ — قعقاع بن عمرو نے کہا — ”ہم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہوگا تو وہ اسلام کے پرچم کو گرنے نہیں دے گا.... یوں کر ابن ولید! آج ہی قاصد کو روانہ کر دے کہ وہ امیر المومنین سے اجازت لے آئے کہ تو حج پہ جا سکتا ہے۔“

”جس سوچ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے وہ یہی سوچ ہے“ — خالدؓ نے مُسکرا کر کہا — ”میں جانتا ہوں امیر المومنین اجازت نہیں دیں گے۔ انہیں یہاں کے حالات کا علم ہے۔ اگر وہ اجازت دے بھی دیں تو یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ دشمن کو پتہ چل جائے گا کہ ابنِ ولید چلا گیا ہے۔ میں اپنے لشکر کو بھی نہیں بتانا چاہتا کہ میں ان کے ساتھ نہیں ہُوں۔ میں بہت کم وقت میں جا کر واپس آنا چاہتا ہوں۔“

”خُدا کی قسم، ولید کے بیٹے!“ — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — ”تُو نہیں جانتا کہ تُو جو کہہ رہا ہے یہ ناممکن ہے۔“

”اللہ ناممکن کو ممکن بنا دیا کرتا ہے“ — خالدؓ نے کہا — ”انسان کو ہمّت کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں کیا کروں گا اور کس راستے سے جاؤں گا۔“

خالدؓ نے انہیں پہلے یہ بتایا کہ وہ کیا کریں پھر وہ راستہ بتایا جس راستے سے انہیں حج کے لیے مکّہ جانا اور آنا تھا۔ حج میں صرف چودہ دن باقی تھے اور فراض سے مکّہ تک کی مسافت تیز چلنے سے اڑھائی مہینے سے کچھ زیادہ تھی۔ خالدؓ کو کوئی چھوٹا راستہ دیکھنا تھا لیکن کوئی راستہ چھوٹا نہیں تھا۔ خالدؓ تاجر خاندان کے فرد تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے خالدؓ نے تجارت کے سلسلے میں بڑے لمبے اور کٹھن سفر کیے تھے۔ وہ ایسے راستوں سے بھی واقف تھے جو عام راستے نہیں تھے بلکہ وہ راستے کہلاتے ہی نہیں تھے۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو ایک ایسا ہی راستہ بتایا۔

”خُدا کی قسم ابنِ ولید!“ — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — ”تیرا دماغ خراب نہیں ہُوا پھر بھی تُو نے ایسی بات کہہ دی ہے جو ٹھیک دماغ والے نہیں کہہ سکتے۔ تُو جو راستہ بتا رہا ہے وہ کوئی راستہ نہیں، وہ ایک علاقہ ہے اور اس علاقے سے صحرا کی ہوائیں بھی ڈر ڈر کر گزرتی ہیں۔ کیا تُو مرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں جانتا! کیا میں اس علاقے سے واقف نہیں؟“

”جس اللہ نے ہمیں اتنے زبردست دشمنوں پر غالب کیا ہے وہ مجھے اس علاقے سے بھی گزارے گا“ — خالدؓ نے ایسی مسکراہٹ سے کہا جس میں عزم اور خود اعتمادی تھی — ”میں یقین سے کہتا ہوں کہ تم مجھے جانے سے نہیں روکو گے اور میرے اس راز کو اس خیمے سے باہر نہیں جانے دو گے۔ میں یہ راز امیر المومنین سے بھی چھپا کر رکھوں گا۔“

”اگر امیر المومنین بھی حج پر آ گئے تو کیا کرے گا تُو؟“ — ایک سالار نے پوچھا۔

”میں اُن سے اپنا چہرہ چھپا لوں گا“ — خالدؓ نے کہا — ”تم سب میرے لیے دعا تو ضرور کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس طرح تم سے آملوں گا کہ تم کہو گے کہ یہ شخص راستے سے واپس آ گیا ہے۔“

زیادہ تر مؤرخین خصوصاً طبری نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ خالدؓ نے ۱۲ ہجری کا حج کس طرح کیا۔ ان حالات میں کہ ان کی ٹکر فارس کی شہنشاہی سے تھی اور اُنہوں نے روم کی شہنشاہی کے اندر جا کر حملہ کیا تھا یہ خطرہ ہر لمحے موجود تھا کہ یہ دونوں بادشاہیاں مل کر جوابی حملہ کریں گی۔ اس خطرے کے پیشِ نظر خالدؓ وہاں سے غیر حاضر نہیں ہو سکتے تھے لیکن حج کا عزم اتنا پکّا اور خواہش اتنی شدید تھی کہ اسے وہ دبا نہ سکے۔

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ لشکر فراض سے حیرہ کو کوچ کر رہا تھا۔ خالدؓ نے لشکر کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ ہراول تھا، دوسرا اس کے پیچھے اور تیسرا حصّہ عقب میں تھا۔ خالدؓ نے خاص طور پر اعلان کرایا کہ وہ عقب کے ساتھ ہوں گے۔ لشکر کو حیرہ تک پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ تیز کُوچ اس صورت میں کیا جاتا تھا جب کہیں حملہ کرنا ہوتا یا جب اطلاع ملتی تھی کہ فلاں جگہ دشمن حملے کی تیاری کر رہا ہے۔ اب ایسی صورت نہیں تھی۔

لشکر کے کوچ کی رفتار تیز نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی یہ کوچ میدانِ جنگ کی طرف نہیں بلکہ اپنے مفتوحہ شہر کی طرف ہو رہا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجاہدین متواتر لڑائیاں لڑتے اور پیش قدمی کرتے رہے تھے۔ اُن کے جسم شل ہو چکے تھے۔ خالدؓ نے کوچ معمولی رفتار سے کرنے کا حکم ایک اور وجہ سے بھی دیا تھا۔ اس وجہ کا تین سالاروں اور خالدؓ کے چند ایک ساتھیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وہ وجہ یہ تھی کہ خالدؓ کو کوچ کے دوران لشکر کے عقبی حصّے سے کھسک جانا تھا اور ایک گمنام راستے سے مکّہ کو روانہ ہونا تھا۔ لشکر ۳۱ جنوری ۶۳۴ء کے روز چل پڑا۔ تاریخ میں اُس مقام کا پتہ نہیں ملتا جہاں لشکر نے پہلا پڑاؤ کیا تھا۔ رات کو جب لشکر گہری نیند سو گیا تو خالدؓ اپنے چند ایک ساتھیوں کے ساتھ خیمہ گاہ سے نکلے اور غائب ہو گئے۔ کسی بھی مؤرخ نے اُن کے ساتھیوں کے نام نہیں لکھے جو اُن کے ساتھ حج کو گئے تھے۔

خالدؓ اور اُن کے ساتھی اونٹوں پر سوار تھے جس علاقے میں سے انہیں گزرنا تھا، وہاں سے صرف اونٹ گزر سکتا تھا۔ گھوڑا بھی جواب دے جاتا تھا۔ صحراؤں میں بعض علاقے بے حد دشوار گزار ہوتے تھے۔ مسافر اُدھر سے گزرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ صحرائی قزاق اور بڑے پیمانے پر رہزنی کرنے والے انہی علاقوں میں رہتے تھے اور لُوٹ مار کا مال وہیں رکھتے تھے۔ ان میں کچھ علاقے ایسے خوفناک تھے کہ قزاق اور رہزن بھی ان میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اُس دَور میں صحرا کے جس علاقے کو دشوار گزار اور خطرناک کہنا ہوتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ وہاں تو ڈاکو اور رہزن بھی نہیں جاتے۔

خالدؓ نے مکّہ تک جلدی پہنچنے کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ ایسا ہی تھا جہاں ڈاکو اور رہزن بھی نہیں جاتے تھے۔ اتنے خطرناک اور وسیع علاقے سے زندہ گزر جانا ہی ایک کارنامہ تھا لیکن خالدؓ دنوں کی مسافت منٹوں میں طے کرنے کی کوشش میں تھے۔ انہیں صرف یہ سہولت حاصل تھی کہ موسم سردیوں کا تھا لیکن سینکڑوں میلوں تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔

اس علاقے میں ایک اور خطرہ ریت اور مٹی کے اُن ٹیلوں کا تھا جن کی شکلیں عجیب و غریب تھی۔ یہ کئی کئی میل وسیع نشیب میں کھڑے تھے۔ بعض چٹانوں کی طرح چوڑے تھے، بعض گول اور بعض ستونوں کی طرح اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے۔ ایسے نشیب بھول بھلیوں کی طرح تھے۔ ان میں بھٹک جانے کا خطرہ زیادہ تھا۔ گھوم پھر کر انسان وہیں کا وہیں رہتا اور سمجھتا تھا کہ وہ بہت سا فاصلہ طے کر آیا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک جگہ ہی چلتا اور مرتا تھک کر چُور ہو جاتا تھا۔ پانی پی پی کر پانی کا ذخیرہ وہیں ختم ہو جاتا تھا۔

اُس دَور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ صحرا کے اُس حصّے کی صعوبتیں، دشواریاں اور وہاں کے خطرے ایسے تھے جو دیکھے بغیر انسان کے تصوّر میں نہیں آ سکتے۔ کئی جگہوں پر اونٹ یوں بدک گئے جیسے اُنہوں نے کوئی ایسی چیز دیکھ لی ہو جو انسانوں کو نظر نہیں آ سکتی تھی۔ اونٹ صحرائی جانور ہونے کی وجہ سے اُس پانی کی بھی بُو پا لیتا ہے جو زمین کے نیچے ہوتا ہے۔ کہیں چشمہ ہو جو نظر نہ آتا ہو، اونٹ اپنے آپ اُس طرف چل پڑتا ہے۔ اُونٹ خطروں کو بھی دُور سے سونگھ لیتا ہے۔

خالدؓ کے مختصر سے قافلے کے اونٹ کئی جگہوں پر بدکے۔ ان کے سواروں نے اِدھر اُدھر اور پیچھے دیکھا مگر انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ زیادہ خطرہ صحرائی سانپ کا تھا جو ڈیڑھ یا زیادہ سے زیادہ دو بالشت کا ہوتا ہے۔ یہ دنیا کے دوسرے ملکوں کے سانپوں کی طرح آگے کو نہیں رینگتا بلکہ پہلو کی طرف رینگتا ہے۔ انسان یا جانور کو ڈس لے تو دو چار منٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ صحرائی بچھّو اس سانپ کی طرح زہریلا ہوتا ہے۔

ایک مؤرخ یعقوبی نے خالدؓ کے اس سفر کو بیان کرتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا ہے۔ اُس نے اپنے دور کے کسی عالم کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ ایک معجزے وہ تھے جو خدا نے پیغمبروں کو دکھاتے اور خالدؓ کا یہ

سفر اُن معجزوں میں سے تھا جو انسان اپنی خداداد قوتوں سے کر دکھایا کرتے ہیں۔

خالدؓ اپنے ساتھیوں سمیت بروقت مکّہ پہنچ گئے۔ انہیں اس خبر نے پریشان کر دیا کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ بھی فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے آئے ہُوئے ہیں۔ خالدؓ نے سنّت کے مطابق اپنا سر اُسترے سے منڈوا دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ اپنے چہرے چھپا کر رکھیں تاکہ کوئی انہیں پہچان نہ سکے۔

فریضہ حج ادا کر کے خالدؓ نے بڑی تیزی سے پانی اور دیگر زادِ راہ اکٹھا کیا اور واپسی کے سفر کو روانہ ہو گئے۔ یوں کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ ایک بار پھر موت کی وادی میں داخل ہو گئے۔

تمام مؤرخ متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ خالدؓ اُس وقت حیرہ پہنچے جب فراض سے چلا ہُوا اُن کا لشکر حیرہ میں داخل ہو رہا تھا۔ لشکر کا عقبی حصہ جس کے ساتھ خالدؓ کو ہونا چاہیئے تھا، وہ ابھی حیرہ سے کچھ دُور تھا۔ خالدؓ خاموشی سے عقبی حصے سے جا ملے اور حیرہ میں اس انداز سے داخل ہُوئے جیسے وہ فراض سے آ رہے ہوں۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ لشکر نے جب دیکھا کہ اُن کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ اور چند اور افراد کے سر اُسترے سے صاف کیے ہُوتے ہیں تو لشکر میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں لیکن سر منڈوانا کوئی عجیب چیز نہیں تھی۔ اگر لشکر کو خالدؓ خود بھی بتاتے کہ وہ حج کر کے آئے ہیں تو کوئی بھی یقین نہ کرتا۔

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ خالدؓ مطمئن تھے کہ انہیں مکّہ میں کسی نے نہیں پہچانا۔ چار مہینے گزر گئے۔ کسریٰ کے خلاف جنگی کارروائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ عراق کا بہت سا علاقہ کسریٰ سے چھین کر سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا گیا تھا۔ کسریٰ کی جنگی طاقت کا دم خم توڑ دیا گیا تھا۔ آتش پرست فارسیوں کی دھونس اور دھاندلی ختم ہو چکی تھی۔ یہ خطرہ اگر ہمیشہ کے لیے نہیں تو بڑی لمبی مدّت کے لیے ختم ہو گیا تھا کہ فارس کی جنگی طاقت حملہ کر کے مسلمانوں کو کچل ڈالے گی۔ فارسی آتش پرستوں کے نامور جرنیل قارن، ہرمز، بہمن جاذویہ، اندرزغر، رُوزبہ اور زرمہر اور دوسرے جن کی جنگی اہلیّت اور دہشت مشہور تھی، خالدؓ اور اُن کے مجاہدین کے ہاتھوں مختلف معرکوں میں مارے گئے تھے۔ ان جیسے جرنیل پیدا کرنے کے لیے بڑی لمبی مدت درکار تھی۔ اب تو پورے عراق میں اور مدائن کے محلّات کے اندر بھی ان مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی جنہیں انہی محلّات میں عرب کے بدّو اور ڈاکو کہا گیا تھا۔ سب سے بڑی فتح تو یہ تھی کہ اسلام نے اپنی عظمت کا احساس دلا دیا تھا۔

خالدؓ نے حیرہ میں چار مہینے گزار کر اپنے لشکر کو آرام کرنے کی مہلت دی اور اس خیال سے جنگی تربیّت بھی جاری رکھی کہ مجاہدینِ لشکر سست نہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اور محصولات کی وصولی کا نظام بھی بہتر بنایا۔

مئی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کو امیر المومنین ابوبکرؓ کا خط مِلا جس کا پہلا فقرہ خالدؓ کے حج کے متعلق تھا جس کے متعلق خالدؓ مطمئن تھے کہ امیر المومنین اس سے بے خبر ہیں۔ خط میں خالدؓ کے حج کا اشارہ کر کے صرف اتنا لکھا تھا — "آئندہ ایسا نہ کرنا" — باقی خط کا متن یہ تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عتیق بن ابو قحافہ کی طرف سے خالدؓ بن ولید کے نام — ایذر رہے کہ امیر المومنین اوّل

ابوبکرؓ کہلاتے تھے لیکن ان کا نام عبداللہ بن ابوقحافہ تھا اور عتیق اُن کا لقب تھا جو انہیں رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عطا فرمایا تھا) — السلام علیکم۔ تعریف اللہ کے لیے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ درود و سلام محمد الرسول اللہ پر....

"حیرہ سے کوچ کرو اور شام (سلطنتِ رُوما) میں اُس جگہ پہنچو جہاں اسلامی لشکر جمع ہے۔ لشکر اچھی حالت میں نہیں، مشکل میں ہے۔ میں اس تمام لشکر کا جو تم اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اُس لشکر کا جس کی مدد کو تم جا رہے ہو، سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ رومیوں پر حملہ کرو۔ اُبوعبیدہ اور اُس کے ساتھ کے تمام سالار تمہارے ماتحت ہوں گے....

"ابوسلیمان! (خالدؓ کا دوسرا نام) پختہ عزم لے کر پیش قدمی کرو۔ اللہ کی حمایت اور مدد سے اس مہم کو پورا کرو۔ اپنے لشکر کو جو اس وقت تمہارے پاس ہے، دو حصّوں میں کر دو۔ ایک حصّہ مثنیٰ بن حارثہ کے سپرد کر جاؤ۔ عراق (سلطنتِ فارس کے مفتوحہ علاقوں) کا سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ ہو گا۔ لشکر کا دوسرا حصّہ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے۔ اس کے بعد یہیں واپس آ جانا اور اس علاقے کے سپہ سالار تم ہو گے....

"تکبّر نہ کرنا کہ تکبّر اور غرور تمہیں دھوکہ دیں گے اور تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ کوتاہی نہ ہو۔ رحمت و کرم اللہ کے ہاتھ میں ہے اور نیک اعمال کا صلہ اللہ ہی دیا کرتا ہے۔"

خط پڑھتے ہی خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور کچھ کھسیانہ سا ہو کے انہیں بتایا کہ اُن کے خفیہ حج کا امیرالمومنین کو پتہ چل گیا ہے۔

"اور میں خوش ہوں اس پر کہ فراغت ختم ہو گئی ہے" — خالدؓ نے کہا — "ہم شام جا رہے ہیں۔"

خالدؓ تو جیسے میدانِ جنگ کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ قلعے اور شہر میں بیٹھنا انہیں پسند نہ تھا۔ اُنہوں نے سالاروں کو خط پڑھ کر سنایا اور تیاری کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے تمام صحابہ کرام کو اپنے ساتھ رکھا۔ صحابہ کرام کو لشکر میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

"ولید کے بیٹے!" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "خُدا کی قسم، میں اس تقسیم پر راضی نہیں ہوں جو تُو نے کی ہے۔ تُو رسُول اللہ کے تمام ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ صحابہ کرام کو بھی صحیح تقسیم کر۔ آدھے صحابہ کرام تیرے ساتھ جائیں گے آدھے میرے ساتھ رہیں گے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ انہی کی بدولت اللہ ہمیں فتح عطا کرتا ہے۔"

خالدؓ نے مسکرا کر صحابہ کرام کی تقسیم مثنیٰ بن حارثہ کی خواہش کے مطابق کر دی اور اپنے لشکر کے سالاروں کو حکم دیا کہ جتنی جلدی ممکن ہو، تیاری مکمل کریں۔

"اور یہ نہ بھولنا کہ ہم اپنے اُن بھائیوں کی مدد کو جا رہے ہیں جو وہاں مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں" — خالدؓ نے کہا — "ضائع کرنے کے لیے ہمارے پاس ایک سانس جتنا وقت بھی نہیں۔"

مسلمانوں کا وہ لشکر جو شام میں جا کر مشکل میں پھنس گیا تھا، وہ ایک سالار کی جلد بازی کا اور حالات

کو قبل از وقت نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ تھا۔ اُس نے شام کے اندر جا کر رومیوں پر حملہ کرنے کی اجازت امیرالمومنین سے اس طرح مانگی کہ جس طرح وہ خود آگے کے احوال و کوائف کو نہیں سمجھ سکا تھا، اسی طرح اُس نے امیرالمومنین کو بھی گمراہ کیا۔ امیرالمومنین ابوبکرؓ دانشمند انسان تھے۔ انہوں نے اس سالار کو حملہ کرنے کی کھلی چھٹی نہ دی بلکہ یہ لکھا:

"....رومیوں سے ٹکر لینے کی خواہش میرے دل میں بھی ہے اور یہ ہماری دفاعی ضرورت بھی ہے۔ رومیوں کی جنگی طاقت کو اتنا کمزور کر دینا ضروری ہے کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں لیکن ابھی ہم اُن سے ٹکر نہیں لے سکتے۔ تم اُن کے خلاف بڑے پیمانے کی جنگ نہ کرنا۔ محتاط ہو کر آگے بڑھنا تاکہ خطرہ زیادہ ہو تو پیچھے بھی ہٹ سکو۔ تم یہ جائزہ لینے کے لیے حملہ کرو کہ رومیوں کی فوج کس طرح لڑتی ہے اور اس کے سالار کیسے ہیں۔"

امیرالمومنین نے صاف الفاظ میں لکھا کہ اپنے لشکر کو ایسی صورت میں نہ ڈال دینا کہ پسپائی اختیار کرو اور تمہیں اپنے علاقے میں آ کر بھی پناہ نہ ملے۔

اس سالار کا نام بھی خالد تھا، خالد بن سعید لیکن میدانِ جنگ میں وہ خالدؓ بن ولید کی گردِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اُسے جن دستوں کا سالار بنایا گیا تھا وہ سرحدی فرائض سرانجام دینے والے دستے تھے۔ ان میں لڑنے کی اہلیت بھی اور ان میں لڑنے کا جذبہ بھی تھا لیکن انہیں جنگ کا ویسا تجربہ نہ تھا جیسا خالدؓ کے دستوں نے حاصل کر لیا تھا۔ امیرالمومنین نے خالد بن سعید کو اپنی سرحدوں پر پہرہ دینے کے لیے بھیجا تھا۔ ان دستوں کا ہیڈکوارٹر تیما کے مقام پر بنایا گیا تھا۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کی پے بہ پے کامیابیاں دیکھ دیکھ کر خالد بن سعید کو خیال آیا کہ خالدؓ نے فارس کو شکستیں دی ہیں تو وہ رومیوں کو ایسی ہی شکستیں دے کر خالدؓ کی طرح نام پیدا کرے۔ ابنِ ہشام اور ایک یورپی مؤرخ ہنری سمتھ نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلیفۃ المسلمین خالد بن سعید کی قیادت اور صلاحیتوں سے واقف تھے اسی لیے انہوں نے اس سالار کو بڑی جنگوں سے دور رکھا تھا لیکن وہ اُس کی باتوں میں آ گئے۔

خالدؓ نے بھی فراض کے مقام پر رومیوں سے ٹکر لی تھی لیکن سرحد پر معرکہ لڑا تھا۔ اُنہوں نے آگے جانے کی غلطی نہیں کی تھی۔ خالد بن سعید نے امیرالمومنین کا جواب ملتے ہی اپنے دستوں کو کوچ کا حکم دیا اور شام کی سرحد میں داخل ہو گئے۔ اُس وقت شام میں ہرقل رومی حکمران تھا جسے جنگوں کا بہت تجربہ تھا۔ رومیوں کی اپنی جنگی تاریخ اور روایات تھیں۔ وہ اپنی فوج کو انہی کے مطابق ٹریننگ دیتے تھے۔

یہ تقریباً انہی دنوں کا واقعہ ہے جب خالدؓ فراض کے مقام پر رومیوں، فارسیوں اور عیسائیوں کے متحدہ لشکر کے خلاف لڑے اور انہیں شکست دی تھی۔ اس سے رومی محتاط، مستعد اور چوکس ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنی فوج کو ہر لمحہ تیار رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

خالد بن سعید نے آگے کے احوال و کوائف معلوم نہ کیے، کوئی جاسوس آگے نہ بھیجا اور اندھا دھند بڑھتے گئے۔ آگے رومی فوج کی کچھ نفری خیمہ زن تھی۔ خالد بن سعید نے دائیں بائیں دیکھے بغیر اس پر حملہ کر دیا۔ رومیوں کا سالار باہان تھا جو جنگی چالوں کے لحاظ سے خالدؓ کے ہم پلّہ تھا۔ خالد بن سعید نہ سکا کہ رومیوں کی جس نفری پر اس نے حملہ کیا ہے، اس کی حیثیت جال میں دانے کی ہے۔ وہ انہی میں اُلجھ گیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے پتہ چلا کہ اس کے اپنے دستے رومیوں کے گھیرے میں آ گئے ہیں اور عقب سے رومی اُن پر ہلّہ بولنے کے لیے بڑھے آ رہے ہیں۔ خالد بن سعید کے لیے اپنے دستوں کو بچانا ناممکن ہو گیا۔ اُس نے یہ حرکت کی کہ اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر میدانِ جنگ سے بھاگ گیا اور اپنے دستوں کو رومیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا۔

مسلمانوں کے ان دستوں میں مشہور جنگجو عکرمہؓ بن ابوجہل بھی تھے۔ اس ابتر صورتِ حال میں اُنہوں نے اپنے ہراساں دستوں کی کمان لے لی اور ایسی چالیں چلیں کہ اپنے دستوں کو تباہی سے بچا لائے۔ جانی نقصان تو ہُوا اور زخمیوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ خالد بن سعید کے بھاگ جانے سے تمام دستوں کے جنگی قیدی بننے کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ عکرمہؓ نے مسلمانوں کو اس ذلّت سے بچا لیا۔

مدینہ اطلاع پہنچی تو خلیفۃ المسلمین نے خالد بن سعید کو معزول کر کے مدینہ بلا لیا۔ خلیفۃ المسلمین کے غصے کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خالد بن سعید کو بھری محفل میں بزدل اور نالائق کہا۔ خالد بن سعید خاموشی کی زندگی گزارنے لگا۔ اس سے زیادہ افسردہ آدمی اور کون ہو سکتا تھا۔ آخر خدا نے اُس کی سُن لی۔ بہت عرصے بعد جب مسلمانوں نے شام کو میدانِ جنگ بنا لیا تھا، خالد بن سعید کو وہاں ایک دستے کے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی۔ اس نے اپنے نام سے شکست کا داغ یوں دھویا کہ بے جگری سے لڑتا ہُوا شہید ہو گیا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے اپنی مجلسِ مشاورت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس مجلس میں جو اکابرین شامل تھے۔ ان میں عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

"میرے دوستو!" ــــ خلیفہ ابوبکرؓ نے کہا ــــ "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تھا کہ شام کی طرف سے رومیوں کے حملے کا سدّباب کیا جائے۔ آپؐ نے جو تدبیریں سوچی تھیں، ان پر عمل کرنے کی آپؐ کو مہلت نہ ملی۔ آپؐ انتقال فرما گئے۔ اب تم نے سن لیا ہے کہ ہرقل جنگی تیاری مکمل کر چکا ہے اور ہمارا ایک سالار شکست کھا کر بھی آ گیا ہے۔ اگر ہم نے رومیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تو ایک تو اپنے لشکر کے حوصلے کمزور ہوں گے اور وہ رومیوں کو اپنے سے زیادہ بہادر سمجھنے لگیں گے، دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ رومی آگے بڑھ آئیں گے اور ہمارے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ اس صورتِ حال میں تم مجھے کیا مشورہ دو گے؟ یہ بھی یاد رکھنا کہ ہمیں مزید فوج کی ضرورت ہے۔"

"امیرالمومنین!" ــــ عمرؓ نے کہا ــــ "آپؐ کے عزم کو کون رد کر سکتا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ شام پر حملے کا اشارہ اللہ کی طرف سے ملا ہے۔ لشکر کے لیے مزید نفری بھرتی کریں اور جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنا چاہا تھا اُسے ہم پورا کریں۔"

"امیرالمومنین!" ــــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا ــــ "اللہ کی سلامتی ہو تم پر! غور کر لے، رومی ہم سے طاقتور ہیں۔ خالد بن سعید کا انجام دیکھ۔ ہم رسولؐ اللہ کے ارادوں کو ضرور پورا کریں گے لیکن ہم اس قابل نہیں کہ رومیوں پر بڑے پیمانے کا حملہ کریں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہمارے دستے رومیوں کی سرحدی چوکیوں پر حملے کرتے رہیں اور ہر حملے کے بعد دور پیچھے آ جائیں۔ اس طرح رومیوں کا آہستہ آہستہ نقصان ہوتا رہے

گا اور اپنے مجاہدین کے حوصلے کھُلتے جائیں گے۔ اس دوران ہم اپنے لشکر کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے رہیں۔ امیرالمومنین! لشکر میں اضافہ کر کے تم خود جہاد پر روانہ ہو جاؤ اور چاہو تو قیادت کسی اور سردار کو دے دو۔"

مؤرخوں نے اُس دور کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ تمام مجلس پر خاموشی طاری ہو گئی۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بڑی جرأت سے اپنا مشورہ پیش کیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اب کوئی اور بولے گا ہی نہیں۔

"خاموش کیوں ہو گئے ہو تم؟" ــــ امیرالمومنین نے کہا ــــ "اپنے مشورے دو۔"

"کون شک کر سکتا ہے تمہاری دیانتداری پر!" ــــ عثمانؓ بن عفان نے کہا ــــ "بے شک تم مسلمانوں کی اور دین کی بھلائی چاہتے ہو۔ پھر کیوں نہیں تم حکم دیتے کہ شام پر حملہ کرو۔ نتیجہ جو بھی ہو گا ہم سب بھگت لیں گے۔"

مجلس کے دوسرے شرکاء نے عثمانؓ بن عفّان کی تائید کی اور متفقہ طور پر کہا کہ دین اور رسولؐ اللہ کی اُمّت کے وقار کے لیے مسندِ خلافت سے جو حکم ملے گا اسے سب قبول کریں گے۔

"تم سب پر اللہ کی رحمت ہو" ــــ خلیفۃ المسلمین نے آخر میں کہا ــــ "میں کچھ امیر مقرر کرتا ہوں۔ اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کے بعد اپنے امیروں کی اطاعت کرو۔ اپنی نیّتوں اور ارادوں کو صاف رکھو۔ بے شک اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔"

امیرالمومنین ابوبکرؓ کا مطلب یہ تھا کہ شام پر حملہ ہو گا اور رومیوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے گی۔ مجلس پر پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ یہ خاموشی ایسی تھی جیسے وہ رومیوں سے ڈر گئے ہوں یا انہیں امیرالمومنین کا فیصلہ پسند نہ آیا ہو۔ عمرؓ نے سب کی طرف دیکھا اور اُن کی آنکھیں جذبات کی شدت سے سرخ ہو گئیں۔

"اے مومنین!" ــــ عمرؓ نے گرج کر کہا ــــ "کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ خلیفہ کی آواز پر لبیک کیوں نہیں کہتے؟ کیا خلیفہ نے اپنی بھلائی کے لیے کوئی حکم دیا ہے؟ کیا خلیفہ کے حکم میں تمہاری بھلائی نہیں؟ اُمّتِ رسولؐ کی بھلائی نہیں؟ ..... بولو ..... لبیک کہو اور آواز اپنے دلوں سے نکالو۔"

مجلس کا سکوت ٹوٹ گیا۔ لبیک لبیک کی آوازیں اٹھیں اور سب نے متفقہ طور پر کہا کہ وہ رومیوں سے ٹکر لیں گے۔

حج سے واپس آ کر خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے مدینہ میں گھوڑ دوڑ، نیزہ بازی، تیغ زنی، تیر اندازی اور کُشتیوں کا مقابلہ منعقد کرایا۔ ارد گرد کے قبیلوں کو بھی اس مقابلے میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ تین دن مدینہ میں انسانوں کے ہجوم کا یہ عالم رہا کہ گلیوں میں چلنے کو رستہ نہیں ملتا تھا۔ کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ جدھر نظر جاتی تھی گھوڑے اور اونٹ کھڑے نظر آتے تھے۔ دف اور نفیریاں بجتی ہی رہتی تھی۔ قبیلے اپنے شہسواروں اور پہلوانوں کو جلوسوں کی شکل میں لا رہے تھے۔

تین دن ہر طرح کے مقابلے ہوتے رہے۔ جن قبیلوں کے آدمی جیت[illegible]ے وہ قبیلے میدان میں آ

کرنا چنتے کودتے اور چلاّ چلاّ کر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ اُن کی عورتیں اپنے جیتنے والے آدمیوں کی مدح میں گیت گاتی تھیں۔ مقابلے میں باہر کا کوئی گھوڑ سوار یا تیغ زن یا کوئی شتر سوار زخمی ہو جاتا تھا تو مدینہ کا ہر باشندہ اُسے اُٹھا کر اپنے گھر لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ مدینہ والوں کی میزبانی نے قبیلوں کے دل موہ لیے۔

مقابلوں اور میلے کا یہ اہتمام خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ مقابلے کے آخری روز مدینہ کا ایک آدمی گھوڑے پر سوار میدان میں آیا۔ میدان کے اِردگرد لوگوں، گھوڑوں اور اونٹوں کا ہجوم جمع تھا۔

"اے رسول اللہؐ کے اُمتیو!" ___ میدان میں اُترنے والے سوار نے بڑی بلند سے آواز سے کہا ___ "خدا کی قسم، کوئی نہیں جو تمہیں نیچا دکھا سکے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنے جوہر دیکھ لیے ہیں۔ کون سا دشمن ہے جو تمہارے سامنے اپنے پاؤں پر کھڑا رہ سکے گا۔ یہ طاقت جو تم نے ایک دوسرے پر آزمائی ہے، اب اسے اُس دشمن پر آزمانے کا وقت آگیا ہے جو تمہاری طرف بڑھا آرہا ہے....

"اے مومنین! اپنی زمین کو دیکھو، اپنے اموال کو دیکھو، اپنی عورتوں کو دیکھو جو تمہارے بچوں کو دُودھ پلاتی ہیں، اپنی جوان اور کنواری بیٹیوں کو دیکھو جو تمہارے دامادوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں کہ حلال کے بچے پیدا کریں۔ اپنے دین کو دیکھو جو اللہ کا سچا دین ہے۔ خدا کی قسم، تم غیرت والے ہو، عزّت والے ہو، اللہ نے تمہیں برتری دی ہے۔ تم پسند نہیں کرو گے کہ کوئی دشمن اُس وقت تم پر آپڑے جب تم سوئے ہوئے ہو گے اور تمہارے گھوڑے اور تمہارے اونٹ بغیر زینوں کے بندھے ہوئے ہوں گے اور تم نہیں بچا سکو گے اپنے اموال کو، اپنے بچوں کو، اپنی عورتوں کو اور اپنی کنواری بیٹیوں کو اور دشمن تمہیں مجبور کر دے گا کہ سچے دین کو چھوڑ کر دشمن کے دیوتاؤں کی پوجا کرو۔"

"بتا ہمیں وہ دشمن کون ہے؟" ___ ایک شتر سوار نے چلاّ کر پوچھا ___ "کون ہے جو ہماری غیرت کو للکار رہا ہے؟"

"رومی!" ___ گھوڑ سوار نے اعلان کرنے کے لہجے میں کہا ___ "وہ جو ملک شام پر قبضہ کئے بیٹھے ہیں اُن کی فوج ہم سے زیادہ ہے۔ بہت زیادہ ہے۔ اُن کے ہتھیار ہم سے اچھے ہیں لیکن وہ تمہارا وار نہیں سہہ سکتے۔ تم نے اس میدان میں اپنی طاقت اور اپنی ہمت دیکھ لی ہے، اب اُس میدان میں چلو جہاں تمہاری طاقت اور ہمت تمہارا دشمن دیکھے گا۔"

"ہمیں اُس میدان میں کون لے جائے گا؟" ___ ہجوم میں سے کسی نے پوچھا۔

"مدینہ والے تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے" ___ مدینہ کے گھوڑ سوار نے کہا ___ "دیکھو اُنہیں جو برسوں سے محاذ پر لڑ رہے ہیں، کٹ رہے ہیں اور وہیں دفن ہو رہے ہیں۔ اُنہیں اپنے بچوں کی یاد نہیں رہی۔ اُنہیں اپنے گھر یاد نہیں رہے۔ وہ بڑی تھوڑی تعداد میں ہیں اور اُس دشمن کو شکست پہ شکست دے رہے ہیں جو تعداد میں اُن سے بہت زیادہ ہے۔ وہ راتوں کو بھی جاگتے ہیں، تمہاری عزتوں کے لیے.... انہوں نے آتش پرست فارسیوں کا سر کچل ڈالا ہے۔ اب رومی رہ گئے ہیں مگر ہمارے مجاہدین تھک گئے ہیں۔ محاذ ایک دوسرے سے دُور ہیں۔ وہ ہر جگہ فوراً نہیں پہنچ سکتے.... کیا تم جو غیرت اور عزت والے ہو، طاقت اور ہمت والے ہو، ان کی مدد کو نہیں پہنچو گے؟"

ہجوم جو پہلے ہی بے چین تھا، جوش و خروش سے پھٹنے لگا۔ امیرالمومنین کا یہی منشا تھا کہ لوگوں کو اسلامی لشکر میں شامل کیا جائے۔ قبیلوں کی جو عورتیں مدینہ آئی تھیں، انہوں نے اپنے مردوں کو لشکر میں بھرتی ہونے پر اکسانا شروع کر دیا۔

اُس روز جو مقابلوں کا آخری روز تھا، مقابلوں میں کچھ اور ہی جوش اور کچھ اور ہی شور تھا۔ مقابلوں میں اُترنے والوں کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ لشکر میں اچھی حیثیت حاصل کرنے کے لیے اپنے جوہر دکھا رہے ہوں۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے کئی اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔

یمن میں اسلام مقبولِ عام مذہب بن چکا تھا۔ ارتداد بھی ختم ہو گیا تھا اور وہاں کا غالب مذہب اسلام تھا۔ خلیفۃ المسلمین نے اہلِ یمن کے نام ایک خط لکھا جو ایک قاصد لے کر گیا۔ خط میں لکھا تھا:

"اہلِ یمن! تم پر اللہ کی رحمتیں برسیں۔ تم مومنین ہو اور مومنین پر اُس وقت جہاد فرض ہو جاتا ہے جب ایک طاقتور دشمن کا خطرہ موجود ہو۔ حکم ربّ العالمین ہے کہ تم تنگدستی میں ہو یا خوشحالی میں، تمہارے پاس سامان کم ہے یا زیادہ، تم جس حال میں بھی ہو، دشمن کے مقابلے کے لیے نکل پڑو۔ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو۔ تمہارے جو بھائی مدینہ آتے تھے، انہیں میں نے شام بغرضِ جہاد جانے کی ترغیب دی تو وہ بخوشی تیار ہو گئے اور اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ میں یہی ترغیب تمہیں دیتا ہوں۔ میری آواز تم تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں اللہ کا حکم ہے وہ سنو اور جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اُس کے حکم کی تعمیل کرو۔"

اُس دَور کے رواج کے مطابق مدینہ کے قاصد نے یمن میں تین چار جگہوں پر لوگوں کو اکٹھا کیا اور امیرالمومنین کا پیغام سنایا۔ اس کا اثر یہ ہُوا کہ ایک سردار ذوالکلاع حمیری نے نہ صرف اپنے قبیلے کے جوان آدمیوں کو تیار کر لیا بلکہ اپنے زیرِ اثر چند اور قبیلوں کے لڑنے والے آدمیوں کو ساتھ لیا اور مدینہ کو روانہ ہو گیا۔

مدینہ کا قاصد ہر قبیلے میں گیا تھا۔ تین اور قبیلوں کے سرداروں ___ قیس بن ھبیر مرادی، جندب بن عمرو الدوسی اور حابس بن سعد طائی ___ نے اپنے اپنے قبیلے کے جوانوں اور لڑنے کے قابل افراد کو ساتھ لیا اور شام کی جنگی مہم میں شریک ہونے کے لیے عازمِ مدینہ ہُوئے۔

یہ ایک اچھا خاصا لشکر بن گیا۔ ہر فرد گھوڑے یا اونٹ پر سوار اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلّح ہو کر آیا۔ یہ لوگ تیروں کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ساتھ لے آئے۔ مدینہ میں اس لشکر کا اجتماع مارچ ۶۳۴ء (محرم ۱۳ھ) میں ہُوا تھا۔

امیرالمومنین ابوبکرؓ نے خود اس اجتماع کے ہر آدمی کو اچھی طرح دیکھا کہ وہ تندرست ہے اور وہ کسی کے مجبور کرنے پر نہیں بلکہ جہاد کا مطلب اور مقصد سمجھ کر خود آیا ہے۔ پھر اس لشکر کی چھان بین یہ معلوم کرنے کے لیے کی گئی کہ ان میں کئی افراد مُرتدین کے ساتھ رہے اور مسلمانوں نے ارتداد کے خلاف جو جنگ لڑی تھی، اس میں وہ مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے۔ انہوں نے اسلام تو قبول کر لیا تھا لیکن ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مُرتدین نے یہ عادت بنالی تھی کہ مُرتد بنے رہے۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں میدانِ جنگ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں بیٹ گئے تو اسلام قبول کر لیا مگر مسلمان ان پر بھروسہ کر کے ان کی بستیوں سے ہٹے تو ان میں سے کئی ایک اسلام سے منحرف ہو کر پھر مرتد ہو گئے۔

مدینہ میں چھان بین کی گئی تو ان میں سے بعض کو لشکر سے نکال دیا گیا۔ باقی لشکر کو چار حصّوں میں بانٹ کر ہر حصّے کا سالار مقرر کیا گیا۔ ہر حصّے میں سات ہزار آدمی تھے، یعنی لشکر کی تعداد اٹھائیس ہزار تھی۔ زیادہ تر مؤرخوں نے یہ تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔ ایک حصّے کے سالار تھے عمرو بن العاص، دوسرے کے یزید بن ابی سفیان، تیسرے کے شرجیل بن حسنہ اور چوتھے حصّے کے سالار ابو عبیدہ بن الجراح تھے۔

ان سالاروں نے چند دن لشکر کو بڑے پیمانے کی جنگ لڑنے کی ٹریننگ دی جس میں معرکے کے دوران دستوں کا آپس میں رابطہ اور نظم و نسق قائم رکھنا شامل تھا۔

اپریل ۶۳۴ء (صفر ۱۳ھ) کے پہلے ہفتے میں اس لشکر کو شام کی طرف کوچ کا حکم ملا۔ ہر حصّے کو الگ الگ مقامات پر پہنچنا اور ایک دوسرے سے الگ کوچ کرنا تھا۔ عمرو بن العاص کو اپنے دستوں کے ساتھ فلسطین تک جانا تھا۔ یزید بن ابی سفیان کی منزل دمشق تھی۔ انہیں تبوک کے راستے سے جانا تھا۔ شرجیل بن حسنہ کو اردن کی طرف جانا تھا۔ انہیں کہا گیا تھا کہ یزید بن ابی سفیان کے دستوں کے پیچھے پیچھے جائیں۔ ابو عبیدہ بن الجراح کی منزل حمص تھی۔ انہیں بھی تبوک کے راستے سے جانا تھا۔

"اللہ تم سب کا حامی و ناصر ہو" — خلیفۃ المسلمین نے آخری حکم یہ دیا — "سالار اپنے اپنے دستے ایک دوسرے سے الگ رکھیں گے۔ اگر رومیوں کے ساتھ کہیں ٹکر ہو گئی تو سالار ایک دوسرے کو مدد کے لیے بلا سکتے ہیں۔ اگر لشکر کے چاروں حصّوں کو مل کر لڑنا پڑا تو ابو عبیدہ بن الجراح تمام لشکر کے سپہ سالار ہوں گے۔"

سب سے پہلے یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ مدینہ کی عورتیں اور بچے بھی باہر نکل آئے تھے۔ چھتوں پر عورتیں کھڑی ہاتھ اوپر کر کے ہلا رہی تھیں۔ بوڑھی عورتوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ کئی بوڑھوں کی آنکھیں اس لیے اشکبار ہو گئی تھیں کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

یزید بن ابی سفیان اپنے دستوں کے آگے آگے جا رہے تھے۔ یزید کے ساتھ امیرالمومنین ابوبکرؓ پیدل جا رہے تھے۔ یزید گھوڑے سے اتر آئے۔ امیرالمومنین کے اصرار کے باوجود وہ گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ امیرالمومنین ضعیف تھے پھر بھی وہ دستوں کی رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ یزید نے انہیں کئی بار کہا کہ وہ واپس چلے جائیں لیکن ابوبکرؓ نہ مانے۔ مدینہ سے کچھ دور جا کر یزید رک گئے۔

"امیرالمومنین واپس نہیں جائیں گے تو میں ایک قدم آگے نہیں بڑھوں گا" — یزید بن ابی سفیان نے کہا۔

"خدا کی قسم ابی سفیان!" — امیرالمومنین نے کہا — "تو مجھے سنّتِ رسول اللہ سے روک رہا ہے۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ رسول اللہؐ جہاد کو رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ دُور تک جاتے اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتے تھے؟ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ پاؤں جو جہاد فی سبیل اللہ کے راستے پر گرد آلود ہو جاتے ہیں دوزخ کی آگ ان سے دُور رہتی ہے۔"

تاریخ کے مطابق امیرالمومنین لشکر کے اس حصّے کے ساتھ مدینہ سے دو میل دور تک چلے گئے تھے۔

"ابی سفیان!" — امیرالمومنین نے کہا — "اللہ تجھے فتح و نصرت عطا فرمائے۔ کوچ کے دوران اپنے

آپ پر اور اپنے لشکر پر کوئی سختی نہ کرنا۔ فیصلہ اگر خود نہ کر سکو تو اپنے ماتحتوں سے مشورہ لے لینا اور تلخ کلامی نہ کرنا..... عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑنا۔ ظلم سے باز رہنا کہ ظلم اور بے انصافی کرنے والی قوم کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ایسی قوم کبھی فاتح نہیں ہوتی..... میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھانا کہ جنگی ضرورت کے بغیر پیچھے ہٹنے والے پر اللہ کا قہر نازل ہوتا ہے..... اور جب تم اپنے دشمن پر غالب آ جاؤ تو عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا اور جو جانور تم کھانے کے لیے ذبح کرو، ان کے سوا کسی جانور کو نہ مارنا۔"

مؤرخین واقدی، ابو یوسف، ابنِ خلدون اور ابنِ اثیر نے امیرالمومنین کے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ان مؤرخین کے مطابق امیرالمومنین ابوبکرؓ نے یزید ابی سفیان سے کہا — "تجھے خانقاہیں یا عبادت گاہیں سی نظر آئیں گی اور ان کے اندر راہب بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہ تارک الدنیا ہوں گے۔ انہیں اپنے حال میں مست رہنے دینا، نہ خانقاہوں اور عبادت گاہوں کو کوئی نقصان پہنچانا نہ ان کے راہبوں کو پریشان کرنا... اور تمہیں صلیب کو پوجنے والے بھی ملیں گے۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ ان کے سروں کے اوپر درمیان میں بال ہوتے ہی نہیں، منڈا دیتے ہیں۔ ان پر اسی طرح حملہ کرنا جس طرح میدانِ جنگ میں دشمن پر حملہ کیا جاتا ہے۔ انہیں صرف اس صورت میں چھوڑنا کہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں..... اللہ کے نام پر لڑنا، اعتدال سے کام لینا، غدّاری نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے اُسے بلا وجہ قتل نہ کرنا نہ ایسے لوگوں کے اعضاء کاٹنا۔"

یہ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ تھا کہ رخصت ہونے والے ہر لشکر کے ساتھ کچھ دور تک جاتے، سالاروں کو اُن کے فرائض یاد دلاتے اور لشکر کو دعاؤں سے رخصت کرتے تھے۔ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے رسولِ اکرمؐ کی پیروی کرتے ہوئے چاروں سالاروں کو آپؐ ہی کی طرح رخصت کیا۔

لشکر اور دستے تو محاذوں کو روانہ ہوتے ہی رہتے تھے لیکن یہ لشکر بڑے ہی خطرناک اور طاقتور دشمن سے نبرد آزما ہونے جا رہا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو حمص میں تھا، صرف شہنشاہ ہی نہیں تھا، وہ میدانِ جنگ کا اُستاد اور جنگی چالوں کا ماہر تھا۔ اس لشکر کو مدینہ سے روانہ کر کے مدینہ والوں پر خاموشی سی طاری ہو گئی تھی اور خاموشی کی زبان میں ہر کسی کے سینے سے دعائیں پھوٹ رہی تھیں۔

یہ تھی وہ جنگی مہم جس کے لیے امیرالمومنین نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کی کمان اور قیادت کے لیے خالدؓ سے بہتر کوئی سالار نہیں۔ مدینہ کا یہ اٹھائیس ہزار کا لشکر پندرہ دنوں میں شام کی سرحدوں پر اپنے بتائے ہوئے مقامات پر پہنچ چکا تھا۔

حمص میں شہنشاہ ہرقل کے محل میں وہی شان و شوکت تھی جو شہنشاہوں کے محلات میں ہوا کرتی تھی۔ مدائن کے محل کی طرح حمص کے محل میں بھی حسین اور نوجوان لڑکیاں ملازم تھیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی تھیں اور ایک ملکہ بھی تھی اور جس کی وہ ملکہ تھی اُس کی ملکہ ہونے کی دعویدار چند ایک اور بھی تھیں۔

شہنشاہ ہرقل کے دربار میں ایک ملزم پیش تھا۔ اُس کا جرم یہ تھا کہ وہ شاہی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اُس کا تعلق اُس خاندان کے ساتھ تھا جو شہنشاہ کا نام سن کر ہی سجدے میں گر پڑتا تھا۔ یہ ملزم اُن لوگوں میں سے تھا جو شہنشاہ کو روزی رساں سمجھا کرتے تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس ملزم کا دوسرا جرم یہ تھا کہ شاہی خاندان کی ایک شہزادی اس پر مرمٹی تھی۔ شہزادی غزال کے شکار کو گئی تھی اور جنگل میں کہیں اُسے یہ آدمی مِل گیا تھا۔ شہزادی نے ایک غزال کو تیر سے معمولی سا زخمی کر دیا تھا اور اُس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا تھا لیکن غزال معمولی زخمی تھا، وہ گھوڑے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز بھاگ رہا تھا۔

اس ملزم نے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ اُس نے غزال کے پیچھے گھوڑا دوڑا دیا۔ غزال مڑتا تھا تو سوار راستہ چھوٹا کر کے اُس کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ وہ غزال کو اُس طرف لے جاتا جدھر شہزادی رکی کھڑی تھی۔ شہزادی نے تین چار تیر چلائے۔ سب خطا گئے۔ اس جوان اور خوبرو آدمی نے گھوڑے کو ایسا موڑا کہ غزال کے راستے میں آ گیا۔ اُس نے برچھی تاک کر پھینکی جو غزال کے پہلو میں اُتر گئی اور وہ گر پڑا۔

شہزادی اپنا گھوڑا وہاں لے آئی تو یہ آدمی اپنے گھوڑے سے کود کر اُترا اور شہزادی کے گھوڑے کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا۔

"میں اگر شہزادی کے شکار کو شکار کرنے کا مجرم ہوں تو مجھے معاف کر دیا جائے" ——اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا ——"لیکن میں غزال کو شہزادی کے سامنے لے آیا تھا کہ شہزادی اسے شکار کرے۔"

تم شہسوار ہو" ——شہزادی نے مسکرا کر کہا ——"کیا کام کرتے ہو؟"

"ہر وہ کام کر لیتا ہوں جس سے دو وقت کی روٹی مِل جائے" ——اس آدمی نے کہا ——"صرف چوری نہیں کرتا اور حرام کی نہیں کھاتا۔"

"تمہیں شہنشاہ ہرقل کی فوج میں ہونا چاہیئے" ——شہزادی نے کہا ——"میں تجھے محل کے محافظوں میں شامل کر دوں گی۔"

رعایا کے اس ناچیز بندے میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ انکار کرتا۔ شہزادی اسے ساتھ لے آئی اور محافظوں میں رکھوا دیا۔ اسے جب شاہی محافظوں کا لباس مِلا اور جب وہ اس لباس میں شاہی اصطبل کے گھوڑے پر سوار ہُوا تو اس کی مردانہ وجاہت نکھر آئی۔ وہ شہزادی کا منظورِ نظر بن گیا پھر شہزادی نے اسے اپنا دیوتا بنا لیا۔

شہزادی کی شادی ہونے والی تھی لیکن اس نے اپنے منگیتر کے ساتھ بے رخی برتنی شروع کر دی۔ منگیتر نے اپنے مخبروں سے کہا کہ وہ شہزادی کو دیکھتے رہا کریں کہ وہ کہاں جاتی ہے اور اُس کے پاس کون آتا ہے۔

ایک رات شہزادی کے منگیتر کو اطلاع مِلی کہ شہزادی شاہی محل کے باغ میں بیٹھی ہُوئی ہے۔ وہ محل سے تھوڑی ہی دور ایک بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ وہاں چشمہ تھا اور سبزہ زار تھا۔ درخت تھے اور پھولدار پودوں کی باڑیں تھیں۔ چاندنی رات تھی۔ شہزادی اور اُس کا منظورِ نظر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھے تھے کہ انہیں بھاری بھرکم قدموں کی دھمک سنائی دی، وہ شاہی محافظوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔

اس محافظ کو قید میں ڈال دیا گیا۔ شہنشاہ ہرقل کو صبح بتایا گیا اور محافظ کو زنجیروں میں باندھ کر دربار میں پیش کیا گیا۔ اُس پر الزام یہ تھا کہ اُس نے ایک شہزادی کی شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ الزام دربار میں بلند آواز سے سنایا گیا۔

"شہنشاہِ ہرقل کی شہنشاہی ساری دنیا میں پھیلے!" ——ملزم نے کہا ——"شہزادی کو دربار میں بلا کر پوچھا جائے کہ میں نے گستاخی کی ہے یا محبت کی ہے..... اور محبت میں نے نہیں شہزادی نے کی ہے۔"

"لے جاؤ اسے!" ——شہنشاہِ ہرقل نے گرج کر کہا ——"رتھ کے پیچھے باندھ دو اور رتھ اُس وقت تک دوڑتی رہے جب تک اس کا گوشت اس کی ہڈیوں سے الگ نہیں ہو جاتا۔"

"شہنشاہِ ہرقل!" ——ملزم للکار کر بولا ——"تُو ایک شہزادی کی محبت کا خون کر رہا ہے۔"

اُسے دربار سے گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور اُس کی پکار اور للکار سنائی دے رہی تھی۔ وہ رحم کی بھیک نہیں مانگ رہا تھا۔

"تیرا انجام قریب آ رہا ہے ہرقل!" ——وہ چلّاتا جا رہا تھا ——"اپنے آپ کو دیوتا نہ سمجھ ہرقل! ذلّت اور رسوائی تیری طرف آ رہی ہے۔"

محبت کے اس مجرم کو ایک رتھ کے پیچھے باندھ دیا گیا اور دو گھوڑوں کی رتھ دوڑ پڑی۔ محل سے شور اُٹھا ——"شہزادی نے اپنے پیٹ میں تلوار اتار لی ہے۔"

یہ خبر شہنشاہ ہرقل تک پہنچی تو اُس نے کسی ردِّعمل کا اظہار نہ کیا۔ وہ تخت پر بیٹھا۔ درباریوں پر سناٹا طاری تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھا اور اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔ وہ سر جھکائے ہُوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ ملکہ کمرے میں آئی۔ ہرقل نے اُسے قہر کی نظروں سے دیکھا۔

"شگون اچھا نہیں" ——ملکہ نے رندھی ہُوئی آواز میں کہا ——"صبح ہی صبح دو خون بہہ گئے ہیں۔"

"یہاں سے چلی جاؤ" ——ہرقل نے کہا ——"میں شاہی خاندان کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں کچھ اور کہنے آئی ہوں" ——ملکہ نے کہا ——"سرحد سے ایک عیسائی آیا ہے۔ اُس نے تمام رات سفر میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزاری ہے۔ اُسے کسی نے دربار میں داخل نہیں ہونے دیا۔ مجھے اطلاع مِلی تو....."

"وہ کیوں آیا ہے" ——ہرقل نے جھنجھلا کر پوچھا ——"کیا وہ سرحد سے کوئی خبر لایا ہے؟"

"مسلمانوں کی فوجیں آ رہی ہیں" ——ملکہ نے کہا۔

"اندر بھیجو اُسے!" ——ہرقل نے کہا۔

ملکہ کے جانے کے بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی کمرے میں آیا۔ اُس کے کپڑوں پر اور چہرے پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ وہ سلام کے لیے جھکا۔

"تُو نے محل تک آنے کی جرأت کیسے کی؟" ——ہرقل نے شاہانہ جلال سے پوچھا ——"کیا تُو یہ خبر کسی سالار یا ناظم کو نہیں دے سکتا تھا؟"

"یہ جرم ہے تو مجھے بخش دیں" ——اس آدمی نے کہا ——"مجھے ڈر تھا کہ اس خبر کو کوئی سچ نہیں مانے گا۔"

"تُو نے مسلمانوں کا لشکر کہاں دیکھا ہے؟"

"حمص سے تین روز کے فاصلے پر!" ——اُس نے جواب دیا۔

یہ ایک عیسائی عرب تھا جس نے ابوعبیدہ بن الجراح کے دستوں کو شام کی سرحد سے کچھ دُور دیکھ لیا تھا۔ اُسی شام دو اور جگہوں سے اطلاعیں آئیں کہ مسلمانوں کی فوج ان جگہوں پر پڑاؤ ڈالے ہُوئے ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کے چوتھے حصّے کی اطلاع ابھی نہیں آئی تھی۔ رات کو ہرقل نے اپنے جرنیلوں اور مشیروں کو بلایا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کیا ہو رہا ہے؟" ——ہرقل نے پوچھا ——"مدینہ کی فوج تین جگہوں پر آ گئی ہے۔ اپنی کسی سرحدی چوکی نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ کیا وہاں سب سوئے رہتے ہیں؟ کیا تم برداشت کر سکتے ہو کہ عرب کے چند ایک لٹیرے قبیلے تمہیں سرحدوں پر آ کر للکاریں؟ کیا تم اُن کے ایک سالار کو اپنی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

طاقت نہیں دکھا چکے ؟ وہ خوش قسمت تھا کہ نکل گیا۔ اب وہ زیادہ تعداد میں آئے ہیں۔ وہ مالِ غنیمت کے بھوکے ہیں۔ فوراً تیاری شروع کرو۔ ان کا کوئی ایک آدمی اور کوئی گھوڑا یا اونٹ واپس نہ جائے۔"

"شہنشاہِ ہرقل!" ۔۔۔ شام کی فوجوں کے کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "آپ اتنے ناتجربہ کار تو نہیں جیسی آپ نے بات کی ہے۔ اگر یہ معاملہ کچھ اور ہوتا ہے تو ہم آپ کی تائید کرتے لیکن یہ مسئلہ جنگی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شکست کے بعد کیا ہوتا ہے۔"

"مجھے سبق نہیں مشورہ چاہیئے" ۔۔۔ ہرقل نے کہا ۔۔۔ "وہ کیا ہے جو میں نہیں جانتا؟"

"شہنشاہ سب کچھ جانتے ہُوئے ایسی بات نہ کریں جس نے فارس کے شہنشاہ اُردشیر کی جان لے لی تھی" ۔۔۔ رومی فوجوں کے کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "اُس کی جنگی طاقت ہماری ٹکر کی تھی۔ آپ بھی اس فوج سے لڑ چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو بھی عراق پر فوج کشی کی جرأت نہیں ہُوئی۔ اب فراض کے میدان میں ہمیں مسلمانوں کے خلاف فارسیوں کا اتحادی بننا پڑا اور ہم نے عیسائی قبیلوں کو ساتھ ملایا مگر خالدؓ بن ولید ہمیں شکست دے گیا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمیں مسلمانوں سے ڈرنا چاہیئے ؟" ۔۔۔ ہرقل نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں شہنشاہ!" ۔۔۔ کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "اُردشیر بھی مدائن میں بیٹھا ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا جیسی آپ حمص میں بیٹھے کر رہے ہیں۔ میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ فارسیوں کا انجام دیکھیں۔ مدائن کے محل اب بھی کھڑے ہیں لیکن مقبروں کی طرح۔ اُردشیر نے پہلے پہل مسلمانوں کو عرب کے بدّو اور ڈاکو کہا تھا۔ میں نے فارسیوں کی شکست کی چھان بین پوری تفصیل سے کی ہے۔ اُردشیر کے منہ سے یہی الفاظ نکلتے تھے، کچل دو، مگر اُس کا جو بھی جرنیل مسلمانوں کے مقابلے کو گیا وہ کچلا گیا۔ مسلمان اُن کے علاقوں پہ علاقے فتح کرتے آئے، حتیٰ کہ اُن کے تیر مدائن میں گرنے لگے ....

"اور شہنشاہ ہرقل! مجھے معلوم ہُوا ہے کہ مسلمان مذہبی جنون سے لڑتے ہیں، مالِ غنیمت کے لیے نہیں۔ ہم زمین کے لیے لڑتے ہیں۔ مسلمان جنگ کو ایک عقیدہ سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے عقیدے کو سچا سمجھیں یا نہ سمجھیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟ .... شہنشاہ کو اس پر بھی غور کرنا پڑے گا کہ مسلمان ہر میدان میں تھوڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔ وہ جذبے اور جنگی چالوں کے زور پر لڑتے ہیں۔ فراض میں ہم نے اپنی، فارسیوں کی اور عیسائیوں کی نفری کو اتنا زیادہ پھیلا دیا تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی نفری ہمارے پھیلاؤ میں آ کر گم ہو جاتی لیکن مسلمانوں نے ایسی چال چلی کہ ہمارا پھیلاؤ سکڑ گیا اور ہم پٹ کر رہ گئے۔"

دوسرے جرنیلوں نے بھی اسی طرح کے مشورے دیئے اور ہرقل قائل ہو گیا کہ مسلمانوں کو طاقتور اور خطرناک دشمن سمجھ کر جنگ کی تیاری کی جائے۔

"لیکن میں اسے اپنی توہین سمجھتا ہوں کہ مسلمان جو کچھ ہی سال پہلے وجُود میں آئے ہیں عظیم سلطنتِ روم کو للکاریں" ۔۔۔ ہرقل نے کہا ۔۔۔ "ہمارے پاس ہماری صدیوں پرانی تاریخ ہے۔ رومیوں نے ساری دنیا پر دہشت طاری کیے رکھی ہے۔ ہمارا مذہب دیوتاؤں کا مذہب ہے۔ آسمانوں پر اور زمین پر ہمارے دیوتاؤں کی حکمرانی ہے۔ اسلام ایک انسان کا بنایا ہُوا مذہب ہے جس کے پھیل جانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں صرف یہ حکم دوں گا کہ اس مذہب کے پیروکاروں کو اس طرح ختم کرو کہ اسلام کا نام لینے والا کوئی زندہ نہ رہے۔"

اگلے ہی روز ہرقل کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے ساتھ رومی فوج کی ٹکر ہُوئی ہے اور رومی فوج بڑی بُری طرح پسپا ہوئی ہے۔

یہ عمرو بن العاص کے دستے تھے جو تبوک سے آگے بڑھے تو رومی فوج کے کچھ دستے ان کی راہ میں حائل ہو گئے۔ یہ شام کے عیسائی عربوں کے دستے تھے جن کے ذمے سرحدوں کی دیکھ بھال کا کام تھا۔ عمرو بن العاص بڑے ہوشیار سالار تھے۔ انہوں نے ایسی چال چلی کہ اپنے ہراول دستے کو دشمن سے ٹکر لینے کے لیے آگے بھیجا اور دشمن کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن شام کے عیسائی عربوں کے دستے تھوڑا سا نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔

عمرو بن العاص ایلہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ یزید بن ابی سفیان بھی اپنے دستوں کے ساتھ اُن سے آملے۔ جُوں ہی مدینہ کے لشکر کے یہ دونوں حصّے اکٹھے ہُوئے روم کی فوج ان کا راستہ روکنے کے لیے سامنے آ گئی۔ مؤرخوں کے مطابق روم کی اس فوج کی نفری تقریباً اتنی ہی تھی جتنی مسلمانوں کی تھی۔ اب دو مسلمان سالار اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے رومیوں کے ساتھ آمنے سامنے کی ٹکر لی .... رومیوں نے جم کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن قدم جما نہ سکے اور پسپا ہو گئے۔

یزید بن ابی سفیان نے ایک سوار دستے کو ان کے تعاقب میں بھیج دیا۔ رومیوں پر کچھ ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ وہ سوائے کٹ کٹ کر مرنے کے اور کچھ بھی نہ کر سکے۔

شہنشاہ ہرقل کو جب اپنے دستوں کی اس پسپائی کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اُس نے اپنے جرنیلوں کو ایک بار پھر بلایا اور حکم دیا کہ زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کر کے شام کی سرحد کے باہر کسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ لڑی جائے اور انہیں وہیں ختم کیا جائے۔

مسلمان سالاروں نے ان جگہوں سے جہاں وہ پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھے چند آدمیوں کو اپنے زیرِ اثر لے لیا اور انہیں بے انداز انعام و اکرام کا لالچ دیا جس کے عوض وہ مسلمانوں کے لیے جاسوسی کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چند دنوں میں ہی وہ مطلوبہ خبریں لے آتے۔ اُن کی رپورٹوں کے مطابق رومی جو فوج اکٹھی کر رہے تھے اس کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی۔ اس فوج کا ایک حصّہ اجنادین کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ جاسوسوں نے یہ اطلاع بھی دی کہ رومی فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہو کر آ رہے ہیں۔ جاسوسوں نے تیاریوں کی پوری تفصیل بیان کی۔

ابوعبیدہ بن الجراح کو امیرالمومنین نے یہ حکم دیا تھا کہ لشکر کے چاروں حصّوں کو اکٹھے لڑنا پڑا تو وہ یعنی ابوعبیدہ پورے لشکر کے سالار ہوں گے۔ صورت ایسی پیدا ہو گئی تھی کہ لشکر کے چاروں حصّوں کو اکٹھا ہونا پڑا۔ ابُوعبیدہ نے پورے لشکر کی کمان لے لی لیکن لشکر کو مکمل طور پر ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے امیرالمومنین کو تیز رفتار قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا جس میں مکمل صورتِ حال لکھی اور یہ بھی کہ رومیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہو گی۔

یہ تھے وہ حالات جن کے پیشِ نظر امیرالمومنین نے خالدؓ کو حکم بھیجا تھا کہ وہ شام کی سرحد پر اُس جگہ پہنچ جائیں جہاں مدینہ کا لشکر خیمہ زن ہے۔ اس حکم میں یہ بھی لکھا تھا کہ اپنا لشکر کچھ مشکلات میں اُلجھ گیا ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اس پیغام نے خالدؓ کو پریشان کر دیا تھا۔ یہ سنایا جا چکا ہے کہ اُنہوں نے امیرالمومنین کے حکم کے مطابق اپنے لشکر کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ مثنیٰ بن حارثہ کے حوالے کر دیا۔ خالدؓ نے فوری کوچ کا حکم دے دیا۔ انہوں نے جب فاصلے کا اندازہ کیا تو وہ اتنا زیادہ تھا کہ خالدؓ کو وہاں پہنچتے بہت دن لگ جاتے۔ انہیں ڈر تھا کہ اتنے دن ضائع ہو گئے تو معلوم نہیں کیا ہو جائے گا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ رومیوں کی فوج فارسیوں کی نسبت زیادہ طاقتور اور برتر ہے۔ خالدؓ ان راستوں سے واقف تھے۔ سیدھا اور آسان راستہ بہت طویل تھا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ بہت جلد پہنچنے کے لیے انہیں کوئی راستہ معلوم نہیں۔ سالاروں میں سے کسی کو چھوٹا راستہ معلوم نہیں تھا۔

"اگر کوئی راستہ چھوٹا ہُوا بھی تو وہ سفر کے قابل نہیں ہوگا" ــــ ایک سالار نے کہا ــــ "اگر کسی ایسے راستے سے ایک دو مسافر گزرتے بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ راستہ ایک لشکر کے گزرنے کے قابل ہو۔"

"میں ایک آدمی کو جانتا ہوں" ــــ ایک اور سالار بولا ــــ رافع بن عمیرہ..... وہ ہمارے قبیلے کا زبردست جنگجو ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ خدا نے اُسے کوئی ایسی طاقت دی ہے کہ وہ زمین کے نیچے کے بھید بھی بتا دیتا ہے۔ وہ اس صحرا کا بھیدی ہے۔"

خالدؓ کے حکم سے رافع بن عمیرہ کو بلایا گیا اور اُس سے منزل بتا کر پوچھا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹا راستہ کوئی ہے؟

"زمین ہے تو راستے بھی ہیں" ــــ رافع نے کہا ــــ "یہ مسافر کی ہمّت پر منحصر ہے کہ وہ ہر راستے پر چل سکتا ہے یا نہیں۔ تم منزل تک کسی بھی راستے سے پہنچ سکتے ہو لیکن بعض راستے ایسے ہوتے ہیں جن پر سانپ بھی نہیں رینگ سکتا۔ میں ایک راستہ بتا سکتا ہوں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ اس سے لشکر کے کتنے آدمی منزل تک زندہ پہنچیں گے، اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ گھوڑا اس صحرائی راستے سے نہیں گزر سکتا۔ گھوڑا اتنی پیاس برداشت نہیں کر سکتا اور گھوڑوں کے لیے پانی ساتھ لے جایا نہیں جا سکتا۔"

خالدؓ نے اپنا بنایا ہُوا نقشہ اُس کے آگے رکھا اور پوچھا کہ وہ کون سا راستہ بتا رہا ہے۔

یہ قراقر ہے" ــــ رافع بن عمیرہ نے نقشے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا ــــ "یہاں ایک نخلستان ہے جو اتنا سرسبز اور شاداب ہے کہ مسافروں پر اپنا جادو طاری کر دیتا ہے۔ یہاں سے ایک راستہ نکلتا ہے جو سوی کو جاتا ہے۔ سوی میں پانی اتنا زیادہ ہے کہ سارا لشکر اور لشکر کے تمام جانور پانی پی سکتے ہیں لیکن یہ پانی اُسے ملے گا جو سوی تک زندہ پہنچ جائے گا۔ اوپر سورج کی تپش دیکھو۔ دن کو کتنا چل سکو گے؟ کتنی دور تک چل سکو گے؟ یہ میں نہیں جانتا۔ اتنے اونٹ لاؤ کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہو..... ابنِ ولید! تم صحرا کے بیٹے ہو مگر اس صحرا سے نہیں گزر سکو گے۔"

رافع بن عمیرہ نے جو راستہ بتایا یہ مؤرّخوں کی تحریروں کے مطابق ایک سو بیس میل تھا۔ یہ ایک سو بیس میل فاصلہ طے کرنے سے منزل تک کتنے دن جلدی پہنچا جا سکتا تھا۔ خالدؓ وہ سالار تھے جو مشکلات کی تفصیلات سن کر نہیں بلکہ مشکلات میں پڑ کر اندازہ کیا کرتے تھے کہ ان کی شدت کتنی کچھ ہے۔ اُن کے دماغ میں صرف یہ سمائی ہوئی تھی کہ مدینہ کا لشکر مشکل میں ہے اور اس کی مدد کو پہنچنا ہے۔ سیدھے راستے سے فاصلہ چھ سے سات سو میل تک بنتا تھا۔ رافع کے بتائے ہوئے راستے سے جانے سے فاصلہ آدھا رہ جاتا تھا مگر رافع بتاتا تھا کہ اس خطرناک راستے سے جاؤ تو پانچ چھ دن ایسی دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے جو انسان کیا برداشت کرے

گا، گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ پانی تو مِل ہی نہیں سکتا اور سب سے بڑی مشکل یہ کہ مہینہ مئی کا تھا جب ریگستان جل رہے ہوتے ہیں۔

"خدا کی قسم ابنِ ولید!" ــــ ایک سالار نے کہا ــــ "تُو اتنے بڑے لشکر کو اس راستے پر نہیں لے جائے گا جو تباہی کا اور بہت بُری موت کا راستہ ہو گا۔"

"اور جس کا دماغ صحیح ہو گا وہ اس راستے پر نہیں جائے گا" ــــ ایک اور سالار نے کہا۔

"ہم اسی راستے سے جائیں گے" ــــ خالدؓ نے ایسی مُسکراہٹ سے کہا جس میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔

"ہم پر فرض ہے کہ تیری اطاعت کریں" ــــ رافع بن عمیرہ نے کہا ــــ "لیکن ایک بار پھر سوچ لے۔"

"میں وہ حکم دیتا ہوں جو حکم اللہ مجھے دیتا ہے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "ہارتے وہ ہیں جن کے ارادے کمزور ہوتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی ہمیں حاصل ہے، اور پھر اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں آئیں گی ہم کیوں نہ انہیں بھی برداشت کریں۔"

یہ واقعہ اور یہ گفتگو طبری نے ذرا تفصیل سے بیان کی ہے۔ خالدؓ کے سالاروں نے اُن کے عزم کی یہ پختگی دیکھی تو سب نے پُرجوش لہجے میں لبیک کہی۔ اُن میں سے کسی نے کہا ــــ "ابن ولید! تجھ پر اللہ کا کرم۔ وہ کر جو تُو بہتر سمجھتا ہے۔ ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

خالدؓ نے اس سفر پر روانگی سے پہلے ایک حکم یہ دیا کہ لشکر کا ہر فرد اونٹ پر سوار ہو گا۔ گھوڑے سوار کے بغیر پیچھے پیچھے چلیں گے۔ دوسرا حکم یہ کہ عورتوں اور بچوں کو مدینہ بھیج دیا جائے۔ سالاروں کو خالدؓ نے کہا تھا کہ تمام لشکر کو اچھی طرح بتا دیں کہ وہ ایسے راستے پر جا رہے ہیں جس راستے سے پہلے کبھی کوئی لشکر نہیں گزرا۔ ہر کسی کو ذہنی طور پر تیار کیا جائے۔

مئی کا مہینہ اونٹوں کی فراہمی میں گزر گیا۔ جون ۶۳۴ء (ربیع الآخر ۱۳ھ) کا مہینہ شروع ہو گیا۔ اب تو صحرا جل رہا تھا۔ خالدؓ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ ان کے ساتھ نو ہزار مجاہدین تھے جو اس خودکُش سفر پر جا رہے تھے۔

قراقر تک سفر ویسا ہی تھا جیسا اس لشکر کا ہر سفر ہُوا کرتا تھا۔ وہ سفر قراقر سے شروع ہونا تھا جسے مُسلمان مؤرخوں نے اور یورپی مؤرخوں نے بھی تاریخ کا سب سے خطرناک اور بھیانک سفر کہا ہے۔ مثنیٰ بن حارثہ قراقر تک خالدؓ کے ساتھ گئے۔ مثنیٰ کو حیرہ واپس آنا تھا۔

قراقر سے جس قدر پانی ساتھ لے جایا جا سکتا تھا مشکیزوں میں بھر لیا گیا۔ مٹکے بھی اکٹھے کر لیے گئے تھے ان میں بھی پانی بھر لیا گیا۔ اگلی صبح جب لشکر روانہ ہونے لگا تو مثنیٰ بن حارثہ خالدؓ سے اور اُس کے سالاروں سے گلے لگ کے ملے۔ یعقوبی اور ابنِ یوسف نے لکھا ہے کہ مثنیٰ بن حارثہ پر رقّت طاری ہو گئی تھی۔ اُن کے منہ سے کوئی دعا نہ نکلی، آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ دعائیں اُن کے دل میں تھیں۔ انہیں یقین نہیں تھا کہ وہ خالدؓ کو اور ان نو ہزار مجاہدین کو پھر کبھی دیکھ سکیں گے۔

خالدؓ اونٹ پر سوار ہونے لگے تو رافع بن عمیرہ دوڑتا آیا۔

"ابنِ ولید!" ــــ رافع نے خالدؓ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا ــــ "اب بھی سوچ لے۔ رستہ بدل لے اتنی جانوں کے ساتھ مت کھیل!"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ابنِ عمیرہ!" خالدؓ نے غصے سے کہا — "اللہ تجھے غارت کرے۔ مجھے اللہ کی راہ سے مت روک یا مجھے وہ رستہ بتا جو مجھے مدینہ کے لشکر تک جلدی پہنچا دے۔ تو نہیں جانتا تو ہٹ میرے سامنے سے اور حکم مان جو میں نے دیا ہے۔"

رافع خالدؓ کے آگے سے ہٹ گیا۔ خالدؓ اونٹ پر سوار ہوئے اور لشکر چل پڑا۔ سب سے آگے رافع کا اونٹ تھا۔ اُسے رہبری کرنی تھی۔

مثنیٰ کھڑے دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "امیر المومنین نے ٹھیک کہا تھا کہ اب کوئی ماں خالدؓ جیسا بیٹا پیدا نہیں کرے گی۔"

وہی صحرا جو رات کو خنک تھا، سورج نکلتے ہی تپنے لگا اور جب سورج اور اوپر آیا تو زمین سے پانی کے رنگ کے شعلے اُٹھنے لگے۔ پانی کے رنگ کا جھلمل کرتا ایک پردہ تھا جو آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کے آگے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کیا ہے۔ جون کا سورج جب سر پر آیا تو لشکر کے افراد ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔ ہر کوئی زمین سے اٹھتی ہوئی تپش کے لرزتے پردے میں لرزتا کانپتا یا لٹکے ہوئے باریک کپڑے کی طرح لہروں کی طرح ہلتا نظر آتا تھا۔

مجاہدین نے ایک جنگی ترانہ مل کر گانا شروع کر دیا۔ خالدؓ نے انہیں روک دیا کیونکہ بولنے سے پیاس بڑھ جانے کا امکان تھا۔ اونٹ کئی دنوں تک پیاسا سفر کر سکتا ہے لیکن انسان پیدل جا رہا ہو یا اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہو، وہ چند گھنٹوں سے زیادہ پیاس برداشت نہیں کر سکتا۔ پہلی شام جب پڑاؤ ہوا تو تمام لوگ پانی پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے جسم جل رہے تھے۔ کھانے کی جگہ بھی اُنہوں نے پانی پی لیا۔

دوسرے دن لشکر کا ہر آدمی محسوس کرنے لگا تھا کہ یہ وہ صحرا نہیں جس میں انہوں نے بیشمار بار سفر کیا ہے یہ تو جہنم ہے جس میں وہ چلے جا رہے ہیں۔ ایک تو تپش تھی جو جلا رہی تھی، دوسرے ریت کی چمک تھی جو آنکھیں نہیں کھولنے دیتی تھی۔ ریت کا سمندر تھا بلکہ یہ آگ کا سمندر تھا اور لشکر شعلوں میں تیرتا جا رہا تھا۔

تیسرے روز کا سفر اس طرح ہولناک اور اذیت ناک ہو گیا کہ ٹیلوں اور نشیب و فراز کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہ ریت اور مٹی کے ٹیلے تھے جو آگ کی دیواروں کی مانند تھے۔ پہلے تو لشکر سیدھا جا رہا تھا، اب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مڑنا پڑتا تھا۔ دیواروں جیسے ٹیلے مجاہدین کو جلا رہے تھے۔ یہاں سب سے زیادہ خطرہ بھٹک جانے کا تھا۔ بعض دیواروں جیسے ٹیلوں کے درمیان جگہ اتنی تنگ تھی کہ اونٹ دونوں طرف رگڑ کھا کر گزرتے تھے۔ اونٹ بدک جاتے تھے کہ ان کے جسموں کے ساتھ گرم لوہا لگا دیا گیا ہے۔

تیسری شام پڑاؤ ہوا تو سب کے منہ کھلے ہوئے تھے اور وہ آپس میں بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اُس تمام لشکر نے پانی پیا تو یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ باقی سفر کے لیے پانی نہیں رہا۔ پانی کا ذخیرہ پانچ دنوں کے لیے کافی تھا مگر یہ تیسرے روز ختم ہو گیا۔ راستے میں بھی مجاہدین پانی پیتے تھے۔

چوتھا دن قیامت سے کم نہ تھا۔ پانی کی ایک بوند نہیں تھی۔ پیاس کا اثر جسمانی ہوتا ہے اور ایک اثر صحرا کا اپنا ہوتا ہے جو ذہن کو بگاڑ دیتا ہے۔ یہ ہوتی ہے وہ کیفیت جب سراب نظر آتے ہیں۔ پانی اور نخلستان دکھائی دیتے ہیں، شہر اور سمندری جہاز نظر آتے ہیں اور مسافر انہیں حقیقت سمجھتے ہیں۔ ریت کی چمک کا اثر بھی بڑا ہی

خوفناک تھا۔

لشکر میں کسی نے چلّا کر کہا — "وہ پانی آ گیا.... پہلے میں پیوں گا" — اور وہ آدمی چلتے اونٹ سے کود کر ایک طرف دوڑ پڑا۔ تین چار مجاہدین اُس کے پیچھے گئے۔

"اُسے اللہ کے سپرد کرو" — رافع بن عمیرہ نے دُور سے کہا — "صحرا نے قربانیاں وصول کرنی شروع کر دی ہیں.... اُس کے پیچھے مت دوڑو۔ سب مرو گے۔"

تھوڑی دیر بعد ایک مجاہد بے ہوش ہو کر اونٹ سے گرا۔ وہ اُٹھا اور اونٹ کی طرف آنے کی بجائے دوسری طرف چل پڑا۔ کوئی بھی اُس کے پیچھے نہ گیا۔ پیچھے نہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سب کی آنکھیں بند تھیں۔ ریت کی چمک اور تپش آنکھیں کھولنے ہی نہیں دیتی تھی۔

چوتھا دن جو پانی کے بغیر گذر رہا تھا صحیح معنوں میں جہنّم کے دنوں میں سے ایک تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے سورج اور نیچے آ گیا ہو۔ پہلے تو سب خود آنکھیں بند رکھتے تھے کیونکہ چمک اور تپش آنکھوں کو جلاتی تھیں، اب آنکھیں کھلتی ہی نہیں تھیں۔ اونٹ ہانپنے لگے تھے۔ کوئی اونٹ بڑی خوفناک آواز نکالتا، بیٹھنے کے لیے اگلی ٹانگیں دوہری کرتا اور ایک پہلو پر لڑھک جاتا تھا۔ سوار بھی گرتا مگر اُس میں اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لشکر میں ہر کسی کی آنکھیں بند تھیں اور دماغ بیکار ہو گئے تھے۔ انہیں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ اُن کا کوئی ساتھی اونٹ سے گر پڑا ہے یا یہ کہ اُس کا اونٹ بھی گر پڑا ہے اور اُسے اُٹھا کر اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا لیں۔

سراب کا شکار ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ خود خالدؓ کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ لشکر میں کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو عزم اور ایمان کی قوت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی، اور یہ اونٹ تھے جو چلے جا رہے تھے۔ اگر اونٹ رُک جاتے تو لشکر کا کوئی ایک بھی فرد ایک قدم نہ چل سکتا۔

گھوڑوں کے منہ کھل گئے تھے اور زبانیں لٹک آئی تھیں۔ مجاہدین کی زبانیں سُوج گئی تھیں۔ حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے منہ بھی کھل گئے تھے۔ وہ تو اب لاشوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اونٹوں کی پیٹھوں پر اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتے تھے، اسی لیے ان میں سے کوئی نہ کوئی گر پڑتا تھا۔ اب وہ عالمِ نزع کے قریب پہنچ رہے تھے۔ جسموں کی نمی خشک ہو چکی تھی۔

رات کو لشکر رُکا۔ تمام رات مجاہدین نے جاگتے گذاری۔ جسموں کے اندر سُوئیاں چبھتی تھیں۔ زبانوں کی حالت ایسی تھی جیسے منہ میں کسی نے لکڑی کا ٹکڑا رکھ دیا ہو۔

سفر کے آخری دن کا سورج طلوع ہو کر مجاہدین کو موت کا پیغام دینے لگا۔ کئی مجاہدین اونٹوں پر بے ہوش ہو گئے۔ وہ خوش قسمت تھے جو لڑھک کر گرے نہیں۔ یہ لشکر اب ایک لشکر کی طرح نہیں جا رہا تھا۔ اونٹ بکھر گئے تھے۔ بعض بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ کئی دائیں اور بائیں پھیل گئے تھے۔ رفتار خطرناک حد تک سُست ہو گئی۔

یہ پانی کے بغیر دوسرا دن تھا اور یہ ایک معجزہ تھا کہ وہ ابھی زندہ تھے۔ کونسی طاقت تھی جو انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی؟ وہ اللہ کا وہ پیغام تھا جو رسولِ کریمؐ لائے تھے اور یہ مجاہدین انسانیت کی نجات کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

لیے اللہ کا یہ پیغام زمین کے گوشے گوشے تک پہنچانے کے لیے صحرا کی آگ میں سے گذر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں بڑی ہی اذیت ناک آزمائش میں ڈال دیا تھا اور اُسی کی ذات انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی۔

غروبِ آفتاب سے بہت پہلے خالدؓ اپنے اونٹ کو رافع بن عمیرہ کے اونٹ کے قریب لے گئے

"ابنِ عمیرہ!"— خالدؓ نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے —"کیا اب ہمیں اُس چشمے پر نہیں ہونا چاہئے تھا جس کا تُو نے ذکر کیا تھا؟— سوئی ایک ہی منزل دُور رہ گیا ہوگا۔"

"اللہ تجھے سلامت رکھے ولید کے بیٹے!"— رافع بن عمیرہ نے کہا —"میں آشوبِ چشم کا مریض تھا۔ اس صحرا نے میری آنکھوں کا نُور ختم کر دیا ہے۔ میں اب کیسے دیکھوں؟"

"کیا تُو اندھا ہو گیا ہے؟"— خالد نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا —"جو تُو دیکھ سکتا تھا وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیا ہم بھٹک گئے ہیں؟"

مؤرخ واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ رافع بن عمیرہ کی بینائی ختم ہو گئی تھی۔ اُس نے ذہن میں کچھ حساب رکھا ہُوا تھا۔ ان دونوں مؤرخوں نے اُس کے صحیح الفاظ اپنی تحریروں میں نقل کیے ہیں۔

"ابنِ ولید!"— رافع نے کہا —"لشکر یہیں روک لے۔ اپنے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج۔ انہیں کہہ کہ وہ عورت کے پستانوں کی شکل کے دو ٹیلوں کو تلاش کریں۔"

خالدؓ نے کچھ آدمیوں کو آگے بھیج دیا۔ یہ آدمی جلدی ہی واپس آ گئے اور اُنہوں نے بتایا کہ وہ دو ٹیلے دیکھ آئے ہیں۔ رافع نے خالدؓ سے کہا کہ اللہ کے کرم سے وہ صحیح راستے پہ جا رہے ہیں۔ لشکر کو آگے لے چلو۔

"ابنِ ولید!"— رافع بن عمیرہ نے کہا —"اب اپنے آدمیوں سے کہہ کہ ایک درخت کو ڈھونڈیں جس پر کانٹے ہی کانٹے ہوں گے اور وہ کوئی اونچا درخت نہیں ہوگا، وہ دُور سے اس طرح نظر آئے گا جیسے کوئی آدمی بیٹھا ہُوا ہو۔ یہ درخت ان دو ٹیلوں کے درمیان ہوگا۔"

آدمی گھوم پھر کر واپس آ گئے اور اُنہوں نے یہ جاں لگاہ خبر سُنائی کہ اُنہیں ٹیلوں کے درمیان اور ارد گرد بلکہ دُور دُور تک کوئی ایسا درخت نظر نہیں آیا۔

"اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلیہِ رَاجِعُوْن"— رافع بن عمیرہ نے کہا —"سمجھ لو کہ ہم سب مر گئے"— اُس نے کچھ سوچ کر اور قدرے جھنجھلا کر کہا —"ایک بار پھر جاؤ۔ درخت مل جائے گا۔ ریت کے اندر ڈھونڈو۔"

آدمی پھر گئے، برچھیاں اور تلواریں ریت میں مار مار کر مطلوبہ درخت کو کھوجنے لگے۔ ایک جگہ انہیں ریت کی ڈھیری نظر آئی۔ ریت ہٹائی تو وہاں ایک درخت کا ٹُنڈ مُنڈ سا تنا ظاہر ہُوا۔ یہ خاردار تھا۔

"اُکھاڑ دو اِس درخت کو"— رافع نے کہا —"اور اس جگہ سے زمین کھود دو۔"

زمین اتنی زیادہ نہیں کھودی گئی تھی لیکن پانی اُمڈ پڑا اور ندی کی طرح بہنے لگا۔ اس گڑھے کو کھود کھود کر کھلا کرتے چلے گئے حتیٰ کہ یہ ایک وسیع تالاب بن گیا۔ لشکر کے مجاہدین اس پانی پر ٹوٹ پڑے۔ واقدی لکھتا ہے کہ یہ پانی اتنا زیادہ تھا کہ اتنے بڑے لشکر نے پیا پھر اونٹوں اور گھوڑوں نے پیا تب بھی یہ اُمڈتا رہا۔ مجاہدین نے مشکیزے بھر لیے تب اُنہیں خیال آیا کہ معلوم نہیں اُن کے کتنے ساتھی پیچھے رہ گئے ہیں۔

اونٹ بھی تر و تازہ ہو چکے تھے اور انسان بھی۔ اپنے ساتھیوں کا خیال آتے ہی کئی مجاہدین اونٹوں پر سوار ہو کے اور واپس چلے گئے۔ وہ منظر بڑا ہولناک تھا۔ جگہ جگہ کوئی نہ کوئی مجاہد اور کوئی اونٹ یا گھوڑا ریت پر بے ہوش پڑا اجل رہا تھا۔ مجاہدین نے اُن کے منہ میں پانی ڈالا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ بعض مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ اُنہیں اُن کے ساتھیوں نے وہیں دفن کر دیا۔

"ابنِ عمیرہ!"— خالدؓ نے رافع بن عمیرہ کو گلے لگا کر کہا —"تُو نے لشکر کو بچا لیا ہے۔"

"اللہ نے بچایا ہے ابنِ ولید!"— رافع نے کہا —"میں اس چشمے پر صرف ایک بار آیا تھا اور یہ تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ میں اُس وقت کمسن لڑکا تھا اور میرا باپ مجھے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس چشمے کو اب ریت نے چھپا لیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ یہاں چشمہ موجود ہے۔ یہ اللہ کا خاص کرم ہے کہ چشمہ موجود تھا۔"

ان مجاہدین کی مہم اس سفر پر ختم نہیں ہو گئی تھی۔ یہ تو آزمائش کی ایک کڑی تھی جس میں سے وہ گذر آئے تھے۔ اُن کا اصل امتحان ابھی باقی تھا۔ شام کی سرحد تک پہنچنے کے لیے ابھی دو منزلیں باقی تھیں لیکن وہ کٹھن نہیں تھیں۔ اصل مشکل یہ تھی کہ رومی ان کے مقابلے کے لیے اور انہیں شام کی سرحدوں سے دور ہی ختم کرنے کے لیے اتنی زیادہ فوج اکٹھی کر رہے تھے جس کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ نفری کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔

kutubistan.blogspot.com

اسلامی فوج کی نفری تو پہلے ہی کم تھی اور خالدؓ نو ہزار نفری کی جو کمک لے کر گئے تھے اس کے ہر فرد کو بالکل خشک اور ناقابلِ برداشت حد سے بھی زیادہ گرم صحرا نے پانچ دنوں میں چوس لیا تھا۔ ان کے جسموں میں دم خم ختم ہو چکا تھا۔ ان میں کچھ تو شہید ہو گئے تھے اور کچھ ایسے تھے جن پر صحرا نے بہت بُرا اثر کیا تھا۔ وہ آٹھ دس دنوں کے لیے بیکار ہو گئے تھے۔ باقی نفری کو بھی دو تین دن آرام کی ضرورت تھی لیکن احوال و کوائف ایسے تھے کہ آرام کے لیے مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ دشمن بیدار اور تیار تھا اور یہ بڑا ہی طاقت ور دشمن تھا۔

اُس وقت کے ملک شام پر رُومی حکمران تھے اور اُن کی فوج اُس دَور کی مشہور طاقتور اور مضبوط فوج تھی۔ اُس دور میں دو ہی شہنشاہی فوجیں مشہور تھیں۔ ایک فارس کی فوج دوسری رُومیوں کی۔ دُور دُور تک ان دونوں فوجوں کی دھاک بیٹھی ہُوئی تھی۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ ان کے ہتھیار برتر تھے۔ رُوم کی فوج کے متعلق تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ جس راستے سے گزرتی تھی اُس راستے کی بستیاں خالی ہو جاتی تھیں۔

فارس کی جنگی طاقت کو تو مسلمانوں نے بڑی تھوڑی نفری سے ختم کر دیا تھا اور عراق کے بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب مسلمان دوسری بڑی جنگی طاقت کو للکار رہے تھے۔ رُومی اکیلے نہیں تھے۔ ان کا اتحادی غسان کا بڑا ہی طاقتور قبیلہ تھا۔ رومی جب ان علاقوں میں آئے تھے تو غسان واحد قبیلہ تھا جس نے رومیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ مقابلہ چند دنوں یا مہینوں میں ختم نہیں ہو گیا تھا بلکہ غسانی بڑی لمبی مدت تک لڑتے رہے تھے۔ رومیوں نے شام کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا تو بھی غسانی لڑتے رہے۔ وہ رومی فوج کی سرحدی چوکیوں پر شب خون مارتے رہتے اور کبھی رومیوں کے مقبوضہ علاقے میں دُور اندر جا کر بھی حملے کرتے تھے۔

غسانیوں اور رومیوں کی یہ جنگ نسل بعد نسل چلتی رہی۔ آخر رومیوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ غسانی ایک قبیلہ نہیں ایک قوم ہیں اور انہیں تہ تیغ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ رومیوں نے غسانیوں کی الگ قومی حیثیت تسلیم کر لی اور انہیں شام کا کچھ علاقہ دے کر انہیں اس طرح کی خود مختاری دے دی کہ ان کا اپنا بادشاہ ہوگا اور وہ کسی حد تک روم کے بادشاہ کے تحت ہوگا۔ یہ بڑا پرانا واقعہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ غسانی قبیلہ ایسی صورت اختیار کر گیا کہ اس کے شاہی خاندان کو روم کا شاہی خاندان سمجھا جانے لگا۔

آج کے اُردن اور جنوبی شام پر غسانیوں کی حکمرانی تھی۔ یہ بھی رومیوں کی طرح ایک بادشاہی تھی جس کی فوج منظم اور طاقت ور تھی اور اسے ہتھیاروں کے معاملے میں بھی برتری حاصل تھی۔ اس بادشاہی کا پایۂ تخت بصرہ تھا۔

مسلمان رومیوں اور غسانیوں کو للکار کر بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ جنگ کا یہ دستور ہے کہ حملہ آور فوج کی نفری اُس ملک کی فوج سے تین گنا نہ ہو تو دگنی ضرور ہونی چاہیئے کیونکہ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے وہ قلعہ بند ہوتی ہے اور وہ تازہ دم بھی ہوتی ہے حملہ آور فوج بڑا لمبا سفر کر کے آتی ہے اس لیے وہ تازہ دم

نہیں ہوتی۔ جس فوج پر حملہ کیا جاتا ہے، وہ اپنے ملک میں ہوتی ہے جہاں اُسے رسد اور کمک کی سہولت ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں حملہ آور فوج اس سہولت سے محروم ہوتی ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ حملہ آور فوج کا دشمن ہوتا ہے۔

مسلمان جب شام پر حملہ کرنے گئے تو اُن کی نفری ۳۷ ہزار تھی۔ اٹھائیس ہزار پہلے وہاں موجود تھی اور نو ہزار خالدؓ لے کر گئے تھے۔ یہ نو ہزار مجاہدین فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ جس ملک پر وہ حملہ کرنے گئے تھے وہاں کم و بیش ڈیڑھ لاکھ نفری کی تازہ دم فوج موجود تھی اور مقابلے کے لیے بالکل تیار۔

۞

پانچ دنوں کے بھیانک سفر کے بعد جب مجاہدین نے چشمے سے پانی پی لیا، کھانا بھی کھا لیا تو اُن پر غنودگی کا طاری ہونا قدرتی تھا۔ انہیں توقع تھی کہ انہیں کچھ دیر آرام کی مہلت ملے گی۔ آرام اُن کا حق بھی تھا لیکن اپنے سالارِ اعلیٰ خالدؓ کو دیکھا۔ خالدؓ اب اونٹ کی بجائے اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک لمحے کا بھی آرام نہیں ملے گا۔

مؤرخ واقدی نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے ہلکی سی زرہ پہن رکھی تھی۔ اُنہوں نے یہ زرہ اس چشمے پر آ کر پہنی تھی۔ یہ زرہ مسیلمہ کذّاب کی تھی۔ خالدؓ نے جب اُسے شکست دی تھی تو اُس کی زرہ اُتروا کر اپنے پاس رکھ لی تھی۔ یہ ارتداد پر فتح حاصل کرنے کی یادگار تھی۔ اس فتح کی ایک نشانی اور بھی خالدؓ کے پاس تھی۔ یہ تلوار تھی۔ یہ بھی مسیلمہ کذّاب کی ہی تھی۔ خالدؓ نے وہی تلوار کمر سے باندھ رکھی تھی۔

واقدی کے مطابق، خالدؓ کے سر پر زنجیروں والی خود تھی اور خود پر اُنہوں نے عمامہ باندھا ہُوا تھا عمامہ کا رنگ سرخ تھا۔ خود کے نیچے انہوں نے جو ٹوپی پہن رکھی تھی وہ بھی سرخ رنگ کی تھی۔ خالدؓ کے ہاتھ میں سیاہ و سفید رنگ کا پرچم تھا جو صرف اس لیے مقدس نہیں تھا کہ یہ قومی پرچم تھا بلکہ اس لیے کہ یہ پرچم ہر لڑائی میں رسول کریمؐ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور جب آپؐ نے خالدؓ کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا تو اس کے ساتھ انہیں یہ پرچم بھی دیا تھا۔ پرچم کا نام عقاب تھا۔

ان نو ہزار مجاہدین میں جہاں صحابہ کرام بھی تھے وہاں خالدؓ کے اپنے فرزند عبدالرحمٰن بھی تھے جن کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ان میں امیرالمومنین ابوبکرؓ کے نوجوان فرزند بھی تھے۔ ان [illegible] رحمٰن ہی تھا۔

مجاہدین کھا پی کر اِدھر اُدھر بیٹھ گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سالارِ اعلیٰ کو گھوڑے پر سوار اپنے درمیان گھومتے پھرتے دیکھا تو سب اٹھ کھڑے ہُوئے۔ خالدؓ نے زبان سے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ ہر ایک کی طرف دیکھتے اور مسکراتے تھے۔ اُن کی خود اور زرہ دیکھ کر اور اُن کے ہاتھ میں رسول اللہؐ کا پرچم دیکھ کر مجاہدین سمجھ گئے کہ اُن کے سالارِ اعلیٰ چلنے کو تیار ہیں۔ تمام مجاہدین کسی حکم کے بغیر اُٹھ کھڑے ہُوئے اور اب اونٹوں کی بجائے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ اللہ کی شمشیر تھوڑی سی دیر کے لیے بھی نیام میں نہیں جائے گی۔

خالدؓ کی جانفزا مسکراہٹ نے پورے لشکر کی تھکن دُور کر دی۔ لشکر چلنے کے لیے تیار ہو گیا۔

"ولید کے بیٹے! یہ دیکھ!" — ایک آدمی پُرجوش لہجے میں کہتا اور دوڑتا آ رہا تھا — "یہ دیکھ ولید کے بیٹے! اللہ نے میری بینائی مجھے لوٹا دی ہے۔ میں دیکھ سکتا ہوں۔ میں تجھے دیکھ رہا ہوں۔"

"بے شک اللہ ایمان والوں پر کرم کرتا ہے" — کسی نے بلند آواز سے کہا۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

"اللہ رحیم و کریم ہے"—کسی اور نے نعرہ لگایا۔

یہ تھا رافع بن عمیرہ جس نے اس لشکر کی راہنمائی اس خطرناک صحرا میں کی تھی۔ وہ آشوبِ چشم کا مریض تھا۔ ریت کی چمک اور تپش سے اُس کی بینائی ختم ہوگئی تھی لیکن جسم میں چشمے کا پانی گیا اور آنکھوں میں پانی کے چھینٹے پڑے تو رافع کی بینائی واپس آگئی۔ خالدؓ کو اس کی بہت زیادہ خوشی ہوئی جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کے لشکر کا راہنما اور میدانِ جنگ کا شہسوار ہمیشہ کے لیے اندھا نہیں ہو گیا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ رافع بن عمیرہ خالدؓ کا داماد تھا۔

مجاہدین بغیر آرام کیے اپنی اگلی منزل کو جا رہے تھے۔ اب ان کا سفر سہل تھا لیکن اُس دشمن پر فتح سہل نظر نہیں آتی تھی جس سے لڑنے وہ جا رہے تھے۔ وہ دشمن بہت طاقت ور تھا۔ اُس کے وہاں قلعے تھے۔ وہ اُس کی زمین اور اُس کا ملک تھا۔ مسلمان کھلے میدان میں تھے اور اپنے مستقر سے سینکڑوں میل دُور تھے۔ انہیں اپنے لیے اور اپنے جانوروں کے لیے خوراک کا خود ہی انتظام کرنا تھا، اور ان کے لیے یہ بہت بڑا مسئلہ تھا۔

خالدؓ جب اپنے لشکر کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف بڑھ رہے تھے، اُس وقت غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم اپنے امراء اور سالاروں کو حکم دے چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج سرحدوں پر آگئی ہے اور اسے سرحدوں پر ہی ختم کر دینا ہے۔ اُس وقت خالد بن سعید کو رومی فوج شکست دے چکی تھی اور مدینہ کا اٹھائیس ہزار مجاہدین کا لشکر چار حصوں میں شام کی سرحد پر پہنچ چکا تھا۔

"ہم نے رومیوں کو شکستیں دی ہیں"---غسانی شاہ جبلہ نے اپنے امراء اور سالاروں سے کہا تھا---"رومیوں سے بڑھ کر جابر اور جنگجو کون ہو سکتا ہے۔ ہم نے اس زبردست فوج کو گھٹنوں بٹھا کر اس سے یہ علاقہ لے لیا تھا جس پر آج ہماری حکمرانی ہے۔ تمہارے سامنے مسلمانوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ مت سوچو کہ مسلمانوں نے فارسیوں کو شکست دی ہے اور اُنہیں اٹھنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ فارسی بُزدل تھے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شجاعت کو یاد کرو۔ اگر تم نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر لیا تو رومی ہی جو آج ہمارے بھائی بنے ہوئے ہیں تم پر چڑھ دوڑیں گے۔ پھر تم دو دشمنوں کے درمیان پس جاؤ گے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ وہ زیادہ دن تمہارے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے"۔

"شہنشاہِ غسان!"—ایک معمّر سالار نے کہا—"اُن کی تعداد تھوڑی ہے تو کیا وجہ ہے کہ فارس کے تمام نامور سالار اُن کے ہاتھوں مارے گئے ہیں؟ یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ فارسی بزدل تھے۔ کیا ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہے؟ کیا مسلمانوں نے فراض کے میدان میں رومیوں اور فارسیوں کی متحدہ فوج کو شرمناک شکست نہیں دی؟"

"ضرور دی ہے"—جبلہ بن الایہم نے کہا—"میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ اگر تم نے مسلمانوں کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لیا تو رومیوں اور فارسیوں پر تمہاری بہادری کی دہشت بیٹھ جائے گی اور تم جانتے ہو کہ اس کا تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ میرا حکم یہ ہے کہ سرحد کی ہر ایک بستی میں یہ پیغام پہنچا دو کہ مسلمانوں کا لشکر یا ان کا کوئی دستہ کسی بھی طرف سے گزرے اُس پر حملہ کر دو اور اسے زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی

کوشش کرو۔ ہر وہ شخص جس نے غسانی ماں کا دودھ پیا ہے وہ اپنے قبیلے کی آن پر جان قربان کر دے لیکن تین چار مسلمانوں کی جان ضرور لے.... میں اپنے آپ کو دھوکہ نہیں دے رہا۔ میں ان مسلمانوں کو کمزور نہیں سمجھتا جو اپنے وطن سے اتنی دُور آگئے ہیں۔ وہ اپنے عقیدے کے بل بوتے پر آئے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ اُن کا مذہب سچا ہے اور وہ خُدا کے برتر بندے ہیں اور خدا اُن کی مدد کرتا ہے۔ اگر تم اپنے عقیدے کو مضبوطی سے پکڑ لو تو تم انہیں کچل کر رکھ دو۔ قبیلے کے بچے بچے کو لڑاؤ۔ عورتوں کو بھی لڑاؤ اور ہر کوئی یہ کوشش کرے کہ مسلمانوں کو یہاں سے کھانے کو ایک دانہ نہ ملے، پینے کو پانی کی بوند نہ ملے اور ان کے اونٹ اور گھوڑے اُس گھاس کی ایک پتی بھی نہ کھا سکیں جو تمہاری زمین نے اگائی ہے"۔

خالدؓ کی اگلی منزل سوئی تھی جس کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ سرسبز اور شاداب جگہ ہے۔ ان کے راستے میں پہلی بستی آئی تو اس سے کچھ دور کم و بیش چالیس گھوڑسواروں نے مسلمانوں کے ہراول پر اس طرح حملہ کیا کہ گھوڑے اچانک ٹیلوں کے پیچھے سے نکلے، سرپٹ دوڑتے آئے اور برچھیوں سے مجاہدین پر ہلّہ بول دیا۔ مجاہدین بھی شہسوار تھے اور اس طرح کی چھاپہ مار لڑائی میں مہارت رکھتے تھے اس لیے انہیں زیادہ نقصان نہ اٹھانا پڑا۔ کچھ مجاہدین زخمی ہو گئے اور انہوں نے حملہ آور سواروں میں سے تین چار کو گرا لیا۔

یہ غسانی سوار تھے جنہوں نے پہلے ہلّے میں مسلمانوں کو بتا دیا تھا کہ وہ لڑنا جانتے ہیں اور اُن میں لڑنے اور مرنے کا جذبہ بھی ہے۔ وہ ہلّہ بول کر آگے نکل گئے اور بکھر گئے تھے۔ دور جا کر وہ پھر واپس آئے۔ اب مسلمان پوری طرح تیار تھے۔ غسانیوں نے ہلّہ بولا۔ وہ برچھیوں اور تلواروں سے مسلّح تھے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن وہ بے جگری سے لڑتے ہوئے نکل گئے۔ ان کا انداز جم کر لڑنے والا تھا ہی نہیں۔

تقریباً اتنے ہی غسانی سواروں نے مجاہدین کے لشکر کے عقبی حصّے پر حملہ کیا۔ یہ بھی چھاپہ مار قسم کا ہلّہ تھا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور آگے نکل گئے۔ خالدؓ لشکر کے وسط میں تھے۔ انہیں اطلاع ملی تو انہوں نے لشکر کی ترتیب بدل دی لیکن وہ لشکر کو زیادہ پھیلا نہ سکے کیونکہ وہ علاقہ ہموار نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد خالدؓ کے سامنے چند ایک غسانی قیدی لائے گئے۔ انہیں مجاہدین نے گھوڑوں سے گرا لیا تھا۔ ان سے جب جنگی نوعیّت کی معلومات حاصل کی جانے لگیں تو اُن سب نے بڑی جرأت سے باتیں کیں۔

"تم جدھر جاؤ گے تم پر حملے ہوں گے"—ایک قیدی نے کہا۔

"جب آدمی نہیں ہوں گے وہاں تم پر عورتیں حملہ کریں گی"—ایک اور قیدی نے کہا۔

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ ہم تمہارے دشمن ہیں؟"—خالدؓ نے پوچھا۔

"دشمن نہیں ہو تو یہاں آئے کیوں ہو؟"—ایک قیدی نے جواب دیا۔

ان قیدیوں نے اور تو کچھ نہ بتایا کہ اُن کی فوج کتنی ہے اور کہاں کہاں ہے، ان سے یہ پتہ چل گیا کہ تمام سرحدی بستیوں میں ان کے بادشاہ کا یہ حکم پہنچا تھا کہ مسلمانوں پر حملے کرتے رہیں تا کہ جب مسلمان غسانیوں کی فوج کے مقابلے میں آئیں تو وہ تھکے ہوئے ہوں اور کمزور ہو چکے ہوں۔

"یہاں سے تمہیں اناج کا ایک دانہ نہیں ملے گا"—ایک قیدی نے کہا—"پینے کو پانی کا ایک قطرہ نہیں ملے گا"۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تمھارے اونٹوں اور گھوڑوں کو ہم بھوکا ماریں گے" ــــ ایک اور قیدی نے کہا ــــ "ہماری زمین سے یہ گھاس کی ایک پتی نہیں کھا سکیں گے۔"

"کیا تمھاری موت تمھیں یہاں نے آئی ہے؟" ــــ ایک اور قیدی بولا۔

"لڑنے آئے تھے تو خالدؓ بن ولید کو ساتھ لاتے" ــــ ایک اور قیدی نے کہا۔

"وہ آجاتا تو تم کیا کرتے؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"سنا ہے اُس کے سامنے اُس کا کوئی دشمن پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکتا" ــــ قیدی نے جواب دیا ــــ "اور سُنا ہے وہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ قیدیوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیتا ہے۔"

"اگر وہ اتنا ظالم ہوتا تو تم اس وقت اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوتے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "تمھارے سر تمھارے کندھوں پر نہ ہوتے۔"

"کہاں ہے وہ؟" ــــ قیدی نے پوچھا۔

"تمھارے سامنے کھڑا ہے" ــــ خالدؓ بن ولید نے مسکراتے ہوئے کہا ــــ "میں تمھاری بہادری کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسا حملہ بہادر کیا کرتے ہیں جیسا تم نے کیا ہے۔"

تمام قیدیوں پر خاموشی طاری ہو گئی تھی اور وہ حیرت زدہ تاثر چہروں پر لیے خالدؓ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم مجھ سے ڈر رہے ہو کہ میں تمھیں قتل کر دوں گا؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

ان میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

"نہیں" ــــ خالدؓ نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا ــــ "تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔ تمھارے ابھی بہت سے بھائی ہماری قید میں آئیں گے۔ کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ قتل وہی ہو گا جو ہمارے مقابلے میں آئے گا..... کیا تم غسان کے لشکر کے آدمی ہو؟"

"نہیں" ــــ ایک قیدی نے جواب دیا ــــ "ہم اس بستی کے رہنے والے ہیں۔"

"تم میرا نام کس طرح جانتے ہو؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"ابنِ ولید!" ــــ ایک ادھیڑ عمر قیدی نے جواب دیا ــــ "تیرا نام غسان کے بچے بچے نے سنا ہے۔ غسان کی فوج تیرے نام سے واقف ہے۔ فارس کی فوج کو شکست دینے والا سالار عام قسم کا انسان نہیں ہو سکتا لیکن ابنِ ولید! اب تیرا مقابلہ قبیلہ غسان سے ہے۔"

خالدؓ اس شخص کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ دوستانہ انداز میں باتیں جاری رکھیں اور ان سے کچھ باتیں معلوم کر لیں۔ مؤرخ واقدی نے لکھا ہے کہ خالدؓ کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ غسانیوں اور رومیوں تک ان کا صرف نام ہی نہیں پہنچا تھا بلکہ ان کے نام کے ساتھ کچھ روایتیں اور حکایتیں بھی پہنچ گئی تھی۔ بعض لوگ خالدؓ کو مافوق الفطرت شخصیت سمجھنے لگے تھے۔

٭

خالدؓ آگے بڑھتے گئے۔ غسانیوں کے گروہوں نے دو اور جگہوں پر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کیا۔ ایک حملہ جو چھاپہ مار قسم کا تھا، خاصا سخت تھا۔ مسلمان چونکہ چوکس اور تیار تھے اس لیے ان کا زیادہ نقصان نہ ہُوا۔ حملہ آوروں کا جانی نقصان زیادہ ہُوا۔ خالدؓ کو قیدیوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ اُن پر ان حملوں کا مقصد کیا ہے۔

اُنہوں نے سوچا کہ اس طرح مزاحمت جاری رہی تو انہیں اپنے لشکر کے کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وہ سویٰ کے قریب ظہر اور عصر کے درمیان پہنچے تو انہیں بڑا ہی وسیع سبزہ زار نظر آیا۔ اس میں بے شمار بھیڑیں، بکریاں اور مویشی چر رہے تھے۔ یہ وسیع چراگاہ تھی۔ اس کے قریب سویٰ کی بستی تھی۔ خالدؓ نے اس خیال سے کہ پیشتر اس کے کہ ان پر حملہ ہو، اُنہوں نے حکم دے دیا کہ تمام بھیڑ بکریاں اور مویشی پکڑ لیے جائیں اور انہیں کھانے کے لیے اور ان میں جو دودھ دینے والے جانور تھے انہیں دودھ کے لیے استعمال کیا جائے۔

مجاہدین ان جانوروں کو پکڑنے لگے تو بستی والوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ غسانیوں کے گھوڑے اچھے تھے اور ان کے ہتھیار بھی اچھے تھے لیکن مسلمانوں کے آگے وہ زیادہ دیر ٹھہر نہ سکے۔ خالدؓ نے چراگاہ پر قبضہ کر لیا۔ جب بستی میں گئے تو وہاں لڑنے والا کوئی ایک بھی آدمی نہیں تھا۔ وہ بوڑھے تھے، عورتیں تھیں اور بچے تھے مسلمانوں کو دیکھ کر وہ بھاگنے لگے۔ عورتیں اپنے بچوں کو اٹھائے چھپ گئیں یا بھاگ اٹھیں۔ خالدؓ کے حکم سے ان سب کو روک کر کہا گیا کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اگر بستی سے مسلمان لشکر کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تو بستی کو اجاڑ دیا جائے گا۔

٭

مخبروں نے خالدؓ کو اطلاع دی کہ کچھ دور آگے ایک قلعہ ہے جس میں عیسائی فوج ہے اور اس کا سالار رومی ہے۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ سویٰ کے بھاگے ہوئے غسانی اس قلعے میں چلے گئے ہیں۔

اس قلعے کا نام ارک تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام گہری ہو گئی۔ قلعے کے دروازے سورج غروب ہوتے ہی بند ہو گئے تھے۔ اس کے بعد قلعے کے سنتریوں کو جو دیوار پر ٹہل رہے تھے، گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دیئے۔ سنتریوں نے "خبردار، ہوشیار" کی صدائیں لگانی شروع کر دیں۔ کماندار دیوار پر گئے اور نیچے دیکھا۔ بہت سے گھوڑے دوڑے آ رہے تھے۔ وہ قلعے کے بڑے دروازے پر آ کر رُک گئے۔ ابھی اور گھوڑے اور اونٹ آ رہے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟" ــــ دروازے کے اوپر ایک بُرج سے ایک کماندار نے پوچھا۔

"ہم غسانی ہیں" ــــ باہر سے ایک سوار نے جواب دیا ــــ "مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم نے سویٰ میں انہیں روکنے کی کوشش کی تھی لیکن ہم اُن کے مقابلے میں جم نہ سکے۔ ہم بستی میں جاتے تو مسلمان ہمیں زندہ نہ چھوڑتے۔"

"کیا تم پناہ لینے آئے ہو؟"

"پناہ بھی لیں گے" ــــ ایک غسانی سوار نے جواب دیا ــــ "اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے بھی تمھیں ہماری ضرورت ہو گی۔"

رومی سالار کو بلایا گیا۔ اُس نے ان لوگوں سے اپنی تسلی کے لیے کئی سوال کیے اور ان کے لیے قلعے کا دروازہ کھلوا دیا۔ انہوں نے رومی سالار کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں کی نفری کتنی ہے اور اب وہ کہاں ہیں۔

اگلی صبح طلوع ہُوئی تو خالدؓ کا لشکر قلعے تک پہنچ گیا تھا اور قلعے کو محاصرے میں لے رہا تھا۔ عیسائی فوج جو قلعے میں تھی، قلعے کی دیواروں پر چلی گئی اور فوج کا ایک حصّہ قلعے کے بڑے دروازے سے کچھ دور کھڑا ہو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

گیا۔ اس حصے کو ایسی صورتِ حال کے لیے تیار رکھا گیا کہ دروازہ ٹوٹ جائے تو یہ دستہ حملہ آوروں کو اندر نہ آنے دے اور حکم ملنے پر باہر جا کر مسلمانوں پر حملے کرے۔ قلعے کے باہر للکار اور نعرے گرج رہے تھے۔

"قلعہ ہمارے حوالے کر دو" ــــ خالدؓ کے حکم سے رافع بن عمیرہ نے بلند آواز سے کہا ــــ "ورنہ ہر غسانی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ ہتھیار ڈال دو اور کسی کو باہر بھیجو جو ہمارے ساتھ صلح کی شرطیں طے کر لے۔"

"اے مسلمانو!" ــــ اوپر سے ایک کماندار نے للکار کر کہا ــــ "یہ قلعہ تمہیں اتنی آسانی سے نہیں ملے گا۔"

واقدی لکھتا ہے کہ قلعے میں ایک ضعیف العمر عالم تھا۔ اُس نے رومی سالار کو بلایا۔ اس عالم کی قدر و منزلت تھی اور غسانی اُس کا حکم مانتے اور اُس کی ہر بات کو برحق تسلیم کرتے تھے۔

"کیا اس فوج کا پرچم کالے رنگ کا ہے؟" ــــ عالم نے پوچھا۔

"ہاں مقدس باپ!" ــــ رومی سالار نے جواب دیا ــــ "اُن کا جھنڈا نظر آ رہا ہے جو سفید اور کالے رنگ کا ہے۔"

"کیا یہ فوج صحرا میں سے اُس راستے سے گزر کر آئی ہے جس راستے سے کبھی کوئی نہیں گزرا؟" ــــ عالم نے پوچھا۔

مؤرخ واقدی، طبری اور ابنِ یوسف نے لکھا ہے کہ دو مخبروں نے اس عالم کو بتایا کہ مسلمانوں کی فوج صحرا کے اُس حصے میں سے گزر کر آئی ہے جہاں اونٹ بھی نہیں جاتے اور جہاں سانپ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

"کیا اس فوج کے سالار کا قد اونچا ہے؟" ــــ معمر عالم نے پوچھا ــــ "کیا اُس کا جسم گٹھا ہوا ہے اور اُس کے کندھے چوڑے ہیں؟"

"مقدس باپ!" ــــ کسی نے جواب دیا ــــ "قد تو ان سب کے اونچے ہیں اور جسم بھی سب کے گٹھے ہوئے ہیں لیکن اُس کے کندھے سب سے چوڑے ہیں۔"

"کیا اُس کی داڑھی زیادہ گھنی ہے؟" ــــ عالم نے پوچھا ــــ "اور کیا اُس کے چہرے پر کہیں کہیں چیچک کے گہرے داغ ہیں؟"

"ہاں مقدس درویش!" ــــ کسی اور نے جواب دیا ــــ "اُس کی داڑھی دوسروں سے زیادہ گھنی ہے اور یہ داڑھی اُس کے چہرے پر بہت اچھی لگتی ہے اور اُس کے چہرے پر چیچک کے کچھ داغ ہیں۔"

اس عالم درویش نے رومی سالار اور عیسائی سرداروں کی طرف دیکھا اور کچھ دیر خاموش رہا پھر اُس نے اپنا سر دائیں بائیں دو بار ہلایا۔

"یہ وہی شخص ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہمت تم میں سے کسی میں بھی نہیں" ــــ اُس نے کہا۔

"اے کہ تو جس کا احترام ہم سب پر لازم ہے، کیا کہہ رہا ہے؟" ــــ رومی سالار نے کہا ــــ "وہ تو ہمارا قیدی ہو گا جس سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے۔"

"کیا تو نے اُن کا انجام نہیں دیکھا جنہوں نے اُس کا مقابلہ کیا تھا؟" ــــ عالم نے کہا۔

"کیا وہ آسمانوں کا کوئی دیوتا ہے جسے زمین کا کوئی انسان شکست نہیں دے سکتا؟" ــــ ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

"اے عیسائی سردار!" ــــ عالم نے کہا ــــ "وہ چوڑے کندھوں اور چیچک کے داغوں والا جو مدینہ سے آیا ہے اُس کے پاس عَلم ہے اور میرے پاس علم ہے۔ تیرے پاس عَلم ہے نہ علم۔ تُو رومی نہیں تو غسانی بھی نہیں،

اور جو مجھے نظر آتا ہے وہ تُو نہیں دیکھ سکتا ہے.... اور تُو کہتا ہے کہ وہ آسمان کا دیوتا تو نہیں... سن رُومی سالار اور تُو بھی سن عیسائی سردار! جو اُس صحرا میں سے اپنے لشکر کو زندہ گزار لایا ہے جہاں کی ریت پہلے اندھا کرتی پھر جسم کو خشک لکڑی بناتی اور پھر جلا دیتی ہے، وہ انسان آسمانوں کے دیوتاؤں کو بھی شکست دے سکتا ہے.... میں اور کچھ نہیں کہتا سوائے اس کے کہ قلعہ اُس کے حوالے کر دو اور اگر لڑنا چاہو تو عقل اور ہوش سے کام لینا لیکن عقل تمہارا ساتھ نہیں دے گی۔"

ن

اُس وقت جب یہ عالم اور درویش قلعہ دار اور عیسائی سرداروں کو بتا رہا تھا کہ وہ خالدؓ کے مقابلے میں آئیں تو ذرا سوچ لیں، اُس وقت قلعے کے اندر مسلمانوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔

"دروازے کھول دو.... ہتھیار ڈال دو.... ہم قلعہ لینے آئے ہیں.... اپنے لشکر کو، اپنی عورتوں اور بچوں کو بچاؤ۔"

رومی سالار عیسائی سرداروں کے ساتھ قلعے کی دیوار پر آیا اور ہر طرف جا کر دیکھا۔ اُسے مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ نظر نہیں آ رہی تھی کہ وہ قلعہ سر کر لیتی لیکن وہ مسلمانوں کا پرچم "عقاب" دیکھتا تھا تو وہ اپنے آپ میں دھچکہ سا محسوس کرتا تھا۔

"کیا یہی ہے سارا لشکر؟" ــــ رومی سالار نے کسی سے پوچھا ــــ "یہی نہیں ہو سکتا۔"

"یہ لشکر اتنا ہی ہے" ــــ اُسے جواب ملا۔

"تیروں کا مینہ برسا دو ان پر!" ــــ اُس نے حکم دیا ــــ "قریب آئیں تو برچھیاں پھینکو۔"

دیوار سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔

"خدا کی قسم، یہ تیر ہمیں نہیں روک سکتے" ــــ خالدؓ نے گلا پھاڑ کر کہا ــــ "ایسے تیر ہم پر بہت برسے ہیں۔ تیر اندازوں کو آگے کر دو۔ دروازوں پر ہلہ بول دو.... اور سب سے کہہ دو کہ یہ شام کا پہلا قلعہ ہے۔ اگر ہم پہلے قلعے پر ہار گئے تو شکست ہمارا مقدر بن جائے گی۔"

خالدؓ کے قاصدوں نے جب قلعے کے چاروں طرف یہ پیغام پہنچا دیا تو تیر انداز تیروں کی بوچھاڑوں میں آگے بڑھے اور اندھا دھند نہیں بلکہ ایک ایک آدمی کا نشانہ لے کر تیر چلانے لگے۔ سب سے زیادہ تیر انداز قلعے کے بڑے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور دروازے کے اوپر اور بُرجوں میں تیر پھینک رہے تھے۔ مجاہدین کی بے خوفی اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ کئی مجاہدین دروازے تک پہنچ گئے اور کلہاڑیوں سے دروازہ توڑنے لگے

دروازہ مضبوط تھا جسے اس حالت میں توڑنا آسان نہیں تھا کہ اُوپر سے تیر آ رہے تھے لیکن مجاہدین کی اس جرأت نے اور لشکر کے نعروں نے قلعے والوں کا حوصلہ توڑ دیا۔ اُن پر اپنے عالم درویش کی باتوں کا اثر بھی تھا۔

"اب بھی وقت ہے" ــــ خالدؓ کے حکم سے ایک بلند آواز مجاہد نے اعلان کیا ــــ "قلعہ دے دو گے تو فائدے میں رہو گے۔ قلعہ ہم نے لیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد قلعے پر سفید جھنڈا لہرانے لگا۔ خالدؓ نے اپنے سالاروں کی طرف قاصد دوڑا دیئے کہ رک جاؤ۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"باہر آکر بات کرو" ـــ مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہُوا۔

قلعے کا دروازہ کھلا۔ رومی سالار دو تین عیسائی سرداروں کے ساتھ باہر آیا اور مدینہ کے اُس سالار کے سامنے آن کھڑا ہُوا جس کے کندھے چوڑے، داڑھی گھنی اور جس کے چہرے پر چیچک کے چند ایک داغ تھے۔

"خُدا کی قسم، تو عقل والا ہے" ـــ خالدؓ نے رومی سالار سے کہا ـــ "تُو نے اپنی آبادی کو اور اپنے لشکر کو قتلِ عام سے بچا لیا ہے۔ اب تُو مجھ سے وہ توقع رکھ سکتا ہے جو دوست دوستوں سے رکھا کرتے ہیں۔"

خالدؓ نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔ رومی سالار نے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

"ہاتھ نہیں" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "پہلے تلوار۔"

رومی سالار نے اپنے کمربند سے تلوار مع نیام کھول کر خالدؓ کے حوالے کر دی، پھر عیسائی سرداروں نے اپنی اپنی تلواریں اتار کر خالدؓ کے آگے پھینک دیں۔

"اب بتا اے سالارِ مدینہ!" ـــ رومی سالار نے پوچھا ـــ "تیری اور شرط کیا ہے؟ کیا ہماری جوان لڑکیاں اور بچے تیرے لشکر سے محفوظ رہیں گے؟"

"ہم تمہاری لڑکیاں اٹھانے نہیں آئے اے رومی سالار!" ـ خالدؓ نے کہا ـــ "ہم جزیہ لیں گے۔ کوئی اور محصول نہیں لیں گے۔ اگر تُو کچھ دیر اور لڑتا اور ہم قلعہ اپنے زور پر لیتے تو ارک کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی اور اندر لاشوں کے ڈھیر لگے ہوتے۔ تُو امن سے آیا ہے امن سے جا۔ اپنی لڑکیوں کو، بچّوں کو اور اُن کی ماؤں کو ساتھ لے جا.... اور دل میں یہ بات رکھ کہ ہم لُوٹ مار کرنے نہیں آتے، ہم کچھ دینے آئے ہیں۔ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اسلام۔ اس پر غور کرنا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار اور عیسائی سردار خوف زدہ حالت میں آتے تھے۔ خوف یہ تھا کہ خالدؓ انہیں قتل کرا دے گا اور قلعے میں کچھ بھی نہیں چھوڑے گا لیکن خالدؓ نے جزیہ کے سوا کوئی اور شرط عائد نہ کی۔ اب رومی اور عیسائی خوف زدہ نہیں حیرت زدہ تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی فاتح مفتوح کے ساتھ اتنی فیاضی سے پیش آسکتا ہے۔ ان لوگوں پر کرم یہ کیا گیا کہ صرف فوج کو وہاں سے نکالا گیا۔ باقی تمام آبادی امن و امان میں وہاں موجود رہی۔

۞

خالدؓ کو وہاں سے مقامی گائیڈ مل گئے تھے۔ ارک سے آگے دو مقامات سخنہ اور قدمہ تھے۔ خالدؓ نے ارک پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اپنے لشکر کو قصبے کے باہر خیمہ زن کیا۔ رات کو خالدؓ نے اپنے سالاروں کے ساتھ بڑے جذباتی انداز سے اللہ کا شکر ادا کیا۔ شام کے پہلے ہی قلعہ دار نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ شام کی سرحد کے قریب پہنچ کر خالدؓ کی چال ڈھال میں تبدیلی سی آگئی تھی۔ وہ سرخ رنگ کا عمامہ سر پر رکھتے تھے۔ مسیلمہ کذّاب کی تلوار ان کے پاس رہتی تھی۔ رسولِ اکرمؐ کا دیا ہُوا مقدس پرچم اُن کے خیمے پر لگا رہتا اور خالدؓ کو اکثر دیکھا گیا کہ اس مقدس پرچم پر نظریں گاڑے کھڑے ہیں۔ کوچ اور پیشقدمی کے دوران بھی وہ اس پرچم "عقاب" کو دیکھتے تو اُن کی نظریں کچھ دیر پرچم پر جمی رہتی تھیں۔ انہیں شاید یہ احساس پریشان کر رہا تھا کہ وہ وطن سے بہت دور ایک طاقتور ملک کو فتح کرنے آگئے ہیں لیکن اُن کی باتوں اور مسکراہٹوں میں حوصلہ مندی صاف نظر آتی تھی۔

رات کو خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

"بیشک اللہ غفور الرحیم ہے" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "فتح اور شکست اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہم لڑتے ہیں تو اللہ ہی کے نام پر لڑتے ہیں۔ جانیں دیں گے تو اُسی کے نام پر دیں گے.... میرے دوستو! کیسے شکر بجا لاؤ گے ربِّ کریم کا جس نے تمہارے نام کا خوف تمہارے قدم یہاں پڑنے سے پہلے ہی دشمنانِ اسلام کے دلوں پر طاری کر دیا تھا۔ کیسے احسان چکاؤ گے اپنے اللہ کا جس نے پہلا ہی قلعہ کسی جانی نقصان کے بغیر تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔ تکبّر نہ کرنا اور یہ نہ بھولنا کہ ہمارے ساتھ وہ پرچم ہے جو رسولؐ اللہ اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ یہ پرچم نہیں، یہ ہمارے رسولؐ کی روحِ مقدس ہے جو ہمارے ساتھ ہے....

"تم نے صبر اور تحمل کی، جرأت اور شجاعت کی جو روایت قائم کی ہے یہ ہماری آنے والی نسلوں کو راستہ دکھانے والی روشنی کا کام دے گی۔ ہمیں ابھی اور روایات قائم کرنی ہیں اور یہی روایات اسلام کو زندہ رکھیں گی۔"

ایسی کچھ اور باتیں کر کے خالدؓ اپنی اگلی پیشقدمی کے متعلق احکام دینے لگے۔ انہوں نے دو دستوں کے سالاروں سے کہا کہ وہ اگلے دو مقامات پر قبضے کے لیے جائیں گے۔ ایک کو سخنہ اور دوسرے کو قدمہ جانا تھا۔ خالدؓ نے انہیں کہا کہ انہیں ایک ایک دستے سے ان دونوں بستیوں کو لینا ہے۔ جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق یہ دونوں بستیاں چھوٹے چھوٹے قلعوں یا قلعہ نما حویلیوں کا مجموعہ تھیں۔

"ارک کی فتح دونوں بستیوں کی فتح کو مشکل بنا چکی ہوگی" ـــ خالدؓ نے سالاروں سے کہا ـــ "ارک کے شکست خوردہ آدمی وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ عیسائی اور رومی ارک کی شکست کا انتقام ضرور لیں گے۔ تمہیں بڑے سخت مقابلے کا سامنا ہوگا۔ پسپا نہ ہونا۔ میں کمک تیار رکھوں گا۔ اللہ نے ہمیں یہ اڈہ دے دیا ہے۔ میں تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔"

خالدؓ نے سالار ابو عبیدہ کے نام ایک پیغام لکھوایا اور ایک قاصد کو دے کر کہا کہ فجر کی نماز کے فوراً بعد وہ روانہ ہو جائے اور یہ پیغام ابو عبیدہ کو دے آئے۔

ابو عبیدہ اُن اٹھائیس ہزار مجاہدین کے ایک حصے کے سالار تھے جو امیر المومنین ابو بکرؓ نے مدینہ سے تیار کر کے شام کی فتح کے لیے روانہ کیا تھا۔ اس لشکر کے چار حصے کیے گئے تھے اور ہر حصہ شام کی سرحد پر ایک دوسرے سے دور مختلف جگہوں پر پہنچ گیا تھا۔ سالار ابو عبیدہ جابیہ کے علاقے میں تھے۔ خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں اور جب تک انہیں خالدؓ کی طرف سے کوئی حکم نہ ملے وہ کوئی حرکت نہ کریں۔

"اور میں تدمُر جا رہا ہوں" ـــ خالدؓ نے اپنے سالاروں کو بتایا ـــ "تدمُر باقاعدہ قلعہ ہے۔ اسے سر کرنا آسان نہیں ہوگا، اس لیے اسے میں نے اپنے ذمے لے لیا ہے.... میرے رفیقو! معلوم نہیں ہم ایک دوسرے کو زندہ مل سکیں گے یا نہیں، یہ خیال رکھنا کہ ہم اللہ کے حضور اکٹھے ہوں تو اللہ کے آگے شرمسار ہوں نہ ایک دوسرے کے آگے!"

۞

خالدؓ کے ساتھ مجاہدین کا جو لشکر تھا اس کی تعداد نو ہزار پوری نہیں تھی۔ اسے بھی خالدؓ نے تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصّے کو ایک ایک مقام فتح کرنا تھا۔ خالدؓ نے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن انہیں اللہ کی ذات پر اور رسولِ اکرمؐ کے "عقاب" پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہوں نے اتنا بڑا خطرہ مول لے لیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صبح ہوتے ہی خالدؓ تدمُر کی طرف کوچ کر گئے اور دو سالار اپنے اپنے دستوں کو لے کر سخنہ اور قدمہ کو روانہ ہو گئے۔

خالدؓ نے جاتے ہی تدمُر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اس میں بھی عیسائیوں کی فوج تھی۔ خالدؓ نے نعروں کے ساتھ قلعے کے دروازوں پر ہلّے بولے اور بار بار اعلان کرایا کہ قلعہ اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ دیکھا گیا کہ قلعے کے دفاع میں لڑنے والوں میں کوئی جوش وخروش نہیں تھا۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ قلعے کا دروازہ کھلا اور عیسائی سردار باہر آ گئے۔ انہوں نے خالدؓ سے پوچھا کہ وہ کن شرطوں پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔

"جزیہ ادا کرو" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اور یہ معاہدہ کہ یہاں سے مسلمانوں کا جو بھی لشکر یا دستہ گزرا کرے گا اُسے کھانے پینے کا سامان تم مہیا کرو گے اور قلعے میں رکنا ہُوا تو تم اُسے جگہ دو گے۔"

"تمہاری فوج لُوٹ مار تو نہیں کرے گی؟" ——— ایک عیسائی سردار نے پوچھا۔

"جزیئے کے عوض تمہاری عزت اور تمہاری جانوں اور تمہارے اموال کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہو گی" ——— خالدؓ نے کہا ——— "کسی اور نے تم پر حملہ کیا تو مسلمان تمہاری مدد کو پہنچیں گے اور تم رومی اور غسانیوں کا ساتھ نہیں دو گے۔"

"ابنِ ولید!" ——— ایک سردار نے کہا ——— "ہم نے جیسا سنا تھا تجھے ویسا ہی پایا۔ اب تُو ہمیں اپنا دوست پائے گا۔"

عیسائیوں کے سب سے بڑے سردار نے اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا خالدؓ کو تحفہ پیش کیا۔ یہ بڑا قیمتی گھوڑا تھا۔ یہ دوسرا قلعہ تھا جو خالدؓ کے قدموں میں آن پڑا اور خالدؓ اللہ کے حضور سجدے میں گر پڑے۔

ن

اُدھر سخنہ اور قدمہ میں ایک جیسا ہی معجزہ ہُوا۔ دونوں دستوں کے سالاروں پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ ایک خطرہ یہ تھا کہ وہ دشمن ملک کے زیادہ اندر یعنی گہرائی میں جا رہے تھے۔ دوسرا خطرہ یہ کہ ارک سے فوجی چلے گئے تھے۔ ان کا ان قصبوں میں ہونا اور وہاں کے لوگوں کو ساتھ مِلا کر مقابلے میں آنا لازمی تھا، اور سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ دونوں سالاروں کے پاس صرف ایک ایک دستہ تھا۔

دونوں دستے تقریباً ایک ہی وقت اپنے اپنے ہدف پر پہنچے۔ دونوں سالاروں نے اپنے اپنے طور پر طے کر لیا تھا کہ اُن کا مقابلہ اگر زیادہ تعداد سے ہو گیا تو وہ جم کر نہیں لڑیں گے بلکہ گھوم پھر کر اور دشمن کو بکھیر کر لڑیں گے۔ انہوں نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ خالدؓ سے مدد نہیں مانگیں گے کیونکہ خالدؓ ایک قلعے پر حملہ کرنے گئے تھے۔

ایمان کے جذبے کی یہ انتہا تھی کہ وہ اتنی قلیل تعداد میں کہاں جا پہنچے تھے۔ انہوں نے اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے سپرد کر دیئے تھے۔ وہ اپنی بیویوں اور اپنے ماں باپ اور اپنے بہن بھائیوں کو فراموش کیے ہوتے تھے۔ اُن پر یہ نشہ طاری تھا کہ کُفر کے فتنے کو ختم کر کے اللہ کے پیغام کو زمین کے دوسرے سرے تک پہنچانا ہے۔ ان کے دلوں میں اللہ کا نام اور رسولؐ کا عشق تھا اور اُن کے ذہنوں میں کوئی وہم اور کوئی شک نہ تھا۔ جہاد ان کی عبادت تھی اور وہ اللہ سے ہی مدد مانگتے تھے ——— اور اب وہ

اُس مقام پر اور ایسے حالات میں جا پہنچے تھے کہ اللہ ہی اُن کا حافظ تھا۔

ایک سالار سخنہ کے قریب اور دوسرا قدمہ کے قریب پہنچا تو دونوں جگہوں پر ایک ہی جیسا منظر دیکھنے میں آیا۔ وہاں کے لوگ باہر نکل آئے اور ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو پھیلا دیا۔ یہاں کوئی دھوکہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لوگ مسلّح نہیں تھے۔ اُن کی عورتیں اور بچے بھی باہر آ گئے اور سب ہاتھ اوپر کر کے ہِلا رہے تھے۔

سالاروں نے اپنے اپنے دستے کو محاصرے کی ترتیب میں کر دیا۔ اُن کی نظریں اُن مکانوں پر لگی ہُوئی تھیں جو چھوٹے چھوٹے قلعوں کی مانند تھے۔ سالاروں کو خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ وہ آگے بڑھیں گے تو ان مکانوں سے ان پر تیر برسنے لگیں گے۔

وہ رک رک کر آگے بڑھنے لگے۔ دونوں بستیوں کی آبادی عربی عیسائیوں کی تھی۔ ان میں سے چار پانچ معمر سفید ریش آگے بڑھے۔ قریب آ کر انہوں نے استقبال کے انداز میں بازو پھیلا دیئے۔

"ہم تمہارا استقبال کرتے ہیں" ——— ایک سفید ریش عیسائی نے کہا ——— "آؤ..... دوستوں کی طرح آؤ۔ ہم امن کے بندے ہیں۔"

"اور اگر ہم پر ایک بھی تیر آیا تو اس بستی کی تباہی دیکھ کر بھی یقین نہیں کرو گے" ——— سالار نے کہا۔

"مکانوں کے دروازے کھلے ہیں" ——— عیسائی بزرگ نے کہا ——— "آبادی کا ایک بچہ بھی اندر نہیں۔ دیکھ لو۔ کسی کے ہاتھ میں کمان نہیں، برچھی نہیں، تلوار نہیں۔"

"کہاں ہیں وہ جو ارک سے یہاں آئے تھے" ——— سالار نے پوچھا۔

"کچھ ہیں کچھ چلے گئے ہیں" ——— ایک معمر عیسائی نے کہا ——— "انہوں نے ہی ہمیں بتایا ہے کہ تمہاری فوج لُوٹ مار نہیں کرتی، نہتوں اور بے کسوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتی اور تم ایسی شرطوں پر دوستی قبول کر لیتے ہو جو کسی پر بار نہیں ہوتیں۔"

"اور جو ہماری شرطیں قبول نہ کرے اُس کا انجام کچھ اور ہوتا ہے" ——— سالار نے کہا۔

"اے مدینہ کے سالار!" ——— عیسائی سردار نے کہا ——— "بتا تیری شرطیں کیا ہیں؟"

"وہی جو تمہاری پیٹھ اٹھا سکے گی اور کمر کو توڑے گی نہیں" ——— سالار نے کہا ——— "جزیہ..... ہم خود دیکھیں گے کہ جو جزیہ ادا کرنے کے قابل نہیں اُس سے ہم کچھ بھی نہیں لیں گے۔"

"کچھ اور؟"

"مسلمانوں کا لشکر یا کوئی دستہ یا کوئی قاصد یہاں سے گزرے گا تو یہ اس بستی کی ذمہ داری ہو گی کہ اُس پر حملہ نہ ہو" ——— سالار نے کہا ——— "اگر وہ یہاں رکنا چاہیں گے تو اُن کے جانوروں کا چارہ بستی کے ذمے ہو گا۔ ان کی کوئی اور ضرورت جو تم پر بار نہیں ہو گی وہ تم پوری کرو گے۔ ہمارے لشکر کا کوئی فرد بستی کے کسی گھر میں داخل نہیں ہو گا۔ تمہاری عزتوں کی اور تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔ رومیوں کی طرف سے، غسانیوں اور فارسیوں کی طرف سے تمہیں کوئی دھمکی ملے گی یا تم پر کوئی حملہ کرے گا تو اس کا جواب ہم دیں گے۔"

دونوں بستیوں میں ایسے ہی ہُوا۔ اُس دور میں فوجوں کا یہ رواج تھا کہ بستیوں کو لُوٹتی اور اجاڑتی چلی جاتی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھیں۔ کوئی عورت ان سے محفوظ نہیں رہتی تھی۔ جو آبادیاں ان کے آگے جھک جاتی تھیں، ان کے ساتھ تو فاتح فوجیں اور زیادہ بُرا سلوک کرتی تھیں لیکن یہ روایت مسلمانوں نے قائم کی کہ جس نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اُسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اُس کی عزت کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری سمجھا۔ اسی کا اثر تھا کہ کفار کی بستیاں اُن کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرتی جا رہی تھیں۔

خالدؓ کو اطلاع ملی کہ سخنہ اور قدمہ کی آبادی نے اطاعت قبول کر لی ہے تو انہوں نے وہاں کے لیے عمال مقرر کر کے دونوں دستوں کو اپنے پاس بلا لیا۔

ن

خالدؓ نے آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ آگے قریتین کا قصبہ تھا جس کی آبادی دوسری بستیوں کی نسبت زیادہ تھی۔ خالدؓ نے اس کے قریب پہنچ کر لشکر کو روک لیا اور اپنے دو نائبین سے کہا کہ وہ بستی میں جا کر صلح اور معاہدے کی بات کریں۔ یہ دونوں ابھی چلے ہی نہیں تھے کہ وہاں کی آبادی نے دائیں اور بائیں سے مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔

یہ حملہ اگر غیر متوقع نہیں تو اچانک ضرور تھا۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو ہجوم کی صورت میں نہیں بلکہ جنگی ترتیب میں رکھا ہُوا تھا۔ وہ آخر دشمن ملک میں تھے۔ اُنہوں نے ایک دو دستے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔ جوں ہی حملہ ہُوا، خالدؓ نے پیچھے والے دستوں کو آگے بڑھا دیا۔

حملہ آوروں میں بستی کے لوگ زیادہ معلوم ہوتے تھے اور ان میں کچھ تعداد باقاعدہ فوجیوں کی بھی تھی جو دوسری جگہوں مثلاً ارک اور تدمُر سے آئے ہوئے فوجی تھے۔ یہ سب لوگ تعداد میں تو زیادہ تھے لیکن اُن کے لڑنے کا انداز اپنا ہی تھا اور یہ انداز باقاعدہ فوج والا نہیں تھا۔ خالدؓ کی جنگی چالوں کے سامنے تو بڑے تجربہ کار سالار بھی نہیں ٹھہر سکے تھے۔ تھوڑے سے وقت میں مجاہدین نے اس ہجوم کی یہ حالت کر دی کہ اُن کے لیے بھاگ نکلنا بھی محال ہو گیا۔

چونکہ یہ لڑائی تھی اور مسلمانوں پر باقاعدہ حملہ ہُوا تھا اس لیے خالدؓ نے جنگی اصولوں کے تحت احکام دیئے۔ مسلمانوں نے بستی پر حملہ کیا اور مالِ غنیمت اکٹھا کیا۔ قیدی بھی پکڑے اور آگے بڑھے۔ اب خالدؓ پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے، انہیں دشمن قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا جاتا تھا۔

اس جھڑپ سے فارغ ہو کر آگے گئے تو آٹھ نو میل آگے بے شمار مویشی چر رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ تمام مویشی اپنے قبضے میں لے لیے جائیں۔ یہ حوّارین کا علاقہ تھا۔ مجاہدین مویشیوں کو پکڑ رہے تھے تو ہزاروں آدمیوں نے اُن پر حملہ کر دیا۔ یہ سب عیسائی تھے۔ غسانیوں کی خاصی تعداد نہ جانے کہاں سے اُن کی مدد کو آن پہنچی۔ یہ ایک شدید حملہ تھا۔ حملہ آور قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے۔ ان کا ایک ہی نعرہ سنائی دے رہا تھا ——"انہیں (مسلمانوں کو) کاٹ دو..... انہیں زندہ نہ جانے دو۔"

خالدؓ کی حاضر دماغی اور مجاہدین کی ہمت اور ان کے استقلال نے انہیں اس میدان میں بھی فتح دی لیکن مجاہدین کے جسموں میں اگر کچھ تازگی رہ گئی تھی تو وہ بھی ختم ہو گئی۔

کسی بھی تاریخ میں مجاہدین کی شہادت اور زخمی ہونے کے اعداد و شمار نہیں ملتے۔ ان پر جو حملے ہوئے تھے

ان میں یقیناً کئی مجاہدین شہید ہوئے ہوں گے۔ بعض شدید زخمی ہو کر ساری عمر کے لیے معذور بھی ہوتے ہوں گے۔ شہیدوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں کم ہو سکتی ہے، یہ کہنا کہ کوئی بھی شہید نہیں ہُوا، درست نہیں۔ اس طرح مجاہدین کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی اور کمک کی کوئی امید نہیں تھی، پھر بھی مجاہدین سیلاب کی مانند بڑھے جا رہے تھے۔

ن

خالدؓ اب زنجیروں والی خَود جس پر وہ سُرخ عمامہ باندھے رکھتے تھے، رات کو ہی اتارتے تھے۔ لشکر کا کہیں قیام ہوتا تھا تو خالدؓ مجاہدین کے درمیان گھومتے پھرتے رہتے۔ اُن کے چہرے پر تازگی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ اُن کی مسکراہٹ میں طلسماتی سا تاثر تھا جو مجاہدین کے حوصلوں اور جذبے کو تر و تازہ کر دیتا تھا۔

حوّارین کے لوگوں کو شکست دے کر خالدؓ نے وہاں صرف ایک رات قیام کیا اور صبح دمشق کی سمت کوچ کر گئے۔

شام اور لبنان کے درمیان ایک سلسلۂ کوہ ہے۔ اس کی ایک شاخ شام میں چلی جاتی ہے۔ دمشق سے تقریباً بیس میل دور دو ہزار فٹ کی بلندی پر ایک درّہ ہے جس کا نام ثنیۃ العقاب (درّۂ عقاب) ہے۔ اسے یہ نام خالدؓ نے دیا تھا۔ دمشق کی طرف کوچ کے دوران خالدؓ کا لشکر تقریباً ایک گھنٹے کے لیے رُکا تھا اور خالدؓ نے اپنا پرچم "عقاب" یہاں گاڑا تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ جتنی دیر وہاں رُکے رہے، ایک جگہ کھڑے دمشق کی طرف دیکھتے رہے۔ اُن کے سامنے زرخیز، سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ صحراؤں کے یہ مجاہد اتنا سرسبز اور دل نشین خطّہ دیکھ کر حیرت کا اظہار کر رہے تھے۔

دمشق سے گیارہ بارہ میل دور مرج راہط نام کا ایک شہر تھا۔ اس کی تمام تر آبادی غسانیوں کی تھی۔ غسانیوں کی بادشاہی میں ہلچل بپا تھی۔ ان کے پایۂ تخت بصرہ میں اطلاع پہنچ چکی تھی کہ مسلمان بڑی تیزی سے بڑھے آ رہے ہیں اور عیسائی ان کے آگے ہتھیار ڈالتے چلے جا رہے ہیں۔

غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن الایہم غصے میں رہنے لگا تھا۔ فارسیوں کی طرح وہ بھی بار بار کہتا تھا کہ ان ذرا جتنے مسلمانوں کو اُس کی بادشاہی میں داخل ہونے کی جرأت کیسے ہُوئی ہے۔ اُس نے اپنے جاسوس بھیج کر معلوم کر لیا تھا کہ مسلمان کس طرف سے آ رہے ہیں اور ان کی نفری کتنی ہے۔ اسے آخری اطلاع یہ ملی کہ خالدؓ بن ولید دمشق سے کچھ دور رہ گیا ہے اور وہ مرج راہط کے راستے دمشق تک پہنچے گا۔

"مرج راہط!"—— جبلہ غسانی نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا پھر بھڑک کر بولا ——"مرج راہط..... کیا ان دنوں وہاں میلہ نہیں لگا کرتا؟"

"میلہ شروع ہے"—— اُسے جواب ملا۔

جبلہ نے اُسی وقت اپنے سالاروں کو بلایا اور انہیں کچھ احکام دیئے اور کہا کہ ان احکام پر فوراً عمل شروع ہو جائے۔ یہ ایک جال تھا جو اُس نے خالدؓ کے لشکر کے لیے مرج راہط کے میلے میں بچھا دیا تھا۔

"وہ عیسائی تھے جنہوں نے مسلمانوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں"—— اُس نے کہا ——" مان اس

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خوشی کے ساتھ بڑھتے آرہے ہیں کہ اُن کے راستے میں جو بھی آئے گا ان کی اطاعت قبول کرلے گا۔ رومیوں کو نیچا دکھانے والے غسانی عرب کے بدّوؤں کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ ہم مرج راہط میں ہی ان کا خاتمہ کردیں گے۔"

خالدؓ مرج راہط کے قریب پہنچ رہے تھے اور انہیں میلہ نظر آرہا تھا۔ بہت بڑا میلہ تھا۔ یہ غسانیوں کا کوئی تہوار تھا۔ ہزارہا لوگ جمع تھے۔ کھیل تماشے ہو رہے تھے۔ گھوڑ دوڑ اور شتر دوڑ بھی ہو رہی تھی۔ کہیں ناچ تھا کہیں گانے تھے۔ ایک وسیع میدان تھا جس میں آدمی ہی آدمی تھے۔ ان کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

خالدؓ کا لشکر جب کچھ اور قریب گیا تو تہوار منانے والا یہ ہجوم دیکھتے ہی دیکھتے فوج کی صُورت اختیار کر کے جنگی ترتیب میں آگیا۔ گھوڑ سوار باقاعدہ رسالہ بن گئے۔ ہر آدمی تلوار یا برچھی سے مسلح تھا۔ عورتیں اور بچے بھاگ کر قصبے میں چلے گئے اور ہجوم جو فوج کی صورت اختیار کر گیا تھا، اس طرح دائیں اور بائیں پھیلنے لگا جیسے مجاہدین کو گھیرے میں لینا چاہتا ہو۔

مجاہدین کو اپنے پیچھے سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کا قیامت خیز شور سنائی دیا۔ اُدھر دیکھا۔ غسانی سواروں کا ایک دستہ تلواریں اور برچھیاں تانے سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح چلا آرہا تھا۔ یہ تھا وہ جال جو جبلہ بن الایہم نے خالدؓ کے لیے بچھایا تھا۔

ممکن نظر نہیں آتا تھا کہ خالدؓ اپنے لشکر کو اس جال میں سے نکال سکیں گے۔ مجاہدین کی تعداد نو ہزار بھی نہیں رہ گئی تھی اور جس دشمن نے انہیں اپنے جال میں لے لیا تھا اُس کی تعداد تین گنا تھی۔ مجاہدین تھکے ہوئے بھی تھے۔ پانچ روزہ صحرائی سفر کے بعد وہ مسلسل پیشقدمی اور معرکہ آرائی کرتے آرہے تھے۔

غسانیوں کے بادشاہ جبلہ نے ٹھیک سوچا تھا کہ مسلمان کوچ کی ترتیب میں آرہے ہوں گے اور انہیں جنگی ترتیب میں آتے کچھ وقت لگے گا اور اُن پر حملہ اس طرح ہو گا کہ انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ اُس نے مسلمانوں کی قلیل تعداد کو بھی پیشِ نظر رکھا تھا اور یہ بھی کہ مسلمان میلے کو بے ضرر لوگوں کا میلہ ہی سمجھیں گے۔

غسانیوں کو معلوم نہیں تھا کہ خالدؓ میلے پر نہیں آتے تھے۔ وہ تجربہ کار سالار تھے۔ انہیں اچانک حملوں کا تجربہ ہو چکا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ جوں جوں وہ دشمن ملک کے اندر ہی اندر جا رہے ہیں، حملوں اور چھاپوں کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ چنانچہ وہ لشکر کو ایسی ترتیب میں رکھتے تھے کہ اچانک اور غیر متوقع حملے کا فوراً مقابلہ کیا جائے

ان کے عقب سے غسانیوں کے جو سوار طوفانی موجوں کی طرح آرہے تھے وہی مسلمانوں کو کچلنے کے لیے کافی تھے۔ خالدؓ کی توجہ اس رسالے پر تھی اور وہ مطمئن تھے۔ مجاہدین ایک مشین کی طرح اس صورتِ حال سے نمٹنے کی ترتیب میں آگئے۔ خالدؓ نے خود نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کا مجاہدین نے رعد کی کڑک کی طرح جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے بلند آواز سے کچھ احکام دیئے۔

"خُدا کی قسم، ہم انہیں سنبھال لیں گے"۔۔۔۔ خالدؓ نے بلند آواز سے کہا۔۔۔۔ "اللہ کے نام پر، محمدؐ الرّسول اللہ کے نام پر!"

غسانیوں کا رسالہ بڑی تیزی سے قریب آرہا تھا۔ اس کے پیچھے اور کچھ دائیں سے ایک اور رسالہ نکلا۔ سینکڑوں گھوڑے اِنتہائی رفتار سے دوڑتے آرہے تھے۔ ان کا رخ غسانی سواروں کی طرف تھا۔

"پیچھے دیکھو"۔۔۔ کسی غسانی سوار نے چلّا کر کہا۔۔۔ "یہ مسلمان سوار معلوم ہوتے ہیں۔"

پیچھے سے آنے والے سوار مسلمان ہی تھے۔ یہ مجاہدین کے لشکر کا عقبی حصہ (ریئر گارڈ) تھا۔ ان سواروں نے غسانی سواروں کو آن لیا۔ غسانی سوار اس حملے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کا ہلّہ (چارج) بے ترتیب ہونے ہوتے رُک گیا۔ ادھر سے خالدؓ نے اپنے سوار دستے کو تیز حملے کا حکم دے دیا۔ غسانی سوار گھیرے میں آکر سکڑنے لگے۔ پھر وہ اتنے سکڑ گئے کہ ان کے گھوڑوں کو ایک قدم بھی دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہلنے جلنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔

اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے شتر سوار تیر اندازوں کو میلے والے لشکر پر تیر برسانے کا حکم دے دیا اور دوسرے دستوں کو دشمن کے پہلوؤں پر حملے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے اپنے دستے سے سامنے سے حملہ کیا۔

یہ عقل اور جذبے کی لڑائی تھی۔ غسانی پیادوں کو اپنے گھوڑ سواروں پر بھروسہ تھا جو اب مجاہدین کی تلواروں سے کٹ رہے تھے یا معرکے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔

خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کے لشکر کے عقب میں چلے جائیں تاکہ دشمن شہر میں نہ جا سکے۔ خالدؓ کے حکم سے غسانیوں کے خیموں کو آگ لگا دی گئی۔ یہ خیمے میلے کے لیے لگے ہوتے تھے۔ شعلوں نے غسانیوں پر خوف طاری کر دیا۔ ان کے حوصلے تو یہی دیکھ کر ٹوٹ گئے تھے کہ انہوں نے جو جال بچھایا تھا وہ بُری طرح ناکام ہو گیا تھا۔

غسانیوں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ ان کا جانی نقصان اتنا زیادہ ہو رہا تھا کہ خون دیکھ کر وہ گھبرا گئے۔ آخر وہ بھاگنے لگے۔ خالدؓ بار بار اعلان کرا رہے تھے کہ اپنے شہر کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو باہر رہو۔

شام تک خالدؓ اس شہر سے مالِ غنیمت اور بہت سے قیدی اکٹھے کر چکے تھے۔ شہر میں اُن عورتوں کے بَین سنائی دے رہے تھے جن کے خاوند، بھائی، باپ اور بیٹے مارے گئے تھے۔

خالدؓ نے رات کو ابوعبیدہؓ کے نام پیغام بھیجا کہ وہ خالدؓ کو بصرہ کے قرب وجوار میں ملیں۔ بصرہ غسانی حکومت کا پایۂ تخت تھا۔ غسانی اور رومی مل کر بصرہ کے دفاع کا انتظام کر رہے تھے۔ مجاہدین کا بڑا ہی سخت امتحان ابھی باقی تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وہ جو محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا بھیجا ہُوا رسول نہیں مانتے تھے اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں سمجھتے تھے، وہ ابھی تک جنگی طاقت کو افراد کی کمی بیشی اور ہتھیاروں کی برتری اور کمتری سے ناپ تول رہے تھے۔ حیران تو وہ ہوتے تھے کہ مسلمان کس طرح اور کس طاقت کے بل بوتے پر فتح حاصل کرتے آ رہے ہیں لیکن اپنی فوجوں اور گھوڑوں کی افراط اور اپنے ہتھیاروں کی برتری کا اُن کو ایسا گھمنڈ تھا کہ وہ سوچتے ہی نہیں تھے کہ انسان میں کوئی اور طاقت بھی ہو سکتی ہے اور یہ طاقت عقیدے اور مذہب کی سچائی ہوتی ہے۔

غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن الایہم بصرہ میں اس خبر کا انتظار بڑی بے تابی سے کر رہا تھا کہ مرج راہط میں اُس کا دھوکہ کامیاب رہا ہے اور مسلمانوں کو کاٹ دیا گیا ہے۔ اُس نے فرض کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو شکست دی جا چکی ہے۔ اُسے آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ مسلمانوں کے لیے میلے کی صورت میں پھندا تیار ہو چکا ہے اور مسلمان تیزی سے اس پھندے میں آ رہے ہیں۔

جبلہ کے طور اور انداز ہی بدل گئے تھے۔ گذشتہ رات اُس نے اپنے ہاں جشن کا سماں بنا دیا تھا۔ شراب کے مٹکے خالی ہو گئے تھے۔ جبلہ بن الایہم شراب میں تیرتا اور نشے میں اُڑتا جوان ہو گیا تھا۔ اُس نے بڑھاپے کا مذاق اڑایا تھا۔ اُس نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اُس کے حرم کی جوان عورتیں من مانی کر رہی ہیں اور ان میں سے بعض اُس کی قید و بند سے آزاد ہو کر اپنی پسند کے آدمیوں کے ساتھ محل کے باغیچوں میں غائب ہو گئی ہیں۔

خود جبلہ کی بدمستی کا یہ عالم تھا کہ اس جشنِ مے نوشی میں ایک بڑی حسین اور نوجوان لڑکی اُس کے سامنے سے گزری تو اُس نے لپک کر لڑکی کو پکڑ لیا اور اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ کر بیہودہ حرکتیں کرنے لگا۔ لڑکی اُس کے بازوؤں میں آزاد ہونے کو تڑپنے لگی۔

"تیری یہ جرأت؟" —— اُس نے لڑکی کو الگ کر کے ایک جھٹکے سے اپنے سامنے کھڑا کیا اور بڑے سخت غصے میں بولا —— "کون ہے تُو جو میرے جسم کو ناپسند کر رہی ہے؟"

"تیری بھانجی!" —— لڑکی نے روتے ہُوئے چلّا کر کہا —— "تیرے باپ کی بیٹی کی بیٹی۔"

جبلہ بن الایہم نے بڑی زور سے قہقہہ لگایا۔

"فتح کی خوشی کا نشہ شراب کے نشے سے تیز ہوتا ہے" —— جبلہ نے کہا۔ اُس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی —— "کل جب مجھے خبر ملے گی کہ مسلمانوں کو کچل دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بھاگ نہیں سکا تو میری حالت اور زیادہ بُری ہو جائے گی۔"

اُس کی بھانجی روتی ہوئی جشن سے نکل گئی۔

☆

پھر وہ وقت آ گیا جب وہ مسلمانوں پر اپنی فتح کی خبر کا منتظر تھا۔ اب تک خبر آ جانی چاہیے تھی۔ وہ باغ میں جا بیٹھا تھا۔ ایک جواں سال خادمہ طشتری میں شراب کی صراحی اور پیالہ رکھے اُس کی طرف جا رہی تھی۔ اُدھر سے دربان بڑا تیز چلتا اُس تک پہنچا۔

"آیا ہے کوئی؟" —— جبلہ نے بیتاب ہو کر دربان سے پوچھا —— "کوئی مرج راہط سے آیا ہے؟"

"قاصد آیا ہے" —— دربان نے دبے دبے سے لہجے میں کہا —— "زخمی ہے۔"

"بھیجو اُسے!" —— جبلہ نے جوش سے اُٹھتے ہُوئے کہا —— "وہ فتح کی خبر لایا ہے۔ اُسے جلدی میرے پاس بھیجو۔"

خادمہ طشتری اٹھائے اُس کے قریب کھڑی تھی۔ اُدھر سے ایک زخمی چلا آ رہا تھا۔

"وہیں سے کہو کہ تم فتح کی خبر لائے ہو" —— جبلہ بن الایہم نے کہا۔

زخمی قاصد نے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ چلتا آیا۔ اُس کے کپڑے اپنے زخموں کے خون سے لال تھے۔ اُس کا سر کپڑے میں لپٹا ہُوا تھا۔

"کیا تم اتنے زخمی ہو کہ بول نہیں سکتے؟" —— جبلہ نے بلند آواز سے پوچھا۔

"بول سکتا ہوں" —— قاصد نے کہا —— "لیکن جو خبر لایا ہوں وہ اپنی زبان سے سنانے کی جرأت نہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" —— جبلہ کی آواز دب سی گئی —— "کیا مسلمان پھندے میں نہیں آئے؟ .... آ کر نکل گئے ہیں؟"

"ہاں!" —— قاصد نے شکست خوردہ آواز میں کہا —— "وہ نکل گئے .... اُنہوں نے ایسی چال چلی کہ ہم اُن کے پھندے میں آ گئے .... اپنی فوج کٹ گئی ہے۔ مرج راہط کو اُنہوں نے لُوٹ لیا ہے۔"

جبلہ بن الایہم نے طشتری سے شراب کی صراحی اٹھائی۔ خادمہ نے پیالہ اٹھا کر اُس کے آگے کیا۔ جبلہ نے صراحی بڑی زور سے قاصد پر پھینکی۔ قاصد بہت قریب کھڑا تھا۔ صراحی اُس کے ماتھے پر لگی۔ وہ تیورا کر گرا۔ جبلہ نے خادمہ کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر اُس کے منہ پر مارا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔

غسانیوں کے بادشاہ کا محل ماتمی فضا میں ڈوب گیا۔ مرج راہط کے بھگوڑے غسانی بصرہ میں آ گئے اور بصرہ ماتمی شہر بن گیا۔ اصل ماتم تو اُن کے ہاں تھا جن کے بیٹے، بھائی، خاوند اور باپ اُس پھندے میں آ کر مارے گئے تھے جو اُنہوں نے خالدؓ کے مجاہدین کے لیے تیار کیا تھا۔

اس ماتم کے ساتھ ایک دہشت بھی آئی تھی اور یہ دہشت ہر گھر میں پہنچ گئی تھی۔

"اُن کے تیر زہر میں بجھے ہُوئے ہوتے ہیں۔ کسی کو اس تیر سے خراش آ جائے تو بھی وہ مر جاتا ہے۔"

"اُن کے گھوڑے پروں والے ہیں۔ کہتے ہیں ہوا سے باتیں کرتے ہیں۔"

"اِن مسلمانوں کا رسولؐ جادوگر تھا۔ اُس کا جادو چل رہا ہے۔"

"اُن کے سامنے لاکھوں کی فوج بھی نہیں ٹھہر سکتی۔"

"سنا ہے دل کے بڑے نرم ہیں جو اُن کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، انہیں وہ گلے لگا لیتے ہیں۔"

"جس شہر میں اُن کا مقابلہ ہوتا ہے اُس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں۔"

"کسی کو زندہ نہیں چھوڑتے۔ لڑنے والوں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دبی دبی ایسی آواز بھی سنائی دیتی تھیں — "مذہب ان کا سچا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کو مانتے ہیں۔ یہی ان کی طاقت ہے۔ جنون سے لڑتے ہیں۔"

ان لوگوں پر جو حیرت اور دہشت طاری ہو گئی تھی اس میں وہ حق بجانب تھے۔

☆

"تم لوگ بصرہ کو بھی نہیں بچا سکو گے" — جبلہ بن الایہم قہر بھرے لہجے میں اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا — "تمہاری بزدلی کو دیکھ کر میں نے رومیوں کو مدد کے لیے پکارا ہے۔ اگر تم مسلمانوں کو شکست دے دیتے تو میں رومیوں کے سینے پر کُودتا۔ اُن پر میری دھاک بیٹھ جاتی مگر تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا، رومی ہمارے پایۂ تخت کی حفاظت کرنے آئے ہیں۔"

وہ اپنے سالاروں کو کوس ہی رہا تھا کہ اُسے اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی ایک فوج بصرہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔

"اتنی جلدی؟" — اُس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا — "مرج راہط سے وہ اتنی جلدی بصرہ تک کس طرح آ گئے ہیں؟ رومی سالار کو اطلاع دو۔"

رومی فوج جو خالدؓ کی کامیابیوں کی خبریں سن کر جبلہ بن الایہم کی مدد کو آئی تھی وہ بصرہ کے باہر خیمہ زن تھی۔ اس کے سالار کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کی فوج آ رہی ہے تو سالار نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اس فوج میں عرب عیسائی بھی تھے۔

فوج جو بصرہ کی طرف بڑھ رہی تھی وہ خالدؓ کی نہیں تھی۔ یہ ایک مسلمان سالار شرجیلؓ بن حسنہ کا لشکر تھا جس کی نفری چار ہزار تھی۔ مسلمان لشکر جو شام کی فتح کے لیے بھیجا گیا تھا، یہ اُس کا ایک حصہ تھا۔ خلیفۃ المسلمین کے احکام کے مطابق سالار ابو عبیدہؓ نے لشکر کے دوسرے حصوں کو بھی یکجا کر کے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

بصرہ پر شرجیلؓ کے حملے کا پس منظر یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین نے ابو عبیدہؓ کو ایک خط لکھا تھا:

"میں نے خالدؓ بن ولید کو یہ کام سونپا ہے کہ رومیوں پر چڑھائی کرے۔ تم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ کوئی کام اُس کے حکم کے خلاف نہ کرنا۔ میں نے اُسے تمہارا امیر مقرر کیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ دین کے معاملات میں تم خالدؓ سے برتر ہو اور تمہارا رتبہ اونچا ہے لیکن جنگ کی جو مہارت خالدؓ کو ہے وہ تمہیں نہیں۔ اللہ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔"

خالدؓ کو اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ جس وقت خالدؓ اپنے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو کچلتے جا رہے تھے، اُس وقت ابو عبیدہؓ فارغ بیٹھے تھے۔ خالدؓ نے جب مرج راہط کے مقام پر بھی دشمن کو شکست دے دی تو ابو عبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔ اُس وقت ابو عبیدہؓ کے دستے دریائے یرموک کے شمال مشرق میں ایک مقام حوران میں تھے۔ ان کے ماتحت دو سالار تھے۔ ایک شرجیلؓ بن حسنہ اور دوسرے یزیدؓ بن ابی سفیان۔

"رفیقو!" — ابو عبیدہؓ نے دونوں سالاروں سے کہا — "ہم کس طرح شکر ادا کریں اللہ تبارک و تعالیٰ کا جو ابنِ ولید کو راستے میں آنے والے ہر دشمن پر حاوی کرتا جا رہا ہے۔ کیا تم نے نہیں سوچا کہ ہم ابنِ ولید کے کسی کام نہیں آ رہے؟ وہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے اُس کی مشکلات خطرناک ہوتی جا رہی ہیں۔ اُس کا لشکر

تھک کر بے حال ہو چکا ہوگا۔ آگے دمشق ہے، بصرہ ہے۔ غسانی ہیں، عیسائی اور رومی ہیں۔ کیا یہ تینوں نہیں سوچ رہے ہوں گے کہ مسلمان کو آگے آنے دیں اور جب وہ مسلسل کوچ اور لڑائیوں سے شل ہو جائیں اور ان کی نفری کم ہو جائے تو انہیں کسی مقام پر گھیر کر ختم کر دیا جائے؟"

"رومیوں نے ایسا ضرور سوچا ہوگا" — سالار یزیدؓ نے کہا — "رُومی لڑنے والی قوم ہے اور اس کے سالار عقل والے ہیں۔"

"خُدا کی قسم، میں رومیوں کو ایسا موقع نہیں دوں گا" — ابو عبیدہؓ نے پُرجوش لہجے میں کہا — "کیا ہم اتنی دُور سے ابنِ ولید کی کوئی مدد نہیں کر سکتے؟ .... بے شک کر سکتے ہیں۔"

"تُو نے جو سوچا ہے وہ ہمیں بتا ابو عبیدہؓ!" — شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا — "اللہ اُس کا مددگار ہے۔"

"ابنِ ولید کے آگے دمشق اور بصرہ دو ایسے مقام ہیں جہاں رومیوں اور غسانیوں نے اپنی فوجیں جمع کر رکھی ہوں گی" — ابو عبیدہؓ نے کہا — "اس سے پہلے کہ سالارِ اعلیٰ ابنِ ولید بصرہ پہنچے ہم بصرہ پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ ہوگا کہ رُومی اور غسانی بھی تازہ دم نہیں رہیں گے .... ابنِ حسنہ!" — ابو عبیدہؓ نے شرجیلؓ سے کہا — "میں یہ کام تمہیں سونپتا ہوں۔ چار ہزار نفری کافی ہو گی۔"

ابو عبیدہؓ نے سالار شرجیلؓ بن حسنہ کو ہدایات دیں اور بصرہ کو روانہ کر دیا۔

☆

اس وقت خالدؓ مرج راہط سے فارغ ہو چکے تھے اور اُنہوں نے ابُو عبیدہ کے نام یہ پیغام دے کر قاصد کو روانہ کر دیا تھا کہ ابو عبیدہؓ اپنے دستوں کے ساتھ انہیں بصرہ کے قریب کہیں ملیں۔ خالدؓ نے مرج راہط کے قصبے کے باہر دو چار روز قیام کیا تھا۔

شرجیلؓ چار ہزار مجاہدین کے ساتھ بصرہ پہنچ گئے۔ رومی بصرہ کے باہر خیمہ زن تھے۔ وہ سمجھے کہ یہ خالدؓ کی فوج ہے۔ ان کے جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ اس فوج کا سالار کوئی اور ہے۔

مورّخ لکھتے ہیں کہ اس رومی فوج کے سالار یہ سمجھے کہ یہ مسلمانوں کی فوج کا ہراول ہے اور پوری فوج پیچھے آ رہی ہے۔ وہ مان نہیں سکتے تھے کہ اتنی فوج اتنے بڑے شہر کو محاصرے میں لینے آئی ہو گی۔ رومی فوج جس کی تعداد بارہ ہزار تھی قلعے کے اندر چلی گئی۔ بصرہ قلعہ بند شہر تھا۔

شرجیلؓ نے قلعے کے قریب مغرب کی طرف کیمپ کیا اور اپنے لشکر کو کئی دستوں میں تقسیم کر کے قلعے کے ہر طرف متعین کر دیا۔

دو دن گزر گئے۔ رومی اور غسانی قلعے کی دیواروں کے اوپر سے مسلمانوں کو دیکھتے رہے۔ شرجیلؓ نے قلعے کے اردگرد کچھ نہ کچھ حرکت جاری رکھی۔ دشمن قلعے سے دُور دُور بھی دیکھتا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کی پوری فوج آ رہی ہے۔ اُسے اب اپنے جاسوسوں کے ذریعے کوئی خبر نہیں مل سکتی تھی کیونکہ قلعہ محاصرے میں تھا۔

سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے متعلق یہ بتانا ضروری ہے کہ وہ رسولِ اکرمؐ کے قریبی صحابی تھے۔ جو صحابہ کرام وحی لکھتے تھے، ان میں شرجیلؓ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسی حوالے سے انہیں کاتبِ رسولؐ کہا جاتا تھا۔ شرجیلؓ کا زہد و تقویٰ تو مشہور تھا ہی، وہ فنِ حرب و ضرب اور میدانِ جنگ میں قیادت کی مہارت رکھتے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور کہا کرتے تھے کہ انہوں نے یہ فن خالدؓ سے یمامہ کی جنگ میں پھر آتش پرستوں کے خلاف لڑائیوں میں سیکھا ہے۔ محاصرۂ بصرہ کے وقت اُن کی عمر ستّر سال سے کچھ ہی کم تھی۔ جذبے اور جوش و خروش کے لحاظ سے وہ جوان تھے اور ان کی شہسواری اور تیغ زنی جوانوں جیسی تھی۔

☆

محاصرے کا تیسرا دن تھا۔ رومیوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی نفری اتنی ہی ہے جس نے محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر مزید فوج نے آنا ہوتا تو اب تک آچکی ہوتی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بارہ ہزار نفری کی فوج باہر نکال لی۔ نفری کی افراط کے بل پر وہ ایسی دلیرانہ کارروائی کر سکتے تھے۔ مسلمان کل چار ہزار تھے۔

شرجیلؓ نے بڑی تیزی سے اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس طرح دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔

"اے رومیو!" — شرجیلؓ نے آگے آکر بلند آواز سے کہا۔ "خدا کی قسم، ہم بھاگنے کے لیے نہیں آئے۔ اپنی پہلی شکستوں کو یاد کرو۔ تم ہر میدان میں ہم سے زیادہ تھے۔ خون خرابے سے تم بچتے کیوں نہیں؟ ہماری شرطیں سُن لو اور اپنے شہر اور اپنی آبادی کو تباہی سے بچا لو۔"

"ہم شکست کھانے کے لیے باہر نہیں آئے" — رومی سالار نے آگے آکر کہا — "واپس چلے جاؤ اور زندہ رہو۔ وہ کوئی اور تھے جنہوں نے تم سے شکستیں کھائی ہیں۔"

"خدا کی قسم، ہم لڑائی سے منہ نہیں موڑیں گے" — شرجیلؓ نے اعلان کیا — "لیکن تمہیں ایک موقع دیں گے کہ سوچ لو۔ آگے آؤ اور ہماری شرطیں سن لو۔"

مکالموں اور للکار کا تبادلہ ہوا اور رومی سالاروں نے شرائط پر بات چیت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا سپہ سالار آگے گیا۔ اُدھر سے شرجیلؓ آگے گئے۔

"بول اے مسلمان سالار!" — رومی سالار نے کہا — "اپنی شرائط بتا۔"

"اسلام قبول کر لو" — شرجیلؓ نے کہا — "یہ منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ یہ بھی منظور نہیں تو لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"ہم اپنا مذہب نہیں چھوڑیں گے" — رومی سالار نے کہا — "اور ہم جزیہ نہیں دیں گے۔ لڑائی کے لیے ہم تیار ہیں" — اس کے ساتھ ہی رومی سالار نے مسلمانوں پر حملے کا حکم دے دیا۔

رومیوں کی تعداد تین گنا تھی۔ شرجیلؓ نے اپنے چار ہزار مجاہدین کو جنگی ترتیب میں صف آرا کر رکھا تھا۔ انہیں اپنی نفری کی قلّت کا بھی احساس تھا۔ انہوں نے اپنے دونوں پہلوؤں کو پھیلا دیا تھا تاکہ دشمن گھیرے میں نہ لے سکے۔

رومی جنگجو تھے اور ان کے سالار تجربہ کار تھے۔ وہ مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی ہی کوشش کر رہے تھے۔ لڑائی گھمسان کی تھی۔ شرجیلؓ قاصدوں کو دائیں بائیں دوڑا رہے تھے اور مجاہدین کو للکار بھی رہے تھے۔ مجاہدین اپنی روایت کے مطابق بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن رومی بارہ ہزار تھے۔ ان کے سالار انہیں دائیں بائیں پھیلاتے جا رہے تھے۔

شرجیلؓ نے اپنے دائیں اور بائیں دیکھا تو انہیں اپنے دستوں کی صورتِ حال بڑی تشویشناک دکھائی

دی۔ ایسی صورتِ حال پسپائی کا مطالبہ کیا کرتی ہے لیکن شرجیلؓ کی للکار پر مجاہدین کا جوش اور جذبہ بڑھ گیا۔ وہ پسپائی کے نام سے ناواقف تھے۔ اُن پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی — اور چار پانچ گھنٹے گزر گئے۔

☆

پھر وہ صورت پیدا ہو ہی گئی جس سے شرجیلؓ بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دشمن کے پہلو پھیل کر مسلمانوں کے پہلوؤں سے آگے نکل گئے تھے۔ وہ گھیرے میں آچکے تھے۔

"اندر کی طرف نہیں سکڑنا" — شرجیلؓ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے کمانداروں کو پیغام بھیجے — "باہر کی طرف ہونے کی کوشش کرو۔"

شرجیلؓ کی چالیں بیکار ہونے لگیں۔ بے شک مسلمانوں کا جذبہ رومیوں کی نسبت زیادہ تھا لیکن رومی تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ مسلمانوں پر غالب آسکتے تھے۔

"اللہ کے پرستارو!" — شرجیلؓ نے للکار کر کہا — "فتح یا موت.... فتح یا موت.... فتح یا موت.... اللہ سے مدد مانگو۔ اللہ کی راہ میں جانیں دے دو.... اللہ کی مدد آئے گی۔"

مسلمانوں کے لیے یہ زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ شرجیلؓ کی پکار اور للکار پر مجاہدین نے بلند آواز سے کلمہ طیّبہ کا ورد شروع کر دیا جس سے انہیں تقویت ملی لیکن رومی اُن پر حاوی ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے جوش اور جذبے میں قہر پیدا ہو گیا تھا۔

رومی فوج مسلمانوں کے عقب میں چلی گئی۔ اب مسلمانوں کا کچلا جانا یقینی ہو گیا تھا۔

رومی جو مسلمانوں کے عقب میں چلے گئے تھے انہیں اپنے عقب میں گھوڑے سرپٹ دوڑنے کا طوفانی شور سنائی دیا۔ انہوں نے پیچھے دیکھا تو سینکڑوں گھوڑے ان کی طرف دوڑے آرہے تھے۔ ان کے آگے دو سوار تھے جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ ان میں سے ایک کے سر پر جو عمامہ تھا اس کا رنگ سرخ تھا — وہ خالدؓ تھے۔

خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف آرہے تھے۔ اُن کے راستے میں دمشق آیا تھا لیکن وہ دمشق سے ہٹ کر گزر آئے تھے۔ پہلے وہ بصرہ کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ یہ اللہ کے اشارے پر ہُوا تھا۔ اللہ نے کاتبِ رسولؐ کی پکار اور دعا سن لی تھی۔ خالدؓ جب کوچ کرتے تھے تو اپنے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا کرتے تھے۔ بصرہ کی طرف آتے وقت بھی انہوں نے جاسوسوں کو بہت آگے بھیج دیا تھا۔

خالدؓ بصرہ سے تقریباً ایک میل دُور تھے جب اُن کا ایک شتر سوار جاسوس اونٹ کو بہت تیز دوڑاتا واپس خالدؓ کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ مسلمانوں کا کوئی لشکر بصرہ کے باہر رومیوں کے گھیرے میں آرہا ہے۔

"کون ہے وہ سالار!" — خالدؓ نے کہا اور سوار دستوں کو ایڑ لگانے اور برچھیاں اور تلواریں نکال لینے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ کے ساتھ جو دوسرا سوار گھوڑ سواروں کے آگے آگے آرہا تھا وہ خلیفۃ المسلمین ابو بکرؓ کا بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔ اُس نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

رومیوں نے مقابلے کی نہ سوچی۔ ان کے سالاروں نے تیزی دکھائی۔ اپنے پہلوؤں کے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا اور اپنے تمام دستوں کو قلعے کے اندر لے گئے۔ ان کا مسلمانوں کی تلواروں سے کٹ جانا یقینی تھا۔ قلعے میں داخل ہوتے ہوتے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور کئی رومیوں کو ختم کر دیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

قلعے کے دروازے بند ہو گئے۔ خالدؓ غصے میں تھے۔ انہوں نے ایک حکم یہ دیا کہ زخمیوں اور لاشوں کو سنبھالو اور دوسرا حکم یہ کہ تمام لشکر اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے سالار شرجیلؓ کو بلایا۔

"ولید کے بیٹے!" — شرجیلؓ نے آتے ہی خالدؓ سے کہا — "خدا کی قسم، تو اللہ کی تلوار ہے۔ تو اللہ کی مدد بن کر آیا ہے۔"

"لیکن تو نے یہ کیا کیا ابن حسنہ!" — خالدؓ نے غصے سے کہا — "کیا تو نہیں جانتا تھا کہ یہ قصبہ دشمن کا مضبوط قلعہ ہے اور یہاں بے شمار فوج ہوگی؟ کیا اتنی تھوڑی نفری سے تو یہ قلعہ سر کر سکتا تھا؟"

"میں نے ابوعبیدہؓ کے حکم کی تعمیل کی ہے ابنِ ولید!" — شرجیلؓ نے کہا۔

"آہ ابوعبیدہؓ!" — خالدؓ نے آہ لے کر کہا — "میں اُس کا احترام کرتا ہوں۔ وہ متقی اور پرہیزگار ہے لیکن میدانِ جنگ کو وہ اچھی طرح نہیں سمجھتا۔"

مؤرخ واقدی لکھتا ہے کہ ابوعبیدہؓ کو سب، خصوصاً خالدؓ، بزرگ و برتر سمجھتے تھے لیکن جس نوعیت کی لڑائیاں لڑی جا رہی تھیں ان کے لیے ابوعبیدہؓ موزوں نہیں تھے لیکن جہاں نفری کی کمی تھی وہاں سالاروں کی بھی کمی تھی۔ بہرحال، مؤرخ لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ جذبے اور حوصلے میں کسی سے پیچھے نہیں تھے اور وہ بڑی تیزی سے تجربہ حاصل کرتے جا رہے تھے۔ بصرہ پر اُن کا حملہ جرأت مندانہ اقدام تھا۔

☆

خالدؓ قلعے کے باہر اپنی اور شرجیلؓ کی نفری کا حساب کر رہے تھے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی کر رہے تھے کہ قلعے کے اندر کتنی نفری ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ میں چند ایک رومی سپاہی آ گئے تھے جو زخمی تھے۔ خالدؓ کے لشکر کے آ جانے سے مسلمانوں کی نفری تیرہ ہزار کے قریب ہو گئی تھی لیکن رومیوں، غسانیوں اور عیسائیوں کی تعداد دگنی سے بھی زیادہ تھی۔

"کیا تم بھی ڈر کر بھاگ آئے ہو؟" — قلعے کے اندر جبلہ بن الایہم رومی فوج کے سپہ سالار پر غصہ جھاڑ رہا تھا — "کیا تم نے اُس فوج کا جو قلعے کے اندر تھی اور شہر کے لوگوں کا حوصلہ توڑ نہیں دیا؟"

"نہیں!" — رومی سپہ سالار نے کہا — "میں مسلمانوں پر باہر نکل کر حملہ کر رہا ہوں۔ اگر میں اُن کے عقب میں گئے ہوئے دستوں کو پیچھے نہ ہٹا لیتا تو اُن کے عقب سے مسلمان سالار انہیں بُری طرح کاٹ دیتے مجھے ان کی نفری کا اندازہ نہیں تھا۔ میں صرف ایک دن انتظار کروں گا۔ ہو سکتا ہے ان کی مزید فوج آ رہی ہو۔ میں انہیں آرام کرنے کی مہلت نہیں دوں گا۔"

"پھر انہیں قلعے کا محاصرہ کر لینے دو" — جبلّہ نے کہا — "انہیں قلعے کے اردگرد پھیل جانے دو، پھر تم قلعے سے اتنی تیزی سے نکلنا کہ انہیں اپنے دستے اکٹھے کرنے کی مہلت نہ ملے..... اور شہر میں اعلان کر دو کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ دشمن کو قلعے کے باہر ہی ختم کر دیا جائے گا۔"

قلعے کے اندر ہڑبونگ بپا تھی۔ شہریوں میں بھگدڑ اور افراتفری مچی ہوئی تھی۔ رومی فوج کا باہر جا کر لڑنا اور اندر آ جانا شہریوں کے لیے دہشت ناک تھا۔ مسلمان فوج کی ڈراؤنی سی باتیں تو شہر میں پہلے ہی پہنچی ہوئی تھیں۔

مؤرخوں کے مطابق رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں کو آرام کی مہلت نہ دی جائے لیکن انہیں معلوم

نہ تھا کہ مسلمان آرام کرنے کے عادی ہی نہیں۔ انہیں اتنی ہی مہلت کی ضرورت تھی کہ زخمیوں کو سنبھال لیں اور شہیدوں کی لاشیں دفن کر لیں۔

☆

اگلے روز کا سورج طلوع ہونے تک رومی فوج قلعے سے باہر آ گئی اور دروازے بند ہو گئے۔ خالدؓ نے اپنے لشکر کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ قلعے کے باہر کھلا میدان تھا۔

خالدؓ نے حسبِ معمول اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ قلب کی کمان اپنے پاس رکھی۔ اب چونکہ انہیں شرجیلؓ کے چار ہزار مجاہدین مل جانے سے اُن کے پاس نفری کچھ زیادہ ہو گئی تھی اس لیے انہوں نے قلب کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک دستہ قلب کے آگے رکھا۔ اس دستے کی کمان خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے پاس تھی۔

ایک پہلو کے دستوں کے سالار رافع بن عمیرؓ اور دوسرے پہلو کے سالار ضرار بن الازور تھے۔

جنگ کا آغاز مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے ہوا۔ رومی سپہ سالار اپنے قلب کے آگے آگے آ رہا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ جوان تھے۔ خالدؓ نے جوں ہی اُن کے دستے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، عبدالرحمٰنؓ سیدھے رومی سالار کی طرف گئے۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی اُن کی نظریں اس رومی سپہ سالار پر لگی ہوئی تھیں۔

عبدالرحمٰنؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار سونت کر اُس کی طرف گئے مگر اُس کے قریب گئے تو وہ بڑی پھرتی سے آگے سے ہٹ گیا۔ عبدالرحمٰنؓ آگے نکل گئے۔ رومی سالار نے گھوڑا موڑا اور عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے گیا۔ عبدالرحمٰنؓ نے گھوڑا موڑتے موڑتے دیکھ لیا۔ رومی نے وار کر دیا جو عبدالرحمٰنؓ بچا گئے۔ تلوار کا زنّاٹہ اُن کے سر کے قریب سے گزرا۔

اب عبدالرحمٰنؓ اُس کے پیچھے تھے۔ رومی گھوڑا موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ نے تلوار کا زوردار وار کیا جس سے رومی تو بچ گیا لیکن اُس کے گھوڑے کی زین کا تنگ کٹ گیا اور ضرب گھوڑے کو بھی لگی۔ گھوڑے کا خُون پھوٹ آیا اور وہ رومی کے قابو سے نکلنے لگا۔

رومی تجربہ کار جنگجو تھا۔ اُس نے بڑی مہارت سے گھوڑے کو قابو میں رکھا اور اُس نے وار بھی کیے۔ عبدالرحمٰنؓ نے ہر وار بچایا اور جب اُنہوں نے رکابوں میں کھڑے ہو کر وار کیے تو رومی گھبرا گیا۔ اُس کے آہنی خود اور زرہ نے اُسے بچا لیا لیکن اپنی ایک ٹانگ کو نہ بچا سکا۔ گھٹنے کے اُوپر سے اس کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ تابڑ توڑ وار اُسے مجبور کرنے لگے کہ وہ بھاگے اور وہ بھاگ اُٹھا۔ اسے اپنی جان کا غم تھا یا نہیں، اُسے خطرہ یہ نظر آیا تھا کہ وہ گر پڑا تو اس کا سارا لشکر بھاگ اٹھے گا۔ یہ سوچ کر وہ اپنے لشکر میں غائب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ عبدالرحمٰنؓ اس کے تعاقب سے نہ ہٹے۔ وہ اُن کے ہاتھ تو نہ آیا لیکن اپنے لشکر کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گیا۔

خالدؓ نے رومیوں پر اس طرح حملہ کیا کہ سالار رافع بن عمیرؓ اور سالار ضرار بن الازور کو حکم دیا کہ وہ باہر کو ہو کر رومیوں پر دائیں اور بائیں سے تیز اور شدید حملہ بولیں۔ مجاہدین شدید کا مطلب سمجھتے تھے۔ مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق یہ حملہ اتنا تیز اور اتنا سخت تھا جیسے مجاہدین تازہ دم ہوں اور ان کی تعداد دشمن سے دگنی ہو۔ دونوں سالاروں کے دستے دیوانگی کے عالم میں حملہ آور ہوئے۔

مؤرخ واقدی اور ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ سالار ضرارؓ نے جوش میں آ کر اپنی زرہ اتار پھینکی۔ یہ ہلکی سی تھی لیکن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

جولائی کا آغاز تھا اور گرمی عروج پر تھی۔ ضرار نے گرمی سے تنگ آ کر اور لڑائی میں آسانی پیدا کرنے کے لیے زرہ اتاری تھی۔ اُنہوں نے اپنے دستوں کو حملے کا حکم دیا۔ ان کا گھوڑا ابھی دشمن کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ انہوں نے قمیض بھی اتار پھینکی۔ اس طرح اُن کا اُوپر کا دھڑ بالکل ننگا ہو گیا۔

ایسی خونریز لڑائی میں زرہ ضروری تھی اور سر کی حفاظت تو اور زیادہ ضروری تھی لیکن ضرار بن الازور نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ لی تھی۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر اُن دستوں میں کوئی اور ہی جوش پیدا ہو گیا۔ ضرار دشمن کو للکارتے اور ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ اُن کے سامنے جو آیا ان کی تلوار سے کٹ گیا۔ وہ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔

رافع بن عمیرؓ نے رومیوں کے دوسرے پہلو پر ہلّہ بولا تھا۔ اُن کا انداز ایسا غضب ناک تھا کہ دشمن پر خوف طاری ہو گیا۔

خالدؓ نے جب دیکھا کہ ضرار اور رافع نے دونوں پہلوؤں سے ویسا ہی ہلّہ بولا ہے جیسا وہ چاہتے تھے اور دشمن کے پہلو قلب کی طرف سکڑ رہے ہیں تو خالدؓ نے سامنے سے ہلّہ بول دیا۔

رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن پیچھے قلعے کی دیوار تھی جو دراصل شہر پناہ تھی۔ اُن کے لیے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہ رہی۔ مجاہدین انہیں دباتے چلے گئے۔

"دروازے کھول دو"——دیوار کے اوپر سے کوئی چلّایا۔

قلعے کے اُس طرف کے دروازے کھل گئے اور رومی سپاہی قلعے کے اندر جانے لگے۔ انہیں قلعے میں ہی پناہ مل سکتی تھی۔ مسلمانوں نے دباؤ جاری رکھا اور رومی جم کر مقابلے کرتے رہے۔ ان میں سے جسے موقع مل جاتا وہ قلعے کے اندر چلا جاتا۔

☆

جو رومی قلعے میں پناہ لینے کو جا رہے تھے وہ ان کی تمام نفری نہیں تھی۔ اُن کی آدھی نفری بھی نہیں تھی۔ اُن کی آدھی نفری خالدؓ کے دستوں سے نبرد آزما تھی۔ خالدؓ نے جب دیکھ لیا تھا کہ اُن کے پہلوؤں کے سالاروں نے ویسا ہی حملہ کیا ہے جیسا وہ چاہتے تھے تو اُنہوں نے دشمن کے قلب پر حملہ کر دیا۔ رومی بڑے اچھے سپاہی تھے۔ وہ پسپا ہونے کی نہیں سوچ رہے تھے اور خالدؓ انہیں پسپائی کے مقام تک پہنچانے کی سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔

خالدؓ نے شجاعت کا اور بے خوف قیادت کا یہ مظاہرہ کیا کہ گھوڑے سے اُتر آئے اور سپاہیوں کی طرح پا پیادہ لڑنے لگے۔ اس کا اثر مجاہدین پر ایسا ہُوا کہ وہ بجلیوں کی مانند کوندنے لگے۔ یہ اُن کے ایمان کا اور عشقِ رسولؐ کا کرشمہ تھا کہ مسلسل کوچ اور معرکوں کے تھکے ہوئے جسموں میں جان اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ مبالغہ نہیں کہ وہ روحانی قوت سے لڑ رہے تھے۔

خالدؓ اس کوشش میں تھے کہ رومیوں کو گھیرے میں لے لیں لیکن رومی زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔ وہ اب وار اور ہلّے روکتے اور پیچھے یا دائیں بائیں ہٹتے جاتے تھے۔ وہ محاصرے سے بچنے کے لیے پھیلتے بھی جا رہے تھے۔ آخر وہ بھی بھاگ بھاگ کر قلعے کے ایک اور کھلے دروازے میں غائب ہونے لگے۔

خالدؓ نے بلند آواز سے حکم دیا——"ان کے پیچھے قلعے میں داخل ہو جاؤ"——لیکن دیوار کے اُوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ برچھیاں بھی آئیں۔ مجاہدین کو مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا اور رومی جو بچ گئے تھے وہ قلعے میں چلے گئے اور قلعے کا دروازہ بند ہو گیا۔

باہر رومیوں اور ان کے اتحادی عیسائیوں کی لاشیں بکھری ہُوئی تھیں۔ زخمی تڑپ رہے تھے۔ زخمی گھوڑے بدکے اور ڈرے ہوئے بے لگام اور منہ زور ہو کر دوڑتے پھر رہے تھے۔ چند ایک گھوڑ سواروں کے پاؤں رکابوں میں پھنسے ہُوئے تھے اور گھوڑے انہیں گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ سوار خون میں نہاتی ہوئی لاشیں بن چکے تھے۔

لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے فاتحانہ نعرے گرج رہے تھے۔ فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ دشمن کا نقصان تو بہت ہُوا تھا لیکن وہ قلعہ بند ہو گیا تھا۔ فتح مکمل کرنے کے لیے قلعہ سر کرنا ضروری تھا۔ خالدؓ نے اپنے زخمیوں کو اٹھانے کا حکم دیا اور قاصد سے کہا کہ تمام سالاروں کو بلا لائے۔

☆

خالدؓ نے ایک سوار کو دیکھا جو اُن کی طرف آ رہا تھا۔ وہ دوسروں سے کچھ الگ تھلگ لگتا تھا۔ ایک اس لیے کہ اُس کا قد لمبا تھا اور جسم دُبلا پتلا تھا۔ عرب ایسے دبلے پتلے نہیں ہوتے تھے۔ یہ سوار کچھ آگے کو جھکا ہُوا بھی تھا۔ اُس کی داڑھی گھنی نہیں تھی اور لمبی بھی نہیں تھی۔ اس داڑھی کو اس شخص نے مصنوعی طریقے سے کالا کر رکھا تھا۔

وہ اس لیے بھی الگ تھلگ لگتا تھا کہ خالدؓ نے اُسے لڑتے دیکھا تھا اور اس کا انداز کچھ مختلف سا تھا۔ سب کی توجہ اس شخص کی طرف اس وجہ سے بھی ہُوئی تھی کہ اُس کے ہاتھ میں پیلے رنگ کا پرچم تھا۔ یہ وہ پرچم تھا جو خیبر کی لڑائی میں رسولِ اکرمؐ نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

خالدؓ اُسے پہچان نہ سکے۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ اُس نے سر پر کپڑا ڈال رکھا تھا جس سے اُس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہُوا تھا۔ خالدؓ کے قریب آ کر وہ شخص مسکرایا تو خالدؓ نے دیکھا کہ اس آدمی کے سامنے کے دو تین دانت ٹوٹے ہوتے ہیں۔

"ابو عبیدہؓ!"——خالدؓ نے مسرت سے کہا اور اُس کی طرف دوڑے۔

وہ ابو عبیدہؓ تھے۔ مرج راہط سے خالدؓ نے انہیں پیغام بھیجا تھا کہ وہ انہیں بصرہ کے باہر ملیں۔ ابو عبیدہؓ حوارین کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھے جہاں سے انہوں نے شرحبیلؓ بن حسنہ کو چار ہزار مجاہدین دے کر بصرہ پر حملہ کرایا تھا۔ ان کے پاس خالدؓ کا قاصد بعد میں پہنچا تھا۔ ابو عبیدہؓ پیغام پر اُس وقت بصرہ پہنچے جب خالدؓ رومیوں کے ساتھ بڑے سخت معرکے میں اُلجھے ہُوئے تھے۔ انہوں نے تلوار نکالی اور معرکے میں شامل ہو گئے۔

ابو عبیدہؓ کی اُس وقت عمر پچپن سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ رسولِ کریمؐ کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے دادا اپنے وقتوں کے مشہور جراح تھے۔ اسی نسبت سے انہوں نے اپنا نام ابو عبیدہؓ بن الجراح رکھ لیا تھا۔ ان کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح تھا لیکن اُنہوں نے ابو عبیدہؓ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ دبلا پتلا اور کچھ جھکا ہونے کے باوجود اُن کے چہرے پر جلال جیسی رونق رہتی تھی۔ وہ دانشمند تھے۔ میدانِ جنگ میں وہ کوئی مقام پیدا نہ کر سکے لیکن ذہانت اور عقلمندی میں اُن کا مقام اُونچا تھا۔

ابو عبیدہؓ کے سامنے کے دانت جنگِ اُحد میں ٹوٹے تھے۔ اس معرکے میں رسولِ اکرمؐ زخمی ہو گئے تھے۔ آپؐ کے خَود کی زنجیروں کی دو کڑیاں آپؐ کے رخسار میں ایسی گہری اتری تھیں کہ ہاتھ سے نکلتی نہیں تھیں۔ ابو عبیدہؓ نے یہ دونوں اپنے دانتوں سے نکالی تھیں اور اس کامیاب کوشش میں ان کے سامنے کے دو یا تین

URDUISTAN.BLOGSPOT.COM

دانت ٹوٹ گئے تھے۔

ابن قتیبہ نے لکھا کہ رسول اللہ ابوعبیدہؓ سے بہت محبت کرتے تھے اور آنحضورؐ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ابوعبیدہؓ میری امت کا امین ہے۔ اس حوالے ابوعبیدہؓ کو لوگ امین الامت کہنے لگے۔

اُس دور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ نے جب ابوعبیدہؓ کو بصرہ کے میدان میں دیکھا تو انہیں خدشہ محسوس ہُوا کہ ابوعبیدہؓ ان کی سپہ سالاری کو قبول نہیں کریں گے۔ گو خلیفۃ المسلمین نے ابوعبیدہؓ کو تحریری حکم بھیجا تھا کہ جب خالدؓ شام کے محاذ پر پہنچ جائیں تو تمام لشکر کے سالارِ اعلیٰ خالدؓ ہوں گے لیکن خالدؓ کو احساس تھا کہ معاشرے میں جو مقام اور رتبہ ابوعبیدہؓ کو حاصل تھا وہ انہیں حاصل نہیں تھا۔ خالدؓ خود بھی ابوعبیدہؓ کا بہت احترام کرتے تھے۔

یہ احترام ہی تھا کہ بصرہ کے میدان جنگ میں خالدؓ نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو خالدؓ دوڑ کر اُن تک پہنچے۔ ابوعبیدہؓ گھوڑے سے اترنے لگے۔

"نہیں ابنِ عبداللہ!" — خالدؓ نے ابُوعبیدہؓ سے کہا — "گھوڑے سے مت اُتر۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ امین الامت میرے لیے گھوڑے سے اترے۔"

ابوعبیدہؓ گھوڑے پر سوار رہے اور جھک کر دونوں ہاتھ خالدؓ کی طرف بڑھائے۔ خالدؓ نے احترام سے مصافحہ کیا۔

"اُبوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا — "امیرالمومنینؓ کا پیغام مجھے مِل گیا تھا جس میں اُنہوں نے تمہیں ہم سب کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ میں اس پر بہت خوش ہوں۔ کوئی شک نہیں کہ جنگ کے معاملوں میں جتنی عقل تجھ میں ہے وہ مجھ میں نہیں۔"

"خدا کی قسم ابنِ عبداللہ!" — خالدؓ نے کہا — "امیرالمومنینؓ کے حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے ورنہ میں تم پر سپہ سالار کبھی نہ بنتا۔ رتبہ جو تمہیں حاصل ہے وہ مجھے نہیں۔"

"ایسی بات نہ کر اُبوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ابوبکرؓ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ میں تیرے ماتحت ہوں۔ تیرے حکم پر آیا ہوں۔ اللہ تجھے غسانیوں اور رومیوں پر فتح عطا فرمائے۔"

☆

خالدؓ نے بصرہ کو محاصرے میں لینے کا حکم دیا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی لاشیں جہاں پڑی تھیں وہیں پڑی رہیں۔ اُوپر گِدھوں کے غول اڑ رہے تھے اور درختوں پر اتر رہے تھے۔ مجاہدین اپنے شہیدوں کی لاشیں اُٹھا رہے تھے۔ ان کی تعداد ایک سو تیس تھی۔

خالدؓ نے شہر پناہ کے اردگرد گھوڑا دوڑا کر جائزہ لیا کہ دیوار کہیں سے توڑی جاسکتی ہے یا نہیں۔ دیوار کے اوپر سے تیر آرہے تھے لیکن مسلمان ان کی زد سے دُور تھے۔

قلعے کے اندر مایوسی چھائی ہُوئی تھی۔ جبلہ بن الایہم اور رومی سپہ سالار خاموشی سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم ہمّت بالکل ہی ہار بیٹھے ہو؟" — جبلہ بن الایہم نے رومی سالار سے پوچھا۔

"ہم نے کہاں کہاں ہمّت نہیں ہاری!" — رومی سالار نے شکست کا غصہ جبلہ پر نکالا اور کہا — "مسلمانوں کے راستے میں سب سے پہلے تم اور عیسائی آئے تھے اور مسلمانوں کو نہ روک سکے۔ مرج راہط میں بھی تمھاری فوج ناکام رہی۔ کیا تو مجھے اور میری فوج کو مروانا چاہتا ہے؟ باہر نکل کے دیکھ۔ فوج کی کتنی نفری رہ گئی ہے ہمارے ساتھ؟ کچھ نفری میدانِ جنگ میں ماری گئی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے بہت سے سپاہی اور کمانڈار اجنادین کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ قلعے میں تھوڑی سی نفری آئی ہے۔ دیوار پر جا کے باہر دیکھ اور لاشوں سے حساب کر کہ ہمارے پاس کیا رہ گیا ہے۔"

باہر سے مسلمانوں کی للکار سنائی دے رہی تھی۔

"رومی سالار باہر آکر صلح کی بات کرے۔"

"رومیو! قلعہ ہمارے حوالے کردو۔"

"ہم نے خود قلعہ سر کیا تو ہم سے رحم کی امید نہ رکھنا۔"

اس کے ساتھ ہی خالدؓ کے حکم سے مجاہدین دروازہ توڑنے کے لیے آگے جاتے رہے مگر اُوپر کے تیروں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔ اُنھوں نے ایک جگہ سے دیوار توڑنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔

شہر کے لوگوں پر خوف طاری تھا۔ وہ مسلمانوں کی للکار سن رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ فاتح فوجیں شہر کے لوگوں کو کس طرح تباہ کیا کرتی ہیں۔ مسلمان کہہ رہے تھے کہ قلعہ خود دے دو گے تو شہری اور ان کے گھر محفوظ رہیں گے۔

جبلہ بن الایہم اور رومی سالار کمرے سے باہر نہیں آتے تھے۔ شہر کے لوگ ایک ایک لمحہ خوف و ہراس میں گزار رہے تھے۔ وہ تنگ آکر جبلہ کے محل کے سامنے اکٹھے ہو گئے۔

"مسلمانوں سے صلح کرلو" — وہ کہہ رہے تھے — "ہمیں بچاؤ۔ قلعہ انہیں دے دو۔ ہمارا قتلِ عام نہ کراؤ۔"

جبلہ اور رومی سالار نے تین چار دنوں تک کوئی فیصلہ نہ کیا۔ خالدؓ نے محاصرے کے بہانے اپنے لشکر کو آرام کی مہلت دے دی۔ اُنہوں نے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کر دیا۔

آخر ایک روز قلعے پر سفید جھنڈا نظر آیا۔ قلعے کا دروازہ کُھلا اور رومی سالار باہر آیا۔ اس نے صلح کی بھیک مانگی۔ خالدؓ نے اُن پر یہ شرط عائد کی وہ جزیہ ادا کریں۔ رومی سالار نے قلعہ خالدؓ کے حوالے کر دیا۔ یہ جولائی ۶۳۴ء (جمادی الاوّل) کا وسط تھا۔

رومی اور غسانی قلعے سے نکلنے لگے۔

شرحبیلؓ بن حسنہ نے دیکھا تھا کہ رومی سپاہی اجنادین کی طرف بھاگ رہے تھے۔ شرحبیلؓ نے اپنا ایک جاسوس اجنادین بھیج دیا۔ اس جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ رومی فوج اجنادین میں جمع ہو رہی ہے اور توقع ہے کہ وہاں نوّے ہزار فوج تیار ہو جائے گی۔

"ہماری اگلی منزل اجنادین ہو گی" — خالدؓ نے کہا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نپولین اُن جرنیلوں میں سے تھا جنہوں نے اپنے اپنے دَور میں تاریخ کا پانسہ پلٹا اور کرۂ ارض کو ہلا دیا تھا۔ فرانس کے تاریخ ساز جرنیل حکمران نپولین نے خالدؓ بن ولید کے متعلق کہا تھا —— "اگر مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار کوئی اور ہوتا تو یہ فوج اجنادین کی طرف پیش قدمی ہی نہ کرتی۔"

نپولین کا دَور خالدؓ کے دَور کے تقریباً بارہ سو سال بعد کا تھا۔ تاریخ کے اس نامور جرنیل نے تاریخ کے معدودے چند جرنیلوں کی جنگی قیادت کا، ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا اور ان کی فوجوں کی کیفیت اور کارکردگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ جولائی ۶۳۴ء میں بصرہ کی فتح کے بعد خالدؓ نے اپنی فوج کو اجنادین کی طرف پیش قدمی کا جو حکم دیا تھا وہ مسلمانوں کی فوج کی جسمانی کیفیت اور تعداد کے بالکل خلاف تھا۔ انہیں جاسوس نے صحیح رپورٹ دی تھی کہ اجنادین میں رومیوں نے جو فوج مسلمانوں کو کچلنے کے لیے اکٹھی کر رکھی ہے، اس کی تعداد نوّے ہزار سے زیادہ ہو سکتی ہے کم نہیں۔ یہ فوج تازہ دم تھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور یہ فوج مسلسل لڑتی چلی جا رہی تھی۔ صرف بصرہ کی لڑائی میں ایک سو تیس مجاہدین شہید اور بہت سے زخمی ہوئے تھے۔

یہاں موزوں معلوم ہوتا ہے کہ اُس دَور کی اسلامی فوج کے متعلق کچھ تفصیل پیش کی جاتے۔ اسلامی فوج کی کوئی وَردی نہیں تھی۔ جس کسی کو جیسے کپڑے میسر آتے تھے وہ پہن لیتا تھا۔ ایسا تو اکثر دیکھنے میں آتا تھا کہ کئی سپاہیوں نے بڑے قیمتی کپڑے پہن رکھے ہیں اور سالار، نائب سالار وغیرہ بالکل معمولی لباس میں ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ سپاہی مالِ غنیمت میں ملے ہوئے کپڑے پہن لیتے تھے۔

اسلامی فوج کی ایک خوبی یہ تھی کہ سالاروں، کمانداروں یعنی افسروں کا کوئی امتیازی نشان نہ تھا۔ افسری کا یہ تصوّر تھا ہی نہیں جو آج کل ہے۔ بعض قبیلوں کے سردار سپاہی تھے اور انہی قبیلوں کے بعض ادنیٰ سے آدمی کمانڈر تھے۔ عہدے اور ترقیاں نہیں تھیں۔ آج ایک آدمی جذبے کے تحت فوج میں سپاہی کی حیثیت سے شامل ہوا ہے تو ایک دو روز بعد وہ ایک دستے کا کمانڈر بن گیا ہے۔ جذبہ اور جنگی اہلیت دیکھی جاتی تھی۔ ایسے بھی ہوتا تھا کہ ایک معرکے کا افسر اگلے معرکے میں سپاہی ہو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق افسری اور ماتحتی کا تصوّر کچھ اور تھا۔ جس کسی کو افسر بنایا جاتا تھا وہ فرائض کی حد تک افسر ہوتا تھا۔ اُس کا کوئی حکم ذاتی نوعیت کا نہیں ہوتا تھا۔ چونکہ افسر کے انتخاب کا معیار کچھ اور تھا اس لیے اُس وقت کا معاشرہ خوشامد اور سفارش سے آشنا ہی نہیں ہوا تھا۔

اتنی وسیع اسلامی سلطنت کا زوال اُس وقت شروع ہوا تھا جب مسلمان افسر اور ماتحت میں تقسیم ہو گئے تھے اور حاکموں نے ماتحتوں کو محکوم سمجھنا شروع کر دیا تھا اور وہ خوشامد پسند ہو گئے تھے۔

ہتھیاروں کا بھی کوئی معیار نہ تھا۔ فوج میں شامل ہونے والے اپنے ہتھیار خود لاتے تھے۔ زرہ اور خود ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی تھی۔ مسلمان سپاہی جو زِرہ اور خود پہنتے تھے وہ دشمن سے چھینی ہوئی ہوتی

تھیں۔ ان میں اُس قسم کی یکسانیت نہیں ہوتی تھی جیسی فوجوں میں ہوا کرتی ہے۔

اسلامی فوج کا کُوچ منظم فوج جیسا نہیں ہوتا تھا۔ یہ فوج غیر منظم قافلے کی مانند چلتی تھی۔ ان کی خوراک اور رسد ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ بیل، گائیں، دُنبے اور بھیڑ بکریاں جو فوج کی خوراک بنتی تھیں، فوج کے ساتھ ہوتی تھیں۔ رسد کا باقاعدہ انتظام بہت بعد میں کیا گیا تھا۔

گھوڑسوار کُوچ کے وقت پیدل چلا کرتے تھے تاکہ گھوڑے سواروں کے وزن سے تھک نہ جائیں۔ سامان اونٹوں پر لدا ہوتا تھا۔ عورتیں اور بچے ساتھ ہوتے تھے۔ انہیں اونٹوں پر سوار کرایا جاتا تھا۔ اُس وقت کی اسلامی فوج کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ فوج ہے۔ اسے قافلہ سمجھا جاتا تھا لیکن اس فوج کی ایک تنظیم تھی۔ آگے ہراول دستہ ہوتا تھا جسے اپنے فرائض اور ذمّہ داریوں کا پورا احساس ہوتا تھا۔ اس کے پیچھے فوج کا بڑا حصّہ، اس کے پیچھے عورتیں اور بچے اور اس کے پیچھے عقب کی حفاظت کے لیے ایک دستہ ہوتا تھا۔ اسی طرح پہلوؤں کی حفاظت کا بھی انتظام ہوتا تھا۔

یہ فوج عموماً دشوار راستہ اختیار کیا کرتی تھی۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ منزل تک کا راستہ چھوٹا ہو جاتا تھا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ راستے میں دشمن کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تھا۔ اگر دشمن حملہ کر بھی دیتا تو اسلامی فوج فوراً علاقے کی دشواریوں یعنی نشیب و فراز وغیرہ میں رُوپوش ہو جاتی تھی۔ دشمن ایسے علاقے میں لڑنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

☆

جولائی ۶۳۴ء کے آخری ہفتے میں خالدؓ کی فوج اسی طرح اجنادین کی طرف پیش قدمی کر رہی تھی۔ پہلے سنایا جا چکا ہے کہ مدینہ کی فوج کے چار حصّے مختلف مقامات پر تھے۔ خالدؓ نے ان کے سالاروں کو پیغام بھیج دیئے تھے کہ سب اجنادین پہنچ جائیں۔

خالدؓ نے بصرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ رومیوں اور غسانیوں کے لیے یہ چوٹ معمولی نہیں تھی۔ بصرہ شام کا بڑا اہم شہر تھا۔ یہ مسلمانوں کا اڈہ بن گیا تھا۔ سب سے بڑا نقصان رومیوں کو یہ ہوا تھا کہ لوگوں پر اور اُن کی فوج پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ مسلمانوں نے بصرہ تک شکستیں دی تھیں، کہیں بھی شکست کھائی نہیں تھی۔ کہیں ایک سالار کو پسپا ہونا پڑا تو فوراً دوسرے سالار نے شکست کو فتح میں بدل دیا۔ قیصرِ رُوم کی تو نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ خالدؓ نے جب بصرہ کو محاصرے میں لے رکھا تھا اور صُورتِ حال بتا رہی تھی کہ بصرہ رومیوں کے ہاتھ سے جا رہا ہے تو شہنشاہِ ہرقل رومی نے حمص کے حاکم وِردان کو ایک پیغام بھیجا تھا۔

"کیا تم شراب میں ڈوب گئے ہو یا تم اُن عورتوں جیسی عورت بن گئے ہو جن کے ساتھ تمہاری راتیں گزرتی ہیں؟" —— ہرقل نے لکھا تھا —— "اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا دن اونگھتے گزرتا ہے۔ کیا ہے ان مسلمانوں کے پاس جو تمہارے پاس نہیں؟ اگر میں کہوں کہ قیصرِ رُوم کی ذلت کے ذمہ دار تم جیسے حاکم ہیں تو کیا جواب دو گے؟ تم شاید یہ بھی نہیں سوچ رہے کہ مسلمانوں کی اتنی تیز پیش قدمی اور فتح پہ فتح حاصل کرتے چلے آنے کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ کیا تمہاری تلواروں کو زنگ نے کھا لیا ہے؟ کیا تمہارے گھوڑے مر گئے ہیں؟ لوگوں کو تم بتاتے کیوں نہیں کہ مسلمان تمہارے مال و اموال لُوٹ لیں گے، تمہاری بیٹیوں کو، تمہاری بیویوں اور تمہاری بہنوں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے!... مجھے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار سے ذرا کم یا زیادہ ہے۔ تم زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کرو اور اجنادین کے علاقے میں پہنچ جاؤ۔ محاذ کو اتنا پھیلا دو کہ مسلمان اس کے مطابق پھیلیں تو ان کی حالت کچے دھاگے کی سی ہو جاتے ..... انہیں اپنی تعداد میں جذب کر لو۔ انہیں اپنی تعداد میں گم کر دو۔"

رومیوں کی بادشاہی میں ہنگامہ بپا ہو گیا تھا۔ رومیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہوں میں پادریوں اور پروہتوں نے مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز وعظ شروع کر دیئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام اُن کے مذہبوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گا اور انہیں مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑے گا اور یہ ایسا گناہ ہو گا جس کی سزا بڑی بھیانک ہو گی۔

رومیوں کی فوج ایک منظم لشکر تھا۔ ان کے پاس گھوڑوں کی تعداد زیادہ تھی اور ان کے پاس گاڑیاں بھی تھیں جو گھوڑے اور بیل کھینچتے تھے۔ رسد کا انتظام بہت اچھا تھا۔ عبادت گاہوں میں لوگوں نے وعظ سنے تو وہ فوج میں شامل ہونے لگے۔ اس طرح فوج کی تعداد بڑھ گئی۔ حمص کا حاکم وردان جب فوج کے ساتھ اجنادین کو روانہ ہُوا اُس وقت فوج کی تعداد نوّے ہزار تھی۔

مسلمانوں کے جاسوسوں نے اس لشکر کو اجنادین کے علاقے میں خیمہ زن ہوتے دیکھا تھا۔ اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کے مقابلے کے لیے جانا ہی بہت بڑی جرأت تھی، مقابلہ تو بعد کا مسئلہ تھا۔

☆

۲۴ر جولائی ۶۳۴ء کے روز خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ اجنادین پہنچ گئے۔ وہ بیت المقدس کے جنوب میں پہاڑیوں میں سے گزرے تھے۔ ان پہاڑیوں کے ایک طرف میدان تھا۔ خالدؓ نے وہاں قیام کا حکم دیا۔ تقریباً ایک میل دور رومی فوج خیمہ زن تھی۔ اس کا سالارِ اعلیٰ وردان اور سالار قُبقُلار تھا۔ رُومی فوج تو جیسے انسانوں کا سمندر تھا۔ مسلمانوں کی فوج اس کے مقابلے میں چھوٹا سا دریا لگتی تھی۔

اسلامی فوج کے جو دستے دوسری جگہوں پر تھے وہ آ گئے اور مسلمانوں کی تعداد بتیس ہزار ہو گئی۔ ایک میل کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا۔ مسلمان اونچی جگہوں پر کھڑے ہو کر رومیوں کی خیمہ گاہ کی طرف دیکھتے تھے۔ انہیں حدِ نگاہ تک انسان اور گھوڑے نظر آتے تھے۔ دو تین دنوں بعد خالدؓ کو بتایا گیا کہ فوج میں کچھ گھبراہٹ سی پائی جاتی ہے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُن نو ہزار مجاہدین میں ذرا سی بھی گھبراہٹ نہیں تھی جو خالدؓ کے ساتھ تھے۔ وہ عیسائیوں، غسانیوں اور رومیوں کے خلاف لڑتے چلے آ رہے تھے۔ وہ رومیوں کی اتنی زیادہ فوج سے خوفزدہ نہیں تھے۔ دوسرے دستوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خالدؓ خیمہ گاہ میں گھومنے پھرنے لگے۔ وہ جہاں رُکتے اُن کے اردگرد مجاہدین مجمع لگ جاتا۔ خالدؓ نے سب سے ایک ہی جیسے الفاظ کہے:

"اسلام کے سپاہیو! میں جانتا ہوں تم نے اتنی زیادہ رومی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی لیکن تم اتنی بڑی فوج کو پہلے شکست دے چکے ہو۔ خُدا کی قسم، تم ڈر گئے تو ہار جاؤ گے اور اگر تم نے اس لشکر پر فتح پالی تو رُومی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ اپنے اللہ کے نام پر لڑو۔ اسلام کے نام پر لڑو۔ اگر تم نے پسپائی اختیار کی تو دوزخ کی آگ میں جلو گے۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو اپنی صفوں میں بدنظمی پیدا نہ ہونے دینا۔ قدم جما کر رکھنا۔ جب تک میری طرف سے حکم نہ ملے، نہ پیچھے ہٹنا نہ حملہ کرنا..... اللہ تمہارے ساتھ ہے

اور اللہ کے رسولؐ کی روح مقدس تمہیں دیکھ رہی ہے۔"

اُدھر رومیوں کا سالارِ اعلیٰ وردان اپنے کمانڈروں سے کہہ رہا تھا:

"اے رومیو! قیصرِ روم کو شکست کی ذلّت سے بچانا تمہارا فرض ہے۔ قیصرِ روم کو تم پر اعتماد ہے۔ اگر تم نے ان عربی مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست نہ دی تو یہ تم پر ہمیشہ کے لیے غالب آ جائیں گے۔ یہ تمہاری بیٹیوں، بہنوں اور بیویوں کو بے آبرو کریں گے۔ اپنے آپ کو منتشر نہ ہونے دینا۔ صلیب کی مدد مانگو۔ فتح تمہاری ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ایک کے مقابلے میں تم تین ہو۔"

☆

دو تین دن مزید گزر گئے۔ خالدؓ دشمن کی صحیح تعداد اور کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے۔ وہ کسی بھی جاسوس کو بھیج سکتے تھے لیکن انہیں جس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی، وہ کوئی ذہین اور دلیر آدمی حاصل کر سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ انہیں کوئی آدمی دیا جائے۔

"ابنِ ولید!"۔۔۔ سالار ضرار ابن الازور نے کہا۔۔۔ "کیا میں یہ کام نہیں کر سکوں گا؟ خدا کی قسم، مجھ سے بہتر یہ کام کوئی اور نہیں کر سکے گا۔"

ضرار وہ سالار تھے جنہوں نے بصرہ کے معرکے میں اپنی نہ صرف زرہ اتار پھینکی بلکہ قمیض بھی اتار کر کمر تک برہنہ ہو گئے اور ایسے جوش سے لڑے تھے کہ سارے لشکر کے جوش و جذبے میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔

"ہاں ابنِ الازور!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "تمہارے سوا یہ کام اور کون کر سکتا ہے! تم ہی بہتر جانتے ہو کہ تمہیں وہاں کیا دیکھنا ہے۔"

ضرار نے قمیض اتار پھینکی اور کمر تک برہنہ ہو گئے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوئے تو خالدؓ اور دوسرے سالاروں نے قہقہہ لگایا۔

"خدا حافظ میرے رفیقو!"۔۔۔ ضرار نے ہلکی سی ایڑ لگا کر کہا۔

"اللہ تجھے سلامت رکھے ابن الازور!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی خیمہ گاہ کے قریب ایک اونچی ٹیکری تھی۔ ضرار نے گھوڑا نیچے چھوڑا اور ٹیکری پر چڑھ گئے۔ مسلمانوں اور رومیوں کی خیمہ گاہوں کے درمیان ایک میل علاقہ خالی تھا۔ دونوں فریقین کے گشتی سنتری اس علاقے میں گشت کرتے رہتے تھے۔ یہ سنتری گھوڑسوار ہوتے تھے۔

ضرار کو رومیوں کے گشتی سوار نہیں دیکھ سکے تھے۔ ضرار ٹیکری پر چڑھے تو دوسری طرف رومیوں کے سنتری موجود تھے۔ اُنہوں نے ضرار کو دیکھ لیا۔ ضرار تیزی سے نیچے اُترے اور کُود کر گھوڑے پر سوار ہُوئے۔ انہیں پکڑنے کے لیے رومی سوار ٹیکری کے دونوں طرف سے آئے۔ ان کی تعداد (مؤرخوں کے مطابق) تیس تھی۔ ضرار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی لیکن گھوڑے کو تیز نہ دوڑایا۔

رومی سواروں نے بھی گھوڑے تیز نہ دوڑائے۔ وہ غالباً محتاط تھے کہ مسلمان سنتری قریب کہیں موجود ہوں گے۔ پھر بھی رومی سواروں نے ضرار کا تعاقب جاری رکھا اور ضرار معمولی رفتار سے چلتے آئے۔ رومی سوار انہیں گھیرے میں لینے کے لیے پھیلتے چلے گئے اور وہ ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ضرّار ان کے بکھرنے کے ہی منتظر تھے۔ اُن کے پاس برچھی تھی۔ ان کی اپنی خیمہ گاہ قریب آگئی تھی۔ اچانک ضرّار نے گھوڑے کو تیزی سے پیچھے موڑا اور ایڑ لگائی۔ ان کا رخ اُس رومی سوار کی طرف تھا جو ان کے قریب تھا۔ انہوں نے اس رومی پر برچھی کا وار کیا۔ وار بڑا زور دار تھا۔ رومی سنبھل نہ سکا۔ ضرار کا حملہ غیر متوقع تھا۔ یہ سوار گھوڑے سے گر پڑا۔

دوسرے رومی سوار ابھی سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ یہ کیا ہُوا ہے کہ ضرّار کی برچھی ایک اور رومی کے پہلو میں اتر چکی تھی۔ تیسرا سوار ضرّار کی طرف آیا تو ضرّار کی برچھی میں پرو دیا گیا۔ مسلمانوں کی خیمہ گاہ قریب ہی تھی پھر بھی رومی ضرّار کو گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ضرّار مانے ہوئے شہسوار تھے۔ وہ رومیوں کے ہاتھ نہیں آرہے تھے۔ رومیوں کی تعداد اب ستائیس تھی۔ ضرّار بھاگ نکلنے کی بجائے، انہی میں گھوڑا دوڑاتے اور پینترے بدلتے پھر رہے تھے۔ اُن کی برچھی کا کوئی وار خالی نہیں جاتا تھا۔

واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ ضرّار نے برچھی کے ساتھ ساتھ تلوار بھی استعمال کی تھی۔ ان کی تحریروں کے مطابق ضرّار نے تیس میں سے انیس رومی سواروں کو مار ڈالا تھا۔ ضرّار کو زد میں لینے کی کوشش میں رومی مسلمانوں کی خیمہ گاہ کے اور قریب آ گئے تھے۔ بہت سے مسلمان سوار ضرّار کی مدد کو پہنچنے کے لیے تیار ہونے لگے۔ رومیوں نے یہ خطرہ بروقت بھانپ لیا اور وہ بھاگ گئے۔

ضرّار جب اپنی خیمہ گاہ میں داخل ہوتے تو مجاہدین نے داد و تحسین کا شور و غوغا بپا کر کے اُن کا استقبال کیا لیکن خالدؓ کے سامنے گئے تو خالدؓ کے چہرے پر خفگی تھی۔

"کیا میں نے تجھے کسی اور کام کے لیے نہیں بھیجا تھا؟" — خالدؓ نے درشت لہجے میں کہا — "اور تُو نے دشمن سے لڑائی شروع کر دی۔ کیا تُو نے اپنے فرض کے ساتھ بے انصافی نہیں کی؟"

"ابنِ ولید!" — ضرّار ابن الازور نے کہا — "خدا کی قسم، تیرے حکم کا اور تیری ناراضگی کا خیال نہ ہوتا تو جو رومی بچ کر نکل گئے ہیں وہ بھی نہ جاتے۔ انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔"

اس کے بعد خالدؓ نے کسی کو رومی خیمہ گاہ کی جاسوسی کے لیے نہ بھیجا۔

☆

تین چار دن اور گزر گئے۔ خالدؓ کے لشکر نے آرام کر لیا لیکن خالدؓ کے اپنے شب و روز جاگتے، سوچتے اور خیمے میں ٹہلتے گزرے۔ اپنے سے تین گنا طاقتور دشمن کو شکست دینا تو ذرا دور کی بات ہے اُس کے مقابلے میں اُترنا ہی ایک بہادری تھی، لیکن خالدؓ فتح کے سوا کچھ سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ ہر شام سالاروں اور کمانداروں کو بلا کر ان سے مشورے لیتے اور ہدایات دیتے تھے۔

رومی کیمپ میں کچھ اور ہی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے سالار قُبقلار کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔ متعدد مؤرخوں نے، خصوصاً واقدی نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔

"میں بڑا ہی خوش قسمت ہوتا اگر میں مسلمانوں کی فوج سے دور رہتا" — قُبقلار نے اپنے سالارِ اعلیٰ وردان سے کہا — "ایسے نظر آرہا ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں گے۔"

"ایسی بے معنی بات میں آج پہلی بار سن رہا ہوں" — وردان نے کہا — "کیا ایک آدمی کبھی تین آدمیوں پر غالب آیا ہے؟"

"ایسا کئی بار ہُوا ہے" — قبقلار نے کہا۔

"ہاں، ایسا کئی بار ہُوا ہے" — وردان نے کہا — "اور وہ تم جیسے تین آدمی تھے جو میدان میں اُترنے سے پہلے ہی حوصلہ ہار بیٹھے تھے۔"

"کیا وہ ایک آدمی نہیں تھا جس نے ہمارے تیس میں سے انیس سواروں کو مار گرایا ہے؟" — قُبقلار نے کہا — "تیس سوار ایک سوار پر غالب نہیں آسکے۔"

"وہ سپاہی تھے، بزدل تھے" — وردان نے کہا — "تم سالار ہو۔ تم یہ بھی بھول گئے ہو کہ میدانِ جنگ میں بزدلی کی سزا موت ہے..... لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں ہُوا کیا ہے؟ کیا تم پر مسلمانوں کا جادو چل گیا ہے؟"

"جب سے ایک مسلمان نے ہمارے تیس آدمیوں کا مقابلہ کیا اور انیس کو مار گیا ہے، میں سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ اس ایک آدمی میں اتنی طاقت اور اتنی پھرتی کہاں سے آگئی تھی؟" — سالار قبقلار نے کہا — "میں نے ایک عربی عیسائی کو مسلمانوں کے کیمپ میں بھیج رکھا تھا۔ وہ تین چار دن مسلمان بن کر اُن کی خیمہ گاہ میں رہا۔ کل وہ واپس آیا ہے۔ اُس نے جو کچھ بتایا ہے اس سے مجھے پتہ چلا ہے کہ اُن کی طاقت کیا ہے۔"

"اُس نے کیا بتایا ہے؟" — وردان نے پوچھا۔

"میں اُسے ساتھ لایا ہوں" — قبقلار نے کہا — "ساری بات اُسی سے سن لیں۔"

جاسوس کو بلایا گیا۔ وردان نے اُس سے پوچھا کہ مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں اُس نے کیا دیکھا ہے۔

"سالارِ اعلیٰ کا رتبہ قیصرِ روم جتنا ہو" — جاسوس نے تعظیم سے کہا — "میں نے اُس خیمہ گاہ میں عجیب لوگ دیکھے ہیں۔ وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں، ہم جیسے نہیں۔"

"تم اتنے دن اُن کے درمیان کس طرح رہے؟" — وردان نے پوچھا — "کیا تم پر کسی نے شک نہیں کیا؟"

"میں اُن کی زبان بولتا ہوں" — جاسوس نے جواب دیا — "اُن کے طور طریقے جانتا ہُوں۔ اُن کے مذہب اور اُن کی عبادت سے واقف ہوں۔ وہ اپنی فوج میں آپ کی طرح کسی کو بھرتی نہیں کرتے جو کوئی اُن کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے، اپنے ہتھیار اور اپنا گھوڑا ساتھ لے کر شامل ہو جاتا ہے۔ میں مسلمان بن کر اُن کی فوج میں شامل ہو گیا تھا.....

"میں نے ان مسلمانوں میں کچھ نئے اصول دیکھے ہیں۔ رات کو وہ عبادت گزار ہوتے ہیں اور دن کو ایسے جنگجو جیسے وہ لڑنے مرنے کے سوا کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔ اپنے عقیدے کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے لڑنے اور جان دینے کو یہ اپنا ایمان کہتے ہیں۔ ان کا ہر ایک سپاہی اس طرح باتیں کرتا ہے جیسے وہ کسی سالار کے حکم سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی لڑائی لڑنے آیا ہو۔ وہ سب ایک جیسے ہیں۔ لباس سے سالار اور سپاہی میں فرق معلوم نہیں کیا جا سکتا.....

"میں نے ان میں مساوات کے علاوہ انصاف دیکھا ہے۔ اگر ان کے حاکم یا امیر کا بیٹا چوری کرے تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بدکاری کرتے پکڑا جائے تو اُسے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سرِعام کھڑا کر کے پتھر مارتے ہیں حتیٰ کہ وہ مرجاتا ہے۔ یہ لوگ اتنے مطمئن ہیں کہ انہیں کوئی فکر اور کوئی پریشانی نہیں....

"سالارِ اعلیٰ اگر مجھے معاف کر دیں تو کہوں .... ہماری فوج میں وہ وصف نہیں جو میں مسلمانوں میں دیکھ کر آیا ہوں۔ مسلمانوں کا کوئی بادشاہ نہیں۔ ہمارے سپاہی بادشاہ کے حکم سے لڑتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ بادشاہ انہیں دیکھ نہیں رہا تو وہ اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلمان ایک خدا کو اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور انہیں دیکھ رہا ہے۔"

مشہور مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ قبقلار بول پڑا۔ اُس نے کہا — "میں کہتا ہوں میں اُس زمین کے نیچے چلا جاؤں جس زمین پر ان سے مقابلہ کرنا پڑے۔ کاش، میں اُن کے قریب نہ جا سکوں، نہ خدا اُن کے خلاف میری نہ میرے خلاف اُن کی مدد کرے۔"

وردان نے قبقلار سے کہا کہ اُسے لڑنا پڑے گا، لیکن قبقلار کا لڑنے کا جذبہ ماند پڑ گیا تھا۔

☆

۲۷ جمادی الاوّل ۱۳ ہجری (۲۹ جولائی ۶۳۴ء) کی شام خالدؓ نے اپنے سالاروں کو آخری ہدایات دیں اور اپنے لشکر کی تقسیم کر دی۔

۲۸ جمادی الاوّل ۱۳ ہجری (۳۰ جولائی ۶۳۴ء) کو مجاہدین نے روزمرہ کی طرح فجر کی نماز باجماعت پڑھی۔ سب نے گڑگڑا کر بڑے ہی جذباتی انداز میں دعائیں مانگیں۔ بہت سے ایسے تھے جن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان میں سے نہ جانے کس کس کی یہ آخری نماز تھی۔ نماز کے فوراً بعد انہیں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ اُن جگہوں پر چلے جانا تھا جو اُن کے لیے گذشتہ رات مقرر کی گئی تھیں۔

سورج نکلنے سے پہلے پہلے خالدؓ کا لشکر اپنی جگہوں پر پہنچ چکا تھا۔ رومیوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی اتنی زیادہ تعداد کے بل بوتے پر اتنا پھیل جائیں گے کہ مسلمان اتنا پھیلے تو اُن کی صفوں میں شگاف پڑ جائیں گے لیکن خالدؓ نے تعداد کی قلت کے باوجود محاذ پانچ میل لمبا بنا دیا۔ اس سے یہ خطرہ ختم ہو گیا کہ رومی پہلوؤں میں جا کر یا پہلوؤں سے عقب میں جا کر حملہ کریں گے۔

خالدؓ نے دوسری دانشمندی یہ کی کہ اپنے لشکر کا منہ مغرب کی طرف رکھا تاکہ سورج اُن کے پیچھے اور رومیوں کے سامنے رہے اور وہ آنکھوں میں سورج کی چمک پڑنے کی وجہ سے آنکھوں کو کھول نہ سکیں۔

حسبِ معمول خالدؓ نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک پہلو کے دستوں کے سالار سعید بن عامر تھے، دوسرے کے امیر المومنین ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اور قلب کی کمان معاذ بن جبل کے پاس تھی۔ خالدؓ نے دونوں پہلوؤں کے دستوں کی حفاظت کا یا مشکل کے وقت اُن کی مدد کو پہنچنے کا یہ اہتمام کیا تھا کہ ان دستوں کے آگے ایک ایک دستہ کھڑا کر دیا تھا۔

چار ہزار نفری جس کے سالار یزید بن ابی سفیان تھے، خالدؓ نے قلب کے عقب میں محفوظہ کے طور پر رکھ لی۔ وہاں اس نفری کی موجودگی اس لیے بھی ضروری تھی کہ وہاں عورتیں اور بچے تھے۔

خالدؓ نے سالاری کے رُتبے کے افراد کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ جہاں کہیں سالار کی

ضرورت پڑے، ان میں سے ایک کو وہاں بھیج دیا جائے۔ یہ چاروں بڑے قابل اور تجربہ کار سالار تھے۔ یہ تھے، عمرؓ کے بیٹے عبداللہ، عمرو بن العاص، ضرار بن الازور اور رافع بن عمیرہ۔

سورج طلوع ہُوا تو رومی سنتریوں نے اپنے سالاروں کو اطلاع دی کہ مسلمان جنگی ترتیب میں تیار ہو گئے ہیں۔ رومیوں کے اجتماع میں ہڑبونگ مچ گئی۔ ان کا یہ خدشہ بجا تھا کہ مسلمان حملہ کر دیں گے۔ رومی سالاروں نے بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو تیار کیا اور مسلمانوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان فاصلہ تقریباً چار فرلانگ تھا۔

خالدؓ نے اپنے محاذ کو کم و بیش پانچ میل لمبا کر دیا تھا۔ رومی اپنے لشکر کو اس سے زیادہ پھیلا سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے محاذ کی لمبائی تقریباً اتنی ہی رکھی جتنی خالدؓ نے رکھی تھی۔ اس سے خالدؓ کا یہ مسئلہ تو حل ہو گیا کہ رومی مسلمانوں کے پہلوؤں کے لیے خطرہ نہ بن سکے لیکن رومی لشکر کی گہرائی زیادہ بلکہ بہت زیادہ تھی۔ دستوں کے پیچھے دستے اور ان کے پیچھے دستے تھے۔ مسلمانوں کے لیے اُن کی صفیں توڑنا تقریباً ناممکن تھا۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومیوں کا لشکر جب اس ترتیب میں آیا تو دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کرتا تھا۔ بہت سی صلیبیں جن میں کچھ بڑی اور کچھ ذرا چھوٹی تھیں، اس لشکر میں سے اوپر کو اُبھری ہُوئی تھیں اور رنگی رنگوں کے جھنڈے اوپر کو اُٹھے ہُوئے لہرا رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی فوج نہایت معمولی اور بے رعب سی لگتی تھی۔

رومیوں کا سالار وردان اور سالار قبقلار اپنے لشکر کے قلب کے سامنے گھوڑوں پر سوار کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے محافظوں کا ایک ایک دستہ تھا جو لباس وغیرہ سے بڑی شان والے لگتے تھے۔

☆

رومیوں کی تعداد اور اُن کے ظاہری جاہ و جلال کو دیکھ کر خالدؓ نے محسوس کیا ہو گا کہ اُن کے مجاہدین پر رومیوں کا ایسا اثر ہو سکتا ہے کہ ان کا جذبہ ذرا کمزور ہو جاتے۔ شاید اسی لیے خالدؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھوڑے کا رُخ اپنی فوج کے ایک سرے کی طرف کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنا محاذ اتنا زیادہ پھیلایا تھا۔ انہوں نے گھوڑا ایک پہلو کے دستے کے سامنے جا روکا۔

"یاد رکھنا کہ تم اُس اللہ کے نام پر لڑنے آئے ہو جس نے تمہیں زندگی عطا کی ہے" — خالدؓ نے ایک ہاتھ اور اس ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف کر کے انتہائی بلند آواز میں کہا — "اللہ کسی اور طریقے سے بھی اپنی دی ہوئی زندگی تم سے واپس لے سکتا ہے۔ اللہ نے تمہارے ساتھ ایک رشتہ قائم کر رکھا ہے۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ تم اللہ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو؟ اللہ اس کا اجر دے گا۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے کہ تم تھوڑے تھے اور تمہارا مقابلہ اُس دشمن سے ہُوا کہ جو تم سے دوگنا اور تین گنا تھا اور اتنا طاقتور دشمن تمہاری ضرب سے اس طرح بھاگا جس طرح بکری شیر کو اور بھیڑ بھیڑیے کو دیکھ کر بھاگتی ہے .... رومیوں کی ظاہری شان و شوکت کو نہ دیکھو۔ شان و شوکت ایمان والوں کی ہوتی ہے۔ جاہ و جلال اُن کا ہے جن کے ساتھ اللہ ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ آج اپنے اللہ پر اور اللہ کے رسولؐ کی روح پر ثابت کر دو کہ تم باطل کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے والے ہو۔"

یہ تو جذباتی باتیں تھیں جو خالدؓ نے کیں اور ان کا اثر وہی ہُوا جو ہونا چاہیے تھا۔ خالدؓ نے ان باتوں

کے علاوہ کچھ ہدایات دیں۔ مؤرخوں نے ان کے صحیح الفاظ لکھے ہیں:

"جب آگے بڑھ کر حملہ کرو تو مِل کر دشمن پر دباؤ ڈالو جیسے ایک دیوار بڑھ رہی ہو۔ جب تیر چلاؤ تو سب کے تیر اکٹھے کمانوں سے نکلیں اور دشمن پر بوچھاڑ کی طرح گریں۔ دشمن کو اپنے ساتھ بہا لے جاؤ۔"

خالدؓ تمام دستوں کے سامنے رُکے اور یہی الفاظ کہے۔ اس کے بعد وہ عقب میں عورتوں کے پاس چلے گئے۔

"دعا کرتی رہنا اپنے خاوندوں کے لیے، اپنے بھائیوں اور اپنے باپوں کے لیے!" — خالدؓ نے عورتوں سے کہا — "تم دیکھ رہی ہو کہ دشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہے اور ہم کتنے تھوڑے ہیں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ دشمن ہماری صفوں کو توڑ کر پیچھے آجائے۔ خدا کی قسم! مجھے پوری امید ہے کہ اپنی عزت اور اپنی جانیں بچانے کے لیے تم مردوں کی طرح لڑو گی ہم انہیں تم تک نہیں پہنچنے دیں گے لیکن وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جو ہم نہیں چاہتے کہ ہو جائے۔"

"ولید کے بیٹے!" — ایک عورت نے کہا — "کیا وجہ ہے کہ ہمیں آگے جا کر لڑنے کی اجازت نہیں۔"

"مرد زندہ ہوں تو عورت کیوں لڑے!" — خالدؓ نے کہا — "اور اپنے آپ کو بچانے کے لیے لڑنا تم پر فرض ہے اور تم پر فرض ہے کہ مرد تھوڑے رہ جائیں، دشمن غالب آرہا ہو تو آگے بڑھو اور مردوں کی طرح لڑو اور اپنے اوپر غیر مرد کا غلبہ قبول نہ کرو۔"

یہ پہلا موقع تھا کہ خالدؓ نے عورتوں کو بھی دشمن سے خبردار کیا اور انہیں اپنے دفاع میں لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں خاصی تشویش تھی۔ انہوں نے کسریٰ کی فوجوں کو شکست پہ شکست دی تھی لیکن رومی فارسیوں کی نسبت زیادہ منظم اور طاقت ور تھے۔ خالدؓ کے سامنے یقیناً یہ پہلو بھی ہو گا کہ مجاہدین کو گھروں سے نکلے خاصا عرصہ گزر چکا تھا اور وہ مسلسل لڑائیوں کے تھکے ہوئے بھی تھے۔ انہیں اپنے اللہ پر، اللہ کی دی ہوئی روحانی طاقتوں اور ایمان پر بھروسہ تھا۔

دونوں فوجیں لڑائی کے لیے تیار ہو گئیں۔

☆

رومیوں کی طرف سے ایک معمّر پادری آگے آیا اور مسلمانوں سے کچھ دور آکر رُک گیا۔

"اے مسلمانو!" — اُس نے بلند آواز سے کہا — "تم میں کوئی ایسا ہے جو میرے پاس آکر بات کرے؟"

خالدؓ نے اپنے گھوڑے کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور پادری کے سامنے جا گھوڑا روکا۔

"تم سالار ہو؟" — بوڑھے پادری نے کہا — "کیا تم میں مجھ جیسا کوئی مذہبی پیشوا نہیں؟"

"نہیں!" — خالدؓ نے جواب دیا — "ہمارے ساتھ کوئی مذہبی پیشوا نہیں ہوتا۔ سالار ہی امام ہوتا ہے۔ میں سپہ سالار ہوں اور میں معزز پادری کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ میں اُس وقت تک سپہ سالار رہوں گا جب تک میری قوم اور میری فوج چاہے گی۔ اگر میں اپنے اللہ وحدہٗ لاشریک کے احکام اور اُس کے رسولؐ کے فرمان سے انحراف کروں گا تو مجھے سپہ سالار نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اگر اس حالت میں بھی سپہ سالار رہوں گا تو سپاہیوں کو حق حاصل ہے کہ وہ میرا کوئی حکم نہ مانیں۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ معمّر پادری پر خاموشی طاری ہو گئی اور وہ کچھ دیر خالدؓ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"شاید یہی وجہ ہے" — پادری نے ذرا دبی زبان میں کہا — "یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ فتح ہمیشہ تمہاری ہوتی ہے۔"

"وہ بات کر معزز پادری جو تُو کرنے آیا ہے" — خالدؓ نے کہا۔

"ہاں!" — پادری نے جیسے بیدار ہو کر کہا — "اے عرب سے فتح کی امید لے کر آنے والے! کیا تُو نہیں جانتا کہ جس زمین پر تُو فوج لے کر آیا ہے، اس پر کسی بادشاہ کو کبھی پاؤں رکھنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی؟ تُو اپنے آپ کو کیا سمجھ کر یہاں آگیا ہے! فارسی آتے تھے لیکن اُن پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بھاگ گئے۔ کئی دوسرے بھی آئے تھے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑے تھے لیکن ناکامی اور مایوسی کے سوا اُنہیں کچھ حاصل نہ ہُوا اور وہ چلے گئے...... تجھے ہمارے خلاف کچھ کامیابیاں حاصل ہُوئی ہیں لیکن یہ خیال دماغ سے نکال دے کہ ہر میدان میں تُو فتح ہی پائے گا۔"

مؤرخوں کے مطابق، خالدؓ خاموشی سے سن رہے تھے اور بوڑھا پادری پُراثر لہجے میں بول رہا تھا۔

"میرا سپہ سالار وِردان جو میرا آقا ہے، تجھ پر کرم اور نوازش کرنا چاہتا ہے" — پادری کہہ رہا تھا — "اس سے بڑی نوازش اور کیا ہو گی کہ اُس نے تیری فوج کو کاٹ دینے کی بجائے مجھے یہ پیغام دے کر تیرے پاس بھیجا ہے کہ اپنی فوج کو ہمارے ملک سے واپس لے جا۔ میرا آقا تیرے ہر سپاہی کو ایک دینار، ایک قبا اور ایک عمامہ دے گا اور تجھے ایک سو عمامے، ایک سو قبائیں اور ایک سو دینار عطا کرے گا۔ تیرے لیے یہ فیاضی معمولی نہیں۔ کیا تُو دیکھ نہیں رہا کہ ہمارا لشکر ریت کے ذرّوں کی طرح بے حساب ہے؟ تُو جن فوجوں سے لڑ چکا ہے، ہماری فوج اُن فوجوں جیسی نہیں۔ تُو نہیں جانتا کہ اس فوج کے سر پر قیصرِ روم کا ہاتھ ہے۔ اس نے منجھے ہُوئے تجربہ کار سالار اور چوٹی کے پادری اس فوج کو دیئے ہیں.... بول.... تیرا کیا جواب ہے؟ انعام چاہتا ہے یا اپنی اور اپنی فوج کی تباہی؟"

"دو میں سے ایک!" — خالدؓ نے جواب دیا — "میری دو شرطوں میں سے ایک پوری کر دو تو میں اپنی فوج کو لے کر چلا جاؤں گا.... اپنے آقا سے کہو کہ اسلام قبول کر لو یا جزیہ ادا کرو۔ اگر نہیں تو ہماری تلواریں فیصلہ کریں گی۔ میں تیرے آقا کے کہنے پر واپس نہیں جاؤں گا.... تیرے آقا نے جو دینار، قبائیں اور عمامے پیش کیے ہیں وہ تو ہم وصول کر ہی لیں گے۔"

"ایک بار پھر سوچ عربی سالار!"

"عرب کے سالار نے سوچ کر جواب دیا ہے" — خالدؓ نے کہا — "جا، اپنے آقا تک میرا جواب پہنچا دے۔"

☆

بوڑھے پادری نے رومی سپہ سالار وِردان کو خالدؓ کا جواب دیا۔

"عرب کے ڈاکوؤں کی یہ جرأت؟" — وِردان نے غصے سے پھٹتے ہُوئے کہا — "کیا وہ نہیں جانتے کہ میں ان سب کو ایک ہی ہلّے میں ختم کر سکتا ہوں؟" — اُس نے اپنی سپاہ کی طرف گھوڑا گھما کر حکم دیا — "تیر انداز آگے جائیں اور ان بدبختوں کو فنا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ فلاخن بھی آگے لے آؤ۔"

تیر انداز آگے آئے تو مسلمانوں کے قلب کے سالار معاذ بن جبل نے اپنے دستوں کو حملے کی تیاری کا حکم [illegible]

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ٹھہر جا ابنِ جبل!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "جب تک میں نہ کہوں حملہ نہ کرنا۔ سورج سر پر آکر آگے جانے لگے گا تو ہم حملہ کریں گے۔"

"ابنِ ولید!" ـــــ معاذ بن جبل نے کہا ـــــ "کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ اُن کی کمانیں ہم سے اچھی اور بڑی ہیں جو بہت دور تک تیر پھینک سکتی ہیں؟ وہ ہمارے تیر اندازوں کی زد سے دُور ہیں۔ میں ان تیر اندازوں پر حملہ کر کے انہیں بیکار کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے فلاخن دیکھو۔ یہ پتھر برسائیں گے۔"

"رومی ترتیب میں کھڑے ہیں" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "ہم نے حملے میں پہل کی تو ہمیں پسپا ہونا پڑے گا۔ اُن کی ترتیب ذرا اُکھڑنے دو۔ اُن کا کوئی نہ کوئی کمزور پہلو ہمارے سامنے آجائے گا۔"

رومیوں نے کچھ دیر انتظار کیا، مسلمانوں نے کوئی حرکت نہ کی تو وِردان کے حکم پر اُس کے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں پھینکنی شروع کر دیں اور فلاخن سے وہ پتھر پھینکنے لگے۔ کئی مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ خالدؓ نے یہ نقصان دیکھ کر بھی حملے کا حکم نہ دیا۔ رومی تیر اندازوں کو تیروں سے مؤثر جواب نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ مسلمانوں کی کمانیں نسبتاً چھوٹی ہونے کی وجہ سے دور تک تیر نہیں پھینک سکتی تھیں۔

اُدھر سے تیر اور پتھر آتے رہے تب مسلمانوں میں ہیجان اور اضطراب نظر آنے لگا۔ وہ حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن انہیں حکم نہیں مل رہا تھا۔ سالار ضرّار بن الازور دوڑے دوڑے خالدؓ کے پاس گئے۔

"ابنِ ولید!" ـــــ ضرّار نے خالدؓ سے کہا ـــــ "تو کیا سوچ رہا ہے؟ کیا تو دشمن کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم اُس سے ڈر گئے ہیں؟.... اگر اللہ ہمارے ساتھ ہے تو مت سوچ! حملے کا حکم دے۔"

خالدؓ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ یہ اطمینان اور سکون کی مسکراہٹ تھی۔ اُن کے سالار اور سپاہی پسپائی کی بجائے حملے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

"ابنِ الازور!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "تُو آگے جا کر دشمن کو مقابلے کے لیے للکار سکتا ہے۔"

ضرّار نے زرہ اور خَود پہن رکھی تھی۔ اُن کے ایک ہاتھ میں چمڑے کی ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔ انہوں نے پچھلے ایک معرکے میں یہ ڈھال ایک رومی سے چھینی تھی۔ ضرّار آگے گئے تو رومی تیر اندازوں نے اپنے سالار کے حکم سے کمانیں نیچے کر لیں۔

☆

یہ اُس زمانے کا رواج تھا کہ فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں میں سے کسی ایک کا ایک آدمی اپنے دشمن کو انفرادی مقابلے کے لیے للکارتا تھا۔ اُدھر سے ایک آدمی آگے آتا اور دونوں زندگی اور موت کا معرکہ لڑتے تھے۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوتی تھی۔ مقابلے کے لیے للکارنے والا اپنے دشمن کو توہین آمیز باتیں کہتا تھا۔

ضرّار بن الازور رومیوں کے سامنے گئے اور انہیں للکارا:

"میں سفید چمڑی والوں کے لیے موت کا پیغام لایا ہوں
رومیو! میں تمہارا قاتل ہوں
میں خدا کا قہر بن کر تم پر گروں گا
میرا نام ضرّار بن الازور ہے۔"

رومیوں کی طرف سے ایک آدمی کو ضرّار کے مقابلے کے لیے آنا تھا لیکن چار پانچ رومی سوار آگے آگئے۔ ضرّار نے پہلے اپنی خَود اتاری پھر زرہ اتاری پھر قمیض بھی اتار دی اور کمر تک برہنہ ہو گئے۔ تب اُن رومیوں نے انہیں پہچانا جو بصرہ میں انہیں اس حالت میں لڑتے دیکھ چکے تھے اور وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اس شخص میں جنّات جیسی پھرتی اور طاقت ہے حقیقت بھی یہی تھی۔ ضرّار ایک سے زیادہ آدمیوں کا مقابلہ کرنے کی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔

ضرّار کے مقابلے میں جو رومی آئے تھے ان میں دو سالار بھی تھے۔ ایک طبریہ کا اور دوسرا عمان کا حاکم یا امیر تھا۔ باقی بھی کوئی عام سپاہی نہیں تھے۔ وہ کمانڈروں کے رتبے کے تھے۔ اُنہوں نے ضرّار کو گھیرے میں لینے کے لیے گھوڑوں کے رُخ موڑے۔ ضرّار نے اچانک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جب وہ عمان کے حاکم کے قریب سے گزر گئے تو یہ سالار اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہی دوہرا ہو گیا پھر گھوڑے سے لڑھک کر نیچے جا پڑا۔ ضرّار کی تلوار اُس کے پہلو سے اُس کے جسم میں گہری اُتر گئی تھی۔

حیران کن پھرتی سے ضرّار کا گھوڑا مڑا اور ایک اور رومی اُن کی تلوار سے کٹ کر گرا۔ ضرّار ایسی چال چلتے اور ایسا پینترا بدلتے تھے کہ رومی سواروں کے دو تین گھوڑے آپس میں ٹکرا جاتے یا ایک دوسرے کے آگے آجاتے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ضرّار ان میں سے ایک کو تلوار سے کاٹ جاتے تھے۔

کوئی رومی سوار گرتا تھا تو مسلمان بڑے جوش سے نعرے لگاتے تھے۔ ضرّار کا یہ عالم تھا جیسے اُن میں مافوق الفطرت طاقت آگئی ہو۔ اپنے مقابلے میں آنے والے رومیوں میں سے زیادہ تر کو انہوں نے گرا دیا۔ ان میں ایک دو ایسے بھی تھے جنہیں مہلک زخم نہیں آئے تھے لیکن وہ دوڑتے گھوڑوں کے قدموں تلے کچلے گئے۔ دو رومی سوار بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

ضرّار فاتحانہ انداز سے خون ٹپکاتی تلوار کو لہراتے اور رومیوں کو للکار رہے تھے:

"میں سفید چمڑی والوں کا قاتل ہوں.... رومیو! میری تلوار تمہارے خون کی پیاسی ہے۔"

مؤرخوں (واقدی، ابنِ ہشام اور طبری) نے لکھا ہے کہ دس رومی سوار گھوڑے دوڑاتے آگے آئے۔ یہ سب سالاری سے ذرا نیچے کے عہدوں کے رومی تھے۔ خالدؓ نے جب دس سواروں کو آگے آتے دیکھا تو اپنے محافظ دستے میں سے اُنہوں نے دس سوار منتخب کیے اور انہیں آگے لے گئے۔

رومی سوار ضرّار کی طرف آرہے تھے۔ خالدؓ نے نعرہ لگایا ـــــ "خدا کی قسم، ضرارؓ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا" ـــــ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے دس سواروں کو اشارہ کر کے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دس سوار اُن کے ساتھ گئے۔ رومی سواروں کی نظریں ضرّار پر لگی ہوئی تھیں۔ خالدؓ اور ان کے سوار رومی سواروں پر جا جھپٹے۔ ضرّار کی تلوار بھی حرکت میں آگئی۔ رومیوں نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ اور اُن کے سواروں کی تیزی اور تُندی نے رومیوں کی ایک نہ چلنے دی اور سب کٹ گئے۔

رومی سالاروں نے اسے اپنی بے عزتی سمجھا اور مزید آدمیوں کو انفرادی مقابلوں کے لیے آگے بھیجنے لگے۔ ضرّار نے ان میں سے دو تین کو ہلاک کر دیا۔ مقابلے کے لیے آگے آنے والے ہر رومی کے ساتھ ضرّار ہی مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن خالدؓ نے انہیں پیچھے بلا لیا اور دوسرے مجاہدین (تاریخوں میں ان کے نام نہیں) کو باری باری آگے بھیجا۔ ہر مقابلے میں مجاہدین فاتح رہے۔ دونوں فوجوں کے درمیان

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

بہت سے رومیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

مؤرخوں کے مطابق، یہ مقابلے کم و بیش دو گھنٹے جاری رہے اور سورج اُس مقام پر آ گیا جس مقام پر خالدؓ چاہتے تھے کہ آ جائے تو حملہ کریں گے۔

☆

مقابلوں کے دوران تیر انداز اور فلاخن سے پتھر پھینکنے والے خاموش کھڑے تھے۔ مقابلہ ابھی جاری تھا۔ خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔ یہ عام قسم کا حملہ تھا جسے ہلّہ یا چارج کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے رومی تیر انداز اور فلاخن بہت بڑی رکاوٹ تھے۔ انہیں خاموش دیکھ کر خالدؓ نے حملہ کیا تھا۔ حملہ اتنا زوردار تھا اور مجاہدین میں اتنا قہر بھرا ہُوا تھا کہ رومی سالارِ اعلیٰ وِردان کو کوئی چال چلنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ وہ اپنے لشکر کے آگے کھڑا مقابلے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پیچھے کو بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

☆

توقع تو یہ تھی کہ وِردان اپنی تعداد کی افراط کے بل بوتے پر اپنے پہلوؤں کو آگے بڑھا کر خالدؓ کے پہلوؤں سے آگے نکلنے اور عقب میں آنے کی کوشش کرے گا لیکن اُسے اتنی ہوش نہیں تھی۔ اُس نے اپنے لشکر کو پھیلانے کی بجائے اس کی گہرائی زیادہ کر دی تھی یعنی دستوں کے پیچھے دستے رکھے تھے اُس کی یہ ترتیب بڑی اچھی تھی لیکن خالدؓ کی چال نے اُس کی ترتیب کو اُس کے لیے ایک مسئلہ بنا دیا۔

مسلمان دستوں نے سامنے سے حملہ کیا تو رومیوں کے اگلے دستے پیچھے ہٹنے لگے۔ پچھلے دستوں کو اور پیچھے ہونا پڑا۔ پھر ان کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔ یہ بڑا ہی شدید معرکہ تھا اور بڑا ہی خونریز۔

سورج مغرب کی سمت ڈھل گیا تھا۔ خالدؓ نے محسوس کیا کہ مجاہدین تھک گئے ہوں گے۔ انہوں نے مجاہدین کو معرکے سے نکلنے کا حکم دیا۔ ایسے لگا جیسے رومی سالار بھی یہی چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹانا بہتر سمجھا۔ جب دونوں فوجیں پیچھے ہٹیں تو پتہ چلا کہ رومی ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے ہیں اور زخمیوں کی تعداد بھی بے شمار ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا نقصان بہت ہی تھوڑا تھا۔

سورج غروب ہونے کو تھا اس لیے دونوں میں سے کوئی بھی فوج حملہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح پہلے روز کی جنگ ختم ہو گئی۔

☆

رات کو دونوں فوجوں کے سالاروں نے اپنے اپنے نائب سالاروں وغیرہ کو بلایا اور اپنے اپنے نقصان کا جائزہ لینے لگے اور اگلی کارروائی کے متعلق سوچنے لگے۔ رومیوں کے سالارِ اعلیٰ وِردان کی کانفرنس میں گرما گرمی زیادہ تھی۔ وِردان نے صاف کہہ دیا کہ جنگ کی یہی صورتِ حال رہی جو آج ہو گئی تھی تو نتیجہ ظاہر ہے کیا ہو گا اور اس نتیجے کا نتیجہ کیا ہو گا۔

"کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا؟" —— وِردان کے سالار قُبقلار نے کہا —— "میں اب بھی کہتا ہوں کہ اور زیادہ سوچو اور وجہ معلوم کرو کہ ہر میدان میں فتح مسلمانوں کی ہی کیوں ہوتی ہے اور وہی خوبی ہماری فوج میں کیوں پیدا نہیں ہوتی۔ آج کی لڑائی دیکھ کر مجھے اپنی فتح مشکوک نظر آنے لگی ہے۔"

"کیا تُو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ہم میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں؟" —— وِردان نے کہا —— "میں تم سب کو کہتا ہوں کہ اپنی اپنی رائے اور مشورہ دو کہ ہم مسلمانوں کو کس طرح شکست دے سکتے ہیں۔"

قبقلار کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کچھ بھی نہ کہا اور دوسرے سالار اپنی آراء اور مشورے دینے لگے۔ ان سالاروں کے مشورے مختلف تھے لیکن ایک بات مشترک تھی۔ سب کہتے تھے کہ مسلمانوں کو شکست دینی ہے اور ایسی شکست کہ ان میں سے زندہ وہی رہے جو جنگی قیدی ہو۔

"اگر خالدؓ ان کا سالار نہ ہو تو انہیں شکست دینا آسان ہو جائے" —— ایک سالار نے کہا —— "وہ جدھر جاتا ہے، اُس کی شہرت اور دہشت اُس کے آگے آگے جاتی ہے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے اس سالار میں اتنی زیادہ جنگی مہارت ہے جو بہت کم سالاروں میں ہوتی ہے…… میں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔"

سب متوجہ ہُوئے۔

"مسلمانوں کو خالدؓ سے محروم کر دیا جائے" —— اُس نے کہا —— "اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے…… قتل!"

"کل کی لڑائی میں اسے قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی" —— وِردان نے کہا —— "یہ مشورہ کوئی مشورہ نہیں۔"

"لڑائی میں ابھی تک اُسے کوئی قتل نہیں کر سکا" —— مشورہ دینے والے سالار نے کہا —— "میری تجویز یہ ہے کہ ہماری طرف سے ایک ایلچی خالدؓ کے پاس جائے اور کہے کہ ہم مزید خون خرابہ روکنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس آؤ اور ہمارے ساتھ بات چیت طے کر لو۔ وہ جب ہمارے سالارِ اعلیٰ وِردان سے ملنے آ رہا ہو تو کم از کم دس آدمی راستے میں گھات میں بیٹھے ہُوئے ہوں۔ وہ خالدؓ کو اس طرح قتل کریں کہ اُس کے جسم کی بوٹی بوٹی کر دیں۔"

"بہت اچھی تجویز ہے" —— وِردان نے کہا —— "میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں…… داؤد کو بلاؤ۔"

تھوڑی ہی دیر بعد ایک عیسائی جس کا تاریخوں میں نام داؤد لکھا ہے وِردان کے سامنے کھڑا تھا۔

"داؤد!" —— وِردان نے اس عیسائی عرب سے کہا —— "ابھی مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں جاؤ اور ان کے سپہ سالار خالدؓ بن ولید کو ڈھونڈ کر اُسے بتانا کہ میں رومیوں کے سالار کا ایلچی ہُوں۔ اُسے میری طرف سے یہ پیغام دینا کہ ہم اُس کے ساتھ صلح کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے پاس کل صبح آئے اور ہمارے ساتھ بات کرے کہ کن شرائط پر صلح ہو سکتی ہے۔ اُسے یہ بھی کہنا کہ اس بات چیت میں صرف وہ اور میں اکیلے ہوں گے۔ ہم دونوں کے ساتھ ایک بھی محافظ نہیں ہو گا۔"

داؤد معمولی آدمی نہیں تھا نہ وہ فوجی تھا۔ وہ قیصرِ روم کا ایک طرح کا نمائندہ تھا اور اُس کا رتبہ وِردان سے ذرا ہی کم تھا۔

"وِردان!" —— داؤد نے کہا —— "میرا خیال ہے کہ تم قیصرِ روم کے حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیا شہنشاہِ ہرقل نے یہ حکم نہیں بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دو؟ میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم صلح اور شرائط کی بات کس کے حکم سے کر رہے ہو…… میں صلح کا پیغام لے کر نہیں جاؤں گا۔"

"پھر تمہیں اپنے راز میں شریک کرنا پڑے گا" —— وِردان نے کہا —— "میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہی منصوبہ بنا رہا ہوں۔ میں خالدؓ بن ولید کو صلح کا دھوکا دے رہا ہوں۔ وہ اگر آ گیا تو مجھ تک اُس کی لاش

پہنچے گی۔ میں نے راستے میں اُس کے قتل کا انتظام کر رکھا ہے۔"

"اگر یہ کام کرنا ہے تو میں تمھارے ساتھ ہوں" — داؔود نے کہا — "میں ابھی جاتا ہوں۔"

☆

داؔود مسلمانوں کے کیمپ میں چلا گیا۔ ہر طرف چھوٹی بڑی مشعلیں جل رہی تھیں۔ داؔود نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ رومیوں کا ایلچی ہے اور اُن کے سپہ سالار کے لیے پیغام لایا ہے۔ اُسے اُسی وقت خالدؓ کے خیمے تک پہنچا دیا گیا۔ داؔود آداب بجا لایا اور اپنا تعارف کرا کے وِردان کا پیغام دیا۔

خیمے میں مشعلوں کی روشنی تھی۔ خالدؓ نے داؔود سے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ بیٹھ جائے۔ وہ خالدؓ کے سامنے کھڑا رہا۔ خالدؓ آہستہ آہستہ اُٹھے اور اُس کے تھوڑا اور قریب چلے گئے۔ اُن کی نظریں داؔود کی آنکھوں میں گڑ گئی تھیں۔ اُنہوں نے داؔود سے کچھ بھی نہ کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھتے رہے۔ خالدؓ دراز قد اور قوی ہیکل تھے۔ اُن کی شخصیت کا پرتَو اُن کی آنکھوں کی چمک میں تھا۔ اُس دَور کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ خالدؓ کی آنکھوں کا سامنا کوئی مضبُوط دل گردے والا ہی کر سکتا تھا۔ یہ ایمان کا جلال تھا اور آنکھوں کی اس چمک میں عشقِ رسولؐ رچا بسا تھا۔ اس کے علاوہ خالدؓ شام کے علاقے میں خوف و ہراس کا ایک نام بن گیا تھا۔

خالدؓ داؔود کو دیکھے جا رہے تھے۔ داؔود کا ضمیر مجرمانہ تھا۔ وہ خالدؓ کی نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ کے چہرے پر ایک یا دو زخموں کے نشان تھے جن سے ان کا چہرہ بگڑا تو نہیں تھا لیکن زخموں کے نشانات کا اپنا ایک تاثر تھا جو داؔود کے لیے غالباً دہشت ناک بن گیا تھا۔

"اے عربی سالار!" — داؔود بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا — "میں فوجی نہیں ہوں میں ایلچی ہوں"

"سچ بول داؔود!" — خالدؓ نے اُس کے اور قریب آ کر کہا — "تو ایک جھوٹ بول چکا ہے۔ اب سچ بول اور اپنی جان سلامت لے جا۔"

داؔود خالدؓ کے سامنے کھڑا چھوٹا سا آدمی لگتا تھا حالانکہ قد اُس کا بھی کچھ کم نہیں تھا۔

"اے عربی سالار!" — داؔود نے اپنے جھوٹ کو دُہرایا — "میں صلح کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اس میں کوئی دھوکا نہیں۔"

"اگر تُو دھوکا دینے آیا ہے تو میری بات سن لے" — خالدؓ نے کہا — "جتنی مکّاری اور عیّاری ہم لوگوں میں ہے اتنی تم میں نہیں۔ مکر و فریب میں ہمیں کوئی مات نہیں دے سکتا۔ اگر تمھارے سپہ سالار وِردان نے کوئی فریب کاری سوچی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رومیوں کی تباہی کا عمل اُس سے تیز ہو جائے گا جتنا میں نے سوچا تھا..... اور اگر اُس نے سچی نیّت سے صلح کا پیغام بھیجا ہے تو جاؤ اُسے کہو کہ جزیہ ادا کر دے پھر ہم صلح کر لیں گے۔"

داؔود میں اتنی سی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ وہ آداب بجا لا کر چل پڑا۔ خیمے کے دروازے میں جا کر پیچھے دیکھا۔ خالدؓ کی نظریں ابھی تک اُسے گھور رہی تھیں۔ داؔود نے منہ پھیر لیا لیکن چلا نہیں وہیں کھڑا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ خالدؓ کی نظریں اُس کی کھوپڑی میں سے گزر کر اُس کی آنکھوں میں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ خالدؓ کی طرف گھوما اور اچانک اس طرح تیز قدم اٹھائے جیسے خالدؓ پر جھپٹنے لگا ہو۔

"ابنِ ولید!" — داؔود نے شکست خوردہ آواز میں کہا — "میں تجھے دھوکا دینے آیا تھا" — اُس نے وِردان کی سازش پوری کی پوری بیان کر دی اور یہ بھی بتا دیا کہ کل صبح وِردان کے دس آدمی کس جگہ گھات میں ہوں گے۔

"کیا تُو بتا سکتا ہے" — خالدؓ نے داؔود سے پوچھا — "کہ تُو جاتے جاتے رک کیوں گیا اور تُو نے سچ کیوں بولا؟"

"سچ کا صلہ لینے کے لیے" — داؔود نے کہا — "مجھے نقد انعام کی ضرورت نہیں۔ جس فوج کے سالار کی نظریں انسانوں کے جسموں میں برچھی کی طرح اُتر جانے والی ہوں اُس فوج کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی ..... اے عربی سالار! میرا تجربہ اور میری عقل بتاتی ہے کہ فتح تیری ہو گی۔ میں صرف اتنا صلہ مانگتا ہوں کہ جب تُو ہماری بستیوں پر قبضہ کر لے تو میرے خاندان پر رحم کرنا اور ان کی عزت کا اُن کی جان و مال کا خیال رکھنا" — اُس نے بتایا کہ اُس کا خاندان کون سی بستی میں رہتا ہے۔

خالدؓ نے داؔود کو رخصت کر دیا۔

داؔود نے واپس جا کر وِردان کو بتایا کہ وہ خالدؓ کو پیغام دے آیا ہے اور خالدؓ مقررہ وقت پر اکیلے آئیں گے۔

داؔود نے خالدؓ کی شخصیت سے ایسا تاثر لیا تھا کہ اُس نے اپنے آپ کو یقین دلا لیا تھا کہ رومی ہاریں گے اور فتح مسلمانوں کی ہو گی۔ اُس نے اپنی فوج کے سالارِ اعلیٰ سے جھوٹ بولا کہ خالدؓ مقررہ وقت پر آ جائیں گے۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ ابُوعبیدہؓ خالدؓ کے پاس آئے۔ خالدؓ نے انہیں رومی سالار وِردان کی سازش سنائی۔

"وہ دس رومی مجھے قتل کرنے کے لیے گھات میں پہنچ چکے ہوں گے" — خالدؓ نے کہا — "میں چاہتا ہوں کہ اکیلا جا کر ان دس رومیوں کو ختم کر دوں۔ بڑا اچھا شکار ہے۔"

"نہیں ابنِ ولید!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "یہ تیرا کام نہیں۔ دس آدمیوں کے مقابلے میں تُو قتل یا زخمی ہو سکتا ہے۔ تُو بڑا قیمتی آدمی ہے۔ یوں کر، دس آدمی ایسے چُن لے جو بہت ہی بہادر ہوں۔ انہیں وہ جگہ بتا کر بھیج دے۔"

خالدؓ نے دس مجاہدین منتخب کیے اور انہیں بتایا کہ کہاں جانا اور کیا کرنا ہے۔ ان میں ضرّار بن الازور بھی تھے۔ انہیں ان دس آدمیوں کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔

مشہور مؤرخ واقدی نے یہ واقعہ ذرا مختلف بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ طے یہ پایا تھا کہ خالدؓ اور وِردان کی ملاقات ہو گی۔ وِردان خالدؓ کو دبوچ لے گا اور اُس کی پکار پر اُس کے دس رُومی گھات سے نکل کر خالدؓ کو قتل کر دیں گے۔ تین اور مؤرخوں نے بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

وِردان نے اپنے دس آدمی رات کے آخری پہر کی تاریکی میں گھات لگانے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ خالدؓ نے اپنے دس آدمی اُسی وقت کے لگ بھگ بھیج دیئے۔ اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا کہ وہ گذشتہ روز کی ترتیب سے میدانِ جنگ میں کھڑے ہو جائیں اور حملے کے لیے تیار رہیں۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وِردان نے مسلمانوں کو جنگی ترتیب میں آتے دیکھ کر جنگی ترتیب میں ہو جانے کا حکم دیا اور صبح طلوع ہوتے ہی وہ شاہانہ جنگی لباس میں اُس جگہ چلا گیا جہاں اُس نے خالدؓ کو ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ اُدھر سے خالدؓ بھی آگئے اور دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"او عرب کے بدّو!" ــــ وِردان نے خالدؓ سے کہا ــــ "تُو اور تیرے لوگ عرب میں بھوکے مرتے ہیں اور تُو قیصرِ روم کی شاہی فوج کے مقابلے میں آگیا ہے؟.... او لٹیرے! کیا میں نہیں جانتا کہ تم لوگ وہاں مفلسی کی بدترین زندگی گزارتے ہو؟"

"او رُومی کُتّے!" ــــ خالدؓ نے غضب ناک آواز میں کہا ــــ "میں تجھے آخری بار کہتا ہوں اسلام قبول کرلے یا جزیہ ادا کر۔"

وِردان نے جھپٹ کر خالدؓ کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

"آؤ، آؤ" ــــ وِردان نے اپنے دس آدمیوں کو پکارا جو قریب کہیں چھپے ہوئے تھے۔

خالدؓ کم طاقت ور تو نہیں تھے لیکن وِردان بھی طاقت میں کچھ کم نہ تھا۔ خالدؓ نے بہت زور لگایا کہ وِردان سے ذرا سا آزاد ہو جائیں تاکہ تلوار نیام سے نکال سکیں لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے دیکھا کہ دس رومی اپنی فوجی وردی میں اُن کی طرف دوڑے آرہے ہیں۔ خالدؓ کو اپنا آخری وقت نظر آنے لگا۔ انہیں توقع تھی کہ ضرار اور اُس کے نَو مجاہدین نے گھات والے دس رومیوں کو ختم کر دیا ہوگا مگر وہ دس کے دس زندہ چلے آرہے تھے۔ خالدؓ کو خیال آیا کہ ضرار اور ان کے مجاہدین رومیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں یا بروقت پہنچ نہیں سکے۔

رومی جب قریب آئے تو ایک نے خود، زرہ اور قمیص اتار کر پھینک دی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تب خالدؓ نے دیکھا کہ یہ تو ضرار ہے۔ اُنہوں نے باقی نَو کو قریب سے دیکھا تو وہ اُن کے اپنے ہی منتخب کیے ہوئے مجاہدین تھے۔

یہ مذاق ضرار بن الازور نے کیا تھا۔ اُنہوں نے گھات میں بیٹھے ہوئے رومیوں کو بڑے اطمینان سے قتل کر دیا تھا پھر اُن کی وردیاں اتار کر پہن لیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وِردان پکارے گا۔ وہ وِردان کی پکار پر نکل آئے۔ وِردان خوش ہو گیا کہ اُس کی سازش کامیاب ہو گئی ہے۔

"پیچھے ہٹ ابنِ ولید!" ــــ ضرار نے تلوار نکال کر کہا ــــ "یہ میرا شکار ہے" ــــ اور وہ وِردان کی طرف بڑھنے لگے۔

"قسم ہے تجھے اُس کی جو کوئی بھی تیرا معبود ہے" ــــ وِردان نے خالدؓ سے کہا ــــ "مجھے اپنی تلوار سے ختم کر اور اس شیطان کو مجھ سے دور رکھ!"

ضرار نے اپنی ایک دہشت ناک مثال قائم کر رکھی تھی۔ وِردان نے ضرار کو ذاتی مقابلوں میں رومیوں کو کاٹتے دیکھا بھی تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ ضرار اُسے اذیّت دے دے کر ماریں گے۔ اُس کے لیے اب بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اُسے جلدی مار دیا جائے۔

خالدؓ نے ضرار کو اشارہ کیا اور ہاتھ اُن کی طرف بڑھایا۔ ضرار نے اپنی تلوار خالدؓ کو دے دی وِردان نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ خالدؓ کے ایک ہی وار سے وِردان کا سر زمین پر جا پڑا۔

☆

خالدؓ وہاں رُکے نہیں۔ فوراً اپنی فوج تک پہنچے اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ بھی گذشتہ روز کی مانند تھا۔ خالدؓ نے قلب اور دونوں پہلوؤں کے دستوں کو ایک ہی بار ہلّہ بولنے کا حکم دیا۔ انہوں نے چار ہزار مجاہدین کا محفوظہ جس کے سالار یزید بن جبل تھے، پیچھے رکھا۔

مسلمان حملہ کرتے اور پیچھے ہٹ آتے تھے اور پھر حملہ کرتے تھے۔ رُومی تعداد میں بہت زیادہ تھے لیکن اُن کا سالارِ اعلیٰ ان میں نہیں تھا۔ اُس کی جگہ اُن کا سالار قُبقلار کمان کر رہا تھا۔ رُومی جم کر مقابلہ کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کے حملے غضب ناک تھے۔ ان کے سالار سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ خود خالدؓ سالار سے سپاہی بن گئے تھے۔ رومی سالار لڑا نہیں کرتے بلکہ حکم دیا کرتے تھے لیکن اس معرکے میں وہ مسلمان سالاروں کی دیکھا دیکھی سپاہیوں کی طرح لڑنے لگے۔ جنگ کی شدت اور خونریزی بڑھتی چلی گئی۔ دونوں طرف کوئی چال نہیں چلی جارہی تھی۔ زیادہ نقصان رومیوں کا ہو رہا تھا۔ ان کا لشکر تہ در تہ تھا۔

خالدؓ نے یہ سوچ کر اتنا شدید حملہ کرایا تھا کہ دشمن کا سالارِ اعلیٰ مارا جا چکا ہے اور مجاہدین یہ دیکھ کر تابڑ توڑ حملے کرتے تھے کہ رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پھنس کے رہ گئے ہیں۔

خالدؓ حملے کا ایک اور مرحلہ شروع کرنا چاہتے تھے جس کے لئے وہ موزوں موقع دیکھ رہے تھے۔ چند گھنٹوں بعد انہیں یہ موقع ملا۔ دونوں فوجیں تھک گئی تھیں۔ رومیوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ اُن میں نہیں، البتہ دوسرے رومی سالار پورے جوش و خروش سے لڑ بھی رہے تھے اور لڑا بھی رہے تھے۔

خالدؓ نے چار ہزار نفری کے محفوظہ کو جس کے سالار یزید بن جبل تھے، دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دیا۔ یہ چار ہزار مجاہدین تازہ دم تھے اور لڑائی میں شریک ہونے کے لیے اتنے بے تاب کہ نعرے لگاتے اور بے قابو ہوئے جاتے تھے۔ حکم ملتے ہی وہ رُکے ہوئے سیلاب کی طرح گئے اور اتنا شدید حملہ کیا کہ رومیوں کی صفوں کے دُور اندر تک چلے گئے۔

مجاہدین کے سالار رومیوں کے سالار قُبقلار کو ڈھونڈ رہے تھے۔ مرکزی جھنڈا اُسی کے پاس تھا اور وہ وِردان کا قائم مقام تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُس نے وِردان سے کہہ دیا تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح سمجھوتہ کر لیا جائے۔ اُس کی دُوربیں نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان رومیوں پر غالب آجائیں گے۔ وِردان نے اُسے ڈانٹ دیا تھا۔

مؤرخ طبری اور ابُو سعید نے لکھا ہے کہ مجاہدین کو قُبقلار مل گیا۔ اُسے دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ وہ سالار لگتا ہی نہیں تھا۔ وہ تو جنگ سے لاتعلق کھڑا تھا۔ اُس نے اپنے سر پر اس طرح کپڑا لپیٹا ہوا تھا کہ اُس کی آنکھیں بھی ڈھکی ہوئی تھیں۔ اُس کے محافظوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا، شاید اس لیے کہ وہ اپنے سپہ سالار کو نیم مردہ سمجھ رہے تھے۔ اِنہی سے پتہ چلا تھا کہ یہ ہے قبقلار۔ مجاہدین نے اُسے اُسی حالت میں قتل کر دیا۔ بعض مؤرخوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ قُبقلار نے اپنی آنکھوں پر اس لیے کپڑا ڈال رکھا تھا کہ وہ اپنے لشکر کا قتلِ عام نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اُس کی قوّتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔

رومیوں کا مرکزی پرچم گر پڑا۔ مجاہدین اب یہ نعرے لگا رہے تھے۔

"خدا کی قسم، ہم نے رومیوں کے دونوں سپہ سالاروں کو قتل کر دیا ہے۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"رومیو! تمہارا پرچم کہاں ہے!"
"شہنشاہ ہرقل کو بلاؤ۔"
"رومیو! تمہاری صلیبیں اور جھنڈے کہاں ہیں!"

مجاہدینِ اسلام تو اپنے اللہ، رسولؐ اور ایک عقیدے کی خاطر لڑ رہے تھے لیکن رُومی جن کے حکم سے لڑ رہے تھے وہ مارے جا چکے تھے۔ مجاہدین کے پاس ایمان کی قوت تھی جو جادو کی طرح رومیوں پر غالب آگئی۔

☆

رومی بھاگنے لگے۔ ان میں سے کچھ بیت المقدس کی طرف بھاگے جا رہے تھے، کچھ غزّہ اور بعض یافا کی طرف۔ رومیوں کی جنگی طاقت کو مکمل طور پر تباہ کرنے کے لیے خالدؓ نے اپنے سوار دستوں کو حکم دیا کہ بھاگتے دشمن کا تعاقب کریں اور کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔

وہ ایک عبرتناک منظر تھا۔ رومی جانیں بچانے کے لیے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور مسلمان سوار اُن کے تعاقب میں جا کر انہیں برچھیوں میں پرو رہے تھے۔ ان رومیوں نے اپنی تعداد پر بھروسہ کیا تھا۔ شراب کے نشے کو وہ اپنی طاقت سمجھے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو عرب بدو اور نادار سمجھ کر انہیں ایک ایک دینار پیش کیا تھا۔ خالدؓ نے انہیں کہا تھا کہ تم سے دینار تو ہم لے ہی لیں گے۔ اب اُن رومیوں کو کہیں پناہ نہیں مل رہی تھی۔ ان کا میدانِ جنگ میں اتنا جانی نقصان نہیں ہُوا تھا جتنا میدانِ جنگ سے بھاگتے وقت ہُوا۔ ان میں خوش قسمت وہ تھے جو بیت المقدس پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ قتلِ عام اُس وقت رُکا جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا اتنا کہ سواروں کو اپنے گھوڑوں کے سر نظر نہیں آتے تھے۔ اُس وقت خالدؓ اپنے خیمے میں تھے۔ انہیں بتایا گیا کہ داؤد نام کا ایک عیسائی عرب اُن سے ملنے آیا ہے۔ خالدؓ نام سُنتے ہی باہر کو دوڑے۔

"خدا کی قسم داؤد!" — خالدؓ اُسے گلے لگا کر بولے — "تُو نے صرف میری جان نہیں بچائی، تُو نے میری فتح آسان کر دی ہے۔ کوئی بھی انعام کافی نہیں ہو سکتا جو میں تجھے دوں..... کہاں ہیں تیرے بیوی بچے؟ کسی نے اُن پر ہاتھ تو نہیں اُٹھایا؟"

"نہیں ابنِ ولید!" — داؤد نے کہا — "میں کوئی انعام لینے نہیں آیا۔ مجھے انعام مل چکا ہے کہ میں زندہ ہوں اور میرا سارا خاندان زندہ ہے۔ اب ایک انعام مجھے یہ دے کہ یہ راز تیرے سینے میں رہے کہ میں نے تیری کچھ مدد کی تھی۔ روم کی شہنشاہی زندہ ہے۔ ابھی تو تُو اس شہنشاہی میں داخل ہُوا ہے۔"

"تیرا راز قیصرِ روم تک نہیں پہنچے گا" — خالدؓ نے کہا — "اور خدا کی قسم، تُو مالِ غنیمت کے حصے کا حقدار ہے۔ میں تجھے حصہ دوں گا اور تُو جو مانگے گا دوں گا۔"

چند روز بعد مدینہ میں عید جیسی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ خالدؓ نے امیرالمومنین ابوبکرؓ کو خط لکھا تھا کہ تین گنا طاقتور رومیوں پر کس طرح فتح حاصل کی گئی ہے جس میں پچاس ہزار رومی ہلاک ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں شہید ہونے والے مجاہدین کی تعداد چار سو پچاس تھی۔ خالدؓ کا یہ خط پہلے مسجد میں پڑھ کر سنایا گیا پھر مدینہ کی گلیوں میں لوگوں کو اکٹھا کر کے سنایا گیا۔ لوگوں نے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ ایک دوسرے

سے بغل گیر ہونے لگے۔ مدینہ فتح اور مسرت کے نعروں سے گونجنے لگا۔

خالدؓ نے امیرالمومنین کو یہ بھی لکھا تھا کہ اب وہ دمشق کو محاصرے میں لیں گے جو شام کا یعنی روم کی شہنشاہی کا بڑا ہی اہم شہر تھا۔ روم کی شہنشاہی بہت ہی وسیع تھی۔

جب مدینہ اور گرد و نواح کے لوگوں کو یہ خبر ملی کہ خالدؓ رومیوں پر ایک فتح حاصل کر کے دمشق کی طرف بڑھ رہے ہیں تو کئی مسلمان خالدؓ کی فوج میں شامل ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان میں ابُوسفیان بھی تھے جو مشہور شخصیت تھے۔ وہ اپنی بیوی ہند کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایک ہزار تین سو باون سال پہلے ماہ اگست کے ایک روز جب مدینہ میں مسلمان اجنادین کی فتح پر خوشیاں منا رہے تھے، مدینہ سے دُور، بہت ہی دُور، شمال میں روم کی شہنشاہی کے ایک اہم شہر حمص پر مایوسی اور ماتم کی سیاہ کالی گھٹا چھا گئی تھی۔ رومیوں کے شہنشاہ ہرقل کے محل میں قہر اور غضب کی آوازیں گرج رہی تھیں۔ بصرہ کی شکست کی خبر لے جانے والا قاصد اگر وہاں سے کھسک نہ آتا تو ہرقل غصے میں اس کا سر کاٹ دیتا۔

"ہمارے سپہ سالار وردان کو کیا ہو گیا تھا؟" — شہنشاہِ ہرقل نے غضب ناک آواز میں پوچھا۔

"مارا گیا ہے" — اُسے کانپتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

"اور وہ قُبقُلار؟ ..... وہ کہتا ہے کہ میری تلوار کی ہوا سے ہی دشمن کٹ جاتا ہے!"

"وہ بھی مارا گیا ہے۔"

"اور فاسُوس؟"

"وہ لڑائی سے پہلے ذاتی مقابلے میں مارا گیا تھا۔"

شہنشاہِ ہرقل نے اُن تمام سالاروں کے نام لیے جو اجنادین کی لڑائی میں شامل تھے اور جن کی بہادری اور جنگی قیادت پر اُسے بھروسہ تھا۔ اُسے یہی جواب ملا کہ مارا گیا ہے یا شدید زخمی ہو گیا ہے۔ وہ سب ہلاک یا زخمی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض بھاگ گئے تھے۔

"..... اور اب مسلمان دمشق کی طرف بڑھے آ رہے ہیں" — شہنشاہِ ہرقل کو بتایا گیا۔

"دمشق کی طرف؟" — اُس نے ہڑبڑا کر کہا — "نہیں..... نہیں..... میں انہیں دمشق تک نہیں پہنچنے دوں گا۔ وہ دمشق ہم سے نہیں لے سکتے۔ وہاں میرا شیر موجُود ہے..... تُوما..... دمشق کا سالار تُوما ہے۔"

ہرقل تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے شاہانہ کمرے میں چل رہا تھا اور اپنی ایک ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کے مکّے مارے جا رہا تھا۔ اُس کے خوشامدی درباریوں، خاص خادموں اور اس کی خدمت میں حاضر رہنے والی بڑی حسین لڑکیوں کو معلوم تھا کہ جب شہنشاہ اس طرح پریشانی، یا سیّت اور غصّے کی کیفیت میں ہوتا ہے تو سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی شراب پیش کرتی ہے۔

ایک لڑکی جو باریک ریشمی لباس میں برہنہ لگتی تھی، چاندی کے پیالے میں شراب لے کر آئی اور اشتعال انگیز ادا سے ہرقل کے سامنے گئی۔ ہرقل بپھرے ہُوئے سانڈ کی طرح پھنکار رہا تھا۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھوں میں طشتری دیکھ کر بڑی زور سے طشتری کے نیچے ہاتھ مارا۔ شراب کا پیالہ لڑکی کے مُنہ پر لگا۔ طشتری چھت تک جا کر واپس آئی۔ ہرقل نے لڑکی کو دھکا دیا تو وہ دروازے میں جا پڑی۔

"شراب..... شراب..... شراب!" — ہرقل نے غصّے سے کہا — "تم نے شراب اور حسین لڑکیوں سے دل بہلانے اور بدمست رہنے والوں کا انجام دیکھا نہیں؟ تم دیکھ نہیں رہے وہ سلطنتِ روم کو

ذلّت اور رسوائی میں پھینک رہے ہیں؟..... اور جنہوں نے ہمیں شکست دی ہے اُنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی ہے" — اُس نے حکم دیا — "گھوڑا تیار کرو۔ میں انطاکیہ جا رہا ہُوں، اور میں اُس وقت وہاں سے واپس آؤں گا جب میں آخری مسلمان کی بھی لاش دیکھ لوں گا۔"

بادشاہ جنگ کے لیے جب کوچ کرتے تھے تو اس کے لیے بہت سے انتظامات کیے جاتے تھے۔ محافظ دستہ اور بادشاہ کی من پسند عورتیں ساتھ جاتی تھیں۔ ایسے انتظامات ہر وقت تیار رہتے تھے مگر اب کے ہرقل تو جیسے اُڑ کر انطاکیہ پہنچنے کی کوشش میں تھا۔ اُس کے کُوچ کے انتظامات کرنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی اور وہ انتظامات میں مصروف ہو گئے۔

☆

خالدؓ اجنادین میں سات روز رہے۔ اُنہوں نے اپنے سالاروں سے کہا کہ دشمن کو کہیں ستانے اور دم لینے کی مہلت نہ دو۔ اُسے اتنی مہلت نہ دو کہ وہ اپنی بکھری ہُوئی جمعیّت کو اکٹھا کر سکے۔ اس اصول کے تحت دمشق کی طرف اُن کا کوچ بہت تیز تھا۔ انہوں نے اپنے جاسوس پہلے بھیج دیتے تھے۔ اب خالدؓ نے جاسوسی کا نظام مزید بہتر بنا دیا تھا۔ وہ اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر سکتے تھے کہ قیصرِ روم کی سلطنت بہت وسیع ہے اور اس کے مطابق اس کی فوج زیادہ بھی ہے اور برتر بھی۔ ایسی فوج پر غلبہ پانے کے لیے اس کے احوال و کوائف کا قبل از وقت معلوم کرنا ضروری تھا اور اتنا ہی ضروری اُن علاقوں کے خدوخال کو جاننا تھا جہاں جہاں اس فوج کے دستے موجُود تھے اُن کی نقل و حرکت کے متعلق قبل از وقت معلومات حاصل کرنا بھی سُودمند تھا۔

راستے میں بیت المقدس آتا تھا۔ خالدؓ نے اس اہم شہر کو نظرانداز کر دیا اور اس سے کچھ فاصلے سے آگے چلے گئے لیکن ایک مقام کو نظرانداز کرنا مشکل تھا۔ اس بستی کا نام فحل تھا جو ایک مضبوط قلعہ تھا۔ خالدؓ اس کے قریب پہنچے تو ایک فقیر نے، جو پاگل لگتا تھا، خالدؓ کا راستہ روک لیا۔ خالدؓ بن ولید نے اُسے اپنے پاس بلا لیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟" — خالدؓ نے اُس سے پوچھا۔

وہ خالدؓ کا جاسوس تھا۔

"اس بستی کا نام فحل ہے" — جاسوس نے جواب دیا — "آپ دیکھ رہے ہیں یہ قلعہ ہے۔ اس کے اندر فوج ہے۔ باہر کچھ بھی نہیں۔ رومیوں سے ہماری جہاں کہیں بھی ٹکر ہو گئی، اس قلعے سے رومیوں کو کمک اور دیگر مدد ملے گی۔"

خالدؓ نے اس قلعے کا محاصرہ ضروری نہ سمجھا۔ وہ اپنی نفری کم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دمشق کی تسخیر کوئی معمولی مہم نہیں تھی، بلکہ اپنی شکست کے امکانات بڑھتے جا رہے تھے۔ خالدؓ نے اپنے ایک نائب سالار ابوالاعور کو بلایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ ایک سوار دستہ اپنے ساتھ رکھے اور فحل کے قریب کہیں تیاری کی حالت میں موجُود رہے۔ یہاں سے فوج باہر نکلے تو تیروں کی بوچھاڑیں مارے اور کسی کو باہر نہ نکلنے دے۔

خالدؓ وہاں رُکے نہیں۔ ابوالاعور نے ایک سوار دستہ وہاں روک لیا اور اس قلعہ بند بستی کے جلنے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دروازے تھے، ان سب کے سامنے سوار متعیّن کر دیئے۔ سواروں کو گھوڑوں سے اُترنے کی اور محدود سے فاصلے تک گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی گئی۔

☆

خالدؓ کی فوج جس کی تعداد تینیس ہزار سے کم ہو گئی تھی، بظاہر بے ترتیب قافلے کی صورت میں دمشق کی جانب جا رہی تھی، لیکن اس کے ہر دستے کو اپنے فرائض کا علم تھا۔ ان میں ہراول کا دستہ بھی تھا اور ان میں عقب اور پہلوؤں کے حفاظتی دستے بھی تھے اور یہ تمام دستے چوکنّے ہو کر چلے جا رہے تھے کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت اُن پر حملہ ہو سکتا تھا۔ داؤد عیسائی نے خالدؓ کو خبردار کر دیا تھا کہ وہ تو ابھی روم کی شہنشاہی میں داخل ہوئے ہیں اور اس شہنشاہی کی حدود بہت وسیع ہیں۔

اُس وقت تک رومی فوج کے دستے جہاں جہاں تھے وہاں ہرقل کا یہ حکم پہنچ چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج کو روکا جائے۔ اس حکم کے تحت دمشق کی طرف جانے والے راستوں پر رومیوں نے اپنے جاسوس بھیج دیئے تھے۔ دریائے یرموک کے کنارے واقوصہ ایک قصبہ تھا کسی رومی جاسوس نے خالدؓ کے لشکر کو آتے دیکھ لیا اور پیچھے جا کر اطلاع دی۔ جب خالدؓ واقوصہ کے قریب پہنچے تو رومی فوج کے بہت سے دستے خالدؓ کا راستہ روکنے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اجنادین کی لڑائی سے بھاگے ہُوئے کئی رومی فوجی واقوصہ پہنچ چکے تھے انہیں بھی ان دستوں میں شامل کر لیا گیا تھا جو مسلمانوں کو روکنے کے لیے جنگی ترتیب میں کھڑے تھے مگر ان میں لڑنے کا جذبہ سرد تھا کیونکہ ان پر مسلمانوں کا خوف طاری تھا جن کمانداروں اور سپاہیوں نے ابھی مسلمانوں سے جنگ نہیں لڑی تھی، وہ اجنادین کے بھگوڑوں سے پوچھتے تھے کہ مسلمان لڑنے میں کیسے ہیں۔

"دیکھ لو" — انہیں کچھ اس قسم کے جواب ملے — "تیس ہزار نے نوّے ہزار کو اس طرح شکست دی ہے کہ سپہ سالار سے چھوٹے سے سالار تک ایک بھی زندہ نہیں..... انہوں نے ہماری آدھی نفری مار ڈالی ہے۔ زخمیوں کا کوئی حساب ہی نہیں..... مت پوچھو دوستو، مت پوچھو۔ میں تو انہیں انسان سمجھتا ہی نہیں۔ ان کے پاس کوئی جادو ہے یا وہ جنات جیسی کوئی مخلوق ہیں..... اُن کا ایک ایک آدمی دس دس کا مقابلہ کرتا ہے..... ان کے سامنے کوئی جم کر لڑ ہی نہیں سکتا..... پوچھتے کیا ہو، وہ آ رہے ہیں، خود دیکھ لینا۔"

"وہ" آئے اور "انہوں" نے دیکھ لیا۔

دیکھ یہ لیا کہ مسلمان جو بے ترتیب قافلے کی طرح آ رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے جنگی ترتیب میں ہو گئے۔ عورتیں اور بچے پیچھے رہ گئے اور ان کا حفاظتی دستہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ خالدؓ اپنے محافظوں وغیرہ کے ساتھ آگے ہو گئے اور دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ خالدؓ کی جنگی چالوں کا اور مجاہدین کو لڑانے کا انداز ایسا تھا کہ دشمن بوکھلا جاتا پھر مسلمانوں کے حملے کی شدت سے دشمن کے سپاہیوں پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ ان میں سے جو سپاہی بھاگ نکلتے تھے، وہ جہاں جاتے اس خوف کو اپنے ساتھ لے جاتے اور فوج میں پھیلاتے تھے۔ یہ ثابت کرنے کے لیے وہ بلاوجہ نہیں بھاگے، وہ اس خوف کو مبالغے سے اور ایسے طریقے سے بیان کرتے تھے کہ سننے والے یہ سمجھ لیتے کہ مسلمانوں میں کوئی مافوق الفطرت قوت ہے۔ اس طرح خالدؓ نے دشمن پر

ایک نفسیاتی اثر ڈال رکھا تھا جو ہر میدان میں اُن کے کام آتا تھا۔

یہ قوت مافوق الفطرت ہی تھی جو عقیدے کی سچائی، ایمان کی پختگی اور جذبے کی شدت سے پیدا ہُوئی تھی۔ مسلمان اللہ کے حکم سے لڑتے تھے۔ اُن کے دلوں میں کوئی ذاتی غرض اور لالچ نہیں تھا۔

واقوصہ کے میدان میں جب رومی مسلمانوں کے مقابلے میں آئے تو اُن کے انداز میں جوش و خروش تھا اور جارحیّت بھی شدید نظر آتی تھی لیکن خالدؓ نے جب حملہ کیا تو رومیوں میں لڑنے کا جذبہ اتنا شدید نہ تھا جتنا ہونا چاہیئے تھا۔ خالدؓ نے سامنے سے حملہ کیا اور دونوں پہلوؤں کے کچھ دستوں کو پھیلا کر اس حکم کے ساتھ آگے بڑھایا کہ دشمن کے پہلوؤں کی طرف جا کر حملہ کریں۔

مؤرخوں کے مطابق، رومی سامنے کے حملے کو روکنے کے لیے ایسی صورت اختیار کر بیٹھے کہ اپنے پہلوؤں کو نہ دیکھ سکے۔ اُن پر جب دائیں اور بائیں سے بھی حملہ ہُوا اور اُن کے دائیں بائیں کے دستے مسلمانوں کے دباؤ سے اندر کو سکڑنے اور سمٹنے لگے تو وہ گھبرا گئے اور اُن پر وہ خوف طاری ہو گیا جو خالدؓ کے نام سے منسوب تھا۔ اس خوف نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

ان رومی دستوں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دنوں تک روکے رکھیں۔ وجہ یہ تھی کہ دمشق میں جو رومی فوج تھی، اُس میں دوسری جگہوں سے دستے بھیج کر اضافہ کیا جا رہا تھا۔ ہرقل اس کوشش میں تھا کہ اُس کے یہ دستے مسلمانوں سے پہلے دمشق پہنچ جائیں۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ واقوصہ میں مسلمانوں کی فوج کو روک لیا جاتا اور ایسی لڑائی لڑی جاتی جو طول پکڑ جاتی۔ ایسی لڑائی کے طور طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ خالدؓ نے رومیوں کو کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی۔ رومی بیشمار لاشیں اور زخمی میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

خالدؓ وہاں اتنا ہی رُکے کہ اپنے شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر دفن کیا، زخمیوں کو ساتھ لیا اور مالِ غنیمت اکٹھا کیا اور چل پڑے۔

یہ اگست ۶۳۴ء کا تیسرا ہفتہ (جمادی الآخر ۱۳ ہجری) تھا۔

☆

شہنشاہ ہرقل انطاکیہ جا پہنچا اور وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ حمص سے انطاکیہ کو روانہ ہونے سے پہلے اس نے دمشق کی رومی فوج کے سالاروں — توما، ہربیس اور عزازیر — کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ فوراً انطاکیہ پہنچیں۔ ہرقل کے پہنچتے ہی تینوں سالار انطاکیہ پہنچ گئے۔

"کیا تم نے سُن لیا ہے کہ تمہارے سالار وِردان اور قبقلار بھی مارے جا چکے ہیں؟" — شہنشاہ ہرقل نے اُن سے پوچھا — "کیا تم بھی قیصرِ روم کی عظمت کو ذہن سے اتار دو گے؟ کیا تمہاری نظروں میں بھی صلیب کا تقدّس ختم ہو چکا ہے؟"

"مسلمان ابھی ہمارے سامنے تو آئے ہی نہیں" — سالار توما نے کہا — "ہمیں ابھی نہ آپ نے آزمایا ہے نہ مسلمانوں نے۔ انہیں آنے دیں۔ میں آپ کی بیٹی کے آگے شرمسار نہیں ہوں گا۔"

توما شہنشاہ ہرقل کا داماد تھا اور وہ دمشق کا سپہ سالار تھا۔ بڑا پکا مذہبی آدمی تھا اور اپنے مذہب عیسائیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے سرگرم رہتا تھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"توما!" — ہرقل نے اُسے کہا — "تم مذہب میں اتنے مگن رہتے ہو کہ دمشق کے دفاع کی طرف پوری توجہ نہیں دے رہے"۔

"میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذہب نہ رہا تو دمشق بھی نہیں رہے گا" — تُوما نے کہا — "کیا آپ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ بھی مذہب میں شامل ہے؟ ... میں یہاں اکیلا تو نہیں جنگی معاملے سالار ہربیس کے پاس ہیں اور سالار عزازیر بھی میرے ساتھ ہے۔ کیا عزازیر فارسیوں کو اور پھر ترکوں کو کئی لڑائیوں میں شکستیں نہیں دے چکا ہے؟"

"مجھے جتنا بھروسہ عزازیر پر ہے اتنا تم دونوں پر نہیں" — ہرقل نے کہا — "عزازیر تجربہ کار سالار ہے۔ تم دونوں کو ابھی ثابت کرنا ہے کہ تم عزازیر کے ہم پلہ ہو"۔

عزازیر رومیوں کا بڑا ہی قابل اور دلیر سالار تھا۔ اُس نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ہر میدان میں فتح حاصل کی تھی۔ عربی زبان پر اُسے اتنا عبور حاصل تھا کہ وہ عربی بولتا تو شک ہوتا تھا کہ عرب کا رہنے والا ہے۔ دمشق کی فوج کا کمانڈر دراصل وہی تھا۔

انطاکیہ میں کلُوس نام کا ایک رومی سالار تھا۔ اُسے ہرقل نے پانچ ہزار نفری کی فوج دے کر دمشق جانے کو کہا۔

"شہنشاہِ ہرقل!" — کلُوس نے کہا — "میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اُس وقت آؤں گا جب میری برچھی کی انی کے ساتھ مدینہ کے سالار خالدؓ بن ولید کا سر ہوگا"۔

"تم مجھے صرف حلف سے خوش نہیں کر سکتے" — ہرقل نے کہا — "میں صرف ابنِ ولید کا سر نہیں، تمام مسلمانوں کی لاشیں دیکھنا چاہتا ہوں ... فوراً دمشق پہنچو۔ وہاں کمک کی ضرورت ہے۔ سب چلے جاؤ اور دمشق کو بچاؤ"۔

تمام سالار فوراً روانہ ہو گئے۔ ہرقل کا ایک مشیرِ خاص ہرقل کے پاس موجود رہا۔

"شہنشاہِ ہرقل!" — اس مشیر نے کہا — "سالار کلُوس کو دمشق نہ بھیجتے تو اچھا تھا۔ اگر اسے بھیجنا ہی تھا تو سالار عزازیر کو دمشق سے نکال لیتے"۔

"کیوں؟"

"کیا شہنشاہ بھول گئے ہیں کہ ان دونوں میں ایسی چپقلش ہے جو دشمنی کی صورت اختیار کر جایا کرتی ہے" — مشیر نے کہا — "ان کی آپس میں بول چال بند ہے ... دراصل کلُوس عزازیر کی اچھی شہرت سے حسد کرتا ہے۔ کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے"۔

"کیا تم یہ خطرہ محسوس کر رہے ہو کہ وہ لڑائی کے دوران ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے؟" — ہرقل نے پُوچھا۔

"ہاں شہنشاہِ روم!" — مشیر نے کہا — "میں یہی خطرہ محسوس کر رہا ہُوں"۔

"ایسا نہیں ہوگا" — ہرقل نے کہا — "انہیں یہ احساس تو ضرور ہوگا کہ وہ مِل کر نہ لڑے تو بڑی بُری شکست کھائیں گے، اور وہ مجھے خوش کرنے اور ایک دوسرے کو میری نظروں میں گرانے کے لیے جوش و خروش سے لڑیں گے ... اور اگر اُنہوں نے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو انہیں

یقیناً معلوم ہے کہ ان کی سزا کیا ہو گی"۔

مشیر خاموش ہو گیا لیکن اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پہلے سے زیادہ ہو گئے۔

☆

خالدؓ کے مجاہدین دمشق کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔

رومی سالار عزازیر نے دمشق پہنچتے ہی شہر کے دفاع کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ دمشق کی شہر پناہ کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا ایک نام تھا۔ عزازیر نے دمشق کو محاصرے سے بچانے کا یہ انتظام کیا کہ زیادہ فوج شہر کے باہر رکھی تاکہ مسلمانوں کو شہر تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ انہیں شہر سے باہر ختم کر دیا جائے۔ شہر میں خاص طور پر منتخب کیے ہُوئے دستے رکھے گئے۔ ان میں ایک محافظ دستہ تھا جسے جانباز دستہ کہا جاتا تھا۔

اس ایک میل سے کچھ زیادہ لمبے اور چار پانچ فرلانگ چوڑے شہر کی آبادی میں اس خبر نے ہڑبونگ بپا کر دی تھی کہ مسلمان شہر کو محاصرے میں لینے کے لیے آ رہے ہیں۔ اس خبر سے پہلے مسلمانوں کی دہشت شہر میں داخل ہو چکی تھی۔ سالار شہریوں کو بھی شہر کے دفاع کے لیے تیار کر رہے تھے لیکن شہریوں سے انہیں تعاون نہیں مِل رہا تھا۔ شہری تو اپنا مال و دولت اور اپنی جوان لڑکیوں کو چھپاتے پھر رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے اپنے کنبوں کو ساتھ لے کر بھاگنے کی بھی کوشش کی لیکن فوج نے انہیں روک دیا۔

مجاہدین کا لشکر دمشق سے زیادہ دُور نہیں رہ گیا تھا۔ جاسوس جو آگے گئے ہُوئے تھے وہ باری باری پیچھے آتے، رپورٹ دیتے اور پھر آگے چلے جاتے تھے۔ اب مجاہدین کی جذباتی کیفیت ایسی تھی جیسے ان کا کوئی گھر نہ ہو، کوئی وطن نہ ہو، بیوی نہ ہو، بچہ نہ ہو، بس اللہ ہی اللہ ہو جس کے نام کا وہ وِرد کرتے جاتے یا چند مجاہدین مِل کر کوئی جنگی ترانہ گاتے تھے۔ انہوں نے اپنا رشتہ اللہ کے ساتھ اور رسولؐ اللہ کی روحِ اقدس کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی جانیں اللہ کی قربان گاہ پر رکھ دی تھی۔ رومیوں کے لیے وہ جسم تھے لیکن اپنے لیے وہ روحیں تھیں اور اپنے جسموں کی تکالیف اور ضروریات سے وہ بے نیاز ہو گئے تھے۔ انہیں تو جیسے یہ احساس بھی نہیں رہا تھا کہ اُن کی تعداد بہت کم ہے اور دشمن کی تعداد کئی گنا ہے۔

ان کے سپہ سالار خالدؓ کی جذباتی کیفیت بھی ایسی تھی لیکن تاریخ کے اس عظیم جرنیل کی نگاہ حقائق پر تھی۔ وہ سوچتے رہتے تھے کہ اتنی کم نفری کو اتنی زیادہ نفری کے خلاف کس طرح استعمال کیا جائے کہ مطلوبہ نتائج حاصل ہوں۔ اُنہوں نے رومیوں کو دیکھ لیا اور تسلیم کیا تھا کہ یہ ایک عمدہ فوج ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی پیشِ نظر رکھا تھا کہ رومی اپنے ملک میں ہیں اور جو سہولتیں انہیں حاصل ہیں وہ ہمیں نہیں مِل سکتیں شکست کی صورت میں مسلمانوں کے لیے وہاں کوئی پناہ نہیں تھی۔ اس صورت میں انہیں قید یا قتل ہونا تھا۔ ان احوال و کوائف کے پیشِ نظر خالدؓ نے اپنی فوج میں کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔

ایک تو اُنہوں نے جاسوسی کے انتظامات اور ذرائع کو پہلے سے بہتر بنا کر انہیں منظم کر دیا۔ چند اور تبدیلیوں میں قابلِ ذکر یہ ہے کہ خالدؓ نے ایک سوار دستہ بنایا جس میں چار ہزار منتخب گھوڑ سوار رکھے۔ یہ تیز رفتار اور متحرک دستہ تھا۔ اسے طلیعہ کہتے تھے۔ متحرک سے مراد یہ ہے کہ اس رسالے نے جم کر نہیں بلکہ بھاگتے

URDUSTAN.BLOGSPOT.COM

دوڑتے، حملہ کرکے اِدھر اُدھر ہو جاتے اور دشمن کو گھما پھرا کر لڑاتے جنگ میں شریک رہنا تھا۔

خالدؓ نے اس دستے کی کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔ دمشق کی جانب کوچ کے دوران یہ سوار دستہ مسلمانوں کے لشکر کے ہراول میں تھا۔

کوچ کا چوتھا دن تھا۔ ہراول کا یہ سوار دستہ ایک بستی مراج الصُّفر کے قریب پہنچا تو آگے گئے ہوئے دو جاسوس آئے۔ خالدؓ اس دستے کے ساتھ تھے۔ جاسوسوں نے انہیں بتایا کہ تھوڑی دُور آگے رومی فوج تیاری کی حالت میں پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ جاسوسوں کے اندازے کے مطابق، وہ مقام دمشق سے بارہ تیرہ میل دُور تھا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اس رومی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی اور اس میں سوار زیادہ تھے۔ اس کے دو سالار تھے۔ ایک عزازیر اور دوسرا کلُوس۔ یہ وہی رومی سالار تھے جن کی آپس میں دشمنی تھی۔ انہیں دمشق کے سپہ سالار تُوما نے اس منصوبے کے تحت بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کو دمشق تک نہ پہنچنے دیا جائے اگر اسے تباہ نہ کیا جا سکے تو اتنا کمزور کر دیا جائے کہ واپس چلا جائے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اتنی سی کامیابی ہر قیمت پر حاصل کی جائے کہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ دن دمشق سے دور رکھا جائے تاکہ دمشق کے دفاع کے لیے مزید دستے وہاں پہنچائے جا سکیں اور شہر میں اتنی خوراک پہنچا کر جمع کی جا سکے کہ محاصرہ طول پکڑ جائے تو شہر میں قحط کی صورت پیدا نہ ہو۔

خالدؓ کے لیے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اُن کے ساتھ ہراول کا صرف یہ سوار دستہ تھا جس کی نفری چار ہزار تھی۔ باقی لشکر ابھی بہت دُور تھا۔ ہراول کی رفتار تیز تھی۔ دشمن کی موجودگی کی اطلاع پر خالدؓ نے رفتار سست کر دی۔ اس کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ پورا لشکر آ جائے اور دوسرا یہ کہ دشمن کے قریب شام کو پہنچیں تاکہ رات کو آرام کیا جا سکے اور علی الصبح لڑائی شروع کی جائے۔

اگر جاسوس آگے گئے ہوئے نہ ہوتے تو خالدؓ لاعلمی میں چار ہزار سواروں کے ساتھ دشمن کے سامنے جا پہنچتے پھر صورتِ حال ان کے حق میں نہ رہتی۔ رومیوں کے اس بارہ ہزار لشکر نے بڑی اچھی جگہ پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ وہاں ایک وادی تھی جس میں گھنے درخت تھے اور ایک پہاڑی تھی۔ رومی اس پہاڑی کے سامنے اور وادی کے منہ میں تھے۔ انہوں نے لڑائی کے لیے یہ جگہ منتخب کی تھی جو اُن کو کئی جنگی فائدے دے سکتی تھی۔ مسلمان اس پھندے میں آ سکتے تھے۔

خالدؓ نے اپنی رفتار ایسی رکھی کہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے دشمن کے سامنے پہنچے۔ دشمن سے ان کا فاصلہ ایک میل کے لگ بھگ تھا۔ خالدؓ نے اپنے دستے کو روک لیا اور وہیں پڑاؤ کرنے کو کہا۔ سورج غروب ہو گیا اس لیے یہ خطرہ نہ رہا کہ دشمن حملہ کر دے گا۔

جمادی الثانیہ ۱۳ ہجری کے چاند کی اٹھارہویں تھی۔ آدھی رات کو چاندنی بڑی صاف تھی۔ خالدؓ پاپیادہ آگے چلے گئے۔ رومیوں کے سوار گشتی سنتری گشت پر تھے۔ خالدؓ ان سے بچتے پہاڑی تک گئے۔ وہ زمین کے خدوخال کا جائزہ لے رہے تھے۔ رات گزرتے ہی انہیں یہاں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کے سوار دستے کے لیے بھاگنے دوڑنے کی جگہ ہے یا نہیں۔

خالدؓ کے لیے پریشانی یہ تھی کہ اُن کا لشکر بہت دُور تھا۔ انہوں نے پیغام تو بھیج دیا تھا کہ رفتار تیز کریں

پھر بھی لشکر جلدی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس کی رفتار تو پہلے ہی تیز تھی۔ مسلمانوں کا کوچ ہوتا ہی تیز تھا۔

☆

۱۹ راگست ۶۳۴ء (۱۹ رجمادی الثانیہ ۱۳ ہجری) کی صبح طلوع ہوئی۔ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی خالدؓ نے اپنے سوار دستے کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ رومی بھی تیاری میں آ گئے۔ خالدؓ نے رومیوں کی ترتیب دیکھی تو انہیں شک ہوا کہ رُومی حملے میں پہل نہیں کرنا چاہتے۔ خالدؓ بھی پہل کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ انہیں اتنا وقت درکار تھا کہ باقی لشکر پہنچ جائے۔

خالدؓ نے رومیوں کا ارادہ معلوم کرنے کے لیے اپنے سوار دستے کے ایک حصے کو حملہ کر کے پیچھے یا دائیں بائیں نکل جانے کا حکم دیا۔ تقریباً ایک ہزار گھوڑے سمندری طوفان کی موجوں کی طرح گئے۔ رومیوں نے حملہ روکنے کی بجائے یہ حرکت کی کہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمان سوار اس خیال سے آگے نہ گئے کہ دشمن گھیرے میں لے لے گا۔ ویسے بھی انہیں آمنے سامنے کی لڑائی نہیں لڑنی تھی۔ وہ جس رفتار سے گئے تھے اسی رفتار سے گھوڑے موڑتے ہوتے دُور کا چکر کاٹ کر آ گئے۔

چند ایک سالار خالدؓ کے ساتھ تھے۔ سب کو توقع تھی کہ اب رومی حملے کے لیے آئیں گے۔ اُن کی فوج تین گنا تھی مگر انہوں نے کوئی جوابی حرکت نہ کی۔

"خدا کی قسم، رومی کچھ اور چاہتے ہیں" — خالدؓ نے اپنے سالاروں سے کہا — "یہ ہمارے ساتھ کھیلنا چاہتے ہیں اور میں اپنے لشکر کے انتظار میں ہوں۔"

"ان کے ساتھ کھیلو ابنِ ولید!" — سالار ضرارؓ بن الازور نے کہا — "یہ لڑنا نہیں چاہتے۔ ہمارا رستہ روکنا چاہتے ہیں۔"

"اور انہیں شاید معلوم نہیں کہ ہمارا لشکر ابھی دُور ہے" — خالدؓ نے کہا۔

"یہ بھی سوچ ابنِ ولید!" — سالار شرحبیلؓ نے کہا — "کیا یہ چوکس نہیں کہ ہمارا لشکر شاید کسی اور طرف سے ان پر حملہ کرے گا؟"

"میں ان کا دھیان پھیر دیتا ہوں" — خالدؓ نے کہا۔

رومیوں کی توجہ اپنی طرف کرنے کے لیے خالدؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ دشمن کو انفرادی مقابلوں کے لیے للکارا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس دَور میں فوجوں کی لڑائی سے پہلے دونوں فوجوں سے ایک ایک آدمی سامنے آتا اور ان میں انفرادی لڑائی ہوتی تھی۔

خالدؓ نے ضرارؓ بن الازور، شرحبیلؓ بن حسنہ اور امیر المومنین ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو مقابلے کے لیے آگے کیا۔

☆

یہ تینوں سالار تھے۔ وہ دونوں فوجوں کے درمیان جا کر گھوڑے دوڑانے اور دشمن کو للکارنے لگے۔ رومیوں کی صفوں سے تین سوار نکلے۔ وہ بھی سالاری کے رتبے کے آدمی تھے۔ رومی جنگجو قوم تھی۔ اس قوم نے تاریخ ساز تیغ زن اور شہسوار پیدا کیے ہیں۔ خالدؓ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں جو رومی نکلے وہ زبردست لڑاکے تھے۔

FUTURISTAN.BLOGSPOT.COM

کھلے میدان میں مقابلے شروع ہو گئے۔ یہ تین جوڑوں کا مقابلہ تھا۔ تینوں جوڑ الگ ہو گئے۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے، گھوم رہے تھے اور برچھیوں سے برچھیاں ٹکرا رہی تھیں۔ دونوں فوجوں سے نعرے گرج رہے تھے۔ گھوڑے اپنی اُڑائی ہوئی گرد میں چھپتے جا رہے تھے، پھر گرد سے ایک گھوڑا نکلا۔ اس کا سوار ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ گھوڑا بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ وہ ایک رومی سالار تھا جو بڑا گہرا زخم کھا کر گھوڑے سے گر رہا تھا۔ رومیوں کی صفوں سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا نکلا اور گرتے ہوئے سوار کے پیچھے گیا۔ اُس نے گھوڑے کے سوار کو گھوڑے کی پیٹھ پر کر دیا لیکن وہ مر چکا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور رومی سوار گرا پھر تیسرا بھی گر پڑا۔ تینوں رومی مارے گئے۔ ضرارؓ بن الازور کا انداز وہی تھا کہ مقابلے میں اترتے ہی انہوں نے خود، زرہ اور قمیض اتار کر پھینک دی تھیں۔ مقابلہ ختم ہُوا تو تین رومیوں کی لاشیں ایک دوسری سے دُور دُور پڑی تھیں۔ ضرارؓ، شرجیلؓ اور عبدالرحمٰنؓ رومیوں کی اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں للکارتے تھے۔

"رومیو! یہ لاشیں اٹھاؤ۔ آگے آؤ بزدلو!"

"ہے کوئی اور موت کا طلبگار!"

"ہم رومیوں کے قاتل ہیں۔"

"رومیو! یہ زمین تم پر تنگ ہوگئی ہے۔"

ادھر مجاہدینِ اسلام نے وہ شور و غل بپا کر رکھا تھا کہ آسمان ہلنے لگتا تھا۔

ایک اور رومی گھوڑا دوڑاتا میدان میں آیا اور اُس نے تلوار لہرا کر گھوڑا چکر میں دوڑایا۔

عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ اُس کی طرف گئے تو ضرارؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور چلّائے ۔۔ "پیچھے رہ ابی بکرؓ کے بیٹے! اسے میرے لیے چھوڑ دے" ۔۔۔ وہ عبدالرحمٰنؓ کے قریب سے گزر گئے۔ رومی نے گھوڑا ان کی طرف موڑا لیکن ضرارؓ نے اُس کے گھوڑے کو پُوری طرح مڑنے بھی نہ دیا۔ انہوں نے تلوار کی نوک رومی کے پہلو میں اتار دی لیکن اتنی نہیں کہ وہ گر پڑتا۔ ضرارؓ نے اُسے مقابلے کا موقع دیا تھا۔ اُس نے مقابلہ کیا لیکن اُس کا دم خم پہلے زخم سے ہی ختم ہو چکا تھا۔ ضرارؓ اس کے ساتھ کھیلتے رہے، آخر ایسا بھرپور وار کیا کہ وہ گھوڑے پر دُہرا ہُوا پھر لڑھک کر نیچے آ پڑا۔

مدینہ کے ان تین سالاروں کے مقابلے میں چند اور رومی آئے اور مارے گئے۔ ضرارؓ، شرجیلؓ اور عبدالرحمٰنؓ نے صرف یہی نہیں کیا کہ رومیوں کی اگلی صف کے قریب جا کر گھوڑے دوڑاتے اور انہیں للکارتے تھے بلکہ کوئی رومی صف سے آگے ہو کر اُن کی طنزیہ للکار کا جواب دیتا تو وہ ان تینوں میں سے جس کے سامنے ہوتا وہ اُسے برچھی یا تلوار سے ختم کر دیتا۔ اس طرح انہوں نے چند ایک رومیوں کو زخمی بھی کیا اور قتل بھی۔

خالدؓ پہلے تو تماشہ دیکھتے رہے پھر وہ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے چلے گئے۔

"پیچھے آجاؤ تم تینوں!" ۔۔۔ خالدؓ نے بڑی بلند آواز میں کہا اور میدان میں گھوڑا دوڑانے لگے۔

اُن کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ مؤرخوں نے اُن کی للکار کے الفاظ لکھے ہیں:

میں اسلام کا ستون ہوں

kutubistan.blogspot.com

میں اللہ کے رسولؐ کا صحابی ہوں

میں خالدؓ بن ولید ہوں

میں اپنی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ میرے مقابلے میں سپہ سالار آئے۔

واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ رومی سالاروں عزازیر اور کلُوس کے درمیان چپقلش تھی جب خالدؓ نے کہا کہ اُن کے مقابلے میں سپہ سالار آئے تو رومی سالار عزازیر نے اپنے ساتھی سالار کلُوس کی طرف دیکھا اور کہا کہ کلُوس اپنے آپ کو سپہ سالار سمجھتا ہے۔ میں تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کلُوس یہ سُن کر خاموش رہا اور مقابلے کے لیے آگے بھی نہ بڑھا۔

"ہمارا سالار کلُوس ڈر گیا ہے" ۔۔۔ عزازیر نے طنزیہ کہا۔

اُس نے کلُوس کو کچھ اور طعنے بھی دیئے۔ کلُوس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خالدؓ کے مقابلے میں ہچکچا رہا ہے لیکن عزازیر اُس پر طعنوں کے تیر چلا رہا تھا۔ ان سے تنگ آ کر کلُوس نے گھوڑا بڑھایا اور خالدؓ کی طرف گیا۔

چار مؤرخوں نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے کہ خالدؓ کے ہاتھ میں برچھی تھی۔ کلُوس اُن کی طرف آیا تو اُس کا انداز حملے والا نہیں تھا اور اُس نے خالدؓ کو کچھ ایسا اشارہ کیا تھا جیسے کوئی بات کرنا چاہتا ہو۔ خالدؓ نے اُس کے اشارے کی پرواہ نہ کی۔ دشمن کا دوستانہ اشارہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ خالدؓ نے اپنا گھوڑا اُس کی طرف دوڑایا اور اُس پر برچھی کا وار کیا۔ کلُوس تجربہ کار جنگجو تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو اس وار سے صاف بچا لیا۔

خالد نے آگے جا کر گھوڑا موڑا اور کلُوس پر دوسرے حملے کے لیے گئے۔ اب کے انہوں نے سنبھل کر کلُوس کو برچھی ماری۔ کلُوس نے اب پھر اُن کا وار بیکار کر دیا۔ خالدؓ نے برچھی پھینک دی۔ کلُوس نے دیکھا کہ اب خالدؓ خالی ہاتھ آ رہے ہیں تو اُس نے تلوار تانی۔ خالدؓ نے گھوڑا اُس کی زد سے لیا اور گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ اسے فوراً روک کر موڑا اور کلُوس پر آ گئے۔ کلُوس نے گھوڑا دور وہ بہتر پوزیشن میں آ کر وار کرنا چاہتا تھا لیکن خالدؓ نے پیچھے سے آ کر اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا اور گھوڑے سے گرا دیا۔ انہوں نے گھوڑے سے کود کر کلُوس کو دبوچ لیا۔

کلُوس زمین پر پڑا تھا۔ اُس نے اٹھنے کی ذرا سی بھی کوشش نہ کی۔ خالدؓ نے اپنے محافظوں کو پکار کر بلایا۔ دو تین محافظ دوڑے آئے۔ خالد نے انہیں کہا کہ کلُوس کو قیدی بنا لیں۔ اس طرح کلُوس مرنے سے بچ گیا اور قیدی بن گیا۔

☆

جب کلُوس کو قیدی بنا کر خالدؓ کے محافظ لے گئے تو اُسے پیچھے لے جانے کی بجائے سامنے کھڑا کر دیا گیا تاکہ رومی اُسے دیکھتے رہیں۔ خالدؓ پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے اور گھوڑا چکر میں دوڑاتے اور رومیوں کو للکارتے تھے اور اُن کا مذاق بھی اڑاتے تھے۔ کلُوس کا گھوڑا ایک جگہ رک گیا تھا۔ خالدؓ کے اشارے پر اُن کا ایک محافظ کلُوس کا گھوڑا پکڑ لایا۔

خالدؓ کی للکار کے جواب میں اب رومی سالار عزازیر سامنے آیا۔

"او کلُوس!" ۔۔۔ سالار عزازیر نے خالدؓ کو للکارنے کی بجائے اپنے ساتھی سالار کلُوس کو للکار کر

طعنہ دیا — ”دیکھ لے اپنا انجام بزدل کمینے! تُو مجھے رُسوا کر رہا تھا۔ اب میری تلوار کا کمال دیکھ“ — اُس نے خالدؓ پر حملہ کرنے کی بجائے گھوڑا عام چال سے خالدؓ کی طرف بڑھایا اور خالدؓ سے طنزیہ لہجے میں کہا — ”عربی بھائی! میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ میرے قریب آجا۔“

”او اللہ کے دشمن!“ — خالدؓ نے اُس کی طنز کو سمجھتے ہوئے کہا — ”میں تیرے قریب گیا تو تیرا سر تیرے جسم کے ساتھ نہیں رہے گا۔ تو ہی آجا۔“

عزازیر نے تلوار نکالی اور خالدؓ کی طرف آیا لیکن وہ ہنس رہا تھا جیسے خالدؓ کو کچھ سمجھتا ہی نہ ہو۔ وہ خالدؓ سے کچھ دور رک گیا۔

”عربی بھائی!“ — اُس نے کہا — ”تجھے میرے مقابلے میں آنے کو کس نے کہا ہے؟ کیا تُو نے سوچا نہیں کہ تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا تو تیرے ساتھی سالار تیرے بغیر کیا کریں گے؟“

”اللہ سے دشمنی رکھنے والے رومی!“ — خالدؓ نے کہا — ”کیا تو نے دیکھا نہیں کہ میرے ساتھیوں نے کیا کر دکھایا ہے؟ انہیں اگر میری اجازت ہوتی تو یہ تیرے اس سارے لشکر کو اسی طرح کاٹ دیتے جس طرح تیرے یہ ساتھی کٹے ہوئے مردہ پڑے ہیں۔ میرے ساتھی آخرت سے محبت کرتے ہیں۔ یہ دنیا اور یہ زندگی تو ان کے لیے کچھ بھی نہیں..... تُو ہے کون؟ میں تجھے نہیں جانتا۔“

”او بدقسمت عربی!“ — عزازیر نے خالدؓ کا مذاق اُڑانے کے لہجے میں کہا — ”میں اس ملک کا جابر سالار ہوں۔ تیرے لیے قہر ہوں۔ میں فارسیوں کا قاتل ہوں، ترکوں کے لشکر کو برباد کرنے والا ہوں۔“

”میں تیرا نام پوچھ رہا ہوں“ — خالدؓ نے کہا۔

”میں موت کا فرشتہ ہوں“ — عزازیر نے کہا — ”میرا نام عزازیر ہے لیکن میں عزرائیل ہوں۔“

”خدا کی قسم جس موت کا تُو فرشتہ ہے وہ موت تجھے ڈھونڈ رہی ہے“ — خالدؓ نے کہا — ”وہ تجھے جہنم کے سب سے نیچے والے حصے میں پہنچائے گی۔“

عزازیر کو خالدؓ کی اس طنز پر بھڑک اٹھنا چاہیے تھا لیکن اُس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھا۔

”میرے عربی بھائی!“ — اُس نے خالدؓ سے کہا — ”تُو کلُوس کے ساتھ کیا سلوک کر رہا ہے جو تیری قید میں ہے؟“

”وہ دیکھ رومی سالار!“ — خالدؓ نے جواب دیا — ”تیرا سالار بندھا ہُوا ہے۔“

عزازیر کا رویّہ اور لہجہ اور زیادہ ٹھنڈا ہو گیا۔

”کیا وجہ ہے کہ تو نے اسے ابھی تک قتل نہیں کیا؟“ — عزازیر نے کہا — ”تو نہیں جانتا کہ رومیوں میں اگر کوئی سب سے زیادہ عیّار اور شیطان ہے تو وہ کلُوس ہے..... تو اُسے قتل کیوں نہیں کرتا؟“

”کوئی وجہ نہیں“ — خالدؓ نے کہا — ”صرف یہ ارادہ ہے کہ تم دونوں کو اکٹھا قتل کروں گا۔“

ان دونوں رومی سالاروں کی آپس کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ خالدؓ کی کسی بات پر بھڑکتا ہی نہیں تھا۔

”میری ایک بات پر کان دھر عربی سالار!“ — عزازیر نے دوستانہ لہجے میں کہا — ”اگر تو کلُوس کو میرے سامنے قتل کر دے تو میں تجھے ایک ہزار دینار، دس قبائیں ریشم کی اور اعلیٰ نسل کے پانچ گھوڑے دوں گا۔“

”او روم کے جابر سالار!“ — خالدؓ نے کہا — ”یہ سب تو مجھے کلُوس کو قتل کرنے کا انعام دے رہا ہے

یہ بتا کہ میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچنے کے لیے تُو مجھے کیا دے گا۔ اپنی جان کی قیمت بتا دے۔“

”تو ہی بتا“ — عزازیر نے کہا — ”کیا لے گا؟“

”جزیہ!“ — خالدؓ نے کہا — ”اگر نہیں تو اسلام قبول کر لے۔“

اب عزازیر بھڑکا۔

”آ عرب کے بدّو!“ — عزازیر نے کہا — ”اب میرا وار دیکھ۔ ہم عظمت کی طرف جاتے ہیں، تُو ذِلت میں جاتا ہے۔ آ، اپنے آپ کو میرے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا۔“

☆

اُس نے تلوار ہوا میں لہرائی اور خالدؓ پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ خالدؓ اُس سے تیز نکلے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ عزازیر ان کے قریب ہی تھا۔ خالدؓ نے تلوار کا وار کیا جو عزازیر نے پھرتی سے ایک طرف ہٹ کر بے کار کر دیا۔ اس کے بعد خالدؓ نے ہر طرف سے آکر اس رُومی سالار پر وار کیے مگر وہ بڑی پھرتی سے اِدھر اُدھر ہو کر وار بچاتا رہا۔ اُس نے بعض وار اپنی تلوار پر روکے۔

مؤرخ واقدی نے اُس دَور کی تحریروں کے حوالے سے خالدؓ اور عزازیر کے مقابلے کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عزازیر وار روکتا تھا وار کرتا نہیں تھا۔ رومی لشکر سے تو داد و تحسین کا شور اُٹھ ہی رہا تھا، مسلمانوں نے بھی عزازیر کی پھرتی کی داد دی۔ خالدؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

”اے عرب کے سالار!“ — عزازیر نے کہا — ”کیا میں تجھے قتل نہیں کر سکتا؟..... میں تجھے زندہ پکڑوں گا اور تجھ سے یہ شرط منواؤں گا کہ تُو جدھر سے آیا ہے، اپنے لشکر کے ساتھ اُدھر ہی چلا جائے۔“

”خُدا کی قسم، اب تو میرے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوگا“ — خالدؓ نے بھڑک کر کہا اور اُس پر جھپٹے۔

عزازیر نے گھوڑے کو تیزی سے موڑا اور بھاگ نکلا۔ خالدؓ نے گھوڑا اُس کے پیچھے ڈال دیا۔ عزازیر نے گھوڑا تیز کر دیا اور دونوں فوجوں کے درمیان چکر میں گھوڑا دوڑانے لگا۔ اب مسلمانوں کا لشکر نعرے لگانے لگا۔ خالدؓ اُس کے تعاقب میں رہے۔ عزازیر اپنا گھوڑا ذرا آہستہ کر لیتا اور جب خالدؓ اُس تک پہنچتے تو وہ گھوڑے کو ایڑ لگا دیتا۔

اس دوڑ اور تعاقب میں بہت سا وقت گزر گیا۔ خالدؓ کا گھوڑا سُست پڑنے لگا اور اس کا پسینہ پھوٹ آیا۔ عزازیر کا گھوڑا خالدؓ کے گھوڑے سے بہتر اور زیادہ طاقتور تھا۔ عزازیر نے دیکھ لیا کہ خالدؓ کا گھوڑا رہ گیا ہے اُس نے اپنا گھوڑا گھمایا اور خالدؓ کے اردگرد چکر کاٹنے لگا۔

”او عربی!“ — عزازیر نے للکار کر کہا — ”تو سمجھتا ہے میں تیرے ڈر سے بھاگ اٹھا ہوں۔ میں تجھے کچھ دیر اور زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ میں تیری روح نکالنے والا فرشتہ ہوں۔“

خالدؓ نے دیکھا کہ اُن کا گھوڑا عزازیر کے گھوڑے کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ اپنے گھوڑے سے کود کر اُترے۔ اُن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ عزازیر نے خالدؓ کو آسان شکار سمجھا اور ان پر گھوڑا دوڑا دیا۔ خالدؓ کھڑے رہے۔ عزازیر قریب آیا تو اُس نے گھوڑے سے جھک کر خالدؓ پر وار کیا۔ خالدؓ بچتے نظر نہیں آتے تھے لیکن انہوں نے سر کو نیچے کر کے وار کو بیکار کر دیا۔

عزازیر گھوڑے کو گھما کر آیا۔ خالدؓ پہلے کی طرح کھڑے رہے۔ اب کے پھر عزازیر نے اُن پر وار کیا خالدؓ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نے نہ صرف یہ کہ جھک کر اپنے آپ کو بچا لیا بلکہ دشمن کے گھوڑے کی اگلی ٹانگوں پر ایسی تلوار ماری کہ گھوڑے کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور دوسری گھوڑے کے بوجھ کے نیچے دوہری ہو گئی۔ گھوڑا گرا اور عزازیر گھوڑے سے آگے جا پڑا۔

وہ بڑی تیزی سے اُٹھا لیکن خالدؓ نے اُسے پوری طرح اُٹھنے نہ دیا۔ تلوار پھینک کر اُسے دبوچ لیا اور اُسے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اُسے پھر اُٹھایا اور پہلے سے زیادہ زور سے اُسے پٹخا۔ عزازیر کو اس خوف نے بے جان کر دیا کہ خالدؓ اسے مار ڈالیں گے لیکن خالدؓ نے اُسے گھسیٹا اور اسی طرح اپنے لشکر کی طرف لے گئے اور کلُوس کے پاس جا کھڑا کیا۔

"یہ لے!"—— خالدؓ نے اُسے کہا —— "اپنے دوست کلُوس سے مِل۔"

خالدؓ نے حکم دیا کہ عزازیر کو بھی باندھ لیا جائے۔

☆

اِدھر اللہ نے دشمن کے دو سپہ سالار مسلمانوں کو دے دیئے اُدھر شور اٹھا کہ باقی لشکر آ گیا ہے خالدؓ اپنے اسی لشکر کے انتظار میں تھے اور وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لشکر کے ساتھ تاریخ اسلام کے دو عظیم سالار تھے —— عمرو بن العاصؓ اور ابوعبیدہؓ۔

خالدؓ نے ذرا سا بھی وقت ضائع کئے بغیر اپنی فوج کو جنگی ترتیب میں کیا۔ چار ہزار جانباز سواروں کے دستے طلیعہ کو اپنی کمان میں رکھا اور حملے کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تعداد دشمن کے برابر تھی بلکہ کچھ زیادہ ہی تھی۔ رومیوں نے مقابلہ تو کیا لیکن اُن کے انداز میں جارحیّت نہیں تھی، وہ دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔

اُن کا حوصلہ اور جذبہ تو اسی ایک وجہ سے ٹوٹ گیا تھا کہ ان کے دو سپہ سالار مسلمانوں کی قید میں تھے اور باقی سالار انفرادی مقابلوں میں مارے جا چکے تھے۔ اس رومی فوج میں پہلی جنگوں سے بھاگے ہُوئے آدمی بھی تھے۔ اُن پر مسلمانوں کا خوف طاری تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو قہر اور غضب سے لڑتے اور اپنے ساتھیوں کو کٹتے دیکھا تھا۔ انہوں نے بے دلی سے مقابلہ کیا اور پیچھے ہٹتے گئے۔ انہیں لڑانے والا کوئی تھا ہی نہیں۔

مسلمانوں نے انہیں پسپائی سے روکنے کے لیے ان کے عقب میں جانے کی کوشش کی لیکن پیچھے درختوں سے اٹی ہوئی وادی تھی جس میں وہ غائب ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی پیٹھ کے پیچھے دمشق تھا جو قلعہ بند شہر تھا۔ فاصلہ بارہ میل تھا۔ یہ رومیوں کے لیے ایک کشش تھی۔ پناہ قریب ہی تھی۔ چنانچہ وہ فرداً فرداً درختوں کے جھُنڈوں میں سے گزرتے دمشق کی طرف بھاگ رہے تھے۔

رومی ایسی بُری طرح مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو رہے تھے کہ میدانِ جنگ ان کی لاشوں اور تڑپتے ہوئے زخمیوں سے اَٹ گیا۔ دوڑتے گھوڑے اور پیادے انہیں کچل رہے تھے۔ رومیوں نے اپنے پہلوؤں کے دستوں کو عام پسپائی کے لیے کہہ دیا۔ مسلمانوں نے تعاقب نہ کیا کیونکہ خالدؓ اپنی نفری کو بچانا چاہتے تھے۔ وہ بڑے کُوچ کے تھکے ہوئے بھی تھے۔

بچے کھچے رومی دمشق پہنچ گئے اور شہر کے اِردگرد دیوار نے انہیں پناہ میں لے لیا۔

مسلمانوں نے مالِ غنیمت اکٹھا کیا۔ عورتوں نے زخمیوں کو اٹھایا اور انہیں مرہم پٹی کے لیے پیچھے

لے گئیں۔ شہیدوں کی لاشیں ایک جگہ رکھ کر جنازہ پڑھا گیا اور انہیں الگ الگ قبروں میں دفن کیا گیا۔

خالدؓ نے رات وہیں گزارنے کا حکم دیا اور تمام سالاروں کو اپنے پاس بلایا اور انہیں بتایا کہ دمشق کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ دمشق کی طرف آنے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جائے تاکہ دشمن اپنے دمشق کے دستوں کو کمک اور رسد نہ پہنچا سکے۔

خالدؓ نے فحل کے قلعے کے قریب پہلے ہی ایک گھوڑ سوار دستہ چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سے امداد آنے کی توقع تھی۔ خالدؓ نے دو گھوڑ سوار دستے دو اور مقامات پر بھیج دیئے۔ ان کے لیے حکم تھا کہ ان راستوں سے کمک آئے تو اُس پر حملہ کر دیں۔

۲۰ راگست ۶۳۴ء (۲۰ رجمادی الآخر ۱۳ ہجری) خالدؓ نے دمشق پہنچ کر اس شہر کو محاصرے میں لے لیا۔ دمشق کے اندر جو رومی فوج تھی اس کی تعداد سولہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ خالدؓ کے لشکر میں بیس ہزار مجاہدین تھے۔ شہیدوں اور شدید زخمیوں کی وجہ سے تعداد اتنی کم رہ گئی تھی۔ کچھ دستے مختلف مقامات پر رومیوں کی کمک کو روکنے کے لیے بھیج دیئے گئے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ مجاہدین کی تعداد بیس ہزار رہ گئی تھی۔

دمشق بڑا شہر تھا۔ اس کے چھ دروازے تھے اور ہر دروازے کا نام تھا —— باب الشرق۔ باب تُوما۔ باب جابیہ۔ بابِ فرادِیس۔ باب کیسان اور بابِ صغیر —— خالدؓ نے ہر دروازے کے سامنے دو دو تین تین ہزار نفری کے دستے کھڑے کر دیئے۔ ہر دروازے کے لیے ایک سالار مقرر کیا گیا —— رافعؓ بن عمیرؓ، عمروؓ بن العاص، شرجیلؓ بن حسنہ، ابوعبیدہؓ، یزیدؓ بن ابی سفیان —— یزید کی ذمہ داری میں دو دروازے دے دیئے گئے۔

ضرّارؓ بن الازور کو منتخب سواروں کا دو ہزار نفری کا دستہ اس مقصد کے لیے دیا گیا کہ وہ قلعے کے اِردگرد گھومتے پھرتے رہیں اور اگر رومی باہر آ کر کسی دستے پر حملہ کریں تو ضرّارؓ اس کی مدد کو پہنچیں۔

شہر کی دیوار پر رومی کمانیں اور برچھیاں لیے کھڑے تھے۔ ان میں دوسرے سالاروں کے علاوہ دمشق کے دفاع کا ذمہ دار سالار توما بھی تھا جو شہنشاہ ہرقل کا داماد بھی تھا۔

خالدؓ نے حکم دیا کہ رومیوں کے دونوں قیدی سالاروں عزازیر اور کلُوس کو آگے لایا جائے۔ دونوں بندھے ہُوئے لائے گئے۔ انہیں دیوار کے اتنا قریب لے جایا گیا جہاں سے وہ دیوار پر کھڑے رومیوں کو نظر آ سکتے تھے۔

"کیا تم دونوں اسلام قبول کر و گے؟"—— خالدؓ نے دونوں سے بلند آواز میں پوچھا۔

"نہیں"—— دونوں نے اکٹھے جواب دیا۔

خالدؓ نے ضرّارؓ بن الازور کو آگے بلایا اور کہا کہ انہیں ان کے انجام تک پہنچا دو۔

ضرارؓ نے تلوار نکالی اور دونوں کی گردنوں پر ایک ایک وار کیا۔ دونوں کے سر زمین پر جا پڑے۔ اُن کے دھڑ گرے، تڑپے اور ساکت ہو گئے۔ دیوار سے تیروں کی بوچھاڑ آئی لیکن خالدؓ اور ضرّار ان کی زد سے نکل آئے تھے۔

دمشق کا محاصرہ رومیوں کی تاریخ کا بہت بڑا واقعہ بلکہ حادثہ اور المیہ تھا اور مسلمانوں کی تاریخ کا بھی یہ بہت بڑا اور بعض تاریخ نویسوں کے لیے حیران کُن واقعہ تھا۔ حیران کُن تو رومیوں کے لیے [illegible] تھا کیونکہ روم کی فوج اُس دَور کی بہترین فوج اور ناقابلِ تسخیر جنگی طاقت تسلیم کی جاتی تھی۔ رومی فوج [illegible] ت اور تباہی کا دوسرا نام تھا۔ اِس فوج نے ہر میدان میں فتح پائی تھی۔ کسریٰ کی فوج بھی اِس سے کم نہ تھی لیکن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رومی فوج نے اسے بھی شکست دے کر الگ بٹھا دیا تھا لیکن اتنی دُور سے آتے ہوتے اور اتنے تھوڑے مسلمان اسی رومی فوج کو شکست پہ شکست دیتے چلے جا رہے تھے اور اُنہوں نے دمشق کو محاصرے میں لے لیا تھا جو رومیوں کا بڑا ہی اہم اور قیمتی شہر تھا۔ قیصرِ روم نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ دُنیا کی کوئی طاقت اُس کی بہترین اور دہشت ناک فوج کو اس مقام پر لے آئے گی کہ اُس کے لیے رومیوں کی روایات اور وقار کا تحفظ محال ہو جائے گا۔

مسلمانوں کے لیے بھی شام میں فاتحانہ داخلہ اور دمشق کا محاصرہ بہت بڑا واقعہ تھا۔ ایک تو نفری دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی جو زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے کم ہی کم ہوتی چلی جا رہی تھی، دوسرے اپنے وطن سے دُوری۔ پسپائی کی صورت میں ان کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ اِس صورت میں انہیں کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں مِل سکتا تھا۔

مختلف ادوار کے جنگی مبصّروں اور وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے لشکر نے جس کی نفری ہمیشہ خطرناک حد تک کم رہی ہے، تاریخ نولیسوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اگر جنگی مہارت اور قیادت کی بات کی جائے تو سرِ فہرست دو فوجیں آتی ہیں۔ ایک قیصرِ روم کی فوج اور دوسری کسریٰ کی فوج۔ یہ دونوں فوجیں عسکری اہلیّت اور قیادت کی وجہ سے مشہور تھیں۔ بلاشک خالدؓ کی جنگی قیادت، تیز رفتار نقل و حرکت اور میدانِ جنگ میں چالوں کا مقابلہ کم ہی سالار کر سکتے تھے لیکن عقیدے کی سچائی اور جذبے کی شدت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ گھروں اور اہل و عیال سے اتنی لمبی جدائی سپاہیوں کے جذبے کو کمزور کر دیا کرتی ہے لیکن مسلمانوں کی فوج میں ایسی کمزوری دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ اس کیفیت کو مبصّروں نے عقیدے اور جذبے کا کرشمہ کہا ہے۔

○

"میرے عزیز رفیقو!" —— خالدؓ نے اپنے سالاروں سے دمشق کے مضافات میں کہیں کہا۔ "سوچو ہم کہاں تھے اور دیکھو ہم کہاں ہیں۔ کیا اب بھی کفّار اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانیں گے اور کیا وہ تسلیم نہیں کریں گے کہ اللہ نے ہمارے قبیلے کو رسالتؐ عطا کی ہے جو برحق ہے اور کوئی دلیل اسے جھٹلا نہیں سکتی؟ ..... اور تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرو گے جس نے تمہیں اتنے طاقتور دشمن پر فتح دی ہے؟ کوئی شمار نہیں اُس کی رحمتوں کا لیکن اُن کے لیے جو اُس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔"

"بلاشک، بلاشک" —— کئی آوازیں سنائی دیں۔

"اور اے برہنہ جنگجو!" —— خالدؓ نے ضرارؓ بن الازور سے جو خود، زرہ اور قمیض اتار کر لڑا کرتے تھے، کہا۔ "خدا کی قسم، تو اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھے گا تو ایک دن تُو ہی نہیں ہم سب افسوس کر رہے ہوں گے۔"

"ولید کے بیٹے!" —— ضرارؓ نے کہا۔ "دینِ اسلام کے دشمن کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا لیکن اس میں کوتاہی نہیں کروں گا کہ تیرے ہر حکم کی تعمیل مجھ پر فرض ہے۔"

ضرارؓ بن الازور کے بولنے کا انداز اتنا شگفتہ تھا کہ سب ہنس پڑے۔ خالدؓ کے ہونٹوں پر جانفزا مسکراہٹ آگئی۔

انطاکیہ کی فضا ہنسی اور مسکراہٹوں سے محروم ہو گئی تھی۔ اس شہر کو رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنا جنگی ہیڈکوارٹر بنا لیا۔ اُسے جنگ کی جو خبریں روز بروز مل رہی تھیں، ان سے اُس کی ذہنی اور جذباتی حالت ویسی ہی ہو گئی تھی جو مدائن میں شہنشاہ اردشیر کی ہُوئی تھی اور صرف شکست کی خبریں سن سن کر وہ صدمے سے مر گیا تھا۔

مرجُ الصُّفر میں رومیوں کو جو شکست ہُوئی تھی، اس نے تو ہرقل کو باؤلا کر دیا تھا، پھر اُسے اپنے سالاروں کے مارے جانے کی اطلاعیں ملنے لگیں۔

"عزازیر زندہ ہے" —— ہرقل نے بڑے جوش سے کہا۔ "کلُوس ہے ..... یہ دونوں عرب کے ان بدّوؤں کو دمشق تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

"شہنشاہِ معظم!" —— محاذ سے آئے ہُوئے قاصد نے کہا۔ "وہ دونوں زندہ نہیں۔"

"کیا تم مجھ سے یہ جھوٹ منوانا چاہتے ہو؟" —— ہرقل نے غضب ناک آواز میں کہا۔ "کیا تم جھوٹ کی سزا سے واقف نہیں؟"

"سب کچھ جانتے ہُوئے یہ خبر سنا رہا ہُوں شہنشاہِ معظم!" —— قاصد نے کہا۔ "ان دونوں کو مسلمانوں نے زندہ پکڑ لیا تھا اور دونوں کو انہوں نے دمشق کی شہر پناہ کے قریب لا کر قتل کر دیا ہے۔"

"اور میری بیٹی کے خاوند کی کیا خبر ہے؟" —— شہنشاہِ ہرقل نے اپنے داماد سالار تُوما کے بارے میں قاصد سے پوچھا۔

"سالار توما دمشق کے اندر ہیں" —— قاصد نے جواب دیا۔ "اور محاصرہ توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"دمشق کا محاصرہ ہم توڑیں گے" —— شہنشاہِ ہرقل نے کہا۔

ہرقل نے انطاکیہ میں اسی لیے ڈیرے ڈالے تھے کہ فوج تیار کر کے جہاں بھی کمک کی ضرورت ہو گی وہاں فوج بھیجے گا۔ اُس نے پہلے ہی لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ گرجوں میں پادری صرف اس موضوع پر وعظ کرتے تھے کہ لوگوں کا فوج میں بھرتی ہونا کتنا ضروری ہے۔ وہ کہتے تھے کہ عیسائیت کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ اسلام سے لوگوں کو خوفزدہ کرتے تھے۔

خالدؓ جب دمشق کی طرف بڑھ رہے تھے اُس وقت ہرقل نے اعلان کیا تھا کہ جو فوج تیار ہو گئی ہے وہ اُس کے معائنے اور احکام کے لیے اُسے دکھائی جائے۔ یہ فوج اُس کے سامنے لائی گئی تو اُس نے ایسے جوشیلے اور جذباتی انداز سے فوج سے خطاب کیا کہ سپاہی آگ بگولا ہو گئے۔

"تمہیں کوئی شہنشاہ حکم نہیں دے رہا" —— شہنشاہ ہرقل نے کہا۔ "یہ خدا کے بیٹے کا حکم ہے کہ اُس کے دشمنوں کو تباہ کر دو۔ صلیب کی آن پر مر مٹو۔ میں آج شہنشاہ نہیں، تم جیسا سپاہی ہوں۔"

۹ ستمبر ۶۳۴ء (۱۰ رجب ۱۳ھ) کا دن تھا۔ دمشق کے محاصرے کا گیارہواں دن تھا۔ محاصرے کے دس روز یہ سرگرمی رہی کہ دمشق کے کسی نہ کسی دروازے سے رومیوں کے ایک دو دستے باہر آتے اور مسلمانوں پر حملہ کرتے لیکن زیادہ آگے نہ آتے۔ مختصر سی جھڑپ لے کر قلعے میں واپس جانے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

کی کرتے۔ خالدؓ نے ابھی قلعے پر کسی بھی قسم کا ہلّہ نہیں بولا تھا۔

خالدؓ نے دیکھ بھال کے لیے ہر طرف جاسوس بھیج رکھے تھے۔ محاصرے کے گیارہویں روز ایک جاسوس اس حالت میں خالدؓ کے پاس آیا کہ اُس کا گھوڑا پسینے میں نہایا ہُوا تھا اور جب گھوڑا رُکا تو کانپ رہا تھا۔ سوار کی اپنی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ اُس سے اچھی طرح بولا بھی نہیں جاتا تھا۔ خالدؓ نے پہلے تو اُسے پانی پلایا پھر پوچھا کہ وہ کیا خبر لایا ہے۔

"رومیوں کی ایک فوج آرہی ہے" — جاسوس نے کہا — "تعداد دس ہزار سے زیادہ ہو گی کم نہیں۔"

"تم نے اسے کہاں دیکھا ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"حمص سے آگے نکل آئی ہے" — جاسوس نے جواب دیا اور ایک جگہ کا نام لے کر اُس نے کہا — "ہمارا ایک دستہ وہاں موجود ہے۔ رومی فوج کل کسی بھی وقت وہاں تک پہنچ جائے گی۔ ہمارے دستے کی نفری اُس کے مقابلے میں بہت تھوڑی ہے۔ اسی لیے میں کہیں ایک ثانیہ بھی نہیں رُکا۔ ہمارا دستہ مارا جائے گا اور رومی دمشق تک آجائیں گے۔"

خالدؓ نے جاسوس کو رخصت کر دیا۔ اُن کے لیے یہ خبر حیران کُن بھی نہیں تھی، پریشان کن بھی نہیں تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ ہرقل انطاکیہ میں ہے اور وہاں وہ آرام اور سکون سے نہیں بیٹھا ہُوا بلکہ وہ دمشق کو بچانے کے انتظامات کر رہا ہے۔ یہ رومی فوج جس کی اطلاع ایک جاسوس لایا تھا، انطاکیہ سے شہنشاہ ہرقل نے اپنی دمشق والی فوج کے لیے کمک کے طور پر بھیجی تھی۔ مؤرخوں نے اس کی تعداد بارہ ہزار لکھی ہے۔

خالدؓ نے اسی توقع پر کہ رومیوں کی کمک آئے گی، دمشق کی طرف آنے والے راستوں پر پہلے سے ہی تھوڑی تھوڑی نفری کا ایک ایک دستہ بھیج دیا تھا۔ ان کے سپرد یہ کام تھا کہ کمک کو روکے رکھیں مگر یہ جو فوج آرہی تھی اس کی نفری بہت زیادہ تھی۔ خالدؓ نے اُسی وقت سالاروں کو بلایا اور انہیں بتایا کہ دشمن کی زیادہ نفری آرہی ہے اور اسے روکنے کے لیے اپنی نفری بہت تھوڑی ہے۔

"رومیوں کی اس کمک کو روکنا ہے" — خالدؓ نے کہا — "اور اپنی نفری جو اس کے راستے میں موجود ہے اسے جانی نقصان سے بچانا ہے۔ ہمیں محاصرے کو ذرا کمزور کرنا پڑے گا۔"

"اس کمی کو ہم اپنے جذبے سے پُورا کرلیں گے" — سالار شرجیل نے کہا — "ابنِ ولید! تُو جتنی نفری کافی سمجھتا ہے، یہاں سے نکال کر بھیج دے۔"

"پانچ ہزار سوار کافی ہوں گے" — خالدؓ نے کہا — "رومیوں کی نفری دس ہزار سے زیادہ ہے۔"

"بہت ہے" — ضرارؓ بن الازور نے کہا — "اور مجھے یقین ہے ابنِ ولید کہ تو مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ ان پانچ ہزار سواروں کا سالار میں ہوں گا۔"

"تیری خواہش میں رد نہیں کروں گا ابن الازور!" — خالدؓ نے کہا — "لیکن احتیاط کرنا کہ جوش میں آکر دشمن کی صفوں میں نہ گھس جانا۔ اگر ایسا ضروری ہو جائے تو تجھے پیچھے نہیں رہنا چاہیئے..... اور یہ بھی سن لے ابن الازور! اگر تُو نے دیکھا کہ تُو دشمن کو نہیں سنبھال سکے گا تو فوراً کمک مانگ لینا میں بھیج دوں گا۔ وہاں پہلے ایک دستہ موجود ہے، اسے بھی اپنی کمان میں لے لینا۔ یہ ساری نفری

تیرے ماتحت ہو گی۔ اپنا نائب خود ہی چن لے۔"

"رافع بن عمیرہ!" — ضرارؓ نے کہا۔

"لے جا اسے!" — خالدؓ نے کہا — "اور اتنی جلدی وہاں پہنچ جیسے تُو اُڑتا گیا ہو۔"

○

ضرارؓ بن الازور کو درۂ عقاب (ثنیعتہ العقاب) کے قریب پہاڑی علاقے میں پانچ ہزار سواروں کے ساتھ پہنچنا تھا۔ وہ جگہ دمشق سے کم و بیش بیس میل دُور تھی۔ ضرارؓ تو جیسے اُڑتے ہُوئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں جو نفری موجود تھی اُسے بھی اپنی کمان میں لے لیا۔

یہ علاقہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے گھات کے لیے موزوں تھا۔ رومی فوج ابھی وہاں تک نہیں پہنچی تھی۔ ضرارؓ نے بڑی تیزی سے اپنی تمام نفری کو گھات میں چھپا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اُس روز کا سورج غروب ہو گیا۔ ضرارؓ نے سنتری اس ہدایت کے ساتھ مقرر کیے کہ وہ ٹیکریوں اور چٹانوں کے اُوپر چلے جائیں، باہر نہ جائیں۔ پوری احتیاط کی جارہی تھی کہ دشمن کو گھات کا پتہ نہ چلے۔

رات گزر گئی۔ صبح طلوع ہوئی اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد دشمن کی فوج آگئی — اور یہ صحیح معنوں میں فوج تھی۔ نفری زیادہ، تنظیم نہایت اچھی۔ دیکھا گیا کہ اس فوج کے ساتھ بے شمار گھوڑا گاڑیاں تھیں جو سامان سے لدی ہوئی تھیں اور اونٹوں کی تعداد بھی بے حساب تھی جن پر بوریاں لدی ہُوئی تھیں۔ یہ بعد میں پتہ چلا تھا کہ یہ سامان خورد و نوش تھا جو دمشق جا رہا تھا۔ خالدؓ دمشق کے اندر کی اس صورتِ حال سے بے خبر تھے کہ رومیوں نے دمشق کا دفاع تو بڑا اچھا کیا تھا لیکن شہر میں رسد اور خوراک کی اتنی کمی تھی کہ دس دنوں کے محاصرے میں ہی شہری ہر چیز کی قلّت محسوس کرنے لگے تھے۔ ہرقل کو اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے کمک بھیجی اور اس کے ساتھ خوراک کا ذخیرہ بھیج دیا تھا۔

ضرارؓ بن الازور کو بتایا گیا کہ رومی فوج کے ساتھ مال اسباب بے حساب آرہا ہے تو ضرارؓ نے جوش میں آکر حسبِ معمول زِرہ، خود اور قمیض اُتار پھینکی، نیم برہنہ ہو کر انہوں نے اعلان کیا کہ بہت موٹا شکار آرہا ہے۔

رومی جب پہاڑیوں میں آئے تو ضرارؓ کی للکار پر مجاہدینِ اسلام گھات سے نکل کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ توقع تو یہ تھی کہ رومی اچانک حملے سے گھبرا اور بوکھلا کر بھاگ اُٹھیں گے لیکن اُن کا ردِّ عمل ایسا بالکل نہیں تھا۔ انہوں نے یہ چال چلی کہ پیچھے ہٹنے لگے اور درۂ عقاب کے قریب اُس جگہ جا رُکے جو ہموار میدان تھا اور یہ پہاڑی کی بلندی تھی۔ انہوں نے سامان کی گاڑیاں پیچھے بھیج دیں اور اُن کے پیچھے کی فوج آگے آگئی۔ ان کی تعداد مسلمانوں سے دگنی تھی اور اُن کے انداز سے صاف پتہ چلتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ حملہ اُن کے لیے غیر متوقع نہ تھا، وہ اس کے لیے تیار تھے۔ اُنہوں نے قدم جما لیے۔

○

ضرارؓ بن الازور نے دشمن کو اس کیفیت میں دیکھا کہ اُس نے نہ صرف یہ کہ حملہ روک لیا ہے بلکہ وہ سامنے سے بھی اور دائیں بائیں سے بھی حملے کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا جوش و خروش کچھ کم نہ تھا لیکن رومی جس منظم انداز سے لڑ رہے تھے اس سے یہی ایک خطرہ نظر آنے لگا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھگا کر اور کاٹ کر آگے نکل جائیں گے۔

FUTUHSTAN.BLOGSPOT.COM

ضرارؓ کو خالدؓ نے جس حرکت سے منع کیا تھا، انہوں نے وہی حرکت کی۔ پہلے تو وہ منظم طور پر رومیوں پر حملے کراتے رہے لیکن دیکھا کہ رومی پیچھے ہٹنے کی بجائے چڑھے آرہے ہیں تو ضرارؓ جوش میں آ گئے اور چند ایک مجاہدین کو ساتھ لے کر رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے اپنی مخصوص جرأت اور شجاعت کا مظاہرہ کیا اور جو رومی اُن کے سامنے آیا وہ کٹ کر گِرا اور اس طرح وہ اندھا دھند بہت آگے نکل گئے۔

"یہ ہے برہنہ جنگجو!" — کسی رومی نے نعرہ لگایا۔ یہ کوئی سالار ہو سکتا تھا۔ اُس نے للکار کر کہا — "گھیرے میں لے لو۔ اسے زندہ پکڑو۔"

ضرار نیم برہنہ ہو کر لڑنے اور دشمن کو ہر میدان میں حیران کُن نقصان پہنچانے میں اتنے مشہور ہو گئے تھے کہ انطاکیہ تک اُن کی شجاعت کے چرچے پہنچ گئے تھے۔ رومیوں نے اس نیم برہنہ جنگجو کو پہچان لیا۔ ضرارؓ کے دائیں بازو میں ایک تیر لگ چکا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ضرار کے جسم پر دو زخم اور بھی تھے۔ بہرحال ان کے بازو میں تیر اُترنے پر سب متفق ہیں۔ ضرارؓ نے تیر کھینچ کر بازو سے نکال پھینکا۔ تیر نکالنا بڑا ہی اذیت ناک ہوتا ہے۔ وہاں سے گوشت باہر نکل آتا ہے لیکن ضرارؓ بن الازور عاشقِ رسولؐ تھے، وہ تو جیسے اپنے جسم اور اپنی جان سے دست بردار ہو گئے تھے۔ یہ تیر اور تلواریں تو جیسے اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ رومیوں کا تیر کھا کر انہوں نے تیر یُوں نکال پھینکا جیسے ایک کانٹا نکال پھینکا ہو۔ اُن کا دایاں ہاتھ تلوار کو مضبوطی سے تھامے رہا اور رومی کٹتے اور گرتے رہے۔

رومی انہیں زندہ پکڑنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ انہوں نے ضرارؓ کے آدمیوں کو جو اُن کے ساتھ آگے نکل گئے تھے، بکھیر کر الگ الگ کر دیا اور ضرارؓ کو گھیرے میں لے لیا۔ اس موقع پر انہیں ایک یا دو زخم آئے۔ آخر کئی رومیوں نے مل کر انہیں پکڑ لیا اور انہیں باندھ لیا۔ رومی بلند آواز سے چلّانے لگے:

"مسلمانو! تمہارا سالار ہمارا قیدی ہو گیا ہے۔"

"ہم نے تمہارے ننگے سالار کو پکڑ لیا ہے۔"

"ہم شہنشاہِ ہرقل کو تحفہ دیں گے۔"

رومیوں کی للکار بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہتے تھے۔ شہنشاہِ ہرقل کے لیے ضرارؓ سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ اچھا نہیں ہو سکتا تھا۔ رومی انہیں باندھ کر پیچھے لے گئے۔ اُن کے زخموں سے خون بڑی تیزی سے بہا جا رہا تھا جس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ہرقل تک زندہ نہیں پہنچ سکیں گے۔ رومیوں نے اُن کی مرہم پٹی کر دی۔

اُس دَور کی جنگوں میں فوجیں یوں بھی شکست کھا جاتی تھیں کہ سپہ سالار مارا گیا، پرچم گر پڑا اور پوری کی پوری فوج بھاگ اٹھی لیکن مسلمانوں کا معاملہ اس کے برعکس تھی۔ ضرار جیسا سالار پکڑا گیا تو دشمن کی یہ للکار سن کر کہ اُس نے ان کے سالار کو پکڑ لیا ہے، مسلمانوں نے حملوں کی شدّت میں اضافہ کر دیا۔ وہ لپکتے ہوئے شعلے اور کڑکتی ہوئی بجلیاں بن گئے۔

رافع بن عمیرہ ضرارؓ کے نائب سالار تھے۔ اُنہوں نے گرج کر اعلان کیا کہ اب کمان ان کے ہاتھ میں ہے۔ اُنہوں نے سامنے سے رومیوں پر حملے کرائے۔ خود بھی حملوں کی قیادت کی اور دشمن کی صفوں کو

توڑ کر آگے جانے کی کوشش کی لیکن رومیوں کی صفیں مل کر بڑی مضبوط دیوار بن گئی تھی۔ رافع ضرارؓ کو رہا کرانے کی کوشش میں تھے لیکن اُن کی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

مسلمان اپنے سالار کو دشمن سے چھڑانے کے لیے جان کی بازی لگائے ہُوئے تھے۔

○

دوپہر سے ذرا بعد کا وقت تھا۔ خالدؓ دمشق کے اِردگرد گھوم پھر کر جائزہ لے رہے تھے کہ دیوار کہیں سے توڑی جا سکتی ہے یا نہیں۔ دو سالار اُن کے ساتھ تھے۔

"خدا کی قسم، دمشق ہمارا ہے" — خالدؓ نے کہا — "رومیوں کو کمک نہیں مِل سکتی۔ ضرارؓ اور رافع ان کی کمک کو بھگا چکے ہوں گے" — خالدؓ چپ ہو گئے۔ ایک گھوڑ سوار اُن کی طرف بڑا تیز آ رہا تھا۔

"قاصد معلوم ہوتا ہے" — خالدؓ نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اُس کی طرف بڑھے۔

"سالارِ عالی!" — گھوڑ سوار نے گھوڑا اُن کے قریب روک کر کہا — "رومیوں نے ضرارؓ بن الازور کو پکڑ لیا ہے۔ ابن عمیرہ نے ان کی جگہ لے لی ہے۔ انہوں نے ابن الازور کو رہا کرانے کی بہت کوشش کی ہے لیکن رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم ناکام ہو گئے ہیں۔ ابنِ عمیرہ نے مجھے اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ کمک کے بغیر ہم رومیوں کو نہیں روک سکیں گے۔"

"کیا میں نے اُسے منع نہیں کیا تھا کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھنا؟" — خالدؓ نے برہم سا ہو کر کہا — "رومی ہمارے اتنی قیمتی سالار کو نہیں لے جا سکتے۔"

خالدؓ نے تمام سالاروں کو بلایا اور انہیں ضرار کی گرفتاری اور بَیت لہیا میں رومیوں کے سامنے مسلمانوں کی کمزور حالت کے متعلق بتایا۔

"میں خود ابنِ عمیرہ کی مدد کے لیے جانا چاہتا ہوں" — خالدؓ نے کہا — "لیکن محاصرہ کمزور ہو جائے گا۔ رومی باہر آ کر تم پر حملہ کر دیں گے۔ ہماری نفری پہلے ہی کم رہ گئی ہے۔ اگر میں نہیں جاتا اور میں کمک نہیں بھیجتا تو ہمارے پانچ چھ ہزار سوار مارے جائیں گے اور رومیوں کی کمک سیدھی یہاں آ کر ہلّہ بول دے گی۔ بتا سکتے ہو مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"رافع کی مدد کو پہنچنا اور رومیوں کی کمک کو روکنا زیادہ ضروری ہے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ابنِ ولید! تو سمجھتا ہے کہ تیرا جانا ضروری ہے تو ابھی چلا جا۔ ہمیں اور دمشق کے محاصرے کو اللہ پر چھوڑ۔ رومیوں کو باہر آ کر حملہ کرنے دے۔ وہ زندہ اندر نہیں جا سکیں گے۔"

دوسرے سالاروں نے ابوعبیدہؓ کی تائید کر کے خالدؓ کو یقین دلایا کہ ان کی نفری کم ہو گئی تو بھی وہ محاصرے کو درہم برہم نہیں ہونے دیں گے۔

"اگر مجھے جانا ہی ہے تو میں فوراً نہیں جاؤں گا" — خالدؓ نے کہا — "میں ایسے وقت یہاں سے سواروں کو ساتھ لے کر نکلوں گا جب دشمن ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔۔۔۔ ابوعبیدہؓ! میری جگہ لے لے۔ میں آدھی رات کے بعد چار ہزار سوار لے کر نکل جاؤں گا۔ تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ چار ہزار سواروں کو تیاری کی حالت میں الگ کر دو اور انہیں بتا دو کہ آدھی رات کے بعد روانہ ہونا ہے۔"

○

بیت لہیا کم و بیش بیس میل دور تھا۔ سورج غروب ہونے تک وہاں رومیوں اور مسلمانوں میں لڑائی ہوتی رہی۔ رافع بن عمیرہ نے شام تاریک ہونے کے بعد بھی مجاہدین کو رومیوں کے عقب میں پہاڑیوں کے درمیان سے گزار کر بھیجا مگر ہر ٹولی ناکام واپس آئی۔

"جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے۔ ضرارؓ بن الازور موت کے قریب ہوتا جا رہا ہے" ——— رافع نے کئی بار کہا ——— "اللہ کرے وہ زندہ ہو۔ اللہ اُسے زندہ رکھے۔ ہم اسے چھڑا کر ضرور لائیں گے۔"

رات گزر گئی۔ صبح کا اجالا ابھی پوری طرح نہیں نکھرا تھا کہ خالدؓ چار ہزار سواروں کے ساتھ رافع کے پاس پہنچ گئے۔ خالدؓ آدھی رات گزر جانے کے بہت بعد دمشق سے روانہ ہوئے تھے۔ اُنہوں نے چار ہزار سواروں کو شام کے بعد خاموشی سے محاصرے سے ہٹا کر پیچھے کرنا شروع کر دیا تھا اور سوار پیچھے جا کر اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ یہ جگہ دمشق سے ذرا دور تھی۔ خالدؓ انہیں ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو شہر میں محصور رومیوں کو خبر تک نہ ہوئی۔

خالدؓ اور اُن کے سوار دستے کو دیکھ کر رافع اور اُن کے سواروں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ خالدؓ نے بڑی تیزی سے دشمن کا اور رافع کے سواروں کا جائزہ لیا اور دونوں دستوں کو ضرورت کے مطابق ترتیب میں کر کے حملے کا حکم دے دیا۔

حملہ ابھی شروع نہیں ہوا تھا کہ ایک گھوڑ سوار مسلمانوں کی صفوں سے نکلا اور گھوڑا سرپٹ دوڑاتا خالدؓ سے بھی آگے نکل گیا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں برچھی تھی۔ خالدؓ کو اُس پر غصہ آیا اور انہوں نے چلا کر اُسے پکارا لیکن وہ رومیوں کی اگلی صف تک پہنچ چکا تھا۔ جسم کے لحاظ سے وہ موٹا تازہ نہیں تھا۔ اُس کے سر پر سبز رنگ کا عمامہ تھا اور اُس نے اپنا چہرہ ایک کپڑا باندھ کر چھپایا ہوا تھا۔ اُس کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔

"یہ خالدؓ ہے" ——— رافع بن عمیرہ نے کہا ——— "ایسی جرأت خالدؓ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔"

رافع ایک پہلو پر تھے جہاں سے خالدؓ نظر نہیں آتے تھے۔ خالدؓ نے حملہ روک لیا اور وہ رافع کے پاس گئے۔ رافع انہیں دیکھ کر حیران ہوئے۔

''ابن ولید!'' ——— رافع نے خالدؓ سے کہا ——— ''اگر وہ تو نہیں جو رومیوں پر اکیلا ٹوٹ پڑا ہے تو وہ کون ہے؟''

''میں یہی تجھ سے پوچھنے آیا ہوں'' ——— خالدؓ نے کہا ——— ''میں نے ابن الازور کو اِسی حرکت سے روکا تھا''۔

''وہ دیکھ ابن ولید!'' ——— رافع نے کہا ——— ''وہ جو کوئی بھی ہے ذرا دیکھ!''

وہ جو کوئی بھی تھا مسلمانوں کو بھی اور رومیوں کو بھی حیران کر رہا تھا۔ جو رومی اُس کے سامنے آتا تھا وہ اُس کی برچھی یا تلوار کا شکار ہو جاتا تھا۔ یہ سوار کہیں رُکتا نہیں تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں برچھی ہونے کے باوجود اُس نے گھوڑے کو اپنے قابو میں رکھا ہوا تھا۔ ایک رومی کو گرا کر وہ دُور چلا جاتا کوئی اُس کے تعاقب میں جاتا تو یہ سوار یکلخت گھوڑے کو روک کر یا گھما کر اپنے تعاقب میں آنے والے کو ختم کر دیتا۔ خالدؓ بھی (مؤرخوں کی تحریروں کے مطابق) دَم بخود ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ رومیوں کو گرا کر اُس نے گھوڑا دُور سے موڑا تو خالدؓ کے قریب سے گذرا۔ خالدؓ نے چلا کر اُسے رُکنے کو کہا لیکن سوار نہ رُکا۔ دیکھنے والوں کو اُس کی صرف آنکھیں نظر آتیں۔ ان آنکھوں میں کچھ اور ہی چمک تھی، بلکہ ان آنکھوں میں دل کشی سی تھی۔ اُس کی تلوار اور اُس کی برچھی کی انّی خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر رومیوں کی طرف جا رہا تھا۔

"ابنِ ولید!" ——— رافع نے غضب ناک آواز میں کہا ——— "تُو حملے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ خُدا کی قسم، یہ جنگ اس اکیلے سوار کی نہیں۔"

مجاہدین اس سوار کی حیرت ناک شجاعت کو دیکھ کر جوش سے پھٹ رہے تھے اور وہ بھی حملے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

خالدؓ نے حملے کا حکم دے دیا۔

اب مجاہدینِ اسلام نے جو حملہ کیا تو یہ ایسے غضب ناک سیلاب کی مانند تھا جو بند توڑ کر آیا ہو۔ اُس ایک پُراسرار سوار نے مجاہدین کے لشکر میں قہر بھر دیا تھا۔ مجاہدین نے خالدؓ کی بتائی ہوئی ترتیب سے حملہ کیا لیکن وہ سوار اپنے لشکر سے الگ تھلگ اپنی طرز کی لڑائی لڑتا رہا۔ خالدؓ اُس تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ تو جیسے پاگل ہو چکا تھا یا وہ خودکشی کے انداز سے لڑ رہا تھا۔

ایک بار پھر وہ خالدؓ کے قریب سے گزرا۔

"رُک جا اے جان پر کھیلنے والے!" ——— خالدؓ چلائے ——— "کون ہے تو؟"

سوار نے گھوڑا ذرا روکا۔ خالدؓ کی طرف دیکھا۔ کپڑے کے نقاب سے اس کی چمکتی ہوئی آنکھیں نظر آئیں اور اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ خالدؓ نے اپنے دو محافظوں سے کہا کہ اس سوار کو گھیر کر لے آئیں ورنہ یہ مارا جائے گا۔ دیکھو، یہ تھک بھی گیا ہے۔ دونوں محافظوں نے گھوڑے دوڑا دیئے اور اُسے جا لیا۔

"کیا تُو نے سُنا نہیں سالارِ اعلیٰ نے تجھے بار بار پکارا ہے؟" ——— ایک محافظ نے اُسے کہا۔

سوار محافظوں کو چُپ چاپ دیکھتا رہا۔

"سالارِ اعلیٰ تجھ سے خفا نہیں" ——— دوسرے محافظ نے کہا ——— "آ اور اُس سے خراجِ تحسین وصول کر۔"

سوار نے ایک بار پھر گھوڑے کا رخ دشمن کی طرف کر دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ایڑ لگاتا، ایک محافظ نے اپنا گھوڑا اُس کے آگے کر دیا اور دوسرے نے اس کی لگام پکڑ لی۔ عجیب بات تھی کہ سوار نے کوئی بات نہ کی اور نقاب سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آتی رہیں۔ یہ عام سی آنکھیں نہیں تھیں۔

محافظ اُسے اپنے ساتھ لے گئے اور خالدؓ کے سامنے جا کھڑا کیا۔ اُس نے برچھی اور تلوار سے اتنے زیادہ رومیوں کو ہلاک کیا تھا کہ دونوں ہتھیار پورے کے پورے لال ہو گئے تھے اور ان سے خون بہہ کر اس سوار کے ہاتھوں تک چلا گیا تھا اور کپڑوں پر بھی چھینٹے پڑے تھے۔ خالدؓ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا تو اُس نے نظریں جُھکا لیں۔

"آنکھوں سے تُو نوعمر لڑکا لگتا ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "تُو نے اپنی شجاعت کا سکّہ میرے دل پر بٹھا دیا ہے۔ تیری قدر میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، میں تیرا چہرہ دیکھوں گا اور تُو بتا کہ تُو ہے کون؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"تُو میرا امیر ہے اور میرا سالار ہے" — سوار نے کہا — "اور تُو میرے لیے غیر مرد ہے ۔ میں تیرے سامنے اپنا چہرہ کیسے بے نقاب کر دوں ۔ جسے تُو میری شجاعت کہتا ہے یہ ایسا اشتعال اور غصہ ہے جو میرے اختیار سے باہر ہے ۔"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" — خالدؓ نے اس سوار کی بات سن کر کہا — "کس کی بیٹی ہے تو؟ کس کی بہن ہے تو؟"

"میں الازور کی بیٹی خولہ ہوں" — اُس نے جواب دیا ۔

"ضرارؓ بن الازور کی بہن!" — خالدؓ نے کہا ۔

"خُدا کی قسم!" — خولہ بنت الازور نے کہا — "میں اپنے بھائی کو رومیوں کی قید سے چھڑا کر دم لوں گی ۔"

"خوش نصیب ہے الازور جس کے گھر میں ضرارؓ جیسے بیٹے اور خولہ جیسی بیٹی نے جنم لیا ہے" — خالدؓ نے کہا — "یہ لڑائی صرف تیری نہیں بنت الازور! ہمارے ساتھ رہ اور دیکھ کہ ہم تیرے بھائی کو کس طرح رہا کراتے ہیں ۔"

اُس دَور میں عورتیں بھی اپنے خاوندوں اور بھائیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں جایا کرتی تھیں ۔ خولہ اپنے بھائی ضرارؓ کے ساتھ آئی تھیں ۔ انہیں پتہ چلا کہ اُن کے بھائی کو رومیوں نے قید کر لیا ہے تو اُنہوں نے اسے ذاتی جنگ سمجھ لیا ۔ سپہ سالار خالدؓ کی بھی پرواہ نہ کی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑیں ۔ عورتیں اور بچے دمشق کے مضافات میں تھے ۔ خولہ وہاں سے خالدؓ کے چار ہزار سواروں کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھیں ۔ جوں ہی رومی اور مسلمان آمنے سامنے آئے خولہ نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑیں ۔

خولہ نے ایسی مثال قائم کر دی جس نے مجاہدینِ اسلام کو نیا حوصلہ اور نیا ولولہ دیا ۔

○

اب مسلمانوں کی نفری بھی زیادہ ہو گئی تھی اور قیادت خالدؓ کی تھی ۔ خالدؓ کے ساتھ جو چار ہزار سوار گئے تھے وہ تازہ دم تھے ۔ اس کے علاوہ پورا لشکر ضرارؓ کے قیدی ہو جانے پر آگ بگولہ تھا ۔ رومیوں کے لیے اس حملے کو برداشت کرنا ناممکن ہو گیا ۔ اُنہوں نے جم کر لڑنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ کی چالوں اور اُن کے لشکر کے غیظ و غضب کے سامنے رومی ٹھہر نہ سکے ۔ رومیوں کی فوج چونکہ ایک منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی اس لیے اس کی پسپائی بھی منظم تھی ۔ اسے پسپا کرنے میں خالدؓ کو بہت زور لگانا پڑا ۔ رومیوں کی پسپائی سے یہ مقصد تو پورا ہو گیا کہ دمشق کے دفاعی دستے کمک اور رسد سے محروم رہے ۔ رومیوں کا یہ کمال تھا کہ وہ جو رسد ساتھ لائے تھے وہ اپنے ساتھ ہی لے جا رہے تھے ۔

اب دوسرا مقصد سامنے تھا اور وہ تھا ضرار کی رہائی ۔ اس مقصد کے لیے خالدؓ نے رومیوں کا تعاقب جاری رکھا ۔ رومی اور تیزی سے پسپا ہونے لگے ۔ خالدؓ نے ہر داؤ کھیلا مگر رومیوں نے کوئی داؤ کامیاب نہ ہونے دیا ۔ خالدؓ نے تعاقب کی رفتار کم نہ کی ۔ اُن کی کوشش یہ تھی کہ رومی کہیں رُکنے نہ پائیں ۔ خالدؓ خود پیچھے رہ گئے ۔

یہ بہن کا ایثار تھا جو اللہ نے قبول کیا اور یہ ضرارؓ کا عشقِ رسولؐ تھا جو اللہ کو اچھا لگا ۔ ضرارؓ کی سرفروشی کو اللہ نے نظر انداز نہ کیا ۔ پتہ چلا کہ ضرارؓ رومیوں کی قید میں زندہ ہیں ۔ یہ خبر دینے والے دو عربی تھے جو اس

علاقے میں آکر آباد ہوتے تھے ۔ خالدؓ کے دو چار سوار چھوٹی سی ایک بستی کے قریب سے گزرتے رُک گئے ۔ وہ پانی پینا چاہتے تھے ۔ بستی کے لوگ اس خیال سے خوفزدہ ہو گئے کہ یہ فاتح فوج کے آدمی ہیں اس لیے یہ لوٹ مار کریں گے اور جوان لڑکیوں پر ہاتھ ڈالیں گے ۔ آبادی میں طرلونگ سی مچ گئی ۔ دو آدمی مسلمان سواروں کے پاس آئے ۔

"ہم بھی عرب کے باشندے ہیں" — اُنہوں نے سواروں سے کہا — "ہم مسلمان تو نہیں پھر بھی عرب کی مٹی کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہماری خاطر اس بستی پر ہاتھ نہ اٹھائیں ۔"

"تم نہ کہتے تو بھی ہم اس بستی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے" — ایک مسلمان سوار نے کہا — "ان لوگوں سے کہو کہ ہم سے نہ ڈریں ۔ ہم تم سب کے محافظ ہیں ۔ ہم پانی پی کر چلے جائیں گے ۔"

دونوں عربوں نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ وہ ڈریں نہیں اور اپنے گھروں میں رہیں ۔ ان عربوں نے سواروں کو اور اُن کے گھوڑوں کو پانی پلایا اور اس دوران وہ سواروں کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے ۔ باتوں باتوں میں ان عربوں نے سواروں کو بتایا کہ ایک گھوڑے پر رومیوں نے ایک آدمی کو باندھ رکھا تھا ۔ اُس کا سر ننگا تھا اور اُس کی قمیص بھی نہیں تھی اور اُس کے ایک بازو پر پٹیاں بندھی ہُوئی تھیں ۔

"اُسے اُنہوں نے یہاں پانی پلانے کے لیے روکا تھا" — ایک عرب نے بتایا — "وہ تمہارا ساتھی معلوم ہوتا تھا ۔"

مسلمان سواروں کو شک نہ رہا ۔ یہ ضرارؓ تھے ۔ سواروں نے ان عربوں سے مزید معلومات لیں ۔ ضرارؓ کے ساتھ تقریباً ایک سو رومی تھے ۔ وہ رومی لشکر کی پسپائی سے بہت پہلے وہاں سے گزرے تھے اور وہ حمص کی طرف جا رہے تھے ۔

مسلمان سواروں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ وہ پیچھے جا کر سپہ سالار کو ضرارؓ بن الازور کے متعلق یہ اطلاع دے ۔

○

"الحمد للہ!" — خالدؓ نے یہ خبر سن کر کہا — "ضرار زندہ ہے اور وہ زندہ رہے گا ۔ اُنہوں نے اسے قتل کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے ۔ وہ اُسے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا رہے ہیں .... ابن عمیرہ کو بلاؤ ۔"

رافع ابن عمیرہ آئے تو خالدؓ نے انہیں ضرارؓ کے متعلق جو اطلاع ملی تھی، پوری سنا کر کہا کہ وہ ایک سو سوار چن لیں جو جان پر کھیلنے والے شہسوار ہوں ۔ انہیں ساتھ لے کر حمص کی طرف ایسا راستہ اختیار کریں جو راستہ نہ ہو ۔ مطلب یہ تھا کہ راستہ چھوٹا کر کے حمص کی طرف جائیں اور اُن ایک سو رومیوں کو روکیں اور ابن الازور کو رہا کرائیں ۔

رافع جب سواروں کا انتخاب کر رہے تھے تو ضرارؓ کی بہن کو پتہ چل گیا کہ رافع ضرارؓ کو آزاد کرانے کے لیے جا رہے ہیں ۔ وہ رافع کے پاس دوڑی گئیں اور کہنے لگیں کہ وہ بھی اُن کے ساتھ جائیں گی ۔

"نہیں بنت الازور!" — رافع نے کہا — "خدا کی قسم، جو کام ہمارا ہے وہ ہم ایک عورت سے نہیں کرائیں گے ۔ تجھے تیرا بھائی چاہیے ۔ وہ تمہیں مل جائے گا ۔ نہیں ملے گا تو ہم بھی واپس نہیں آئیں گے ۔"

"میں اگر سپہ سالار سے اجازت لے لوں!"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ابنِ ولید تجھے اجازت نہیں دے گا الازور کی بیٹی!" ـــــ رافع نے کہا۔

خولہ مایوس ہوگئیں۔

رافع چنے ہوئے ایک سو سواروں کے ساتھ بڑی عجلت سے روانہ ہوگئے۔ انہوں نے حمص کی طرف جانے والے راستے کا اندازہ کرلیا تھا۔ وہ اس راستے سے دُور دُور تیز رفتار سے گھوڑے دوڑاتے گئے۔ وہ زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے کہ ایک طرف سے ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آرہا تھا۔ وہ رومی نہیں ہوسکتا تھا۔ رومی ہوتا تو اکیلا نہ ہوتا۔ وہ خالدؓ کا قاصد ہوسکتا تھا۔ کوئی نیا حکم لایا ہوگا۔ وہ قریب آیا تو اُس کا سبز عمامہ اور چہرے پر کپڑے کا نقاب نظر آیا۔

"ابنِ عمیرہ!" ـــــ سوار نے للکار کر کہا ـــــ "اپنے بھائی کو آزاد کرانے کے لیے میں آگئی ہوں۔"

"کیا سپہ سالار نے تجھے اجازت دے دی ہے؟" ـــــ رافع نے پوچھا۔

"اپنے بھائی کو قید سے چھڑانے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں" ـــــ خولہ بنت الازور نے کہا ـــــ "اگر تو مجھے اپنے سواروں میں شامل نہیں ہونے دے گا تو میں اکیلی آگے جاؤں گی۔"

"خدا کی قسم بنت الازور!" ـــــ رافع نے کہا ـــــ "میں تجھے اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ آ ہمارے ساتھ چل۔"

یہ جواں سال عورت ساتھ چل پڑی۔

٥

ایک سو رومی سوار ضرار بن الازور کو گھوڑے پر اس حالت میں بٹھائے لے جارہے تھے کہ اُن کے ہاتھ رسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور پاؤں اس طرح بندھے تھے کہ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے سے رسی گزار کر دونوں ٹخنوں سے بندھی ہوئی تھی۔ رومی اُن پر پھبتیاں کستے اور اُن کا مذاق اڑاتے جارہے تھے اور ضرارؓ چپ چاپ سنتے جارہے تھے۔

ایک جگہ راستہ نشیب میں چلا جاتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں علاقہ کھڈوں کا تھا۔ جب رومی اس نشیب میں سے گزر رہے تھے تو اچانک دائیں، بائیں، آگے اور پیچھے سے رافع کے سواروں نے اُن پر ہلّہ بول دیا۔ رومیوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ اس طرح جارہے تھے جیسے میلے پر جارہے ہوں۔

ضرارؓ کی بہن خولہ نے اپنے بھائی کو دیکھا تو اُس نے رومیوں پر اسی طرح حملے شروع کر دیئے جس طرح وہ پوری رومی فوج پر کر چکی تھی۔ رافع بھی ایسے ہی جوش میں تھے۔ اُن کے سوار ہزاروں میں سے چُنے ہوتے تھے۔ انہوں نے رومیوں کا ایسا بُرا حال کر دیا کہ اُن میں سے جو مرے نہیں یا زخمی نہیں ہوئے تھے، بھاگ اُٹھے۔

خطرہ یہ تھا کہ رومی ضرارؓ کو قتل کر دیں گے۔ اُن کی بہن تلوار اور برچھی چلاتی ضرارؓ تک پہنچ گئی۔ رومیوں نے اُن کی یہ کوشش کامیاب نہ ہونے دی لیکن رافع نے ایسا ہلّہ بولا کہ رومی سوار بکھر گئے پھر فرداً فرداً بھاگ اُٹھے۔ سب سے پہلے ضرارؓ نے رافع سے ہاتھ ملایا اور جب بہن بھائی ملے تو وہ منظر رقت انگیز بھی تھا اور دلولہ انگیز بھی۔ بہن اپنے بھائی کے زخم دیکھنے کو بیتاب تھی۔

بعض مؤرخوں نے خولہ کے یہ الفاظ لکھے ہیں ـــــ "میرے عزیز بھائی! میرے دل کی تپش دیکھ کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے۔"

"اپنے زخم دکھاؤ ضرار!" ـــــ بہن نے بیتابی سے کہا۔

"مت دیکھو خولہ!" ـــــ ضرارؓ نے بہن سے کہا ـــــ "اور یہ زخم مجھے بھی نہ دیکھنے دو۔ یہ زخم دیکھنے کا وقت نہیں" ـــــ ضرارؓ نے رافع اور اُن کے سواروں سے کہا ـــــ "چلو دوستو! رومی کہاں ہیں؟ دمشق کے محاصرے کا کیا بنا؟"

رومی لڑ بھی رہے تھے اور پسپا بھی ہو رہے تھے۔ یہ ان کی تنظیم بھی تھی اور جرأت بھی کہ وہ بھاگ نہیں رہے تھے۔ ایک ایسی جگہ آگئی جس کے دونوں طرف چٹانیں اور کچھ بلند ٹیکریاں تھیں۔ رومی لشکر کو سکڑنا پڑا۔ خالدؓ نے اپنے دونوں پہلوؤں کے سالاروں سے کہا کہ وہ چٹانوں کی دوسری اطراف میں نکل جائیں اور سرپٹ رفتار سے رومیوں کے عقب میں چلے جائیں۔

رومی نہ دیکھ سکے کہ چٹانوں کے پیچھے سے اُن پر کیا آفت ٹوٹنے والی ہے۔ خالدؓ نے تعاقب کی رفتار کم کر دی۔ رومی سمجھے ہوں گے کہ مسلمان تھک گئے ہیں۔ اُنہوں نے پسپائی روک لی۔ خالدؓ نے اپنے دستوں کو روک لیا۔

اچانک عقب سے رومیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ سامنے سے خالدؓ نے شدید حملہ کر دیا۔ رومیوں کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ گھوڑوں کو چٹانوں اور ٹیکریوں پر چڑھا لے گئے اور دوسری طرف اُتر کر بھاگنے لگے۔ توقع تھی کہ رومی رسد وغیرہ کا جو ذخیرہ ساتھ لا رہے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا لیکن رومیوں نے گڈاگاڑیوں اور اونٹوں کو پہلے ہی حمص کو روانہ کر دیا تھا۔

حمص کی طرف جانے والی رہگذر پر رومیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ زخمی تڑپ اور کراہ رہے تھے۔ ان کے گھوڑے اِدھر اُدھر آوارہ پھر رہے تھے۔ مجاہدین نے حکم ملتے ہی اپنے ساتھیوں کی لاشیں اور زخمیوں کو اٹھانا، زخمی اور مرے ہوئے رومیوں کے ہتھیاروں کو اکٹھا اور اُن کے گھوڑوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔

"کاش! میرے پیچھے دمشق نہ ہوتا" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "میں دشمن کے ایک آدمی کو بھی حمص تک نہ پہنچنے دیتا۔"

خالدؓ نے تعاقب ترک کر دیا لیکن اس خطرے کے پیشِ نظر کہ رومی کہیں اکٹھے یا حمص سے کمک منگوا کر واپس نہ آجائیں، اپنے ایک سالار سمط بن الاسود کو بلایا۔

"ایک ہزار سوار اپنے ساتھ لو اور رومیوں کے پیچھے جاؤ" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "انہیں کہیں اکٹھے نہ ہونے دینا۔ جنگی قیدی نہیں لینے۔ جو سامنے آئے اُسے ختم کرو۔ فوراً روانہ ہوجاؤ۔"

"ولید کے بیٹے!" ـــــ خالدؓ کو کسی کی پکار سنائی دی۔

"وہ آگیا میرا ننگا جنگجو!" ـــــ خالدؓ نے ضرارؓ کو آتے دیکھ کر نعرہ لگایا۔

ضرار کو اپنے زخموں کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ وہ گھوڑے سے کُود کر اُترے۔ خالدؓ بھی گھوڑے سے اُترے اور تاریخِ اسلام کے دو عظیم مجاہد ایک دوسرے کے بازوؤں میں جکڑے گئے۔ خولہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اُس کا چہرہ نقاب میں تھا۔ صرف آنکھیں نظر آتی تھیں جن کی چمک اور زیادہ روشن ہوگئی تھی۔

"خدا کی قسم ابن الازور!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "تیری بہن نے تیری خاطر میرا بھی منہ پھیر دیا تھا۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"اس بہن پر اللہ کی رحمت ہو" ــــ ضرار نے کہا ــــ "تو مجھے بتا میں کیا کروں"۔

"کیا تو محسوس نہیں کر رہا کہ تجھے ابھی آرام کرنا چاہیئے؟" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "پہلے جرّاح کے پاس جا اور اُسے اپنے زخم دکھا"۔

ضرار بن الازور جرّاح کے پاس چلے تو گئے لیکن پٹیاں بندھوا کر آ گئے۔

○

سالار سمط بن الاسود رومیوں کے تعاقب میں گئے۔ رومی بُری طرح بھاگے جا رہے تھے۔ اُن کی آدھی نفری تو لڑائی اور پسپائی میں ختم ہو گئی تھی اور باقی نصف بکھر گئی تھی۔ سمط جب حمص کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ رومی حمص کے قلعے میں داخل ہوتے جا رہے ہیں۔ اُس دور میں حمص ایک قلعہ بند قصبہ ہُوا کرتا تھا۔

سمط وہاں جا کر رُک گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے اندر کتنی فوج ہے، پھر بھی انہوں نے اپنے ہزار سواروں کو قلعے کے اردگرد اس انداز سے دوڑایا جیسے وہ محاصرہ کرنا یا قلعے پر حملہ کرنا چاہتے ہوں۔

قلعے کا دروازہ کھُلا اور تین چار آدمی جو فوجی نہیں تھے، باہر آئے۔ وہ رومی نہیں مقامی باشندے تھے۔ سالار سمط بن الاسود نے انہیں اپنے پاس بلایا۔

"کیوں آئے ہو؟" ــــ سمط نے پوچھا۔

"امن اور دوستی کا پیغام لے کر آئے ہیں" ــــ ایک نے کہا ــــ "رومی مزید لڑائی نہیں چاہتے"۔

"کیا تمہارا شہنشاہ ہرقل بھی مزید لڑائی نہیں چاہتا؟" ــــ سمط نے پوچھا۔

"ہم شہنشاہِ روم کی ترجمانی نہیں کر سکتے" ــــ حمص کے ایک شہری نے کہا ــــ "ہم یہ پیغام لائے ہیں کہ حمص والے نہیں لڑنا چاہتے۔ آپ جس قدر سامانِ خورد و نوش چاہتے ہیں ہم سے لے لیں۔ آپ جتنے دن بھی یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں کریں۔ آپ کی فوج اور گھوڑوں کو خوراک ہم مہیا کریں گے"۔

کسی بھی تاریخ میں نہیں لکھا کہ سالار سمط نے حمص میں رومیوں سے صلح کی کیا شرائط منوائی تھیں۔ وہ واپس آ گئے۔ خالدؓ اپنے لشکر کے ساتھ دمشق جا چکے تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ جب دمشق پہنچے تو شہر کے اندر مایوسی اور خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔

شہر والوں کو پہلے یہ اطلاع ملی تھی کہ انطاکیہ سے کمک اور رسد آ رہی ہے۔ اب انہیں اطلاع ملی کہ کمک کو مسلمانوں نے راستے میں ختم کر دیا ہے۔ دمشق میں رومی سالار تُوما تھا جو شہنشاہِ ہرقل کا داماد تھا۔ چند ایک شہری وفد کی صورت میں توما کے پاس گئے۔

"کیا آپ کو کسی نے بتایا ہے کہ شہر میں لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں؟" ــــ ایک شہری نے کہا۔

"کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ یہ بُزدلی ہے؟" ــــ توما نے کہا ــــ "ہم نے ابھی محاصرہ توڑنے کی کارروائی کی ہی نہیں۔ کیا تم لوگ مجھے یہ مشورہ دینے آئے ہو کہ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دوں؟"

"ہم سالارِ معظم کو شہر کی صورتِ حال بتانے آئے ہیں" ــــ وفد کے ایک اور آدمی نے کہا ــــ "شہر کے لوگ یہ سن کر ہراساں ہیں کہ جس فوج نے محاصرہ بھی کر رکھا ہے اور ہماری کمک کو بھی ختم کر دیا ہے، وہ اس شہر میں بھی داخل ہو جائے گی پھر گھر ہمارے لُوٹے جائیں گے، بچے ہمارے کچلے جائیں گے اور لڑکیاں ہماری اُٹھائی جائیں گی"۔

"ہم یہاں تک نوبت نہیں آنے دیں گے" ــــ سالار تُوما نے کہا۔

"سالارِ معظم!" ــــ ایک اور شہری نے کہا ــــ "آپ کو یقیناً معلوم ہو گا کہ نوبت کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ شہر میں خوراک اتنی کم رہ گئی ہے کہ لوگوں نے دوسرے وقت کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ دو تین دنوں بعد صرف پانی رہ جائے گا۔ غور کریں۔ لوگ فاقہ کشی سے تنگ آ کر بغاوت بھی کر سکتے ہیں۔ یہ صورت سلطنتِ روم کے لیے اچھی نہیں ہو گی"۔

"کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ بغاوت کی سزا کیا ہے؟" ــــ تُوما نے شاہی رعب سے کہا۔

"ہم جانتے ہیں سالارِ عالی!" ــــ وفد کے ایک آدمی نے کہا ــــ "ہم آپ کو قحط اور اس سے پیدا ہونے والی بغاوت کے نتائج بتانے آئے ہیں۔ کیا اس تباہی سے اور لوگوں کو بھوکا مارنے سے بہتر نہ ہو گا کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیں؟"

"دشمن سے صلح کا مطلب ہوتا ہے ہتھیار ڈالنا" ــــ تُوما نے کہا ــــ "میں لڑے بغیر کوئی ایسا فیصلہ نہیں کروں گا جو روم کی عظیم سلطنت کی توہین کا باعث ہو۔ ہم اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور تم لوگ ایک وقت کی بھوک برداشت نہیں کر سکتے ... جاؤ، کل تک انتظار کرو"۔

○

وہ ستمبر ۶۳۴ء کے تیسرے ہفتے کی ایک صبح تھی۔ رومی سالار تُوما نے شہر کے ہر دروازے کی حفاظت کے لیے جو دستے متعین کیے ہُوئے تھے، ان سب میں سے زیادہ سے زیادہ نفری نکال کر اکٹھی کی اور وہ دروازہ کھُلوایا جو اُس کے اپنے نام سے موسوم تھا ــــ باب توما ــــ اور اپنی قیادت میں مسلمانوں کے اُس دستے پر حملہ کر دیا جو اِس دروازے کے سامنے متعین تھا۔

یہ پانچ ہزار مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کے سالار شرحبیلؓ بن حسنہ تھے۔ تُوما کے حملے کا انداز آج کے دَور کی جنگ کا سا تھا۔ اُس نے دیوار اور بُرجوں سے مسلمانوں پر تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کیں اور اس کے ساتھ فلاخنوں سے سنگ باری کی۔ تیروں اور پتھروں کے سائے میں تُوما نے اپنی فوج کو تیز حملے کے لیے آگے بڑھایا تھا۔ یہ طریقہ کارگر تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹنے پر مجبور نظر آنے لگے تھے اور اُن کا دھیان تیروں اور پتھروں سے بچنے پر لگ گیا تھا۔

"کوئی پیچھے نہیں ہٹے گا" ــــ سالار شرحبیلؓ نے چلّا کر کہا ــــ "تمام تیر انداز آگے ہو جاؤ"۔

مسلمان تیر اندازوں نے جوابی تیر اندازی شروع کر دی۔ رومیوں کے پتھر اور تیر چونکہ اوپر سے آ رہے تھے اور زیادہ بھی تھے اس لیے مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہو رہا تھا۔ پہلی بوچھاڑوں میں کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ ان کے تیروں نے رومیوں کا کچھ نقصان کیا لیکن یہ مسلمانوں کے مقابلے میں کم تھا۔

مؤرخ واقدی، طبری اور ابو سعید نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ رومی تیروں سے شہید ہونے والوں میں ایک مجاہد ابان بن سعید بھی تھے جن کا پورا نام ابان بن سعید بن العاصؓ تھا۔ فوراً ہی ابان کی شہادت کی خبر پیچھے اُن خیموں تک پہنچ گئی جن میں مسلمانوں کی خواتین اور بچے تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ابان بن سعید کی بیوی بھی وہیں تھی۔ ان کی شادی ہوئے چند ہی دن گزرے تھے۔ یہ خاتون لشکر کے ساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کے فرائض کے لیے آئی تھیں اور محاذ پر ہی اُسے ابان شہید نے اپنے عقد میں لے لیا۔ کسی بھی مؤرخ نے اس خاتون کا نام نہیں لکھا۔ اُسے پتہ چلا کہ اُس کا خاوند شہید ہو گیا ہے تو وہ اُٹھ دوڑی اور شرجیلؓ کے دستے میں جا پہنچی۔

"کہاں ہے میرے خاوند کی لاش؟" ——— وہ چلّانے لگی۔ "کہاں ہے سعید کے بیٹے کی لاش؟"

پانچ ہزار گھوڑ سواروں میں جن پر تیر اور پتھر برس رہے تھے، ابان بن سعید شہید کی بیوہ دوڑتی اور شہید کی لاش کا پوچھتی پھرتی تھی۔ کسی نے اُسے پیچھے جانے کو کہا اور یہ بھی کہ اُس کے خاوند کی لاش اُس کے پاس بھیج دی جائے گی لیکن وہ توصدمے سے جیسے دماغی توازن کھو بیٹھی تھی۔

کسی نے اُسے وہ جگہ دکھا دی جہاں ابان کی لاش پڑی تھی۔ ابھی لاشیں نہیں اٹھائی جا سکتی تھیں۔ ابان تیر انداز تھے۔ اُن کے جسم میں تین تیر اُترے ہوئے تھے اور وہ گھوڑے سے گر پڑے تھے۔ اُن کی کمان لاش کے قریب پڑی ہوئی اور ترکش میں ابھی کئی تیر موجود تھے۔ ان کی بیوی نے کمان اور ترکش اٹھائی اور دوڑ کر تیر اندازوں کی صف میں جا پہنچی۔

سامنے دیوار پر ایک پادری کھڑا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں بڑے سائز کی صلیب تھی جو اُس نے اُوپر کر رکھی تھی۔ یہ اُس دَور کا رواج تھا کہ صلیب فوج کے ساتھ رکھتے تھے تاکہ فوج کا یہ احساس زندہ رہے کہ وہ صلیب کی ناموس کی خاطر لڑ رہے ہیں۔

ابان شہید کی بیوہ اپنے تیر اندازوں سے آگے نکل گئی۔ اُس کے قریب تیر گرنے اور زمین میں اُترنے لگے۔ اپنے تیر اندازوں نے اُسے پیچھے آنے کو کہا لیکن وہ کسی کی سن ہی نہیں رہی تھی۔ اُس کی بے خوفی خولہ بنت الازور جیسی تھی۔ وہ جوں جوں آگے کو سرکتی جا رہی تھی، اُس کے قریب رومیوں کے آتے ہوئے تیر زمین پر کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک تیر اُس کے پہلو میں کپڑوں میں لگا اور وہیں لٹک گیا۔ یہ تیر بھی اُسے آگے بڑھنے سے روک نہ سکا۔

آخر وہ رُک گئی اور اُس نے کمان میں تیر ڈالا اور کمان سامنے کر کے شست باندھنے کچھ دیر لگائی۔ اُس نے کمان اتنی زیادہ کھینچ لی جتنی ایک تندرست مرد کھینچ سکتا ہے اور اس نے تیر چھوڑ دیا۔ اُس کا تیر رومی تیروں کی بوچھاڑوں کو چیرتا ہُوا اُس پادری کی گردن میں اُتر گیا جس نے صلیب کو تھام رکھا تھا۔ پہلے اُس کے ہاتھ سے صلیب گری اور لڑھکتی ہوئی باہر آ پڑی۔ پادری بھی پیچھے یا دائیں بائیں گرنے کی بجائے دیوار پر گرا اور صلیب کے پیچھے پیچھے باہر کی طرف آ پڑا۔

ابان شہید کی بیوہ نے نعرہ لگایا اور پیچھے آ گئی ——— "میں نے انتقام لے لیا ہے.... سہاگ کے بدلے صلیب گرادی ہے" ——— وہ تیر اندازوں سے آملی اور تیر چلاتی رہی صلیب اور پادری کے گرنے کا اثر مسلمانوں پر یہ ہُوا کہ ان کا حوصلہ بڑھ گیا اور اُن کا حوصلہ اس لیے بھی بڑھا کہ یہ تیر ایک عورت نے چلایا تھا۔ صلیب کے گرنے کا اثر جو رومیوں پر ہُوا وہ اُن کے لڑنے کے جذبے کے لیے اچھا نہ تھا۔

○

دروازہ ——— باب توما ——— کھُل چکا تھا۔ توما نے دیکھ لیا تھا کہ اُس کی تیر اندازی اور سنگ باری نے مسلمانوں کی حالت کمزور کر دی ہے۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُس نے سواروں کے مقابلے میں سوار نہ نکالے۔ اس نے پیادوں سے حملہ کرایا اور کمان خود باہر آکر کی۔ وہ سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ مؤرخ واقدی اور بلاذری نے لکھا ہے کہ توما کی آواز ایسی تھی جیسے اونٹ بدمستی کی حالت میں بڑی بلند اور غصیلی آوازیں نکالتا ہے۔

شرجیلؓ نے بڑی تیزی سے اپنے سواروں کو آمنے سامنے کی لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ تُوما نے یہ چال چلی کہ اپنے دستوں کو پھیلا دیا۔ اس کی فوج کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اُس کے پیادے سواروں کا مقابلہ بڑی بے جگری اور مہارت سے کر رہے تھے۔ شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے مسلمانوں کے جو دستے متعین تھے وہ اس وجہ سے شرجیلؓ کی مدد کو نہیں آرہے تھے کہ ایسا ہی حملہ دوسرے دروازوں سے بھی ہو سکتا تھا۔

توما گرج اور دھاڑ رہا تھا۔ اُسے مسلمانوں کا پرچم نظر آ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمانوں کا سالار وہاں ہے۔ وہ سیدھا اِدھر آیا۔ شرجیلؓ نے اُسے دیکھ لیا اور تلوار سونت کر اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

دونوں نے ایک دوسرے کو للکارا۔ اُن میں دس بارہ قدم فاصلہ رہ گیا ہوگا کہ ایک تیر تُوما کی دائیں آنکھ میں اُتر گیا۔ اُس نے ہاتھ اُس آنکھ پر رکھ لیے اور وہ بیٹھ گیا۔ شرجیلؓ نے آگے بڑھ کر اُس پر حملہ نہ کیا۔ توما کے محافظوں نے اُس کے گرد حصار بنا لیا پھر اسے اُٹھا کر لے گئے۔

مؤرخوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یہ تیر ابان بن سعید شہید کی بیوہ نے چلایا تھا۔

اپنے سالار کے گرنے سے رومیوں کا حوصلہ بھی گر پڑا اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ شرجیلؓ کے پہلوؤں والے تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑیں مارنی شروع کر دیں۔ رومی تیزی سے پیچھے ہٹے اور قلعے کے دروازے میں غائب ہوتے چلے گئے اور پیچھے جو لاشیں چھوڑ گئے ان کا کوئی حساب نہ تھا۔

"رومیوں کا سپہ سالار مارا گیا ہے" ——— مسلمانوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے ——— "ہم رومیوں کے قاتل ہیں.... رومی سالار کو ایک عورت نے مار ڈالا ہے.... تُوما رومی کو اندھا کر کے مارا ہے.... باہر آؤ رومیو! اپنی صلیب اور پادری کو اٹھا لے جاؤ۔"

دیوار پر کھڑے رومی یہ نعرے سن رہے تھے اور یہ نعرے شہر کے اندر بھی سنائی دے رہے تھے۔ یہ نعرے رومی فوج اور دمشق کے شہریوں کے حوصلے اور جذبے کے لیے تیروں کی طرح مہلک تھے۔

مسلمانوں کا جانی نقصان بھی کچھ کم نہیں تھا۔ بہت سے مجاہدین رومیوں کے تیروں اور پتھروں سے شہید اور زخمی ہو گئے، پھر اتنی تعداد لڑائی میں شہید ہوئی۔ شرجیلؓ پریشان سے ہو گئے اور خالدؓ کے پاس گئے۔

○

شرجیلؓ بن حسنہ نے خالدؓ کو لڑائی کی ساری روئیداد سنائی اور یہ بھی بتایا کہ رومی سپہ سالار تُوما اگر مرا نہیں تو وہ لڑائی کے لیے ناکارہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اُن کی کتنی نفری شہید اور کتنی زخمی ہو گئی ہے۔

"اگر رومیوں نے ایسا ہی ایک اور حملہ کیا تو شاید ہم نہ روک سکیں" ——— شرجیلؓ نے خالدؓ سے کہا ——— "مجھے کمک کی ضرورت ہے۔"

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

"حسنہ کے بیٹے!" — خالدؓ نے کہا — "ایسا حملہ کسی اور دروازے سے ہم میں سے کسی اور پر بھی ہو سکتا ہے۔ کسی بھی دستے کی نفری کم نہیں کی جا سکتی.... ابن حسنہ! خدا کی قسم، تُو ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھا۔ کیا اپنے اتنے زیادہ ساتھیوں کے خون نے تیرا حوصلہ کمزور کر دیا ہے؟"

"نہیں ابن ولید!" — شرجیلؓ نے کہا — "اگر مجبوری ہے تو میں ایک آدمی کی بھی کمک نہیں مانگوں گا۔"

"میں تجھے تنہا نہیں چھوڑوں گا" — خالدؓ نے کہا — "تجھ پہ حملہ ہوا تو ہم دیکھتے رہیں گے۔ اگر حملہ تیری برداشت سے باہر ہوا تو ضرارؓ تیری مدد کو پہنچے گا۔ پھر بھی ضرورت پڑی تو میں بھی آجاؤں گا.... تیرے پاس جتنی بھی نفری رہ گئی ہے اسے تیار رکھ۔ رومیوں کے سالار کو اگر آنکھ میں تیر لگا ہے تو ایک دو دن رومی باہر آکر حملہ نہیں کریں گے۔"

خالدؓ کی رائے صحیح نہیں تھی۔ تُوما نے ایک معجزہ کر دکھایا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں جنگجو تھا۔ چونکہ وہ شاہی خاندان کا فرد تھا اس لیے سلطنتِ روم کی جو محبت اُس کے دل میں تھی وہ قدرتی تھی۔ بعد میں پتہ چلا تھا کہ اُس کی آنکھ میں تیر لگا تو اُسے اٹھا کر اندر لے گئے۔ جرّاح نے دیکھا کہ تیر اتنا زیادہ نہیں اُترا کہ توما کی ہلاکت کا باعث بن جاتے۔ کھوپڑی کی ہڈی کو تیر نے مجروح نہیں کیا تھا۔ یہ صرف آنکھ میں اُترا لیکن نکالا نہیں جا سکتا تھا۔

"کاٹ دو اسے!" — توما نے جرّاح سے کہا — "باقی اندر ہی رہنے دو اور اس آنکھ پر پٹی باندھ دو۔ دوسری آنکھ پر پٹی نہ آئے۔ میں آج رات ایک اور حملہ کروں گا۔"

"سالارِ عالی!" — جرّاح نے کہا — "کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ آپ لڑائی کے قابل نہیں۔"

"اِس ایک آنکھ کے بدلے مسلمانوں کی ایک ہزار آنکھیں ضائع کروں گا" — توما نے کہا — "میں انہیں صرف شکست نہیں دوں گا۔ میں ان کے وطن عرب تک ان کا تعاقب کروں گا۔ میں اپنے کام کو اُس وقت مکمل سمجھوں گا جب ان کے ملک کو اس قابل رہنے دوں گا کہ وہاں صرف جانور رہ جائیں گے۔"

تُوما کے یہ الفاظ متعدد مؤرخوں نے لکھے ہیں اور واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے ان میں یورپی تاریخ دان ہنری سمتھ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان سب کی تحریروں کے مطابق تُوما کے حکم سے جرّاح نے تیر آنکھ کے قریب سے کاٹ دیا اور اوپر پٹی کس کر باندھ دی۔ یہ جذبے اور عزم کی پختگی کا کرشمہ تھا کہ توما نے اتنے شدید زخم کو برداشت کر لیا اور حکم دیا کہ آج ہی رات باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے گا۔

"اتنی ہی فوج باب توما کے سامنے اکٹھی کی جائے جتنی میں دن کے حملے میں لے گیا تھا" — تُوما نے حکم دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

چلتے چلتے اس نے شراب پی اور ہتھیار بند ہو کر باہر نکل گیا۔

○

اُن راتوں کو چاند پورا ہوتا تھا۔ فضا صاف رہتی تھی اس لیے چاندنی شفاف ہوتی تھی۔ تُوما نے بڑا اچھا طریقہ اختیار کیا۔ اُس نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو حکم دیا کہ تین اور دروازوں — باب صغیر، باب شرق اور باب جابیہ — سے باہر جا کر مسلمانوں پر اس طرح حملے کریں کہ اپنے آپ کو لڑائی میں زیادہ نہ الجھائیں بلکہ انہیں اپنے ساتھ لڑائی میں مصروف رکھیں۔ وہ خود بڑا حملہ باب توما سے کر رہا تھا۔ دوسرے دروازوں سے حملے کرانے سے اُس کا مطلب یہ تھا کہ شرجیلؓ کو کسی طرف سے

مدد نہ مل سکے۔

"تمہارا دشمن اس وقت حملے کی توقع نہیں رکھتا ہوگا" — تُوما نے اپنے نائب سالاروں سے کہا — "تم انہیں سوتے میں دبوچ لو گے۔"

توما کی فوج چار دروازوں سے باہر نکلی۔ وقت آدھی رات کا تھا۔ چاندنی اتنی صاف تھی کہ اپنے پرائے کو پہچانا جا سکتا تھا۔ مسلمانوں پر چار جگہوں سے حملے ہوئے۔ ایک دروازے کے سامنے سالار ابُوعبیدہؓ تھے، دوسرے کے سامنے یزید بن ابوسفیان تھے۔ ابوعبیدہؓ نے رومیوں کو جلدی بھگا دیا اور رومی قلعے میں واپس چلے گئے۔

یزید بن ابوسفیان کی حالت کمزور سی ہوگئی۔ رومیوں نے اُن پر بڑا ہی شدید ہلّہ بولا تھا۔ یزید نے مقابلہ تو کیا لیکن رومی ان پر حاوی ہوتے جا رہے تھے۔ ضرارؓ بن الازور مدد دینے کے کام پر مامور تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ یزید کو مدد کی ضرورت ہے تو وہ دو ہزار سوار اور پیادہ مجاہدین کے ساتھ یزید کے پاس پہنچ گئے۔ ضرارؓ کی جسمانی حالت لڑنے کے قابل نہیں تھی۔ اُن کے بازو میں تیر لگا تھا اور جسم پر دو تین اور گہرے زخم تھے۔ پھر بھی وہ میدانِ جنگ میں موجود تھے اور ان کی برچھی پورا کام کر رہی تھی۔

ضرار نے اپنی اور یزید کی فوج کو ملا کر حملے کا حکم دیا۔ یہ بڑا ہی شدید حملہ تھا۔ رومیوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ قلعے میں واپس چلے گئے۔ اُن کی لاشیں اور زخمی پیچھے رہ گئے۔

تیسرے دروازے کے سامنے رافع بن عمیرہ کے دستے تھے۔ ان پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا اور رافع کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔ مسلمان بڑی بے خوفی سے لڑ رہے تھے لیکن رومیوں کا دباؤ بڑا سخت تھا۔ اتفاق سے خالدؓ نے دیکھ لیا اور وہ چار سو سواروں کو ساتھ لے کر رافع کے پاس پہنچے۔

"میں فارسِ جلیل ہوں" — خالدؓ نے نعرہ لگایا — "میں خالدؓ ابن ولید ہوں۔"

خالدؓ نے رومیوں پر صرف چار سو سواروں سے حملہ کر دیا۔ رومی جو رافع کے دستوں پر غلبہ پا رہے تھے، پیچھے کو دوڑ پڑے اور دروازے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔

اصل لڑائی تو باب توما کے سامنے ہو رہی تھی۔ توما نے خود وہاں حملہ کیا تھا۔ شرجیلؓ کی نفری تھوڑی تھی۔ مجاہدین کی تعداد کم رہ گئی تھی اور وہ دن کی لڑائی کے تھکے ہوئے بھی تھے۔ شرجیلؓ نے اب بھی پہلو کے تیر اندازوں کو استعمال کیا۔ رومی تیر کھا کھا کر گرتے تھے لیکن حملے کے لیے بڑھے آرہے تھے۔ شرجیلؓ نے دن کے حملے میں توما کی گرجدار آواز سنی تھی۔ اُنہوں نے رات کو بھی اسی آواز کی للکار سنی تو وہ حیران رہ گئے کہ توما حملے کی قیادت کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رومی تیروں کی بوچھاڑوں میں بھی بڑھے آرہے تھے۔

چاندنی رات میں دونوں فوجوں کی بڑی سخت ٹکر ہوئی۔ شرجیلؓ کے مجاہدین نے حملہ روک لیا اور بڑی خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ لڑائی کم و بیش دو گھنٹے جاری رہی اور دونوں فوجوں کے آدمی گرتے رہے۔ شرجیلؓ کو کسی طرف سے بھی مدد ملنے کی توقع نہیں تھی۔

○

لڑائی شدت اختیار کرتی گئی۔ شرجیلؓ کو تُوما کی آواز حیران کر رہی تھی اور تُوما شرجیلؓ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اُس کی دلیری غیر معمولی تھی۔ اُسے چاندنی میں مسلمانوں کا پرچم نظر آگیا اور وہ شرجیلؓ کو للکار کر اُن کی طرف

بڑھا۔ شرحبیلؓ اُس کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

"ایک آنکھ کے بدلے ایک ہزار آنکھیں لوں گا"— توما نے کہا۔

"خدا کی قسم، تُو دوسری آنکھ بھی دینے آیا ہے"— شرحبیلؓ نے کہا۔

دونوں آمنے سامنے آ گئے اور دونوں گھوڑوں سے اُتر آئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں تلواریں اور ڈھالیں تھیں اور دونوں تیغ زنی کے ماہر تھے۔ شرحبیلؓ کو توقع تھی کہ توما کی ایک ہی آنکھ ہے اور اُس کی دوسری آنکھ زخمی ہے اس لیے وہ لڑ نہیں سکے گا لیکن وہ پوری مہارت سے لڑ رہا تھا۔ شرحبیلؓ کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تیر ابھی تک توما کی آنکھ میں ہے۔

شرحبیلؓ کا ہر وار توما بچا جاتا تھا اور توما کا ہر وار شرحبیلؓ بچا رہے تھے۔ شرحبیلؓ نے ایک وار بڑا ہی زوردار کیا۔ اُن کی تلوار پہلے توما کے آہنی خود پر لگی اور وہاں سے پھسل کر کندھے پر لگی جہاں آہنی زرہ تھی۔ اتنا زوردار وار لوہے پر پڑا تو تلوار ٹوٹ گئی۔ تُوما نے للکار کر وار کیا جو شرحبیلؓ نے ڈھال پر لیا۔ وہ اب تلوار کے بغیر تھے، وار صرف روک سکتے تھے۔ توما بڑھ بڑھ کر وار کر رہا تھا۔

شرحبیلؓ کے دو مجاہدوں نے دیکھ لیا کہ شرحبیلؓ تلوار کے بغیر خطرے میں ہیں تو وہ شرحبیلؓ اور توما کے درمیان آ گئے۔ شرحبیلؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ کسی کی تلوار ڈھونڈ رہے تھے۔ کچھ دور انہیں اپنے ایک شہید مجاہد کی لاش کے قریب اُس کی تلوار پڑی نظر آئی۔ انہوں نے دوڑ کر تلوار اٹھالی اور واپس آئے لیکن توما وہاں نہیں تھا۔ شرحبیلؓ نے اپنے دونوں مجاہدوں سے پوچھا کہ رومی سالار کہاں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے لڑائی کے ہنگامے میں گم ہو گیا ہے۔ انہوں نے اُسے گھوڑے پر سوار ہوتے دیکھا تھا۔

شرحبیلؓ کے اعصاب پر بڑا تکلیف دہ دباؤ تھا۔ انہیں پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہ رومیوں کو شکست دے سکیں گے۔ لڑنے میں شرحبیلؓ اور اُن کے دستے نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ انہوں نے چند سو سواروں کو الگ کر کے پہلو سے رومیوں پر ایک زوردار ہلّہ بولا۔ کچھ تو اس ہلّے نے کام کیا، کچھ رومی مایوس ہو گئے اور وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ رومیوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ بے ترتیب ہو کر نہیں بھاگتے تھے بلکہ ترتیب اور تنظیم سے پیچھے ہٹتے تھے۔

شرحبیلؓ نے انہیں پیچھے ہٹتے دیکھا تو اُن کے پیچھے نہ گئے کیونکہ مسلمانوں کی نفری تھوڑی رہ گئی تھی۔ شرحبیلؓ خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ پیچھے جانے کی بجائے اُنہوں نے تیراندازوں کو آگے کر کے پیچھے ہٹتے ہوئے رومیوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ رومی اپنی لاشوں اور زخمیوں کو پیچھے چھوڑتے دروازے میں جا کر غائب ہو گئے۔

O

رومی جس دروازے سے بھی باہر آئے تھے وہ لاشیں اور زخمی پھینک کر اُسی دروازے سے اند. چلے گئے سب سے بڑا حملہ توما نے کیا تھا وہ بھی ناکام رہا۔ اگر بات ناکامی تک ہوتی تو رومی ایسے حملے پھر بھی کر سکتے تھے لیکن انہیں جو جانی نقصان اٹھانا پڑا وہ اُن کی برداشت سے باہر تھا۔ اُن کی نفری پہلے ہی کچھ اتنی زیادہ نہیں تھی اور اب تو آدھی رہ گئی تھی۔ توما کے لیے ایک اور دشواری یہ پیدا ہو گئی کہ جب شہر پناہ کے دروازے بند ہو گئے اور توما شہر میں آ کر رکا تو کئی شہریوں نے اُسے گھیر لیا۔

"سالارِ معظم!— ایک آدمی نے کہا —"ہم سلطنت روم کے وفادار ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ روم کی شہنشاہی کو مزید نقصان پہنچے۔ ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ صلح کی بات کی جائے۔"

"شہریوں میں جو بے چینی اور بدامنی پھیل چکی ہے اسے آپ نہیں دیکھ رہے"— ایک اور نے کہا —"فوج جو نقصان اٹھا چکی ہے وہ آپ کے سامنے ہے اور آپ خود بھی زخمی ہیں۔ خطرہ یہ ہے کہ شہری جواب نیم فاقہ کشی تک پہنچ گئے ہیں اپنی ہی فوج کے لیے نقصان کا باعث بن جائیں گے۔"

توما جابر قسم کا سالار تھا۔ اُس کی دلیری اور عزم کی پختگی میں کوئی شک نہیں تھا لیکن اُس کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ جو شہری اُس کے ساتھ بات کرتا تھا وہ اس شہری کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ یہ وہ توما تھا جو کسی کی بات برداشت نہیں کرتا تھا۔ اُس کے چہرے کے تاثرات میں شکست صاف نظر آ رہی تھی۔ اُس نے اپنی اُس آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا جس کے اندر تیر کا ایک ٹکڑا موجود تھا اور اوپر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اسے یہ زخم پریشان کر رہا ہے۔

"مجھے سوچنے دو"— اُس نے ہاری ہوئی آواز میں کہا —"میں صلح کر لوں گا لیکن کوئی ایسی شرط نہیں مانوں گا جو رُوم کی شہنشاہی کی تذلیل کا باعث بنے۔"

دراصل توما ذہنی طور پر شکست تسلیم کر چکا تھا۔ اُس کے سامنے اب یہی ایک مسئلہ رہ گیا تھا کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جائے۔ مؤرخوں کے بیانات کے مطابق اُسے کسی نے یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کے نائب سالار ابوعبیدہؓ نرم مزاج اور صلح جُو انسان ہیں۔ اگر ان تک رسائی ہو جاتی تو باعزت سمجھوتہ ہو سکتا ہے خالدؓ کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ مکمل شکست اور ہتھیار ڈالنے سے کم بات نہیں کرتے۔ توما نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

باہر مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ اُن کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ للکار رہے تھے کہ رومیو! شہر ہمارے حوالے کر دو لیکن شہر میں داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔ خالدؓ نے فیصلہ کر لیا کہ مجاہدین کو ایک دو دن آرام کے لیے دے کر شہر کے دروازے توڑنے کی یا دیوار میں سرنگ لگانے کی کوشش کریں گے۔

صبح طلوع ہوئی تو اللہ نے ایک غیر مسلم کو خالدؓ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ ایک یونانی تھا جس کا نام یونس ابن مرقس تھا۔ وہ رات کے وقت جب رومی اندر بیٹھے اپنے زخم چاٹ رہے تھے، شہر کی دیوار سے ایک رسے کے ذریعے اترا تھا۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک لڑکی کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کا خطرہ مول لے کر آیا ہے۔ یہ لڑکی بھی یونانی تھی اور یہ ۱۸ ستمبر ۶۳۴ء (۱۹ رجب ۱۳ھ) کا واقعہ ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

۱۸ ستمبر ۶۳۴ء کی رات تھی۔ خالدؓ کو بتایا گیا کہ قلعے کے اندر سے ایک آدمی آیا ہے جو اپنا نام یونس ابنِ مرقس بتاتا ہے۔

"وہ قلعے سے نہیں آیا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اگر قلعے کے اندر سے ہی آیا ہے تو صاف نیّت سے نہیں آیا۔ اگر باہر سے آیا ہے تو بھی اُس کی نیّت ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ وہ رومیوں کا جاسوس ہوگا.... اُسے میرے پاس بھیج دو۔"

وہ ایک جواں سال آدمی تھا۔ خوبرو اور پھرتیلا تھا۔ خالدؓ کے دو محافظوں نے اُس کی تلاشی لی۔ اُس نے کمربند میں ایک خنجر اڑسا ہُوا تھا جو اُس نے چھپا کر نہیں رکھا تھا۔ یہ اُس سے لے کر اُسے خالدؓ کے خیمے میں بھیج دیا گیا۔ خالدؓ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر اُس پر نظریں جما دیں۔

"سالارِ اعلیٰ مجھے شک کی نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں" ــــ اس جواں سال آدمی نے کہا ــــ "میں آپ کے دشمن کے قلعے سے آیا ہوں۔ آپ کو مجھ پر شک کرنا چاہیئے.... میرا نام یونس ابنِ مرقس ہے اور میں یونانی ہوں۔ آپ کی اور رومیوں کی جنگ کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"یونان کے جوان!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اپنے آنے کا مقصد فوراً بتا دو؟"

"مقصد میرا ذاتی ہے" ــــ یونس ابن مرقس نے کہا ــــ "اگر آپ یہ پورا کر دیں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"تُو میری کیا مدد کر سکتا ہے؟"

"میں آپ کو قلعے کے اندر پہنچا سکتا ہُوں" ــــ یونس ابن مرقس نے کہا ــــ "پھر دمشق آپ کا ہوگا۔"

"تُو قلعے سے نکلا کیسے؟" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "میں کیسے یقین کروں کہ تو جھوٹ نہیں بول رہا؟"

"میں باب الشرق کے قریب فصیل سے رسّہ لٹکا کر اُترا ہوں" ــــ یونس ابن مرقس نے کہا ــــ "میرے آنے کا مقصد بھی سن لیں سالارِ اعلیٰ! دمشق میں یونانیوں کے تین چار خاندان آباد ہیں۔ ایک یونانی لڑکی کے ساتھ میری محبّت ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو کس طرح چاہتے ہیں۔ آپ کی فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا تو اس سے تھوڑی ہی دیر پہلے اس لڑکی کے ساتھ میری شادی ہوگئی۔ اتنے میں شہر میں شور اٹھا کہ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ لڑکی کے والدین نے لڑکی کو میرے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ کہتے ہیں کہ محاصرہ ٹوٹ جانے کے بعد لڑکی کو میرے حوالے کریں گے....

"سالارِ اعلیٰ! میں محبت کے ہاتھوں اتنا مجبور ہوں کہ انتظار نہیں کر سکتا۔ دراصل لڑکی کی ماں کی نیت ٹھیک نہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی ایک بڑے ہی مالدار تاجر کے ساتھ کرنا چاہتی تھی لیکن

اُس کی بیٹی نے میری محبت کی خاطر اُسے مجبور کر دیا کہ اُس کی شادی میرے ساتھ کر دے۔ آپ کی فوج نے شہر کو محاصرے میں لے لیا تو اُسے بہانہ مل گیا۔ اُس نے کہا کہ ہر کوئی شہر کے دفاع میں لگا ہُوا ہے، اچھا نہیں لگتا کہ تم دونوں شادی کی تقریب مناؤ۔"

"لیکن میں کیا کر سکتا ہُوں؟" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "کیا میں یہاں محبت کی داستانیں سننے آیا ہوں؟ تُو وہ بات فوراً کیوں نہیں کہہ دیتا جو کہنے آیا ہے؟ اگر تو کسی اور نیّت سے آیا ہے تو تُو یہاں سے زندہ کس طرح جائے گا؟"

"آہ ابنِ ولید!" ــــ یونس ابن مرقس نے آہ لے کر کہا ــــ "کون ہے جو تیرے خیمے میں بُری نیّت سے آنے کی جرأت کر سکتا ہے! جس نے سلطنتِ روم جیسی عظیم اور جابر سلطنت کو بنیادوں تک ہلا ڈالا ہے اُسے مجھ جیسے معمولی آدمی سے نہیں ڈرنا چاہیئے.... اور یہ بھی سوچ کہ میں رومی نہیں یونانی ہوں۔ مجھے صرف اپنی بیوی چاہیئے اور تجھے دمشق چاہیئے.... راز کی بات یہ ہے کہ تین چار دن لڑائی نہیں ہوگی۔"

"کیوں نہیں ہوگی؟"

"دمشق کا سالار توما زخمی ہے" ــــ یونس ابن مرقس نے جواب دیا ــــ "لیکن لڑائی نہ ہونے کی صرف یہ وجہ نہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شہر کے لوگ سالار توما کے پیچھے پڑے ہُوئے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ بندی اور صلح کی بات کرے۔ شہر میں اناج کی قلّت قحط کی حد تک پہنچ گئی ہے اور سب سے بڑی وجہ لڑائی نہ ہونے کی یہ ہے کہ کل رات دمشق کے لوگوں کا ایک جشن ہے جس میں روم کی فوج بھی شریک ہوگی۔ کسی کو کسی کی ہوش نہیں ہوگی۔ میں آپ کی یہ مدد کروں گا کہ فصیل پر کمند پھینکنے کی موزوں جگہ بتا دوں گا۔ آپ کے چند ایک آدمی فصیل پر چڑھ آئیں اور اندر سے ایک دروازہ کھول دیں پھر آپ کی فوج شہر میں داخل ہو جائے۔"

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اہلِ دمشق اپنا کوئی سالانہ جشن منا رہے تھے۔ ایسے جشن میں وہ اتنی زیادہ شراب پیتے اور رنگ رلیوں میں ایسے مگن ہوتے تھے کہ انہیں اپنے پرائے کی ہوش نہیں رہتی تھی اور فوج بھی اس میں شریک ہوتی تھی لیکن اب ایسے محاصرے کی حالت میں دمشق والوں کا ایسا جشن منانا کہ وہ اپنے ہوش و حواس بھی کھو بیٹھیں قابلِ یقین نہیں لگتا تھا۔ دمشق کے اندر کی حالت بیان کی جا چکی ہے۔ وہاں تو قحط اور خوف و ہراس کی کیفیّت تھی۔ روم کی فوج کی بے شمار نفری ماری جا چکی تھی۔ لاشیں باہر گل سڑ رہی تھیں اور زخمی اندر کراہ رہے تھے۔ ان حالات میں جشن کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ایک یورپی مؤرخ ہنری سمتھ نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے وہ حقیقی لگتا ہے۔ اُس نے شام سے رومیوں کی پسپائی کے بیان میں لکھا ہے کہ دمشق کے محاصرے میں رومیوں کی حالت اتنی بُری ہو گئی تھی کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر آ گئے تھے۔ اُن کے مذہبی پیشواؤں نے رومی سالار تُوما سے کہا تھا کہ ان سے خُدا ناراض ہے۔ خدا کو راضی کرنے کے لیے مذہبی قسم کے جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ دمشق میں دوسرے عقیدوں کے لوگ بھی تھے جو اپنے انداز سے مذہبی تقریب منعقد کر رہے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھے۔ چونکہ یہ مذہب کا اور فتح کے لیے دعا کا معاملہ تھا اس لیے اس میں ہر کسی کی شرکت لازمی تھی۔ فوج کو بھی اس میں شامل ہونا تھا۔

اس یورپی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ مسلمان قلعے پر چڑھائی کر دیں گے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مسلمانوں کی اپنی حالت ایسی مضبوط نہیں رہی تھی کہ وہ ہلّہ بول دیتے۔ یہ تو خالدؓ کا عزم تھا اور انہیں اپنے تمام سالاروں کا بھرپور تعاون حاصل تھا کہ دمشق کو چند دنوں میں سَر کرنا ہے۔

یونس ابنِ مرقس کے متعلق تمام مورخ متفق ہیں۔ اُس نے خالدؓ کو قائل کر لیا کہ وہ انہیں قلعے میں داخل کر دے گا اور اس کے عوض وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی اُسے دلا دی جائے خالدؓ نے اس یونانی پر اعتبار کر لیا اور اُسے سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی۔

"میں نے اسلام کے متعلق بہت کچھ سُنا ہے" —— یونس بن مرقس نے کہا —— "لیکن مجھے کوئی بتانے والا نہ تھا اور میرا ہاتھ تھامنے والا کوئی نہ تھا۔ مجھے اپنے پاس رکھیں۔ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ کیا مجھے اپنا نام بدلنا پڑے گا؟"

"نہیں!" —— خالدؓ نے کہا —— "تمہارا نام پہلے ہی اسلامی ہے۔"

خالدؓ نے اُسے مسلمان کر لیا اور اُس سے پوچھنے لگے کہ کمند کہاں اور کس طرح لگائی جائے اور اندر کی طرف دروازے کی حفاظت کا کیا انتظام ہے۔

یونس ابن مرقس نے انہیں پوری تفصیل سے سب کچھ بتا یا۔

یونس ابن مرقس کو اتنا ہی معلوم تھا کہ دو تین دن لڑائی نہیں ہوگی اور کل رات لوگ ایک تقریب یا جشن منائیں گے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ رومی سالار تُوما ہمت ہار چکا ہے اور وہ کوئی اور چال چل رہا ہے۔ یہ چال تُوما اور اُس کے مشیروں نے مل کر سوچی تھی۔ جس طرح مسلمانوں کے پاس اُسی علاقے کے جاسوس موجود تھے۔ اسی طرح رومیوں کے پاس ایسے جاسوس موجود تھے جو خالدؓ اور اُس کے تمام سالاروں کے کردار اور عادات کے متعلق پوری واقفیت رکھتے تھے۔ یہ عرب کے عیسائی تھے اور مکہ، مدینہ اور انہی علاقوں کے رہنے والے یہودی بھی تھے۔ یہ سب صرف جاسوس ہی نہیں تھے بلکہ ان میں سے دو چار تُوما کے مشیر بھی بنے ہوئے تھے۔

تُوما نے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے کیے تھے، پورا زور لگا لیا تھا مگر سوائے جانی نقصان کے اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہُوا تھا۔ شہریوں نے اُسے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ شہر میں خوراک ختم تھی اور اُس کی اپنی حالت یہ تھی کہ ایک تیر کا اگلا حصّہ اُس کی آنکھ میں اُترا ہُوا تھا اور اُوپر پٹی بندھی ہوتی تھی۔

"پھر بھی میں شہر کو تباہی اور لُوٹ مار سے اور لوگوں کو قتلِ عام سے بچانا چاہتا ہوں" —— تُوما نے اپنے سالاروں اور مشیروں کو بلا کر انہیں اپنی صورتِ حال بتائی اور کہا —— "ہم اب لڑ نہیں سکتے۔ مسلمان آسانی سے اندر نہیں آسکتے لیکن اناج اور رسد کا جو حال ہے وہ تم سب جانتے ہو۔ مسلمانوں نے صرف محاصرہ ہی جاری رکھا تو لوگ بھوک سے مرنے لگیں گے۔"

"اور وہ بغاوت بھی کر سکتے ہیں" —— ایک مشیر نے کہا۔

"بغاوت کریں یا نہ کریں" —— تُوما نے کہا —— "یہ میرا فرض ہے کہ انہیں ہر تکلیف سے بچاتے رکھوں۔ مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم شہر خالی کرنا چاہیں تو مسلمان ہمیں اجازت دے دیں اور ہمیں کوئی نقصان نہ اُٹھانا پڑے؟"

"خالدؓ ابن ولید بڑا جابر سالار ہے" —— ایک یہودی مشیر نے کہا —— "وہ ہمیں پُر امن طریقے سے نہیں نکلنے دے گا۔ اُس کی فوج کا جو نقصان ہو چکا ہے وہ کبھی نہیں بخشے گا ہمیں کہے گا کہ اسلام قبول کرو۔"

"یہ میں کبھی نہیں کروں گا" —— تُوما نے کہا۔

"اگر آپ نہیں کریں گے تو وہ آپ سے اتنا تاوان مانگے گا جو آپ اپنے خزانے کے علاوہ لوگوں کے گھروں سے اکٹھا کریں تو بھی مشکل سے پُورا ہوگا" —— یہودی مشیر نے کہا۔

توما گہری سوچ میں پڑ گیا۔

"ان میں کوئی سالار ایسا ہے جو نرم مزاج ہو؟" —— اُس نے پوچھا۔

"ابو عبیدہؓ!" —— یہودی نے جواب دیا —— "بڑا ہی قابل، بڑا ہی دلیر سالار ہے مگر رحم دل ہے۔"

"اپنی فوج میں اُس کی حیثیت کیا ہے؟"

"ابنِ ولید کے بعد حیثیت ابو عبیدہؓ کی ہے" —— دوسرے یہودی نے کہا —— "ان کی خلافت میں جو قدر و منزلت ابو عبیدہؓ کی ہے وہ ابنِ ولید کی نہیں۔ ابنِ ولید کا درجہ اس کے بعد کا ہے۔ تمام مسلمان، خود خلیفہ اور ابن ولید ابُو عبیدہؓ کا احترام کرتے ہیں۔"

یہاں سے توما کے دماغ میں ایک فریب کاری آگئی۔ یہودی اور عیسائی عرب مشیروں اور دانشوروں نے اُس کی راہنمائی اور مدد کی اور ایک منصوبہ تیار ہو گیا جو مختصراً اس طرح تھا کہ تُوما ابو عبیدہؓ کے آگے اس شرط پر ہتھیار ڈالے گا کہ اُسے، اُس کی فوج اور شہر کے ہر اُس باشندے کو جو شہر چھوڑ کر جانا چاہے اُسے اُس کے مال و اسباب، عورتوں اور بچّوں سمیت نکل جانے دیا جائے۔ شہر میں لُوٹ مار نہ ہو۔ تُوما نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جزیہ ادا کرے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ خالدؓ کو قبل از وقت پتہ نہ چلے۔

یہ منصوبہ اس بنیاد پر بنایا گیا تھا کہ ابو عبیدہؓ شہر کے اُس دروازے (بابِ جابیہ) کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ تھے جو اُس دروازے (بابِ شرق) کے بالمقابل تھا۔ دونوں دروازوں کے درمیان پورا شہر حائل تھا اور فاصلہ ایک میل سے کچھ زیادہ تھا۔ تُوما آسانی سے اپنے ایلچی ابُو عبیدہؓ کے پاس بھیج سکتا تھا۔

تُوما نے یہ کانفرنس اُس رات سے دو تین راتیں پہلے منعقد کی تھی جس رات یونس ابن مرقس خالدؓ کے پاس آیا تھا۔

اگلی رات کا واقعہ ہے۔ خالدؓ، قعقاع اور ایک بڑے بہادر مجاہد مذعُور بِن عدی شہر پناہ کے دروازے بابِ شرق سے کچھ دُور کھڑے تھے۔ اُن کے ہاتھوں میں رسّے تھے۔ دیوار کے ساتھ لگے ایک سو مجاہدین کھڑے تھے۔ یہ سارے لشکر میں سے چنے ہوئے نڈر اور ذہین مجاہدین تھے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

یونس ابن مرقس خالدؓ کے ساتھ تھا۔ اُسی نے خالدؓ کو یہ جگہ بتائی تھی۔ وہ رسّے کے ذریعے یہیں سے اُترا تھا۔

خالدؓ اپنی زندگی کا بہت بڑا خطرہ مول لے رہے تھے۔ وہ سپہ سالار تھے۔ انہیں اُوپر نہیں جانا چاہیئے تھا۔ پکڑے جانے کا امکان تھا۔ مارے جانے کا خطرہ تھا لیکن اس خطرے میں وہ کسی اور کو نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔ انہیں اعتماد تھا کہ اُن کے نہ ہونے سے مجاہدین میں بددلی نہیں پھیلے گی اور ابو عبیدہؓ ان کی جگہ لے لیں گے۔ یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ خالدؓ کی غیر حاضری میں سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ ہوں گے۔

خالدؓ نے اپنے ہاتھ سے کمند اوپر پھینکی۔ دیوار کی بلندی تیرہ چودہ گز تھی۔ کمند دیوار کے اُوپر اٹک گئی۔ انہوں نے کچھ دیر انتظار کیا۔ دیوار پر کوئی حرکت نہ ہوئی جس کا مطلب یہ تھا کہ اُوپر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تھا بھی تو اُسے پتہ نہیں چلا تھا کہ دیوار پر کمند پھینکی گئی ہے۔

خالدؓ نے اپنے آپ کو مزید خطرے میں یوں ڈالا کہ سب سے پہلے خود کمند کے ذریعے اُوپر گئے۔ ان کے پیچھے قعقاع اور مذعور اوپر گئے۔ اوپر کوئی بھی نہیں تھا۔ دیوار کا یہ حصہ شہر سے کچھ دور تھا۔ شہر کی آوازوں سے پتہ چلتا تھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں اور کسی تقریب میں مصروف ہیں۔ خالدؓ کو یقین آ گیا کہ یونس ابن مرقس انہیں دھوکہ نہیں دے رہا۔ انہوں نے دیوار یعنی شہر کی فصیل کے ساتھ وہ تین چار رسّے باندھ کر نیچے لٹکا دیئے جو وہ اسی مقصد کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

اُن کے ایک سو مجاہدین میں سے پچاس ان رسّوں سے اوپر چلے گئے۔ یُونس ابن مرقس بھی ان کے ساتھ گیا۔ وہ خالدؓ کا گائیڈ تھا۔ خالدؓ نے ان جانبازوں میں سے کچھ کو اس کام کے لیے دیوار پر بٹھا دیا کہ رومی فوج کے آدمی اگر اُوپر آجائیں تو انہیں ختم کر دیں لیکن خاموشی سے تاکہ شہر میں کسی کو پتہ نہ چلے۔ ہر کام خاموشی سے کرنا تھا۔

خالدؓ نے قعقاع اور مذعور کو اپنے ساتھ رکھا اور پچاس جانبازوں میں سے باقی کو اپنے ساتھ فصیل سے اتار کر لے گئے۔ جوں ہی وہ دیوار سے اُترے انہیں کسی کی باتیں سنائی دیں۔

"رومی سپاہی !" —— یونس ابن مرقس نے خالدؓ کے کان میں سرگوشی کی —— "میں ان کی زبان سمجھتا ہوں۔"

"انہیں ان کی زبان میں رعب سے کہو کہ جلدی چلو" —— خالدؓ نے یونس ابن مرقس سے کہا اور اپنے جانبازوں سے کہا —— "تلواریں نکال لو اور اتنی تیزی سے وار کرنے ہیں کہ رومیوں کو منہ سے کوئی آواز نکالنے کی مہلت نہ ملے۔"

یونس ابن مرقس نے فوجی افسروں کی طرح بڑے رعب سے رومی سپاہیوں کو بلایا۔ اُن کے آنے تک خالدؓ کے جانباز گھیرے کی ترتیب میں ہو گئے۔ رومی سپاہی کم و بیش چالیس تھے۔ وہ دوڑے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ چاند آدھی رات کے لگ بھگ افق سے اٹھتا تھا جب رومی سپاہی آرہے تھے اُس وقت چاند شہر کی فصیل سے اوپر آگیا تھا۔ رومی سپاہی خالدؓ کے جانبازوں کو اپنے آدمی سمجھے ہوں گے۔ وہ قریب آئے تو مسلمان جانباز تلواروں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ان میں سے سات آٹھ نے تلواریں نکالیں اور مقابلے کی کوشش کی لیکن مارے گئے مگر خاموشی ٹوٹ گئی۔ دو تین رومی

سپاہیوں نے زخمی ہوتے ہی بڑی اونچی آوازوں میں شور بپا کیا کہ مسلمان قلعے میں داخل ہو گئے ہیں۔

"اب دروازہ فوراً کھلنا چاہیئے" —— خالدؓ نے کہا —— "رومی فوج کو آنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا.... میرے پیچھے آؤ۔"

جہاں دروازہ تھا وہاں ڈیوڑھی تھی۔ خالدؓ اپنے جانبازوں سے آگے تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے دروازے والی ڈیوڑھی میں گئے۔ وہاں صرف دو رومی سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ وہ شور سن چکے تھے اس لیے مقابلے کے لیے تیار تھے لیکن خالدؓ نے انہیں مقابلے کی زیادہ مہلت نہ دی۔ ایک کو خالدؓ نے اور دوسرے کو قعقاع نے مار ڈالا۔

"دروازہ کھولو" —— خالدؓ نے حکم دیا —— "اور زیادہ آدمی باہر تیار رہو۔ رومی آ رہے ہیں۔"

دروازے کے اندر کی طرف بڑے وزنی تالے لگے ہوئے تھے اور بڑی زنجیریں باندھ کر دروازے کو مستحکم کیا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے تالے توڑے گئے اور زنجیریں بھی اتار دی گئیں۔ خالدؓ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ ان کے باقی پچاس جانباز باہر کھڑے تھے۔ خالدؓ نے انہیں اندر بلا لیا اور کہا کہ وہ دروازے کے باہر پھیل کر مقابلے کے لیے تیار رہیں۔ رومی فوج آرہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس دروازے کے سامنے جو دستے تھے انہیں خالدؓ تیاری کا حکم دے آتے تھے، اور یہ حکم بھی کہ دروازہ کھلتے ہی طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہو جائیں۔

دروازہ کھلتے ہی یہ دستے طوفان کی طرح دروازے میں داخل ہونے لگے۔ چاند اب اور اوپر آگیا تھا۔ اپنے پرائے کی پہچان میں سہولت پیدا ہو گئی تھی۔ اُدھر سے رومی فوج کا ایک دستہ باب مشرق کی طرف آرہا تھا۔ یہ مسلمانوں کی طوفانی لپیٹ میں آگیا اور ذرا سی دیر میں یہ دستہ لاشوں میں تبدیل ہو گیا۔

دمشق کی تمام تر رومی فوج فصیل کی طرف دوڑی اور جن دستوں کو جن دروازوں کی ذمہ داری دی گئی تھی وہ تقسیم ہو کر اُن دروازوں کے سامنے چلے گئے۔ سارے شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ شہری پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ دروازے بند تھے۔ وہ اپنی قیمتی چیزیں اِدھر اُدھر چھپا رہے تھے۔ عورتوں کا یہ عالم تھا کہ چیختی چلاّتی تھیں۔

"ہمارے آدمی بے غیرت ہیں" —— عورتوں کی چیخ نما آوازیں سنائی دینے لگیں —— "ہمارے آدمی ہمیں مسلمانوں سے نہیں بچا سکتے.... ہمارے آدمی بزدل ہیں۔ اپنی جانیں بچاتے پھر رہے ہیں۔"

عورتوں کی اس طعنہ زنی نے دمشق کے جوانوں کو گرما دیا۔ وہ تلواریں اور برچھیاں لے کر نکل آئے۔ اس طرح رومی فوج کو سہارا مل گیا لیکن خالدؓ کے دستے رومیوں پر حاوی ہو چکے تھے۔ مسلمان محاصرے سے تنگ آتے ہوئے تھے۔ وہ دمشق کو فتح کرنے کے لیے قہر اور غضب سے لڑ رہے تھے۔

تقریباً تمام مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ نے ایسا دانستہ طور پر کیا تھا یا اُن کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ انہوں نے دوسرے دروازوں پر جو سالار متعین کیے تھے انہیں نہ بتایا کہ آج رات وہ کیا کرنے والے ہیں۔ خالدؓ نے ابو عبیدہؓ تک کو اطلاع نہ دی کہ وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ کسی بھی تاریخ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ خالدؓ نے ایسی غلطی کیوں کی تھی۔

ابوعبیدہؓ وہاں سے بہت دُور تھے۔ اُنہوں نے شہر میں شور سنا تو کہنے لگے کہ رومیوں نے کسی دروازے سے باہر جا کر اُس دروازے والے مسلمان دستوں پر حملہ کیا ہے۔ رومی ایسے حملے پہلے بھی کر چکے تھے۔ دوسرے دروازوں والے مسلمان سالار بھی غلط فہمی میں رہے۔ خالدؓ شہر کے اندر اتنے اُلجھ گئے تھے کہ دوسرے سالاروں کو اندر نہ بلا سکے۔ اُنہوں نے شاید یہ بھی سوچا ہوگا کہ دوسرے سالار دروازوں کے باہر اپنے دستوں کو تیار رکھیں تاکہ رومی فوج کسی دروازے سے بھاگ نہ سکے۔

یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مسلمان دستے شہر کی فصیل اور دروازوں کے قریب نہیں تھے۔ وہ فصیل سے کم از کم ایک ایک میل دُور تھے۔ قریب ہو کر وہ تیروں کی زد میں آتے تھے۔ اتنی دُور سے وہ شہر کے اندر کا شور اچھی طرح نہیں سن سکتے تھے۔

تُوما کو جب اطلاع ملی کہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے ہیں تو اُس نے اپنے مشیروں کو بلایا۔

"کون کون سے دروازے سے مسلمان اندر آئے ہیں؟" — تُوما نے پوچھا۔

"صرف ایک دروازے سے!" — اُسے کسی نے جواب دیا — "شرقی دروازے سے — باقی سب دروازے بند ہیں۔"

"کیا کسی نے فصیل پر جا کر دیکھا ہے؟" — تُوما نے پوچھا — "کیا مسلمانوں کی باقی فوج بھی قریب آگئی ہے؟"

"دیکھا ہے" — اُسے جواب ملا — "اُن کے باقی دستے جہاں پہلے تھے وہیں ہیں۔"

"بابِ جابیہ کو دیکھا ہے؟" — تُوما نے پوچھا — "کیا ابوعبیدہؓ کے دستے بھی آگے نہیں آئے؟"

"نہیں" — اُسے بتایا گیا — "وہ دستے بھی آگے نہیں آئے.... یہ صرف ان کے سپہ سالار خالدؓ ابنِ ولید کے دستے ہیں۔"

تُوما کے مشیر اور سالار آ گئے۔

"ہم شہر کو نہیں بچا سکیں گے" — تُوما نے اِن سے کہا — "مجھے ابھی تک کسی نے نہیں بتایا کہ مسلمانوں نے دروازہ کھول کس طرح لیا ہے۔ انہیں اندر سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔"

"کیا فائدہ یہ سوچنے کا کہ مسلمان شہر میں کس طرح داخل ہو گئے ہیں" — ایک مشیر نے کہا — "وہ اندر آ گئے ہیں۔ اب یہ سوچنا ہے کہ کیا کیا جاتے۔"

"اسی منصوبے پر عمل کیا جائے جو ہم نے پہلے سوچا تھا" — ایک اور مشیر نے کہا — "ابوعبیدہؓ کو صلح کا پیغام بھیجیں۔"

اس مسئلے پر کچھ تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر طے پایا کہ ابوعبیدہؓ کی طرف ایک ایلچی بھیجا جائے۔

"اور میں نے جو دستے محفوظہ رکھے ہوئے ہیں انہیں اُدھر بھیج دیا جائے جدھر مسلمان اندر آ گئے ہیں" — تُوما نے حکم دیا — "انہیں میرا پیغام دیا جائے کہ دمشق شہر کی نہیں بلکہ سلطنتِ روم کی آبرو اور آن اُن کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جانیں قربان کر دیں اور مسلمانوں کے سالار ابنِ ولید کو زندہ یا مُردہ میرے سے

پاس لے کے آئیں۔"

ہنری سمتھ، ابوسعید، واقدی اور طبری نے لکھا ہے کہ تُوما ذہنی طور پر ہتھیار ڈال چکا تھا وہ اپنے محفوظہ کے دستوں کو اس لیے شہر کی لڑائی میں جھونک رہا تھا کہ خالدؓ کو اپنے فریب کارانہ منصوبے کی کامیابی تک روکا جا سکے۔ اُس کے یہودی اور عیسائی مشیر معمولی دماغوں کے آدمی نہیں تھے۔

رات گزرتی جا رہی تھی اور شہر کے اندر کی لڑائی بڑھتی جا رہی تھی۔ اب گلیوں میں لڑائی ہو رہی تھی پلّہ خالدؓ کے دستوں کا بھاری تھا۔ رومیوں کے محفوظہ کے دستوں نے خالدؓ کے لیے مشکل پیدا کر دی لیکن خالدؓ ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ اُن کے آگے بڑھنے کی رفتار کم ہو گئی تھی۔

اُدھر ابوعبیدہؓ فجر کی نماز پڑھ چکے تو انہیں بتایا گیا کہ رومی سپہ سالار کے دو ایلچی آتے ہیں۔ ابوعبیدہؓ نے اُنہیں بلا لیا۔

"کیا تمہارے سالار کے ابھی ہوش ٹھکانے نہیں آئے؟" — ابوعبیدہؓ نے ایلچیوں سے کہا۔ "کہو، تم کیوں آئے ہو؟"

"سپہ سالار تُوما کا پیغام لائے ہیں" — ایک ایلچی نے کہا۔

"جب تک ہتھیار نہیں ڈالو گے میں صلح کے لیے تیار نہیں ہو سکتا" — ابوعبیدہؓ نے کہا۔

"اے عرب کے رحم دل سالار!" — دوسرے ایلچی نے کہا — "ہم لڑائی اور خونریزی ختم کرنے آئے ہیں۔ سپہ سالار تُوما نے ہمیں پیغام دیا ہے کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر رضامند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں شہر سے نکل جانے دیا جائے، شہر میں لُوٹ مار نہ ہو، کسی کو قتل نہ کیا جائے، ہر شہری اور فوجی اپنے ساتھ اپنا جو مال و اموال لے جا سکتا ہے لے جانے کی اجازت دی جائے۔"

"ہم ناحق خون بہانے نہیں آئے اے رومیو!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "خدا کی قسم، میں اپنے اُن ساتھیوں کا خون تمہیں معاف نہیں کر سکتا جو تم نے بہایا ہے۔"

"شہنشاہِ ہرقل کے داماد سپہ سالار تُوما نے کہا ہے کہ ہم تاوان ادا کریں گے" — ایک ایلچی نے کہا — "آپ اسے شاید جزیہ کہتے ہیں یا جو کچھ بھی کہتے ہیں۔"

"ہمارا شہنشاہ اللہ ہے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "تم نے ہرقل کو اس طرح شہنشاہ کہا ہے جیسے وہ ہمارا بھی شہنشاہ ہو اور وہ ہمیں خیرات دے رہا ہو۔"

"ہرقل ہتھیار ڈال دے گا تو بھی ہم اُسے شہنشاہ ہی کہیں گے" — ایلچی نے کہا — "ہم اُس کے نوکر ہیں اور اُس کا حکم بجا لاتے ہیں.... کیا آپ ہم پر اور دمشق کی عورتوں اور بچوں پر رحم نہیں کریں گے؟"

"اے سالارِ مدینہ!" — دوسرے ایلچی نے کہا — "دمشق کے شہری تو لڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو بہت پہلے سے سپہ سالار تُوما کو کہہ رہے تھے کہ مدینہ والوں کے ساتھ صلح کر لو۔ اگر اسلام کے متعلق ہم نے جو سنا ہے وہ درست ہے تو آپ کو زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔"

"خدا کی قسم!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "تم میرے سپہ سالار خالدؓ ابنِ ولید کے پاس جاتے تو وہ بھی وہی کہتا جو میں کہوں گا۔ ہمارے آگے جو جھک جاتا ہے اور ہم سے صلح کی بھیک مانگتا ہے اُسے ہم بخش دیتے ہیں کہ اسلام کا حکم یہی ہے۔ اگر کوئی آخر دم تک لڑے اور ہم بزورِ شمشیر اُس سے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہتھیار ڈلوائیں تو پھر ہم اُسے رحم کے قابل نہیں سمجھتے۔"

اُس وقت خالدؓ شہر کے مشرقی حصّے میں لڑ رہے تھے اور وہ رومی فوجیوں کا اور اُن شہری جوانوں کا جو اپنی فوج کے دوش بدوش لڑ رہے تھے، صفایا کرتے چلے جا رہے تھے۔ رومیوں کی فوج دوسرے دروازوں کے آگے بھی چلی گئی تھی۔ اس طرح یہ فوج تقسیم ہو کر کمزور ہو گئی تھی۔ اس سے خالدؓ نے بہت فائدہ اُٹھایا۔

اُدھر باب جابیہ کھُل گیا اور ابوعبیدہؓ اپنے دستوں کے ساتھ توما کے ایلچیوں کی رہنمائی میں شہر میں داخل ہوئے۔ توما نے تین اور دروازے کھول کر اعلان کرا دیا کہ صلح ہو گئی ہے اور رومی دمشق سے جا رہے ہیں۔ معاہدہ ہو گیا ہے کہ لوٹ مار نہیں ہو گی، مسلمان کسی شہری کو قتل نہیں کریں گے اور کسی عورت کو مسلمان اپنے قبضے میں نہیں لیں گے۔

غروبِ آفتاب میں کچھ وقت ابھی باقی تھا جب ابوعبیدہؓ شہر میں داخل ہوئے تھے۔ خود توما نے آگے بڑھ کر ابوعبیدہؓ کا استقبال کیا۔ توما کے ساتھ اُس کا ایک سالار ہربیس بھی تھا۔ دمشق کا بڑا پادری بھی تھا۔

"اے رومیو!" — ابوعبیدہؓ نے توما اور ہربیس سے کہا — "تم خوش قسمت ہو کہ تم نے خود ہی شہر ہمارے حوالے کر دیا ہے۔ اس سے تم نے اپنے آپ کو، اپنی فوج اور شہریوں کو بہت بڑی ذلت سے بچا لیا ہے، اور تم نے اپنے مال و اموال کو بھی بچا لیا ہے.... اور یہ شور کیسا ہے؟ کیا کہیں لڑائی ہو رہی ہے؟"

"لوگ صلح کی خوشی میں شور و غل مچا رہے ہیں" — توما نے جھوٹ بولا — "وہ دیکھیں، میری فوج دیوار کے ساتھ کھڑی ہے۔ سب کے ہتھیار زمین پر پڑے ہیں۔"

اُس وقت خالدؓ شہر کے اُس حصّے پر غالب آ چکے تھے جس میں رومی فوج کے دو تین دستوں نے اُن کا مقابلہ کیا تھا۔ اب خالدؓ بچ بچ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ شہر کی باقی فوج اُن کے مقابلے کے لیے کیوں نہیں آ رہی؟ اسے خالدؓ پھندہ سمجھ رہے تھے، اسی خطرے کے پیشِ نظر وہ محتاط ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ باہر سے اُن کا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ انہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ دروازے کھُل جائیں گے اور اُن کی باقی فوج بھی اندر آ جائے گی۔ خالدؓ اپنے آپ کو بڑی ہی خطرناک صورتِ حال میں پھنسا ہُوا محسوس کر رہے تھے۔

⮜

دمشق کے وسطی حصّے میں شہر کا بڑا گرجا تھا جو کلیسائے مریم کہلاتا تھا۔ ابوعبیدہؓ کو وہاں لے جایا جا رہا تھا۔ وہ گرجے کے قریب پہنچے ہی تھے کہ خالدؓ اپنے محافظوں کے ساتھ اِدھر آ نکلے۔ اُنہوں نے ابوعبیدہؓ کو ایسے پُرامن انداز سے توما وغیرہ کے ساتھ دیکھا کہ اُن کی تلواریں نیاموں میں تھیں تو خالدؓ بن ولید پریشان ہو گئے۔

ابوعبیدہ نے خالدؓ اور اُن کے محافظوں کو دیکھا۔ خالدؓ کے ہاتھ میں تلوار اور ڈھال تھی۔ تلوار خون سے لال تھی، دستے تک خون لگا ہُوا تھا۔ خالدؓ پسینے میں نہائے ہُوئے تھے اور اُن کے کپڑوں پر خون کے بے شمار چھینٹے اور دھبے تھے۔ ان کا سانس پھولا ہُوا تھا۔ خالدؓ کے محافظوں کی بھی حالت ویسی ہی

تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خالدؓ لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ محافظوں کے پاس برچھیاں تھیں جن کی انّیاں جیسے خون میں سے نکالی گئی تھیں۔

خالدؓ اور ابوعبیدہؓ ایک دوسرے کو حیرت زدگی کے عالم میں دیکھتے رہے۔

"ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے آخر سکوت توڑا اور خالدؓ سے کہا — "کیا تو اللہ کا شکر ادا نہیں کرے گا کہ اُس کی ذاتِ باری نے یہ شہر ہمیں عطا کر دیا ہے؟ اللہ نے صلح منظور کرنے کی سعادت مجھے عطا فرمائی ہے۔ ان لوگوں نے بغیر لڑے میرے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں پھر تو کیوں خون ٹپکاتی تلوار اپنے ہاتھ میں لیے پھرتا ہے! میں نے انہیں شہر سے اپنے مال اموال لے جانے کی اجازت دے دی ہے۔"

"ابوعبیدہؓ!" — خالدؓ نے کہا — "کون سی صلح کی بات کرتے ہو؟ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں نے لڑ کر یہ شہر حاصل کیا ہے؟ خدا کی قسم، رومیوں نے مجھے امن اور صلح کا پیغام دے کر اندر نہیں بلایا۔ میرے لیے انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ میں خود شہر میں داخل ہُوا ہوں۔ میں نے خون بہایا ہے اور میرے آدمیوں کا خون بہایا گیا ہے۔ میں رومیوں کو یہ حق نہیں دے سکتا کہ یہ خیر و عافیت سے شہر سے نِکل جائیں۔ ان کے شہر کا خزانہ اور جو کچھ بھی شہر میں ہے وہ ہمارا مالِ غنیمت ہے.... اور میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ صلح کِس نے کی اور کیوں کی ہے۔"

"ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "میں اور میرے دستے پُرامن طریقے سے شہر میں داخل ہُوئے ہیں۔ دیکھ، شہر کے دروازے کھُل گئے ہیں۔ اگر تُو میرے فیصلے کو رد کرنا چاہے تو کر دے لیکن یہ سوچ کہ میں دشمن کے ہتھیار ڈالنے پر اسے بخشش کا وعدہ دے چکا ہُوں۔ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہُوا تو رومی کہیں گے کہ مسلمان وعدوں کے کچے ہیں۔ اس کی زد اسلام پر بھی پڑے گی۔"

خالدؓ کی حالت یہ تھی کہ غصے سے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ سالارِ اعلیٰ وہ ہوں اور صلح کے معاہدے کوئی اور کرتا پھرے۔ ابوعبیدہؓ اپنی بات پر اس طرح اَڑے ہوئے تھے کہ انہیں پرواہ ہی نہیں تھی کہ خالدؓ خلیفہ کی طرف سے سالارِ اعلیٰ مقرر کیے گئے ہیں۔ توما، اُس کا نائب سالار ہربیس، پادری اور مشیر وغیرہ الگ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی چال کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی، بلکہ چال ضرورت سے زیادہ کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کا سپہ سالار اور اُس کا قائمقام سالار آپس میں لڑنے پر آ گئے تھے۔

ابوعبیدہؓ کی جگہ کوئی اور سالار ہوتا تو خالدؓ اُسے سالاری سے معزول کر کے سپاہی بنا دیتے یا اُسے واپس مدینہ بھیج دیتے لیکن وہ ابوعبیدہؓ تھے جنہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امین الامّت کا خطاب دیا تھا۔ انہیں الاثرم بھی کہتے تھے کیونکہ ان کے سامنے کے دانت احد کی جنگ میں شہید ہوتے تھے۔ مشہور مورخ ابن قتیبہ اور واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ کو ابوعبیدہؓ سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ابوعبیدہؓ بغیر دانتوں کے دانتوں والوں سے زیادہ خوبرو لگتے تھے۔ اُن کا زہد اور تقویٰ ضرب المثل تھا۔ خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور مجاہدین اُن کے اشارے پر جانیں قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ خالدؓ کے دل میں ابوعبیدہؓ کا اتنا احترام تھا کہ

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

میدانِ جنگ میں دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تو خالدؓ گھوڑے پر سوار نہیں تھے۔ ابوعبیدہؓ گھوڑے پر سوار تھے۔ خالدؓ چونکہ سالارِ اعلیٰ تھے اس لیے ابوعبیدہؓ نے اُتر کر خالدؓ سے مِلنا چاہا لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا اور کہا کہ میرے دل میں اپنے احترام کو قائم رکھیں۔

وہ ابوعبیدہؓ اب خالدؓ سے پوچھے بغیر دشمن کے متعلق بڑا اہم فیصلہ کر بیٹھے اور اسے بدلنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ عشرہ مبشّرہ میں سے بھی تھے۔ ابوعبیدہؓ کی تمام خوبیوں اور اِسلامی معاشرے میں اُن کی قدر و منزلت کو تسلیم کرتے ہوتے اُس دور کے وقائع نگار اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ جنگی امور کی جو سوجھ بوجھ خالدؓ میں تھی وہ ابوعبیدہؓ میں نہیں تھی۔ وہ باریکیوں کو نہیں سمجھتے تھے۔ البتّہ حرب و ضرب میں مہارت رکھتے تھے۔

”میں تجھے امیر مانتا ہوں ابوسلیمان!“ — ابوعبیدہؓ نے کہا — ”لیکن یہ سوچ کہ میں اپنے دستوں کے ساتھ پُرامن طریقے سے شہر میں لایا گیا ہوں۔“

”ابن الجرّاح!“ — خالدؓ نے کہا — ”آ تجھے دکھاؤں کہ میں کس طرح شہر میں داخل ہُوا ہوں اور رات سے اب تک مجھے کیسی لڑائی لڑنی پڑی ہے۔ اِن رومیوں نے دیکھا کہ یہ لڑ نہیں سکتے اور میں شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا تو یہ تیرے پاس جا پہنچے ہیں انہیں معاف نہیں کروں گا۔“

”ابوسلیمان“ — ابوعبیدہؓ نے دبدبے سے کہا — ”کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ میں نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ ان سے حفاظت کا وعدہ کر چکا ہوں۔“

لیکن خالدؓ ابوعبیدہؓ کی بات ماننے پر آمادہ نہیں تھے۔

”آہ ابوسلیمان“ — ابوعبیدہؓ نے افسوس کے لہجے میں کہا — ”میں نے جب ان کی شرطیں سُن کر انہیں حفاظت کا وعدہ دیا تھا، اُس وقت مجھے گمان تک نہ ہُوا تھا کہ تو میرے فیصلے پر اعتراض کرے گا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ تُو لڑ رہا ہے۔ میں نے اپنے اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق اور انہی کے نام پر رومیوں کو بخش دیا ہے.... سمجھ لے ابوسلیمان، میری بات سمجھ لے۔ مجھے بدعہدی کا ارتکاب نہ کرنے دے۔“

دونوں کے درمیان بحث چلتی رہی۔ خالدؓ کے محافظوں کو بھی غصہ آگیا۔ وہ تلواریں سونت کر تُوما اور اُس کے ساتھیوں پر جھپٹے۔ وہ انہیں قتل کر دینا چاہتے تھے۔ انہیں کسی طرح شک ہو گیا تھا کہ یہ رومیوں کی چال ہے جو دو سالاروں کو لڑا رہی ہے۔ محافظوں نے تُوما وغیرہ پر حملہ بولا تو ابوعبیدہؓ دوڑ کر اُن کے آگے ہو گئے۔

”خبردار!“ — ابوعبیدہؓ نے کہا — ”پہلے کچھ فیصلہ ہونے دو۔ یہ ابھی میری پناہ میں ہیں، اور تمہیں جب تک حکم نہیں مِلتا تم کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔“

خالدؓ نے ابوعبیدہؓ کے اس حکم کو بھی برداشت کیا۔ خالدؓ کی موجودگی میں ابوعبیدہؓ کوئی حکم نہیں دے سکتے تھے۔ یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے اچھی نہیں تھی۔ ایک غلطی تو خالدؓ سے ہُوئی تھی کہ کمند پھینک کر شہر میں داخل ہونے جیسا خطرناک کام کر رہے تھے مگر ابوعبیدہؓ کو اطلاع نہ دی، حالانکہ وہ خالدؓ کے قائم مقام سالار تھے۔ خالدؓ نے تو اُن سالاروں میں سے بھی کسی کو نہ بتایا جو شہر کے دوسرے دروازوں کے سامنے اپنے دستوں کے ساتھ موجود تھے۔ اس کے بعد غلطی ابوعبیدہؓ کی تھی جنہوں نے

وہ فیصلہ کیا جو صرف سالارِ اعلیٰ کو کرنا چاہیے تھا۔

خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کے درمیان یہ جھگڑا اُن کی اَنا کا مسئلہ بن کر کوئی ناگوار صورت اختیار کر سکتا تھا لیکن یہ اُس دَور کا واقعہ ہے جب مسلمان آپس کے کسی جھگڑے کو ذاتی مسئلہ نہیں بنایا کرتے تھے اور اُن کے حاکم اپنے آپ کو آج کل کے حاکموں کی طرح نہیں سمجھا کرتے تھے۔ خالدؓ نے دوسرے سالاروں کو بلایا۔ اُس وقت تک دوسرے دستے بھی شہر میں آچکے تھے۔ سالار جب خالدؓ کے پاس آتے تو خالدؓ نے اپنا اور ابوعبیدہؓ کا جھگڑا اُن کے آگے رکھ دیا۔

”ابنِ ولید!“ — سالاروں نے آپس میں بحث مباحثہ کر کے خالدؓ سے کہا — ”ابوعبیدہؓ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ جو فیصلہ کر چکے ہیں ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہیے، ورنہ یہ خبر دُور دُور تک پھیل جائے گی کہ مسلمان دھوکہ باز ہیں، صلح اور عام معافی کا وعدہ کرتے ہیں پھر لوٹ مار اور قتلِ عام کرتے ہیں۔“

”ابنِ ولید!“ — سالار شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا — ”ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ بعض شہر ہمیں مزاحمت کے بغیر مِل گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان شہروں میں ہماری ذہال آمد سے آگے آگے یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی شرطیں سخت نہیں ہوتیں اور اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں اور رحمدلی سے ہر کسی سے پیش آتے ہیں.... ابنِ ولید! ہمیں اس روایت کو برقرار رکھنا چاہیے ورنہ پھر کوئی شہر ہمیں آسانی سے نہیں ملے گا۔“

”خدا کی قسم!“ — خالدؓ نے غصے کو دباتے ہوتے کہا — ”تم سب نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔“

رومی سالار تُوما اور ہربیس ذرا دُور کھڑے اپنی قسمت کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ خالدؓ نے اُن کی طرف دیکھا تو غصہ پھر تیز ہو گیا۔

”میں تم سب کا فیصلہ قبول کرتا ہوں“ — خالدؓ نے کہا — ”لیکن ان دونوں رومی سالاروں کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں دے سکتا۔“

”تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ولید کے بیٹے!“ — ابوعبیدہؓ نے کہا — ”انہی دونوں کے ساتھ تو میرا معاہدہ ہُوا ہے اور انہی کو میں نے حفاظت کی ضمانت دی ہے۔ میرے فیصلے کو تُو نے قبول کر ہی لیا ہے تو ان دونوں کو بھی جانے دے۔“

”تیرے عہد نے انہیں میرے ہاتھ سے بچا لیا ہے“ — خالدؓ نے غضب ناک آواز میں کہا — ”لیکن یہ دونوں اللہ کی لعنت سے نہیں بچ سکیں گے۔“

ایک اور مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ تُوما اور ہربیس کے پاس ایک آدمی کھڑا تھا جو عربی زبان سمجھتا اور بولتا تھا۔ وہ مسلمان سالاروں کی باتیں سن کر تُوما اور ہربیس کو رومی زبان میں سناتا جا رہا تھا۔ آخر انہیں عام معافی کے فیصلے سے آگاہ کیا گیا۔

”آپ سب نے ہم پر احسان کیا ہے“ — تُوما نے خالدؓ اور ابوعبیدہؓ کا شکریہ ادا کیا اور کہا — ”ہمیں اجازت دی جائے کہ اپنی منزل تک ہم اپنی پسند کے راستے سے جا سکیں۔“

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا کہ وہ جواب دیں گے لیکن خالدؓ نے مُنہ پھیر لیا۔

”تمہیں اجازت ہے“ — ابوعبیدہؓ نے تُوما کو جواب دیا — ”جس راستے پر جا ہو جا سکتے ہو لیکن یہ بھی سن لو۔ تم جہاں رکو گے یا جہاں قیام کرو گے، اگر ہم نے اس شہر پر قبضہ کر لیا تو ہم سے اپنی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حفاظت کی توقع نہ رکھنا۔ تمہارے ساتھ جو معاہدہ کیا جارہا ہے یہ صرف اُس مقام تک ہے جہاں تم جا رہے ہو۔ یہ دوستی کا معاہدہ نہیں"۔

"اگر معاہدہ عارضی ہے تو میری ایک درخواست اور ہے"۔ توما نے کہا۔ "ہمیں تین دنوں کی مہلت دی جائے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ تین دنوں بعد ہم معاہدے کو ختم سمجھیں گے"۔

"پھر ہم تمہارے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں گے کریں گے"۔ خالدؓ گرج کر بولے۔

"آپ ہمیں قتل کر سکتے ہیں"۔ توما نے کہا۔ "ہمیں پکڑ کر اپنا غلام بنا سکتے ہیں"۔

"یہ بھی منظور ہے"۔ خالدؓ نے کہا۔ "تین دنوں میں ہی کہیں غائب ہو جانا۔ وہاں تک چلے جانے کی کوشش کرنا جہاں تک میں نہ پہنچ سکوں ..... اب ایک شرط میری بھی سن لو.... تم اپنے ساتھ چند دنوں کے کھانے پینے کا سامان لے جاسکو گے۔ اس سے زیادہ تم کچھ نہیں لے جاسکو گے۔ کوئی آدمی ہتھیار لے کر نہیں جائے گا"۔

"نہیں ابوسلیمان!"۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا۔ "تیری یہ شرطیں اُس معاہدے کے خلاف ہیں جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے۔ یہ اپنا مال واسباب اور جو کچھ یہ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ میں انہیں یہ حق دے چکا ہوں"۔

خالدؓ نے گذشتہ رات کو اپنے آپ کو زندگی کے سب سے بڑے خطرے میں ڈالا تھا کہ دیوار پر کمند پھینک کر اوپر چلے گئے تھے۔ اب ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو ایک اور بڑے ہی سخت امتحان میں ڈال دیا تھا۔ خالدؓ رومیوں پر اپنی کوئی نہ کوئی شرط عائد کرنا چاہتے تھے مگر ابوعبیدہؓ اُن کی ہر شرط کو یہ کہہ کر رد کر دیتے تھے کہ توما کے ساتھ وہ کچھ اور معاہدہ کر چکے ہیں۔ خالدؓ کو بار بار اپنے غصے کو دبانا پڑتا تھا۔ یہ کام بہت مشکل تھا۔

"لے جائیں"۔ خالدؓ نے کہا۔ "جو کچھ اٹھا سکتے ہیں لے جائیں لیکن ان میں کوئی بھی کوئی ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا"۔

"ہم پر یہ ظلم نہ کریں"۔ توما نے کہا۔ "ہم لمبے سفر پر جارہے ہیں۔ راستے میں کوئی اور دشمن ہم پر حملہ کر سکتا ہے۔ ہمیں نہتہ دیکھ کر ڈاکو ہی ہمیں لُوٹ لیں گے۔ اگر آپ ہمیں نہتہ یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہیں رہنے دیں اور ہمارے ساتھ جیسا سلوک چاہیں کریں۔ ایک طرف آپ کی نیکیاں اتنی ہیں کہ ان کا شمار نہیں مگر آپ کا یہ حکم ہمارے قتل کے برابر ہے کہ ہم نہتے جائیں"۔

خالدؓ کچھ دیر توما کے منہ کی طرف دیکھتے رہے۔ اُن کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنے اُوپر جبر کر رہے ہیں۔

"اے رومی سالار!"۔ خالدؓ نے کہا۔ "تُو خوش قسمت ہے کہ صلح کے لیے تُو میرے پاس نہیں آگیا تھا.... میں تجھے ہتھیار اپنے ساتھ لے جانے کی بھی اجازت دے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ہر شخص جس میں تو بھی شامل ہے، صرف ایک ہتھیار لے جا سکتا ہے۔ ایک تلوار یا ایک برچھی یا ایک کمان اور ایک ترکش یا ایک برچھی یا ایک خنجر"۔

اس کے بعد معاہدہ لکھا گیا جس کے الفاظ یہ تھے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سالارِ اعلیٰ عساکرِ مدینہ خالد بن ولید کی طرف سے دمشق کے باشندگان کے ساتھ یہ معاہدہ ہُوا ہے۔ مسلمان شہر دمشق میں داخل ہوں گے وہ اس کے ذمّہ دار ہوں گے کہ شہر کے لوگوں کے جان و مال کا، اُن کی املاک کا، اُن کی عزت و آبرو کا تحفّظ کریں۔ اس میں اُن کی عبادت گاہوں اور شہر کی فصیل کا تحفظ بھی شامل ہے۔ انہیں اللہ اور رسولؐ اور تمام تر مومنین اور خلیفۃ المسلمین کی طرف سے ضمانت دی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ مسلمان رحمدلی اور ہمدردی کا سلوک اُس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک اہلِ دمشق جزیہ دیتے رہیں گے"۔

جزیہ کی رقم ایک دینار فی کس مقرر ہُوئی اور کچھ مقدار اناج وغیرہ کی مقرر ہوئی جو اہلِ دمشق نے مسلمانوں کو دینی تھی۔

وہ منظر مجاہدین کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ تھا جب رومی فوج دمشق سے روانہ ہُوئی جو شہری دمشق میں نہیں رہنا چاہتے تھے وہ فوج کے ساتھ جارہے تھے۔ اُن کی فوج نے شہریوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا جیسے مسلمان ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔ رومی سپہ سالار توما بھی جارہا تھا۔ اُس کی اُس آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں تیر کا ٹکڑا ابھی تک موجود تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی تھی جو شہنشاہِ روم ہرقل کی بیٹی تھی۔ اُس وقت کی وہ بہت ہی حسین اور جوان عورت تھی۔ شاہی مال واسباب بے شمار گھوڑا گاڑیوں میں جارہا تھا۔ ظاہر ہے ان گاڑیوں میں خزانہ بھی جارہا تھا۔

دمشق کے وہ باشندے جنہوں نے دمشق میں رہنا پسند نہیں کیا تھا وہ اپنا مال و متاع گھوڑا گاڑیوں اور ریہڑوں پر لے جارہے تھے جنہیں خچر کھینچ رہے تھے۔ ان میں منڈی کا مال اور تجارتی سامان بھی جارہا تھا۔ مؤرخ بلاذری اور واقدی لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کے بعد جو بیش قیمت سامان جا رہا تھا وہ بڑے عمدہ زربفت کی تین سو سے کچھ زائد گانٹھیں تھیں۔ ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ یہ ہرقل کی تھیں اور بعض نے لکھا ہے کہ یہ منڈی کا مال تھا۔ لوگ دودھ والے مویشی بھی ساتھ لے جارہے تھے۔ مختصر یہ کہ دمشق سے تمام مال و دولت جارہا تھا۔

خالدؓ کے مجاہدین دیکھ رہے تھے۔ یہ اُن کا مالِ غنیمت تھا جو اُن کا جائز حق تھا۔ زیادہ افسوس اُن دستوں کے مجاہدین کو ہو رہا تھا جنہوں نے شہر کے اندر جا کر بڑی سخت لڑائی لڑی تھی۔ اس سے بھی زیادہ افسوس اُن ایک سو جانبازوں کو تھا جن میں سے پچاس کمندوں سے دیوار پر گئے تھے اور باقی پچاس دروازہ کھلتے ہی سب سے پہلے اندر گئے تھے۔ ان سب نے لڑ کر شہر لیا تھا۔

خالدؓ کا اپنا یہ حال تھا کہ دمشق سے جانے والے مال واسباب کو دیکھ دیکھ کر غصے سے اُن کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مجاہدین کو دیکھا۔ اُن کے چہروں پر افسردگی اور غصے کے تاثرات صاف نظر آرہے تھے۔ بعض کے تاثرات تو ایسے تھے جیسے وہ دمشق سے جانے والوں پر ہلّہ بول دیں گے اور اپنا حق وصول کر لیں گے۔

مؤرخ واقدی اور ابنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے لیے اپنے غصے پر قابو پانا محال ہو رہا تھا آخر اُنہوں نے دونوں ہاتھ آگے اور کچھ اوپر کر کے آسمان کی طرف دیکھا اور ذرا اونچی آواز میں کہا۔۔۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یااللہ! یہ سامان تو تیرے مجاہدین کا تھا۔ یہ انہیں دے دے"۔۔۔ خالدؓ کی جذباتی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

"سالارِ محترم!"۔۔۔ خالدؓ کو اپنے قریب آواز سنائی دی ۔۔۔"آپ کو دمشق مبارک ہو"۔

خالدؓ نے اُدھر دیکھا۔ وہ یونس ابن مرقس تھا۔ اُسے دیکھ کر خالدؓ کو یاد آیا کہ اس شخص نے اُس لڑکی کی خاطر دمشق فتح کروا دیا تھا جس کے ساتھ اُس کی شادی ہو چکی تھی لیکن لڑکی کے ماں باپ اُسے یونس ابن مرقس کے ساتھ نہیں بھیج رہے تھے۔

"ابنِ مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"دمشق تجھے مبارک ہو۔ یہ کارنامہ تیرا ہے۔ تُو نہ ہوتا تو ہم اس شہر میں داخل نہیں ہو سکتے تھے"۔

"لیکن میں نے جسے حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا اور یہاں کی بادشاہی ختم کرا دی ہے، وہ مجھے نہیں ملی"۔

"کیا اُس کے ماں باپ نہیں ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"وہ چلے گئے ہیں"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے جواب دیا ۔۔۔"میں لڑکی سے ملا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ ماں باپ کو بتائے بغیر میرے ساتھ آجائے۔ میری محبت اُس کی روح میں اُتری ہوئی ہے۔ وہ فوراً تیار ہو گئی لیکن کہنے لگی کہ مسلمان آگئے ہیں، یہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے پھر تم کیا کرو گے؟ میں نے اُسے کہا کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ تم اب محفوظ ہو....

"اُس نے حیران ہو کر پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کہا ہے کہ تم بھی مسلمان ہو؟ میں نے اُسے بتایا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ وہ بالکل ہی بدل گئی۔ کہنے لگی کہ اپنے مذہب میں واپس آجاؤ۔ میں نے اسلام کی خوبیاں بیان کیں تو اُس نے کہا ۔۔۔'اگر تم اپنے مذہب میں واپس نہیں آؤ گے تو میری محبت نفرت میں بدل جائے گی'۔۔۔ میں نے کہا کہ محبت مذہب کو نہیں دیکھا کرتی۔ میں نے یہ بھی کہا کہ میں اب مسلمان ہی رہوں گا۔ اُس نے کہا ۔۔۔'میں قسم کھاتی ہوں کہ آج کے بعد تمہاری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کروں گی۔ میں دمشق سے جا رہی ہوں'۔۔۔ اور وہ چلی گئی"۔

"کیا تم بھی اُس کی محبت کو نفرت میں نہیں بدل سکتے؟"۔۔۔ خالدؓ نے پوچھا۔

"نہیں محترم سالار!"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے کہا ۔۔۔"میری محبت ایسی نہیں۔ یہ لڑکی مجھے نہ ملی تو شاید میں پاگل ہو جاؤں۔ میں نے آپ کو ایک شہر دیا ہے، کیا آپ مجھے ایک لڑکی نہیں دلا سکتے؟ وہ میری بیوی ہے۔ آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ آپ چاہیں تو اپنا ایک دستہ بھیج کر لڑکی کو زبردستی لا سکتے ہیں۔ آپ فاتح ہیں"۔

"ابنِ مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"معاہدہ ہو چکا ہے۔ ہم جانے والوں کا ایک بال بھی اُن سے زبردستی نہیں لے سکتے"۔

مؤرخ بلاذری نے لکھا ہے کہ یونس ابن مرقس عقل اور ذہانت کے لحاظ سے کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ خالدؓ اس سے متاثر تھے اور خالدؓ اس کے احسان مند بھی تھے۔ دمشق کی فتح اِس یونانی جوان کے بغیر اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور تھی۔ خالدؓ کو یہ شخص اس لیے بھی اچھا لگتا تھا کہ اُس نے

اسلام قبول کر لیا تھا اور جس لڑکی کی محبت اُسے پاگل کیے ہوئے تھی، اُس کے کہنے پر بھی اُس نے اسلام ترک نہیں کیا تھا۔

"میں نے سنا ہے"۔۔۔ یونس ابن مرقس نے کہا ۔۔۔"کہ آپ نے دمشق سے جانے والوں کو تین دنوں کے لیے تحفظ کا وعدہ کیا ہے۔ کیا ان تین دنوں کے دوران آپ ان لوگوں کا تعاقب کر کے ان پر حملہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں ابن مرقس!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"یہ معاہدے کے خلاف ہے"۔

"تین روز گزر جانے کے بعد تو آپ اُن پر حملہ کر سکتے ہیں"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا۔

"تین دنوں میں تو یہ بہت دور پہنچ چکے ہوں گے"۔۔۔ خالدؓ نے کہا ۔۔۔"یہ قافلہ بہت تیز جائے گا کیونکہ اس کے پاس خزانہ ہے اور بہت قیمتی مال بھی ہے۔ راستے میں رومیوں کے قلعے آتے ہیں۔ وہ کسی قلعے میں جا پناہ لیں گے۔ میں کسی قلعے پر اتنی جلدی حملہ نہیں کر سکوں گا"۔

"اے اسلام کے عظیم سالار!"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا ۔۔۔"یہ اُس راستے پر نہیں جا رہے جس راستے پر قلعے آتے ہیں۔ میں ان قلعوں سے واقف ہوں.... بعلبک، حمص اور طرابلس.... یہ قافلہ انطاکیہ جا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ قافلے کے ساتھ سالار تُوما ہے۔ وہ اپنی فوج اور شہریوں کو انطاکیہ لے جا رہا ہے جہاں اُس کا سُسر شہنشاہ ہرقل رہ رہا ہے۔ میں تمام علاقے سے واقف ہوں۔ انطاکیہ تک پہنچنے کے لیے تین سے بہت زیادہ دن سفر کرنا پڑتا ہے۔ میں آپ کو ایسی طرف سے لے جا سکتا ہوں جو کوئی راستہ نہیں۔ آپ کے گھوڑسوار تیز ہوں تو میں چوتھے دن کی صبح تک انہیں قافلے تک پہنچا سکتا ہوں"۔

خالدؓ نے یہ سنا تو اُن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہی تو وہ چاہتے تھے۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مجاہدین کو مالِ غنیمت ضرور دلائیں گے۔ انہیں دمشق والوں پر غصہ تھا جو دمشق سے اپنے مال و متاع لے کر چلے گئے تھے۔

"میں آپ کی رہنمائی کروں گا"۔۔۔ یونس ابنِ مرقس نے کہا ۔۔۔"میں آپ سے کچھ نہیں لوں گا۔ مجھے صرف میری بیوی دلا دینا"۔

چوتھے دن کی صبح طلوع ہوئی تو تُوما کا قافلہ انطاکیہ سے ابھی بہت دُور تھا۔ تُوما کو شکست کا افسوس تو تھا ہی لیکن وہ خوش تھا کہ اُس کی چال کامیاب رہی تھی اور وہ دمشق کے لوگوں کو قیمتی اشیا سمیت اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس روز قافلہ ایک پہاڑی سلسلے میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور کچھ دیر میں چلنے کو تھا۔ اچانک کسی طرف سے ہزاروں گھوڑسوار صحرائی آندھی کی طرح آئے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔

اس سے ذرا ہی پہلے رومیوں پر ایک اور قہر ٹوٹا تھا۔ یہ بڑی تیز بارش تھی۔ گھٹائیں پھٹ پڑی تھیں۔ اس رومی قافلے کے لیے کوئی پناہ نہیں تھی۔ یہ بارش آسمانی آفت تھی اور اس آفت میں رومی فوج اور دمشق کے باشندوں پر ایک اور آفت ہزاروں گھوڑسواروں کی شکل میں ٹوٹی۔ اُس وقت تک قافلے وا[illegible]دھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ وہ اپنے سامان کو گھسیٹتے پھر رہے تھے۔ زربفت کی تین سو

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سے زائد گانٹھیں جو بڑے بڑے بنڈلوں کی مانند تھیں، ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ بعض گانٹھیں کھل گئیں اور کپڑا کھل کر بکھر گیا تھا۔

زربفت کا کپڑا اتنا زیادہ بکھرا کہ اس جگہ کا نام "مرج الدیباج" یعنی ریشم کا خیابان پڑ گیا۔ یہاں جو معرکہ لڑا گیا اسے تمام مؤرخوں نے معرکہ مرج الدیباج لکھا ہے۔

یہ گھوڑسوار جنہوں نے رومیوں اور دمشق والوں کے قافلے پر حملہ کیا تھا، ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور یہ خالدؓ کے بھیجے ہوئے سوار تھے۔ اس حملے کی تفصیلات یوں ہیں کہ یونس ابن مرقس نے جب خالدؓ کو بتایا کہ وہ انہیں ایک چھوٹے راستے سے رومیوں تک پہنچا سکتا ہے تو خالدؓ کو روشنی نظر آئی۔ یونس ابن مرقس خالدؓ کو اس لیے تعاقب اور حملے پر اُکسا رہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو پکڑ کر اپنے ساتھ لانا چاہتا تھا لیکن خالدؓ کچھ اور سوچ رہے تھے۔ انہوں نے اپنی فوج کی مایوسی دیکھی تھی۔ دشمن مالِ غنیمت اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

خالدؓ پر پابندی یہ عائد ہوگئی تھی کہ رومیوں کو تین دنوں کی مہلت دی گئی تھی۔ اس دوران مسلمان ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ تین دنوں میں رومیوں کو کسی نہ کسی پناہ میں پہنچ جانا تھا لیکن یونس ابن مرقس کہتا تھا کہ قافلہ انطاکیہ جا رہا ہے اور یونس اسے راستے میں پکڑوا سکتا ہے۔ خالدؓ کو غصہ اور تاسف پریشان کر رہا تھا۔ دشمن مع مالِ غنیمت کے ابوعبیدہؓ کی غلطی یا غلط فہمی سے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یونس کی یقین دہانی پر خالدؓ نے حملے کا پلان تیار کر لیا۔

اس پلان کے مطابق خالدؓ نے وہ سوار دستہ ساتھ لیا جو انہوں نے گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا تھا۔ اسے طلیعہ کہتے ہیں۔ یہ چار ہزار منتخب سواروں کا دستہ تھا۔ یہ سب شہسوار اور جانباز تھے۔ اس دستے کا گائیڈ یونس ابن مرقس تھا۔ وہ خوش تھا کہ خالدؓ اُس کی بیوی اُسے دلانے کے لیے اتنا بڑا جنگی اہتمام کر رہے ہیں لیکن خالدؓ کے سامنے کچھ اور مسئلہ تھا جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

خالدؓ نے اس دستے کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور روانہ ہوگئے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ خالدؓ نے ہر حصے کے سالار کو اور سواروں کو بھی بتا دیا تھا کہ جس قافلے پر حملہ کرنے جا رہے ہیں اسے صرف قافلہ نہ سمجھیں۔ وہ سب مسلح ہیں، اُن کے پاس گھوڑے بھی ہیں اور وہ رومی ہیں جو جان کی بازی لگا کر لڑنا جانتے ہیں اور وہ پسپا ہوتے ہیں تو منظم طریقے سے پیچھے ہٹتے ہیں، بھاگتے نہیں۔

⟵

چوتھے دن رومی فوج اور دمشق کے باشندوں کا یہ قافلہ انطاکیہ سے ابھی کچھ دور تھا کہ موسلا دھار بارش نے اسے بکھیر دیا۔ جوں ہی بارش ختم ہوئی، ایک ہزار گھوڑسواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ رومی دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان سواروں کے آگے آگے ضرار بن الازور تھے جنہوں نے حسب معمول سر پر خود بھی نہیں رکھی تھی اور قمیض بھی اتاری ہوئی تھی۔ وہ کمر تک برہنہ تھے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی سالار توما اور ہربیس پہلے تو اس پر حیران ہوتے کہ مسلمان کدھر سے آ نکلے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں دمشق کا ہی ایک گائیڈ مل گیا تھا جو انہیں ایک چھوٹے راستے سے لے گیا۔

"ہربیس!" ـــــ توما نے کہا ـــــ "سب کو مقابلے کے لیے تیار کرو۔ مسلمانوں نے ہمیں تین دنوں کی ضمانت دی تھی۔ یہ تین دن ختم ہوگئے ہیں۔"

"جم کر مقابلہ کرو" ـــــ ہربیس نے للکار کر کہا ـــــ "یہ بہت تھوڑے ہیں۔ کاٹ دو انہیں۔"

رومی فوج حملہ روکنے کی ترتیب میں ہوگئی۔ دمشق کے جو شہری لڑ سکتے تھے وہ بھی مسلمانوں کے مقابلے میں آ گئے۔ رومی سپاہی اور اہلِ دمشق بارش سے بھیگے ہوئے تھے اور اُن کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی عورتوں کو بچوں کو پیچھے کر دیا اور اُن کے ڈیڑھ دو سو آدمی تلواریں اور برچھیاں لے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوگئے۔

رومی للکار کر اور نعرے لگا لگا کر لڑ رہے تھے۔ ضرار جو برہنہ جنگجو کے نام سے مشہور ہوگئے تھے اپنی روایت کے مطابق لڑ رہے تھے بلکہ جو سامنے آیا اُسے کاٹتے جا رہے تھے لیکن رومی جس بے جگری سے لڑ رہے تھے اس سے یہی نظر آ رہا تھا کہ وہ مسلمان سواروں کا صفایا کر دیں گے۔

تقریباً نصف گھنٹہ گزرا ہوگا کہ ایک طرف سے خالدؓ کے دستے کے ایک ہزار مزید سوار گھوڑے سرپٹ دوڑاتے آ رہے تھے۔ ان کے سالار رافع تھے۔ رومی سالاروں نے دیکھا تو انہوں نے اپنی ترتیب بدل ڈالی اور چلا چلا کر کہنے لگے کہ وہ ان سواروں کو بھی ختم کر دیں گے۔ اُن کے لڑنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ اپنے دعوے کو صحیح ثابت کر سکتے تھے۔ معرکہ اور زیادہ خونریز ہوگیا۔

نصف گھنٹہ اور گزرا ہوگا کہ مزید ایک ہزار سوار شمال کی طرف سے آ گئے۔ ان کے سالار خلیفۃ المسلمین کے بیٹے عبدالرحمٰن تھے۔ اب رومیوں کے حوصلے مجروح ہونے لگے۔ یہ ایک ہزار سوار جدھر سے آئے تھے۔ یہ رومیوں کی پسپائی کا راستہ تھا۔ اُدھر انطاکیہ تھا۔ مسلمانوں نے یہ راستہ روک لیا تھا۔

اب تین ہزار مسلمان سوار رومیوں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے لیکن رومی اور اہلِ دمشق پہلے سے زیادہ شدت سے لڑنے لگے۔ یہ معرکہ اُن کے لیے زندگی اور موت کا معرکہ بن گیا تھا۔ اُن کا بڑا ہی قیمتی مال و متاع، اُن کے بچے اور بڑی خوبصورت اور جوان بیٹیاں بہنیں اور بیویاں اُن کے ساتھ تھیں۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ اُن کے لڑنے میں شدت پیدا ہوگئی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک رومیوں نے مسلمانوں کا ناک میں دم کیے رکھا۔ اُن کا سالار توما جس کی آنکھ میں تیر اُترا ہوا تھا، سپاہیوں کی طرح لڑ رہا تھا۔ اچانک ایک ہزار مزید گھوڑسوار ایک اور سمت سے آ گئے۔ ان کا سالار تلوار بلند کیے نعرے لگا رہا تھا:

أنا فارس الضديد

أنا خالدؓ بن ولید

رومی اس نعرے سے بخوبی واقف تھے۔ ان ایک ہزار سواروں کے قائد خالدؓ خود تھے۔ یہ تھا خالدؓ کا پلان۔ وہ ایک ایک ہزار سوار بھیجتے رہے اور آخر میں خود ایک ہزار سواروں کے ساتھ آئے۔ خالدؓ توما اور ہربیس کو ڈھونڈ رہے تھے۔

"کہاں ہے ایک آنکھ والا رومی" ـــــ خالدؓ للکار رہے تھے ـــــ "کہاں ہے وہ جس کی ایک آنکھ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

میں مومن کا تیر اُترا ہوا ہے۔"

رومی سالاروں کی تلاش میں خالدؓ دشمن کے دُور اندر چلے گئے۔ وہ اکیلے تھے۔ اُن کے محافظوں کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں غائب ہو گئے ہیں۔

"ابنِ ابی بکرؓ!" ــــ خالدؓ کا ایک محافظ سالار عبدالرحمٰنؓ کو دیکھ کر اُن تک پہنچا اور لڑائی کے شور وغل میں چلّا کر بولا ــــ "سالارِ اعلیٰ کا کچھ پتہ نہیں۔ اکیلے آگے چلے گئے ہیں۔"

"نہیں، نہیں" ــــ عبدالرحمٰنؓ نے گھبرا کر کہا ــــ "ابنِ ولید لاپتہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی تلوار گر نہیں سکتی۔"

عبدالرحمٰنؓ نے کچھ سواروں کو ساتھ لیا، بے طرح اور بے خطر اُس طرف گئے جدھر خالدؓ چلے گئے تھے۔ لڑائی ایسی تھی جیسے سوار گتھم گتھا ہو گئے ہوں۔ عبدالرحمٰنؓ ان میں راستہ بناتے خالدؓ کو ڈھونڈنے لگے۔ دیکھا کہ خالدؓ دشمن کے قلب میں پہنچے ہوئے تھے اور وہ توما کو اور دوسرے رومی سالار ہربیس کو ہلاک کر چکے تھے اور اب رومیوں کے نرغے سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُن کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ رومی زیادہ تھے۔ یہ خالدؓ تھے جو ابھی تک ہر وار بچا رہے تھے۔ رومیوں کے ہاتھوں اُن کی شہادت یقینی تھی۔ عبدالرحمٰن اپنے سواروں کے ساتھ پہنچ گئے اور رومیوں پر ایسا زور دار حملہ کیا کہ ان میں سے کئی ایک کو ہلاک کر دیا اور خالدؓ کو وہاں سے زندہ نکال لائے۔

اس معرکے کی صورت ایسی بن گئی تھی کہ کوئی ترتیب نہیں رہی تھی۔ یہ کھلی لڑائی تھی جو لڑنے والے اپنے اپنے انداز سے انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ مسلمان سواروں کی کمزوری یہ تھی کہ ان کی تعداد کم تھی اس لیے وہ رومیوں اور اہلِ دمشق کی اتنی زیادہ نفری کو گھیرے میں نہیں لے سکتے تھے۔ اس سے یہ ہوا کہ رومی اپنے سالاروں کی ہلاکت کے بعد ایک ایک دو دو معرکے میں سے نکلنے لگے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور کھڈ نالے بھی تھے۔ رومی وہیں کہیں غائب ہوتے گئے اور انطاکیہ کی طرف نکل گئے۔ اس طرح معرکہ آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔

خالدؓ کے حکم سے عورتوں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ کچھ عورتیں بھاگ گئی تھیں۔ عورتوں کے ساتھ کئی آدمیوں کو بھی قیدی بنا لیا گیا۔ اس قافلے کے ساتھ جو مال اسوال، خزانہ اور دیگر قیمتی سامان جا رہا تھا وہ سب وہیں رہ گیا۔ یہ مجاہدین کا مالِ غنیمت تھا۔

وہاں ایک حادثہ یوں ہوا کہ یونس ابن مرقس اپنی بیوی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ اُسے نظر آ گئی۔ وہ اُس کی طرف دوڑا۔ لڑکی بھاگ نکلی لیکن وہ کہیں جا نہیں سکتی تھی کیونکہ سب عورتیں مسلمان سواروں کے گھیرے میں تھیں۔ لڑکی نے جب دیکھا کہ کوئی راہِ فرار نہیں اور یونس جو مسلمان ہو چکا تھا، اُسے پکڑ لے گا تو اُس نے اپنے کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈالا اور خنجر نکال لیا۔ یونس کے پہنچنے تک لڑکی نے خنجر اپنے سینے میں گھونپ لیا۔ وہ گری اور یونس اُسے اٹھانے لگا۔

"جا ابن مرقس!" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "میرا خاوند مسلمان نہیں ہو سکتا" ــــ اور وہ مر گئی۔

یونس ابن مرقس دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اس لڑکی کی خاطر اُس نے دمشق مسلمانوں کو دلوایا تھا پھر یہ خونریز معرکہ لڑایا تھا مگر لڑکی نے اپنا خون بہا کر اُس کی محبت کا خون کر دیا۔

مسلمان سواروں نے اپنے شہیدوں کی لاشوں کو اور زخمیوں کو اُٹھایا، مالِ غنیمت رومیوں کی گھوڑا گاڑیوں پر لادا، عورتوں اور بچّوں کو مرے ہوئے رومیوں کے گھوڑوں پر بٹھایا اور دمشق کو چل پڑے۔ یہ اگلی صبح تھی۔

جب مالِ غنیمت وغیرہ اکٹھا کیا جا رہا تھا اُس وقت خالدؓ عورتوں کے قریب جا کر احکام دے رہے تھے۔ انہیں یونس ابن مرقس اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے اپنی بیوی ملی ہے یا نہیں۔

"مل گئی ہے" ــــ یونس نے روتے ہوئے جواب دیا ــــ "لیکن زندہ نہیں۔ اُس نے اپنے خنجر سے اپنے آپ کو مار دیا ہے۔"

"غم نہ کر ابن مرقس!" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "تُو اس سے زیادہ قیمتی انعام کا حقدار ہے۔ آ، میں تجھے اُس سے زیادہ خوبصورت بیوی دوں گا۔"

خالدؓ نے اُسے ایک رومی عورت دکھائی جو جوان تھی اور جس کا حُسن لاجواب تھا۔ اُس کا لباس ریشم کا تھا اور اُس کے گلے میں بڑا ہی قیمتی ہار تھا۔

"یہ تیرا مالِ غنیمت ہے" ــــ خالدؓ نے اُسے حُسن کا یہ پیکر دکھا کر کہا ــــ "میں اس کے ساتھ تیری شادی کرا دوں گا۔"

"نہیں سالارِ محترم!" ــــ یونس ابنِ مرقس نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا ــــ "میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔ آپ شاید نہیں جانتے۔ یہ شہنشاہِ ہرقل کی بیٹی ہے۔ یہ ان کے سالار توما کی بیوی تھی۔"

"اب یہ کسی شہنشاہ کی بیٹی نہیں" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "اب یہ تیری بیوی ہو گی۔"

"یہ مجھے واپس کرنی پڑے گی" ــــ یونس ابن مرقس نے کہا ــــ "ہرقل اپنی بیٹی کو واپس لینے کے لیے اپنی تمام تر سلطنت کی فوج اکٹھی کر کے دمشق پر حملہ کر دے گا۔ ایسا نہیں کرے گا تو فدیہ ادا کر کے اسے آپ سے واپس لے لے گا۔"

خالدؓ خاموش ہو گئے۔

اگلی صبح خالدؓ واپس روانہ ہوئے۔ وہ بہت خوش تھے۔ انہوں نے معاہدہ نہیں توڑا تھا اور اپنا مقصد بھی پورا کر لیا تھا۔

دمشق تک جانے والا راستہ آدھا طے ہوا تھا کہ انطاکیہ کی طرف سے بارہ چودہ گھوڑ سوار آئے۔ وہ رومی تھے۔ ان میں ایک اونچی حیثیت کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ خالدؓ سے ملنا چاہتا تھا۔ اُسے خالدؓ تک پہنچا دیا گیا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کا ایلچی ہوں" ــــ اُس نے کہا ــــ "اور یہ میرے محافظ ہیں۔ میں امن سے آیا ہوں، اس امید کے ساتھ کہ آپ سے بھی مجھے امن اور دوستی ملے گی۔"

"کیا پیغام لائے ہو؟" ــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل گئی ہے کہ آپ نے ہماری فوج اور دمشق سے ہجرت کرنے والوں پر حملہ کیا ہے" ــــ ہرقل کے ایلچی نے کہا ــــ "شہنشاہ نے آپ کے حملے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ انہوں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نے اپنی بیٹی واپس مانگی ہے اور کہا ہے کہ آپ جس قدر فدیہ طلب کریں گے، ادا کیا جائے گا۔ شہنشاہ نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ فیاض اور کشادہ ظرف ہیں۔ اگر آپ فدیہ نہ لینا چاہیں تو میری بیٹی مجھے بخش دیں۔"

ہرقل نے خالدؓ کو فیاض اور کشادہ ظرف کہہ کر اُن کی خوشامد نہیں کی تھی۔ وہی خالدؓ جو میدانِ جنگ میں دشمن کے لیے قہر تھے، میدان کے باہر اتنے ہی حلیم اور فیاض تھے۔

"اگر تمہارے شہنشاہ نے بخشش مانگی ہے تو اُس کی بیٹی کو بخشش کے طور پر لے جاؤ"۔۔۔ خالدؓ نے ایلچی سے کہا اور رکابوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے حکم دیا۔۔۔ "رومیوں کے شہنشاہ ہرقل کی بیٹی کو اُس کے ایلچی کے حوالے کر دو۔ خدا کی قسم، میں نے تم سب کی طرف سے اسے بخشش کے طور پر چھوڑ دیا ہے ہمیں ہرقل کی سلطنت چاہیئے اُس کی بیٹی نہیں۔"

ہرقل کی بیٹی اُس کے سفیر کے ساتھ چلی گئی۔

یونس ابن مرقس نے ٹھیک کہا تھا کہ ہرقل ہر قیمت پر اپنی بیٹی واپس لے لے گا۔ یونس کو خالدؓ نے اپنے حصے کے مالِ غنیمت میں سے بے انداز انعام دینا چاہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ وہ باقی عمر شادی نہیں کرے گا۔ بعد میں اُس نے اپنی زندگی اسلام اور جہاد کے لیے وقف کر دی تھی لیکن اُس کی باقی زندگی صرف دو سال تھی۔ وہ جنگِ یرموک میں شہید ہو گیا تھا۔

خالدؓ جب مالِ غنیمت کے ساتھ دمشق میں داخل ہوئے تو اُن کی فوج نے دیوانہ وار اُن کا استقبال کیا۔ وہ کامیاب لوٹے تھے۔ خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر المومنین ابوبکرؓ کے نام بڑا لمبا پیغام لکھوایا جس میں انہیں دمشق کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ یہ بھی لکھا کہ وہ دمشق میں کس طرح داخل ہوتے تھے اور ابوعبیدہؓ نے کیا غلطی کی تھی۔ انہوں نے تفصیل سے لکھا کہ وہ کس طرح رومیوں کے پیچھے گئے اور ان کے سالاروں توما اور ہربیس کو ہلاک کیا پھر ہرقل کی بیٹی کس طرح واپس کی۔ مالِ غنیمت کے متعلق لکھا کہ اس کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے جلدی بھیج دیا جائے گا۔

خالدؓ نے یہ پیغام اکتوبر ۶۳۴ء کی پہلی تاریخ (۲ شعبان ۱۳ ہجری) کے روز بھیجا تھا۔

قاصد روانہ ہو گیا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تو ابوعبیدہؓ خالدؓ کے خیمے میں آئے۔ ابوعبیدہؓ مغموم تھے۔ خالدؓ نے پوچھا کہ اُن کا چہرہ ملول کیوں ہے؟

"ابن ولید!۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے بوجھل آواز میں کہا۔۔۔ "خلیفہ ابوبکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمرؓ خلیفہ ہیں۔"

خالدؓ سُن ہو کے رہ گئے اور کچھ دیر ابوعبیدہؓ کے منہ پر نظریں جمائے رہے۔

"کب فوت ہُوئے ہیں؟"۔۔۔ خالدؓ نے سرگوشی میں یوں پوچھا جیسے سسکیاں لے رہے ہوں۔

"۲۲ جمادی الآخر کے روز!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔

یہ تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو فوت ہُوئے ایک مہینہ اور آٹھ دن ہو گئے تھے۔

"اطلاع اتنی دیر سے کیوں آئی؟"

"اطلاع جلدی آ گئی تھی"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا۔۔۔ "مدینہ سے قاصد آیا تو اُس نے دیکھا کہ ہم

نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اُس نے سوچا کہ محاصرے کے دوران یہ اطلاع دی تو اپنے لشکر میں کہرام بپا ہو جائے گا اور اس کا محاصرے پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔ اُس نے صرف یہ بتایا کہ مدینہ میں خیریت ہے اور کمک آ رہی ہے۔ ایک دو دنوں بعد اُس نے پیغام مجھے دے دیا اور چلا گیا۔ میں نے پڑھا اور یہی بہتر سمجھا کہ دمشق کا فیصلہ ہو جائے تو تجھے اور لشکر کو اطلاع دوں"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے نئے خلیفہ کا خط جو ابوعبیدہؓ کے نام لکھا گیا تھا، خالدؓ کو دے کر کہا۔۔۔ "اور یہ وہ خبر ہے جو میں تجھے لڑائی ختم ہونے تک نہیں دینا چاہتا تھا۔"

خالدؓ خط پڑھنے لگے۔ یہ خلیفہ عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو لکھا تھا:

"خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی طرف سے ابوعبیدہؓ کے نام!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ لازوال ہے جو ہمیں گمراہی سے بچاتا ہے اور اندھیرے میں روشنی دکھاتا ہے۔ میں تمہیں خالدؓ بن الولید کی جگہ وہاں کے تمام لشکر کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں۔ فوراً اپنی جگہ لو۔ ذاتی مفاد کے لیے مومنین کو کسی مشکل میں نہ ڈالنا۔ انہیں اُس پڑاؤ پر نہ ٹھہرانا جس کے متعلق تُو نے پہلے دیکھ بھال نہ کر لی ہو۔ کسی لڑائی کے لیے دستوں کو اُس وقت بھیجنا جب وہ پُوری طرح منظم ہوں اور کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا جس سے مومنین کا جانی نقصان ہو۔ اللہ نے تجھے میری آزمائش کا اور مجھے تیری آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔ دنیاوی لالچوں سے بچے رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح تجھ سے پہلے تباہ ہوئے ہیں تو طمع سے تباہ ہو جائے۔ تُو جانتا ہے وہ اپنے رتبے سے کس طرح گرے ہیں۔"

اس خط کا مطلب یہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر دیا تھا! اب ابوعبیدہؓ سپہ سالار تھے بلکہ وہ ایک مہینہ آٹھ دن پہلے سے سپہ سالار تھے۔

"اللہ کی رحمت ہو ابوبکرؓ پر!"۔۔۔ خالدؓ نے خط ابوعبیدہؓ کو دے کر کہا۔۔۔ "وہ زندہ ہوتے تو میرا یہ انجام نہ ہوتا۔"

مؤرخ یعقوبی اور واقدی لکھتے ہیں کہ اللہ کی تلوار جھک گئی تھی۔ اُس رات خالدؓ سو نہ سکے۔ ابوبکرؓ کو یاد کرتے اور روتے رہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رات جو خالدؓ نے مدینہ سے دُور دمشق میں خلیفۂ اوّل، ابوبکرؓ کی رحلت پر روتے گزار دی تھی، اُس رات سے ڈیڑھ دو مہینے پہلے مدینہ پر ماتم کے بادل چھانے لگے تھے۔ امیرالمومنین ابوبکرؓ ایسی حالت میں ٹھنڈے پانی سے نہا بیٹھے جب اُن کا جسم گرم اور پسینے سے شرابور تھا۔ فوراً انہیں بخار ہو گیا۔ علاج ہوتا رہا لیکن بخار جسم کو کھاتا رہا۔ اگر امیرالمومنین آرام کرتے تو شاید بخار کا درجۂ حرارت گر جاتا مگر بیماری کی حالت میں بھی اُنہوں نے اپنے آپ کو امورِ سلطنت میں مصروف رکھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے علاج کرایا ہی نہیں تھا۔ انہیں ایک روز تیمار داروں نے کہا کہ طبیب کو بلا کر علاج کرائیں۔

"میں نے طبیب کو بلایا تھا" — امیرالمومنین نے کہا — "اس نے کہا تھا کہ علاج اور آرام کی ضرورت ہے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میں جو چاہوں گا کروں گا میں نے اسے واپس بھیج دیا تھا۔"

"علاج کیوں نہیں کرایا امیرالمومنینؓ؟"

"آخری منزل پر آن پہنچا ہوں میرے رفیقو!" — خلیفۃ المسلمین ابوبکرؓ نے کہا — "اللہ نے جو کام میرے سپرد کیے تھے، وہ اگر سب کے سب پورے نہیں ہوئے تو میرے لیے یہ اطمینان کیا کم ہے کہ میں نے کوتاہی نہیں کی.... میں اللہ کے محبوبؐ کے پاس جا رہا ہوں۔"

تاریخ گواہ ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے دو سال اور تین ماہ کے دورِ خلافت میں معجزہ نما کام کیے تھے۔ رسولِ کریمؐ کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا جو فتنہ تمام تر سرزمینِ عرب میں پھیل گیا تھا وہ ایک جنگی طاقت تھی جسے ختم کرنے کے لیے اس سے زیادہ جنگی طاقت کی ضرورت تھی لیکن ابوبکرؓ نے تدبّر سے اور جنگی فہم و فراست سے مجاہدینِ اسلام کی قلیل تعداد کو استعمال کیا اور تھوڑے سے عرصے میں ارتداد کے فتنے اور اُس کی جنگی طاقت کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اُن تمام قبیلوں نے جو ارتداد کی لپیٹ میں آ گئے تھے، اسلام قبول کر لیا۔

ابوبکرؓ نے آنے والے مسلمان حکمرانوں، اُمرا اور وزراء کے لیے یہ سبق ورثے میں چھوڑا کہ ان میں بے لوث جذبہ ہو، اقتدار کی ہوس اور کوئی ذاتی مفاد نہ ہو تو پوری قوم مجاہدین کا لشکر بن جاتی ہے اور قوم کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو وہ کفر کی چٹانوں کے دل چاک کر دیا کرتی ہے۔ یہ سربراہِ سلطنت پر منحصر ہے کہ قوم فتح و کامرانی کی رفعتوں تک جاتی ہے یا ذلّت و رسوائی کی اندھیری کھائیوں میں۔

ارتداد کے علاوہ بھی کہیں بغاوت اور کہیں شورش تھی۔ خلیفۂ اوّل ابوبکرؓ نے ہر سو امن و امان قائم کر دیا تھا۔ فتنہ و فساد نہ رہا، بغاوت اور شورش نہ رہی تو ابوبکرؓ نے انتہائی جرأت مندانہ فیصلہ کیا۔ اُنہوں نے مجاہدین کو فارس جیسی شہنشاہی کے خلاف اور پھر اسی جیسی دوسری بڑی جنگی طاقت کے خلاف بھیج

دیا۔ مجاہدین نے کسریٰ کی طاقت کو کچل کر اُس کے بے شمار علاقے کو اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا پھر قیصرِ روم کی فوج پر دہشت بن کر چھا گئے اور اس کے کئی علاقے اسلامی سلطنت میں آ گئے۔ کسریٰ بھی اور قیصر بھی اپنے آپ کو ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے خلیفۂ اوّل کے احکام کی پیروی کرتے ہوئے، ان دونوں دشمنانِ اسلام کا گھمنڈ توڑ دیا اور اسلامی فوج کو ایک طاقت بنا دیا۔ انہی جنگوں میں مجاہدین کو فوج کی صورت میں منظّم کیا گیا تھا۔

ابوبکرؓ کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ اسلام ایک مذہب کی صورت میں ہی عرب سے عراق اور شام میں نہ پھیلا بلکہ اس سے اسلامی تمدّن اور اسلامی تہذیب بھی پھیلی بلکہ یُوں کہنا درست ہو گا کہ ایک نئے کلچر نے جنم لیا جسے لوگوں نے اسلامی کہا اور اسے اپنایا۔ اس سے پہلے تو لوگ فارس اور روم کے کلچر کو ہی تہذیب و تمدّن سمجھتے اور اسے فوراً قبول کر لیتے تھے۔

☼

خلیفۂ اوّل جیسے تھک سے گئے تھے اور پوری طرح مطمئن تھے کہ وہ خالقِ حقیقی کے حضور جا رہے ہیں اور سرخرو جا رہے ہیں۔ اُس دور کی تحریروں سے اور مؤرخوں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ابوبکرؓ کو ایک مسئلہ پریشان کر رہا تھا۔ یہ تھا اُن کی جانشینی کا مسئلہ۔ اُنھوں نے اپنے اہلِ خانہ سے اس مسئلے کا ذکر کیا تھا۔

"میرے اللہ کے رسولؐ کو موت نے اتنی مہلت نہیں دی تھی کہ کسی کو خود خلیفہ مقرر کر تے" — ابوبکرؓ نے کہا تھا — "اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اختلاف پر فتنہ اور فساد پیدا ہو گیا تھا۔ یہ تو اللہ کو منظور نہ تھا کہ اُس کے رسول کی اُمّت جس کی تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے، آپس میں لڑ کر ختم ہو جاتے۔ اللہ نے اُمّت کا اتحاد میرے ہاتھ پر قائم رکھا۔ خدا کی قسم میں رسول اللہ کی اُمّت کو اس فساد میں نہیں ڈال کر مروں گا کہ میرے بعد خلیفہ کون ہو۔ میں خلیفہ خود مقرر کر کے جان اللہ کے سپرد کروں گا۔"

عظیم تھے خلیفۂ اوّل کہ اُنہوں نے یہ بات سوچ لی تھی۔ اُس دَور کے تھوڑا عرصہ بعد کے وقائع نگار اور مبصّر لکھتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل نے سوچ لیا تھا قبیلوں یا طبقوں یا افراد میں جب اقتدار کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے تو قوم کا اتحاد پھٹے ہُوئے دامن کی مانند ہو جاتا ہے۔ فوجوں کی پیش قدمی پسپائی میں بدل جاتی ہے، پیچھے ہٹتا ہُوا دشمن آگے بڑھنے لگتا ہے، پھر فوج بھی اقتدار کی جنگ کا ہتھیار بن جاتی ہے اور سالار سُلطانی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کا وہ دَور فتوحات سے مالا مال ہو رہا تھا۔ درخشاں روایات جنم لے رہی تھیں اور یہی تاریخ اسلام کی بنیاد بن گئی تھیں۔ ابوبکرؓ کی دور بین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ قیصر و کسریٰ جو پسپائی اور زوال کے عمل سے گزر رہے ہیں اور نیست و نابود ہو جانے تک پہنچ گئے ہیں وہ مسلمانوں کے نفاق سے فائدہ اٹھائیں گے اور عفریت بن کر اسلام کو نگل جائیں گے۔

"کیا عمرؓ کو لوگ قبول کر لیں گے؟" — ابوبکرؓ نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا — "شاید نہ کریں۔ عمرؓ مزاج کا بہت سخت ہے.... اپنے احباب سے مشورہ لے لیتا ہُوں۔"

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوبکرؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو بلایا اور تنہائی میں بٹھایا۔

"ابنِ عوف!" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "کیا تو مجھے سچے دل سے بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟ تو اُسے کیسا سمجھتا ہے؟"

"خدا کی قسم خلیفہ رسولؐ!" ـــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا ـــ "جو میں جانتا ہوں وہ اُس سے بہتر نہیں جو تُو جانتا ہے۔"

"جو کچھ بھی تُو جانتا ہے کہہ دے" ـــ ابوبکرؓ نے کہا۔

"خلیفہ رسولؐ!" ـــ عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا ـــ "ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو عمرؓ بن خطاب سے بہتر ہو لیکن اُس کی طبیعت میں جو سختی ہے وہ بھی ہم میں سے کسی میں نہیں۔"

"رائے میری بھی یہی ہے ابنِ عوف!" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "تم سب کو عمرؓ کی سختی اس لیے زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ میرے مزاج میں بہت نرمی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو گا کہ اپنے بعد خلافت کا بوجھ اُس کے کندھوں پر ڈال دوں تو اُس کی سختی کم ہو جائے؟..... ایسے ہی ہو گا۔ کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ میں کسی پر سختی کرتا ہوں تو عمرؓ اُس کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے؟ اور میں کسی کی کوتاہی یا غلطی پر اپنا رویّہ نرم رکھتا ہوں تو عمرؓ اُس پر سختی کرتا ہے؟ وہ سمجھتا ہے کب سختی اور کب نرمی کی ضرورت ہے۔"

"بے شک ایسا ہی ہے" ـــ عبدالرحمٰنؓ نے کہا ـــ "خلیفہ رسولؐ! بے شک ایسا ہی ہے۔"

"اس بات کا خیال رکھنا ابو محمد! (عبدالرحمٰنؓ بن عوف)" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "میرے تیرے درمیان جو باتیں ہُوئی ہیں یہ کسی اور تک نہ پہنچیں۔"

عبدالرحمٰنؓ بن عوف چلے گئے تو امیرالمومنین نے اپنے ایک اور رفیق اور مشیر عثمانؓ بن عفّان کو بلایا۔

"ابوعبداللہ!" ـــ ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفان سے کہا ـــ "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ کیا تُو بتا سکتا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کیسا آدمی ہے؟"

"امیرالمومنین!" ـــ عثمانؓ بن عفان نے جواب دیا ـــ "خُدا کی قسم، ابن خطاب کو تُو مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہے پھر تُو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟"

"اس لیے کہ میں اپنی رائے رسولؐ اللہ کی اُمت پر نہیں ٹھونسنا چاہتا" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "میں تیری رائے ضرور لوں گا۔"

"امیرالمومنین!" ـــ عثمانؓ بن عفّان نے کہا ـــ "عمرؓ کا باطن اُس کے ظاہر سے اچھا ہے اور جو علم و دانش اُس کے پاس ہے وہ ہم میں سے کسی میں نہیں۔"

"ایک اور سوال کا جواب دے دے ابوعبداللہ!" ـــ ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان سے کہا ـــ "اگر میں اپنے بعد خلافت عمرؓ کے سپرد کر جاؤں تو تیرا کیا خیال ہے کہ وہ تم سب پر سختی کرے گا؟"

"ابنِ خطاب جو کچھ بھی کرے گا ہم اُس کی اطاعت میں فرق نہیں آنے دیں گے" ـــ عثمانؓ بن عفّان نے کہا۔

"ابوعبداللہ! اللہ تجھ پر رحم و کرم کرے" ـــ ابوبکرؓ نے کہا ـــ "میں نے جو تجھے کہا اور تُو نے جو مجھے کہا، یہ کسی اور کے کانوں تک نہ پہنچے۔"

☼

ابوبکرؓ نے کئی اور صحابہ کرام سے عمرؓ کے متعلق رائے لی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے انصار بھی۔ ابوبکرؓ نے ہر ایک سے کہا تھا کہ وہ کسی اور سے اس گفتگو کا ذکر نہ کرے لیکن یہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ اُنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بات کی۔ یہ آئندہ خلافت کا معاملہ تھا اور صحابہ کرامؓ کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ ابوبکرؓ عمرؓ کو خلیفہ مقرر کر رہے تھے۔ عمرؓ سخت طبیعت کے مالک تھے۔ اُن کے فیصلے بڑے سخت ہوتے اور وہ بڑی سختی سے ان پر عمل کراتے تھے۔

ان سب نے ایک وفد اس مقصد کے لیے بنایا کہ ابوبکرؓ کو قائل کریں کہ عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر نہ کریں۔ جب یہ وفد خلیفہ اوّل کے پاس گیا تو وہ لیٹے ہُوتے تھے۔ بخار نے انھیں اتنا کمزور کر دیا تھا کہ اپنے زور سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔

"امیرالمومنین!" ـــ وفد کے قائد نے کہا ـــ "خدا کی قسم، عمرؓ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اگر تُو نے اُس کو خلیفہ مقرر کر دیا تو اللہ کی باز پُرس کا تیرے پاس کوئی جواب نہ ہو گا۔ عمرؓ تیری خلافت میں سب پر رُعب اور غصّہ جھاڑتا ہے وہ خود خلیفہ بن گیا تو اُس کا رویّہ ظالموں جیسا ہو جائے گا۔"

ابوبکرؓ کو غصہ آگیا۔ اُنہوں نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن اُٹھ نہ سکے۔

"مجھے بٹھاؤ" ـــ انہوں نے غصیلی آواز میں کہا۔

انہیں سہارا دے کر بٹھا دیا گیا۔

"کیا تم سب مجھے اللہ کی باز پُرس سے اور اس کے غضب سے ڈرانے آئے ہو؟" ـــ ابوبکرؓ نے غصے اور نقاہت سے کانپتی ہُوئی آواز میں کہا ـــ "میں اللہ کے حضور جا کر کہوں گا، میرے رب! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین بندے کو خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے.... اور میں نے جو کہا ہے وہ تمام لوگوں کو سنا دو۔ میں نے عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔"

وہ سب جو ابوبکرؓ کو ان کے فیصلے کے خلاف قائل کرنے آئے تھے، خاموش ہو گئے اور شرمسار بھی ہُوئے کہ اُنہوں نے امیرالمومنین کو بیماری کی حالت میں پریشان کیا ہے۔ وہ سب اُٹھ کر چلے گئے۔

اس سے اگلے روز ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان کو بلایا۔ عثمانؓ خلیفہ کے کاتب تھے۔

"ابوعبداللہ!" ـــ ابوبکرؓ نے عثمانؓ بن عفّان سے کہا ـــ "لکھ جو میں بولتا ہوں" ـــ اُنہوں نے لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیّت ہے جو ابوبکرؓ بن ابوقحافہ نے اُس وقت لکھوائی ہے جب وہ دنیا سے رخصت ہو کر موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو رہا تھا۔ ایسے وقت پکّا کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور جس نے کبھی سچ نہ بولا ہو وہ بھی سچ بولنے لگتا ہے۔ میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمہاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔ اگر عمرؓ نے تم پر زیادتی کی اور عدل و انصاف نہ کیا تو وہ ہر انسان کی طرح اللہ کے حضور جواب دِہ ہو گا۔ مجھے امید ہے کہ عمرؓ عدل و انصاف کا دامن نہیں چھوڑے گا۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں تمہاری بھلائی اور بڑائی کے سوا اور کچھ نہیں سوچا۔"

وصیّت لکھواتے لکھواتے ابوبکرؓ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے یہاں تک لکھوایا ـــ "میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو...." اور وہ غشی میں چلے گئے۔ عثمانؓ بن عفّان نے خود یہ فقرہ مکمل لکھ دیا... "تمہارا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ تم سب پر اُس کی اطاعت فرض ہے۔ میں نے تمھاری بھلائی اور بہتری میں کوئی کسر نہیں رہنے دی۔"

ابوبکرؓ ہوش میں آگئے۔

"ابوعبداللہ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "پڑھ جو میں نے لکھوایا ہے۔"

عثمانؓ بن عفّان نے پڑھ کر سنایا۔

"اللہ اکبر!" — ابوبکرؓ نے کہا — "خدا کی قسم، تُو نے جو سوچ کر لکھا ہے وہ سوچ غلط نہیں تھی۔ تُو نے یہ سوچ کر عبارت پُوری کر دی کہ میں غشی کی حالت میں ہی دنیا سے رُخصت ہو گیا تو نامکمل وصیّت خلافت کے لیے جھگڑے کا باعث بن جائے گی۔"

"بے شک امیرالمومنین!" — عثمانؓ بن عفّان نے کہا — "میں نے یہی سوچ کر عبارت مکمل کر دی ہے۔"

"اللہ تجھے اس کی جزا دے" — ابوبکرؓ نے کہا۔ انہوں نے عثمانؓ بن عفّان کے الفاظ نہ بدلے اور وصیّت مکمل لکھوا دی۔

"مجھے اٹھا کر مسجد کے دروازے تک لے چلو" — امیرالمومنین نے کہا۔

اُن کے مکان کا ایک دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ وہ دروازہ کھولا گیا۔ نماز کا وقت تھا۔ بہت سے لوگ مسجد میں آچکے تھے۔ ابوبکرؓ کی زوجہ اسماء بنت عمیس انہیں دونوں ہاتھوں سے سہارا دے کر مسجد والے دروازے تک لے گئیں۔ نمازیوں نے انہیں دیکھا تو متوجہ ہُوئے۔

"میرے بھائیو!" — ابوبکرؓ نے نقاہت کے باوجود بلند آواز سے بولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا — "کیا تم اس شخص پر راضی ہو گے جسے میں خلیفہ مقرر کروں؟ میں نے اس میں تمھاری بھلائی سوچی ہے اور اپنے کسی رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ میرے بعد عمرؓ بن خطاب خلیفہ ہوگا۔ کیا تم سب اس کی اطاعت کرو گے؟"

"ہاں امیرالمومنین!" — بہت سی آوازیں سنائی دیں — "ہم اس فیصلے کو قبول کرتے ہیں۔ ہم ابنِ خطاب کی اطاعت قبول کریں گے۔"

اس کے بعد ابوبکرؓ نے وصیّت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔

☼

ابوبکرؓ کا پیشہ تجارت تھا لیکن خلافت کا بوجھ کندھوں پر آپڑا تو تجارت کی طرف توجہ نہ دے سکے۔ گزر اوقات تو کرنی ہی تھی۔ اُنھوں نے اپنے کنُبے کے لیے بیت المال سے کچھ الاؤنس منظور کرا لیا تھا۔ اب جب اُنہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے تو انہوں نے اپنے اہلِ خانہ سے کہا کہ ان کی جو تھوڑی سی زمین ہے وہ ان کی وفات کے بعد بیچ کر یہ تمام رقم جو وہ گزارے کے لیے بیت المال سے لیتے رہے ہیں، بیت المال میں جمع کرا دیں۔

"سب میرے قریب آجاؤ" — ابوبکرؓ نے آخری وقت اہلِ خانہ کو بُلا کر کہا — "مجھے صرف دو کپڑوں کا کفن پہنا کر دفن کرنا۔ تم دیکھتے رہے ہو کہ میں ایک ہی کپڑا پہنا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک کپڑا اور ملا لینا۔ ان کپڑوں کو پہلے دھو لینا۔"

"ہم تین نئے کپڑے لے سکتے ہیں" — عائشہؓ نے کہا — "کفن تین کپڑوں کا ہوتا ہے۔"

"نہیں عزیز بیٹی!" — ابوبکرؓ نے کہا — "کفن تو اس لیے ہوتا ہے کہ جسم سے کوئی مواد اور نمی نکلے تو اسے کفن چُوس لے۔ کفن پرانے کپڑوں کا ہُوا تو کیا! نئے کپڑے پہننے کا حق زندہ لوگوں کا ہے.... مجھے غسل اسماءؓ بنت عمیس (زوجہ) دے گی۔ اگر اکیلے غسل نہ دے سکے تو اپنے بیٹے کو ساتھ لے لے۔"

اتنے میں اندر اطلاع دی گئی کہ عراق کے محاذ سے مثنیٰ بن حارثہ آئے ہیں۔ گھر کے کسی فرد نے کہا کہ امیرالمومنینؓ اس وقت بات کرنے کے قابل نہیں۔

"نہیں" — امیرالمومنینؓ نے قدرے درشت لہجے میں کہا — "اُسے آنے دو۔ وہ بہت دُور سے آیا ہے۔ جب تک میرا سانس چل رہا ہے میں اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کر سکتا۔"

مثنیٰ کو اندر بلا لیا گیا۔ اُنہوں نے جب ابوبکرؓ کی حالت دیکھی تو پشیمان ہو گئے اور بات کرنے سے جھجکنے لگے۔

"مجھے گناہگار نہ کر ابنِ حارثہ!" — ابوبکرؓ نے کہا — "ہو سکتا ہے تُو مدد لینے آیا ہو۔ میں اگر تیرے لیے کچھ نہ کر سکا تو اللہ کی بازپُرس پر کیا جواب دوں گا؟"

"یا امیرالمومنین!" — مثنیٰ بن حارثہ نے کہا — "محاذ ہمارے قابو میں ہے۔ حالات ہمارے حق میں ہیں لیکن تعداد کی کمی پریشان کرتی ہے۔ مسلمان اب اتنے نہیں رہے کہ انہیں فوج میں شامل کر کے محاذوں پر بھیجا جائے۔ جو جہاد کے قابل تھے وہ پہلے ہی محاذوں پر ہیں۔ امیرالمومنین کے حکم سے اُن لوگوں کو مجاہدین کی صفوں میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا جو مرتد ہو گئے تھے۔ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو سچے دل سے اسلام قبول کر چکے ہیں اور محاذوں پر جانا چاہتے ہیں۔ کیا امیرالمومنین انہیں فوج میں شامل ہونے کی اجازت دیں گے؟"

"ابنِ خطاب کو بلاؤ" — امیرالمومنین نے کہا۔

عمرؓ دُور نہیں تھے، جلدی آگئے۔

"ابنِ خطاب!" — امیرالمومنین نے عمرؓ سے کہا — "ابنِ حارثہ مدد مانگنے آیا ہے۔ یہ جو کہتا ہے ایسا ہی کر اور اسے فوراً مدد دے کر محاذ کو روانہ کر..... اور اگر میں اس دوران فوت ہو جاؤں تو اس کام میں رکاوٹ نہ ہو۔"

☼

عربوں میں رواج تھا کہ باتیں شاعرانہ الفاظ اور انداز سے کیا کرتے تھے۔ خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کی نزع کے وقت کی چند باتیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ اُن کی بیٹی عائشہؓ اُن کے ساتھ لگی بیٹھی تھیں۔ انہوں نے باپ کو نزع کے عالم میں دیکھ کر اُس وقت کے ایک شاعر حاتم کا ایک شعر پڑھا:

"نزع کا عالم طاری ہوتا ہے، سانس نہ آنے سے سینہ گُھٹنے لگتا ہے تو دولت انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

"نہیں بیٹی!" — ابوبکرؓ نے نحیف آواز میں کہا — "ہمیں دولت سے کیا کام! اس شعر کی بجائے تُو نے قرآن کی یہ آیت کیوں نہ پڑھی.... 'تجھ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا ہے۔ یہی ہے وہ وقت جس سے تو ڈرا کرتا تھا۔'"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوبکرؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو انہیں آخری ہچکی آئی۔ انہوں نے سرگوشی میں یہ دعا کی — "یا اللہ! مجھے مسلمان کی حیثیت میں دنیا سے اٹھانا اور بعد از مرگ مجھے صالحین میں شامل کرنا" — یہ خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کے آخری الفاظ تھے۔ دن سوموار تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء (مطابق ۲۱ جمادی الآخر ۱۳ ہجری) تھی۔

اُسی رات دفن کر دینے کا فیصلہ ہُوا۔ ابوبکرؓ کی وصیّت کے مطابق اُن کی زوجہ اسماءؓ بنت عمیس نے غسل دیا۔ میت پر پانی اُن کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ ڈالتے جاتے اور عبدالرحمٰنؓ کی والدہ غسل دیتی جاتی تھیں۔ غسل کے بعد وہ چارپائی لائی گئی جس پر رسولِ کریمؐ کا جسد مبارک قبر تک پہنچایا گیا تھا۔ اس چارپائی پر خلیفہ رسولؐ کا جنازہ اٹھا اور جنازہ مسجد نبوی میں رسول اللہؐ کے مزار اور منبر کے درمیان رکھا گیا۔ نمازِ جنازہ کی امامت عمرؓ نے کی۔

مدینہ کی وہ رات سوگوار تھی۔ گلیوں میں ہچکیاں اور سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ رات بھی رو رہی تھی۔ وہ عظیم ہستی دنیا سے اٹھ گئی تھی جس نے اسلامی سلطنت کی نہ صرف بنیادیں مضبوط بنائی تھیں بلکہ ان پر مضبوط عمارت کھڑی کر دی تھی۔

ابوبکرؓ کو رسولِ کریمؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر اس طرح کھودی گئی کہ ابوبکرؓ کا سر رسولِ اکرمؐ کے کندھوں کے ساتھ تھا۔ اس طرح رسولِ کریمؐ اور خلیفہ رسولِ کریمؐ کی وہ رفاقت جو اُنہوں نے زندگی میں قائم رکھی تھی، وفات کے بعد بھی قائم رہی۔ ابوبکرؓ سب سے پہلے آدمی تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

☼

اب خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن خطاب تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے روز ہی جو پہلا حکم نامہ جاری کیا وہ خالدؓ کی معزولی کا تھا۔ اُنہوں نے تحریری حکم نامہ ابوعبیدہؓ کے نام قاصد کے ہاتھ بھیج دیا۔ خالدؓ اب سالارِ اعلیٰ نہیں بلکہ عام سالار بنا دیئے گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اب کسی مفتوحہ علاقے کے امیر نہیں بن سکتے تھے۔

مدینہ میں عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے دن مسجد نبویؐ میں نماز کی امامت کی اور خلیفہ کی حیثیت سے پہلا خطبہ دیا۔ اُنہوں نے سب سے پہلے یہ بات کہی — "قوم اُس اونٹ کی مانند ہے جو اپنے مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اُسے جہاں بٹھا دیا جاتا ہے وہ اُسی جگہ بیٹھا اپنے مالک کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ ربّ کعبہ کی قسم، میں تمہیں صراطِ مستقیم پر چلاؤں گا" — اُنہوں نے خطبے میں اور بھی بہت کچھ کہا اور آخر میں کہا — "میں نے خالدؓ بن الولید کو اُس کے عہدے سے معزول کر دیا ہے اور اب ابوعبیدہؓ افواج کے سالارِ اعلیٰ اور شام کے مفتوحہ علاقوں کے امیر ہیں۔"

مسجد میں جتنے مسلمان موجود تھے اُن کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ بعض کے چہروں پر حیرت اور بعض کے چہروں پر غصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ خالدؓ کی فتوحات تھوڑی اور معمولی نہیں تھیں۔ ابوبکرؓ اُن کی ہر فتح اور ہر کارنامہ مسجد میں بیان کیا کرتے اور یہ خبر تمام تر عرب میں پھیل جاتی تھی۔ خالدؓ کی زیادہ تر فتوحات معجزہ نما تھیں۔ اس طرح خالدؓ سب کے لیے قابلِ احترام شخصیت بن گئے تھے مگر عمرؓ نے خلیفہ بنتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔

ہر کوئی عمرؓ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ خالدؓ نے کیا جرم کیا ہے جس کی اُسے اتنی سخت سزا دی گئی ہے۔ اِن میں کچھ ایسے بھی تھے جو پوچھے بغیر عمرؓ کے فیصلے کی مخالفت کرنا چاہتے تھے لیکن کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ عمرؓ سے بازپُرس کرتا۔ سب جانتے تھے کہ عمرؓ ابوبکرؓ جیسے نرم مزاج نہیں اور ان کی طبیعت میں اتنی درشتی ہے جو بعض اوقات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ ایک نوجوان جو خالدؓ کے قبیلے بنی مخزوم سے تعلق رکھتا تھا، پھٹ پڑا۔ تاریخ میں اُس کا نام نہیں آیا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ ابھی اُس کی مسیں بھیگی تھیں۔

"امیر المومنین!" — اس نوجوان نے انتہائی بلند آواز میں کہا — "کیا تُو اس سالار کو معزول کر سکتا ہے جو اسلام کی شمشیرِ بے نیام ہے؟ کیا ابنِ ولید کو رسول اللہؐ نے سیف اللہ نہیں کہا تھا؟ تُو اس تلوار کو زبردستی نیام میں ڈال رہا ہے جسے اللہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے بے نیام کیا ہے.... کیوں؟ تُو نے ایسا حکم کیوں دیا ہے؟"

کیا عمرؓ سے یوں جواب طلبی کی جرأت کوئی کر سکتا تھا؟ عمرؓ سے تو ہر کوئی دبکتا تھا۔ اب تو وہ خلیفہ تھے۔ اس کم عمر جوان نے جس تلخی سے بات کی تھی یہ عمرؓ کے لیے قابلِ برداشت نہیں تھی۔ مسجد میں سناٹا طاری ہو گیا۔ سب کی نظریں عمرؓ کے چہرے پر جم گئیں۔ عمرؓ کے چہرے پر غصے یا خفگی کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔

"یہ لڑکا مجھ سے خفا ہو رہا ہے" — عمرؓ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں ہلکی سی درشتی بھی نہیں تھی، طنز بھی نہیں تھی۔ کہنے لگے — "میں اسے جانتا ہوں۔ ابنِ ولید اس کا چچازاد بھائی ہے" — اتنا ہی کہہ کر عمرؓ مسجد سے نکل گئے۔

اگر عمرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اُن کا ردِّ عمل مختلف ہوتا، لیکن وہ جانتے تھے کہ اسلام نے قوم کے ہر فرد کو، خواہ اُس کی حیثیت کچھ بھی نہ ہو، خلیفہ اور اُس کے کسی بھی امیر سے بازپُرس کی اجازت دے رکھی ہے۔

☼

اس سے اگلے روز عمرؓ نے نماز کی امامت کی اور پھر خطبہ دینے لگے۔ وہ خالدؓ کی معزولی کی وجہ بیان کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

"میں اللہ کے سامنے اور قوم کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دِہ ہوں" — عمرؓ نے کہا — "ابن الولید کو میں نے کسی ذاتی رنجش یا کسی بے بنیاد الزام پر معزول نہیں کیا۔ وہ امیر خاندان کا فرد ہے۔ اُس نے امیری میں پرورش پائی ہے اس لیے ابھی تک اُس کی عادتیں امیروں جیسی ہیں۔ وہ شاعروں کو بڑے بڑے انعام دیتا ہے۔ رقمیں ضائع کرتا ہے۔ یہ رقمیں بیت المال میں آنی چاہئیں یا امداد کے طلب گار گھروں میں جانی چاہئیں۔ وہ پہلوانوں، شہسواروں اور تیغ زنوں کو بھی انعام دیتا ہے....

"مجھے ابوبکرؓ کی خلافت کے وقت بتایا گیا تھا کہ ابن الولید نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام میں دیئے ہیں۔ اگر اُس نے یہ رقم مالِ غنیمت میں سے دی ہے تو یہ مجرمانہ خیانت ہے اور اگر اُس نے اپنے حصّے میں سے یہ انعام دیا ہے تو یہ مجرمانہ اسراف ہے۔ اسلام اس عیاشی اور فضول خرچی کی اجازت نہیں دیتا.... میں خلیفہ اوّل کو جو مشورے دیا کرتا تھا اُن پر میں خود عمل کیوں نہ کروں؟"

لوگ خاموش تو ہو گئے لیکن ان میں بیشتر ایسے تھے جو خالدؓ کی معزولی کو بہت زیادہ سزا اور بے انصافی کہتے تھے۔

مؤرخ یہاں تک تو متفق ہیں کہ خلیفہ دوم عمرؓ بن خطاب نے خالدؓ کو اُن کی فضول خرچی کی وجہ سے معزول کیا تھا لیکن مؤرخوں میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض نے کچھ اور وجوہات بھی بیان کی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خالدؓ کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ وہ مفتوحہ علاقوں کے امیر تھے لیکن اُن کی عادتیں خود مختار حکمرانوں جیسی تھیں۔ جسے چاہتے انعام واکرام سے مالا مال کر دیتے اور کسی حقدار اور نادار کا خیال نہیں رکھتے تھے۔

اُنہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عمرؓ کو خدشہ تھا کہ خالدؓ کا ہاتھ نہ روکا تو مفتوحہ علاقوں کے لوگ کسی وقت مدینہ کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ اس صورت میں رومی اُن کی مدد کو آجائیں گے۔

صحیح الزام وہی معلوم ہوتا ہے جو عمرؓ نے خطبے میں بتا دیا تھا یعنی خالدؓ نے اشعث بن قیس کو دس ہزار درہم انعام دیا تھا اور یہ بھی صحیح تھا کہ خالدؓ اخراجات کے معاملے میں محتاط نہیں تھے لیکن ان کے خلاف بد دیانتی اور خیانت کا الزام صحیح نہیں تھا۔ وہ اپنے حصّے کے مالِ غنیمت میں سے خرچ کیا کرتے تھے۔

خلیفہ دوم عمرؓ نے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام میں ڈسپلن پیدا کرنے کے لیے بڑا ہی جرأت مندانہ فیصلہ کیا تھا لیکن اس فیصلے میں بہت بڑا خطرہ تھا جو اُنہوں نے مول لیا۔ خطرہ یہ تھا کہ خالدؓ کی جنگی قیادت، قابلیّت اور پے بہ پے فتوحات کی وجہ سے انہیں لوگوں میں اور فوج میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ اُن کی معزولی پر لوگوں میں اضطراب پھیل گیا تھا اور وہ احتجاجی باتیں کر رہے تھے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ جس محاذ پر تھے، وہاں کی تمام فوج کو اکٹھا کر کے ابو عبیدہؓ نے اعلان کیا کہ امیر المومنین ابو بکرؓ فوت ہو گئے ہیں اور اب عمرؓ بن خطاب خلیفہ ہیں۔ فوج کو دوسری خبر یہ سنائی گئی کہ خالدؓ کو سپہ سالاری سے معزول کر کے عام سالار بنا دیا گیا ہے اور اب ابو عبیدہؓ سالارِ اعلیٰ ہیں۔

ابو بکر کی وفات کی خبر پر تمام لشکر سے گونج اٹھی — "انا للہ وانا الیہ راجعون" — پھر لشکر سے کھسر پھسر اور سرگوشیاں سنائی دینے لگیں لیکن خالدؓ کی معزولی کی خبر نے سب پر سناٹا طاری کر دیا۔ یوں لگتا تھا جیسے ابو بکرؓ کی وفات کو فوج نے ذہن سے اتار دیا ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ فوج کے خیموں سے بڑی تلخ اور غصیلی باتیں اٹھنے لگیں۔

"نیا خلیفہ خالدؓ کی مقبولیت سے ڈر گیا ہے"۔

"ابنِ خطاب غصیلا آدمی ہے۔ وہ ابن الولید کو دبا کر رکھنا چاہتا ہے"۔

"کیوں معزول کر دیا ہے؟ ابن الولید کہاں سے پسپا ہُوا ہے؟ کس میدان میں شکست کھائی ہے؟"

"خلیفہ کو ڈر ہے کہ خالدؓ بن الولید خود مختار حکمران بن جائیں گے"۔

اور جو سنجیدہ ذہن کے لوگ تھے وہ پوچھ رہے تھے کہ خالدؓ کا ردِّ عمل اور رویّہ کیا ہو گا۔ یہ ایک تاریخی اہمیّت کا سوال تھا۔ خالدؓ کے بغیر اسلامی فوج کی مزید فتوحات مخدوش تھیں۔ مؤرخوں نے اور جنگی مبصّروں نے لکھا ہے کہ جو اہلیّت اور جارحیّت خالدؓ میں تھی وہ اور کسی سالار میں نہیں تھی۔ ابو عبیدہؓ زاہد اور پرہیزگار

تھے اور انہیں امین الاُمّت کہا جاتا تھا اور وہ بڑے ہی دلیر سپاہی تھے لیکن اُن میں خالدؓ والی قیادت کے جوہر نہیں تھے۔

اس سوال کا جواب اگلی کارروائی دے سکتی تھی۔

☼

اگلا معرکہ ایک ہی ہفتے بعد آگیا۔ ابو عبیدہؓ کو فوج کی کمان لیے ابھی ایک ہی ہفتہ گزرا تھا۔ انہیں اطلاع دی گئی کہ ایک اجنبی اُن سے ملنے آیا ہے۔ اپنے آپ کو عربی ظاہر کرتا ہے لیکن عیسائی ہے۔ ابو عبیدہؓ نے اُسے بلا لیا۔ اجنبی تنہائی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ ابُو عبیدہؓ نے سب کو باہر نکال دیا۔

"کیا مسلمان سالارِ اعلیٰ ایک عیسائی عرب پر اعتبار کرے گا؟" — اس عیسائی نے کہا — "اگر مالِ غنیمت کی ضرورت ہے تو ایک جگہ بتاتا ہوں حملہ کریں اور مالا مال ہو جائیں"۔

"پہلے یہ بتا کہ تُو ہم پر اتنی مہربانی کرنے کیوں آیا ہے؟" — ابو عبیدہؓ نے پُوچھا — "رومی تیرے ہم مذہب ہیں۔ تُو انہیں کیوں نقصان پہنچا رہا ہے؟"

"اپنے وطن کی محبت کی خاطر!" — عیسائی نے جواب دیا — "رومی میرے ہم مذہب تو ہیں لیکن زندہ عیسائیوں کو شیروں کے آگے رومیوں نے ہی ڈالا تھا اور عیسیٰؑ کو مصلوب کرنے والے رومی ہی تھے۔ میں ان کی شہنشاہی دیکھ رہا ہوں۔ یہ رعایا کو انسان نہیں سمجھتے۔ میں نے مفتوحہ علاقوں میں آپ کی حکومت بھی دیکھی ہے۔ آپ رعایا کو انسانیت کا درجہ دیتے ہیں۔ میں رومیوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوں۔ میرے دل میں صرف اپنا نہیں پوری انسانیت کا درد ہے.... میں مسلمان نہیں لیکن میں یہ تو فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں عربی ہوں اور عرب کے لوگ اچھے ہوتے ہیں"۔

اس عیسائی عرب نے ابو عبیدہؓ کو متاثر کر لیا۔ ابو عبیدہؓ نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون سی جگہ بتا رہا ہے جہاں حملہ کرنا ہے۔

"ابوالقدس!" — عیسائی عرب نے جواب دیا اور یہ بتا کر کہ یہ مقام ابوالقدس کتنی دُور اور کہاں ہے، ابو عبیدہؓ کو بتایا — "دو تین دنوں بعد وہاں ایک میلہ شروع ہونے والا ہے۔ اس میں دُور دُور کے تاجر بیچنے کے لیے مال لائیں گے۔ بڑی قیمتی اشیاء کی دکانیں لگیں گی۔ بڑے دولت مند خریدار آئیں گے۔ اگر آپ کو مالِ غنیمت چاہیئے تو چھوٹا سا ایک دستہ بھیج کر سارے میلے کا مال سمیٹ لیں"۔

"کیا اس میلے کی حفاظت کے لیے رومی فوج کا کوئی دستہ وہاں ہے؟" — ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"نہیں ہو گا" — عیسائی عرب نے جواب دیا — "میں یہ جانتا ہوں کہ بحیرۂ روم کے ساحلی شہر طرابلس میں رومی فوج موجود ہے۔ وہاں سے فوج اتنی جلدی ابوالقدس نہیں پہنچ سکتی۔ آپ کے لیے میدان صاف ہے" — وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ کہنے لگا — "مجھے زیادہ دیر یہاں نہیں رکنا چاہیئے"۔ وہ چلا گیا۔

☼

ابو عبیدہؓ نے اِس میلے کو موٹا اور آسان شکار سمجھا۔ اُنہوں نے اپنے مشیر سالاروں کو بلایا جن میں خالدؓ بھی شامل تھے۔ ابو عبیدہؓ نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ عیسائی عرب انہیں کیا بتا گیا ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"یہ مالِ غنیمت ہاتھ سے جانا نہیں چاہیئے" ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــــ "ابوالقدس دشمن کا علاقہ ہے اور اس دشمن کے ساتھ ہماری جنگ ہے۔ جنگ کی صورت میں میلے پر ہمارا چھاپہ جائز ہے۔ اس سے رومیوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی" ـــــ ابوعبیدہؓ نے باری باری سب کو دیکھا اور کہنے لگے ـــــ "تم میں کون اس چھاپہ مار کارروائی کے لیے جانا چاہتا ہے" ـــــ ابوعبیدہؓ کی نظریں خالدؓ کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

نظریں خالدؓ پر جما لینے کا مطلب یہی تھا کہ خالدؓ اپنے آپ کو اس چھاپے کے لیے پیش کریں گے لیکن خالدؓ اس طرح خاموش بیٹھے رہے جیسے اس کام کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے ابوعبیدہؓ کو خالدؓ کی خاموشی اور بے رُخی سے بہت مایوسی ہوئی ہو گی۔ انہیں یہ خیال بھی آیا ہو گا کہ خالدؓ کا یہ رویّہ اُن کی معزولی کا ردِّعمل ہے۔

وہاں ایک نوجوان بھی موجود تھا۔ اُس کے چہرے پر داڑھی ابھی ابھی آئی تھی۔

"میں جاؤں گا" ـــــ یہ نوجوان بول اُٹھا ـــــ "یہ فیصلہ سالارِ اعلیٰ کریں گے کہ میرے ساتھ کتنی نفری ہو گی"

"کیا تو ابھی کمسن نہیں ابنِ جعفر؟" ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا اور ایک بار پھر خالدؓ کی طرف دیکھا مگر خالدؓ لاتعلق بیٹھے تھے۔

"امین الامّت!" ـــــ نوجوان نے جواب دیا ـــــ "میں مدینہ سے آیا ہی کیوں ہوں؟ میں کچھ کر کے دکھانا چاہتا ہوں۔ کیا میرے بزرگ بھول گئے ہیں کہ میرے سر پر اپنے شہید باپ کا قرض ہے؟.... امین الامّت! میں کمسن ضرور ہوں لیکن اناڑی نہیں ہوں، بزدل نہیں ہوں۔ کچھ سیکھ کر آیا ہوں۔ کیا میرے بزرگ میری حوصلہ شکنی کریں گے؟"

"خدا کی قسم، ابنِ جعفر!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــــ "تیری حوصلہ شکنی نہیں ہو گی۔ پانچ سو سواروں کا دستہ لے لے۔ تُو اس دستے کا سالار ہو گا"

ابوعبیدہؓ نے ایک کمسن لڑکے کو پانچ سو سواروں کا سالار غالباً یہ سوچ کر بنا دیا تھا کہ یہ چھاپہ نہایت آسان تھا۔ وہاں کوئی فوج نہیں تھی جو ان سواروں کے مقابلے میں آتی۔

یہ نوجوان کوئی عام سا لڑکا نہیں تھا۔ اُس کا نام عبداللہ تھا اور وہ رسولِ کریمؐ کے چچازاد بھائی جعفرؓ کا بیٹا تھا۔ جعفرؓ موتہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔

☼

اُس رات چاند پورا تھا۔ شعبان کی پندرہ تاریخ تھی۔ عیسوی سن کے مطابق یہ ۱۴ اکتوبر ۶۳۴ء کی رات تھی۔ نوجوان عبداللہ پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر رات کو روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ عاشقِ رسولؐ اور نامور مجاہد ابوذر غفاریؓ بھی تھے۔ یہ دستہ اُس وقت روانہ کیا گیا تھا جب میلہ شروع ہو چکا تھا۔

عبداللہ کا دستہ صبح طلوع ہو چکی تھی جب وہاں پہنچا۔ میلہ کیا تھا، وہ تو خیموں، شامیانوں اور قناتوں کا ایک گاؤں آباد تھا اور یہ گاؤں بہت ہی خوبصورت تھا۔ دکانوں پر بڑا ہی قیمتی مال سجا ہوا تھا۔ میلے کی رونق جاگ اُٹھی تھی۔

عبداللہ نوجوان تھا۔ وہ اپنے آپ کو اناڑی نہ سمجھتا تھا لیکن اناڑی پن کا ہی مظاہرہ کیا۔ سب سے

پہلے انہیں ایک دو جاسوس یہ دیکھنے کے لیے بھیجنے چاہئیں تھے کہ رومی فوج کا کوئی دستہ قریب کہیں موجود ہے یا نہیں اور میلے میں جو لوگ آئے ہوئے ہیں وہ بہروپ میں رومی فوجی تو نہیں۔ اُس نے وہاں جاتے ہی حملے کا حکم دے دیا۔

پانچ سو مسلمان سوار میلے کے اردگرد گھیرا ڈالنے لگے اور اچانک کم و بیش پانچ ہزار رومی سوار جانے کہاں سے نکل آئے اور وہ میلے اور مسلمان سواروں کو نرغے میں لینے لگے۔ پانچ سو کا مقابلہ پانچ ہزار سے تھا اور صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمان سوار گھیرے میں آ گئے تھے۔ اُن کی تباہی لازمی تھی۔ یہ پانچ ہزار رومی سوار میلے کی حفاظت کے لیے وہاں قریب ہی موجود تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلمان بہت تیز پیشقدمی کیا کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان فوج اچانک آ جائے اور میلے کو لوٹ لے۔

مسلمان سوار رومی سواروں کے گھیرے سے نکلنے کے لیے گھوڑے دوڑا رہے تھے لیکن کہاں پانچ سو اور کہاں پانچ ہزار۔ مسلمان جدھر جاتے تھے، اُدھر سے روک لیے جاتے تھے۔ میلے میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں کی چیخ و پکار تھی۔ دکاندار اپنا مال سمیٹ رہے تھے اور جن کے پاس رقمیں تھیں وہ بھاگ رہے تھے۔ کئی ایک گھوڑوں تلے کچلے گئے۔

مسلمان ہر میدان میں قلیل تعداد میں لڑے ہیں۔ اس سے انھیں اپنے سے کئی گنا زیادہ لشکر سے لڑنے اور فتح یاب ہونے کا تجربہ تھا۔ اُنہوں نے پانچ سو کی تعداد میں پانچ ہزار کا گھیرا توڑنے کی کوشش کی لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اُنہوں نے کسی کی ہدایت کے بغیر ہی اپنے آپ کو گول ترتیب میں کر لیا اور رومیوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ عبداللہ لڑ سکتا تھا، اِس خطرناک صورتِ حال میں اپنے سواروں کی قیادت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سپاہیوں کی طرح بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ ابوذر غفاریؓ بھی جان پر کھیل کر لڑ رہے تھے۔ تمام سوار آگے بڑھ بڑھ کر رومیوں پر حملے کر رہے تھے اور رومیوں کے حملے روکتے بھی تھے۔ اُن کی گول ترتیب اس طرح تھی کہ سب کے منہ باہر کی طرف تھے یعنی اُن کا عقب تھا ہی نہیں جس پر دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا۔

رومیوں نے جب مسلمانوں کو اس انوکھی ترتیب میں دیکھا تو وہ سٹپٹائے اور آگے بڑھنے میں محتاط ہو گئے لیکن اُن کی تعداد دس گنا تھی اور وہ لڑنا جانتے تھے۔ اُن کے محتاط ہونے سے صرف یہ فرق پڑا تھا کہ مسلمانوں کی تباہی تھوڑی سی دیر کے لیے ملتوی ہو گئی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ پانچ سو سوار پانچ ہزار سواروں کے نرغے سے زندہ نکل آتے۔

یہ پانچ سو مجاہدین اپنے سالارِ اعلیٰ کی ایک خطرناک لغزش کی سزا بھگت رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ امین الامّت تھے۔ زہد اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ صحابہؓ کرام میں اُن کا مقام سب سے بلند تھا لیکن حکومت کرنے کے لیے اور فوج کی قیادت کے لیے اور جنگی امور اور کارروائیوں میں فیصلے کرنے کے لیے صرف ان اوصاف کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ اوصاف بعض حالات میں قوم اور فوج کو لے ڈوبتے ہیں۔

ابوعبیدہؓ کی سادگی کا یہ اثر کہ انھوں نے ایک عیسائی پر اعتماد کیا اور محض مالِ غنیمت کی خاطر پانچ سو سواروں کو ایک بچے کی قیادت میں یہ معلوم کیے بغیر بھیج دیا کہ وہاں دشمن کی فوج موجود ہے یا نہیں۔

☼

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ابوعبیدہؓ اپنے سالاروں کے ساتھ بیٹھے ہوتے تھے۔ دمشق فتح ہو چکا تھا۔ اگلی پیشقدمی کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا اور فوج آرام کر رہی تھی۔

ایک گھوڑ سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ابوعبیدہؓ کے خیمے کے سامنے آ رکا۔ سوار کود کر اُترا اور دوڑتا ہُوا خیمے میں داخل ہو گیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ سب اُس کی طرف متوجہ ہوتے۔

"سالارِ اعلیٰ!" ــــ اُس نے ابوعبیدہؓ سے کہا ــــ "وہ سب مارے جا چکے ہوں گے۔ وہ گھیرے میں آتے ہوتے ہیں۔"

"کون؟" ــــ ابوعبیدہؓ نے گھبراتے ہُوتے لہجے میں پوچھا ــــ "کس کی بات کر رہے ہو؟ کون کس کے گھیرے میں آیا ہُوا ہے؟"

"ابوالقدس!" ــــ سوار نے کہا ــــ "ابوالقدس کے پانچ سو سواروں کی بات کر رہا ہوں.... اُن کی مدد کو جلدی پہنچیں۔ ایک بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

جن مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے ان سب نے لکھا ہے کہ یہ واحد سوار تھا جو میلے میں بھگدڑ مچ جانے سے فائدہ اٹھاتے ہُوتے رومیوں کے گھیرے سے نکل آیا تھا۔ ابھی گھیرا مکمل نہیں ہُوا تھا۔ اس مجاہد نے اندازہ کر لیا تھا کہ اُس کے ساتھیوں کا انجام کیا ہو گا۔ اُس نے انتہائی تیز رفتار سے گھوڑا دوڑایا اور دمشق پہنچا تھا۔

اُس نے بڑی تیزی سے بولتے ہوتے تفصیل سے بتایا کہ ابوالقدس کے میلے میں کیا ہُوا اور کیا ہو رہا ہے۔ ابوعبیدہؓ کا رنگ زرد ہو گیا۔ انہوں نے خالدؓ کی طرف دیکھا۔ خالدؓ کے چہرے پر پریشانی کا گہرا تاثر تھا۔

"ابوسلیمان!" ــــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے التجا کے لہجے میں کہا ــــ "اللہ کے نام پر ابوسلیمان! تیرے سوا انہیں گھیرے سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ جاؤ، فوراً جاؤ۔"

"اللہ کی مدد سے میں ہی انہیں گھیرے سے نکالوں گا" ــــ خالدؓ نے جوش سے اُٹھتے ہُوتے کہا ــــ "میں تیرے حکم کے انتظار میں تھا امین الامّت!"

"مجھے معاف کر دینا ابوسلیمان!" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "میں نے تیری نیّت پر شک کیا تھا اس لیے حکم نہ دیا۔ میرا خیال تھا کہ معزولی نے تجھ پر بہت بُرا اثر کیا ہے۔"

"خدا کی قسم، مجھ پر ایک بچّے کو سالارِ اعلیٰ مقرر کر دیا جائے گا تو میں اُس کا بھی مطیع رہوں گا" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "مجھے تو رسولؐ اللہ کے امین الامّت نے کہا ہے۔ کیا میں ایسے گناہ کی جرأت کر سکتا ہوں کہ تیرا حکم نہ مانوں؟ تو تیرے قدموں کی خاک کی بھی برابری نہیں کر سکتا.... اور بتا دے سب کو کہ ابوسلیمانؓ ابن الولید نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی ہے۔"

مؤرخ واقدی اور طبری لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کچھ دیر ابنؓ الولید کو دیکھتے رہے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "جا ابوسلیمان! اپنے بھائیوں کی جانیں بچا۔"

☼

تاریخوں میں ایسی تفصیلات نہیں ملتیں کہ خالدؓ اپنے ساتھ کتنے سو یا کتنے ہزار سوار لے کر گئے تھے۔ باقی حالات مختلف تاریخوں میں بیان کیے گئے ہیں۔ خالدؓ نے "برہنہ مجاہد" ضرارؓ بن الازور کو ساتھ لیا تھا اور ان دونوں کے پیچھے مسلمان رسالہ سرپٹ گھوڑے دوڑاتا جا رہا تھا۔

خالدؓ اور ضرارؓ تو گھرے ہُوتے مجاہدین کی مدد کو چلے گئے، پیچھے ابوعبیدہؓ کی حالت بگڑ گئی۔

"اللہ، اللہ، اللہ!" ــــ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر گڑگڑانے لگے ــــ "خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے مجھے لکھا تھا کہ مالِ غنیمت کے لالچ میں مجاہدین کو ایسی مشکل میں نہ ڈالنا کہ اُن کی جانیں ضائع ہو جائیں۔ عمرؓ نے لکھا تھا کہ فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھ بھال کر لینا.... مجھے معاف کر دینا اللہ! یہ مجھ سے کیا فیصلہ ہُوا ہے۔ میں نے ایک عیسائی کی بات کو سچ مانا اور میں نے ایک کمسن لڑکے کو پانچ سو سواروں کی کمان دے دی اور اُسے اتنا بھی نہ کہا کہ وہ اپنے دستے کو دُور روک کر ہدف کی دیکھ بھال ضرور کر لے۔"

ابوعبیدہؓ کے رفیق سالار انہیں تسلیاں دیتے رہے لیکن ابوعبیدہؓ نے جو پانچ سو قیمتی سواروں کو اپنی لغزش کی بھٹی میں جھونک دیا تھا اس پر وہ مطمئن نہیں تھے۔

☼

خالدؓ اور ضرارؓ اپنے سواروں کے ساتھ انتہائی رفتار سے ابوالقدس پہنچ گئے۔ وہاں مجاہدین کی حالت بہت بُری تھی۔ خالدؓ کے حکم سے ان کے سواروں نے تکبیر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ ان نعروں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ گھیرے میں آتے ہُوتے مسلمان سواروں کی حوصلہ افزائی ہو اور رومیوں پر دہشت طاری ہو۔

اس کے بعد خالدؓ نے اپنا نعرہ بلند کیا:

انا فارس الضدید

انا خالدؓ بن الولید

رومیوں نے پہلے معرکوں میں یہ نعرہ سنا تھا۔ اس نعرے کے ساتھ ہی مسلمانوں نے انہیں جس حالت میں کاٹا اور بھگایا تھا، اسے تو وہ باقی عمر نہیں بھول سکتے تھے۔

رومی سوار اپنے نرغے میں لیے ہُوتے مسلمانوں کو تو بھول ہی گئے۔ خالدؓ نے اپنے سواروں کو پھیلا کر برق رفتار حملہ کرایا تاکہ رومیوں کو آمنے سامنے کی لڑائی کی ترتیب میں آنے کی مہلت ہی نہ ملے۔ خالدؓ کو اپنی ایک کمزوری کا احساس تھا۔ وہ دمشق سے گھوڑوں کو دوڑاتے ہُوتے ابوالقدس تک پہنچے تھے۔ گھوڑے تھک گئے تھے۔ ان کے جسموں سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ رومیوں کو جلدی بھگایا جائے ورنہ گھوڑے جواب دے جائیں گے۔

ضرارؓ بن الازور نے اپنا وہی کمال دکھایا، جس پر وہ رومیوں میں مشہور ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے اپنی خود، زرہ اور اپنی قمیض بھی اتار پھینکی اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ رومی سوار اتنی آسانی سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔ وہ اپنے نرغے میں لیے ہوتے مسلمان سواروں میں سے کئی ایک کو شہید اور زیادہ تر کو شدید

زخمی کر چکے تھے۔ ان میں جو بچ گئے تھے، انہیں خالدؓ کے آجانے سے نیا حوصلہ مِلا۔ رومی خالدؓ اور ضرارؓ کے سواروں کے مقابلے کے لیے مُڑے تو پیچھے سے اُن بچے کچھے سواروں نے اُن پر ہلّہ بول دیا جو کچھ دیر پہلے تک اُن کے نرغے میں آتے ہُوتے تھے۔

معرکہ خونریز اور تیز تھا۔ اب رومی گھیرے میں آگئے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ تھی۔ وہ سکڑتے تھے تو اُن کے گھوڑوں کو کھُل کر حرکت کرنے کی جگہ نہیں ملتی تھی۔ مسلمان سواروں نے انھیں بُری طرح کاٹا اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ رومی سوار معرکے سے نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ آخر وہ اپنی بہت سی لاشوں اور شدید زخمیوں کو پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اُن مسلمان سواروں کا جانی نقصان کچھ کم نہ تھا جو رومیوں کے گھیرے میں لڑتے رہے تھے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ میلے کا سامان اکٹھا کیا جائے۔ انہوں نے بہت سے مجاہدین کو زخمیوں اور لاشوں کو اُٹھانے پر لگا دیا۔ خالدؓ کی اپنی یہ حالت تھی کہ اُن کے جسم پر کئی زخم آئے تھے اور اُن کے کپڑے خون سے سرخ ہو گئے تھے۔ انہیں ان زخموں کی جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ زخم خالدؓ کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ اُن کے جسم پر اُس وقت تک اتنے زخم آچکے تھے کہ مزید زخموں کی جگہ ہی نہیں تھی۔

خالدؓ واپس دمشق آئے۔ وہ جو مالِ غنیمت لائے تھے وہ بہت زیادہ اور قیمتی تھا۔ زخمی ہو کر گرنے اور مرنے والے رومیوں کے سینکڑوں گھوڑے بھی اُن کے ساتھ تھے مگر اس مالِ غنیمت کے لیے بڑی قیمتی جانوں کی قیمت دی گئی تھی۔

ابوعبیدہؓ کو اس جانی نقصان کا بہت افسوس تھا، البتہ انھیں یہ دیکھ کر اطمینان ہُوا کہ خالدؓ نے اپنے خلاف یہ شک دُور کر دیا تھا کہ معزولی کی وجہ سے اُن میں پہلے والی دلچسپی اور جوش وخروش نہیں رہا۔ خالدؓ نے اپنا جسم زخمی کرا کے ثابت کر دیا تھا کہ معزولی کا اُن پر ذرا سا بھی اثر نہیں ہُوا۔

ابوعبیدہؓ نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خلافت کے لیے مدینہ بھیجا اور اس کے ساتھ عمرؓ کو پوری تفصیل لکھی کہ انہوں نے کیا کارروائی کی تھی، اس سے کیا صورتِ حال پیدا ہُوئی اور خالدؓ نے کیا کارنامہ کیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی بے تحاشہ تعریف لکھی۔

kutubistan.blogspot.com

ہر محاذ سے اور ہر میدان سے رُومی پسپا ہو رہے تھے۔ رُومیوں کا شہنشاہ ہرقل انطاکیہ میں تھا۔ اُس کے ہاں جو بھی قاصد آتا تھا، وہ ایک ہی جیسی خبر سُناتا تھا:

"اُس قلعے پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔"

"فلاں میدان سے بھی اپنی فوج پسپا ہو گئی ہے۔"

"مسلمان فلاں طرف پیشقدمی کر گئے ہیں۔"

"ہمارے فلاں شہر کے لوگوں نے مسلمانوں کو جزیہ دینا قبول کر لیا ہے۔"

ہرقل کے کانوں میں اب کوئی اور بات پڑتی ہی نہیں تھی۔ نیند میں بھی وہ یہی خبریں سُنتا ہوگا۔ اُس کے وزیر، مشیر اور سالار وغیرہ اب اُس کے سامنے شکست کا کوئی پیغام لے کر جانے سے ڈرتے تھے، لیکن انہیں اُس کے سامنے جانا پڑتا تھا اور اُس کے ساتھ شکست کی باتیں کرنی اور سُننی پڑتی تھیں۔

وہ انطاکیہ کی ایک شام تھی۔ انطاکیہ کی شامیں حسین ہُوا کرتی تھیں۔ یہ شہر سلطنتِ روما کا ایک اہم اور بارونق شہر تھا۔ روم کے اعلیٰ حکام، امراء اور وزراء یہاں رہتے تھے۔ اب تو کچھ عرصے سے شہنشاہِ روم ہرقل نے اسے عارضی دارالحکومت اور فوجی ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ رُومی جنگجو تھے۔ اُس دَور میں اُن کی سلطنت دُنیا کی سب سے وسیع اور مستحکم سلطنت تھی۔ استحکام کی وجہ یہ تھی کہ روم کی فوج مستحکم تھی۔ اسلحہ کی برتری اور نفری کی افراط کے لحاظ سے یہ فوج اپنے دُشمنوں کے لیے دہشتناک تھی۔

اس فوج نے اور اس کے سالاروں اور دیگر اعلیٰ حکام نے انطاکیہ کو پُر رونق شہر بنا رکھا تھا۔ عیش وعشرت کا ہر سامان موجود تھا۔ وہاں قحبہ خانے تھے۔ رقص اور نغمے تھے اور وہاں نسوانی حُسن کی چلتی پھرتی نمائش لگی رہتی تھی۔ وہاں شامیں مُسکراتی اور راتیں جاگتی تھیں لیکن اب انطاکیہ کی شامیں اُداس ہو گئی تھیں۔

فوجی یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ جب کوئی نیا دستہ آتا تھا تو قحبہ خانوں کی رونق بڑھ جاتی تھی اور چلتی پھرتی طوائفوں میں اضافہ ہو جاتا تھا، مگر انطاکیہ میں باہر سے جو فوجی آتے تھے وہ زخمی ہوتے تھے، اور جو زخمی نہیں ہوتے تھے، اُن کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی ہوتی تھی۔ ہر فوجی شکست کی تصویر بنا ہوتا تھا۔ اُن کی چال میں اور اُن کے چہروں پر شکست صاف نظر آتی تھی۔ غیر عورتیں اُن کے قریب کیوں آتیں، اُن کی اپنی بیویاں اُنہیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتی تھیں۔ ان رومی فوجیوں نے روم کی جنگی روایات کو توڑ دیا تھا۔ قیصرِ روم کی عظمت کو پامال کر دیا تھا۔

انطاکیہ میں جو رُومی عورتیں تھیں، اُنہوں نے ہرقل کو بھی نہیں بخشا تھا۔ وہ شام انطاکیہ کی افسردہ شاموں میں سے ایک شام تھی۔ ہرقل شاہی بگھی پر کہیں سے آرہا تھا۔ اُس کے آگے آٹھ گھوڑے شاہانہ

چال چلتے آرہے تھے۔ ان کے سوار ہرقل کے محافظ تھے۔ ان سواروں کی شان نرالی تھی۔ اُن کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جن کی انیاں اُوپر کو تھیں اور ہر برچھی کی انّی سے ذرا نیچے ریشمی کپڑے کی ایک ایک جھنڈی تھی۔ بگھی کے پیچھے بھی آٹھ دس گھوڑ سوار تھے۔

ایک شور اُٹھا۔ ”شہنشاہ کی سواری آرہی ہے۔“

لوگ اپنے شہنشاہ کو دیکھنے کے لیے راستے کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ عورتیں عموماً اپنے دروازوں کے سامنے یا منڈیروں پر کھڑی ہو کر اپنے شہنشاہ کو گزرتا دیکھا کرتی تھیں لیکن اُس شام چند ایک عورتیں ہرقل کے راستے میں آگئیں۔ اگلے دو سوار محافظوں نے گھوڑے دوڑائے اور عورتوں کو راستے سے ہٹانے لگے لیکن عورتیں غل مچانے لگیں کہ وہ اپنے شہنشاہ سے ملنا چاہتی ہیں۔

دو اور سوار آگے بڑھے کیونکہ عورتیں پیچھے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ ہرقل کی بگھی اُن تک پہنچ گئی۔ وہ عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے بگھی رُکوالی اور اُتر آیا۔

”چھوڑ دو انہیں“۔ ہرقل نے گرج جیسی آواز میں کہا۔ ”انہیں مجھ تک آنے دو۔“

وہ آگے گیا اور عورتوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہ سب بول رہی تھیں۔

”میں کچھ نہیں سمجھ رہا“۔ ہرقل نے بلند آواز سے کہا۔ ”کوئی ایک بولو۔ میں سُنوں گا۔“

”شہنشاہِ روم!“۔ ایک عورت بولی۔ ”تو کچھ نہیں سمجھے گا۔“

”جس نے سلطنتِ روم کی تباہی برداشت کر لی ہے وہ غیرت والی عورت کی بات نہیں سمجھے گا“۔ ایک اور عورت نے کہا۔ ”ہم سب رُومی ہیں، ہم مقامی نہیں۔ یہاں کی عورتیں تیرے راستے میں نہیں آئیں گی۔ رومی چلے جائیں، عرب کے مسلمان آجائیں، انہیں کیا! بے عزتی تو ہماری ہو رہی ہے۔ بے عزتی روم کی ہو رہی ہے۔“

”اب آگے بولو“۔ ہرقل نے کہا۔ ”جو کہنا ہے وہ کہو۔“

”کیا تُو نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تُو نے ہمیں مسلمانوں کے حوالے کرنا ہے؟“۔ ایک عورت نے کہا۔ ”اس کے سوا کوئی اور بات کان میں نہیں پڑتی کہ فلاں شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور وہاں کی رومی عورتیں مسلمانوں کی لونڈیاں بن گئی ہیں۔“

”ہماری فوج لڑنے کے قابل نہیں رہی تو ہمیں آگے جانے دے“۔ ایک اور عورت نے کہا۔ ”گھوڑے، برچھیاں اور تلواریں ہمیں دے۔“

”جس فوج سے فارسی بھی ڈرتے تھے“۔ ایک اور بولی۔ ”وہ فوج اب ڈرے ہُوئے، زخمی اور بھگوڑے سپاہیوں کا ہجوم بن گئی ہے۔“

”یہاں اب روم کا جو فوجی آتا ہے کسی نہ کسی قلعے یا میدان سے بھاگا ہُوا آتا ہے“۔ ایک اور عورت نے کہا۔

ہرقل کے محافظ ڈر رہے تھے کہ شہنشاہِ رُوم کا عتاب اُن پر گرے گا کہ وہ چند ایک عورتوں کو اُس کے راستے سے نہیں ہٹا سکے۔ تماشائی اس انتظار میں تھے کہ ہرقل اِن تمام عورتوں کو گھوڑوں تلے کچل دینے کا حکم دے گا لیکن ہرقل خاموشی سے، تحمّل اور بُردباری سے عورتوں کے طعنے سُن رہا تھا، شاید

اس لیے کہ وہ مقامی نہیں رومی عورتیں تھیں۔

”ہماری فوج بُزدل ثابت ہوئی ہے“۔ ہرقل نے کہا۔ ”میں بزدل نہیں ہو گیا۔ شکست کھا کر جو بھاگ آئے ہیں وہ پھر لڑیں گے۔ میں نے شکست کو قبول نہیں کیا۔“

”پھر ہمارا شہنشاہ کیا سوچ رہا ہے؟“۔ ایک عورت نے پوچھا۔

”تم جلد ہی سُن لو گی“۔ ہرقل نے کہا۔ ”میں زندہ ہوں۔ میں جو سوچ رہا ہوں وہ کر کے دکھاؤں گا۔ فتح اور شکست ہوتی ہی رہتی ہے۔ وہ قوم ہمیشہ دوسروں کی غلام رہتی ہے جو شکست کو تسلیم کر لیتی ہے۔ میں تمہیں کسی کا غلام نہیں بننے دُوں گا۔ مسلمانوں نے جہاں تک آنا تھا آچکے ہیں۔ اب میری باری ہے۔ وہ میرے پھندے میں آگئے ہیں۔ اب وہ زندہ واپس نہیں جائیں گے۔ اُنہوں نے جو لیا ہے اس سے کئی گنا زیادہ دیں گے ... میرے لیے دُعا کرتی رہو۔ تم بہت جلدی خوشخبری سُنو گی .... اور تم اپنے خاوندوں کے، اپنے بھائیوں کے، اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں کے حوصلے بڑھاتی رہو۔“

”ہم اُن پر اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیں گی“۔ ایک عورت نے کہا۔

”تم اُنہیں گلے لگاؤ گی“۔ ہرقل نے کہا۔ ”اب وہ فاتح بن کر تمہارے سامنے آئیں گے۔“

عورتوں نے اپنے شہنشاہ کو راستہ دے دیا۔

➢

ہرقل نے ان عورتوں کی محض دل جوئی نہیں کی تھی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ شکست تسلیم کرنے والا جنگجو تھا ہی نہیں اور وہ شہنشاہ بعد میں اور سپاہی پہلے تھا اور اپنے دَور کا منجھا ہُوا جرنیل تھا۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ خالدؓ کی ٹکر کا جرنیل تھا اور جنگی چالوں میں اُس کی مہارت کا انداز اپنا ہی تھا۔

اگر وہ صرف شہنشاہ ہوتا تو اپنی سواری کے راستے میں اِن عورتوں کی رکاوٹ کو برداشت نہ کرتا۔ انہیں سزا دیتا لیکن اُس نے اِن عورتوں سے حوصلہ لیا اور اِن کا حوصلہ بڑھایا۔

اُس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ کسی طرف سے شکست کی اور اُس کی فوج کی پسپائی کی اطلاع آتی تھی تو اُس کے حکام اُس کے سامنے آنے سے گریز کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک موقع تھا کہ اُس کا ایک سالار جو مشیر کی حیثیت سے اُس کے ساتھ رہتا تھا، اُس کے سامنے گیا۔ اس سالار کے چہرے پر مایوسی کا جو تأثر تھا وہ ہرقل نے بھانپ لیا۔

”کیا ہے؟“۔ ہرقل نے پوچھا۔

”مَرج الدیباج سے قاصد آیا ہے“۔ سالار نے کہا۔

”تو کہتے کیوں نہیں کہ وہ ایک اور پسپائی کی خبر لایا ہے“۔ ہرقل نے جوشیلے لہجے میں کہا۔ ”اپنے دلوں سے میرا خوف نکال لیتے کیوں نہیں؟ شکست اور پسپائی کے نام سے گھبراتے کیوں ہو؟ .... بولو!“

”ہاں شہنشاہ!“۔ سالار نے کہا۔ ”قاصد پسپائی کی خبر لایا ہے ... اور وہاں سے بھاگے ہوئے سپاہی یہاں آنا شروع ہو گئے ہیں۔“

”آنے دو انہیں!“۔ ہرقل نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصہ نہیں تھا اور اُس کے لہجے میں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

شاہانہ جلال بھی نہیں تھا۔ "اُن کا حوصلہ بڑھاؤ۔ کوئی انہیں شکست اور پسپائی کا طعنہ نہ دے۔ یہی سپاہی شکست کو فتح میں بدلیں گے۔"

"سپاہیوں کا حوصلہ تو بحال ہو جائے گا"۔ سالار نے کہا۔ "لیکن لوگوں کا حوصلہ ٹوٹتا جا رہا ہے۔ لوگ مسلمانوں کو جنّات اور بھوت سمجھنے لگے ہیں۔ ایسی افواہیں پھیل رہی ہیں جو لوگوں کو بزدل بنا رہی ہیں۔"

"جانتے ہو یہ افواہیں کون پھیلا رہا ہے؟"۔ ہرقل نے کہا۔ "ہمارے اپنے سالار، کمانڈر اور سپاہی۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ تو بے جگری سے لڑتے تھے لیکن اُن کا مقابلہ جنّات سے ہو گیا۔"

"شہنشاہِ رُوم!"۔ سالار نے کہا۔ "مسلمانوں کی کامیابی کی ایک وجہ اور بھی ہے... ہمارے جس شہر کے لوگ اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیتے اور جزیہ ادا کر دیتے ہیں، اُن کے ساتھ مسلمان بہت اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اُن کی عورتوں اور اُن کی جوان لڑکیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ اُن کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اُن کے مذہب کا بھی احترام کرتے ہیں۔ یہ خبریں سارے علاقے میں پھیل جاتی ہیں۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کے لوگ بھی فوج کا ساتھ چھوڑ دیتے اور اسے صلح پر مجبور کر دیتے ہیں... اس کا کوئی علاج ہونا چاہیئے۔"

"اس کا علاج صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دے کر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے"۔ ہرقل نے کہا۔ "اور اس کا بندوبست ہو رہا ہے۔"

ابوالقدس میں ہرقل کو جو چوٹ پڑی تھی، اس نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اُسے اس معرکے کی تفصیلی اطلاع ملی تھی۔ ابوعبیدہؓ ایک غلطی کر بیٹھے تھے۔ رومی خوش تھے کہ مسلمانوں کا ایک دستہ تو پھندے میں آیا لیکن خالدؓ اور ضرارؓ نے بروقت پہنچ کر نہ صرف رومیوں کا پھندہ توڑ ڈالا تھا بلکہ انہیں بے شمار جانی نقصان پہنچا کر مالِ غنیمت سے مالا مال ہو کر لوٹے تھے۔

ہرقل کو مسلمانوں کی برق رفتاری نے پریشان کر دیا تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ مسلمانوں کی فوج ایک سے دوسری جگہ حیران کُن تیزی سے پہنچتی تھی اور میدانِ جنگ میں سالاروں کی جنگی چالوں پر اُن کے دستے بہت ہی تیزی سے جگہ بدلتے اور چالوں کو کامیاب کرتے تھے۔

اس کے بعد ہرقل نے جیسے راتوں کو سونا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے اُسی روز اپنی سلطنت کے دُور دراز گوشوں تک قاصد دوڑا دیے تھے۔ اُس نے حکم یہ بھیجا تھا کہ زیادہ سے زیادہ فوجی دستے انطاکیہ بھیج دیے جائیں۔ وہ سلطنت کی تمام تر فوج تو اکٹھی نہیں کر سکتا تھا، ہر جگہ فوج کی ضرورت تھی۔ اُس نے اتنے دستے مانگے تھے جن کے آ جانے سے کسی بھی جگہ کا دفاع کمزور نہیں ہوتا تھا۔

جن علاقوں سے دستے آئے ان میں شمالی شام، یورپ کے چند شہر اور جزیرہ شامل تھے۔ ہرقل نے اپنے حکم میں کہا تھا کہ دستے بہت تیزی سے آئیں۔ جب یہ آنے لگے تو ان میں سے بعض کو انطاکیہ میں رکھا گیا اور دوسروں کو دریائے اُردن کے مغربی کنارے سے ذرا ہی دُور ایک مقام بیسان پر بھیج دیا گیا۔

ہرقل نے اپنے مشیروں اور سالاروں کو بُلایا۔ ان میں سقلار، شنس اور تھیوڈورس خاص طور پر قابلِ

ذکر تھے۔ اِن تینوں کو محاذوں سے بُلایا گیا تھا۔ ہرقل نے ان سب کو بتایا کہ مسلمانوں کو فیصلہ کُن شکست دینے کے لیے اُس نے کیا بندوبست کیا ہے اور سالاروں نے کیا کرنا ہے۔

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ مسلمان کس طرح لڑتے ہیں"۔ اُس نے کہا۔ "شکست اور پسپائیوں سے تمہیں بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ ان سے تمہیں تجربہ حاصل ہُوا ہے۔ اگر تم نے کچھ نہیں سیکھا تو تمہارے لیے یہی ایک راستہ ہے۔ جاؤ اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لو۔ قیصرِ روم کی عظمت کو مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دو اور صلیب کو بحیرۂ روم میں پھینک کر مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہو جاؤ۔ تمہیں اپنی جانیں، اپنی بیویاں اور اپنے مال و اموال زیادہ عزیز ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کے لٹیروں کا ایک گروہ تمہیں شکست پر شکست دیتا چلا جا رہا ہے۔"

سب پر سنّاٹا طاری ہو گیا۔ ہرقل کی نگاہیں ہر ایک پر گھوم گئیں۔

"شہنشاہِ رُوم!"۔ اُس کے سالار تھیوڈورس نے سکوت توڑا۔ "ہم پیچھے ہی نہیں ہٹتے آئیں گے۔ میں اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کے پاس زندہ آیا تو شکست کھا کر نہیں آؤں گا۔ اگر میں نے شکست کھائی تو میری لاش بھی یہاں نہیں آئے گی۔"

اِس ایک سالار کے بولنے سے نہ صرف سنّاٹا ٹوٹا بلکہ سب میں جو تناؤ پیدا ہو گیا تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ سب نے ہرقل کو یقین دلایا کہ انہیں سلطنتِ روم سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں۔

"میں نے مسلمانوں کو یہیں پر ختم کرنے کے لیے جو بندوبست کیا ہے وہ ناکام نہیں ہو سکتا"۔ ہرقل نے کہا۔ "اب تک ہماری فوج مختلف جگہوں پر بٹ کر لڑتی رہی ہے۔ ایک جگہ سے ہمارے سپاہی بھاگے تو اُنہوں نے دُوسری جگہ جا کر وہاں کے دستوں میں بددلی پھیلائی اور اپنے آپ کو شکست کے الزام سے بچانے کے لیے ایسی باتیں کیں جن سے وہاں کے دستوں پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی۔ اب میں فوج کو یکجا کر کے لڑاؤں گا....

"تم نے دیکھا ہے کہ میں نے کہاں کہاں سے دستے منگوائے ہیں اور کس قدر لشکر جمع ہو گیا ہے۔ میری نظر دمشق پر ہے لیکن ہم دمشق پر حملہ نہیں کریں گے نہ اس کا محاصرہ کریں گے۔ ہم دمشق سے دُور چھوٹی چھوٹی لڑائیاں زیادہ نفری کے دستوں سے لڑا کر مسلمانوں کے رسد کے وہ راستے بند کر دیں گے جو عرب سے دمشق کو جاتے ہیں۔ ہم دمشق یا اس کے گرد و نواح میں کوئی لڑائی نہیں لڑیں گے بلکہ مسلمان تنگ آ کر لڑنا چاہیں گے تو بھی ہم انہیں نظر انداز کریں گے۔ ہم اُن کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ وہ لڑنے کے قابل رہ ہی نہیں جائیں گے۔ اُنہیں نہ کہیں سے رسد پہنچ سکے گی نہ کمک۔ شہر کے لوگ ہی قحط سے تنگ آ کر اُنہیں دمشق چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔ اگر وہ دمشق سے نکل گئے تو ہم کہیں بھی اُن کے قدم جمنے نہ دیں گے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ہماری فوجوں کا اجتماع ایسے خفیہ طریقے سے ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو اس کی خبر تک نہیں ہو گی۔"

ہرقل کا تو یہ خیال تھا کہ اُس کے لشکر کا اجتماع خفیہ رکھا گیا ہے لیکن مسلمانوں کے سالارِ اعلیٰ ابُوعبیدہؓ کے ساتھ خالدؓ تھے۔ خالدؓ نے نہایت مضبوط اور تیز جاسوسی نظام ترتیب دیا تھا۔ ابُوعبیدہ نے خالدؓ بن

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ولید کو سوار دستے کا سالار بنا رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی انہیں اپنا مشیر بھی سمجھتے تھے۔ مؤرخوں کے مطابق ابو عبیدہؓ سالاری کی مہارت رکھتے تھے اور جنگی امور کو بھی پوری طرح سمجھتے تھے لیکن ان میں وہ تیز رفتاری نہیں تھی جو خالدؓ میں تھی۔ خالدؓ اپنے فیصلوں میں بڑے خوفناک قسم کے خطرے بھی مول لے لیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس ابو عبیدہؓ احتیاط کے قائل تھے۔ اپنی اس عادت کو سمجھتے ہوئے اُنہوں نے خالدؓ کو ہر لمحہ اپنے ساتھ رکھا۔ وہ کوئی بھی منصوبہ بناتے یا فیصلہ کرتے تھے تو اس میں خالدؓ کے مشوروں کو خاص طور پر شامل کرتے تھے۔

خالدؓ جاسوسی اور دیکھ بھال کے نظام پر زیادہ توجّہ دیا کرتے تھے۔ اب یہ اُن کی ذمّہ داری نہیں رہی تھی کیونکہ یہ ذمّہ داری سالارِ اعلیٰ کی تھی اور خالدؓ دوسرے سالاروں کی طرح عام قسم کے سالار تھے، لیکن اپنی معزولی کے باوجود وہ اپنے فرائض سے بے انصافی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اُنہوں نے جاسوسی کے نظام پر پہلے کی طرح توجہ دیے رکھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان جاسوس رومیوں کی سلطنت کے دُور اندر تک چلے گئے تھے۔

ایک روز ایک جاسوس آیا۔ وہ بہت دُور سے آیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ رومیوں کا ایک لشکر بحیرۂ روم کے راستے کشتیوں پر آیا ہے۔ اس جاسوس نے اپنے اُن جاسوسوں سے رابطہ کیا جو اور آگے تک گئے ہوئے تھے۔ وہ اُن سب کی اطلاع لے کر بڑی ہی تیز رفتار سے دمشق پہنچا اور یہ اطلاع دی کہ رومیوں نے کم و بیش ایک لاکھ نفری کا لشکر دریائے اُردن کے مغرب میں جمع کر لیا ہے۔

تاریخ کے مطابق بیسان کے مقام پر دسمبر ۶۳۴ء کے آخری اور ذیقعد ۱۳ ہجری کے پہلے ہفتے میں رومیوں کی فوج کا یہ اجتماع ہُوا تھا۔ جاسوس نے اپنے اندازے کے مطابق اس لشکر کی تعداد ایک لاکھ بتائی تھی۔ اصل میں رومی فوج کی تعداد اسّی ہزار تھی۔

اتنی بڑی تعداد اکٹھی کرنے کا مطلب یہی لیا جا سکتا تھا کہ رومی بہت بڑی جنگی کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔

سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بُلایا۔

"میرے عزیز ساتھیو!" — ابو عبیدہؓ نے سالاروں سے کہا — "تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ شکر ادا کرو اللہ کی ذات باری کا جس نے ہمیں ہر میدان میں فتح عطا کی..... میں تمہیں احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اتنی دُور نکل آئے ہیں جہاں سے ہماری واپسی ناممکن ہو گئی ہے۔ اللہ نے ہمیں بڑے سخت امتحان میں ڈالا ہے۔ اگر ہم اس امتحان میں پُورے اُترے تو یہ ایک روایت بن جائے گی جو ہماری آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنے گی۔ مت بھُولنا کہ ہم نہ مالِ غنیمت کے لیے لڑ رہے ہیں نہ ہمارا مقصد کشور کشائی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہمیں بنی نوع انسان کو ظلمت اور غلامی سے نجات دلانے کا فرض سونپا ہے۔ اب دشمن نے ہمارے سامنے دیواریں کھڑی کر دی ہیں....

"رومی کم و بیش ایک لاکھ کا لشکر لے کر آئے ہیں۔ اس سے اُن کے عزائم کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اور یہی ہو سکتا ہے کہ رومی دمشق پر حملہ کریں گے۔ اگر دمشق ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کہیں قدم جمانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ دشمن نے بحیرۂ روم سے انطاکیہ، بیروت اور ایک دو اور بندرگاہوں پر یورپ سے فوج لا کر اُتاری ہے۔ ہمیں سب سے پہلے دمشق کے دفاع کو مضبوط کرنا ہے

لیکن ہم ایک ہی جگہ پر جمع نہیں ہو جائیں گے۔"

"ہماری تعداد اس وقت کتنی ہو گی؟" — ایک سالار نے پوچھا۔

ابو عبیدہؓ نے خالد کی طرف دیکھا۔

"ہماری تعداد پہلے سے کچھ زیادہ ہو سکتی ہے" — خالدؓ نے کہا — "پچھلی لڑائیوں میں جو مجاہدین زخمی ہوئے تھے وہ الحمد للہ صحت یاب ہو کر واپس آ چکے ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق ہماری نفری تیس ہزار تک ہو جائے گی۔ ہمیں ایک سہولت اور حاصل ہو گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مجاہدین نے کافی آرام کر لیا ہے۔"

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ نے مل کر منصوبہ تیار کیا کہ رومیوں کے اس لشکر کا مقابلہ کس طرح کیا جائے گا۔ امیر المومنین عمرؓ نے محاذ پر لڑنے والے سالاروں پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ کسی بڑی جنگ کا منصوبہ بنا کر اُن سے منظور کرایا جائے۔ عمرؓ غیر معمولی فہم و فراست کے مالک تھے۔ بعض جگہوں کی پلاننگ وہ خود مدینہ میں بیٹھ کر کرتے اور محاذ کو بھیجتے تھے۔ ابو عبیدہؓ نے اس پابندی کے مطابق ایک تیز رفتار قاصد مدینہ کو روانہ کر دیا۔ اُسے جو پیغام دیا گیا اس میں نئی صورتِ حال لکھی گئی تھی اور مجوزہ منصوبہ بھی تحریر تھا۔

وقت بہت تھوڑا تھا۔ دشمن بے تحاشہ نفری لے کر آیا تھا۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کس لمحے وہ کیا کارروائی شروع کر دے لیکن مسلمانوں نے پیغام رسانی کا نظام اتنا تیز اور محفوظ بنا رکھا تھا کہ تھوڑے سے وقت میں دُور کے فاصلے پر پیغام پہنچ جاتا تھا۔

امیر المومنین نے صورتِ حال اور منصوبے کا جائزہ لیا۔ اس میں کچھ رد و بدل کیا اور منصوبے کی منظوری دے دی۔ یزید بن ابو سفیانؓ دمشق میں تھے۔ وہ سالار بھی تھے اور دمشق کے حاکم بھی۔ اُنہیں پیغام بھیجا گیا کہ دشمن کیا صورتِ حال پیدا کر رہا ہے اور وہ بدستور دمشق میں رہیں۔ اُنہیں یہ ہدایت بھی دی گئی کہ دمشق کے شمال مغرب پر جاسوسوں اور دیکھ بھال کرنے والے آدمیوں کے ذریعے نظر رکھیں کیونکہ توقع یہی ہے کہ رومی اُدھر سے حملہ کریں گے۔

سالار شرجیلؓ بن حسنہ اپنے دستوں کے ساتھ اس علاقے میں تھے جس میں بیسان اور فحل واقع تھے۔ خلیفہ عمرؓ نے خاص طور پر لکھا تھا کہ سالار شرجیلؓ کو اس جنگ کے لیے سالار مقرر کیا جائے جس کی رومی تیاری کر کے آئے ہیں۔ خالدؓ کو اس فوج کے ہراول دستے کی سالاری سونپی گئی تھی۔ جنوری ۶۳۵ء کے دوسرے ہفتے میں ان دستوں نے جن کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، کوچ کیا۔ انہیں بیسان سے کچھ دور فحل کے مقام تک پہنچنا تھا۔ یہ دستے جب فحل پہنچے تو دیکھا کہ وہاں رومی فوج نہیں تھی۔ وہاں روم کی پوری فوج کو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خبر ملی تھی کہ چند ایک دستے وہاں موجود ہیں لیکن یہ دستے جا چکے تھے۔ وہاں کے مقامی لوگوں نے بتایا کہ رومیوں کے دستے بیسان چلے گئے ہیں جہاں اُن کے پورے لشکر کا اجتماع ہے۔

مسلمان آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن دریا کے دونوں طرف دُور دُور تک دلدل تھی جس میں گزرنا ممکن نہیں تھا۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ دلدل دریا کے دونوں کناروں سے لے کر ایک ایک میل دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سطح سمندر سے کئی سو فٹ نیچے ہے اور وہاں اُس دَور میں نشیب زیادہ تھے۔

دیکھا گیا کہ وہاں دریا کے کنارے ٹوٹے ہُوئے نہیں تھے پھر یہ پانی کہاں سے آ گیا تھا جس نے اس نشیبی علاقے کو دلدل بنا ڈالا تھا؟

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

"کچھ دُور اُوپر جا کر دیکھیں"۔ ایک مقامی آدمی نے بتایا "فحل میں رومی فوج کے دستے رہتے تھے۔ وہ یہاں سے چلے گئے۔ اُوپر کی طرف جا کر اُنہوں نے دریا میں پتھروں کا بند باندھا اور دونوں کنارے توڑ دیے۔ اس طرح اُوپر سے یہ پانی یہاں آکر جمع ہو گیا اور پھیلتا چلا گیا"۔

رومیوں نے مسلمانوں کو روکنے کا بڑا سخت انتظام کیا تھا۔ رومیوں نے غالباً یہ سوچا تھا کہ مسلمان صحراؤں یا میدانوں میں چلنے اور لڑنے کے عادی ہیں اور وہ دلدل میں سے نہیں گزر سکیں گے۔

اگر اُنہوں نے یہ سوچا تھا تو ٹھیک سوچا تھا۔ دلدل مسلمانوں کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ اُن کے لیے تو چٹانیں اور پہاڑیاں بھی نئی چیزیں تھیں لیکن اُنہوں نے پہاڑی علاقوں میں بھی لڑائیاں لڑی تھیں اور دشمن کو شکست دی تھی۔ وہ دلدل میں سے بھی گذر جاتے لیکن ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا۔

➤

سالار شرجیلؓ نے دلدل سے کچھ دُور ہٹ کر اپنے دستوں کو ایک ترتیب میں کر دیا۔ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر ابوعبیدہؓ اور عمروؓ بن العاص تھے۔ سوار دستے کی کمان ضرارؓ بن الازور کو دی گئی۔ خالدؓ کو وہ دستے دیے گئے جنہیں بیسان کی طرف جانا تھا۔

خالدؓ ہراول میں تھے۔ کچھ آگے گئے تو دلدل نے اُن کے پاؤں جکڑ لیے۔ خالدؓ اپنی عادت کے مطابق دلدل میں سے گزرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن دلدل زیادہ ہی زیادہ ہوتی گئی اور وہ مقام آگیا جہاں دلدل میں سے پاؤں نکالنا بھی ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ وہ دلدل میں سے نکلنے لگے۔ نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔ بڑی کوشش کے بعد خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ دلدل سے نکلے اور واپس فحل آگئے۔

رومی سالار سقلار تجربہ کار سالار تھا۔ وہ جنگ کے لیے بالکل تیار تھا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس دھوکے کو کامیاب سمجھتا تھا کہ مسلمان دلدل میں سے نہیں نکل سکیں گے۔ اسی دلدلی علاقے میں ایسی جگہ بھی تھی جہاں پانی کے نیچے زمین بہت سخت تھی اور وہاں کیچڑ نہیں تھا۔ وہاں سے آسانی سے گزرا جا سکتا تھا۔ اس قسم کے راستے کا علم صرف رُومیوں کو تھا۔ سقلار نے اپنے لشکر سے کچھ دستے الگ کیے اور انہیں ایک جگہ اکٹھا کیا۔

"عظمتِ رُوم کے پاسبانو!"۔ اُس نے اپنے لشکر سے کہا۔ "آج تمہارا دشمن پھندے میں آگیا ہے۔ مسلمان دلدل میں سے نہیں گزر سکے۔ اُنہوں نے دلدل سے پرے فحل کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا ہے۔ ہم اِسی دلدل میں سے جس میں سے مسلمان نہیں گزر سکے انہیں گزر کر دکھائیں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ اُن کے آگے دلدل ہے جو انہیں ہم سے محفوظ رکھے گی۔ ہم رات کو حملہ کریں گے۔ اُس وقت وہ اپنے پڑاؤ میں گہری نیند سوتے ہوئے ہوں گے....

"اے رومیو! یہ رات کی لڑائی ہوگی جو آسان نہیں ہوتی لیکن آج تمہیں اپنے اُن ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا ہے جو اب تک مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ تمہیں اپنا شکار سویا ہوا ملے گا۔ کوئی ایک بھی زندہ نکل کر نہ جائے۔ ان کے گھوڑے، ان کے ہتھیار اور ان کے پاس ہمارا لُوٹا ہوا جو مال ہے، یہ سب تمہارا ہے۔ اگر تم ان سب کو ختم کر دو گے تو سمجھو تم نے اسلام کو ختم کر دیا اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ شہنشاہ ہرقل کا یہ وہم دُور کر دو کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے ہی نہیں سکتے"۔

رومی سپاہی یہ سن کر کہ وہ اپنے دشمن کو بے خبری میں جا لیں گے، جوش سے پھٹنے لگے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پہلی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی ہوئے تھے، کئی بھاگے بھی تھے۔ وہ دانت پیس رہے تھے۔ وہ انتقام کی آگ میں جل رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اپنی تلواروں سے کٹتا اور برچھیوں سے چھلنی ہوتا دیکھ رہے تھے۔

➤

۲۳ جنوری ۶۳۵ء بمطابق ۲۷ ذی قعد ۱۳ھ کا سورج غروب ہو گیا تو رُومیوں کے سالار سقلار نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ شام بڑی تیزی سے تاریک ہوتی گئی۔ سقلار نے پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ اُسے دلدل میں سے گزرنے کا راستہ معلوم تھا۔ اپنے دستوں کو اُس نے اِس راستے سے گزارا۔ جب تمام دستے گزر آئے تو سقلار نے انہیں اُس ترتیب میں کر لیا جس ترتیب میں حملہ کرنا تھا۔ یہ حملہ نہیں شب خون تھا اور یہ یک طرفہ کارروائی تھی۔

اس ترتیب میں سقلار نے اپنے دستوں کو فحل کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ وہ خود سب سے آگے تھا۔ اُس نے پیش قدمی کی رفتار تیز رکھی تاکہ مسلمانوں کو ان کے آنے کی خبر ہو بھی جائے تو انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ دی جائے۔

رُومی اُس جگہ پہنچ گئے جہاں مسلمانوں کا پڑاؤ تھا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سقلار جاسُوسوں کو کوسنے لگا جنہوں نے اُسے بتایا تھا کہ پڑاؤ فلاں جگہ ہے۔

اُسے اللہ اکبر کے نعرے کی گرج سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی مشعلیں جل اٹھیں۔ سقلار نے دیکھا کہ مسلمان نہ صرف بیدار ہیں بلکہ لڑنے کی ترتیب میں کھڑے ہیں۔

سالار شرجیلؓ محتاط سالار تھے۔ انہیں یہاں آکر جب معلوم ہُوا تھا کہ یہ دلدل کہاں سے آگئی ہے تو اُنہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ رُومیوں نے اُن کا صرف راستہ ہی نہیں روکا بلکہ وہ کچھ اور بھی کریں گے۔ رُومی یہی کر سکتے تھے کہ حملہ کر دیں۔ چنانچہ شرجیلؓ نے شام کے بعد اپنی فوج کو سونے کی بجائے لڑائی کے لیے تیار کر لیا تھا۔

اِس کے علاوہ انہوں نے اپنے جاسوس دلدل کے اردگرد پھیلا دیے تھے۔ رُومی جب دلدل میں سے گزر رہے تھے، ایک جاسوس نے شرجیلؓ کو اطلاع دے دی کہ دشمن آرہا ہے۔ شرجیلؓ نے اپنے دستوں کو ایک موزوں جگہ جو انہوں نے دن کو دیکھ لی تھی، جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔

"مدینہ والو!"۔۔۔ سقلار نے بلند آواز سے مسلمانوں کو للکارا۔ "آگے آؤ۔ اپنا اور اپنی فوج کا انجام دیکھو"۔

"حملہ کرنے تم آئے ہو"۔۔۔ شرجیلؓ نے للکار کا جواب للکار سے دیا۔۔۔ "آگے تم آؤ۔ تم اُس دلدل سے نکل آئے ہو، اب ہماری دلدل سے نکل کر دیکھو..... رُومیو! کل صبح کا سورج نہیں دیکھ سکو گے"۔

للکار کا تبادلہ ہوتا رہا۔ آخر سقلار نے اپنے ایک دستے کو حملے کا حکم دے دیا۔ اُس نے یہ چال چلی تھی کہ اُس کا دستہ حملہ کر کے پیچھے ہٹ آئے گا تو مسلمان بھی اُس کے ساتھ اُلجھے ہوئے آگے آجائیں گے لیکن شرجیلؓ نے پہلے ہی حکم دے رکھا تھا کہ دفاعی لڑائی لڑنی ہے۔ اس کے مطابق مسلمان جہاں تھے وہیں رہے۔ رُومی موجوں کی صورت میں اُن پر حملہ کرتے تھے اور مسلمان حملہ روکتے تھے۔ اپنی

ترتیب نہیں توڑنے تھے۔

سالار شرحبیلؓ رات کے وقت کوئی چال چلنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ اُن کی نفری رُومیوں کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔ اسے وہ کارگر انداز سے دن کی روشنی میں ہی استعمال کر سکتے تھے۔ سقلار غالباً اس دھوکے میں آگیا تھا کہ مسلمانوں میں لڑنے کی تاب نہیں رہی۔ اس خیال سے اُس نے موج در موج حملوں میں اضافہ کر دیا لیکن مسلمانوں نے اپنی صفوں کو ٹوٹنے نہ دیا۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ روکتے پھر اپنی جگہ پر آجاتے۔ رُومی ہر حملے میں اپنے زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتے۔

ایک حملے کی قیادت سقلار نے خود کی۔ وہ اپنے دستے کو للکارتا ہُوا بڑی تیزی سے آگے گیا۔ شعلوں کی روشنی میں مسلمانوں نے رُومیوں کا پرچم دیکھ لیا۔ چند ایک مجاہدین رُومیوں میں گھس گئے اور سقلار کو گھیر لیا۔ اُس کے محافظوں نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا۔

محافظ بے جگری سے لڑے اور اس دوران سقلار نکلنے کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ اپنے محافظوں کے حصار سے جدھر بھی نکلتا تھا، مسلمان اُسے روک لیتے تھے۔ ایک مجاہد اس معرکے سے نکل گیا اور اُس نے سالار شرحبیلؓ کو بتایا کہ اب کے رُومیوں کو اتنی جلدی پیچھے نہ جانے دینا کیونکہ کچھ مجاہدین نے رومیوں کے سالار کو نرغے میں لے رکھا ہے۔

شرحبیلؓ نے اس اطلاع پر اپنے چند ایک منتخب جانباز رومیوں کے قلب میں گھس جانے کے لیے بھیج دیئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجاہدین کے نعرے سنائی دینے لگے:

"خدا کی قسم، ہم نے رومی سالار کو مار ڈالا ہے"۔

"رومیو! اپنا پرچم اٹھاؤ"۔

"اپنے سالار کی لاش لے جاؤ رومیو!"

رُومیوں نے دیکھا۔ اُن کا پرچم انہیں نظر نہیں آرہا تھا اور انہیں اپنے سالار کی للکار بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُن میں بددلی پھیلنے لگی لیکن کسی نائب سالار نے پرچم اٹھا لیا اور لڑائی جاری رکھی۔

➢

سورج طلوع ہُوا لیکن میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں اسے کوئی دیکھ ہی نہ سکا۔ مسلمان بھی شہید ہُوتے تھے لیکن رُومیوں کی اموات زیادہ تھیں۔ میدان میں اُن کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور اُن کے زخمی جو اُٹھنے کے قابل نہیں تھے، رینگ رینگ کر گھوڑوں تلے کچلے جانے سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میدان رومیوں کے خون سے لال ہو گیا تھا۔

"اسلام کے علمبردارو!" ——— سالار شرحبیلؓ کی للکار اٹھی ——— "تم نے رُومیوں کو انہی کے خُون میں نہلا دیا ہے۔ تم نے ساری رات اِن کے حملے روکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے"۔

اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہُوا۔

شرحبیلؓ نے اپنے دائیں پہلو کے ایک دستے کو آگے بڑھایا۔ رُومی حملہ روکنے کے لیے تیار تھے لیکن رات وہ حملے کرتے اور پیچھے ہٹتے رہے تھے۔ اُن کے جسم تھکن سے چُور ہو چکے تھے۔ شرحبیلؓ نے اپنی فوج کی جسمانی طاقت کو ضائع نہیں ہونے دیا تھا۔ اسی لیے وہ دفاعی لڑائی لڑاتے رہے تھے۔

شرحبیلؓ کے دائیں پہلو کے ایک دستے نے باہر کی طرف ہو کر حملہ کیا۔ اس سے رُومیوں کے اُس طرف کا پہلو پھیلنے پر مجبور ہو گیا۔ شرحبیلؓ نے فوراً ہی رومیوں کے دوسرے پہلو پر بھی ایسا ہی حملہ کرایا اور اس پہلو کو بھی قلب سے الگ کر دیا۔ رومیوں کے پہلو دُور دُور ہٹ گئے تو شرحبیلؓ نے قلب کے دستوں کو اپنی قیادت میں بڑے شدید حملے کے لیے آگے بڑھایا۔

رُومی رات کے تھکے ہُوئے تھے اور اُن کا سالار بھی مارا گیا تھا۔ صاف نظر آرہا تھا کہ اُن میں لڑنے کا جذبہ ماند پڑ چکا ہے۔ مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستے دشمن کے پہلوؤں کو اور زیادہ پھیلاتے چلے گئے۔ وہ اب اپنے قلب کے دستوں کی مدد کو نہیں آسکتے تھے۔

مسلمانوں کے پہلوؤں کے دستوں کے سالار معمولی سالار نہیں تھے۔ وہ تاریخ ساز سالار ابوعبیدہؓ اور عمروؓ بن العاص تھے اور قلب کے چند ایک دستوں کے سالار خالدؓ تھے۔ رومیوں کے لیے خالدؓ دہشت کا دوسرا نام بن گیا تھا۔

گھوڑ سوار دستوں کے سالار ضرارؓ بن الازور تھے جو سلطنتِ رُوم کی فوج میں اس لیے مشہُور ہو گئے تھے کہ وہ میدان میں آکر خود اور قمیض اتار کر کمر سے اوپر برہنہ ہو جاتے اور لڑتے تھے۔ انفرادی معرکہ ہوتا یا وہ دستے کی کمان کر رہے ہوتے، وہ اس قدر تیزی سے پینترا بدلتے تھے کہ دشمن دیکھتا رہ جاتا اور اُن کی برچھی میں پرو دیا جاتا یا تلوار سے کٹ جاتا تھا۔

مسلمانوں کی نفری بہت کم تھی۔ اس کمی کو اِن سالاروں نے ذاتی شجاعت، جارحانہ قیادت اور عسکری فہم و فراست سے پورا کیا اور سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی جب رُومی نفری کی افراط کے باوجُود مُنہ موڑنے لگے۔ رُومیوں میں یہ خوبی تھی کہ وہ تتّر بتّر ہو کر بھاگا نہیں کرتے تھے۔ اُن کی پسپائی منظم ہوتی تھی لیکن فحل کے معرکے سے وہ بے طرح بھاگنے لگے۔ اُن کی مرکزی قیادت ختم ہو چکی تھی اور اُن کا جانی نقصان اتنا ہُوا تھا کہ نہ صرف یہ کہ اُن کی نفری کم ہو گئی تھی بلکہ اتنا زیادہ خون دیکھ کر ان پر خوف طاری ہو گیا تھا۔

➢

اُن کی ایسی بے ترتیب پسپائی کی وجہ اور بھی تھی۔ اُن کا سالار سقلار انہیں دلدل میں سے نکال لایا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کہاں سے زمین سخت ہے جہاں پاؤں کیچڑ میں نہیں دھنسیں گے مگر اب اُن کے ساتھ وہ سالار نہیں تھا۔ اُس کی لاش میدانِ جنگ میں پڑی تھی۔ سپاہیوں نے اِس لیے بھاگنا شروع کر دیا کہ وہ جلدی جلدی دلدل میں وہ راستہ دیکھ کر نکل جائیں۔

سالار شرحبیلؓ نے دشمن کو یوں بھاگتے دیکھا تو انہیں دلدل کا خیال آگیا۔ انہوں نے دشمن کے تعاقب کا حکم دے دیا۔ مسلمان پیادے اور سوار نعرے لگاتے ان کے پیچھے گئے تو رومی اور تیز دوڑے لیکن دلدل نے اُن کا راستہ روک لیا۔ ہڑبونگ اور افراتفری میں انہیں یاد ہی نہ رہا کہ دلدل میں سے وہ کہاں سے گزر آئے تھے۔ اُن کے پیچھے بھی موت تھی آگے بھی موت۔ وہ دلدل میں داخل ہو گئے اور اس میں دھنسنے لگے۔ مسلمان بھی دلدل میں چلے گئے اور انہیں بُری طرح کاٹا۔ جو رُومی دلدل میں اور آگے چلے گئے تھے، انہیں، تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

دریا کا پانی چھوڑ کر رُومیوں نے جو دلدل پیدا کی تھی کہ مسلمان آگے نہ بڑھ سکیں، وہ دلدل رُومیوں کے لیے ہی موت کا پھندا بن گئی۔ فحل میں لڑے جانے والے اس معرکے کو ذات الردغہ یعنی کیچڑ کی لڑائی کہا جاتا ہے۔ اس میں سے بہت تھوڑے رومی بچ سکے تھے۔ وہ بیسان چلے گئے تھے۔

اس معرکے میں دس ہزار رومی مارے گئے تھے اور جو زخمی ہو کر میدانِ جنگ میں رہ گئے تھے، ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں تھی۔

سالار شرحبیلؓ نے وہاں زیادہ رکنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ دشمن کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہنا چاہتے تھے تاکہ دشمن پھر سے منظم نہ ہو سکے۔ اُنہوں نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو چند ایک دستوں کے ساتھ فحل میں رہنے دیا اور خود باقی ماندہ فوج کے ساتھ آگے بڑھے لیکن دلدل نے پھر اُن کا راستہ روک لیا۔ اُنہوں نے دو تین زخمی رُومیوں سے پوچھا کہ دلدل سے پار جانے کا راستہ کون سا ہے۔

رُومی زخمیوں نے انہیں ایک اور راستہ بتا دیا۔ یہ بڑے ہی دُور کا چکر تھا لیکن دلدل سے گزرنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا تھا جتنا دوسرا راستہ اختیار کرنے میں۔ شرحبیلؓ نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو اُن دستوں کے ساتھ فحل میں چھوڑ دیا اور دلدل سے دُور ہٹ کر اس راستے سے گزر گئے جو رُومی زخمیوں نے انہیں بتایا تھا۔ انہیں دریائے اُردن بھی عبور کرنا پڑا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بیسان کا محاصرہ کر لیا۔

بیسان میں رومیوں کی خاصی نفری تھی۔ ہرقل نے نفری کے بل بوتے پر مسلمانوں کو فیصلہ کن بلکہ تباہ کن شکست دینے کا انتظام کیا تھا۔ اس کے منصوبے کی پہلی ہی کڑی ناکام ہو گئی تھی۔ فحل کے معرکے کے بھاگے ہُوئے رُومی چند ایک ہی خوش قسمت تھے جو دلدل میں سے نکل گئے تھے۔ اُن کی پناہ بیسان ہی تھی۔

بیسان کا رُومی سالار اس خبر کے انتظار میں تھا کہ اس کے ساتھی سالار سقلار نے مسلمانوں کو بے خبری میں جا لیا ہے اور اب مسلمانوں کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل گیا ہے لیکن چوتھی شام بیسان میں پہلے رُومی زخمی داخل ہُوئے۔ زخمی ہونے کے علاوہ اُن کی ذہنی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ تھکن اور خوف سے اُن کی آنکھیں باہر کو آ رہی تھیں۔ اُن کے ہونٹ کُھلے ہُوئے تھے اور وہ پاؤں پر کھڑے رہنے کے قابل بھی نہیں تھے۔

بیسان میں داخل ہوتے ہی انہیں بیسان کے فوجیوں نے گھیر لیا اور پوچھنے لگے کہ آگے کیا ہُوا ہے۔

"کاٹ دیا" — ایک سپاہی نے خوف اور تھکن سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا — "سب کو کاٹ دیا۔"

"مسلمانوں کو کاٹ دیا؟" — اُن سے پوچھا گیا۔

"نہیں" — سپاہی نے جواب دیا — "اُنہوں نے کاٹ دیا..... کیچڑ نے مروا دیا۔"

اس کے ساتھ کچھ اور سپاہی بھی تھے۔ اُن کی جسمانی اور ذہنی حالت بھی اسی سپاہی جیسی تھی۔ انہوں نے بھی ایسی ہی باتیں سنائیں جن میں مایوسی اور دہشت تھی۔ ان کی یہ باتیں اُس رومی فوج میں پھیل گئیں جو وہاں میں مقیم تھی۔ اس فوج میں ایسے سپاہی بھی تھے جو کسی نہ کسی معرکے میں مسلمانوں سے لڑ چکے تھے۔

انہوں نے فحل سے آتے ہوئے سپاہیوں کی باتوں میں رنگ آمیزی کی۔ اس کا اثر رُومیوں پر بہت بُرا پڑا۔

"میں کہتا ہُوں وہ انسان ہیں ہی نہیں" — ایک سپاہی نے مسلمانوں کے متعلق کہا — "ہماری فوج جہاں جاتی ہے مسلمان وہاں جیسے اُڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔"

"اُن کی تعداد ہم سے بہت کم ہوتی ہے" — ایک اور سپاہی نے کہا — "لیکن لڑائی شروع ہوتی ہے تو اُن کی تعداد ہم سے زیادہ نظر آنے لگتی ہے۔"

دہشت کے مارے ہُوئے ان زخمی سپاہیوں کی باتیں جو ہوا کی طرح بیسان کے کونوں کھدروں تک پہنچ گئی تھیں، جلدی سچ ثابت ہو گئیں۔ ایک شور اٹھا — "مسلمان آ گئے ہیں۔ مسلمانوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے" — اور اس کے ساتھ ہی بیسان کے اندر ہڑبونگ مچ گئی۔ ان لوگوں میں سے کوئی بھی قلعے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ دروازے بند ہو چکے تھے۔ وہ اب اندر ہی چھپنے کی کوشش کر رہے تھے۔ درہم و دینار اور سونا وغیرہ گھروں کے فرشوں میں دبانے لگے۔

رُومی فوج قلعے کی دیواروں پر اور بُرجوں میں جا کھڑی ہُوئی۔

"رومیو!" — سالار شرحبیلؓ نے للکار کر کہا — "خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔"

اس کے جواب میں اوپر سے تیروں کی بوچھاڑیں آئیں لیکن مسلمان ان کی زد سے دُور تھے۔

"رُومیو!" — سالار شرحبیلؓ نے ایک بار پھر اعلان کیا — "ہتھیار ڈال دو۔ جزیہ قبول کر لو۔ نہیں کرو گے تو بیسان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ تم سب مُردہ ہو گے یا ہمارے قیدی۔ ہم کسی کو بخشیں گے نہیں۔"

رُومی فوج میں تو مسلمانوں کی دہشت اپنا کام کر رہی تھی لیکن اس فوج کے سالار اور دیگر عہدیدار جنگجو تھے۔ اپنی عسکری روایات سے اتنی آسانی سے دستبردار ہونے والے نہیں تھے۔ اُنہوں نے نہ ہتھیار ڈالنے پر آمادگی ظاہر کی نہ جزیہ کی ادائیگی قبول کی۔

مسلمان ایک رات اور ایک دن مسلسل لڑے تھے، پھر انہوں نے بھاگتے رُومیوں کا تعاقب کیا، پھر بیسان تک آئے تھے۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ شرحبیلؓ نے انہیں آرام دینے کے لیے فوری طور پر قلعے پر دھاوا نہ بولا۔ البتہ خود قلعے کے اردگرد گھوڑے پر گھوم پھر کر دیکھتے رہے کہ دیوار کہیں سے کمزور ہے یا نہیں یا کہیں سے سرنگ لگائی جا سکتی ہے؟

سات آٹھ روز گزر گئے۔ رُومی اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ مسلمان قلعے پر ہلّہ بولنے کی ہمّت نہیں رکھتے لیکن رُومی سالار یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ اس کی اپنی فوج کی ہمت ماند پڑی ہوئی ہے۔ اُس نے اپنی فوج کے جذبے کو بیدار کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا کہ وہ باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ کر دے اور قلعے کی لڑائی کا فیصلہ قلعے سے باہر ہی ہو جائے۔

اگلے ہی روز قلعے کے تمام دروازے کھل گئے اور ہر دروازے سے رومی فوج رُکے ہوئے سیلاب کی طرح نکلی۔ اس میں زیادہ تر سوار دستے تھے۔ اُنہوں نے طوفان کی مانند مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا۔ مسلمانوں کے لیے یہ صورتِ حال غیر متوقع تھی۔ اُن کی نفری بھی دشمن کے مقابلے میں کم تھی۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

پہلے تو ایسے لگتا تھا جیسے رُومی مسلمانوں پر چھا گئے ہیں اور مسلمان سنبھل نہیں سکیں گے لیکن سالار شرجبیلؓ عام سی قسم کے سالار نہیں تھے۔ انہوں نے دماغ کو حاضر رکھا اور قاصدوں کو دوڑا دوڑا کر اور خود بھی دوڑ دوڑ کر اپنے دستوں کو پیچھے ہٹنے کو کہا۔

مسلمانوں نے اس حکم پر فوری عمل کیا اور پیچھے ہٹنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی شرجبیلؓ نے بہت سے مجاہدین کو قلعے کے دروازوں کے قریب بھیج دیا۔ ان میں زیادہ تر تیر انداز تھے۔ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ رُومی واپس دروازوں کی طرف آئیں تو اُن پر اتنی تیزی سے تیر پھینکے جائیں کہ وہ دروازوں سے دُور رہیں۔

شرجبیلؓ اور اُن کے کمانداروں نے اپنے دستوں کو محاصرے کی ترتیب سے میدان کی لڑائی کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ اتنا پیچھے ہٹ آئے تھے کہ رومی قلعے سے دُور آ گئے۔ اب شرجبیلؓ نے اپنے انداز سے جوابی حملہ کیا۔ رُومی اپنے حملے میں اتنے مگن تھے کہ وہ بکھرے رہے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا تو رومی بے ترتیبی کی وجہ سے حملے کا مقابلہ نہ کر سکے۔ وہ قلعے کی طرف دوڑے تو اُدھر سے مسلمانوں کے تیروں نے انہیں گرانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی تیر اندازی بہت تیز اور مہلک تھی۔

رُومیوں کا لڑنے کا جذبہ پہلے ہی ٹوٹا ہُوا تھا، اب جذبہ بالکل ہی ختم ہو گیا۔ رومیوں کا جانی نقصان اتنا زیادہ تھا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آخر اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شرجبیلؓ کی شرطیں ماننے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ اُنہوں نے جزیہ اور کچھ اور محصولات ادا کرنے کی شرط بھی قبول کر لی اور قلعہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

فروری ۶۳۵ء (ذی الحج ۱۳ھ) کے آخری ہفتے میں بیسان مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

اُس وقت ابُوعبیدہؓ اور خالدؓ فحل کے شمالی علاقے میں پیش قدمی کر رہے تھے۔

انطاکیہ کے بڑے گرجے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔ یہ بہت بڑا گھنٹہ تھا۔ اس کی آواز سارے شہر میں سنائی دیتی تھی۔ نُور کے تڑکے کی خاموشی میں اس کی "ڈن ڈناڈن" اور زیادہ اونچی سنائی دے رہی تھی۔ یہ ۶۳۵ء (۱۴ ہجری) کے مارچ کا مہینہ تھا۔ گرجے کا گھنٹہ تو بجا ہی کرتا تھا اور لوگ اس کی آواز میں تقدّس محسوس کرتے تھے۔ اُن پر ایسا تاثر طاری ہو جاتا تھا جو اُن کی روحوں کو سرشار کر دیا کرتا تھا، مگر مارچ ۶۳۵ء کی ایک صبح اس گھنٹے کی مترنّم آواز میں کچھ اور ہی تاثر تھا۔ اس تاثر میں مایوسی بھی تھی اور خوف بھی۔

اس گھنٹے کی آوازیں شہنشاہ ہرقل کے محل میں بھی سنائی دے رہی تھیں ہرقل سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ تو جاگنے کا وقت تھا لیکن وہ ساری رات نہیں سویا تھا۔ محاذ کی خبریں اُسے سونے نہیں دیتی تھیں۔ اُس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکنے اور انہیں ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے جو منصوبے بناتے تھے وہ بیکار ثابت ہو رہے تھے۔ مسلمان بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ہرقل راتوں کو جاگتا اور نئے سے نئے منصوبے بناتا تھا لیکن اُس کا ہر ارادہ اور ہر منصوبہ مسلمانوں کے گھوڑوں کے سُموں تلے روندا جاتا تھا۔

ایک نہایت حسین اور جوان عورت اُس کے کمرے میں آئی۔ وہ اُس کی نئی بیوی زاران تھی۔

"شہنشاہ آج رات بھی نہیں سوئے" ——— زاران نے کہا ——— "کیوں نہیں آپ اُن سالاروں اور سپاہیوں کو سب کے سامنے تہ تیغ کر دیتے جو شکست کھا کر واپس آتے ہیں؟ وہ اپنی جانیں بچا کر بھاگ آتے ہیں اور دوسرے سپاہیوں میں بددِلی پھیلاتے ہیں۔"

شہنشاہ ہرقل پلنگ پر لیٹا ہُوا تھا۔ زاران اُس کے پاس بیٹھ گئی۔ ہرقل اُٹھ کھڑا ہُوا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

"زاران!" ——— اُس نے رُک کر کہا ——— "وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں تم کہتی ہو کہ بچ کر آنے والوں کو میں قتل کر دوں۔ میں ان کا خدا نہیں۔ یہی ہیں جنہوں نے فارسیوں کو میرے قدموں میں بٹھا دیا تھا۔ فارسی ایسے کمزور تو نہیں تھے۔ ہماری ٹکر کی قوم ہے۔ مسلمانوں نے انہیں بھی ہر میدان میں شکست دی ہے۔ اب وہ ہمیں بھی شکست دیتے چلے آ رہے ہیں۔ میں مسلمانوں کی قدر کرتا ہُوں۔ اگر ہمارے سالاروں نے ہتھیار ڈالے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کمزور ہیں، بلکہ مسلمان زیادہ طاقتور ہیں۔ اُن کے سالاروں میں عقل زیادہ ہے۔"

"تو کیا شہنشاہ مایوس ہو گئے ہیں؟" ——— زاران نے پوچھا۔

"نہیں!" ——— ہرقل نے کہا ——— "یہ مایوسی نہیں۔ ایک جنگجو ایک جنگجو کی تعریف کر رہا ہے۔ مسلمان اچھے دشمن نہیں۔ اگر وہ مجھ سے ہتھیار ڈلوا لیں گے تو تم میرے پاس ہی رہو گی۔ وہ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تمھیں مجھ سے نہیں چھینیں گے۔"

زاران اُس کا دل بہلانے آئی تھی۔ اُس کے کھچے تنے اعصاب کو سہلانے آئی تھی۔ وہ ہرقل کی چہیتی بیوی تھی۔ وہ ہرقل کو بہلانا جانتی تھی لیکن ہرقل نے اُسے زیادہ توجہ نہ دی۔

گرجے کا گھنٹہ بج رہا تھا۔

"لوگ گرجے کو جا رہے ہیں" ـــــ زاران نے کہا ـــــ "سب آپ کی فتح کے لیے دعائیں کریں گے۔"

ہرقل نے زاران کو کنکھیوں دیکھا جیسے اس عورت نے اُس پر طنز کی ہو۔ ہرقل نے زاران کی بات کو بھونڈا سا مذاق سمجھ کر نظرانداز کر دیا۔

"صرف دعائیں شکست کو فتح میں نہیں بدل سکتیں زاران!" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "جاؤ، مجھے کچھ سوچنے دو۔ ابھی مجھے تمھاری ضرورت نہیں۔"

شہنشاہ ہرقل کو اطلاع مل چکی تھی کہ اُس کے سالار سقلار نے مسلمانوں کا راستہ روکنے اور انہیں پھنسانے کے لیے جو دلدل پھیلائی تھی اُسی دلدل میں اُس کے اپنے سپاہیوں کی لاشیں پڑی ہیں اور فحل کے مقام پر سقلار مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور بیسان پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے۔

ہرقل کا یہ منصوبہ تباہ ہو چکا تھا کہ وہ دمشق پر حملہ نہیں کرے گا نہ اس کا محاصرہ کرے گا بلکہ اپنی فوج کو دمشق سے دور رکھ کر دمشق کو جانے والے راستے بند کر دے گا پھر مسلمانوں کو بکھیر کر لڑائے گا مگر مسلمانوں نے اُس کے منصوبے کی پہلی کڑی کو ہی فحل کے مقام پر توڑ دیا تھا۔

روم کا شہنشاہ ہرقل ہمت ہارنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس کی زندگی جنگ و جدل میں گزری تھی۔ خُدا نے اسے عقل ایسی دی تھی جس سے اُس نے بڑے خطرناک حالات کا رُخ اپنے حق میں موڑ لیا تھا۔ اُسے روم کی شہنشاہی ۶۱۰ء میں ملی تھی۔ اُس وقت روم کی سلطنت میں شمالی افریقہ کا کچھ حصہ، یونان اور کچھ حصہ تُرکی کا شامل تھا۔ روم کی شہنشاہی تو اس سے کہیں زیادہ وسیع و عریض تھی لیکن ہرقل کو جب اس کا تخت و تاج مِلا اُس وقت یہ شہنشاہی سکڑ چکی تھی اور زوال پذیر تھی۔

ہرقل نے اپنے دورِ حکومت کے بیس سال دشمنوں کے خلاف لڑتے اور محلّاتی سازشوں کو دباتے گزار دیئے تھے۔ اُس کی شہنشاہی کے دشمن معمولی سی قومیں نہیں تھیں۔ ایک طرف فارس کی شہنشاہی تھی، دوسری طرف بربر تھے جو بڑے ظالم اور جابر جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ تُرک تھے جن کی جنگی طاقت اور مہارت مسلّمہ تھی۔ یہ ہرقل کی غیر معمولی انتظامی فہم و فراست اور عسکری قیادت کی مہارت تھی کہ اُس نے ان تینوں دشمنوں کو شکست دے کر روم کی شہنشاہی کو شام اور فلسطین تک پھیلایا اور مستحکم کیا تھا۔

اتنے طاقت ور دشمنوں کے خلاف متواتر معرکہ آرا رہنے سے ہرقل کی فوج تجربہ کار اور منظم ہو گئی تھی۔ منظم بھی ایسی کہ پسپا ہوتے وقت بھی تنظیم کو برقرار رکھتی تھی۔ ہرقل کی فوج میں صرف رومی ہی نہیں تھے، کئی اور اقوام کے لوگ اس فوج میں شامل تھے۔ شام اور فلسطین کے عیسائی بھی تھے،

ان عیسائیوں پر اُسے کلی طور پر بھروسہ نہیں تھا۔ ان کے متعلق ہرقل کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ مالِ غنیمت کے لیے لڑتے ہیں اور جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے یہ بھاگ اُٹھتے ہیں۔

مسلمانوں کو وہ عرب کے بدّو کہا کرتا تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو لٹیرے بھی کہا تھا لیکن اُس نے جلدی ہی تسلیم کر لیا تھا کہ اب اُس کا مقابلہ ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو اُس سے زیادہ عسکری فہم و فراست کا مالک ہے اور اُس کے سامنے ایک مقصد ہے۔ ہرقل مسلمانوں کے مقصد کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مذہب کا معاملہ تھا لیکن وہ جان گیا تھا کہ مسلمان زمین کی خاطر اور اپنی شہنشاہی کے قیام اور وسعت کی خاطر گھروں سے نہیں نکلے بلکہ وہ ایک عقیدے پر جانیں قربان کر رہے ہیں۔

"میں اپنی فوج میں وہ جذبہ پیدا نہیں کر سکتا جو مسلمانوں میں ہے" ـــــ اُسی روز اُس نے اپنے اُن سالاروں کو جو انطاکیہ میں موجود تھے، بلا کر کہا ـــــ "اپنے سپاہیوں سے کہو کہ اپنے اپنے عقیدے کی خاطر لڑیں۔ انہیں بتاؤ کہ جن جگہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے، وہاں کے لوگ اپنا مذہب تَرک کر کے اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں۔ انہیں کہو کہ اور کچھ نہیں تو اپنے ذاتی وقار کی خاطر لڑو۔ اپنی جوان بیٹیوں اور بہنوں کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے لڑو۔"

اُس نے اپنے سالاروں کو محاذ کی تازہ صُورتِ حال سے آگاہ کیا۔

"تو کیا اب تم محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اپنا منصوبہ بدلنا پڑے گا؟" ـــــ اُس نے اپنے سالاروں سے پوچھا۔

"ہمیں مسلمانوں پر زیادہ سے زیادہ طاقت سے حملہ کرنا چاہیئے" ـــــ ایک سالار نے کہا۔

"وہ تو میں کرنا ہی چاہتا ہوں" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "میں اتنی زیادہ اور ہر لحاظ سے اتنی طاقتور فوج تیار کر رہا ہوں جسے دیکھ کر پہاڑ بھی کانپیں گے۔ ہم جو علاقے کھو چکے ہیں، ان کا ہمیں غم نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ سب واپس آجائیں گے۔ میں تم میں سے کسی کے چہرے پر مایوسی نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں نے بیس سال مسلسل لڑ کر سلطنتِ روم کی عظمت کو بحال کیا تھا۔ اب بھی کر لوں گا لیکن تم مسلمانوں سے مرعوب ہو گئے تو میری ناکامی یقینی ہے۔"

سالاروں نے باری باری اُسے جوشیلے الفاظ میں یقین دلایا کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

"جوش باتوں میں نہیں میدانِ جنگ میں دکھایا جاتا ہے" ـــــ ہرقل نے کہا ـــــ "یہ میں جانتا ہُوں کہ تم جانیں قربان کر دو گے لیکن تاریخ یہ دیکھے گی کہ تمھاری جانیں کس کام آئیں اور تم دشمن کو مار کر مرے تھے یا لڑائی میں مارے جانے والے سپاہیوں کی طرح صرف مارے گئے تھے....

"اب سنو ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں نے دمشق پر حملہ نہیں کرنا تھا لیکن اب ہمیں دمشق کو محاصرے میں لے کر اس شہر پر قبضہ کرنا ہے۔ وہاں سے جو اطلاعیں آئی ہیں، ان سے پتہ چلا ہے کہ دمشق کا دفاع کمزور ہے۔ وہاں مسلمانوں کی نفری بہت تھوڑی ہے۔ یہ ہمارا فوجی مرکز تھا جسے مسلمانوں نے اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ یہ ہمیں واپس لے لینا چاہیئے۔"

اُس نے ایک سالار شنس سے کہا کہ وہ حمص سے اپنے دستے لے کر دمشق پہنچے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"...... اور بھیوڈورس!" ـــــ اُس نے اپنے ایک اور سالار سے کہا ـــــ "تم اپنے ساتھ زیادہ نفری لے کر دمشق کو روانہ ہو جاؤ۔ کوچ بہت تیز ہو تاکہ مسلمانوں کا کوئی امدادی دستہ تم سے پہلے دمشق نہ پہنچ جائے۔ شنس تمھاری مدد کے لیے تمھارے قریب رہے گا۔ دمشق پر قبضہ کر کے ہم اِسے اپنا کواڈہ بنالیں گے...... اب دنیا کو بھول جاؤ۔ اپنی بیویوں اور اپنی داشتاؤں کو بھول جاؤ۔ جسے ایک بار شکست ہو جائے اُسے کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہنا چاہیئے" ـــــ ہرقل نے تاریخی اہمیت کے الفاظ کہے ـــــ "جو قوم اپنی شکست کو بھول جاتی ہے، اُسے زمانہ بھول جاتا ہے اور جو قوم اپنے دشمن سے نظریں پھیر لیتی ہے وہ ایک روز اسی دشمن کی غلام ہو جاتی ہے...... تمھاری عظمت سلطنت کی عظمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ سلطنت کی عظمت کا دفاع نہیں کرو گے تو بے وقار زندگی بسر کرو گے اور گمنام مرو گے۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ہرقل کے بولنے کے انداز میں بارعب اور پُرعزم ٹھہراؤ تھا۔ اُس کا انداز تحکمانہ نہیں تھا لیکن اُس کے الفاظ اس کے سالاروں پر وہی تاثر پیدا کر رہے تھے جو وہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

سالار بھیوڈورس اور سالار شنس اُسی وقت نئے احکام اور ہدایات کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اُس وقت ابو عبیدہؓ اور خالدؓ فحل کے شمال کی طرف جا رہے تھے۔

مسلمانوں کی فوج اب پہلے والی فوج نہیں رہی تھی۔ خالدؓ جب اس کے سالارِ اعلیٰ تھے تو انہوں نے اسے منظم کر دیا تھا۔ مجاہدین تو پہلے بھی منظم ہی تھے۔ اُن کا خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک، عقیدہ اور نظریہ ایک تھا اور سالار سے سپاہی تک جنگ کے مقصد سے آگاہ تھے۔ پھر بھی اسے فارس اور روم کی فوجوں کی طرح منظم کرنا ضروری تھا۔ وہ خالدؓ نے کر دیا تھا۔ جاسوسی اور دیکھ بھال کو بھی باقاعدہ اور مؤثر بنا دیا تھا۔ اس کے علاوہ خالدؓ نے ایک سوار دستہ تیار کیا تھا جو متحرک رہتا اور انتہائی رفتار سے وہاں پہنچ جاتا جہاں مدد کی ضرورت ہوتی تھی مگر ان کی تعداد تھوڑی تھی اور روز بروز تھوڑی ہوتی جا رہی تھی اور وہ اپنے وطن سے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔

وہ اسلام کا تاریخ ساز دَور تھا۔ اللہ نے انہیں یہ فرض سونپا تھا کہ وہ روایات تخلیق کریں اور اُس راستے کا تعیّن کریں جو آنے والے ہر دَور میں مسلمانوں کی روایات اور فتحِ اسلام کا راستہ بن جاتے۔ شمعِ رسالتؐ مسلمانوں کے لہو سے ہی فروزاں رہ سکتی تھی اور مسلمانوں کو ہر دَور اور ہر میدان میں قلیل تعداد میں رہنا تھا۔

وہ جو ۶۳۵ء کے اوائل میں شام اور فلسطین میں آگے ہی آگے بڑھے جا رہے تھے، انہوں نے اپنا آپ اور اپنا سب کچھ اسلام کی قربان گاہ میں رکھ دیا تھا۔ وہ ایک مقدّس لگن سے سرشار تھے۔ تلواروں کی جھنکار اور تیروں کے زناٹے اور زخمیوں کی کربناک آوازیں اُن کے لیے وجد آفریں موسیقی بن گئی تھیں۔ اُن کے رکوع و سجود بھی تلواروں کی چھاؤں میں ہوتے تھے۔ وہ اب گوشت پوست کے جسم نہیں، دین و ایمان اور جذبۂ ایثار کے پیکر بن گئے تھے جو روح کی قوتوں سے حرکت کرتے ہیں اور یہ حرکت بہت ہی تیز تھی۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ حمص کی جانب جا رہے تھے۔ وہ فحل سے چلے تھے جہاں سے حمص تقریباً اسّی میل دُور تھا۔ اُن کے راستے میں دمشق پڑتا تھا جو کم و بیش تیس میل دُور تھا لیکن ان سالاروں نے دمشق سے کچھ دُور سے گزر جانا تھا۔

دمشق اور فحل کے درمیان ایک سرسبز علاقہ تھا جو بہت خوبصورت اور روح پرور تھا۔ اس سبزہ زار کا نام مرج الرّوم تھا۔ مسلمان دستوں کو وہاں کچھ دیر کے لیے رکنا تھا۔ وہ اس سے تھوڑی ہی دُور رہ گئے تھے کہ ایک گھوڑ سوار جو فوجی معلوم نہیں ہوتا تھا، راستے میں کھڑا ملا۔ وہ کوئی شکاری معلوم ہوتا تھا۔ جب دونوں سالار اُس کے سامنے سے گزرے تو اُس نے اپنا گھوڑا اُن کے پہلو میں کر لیا اور اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"کیا خبر ہے؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے اُس سے پوچھا۔

"رومی ہمارے منتظر ہیں" ـــــ گھوڑ سوار نے جواب دیا ـــــ "تعداد ہم سے زیادہ ہے۔ حمص کی طرف دشمن کا ایک لشکر آ رہا ہے۔"

یہ گھوڑ سوار کوئی شکاری اور اجنبی نہیں تھا، یہ ایک مسلمان جاسوس تھا جو شکاریوں کے بہروپ میں بہت آگے نکل گیا تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اُس کے چند اور ساتھی بھی آگے گئے ہوتے تھے۔ جاسوسی اتنا آسان کام نہیں تھا کہ دشمن کی نقل و حرکت دیکھی اور واپس آ کر اپنے سالاروں کو اطلاع دے دی۔ دشمن کے جاسوس بھی آگے آتے ہوئے ہوتے تھے۔ وہ جاسوسی کے علاوہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسری طرف کا کوئی جاسوس ان کے علاقے میں نہ آیا ہوا ہو۔ پتہ چل جانے کی صورت میں جاسوس پکڑا یا مارا جاتا تھا۔

اِس جاسوس نے سبزہ زار میں جس رومی فوج کی موجودگی کی اطلاع دی تھی، مؤرخوں کے مطابق وہ رومی سالار بھیوڈورس کے دستے تھے اور جو رومی فوج آ رہی تھی، اُس کا سالار شنس تھا۔

"ابو سلیمان!" ـــــ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے پوچھا ـــــ "کیا تُو یہ تو نہیں سوچ رہا کہ ہم ان رومیوں کو نظر انداز کر کے آگے نکل جائیں؟ ہماری منزل حمص ہے۔"

"نہیں!" ـــــ خالدؓ نے جواب دیا ـــــ "ان دو فوجوں کے اِدھر آنے کا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ دمشق کے راستوں کی ناکہ بندی کر رہے ہیں۔ مجھے دمشق خطرے میں نظر آ رہا ہے۔"

"اگر رومی دو حصّوں میں آ رہے ہیں تو کیوں نہ ہم بھی دو حصّوں میں ہو جائیں؟" ـــــ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"دو حصّوں میں ہی ہونا پڑے گا" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہماری راہنمائی اللہ کرے گا۔"

"تجھے اللہ سلامت رکھے!" ـــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ـــــ "کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ مجاہدین کو بتا دیں؟"

خالدؓ رکابوں میں کھڑے ہو گئے اور اپنی فوج کو رُکنے کا اشارہ کیا۔

"مجاہدینِ اسلام!" ـــــ ابو عبیدہؓ نے بڑی ہی بلند آواز میں اپنی فوج سے کہا ـــــ "دشمن نے ہمارا راستہ روک لیا ہے۔ کیا تم نے کفر کے پہاڑوں کے سینے چاک نہیں کیے؟ کیا شرک اور ارتداد کی چٹانوں کو تم نے پہلے روندا نہیں؟ یہ رومی لشکر جو ہمارے راستے میں کھڑا ہے، تعداد میں

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

زیادہ ہے لیکن اس میں ایمان کی وہ طاقت نہیں جو تم میں ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے، باطل کے ان پجاریوں کے ساتھ نہیں۔ اللہ کی خوشنودی کو اپنے دل میں رکھو اور اپنے آپ کو ایک اور معرکے کے لیے تیار کر لو۔"

"ہم تیار ہیں"— مجاہدین کے نعرے گرجنے لگے —"ہم تیار ہیں.... لبیک ابوعبیدہؓ ....لبیک ابوسلیمانؓ!"

ایسا جوش و خروش جس میں گھوڑے بھی بے چینی میں کھر مارنے لگے ہوں اور ایسے گرجدار نعرے جیسے مجاہدین کا یہ لشکر ترو تازہ ہو اور پہلی بار کوچ کر رہا ہو۔ یہ ایمان کی تازگی اور روحوں کا جوش تھا۔

بعض مؤرخوں نے مرج الرّوم کی لڑائی کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ اس کی جنگی تفصیلات وہ یورپی مؤرخوں نے لکھی ہیں جن میں ہنری سمتھ قابلِ ذکر ہے۔ اُس نے اسے جنگی مبصر کی نگاہوں سے دیکھا اور لکھا ہے۔ ان تحریروں کے مطابق ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے دستوں کو الگ کر کے انہیں اس طرح تقسیم کر لیا کہ دونوں سالار ایک دوسرے کی مدد کو بھی پہنچ سکیں۔

دونوں حصّوں کا ہراول مشترک تھا اور ہراول سے آگے دیکھ بھال کا بھی انتظام تھا۔ دونوں سالار اس زمین پر اجنبی تھے۔ دائیں اور بائیں سے بھی حملہ ہو سکتا تھا۔ دو مسلمان جاسوسوں کو جو بہت آگے چلے گئے تھے، ایک شتر سوار ملا اور رُک گیا۔

"میرے دوستو!"— اُس نے مسلمان جاسوسوں سے کہا—"تم اُدھر سے آ رہے ہو اور میں اُدھر جا رہا ہوں۔ سنا ہے اُدھر سے مسلمان لشکر آ رہا ہے۔ اگر تم نے اس لشکر کو دیکھا ہو تو بتا دو۔ میں راستہ بدل دوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا اونٹ مجھ سے چھین لیں۔"

"اور تو یہ بتا کہ آگے کہیں رومی لشکر موجود ہے؟"— مسلمان جاسوس نے پوچھا اور کہنے لگا—"ہمیں بھی وہی ڈر ہے جو تجھے ہے۔ رومی ہم سے گھوڑے چھین لیں گے۔"

"رومی لشکر کا تو کہیں نام و نشان نہیں"— شتر سوار نے جواب دیا—"کس نے بتایا ہے تمہیں؟"

"مرج الرّوم سے آنے والوں نے!"— ایک مسلمان جاسوس نے جواب دیا۔

"کسی نے غلط بتایا ہے"— شتر سوار نے کہا—"میں اُدھر سے ہی آ رہا ہوں۔"

دونوں مسلمان جاسوس کسی بہروپ میں گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک نے شتر سوار کی ٹانگ پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ وہ اونٹ کی پیٹھ سے زمین پر جا پڑا۔ دونوں مسلمان بڑی تیزی سے گھوڑوں سے کودے اور شتر سوار کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ تلواریں نکال کر نوکیں اُس کی شہ رگ پر رکھ دیں۔

"تم عیسائی عرب ہو"— ایک جاسوس نے اُسے کہا—"اور رومیوں کے جاسوس ہو.... انکار کرو۔ ہم تمہارے دونوں بازو کندھوں سے کاٹ دیں گے.... مرج الرّوم کی پوری خبر سناؤ۔"

اُس نے جاں بخشی کے وعدے پر تسلیم کیا کہ وہ رومیوں کا جاسوس ہے اور اُس نے یہ بھی بتایا کہ رومی سالار تھیوڈرس اپنے دستوں کے ساتھ پہلے ہی مرج الرّوم میں موجود تھا اور دوسرا سالار شنس بھی کچھ دیر پہلے پہنچ گیا ہے۔

اس رومی جاسوس کو پکڑ کر پیچھے لے گئے اور اُسے سالار ابوعبیدہؓ اور سالار خالدؓ کے حوالے کر دیا گیا۔

جب مجاہدین کا لشکر مرج الرّوم کے سبزہ زار کے قریب گیا تو رومی لشکر دو بڑے حصّوں میں لڑائی کے لیے تیار کھڑا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے دستوں کو اُس جگہ رومی لشکر کے سامنے روکا جہاں رومی سالار تھیوڈورس کے دستے تھے اور خالدؓ نے اپنے دستوں کو رومی سالار شنس کے دستوں کے سامنے صف آرا کیا۔ رومیوں نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ شاید مسلمانوں کو حملے کی پہل کا موقع دینا چاہتے تھے لیکن خالدؓ نے پہل نہ کی۔ ابوعبیدہؓ کو بھی اُنہوں نے حملہ نہ کرنے دیا۔ دونوں مسلمان سالار حیران تھے کہ رومی آگے بڑھ کر حملہ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ ان کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ مسلمان اسے ایک چال سمجھ کر آگے نہ بڑھے۔

سورج غروب ہو گیا۔ دونوں طرف کی فوجیں پیچھے ہٹ گئیں اور سپاہیوں کو کچھ دیر کے لیے سونے کی اجازت دے دی گئی۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ خالدؓ دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے عادی تھے لیکن سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے اس لیے خالدؓ ان کی موجودگی میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے لیکن اُن کی فطرت میں جو جنگجو سپاہی تھا وہ انہیں سونے نہیں دے رہا تھا۔ خالدؓ بے چینی سے کروٹیں بدلتے رہے۔ دشمن اُن کے سامنے موجود تھا اور لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ ایک تو یہ وجہ تھی کہ انہیں نیند نہیں آ رہی تھی اور ایک وجہ اور بھی تھی جو انہیں بے قرار کرتی جا رہی تھی۔ یہ شاید اُن کی چھٹی حِس تھی۔ انہوں نے رومیوں کے پڑاؤ کی طرف سے ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنی تھیں۔

انہیں شک ہونے لگا کہ دشمن سویا نہیں اور کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف ہے۔ آدھی رات کے بہت بعد کا وقت تھا جب خالدؓ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے پڑاؤ میں خراماں خراماں چلتے پڑاؤ سے نکل گئے۔ وہاں سبزہ ہی سبزہ تھا اور درخت بہت تھے۔ خالدؓ جھاڑیوں اور درختوں کی اوٹ میں دشمن کے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔

وہ اُس جگہ پہنچ گئے جہاں رومی سالار تھیوڈرس کے دستوں کو ہونا چاہیے تھا لیکن وہاں رومی فوج کا ایک بھی سپاہی نہیں تھا۔ کوئی سنتری نہ تھا جو اُنہیں روکتا۔ شام کے وقت انہوں نے رومی دستوں کو اس جگہ پڑاؤ ڈالتے دیکھا تھا۔ رات ہی رات وہ کہاں چلے گئے؟ کچھ اور آگے جا کر انہیں ایسی نشانیاں ملیں جن سے صاف پتہ چلتا تھا کہ فوج نے یہاں قیام کیا تھا۔

خالدؓ اُس طرف چلے گئے جدھر رومیوں کی فوج کے دوسرے حصّے کا پڑاؤ تھا۔ خالدؓ کو دُور سے ہی پتہ چل گیا کہ وہاں فوج موجود ہے۔ وہ چھپتے چھپاتے اور آگے چلے گئے۔ [illegible] سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ خالدؓ دشمن کے پڑاؤ کے اِردگرد بڑھتے گئے۔ چاندنی میں انھیں [illegible] دشمن کا کیمپ دکھائی دے رہا تھا۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ رومیوں کی آدھی فوج کہیں چلی گئی ہے۔ خالدؓ بڑی تیزی سے چلتے ابوعبیدہؓ کے پاس چلے گئے اور انہیں بتایا کہ رومیوں کی آدھی فوج لاپتہ ہو گئی ہے۔

"کہاں چلی گئی ہو گی؟" ——— ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔

"جہاں بھی گئی ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اسے وہیں پہنچانے کے لیے دن کو رومیوں نے لڑائی سے گریز کیا تھا۔"

کچھ دیر دونوں سالار اسی پر تبادلۂ خیالات کرتے رہے کہ رومیوں کی فوج کا ایک حصہ کہاں غائب ہو گیا ہے۔ مؤرخوں کے مطابق یہ سالار تھیوڈورس کے دستے تھے جو چلے گئے تھے۔ پیچھے سالار شنس رہ گیا تھا۔ اُس کے دستوں کی تعداد بھی خاصی زیادہ تھی۔

صبح طلوع ہوتے ہی رومی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ ابوعبیدہؓ پہلے ہی تیار تھے۔ انہوں نے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے دستوں کو حسبِ معمول تین حصوں میں تقسیم کر لیا تھا اور حملہ دشمن کے پہلوؤں پر کیا تھا۔ خود انہوں نے دشمن کے قلب پر نظر رکھی ہوئی تھی جہاں انہیں سالار شنس کا پرچم دکھائی دے رہا تھا۔

مجاہدین نے دشمن کے پہلوؤں پر حملہ کیا اور ابوعبیدہؓ آگے بڑھے اور شنس کو مقابلے کے لیے للکارا۔ شنس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے آ گیا۔ ابوعبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کی طرف گئے۔ دونوں سالاروں نے ایک دوسرے پر وار کیا اور دونوں کی تلواریں ٹکرائیں۔ شنس نے ذرا دُور جا کر گھوڑا موڑا لیکن ابوعبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو زیادہ آگے نہ جانے دیا۔ فوراً ہی موڑ کر پھر ایڑ لگائی۔ شنس ابھی سیدھا بھی نہیں ہُوا تھا کہ ابوعبیدہؓ کی تلوار اُس کے کندھے پر پڑی لیکن اُس کی زرہ نے اُسے بچا لیا۔

دونوں کے گھوڑے پھر دوڑتے ایک دوسرے کی طرف آئے تو شنس نے وار کرنے کے لیے تلوار اوپر کی۔ ابوعبیدہؓ نے برچھی کی طرح وار کر کے تلوار اُس کی بغل میں اتار دی۔ ذرا ہی آگے جا کر گھوڑے کو موڑا۔ شنس کو زخم پریشان کر رہا تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کو بروقت نہ موڑ سکا۔ ابوعبیدہؓ نے اُس کی ایک ٹانگ پر بھرپور وار کیا اور ٹانگ کاٹ ڈالی۔ شنس گر رہا تھا جب ابوعبیدہؓ پھر واپس آئے اور شنس کے سر کو ڈھلکا ہُوا دیکھ کر گردن پر وار کیا۔ شنس کا سر پُورا تو نہ کٹا لیکن الگ ہو کر لٹکنے لگا۔ پھر اُس کی لاش گھوڑے سے اس طرح گری کہ ایک پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ ابوعبیدہؓ نے شنس کے گھوڑے کو تلوار کی نوک چبھوئی۔ گھوڑا بدک کر دوڑ پڑا اور اپنے سوار کی لاش گھسیٹتا پھرا۔

اس کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے اپنے قلب کے دستوں کو دشمن کے قلب پر حملے کا حکم دے دیا جہاں کھلبلی بپا ہو چکی تھی کیونکہ اُن کا سالار مارا گیا تھا۔ رومی پیچھے ہٹنے لگے لیکن مجاہدین نے اُن کے عقب میں جا کر اُن کے لیے بھاگ نکلنا مشکل کر دیا، پھر بھی بہت سے رومی نکل گئے اور حمص کا رخ کر لیا۔

یہ معرکہ مارچ ۶۳۵ء (محرم الحرام ۱۴ھ) میں لڑا گیا تھا۔

اُسی صبح دمشق کے باہر بھی خونریزی ہو رہی تھی۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ دمشق مسلمانوں کے قبضے میں تھا لیکن وہاں مسلمان فوج کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ دمشق میں حاکمِ شہر اور سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ شہنشاہ ہرقل کا منصوبہ یہ تھا کہ دمشق میں مسلمان فوج کی تعداد کم ہے اس لیے اسے آسانی سے ختم کیا جا سکے گا۔ اُس نے یہ کام اپنے ایک تجربہ کار سالار تھیوڈورس کو سونپا تھا۔

دمشق کے دفاع کا ایک انتظام یہ بھی تھا کہ دیکھ بھال کے لیے چند آدمی شہر سے دُور دُور گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ اُس صبح یزید بن ابی سفیان کو اطلاع ملی کہ رومی فوج آ رہی ہے۔ دمشق پر ہر لمحہ حملے کی توقع رہتی تھی۔ رومی کوئی ایسے گئے گزرے تو نہیں تھے کہ اپنی شہنشاہی کا کھویا ہُوا اتنا بڑا شہر واپس لینے کی کوشش نہ کرتے۔ یزید بن ابی سفیان ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ انہوں نے رومی فوج کے آنے کی اطلاع ملتے ہی اپنے دستے کو شہر سے باہر صف آرا ہونے کا حکم دیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مسلمان محاصرے میں لڑنے کے عادی نہیں تھے۔ انہیں محاصرہ کرنے کا تجربہ تھا، محصور ہو کر لڑنے کا انہیں کوئی تجربہ بھی نہیں تھا اور انہیں محصور ہونا پسند بھی نہیں تھا۔ وہ میدان میں اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے بھی لڑ جاتے تھے۔

رومی چونکہ جنوب مغرب کی طرف سے آ رہے تھے اس لیے یزید نے اپنے دستے کو اُسی سمت جنگی ترتیب میں کھڑا کر دیا۔ رومی فوج سامنے آئی تو پتہ چلا کہ اس کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے۔ ان رومی دستوں کا سالار تھیوڈورس تھا۔ وہ انطاکیہ سے بیروت کے راستے دمشق کو فتح کرنے آ رہا تھا۔ جب مرج الرّوم پہنچا تو ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کی زیرِقیادت مجاہدین کی فوج آ گئی۔ اُسے دمشق پہنچنا تھا۔ وہ وقت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

مؤرخ واقدی، ابن ہشام اور ابوسعید لکھتے ہیں کہ اُس نے بڑی کارگر ترکیب سوچ لی۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے سامنے مرج الرّوم میں صف آرا رہا لیکن لڑائی سے گریز کرتا رہا۔ رات ہو گئی تو نہایت خاموشی سے اپنے دستوں کو دمشق لے گیا۔ رومی سالار شنس پیچھے رہ گیا۔ اُس کے ذمے یہ کام تھا کہ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کو یہیں روکے رکھے۔ اس مقام سے دمشق بیس میل بھی نہیں تھا۔ تھیوڈورس صبح کے وقت دمشق کے مضافات تک پہنچ گیا۔

وہ جب دمشق کے قریب گیا تو مسلمانوں کو قلعے کے باہر منتظر پایا۔ یہ دمشق کے دفاعی دستے تھے جن کے سالار یزید بن ابی سفیان تھے۔ تھیوڈورس کو معلوم تھا کہ دمشق کے دفاع میں مسلمانوں کی یہی نفری ہے جو باہر کھڑی ہے۔ اُس نے اپنے دستوں کو للکار کر کہا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو کچل ڈالو۔ دمشق تمہارا ہے۔

"مجاہدو!" ——— یزید بن ابی سفیان نے اپنے دستوں سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ——— "دمشق تمہاری آبرو ہے۔ دشمن شہر کی دیوار کے سائے تک بھی نہ پہنچے۔ کفر کے طوفان کو شہر سے باہر روک لو۔"

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

یہ جوشِ جذبات کی للکار تھی جس نے مجاہدین کو گرما دیا لیکن حقیقت بڑی تلخ تھی۔ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ اور کمک کی کوئی صورت نہیں تھی۔ نہ صرف یہ کہ دمشق ہاتھ سے جا رہا تھا بلکہ مجاہدین میں سے کسی کا بھی زندہ رہنا ممکن نہیں تھا۔ مجاہدین جہاں بھی لڑے کم تعداد میں لڑے لیکن کمی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ رومیوں کی نفری اتنی زیادہ تھی کہ وہ یزید کے دستوں کو آسانی سے گھیرے میں لے سکتے تھے۔ ہرقل نے یہی کچھ سوچ کر وہاں زیادہ نفری بھیجی تھی اور تھیوڈورس اُس کا آزمودہ سالار تھا۔

تھیوڈورس نے مسلمانوں کو دیکھ کر اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ اُس نے حملے کا حکم دے دیا۔ حملہ دونوں پہلوؤں کی طرف سے ہُوا تھا۔ یزید بن ابی سفیان سمجھ گئے کہ رومی انہیں اندر کی طرف سکڑنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ یزید بن ابی سفیان نے اپنے دستے کو اور زیادہ پھیلا دیا اور سوار دستے سے کہا کہ وہ دشمن کے پہلوؤں پر جانے کی کوشش کریں لیکن رومی تو سیلاب کی مانند تھے۔ مسلمان جذبے سے حملے روک رہے تھے اور وہ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دفاعی لڑائی لڑنے پر مجبور تھے۔ جوابی حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

رومی شہر کی طرف جانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ یزید نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ انہوں نے شہر کے ہر دروازے کے سامنے اور کچھ دُور تیر انداز کھڑے کر رکھے تھے اور ان کے ساتھ تھوڑی تھوڑی تعداد میں گھوڑسوار بھی تھے۔

سورج سر کے اوپر آ گیا۔ آدھا دن گزر گیا تھا۔ مجاہدین ابھی تک رومیوں کے موج در موج حملے روک رہے تھے اور اُن کے نعروں اور للکار میں ابھی جان موجود تھی۔ اُس وقت تک زخمیوں اور شہیدوں کی وجہ سے اُن کی تعداد مزید کم ہو گئی تھی۔ رومی نفری کی افراط کے باوجود مسلمانوں پر غالب نہیں آ سکے تھے لیکن مسلمانوں کے جسم اب جواب دینے لگے تھے۔ گھوڑے بھی تھک گئے تھے۔

دوپہر کے بعد مجاہدین کو صاف طور پر محسوس ہونے لگا کہ شکست ان کے بہت قریب آ گئی ہے۔ وہ پسپائی کے عادی نہیں تھے۔ انہوں نے کلمہ طیبہ کا بلند ورد شروع کر دیا اور اس کوشش میں لہولہان ہونے لگے کہ حملہ روک کر حملہ کریں بھی۔ اُن کی تنظیم ٹوٹ گئی تھی اور وہ اب انفرادی طور پر لڑ رہے تھے۔ سالار یزید بن ابی سفیان سپاہی بن چکے تھے۔ وہ اپنے علمبردار اور محافظوں سے کہتے تھے کہ علَم نہ گرنے دینا۔

بڑی جلدی وہ وقت آ گیا جب مجاہدین کو یقین ہو گیا کہ ایک طرف دشمن کی قید اور دوسری طرف موت ہے۔ وہ جیتے جی یہ نہیں سننا چاہتے تھے کہ دشمن دمشق پر قابض ہو گیا ہے۔

عین اُس وقت جب مجاہدین نے زندگی کا آخری معرکہ لڑنے کے لیے جانوں کی بازی لگا دی تھی، رومیوں کے عقب میں شور اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے رومیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دمشق کے دفاع میں لڑنے والوں کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ پیچھے کیا ہو رہا ہے اور رومیوں پر کیا آفت ٹوٹی ہے۔ اُن کی تنظیم درہم برہم ہو گئی اور ان کے حملے بھی ختم ہو گئے۔

"اسلام کے جاں نثارو!" — یزید بن ابی سفیان نے بلند آواز سے کہا — "اللہ کی مدد آ گئی

ہے۔ حوصلے بلند رکھو۔"

حقیقت یہ تھی کہ یزید کو معلوم ہی نہیں تھا کہ رومیوں کے عقب میں کیا ہو رہا ہے۔ اُنہوں نے رومیوں پر حملے کا حکم دے دیا۔ رومیوں کو تو حملہ روکنے کا بھی ہوش نہ رہا۔ یزید بن ابی سفیان پہلو کی طرف نکل گئے۔ محافظ اُن کے ساتھ تھے۔ وہ رومیوں کے عقب میں جا رہے تھے۔ شوروغوغا اس قدر زیادہ تھا کہ اپنی آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔ صرف یہ پتہ چلتا تھا کہ رومیوں میں بھگدڑ اور افراتفری بپا ہو گئی ہے۔

کچھ اور آگے گئے تو یزید کے کانوں میں آواز پڑی:

انا فارس الضدید
انا خالدؓ بن الولید

"دمشق کے محافظو!" — یزید بن ابی سفیان گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کرتے پیچھے آتے — "خدا کی قسم، ابنِ ولیدؓ آ گیا ہے.... ابوسلیمانؓ پہنچ گیا ہے.... اللہ کی مدد پہنچ گئی ہے.... اللہ کو پکارنے والو! اللہ نے ہماری سُن لی ہے.... خدا کی قسم، رومی اپنی قبروں پر لڑ رہے ہیں.... فتح حق پرستوں کی ہو گی۔"

اُس دور کی تحریری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یزید پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی اور ایسی ہی دیوانگی اُن کے دستے پر طاری ہو گئی — اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔

☆

یزید بن ابی سفیان کے لیے خالدؓ کا آ جانا ایک معجزہ تھا لیکن خالدؓ اتنی جلدی آ کیسے گئے؟

ہم پھر گذشتہ رات مرج الرّوم چلے چلتے ہیں جہاں خالدؓ چھپ چھپ کر رومیوں کے کیمپ دیکھ رہے ہیں۔ اُنہوں نے دیکھا کہ رومیوں کی فوج کا وہ حصہ جو دن کے وقت اُن کے سامنے صف آرا تھا، وہاں نہیں ہے۔ خالدؓ کو یقین ہو گیا کہ یہ حصہ کہیں چلا گیا ہے تو انہوں نے سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ سے بات کی۔ خالدؓ دور اندیش تھے۔ انہیں شک ہُوا کہ رومیوں کی فوج کا یہ حصہ دمشق کی جانب گیا ہے اور رومیوں کا مقصد صرف یہ ہو سکتا ہے کہ دمشق پر قبضہ کر لیا جائے۔

"ہرقل معمولی دماغ کا آدمی نہیں" — خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا — "اُسے معلوم ہو گا کہ دمشق میں ہماری نفری بہت تھوڑی ہے.... میں اس کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ دمشق خطرے میں ہے۔ اگر تُو مجھے اجازت دے تو میں دمشق پہنچ جاؤں۔"

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابوسلیمانؓ!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "میں تجھے اجازت دیتا ہوں اور تجھے اللہ کے سپرد کرتا ہوں.... یہ جو رومی پیچھے رہ گئے ہیں اُنہیں میں سنبھال لوں گا۔"

خالدؓ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا۔ اپنے سوار دستے کو تیار کر کے دمشق کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں کئی نشانیاں اور کئی آثار انہیں یقین دلاتے رہے کہ اس راستے پر ایک فوج گزری ہے۔ تھیوڈورس آدھی رات سے پہلے مرج الرّوم سے روانہ ہو گیا۔ خالدؓ رات کے آخری پہر روانہ ہوئے اور دمشق اُس وقت پہنچے جب مسلمان ہاری ہُوئی جنگ لڑ رہے تھے اور انہیں کمک کی ذرا سی بھی توقع نہیں تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ کو وہاں وہی نظر آیا جو اُنہوں نے سوچا تھا۔ اُنہوں نے عقب سے رومیوں پر ہلّہ بول دیا۔ خالدؓ کو رومیوں کا پرچم نظر آیا تو اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ انہیں تھیوڈورس بوکھلاہٹ کے عالم میں دکھائی دیا۔ اُسے دمشق اپنے قدموں میں پڑا نظر آرہا تھا۔ وہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اُس کی فوج فتح کے قریب پہنچ کر کٹنے لگی تھی۔

"میں رومیوں کا قاتل ہوں" ـــــ خالدؓ نے تھیوڈورس کو للکارا ـــ "میں وہیں سے آیا ہوں جہاں سے رات کو تو آیا تھا۔"

تھیوڈورس نے تلوار نکال لی۔ دونوں سالاروں کے محافظ الگ ہٹ گئے۔ خالدؓ نے تھیوڈورس کے دو تین وار بیکار کر دیئے اور اُس کے اردگرد گھوڑا دوڑاتے رہے۔ تھیوڈورس کو بھرپور وار کرنے کے لیے موزوں پوزیشن نہیں مل رہی تھی۔ وہ خالدؓ کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ مانا ہُوا جنگجو سالار تھا لیکن اُس کا مقابلہ ایسے سالار کے ساتھ آپڑا تھا جو ہر لحظہ شکار کی تلاش میں رہتا تھا۔

آخر اُس نے بڑے غصے میں خالدؓ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن خالدؓ نے ایک پینترا بدل کر اپنے آپ کو تھیوڈورس کی زد سے دُور کر لیا اور دوسرے پینترے میں ایسا وار کیا کہ تھیوڈورس گھوڑے پر ہی دوہرا ہو گیا۔ خالدؓ کے دوسرے وار نے اُسے ختم کر دیا۔

اب رومیوں کے کرنے کا ایک ہی کام رہ گیا تھا کہ بھاگیں اور اپنی جانیں بچائیں۔ وہ رومی خوش قسمت تھے جو زندہ نکل گئے۔ مالِ غنیمت میں زرہ، خودیں، ہتھیار اور گھوڑے خاص طور پر قابلِ ذکر تھے۔

اُدھر ابوعبیدہؓ نے دوسرے رومی سالار شنس کو ختم کر دیا تھا۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو اس حکم کے ساتھ روانہ کر دیا کہ وہ حمص پہنچ کر وہاں کا محاصرہ کر لیں۔ ابوعبیدہؓ خود ایک اور اہم مقام بعلبک کی طرف روانہ ہو گئے۔ توقع یہ تھی کہ ان دونوں جگہوں کا محاصرہ طول پکڑے گا اور مقابلہ بڑا سخت ہو گا لیکن (مؤرخوں کے مطابق) مسلمانوں کی تلوار کی دہشت وہ کام نہیں کر سکتی تھی جو اُن کے حسنِ اخلاق نے کیا۔ مسلمان جدھر جاتے تھے وہاں کے لوگوں میں پہلے ہی مشہور ہو چکا ہوتا تھا کہ مسلمان کسی پر کوئی زیادتی نہیں کرتے اور وہ انہی شرطوں کے پابند رہتے ہیں جو وہ پیش کرتے ہیں۔

اُس دَور کی فاتح فوجیں سب سے پہلے مفتوح شہر کی خوبصورت عورتوں پر ہلّہ بولتی تھیں، پھر لوگوں کے گھر لوٹ لیتی اور گھروں کو آگ لگا دیتی تھیں۔ یہ اُس زمانے کا رواج تھا اور اسے فاتح فوجوں کا حق سمجھا جاتا تھا لیکن مسلمانوں نے اس رواج کو نہ اپنایا بلکہ نہتے لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کی۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابوعبیدہؓ بعلبک پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا تو وہاں جو رومی دستہ تھا، اُس نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔

خالدؓ نے حمص کا محاصرہ کیا تو رومی سالار خود ہی باہر آگیا اور امن کے سمجھوتے کی پیش کش کی۔ ابوعبیدہؓ بھی پہنچ چکے تھے۔ ان کے حکم سے رومی سالار سے دس ہزار دینار اور زربفت کی ایک سو

قباؤں کا مطالبہ کیا گیا جو رومی سالار نے قبول کر لیا۔ معاہدہ یہ ہُوا کہ مسلمان ایک سال تک حمص پر حملہ نہیں کریں گے اور اگر اس دوران روم کی فوج نے اس علاقے میں مسلمانوں کے خلاف کوئی معمولی سی بھی جنگی کارروائی کی تو مسلمان صلح کے معاہدے کو منسوخ سمجھ کر جوابی کارروائی کریں گے۔

اس معاہدے پر دستخط ہوتے ہی شہر کے دروازے کھُل گئے اور مسلمان فوج داخل ہوئی۔ مؤرخ ابنِ اثیر لکھتا ہے کہ حمص کے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوتے تھے کہ مسلمان دکانوں میں جاتے اور جو چیز لیتے اُس کی قیمت ادا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے مجاہدین کو تحفے پیش کیے تو مجاہدین نے اُن کی قیمت ادا کی۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمان تحفے کو مالِ غنیمت سمجھتے ہیں اور کوئی مسلمان اپنے طور پر کوئی مالِ غنیمت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اس کے علاوہ صلح کے معاہدے کے بعد اسلام مالِ غنیمت کو جائز نہیں سمجھتا۔

ایسے مقامات بھی آئے جہاں کے لوگوں نے مسلمان فوج کا باقاعدہ استقبال کیا۔ مثلاً نومبر ۶۳۵ء (رمضان ۱۴ھ) مسلمان فوج حمص سے حماۃ گئی تو شہری باہر آگئے اور مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ معرۃ النعمان کے شہریوں نے مسلمانوں کا استقبال اس طرح کیا کہ پہلے سازندے ساز بجاتے اور خوشی کے گیت گاتے باہر آئے۔ ان کے پیچھے معزّزین آئے اور جزیہ پیش کر کے شہر ابوعبیدہؓ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد ان قصبوں اور شہروں کے کئی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

"مسلمان ہمارے جال میں آگئے ہیں" ـــــ شہنشاہ ہرقل اپنے سالاروں سے کہہ رہا تھا ـــ "میں سردیوں کے انتظار میں تھا۔ عرب کے یہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے اور اونٹنی کا ہی دودھ پیتے ہیں۔ ریگستان کے ان باشندوں نے کبھی اتنی سردی نہیں دیکھی۔ یہ سردی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس ملک کی سردی ان کے جوش اور جذبے کو منجمد کر دے گی پھر موسم سرما ختم ہونے تک مسلمان ختم ہو جائیں گے۔ ہم انہیں بڑی آسانی سے شکست دیں گے۔ ان کے خیمے انہیں سردی سے نہیں بچا سکیں گے۔"

ہرقل نے حکم دیا کہ حمص سے مسلمانوں کو بیدخل کر دیا جائے۔

کچھ دنوں بعد ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ رومیوں کی کمک حمص پہنچ گئی ہے۔ رومیوں کی اس کارروائی کے بعد حمص کا معاہدہ ٹوٹ گیا تھا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کہیں اور تھے۔ اطلاع ملتے ہی وہ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر حمص جا پہنچے۔ خالدؓ پہلے پہنچے تھے۔ وہ حمص کے قریب گئے تو باہر رومی فوج لڑنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

خالدؓ نے اس فوج پر حملہ کر دیا۔ رومی پیچھے ہٹتے گئے اور قلعے میں داخل ہو کر انہوں نے دروازے بند کر دیئے۔ اس کے فوراً بعد ابوعبیدہؓ بھی اپنے دستوں کے ساتھ آن پہنچے۔

"ابوسلیمان!" ـــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ـــ "یہ محاصرہ تیرا ہے اور تو اس کا سالار ہے۔"

یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو دیا۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کے احکام کے مطابق

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ ہی تھے۔

یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ سردی کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ مسلمان اتنی زیادہ سردی کے عادی نہیں تھے۔ اُن پر سردی بُرا بُرا اثر کر رہی تھی۔ یہ سب سے بڑی وجہ تھی کہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ اسی دوران خلیفۃ المسلمین کا حکم آگیا۔ اس کے تحت کچھ دستے عراق کو بھیجنے تھے۔

یہ دستے چلے گئے تو رومی سمجھے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا رہے ہیں لیکن ایسا نہ ہُوا۔ رومی یہی توقع لیے قلعے میں بیٹھے رہے کہ مسلمان محاصرہ اٹھا لیں گے۔

مارچ ۶۳۶ء کا مہینہ آگیا۔ سردی کی شدت ختم ہو چکی تھی۔ رومی سالار ہربیس روم کے شاہی خاندان کا آدمی تھا۔ اُسے کسی کے حکم کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس نے اپنے نائب سالاروں اور کمانداروں سے کہا کہ سردی کا موسم گزر گیا ہے۔ پیشتر اس کے کہ مسلمانوں کو کمک مل جاتے اور یہ سردی سے بھی سنبھل جائیں، ان پر حملہ کر دیا جاتے۔

چنانچہ ایک روز شہر کا ایک دروازہ کھُلا اور پانچ ہزار نفری کی رومی فوج نے باہر آکر مسلمانوں کے اُس دستے پر حملہ کر دیا جو اس دروازے کے سامنے موجُود تھا۔ حملہ بڑا تیز اور شدید تھا۔ مسلمان اس حملے کے لیے پوری طرح تیار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ اُن پر سردی کا بھی اثر تھا، اِس لیے وہ مقابلے میں جم نہ سکے۔ پیچھے ہٹ کر وہ منظم ہُوئے اور آگے بڑھے لیکن رومیوں کے دوسرے حملے نے انہیں پھر بکھیر دیا۔

"ابوسلیمان!" —— ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا —— "کیا تُو دیکھتا رہے گا کہ رومی فتح یاب ہو کر واپس قلعے میں چلے جائیں؟"

خالدؓ تماشہ دیکھنے والوں میں سے نہیں تھے لیکن وہ اُس دروازے کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے تھے جس کے سامنے وہ موجُود تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنا سوار دستہ ساتھ لیا اور رومیوں پر حملہ کر دیا۔ رومیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور سورج غروب ہو گیا۔ رومی قلعے میں چلے گئے۔ اُن کی بہت سی لاشیں اور شدید زخمی پیچھے رہ گئے۔

دوسرے دن ابوعبیدہؓ نے سالاروں کو بلایا۔

"کیا تم نے خود محسوس نہیں کیا کہ کل رومیوں نے باہر آکر حملہ کیا تو ہمارے آدمی بے دلی سے لڑے؟" —— ابوعبیدہؓ نے شکایت کے لہجے میں کہا —— "کیا ہم میں ایمان کی حرارت کم ہو گئی ہے؟ سردی سے صرف جسم ٹھنڈے ہوتے ہیں۔"

"سالارِ اعلیٰ!" —— خالدؓ نے کہا —— "ہمارے آدمی بے دلی سے نہیں لڑے، دراصل جن رومیوں نے حملہ کیا تھا وہ اُن رومیوں سے زیادہ جرأت اور ہمت والے تھے جن سے ہم اب تک لڑتے رہے ہیں۔"

"پھر تو ہی بتا ابوسلیمانؓ!" —— ابوعبیدہؓ نے پوچھا —— "ہمیں اتنے لمبے محاصرے میں یہیں بیٹھے رہنا چاہیے؟"

"نہیں ابوعبیدہؓ!" —— خالدؓ نے کہا —— "کل صبح ہم محاصرہ اٹھا لیں گے۔"

دوسرے سالاروں نے حیرت سے خالدؓ کی طرف دیکھا۔

"ہاں میرے دوستو!" —— خالدؓ نے کہا —— "کل ہم یہاں نہیں ہوں گے.... اور میری تجویز غور سے سن لو۔"

خالدؓ نے انہیں محاصرہ اٹھانے کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔

اگلی صبح شہر کی دیوار کے اوپر سے آوازیں آنے لگیں —— "وہ جا رہے ہیں.... محاصرہ اُٹھ گیا ہے.... وہ دیکھو، مسلمان جا رہے ہیں۔"

سالار ہربیس کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ہُوا دیوار پر آیا۔ اُس کے ساتھ بڑا پادری تھا۔

"سردی نے اپنا کام کر دیا ہے" —— ہربیس نے کہا —— "ان میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی۔ میں انہیں زندہ نہیں جانے دوں گا۔ ان کے تعاقب میں جاؤں گا۔ انہیں ختم کر کے آؤں گا۔"

"محترم سالار!" —— پادری نے کہا —— "مجھے یہ مسلمانوں کی چال لگتی ہے۔ یہ منہ موڑنے والی قوم نہیں۔ وہ دیکھو۔ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو یہیں چھوڑ گئے ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں" —— ہربیس نے کہا —— "اپنی بیویوں اور بچوں کو وہ ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی حفاظت کے لیے انہوں نے بہت کم سپاہی پیچھے چھوڑے ہیں۔ وہ سامان باندھ رہے ہیں لیکن انہیں ہم جانے نہیں دیں گے۔ میں پہلے اُن کے تعاقب میں جاؤں گا جو حوصلہ ہار کر چلے گئے ہیں۔"

ہربیس نے فوراً پانچ ہزار سوار تیار کیے اور ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کے دستوں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ انہوں نے دو اڑھائی میل فاصلہ طے کر لیا تھا جب رومی اُن تک پہنچ گئے۔

جونہی ہربیس اپنے دستے کے ساتھ مسلمانوں کے قریب پہنچا، مسلمان اچانک دو حصّوں میں بٹ گئے۔ خالدؓ نے گذشتہ روز سالاروں کو یہی بتایا تھا کہ رومی اُن کے تعاقب میں ضرور آئیں گے اور انہیں گھیرے میں لے کر ختم کرنا ہے۔ اس کے مطابق مسلمان چلتے چلتے دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ دائیں کو ہو کر پیچھے کو مُڑا اور دوسرا بائیں طرف ہو کر گھوم گیا۔

رومی ایسی صورتِ حال کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ بوکھلا گئے۔ مسلمانوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اپنے بیوی بچوں اور اُن کی حفاظت کے لیے کچھ مجاہدین کو پیچھے چھوڑ آنا بھی اسی دھوکے کا ایک حصّہ تھا۔ رومی پیچھے کو بھاگے تو یہی مجاہدین جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھر انہوں نے رومیوں کی پسپائی کا راستہ روک لیا۔

ایک اور سالار معاذؓ بن جبل خالدؓ کی پہلے سے دی ہُوئی ہدایات کے مطابق پانچ سو سوار ساتھ لے کر حمص کے راستے میں آگئے تاکہ کوئی رومی شہر کی طرف نہ آسکے۔

رومی اتنی جلدی بھاگنے والے نہیں تھے لیکن وہ مجاہدین کے پھندے میں آگئے تھے۔ وہ تازہ دم تھے۔ کچھ اپنی روایات کے مطابق اور کچھ اپنی جانیں بچانے کے لیے وہ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ ان کے سالار ہربیس کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُن کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا۔ اُن کے راستے میں جو آتا تھا کٹ جاتا تھا۔ آخر وہ انہیں نظر آ گیا۔

"میں ہوں ابن الولید!" ـــ خالدؓ نے للکار کر کہا ـــ "فارسیوں کا قاتل ابن الولید..... رومیوں کا قاتل ابن الولید!"

ہربیس نامی گرامی جنگجو تھا۔ وہ خالدؓ کے مقابلے کے لیے بڑھا لیکن گھوڑے سے اُتر آیا۔ خالدؓ بھی گھوڑے سے اُترے اور اُس کی طرف بڑھے لیکن ایک رومی دونوں کے درمیان آ گیا۔ تین چار مؤرخوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے لیکن اس رومی کا نام نہیں لکھا۔ اتنا ہی لکھا ہے کہ اُس کا جسم پہلوانوں جیسا تھا اور وہ شیر کی طرح گرج کر للکارا کرتا تھا۔ رومی زبان میں وہ "شیر کی مانند دھاڑنے والا" کے نام سے مشہور تھا۔

تاریخوں میں یہ واقعہ اس طرح آیا ہے کہ یہ رومی اپنے سالار ہربیس کو پیچھے ہٹا کر خالدؓ کے مقابلے میں آیا۔ دو تین پینترے دونوں نے بدلے اور خالدؓ نے تلوار کا وار کیا۔ تلوار رومی کی آہنی خود پر پڑی۔ خود اتنی مضبوط اور وار اتنا زوردار تھا کہ خالدؓ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ان کے ہاتھ صرف دستہ رہ گیا۔ اب خالدؓ خالی ہاتھ تھے اور رومی پہلوان کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ خالدؓ اپنے محافظوں کی طرف جانے کی کوشش کرتے تھے کہ ان سے تلوار لے لیں مگر رومی درندوں کی طرح غراتا، دھاڑتا اور خالدؓ کے آگے ہو جاتا تھا کہ وہ دوسری تلوار نہ لے سکیں۔

ایک محافظ نے خالدؓ کی طرف تلوار پھینکی لیکن خالدؓ سے پہلے رومی تلوار تک پہنچ گیا اور تلوار پرے پھینک دی۔ خالدؓ کا بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ رومی نے ان پر تابڑ توڑ وار کرنے شروع کر دیئے خالدؓ اِدھر اُدھر ہو کر وار بچاتے رہے۔ رومی نے ایک وار دائیں سے بائیں کو کیا جسے خالدؓ کی گردن یا اس سے ذرا نیچے پڑنا چاہیئے تھا لیکن خالدؓ بڑی پھرتی سے بیٹھ گئے۔

رومی کا یہ زوردار وار خالی گیا تو اپنے ہی زور سے وہ گھوم گیا۔ خالدؓ اچھل کر اُس پر جھپٹے۔ رومی پلک جھپکتے پھر گھوم گیا اور خالدؓ کے بازوؤں کے شکنجے میں آ گیا۔ اب صورت یہ تھی کہ دونوں کے سینے ملے ہوئے تھے اور رومی خالدؓ کے بازوؤں میں تھا۔

خالدؓ نے بازوؤں کو دبانا اور شکنجہ سخت کرنا شروع کر دیا۔ رومی خالدؓ کی گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا لیکن خالدؓ کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی اور وہ اس قدر زور لگا رہے تھے کہ خون اُن کے چہرے میں آ گیا اور چہرہ گہرا لال ہو گیا۔

رومی پہلوان کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ اُس کی سانسیں رکنے لگیں اور چہرے پر تکلیف کا ایسا تاثر تھا کہ اُس کے دانت بجنے لگے۔ مورخ واقدی نے لکھا ہے کہ رومی پہلوان کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ رومی اور زیادہ تڑپنے لگا۔ خالدؓ اور زیادہ زور سے اپنے بازوؤں کے شکنجے کو تنگ کرتے گئے۔ رومی کی پسلیاں ٹوٹتی گئیں اور اس کا تڑپنا ختم ہوتا گیا حتیٰ کہ اُس کا جسم بے جان ہو گیا۔

خالدؓ نے اُسے چھوڑا تو وہ گر پڑا۔ وہ مر چکا تھا۔ خالدؓ نے اس رومی کی تلوار اٹھا لی اور ہربیس کو للکارا لیکن ہربیس اپنے پہلوان کا انجام دیکھ کر وہاں سے کھسک گیا تھا۔ خالدؓ نے گھوڑے پر سوار ہو کر رومی پہلوان کی تلوار بلند کر کے لہرائی اور نعرہ لگایا۔

اس مقابلے کے دوران رومیوں کا قتلِ عام جاری رہا۔ ابوعبیدہؓ کو پتہ چلا کہ خالدؓ نے رومی پہلوان کو کس طرح ہلاک کیا ہے تو وہ دوڑے آئے۔

"خدا کی قسم ابوسلیمانؓ!" ـــ ابوعبیدہؓ نے بڑے مسرور لہجے میں کہا ـــ "تُو نے جو کہا تھا کر دکھایا ہے۔ تُو نے ان کی کمر توڑ دی ہے۔"

یہ بات اس طرح ہوئی تھی کہ خالدؓ نے جب گذشتہ روز محاصرہ اٹھا کر واپس جانے کی تجویز پیش کی تھی تو ابوعبیدہؓ اور دوسرے سالاروں نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا تھا۔ خالدؓ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے کیا سوچا ہے۔ پھر بھی ابوعبیدہؓ محاصرہ اٹھانے کے حق میں نہیں تھے۔ تب خالدؓ نے کہا تھا ـــ "میری تجویز پر عمل کریں۔ میں ان کی ہڈیاں توڑ دوں گا۔ ان کی کمر توڑ دوں گا۔"

خالدؓ نے صرف ایک پہلوان کی نہیں بلکہ رومی فوج کی ہڈیاں توڑ دی تھیں۔

مارچ ۶۳۶ء (صفر ۱۵ھ) مسلمان فاتح کی حیثیت سے حمص میں داخل ہوئے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حمص پر جو خوف و ہراس طاری تھا وہ اُس وقت بھگدڑ اور نفسا نفسی کی صورت اختیار کر گیا جب مسلمان حمص میں داخل ہوئے تھے۔ اُنہوں نے سنا تو یہی تھا کہ مسلمان شہریوں کو پریشان نہیں کرتے لیکن جس شہر کی فوج ہتھیار نہ ڈالے اور مسلمان بزورِ شمشیر شہر کو فتح کریں تو وہ ہر گھر سے مال و اموال اُٹھا لیتے ہیں اور عورتوں کو لونڈیاں بنا لیتے ہیں۔

مسلمانوں نے حمص تو بڑی ہی مشکل سے فتح کیا تھا۔ رومیوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے بلکہ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھایا تو پانچ ہزار سوار رومی سوار اُن کے تعاقب میں گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ محاصرہ اٹھانا مسلمانوں کی چال تھی لیکن رومیوں نے اسے اُن کی کمزوری سمجھ کر اُن پر حملہ کیا تھا۔ اس معرکے میں رومیوں کے صرف ایک سو سوار زندہ بچے تھے اور مسلمان جو شہید ہوئے اُن کی تعداد ۲۳۵ تھی۔

اتنی خونریز لڑائی لڑ کر مسلمانوں نے حمص فتح کیا تھا۔ حمص والوں نے جب دیکھا تھا کہ اُن کے جو پانچ ہزار سوار مسلمانوں کے تعاقب میں گئے تھے، ان میں سے بہت تھوڑے بھاگتے ہوئے آ رہے ہیں تو اُن پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور جب اُنہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک سوار دستہ رومیوں اور حمص کے دروازوں کے درمیان آ گیا ہے اور رومی سوار نہ بھاگ سکتے ہیں نہ شہر میں داخل ہو سکتے ہیں تو وہ اور زیادہ خوفزدہ ہو گئے۔ شہر میں اتنی فوج نہیں رہ گئی تھی جو اُن کی مدد کو پہنچتی۔ یہ سوار مسلمان سواروں کی تلواروں اور برچھیوں سے کٹ گئے۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ جب حمص میں داخل ہوئے تو چند ایک شہری اُن کے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ دونوں مسلمان سالاروں کو دیکھ کر وہ سجدہ میں گر پڑے۔ دونوں سالاروں نے گھوڑے روک لیے۔

"اٹھو!" ابوعبیدہؓ نے گرجدار آواز میں کہا۔ "کھڑے ہو جاؤ۔"

وہ سب سجدے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ اُن کے چہروں پر وہ خوف و ہراس اور رحم طلبی کا گہرا تاثر تھا۔

"بولو!" ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔ "اگر تمہاری فوج ہمارے کہنے پر پہلے ہی ہتھیار ڈال دیتی تو تمہیں ہمارے آگے سجدے میں گرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔"

"ہم رحم کے طلبگار ہیں!" ایک نے التجا کی۔ "وہ رومی فوج تھی جو آپ سے لڑی ہے۔ ہم رومی نہیں۔ ہم آپ کا ہر مطالبہ پورا کریں گے۔"

"ہم صرف یہ بتانے آئے ہیں کہ سجدہ صرف اللہ کے آگے کیا جاتا ہے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ہم کسی کو اپنا غلام بنانے نہیں آئے۔"

ابوعبیدہؓ کے حکم سے حمص کے لوگوں سے صرف ایک دینار فی کس جزیہ لیا گیا اور مسلمانوں کی طرف سے اعلان ہُوا کہ کوئی شخص شہر چھوڑ کر نہ جائے۔ شہر کے لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے ذمہ دار مسلمان ہوں گے۔

اس اعلان نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ بعض اسے مسلمانوں کی ایک چال سمجھے۔ وہ رات بھر اس خوف سے جاگتے رہے کہ مسلمان رات کو اُن کے گھروں پر ٹوٹ پڑیں گے لیکن رات گزر گئی اور کچھ بھی نہ ہُوا۔

۵

رومی شہنشاہ ہرقل حمص سے تقریباً اسی میل دُور انطاکیہ میں تھا۔ اُسے جب خبر ملی کہ حمص بھی ہاتھ سے نکل گیا ہے تو اُس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسّم آ گیا جیسے وہ اسی خبر کا منتظر تھا۔ اُس کے سالار، مشیر اور شاہی خاندان کے افراد جانتے تھے کہ ہرقل کا یہ تبسم موت کی مسکراہٹ ہے اور اس تبسّم میں قہر بھرا ہُوا ہے۔

"کیا تم بتا سکتے ہو عرب کے ان مسلمانوں نے حمص کس طرح لیا ہے؟" — ہرقل نے خبر لانے والے سے پوچھا — "تم سالار تو نہیں، کماندار ہو، جنگ کو سمجھتے ہو گے.... تمہارا نام کیا ہے؟"

"سب سمجھتا ہوں قیصرِ روم!" — خبر لانے والے نے کہا — "میرا نام سازیرس ہے۔ ایک جیش کا کماندار ہوں.... حمص ایک دھوکے نے ہم سے چھینا ہے۔ ہمارے سالاروں کو توقع تھی کہ مسلمان اتنی سردی برداشت نہیں کر سکیں گے اور محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔ اُنہوں نے سردی کی شدت محاصرے میں گزار دی اور محاصرہ اُس وقت اٹھا کر چلے گئے جب سردی کی شدت گزر گئی تھی اور درختوں کی کونپلیں پھوٹنے لگی تھیں۔"

"اور ہمارے سالار اُس وقت قلعے میں بیٹھے رہے جب دشمن باہر سردی سے ٹھٹھر رہا تھا" — ہرقل نے کہا — "ہمارے سالار دشمن پر اُس وقت نہ جھپٹے جب سردی نے اُس کی رگوں میں خون منجمد کر دیا تھا.... پھر کیا ہُوا؟"

"قیصرِ روم!" — سازیرس نے کہا — "وہ جب کوچ کر گئے تو سالار ہربیس نے پانچ ہزار سواروں کے ایک دستے کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے تعاقب میں جاؤ اور اُن میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ رہے.... ہم اُن کے تعاقب میں گئے۔ جب اُن کے قریب پہنچے تو اُنہوں نے پلٹ کر ہمیں گھیرے میں لے لیا" — سازیرس نے ہرقل کو تفصیل سے بتایا کہ مسلمانوں نے انہیں کس طرح گھیرے میں لیا اور ان کے سواروں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

"ہمارا سالار ہربیس کہاں ہے؟" — ہرقل نے پوچھا — "کیا وہ...."

"وہ زندہ ہیں" — سازیرس نے کہا — "وہ اُس وقت وہاں سے نکل گئے تھے جب مسلمانوں کے سالار خالدؓ ابن الولید نے ہمارے پہلوان کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور پہلوان کی آنکھیں باہر آ گئی تھیں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"کیا ہمارے پہلوان کو خالدؓ ابن الولید نے مار ڈالا ہے؟" ـــــ ہرقل نے پوچھا۔

سازیرس کچھ دیر ہرقل کے منہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس نے دائیں بائیں آہستہ آہستہ سر ہلایا۔

"مسلمان سالار نے ہمارے پہلوان کو بازوؤں میں دبوچ کر اُس کی پسلیاں توڑ ڈالی تھیں" ـــــ سازیرس نے کہا ـــ "اور وہ مر گیا۔"

"آفریں!" ـــ ہرقل کے ہونٹوں سے سرگوشی پھسل گئی ـــ "یہ طاقت جسم کی نہیں" ـــــ وہ اچانک جیسے بیدار ہو گیا ہو۔ اُس نے جاندار آواز میں کہا ـــ "میں انہیں کچل دوں گا.... انہیں آگے آنے دو" ـــ اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی ـــ "انہیں اور آگے آنے دو.... اور آگے جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکیں گے۔"

سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اور آگے چلے گئے تھے۔ انہوں نے حمص کے انتظامات کے لیے کچھ نفری وہاں چھوڑ دی تھی۔ حمص سے وہ اپنے دستوں کے ساتھ حمص سے آگے حما پھر اس سے آگے شیرز تک جا پہنچے تھے۔ وہاں سے انطاکیہ کا فاصلہ پینتیس چالیس میل کے درمیان تھا۔ انطاکیہ اہم ترین مقام تھا کیونکہ اسے ہرقل نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا اور وہیں رومیوں کی فوج کا اجتماع اور فوج کی تقسیم ہوتی تھی۔

مسلمانوں نے شیرز سے کوچ کیا۔ تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ رومیوں کا ایک قافلہ سا آتا نظر آیا۔ اس کی حفاظت کے لیے رومی فوجیوں کا چھوٹا سا ایک دستہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اونٹوں اور گاڑیوں کے اس قافلے میں فوجی سامان جا رہا ہے۔ خالدؓ کے اشارے پر مجاہدین نے قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ رومی فوجیوں نے مقابلہ کرنے کی حماقت نہ کی۔ اُنہوں نے بتایا کہ یہ فوج کے کھانے پینے کا سامان ہے۔ اس میں ہتھیار بھی تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا اور انہیں تاثر یہ دیا گیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

"ہم نے آپ کا مقابلہ نہیں کیا" ـــــ اس رومی فوجی قافلے کے کماندار نے جان بخشی کی التجا کرتے ہوئے کہا ـــ "ہم رومی نہیں، ہم تو ان کی رعایا ہیں۔ ہماری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔"

"پھر دوستی کا ثبوت دو" ـــ انہیں کہا گیا ـــ "یہ بتا دو کہ انطاکیہ میں کیا ہو رہا ہے۔"

"آپ کی تباہی کا سامان تیار ہو رہا ہے" ـــ قافلے کے کماندار نے جواب دیا ـــ "وہاں بہت بڑی فوج اکٹھی کی جا رہی ہے۔ دُور دُور سے عیسائی قبیلے آپ کے خلاف لڑنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں اور انہیں میدانِ جنگ میں لڑنے کے ڈھنگ سکھائے جا رہے ہیں۔"

"آپ نے ہماری جانیں ہمیں واپس کر دی ہیں تو ہم آپ کی جانیں بچاتے ہیں" ـــ قافلے کے ایک اور آدمی نے کہا ـــ "آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کی نفری بہت تھوڑی ہے اور انطاکیہ میں شہنشاہ ہرقل جو فوج اکٹھی کر چکا ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ آپ کا ایک بھی آدمی زندہ نہیں رہے گا۔"

"کیا اتنی زیادہ شکستوں نے اُس کی کمر ابھی توڑی نہیں؟" ـــــ مسلمانوں کے ایک سالار نے پوچھا۔

"ہم اتنے بڑے لوگ نہیں کہ شہنشاہ تک رسائی حاصل کر سکیں" ـــــ رومیوں کے کماندار نے کہا ـــ "ہم اُس کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اپنے سالاروں سے جو پتہ چلتا ہے وہ آپ کو بتاتے ہیں.... ہرقل کی کمر اتنی کمزور نہیں کہ چند ایک شکستوں سے ٹوٹ جائے۔ اُس نے اپنا دماغ اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے۔ اُسے فتح حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنے اوپر اس کا نشہ طاری نہیں کیا کرتا اور شکست سے وہ مایوس نہیں ہوا کرتا۔ وہ جو حسین ترین اور نوجوان لڑکیوں اور شراب کا رسیا ہے، اب شراب تو پیتا ہو گا لیکن اپنی پسندیدہ لڑکیوں کو بھی اپنے سامنے نہیں آنے دیتا۔"

"وہ تو راتوں کو شاید سوتا بھی نہیں ہو گا" ـــــ دوسرے نے کہا ـــ "اُس پر ایک جنون سوار ہے فوج اکٹھی کرو۔ اُس کے آدمی بستی بستی جا کر لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ مسلمان طوفان کی طرح آ رہے ہیں اور وہ تمہارے مذہب کو اور تمہاری عورتوں کو اپنے ساتھ اُڑا لے جائیں گے.... لوگ قبیلہ در قبیلہ مذہب کے نام پر اور اپنی عورتوں کو مسلمانوں سے بچانے کی خاطر انطاکیہ میں آ رہے ہیں.... آپ نے آگے جانا ہے تو زیادہ فوج لے کر آئیں ورنہ رُک جائیں.... اب شہنشاہ ہرقل زیادہ وقت نئی فوج کی تنظیم اور تربیت میں گزارتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں کو آگے آنے دو۔ انہیں اور آگے آنے دو۔"

"اُس نے یہ بھی کہا ہے" ـــــ ایک اور بولا ـــ "اب اپنی فوج کی ہر پسپائی میرے دل کو مضبوط کرتی ہے۔ میری فوج کی ہر پسپائی عرب کے ان مسلمانوں کو میرے جال میں لا رہی ہے۔"

اس قافلے سے جو صورتِ حال ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کو معلوم ہوئی وہ غلط نہیں تھی۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ہرقل روایتی شہنشاہ نہیں تھا، وہ اپنے وقت کا فنِ حرب و ضرب کا ماہر جنگجو تھا اور وہ میدانِ جنگ کا شاطر جرنیل تھا۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کو ان اطلاعات نے جو انہیں اس قافلے سے ملیں، وہیں رکنے پر مجبور کر دیا۔

"خدا کی قسم امین الامت!" ـــ خالدؓ نے ابو عبیدہؓ سے کہا ـــ "ہم یہاں بیٹھے نہیں رہیں گے، اور ہم ہرقل کو اتنی مہلت نہیں دیں گے کہ وہ اپنی تیاریاں مکمل کر لے۔"

"آج رات تک اپنے کسی آدمی کو آ جانا چاہیے" ـــــ ابو عبیدہؓ نے کہا ـــ "ابو سلیمانؓ! جب تک آگے کی مصدقہ صورتِ حال معلوم نہیں ہو جاتی ہم آگے نہیں جائیں گے۔"

اپنے کسی آدمی سے مراد وہ جاسوس تھے جو انطاکیہ تک پہنچے ہوئے تھے۔ خالدؓ نے اپنی سپہ سالاری کے دور میں جاسوسی کے نظام کو باقاعدہ اور منظم کر دیا تھا اور جاسوسوں کو دُور دُور تک پھیلا دیا تھا۔ مسلمان جاسوس جان کی بازی لگا کر بڑی قیمتی معلومات لے آتے تھے۔

مؤرخوں کے مطابق، ہرقل نے اپنی فوج کی پے بہ پے شکستوں کی خبریں سن سن کر اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بکھری ہوئی لڑائیوں میں شکست نہیں دے سکتا۔ ایک شکستیں تو وہ تھیں جو رومی فوج کو خالدؓ پھر ابو عبیدہؓ نے دی تھیں اور دوسری وہ تھیں جو دوسرے سالار شام کے دوسرے علاقوں میں رومیوں کو دیتے چلے جا رہے تھے۔

مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ انہیں کسی ایک میدان میں اکٹھا ہونے پر مجبور کیا جائے اور ان کے خلاف ان سے کئی گنا زیادہ فوج میدان میں اتاری جائے۔ چنانچہ اُس نے نئی اور بہت بڑی فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کیا اُس وقت تک اُس کی نئی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

فوج کی نفری ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔

انطاکیہ سے چالیس میل دُور ابو عبیدہؓ اور خالدؓ اپنے دستوں کے ساتھ رکے ہوئے تھے۔ اس سے دو روز بعد جب انہوں نے رومیوں کا قافلہ پکڑا تھا، مسلمان مغرب کی نماز کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک گھوڑ سوار پڑاؤ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ اتنی دور سے پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ رومیوں کا کوئی فوجی سوار ہے یا کوئی مسافر ہے۔ پڑاؤ سے کچھ دُور اُس نے گھوڑا موڑ لیا اور پڑاؤ کے اردگرد گھوڑا دوڑانے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس کا لباس مسلمانوں جیسا نہیں تھا۔

"پکڑ لاؤ اسے!" — کسی کماندار نے اپنے سواروں کو حکم دیا۔

سوار ابھی گھوڑوں پر زینیں ڈال رہے تھے کہ اُس اجنبی سوار نے گھوڑا پڑاؤ کی طرف موڑ دیا۔

"اللہ اکبر!" — اُس نے نعرہ لگایا اور قریب آکر اُس نے بڑی بلند آواز میں کہا — "میں اپنے پرچم کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"ابنِ احدی!" — کسی نے کہا اور چند ایک مجاہدین اُس کی طرف دوڑے۔ ایک نے کہا — "خدا کی قسم، ہم اب بھی تجھے رومی فوجی سمجھ رہے ہیں۔"

"کیا یہ لباس اُس رومی کا ہے جسے تُو نے قتل کیا ہوگا؟" — ایک نے پوچھا۔

ابنِ احدی کسی کو بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ جاسوس ہے اور انطاکیہ سے آیا ہے۔ وہ ابو عبیدہؓ کے خیمے میں چلا گیا۔ وہ اُن تین چار جاسوسوں میں سے تھا جو ڈیڑھ دو مہینوں سے انطاکیہ گئے ہوئے تھے۔

۵

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابنِ احدی!" — ابو عبیدہؓ نے اُسے گلے لگا کر کہا — "ہم انطاکیہ کی خبر کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔"

ابنِ احدی نے خالدؓ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ خالدؓ نے بھی اُسے گلے لگا لیا۔

"کیا خبر لائے ہو؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"سیاہ کالی گھٹا ہے جو انطاکیہ کے افق سے اُٹھ رہی ہے" — ابنِ احدی نے عربوں کے مخصوص شاعرانہ انداز میں کہا — "اِس گھٹا سے جو مینہ برسے گا وہ زمین پر سیلاب بن کر چٹانوں کو بھی بہا لے جائے گا۔ امین الاُمّت اور ابن الولید! اللہ نے تمہیں اشارہ دیا ہے کہ آگے نہ جانا۔"

"ہمیں یہ اشارہ دشمن کے ایک قافلے نے دیا ہے" — ابو عبیدہؓ نے کہا — "یہ رومیوں کا فوجی قافلہ ہے جسے ہم نے پکڑ لیا ہے۔"

"اسے اللہ کا بھیجا ہُوا قافلہ سمجھ امین الاُمّت!" — ابنِ احدی نے کہا — "اب پوری بات مجھ سے سن۔ انطاکیہ کے اندر اور باہر لشکر کے سپاہیوں اور گھوڑوں کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ انطاکیہ کے گردونواح میں دور دور تک خیموں کا جنگل ہے جو بڑھتا ہی جا رہا ہے.... ہرقل نے جو منصوبہ بنایا ہے وہ بہت خطرناک ہے۔"

"کیا تیری خبر مصدقہ ہو سکتی ہے؟" — خالدؓ نے پوچھا۔

"میں ہرقل کی فوج کے ایک ٹولے کا کماندار ہُوں ابو سلیمان!" — ابنِ احدی نے مُسکراتے ہوئے کہا — "رومیوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ جو کوئی انطاکیہ کے دروازے پر جا کر کہے کہ فوج میں بھرتی ہونے آیا ہوں تو اُس کے لیے شہر کے سارے دروازے کھُل جاتے ہیں۔"

ابنِ احدی جس طرح انطاکیہ کی فوج میں شامل ہُوا تھا، اس کی اُس نے تفصیلات سنائیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عیسائی عرب بن کر انطاکیہ گیا تھا۔ انہیں اُسی وقت فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ ہر روز گھوڑ دوڑ کے میدان میں شہسواری، تیغ زنی اور دوڑتے گھوڑے سے تیر نشانے پر چلانے کے مقابلے ہو رہے تھے۔ ان میں ہر کوئی شامل ہو سکتا تھا۔ ابنِ احدی اپنی فوج کا مشہور شہسوار تھا اور بڑا ہی خوبصورت جوان۔ وہ مقابلے میں اس طرح شریک ہوا کہ میدان میں جا کر گھوڑا چکر میں دوڑایا اور تلوار نکال کر تیغ زن سواروں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ ایک سوار اُس کے مقابلے میں اترا۔ وہ رومی تھا۔

"اگر تجھے اپنے بازوؤں اور اپنے گھوڑے پر پورا بھروسہ ہے تو میرے مقابلے میں آ اے اجنبی سوار!" — ابنِ احدی نے اُسے کہا — "میری تلوار تیرے خون کی پیاسی تو نہیں لیکن اس کے سامنے تیری تلوار آئے گی تو....!"

"تیری تلوار کے مقابلے میں میری برچھی آئے گی اے بدقسمت اجنبی!" — دوسرے سوار نے کہا — "اگر تجھے زندگی عزیز نہیں تو آجا!"

ابنِ احدی نے گھوڑا اُس کے اردگرد دوڑایا اور اُسے للکارا۔ رومی سوار گھوڑے کو کچھ دُور لے گیا اور گھوڑا موڑ کر ایڑ لگائی۔ اُس نے برچھی نیزہ بازی کے انداز سے آگے کر لی تھی۔ ابنِ احدی اُس کی طرف منہ کر کے کھڑا رہا۔ رومی کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ جب اُس کی برچھی کی انی ابنِ احدی کے سینے سے تھوڑی ہی دُور رہ گئی تو وہ اس قدر پھرتی سے گھوڑے کی دوسری طرف جھک گیا جیسے وہ گھوڑے پر تھا ہی نہیں۔

رومی کی برچھی ہوا کو کاٹتی آگے نکل گئی۔ ابنِ احدی گھوڑے پر سیدھا ہُوا اور اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ اُس کا گھوڑا دوڑا اور فوراً ہی مڑ کر رومی کے پیچھے چلا گیا۔ رومی اپنا گھوڑا موڑ رہا تھا کہ ابنِ احدی اُس تک جا پہنچا اور تلوار سے اُس کی برچھی توڑ دی۔ رومی نے گھوڑا موڑ کر تلوار نکال لی لیکن وہ ابنِ احدی پر صرف ایک وار کر سکا جو ابنِ احدی نے بچا لیا اور فوراً ہی اس مسلمان شہسوار کی تلوار رومی سوار کے پہلو میں اُتر گئی۔ وہ اُس پہلو کی طرف لڑھک گیا۔

اُسے گرتا دیکھ کر ایک رومی سوار ابنِ احدی کے مقابلے میں آیا۔ وہ آتا نظر آیا اور تماشائیوں نے اُسے گھوڑے سے گرتے دیکھا۔ ایک اور سوار میدان میں آیا۔

"رک جاؤ" — ہرقل کی گرجدار آواز سنائی دی — "اِدھر آ شہسوار!"

ابنِ احدی نے گھوڑا ہرقل کے سامنے جا روکا۔ ہرقل اونچی جگہ بیٹھا ہُوا تھا۔

"کیا تجھے بتایا نہیں گیا تھا کہ یہ مقابلے ہیں لڑائی نہیں" — ہرقل نے کہا — "تم ان دونوں کو زخمی کر سکتے تھے جان سے نہیں مارنا تھا.... پھر بھی ہم تمہاری قدر کرتے ہیں۔ کہاں سے آیا ہے تو؟"

"مت پوچھ شہنشاہ، کہاں سے آیا ہوں" — ابنِ احدی نے کہا — "یہ میرے دشمن نہیں تھے۔ لیکن میرے ہاتھ میں جب تلوار ہوتی ہے اور جب کوئی مجھے مقابلے کے لیے للکارتا ہے تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے۔ میں جب اُسے قتل کر چکتا ہوں تو مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے

کہ یہ مسلمان نہیں تھا۔ میرا دماغ میرے قابو میں نہیں رہتا..... میں عیسائی عرب ہوں شہنشاہ۔ بہت دُور سے آیا ہوں۔"

"کیا تیرے دل میں مسلمانوں کی اتنی دشمنی ہے کہ تُو اندھا ہو جاتا ہے؟" ــــ ہرقل نے پوچھا۔

"اِس سے بھی زیادہ جتنی شہنشاہ سمجھے ہیں" ــــ ابن احدی نے کہا ــــ "کیا شہنشاہ مجھے آگے نہیں بھیجیں گے؟ میں مسلمانوں سے لڑنے آیا ہوں۔"

"ہم تجھے آگے بھیجیں گے" ــــ ہرقل نے کہا ــــ "تُو نے دو شیر دل کو مارا ہے اور تو معمُولی سے خاندان کا فرد نہیں لگتا۔"

۞

"امین الامت!" ــــ ابن احدی نے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ سے کہا ــــ "میرا خیال تھا کہ وہ مجھے سپاہی کی حیثیت میں فوج میں رکھ لیں گے لیکن اُنہوں نے مجھے ایک سو سپاہیوں کا کماندار بنا دیا۔ اس طرح میری رسائی سالاروں تک ہو گئی۔ میرے دوسرے ساتھی بھی کسی نہ کسی ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے انہیں قیمتی خبریں مل سکتی ہیں۔ ہم سب عیسائی عرب بنے رہے اور آپس میں ملتے رہے۔ کچھ باتیں مجھے اُنہوں نے بتائی ہیں، باقی حالات میں نے خود دیکھے ہیں.....

"حمص پر اپنے دستوں کے قبضے کی اطلاع انطاکیہ پہنچی تو میرے ساتھی مجھے ملے ہمیں معلوم تھا کہ تم حمص میں زیادہ دن نہیں رُکو گے اور انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کرو گے۔ ہم تمہیں حمص میں ہی روکنا چاہتے تھے۔ تمہیں آگے کے خطرے سے خبردار کرنا ضروری تھا۔ انطاکیہ کے ارد گرد کے علاقے میں اپنے لشکر کی تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔"

ابن احدی نے آگے کے جو حالات بتائے وہ اس طرح تھے کہ ہرقل نے بہت بڑی فوج تیار کرنے کی مہم ایسے طریقے سے چلائی تھی کہ عیسائیوں کے تمام قبیلے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لیے اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور ہتھیاروں کے ساتھ انطاکیہ میں جمع ہو گئے تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ان قبیلوں کے علاوہ یورپی ملکوں کے لوگ بھی آ گئے تھے۔ روم، یونان اور آرمینیا کے رہنے والے بھی بہت بڑی تعداد میں آئے تھے۔ ان سب کو اس فوج کے ساتھ ملا کر جو پہلے موجُود تھی، ہرقل کی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو گئی تھی۔

اس اتنے بڑے لشکر کو تیس تیس ہزار کے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ہر حصّے کا جو سالار مقرر کیا گیا تھا وہ تجربہ کار اور منتخب تھا۔ ان پانچ سالاروں میں ایک کا نام ماہان تھا جو آرمینیا کا بادشاہ اور اپنے وقتوں کا مانا ہوا ماہر سپہ سالار تھا۔ دوسرا غسان کا حکمران جبلہ بن الایہم تھا جو اپنی فوج ساتھ لایا تھا اور اسی کا وہ سالار تھا۔ تیسرا روس کا ایک شہزادہ قناطیر تھا۔ چوتھے کا نام گرگیری اور پانچویں کا دیرجان تھا۔ یہ سب عیسائی تھے اور انہوں نے اسے صلیب اور ہلال کی جنگ بنا رکھا تھا۔ ڈیڑھ لاکھ کے اس لشکر کا سالارِ اعلیٰ ماہان تھا۔

ہرقل نے اس لشکر کو اپنے بہتر ہتھیاروں سے مسلح کر دیا اور جب یہ تیار ہو کر پانچ حصوں میں تقسیم ہو گیا تو ہرقل نے اتنے بڑے لشکر کو اکٹھا کیا۔

"صلیب کے پاسبانو!" ــــ ہرقل نے بلند جگہ کھڑے ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر کہا ــــ "تم جس جنگ کے

لیے اکٹھے ہُوئے ہو یہ کسی ملک کو فتح کرنے کے لیے نہیں لڑی جائے گی۔ یہ تمہارے مذہب اور تمہاری عزّت کی جنگ ہے۔ ایک نیا مذہب ہمارے مذہب کے خلاف اُٹھا ہے۔ ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مذہب کو جو دراصل کوئی مذہب نہیں ختم کر دیں۔ مسلمانوں کی فوج چالیس ہزار سے زیادہ نہیں۔ تم ان کی ہڈیاں بھی پیس ڈالو گے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہماری فوج میں مسلمانوں کی دہشت پھیل گئی ہے۔ یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ مسلمانوں نے جہاں بھی ہماری فوج پر حملہ کیا ہے چوروں کی طرح کیا ہے اور وہاں ہماری نفری تھوڑی تھی..... وہ کوئی جن بھوت نہیں۔ تمہاری طرح انسان ہیں۔ وہ لٹیرے ہیں جو تمہارے گھروں میں گھس آئے ہیں لیکن وہ تمہارا صرف مال و اموال نہیں لوٹتے، وہ تمہارا مذہب اور تمہاری عزت لوٹنے آئے ہیں۔"

مؤرخ واقدی، بلاذری اور ہنری سمتھ لکھتے ہیں کہ ہرقل نے پہلے ہی ان لوگوں کو بھڑکا کر اپنے لشکر میں شامل کیا تھا۔ اب انہیں اور زیادہ بھڑکا دیا۔ ابن احدی نے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کو بتایا کہ ہرقل نے دوسرا اجتماع سالاروں، نائب سالاروں اور کمانداروں کا کیا۔ پہلے انہیں بھی بھڑکایا پھر انہیں احکام دیئے اور ہدایات دیں۔ ان کے مطابق ہر سالار کی پیشقدمی اور اُس کے ہدف کا تعیّن کیا گیا تھا۔

یہ ایک دہشت ناک منصوبہ تھا جو اتنے بڑے لشکر سے آسانی سے کامیاب ہو سکتا تھا۔ ہدف حمص تھا اور دوسرا دمشق۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کی تمام تر فوج کو جس کی نفری تقریباً چالیس ہزار تھی گھیرے میں لے کر ختم کرنا تھا۔ ہرقل نے گھیرا ڈالنے کا بڑا اچھا منصوبہ تیار کیا تھا۔ اُس کے سالار قناطیر کو اپنے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ انطاکیہ سے سمندر کے ساتھ ساتھ بیروت تک پہنچنا اور وہاں سے دمشق کی طرف مڑ جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ مسلمان آگے سے پسپا ہو کر دمشق کی طرف آئیں تو قناطیر کا لشکر اُن پر حملہ کر دے۔

جبلہ بن الایہم نے حمص کی طرف جا کر مسلمانوں کی پیشقدمی کو روکنا اور انہیں ختم کرنا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حمص پر حملہ کرنے والے لشکر میں صرف عرب عیسائی تھے جن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ ہرقل نے کہا تھا کہ وہ عربوں کے خلاف عربوں کو لڑانا چاہتا ہے۔

"لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے" ــــ یہ ہرقل کے تاریخی الفاظ ہیں۔

حمص کے علاقے میں ہرقل کے ایک اور سالار دیرجان نے بھی جانا تھا۔ اُس نے جبلہ سے الٹی سمت سے پیش قدمی کرنی تھی تاکہ مسلمان کسی طرف سے بھی نہ نکل سکیں۔

سالار گرگیری کو ایک اور سمت سے حمص کے علاقے میں پہنچنا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا تھا۔ اس طرح صرف حمص اور گرد و نواح کے علاقے میں مسلمانوں پر حملہ کرنے والی رومی فوج کی تعداد نوّے ہزار تھی۔ ماہان جو سالارِ اعلیٰ تھا، اُسے اپنا تیس ہزار کا لشکر کہیں قریب رکھنا تھا تاکہ جہاں کہیں اُس کی ضرورت پڑے وہ پہنچے۔

۞

"تجھ پر اللہ کی سلامتی ہو ابن احدی!" ــــ ابو عبیدہؓ نے ہرقل کا تمام تر منصوبہ سن کر کہا ــــ "خدا کی قسم! تُو نے اپنا گھر جنت میں بنا لیا ہے۔ اگر تُو یہ خبریں لے کر نہ آتا تو خود سوچ کہ ہمارا انجام کیا ہوتا... ابو سلیمان!" ــــ ابو عبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ــــ "کیا تُو نے محسوس نہیں کیا کہ ہم اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں؟

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

خالدؓ جو میدانِ جنگ میں دشمن کے اعصاب پر چھا جایا کرتے تھے، چپ چاپ ابو عبیدہؓ کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہمیں پیچھے نہیں ہٹ جانا چاہیئے ابو سلیمان؟" ——— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"امین الامّت!" ——— خالد نے آہ بھر کر کہا ——— "پیچھے ہٹنا ایک ضرورت ہے لیکن پیچھے ہٹنا میری فطرت نہیں۔"

"خدا کی قسم ابو سلیمانؓ! جو تو سوچ سکتا ہے وہ شاید میں نہ سوچ سکوں" ——— ابو عبیدہؓ نے کہا ——— "اِس وقت اپنی ذات کو نہ دیکھ۔ اپنے ساتھیوں کو اور ان کے انجام کو دیکھ اور بتا ہم کیا کریں۔"

"ہاں ابن عبداللہ!" ——— خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو دوسرے نام سے پکارتے ہوئے کہا ——— "میں اس حقیقت کو دیکھ کر بات کروں گا جو ہمارے سامنے ہے اور یہ طوفان جو آرہا ہے، اسے روکنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ہمیں اُس اللہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کے نام پر ہم یہاں تک اپنا اور اپنے دشمن کا خون بہاتے پہنچے ہیں۔ ہماری جانیں اُسی کی امانت ہیں۔۔۔۔ پہلا کام یہ کر کہ اپنے تمام سالاروں کو جہاں جہاں وہ ہیں، دستوں سمیت ایک جگہ اکٹھا کر لے۔"

"اور اُن جگہوں کا کیا بنے گا جو ہمارے قبضے میں ہیں؟" ——— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"امین الامّت!" ——— خالدؓ نے کہا ——— "تو یقیناً دشمن کے ارادے کو سمجھتا ہے۔ وہ فیصلہ کُن جنگ لڑنے آرہا ہے اور ہر طرف سے آرہا ہے۔۔۔۔ آگے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے۔۔۔۔ اور تو نے ابن احدی سے سن لیا ہے کہ ہرقل نے ہماری پسپائی کے راستے روکنے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔۔۔۔ ابن عبداللہ! قیصرِ روم ہمارے دستوں کو وہیں گھیرے میں لے لینا چاہتا ہے جہاں جہاں وہ ہیں۔ یہ تو اللہ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمیں دشمن کے منصوبے کا پہلے ہی علم ہو گیا ہے۔"

"کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہماری شکست منظور نہیں؟" ——— ابو عبیدہؓ نے کہا۔

"اللہ ہمارے ساتھ ہے امین الامّت!" ——— خالدؓ نے کہا ——— "لیکن اللہ اُن کی مدد نہیں کیا کرتا جو اپنے آپ کو دشمن اور حالات کے رحم وکرم پر پھینک دیتے ہیں۔۔۔۔ ہرقل ہمیں بکھرا ہوا رکھنا چاہتا ہے۔ تمام سالاروں کو وہ تمام جگہیں چھوڑنی پڑیں گی جو ہمارے قبضے میں ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں فتح عطا کی تو یہ سب جگہیں ہماری ہوں گی۔"

"ہمیں کہاں اکٹھے ہونا چاہیئے؟" ——— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"جہاں صحرا ہمارے عقب میں ہو" ——— خالدؓ نے جواب دیا ——— "جتنی آسانی اور تیزی سے ہم صحرا میں حرکت کر سکتے ہیں اتنی تیزی سے ان علاقوں میں نہیں کر سکتے جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ صحرا میں ہمارا دشمن نہیں لڑ سکتا۔ ہم صحرا کو اپنے قریب رکھیں گے تو ہمیں پیچھے ہٹنے میں سہولت ہو گی اور جب دشمن ہمارے پیچھے آئے گا تو وہ اپنے علاقے کی سہولتوں سے محروم ہو جائے گا۔"

"تیرے سامنے ایسی کون سی جگہ ہے؟"

"جابیہ!" ——— خالدؓ نے جواب دیا ——— "وہاں سے تین راستے نکلتے ہیں اور قریب سے ہی صحرا شروع ہو جاتا ہے۔ دریائے یرموک بھی بالکل قریب ہے۔"

مسلمانوں کے بکھرے ہوئے دستوں کے سالارِ اعلیٰ ابو عبیدہؓ تھے لیکن وہ خالدؓ کو اپنی نسبت زیادہ قابل، تجربہ کار اور جارح سالار سمجھتے تھے اس لیے اُنہوں نے خالدؓ کو اپنا مشیرِ خاص بلکہ دستِ راست بنا کر ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اب ہرقل نے ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی جس میں انہیں خالدؓ کے مشوروں کی شدید ضرورت تھی۔ خالدؓ تو اس سے بھی زیادہ خطرناک اور خوفناک صورتِ حال میں نہیں گھبراتے تھے۔ اُنہوں نے جو مشورے دیئے، ابو عبیدہؓ نے فوری طور پر ان پر عمل کیا۔ وہاں زیادہ سوچنے کا وقت تھا ہی نہیں۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

ہرقل کا لشکر انطاکیہ سے کوچ کر چکا تھا۔ حمص پر مسلمانوں کے قبضے کا تیسرا مہینہ گزر رہا تھا۔

۵

ہرقل کے لشکر کا وہ حصّہ جو جبلہ بن الایہم کی زیرِ کمان تھا جون ۶۳۶ء میں حمص کے قریب پہنچ گیا۔ ہرقل کے جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی فوج کو شیزر کے مقام پر پڑاؤ ڈالے دیکھا ہے لیکن جبلہ کا لشکر وہاں پہنچا تو وہاں پڑاؤ کے آثار تو ملتے تھے لیکن لشکر کا کوئی ایک بھی آدمی وہاں نہیں تھا۔

جبلہ نے کہا کہ وہ حمص میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اُس نے اپنا ہراول دستہ حمص کو روانہ کر دیا۔ دیکھا کہ شہر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ دیواروں پر شہر کے لوگ کھڑے تھے، کوئی فوجی نظر نہیں آتا تھا۔

"کہاں ہیں مسلمان؟" ——— ہراول کے سالار نے پوچھا۔

"یہاں کوئی مسلمان نہیں" ——— اُسے اوپر سے جواب ملا۔

"کیا تم اپنے مذہب کے دشمن کے ساتھ مل گئے ہو؟" ——— رومی ہراول کے سالار نے کہا ——— "کیا دروازے کھلے چھوڑ کر ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہو؟"

"اندر آ کر دیکھ لو" ——— اُوپر سے شہریوں نے اُسے بتایا۔

"اگر تم بھی اس دھوکے میں شریک ہو تو اپنی سزا سوچ لو" ——— ہراول کے سالار نے کہا۔

اُس نے اپنے دستے کو شہر سے باہر رہنے دیا اور اپنے سالار جبلہ کی طرف قاصد دوڑا دیا کہ یہ دھوکہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں کوئی فوج نہیں۔ جبلہ کو پیغام ملا تو وہ واہی تباہی بکنے لگا۔

"یہ دھوکہ ہے" ——— جبلہ غصّے سے چلّایا ——— "مسلمانوں نے ہماری فوج کو جہاں بھی شکست دی ہے دھوکے سے دی ہے۔ وہ شہر میں موجود ہیں اور انہوں نے ہمیں پھانسنے کے لیے شہر کے دروازے کھلے چھوڑ رکھے ہیں۔"

جبلہ نے اپنے تیس ہزار کے لشکر کو پیشقدمی کا حکم اس ہدایت کے ساتھ دیا کہ حمص کے دروازوں میں سیلاب کی طرح داخل ہوں اور شہر میں بکھریں نہیں۔ مسلمان لوگوں کے گھروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اُسے خطرہ یہ نظر آ رہا تھا کہ اُس کا لشکر شہر میں بکھر گیا تو مسلمان اُس کے سپاہیوں کو چُن چُن کر ماریں گے۔

وہ سیلاب کی ہی مانند شہر میں داخل ہوتے اور مسلمانوں کو للکارنے لگے کہ وہ باہر آئیں لیکن کوئی بھی مسلمان باہر نہ آیا۔ جبلہ نے خطرہ مول لے کر ہر گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔ سپاہی لوگوں کے گھروں پر ٹوٹ پڑے۔ تلاشی کے بہانے اُنہوں نے گھروں میں لوٹ مار کی اور عورتوں پر دست درازی کی۔ شہری چیختے چلّاتے باہر آ گئے۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

"تم سے وہ اچھے تھے جو چلے گئے ہیں۔"
"تم نے اپنے مذہب کا بھی احترام نہیں کیا۔"
"ہمارے مذہب کا احترام مسلمانوں نے کیا تھا۔"
"وہ ہم سے لیا ہُوا جزیہ واپس کر گئے ہیں۔"
"وہی اچھے تھے..... وہی اچھے تھے۔"
"مسلمان تمھاری طرح لٹیرے نہیں تھے۔"

جبلہ بن الایہم شہر کے مردوں اور عورتوں کی چیخ وپکار اور آہ وبکا سنتا رہا۔ اُسے یقین ہوگیا تھا کہ مسلمان چلے گئے ہیں۔ اُس نے جب اپنے ہم مذہب لوگوں کی زبان سے یہ الفاظ سنے کہ مسلمان اچھے تھے اور وہ تمھاری طرح لٹیرے نہیں تھے اور یہ کہ انھوں نے جزیہ واپس کر دیا تھا تو اُس نے اپنے لشکر کو اکٹھا کیا۔

"شکست تمھارے مقدّر میں لکھ دی گئی ہے" — جبلہ نے اپنے لشکر سے کہا — "آج پہلی بار مجھے پتہ چلا ہے کہ مسلمانوں کی فتح کا باعث کیا ہے اور کیوں ہر قصبے اور ہر شہر کے لوگ اُن کا استقبال کرتے ہیں۔ یہ اہلِ صلیب کا شہر ہے۔ مسلمانوں نے ان کی عزت اور آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالا تم بھی اہلِ صلیب ہو مگر تم نے ان کی آبرو پامال کر دی ہے اور ان کے گھروں سے قیمتی سامان اٹھا لائے ہو۔ تم لڑنے نہیں آئے، لوٹ مار کرنے آئے ہو اور کہتے پھرتے ہو کہ مسلمانوں میں کوئی غیبی طاقت ہے۔ تم نے لڑے بغیر یہ شہر لے لیا ہے۔ اگر تمھارا ایمان ہوتا تو تمھیں نہ لوٹ مار کی ہوش رہتی نہ تم کسی عورت کی طرف دیکھتے..... جو سامان تم نے لوگوں کے گھروں سے اٹھایا ہے وہ یہاں رکھ دو۔"

جزیے کی واپسی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ بلاذری، ابوسعید، ابن ہشام اور طبری نے لکھا ہے کہ خالدؓ کے مشورے پر جب سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے مفتوحہ قصبے اور شہر چھوڑ کر جابیہ کے مقام پر تمام دستوں کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا تو اُنھوں نے حمص کے چند ایک سرکردہ افراد کو بلایا اور انھیں بتایا کہ وہ حمص سے جا رہے ہیں۔ پہلے تو ان افراد کو یقین نہ آیا۔ جب یقین آیا تو انھوں نے افسوس کا اظہار کیا۔

"ہم نے پہلی بار عدل وانصاف دیکھا تھا" — ایک شہری نے کہا — "ہم نے ظلم، جبر اور بے انصافی کا راج دیکھا تھا۔ آپ ہمیں عدل وانصاف اور عزت وآبرو سے محروم کر کے پھر ہمیں ظالموں کے حوالے کر کے جا رہے ہیں۔"

"اللہ نے چاہا تو ہم پھر آجائیں گے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "میں نے تمھیں وہ جزیہ واپس دینے کے لیے بلایا ہے جو ہم نے تم سے وصول کیا تھا۔"

"نہیں" — شہریوں کے نمائندوں نے متفقہ طور پر احتجاج کیا — "ہم اپنا جزیہ واپس نہیں لیں گے۔"

"یہ جزیہ ہم پر حرام ہوگیا ہے" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ہم نے تم سے اس معاہدے پر جزیہ لیا تھا کہ ہم تمھاری حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے لیکن ہم تمھیں ان لوگوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر جا رہے ہیں جنھیں تم ظالم اور جابر سمجھتے ہو۔ ہم تمھاری حفاظت اور سلامتی کا معاہدہ پورا نہیں کر سکے۔ تم اپنا جزیہ واپس لے جاؤ اور یہ تمام شہریوں کو واپس کر دینا۔"

ایک مؤرخ ابویوسف نے لکھا ہے کہ حمص کے شہری جو پہلے ہی مسلمانوں کے سلوک، انتظام اور عدل وانصاف سے متاثر تھے، جزیے کی واپسی سے اور زیادہ متاثر ہُوئے۔ حد یہ کہ حمص میں جو یہودی مقیم تھے، اُن کے نمائندے نے ابوعبیدہؓ سے کہا کہ حمص میں اب وُہی حکمران داخل ہو سکے گا جو فوجی طاقت کے بل بوتے پر آئے گا ورنہ وہ کسی اور کو اپنے اوپر حاکم تسلیم نہیں کریں گے۔ ایک یہودی کے مُنہ سے مسلمانوں کی حمایت کے الفاظ اس وجہ سے حیران کُن ہیں کہ یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے۔

۶

رومی فوج کا سالار قناطیر ہرقل کے منصوبے کے مطابق دمشق پر حملہ کرنے گیا تو وہاں اُسے اسلامی فوج کا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ مسلمان دمشق سے نکل کر جابیہ چلے گئے تھے۔ ابوعبیدہؓ نے اُن تمام سالاروں کو جو مفتوحہ جگہوں کے حاکم مقرر ہُوئے تھے، حکم بھیجا تھا کہ وہاں سے کُوچ سے پہلے لوگوں کو جزیے کی رقم واپس کر دی جائے کیونکہ ہم اُن کی حفاظت نہیں کر سکے۔ چنانچہ دمشق کے شہریوں کو بھی جزیہ واپس کر دیا گیا تھا اِس طرح مسلمان اپنے پیچھے بڑا اچھا تاثر چھوڑ کر آتے لیکن وہ اُس علاقے سے نکلے نہیں۔ تمام دستے دریائے یرموک سے سات آٹھ میل دُور جابیہ کے مقام پر اکٹھے ہو گئے۔ ان میں شرجیلؓ بن حسنہ، عمروؓ بن العاص، یزیدؓ بن ابی سفیان، ضرارؓ بن الازور جیسے نامی گرامی سالار قابلِ ذکر ہیں۔ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے سب کو مشاورت کے لیے بلایا۔

"تم سب پر اللہ کی سلامتی ہو" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "کیا میرے چہرے پر وہی پریشانی نہیں ہے جو تم ایک دوسرے کے چہرے پر دیکھ رہے ہو؟ لیکن یہ پریشانی ہے مایوسی نہیں۔ مایوس نہ ہونا اس اللہ کی ذاتِ باری سے جس کے رسولؐ کی اطاعت اور پیروی میں ہم اتنی مدت سے گھروں سے نکلے ہُوئے ہیں۔ ہم پسپا نہیں ہُوئے، پیچھے ہٹے ہیں اور پیچھے اس لیے ہٹے ہیں کہ اکٹھے ہو کر اس دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو سکیں جو ہمارے دین کا دشمن ہے..... کیا تم نے سن لیا ہے کہ ہرقل کی فوج کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے؟"

"ہاں امین الامّت!" — سالاروں کی آوازیں سنائی دیں — "سُن لیا ہے۔"

"اور ہم کتنے ہیں؟" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "چالیس ہزار..... لیکن تم ہر میدان میں قلیل تعداد میں تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ ایمان والے بیس ہُوئے تو دو سو کفار پر غالب آئیں گے۔ پھر بھی میں تمھیں امتحان میں نہیں ڈالوں گا۔ حکم نہیں دوں گا۔ مجھے مشورہ دو۔"

"کیا ایسا ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم واپس چلے جائیں؟" — ایک سالار نے کہا — "ہرقل ہمیشہ اتنی زیادہ فوج نہیں رکھے گا۔ جوں ہی کبھی اطلاع ملے کہ ہرقل نے فوج کی تعداد کم کر دی ہے، ہم پھر آجائیں۔ ہم پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئیں گے۔"

"اِس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ ہمارے مجاہدین نے اتنا خون بہا کر اور قربانیاں دے کر جو علاقے فتح کیے ہیں وہ رومیوں کو واپس کر دیں" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "اگر ہم نے ایسا کیا تو ہمارے سارے لشکر کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا اور دشمن کا حوصلہ مضبوط ہو جائے گا۔ رومی فوج پر ہم نے جو دھاک بٹھائی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ہم فیصلہ کن جنگ لڑیں گے" ـــــ ایک اور سالار نے کہا ـــــ "فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے"

اس مشورے پر زیادہ تر سالاروں نے لبیک کہا۔

"لڑے بغیر واپس گئے تو مدینہ والوں کو کیا منہ دکھائیں گے؟"

"پھر پسپائی بھی ہماری روایت بن جائے گی"

"اپنے بچوں کو یہ سبق ملے گا کہ دشمن قوی ہو تو بھاگا بھی جا سکتا ہے"

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کی طرف دیکھا جو بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ انہوں نے نہ کسی کی تائید میں کچھ کہا نہ مخالفت میں۔

"کیوں ابوسلیمان!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا ـــــ "کیا تو کوئی مشورہ نہیں دے گا؟ تیری جرأت اور قابلیت کی ضرورت تو اب ہے۔ کیا سوچ رہا ہے تو؟"

"ابنِ عبداللہ!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "جس کسی نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنے خیال کے مطابق ٹھیک کہا ہے لیکن میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ سب نے مل کر جو فیصلہ کیا، میں اس کا پابند رہوں گا اور تیرا ہر حکم مانوں گا"

"تو جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہہ دے ابوسلیمان!" ـــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ـــــ "مجھے تیری رائے کی ضرورت ہے"

"پہلی بات یہ ہے امین الامت!" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "ہم بڑی خطرناک جگہ آن بیٹھے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی ہی دور قیساریہ میں رومیوں کی فوج موجود ہے۔ اس کی نفری چالیس ہزار ہے اور اس کا سالار ہرقل کا ایک بیٹا قسطنطین ہے۔ ہماری تعداد اتنی ہی ہے جتنی اکیلے قسطنطین کی ہے۔ ہم ایسی جگہ پر ہیں کہ وہ ہم پر عقب سے آسانی سے حملہ کر سکتا ہے۔ ایسا حملہ وہ اس وقت کرے گا جب سامنے سے ہم پر ہرقل کی فوج حملہ کرے گی ہمیں یرموک کے مقام پر چلے جانا چاہیے۔ وہ زمین گھوڑ سوار دستوں کے لڑنے کے لیے بہت اچھی ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مدینہ سے کمک اور رسد کا راستہ کھلا رہے گا"

ابوعبیدہؓ نے دوسرے سالاروں کی طرف دیکھا۔ سب نے کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی۔ ابوعبیدہؓ نے اسی وقت جابیہ سے یرموک کی طرف کوچ کا حکم دے دیا اور خالدؓ کو فوج کے عقبی گارد کے طور پر پیچھے رہنے دیا۔ خالدؓ کو ان چار ہزار سواروں کے دستے کی کمان دی گئی جو خالدؓ نے تیار کیا تھا۔ یہ سب منتخب شہسوار تھے۔ یہ دستہ جم کر نہیں گھوم پھر کر لڑتا تھا۔ یہ خالدؓ کی اپنی جاسوسی تھی کہ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ قیساریہ میں ہرقل کی جو فوج ہے اس کی نفری چالیس ہزار اور اس کا سالار ہرقل کا بڑا بیٹا قسطنطین ہے۔

❂

معروف مؤرخ گبن لکھتا ہے کہ جنگی اصولوں اور امور کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کو رومی فوج کے مقابلے میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ صرف چالیس ہزار نفری سے اس فوج کے خلاف لڑنا جس کی نفری ڈیڑھ اور دو لاکھ کے درمیان تھی، ممکن نہ تھا۔ روم کا شہنشاہ صحیح معنوں میں سپاہیوں اور گھوڑوں کا ایسا سیلاب لے آیا تھا جس کے آگے کوئی بھی فوج نہیں ٹھہر سکتی تھی لیکن مسلمان اس سیلاب کے آگے بند باندھنے اور اسے پھیلا کر ختم کر دینے کا تہیہ کر چکے تھے۔ ان کے پاس صرف جذبہ تھا۔

مسلمانوں کے جذبے کی شدت اور عزم کی پختگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خالدؓ ان میں موجود تھے اور خالدؓ

سراپا عزم اور مجسم جذبہ تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے آگے باطل کی کوئی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ خالدؓ نے ایک مثال وہیں قائم کر دی۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی فوج جابیہ سے کوچ کر گئی تو خالدؓ ابوعبیدہؓ کے حکم کے مطابق ابھی جابیہ میں تھے۔

ادھر ہرقل کے لشکر نے اتنی تیزی سے نقل و حرکت کی تھی کہ اس کے سالاروں کو جن علاقوں میں پہنچنے کا حکم ملا تھا، وہ اپنے دستوں کے ساتھ ان علاقوں میں پہنچ گئے تھے۔ شام اور فلسطین میں ہرقل کی فوج چھا گئی تھی۔

خالدؓ جابیہ سے روانہ ہونے لگے تو اچانک رومی فوج کا ایک دستہ دائیں پہلو سے آتا نظر آیا۔ یہ رومی فوج کے کسی حصے کا ہراول تھا اور اس سوار دستے کی تعداد خالدؓ کے دستے سے زیادہ تھی۔ رومی دستے کو اپنی بے پناہ فوج کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اس نے خالدؓ کے دستے پر حملہ کر دیا۔ خالدؓ نے اپنے اس سوار دستے کو خود تربیت دی تھی۔ انہوں نے ان سواروں کو بھاگ دوڑ کر لڑنے کی ترتیب میں کر دیا۔

رومی دستے کے سوار اسی علاقے کے عیسائی تھے۔ وہ جنگ کی ترتیب میں حملے پہ حملہ کرتے تھے مگر خالدؓ کے سواروں کا انداز کچھ اور تھا۔ عیسائیوں کا ہر ہلّہ اس طرح ضائع جاتا تھا جس طرح حریف کو مارا ہوا گھونسہ حریف کو لگنے کی بجائے ہوا میں لگے۔ ذرا ہی دیر بعد عیسائی سوار میدان میں بے ترتیب بکھرے ہوئے تھے اور مسلمان سوار انہیں کاٹ رہے تھے۔

خالدؓ نے اپنا مخصوص نعرہ ـــــ "میں خالدؓ ابنِ ولید ہوں" ـــــ لگایا تو معرکے کی صورت ہی بدل گئی۔ خالدؓ کا یہ نعرہ پہلے ہی رومی فوج میں مشہور تھا اور اس نعرے کے ساتھ ایک دہشت وابستہ تھی۔ عیسائی سواروں کی تنظیم پہلے ہی بکھر گئی تھی اور مسلمان سوار ان پر غالب آ گئے تھے۔ خالدؓ کے نعرے نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور عیسائی سوار افراتفری کے عالم میں بھاگنے لگے۔

خالدؓ یہ معرکہ ختم ہوتے ہی اپنے لشکر کی طرف روانہ نہ ہوئے بلکہ دو تین دن وہیں موجود رہے۔ انہیں توقع تھی کہ رومی فوج کا یہ حصہ اپنے ہراول کا انتقام لینے آگے آئے گا۔ خالدؓ رومیوں کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ مسلمان کہیں بھاگ نہیں گئے، یہیں ہیں اور زندہ و بیدار لڑنے کے لیے تیار ہیں۔ رومی آگے نہ آئے اور خالدؓ اپنے لشکر سے جا ملے۔

گبن نے لکھا ہے کہ رومی اسی ایک جھڑپ سے ہی محتاط ہو گئے تھے۔

❂

خالدؓ ابوعبیدہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اس میدان کا جائزہ لیا۔ لڑائی کے لیے یہ ہر لحاظ سے موزوں نظر آیا۔ اس طرح مسلمانوں کو اپنی پسند کے میدان کا فائدہ حاصل ہو گیا۔ رومی ایک تو اسے بہت بڑی کامیابی سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے لے لیے تھے اور وہ اس لیے بھی خوش تھے کہ انہوں نے اس دور کی سب سے بڑی فوج بنا لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کے مشوروں کے مطابق اپنے دستوں کو لڑائی کی ترتیب میں کر دیا اور اسی ترتیب میں ڈیرے ڈال دیئے۔ وہ خیمہ زن ہونے کی بجائے تیاری کی حالت میں رہے۔ انہوں نے اپنے بائیں پہلو کو محفوظ رکھنے کے لیے پہاڑیوں سے فائدہ اٹھایا۔ مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی کم و بیش گیارہ میل تھی اور گہرائی کچھ بھی نہیں تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

رومی اپنے بڑے لشکر کے باوجود محتاط ہوکر بڑھ رہے تھے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہزار ہے جو کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں ہو سکتی اور انہیں اتنی جلدی کمک بھی نہیں مل سکتی۔ رومی لشکر چند دنوں بعد آگے آیا لیکن آتے ہی اس نے حملہ نہ کیا۔ وہ چند میل دُور رک گئے اور اپنے دستوں کو جنگ کی ترتیب میں پھیلا دیا۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ رومی فوج کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ صحیح معنوں میں انسانوں اور گھوڑوں کا سمندر لگتی تھی۔ اس فوج کے محاذ کی لمبائی اٹھارہ میل تھی اور گہرائی بھی خاصی زیادہ تھی۔ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں۔

رومی لشکر کے سالارِ اعلیٰ ماہان نے آگے آکر مسلمانوں کی فوج کا جائزہ لیا۔ اُسے اپنی جنگی طاقت پر اتنا ناز تھا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں کے قریب آگیا۔ اُس کے چہرے پر رعونت اور ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ مسلمان اُسے خاموشی سے دیکھتے رہے اور وہ مسلمانوں کو حقارت سے دیکھتا آگے بڑھتا گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے بارہ محافظ گھوڑوں پر بڑی شان سے جا رہے تھے۔

۞

ماہان زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ اُس کے لشکر کی طرف سے ایک سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا آیا۔ ماہان رک گیا۔ گھوڑسوار اُس کے قریب آ رُکا اور رومی انداز سے سلام کر کے اُس کے ہاتھ میں کچھ دیا۔ یہ ہرقل کا پیغام تھا جو اُس نے ماہان کو انطاکیہ سے بھیجا تھا۔ یہ دراصل پیغام نہیں شہنشاہ ہرقل کا فرمان تھا۔ ہرقل نے اُسے لکھا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کرنے سے پہلے انہیں صلح نامے کے لیے راضی کرو۔ مسلمان اگر یہ شرط مان لیں کہ وہ پُرامن طریقے سے واپس چلے جائیں گے اور آئندہ کبھی رومی سلطنت کی سرحد میں داخل نہیں ہوں گے تو انہیں عزت سے اور کچھ رقم دے کر رخصت کرو۔ اپنی طرف سے پوری کوشش کرو کہ وہ صلح پر راضی ہو جائیں۔ اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو عربی عیسائیوں کو استعمال کرو۔ شاید ان کی بات مان جائیں۔

ماہان نے یہ پیغام پڑھا تو اُس کے چہرے پر غصے کے آثار آ گئے۔ اُس نے قاصد کو رخصت کر دیا۔

"ان بدّوؤں کے آگے گھٹنے ہی ٹیکنے تھے تو اتنا لشکر اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔۔۔ اُس نے غصّے سے کہا۔

اُس نے پیچھے دیکھا۔ اُس کا احتجاج سننے والے اُس کے محافظ ہی تھے۔ اُس نے مسلمانوں کے محاذ کی طرف دیکھا اور گھوڑے کا رُخ اس طرف کر کے آگے گیا۔ قریب جا کر اُس نے گھوڑا روک لیا اور ایک محافظ کو اپنے پاس بلایا۔

"انہیں کہو کہ اپنے سالارِ اعلیٰ کو سامنے کریں"۔۔۔ اُس نے اپنے محافظ سے کہا۔۔۔ "اور کہو کہ ہمارے سالارِ اعلیٰ ماہان صلح کی بات کرنے آتے ہیں"۔

محافظ نے اُس کے الفاظ بلند آواز سے دہرائے۔ مسلمانوں کی طرف سے جواب آیا کہ آتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں ہرقل کی آدھی فوج کٹ گئی تھی۔ بے انداز مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا اور مسلمانوں نے سلطنتِ روم کے بے شمار علاقے پر قبضہ کر لیا تھا پھر ہرقل نے انہیں بخش کیوں دیا تھا؟ اُس نے ڈیڑھ دو لاکھ فوج اکٹھی کر کے بھی مسلمانوں کے آگے صلح کا ہاتھ کیوں بڑھایا تھا؟

فوری طور پر یہ جواب سامنے آتا ہے کہ اُس کی فوج پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی، اس سے وہ خطرہ محسوس کرتا تھا کہ اُس کی اتنی بڑی فوج بھی شکست کھا جائے گی لیکن اُس وقت کے وقائع نگاروں، مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے مختلف حوالوں سے لکھا ہے کہ ہرقل اوچھا دشمن نہیں تھا۔ وہ جنگجو تھا اور جنگجو قوم کی قدر کرتا تھا خالدؓ کی قیادت سے وہ متاثر تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ایک جنگجو قوم کی اتنی پُرعزم فوج اُس کے لشکر کے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ وہ مسلمانوں کو زندہ واپس چلے جانے کا موقع دے رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں نے جذبے کے زور پر اُس کے لشکر سے ٹکر لی تو مسلمانوں کا قتلِ عام ہوگا۔

ہرقل نے جو کچھ بھی سوچا تھا اس کے متعلق آرا مختلف ہو سکتی ہیں لیکن مسلمانوں کی سوچ مختلف تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ وہ رحم کرتے تھے نہ رحم کے طلب گار ہوتے تھے۔ اپنی نفری کی کمی اور دشمن کی کئی گنا زیادہ طاقت نے انہیں کبھی پریشان نہیں کیا تھا۔

۞

رومی سالار ماہان کی پکار پر ابو عبیدہؓ آگے گئے۔ اُن کے ساتھ ایک ترجمان تھا۔

"اے سالار!"۔۔۔ ماہان نے بارُعب لہجے میں پوچھا۔۔۔ "کیا تُو امن و امان سے یہاں سے چلے جانا چاہتا ہے؟"

"ہم امن و امان چاہتے ہیں"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔۔۔ "لیکن جانا نہیں چاہتے"۔

"شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل لازمی ہے"۔۔۔ ماہان نے کہا۔۔۔ "اُسی کے حکم سے میں تیرے پاس آیا ہوں"۔

"لیکن میرے رومی دوست!"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔۔۔ "ہم پر صرف اللہ کے حکم کی تعمیل لازمی ہے"۔

"شہنشاہ ہرقل تمہیں ایک موقع دے رہے ہیں"۔۔۔ ماہان نے کہا۔۔۔ "اپنی اس ذرا سی فوج سے میری فوج کے ساتھ ٹکر لینے سے باز آجاؤ.... میں اپنے ایک سالار کو صلح کی بات چیت کے لیے بھیج رہا ہوں"۔۔۔ اور وہ چلا گیا۔

رومی فوج کا جو سالار صلح کی بات چیت کرنے آیا وہ گرگیری تھا۔ ابو عبیدہؓ نے اُس کا استقبال کیا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کی طرف سے صلح کی پیش کش لے کر آیا ہوں"۔۔۔ گرگیری نے کہا۔۔۔ "اگر تم واپس چلے جاؤ اور پھر کبھی اِدھر نہ آنے کا معاہدہ کر لو تو ہمارے شہروں اور قصبوں سے جو مالِ غنیمت وغیرہ اٹھایا ہے وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ ہمارا لشکر دیکھ لو اور اپنی تعداد دیکھ لو"۔

"اگر یہ لڑائی میری ذاتی ہوتی تو میں تمہاری پیش کش قبول کر لیتا"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔۔۔ "میں شہنشاہ نہیں شہنشاہ اللہ ہے اور ہم اُسی کے حکم پر آتے ہیں۔ ہم کوئی پیش کش قبول نہیں کر سکتے"۔

گرگیری چلا گیا۔ ہرقل نے اپنے فرمان میں لکھا تھا کہ صلح کا ذریعہ استعمال کرو۔ اس حکم کے مطابق ماہان نے ایک اور سالار جبلہ بن الایہم کو بھیجا۔

"کیا تمہاری فوج کے تمام سالار باری باری صلح کا پیغام لے کر آئیں گے؟"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔۔۔ "کیا کوئی میرے انکار کو اقرار میں بدل سکتا ہے؟"

"صلح کا پیغام لانے والا میں آخری سالار ہوں"۔۔۔ جبلہ نے کہا۔۔۔ "میں اس لیے آیا ہوں کہ میں بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

عربی ہوں۔ ہوں تو عیسائی لیکن میرے دل میں اپنے وطن کے لوگوں کی محبّت ہے۔ میں تمھیں تباہی سے بچانے آیا ہوں۔ تم واپس چلے جاؤ۔ اگر تمھارا کوئی مطالبہ ہے تو بتا دو۔ میں وہ پورا کر دوں گا۔"

"ہمارا مطالبہ تم جانتے ہو" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "ہم خیرات نہیں جزیہ لیں گے۔"

"اے عربی سالار!" — جبلہ نے حیران ہو کر پوچھا — "کیا چالیس ہزار کی فوج چار گنا طاقتور لشکر سے جزیہ وصول کر سکتی ہے؟"

ابوعبیدہؓ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کی اور اُن کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔ انہوں نے رومیوں کی ہر پیش کش ٹھکرا دی اور صلح سے انکار کر دیا۔

***

جولائی ۶۳۶ء (جمادی الآخر ۱۵ھ) کا تیسرا ہفتہ شروع ہو چکا تھا۔ جبلہ بن الایہم نے اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کو جا کر بتایا کہ مسلمان کسی قیمت اور کسی شرط پر صلح کے لیے تیار نہیں۔

"ہم شہنشاہ ہرقل کے حکم کی تعمیل کر چکے ہیں" — ماہان نے کہا — "میں نے اپنے ذرائع استعمال کر لیے ہیں... جبلہ! اب وہ طریقہ اختیار کرو جو شہنشاہ ہرقل کو پسند نہیں تھا۔ ان بدقسمت اور کم عقل مسلمانوں پر حملہ کرو۔ اس سے انہیں ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے گا اور ہم یہ دیکھ لیں گے کہ اُن میں کتنا دم خم ہے اور ان کے انداز کیا ہیں۔"

رومی لشکر کا پڑاؤ کئی میل دُور تھا۔ جبلہ اپنے دستوں کو لے کر مسلمانوں کے سامنے آیا۔ اُس کے دستوں کو رومی فوج کے ہتھیار دیئے گئے تھے جو بہتر قسم کے تھے۔ ان دستوں میں عربی عیسائی تھے۔ وہ جب آئے تو مسلمان لڑائی کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ جبلہ نے آتے ہی حملہ نہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے محاذ کو دیکھ کر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

آخر اُس نے ہلّہ بولنے کا حکم دے دیا۔ وہ ابھی مسلمانوں کی اگلی صف تک پہنچا بھی نہ تھا کہ اُس کے دستوں کے دونوں پہلوؤں پر حملہ ہو گیا۔ حملہ کرنے والا مسلمان سواروں کا دستہ تھا جس کی کمان خالدؓ کر رہے تھے۔ گھوم پھر کر لڑنے والے اس دستے نے اپنا مخصوص انداز اختیار کیا۔ جبلہ کی ترتیب گڈمڈ ہو گئی۔ اُس پر سامنے سے بھی حملہ ہُوا۔

عیسائی بوکھلا گئے۔ انہیں اپنے پہلوؤں پر حملے کی توقع نہیں تھی۔ مسلمان سواروں نے انہیں بکھیر دیا۔ عیسائی اب بھاگنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ بہت سی لاشیں اور بے اندازہ زخمی پیچھے پھینک کر پسپا ہو گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ ماہان نے مسلمانوں کو لڑتے بھی دیکھا اور جس تیزی سے مسلمان سواروں نے جبلہ کے دستوں پر حملہ کیا تھا، وہ بھی دیکھا اور وہ سمجھ گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا بہت مشکل ہے اور اس کے لیے مزید تیاری کی ضرورت ہے۔ ماہان نے حملے کے لیے کوئی اور دستہ نہ بھیجا۔

ماہان کو توقع تھی کہ مسلمان جوابی حملہ کریں گے لیکن نفری کی کمی مسلمانوں کی مجبوری تھی۔ وہ جوابی حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اُدھر جبلہ محتاط ہو گیا۔ دن گزرنے لگے۔ دونوں طرف کی فوجوں نے ایک دوسرے پر نظر رکھنے کے لیے اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔

یہ وقفہ مسلمانوں کے لیے فائدہ مند رہا۔ انہیں مدینہ سے چھ ہزار افراد کی کمک مل گئی۔ یہ چھ ہزار افراد یمنی تھے اور تازہ دم۔ ان سے مسلمانوں کے محاذ کو کچھ تقویت مل گئی۔

مسلمانوں کی فوج کی تفصیل اس طرح تھی کہ اس کی کل تعداد چالیس ہزار تھی۔ ان میں ایک ہزار رسولِ اکرمؐ کے صحابہ کرامؓ تھے۔ ان ایک ہزار میں ایک سو وہ مجاہدین بھی شامل تھے جو بدر کی لڑائی لڑے تھے۔ اس نفری میں رسولِ کریمؐ کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بھی شریک تھے، اور اس نفری میں پہلی جنگوں کی دو مشہور شخصیتیں بھی شامل تھیں — ابوسفیانؓ اور اُن کی بیوی ہند — ہند وہ خاتون تھیں جنہوں نے قبولِ اسلام سے پہلے غزوۂ اُحد میں حمزہؓ کی لاش کا کلیجہ نکلوا کر چبایا تھا۔ ابوسفیانؓ کے بیٹے یزیدؓ پہلے ہی چالیس ہزار کی اس فوج میں شامل تھے اور سالار تھے۔

***

ایک مہینہ گزر گیا تو دشمن نے دیکھا کہ اُس کا لشکر لڑنے کے لیے تیار ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی نفری میں بھی کوئی اضافہ نہیں ہُوا تو اُس نے مزید انتظار مناسب نہ سمجھا لیکن اُس نے ایک بار پھر صلح کی کوشش کو ضروری سمجھا۔ اُس نے اپنا ایک ایلچی مسلمانوں کے محاذ کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ سالارِ اعلیٰ بات چیت کے لیے آئیں۔

"ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے کہا — "کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ اب اس شخص کے ساتھ تُو بات کرے؟ وہ ہمیں اپنی طاقت سے ڈرا کر صلح کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے ہی جانا چاہیئے امین الامت!" — خالدؓ نے کہا — "اُس کے ساتھ میں ہی بات کروں گا۔"

خالدؓ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور ایڑ لگا دی۔ ماہان نظر نہیں آ رہا تھا۔ خالدؓ کے ساتھ چند ایک محافظ تھے۔ وہ رومیوں کے محاذ تک چلے گئے۔ ماہان نے اُن کا استقبال کیا اور انہیں اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے میں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ میدانِ جنگ ہے۔ یہ شاہانہ کمرہ تھا۔

"میں ماہان ہوں" — ماہان نے اپنا تعارف کرایا — "رومی افواج کا سالارِ اعلیٰ!"

"میں کچھ بھی نہیں ہُوں" — خالدؓ نے کہا — "میرا نام خالدؓ بن ولید ہے۔"

"تم سب کچھ ہو ابنِ ولیدؓ!" — ماہان نے کہا — "جہاں تک تم نہیں پہنچ سکے وہاں تک تمھارا نام پہنچ گیا ہے... میرا خیال ہے کہ تم جتنے قابل اور جرأت مند سالار ہو اتنے ہی دانشمند انسان بھی ہو گے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمھاری چالیس ہزار فوج میرے اس لشکر کے ہاتھوں ماری جائے جو بڑی دُور دُور تک پھیلی ہُوئی چٹانوں کی مانند ہے؟ دانشمند آدمی چٹانوں سے نہیں ٹکرایا کرتے۔"

"بہت اچھے الفاظ ہیں" — خالدؓ نے کہا — "میں ان الفاظ کی قدر کرتا ہوں لیکن ہم وہ دانشمند ہیں جو باطل کی چٹانوں سے ڈرا نہیں کرتے۔ تم نے مجھے یہاں تک آنے کا موقع اس لیے دیا ہے کہ میں تمھارے لشکر کو دیکھ کر ڈر جاؤں۔"

"ابنِ ولیدؓ!" — ماہان نے کہا — "کیا تجھے اپنے سپاہیوں کی بیویوں اور بچّوں کا بھی کوئی خیال نہیں جو تمھارے لشکر کے ساتھ ہیں؟ کیا تم نے سوچا نہیں کہ تم سب مارے گئے تو یہ بیویاں اور بچے ہماری ملکیّت ہوں گے؟"

"ماہان!" — خالدؓ نے مسکراتے ہوتے کہا — "ہم سب کچھ سوچ چکے ہیں... صلح نہیں ہو گی۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ابنِ ولیدؓ!" ماہان نے کہا ــــ "کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ رہے کہ میں تم پر رحم کر رہا ہوں؟... میں تمھیں تمھارے سارے لشکر کو اور تمھارے خلیفہ کو بھی اتنی رقم پیش کروں گا جو تم سب کو حیران کر دے گی"۔

"رحم کرنے والا صرف اللہ ہے جس کے قبضے میں میری اور تیری جان ہے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "ہم اُسی کی عبادت کرتے اور اُسی سے مدد اور رحم مانگتے ہیں۔ اگر تو نہیں چاہتا کہ کُشت و خون ہو تو اسلام قبول کرلے جو اللہ کا سچا دین ہے"۔

"نہیں" ــــ ماہان نے بڑے رعب سے جواب دیا۔

"اگر مجھے، میرے خلیفہ اور میرے لشکر کو انعام دینا ہے تو جزیہ ادا کر دے" ــــ خالدؓ نے کہا ــــ "لیکن جزیہ لے کر ہم چلے نہیں جائیں گے بلکہ تجھے اور ہرقل کی رعایا کی حفاظت، عزت اور ہر ضرورت کے ذمہ دار ہوں گے.... اگر یہ بھی منظور نہیں تو میدانِ جنگ میں ہماری تلواروں کی ملاقات ہو گی"۔

مؤرخ واقدی، بلاذری اور ابو یوسف نے لکھا ہے کہ خالدؓ ماہان پر اپنا بڑا اچھا تاثر چھوڑ آتے اور ماہان کا جو تاثر لے کر آئے وہ بھی اچھا تھا۔ اُس نے کوئی اوچھی بات نہ کی۔ خالدؓ نے واپس آکر ابوعبیدہؓ کو ایک تو یہ بتایا کہ ماہان کے ساتھ کیا بات ہوئی ہے، دوسرے یہ کہ ماہان کتنا اچھا اور کتنا باوقار سپہ سالار ہے۔

"پھر اُس میں ایک ہی خرابی ہے" ــــ ابوعبیدہؓ نے کہا ــــ "اُس کی عقل و دانش شیطان کے قبضے میں ہے"۔

خالدؓ ماہان کو آخری فیصلہ سنا آئے کہ صلح نہیں ہو گی۔

ابوعبیدہؓ نے اپنے تمام سالاروں کو اکٹھا کر کے بتایا کہ دشمن نے صلح کی پیش کش کی تھی جو ٹھکرا دی گئی ہے اور اب لڑائی ناگزیر ہو گئی ہے اور تمام مجاہدین کو یہ بھی بتا دیا جائے کہ رومیوں نے ہمیں اپنے لشکر اور اپنی جنگی طاقت سے ڈرایا ہے۔

مؤرخوں کے مطابق، خالدؓ اور ماہان کی بات چیت کی ناکامی کے بعد جب دونوں طرف کی فوجوں کو بتایا گیا کہ جنگ ہو کے رہے گی اور کل صبح سے فوجیں ایک دوسری کے آمنے سامنے آجائیں گی، اُس وقت سے دونوں فوجوں پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ رومی محاذ پر پادریوں نے لشکر کو صلیبیں دکھا کر مذہب کے نام پر گرمایا اور انہیں صلیب اور یسوع مسیح کے نام پر مر مٹنے کی تلقین کی۔ پادریوں کے الفاظ اور اُن کا انداز اتنا جوشیلا تھا کہ سپاہیوں نے صلیب کی طرف ہاتھ کر کے حلف اٹھائے کہ وہ فتح حاصل کریں گے ورنہ مر جائیں گے۔

مسلمانوں نے عبادت اور دعا کے لیے رات کا وقت مقرر کیا۔ انہیں گرمانے اور جوش دلانے کے لیے وعظ کی ضرورت نہیں تھی جس مقصد کے لیے وہ گھروں سے نکلے تھے اُس مقصد کی عظمت سے وہ آگاہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی جانیں اللہ کے سپرد کر دی تھیں۔

اُسی روز دونوں فوجوں نے صف بندی اور دستوں کو موزوں جگہوں پر پہنچانے کا کام شروع کر دیا۔ ماہان نے اپنے لشکر کو چار حصّوں میں تقسیم کیا اور انہیں آگے لا کر صف آرا کیا۔ اُس کے محاذ کی لمبائی بارہ میل تھی اور گہرائی اتنی زیادہ کہ صفوں کے پیچھے صفیں تھیں جو دور پیچھے تک چلی گئی تھیں۔

رومی افواج کو اس ترتیب سے کھڑا کیا گیا تھا کہ ایک پہلو پر سالار گریگری کے دستے تھے اور دوسرے پہلو پر سالار قناطیر کے دستے۔ قلب میں سالارِ اعلیٰ ماہان کی آرمینی فوج اور سالار دیرجان کے دستے تھے۔ گھوڑ سوار دستوں کو چار حصّوں میں تقسیم کیا گیا اور انہیں ایسی جگہوں پر کھڑا کیا گیا جہاں اُن کے سامنے مسلمانوں کے پیادہ دستے تھے۔ رومیوں کے پاس سوار دستے اتنے زیادہ تھے کہ انہوں نے سواروں کے پیچھے بھی سوار کھڑے کر دیئے تھے۔ سالار جبلہ بن الایہم کے گھوڑ سواروں اور شتر سواروں کو بارہ میل لمبے محاذ کے آگے کھڑا کیا گیا۔

ماہان نے ایک بندوبست اور کیا۔ گریگری کے دستے ایک پہلو پر تھے۔ ان میں تیس ہزار پیادے تھے۔ ان تمام پیادوں کو زنجیروں سے باندھ دیا گیا۔ ایک زنجیر میں دس دس آدمی باندھے گئے۔ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ ان سے بندھے ہوئے سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔ زنجیروں کا ایک مقصد یہ تھا کہ سپاہی بھاگ نہیں سکیں گے اور دوسرا مقصد یہ کہ مسلمان حملہ کریں گے تو ان زنجیروں سے اُلجھ جائیں گے، گریں گے اور صفیں توڑ کر آگے نہیں نکل سکیں گے۔

خالدؓ رومیوں کی صف بندی دیکھ رہے تھے۔ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے۔ اُن میں ایک قابل سالار کی ساری خصوصیات موجود تھیں لیکن میدانِ جنگ میں بڑی احتیاط سے قدم اُٹھاتے تھے اور خطرہ مول لینے سے کچھ گریز کرتے تھے۔ جنگِ یرموک میں اُنہوں نے سپہ سالاری کے فرائض خالدؓ کے حوالے کر دیئے تھے۔ یہ جنگ ایسی تھی جس میں خطرے مول لینے ہی تھے۔ دشمن کی اتنی زیادہ طاقت کے مقابلے میں روایتی طریقوں سے جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی۔ سپہ سالار ابوعبیدہؓ ہی تھے۔ اُنہوں نے یہ صورتِ حال خالدؓ کے سپرد کر دی تھی۔

خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا کہ وہ تمام سالاروں اور کمانداروں کو اکٹھا کریں۔ خالدؓ انہیں صف آرائی اور جنگ کے متعلق کچھ بتانا چاہتے تھے۔ چونکہ وہ سپہ سالار نہیں تھے اس لیے سالاروں پر ان کا حکم نہیں چل سکتا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے سب کو بلا لیا۔

خالدؓ نے انہیں بتایا کہ دشمن کی تعداد کو وہ دیکھ رہے ہیں اور اپنی تعداد بھی اُن کے سامنے ہے اس لیے یہ زندگی اور موت کی جنگ ہو گی۔ اس کے بعد خالدؓ نے مجاہدین کو اس طرح تقسیم کیا۔ چالیس ہزار تعداد میں کل دس ہزار گھوڑ سوار تھے۔ تیس ہزار پیادوں کو چھتیس حصّوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصے میں آٹھ سو سے نو سو پیادے آئے۔

گھوڑ سواروں کو اُنہوں نے دو دو سو کے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی کمان قیس بن ہبیرہ کو دی، دوسرے کی مسرہ بن مسروق کو اور تیسرے کی کمان عامر بن طفیل کو دی۔

مسلمانوں کے محاذ کی لمبائی گیارہ میل تھی، یعنی دشمن سے ایک میل کم۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی صف آرائی کی گہرائی تھی ہی نہیں۔ ایک پہلو پر یزیدؓ بن ابوسفیان کے اور دوسرے پہلو پر عمروؓ بن العاص کے دستے تھے۔ انہیں دو دو سو کا ایک ایک سوار دستہ بھی دیا گیا تھا۔

ابوعبیدہؓ قلب میں تھے۔ اُنہوں نے سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستوں کو اپنے ساتھ دائیں طرف رکھا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُن کے ساتھ سالار عکرمہؓ بن ابوجہل اور عبدالرحمٰن بن خالدؓ بھی تھے۔ چار ہزار گھوڑ سواروں کو خالدؓ نے اپنی کمان میں اگلی صفوں کے پیچھے رکھا تھا۔ انہیں ہر اُس جگہ پہنچنا تھا جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ ہونا تھا اور اِن سواروں نے گھوم پھر کر لڑنا تھا۔

اگلی صف کے پیادوں کو لمبی برچھیاں دی گئی تھیں جو نیزے کہلاتی تھیں۔ ان کی انیاں تین دھاری اور چار دھاری تھیں اور بہت تیز۔ ان پیادوں میں تیرانداز خاص طور پر رکھے گئے تھے۔ رومیوں کے حملے کو نیزوں اور تیروں کی بوچھاڑوں سے روکنا تھا۔ اس کے بعد تیغ زنوں نے اپنے جوہر دکھانے تھے۔

اُس دَور کے رواج کے مطابق بہت سے مجاہدین کے بیوی بچے اور بعض کی بہنیں اُن کے ساتھ تھیں۔ ان عورتوں اور بچوں کو فوج کے پیچھے رکھا گیا۔ ابوعبیدہؓ وہاں گئے۔

"قوم کی بیٹیو!" — ابوعبیدہؓ نے عورتوں سے کہا — "ہم تمہاری حفاظت کریں گے لیکن تمہیں ایک کام کرنا ہے۔ اپنے پاس پتھر جمع کر لو اور خیموں کے ڈنڈے اپنے ہاتھوں میں رکھو۔ اگر کوئی مسلمان بھاگ کر پیچھے آئے تو اُسے پتھر مارو۔ ڈنڈے اُس کے مُنہ پر مارو۔ بھاگنے والوں کی بیویوں اور بچوں کو اُن کے سامنے کھڑا کر دو۔"

عورتوں نے اُسی وقت خیموں سے ڈنڈے نکال لیے اور پتھر اکٹھے کرنے لگیں۔

۞

صف بندی ہو چکی تو ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دوسرے سالار ایک سرے سے دوسرے سرے تک گئے۔ وہ مجاہدین کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ ہنستے اور مُسکراتے تھے اور کہیں رک جاتے تو خالدؓ چند الفاظ کہہ کر اُن کے جذبوں کو سہارا دیتے تھے۔ اُن کے الفاظ کچھ اس قسم کے تھے کہ اللہ کی طرف سے بڑے سخت امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اللہ کی مدد اُسی کو حاصل ہوتی ہے جو اُس کی راہ پر ثابت قدم رہتا ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں عزت اور تکریم اُنہیں ملتی ہے جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہوتی ہے اور وہ کفر کی تیز دھار تلوار کا مقابلہ بے خوف ہو کر کرتے ہیں۔

مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ یہ سالار ایک دستے کے سامنے سے گزرے تو ایک مجاہد نے کہا — "رومی کتنے زیادہ اور ہم کتنے تھوڑے ہیں۔"

خالدؓ نے گھوڑا روک لیا۔

"میرے رفیق!" — خالدؓ نے بڑی بلند آواز میں کہا — "کہو رومی کتنے تھوڑے اور ہم کتنے زیادہ ہیں۔ طاقت تعداد کی نہیں ہوتی، طاقت اللہ کی مدد سے بنتی ہے۔ تعداد رومیوں کے پاس ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ جس کا ساتھ چھوڑ دے وہ بہت کمزور ہو جاتا ہے۔"

زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سالار اور کماندار جب اپنی فوج میں گھوم پھر رہے تھے تو یہ آیت بہ آوازِ بلند پڑھتے جاتے تھے:

"کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے چاہنے سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے۔" (قرآنِ حکیم ۲/۲۴۹)

وہ اگست ۶۳۶ء کے تیسرے، رجب ۱۵ ہجری کے دوسرے ہفتے کی ایک رات تھی۔

مجاہدین تمام رات عبادتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں مصروف رہے۔ اللہ کے سوا کون تھا جو اُن کی مدد کو پہنچتا۔ اکثر مجاہدین سورۃ انفال کی تلاوت کرتے رہے۔

رومی محاذ بھی شب بھر بیدار رہا۔ وہاں پادریوں نے سپاہیوں کو عبادت اور دعاؤں میں مصروف رکھا۔ دونوں طرف مشعلیں بھی جلتی رہیں اور جگہ جگہ لکڑیوں کے ڈھیر جلتے رہے تاکہ رات کو دشمن حملہ کرنے آئے تو آتا نظر آ جائے۔ دونوں فوجوں پر ہیجان اور کھچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔

۞

مسلمانوں کے محاذ سے صبح کی اذان کی آواز اٹھی۔ مجاہدین نے وضو اور زیادہ تر نے تیمم کر کے باجماعت نماز پڑھی اور اپنی جگہوں پر چلے گئے۔ جنگ شروع ہونے والی تھی جس کا شمار تاریخ کی بہت بڑی جنگوں میں ہوتا ہے۔

سورج افق سے اٹھا تو اُس نے زمین پر بڑا ہی ہیبت ناک منظر دیکھا۔ چالیس ہزار کی فوج ڈیڑھ لاکھ نفری کی فوج کے مقابلے میں کھڑی تھی۔ شان تو ہرقل کے لشکر کی تھی۔ اُس کے جھنڈے لہرا رہے تھے اور بہت سی صلیبیں اُوپر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ اس میں ذرا سے شک کی بھی گنجائش نہیں تھی کہ یہ لشکر اپنے سامنے کھڑی اس چھوٹی سی فوج کو نیست و نابود کر دے گا۔

جرجہ رومی فوج کا ایک سالار تھا جو انفرادی مقابلوں میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کے حکم سے وہ آگے بڑھا۔

"کیا خالدؓ بن ولید میں اتنی ہمت ہے کہ میری تلوار کے سامنے آ سکے؟" — جرجہ نے للکار کر کہا۔

"میں ہوں رومیوں کا قاتل!" — خالدؓ للکارتے ہوئے آگے بڑھے — "میں ہوں خالدؓ بن ولید!"

خالدؓ دونوں فوجوں کے درمیان جا کر رک گئے۔ انہوں نے تلوار نکال لی تھی لیکن جرجہ نے تلوار نہ نکالی۔ وہ گھوڑے پر سوار آ رہا تھا۔ خالدؓ بن ولید اپنے گھوڑے کو اُس کے گھوڑے کے اتنا قریب لے گئے کہ دونوں گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ جرجہ نے پھر بھی تلوار نہ نکالی۔

طبری، واقدی، ہنری سمتھ اور ابویوسف نے یہ واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اتنی قریب ہو کر بھی جرجہ نے تلوار نہ نکالی۔

"ابن ولیدؓ!" — جرجہ نے کہا — "جھوٹ نہ بولنا کہ جنگجو جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ دھوکہ بھی نہ دینا کہ اعلیٰ نسل کے لوگ دھوکہ نہیں دیا کرتے۔"

"پوچھ اے دشمن اسلام!" — خالدؓ نے کہا — "جنگجو جھوٹ نہیں بولے گا، دھوکہ نہیں دے گا۔ پوچھ کیا پوچھنا ہے۔"

"کیا میں اسے سچ سمجھوں کہ تیرے رسولؐ کو خدا نے آسمان سے تلوار بھیجی تھی؟" — جرجہ نے پوچھا — "اور یہ تلوار تیرے رسولؐ نے تجھے دے دی تھی؟ اور جب تیرے ہاتھ میں یہ تلوار ہوتی ہے تو دشمن شکست کھا کر بھاگ جاتا ہے؟"

"یہ سچ نہیں" — خالدؓ نے کہا۔

"پھر تُو سیف اللہ کیوں کہلاتا ہے؟" — جرجہ نے پوچھا — "پھر تُو اللہ کی شمشیر کیوں بنا؟"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"سچ یہ ہے اے دشمنِ اسلام!" ——— خالدؓ نے کہا ——— "رسول اللہؐ نے میری تیغ زنی کے جوہر دیکھے تھے تو آپؐ نے بیساختہ کہا، تو اللہ کی تلوار ہے، آپؐ نے مجھے اپنی تلوار انعام کے طور پر دی تھی۔ اب نکال اپنی تلوار اور تُو بھی اس کا ذائقہ چکھ لے۔"

"اگر میں تلوار نہ نکالوں تو؟"

"پھر کہو، لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ——— خالدؓ نے کہا ——— "تسلیم کر کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں"

"میں ایسا کہنے سے انکار کر دوں تو تُو کیا کرے گا؟"

"پھر تجھ سے جزیہ مانگوں گا" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اور تجھے اپنی حفاظت میں رکھوں گا۔"

"اگر میں جزیہ دینے سے انکار کر دوں؟"

"پھر نکال اپنی تلوار!" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اور پہلا وار کر لے کہ تجھے افسوس نہ رہے کہ وار کرنے کا تجھے موقع نہیں مِلا تھا۔"

جرجہ کچھ دیر خاموش رہا اور خالدؓ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"اگر کوئی آج اسلام قبول کرے تو اُس کو کیا درجہ دو گے؟" ——— جرجہ نے پوچھا۔

"وہی درجہ جو ہر مسلمان کا ہے" ——— خالدؓ نے کہا ——— "اسلام میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں۔"

"میں تیرے مذہب میں آنا چاہتا ہوں" ——— جرجہ نے کہا ——— "میں اسلام قبول کرتا ہوں۔"

خالدؓ کے چہرے پر حیرت کا بڑا گہرا اثر آگیا۔

"کیا تُو اپنے ہوش و حواس میں ہے اے رومی سالار؟" ——— خالدؓ نے پوچھا۔

"ہاں ابن ولیدؓ!" ——— جرجہ نے جواب دیا ——— "مجھے اپنے ساتھ لے چل۔"

خالدؓ نے اپنا گھوڑا موڑا۔ جرجہ نے اپنا گھوڑا خالدؓ کے پہلو میں کر لیا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں آگیا۔ خالدؓ نے اسے کلمہ پڑھایا اور وہ مسلمانوں کے محاذ میں شامل ہو گیا۔

مسلمانوں نے تکبیر کے نعرے بلند کیے اور رومی لشکر نے بڑی بلند آواز سے جرجہ پر لعن طعن کی لیکن جرجہ پر کچھ اثر نہ ہُوا۔

بڑی ہی خونریز جنگ شروع ہونے والی تھی اور جرجہ اپنے ہی لشکر کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔

اگست ۶۳۶ء مسلمانوں کے بڑے ہی سخت امتحان کا مہینہ تھا۔ رومیوں کا ایک سالار اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے پاس آ گیا تھا۔ مسلمانوں نے خوشی کے نعرے تو بہت لگائے تھے لیکن انہیں احساس تھا کہ دشمن کے ایک سالار کے اِدھر آجانے سے رومیوں کے اتنے بڑے لشکر میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا نہیں ہو گی اور دشمن کے لڑنے کے جذبے میں بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔

مسلمانوں کو اتنے بڑے اور ایسے منظم لشکر کا سامنا پہلی بار ہُوا تھا۔ اسلام کے لیے یہ بڑا ہی خطرناک چیلنج تھا جو اسلام کے شیدائیوں نے قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ایک خودکُش جنگ کے لیے تیار ہو گئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔ انہیں ابوعبیدہؓ نے تو یہ کہا تھا کہ خیموں کے ڈنڈے نکال لیں اور پتھر اکٹھے کر لیں اور جو مسلمان بھاگ کر پیچھے آئے اُس پر پتھر برسائیں اور اُس کے منہ پر ڈنڈے ماریں لیکن عورتوں نے اپنے آپ کو جنگ میں کود پڑنے کے لیے بھی تیار کر لیا تھا۔ دونوں فوجوں کی نفری اُن کے سامنے تھی۔

وہاں تو ہر مسلمان عورت میں اپنے مردوں جیسا جذبہ تھا لیکن اُن میں چند ایک عورتیں غیرمعمولی جذبے والی تھیں۔ اِن میں ایک خاتون ہُند اور دوسری خولہ بنت الازور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہُند کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ وہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے جنگِ اُحد میں اُنہوں نے اپنے قبیلے کا حوصلہ بڑھانے کے لیے میدانِ جنگ میں گیت گائے تھے۔ یہ گیت رزمیہ نہیں تھے اور یہ باقاعدہ جنگی ترانے بھی نہیں تھے۔ ان گیتوں میں اپنے آدمیوں کی مردانگی کو اُبھارا گیا تھا اور کچھ اس قسم کے الفاظ تھے کہ تم ہار گئے تو تمہاری بیویاں تمہیں اپنے جسموں کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیں گی۔

ہُند کا چچا اس لڑائی میں حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا تو ہُند نے مشہور برچھی باز وحشی کو حمزہؓ کے قتل کے لیے کہا اور اُسے انعام پیش کیا تھا۔

وحشی کی پھینکی ہُوئی برچھی کبھی خطا نہیں گئی تھی۔ اُس نے میدانِ جنگ میں حمزہؓ کو ڈھونڈ نکالا اور تاک کر برچھی ماری۔ برچھی حمزہؓ کے پیٹ میں اُتر گئی اور وہ شہید ہو گئے۔ ہُند دوڑی گئی اور وحشی سے کہا کہ حمزہؓ کی لاش کا پیٹ چاک کرو۔ وحشی نے حکم کی تعمیل کی تو ہُند نے حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر منہ میں ڈالا اور چبا کر پھینک دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اُبوسفیان اور ہُند نے اسلام قبول کر لیا اور اب اس عورت کا وہی جوش و خروش اور جذبہ اسلام کی سربلندی کی خاطر لڑی جانے والی جنگوں میں کام آرہا تھا۔ اُن کا بیٹا یزید بن ابوسفیانؓ اسلامی لشکر میں سالار تھا۔

دوسری نامور خاتون خولہ بنت الازور تھیں جو ضرارؓ بن الازور کی بہن تھیں۔ ضرارؓ کا پہلے ذکر آچکا ہے وہ خود، زرہ اور قمیض اتار کر لڑا کرتے تھے۔ اس غیرمعمولی دلیری کی وجہ سے ضرارؓ رومیوں میں ننگا ہو کر قہر اور غضب سے لڑنے والے کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ دو سال پہلے ضرارؓ ایک معرکے میں رومیوں کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

صفوں میں اتنی دُور چلے گئے کہ بہت سے رومیوں نے انہیں گھیر لیا اور زندہ پکڑ لیا تھا۔ ضرارؓ رومیوں کے لیے بہت اہم شکار تھے۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی انہیں زندہ چھوڑ دیں گے۔

اور یہ بھی کوئی نہیں سوچ سکتا تھا کہ ضرارؓ کی بہن خولہ انھیں چھڑا لائیں گی۔ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ ایک معرکے میں خولہ چہرے پر نقاب اور سر پر سبز عمامہ رکھ کر رومیوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ وہ خالدؓ کے قریب سے گزر کر آگے گئی تھیں۔ خالدؓ انہیں اپنا کوئی مجاہد سمجھتے رہے تھے۔ اُنہوں نے آخر انہیں اپنے پاس بلایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ کوئی آدمی نہیں بلکہ عورت ہے اور ضرارؓ بن الازور کی بہن ہے۔

یہ اطلاع مل گئی کہ رومی ضرارؓ کو پابجولاں کر کے فلاں طرف لے جا رہے ہیں۔ رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ رافعؓ بن عمیرہ کو ایک سو سوار دے کر خالدؓ نے ضرارؓ کو چھڑا لانے کو بھیجا تو خولہ بھی پیچھے پیچھے چلی گئی تھیں۔ خالدؓ کو اُن کے جانے کا علم نہیں تھا جب وہ رافعؓ بن عمیرہ کے سواروں سے جا ملیں تو رافعؓ نے بھی انہیں روکا تھا لیکن خولہ نہیں رُکی تھیں۔ اُنہوں نے اپنے بھائی کو آزاد کرانے کے لیے رومیوں پر حملے پہ حملہ کیا تو مردوں کو حیران کر دیا تھا۔ اس طرح جان کی بازی لگا کر ضرارؓ کو رومیوں سے چھڑا لیا تھا اور اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ اُن کے وہ الفاظ جو انہوں نے ضرارؓ کو گلے لگا کر کہے تھے، تاریخ میں محفوظ ہیں ـــ "میرے عزیز بھائی! میرے دل کی تپش دیکھ۔ کس طرح تیرے فراق میں جل رہا ہے۔"

اب جب کہ رومی بلند و بالا پہاڑ کی مانند سامنے کھڑے تھے تو ہندہ اور خولہ اور دوسری تمام مسلمان عورتیں صرف بیویوں اور بہنوں کی حیثیت سے بیٹھی نہیں رہ سکتی تھیں نہ وہ اپنے فرض کو دعاؤں تک محدود رکھ سکتی تھیں۔ ہندہ اور خولہ عورتوں کے کیمپ میں مردانہ چال چلتی گھوم پھر رہی تھیں۔ وہ عورتوں کو لڑائی کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ اُنہوں نے یہاں تک فیصلہ کر لیا تھا کہ بچوں والی عورتیں بچوں کو پیچھے پھینک کر آگے چلی جائیں گی۔

kutubistan.blogspot.com

رومی سالار جرجہ نے خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ ہی انفرادی مقابلے پھر شروع ہو گئے۔ رومی اپنے سالار جرجہ کی کمی کی خفت یوں مٹانے لگے کہ وہ اپنے چُنے ہوئے سالاروں کو انفرادی مقابلوں کے لیے اُتار نے جا رہے تھے۔ عموماً تین چار مقابلے ہُوا کرتے تھے لیکن مقابلوں کو ختم ہی نہیں ہونے دے رہے تھے۔ اِدھر سے کوئی سالار، نائب سالار یا کماندار سامنے آ کر رومیوں کو للکارتا تو رومی اپنے کسی نامی گرامی تیغ زن یا پہلوان کو آگے کر دیتے۔ تقریباً ہر مقابلے میں رومی مارا گیا یا بھاگ گیا۔

خلیفہ اوّل ابوبکرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ مقابلے کے لیے سامنے آئے۔

"میں ہوں رسول اللہ ؐ کے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ کا بیٹا!" ـــ عبدالرحمٰنؓ نے دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑا ایک چکر میں دوڑاتے ہوئے للکار کر کہا ـــ "رومیو! میری حیثیت کا کوئی سالار آگے بھیجو۔"

تاریخ میں اُس رومی سالار کا نام نہیں ملتا جو اُن کے مقابلے میں آیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، بڑی جلدی کٹ کر گرا۔

"کیا اتنے بڑے لشکر میں میرے پائے کا کوئی سالار نہیں؟" ـــ عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ نے

رومیوں کو للکارا۔

رومیوں کی صفوں سے کالے رنگ کا ایک گھوڑا نکلا جس کا قد اونچا نہیں تھا، سر سے دُم تک لمبائی عام گھوڑوں سے زیادہ تھی۔ اُس کا چمکتا ہُوا جسم گٹھا ہُوا اور غیر معمولی طور پر موٹا تازہ تھا گھوڑا دوڑتا تو زمین ہلتی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اپنے سوار کے قابو میں تھا لیکن اُس کی چال اور مستی ایسی تھی جیسے اپنے سوار کے قابو میں نہ ہو۔ اُس کا سوار گورے رنگ کا تھا اور اپنے گھوڑے کی طرح فربہ جسم کا تھا۔ وہ پہلوان لگتا تھا۔

"اے بدقسمت جوان!" ـــ رومی سالار نے للکار کر کہا ـــ "کیا تُو روم کے بیٹے اَلیور کی برچھی کے سامنے کچھ دیر اپنے گھوڑے پر بیٹھا نظر آتا رہے گا؟"

"خدا کی قسم!" ـــ عبدالرحمٰنؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر کہا ـــ "روم والے ابھی وہ برچھی نہیں بنا سکے جو ابن ابی بکرؓ کو گھوڑے سے گرا سکے۔"

اَلیور کی برچھی کالے گھوڑے کی رفتار سے عبدالرحمٰنؓ کی طرف آ رہی تھی۔ عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ گھوڑے ایک دوسرے کے قریب آئے تو اَلیور نے رکابوں میں کھڑے ہو کر عبدالرحمٰنؓ کو برچھی ماری لیکن عبدالرحمٰنؓ نے اپنے گھوڑے کو ذرا ایک طرف کر دیا اور خود پہلو کی طرف اتنا جھک گئے کہ رومی سالار کی برچھی کا وار خالی گیا۔

عبدالرحمٰنؓ نے وہیں سے گھوڑا موڑا اور بڑی تیزی سے اَلیور کے پیچھے گئے۔ اَلیور ابھی گھوڑے کو موڑ رہا تھا۔ عبدالرحمٰنؓ کی تلوار اُس کی اُس کلائی پر پڑی جس ہاتھ میں اُس نے برچھی پکڑ رکھی تھی۔ ہاتھ صاف کٹ کر بازو سے الگ ہو گیا۔ برچھی اُس ہاتھ سمیت جس نے اُسے پکڑ رکھا تھا، زمین پر جا پڑی۔ یہ زخم معمولی نہیں تھا۔ اَلیور بلبلا اٹھا۔ عبدالرحمٰنؓ کا گھوڑا اُس کے اِردگرد دوڑ رہا تھا۔ اَلیور نے کٹے ہُوئے ہاتھ والا بازو اُوپر اٹھایا۔ وہ اس ٹنڈ منڈ بازو سے ابل ابل کر بہتے ہوئے خُون کو دیکھ رہا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ کی تلوار اُس کی بغل میں گہری اُتر گئی۔ اَلیور نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رُخ اپنے لشکر کی طرف کر لیا۔ وہ اپنے لشکر تک نہ پہنچ سکا۔ راستے میں ہی گر پڑا۔ اُس کا کالا گھوڑا اپنے لشکر تک پہنچ گیا۔

عبدالرحمٰنؓ نے ایک بار پھر رومیوں کو للکارا لیکن خالدؓ نے انہیں پیچھے بلا لیا۔ ضروری نہیں تھا کہ عبدالرحمٰنؓ ہر مقابلہ جیت جاتے۔ یکے بعد دیگرے چھ سات مسلمان سالار انفرادی مقابلوں کے لیے گئے اور ان کے مقابلے میں اُترنے والے رومی مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر بھاگ گئے۔

عبدالرحمٰنؓ ایک بار پھر بغیر کسی کی اجازت کے آگے چلے گئے اور رومیوں کو للکارا۔ ایک رومی سالار اُن کے مقابلے میں آیا اور واپس نہ جا سکا۔ یہ تیسرا رومی سالار تھا جو عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح عبدالرحمٰنؓ نے تین رومی سالاروں کو مار ڈالا۔ خالدؓ نے انہیں سختی سے کہا کہ اب وہ آگے نہ جائیں۔

"اب کوئی آگے نہیں جائے گا" ـــ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے حکم دیا اور اپنے ساتھ کے سالاروں سے کہا ـــ "اگر یہ مقابلے جاری رہے تو ہمارے پاس کام کا کوئی ایک بھی سالار نہیں رہ جائے گا۔ کیا

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہمیں اعتراف نہیں کرلینا چاہیئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا سالار یا کوئی اور آدمی نہیں جو دُو بدو مقابلے میں مسلمانوں کو شکست دے سکے؟ اگر ہم اپنے سالاروں کو اسی طرح مرواتے چلے گئے تو اپنے لشکر پر اس کا بہت بُرا اثر پڑے گا۔"

"بہت بُرا اثر پڑ رہا ہے" — ایک تجربہ کار سالار نے کہا — "میدان میں دیکھیں۔ صرف ہمارے سالاروں اور کمانداروں کی لاشیں پڑی ہیں اور مسلمان ہمیں طعنے دے رہے ہیں۔ ہم اتنا لشکر کیوں لائے ہیں؟ اِن چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے کچل دیں گے۔ ان کی لاشیں پہچانی نہیں جائیں گی۔"

"ہمیں پورے لشکر سے ایک ہی بار حملہ کر دینا چاہیئے" — قلب کے ایک سالار نے کہا۔

"نہیں" — ماہان نے کہا — "مسلمانوں سے اتنی بار شکست کھا کر بھی تم مسلمانوں کو نہیں سمجھے۔ مسلمانوں کی نفری جتنی کم ہوتی ہے یہ اتنے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ میں پہلا حملہ ذرا کم نفری سے کروں گا اور دیکھوں گا کہ یہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔"

آدھا دن گزر گیا تھا۔ سورج سر پر آ گیا تھا۔ اگست کی گرمی اور حبس کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ ماہان نے اتنی ہی نفری حملے کے لیے آگے بڑھائی جتنی مسلمانوں کی تھی۔ یہ اُس کے اپنے لشکر کی نفری کا چوتھا حصّہ تھا، یعنی تقریباً چالیس ہزار۔ یہ تمام نفری پیادوں کی تھی۔ جب یہ نفری رومیوں کی دفوں کی تال پر آگے بڑھی تو لگتا تھا جیسے طوفانی سمندر کی موجیں پہلو بہ پہلو بپھری ہُوئی، غرّاتی ہُوئی، اپنے ساتھ ہی سب کچھ بہا لے جانے کو آ رہی ہوں۔

"اِسلام کے پاسبانو!" — کسی مجاہد کی گرجدار للکار بلند ہُوئی — "آج کا دن تمہارے امتحان کا دن ہے۔ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

مسلمانوں کی صفوں سے تکبیر کے نعرے گرجے۔ اگلی صف میں جو لمبی برچھیوں والے تھے اور جو تیر انداز تھے وہ تیار ہو گئے۔ ایک ایک تیر کمانوں میں چلا گیا۔ برچھیاں تن گئیں۔ ہر مجاہد کی زبان پر اللہ کا نام تھا۔ بعض کسی نہ کسی آیت کا وِرد کر رہے تھے۔

رومی پیادوں کا سیلاب قریب آیا تو اسلام کے نیزہ بازوں نے بڑھ بڑھ کر برچھیوں کے وار شروع کر دیئے۔ آگے والے رومی گرتے تھے تو پیچھے والے انہیں روندتے ہوئے آگے بڑھتے۔ نیزہ بازوں کا کام کچھ تو تیر اندازوں نے آسان کر دیا تھا۔ رومی ابھی برچھیوں کی زد سے دُور ہی تھے کہ اُن پر تیر اندازوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا تھا۔ رومیوں نے تیروں کو ڈھالوں پر لینے کی کوشش کی تھی پھر بھی کئی رومی تیروں کا شکار ہو گئے۔ اس سے رومیوں کی پیش قدمی کی رفتار سُست ہو گئی۔ آگے آئے تو مسلمانوں کی برچھیوں نے انہیں چھلنی کرنا شروع کر دیا لیکن ان رومیوں کا حملہ مسلمانوں کے سارے محاذ پر نہیں بلکہ گیارہ میل لمبے محاذ کے تھوڑے سے حصے پر تھا۔

اتنے تھوڑے حصے پر اتنی زیادہ نفری کا حملہ روکنا آسان نہیں تھا۔ رومی پیادے بڑھے آ رہے تھے، حالانکہ اُن کا نقصان خاصا زیادہ ہو رہا تھا۔ مسلمان تیر اندازوں اور نیزہ بازوں نے جب دیکھا کہ رومی سر پر آ گئے ہیں تو انہوں نے تلواریں نکال لیں اور معرکے کی خونریزی میں اضافہ ہو گیا۔

ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے دماغ حاضر اور حوصلے قائم رکھے۔ صورتِ حال ایسی ہو گئی تھی کہ محاذ کے جس حصّے پر اتنا زوردار حملہ ہُوا تھا اُسے کمک سے مزید مضبوط کیا جاتا لیکن خالدؓ اس سے بھی زیادہ خطرے مول لینے والے سالار تھے۔ اُنہوں نے محاذ کے کسی اور حصے کو کمزور کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجاہدین کو معلوم تھا کہ وہ کتنے کچھ ہیں اور اُن کے پاس کیا ہے۔ انہی حالات میں لڑنا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جنگ فیصلہ کُن ہو گی۔ چنانچہ اُنہوں نے کمک اور مدد کی امید دل سے نکال پھینکی تھی۔ مدد کے لیے وہ صرف اللہ کو پکارتے تھے۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ رومی سالار احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان دیکھ رہا تھا کہ اُس کے حملہ آور پیادے کٹ رہے ہیں اور وہ مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا جس مقصد کے لیے اُس نے حملہ کرایا تھا، پھر بھی اُس نے اپنے حملہ آور پیادوں کو پیادہ یا سوار دستے کی کمک نہ دی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ ماہان کو یہ توقع تھی کہ مسلمان اس حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے پورے محاذ کو درہم برہم کر دیں گے لیکن اُس کی یہ توقع پوری نہیں ہو رہی تھی۔

کمک نہ ملنے کا اور اپنے اتنے زیادہ نقصان کا اثر رومی حملہ آور پیادوں پر بہت بُرا ہُوا۔ قریب تھا کہ وہ خود ہی پیچھے ہٹ جاتے کہ ان کے سالار نے انہیں پیچھے ہٹا لیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہ منظر جذباتی سا تھا جب مجاہدین جو اپنی جگہ سے آگے چلے گئے تھے، واپس آئے۔ اُن کی عورتیں اُن کی طرف دوڑ پڑیں۔ وہ اپنے خاوندوں کو پکار رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے مردوں کو گلے لگایا اور جو زخمی تھے اُن کی باقاعدہ مرہم پٹی کرنے سے پہلے اپنی اوڑھنیاں پھاڑ پھاڑ کر اُن کے زخم صاف کیے اور ان پر اوڑھنیوں کی پٹیاں باندھ دیں۔

عورتیں پانی کے مشکیزے اٹھائے میدانِ جنگ میں پھیل گئیں۔ وہ اُن زخمیوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھیں جو اپنے سہارے اٹھ کر چلنے کے قابل نہیں تھے۔ عورتوں کے انداز میں والہانہ پن اور دیوانگی سی تھی۔ وہ شدید زخمی ہونے والوں کو پانی پلاتیں، اُن کے زخموں پر اپنے کپڑے پھاڑ کر پٹیاں باندھتیں اور انہیں اٹھا کر اپنے سہارے پیچھے لا رہی تھیں۔

شام گہری ہو گئی تو میدانِ جنگ میں مشعلیں نظر آنے لگیں۔ عورتوں کے ساتھ مجاہدین بھی اپنے شدید زخمی اور شہید ساتھیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُن کے حوصلے بلند تھے۔ انہوں نے بڑا ہی شدید حملہ بیکار کر دیا تھا۔ میدانِ جنگ میں رومیوں کی لاشیں دیکھ کر اُن کے حوصلے اور جذبے کو مزید تقویت ملی۔ مسلمانوں کے مقابلے میں رومیوں کا نقصان بہت زیادہ تھا۔

بہت سے رومی ایک گروہ یا جیش کی صورت میں مشعلیں اٹھائے آگے آئے۔ وہ اپنے زخمیوں کو اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو اٹھانے آتے تھے۔ وہ ایسی ترتیب اور ایسے انداز سے چلے آ رہے تھے جیسے حملہ کرنے آ رہے ہوں۔ مسلمان جو اپنے زخمیوں کو اٹھا رہے تھے، تلواریں نکال کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اچھا خاصا معرکہ ہُوا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ہم اپنے زخمیوں کو اٹھانے آئے ہیں" ـــــ رومیوں کی طرف سے آواز بلند ہوئی۔

"تم زخمی ہو کر ہی اپنے زخمیوں کو اٹھا سکو گے" ـــــ مجاہدین کی طرف سے جواب گرجا۔

دو تین جگہوں پر اسی طرح کی جھڑپیں ہوئیں اور رات گزرتی رہی۔ اُس وقت رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

"اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو" ـــــ وہ کہہ رہا تھا ـــــ "ہم اپنے حملے میں بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمارے سپاہیوں نے اپنے اوپر مسلمانوں کا خوف طاری کر رکھا ہے" ـــــ ایک سالار نے کہا۔

"نہیں" ـــــ ماہان نے کہا ـــــ "ہماری صفوں میں اتحاد نہیں۔ مسلمان ایک ہیں۔ وہ بھی مختلف قبیلوں کے ہیں لیکن وہ سب اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے رشتے کا پابند کر لیا ہے۔ اس عقیدے نے انہیں یک جان کر دیا ہے۔ ہم میں یہ اتحاد نہیں۔ کئی ایک علاقوں اور کئی ایک قبیلوں کے لوگ ہمارے ساتھ آملے ہیں لیکن ہمارے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جو ہم سب کو متحد کر سکے۔"

"ایک رات میں اتحاد پیدا نہیں کیا جا سکتا سالارِ اعلیٰ!" ـــــ ایک پرانے سالار نے کہا ـــــ "ہمارے درمیان اتحاد نہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ ہمیں انہی حالات میں لڑنا ہے۔"

"ہاں!" ـــــ ماہان نے کہا ـــــ "ہمیں انہی حالات میں لڑنا ہے۔ میں مایوس نہیں۔ ہمیں کوئی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا.... کل صبح ہم اُس وقت مسلمانوں پر حملہ کریں گے جب وہ حملہ روکنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اور یہ اُن کی عبادت کا وقت ہو گا۔"

تقریباً اُن تمام مؤرخوں نے جنہوں نے جنگِ یرموک کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ماہان کا اگلی صبح کے حملے کا پلان اس طرح لکھا ہے کہ مسلمانوں کے قلب پر حملہ کیا جاتے گا جو دھوکہ ہو گا۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ قلب یعنی مسلمانوں کے درمیانی دستوں کو جن میں مرکزی کمان بھی تھی، لڑائی میں اُلجھا کر وہیں روک کر رکھا جائے گا۔ اس سے فائدہ یہ اُٹھایا جائے گا کہ مسلمانوں کا مرکز اپنے دائیں بائیں کی طرف توجہ نہ دے سکے۔

ماہان کے پلان کے مطابق اصل حملہ مسلمانوں کے پہلوؤں پر کرنا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ پہلوؤں کے دستوں کو بکھیر کر ختم کیا جائے اور اگر مسلمان مقابلے میں جم جائیں تو اُن پر ایسا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اپنے قلب کی طرف اکٹھے ہو جائیں۔ اس صورت میں ان پر پہلوؤں اور عقب سے حملہ کیا جائے۔

پلان بڑا خطرناک تھا۔ رومیوں کی نفری اتنی زیادہ تھی کہ اس کے بل بوتے پر اپنے پلان کو کامیاب کر سکتے تھے۔

"جاؤ اور اپنے دستوں کو صبح کے حملے کے لیے تیار کرو" ـــــ ماہان نے کہا ـــــ "لیکن تیاری ایسی خاموشی سے ہو کہ پتہ نہ چلے۔ مسلمانوں کے جاسوس ہمارے اردگرد موجود رہتے ہیں۔"

رات کو ہی ماہان نے اپنا خیمہ اکھڑوایا اور ایک چٹان کی سب سے اونچی چوٹی پر لے جا نصب کرایا۔ وہاں سے تمام تر محاذ کو وہ دیکھ سکتا تھا۔ اُس نے تیز رفتار گھوڑوں والے قاصد اپنے ساتھ رکھ لیے اور اپنا حفاظتی دستہ بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ دستے کی نفری دو ہزار تھی۔

دونوں طرف کی فوجوں کے درمیان ڈیڑھ ایک میل کا فاصلہ تھا۔ خالدؓ نے حسبِ معمول دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے اور اطلاع دینے کے لیے اپنے آدمی آگے بھیج رکھے تھے لیکن دشمن کے محاذ کی صورت ایسی تھی کہ قریب جا کر کچھ دیکھنا ممکن نہ تھا۔ اپنے آدمی بلندیوں سے دیکھتے رہتے تھے۔

مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ آگے گیا ہوا ایک آدمی دوڑتا آیا اور خالدؓ کو بتایا کہ رومی تیار ہو کر ترتیب میں آ رہے ہیں۔

"ترتیب کیسی ہے؟" ـــــ خالدؓ نے پوچھا۔

"ترتیب حملے کی معلوم ہوتی ہے" ـــــ جاسوس نے جواب دیا ـــــ "پہلے دف بجے تھے پھر اُن کے دستے بڑی تیزی سے ترتیب میں آ گئے۔ سوار گھوڑوں پر سوار ہو چکے ہیں۔"

"ہو نہیں سکتا کہ رومی کہیں اور جا رہے ہوں" ـــــ خالدؓ نے کہا ـــــ "وہ حملے کے لیے آ رہے ہیں۔"

خالدؓ کچھ پریشان بھی ہوئے لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے نہیں تھے۔ تیاری کا وقت نہیں تھا۔ اگر رومی تیار تھے تو انہوں نے مسلمانوں کو اس حالت میں آدبوچنا تھا جب وہ تیاری کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے تمام سالاروں کو اطلاع بھجوا دی کہ دشمن کا حملہ آ رہا ہے۔

مسلمان جب تیار ہو رہے تھے اُس وقت رومی لشکر اپنے محاذ سے چل پڑا تھا۔ اس کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رومی سالاروں کو توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو بے خبری میں جا لیں گے لیکن وہ جب قریب آئے تو مسلمان تیار تھے۔ وہ خلافِ توقع اتنی جلدی تیار ہو گئے تھے۔ خالدؓ نے انہیں لمبا چوڑا حکم نہیں بھیجا تھا نہ کوئی ہدایت جاری کی تھی، صرف اتنا پیغام دیا تھا کہ دشمن کا حملہ آ رہا ہے، اپنے اپنے محاذ پر تیار رہو۔

صبح کا اجالا سفید ہو رہا تھا۔ رومی سیلاب کی طرح بڑھے آ رہے تھے۔ اُن کا رُخ مسلمانوں کے قلب کی طرف تھا۔ اُن کے بہت سے دستے دائیں اور بائیں پہلوؤں کی طرف بھی آ رہے تھے لیکن معلوم یہی ہوتا تھا کہ وہ حملہ قلب پر کریں گے۔

خالدؓ نے اپنے قلب کے دستوں کو آگے بڑھ کر دشمن کا استقبال کرنے کا حکم دیا۔ اُنہوں نے دفاع کا طریقہ وہی اختیار کیا کہ برچھی بازوں اور تیر اندازوں کو آگے رکھا گیا۔ رومی جو اس امید پر بہت تیزی سے آ رہے تھے کہ مسلمان بے خبر ہوں گے اور یہ بڑی آسان فتح ہو گی، مسلمانوں کو ہر لحاظ سے تیار دیکھ کر ذرا سست ہو گئے اور اُن کے قدم رُکنے لگے۔ انہوں نے گذشتہ روز حملہ کر کے دیکھ لیا تھا۔

مسلمان تیر اندازوں نے اتنی تیزی سے تیر چلانے شروع کر دیئے کہ فضا میں ایک جال تن دیا۔

رومی رُک کر پیچھے ہٹے اور تیروں کی زد سے نکل گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ڈھالیں آگے کر کے بڑھنے لگے۔ تیر اندازوں نے ایک بار پھر تیروں کا مینہ برسا دیا لیکن اب کے رومی بڑھتے آئے۔ تیر کھا کھا کر گرتے بھی رہے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور وہ نیزہ بازوں تک آن پہنچے۔ رومیوں کے پاس مروانے کے لیے بہت نفری تھی۔

نیزہ بازوں نے رومیوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن رومیوں کی یلغار اتنی شدید تھی کہ رُک نہ سکی۔ تب قلب کے دستے آگے بڑھے اور مجاہدین نے جان کی بازی لگا دی۔ خالدؓ یہ دیکھ کر کچھ حیران ہوئے کہ رومی پیچھے ہٹنے لگے ہیں مجاہدین اُن کے پیچھے گئے لیکن خالدؓ نے انہیں روک دیا۔

کچھ دیر بعد رومی پھر آگے بڑھے اور مجاہدین نے پہلے کی طرح حملہ روکا۔ خاصی خونریزی ہُوئی اور رومی پیچھے ہٹ گئے اور اس کے بعد یہی سلسلہ چلتا رہا۔ مسلمان سالاروں کو معلوم نہیں تھا کہ ماہان کا پلان ہی یہی ہے کہ مسلمانوں کے قلب اور محفوظہ کو اُلجھائے رکھو تاکہ اپنے پہلوؤں سے بے خبر رہیں اور انہیں کمک نہ دے سکے۔

خالدؓ اِس دھوکے کو سمجھ تو نہ سکے لیکن انہوں نے ہر حملہ اس طرح روکا کہ مرکزیّت اور جمعیت کو درہم برہم نہ ہونے دیا۔ رومیوں نے پیچھے ہٹ کر مسلمان سالاروں کو موقع دیا کہ وہ جوابی حملہ کریں لیکن خالدؓ نے اپنے دستوں کو دفاع میں ہی رکھا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی نفری اور نفری کی جسمانی طاقت زائل ہوتی رہے۔

❊

خالدؓ نے اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دی۔ انہوں نے سالاروں کو بتا رکھا تھا کہ کمک کی امید نہ رکھیں۔ سالاروں کو بھی اپنی بے مائیگی کا احساس تھا، اور یہ احساس اسلامی لشکر کے ہر ایک فرد کو تھا کہ صورتِ حال کتنی ہی دگرگوں ہو جائے، مدد صرف اللہ کی طرف سے ملے گی۔

رومیوں کے اصل حملے تو مسلمانوں کے پہلوؤں پر ہو رہے تھے جو ماہان کے پلان کے عین مطابق تھے۔ دائیں پہلو پر یوں ہُوا کہ رومیوں نے وہاں بڑا تیز حملہ کیا۔ اس پہلو کی کمان عمرؓو بن العاص کے پاس تھی۔ مجاہدین نے یہ حملہ نہ صرف روک لیا بلکہ دشمن کو پسپا کر دیا۔ دشمن نے یہ حملہ کرنے والے دستوں کو پیچھے کر کے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ یہ پہلے حملے سے زیادہ شدید تھا۔

مسلمانوں نے اس کا بھی مقابلہ کیا لیکن اُن کے جسم شل ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں کو اُس سے کہیں زیادہ نقصان پہنچایا جتنا رومیوں نے انھیں پہنچایا تھا اور انہوں نے اس حملے کا دم خم توڑ دیا۔ رومی بُری طرح ناکام ہو کر پیچھے ہٹ گئے لیکن مسلمانوں کی جسمانی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ وہ مزید لڑنے کے قابل نہ رہے۔

رومیوں نے تیسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اب کے حملہ آوروں کی نفری بھی زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے جذبے کے زور پر حملہ روکنے کی کوشش کی مگر جسم ہی ساتھ نہ دیں تو جذبہ ایک حد تک ہی کام آ سکتا ہے۔ وہ حد ختم ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُن کی ترتیب اور تنظیم ٹوٹ گئی۔ بیشتر اس طرح پسپا ہُوئے کہ خیمہ گاہ تک جا پہنچے اور جنہوں نے پسپائی کو قبول نہ کیا وہ درمیانی دستوں یعنی قلب کی طرف جانے لگے۔

سالار عمرؓو بن العاص بھاگنے والوں میں سے نہیں تھے۔ ان کے پاس محفوظہ میں دو ہزار سوار تھے جو وہاں موجود رہے۔ عمرؓو بن العاص نے ان دو ہزار سواروں سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ اس کی قیادت

عمرؓو بن العاص نے خود کی۔ سواروں نے حملہ بہت تیز اور سخت کیا اور رومیوں کو کچھ پیچھے ہٹا دیا لیکن رومیوں نے تازہ دم دستے آگے لا کر ان دو ہزار مسلمان سواروں کا حملہ ناکام کر دیا اور اتنا دباؤ ڈالا کہ مسلمان سوار منہ موڑ گئے۔ وہ تو جیسے بڑے ہی تیز و تُند سیلاب کے بھنور میں پھنس گئے تھے۔ یہ بھی اُن کی بہادری تھی کہ وہ لڑائی میں سے زندہ نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے گئے۔

"دشمن کو پیٹھ دکھانے والوں پر اللہ کی لعنت!" — یہ مسلمان عورتوں کی آوازیں تھیں جو خیموں کے ڈنڈے ہاتھوں میں لیے کھڑی تھیں۔

عورتوں نے بھاگ آنے والے مسلمانوں پر لعن طعن اور طنز کے تیر برسائے اور (دو مؤرخوں کے مطابق) بعض کو عورتوں نے ڈنڈے بھی مارے۔

"خدا کی قسم مسلمان خاوند اتنے بے غیرت نہیں ہو سکتے" — یہ بیویوں کی آوازیں تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں سے چلّا چلّا کر کہہ رہی تھیں ۔۔۔! کیا تم ہمارے خاوند ہو جو ہمیں غیر مسلموں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے؟"

اُس دَور کے عربی رواج کے مطابق چند ایک مسلمان عورتوں نے دف اٹھا کر ان کی تال پر گیت گانا شروع کر دیا۔ یہ کوئی باقاعدہ ترانہ نہیں تھا۔ عورتوں نے خود گیت گھڑ لیا اور گانے لگیں:

ہائے تمھاری غیرت کہاں گئی
اپنی اُن بیویوں کو جو خوبصورت ہیں
نیک بھی ہیں
حقیر اور قابلِ نفرت کفّار کے پاس
چھوڑ کر بھاگ رہے ہو، اس لیے کہ
کفّار اُن کو اپنی ملکیت میں لے لیں،
اُن کی عصمتوں کی بے حرمتی کریں
اور اُن کو ذلیل اور خوار کر دیں

مسلمان پسپائی میں حق بجانب تھے۔ اتنی زیادہ نفری کے حملے کو روکنا اُن کے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں تھا لیکن ابو عبیدہؓ نے اس لیے عورتوں سے کہا تھا کہ وہ بھاگ آنے والوں کو ڈنڈے اور پتھر ماریں کہ وہ تاریخ اسلام کو پسپائی سے پاک رکھنا چاہتے تھے۔

اُن کا مقصد پورا ہو گیا۔ بھاگ آنے والوں کو عورتوں نے نیا حوصلہ دیا۔ اُن کا خون کھول اٹھا اور وہ واپس چلے گئے۔ عمرؓو بن العاص نے انھیں جلدی جلدی منظم کیا اور رومیوں پر جوابی حملے کی تیاری کرنے لگے۔

❊

بائیں پہلو کے سالار یزیدؓ بن ابو سفیانؓ تھے۔ اُن کے والد ابو سفیانؓ اُن کے ماتحت لڑ رہے تھے۔ اس پہلو پر بھی رومیوں نے حملہ کیا تھا جو مسلمانوں نے روک کر پسپا کر دیا تھا۔ دوسرا حملہ جس رومی دستے نے کیا وہ زنجیروں میں بندھا ہُوا تھا۔ دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر کے ساتھ بندھے ہُوئے تھے۔ زنجیریں اتنی لمبی تھیں کہ سپاہی آسانی سے لڑ سکتے تھے۔

چونکہ اس دستے کے سپاہی زنجیروں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک تھے اس لیے

ان کے حملے کی رفتار تیز نہیں تھی۔ مجاہدین نے پہلا حملہ بڑی جانفشانی سے روکا تھا اور رومیوں کو پسپا کرنے کے لیے انہیں چند گھنٹے لڑنا پڑا تھا۔ اس کے فوراً بعد تازہ دم دستوں کا حملہ روکنا اُن کے لیے محال ہو گیا۔ حملہ آوروں کی نفری تین گنا سے بھی کچھ زیادہ تھی چنانچہ مسلمانوں کے جسموں نے اُن کے جذبوں کا ساتھ نہ دیا اور اُن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔

اِن کی عورتوں کے خیمے ان کے پیچھے محفوظ فاصلے پر تھے۔ بھاگنے والوں میں ان کے سالار کے والد ابوسفیانؓ بھی تھے۔ وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھے۔ قبیلے کے سرداروں میں سے تھے۔ قبولِ اسلام سے پہلے انہوں نے مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑی تھیں اور مسلمانوں کی تباہی اور بربادی میں پیش پیش رہتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد بھی وہ اپنے بدلے ہوئے کردار میں اہم حیثیت کے مالک رہے لیکن رومیوں کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے اور عورتوں کے کیمپ کی طرف بھاگ آئے۔

وہاں بھی عورتوں نے بھاگ آنے والوں کا استقبال ڈنڈوں سے کیا۔ ان میں ابوسفیانؓ کی بیوی ہُند بھی تھیں۔ وہ اُن کی طرف دوڑی آئیں اور ڈنڈہ آگے کر کے انہیں روک لیا۔

"اے ابنِ حرب!" — ہُند نے ابوسفیان سے کہا — "تُو کدھر بھاگا آرہا ہے؟" — انہوں نے ابوسفیانؓ کے گھوڑے کے سر پر ڈنڈا مارا اور کہا — "یہیں سے لوٹ جا اور ایسی بہادری سے لڑ کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تُو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف جو کارروائیاں کی تھیں، اللہ وہ بخش دے۔"

اُبوسفیانؓ اپنی بیوی کو جانتے تھے۔ وہ بڑی زبردست خاتون تھیں۔ ابوسفیانؓ نے انہیں اتنا کہنے کی بھی جرأت نہ کی کہ وہ بھاگ آنے پر مجبور تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہُند کے سامنے بولے اور کچھ دیر رُکے رہے تو ہُند ڈنڈوں سے مار مار کر انہیں بیہوش کر دیں گی۔

دوسری عورتوں نے یہاں بھی وہی منظر بنا دیا جو دائیں پہلو کے مجاہدین کی عورتوں نے بنا دیا تھا۔ بیویوں نے اپنے خاوندوں کو شرمسار کیا اور انہیں ایسا جوش دلایا کہ وہ سب واپس چلے گئے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عورتیں اپنے مردوں کے ساتھ میدانِ جنگ تک چلی گئیں۔ ان میں ایک عورت کچھ زیادہ ہی آگے چلی گئی ایک رومی سپاہی اُس کے سامنے آگیا۔ وہ اُسے ایک عورت ہی سمجھ رہا تھا لیکن اِس عورت نے تلوار نکال لی اور اس رومی کو مار ڈالا۔

سالار یزیدؓ بن ابوسفیانؓ ایک جگہ پریشانی کے عالم میں اپنے بکھرے ہوئے مجاہدین کو ڈھونڈتے نظر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ بھاگ جانے والے واپس آگئے ہیں تو اُن کے چہرے پر رونق واپس آ گئی۔ رومی پیچھے ہٹ گئے تھے۔ یزید نے اپنے دستوں کو بڑی تیزی سے منظم کر لیا اور جوابی حملے کا حکم دے دیا۔

ہُند نے بہت ہی بلند آواز میں وہی گیت گانا شروع کر دیا جو اُنہوں نے اُحد کی جنگ میں اپنے قبیلے کو گرمانے کے لیے گایا تھا۔ اُس وقت ہُند مسلمان نہیں تھیں۔ اُن کے گیت کے بعض الفاظ غیر شائستہ تھے۔ گیت کا لُبِّ لباب یہ تھا کہ ہم تمہارے لیے راحت اور لطف کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اگر تم نے دشمن کو شکست دی تو ہم تمہیں گلے لگا لیں گی اور اگر تم پیچھے ہٹ آئے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔

جنگِ یرموک میں بھی ہند نے وہی گیت گایا۔

خالدؓ کی نظر پورے محاذ پر تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ دائیں اور بائیں پہلوؤں پر کیا ہو رہا ہے۔ انہیں احساس تھا کہ پہلوؤں کو مدد کی ضرورت ہے لیکن خالدؓ نے مدد کو انتہائی مخدوش صورتِ حال میں استعمال کرنے کی سوچ رکھی تھی۔ انہیں خبریں مل گئی تھیں کہ دایاں پہلو پسپا ہو گیا ہے اور بایاں پہلو بھی بکھر کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔ خالدؓ نے دونوں پہلوؤں کے سالاروں کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ جوابی حملہ کریں، نفری کتنی ہی تھوڑی کیوں نہ ہو۔

آخر انہیں اطلاع ملی کہ دائیں پہلو کے سالار نے جوابی حملہ کر دیا ہے۔ خالدؓ نے محفوظہ کے سوار دستے کے ساتھ متحرک سوار دستے کے کچھ حصے کو اس حکم کے ساتھ اُدھر بھیج دیا کہ وہ دائیں پہلو پر رومیوں پر دوسری طرف سے حملہ کریں۔

اُس وقت دائیں پہلو سے عمروؓ بن العاص نے جوابی حملہ کیا تھا۔ یہ تھکے ہوئے مجاہدین کا حملہ تھا جو نئے جوش اور ولولے سے کیا گیا تھا لیکن نفری بہت کم تھی، پھر بھی حملہ کر دیا گیا۔

"اب زندہ نہ جائیں" — یہ رومیوں کی للکار تھی — "اب بھاگ کر نہ جائیں۔"

رومی نفری کی افراط پر ایسا دعویٰ کر سکتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی اس قلیل نفری کو زندہ نہیں جانے دیں گے لیکن اچانک اُن کے پہلو پر بڑا تیز حملہ ہو گیا۔ حملہ آور گھوڑ سوار تھے۔ وہ نعرے لگاتے اور گرجتے آئے تھے۔

"ابنِؓ العاص!" — سوار دستوں کا سالار للکار رہا تھا — "ہم آگئے ہیں۔ حوصلہ قائم رکھو۔"

عمروؓ بن العاص کے تھکے ہارے مجاہدین کے حوصلوں میں بھی اور جسموں میں بھی جان پڑ گئی اور اس کے ساتھ ہی رومیوں کے حوصلوں سے جان نکل گئی۔ وہ اب دوطرفہ حملوں کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ وہ بوکھلا گئے۔ مسلمان سوار تازہ دم تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ساتھیوں کی بُری حالت دیکھ کر اور زیادہ جوش میں آگئے تھے۔ یہ انتقام کا قہر تھا۔

اگر دونوں طرف نفری برابر ہوتی یا دشمن کی نفری ذرا زیادہ ہی ہوتی تو دشمن کا بے تحاشہ نقصان ہوتا اور وہ میدان چھوڑ جاتا لیکن نفری کے معاملے میں رومی سیلابی دریا تھے۔ مسلمانوں کے حملے کا اُن پر یہ اثر پڑا کہ وہ اپنی بہت سی لاشیں اور بے شمار زخمی چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے لیکن بھاگے نہیں بلکہ منظم طریقے سے اپنے محاذ تک واپس چلے گئے۔

اِدھر مرکز یعنی قلب میں کیفیت یہ تھی کہ خالدؓ دشمن کی چال سمجھ چکے تھے۔ رومی ابھی تک مسلمانوں کے قلب کے سامنے موجود تھے۔ وہ ہلکا سا حملہ کر کے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ خالدؓ جان گئے کہ دشمن انہیں مصروف رکھنا چاہتا ہے تاکہ وہ اپنے پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دے سکیں۔ خالدؓ کو دائیں بائیں پہلوؤں کی اطلاعیں ملیں تو انہوں نے ماہان کا پلان بیکار کرنے کا طریقہ سوچ لیا۔ پہلے تو انہوں نے دائیں پہلو کو مدد بھیجی پھر بائیں طرف توجہ دی جہاں کے سالار یزیدؓ بن ابوسفیانؓ تھے۔

"ابنِؓ الازور!" — خالدؓ نے اپنے متحرک سوار دستے کے سالار ضرارؓ بن الازور کو بلا کر کہا — "کیا تُو دیکھ

رہا ہے کہ دشمن ہمارے بازوؤں پر غالب آ گیا ہے؟

"دیکھ رہا ہوں ابنؓ الولید!" — ضرارؓ نے کہا — "میں تیرے حکم کا منتظر ہوں۔ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میرا گھوڑا کس بے چینی سے کھر مار رہا ہے؟"

"بائیں پہلو پر جلد جا ابنؓ الازور!" — خالدؓ نے کہا — "سوار دستہ اپنے ساتھ لے اور یزیدؓ کی مدد کو اس طرح پہنچ کہ جن رومیوں کے ساتھ وہ الجھا ہوا ہے اُن پر پہلو سے حملہ کر دے۔"

"کس حال میں ہے یزیدؓ؟" — ضرارؓ نے پوچھا۔

"حال جو مجھے بتایا گیا ہے وہ میں کیسے بیان کروں!" — خالدؓ نے کہا — "ابو سفیانؓ جو کبھی ہمارے قبیلہ قریش کی آنکھ کا تارہ تھا، وہ بھی میدان چھوڑ گیا ہے.... دوسری اطلاع ملی ہے کہ بھاگ آنے والے پھر آگے چلے گئے ہیں لیکن تو جانتا ہے کہ حوصلہ ایک ضرب کھا لے تو دوسری ضرب کھانے کی تاب نہیں رہتی۔"

"اللہ ہم سب کو حوصلہ دے گا" — ضرارؓ بن الازور نے کہا۔

ضرارؓ تاریخی جنگجو تھے۔ دل میں اللہ اور رسولؐ کا عشق، زبان پر اللہ اور رسولؐ کا نام اور اُن کی تلوار اللہ کے نام پر چلتی تھی۔ وہ تو اپنی جان سے لاتعلق ہو چکے تھے۔ خالدؓ کا حکم ملتے ہی انہوں نے اپنے سوار دستے کو ساتھ لیا اور یہ دستہ اپنی ہی اُڑائی ہوئی گرد میں غائب ہو گیا۔

وقت بعد دوپہر کا تھا۔ گرمی جھلسا رہی تھی۔ گھوڑے پسینے میں نہا رہے تھے۔ پیاس سے مجاہدین کے منہ کھل گئے تھے اور اُن کی روحیں پانی کی نہیں دشمن کے خون کی پیاسی تھیں۔

ضرارؓ کے دستے نے اُن رومیوں پر ایک پہلو سے حملہ کیا جنہیں یزیدؓ نے اپنے حملے میں الجھا رکھا تھا۔ یہ رومی زنجیر بند تھے۔ انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ زنجیریں نقصان بھی دے دیا کرتی ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دس دس آدمی ایک ہی زنجیر میں بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے جب حملہ کیا تھا تو اُن کی رفتار زنجیروں کی وجہ سے سُست تھی۔ اب ان پر ضرارؓ نے حملہ کیا تو وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمانوں کی تلواروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے انہیں تیزی سے پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا لیکن زنجیریں انہیں تیزی سے پیچھے ہٹنے نہیں دے رہی تھیں۔

ضرارؓ کے سواروں کا حملہ بڑا ہی تیز اور زور دار تھا۔ ضرارؓ بڑے ذہین سالار تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ہی طریقے اور جوش سے لڑنے والے سپاہی بھی تھے۔ اُن کی دلیری کا یہ عالم تھا کہ دشمن کی صفوں میں گھس جایا کرتے تھے۔ یہاں بھی انہوں نے ایسی ہی دلیری کا مظاہرہ کیا۔ وہ رومیوں کے سالار کو ڈھونڈ رہے تھے۔

انہیں وہ سالار نظر آ گیا۔ وہ دیرجان تھا۔ اُس کے اردگرد اُس کے محافظ سوار کھڑے تھے اور وہاں رومی پرچم بھی تھا۔ ضرارؓ اگر اسے للکارتے تو پہلے انہیں اُس کے محافظوں کا مقابلہ کرنا پڑتا جو اکیلے آدمی کے بس میں نہیں تھا۔ ضرارؓ محافظوں کو نظر انداز کر کے اُن کے حصار میں چلے گئے اور تلوار کا ایسا وار کیا کہ دیرجان کی گردن تقریباً آدھی کٹ گئی۔

پیشتر اس کے کہ دیرجان کے محافظ ضرارؓ کو گھیر لیتے، ضرارؓ وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ محافظوں میں

ہڑبونگ مچ گئی۔ اُن کا سالار گھوڑے سے لڑھک گیا۔ دو محافظوں نے اُسے تھام لیا اور گھوڑے سے گرنے نہ دیا لیکن اس کی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اُسے اب مرنا تھا۔ وہ ذبح ہونے والے بکرے کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اُسے پیچھے لے جانے لگے تو وہ دم توڑ گیا۔

اِدھر ضرارؓ ایک قہر کی طرح رومیوں پر برس رہے تھے اُدھر خالدؓ نے اسی پہلو کے اُس مقام پر حملہ کر دیا جہاں رومیوں کا سالار گریجری تھا۔ ضرارؓ اور خالدؓ کے حملوں نے رومیوں کا زور توڑ دیا۔ زیادہ نقصان اُن رومی سپاہیوں کا ہوا جو زنجیروں سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ وہ تیزی سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے تھے۔

اس جوابی حملے کا یہ اثر ہوا کہ رومی پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ پسپائی نہیں تھی۔ وہ محاذ یا خیمہ گاہ تک چلے گئے۔ اُن کا نقصان بہت ہوا تھا لیکن اُن کے پاس نفری کی کمی نہیں تھی۔ مسلمان فوج پر یہ اثر ہوا کہ اُن کا حوصلہ اور لڑنے کا جذبہ بحال ہو گیا اور اُن میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اتنے بڑے لشکر کو پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے تو اسے شکست بھی دی جا سکتی ہے۔

اُس روز مزید لڑائی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سورج غروب ہو رہا تھا۔

وہ رات بیداری کی رات تھی۔ مسلمان عورتیں آگے جا کر لڑنے کے لیے بیتاب ہوتی جا رہی تھیں لیکن اُن کے لیے دوسرے کام بھی تھے جن میں فوج کے لیے پانی فراہم کرنا اور کھانا پکانا تھا اور اس سے زیادہ اہم کام زخمیوں کی مرہم پٹی تھا۔ عورتیں زخمیوں کے زخم صاف کرتی اور ان پر پٹیاں باندھتی تھیں۔ ان کے انداز میں جو خلوص تھا اور جو اپنائیت تھی، اس سے زخمیوں کے حوصلے اور زیادہ مضبوط ہو گئے۔ ان میں جو اگلے روز لڑنے کے قابل نہیں تھے وہ بھی لڑنے کو تیار ہو گئے۔

مجاہدین رات کو اپنے ساتھیوں کی لاشیں ڈھونڈتے اور پیچھے لاتے رہے۔ کچھ زخمی بے ہوش پڑے تھے۔ انہیں بھی اُنہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُٹھایا اور پیچھے لے آئے۔

اُدھر ماہان نے اپنے سالاروں کو اپنے سامنے بٹھا رکھا تھا۔

"میں شہنشاہ ہرقل کو کیا جواب دوں گا؟" — وہ سخت برہم تھا — "تم ہی بتاؤ کہ میں شہنشاہ کو کیا بتاؤں کہ ان چند ہزار مسلمانوں کو ہم اپنے گھوڑوں کے قدموں تلے کچل کیوں نہیں سکے؟"

کوئی سالار اُسے تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔

"ہمارا ایک سالار بھی مارا گیا ہے" — ماہان نے کہا — "کیا تم نے اُن کے کسی سالار کو قتل کیا ہے؟"

اُس کے تمام سالار خاموش رہے۔

"قورین!" — اُس نے اپنے ایک سالار قورین سے کہا — "تم سالار دیرجان کے دستے لے لو.... اور سوچ لو کہ پسپا ہونا ہے تو زندہ میرے سامنے نہ آنا۔ آگے ہی کہیں مارے جانا" — اُس نے تمام سالاروں سے کہا — "کل کے سورج کے ساتھ مسلمانوں کا سورج بھی غروب ہو جائے.... ہمیشہ کے لیے۔"

ماہان نے مسلمانوں کو اگلے روز ختم کر دینے کا نیا پلان بنایا اور سالاروں کو سمجھایا۔ اپنے مرے ہوئے سالار دیرجان کی جگہ اُس نے قورین کو اُس کے دستوں کا سالار مقرر کیا۔

مسلمان سالاروں نے بھی رات جاگتے گزاری۔ زخمیوں کی عیادت کی اور مجاہدین کا حوصلہ بڑھایا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اگلے روز کی لڑائی پہلے سے کہیں زیادہ شدید اور خونریز تھی۔ مسلمانوں کے دائیں پہلو پر سالار عمروؓ بن العاص کے دستے تھے اور ان کے ساتھ ہی سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے تھے۔ رومیوں نے اُس جگہ حملہ کیا جہاں ان دونوں کے دستے آپس میں ملتے تھے۔ دونوں سالاروں نے مل کر رومیوں کا یہ حملہ بے جگری سے لڑ کر پسپا کر دیا۔

رومیوں نے اپنا پہلے والا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے دوسرا حملہ تازہ دم دستوں سے کیا۔ اس طرح وہ بار بار تازہ دم دستے آگے لاتے رہے اور مسلمان ہر حملہ روکتے رہے۔ انہوں نے اپنی تنظیم اور ترتیب برقرار رکھی مگر جسمانی طاقت جواب دینے لگی۔ رومیوں کی کوشش ہی یہی تھی کہ مسلمانوں کو اتنا تھکا دیا جائے کہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔

دوپہر کے وقت جب گرمی انتہا کو پہنچ گئی تو رومیوں نے زیادہ نفری سے بڑا ہی سخت حملہ کیا۔ اس کے آگے پوری کوشش کے باوجود مسلمان جم نہ سکے۔ عمروؓ بن العاص کا پورے کا پورا اور شرجیلؓ بن حسنہ کا تقریباً نصف دستہ پسپا ہو گیا۔ اُس روز بھی ایسے ہی ہوا جیسے گذشتہ روز ہوا تھا۔ بھاگنے والوں کو عورتوں نے روک لیا۔ انھیں ڈنڈے بھی دکھائے، طعنے بھی دیئے، غیرت کو جوش بھی دلایا اور اُن کا حوصلہ بھی بڑھایا۔

کسی مؤرخ نے ایک تحریر لکھی ہے کہ ایک مجاہد بھاگ کر پیچھے آیا اور عورتوں کے قریب آ کر گر پڑا۔ اُس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں۔ منہ کھل گیا تھا۔ ایک عورت دوڑتی اُس تک پہنچی اور اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"کیا تو زخمی ہے؟" ——عورت نے پوچھا۔

وہ بول نہیں سکتا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر بتایا کہ وہ زخمی نہیں۔

"پھر تو بھاگ کیوں آیا ہے؟" ——عورت نے پوچھا۔— "کیا تیرے پاس تلوار نہیں تھی؟"

مجاہد نے نیام سے تلوار نکالی جس پہ نوک سے دستے تک خون جما ہوا تھا۔

"کیا تیرے پاس دل نہ تھا کہ تو بھاگ آیا ہے؟" ——عورت نے پوچھا۔

مجاہد نے اُکھڑی ہوئی سانس کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا اور بول نہ سکا۔

"کیا تیری بیوی یہاں ہے؟"

اُس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بہن؟" ——عورت نے پوچھا۔— "ماں؟"

"کوئی نہیں!" ——اُس نے بڑی مشکل سے کہا۔

"کیا یہ عورتیں تمھاری مائیں اور بہنیں نہیں؟" ——عورت نے کہا۔— "کیا تو برداشت کر لے گا کہ ان کو کفار اٹھا کر لے جائیں؟"

"نہیں" ——مجاہد نے جاندار آواز میں کہا۔

"کیا تو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان نہیں کرے گا؟"

"ضرور کروں گا" ——اُس نے جواب دیا۔

"پھر یہاں کیوں آن گرا ہے؟" ——عورت نے کہا۔

"تھک کر چُور ہو گیا ہوں" ——مجاہد نے کہا۔

"لے میرا ہاتھ پکڑ!" ——عورت نے کہا۔— "میں تجھے اٹھاتی ہوں۔ نہیں اٹھتا تو تلوار مجھے دے۔ تیری جگہ تیری بہن لڑے گی۔"

مجاہد اُٹھ کھڑا ہوا اور میدانِ جنگ کی طرف چل پڑا۔

"بھائی!" ——عورت نے کہا۔— "اللہ تجھے فاتح واپس لائے۔"

مسلمانوں کی پسپائی بزدلی نہیں تھی۔ وہ تو ہمت سے بڑھ کر لڑے تھے۔ اُن کا اتنے بڑے لشکر سے لڑ جانا ہی ایک کارنامہ تھا۔ جہاں تک رومیوں کو شکست دینے کا تعلق تھا، یہ ارادہ ناکام سی خواہش بنتا جا رہا تھا۔ مسلمانوں کا بار بار پسپا ہو جانا کوئی اچھا شگون نہ تھا لیکن خالدؓ شکست کو قبول کرنے والے سالار نہیں تھے۔ باقی تمام سالار بھی عزم کے پکے تھے۔

سالار اپنے اُن مجاہدین کو جو پیچھے آ گئے تھے، اکٹھا کر کے منظم کر رہے تھے۔ خالدؓ بھی پریشانی کے عالم میں بھاگ دوڑ رہے تھے اور قاصدوں کو گیارہ میل لمبے محاذ پر مختلف سالاروں کو احکام پہنچانے کے لیے دوڑا رہے تھے۔ ایک خاتون اُن کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

"ابن الولیدؓ!" ——خاتون نے کہا۔— "خدا کی قسم، عرب نے تجھ سے بڑھ کر کوئی دلیر اور دانشمند آدمی پیدا نہیں کیا۔ کیا تو میری ایک بات پر غور نہیں کرے گا؟ . . . . سالار آگے آگے ہو تو سپاہی اُس کے پیچھے جانیں لڑا دیتے ہیں۔ سالار شکست کھانے پر اُتر آئے تو اُس کے سپاہی بہت جلد شکست کھا جاتے ہیں۔"

"میری بہن!" ——خالدؓ نے کہا۔— "ہمارے لیے دعا کر۔ تیرے کانوں میں یہ آواز نہیں پڑے گی کہ اسلام کے سالار رومیوں سے شکست کھا گئے ہیں۔"

اِس خاتون نے کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا تھا جو خالدؓ کے لیے نیا ہوتا۔ وہ تو اپنی فوج کے آگے رہنے والے سالار تھے لیکن اس خاتون کے جذبے سے خالدؓ متاثر ہوئے۔ خواتین کا جذبہ تو ہر لڑائی میں ایسا ہی ہوتا تھا لیکن یرموک کی جنگ میں عورتوں کے جذبوں کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے بیتاب تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خواتین نے مجاہدین کے جسموں اور جذبوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔

اس کے فوراً بعد خالدؓ نے وہ سوار دستہ ساتھ لیا جو انہوں نے خاص مقصد کے لیے تیار کیا اور اسے گھوم پھر کر لڑنے کی ٹریننگ دی تھی۔ اُنہوں نے رومیوں کے ایک حصے پر جس کا سالار قناطیر تھا حملہ کر دیا۔ اُنہوں نے حملہ دائیں پہلو پر کیا تھا۔ خالدؓ کے حکم کے مطابق سالار عمرو بن العاصؓ نے اسی حصے کے بائیں پہلو پر حملہ کیا۔ ان کے ساتھ سالار شرجیلؓ بن حسنہ بھی اپنے دستوں کے ساتھ تھے۔ یہ دستے پیادہ تھے۔

رومیوں نے بڑی بے جگری سے یہ دو طرفہ حملہ روکا۔ وہ اگلے دستوں کو پیچھے کر کے تازہ دم دستے آگے لاتے تھے۔ نتھکے ماندے مسلمانوں نے جیسے قسم کھالی تھی کہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس لڑائی میں مسلمانوں نے جانوں کی قربانیاں بے دریغ دیں۔ شہید ہونے والوں کی تعداد کئی سو ہو گئی تھی۔ وہ رومیوں کو شکست تو نہ دے سکے، صرف یہ کامیابی حاصل کی کہ رومیوں کو اُن کے محاذ تک پسپا کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اُس دن کا سُورج میدانِ جنگ کے خاک و خون میں ڈوب گیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اُس روز کی جنگ پہلے سے زیادہ شدید، تیز اور خونریز تھی۔ یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمان صرف ایک دن میں سینکڑوں کے حساب سے شہید ہوئے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہ تھا۔ تاریخ میں صحیح اعداد و شمار نہیں ملتے رومیوں کا جانی نقصان مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

لڑنے کے جذبے اور حوصلے کی کیفیت یہ تھی کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی بحال ہو گئی تھی، حالانکہ اُن کی تعداد خاصی کم ہو گئی تھی اور انہیں کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ اُن کا حوصلہ اسی کامیابی سے قائم ہو گیا تھا کہ وہ پسپا نہیں ہوتے تھے بلکہ اُنہوں نے رومیوں کو پسپا کر دیا تھا۔

رومیوں میں مایوسی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ انہیں توقع تھی کہ اتنے بڑے لشکر سے تو پہلے دن ہی مسلمانوں کو تہِ تیغ کر کے خالدؓ کو زندہ پکڑ لیں گے لیکن تیسرا دن گزر گیا تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹتے اور پھر حملہ کر دیتے تھے۔ ہار مانتے ہی نہیں تھے۔

رومیوں کے سالارِ اعلیٰ کی ذہنی حالت تو بہت ہی بُری تھی۔ اُس نے آج رات پھر سالاروں کو بلایا اور اُن پر برس پڑا۔ وہ اُن سے پوچھتا تھا کہ وجہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ابھی تک شکست نہیں دے سکے۔ سالاروں نے اپنا اپنا جواز بیان کیا لیکن ماہان کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ آخر رومی سالاروں نے حلف اٹھایا کہ وہ اگلے روز مسلمانوں کو شکست دے کر پیچھے آئیں گے۔

گذشتہ رات کی طرح آج کی رات بھی خالدؓ اور ابوعبیدہؓ تمام زخمی محاذ پر پھرتے رہے۔ خالدؓ نے حکم دیا کہ جو زخمی چل پھر سکتے ہیں وہ اگلے روز کی لڑائی میں شامل ہوں گے۔

عورتیں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی رہیں۔ رات کے آخری پہر عورتیں اکٹھی ہوئیں۔ ابوسفیانؓ کی بیوی ہُند اور ضرارؓ بن الازور کی بہن خولہ نے عورتوں کو بتایا کہ کل کا دن فیصلہ کُن دن ہو گا۔

"....اور اپنے آدمیوں کی جسمانی حالت ہم سب دیکھ رہی ہیں" —— ہُند نے کہا —— "مجھے اپنی شکست نظر آ رہی ہے اور کمک نہیں آ رہی۔ اب ضرورت یہ ہے کہ تمام عورتیں لڑائی میں شامل ہو جائیں"۔

"کیا ہمارے مرد ہمیں اپنی صفوں میں شامل ہونے دیں گے؟" —— ایک عورت نے پوچھا۔

"ہم مردوں سے اجازت نہیں لیں گی" —— ہُند نے کہا —— "وہ اجازت نہیں دیں گے.... کیا تم سب لڑنے کے لیے تیار ہو؟"

تمام عورتوں نے جوش و خروش سے کہا کہ وہ کل مردوں سے پوچھے بغیر میدانِ جنگ میں کُود پڑیں گی۔

اگلے روز کے لیے رومیوں نے جنگ کی جو تیاری کی وہ بڑی خوفناک تھی۔ مسلمان خواتین نے ہتھیار نکال لیے۔ کل انہیں بھی میدان میں اُترنا تھا۔

خاک و خون میں ڈوبی ہوئی رات کے بطن سے ایک اور صبح طلوع ہوئی۔ یہ تاریخِ اسلام کی ایک بھیانک اور ہولناک جنگ کے چوتھے روز کی صبح تھی۔ مسلمان فجر کی نماز پڑھ چکے تو خالدؓ اُٹھے۔

"اے جماعتِ مومنین!" —— خالدؓ نے مجاہدین سے کہا —— "تم نے دن اللہ کی راہ میں لڑتے اور راتیں اللہ کو یاد کرتے گزاری ہیں۔ اللہ ہمارے حال سے بے خبر نہیں۔ اللہ دیکھ رہا ہے کہ تم لڑنے کے قابل نہیں رہے پھر بھی لڑ رہے ہو۔ اللہ تم سے مایوس نہیں ہُوا، تم اُس کے رحم و کرم سے مایوس نہ ہونا۔ ہم اللہ کے لیے لڑ رہے ہیں.... آج کے دن حوصلہ قائم رکھنا۔ آج اسلام کی قسمت کا فیصلہ ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اللہ کے سامنے بھی، رسولؐ اللہ کی روحِ مقدّس کے سامنے بھی اور اپنے اُن بھائیوں کی روحوں کے سامنے بھی شرمسار ہوں جو ہمارے ساتھ چلے تھے اور ہم نے اُن کے لہولہان جسموں کو اپنے ہاتھوں دفن کر دیا ہے۔ کیا تم اُن کے بچوں کی خاطر جو یتیم ہو گئے ہیں اور اُن کی بیویوں کی خاطر جو بیوہ ہو گئی ہیں اور اُن کی بہنوں اور اُن کی ماؤں کی عزّت کی خاطر نہیں لڑو گے؟"

"بیشک ابن الولید!" —— مجاہدین کی آوازیں اٹھیں —— "ہم لڑیں گے"۔

"شہیدوں کے خون کے قطرے قطرے کا انتقام لیں گے"۔

"آج کے دن لڑیں گے۔ کل کے دن اور زندگی کے جتنے دن رہ گئے ہیں وہ کفّار کے خلاف لڑتے گزار دیں گے"۔

اس طرح مجاہدین نے خالدؓ کی آواز پر جوش و خروش سے لبیک کہا لیکن اُن کی آوازوں میں وہ جان نہیں تھی جو ہُوا کرتی تھی۔ جہاد کا عزم موجود تھا۔ خالدؓ کا یہ پیغام سارے محاذ تک پہنچایا گیا۔ ہر سالار کی زبان پر یہی الفاظ تھے —— "آج کے دن حوصلہ نہ ہارنا.... آج کے دن!"

اُدھر رومی لشکر کے سالاروں کو بھی یہی حکم ملا تھا —— "آج کے دن مسلمانوں کا خاتمہ کر دو"۔

صبح کا اُجالا صاف ہوتے ہی رومی دستے نمودار ہوتے۔ اُن کا انداز پہلے والا اور پلان بھی پہلے والا تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے دائیں پہلو پر سالار عمروؓ بن العاص کے دستوں پر حملہ کیا۔ حملہ آور آرمینیا کی فوج تھی جس کا سالار قناطیر تھا۔ عمروؓ بن العاص کے پہلو میں سالار شرجیلؓ بن حسنہ کے دستے تھے۔ ان پر آرمینیوں نے حملہ کیا اور ان کی مدد کے لیے عیسائی دستے بھی ساتھ تھے۔

عمروؓ بن العاص کے لیے صورتِ حال مخدوش ہو گئی۔ اُنہوں نے بہت دیر مقابلہ کیا لیکن وہ دشمن کے سیلاب کے آگے ٹھہر نہ سکے۔ عمروؓ بن العاص کے مجاہدین نے تنظیم اور ترتیب توڑ دی اور حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے وہ دراصل پسپا ہو رہے تھے لیکن اب وہ پسپائی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے چنانچہ اُنہوں نے اپنی صفیں توڑ کر انفرادی لڑائی شروع کر دی۔ عمروؓ بن العاص سالار سے سپاہی بن گئے۔ وہ تو تلوار کے دھنی تھے۔ اکیلی انہی کی تلوار نے کئی آرمینیوں کو خون میں نہلا دیا۔ اُن کے دستے کا ہر فرد اب اپنی لڑائی لڑ رہا تھا۔ انہوں نے

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

دشمن کی بھی ترتیب توڑ دی۔

رومیوں کے اتحادی یہ آرمینی اس قسم کی لڑائی کی تاب نہ لا سکے لیکن وہ پسپا نہیں ہو سکتے تھے جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُن کے پیچھے تازہ دم عیسائی دستے موجود تھے۔ وہ آرمینیوں کو پیچھے نہیں آنے دیتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ اُن کے سالار پیچھے ہٹنے کا حکم نہیں دیتے تھے اور تیسری وجہ یہ کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کے باوجود انہیں لڑائی میں سے نکلنے نہیں دے رہے تھے۔

شرحبیلؓ بن حسنہ کے دستوں کی حالت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ انہیں دشمن نے بہت پیچھے ہٹا دیا تھا۔ مجاہدین بے جگری سے لڑ رہے تھے لیکن دشمن کا دباؤ اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا۔

۞

خالدؓ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اُنہوں نے یہ چال سوچی کہ عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ پر حملہ کرنے والے آرمینیوں پر پہلو سے حملہ کیا جائے لیکن ان کی مدد کو آنے والے دستوں کا راستہ روکنا بھی ضروری تھا۔ اُنہوں نے قاصد کو بلایا۔

"ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ سے کہو کہ آگے بڑھ کر اپنے سامنے والے رومیوں پر حملہ کر دیں"—— خالدؓ نے کہا—— "اور انہیں کہنا کہ دشمن کے ان دستوں کو روکے رکھنا ہے کہ ہمارے دائیں پہلو کی طرف نہ جا سکیں.... اور انہیں کہنا کہ اپنے سوار دستے بھی حملہ کر رہے ہیں"۔

قاصد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ بن ابو سفیان تک جا پہنچا۔ پیغام ملتے ہی ان دونوں سالاروں نے اپنے سامنے والے رومی دستوں پر حملہ کر دیا۔

خالدؓ نے اپنے مخصوص رسالے کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّے کی کمان قیس بن ہبیرہ کو دی اور دوسرے کو اپنی کمان میں رکھا۔ خالدؓ اپنے دائیں پہلو کے پیچھے سے گزر کر آگے نکل گئے اور اُس طرف سے آرمینی دستوں پر حملہ کر دیا۔ اُن کے حکم کے مطابق قیس بن ہبیرہ کے سوار دستوں نے آرمینیوں پر دوسرے پہلو سے حملہ کر دیا۔ شرحبیلؓ نے سامنے سے حملہ کر دیا۔

یہ سہ طرفی حملہ تھا جو آرمینیوں کے لیے ایک آفت ثابت ہُوا۔ عیسائی دستے اُن کی مدد کو آئے لیکن بے شمار لاشیں، تڑپتے ہُوئے زخمی اور بے لگام بھاگتے گھوڑے چھوڑ کر پسپا ہو گئے اور اپنے محاذ بلکہ خیمہ گاہ تک جا پہنچے۔ ابھی دشمن کا پیچھا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خالدؓ ابھی دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ دشمن حملے کر کر کے تھک جائے۔

ابُو عبیدہؓ اور شرحبیلؓ نے آگے بڑھ کر جو حملہ کیا تھا۔ وہ انہیں مہنگا پڑا۔ دشمن نے ان دونوں سالاروں کے دستوں پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ یہ ویسی تیر اندازی نہیں جیسی لڑائیوں میں معمول کے مطابق ہُوا کرتی ہے۔ یہ تو صحیح معنوں میں تیروں کا مینہ تھا۔ رومی اپنے لشکر کے تمام تیر اندازوں کو آگے لے آئے تھے۔ بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فضا میں اُڑتے ہوئے تیروں نے سورج کو چھپا لیا تھا۔

تیر اندازوں کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ سات سو مسلمانوں کی آنکھوں میں تیر لگے اور آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ اِسی لیے اس دن کو "یوم النفور" کہا جاتا ہے۔ مسلمان تیر اندازوں نے رومی تیر اندازوں پر تیر چلائے لیکن مسلمانوں کے تیر بیکار ثابت ہوئے کیونکہ مسلمانوں کی کمانیں چھوٹی تھیں۔ اِن سے تیر دُور تک نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے

علاوہ تیر اندازوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی۔

ابو سفیانؓ کی بھی آنکھ میں تیر لگا اور وہ ایک آنکھ سے معذور ہو گئے۔

اِس صورتِ حال میں مسلمان میدان میں نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ابو عبیدہؓ اور شرحبیلؓ کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ سات سو مسلمان تو وہ تھے جن کی آنکھوں میں تیر لگے تھے۔ ان کے علاوہ زخمیوں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔

۞

رومی سالارِ اعلیٰ ماہان ایک اونچی چٹان کی چوٹی سے یہ جنگ دیکھ رہا تھا۔

"وہ وقت آ گیا ہے"—— ماہان نے چلّا کر کہا۔ "اب حملے کا وقت آ گیا ہے.... نہیں ٹھہر سکیں گے"—— اُس نے اپنے دو سالاروں کو پکار کر کہا—— "گریگری.... قورین.... تیز ہلّہ بول دو فیصلے کا وقت آ گیا ہے"۔

جنگ کے شور و غوغا میں اور پھر اتنی دور سے اُس کی آواز سالاروں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اُس کی پکار اُس کے قاصد سن سکتے تھے جو ہر وقت اُس کے قریب موجود رہتے تھے۔

"کوئی اور حکم؟"—— ایک قاصد نے ماہان کے آگے ہو کر پوچھا۔

ماہان نے اپنا پورا حکم دیا اور قاصد کا گھوڑا بڑی تیزی سے چٹان سے اُتر کر میدانِ جنگ کی قیامت خیزی میں غائب ہو گیا۔

ماہان مسلمانوں کو اسی کیفیت میں لانا چاہتا تھا کہ وہ حملہ روکنے کے قابل نہ رہیں۔ وہ کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ مسلمانوں کی نفری ہزاروں کے حساب سے کم ہو گئی تھی اور جو زخمی نہیں تھے وہ جسمانی تھکن سے چور ہو چکے تھے۔ رومیوں کے لیے وہ فیصلہ کن لمحہ آ گیا تھا جس کا حکم ماہان نے گذشتہ رات اپنے سالاروں کو دیا تھا۔

ماہان کا حکم پہنچتے ہی رومیوں نے تین سالاروں—— ابو عبیدہؓ، یزیدؓ بن ابو سفیان اور عکرمہؓ—— کے دستوں پر حملہ کر دیا۔ ابو عبیدہؓ اور شرحبیلؓ کے دستوں پر زیادہ دباؤ ڈالا گیا کیونکہ اُن کے قدم پہلے ہی اکھڑے ہُوئے تھے اور وہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ انہیں میدانِ جنگ سے بھگا دینا رومیوں کے لیے کوئی مشکل نہ تھا۔ وہ پیچھے ہی پیچھے ہٹتے جا رہے تھے۔

رومی جنگ کو فیصلہ کن مرحلے میں لے آئے تھے۔

مسلمانوں کی شکست یقینی تھی اور اس شکست کے نتائج صرف ان مسلمانوں کے لیے ہی تباہ کُن نہیں تھے جو لڑ رہے تھے بلکہ یہ اسلام کے لیے بھی کاری ضرب تھی۔ اسی میدان میں یہ فیصلہ ہونا تھا کہ اس خطے میں مسلمان رہیں گے یا رومی، اسلام رہے گا یا عیسائیت۔

میدان عیسائیت کے ہاتھ تھا۔

ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے دستوں کے بائیں پہلو پر عکرمہؓ کے دستے تھے۔ ان پر بھی حملہ ہُوا تھا لیکن یہ اتنا زور دار نہیں تھا جتنا دوسرے دستوں پر تھا۔ عکرمہؓ نے ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ جیسے بہادر سالاروں کو پسپائی کی حالت میں دیکھا تو انہوں نے محسوس کیا کہ اُن کے اپنے دستے بھی نہیں ٹھہر سکیں گے۔

"خدا کی قسم، ہم یوں نہیں بھاگیں گے"—— عکرمہؓ نے نعرہ لگایا اور اپنے دستوں میں گھوم پھر کر کہا—— "جو لڑ کر مرنے اور پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھانے کو تیار ہیں الگ ہو جائیں.... سوچ کر قسم کھانا قسم توڑنے کے

عذاب کو سوچ لو..... فیصلہ کر دو تمھیں کیا منظور ہے..... شکست یا موت..... ذلّت اور رسوائی کی زندگی یا با عزت موت!

اگر صورتِ حال یہ نہ ہوتی اور مسلمان تازہ دم ہوتے تو عکرمہؓ کے اس اعلان کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن مسلمان جسمانی طور پر جس بُری حالت کو پہنچ گئے تھے، اس کا بہت بُرا اثر ذہنوں پر بھی پڑا تھا۔ یہ دستے یہ پہلی جنگ تو نہیں لڑ رہے تھے۔ وہ تین تین چار چار برسوں سے گھروں سے نکلے ہوئے تھے اور لڑتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ جذبہ تھا جو انہیں یہاں تک لے آیا تھا ورنہ عام ذہنی حالت میں یہ ممکن نہیں تھا۔

اس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں عکرمہؓ کے اعلان اور للکار پر صرف چار سو مجاہدین نے لبیک کہا اور حلف اٹھایا کہ ایک قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے، لڑتے ہوئے جانیں دے دیں گے۔ باقی جو تھے وہ لڑنے سے منہ نہیں موڑ رہے تھے لیکن وہ ایسی قسم نہیں کھانا چاہتے تھے جسے وہ پُورا نہ کر سکیں۔

ان چار سو مجاہدین نے جنہوں نے حلف اٹھایا تھا، اپنے سالار عکرمہؓ کی قیادت میں اُن رومیوں پر ہلّہ بول دیا جو ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ یہ ہلّہ اتنا شدید تھا جیسے شیر شکار پر جھپٹ رہے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ رہا کہ رومیوں کا جانی نقصان بے شمار ہُوا۔ عکرمہؓ کے دستوں میں سے کوئی ایک آدمی بھی پسپا نہ ہُوا لیکن چار سو جانبازوں میں ایک بھی صحیح اور سلامت نہ رہا۔ زیادہ تر شہید ہو گئے، باقی شدید زخمی ہوئے اور بعد میں زخموں کی تاب نہ لا کر شہید ہوتے رہے۔ کئی ایک جسمانی طور پر معذور ہو گئے۔

انتہائی شدید زخمی ہونے والوں میں عکرمہؓ بھی تھے اور اُن کے نوجوان بیٹے عمروؓ بھی۔ انہیں بیہوشی کی حالت میں پیچھے لایا گیا تھا۔

ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ کے دستے پیچھے ہٹتے گئے۔ رومی انہیں دھکیلتے چلے آ رہے تھے۔ بڑا ہی خونریز معرکہ تھا۔ جب یہ دستے مسلمانوں کی خیمہ گاہ تک پہنچنے لگے تو مسلمان عورتوں نے ڈنڈے پھینک کر تلواریں اور برچھیاں اٹھا لیں اور چادریں پگڑیوں کی طرح اپنے سروں سے لپیٹ کر رومیوں پر ٹوٹ پڑیں۔ ان میں ضرارؓ کی بہن خولہ بھی تھیں جو عورتوں کو للکار رہی تھیں۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ عورتیں اپنے دستوں میں سے گزرتی آگے نکل گئیں اور بڑی مہارت، دلیری اور قہر سے رومیوں پر جھپٹنے لگیں۔ وہ تازہ دم تھیں۔ اُنہوں نے رومیوں کے منہ موڑ دیئے۔ اُن کی ضربیں کاری تھیں۔ رومی زخمی ہو ہو کر گرنے لگے۔

عورتوں کے یوں آگے آ جانے اور رومیوں پر جھپٹ پڑنے کا جو اثر مجاہدین پر ہُوا وہ غضب ناک تھا۔ اپنی عورتوں کو لڑتا دیکھ کر مجاہدین آگ بگولا ہو گئے۔ انسان میں جو مخفی قوتیں ہوتی ہیں وہ بیدار ہو گئیں اور وہی مجاہدین جو پسپا ہُوتے جا رہے تھے، رومیوں کے لیے قہر بن گئے۔ انہوں نے ترتیب توڑ دی اور اپنے سالاروں کے احکام سے آزاد ہو کر ذاتی لڑائی شروع کر دی۔ ان کی ضربوں کے آگے رومی بوکھلا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ اپنے زخمیوں کو روندتے جا رہے تھے۔

سالار بھی سپاہی بن گئے اور عورتیں بدستور لڑتی رہیں۔ دن کا پچھلا پہر تھا۔ معرکہ انتہائی خونریز اور تیز ہو

گیا۔ رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے۔ گھمسان کے اس معرکے میں ضرارؓ کی بہن خولہ جو اُس وقت تک کئی ایک رومیوں کو زخمی اور ہلاک کر چکی تھیں ایک اور رومی کے سامنے ہوئیں۔ پہلا وار خولہ نے کیا جو رومی نے روک لیا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے ایسا زور دار وار کیا کہ اُس کی تلوار نے خولہ کے سر کا کپڑا بھی کاٹ دیا اور سر پر شدید زخم آیا۔ خولہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں پھر انہیں اٹھتے نہ دیکھا گیا۔

اس کے فوراً بعد سورج غروب ہو گیا اور دونوں طرف کے دستے اپنے اپنے مقام پر پیچھے چلے گئے اور زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے کا کام شروع ہو گیا۔ رومیوں کی لاشوں اور بیہوش زخمیوں کا کوئی شمار نہ تھا۔ نقصان مسلمانوں کا بھی کم نہ تھا لیکن رومیوں کی نسبت بہت کم تھا۔

خولہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ انہیں خیمہ گاہ میں ڈھونڈا گیا۔ نہ ملیں تو لاشوں اور زخمیوں میں ڈھونڈنے لگے اور وہ بے ہوش پڑی مل گئیں۔ سر میں تلوار کا لمبا زخم تھا۔ بال خون سے جُڑ گئے تھے۔

"اس کے بھائی کو اطلاع دو"۔۔۔ کسی نے کہا۔۔۔ "ابن الازور سے کہو تیری بہن شہید ہو رہی ہے"۔

ضرارؓ بن الازور بہت دُور تھے۔ بڑی مشکل سے ملے۔ بہن کی اطلاع پر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے آئے۔ جب اپنی بہن کے پاس پہنچے تو بہن ہوش میں آ گئیں۔ اُن کی نظر اپنے بھائی پر پڑی تو ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"خُدا کی قسم تو زندہ ہے"۔۔۔ ضرارؓ نے جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔۔۔ "تو زندہ رہے گی"۔

ضرارؓ نے خولہ کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ خولہ کے سر پر تہ در تہ کپڑا تھا جس نے تلوار کی ضرب کو کمزور کر دیا تھا۔ سر پر صرف اوڑھنی ہوتی تو کھوپڑی کٹ جاتی پھر زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔

جنگ کا بڑا ہی ہولناک دن گزر گیا۔ رومیوں کو اپنے اس عزم میں بہت بُری طرح ناکامی ہُوئی کہ آج کے دن جنگ کا فیصلہ کر دیں گے۔ اُن کی نفری تو بہت زیادہ تھی لیکن اُس روز اُن کی جو نفری ماری گئی تھی اس سے اُن کا یہ فخر ٹوٹ گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے کچل ڈالیں گے۔ مسلمانوں نے جس طرح اپنے سالاروں سے آزاد ہو کر اُن پر ہلّے بولے تھے اس سے وہ محتاط ہو گئے تھے۔

رومیوں کے لشکر میں سب سے زیادہ جو مارے گئے یا شدید زخمی ہُوئے وہ عیسائی اور آرمینی اور دوسرے قبائل کے آدمی تھے جو رومیوں کے اتحادی بن کر آئے تھے۔ رومی سالارِ اعلیٰ ماہان نے انہی کو آگے کر دیا اور بار بار انہی سے حملے کروا رہا تھا۔ ان لوگوں کا جذبہ اپنی اتنی زیادہ لاشیں اور زخمی دیکھ کر مجروح ہو گیا تھا۔

اُس روز ایک اور واقعہ ہو گیا۔ خالدؓ پریشانی کے عالم میں کچھ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ جنگ کے متعلق تو اُن کے چہرے پر اضطراب اور ہیجان رہتا تھا لیکن ایسی پریشانی اُن کے چہرے پر شاید ہی کبھی دیکھنے میں آئی ہو۔ اُن سے پریشانی کا باعث پوچھا گیا۔

"میری ٹوپی!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "سرخ ٹوپی میری کہیں گر پڑی ہے۔ اسے ڈھونڈ رہا ہوں"۔

یہ دن کا واقعہ ہے جب خالدؓ اپنے سوار دستے کو لڑا رہے تھے۔ معرکے میں کچھ دیر کا تعطّل پیدا ہو گیا تھا۔ یہ سُن کر سب حیران ہوئے کہ دشمن سیاہ گھٹاؤں کی طرح چڑھا آ رہا ہے اور فتح کی کوئی امید نہیں اور خالدؓ جیسا ذمہ دار سالار معمولی سی ٹوپی کے لیے پریشان ہو رہا ہے۔ خالدؓ نے سب سے کہا کہ اُن کی ٹوپی تلاش کریں۔

تلاشِ بسیار کے بعد اُن کی سرخ ٹوپی مل گئی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ خالدؓ کے چہرے پر رونق اور ہونٹوں پر تبسم آ گیا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"ابن الولید!" ــــ کسی سالار نے پوچھا ــ "کیا تجھے اُن کا غم نہیں جو ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے ہیں ؟ تو ایک ٹوپی کے لیے اتنا پریشان ہو گیا تھا!"

"اس ٹوپی کی قدر و قیمت صرف میں جانتا ہوں" ــــ خالدؓ نے کہا ــ "حجۃ الوداع کے لیے رسولِ اکرمؐ نے سر کے بال منڈھوائے تو میں نے کچھ بال اٹھا لیے۔ رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ ان بالوں کو کیا کرو گے ؟ میں نے کہا کہ اپنے پاس رکھوں گا، کفّار کے خلاف لڑتے وقت یہ بال میرا حوصلہ مضبوط رکھیں گے رسولؐ اللہ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ بال تیرے پاس رہیں گے اور میری دعائیں بھی تیرے ساتھ رہیں گی۔ اللہ تجھے ہر میدان میں فتح عطا کرے گا.... میں نے یہ بال اپنی اِس ٹوپی میں سی لیے تھے۔ میں اس ٹوپی سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ اسی کی برکت سے میری طاقت اور میری ہمت قائم ہے۔"

خالدؓ کو ٹوپی مِل جانے کی تو بہت خوشی ہوئی تھی لیکن وہ رات اُن کے لیے شبِ غم تھی۔ وہ ایک جگہ بیٹھے ہُوئے تھے۔ اُن کے ایک زانو پر سالار عکرمہؓ کا سر تھا اور دوسرے زانو پر عکرمہؓ کے نوجوان بیٹے عمروؓ کا سر رکھا تھا۔ باپ بیٹا اُس روز کی لڑائی میں اتنے زیادہ زخمی ہو گئے تھے کہ ہوش میں نہیں آ رہے تھے۔ جسموں سے خون نکل گیا تھا۔ زخم ایسے تھے کہ ان کی مرہم پٹی نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس روز باپ بیٹا قسم کھا کر لڑے تھے کہ مر جائیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

عکرمہؓ خالدؓ کے بھتیجے بھی تھے اور دوست بھی۔ ان کا بڑا پرانا ساتھ تھا۔ دونوں مانے ہُوئے شہسوار اور شمشیر زن تھے۔ خالدؓ کو اپنے اتنے عزیز ساتھی کے بچھڑ جانے کا بہت دکھ تھا۔ عکرمہؓ کا نوجوان بیٹا بھی دنیا سے رخصت ہو رہا تھا۔ خالدؓ نے پانی اپنے پاس رکھا ہُوا تھا۔ وہ پانی میں اپنا ہاتھ ڈبوتے اور انگلیاں جوڑ کر کبھی عکرمہؓ کے نیم وا ہونٹوں پر رکھتے کبھی اُن کے بیٹے عمروؓ کے ہونٹوں پر، مگر قطرہ قطرہ پانی جو باپ بیٹے کے منہ میں جا رہا تھا وہ آبِ حیات نہیں تھا۔ اللہ نے اس عظیم باپ اور اُس کے بیٹے کو فرائض سے سبکدوش کر دیا تھا۔

اِس طرح عکرمہؓ نے اور اس کے فوراً بعد اُن کے بیٹے نے خالدؓ کی گود میں سر رکھے جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ خالدؓ کے آنسو نکل آئے۔

"کیا ابنِ حنظلہ اب بھی کہتا ہے کہ بنی مخزوم نے جانیں قربان نہیں کیں؟" ــــ خالدؓ نے کہا۔

حنظلہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی والدہ کا نام تھا۔ خالدؓ اور عکرمہؓ بنی مخزوم میں سے تھے۔ خالدؓ کو غالباً وہم تھا کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ بنی مخزوم کی اسلام کے لیے جانی قربانیاں تھوڑی ہیں۔ عکرمہؓ اور اُن کے بیٹے کی شہادت معمولی قربانی نہیں تھی۔

وہ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی جیسے لمحے ڈر ڈر کر، کانپ کانپ کر گزر رہے ہوں۔ زخمیوں کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کئی شہیدوں کی بیویاں وہیں تھیں لیکن کسی عورت کے رونے کی آواز نہیں آتی تھی۔ فضا خون کی بُو سے بوجھل تھی۔ دن کو اُڑی ہوئی گرد زمین پر واپس آ رہی تھی۔

شہیدوں کا جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا جا رہا تھا۔ ابوعبیدہؓ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ رات کو کسی ایک سالار کو مقرر کرتے تھے کہ وہ تمام خیمہ گاہ کے ارد گرد گھوم پھر کر پہرہ داروں کو دیکھے پھر اُن مجاہدین کو جا کر دیکھے جنہیں دشمن کی خیمہ گاہ پر نظر رکھنے کے لیے آگے بھیجا جاتا تھا۔ اُس رات ابوعبیدہؓ نے اس خیال سے

کسی سالار کو اس کام کے لیے نہ کہا کہ سب دن بھر کے تھکے ہُوئے ہیں۔ وہ خود اس کام کے لیے چل پڑے لیکن وہ جدھر بھی گئے انہیں کوئی نہ کوئی سالار گشت پر نظر آیا۔ سالار زبیرؓ تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر گشت پر نکلے ہُوئے تھے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کی بیوی بھی دن کو لڑی تھیں۔

* * *

یہ رات بھی گزر گئی۔ جنگِ یرموک کی پانچویں صبح طلوع ہُوئی۔ خالدؓ نے فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی سالاروں کو بلا لیا تھا۔

"میرے رفیقو!" ــــ خالدؓ نے کہا ــ "آج کا دن کل سے زیادہ خطرناک ہو گا۔ اپنی تعداد دیکھ لو۔ ہم تھوڑے رہ گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں اُن کی حالت بھی تمہارے سامنے ہے۔ آج زخمی بھی لڑیں گے۔ دشمن کا بھی بہت نقصان ہو چکا ہے لیکن اُس کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اتنے زیادہ نقصان کو برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے دشمن کے لڑنے کا انداز دیکھ لیا ہے۔ صرف یہ خیال رکھو کہ مرکزیت قائم رہے۔ اب ہم زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔"

خالدؓ نے سالاروں کو کچھ ہدایات دیں اور رخصت کر دیا۔ معاً بعد مسلمان دستے اپنی پوزیشنوں پر چلے گئے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ ہر دستے میں جسمانی لحاظ سے جتنے بالکل ٹھیک افراد تھے اتنے ہی زخمی بھی تھے۔ زخمیوں میں زیادہ تر ایسے تھے جو کسی حد تک لڑنے کے قابل تھے لیکن ایسے بھی تھے جو لڑنے کے قابل نہیں تھے مگر وہ اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ عورتیں آج بھی لڑنے کے لیے تیار تھیں۔

مسلمانوں کی یہ دگرگوں کیفیت دشمن سے چھپی ہُوئی نہیں تھی۔ اُس نے اِس سے پورا فائدہ اٹھانا تھا۔ مسلمان سالار رومیوں کے محاذ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں توقع تھی کہ آج رومی زیادہ نفری کے دستوں سے حملہ شروع کر دیں گے۔ مسلمان سالاروں کو یہ خطرہ بھی نظر آ رہا تھا کہ رومی اپنے سارے لشکر سے حملہ کر دیں گے۔

صبح سفید ہو چکی تھی لیکن رومی آگے نہ آئے، پھر سورج نکل آیا، رومی آگے نہ آئے۔

رومیوں کا یہ سکوت خطرناک لگتا تھا۔ یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی معلوم ہوتی تھی۔ خالدؓ کو خیال گزرا کہ رومی مسلمانوں کو حملے میں پہل کرنے کا موقع دے رہے ہیں۔ خالدؓ پہل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کچھ دیر دفاع کو ہی بہتر سمجھتے تھے۔

آخر رومیوں کی طرف سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ رومیوں کے لشکر نے کوئی حرکت نہ کی۔ سوار مسلمان دستوں کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ کوئی عیسائی عرب تھا۔ عربی روانی سے بولتا تھا۔

"میں اپنے سالارِ اعلیٰ ماہان کا ایلچی ہوں" ــــ اُس نے اعلان کرنے کے انداز سے کہا ــ "تمہارے سالارِ اعلیٰ سے ملنے آیا ہوں۔"

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ تھے۔ یہ تو اُنہوں نے اپنے طور پر خالدؓ کو سالارِ اعلیٰ کے اختیارات دے رکھے تھے۔ ذمہ داری بہرحال ابوعبیدہؓ کی تھی اور اہم فیصلے انہوں نے ہی کرنے تھے۔ وہ آگے چلے گئے۔

خالدؓ وہاں سے ذرا دُور تھے۔ اُن کے کان کھڑے ہوتے اور وہ اُن کی طرف چل پڑے۔

"کہو روم کے ایلچی!" ــــ ابوعبیدہؓ نے پوچھا ــ "کیا پیغام لائے ہو؟"

"سالارِ اعلیٰ ماہان نے کہا ہے کہ چند دنوں کے لیے لڑائی روک دی جائے" ــــ ایلچی نے کہا ــــ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"کیا آپ رضامند ہوں گے؟"

"کیا تمھارے سالارِ اعلیٰ نے کوئی وجہ نہیں بتائی؟" —— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"یہ عارضی صلح ہوگی" —— ایلچی نے کہا —— "اس دوران یہ فیصلہ ہوگا کہ مستقل صلح کے لیے بات چیت ہوگی یا نہیں۔"

"ہم عارضی صلح پر رضامند ہو جائیں گے" —— ابو عبیدہؓ نے کہا —— "لیکن بات چیت کا فیصلہ کون کرے گا؟"

"کیا آپ لڑائی روکنے پر راضی ہیں؟" —— ایلچی نے پوچھا۔

"ہاں!" —— ابو عبیدہؓ نے کہا —— "لیکن ..."

"نہیں!" —— ایک گرجدار آواز سنائی دی۔

دونوں نے دیکھا۔ یہ خالدؓ کی آواز تھی۔ انہوں نے ابو عبیدہؓ کی صرف "ہاں" سنی تھی۔

"ابو سلیمان!" —— ابو عبیدہؓ نے کہا —— "ان کے سالار نے عارضی صلح کے لیے کہا ہے۔"

"امین الامّت!" —— خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کے کان میں کہا —— "یہ حملے کی تیاری کے لیے مہلت چاہتے ہیں۔ ان کا اتنا نقصان ہو چکا ہے کہ فوری طور پر حملہ نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے اجازت دے کہ اس ایلچی کو کورا جواب دے سکوں۔"

"اے سلطنتِ روم کے ایلچی!" —— ابو عبیدہؓ نے ایلچی سے کہا —— "صلح سمجھوتے کا وقت گزر گیا ہے۔ اپنے اتنے زیادہ آدمی مروا کر میں یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ میں اپنے اتنے زیادہ مجاہدین کا خون ضائع کر آیا ہوں .... لڑائی جاری رہے گی۔"

ابو عبیدہؓ نے گھوڑا موڑا اور خالدؓ کے ساتھ اپنے محاذ کی طرف چل پڑے۔

"ابو سلیمان!" —— ابو عبیدہؓ نے کہا —— "اپنے مجاہدین کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ انہیں آرام مل جائے اور کچھ زخمی ٹھیک ہو جائیں۔ کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ..."

"سب دیکھ رہا ہوں ابن الجرّاح!" —— خالدؓ نے کہا —— "لیکن حالت ہمارے دشمن کی بھی ٹھیک نہیں ورنہ وہ صلح کا دھوکہ نہ دیتا۔ رومیوں کے ساتھ بہت سے قبیلے آئے تھے۔ رومی سالاروں نے انہی کو سب سے پہلے مروایا ہے اور اپنی باقاعدہ فوج کو وہ بہت کم استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قبیلے باغی ہو گئے ہوں گے یا ان کا دم خم ٹوٹ چکا ہوگا۔ ہم انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دیں گے۔"

"کیا تو ان پر حملے کی سوچ رہا ہے؟" —— ابو عبیدہؓ نے پوچھا۔

"کیا تو سوچنے کے قابل نہیں رہا امین الامّت؟" —— خالدؓ نے کہا —— "آ، مل کر سوچیں گے۔"

خالدؓ نے جو سوچا وہ بڑا ہی پُرخطر اور دلیرانہ اقدام تھا۔

وہ دن جو جنگ کا پانچواں دن تھا، بغیر لڑائی کے گزر گیا۔ دستوں کو ایک دن کا تو آرام مل گیا لیکن سالاروں نے آرام نہ کیا۔ خالدؓ نے سالاروں کو اپنے ساتھ مصروف رکھا۔ انہوں نے آٹھ ہزار گھوڑسوار الگ کر کے ایک دستہ بنا لیا۔ سالاروں کو اپنا نیا منصوبہ سمجھایا۔ انہوں نے یہ منصوبہ اپنے جن پیادہ اور سواروں کے لیے بنایا

تھا، ان میں آدھی تعداد زخمی تھی۔ ایسا خطرہ خالدؓ ہی مول لے سکتے تھے۔

چھٹے دن کی صبح طلوع ہوئی۔ رومی لشکر آگے آ گیا۔ مسلمان میدان میں نئی ترتیب سے موجود تھے۔ رومی سالار گریگری گھوڑے پر سوار آگے بڑھا۔ گریگری اُن دستوں کا سالار تھا جن کے دس دس سپاہی ایک ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔ گریگری نے دونوں فوجوں کے درمیان گھوڑا روکا۔

"کیا تمھارے سالارِ اعلیٰ میں ہمت ہے کہ میرے مقابلے میں آئے؟" —— گریگری نے للکار کر کہا۔

ابو عبیدہؓ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گریگری کی طرف گئے۔

"رک جا ابن الجراح!" —— خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کو پکارا اور گھوڑا دوڑا کر اُن کے قریب چلے گئے کہنے لگے —— "تو آگے نہیں جائے گا۔ مجھے جانے دے۔"

"آہ ابو سلیمان!" —— ابو عبیدہؓ نے کہا —— "وہ مجھے للکار رہا ہے۔"

"امین الامّت کو روک لو" —— متعدد سالاروں نے شور مچایا —— "ابن الولید کو جانے دو۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ گریگری کو مسلمان سالار ماہر تیغ زن سمجھتے تھے۔ تیغ زنی میں ابو عبیدہؓ بھی کم نہ تھے پھر بھی سب خالدؓ کو گریگری کی ٹکر کا آدمی سمجھتے تھے لیکن ابو عبیدہؓ نے کسی کی نہ سنی اور گریگری کے مقابلے کے لیے چلے گئے۔

گریگری نے ابو عبیدہؓ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس طرح ایک طرف لے گیا جیسے وہ پہلو کی طرف سے آ کر تلوار کا وار کرنا چاہتا ہو۔ ابو عبیدہؓ نے گھوڑا روک لیا اور گریگری کو کنکھیوں دیکھتے رہے۔ گریگری نے اپنے ہی انداز سے گھوڑا گھما کر اور دوڑا کر ابو عبیدہؓ پر وار کیا۔ وار ایسا تھا جو لگتا تھا روکا نہیں جا سکے گا لیکن ابو عبیدہؓ نے وار روک کر گھوڑے کو گھمایا اور بڑی پھرتی سے وار کیا۔ گریگری نے وار روک لیا۔

اس کے بعد تلواریں ٹکراتی اور گھوڑے اپنے سواروں کے پینتروں کے مطابق گھومتے، مڑتے، دوڑتے اور رُکتے رہے۔ دونوں سالار شمشیر زنی کے استاد معلوم ہوتے تھے۔ دونوں کے وار بڑے ہی تیز تھے اور ہر وار لگتا تھا کہ حریف کو کاٹ دے گا۔ دونوں فوجیں اپنے اپنے سالار کو چلّا چلّا کر داد دے رہی تھیں کبھی دونوں فوجیں یوں دم بخود ہو جاتیں جیسے وہاں کوئی انسان موجود ہی نہ ہو۔

گریگری نے ایک وار کیا جو ابو عبیدہؓ نے روک لیا۔ ابو عبیدہؓ وار کرنے لگے تو گریگری نے گھوڑا دوڑا دیا اور ابو عبیدہؓ کے اردگرد گھومنے لگا۔ ابو عبیدہؓ وار کرنے کو بڑھتے تو وہ رک کر وار روکنے کی بجائے گھوڑے کو پرے کر لیتا۔ ابو عبیدہؓ نے اُس پر وار کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ وار سے بھاگ رہا تھا۔ ایسے نظر آتا تھا جیسے وہ مقابلے سے منہ موڑ رہا ہو۔ ابو عبیدہؓ اُس کے پیچھے ہو گئے۔

آخر اُس نے گھوڑے کا رُخ اپنے لشکر کی طرف کر دیا۔ ابو عبیدہؓ اُس کے پیچھے پیچھے اور اُس کا پیچھا کرتے رہے۔ اُس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ ابو عبیدہؓ نے بھی رفتار بڑھا دی۔ رومی لشکر پر تو خاموشی طاری ہو گئی لیکن مسلمانوں نے داد و تحسین کا شور بپا کر دیا۔ رومی سالار مقابلے سے منہ موڑ کر بھاگ گیا تھا۔

گریگری نے گھوڑے کو ایک طرف موڑا اور رفتار اور تیز کر دی۔ ابو عبیدہؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اُس کے قریب چلے گئے۔ گریگری نے گھوڑا فوراً گھما کر ابو عبیدہؓ کے سامنے کر دیا۔ یہ اُس کی چال تھی۔ وہ بھاگ

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

نکلنے کا دھوکہ دے رہا تھا۔ دھوکہ یہ تھا کہ وہ اچانک گھوم کر ابو عبیدہؓ پر وار کرے گا اور انہیں وار روکنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

مؤرخ طبری اور بلاذری نے لکھا ہے کہ ابو عبیدہؓ چوکنے تھے اور گرگیری کے دھوکے کو سمجھ گئے تھے۔ گرگیری فوراً پیچھے کو گھوڑا موڑ کر وار کرنے لگا تو ابو عبیدہؓ کی تلوار پہلے ہی حرکت میں آچکی تھی۔ گرگیری کی گردن موزوں زاویے پر تھی۔ ابو عبیدہؓ کا وار سیدھا گردن پر پڑا جس سے گردن کی ہڈیوں کا ایک جوڑ کٹ گیا اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ گرگیری گھوڑے سے گر پڑا۔

مسلمانوں نے داد و تحسین کا غل غپاڑہ بپا کر دیا۔ دستور کے مطابق ابو عبیدہؓ کو گھوڑے سے اُتر کر گرگیری کی تلوار، خود اور زرہ اتار لینی چاہیے تھی لیکن وہ گھوڑے سے نہ اُترے، کچھ دیر گرگیری کو تڑپتا دیکھتے رہے۔ جب اُس کا جسم بے حس ہو گیا تو ابو عبیدہؓ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنی صفوں میں آ گئے۔

ابن الولیدؓ ابو عبیدہؓ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے نہ رُکے۔ وہ گھوڑ سوار دستے کے پاس چلے گئے جو انہوں نے اُس روز کی جنگ کے لیے تیار کیا تھا۔ آٹھ ہزار سواروں کے اس دستے کو دائیں پہلو پر عمرو بن العاصؓ کے دستوں کے عقب میں ایسی جگہ کھڑا کیا گیا تھا جہاں سے یہ دشمن کو نظر نہیں آسکتا تھا۔

خالدؓ نے اپنی تمام فوج کو سامنے کا حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ رومی سالار حیران ہوتے ہوں گے کہ مسلمان سالاروں کا دماغ جواب دے گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہی بار ساری فوج حملے میں جھونک دی ہے۔ رومیوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ مسلمانوں کے گھوڑ سوار دستے حملے میں شریک نہیں۔ رومیوں کو یہ سب کچھ دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی کیونکہ خالدؓ کے حکم کے مطابق بہت تیز حملہ کیا جا رہا تھا۔ رومیوں کی بہت سی نفری ہلاک اور شدید زخمی ہو چکی تھی پھر بھی اُن کی نفری مسلمانوں کی نسبت سہ گنا تھی۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی ہُوا۔ اتنی کم نفری کا اتنی بڑی تعداد پر حملہ خودکشی کے برابر تھا۔

"انہیں آنے دو"—— رومی سالار ماہان چلا رہا تھا —— "اور آگے آنے دو...... یہ ہمارے ہاتھوں مرنے کے لیے آ رہے ہیں۔"

خالدؓ آٹھ ہزار سواروں کو پیچھے لے جا کر رومیوں کے بائیں پہلو سے پرے لے گئے۔ انہوں نے سالار عمروؓ بن العاص سے کہا تھا کہ رومیوں کے اس پہلو پر تیز اور زوردار حملہ کریں۔ عمروؓ بن العاص نے حکم کی تعمیل کی اور جانیں لڑا دیں۔ خالدؓ چاہتے تھے کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کو سامنے سے اُلجھا لیا جائے۔

عمروؓ بن العاص نے خالدؓ کا یہ مقصد پورا کر دیا۔ خالدؓ نے آٹھ ہزار سواروں میں سے دو ہزار سواروں کا ایک دستہ الگ کر دیا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن کے پہلو کے دستے عمروؓ بن العاص کے دستوں سے اُلجھ گئے ہیں تو چھ ہزار سواروں کے ساتھ رومیوں کے پہلو والے دستوں کے خالی پہلو کی طرف سے حملہ کر دیا۔ رومیوں کے لیے یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عمروؓ بن العاص نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی۔

دشمن کے انہی دستوں پر سامنے سے شرجیلؓ بن حسنہ نے بھی حملہ کیا تھا۔ خالدؓ نے جن دو ہزار سواروں کو الگ کیا تھا، انہیں حکم دیا کہ وہ دشمن کے اُس سوار دستے پر حملہ کریں جو اپنے پہلو کے دستوں کی مدد کے لیے تیار تھا۔ ان دو ہزار سواروں کے لیے حکم یہ تھا کہ وہ دشمن کے سوار دستے کو روکے رکھیں یعنی حملہ شدید نہ کریں بلکہ دشمن کو دھوکے میں رکھیں۔

بعد میں پتہ چلا تھا کہ رومیوں کا یہ سوار دستہ خاص طور پر تیار کیا گیا تھا۔ اسے ہر اُس جگہ مدد کے لیے پہنچنا تھا جہاں مدد کی ضرورت تھی۔ مسلمان سواروں نے اس سوار دستے کو اس طرح اُلجھایا کہ حملہ کرنے اور پیچھے یا دائیں بائیں نکل جاتے۔ پینترا بدل کر پھر آگے بڑھتے اور ہلکی سی جھڑپ لے کر ادھر اُدھر ہو جاتے۔

خالدؓ کی یہ چال کارگر ثابت ہوئی۔ انہوں نے دشمن کے مقابلے میں اتنی کم تعداد کو ایسی عقلمندی سے استعمال کیا تھا کہ دشمن کے پہلو کے دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان دستوں کو توقع تھی کہ مشکل کے وقت سوار دستے مدد کو آجائیں گے لیکن مدد کو آنے والے سواروں کو خالدؓ کے دو ہزار سواروں نے آنکھ مچولی جیسی جھڑپوں میں اُلجھا رکھا تھا۔

دشمن کے پہلو کے دستے ایک بار پیچھے ہٹے تو خالدؓ نے چھ ہزار سواروں سے حملے میں شدت پیدا کر دی۔ ماہان نے خود آکر اپنے دستوں کو جم کر لڑانے کی کوشش کی لیکن اُس کا سوار دستہ بُری طرح بکھرنے اور پیچھے ہٹنے لگا۔ پیادہ دستے سوار دستوں کی مدد کے بغیر نہیں لڑ سکتے تھے۔ وہ بے طرح بکھرنے اور بھاگنے لگے۔ بھاگنے والے پیادہ دستے آرمینی تھے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ اُن کے بھاگنے کی ایک وجہ تو مسلمانوں کے سوار دستے کا حملہ تھا اور اُن پر سامنے سے بھی بہت زیادہ دباؤ پڑ رہا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آرمینی سالار دل نے محسوس کیا کہ انہیں دانستہ سواروں کی مدد سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان کے پیچھے عیسائی عرب تھے جن کا سالار جبلہ بن الایہم تھا۔ انہوں نے بھی رسالے کی مدد نہ آنے کو غلط سمجھا اور لڑنے سے مُنہ موڑ گئے۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ آرمینیوں اور عیسائیوں کی پسپائی بھگدڑ کی مانند تھی۔ دو مؤرخوں نے اسے سیلاب بھی کہا ہے جس کے آگے جو کچھ بھی آتا ہے سیلاب اُسے اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے۔ رومیوں کے بائیں پہلو سے بھاگنے والے دستوں کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی ہے۔ چالیس ہزار انسانوں کی بھگدڑ ایسا بے قابو سیلاب تھا جو اپنے سالاروں کو بھی اپنے ساتھ بہا لے گیا، یہاں تک کہ سالارِ اعلیٰ ماہان جو ابھی میدان نہیں چھوڑنا چاہتا تھا، اپنے محافظوں سمیت اس سیلاب کی لپیٹ میں آگیا اور بہتا چلا گیا۔

یہ کامیابی خالدؓ کی عسکری دانش کا حاصل تھی۔ انہوں نے دشمن کے پیادوں کو سواروں کی مدد سے محروم کر دیا تھا اور سواروں سے پیادوں پر ہلہ بول دیا تھا۔ خالدؓ کے آگے بڑھنے کا رخ ماہان اور اُس کے دو ہزار سوار محافظوں کی طرف تھا۔

اُدھر ابو عبیدہؓ اور یزیدؓ بن ابو سفیان اپنے سامنے کے دستوں پر اس انداز سے حملے کر رہے تھے کہ بھرپور لڑائی بھی نہیں لڑتے تھے اور پیچھے بھی نہیں ہٹتے تھے۔ ابو عبیدہؓ نے دشمن کے ان دستوں کو روکا ہُوا تھا جو زنجیروں میں بندھے ہُوتے تھے۔ یہ دستے تیزی سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے تھے۔

خالدؓ دشمن کے اُس رسالے کو جس نے سارے محاذ کو مدد دینی تھی، بکھیر کر بھگا چکے تھے۔ اس رسالے کو کُھل کر لڑنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا تھا۔ خالدؓ اب اپنے رسالے (سوار دستے) کے ساتھ رومیوں کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے عقب سے حملہ کر دیا۔ یہ رومی فوج کا دوسرا حصہ تھا۔ اس پر اپنے بائیں کے دستوں اور سوار دستوں کے بھاگنے کا بہت برا اثر پڑ چکا تھا۔ ماہان کے غائب ہو جانے کی وجہ سے مرکزیت بھی

ختم ہوگئی تھی۔ اب سالار اپنی اپنی لڑائی لڑ رہے تھے۔ وہ اب صرف دفاع میں لڑ سکتے تھے۔

کسی بھی فوج کا بڑا حصہ بھاگ نکلے اور کمک کی امید نہ رہے تو اس صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑا جاتا ہے اور موقع ملتے ہی پسپائی اختیار کی جاتی ہے۔ رومی لشکر کے لیے یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی تھی۔ خالدؓ نے دشمن کے بھاگنے کے راستے روک لیے تھے سوائے ایک کے۔ خالدؓ کی کوشش بھی یہی تھی کہ رومی اسی راستے سے بھاگیں۔ چنانچہ دشمن کے بھاگنے والے دستے اسی راستے پر جا رہے تھے۔

رومی فوج بھی پسپا ہو رہی تھی لیکن منظم طریقے سے۔ اس کا کچھ حصہ بھگدڑ میں بہ گیا تھا، زیادہ تعداد منظم انداز سے پسپا ہوئی۔

خالدؓ نے اس تمام علاقے کی زمین کو دُور دُور تک دیکھ لیا تھا اور انہوں نے اس زمین سے فائدہ اٹھانے کے لیے اور جو کچھ سوچ لیا تھا وہ کسی عام دماغ میں نہیں آسکتا۔ رومی لشکر جب بھاگ رہا تھا تو خالدؓ کے حکم سے اُن کے دستے بھاگنے والوں کا تعاقب کر کے ایک خاص طرف جانے پر مجبور کر رہے تھے۔ اُس طرف وادی الرقاد تھی جس میں ایک ندی بہتی تھی اور اس وادی کے خدوخال کچھ اِس طرح تھے وادی اردگرد کی زمین سے گہرائی میں چلی جاتی تھی۔ اس کی ایک طرف کی ڈھلان تو ٹھیک تھی لیکن اس کے بالمقابل کی ڈھلان زیادہ تر سیدھی تھی۔ وہاں سے اوپر چڑھا تو جا سکتا تھا لیکن بہت مشکل سے۔

رومی فوج کے باقاعدہ دستے اُس طرف چلے گئے۔ اُن کے سامنے یہی راستہ تھا۔ وہ آسان ڈھلان اُتر گئے اور انہوں نے ندی بھی پار کر لی۔ جب وہ دوسری ڈھلان چڑھنے لگے تو مشکل پیش آئی۔ آہستہ آہستہ اوپر چلے گئے۔ اچانک اوپر سے نعرے بلند ہوئے اور للکار سنائی دی۔

نعرے لگانے والے مسلمان سوار تھے اور ان کے سالار ضرارؓ بن الازور تھے۔ اُن کا جسم ناف سے اوپر ننگا تھا۔ خالدؓ نے رات کو جو منصوبہ بنایا تھا اِس کے مطابق اُنہوں نے اسی وقت ضرارؓ کو پانچ سو سوار دے کر وادی الرقاد کے دوسرے کنارے پر بھیج دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

خالدؓ نے جیسا سوچا تھا ویسے ہی ہُوا۔ رومی فوج کی دراصل کوشش یہ تھی کہ اُس کے تعاقب میں جو مسلمان آرہے ہیں، اُن سے بہت فاصلہ رکھا جائے، اس لیے وہ بہت جلدی میں جا رہے تھے۔ خالدؓ نے تعاقب اسی مقصد کے لیے جاری رکھا تھا کہ رومی فوج جلدی میں رہے۔ اس مقصد میں کامیابی یوں ہُوئی کہ رومی اوپر گئے تو اوپر ضرارؓ کے پانچ سو سوار برچھیاں تانے کھڑے تھے۔ رومی جو اوپر چلے گئے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اور جو ابھی اوپر جا رہے تھے وہ پیچھے مڑے لیکن عمودی کنارے سے وہ تیزی سے نیچے نہیں آسکتے تھے۔ مسلمانوں نے اُن پر پتھر برسانے شروع کر دیئے جو انہوں نے اسی مقصد کے لیے اکٹھے کر رکھے تھے۔ اوپر والے گرتے اور لڑھکتے ہوئے نیچے جاتے تھے۔ اوپر سے ان پر وزنی پتھر گرتے تھے۔ ان میں گھوڑسوار بھی تھے۔ گھوڑے بھی گرے اور پیادے ان کے نیچے آکر مرنے لگے۔

۞

رومی کچھ کم تو نہ تھے۔ ابھی ایک بڑی تعداد ندی تک نہیں پہنچی تھی۔ رومی سالاروں نے اپنے آگے جانے والوں کی تباہی دیکھی تو اپنے دستوں کو آگے جانے سے روک دیا اور وادی میں اُترنے کی بجائے انہیں

اوپر صف آرا کر دیا۔ وہ لڑ کر مرنا چاہتے تھے۔ آرمینیوں اور عیسائی عربوں کی بھی کچھ نفری ان سے آملی تھی۔ یہ نفری بھاگ رہی تھی اور مسلمان انہیں وادی کی طرف لے آئے تھے۔

خالدؓ اپنی فوج کے ساتھ تھے۔ اُنہوں نے دشمن کو صف آرا دیکھا تو اپنے سالاروں کو بلا کر کہا کہ دشمن پر حملہ کر دیں۔

"اِن میں لڑنے کا دم نہیں رہا"— خالدؓ نے کہا —"سیدھا حملہ کرو۔ میرے حکم کا انتظار نہیں کرنا۔ ان کے لیے پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں ہے۔ ایک طرف دریا (یرموک) ہے۔ دوسری طرف گہری وادی ہے۔ سامنے ہم کھڑے ہیں۔ ان پر ہلّہ بول دو۔"

رومی پھندے میں آگئے تھے۔ ان کا لڑنے کا جذبہ پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ بعض مؤرخوں نے مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار اور دو نے اس سے کچھ کم لکھی ہے۔ شہادت اور شدید زخمیوں کی وجہ سے نفری کم ہو گئی تھی۔ ایک دستے کو عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔

مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ اس میں کوئی چال نہ چلی گئی۔ اس حملے کا انداز ٹوٹ پڑنے جیسا تھا۔ سوار اور پیادے گڈمڈ ہو گئے تھے۔ رومی اب زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ تو تربیت یافتہ فوج تھی۔ اس فوج کی اگلی صف نے مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کیا لیکن وہ جگہ ایسی تھی جہاں دائیں بائیں ہونے اور گھوم پھر کر لڑنے کی گنجائش نہیں تھی۔ اس وجہ سے رومی اپنے ہی ساتھیوں کے ساتھ ٹکرانے اور ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ بننے لگے۔

یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے سُودمند تھی۔ رومیوں کی اگلی صف نے مقابلہ تو کیا لیکن اِس کا کوئی ایک بھی آدمی زندہ نہ رہا۔ مسلمان سواروں نے رومی پیادوں پر گھوڑے چڑھا دیئے اور انہیں صحیح معنوں میں کچل ڈالا۔ جہاں جگہ کچھ کشادہ تھی وہاں رومیوں نے مقابلہ کیا لیکن مؤرخوں کے مطابق، یوں بھی ہُوا کہ گرد و غبار میں رومیوں نے رومیوں کو ہی کاٹ ڈالا۔ اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی۔

یہ بڑا خوفناک معرکہ تھا، بڑی بھیانک لڑائی تھی، یہ رومیوں، عیسائی عربوں اور ان کے اتحادی قبیلوں کا قتلِ عام تھا۔

"گھوڑوں کو اٹھا کر ان پر گراؤ"— یہ خالدؓ کی للکار تھی —"مومنین! کفر کی چٹانوں کو پیس ڈالو۔"

مسلمان سوار باگوں کو جھٹکا دیتے تو گھوڑے اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا لیتے تھے اور جب گھوڑے ٹانگیں نیچے لاتے تو ایک دو رومی کچلے جاتے۔ یہ تو رومیوں کا قتلِ عام تھا۔ رومی وادی الرقّاد کی طرف بھاگ رہے تھے جہاں وہ اگلے عمودی کنارے کی ایک گھاٹی چڑھتے تو ضرارؓ کے سواروں کی برچھیوں سے چھلنی ہوتے اور اُوپر سے لڑھکتے ہُوئے نیچے آتے۔

مسلمانوں نے اس فتح کے لیے بہت سی جانیں قربان کی تھیں اور جو شدید زخمی ہُوئے تھے اُن میں کئی ایک ساری عمر کے لیے معذور ہو گئے تھے۔ یہ جنگ مسلمان عورتیں بھی لڑی تھیں۔ عورتوں نے اپنے بھاگتے مردوں کو دھمکیاں دے کر بھاگنے سے روکا تھا۔ اب وہ دشمن جو اسلام کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے ارادے سے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر لایا تھا بڑے بُرے پھندے میں آگیا تھا۔ وادی الرقّاد اُس کے لیے موت کی وادی بن گئی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اللہ نے مومنین کی وہ دعائیں قبول کر لی تھیں جو وہ راتوں کو جاگ جاگ کر مانگتے اور اللہ کے حضور گڑگڑاتے رہے تھے۔ وہ ایک آیت کا ورد کرتے رہتے تھے:

کتنی ہی بار چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے جاننے سے بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اللہ صبر و استقامت والوں کا ساتھ دیتا ہے: (قرآن حکیم ۲۴۹/۲)

اب میدانِ جنگ کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ رومیوں کی چیخیں اٹھتی تھیں جو مسلمانوں کے نعروں میں دب جاتی تھیں۔ وادی میں گہری کھائیاں بھی تھیں۔ بعض رومی ان میں بھی گرے اور بڑی بُری موت مرے۔

۵

جنگِ یرموک کے چھٹے اور آخری روز کا سورج میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں ڈوب گیا۔ فضا خون کی بو سے بوجھل تھی۔ مشعلیں جل اٹھیں اور رومیوں کی لاشوں کے درمیان گھومنے پھرنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی مشعلیں تھیں۔ وہ اپنے شہیدوں اور شدید زخمیوں کو اٹھا رہے تھے اور مالِ غنیمت بھی اکٹھا کر رہے تھے۔ خیمہ گاہ میں خبر پہنچی تو عورتیں آگئیں۔ وہ کئی میل فاصلہ طے کر کے آئی تھیں۔ وہ اپنے خاوندوں کو اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"تو جنتی ہے" ـــ کسی نہ کسی عورت کی آواز سنائی دیتی تھی ـــ "تو جنت میں جا رہا ہے۔"

جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن خالدؓ کی جنگ ابھی جاری تھی۔ رات بھر مسلمان شہیدوں، زخمیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ مصروف رہے لیکن خالدؓ کی مصروفیت کچھ اور تھی۔ اُن کے لیے ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تھی اُنہوں نے جو رومی قیدی پکڑے تھے، ان سے خالدؓ معلوم کرتے رہے تھے کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ ماہان جو آرمینیا کا بادشاہ بھی تھا، کس طرف گیا ہے۔ بیشتر قیدیوں کو معلوم نہ تھا۔ آخر پتہ چل گیا۔ ماہان کو انطاکیہ کی بجائے دمشق کی طرف جاتے دیکھا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کا محافظ سوار دستہ تھا جس کی تعداد دو ہزار تھی۔

صبح طلوع ہوتے ہی خالدؓ اپنے سوار دستے کو ساتھ لے کر ماہان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے۔

اُس وقت ماہان دمشق سے دس بارہ میل دُور پہنچ چکا تھا۔ اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ مسلمان اُس کے تعاقب میں پہنچ جائیں گے۔ شاید اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے جا رہا تھا، رات اُس نے پڑاؤ کیا اور صبح دمشق کو روانہ ہوا تھا۔

"شہنشاہِ معظم!" ـــ اُسے اپنے کسی ساتھی نے کہا ـــ "وہ دیکھیں گرد اُٹھ رہی ہے۔ یہ کوئی سوار دستہ لگتا ہے۔"

"اپنا ہی ہوگا" ـــ ماہان نے کہا ـــ "ان کی گرد کو نہ دیکھو جو میدانِ جنگ کی گرد سے بھاگ آئے ہیں۔ یہ شکست کھا کر آئے ہیں۔"

ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ ماہان کی ذہنی کیفیت بہت بُری تھی۔ وہ کسی کے ساتھ بولتا نہیں تھا۔ اُس کی افسردگی کا باعث صرف یہ نہیں تھا کہ اُس نے شکست کھائی تھی بلکہ یہ کہ اُس نے بڑی تھوڑی تعداد کی فوج سے شکست کھائی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کو کچل کر واپس آنے کا دعویٰ کیا تھا مگر اب وہ انطاکیہ جانے کی بجائے دمشق کی طرف جا رہا تھا۔ انطاکیہ میں شہنشاہِ روم ہرقل تھا۔ ماہان اُس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جن سواروں کی گرد نظر آئی تھی اب اُن کے گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آواز سنائی دینے لگی تھی جو

بڑی تیزی سے قریب آ رہی تھی۔ ماہان پیچھے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ انہیں میدان سے بھاگے ہوئے سوار سمجھ رہا تھا۔ سوار قریب آئے تو دو حصوں میں بٹ گئے اور اُس کے گرد گھیرا ڈالنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی للکار سنائی دی:

انا فارس الضدید
انا خالد بن الولید

تب ماہان چونکا۔ اُس کے ساتھ اُس کے اپنے دو ہزار سوار محافظ ہی نہیں تھے بلکہ آرمینیا کی باقاعدہ فوج کی بھی کچھ تعداد تھی اور کچھ عیسائی عرب بھی تھے۔ اُس نے ان سب کو لڑنے کی ترتیب میں کر دیا اور خود اپنے چند ایک محافظ ساتھ لے کر الگ ہٹ گیا۔

خالدؓ کو بتایا گیا تھا کہ ماہان کے ساتھ اپنے محافظوں کا سوار دستہ ہے لیکن اُس کے ساتھ اس سے دگنی سے بھی کچھ زیادہ تعداد تھی۔ خالدؓ نے گھیرے کی شکل میں حملہ کیا۔ ماہان کی فوج نے جم کر مقابلہ کیا لیکن مسلمان تھکے ہوئے ہونے کے باوجود تازہ دم لگتے تھے۔ یہ فتح کی خوشی کا اثر تھا۔

تاریخ میں اُس مجاہد کا نام نہیں ملتا جو لڑائی میں بچتا بچاتا ماہان تک جا پہنچا۔ وہ ماہان کے سواروں کا حصار توڑ گیا اور اُس نے ماہان کو ہلاک کر دیا۔ مجاہد خود بھی زخمی ہوا لیکن ماہان کو ہلاک کر کے اُس نے اپنے ساتھیوں کا کام آسان کر دیا۔ اپنے شہنشاہ اور سالارِ اعلیٰ کو مرتا دیکھ کر اُس کے سوار معرکے میں سے نکلنے لگے۔

کچھ دیر بعد دشمن کے سوار اور پیادے جدھر کو رُخ ہوا اُدھر کو ہی بھاگ نکلے لیکن بہت سی لاشیں اور اچھے بھلے گھوڑے پیچھے چھوڑ گئے۔

دمشق دُور نہیں تھا۔ خالدؓ نے دمشق کا رخ کر لیا۔ یہ اُن کا ایک اور دلیرانہ اقدام تھا۔ دمشق پر مسلمانوں کا قبضہ رہا تھا لیکن رومیوں کے اتنے بڑے لشکر کو دیکھ کر مسلمانوں نے دمشق سے قبضہ اُٹھا لیا تھا۔

"خدا کی قسم!" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "دمشق کے دروازے اب بھی ہمارے لیے کھل جائیں گے۔"

توقع نہیں تھی کہ ایسا ہوگا۔ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد بھی رومیوں نے اس اہم شہر پر اپنا تسلط نہ جمایا ہو۔

خالدؓ کی قیادت میں جب مسلمان سواروں کا دستہ دمشق پہنچا تو دیوار کے اُوپر سے کسی نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟

"کیا تم نے نہیں پہچانا کہ یہ تمہارے حاکم تھے لیکن حکومت تمہاری تھی؟" ـــ خالدؓ نے کہا ـــ "کیا تم نہ کہتے تھے کہ رومیوں سے مسلمان اچھے ہیں؟ .... خدا کی قسم، ہم رومیوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر آئے ہیں۔"

"مسلمان آ گئے ہیں" ـــ یہ ایک نعرہ تھا جو دیوار کے اوپر بلند ہوا پھر یہ نعرہ سارے شہر میں پھیل گیا۔

شہر کا بڑا دروازہ کھل گیا اور شہریوں کا ایک ریلا باہر نکلا۔ لوگوں نے بازو پھیلا کر مسلمانوں کا استقبال کیا اور خوشی سے ناچتے ہوئے، خالدؓ اور ان کے سوار دستے کو شہر میں لے گئے۔ یہ اُس اچھے سلوک اور برتاؤ کا اثر تھا جو مسلمانوں نے اہلِ دمشق سے کیا تھا۔ مسلمانوں نے تو کردار کی بلندی کا یہ مظاہرہ بھی کیا تھا کہ دمشق سے رخصت ہونے سے پہلے شہریوں سے وصول کیا ہوا جزیہ واپس کر دیا تھا۔

خالدؓ دمشق میں نہیں رک سکتے تھے، انہیں یرموک پہنچنا تھا اور فتح کے بعد کے امور اور انتظامات دیکھنے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

تھے۔ وہ اُسی وقت روانہ ہو گئے۔

شام سے رومی سلطنت کا بوریا بستر گول ہو گیا۔ چند دنوں بعد شہنشاہ ہرقل انطاکیہ سے رخصت ہوا۔ اُس کا ٹھکانہ اب قسطنطنیہ تھا۔ دو مؤرخوں، بلاذری اور طبری نے لکھا ہے کہ شہنشاہِ ہرقل جب انطاکیہ سے روانہ ہُوا تو اُس نے کچھ دُور جا کر رک کر اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"اے ارضِ شام!" —— اُس نے آہ لے کر بوجھل سی آواز میں کہا —— "اُس بدنصیب کا آخری سلام قبول کر جو تجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ اب رومی ادھر آتے بھی تو اُن پر تیرا خوف سوار ہو گا۔ ... کتنا خوبصورت ملک دشمن کو دیتے جا رہا ہوں۔"

جنگِ یرموک پر ہر دور کے جنگی مبصّروں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ اس پر سب متفق ہیں کہ یہ جنگ خالدؓ کی عقل سے جیتی گئی تھی اور یہ کامیابی کارگر چالوں سے حاصل کی گئی تھی۔

اس جنگ میں چار ہزار مومنین شہید ہوتے اور زخمی تقریباً سبھی ہوتے۔ خود خالدؓ زخمی تھے۔ رومیوں کی اموات ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہیں لیکن مؤرخوں کی اکثریت ستّر ہزار پر متفق ہے۔

سلطنتِ اسلامیہ شام تک پھیل گئی۔

وہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ اُن کے ہتھیار دشمن کے مقابلے میں کمتر تھے۔ اُن کے ذرائع یوں محدود تھے کہ اپنے وطن سے بہت دور تھے۔ کمک نہیں مل سکتی تھی۔ اس کا حصول دشوار تھا۔ دشمن مانندِ ٹڈی دَل تھا۔ اُس کے ہتھیار برتر تھے۔ وہ اُس کی اپنی زمین تھی، ملک اپنا قلعے اپنے تھے۔ کمک کی اُس کے ہاں کمی نہیں تھی۔ اپنی بادشاہی میں سے ہزاروں کی تعداد میں لڑنے والے لوگوں کو میدان میں لے آتا تھا، لیکن وہ جو تعداد میں تھوڑے تھے اور جو کئی کئی سالوں سے مسلسل لڑ رہے تھے اُس دشمن کے سینے پر کھڑے تھے جو اُن سے کہیں تین گنا اور کہیں چار گنا زیادہ طاقت ور تھا۔

وہ کون تھے جنہوں نے اُس دَور کے سب سے زیادہ طاقت ور دشمن کو فیصلہ کن شکست دی تھی؟

وہ مسلمان تھے۔

وہ نام کے مسلمان نہیں تھے۔

وہ جنگی طاقت کو آدمیوں اور گھوڑوں کی تعداد سے نہیں جذبے اور ایمان سے ناپتے تھے۔

یہ ایمان کی قوت کا کرشمہ تھا کہ شام میں قیصرِ روم کا پرچم اُتر گیا تھا۔ جن قلعوں پر یہ پرچم لہرایا کرتا تھا اُن قلعوں میں اب اذانیں گونج رہی تھیں۔

یرموک کے میدانِ جنگ میں چار ہزار مجاہدین نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر رومیوں کو شام سے بے دخل کر دیا تھا۔ شہنشاہ ہرقل جو ایک جابر جنگجو تھا اور اپنی فوج کو ایک ناقابلِ تسخیر فوج سمجھتا تھا، اِس حالت میں شام کی سرحد سے نکلا تھا کہ اُس نے جوابی حملے کی سوچنے کی بجائے ذہنی طور پر شکست تسلیم کر لی تھی۔

اُس کی فوج کے بھاگنے کا انداز کسی منظم اور طاقتور فوج جیسا نہیں تھا۔ اس فوج کی آدھی نفری ماری گئی، زخمیوں کا کچھ حساب نہ تھا اور جو اب بھاگنے کے قابل تھے وہ افراد میں بکھر کر بھاگے۔ ان میں سے زیادہ تر نے بیت المقدس میں جا پناہ لی۔ اُس وقت بیت المقدس ایلیا کہلاتا تھا۔ یہ آخری قلعہ تھا جو رومیوں کے ہاتھ میں رہ گیا تھا۔ دو چار اور قلعے بھی تھے جو ابھی رومیوں کے پاس تھے لیکن یہ بیت المقدس جیسے بڑے نہیں تھے۔ ان کے اندر مسلمانوں کی دہشت پہنچ چکی تھی۔

مؤرخ لکھتے ہیں کہ شہریوں نے دیکھا کہ رومیوں کا سورج غروب ہو رہا ہے تو انہوں نے قیصرِ روم کی فوج کو اپنے تعاون سے محروم کر دیا۔ مسلمانوں کے متعلق اُن تک یہ رائے پہنچی تھی کہ مسلمان میدانِ جنگ میں سراپا قہر اور مانندِ فولاد ہیں اور حکمران کی حیثیت میں وہ ریشم جیسے نرم ہیں۔

ان قلعوں کو سر کر لیا گیا۔ کہیں ذرا سی مزاحمت ہوئی جو مسلمانوں کو روک نہ سکی اور باقی قلعوں کے دروازے بغیر مزاحمت کھل گئے۔ شہریوں نے مسلمانوں کا استقبال کیا اور جزیہ ادا کر دیا، البتّہ بیت المقدس ذرا بڑا شہر تھا اور یہ شہر قلعہ بند تھا۔ قلعہ مضبوط تھا۔ اسے سر کرنا دشوار نظر آ رہا تھا۔

بیت المقدس میں رومی سالار اطربون تھا جس کے متعلق مؤرخوں نے لکھا ہے کہ فنِ حرب و ضرب

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

میں ہرقل کا اہم ٹپہ تھا۔ بعض مؤرخوں نے اُسے ہرقل کا اہم ترین بھی کہا ہے۔ مسلمانوں کے جاسوس، بیت المقدس تک پہنچے ہوئے تھے۔ اُن کی لائی ہوئی اطلاعوں کے مطابق اطربون جابر اور بے خوف سالار تھا اور وہ مرتے دم تک لڑنے والا جنگجو تھا بیت المقدس کے دفاع میں اُسے آخری دم تک لڑنا ہی تھا کیونکہ اس خطے میں رومیوں کا یہ آخری مضبوط قلعہ تھا۔

ایک مقام اور بھی تھا جو خاصا اہم تھا۔ یہ تھا قیساریہ۔ اس کا قلعہ بھی مضبوط تھا۔ اُس وقت مسلمان جابیہ کے مقام پر خیمہ زن تھے۔ یرموک کی جنگ کے بعد وہ جابیہ چلے گئے تھے۔ زخمیوں کی تعداد غیر معمولی تھی، اور جو زخمی نہیں تھے وہ لڑنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی تھکن سے چُور تھے، جنگِ یرموک نے اُن کے جسموں کا دم خم توڑ دیا تھا۔ انہیں آرام کی ضرورت تھی اور زخمیوں کی مرہم پٹی اس سے زیادہ ضروری تھی۔ ان کے زخم ٹھیک ہونے کا انتظار کرنا تھا۔
انتظار خطرناک ہو سکتا تھا۔

خطرہ یہ تھا کہ رومی ایک جنگجو قوم تھی، شکست تو انہیں فیصلہ کن ہوئی تھی لیکن وہ اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے شکست کو تسلیم نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ پریشانی تو بیت المقدس کے متعلق تھی جہاں اطربون جیسا جری اور قابل سالار موجود تھا لیکن رومیوں کے کچھ دستے بکھرے ہوئے تھے۔ جاسوس اطلاعیں دے رہے تھے کہ بعض جگہوں پر رومیوں کے سالار موجود تھے۔

ابوعبیدہؓ اور دیگر مسلمان سالار یہ خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ رومی جوابی حملہ کریں گے۔

"میرے رفیقو!" —— ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں سے کہا —— "رومی حملہ ضرور کریں گے لیکن ان میں ابھی اتنا دم خم نہیں ہے کہ وہ فوری طور پر حملہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ وہ اس طرح دُور دُور بکھر گئے ہیں کہ انہیں اکٹھا ہونے کے لیے بھی وقت چاہیے۔"

حقیقت بھی یہی تھی کہ جس طرح مسلمانوں میں ایک ہلکا سا معرکہ لڑنے کی سکت نہیں رہی تھی اسی طرح رومیوں میں بھی لڑنے کا دم نہیں رہا تھا جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ڈیڑھ لاکھ میں ستر ہزار رومی مارے گئے تھے اور باقی جو بچے تھے ان میں زیادہ تر زخمی تھے۔ جاسوسوں کی اطلاعیں یہ تھیں کہ رومی کہیں بھی جوابی حملے کے لیے منظم نہیں ہو رہے لیکن وہ جہاں جہاں بھی ہیں، وہاں دفاعی جنگ لڑنے کے لیے تیار ہیں۔

اکتوبر ۶۳۶ء (شعبان ۱۵ھ) کے ایک دن سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے اپنے سالاروں کو بلایا۔

"میرے رفیقو!" —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— "زیادہ تر زخمی مجاہدین لڑنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ لشکر نے بھی آرام کر لیا ہے۔ ہم اب اس قابل ہیں کہ آگے پیش قدمی کریں۔ دو جگہیں ہیں جن پر قبضہ کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک تو قیساریہ ہے اور دوسری جگہ ہے بیت المقدس۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ ان دونوں جگہوں میں سے کس پر ہم پہلے حملہ کریں؟"

اس مسئلے پر جب بحث شروع ہوئی تو سالاروں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کا خیال تھا کہ یہ دونوں جگہیں دفاع کے لحاظ سے مضبوط ہیں، اس لیے ان پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا جائے۔ کچھ یہ کہتے تھے کہ دونوں مقامات کو بیک وقت محاصرے میں لیا جائے۔ ابوعبیدہؓ ان کے درمیان فیصلہ نہ کر سکے۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیرالمومنین سے پوچھیں کہ ہمیں قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کس جگہ کو پہلے محاصرے میں لینا چاہیے؟" —— ابوعبیدہؓ نے کہا —— "میں تم سب کے جذبے اور ایثار کی قدر کرتا ہوں۔ اس کا اجر تمہیں اللہ دے گا۔ میں کسی کی حوصلہ شکنی اپنی زبان سے نہیں کروں گا۔ الحمدللہ دشمن ان خطے سے بھاگ رہا ہے لیکن ہمیں اپنی فتح کو مکمل کرنا ہے۔ میں یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ ہم قاصد کو مدینہ بھیج کر امیرالمومنین کا حکم لیں۔"

تمام سالاروں نے ابوعبیدہؓ کی تائید کی اور اُسی وقت ایک تیز رفتار قاصد کو مدینہ اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا گیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ بن الخطاب کی خدمت میں، سالارِ اعلیٰ برائے شام ابوعبیدہ بن الجراح کی طرف سے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اطاعت اللہ کے رسول محمدﷺ کی ہے۔ اللہ نے ہمیں جس فتح سے نوازا ہے، وہ ہماری آئندہ نسلوں پر اس کی ذات کا بہت بڑا احسان ہے۔ تمام فتوحات کی اطلاعیں مع مالِ غنیمت مدینہ بھیجی جاتی رہی ہیں۔ اب ہم جابیہ کے مقام پر آرام کی غرض سے رُکے ہوئے ہیں۔ الحمدللہ زخمی بہت بہتر ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت یہ ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور رومیوں کو شام کی سرزمین سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کر دیں۔ ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں کہ ہم قیساریہ اور بیت المقدس میں سے کون سی جگہ کا انتخاب کریں۔ کیا امیرالمومنین ہماری رہنمائی کریں گے؟"

وہاں سے مدینہ کا سفر کم و بیش ایک ماہ کا تھا۔ قاصد کے جانے اور آنے میں کم سے کم بیس روز درکار تھے۔ ان دنوں میں زخمی مجاہدین مزید بہتر ہو گئے اور جو زخمی نہیں تھے انہیں آرام اور تیاری کے لیے مزید وقت مل گیا۔

بیت المقدس کے اندر کے ماحول پر جہاں شکست کی افسردگی، شرمساری اور دہشت طاری تھی وہاں جوش و خروش بھی پایا جاتا تھا۔ یہ جوش و خروش رومی سالار اطربون کا پیدا کردہ تھا۔ وہ ابھی مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آیا تھا۔ اُس نے سنا تو تھا اور بڑی اچھی طرح سنا تھا کہ رومی فوج کسی بھی میدان میں مسلمانوں کے مقابلے میں جم نہیں سکی لیکن اطربون نے اپنے آپ پر یہ وہم طاری کر لیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بیت المقدس میں شکست دے دے گا۔ اُس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے پلان بنانے شروع کر دیے اور اس سلسلے میں ایک روز قیساریہ چلا گیا۔

قیساریہ میں اُس نے وہاں کے سالار اور فوج کو خوف زدگی کے عالم میں دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے تم نے لڑنے سے پہلے شکست تسلیم کر لی ہے؟" —— اطربون نے قیساریہ کے سالار سے کہا —— "اور میں تمہیں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے تیار کرنے آیا ہوں۔"

"اگر ہرقل بھاگ گیا ہے تو مقابلے میں ہم بھی نہیں ٹھہر سکتے" —— قیساریہ کے سالار نے کہا —— "فوج جو میرے پاس ہے اس پر اُن سپاہیوں کا اثر ہو گیا ہے جو یرموک سے بھاگ کر یہاں آتے ہیں..... وہ ابھی تک آ رہے ہیں۔ نہ جانے کہاں کہاں بھٹک کر آ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر، آنکھوں میں اور باتوں میں خوف نمایاں ہوتا ہے۔"

"بزدل!" —— اطربون نے نفرت سے کہا —— "لڑائیوں سے بھاگے ہوئے سپاہی اور سالار بھی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن کی فوج کو جنّات اور بد روحوں کی فوج ثابت کرتے ہیں جن کا وہ مقابلہ کر ہی نہیں سکتے تھے.... کیا تم مجھے یہ مشورہ دینا چاہتے ہو کہ ہرقل کی طرح ہم بھی مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں؟ تمھاری عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ تم یہ سوچنے کے بھی قابل نہیں رہے کہ ہرقل کی غیر حاضری میں میرا حکم چلتا ہے اور تم میرے حکم کے پابند ہو۔ ہم لڑیں گے۔"

"میں نے آپ کو فوج کی ذہنی حالت بتائی ہے" ــــ قیساریہ کے سالار نے کہا ــــ "یہ نہیں کہا کہ ہم بھاگ جائیں گے۔ آپ حکم دیں۔ فوج منہ موڑ جائے گی تو بھی آپ مجھے میدانِ جنگ میں ہی دیکھیں گے۔"

"فوج کو لڑانا تمھارا کام ہے" ــــ اطربون نے کہا ــــ "تم نے باقی جو کچھ کہا ہے یہ بڑھانکی ہے۔ فارسیوں نے بھی ان عربی مسلمانوں کو عرب کے بدو اور صحرائی قزاق کہا تھا۔ ہرقل اور اُس کے سالار بھی یہی کہتے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے کہ کسی ایک بھی مسلمان کو زندہ واپس نہیں جانے دیں گے.... حکم یہ ہے اور یہ موجودہ صورتِ حال کا تقاضہ ہے کہ اپنی فوج کو لڑنے کے لیے تیار کر دو مسلمان ایلیا (بیت المقدس) پر حملہ کریں گے۔ تمھارا کام یہ ہوگا کہ وہ جب ایلیا کو محاصرے میں لے لیں تو تم آ کر انہیں محاصرے میں لے لو۔ تمھارے پاس فوج کی کمی نہیں۔ اگر تم دشمن کو مکمل محاصرے میں نہ لے سکو تو عقب سے اُس کی فوج پر حملے کرتے رہو۔ میں اپنے دستے شہر کے باہر بھیج کر اتنا سخت ہلّہ بولوں گا کہ دشمن قدم جمانے کے قابل نہیں رہے گا۔ عقب میں تم ہو گے۔ پھر سوچ یہ بدبخت کدھر سے نکل کر جائیں گے" ــــ اُس نے رازداری کے لہجے میں کہا ــــ "مسلمان تھک کر چور ہو چکے ہیں۔ ان کی نفری کم و بیش چھ ہزار کم ہو گئی ہے۔ اب انہیں شکست دینا مشکل نہیں رہا۔"

"اور اگر وہ ایلیا کی بجائے قیساریہ میں آ گئے تو کیا....؟"

"پھر میں تمھاری مدد کو آؤں گا" ــــ اطربون نے کہا ــــ "اور میں تمھاری مدد اُسی طرح کروں گا جس طرح میں نے تمھیں کہا ہے کہ میری مدد کو آنا۔"

ان کے درمیان طے ہو گیا کہ دونوں میں سے کسی پر حملہ ہُوا تو دوسرا اُس کی مدد کو آئے گا۔ اطربون یقین سے کہتا تھا کہ مسلمان بیت المقدس پر آئیں گے۔

اُس دور کے متعلق جب مسلمان شام پر چھا گئے تھے، ہرقل شام سے نکل گیا تھا اور مسلمان فلسطین پر قابض ہوتے چلے جا رہے تھے، مؤرخوں میں اختلاف پائے جاتے ہیں بعض نے واقعات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ معرکوں کے تسلسل کو بھی آگے پیچھے کر دیا ہے کہیں کہیں اموات میں مبالغہ آرائی ملتی ہے۔ رومیوں اور مسلمانوں کی نفری بھی صحیح نہیں لکھی۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اکثر غیر مسلم مؤرخوں نے صحیح واقعات پیش کیے ہیں اور مسلمانوں کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے لیکن بعض مسلمان مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں نے اپنے اپنے فرقے کے عقیدوں کے مطابق تعصب کا مظاہرہ کیا ہے اور واقعات کو خلط ملط کر دیا ہے اور جو تعصبات آج ان جانبدار تاریخ نویسوں کے ذہنوں میں بھرے ہُوتے ہیں وہ اُنہوں نے خلفائے راشدین اور مجاہدین کے چہروں پر مل دیئے ہیں مثلاً امیر المومنین عمرؓ نے خالدؓ کو معزول کر کے مدینہ بلا لیا تھا ہم اس کی وجوہات

آگے چل کر بیان کریں گے لیکن چند ایک تاریخ نویسوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امیر المومنین عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے خلاف ذاتی رنجش کی بنا پر بغض اور کینہ بھرا ہُوا تھا۔ اس سے یہ تاریخ نویس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ عمرؓ کا کردار اتنا عظیم نہیں تھا جتنا بتایا جاتا ہے۔

ہم چونکہ صرف خالدؓ بن ولید سیف اللہ کی زندگی کی کہانی سنا رہے ہیں اس لیے ہم اُن جنگوں اور دیگر حالات کا زیادہ ذکر نہیں کریں گے جن کا تعلق خالدؓ کے ساتھ نہیں۔

اگر مؤرخوں اور بعد کے تاریخ نویسوں کی تحریروں کی چھان بین کی جائے تو سوائے اُلجھاؤ کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک تو یہ پتہ چلتا ہے کہ سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے امیر المومنین عمرؓ سے بذریعہ قاصد پوچھا تھا کہ وہ قیساریہ کی طرف توجہ دیں یا بیت المقدس کی طرف، دوسری طرف کچھ ایسے تاریخ نویس ہیں جو لکھتے ہیں عمروؓ بن العاص نے امیر المومنین کو پیغام بھیجا تھا کہ بیت المقدس پر چڑھائی کریں یا کیا کریں، اور ایک تاریخ نویس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ امیر المومنین بیت المقدس سے تھوڑی ہی دور کسی مقام پر موجود تھے۔

پسِ منظر کے واقعات کو اور مستند مؤرخوں کی تحریروں کو دیکھا جائے تو امیر المومنین عمرؓ ہمیں مدینہ میں موجود نظر آتے ہیں جہاں انہیں ہر محاذ کی رپورٹیں مل رہی ہیں، مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ خلافت کے لیے ہر طرف سے آ رہا ہے، امیر المومنین کے ہاتھوں تقسیم ہو رہا ہے اور وہ سالاروں کو خراجِ تحسین کے پیغام بھیج رہے ہیں۔

سالارِ اعلیٰ ابوعبیدہؓ نے جو قاصد مدینہ کو روانہ کیا تھا وہ تیز رفتار تھا۔ قاصدوں کی رفتار اس وجہ سے مزید تیز ہو جاتی تھی کہ راستے میں گھوڑے بدلنے کا انتظام موجود تھا۔ اب تو تمام تر علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ قاصد پندرہ دنوں بعد امیر المومنین کا حکم لے آیا۔

امیر المومنین نے لکھا تھا کہ بیت المقدس سب سے پہلے فتح ہونا چاہیئے لیکن اس کا محاصرہ کرنے سے پہلے رومیوں کی کمک کے راستے بند کرنا ضروری ہیں۔ عمرؓ کو یہاں تک معلوم تھا کہ قیساریہ میں رومی فوج کثیر تعداد میں موجود ہے جو بیت المقدس کو کمک اور دیگر مدد دے سکتی ہے۔ عمرؓ کو مدینہ میں موجود رہ کر بھی معلوم تھا کہ قیساریہ تک رومیوں کی مزید فوج سمندر کے راستے بھی پہنچ سکتی ہے چنانچہ خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا کہ قیساریہ کا اڈہ ختم کرنا ضروری ہے۔

امیر المومنین نے اپنے حکم اور ہدایات میں یہ بھی لکھا کہ انہوں نے یزیدؓ بن ابی سفیان کو حکم بھیج دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی معاویہؓ کو قیساریہ کا محاصرہ کرنے اور رومیوں کے اس مضبوط اور خطرناک قلعے کو سَر کرنے کے لیے فوراً بھیج دے تاکہ بیت المقدس کی رومی فوج کو قیساریہ سے اور قیساریہ کو سمندر کی طرف سے مدد نہ پہنچ سکے اور اس سے یہ فائدہ بھی ہوگا کہ قیساریہ اور بیت المقدس کا رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ اِس حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ قیساریہ کی فتح کے فوراً بعد ابوعبیدہؓ بیت المقدس پر چڑھائی کریں گے۔

مدینہ سے یہ جو احکام مختلف سالاروں کو بھیجے گئے ان کے مطابق معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے رومی سالار کو توقع تھی کہ اطربون اُس کی مدد کو آئے گا۔ اس توقع پر اُس نے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ دستوں کو قلعے سے باہر نکال کر حملے کراتے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ان حملوں کا تسلسل اور انداز ایسا تھا کہ محاصرے کا تو صرف نام رہ گیا تھا، قلعے کے باہر خونریز لڑائی شروع ہوگئی۔ رومیوں کے حملوں کا طریقہ یہ تھا کہ قلعے کے دو دروازے کھلتے، دو تین دستے رُکے ہُوئے سیلاب کی مانند باہر آتے اور مسلمانوں پر بڑا شدید ہلّہ بولتے۔ کچھ دیر لڑ کر وہ پیچھے ہٹتے اور قلعے میں چلے جاتے اور دروازے پھر بند ہوجاتے۔

مسلمانوں نے ان حملوں کا مقابلہ اس طرح کیا کہ رومی دستے باہر آتے تو مسلمان اُن کے عقب میں جانے کی کوشش کرتے کہ رومی قلعے میں واپس نہ جاسکیں۔ عقب میں جانا اس وجہ سے خطرناک ہوجاتا تھا کہ قلعے کی دیوار سے اُن پر تیر آتے تھے۔ مسلمان رومیوں کے پہلوؤں کی طرف ہوجاتے اور تیروں کی بوچھاڑوں سے بہت سے رومیوں کو گرا لیتے۔

اس طرح رومیوں نے اتنا نقصان اٹھایا کہ وہ لڑنے کے قابل نہ رہے۔ قیساریہ کے رومی سالار نے اطربون پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ بزدل نہیں، ایک روز خود دو چار دستوں کو ساتھ لیا اور باہر نکل آیا۔ مسلمانوں پر ایسے حملے کئی بار ہوچکے تھے اس لیے انہیں یہ حملے روکنے کا تجربہ ہوگیا تھا۔ اب رومی سالار خود باہر آیا تو مسلمانوں نے پہلے سے زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ کئی مجاہدین رومی سالار کو مارنے کے لیے آگے بڑھنے لگے لیکن اُسے مارنا آسان نظر نہیں آتا تھا۔ وہ محافظوں کے حصار میں تھا۔

آخر وہ دہشت اپنا اثر دکھانے لگی جو رومیوں پر طاری ہونے لگی تھی۔ وہ تو ہونی ہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر لڑ رہے تھے۔ پہلے حملوں میں جو رومی مارے گئے تھے ان کی لاشیں اٹھائی نہیں گئی تھیں۔ بہت سے دن گزر گئے تھے۔ پہلے دنوں کی لاشیں خراب ہوگئی تھیں اور ان کا تعفن پھیلا ہُوا تھا۔

رومیوں پر دہشت تو پہلے ہی طاری تھی چونکہ اُن کا سالار اُن کے ساتھ باہر آگیا تھا اس لیے اُن کے حوصلے میں کچھ جان پڑ گئی لیکن ان کا سالار کسی مجاہد کی برچھی سے مارا گیا۔ رومیوں میں افراتفری مچ گئی اور وہ قلعے کے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ دروازے کھل گئے۔ اس سے مسلمانوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ بھاگتے اور دہشت زدہ رومیوں کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہوگئے۔

اب قیساریہ مسلمانوں کا تھا جس سے یہ فائدہ حاصل ہُوا کہ سمندر کی طرف سے رومیوں کو کمک نہیں مِل سکتی تھی۔

قیساریہ کا سالار دل میں یہ افسوس لیے مرگیا کہ اطربون اُس کی مدد کو نہ پہنچا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اطربون قیساریہ کے محاصرے کی اطلاع ملتے ہی اپنا لشکر لے کر بیت المقدس سے چل پڑا تھا لیکن مسلمان جانتے تھے قیساریہ کو بچانے کے لیے بیت المقدس سے مدد آئے گی۔ انہوں نے مدد کو روکنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ عمروؓ بن العاص نے اپنے دو سالاروں علقمہ بن حکیم اور مسروق عکی کو بیت المقدس کی طرف اس حکم کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ بیت المقدس سے رومی فوج نکلے تو اُسے وہیں روک لیں۔

ایک جاسوس نے اطلاع دی کہ اطربون اپنی فوج کے ساتھ اجنادین کی طرف پیشقدمی کر رہا ہے۔

عمروؓ بن العاص نے سالار علقمہ بن حکیم اور سالار مسروق عکی کو بیت المقدس کی طرف بھیج دیا اور خود اطربون کے پیچھے گئے لیکن اجنادین تک انہیں کوئی رومی دستہ نظر نہ آیا۔ زمین بتا رہی تھی کہ اجنادین کی طرف فوج گئی ہے۔ شہر

کے باہر کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے بتایا کہ رومی فوج آئی تھی اور قلعے میں داخل ہوگئی ہے۔

اجنادین دوسرے شہروں کی طرح قلعہ بند شہر تھا۔ اس کے اردگرد گہری اور چوڑی خندق تھی جسے پار کرنا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ عمروؓ بن العاص نے شہرپناہ کے اردگرد گھوم پھر کر دیکھا۔ قلعہ سَر کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ انہوں نے ایک نائب سالار کو (تاریخ میں اُس کا نام نہیں لکھا) اپنی طرف سے ایلچی بنا کر صلح کے پیغام کے ساتھ قلعے میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

"یہ ضروری نہیں کہ تم صلح کرا کے ہی آؤ" ___ عمروؓ بن العاص نے ایلچی کو ہدایات دے کر آخری بات یہ کہی ___ "میں تمھیں جاسوسی کے لیے اندر بھیج رہا ہوں۔ ایک تو یہ اندازہ کرنا کہ اندر کتنی فوج ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی دیکھ سکو دیکھنا اور جائزہ لینا کہ اطربون کا اپنا حوصلہ کتنا مضبوط ہے"

ایلچی اپنے محافظوں کے ساتھ قلعے میں چلا گیا۔ وہ واپس آیا اور عمروؓ بن العاص کو اپنے مشاہدات بتائے۔ عمروؓ بن العاص مطمئن نہ ہُوئے۔

"کیا یہ کام میں خود نہ کروں؟" ___ عمروؓ بن العاص نے اپنے سالاروں سے کہا ___ "جو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ صرف میری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں"

"ابن العاص!" ___ ایک سالار نے کہا ___ "کیا خود جا کر تُو اپنے آپ کو خطرے میں نہیں ڈال رہا؟"

"خدا کی قسم!" ___ ایک اور سالار بولا ___ "اسلام تجھ جیسے سالار کا نقصان برداشت نہیں کرسکے گا"

"کیا اطربون مجھے قید کرے گا؟" ___ عمروؓ بن العاص نے پوچھا ___ "کیا وہ مجھے قتل کردے گا؟"

"ہارے ہوئے دشمن سے اچھائی کی توقع نہ رکھ ابن العاص!"

"میں عمروؓ بن العاص کے روپ میں نہیں جاؤں گا" ___ عمروؓ بن العاص نے کہا ___ "میں اپنا ایلچی بن کر جاؤں گا۔ ہمیں یہ قلعہ لینا ہے۔ میں ہر طریقہ آزماؤں گا"

عمروؓ بن العاص نے بھیس بدلا اور یہ اعلان کرا کے کہ مسلمانوں کا ایلچی صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے قلعے میں آنا چاہتا ہے، قلعے کا دروازہ کھلوایا۔ رومیوں نے مضبوط تختے خندق پر پھینک کر انہیں خندق پار کروائی اور قلعے کے اندر اپنے سالار اطربون کے پاس لے گئے۔

مختلف مؤرخوں نے یہ واقعہ لکھا ہے۔ ان کے مطابق، عمروؓ بن العاص نے اپنا روپ اور حُلیہ تو بدل لیا تھا لیکن ان کے انداز اور بولنے کے سلیقے اور دو چار باتوں سے اطربون کو شک ہُوا کہ یہ شخص ایلچی نہیں ہوسکتا۔ عمروؓ بن العاص سالاری کے تدبّر اور استدلال کو نہ چھپا سکے۔

اطربون تجربہ کار سالار تھا اور وہ مردم شناس بھی تھا۔ وہ کوئی بہانہ کر کے باہر نکل گیا اور اپنے محافظ دستے کے کمانڈر کو بلایا۔

"یہ عربی مسلمان جو میرے پاس بیٹھا ہے ابھی واپس جائے گا" ___ اطربون نے کمانڈر سے کہا ___ "ایک محافظ کو راستے میں بٹھا دو۔ میں اس مسلمان کو اسی راستے سے بھیجوں گا۔ یہ زندہ نہ جائے۔ محافظ اسے قتل کردے۔ یہ شخص مسلمانوں کا سالار عمروؓ بن العاص ہے۔ اگر سالار نہیں تو یہ عمروؓ بن العاص کا کوئی خاص مشیر ہے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اور مجھے یقین ہے کہ عمروؓ بن العاص اسی مشیر کے مشوروں پر عمل کرتا ہے۔ اگر میں نے اسے قتل نہ کیا تو میں سلطنتِ روما سے غداری کروں گا۔"

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جس طرح اطربون اٹھ کر باہر نکل گیا تھا، اس سے عمروؓ بن العاص کو اُس کی نیت پر شک ہُوا۔ وہ واپس آیا تو عمروؓ بن العاص نے اُس کے چہرے پر اور اُس کی باتوں میں نمایاں تبدیلی دیکھی۔ وہ بھانپ گئے کہ اطربون کی نیّت صاف نہیں۔ انہوں نے پینترا بدلا۔

"معزز سالار!" ــــ عمروؓ بن العاص نے کہا ــــ "ہم دس جنگی مشیر ہیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آتے ہیں۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔ میں نے آپ کی شرائط سن لی ہیں۔ میں خود تو فیصلہ نہیں کر سکتا عمروؓ بن العاص کو مشورہ دوں گا کہ وہ آپ کی شرائط قبول کر لیں۔ مجھے امید ہے کہ میرے مشورے پر عمل ہو گا اور مزید خون نہیں بہے گا۔"

اطربون دھوکے میں آگیا۔ وہ عمروؓ بن العاص کے ساتھ باہر نکلا اور محافظ دستے کے کماندار کو اشارہ کیا کہ اس شخص کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح عمروؓ بن العاص زندہ قلعے سے نکل آتے۔ باہر آکر انہوں نے للکار کر کہا کہ اطربون، میں عمروؓ بن العاص ہوں۔

اس کے بعد اجنادین کے میدان میں دونوں فوجوں کے درمیان جو معرکہ ہُوا وہ جنگِ یرموک جیسا خونریز تھا۔ ہم اس معرکے کی تفصیلات بیان نہیں کر رہے کہ اطربون نے قلعے سے باہر آکر لڑنے کا فیصلہ کیوں کیا تھا اور عمروؓ بن العاص نے کیسی کیسی چالیں چل کر رومیوں کو بے تحاشہ جانی نقصان پہنچا کر پسپا کیا۔

اطربون اپنے بچے کھچے دستوں کو ساتھ لے کر بیت المقدس جا پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں نے بہت جانی نقصان اٹھایا تھا۔

❀

جب ابوعبیدہؓ کو اطلاع ملی کہ قیساریہ پر اپنا قبضہ ہو گیا ہے تو انہوں نے بیت المقدس کی طرف پیشقدمی کا حکم دے دیا۔ ہراول میں خالدؓ اپنے مخصوص رسالے کے ساتھ جا رہے تھے۔ ابوعبیدہؓ کو بھی یہ بتا دیا گیا تھا کہ اطربون لڑنے کے قابل نہیں رہا، پھر بھی احتیاط کی ضرورت ہے۔

بیت المقدس کا اندرونی ماحول کچھ اور ہی تھا۔ وہی اطربون جس نے قیساریہ کے رومی سالار کو بزدل کہا تھا، وہ اب بیت المقدس کے بڑے پادری اسقف سفرینوس کے پاس شکست خوردگی کے عالم میں بیٹھا تھا۔

"محترم سالار!" ــــ سفرینوس نے اسے کہا ــــ "میں اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہُوں کہ یہ مقدس شہر مسلمانوں کے حوالے کر دوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ یہ کام آپ اپنے ہاتھوں کریں؟"

"نہیں محترم باپ!" ــــ اطربون نے کہا ــــ "میں یہ نہیں کہلوانا چاہتا کہ اطربون نے مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔"

"کیا آپ اس شہر کے تقدّس کو بھول گئے ہیں؟" ــــ سفرینوس نے کہا ــــ "یہ وہ زمین ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ کیا آپ محسوس نہیں کرتے کہ اس سرزمین کی آبرو کی خاطر ہم اپنی تمام فوج کو قربان کر دیں؟"

"کیا آپ فوج کی حالت دیکھ نہیں رہے؟" ــــ اطربون نے کہا ــــ "نصف کے قریب فوج ماری

گئی یا زخمی ہو گئی ہے۔ اس فوج کا حوصلہ اور جذبہ پہلے ہی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اب میں بڑی مشکل سے ان چند ایک دستوں کو اجنادین سے بچا کر لایا ہوں۔"

"محترم سالار!" ــــ اسقف سفرینوس نے کہا ــــ "اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مسلمانوں کی فوجی برتری کو تسلیم کر لیا ہے۔ آپ روم کی عظیم جنگی روایات کو مسلمانوں کے قدموں تلے پھینک رہے ہیں۔ آپ کچھ دن مقابلہ کر کے دیکھیں۔ مسلمان آسمان کی مخلوق تو نہیں۔ وہ بے شک بہترین لڑنے والے ہیں لیکن آخر انسان ہیں۔ وہ یقیناً تھک کر چُور ہو چکے ہیں۔ آپ اپنا حوصلہ قائم رکھیں۔ وہ پہلے محاصرہ کریں گے جس میں کئی روز گزر جائیں گے۔ اس دوران آپ اپنا اور اپنے دستوں کا حوصلہ مضبوط کریں۔"

مسلمان بیت المقدس کی طرف تیز رفتاری سے بڑھے چلے جا رہے تھے اور بیت المقدس میں رومی سالار اطربون اپنے آپ کو لڑنے کے لیے تیار کر رہا تھا لیکن وہ اپنی فوج کی حالت دیکھتا تھا تو اُس کا لڑنے کا جذبہ دم توڑنے لگتا تھا۔ اس پر اپنے اسقف سفرینوس کی باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جب اسقف نے دیکھا اطربون ذہنی طور پر شکست قبول کر چکا ہے تو اُس نے اطربون کو جذباتی باتوں سے بھڑکانا اور شرمسار کرنا شروع کر دیا۔ اس کا اتنا اثر ہُوا کہ اطربون نے مقابلہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔

❀

اسلامی فوج پہنچ گئی اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ دیواروں پر تیر انداز اور برچھیاں پھینکنے والے کثیر تعداد میں کھڑے تھے۔ اُن کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ مسلمان سالار قلعے کے ارد گرد گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ کہیں سے دیوار پر چڑھا جا سکتا ہے یا کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے سرنگ لگا کر اندر جانے کا راستہ بنایا جا سکے۔

کسی وجہ سے محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ محاصرے میں ایک جگہ شگاف تھا۔ مسلمان سالاروں نے جب دیکھا کہ شہر پناہ محفوظ ہے اور اس کا دفاع بھی خطرناک ہے تو انہوں نے محاصرے کو طول دینا مناسب سمجھا، اس طرح محاصرہ طول پکڑتا گیا اور بہت دن گزر گئے۔ اس دوران مجاہدین نے دروازوں پر ہلّے بولے، زخمی ہوئے اور جانیں بھی قربان کیں لیکن دیوار سے آنے والے تیروں اور برچھیوں نے کسی بھی دروازے تک پہنچنے نہ دیا۔

آخر ایک روز بڑے دروازے کے اوپر سے ایک بڑی بلند آواز سنائی دی۔

"کیا تمہارا سالار صلح کے لیے آگے آئے گا؟" ــــ دیوار کے اُوپر سے اعلان ہُوا ــــ "ہم تمہاری شرطیں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

ابوعبیدہؓ آگے گئے۔ خالدؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کسی سے کہا کہ وہ بلند آواز سے یہ جواب دے کہ صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے تمہارا سالار باہر آئے۔

مسلمانوں کی طرف سے یہ اعلان ہُوا تو تھوڑی ہی دیر بعد اسقف سفرینوس چند ایک محافظوں کے ساتھ قلعے کے بڑے دروازے سے باہر آیا۔ اُس کے ساتھ ایک بڑی صلیب بھی تھی۔

"کیا کوئی سالار موجود نہیں؟" ــــ ابوعبیدہؓ نے اسقف سے پوچھا۔

"سالار موجود ہے" ــــ اسقف نے جواب دیا ــــ "لیکن بیت المقدس وہ شہر ہے جس کی

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

اہمیت اور احترام کو اسقف ہی جان سکتا ہے۔ اگر میں نہ چاہتا تو ہماری فوج کا آخری سپاہی بھی مارا جاتا، شہر کی اینٹ سے اینٹ کیوں نہ بج جاتی۔ یہاں سے صلح کا پیغام آپ کے کانوں تک نہ پہنچتا۔ میں اس شہر کو انسانی خون کی آلودگی سے پاک رکھنا چاہتا ہوں۔ رومی سالار میرے زیرِ اثر ہیں۔ میں نے انہیں صلح کے لیے تیار کرلیا ہے لیکن آپ کی شرطیں سننے سے پہلے میں اپنی صرف ایک شرط پیش کروں گا۔ اسے آپ قبول کرلیں تو ہم آپ کی باقی تمام شرائط قبول کرلیں گے۔"

"محترم اسقف!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "یہ شہر جتنا آپ کے لیے مقدس ہے اتنا ہی ہمارے لیے بھی قابلِ احترام ہے۔ یہ پیغمبروں اور نبیوں کا شہر ہے۔ ہم آپ کی اس خواہش کا احترام کریں گے کہ اس زمین کے تقدس کو انسانی خون سے پاک رکھا جائے۔ آپ اپنی شرط بتائیں۔"

"سالارِ محترم!" — اسقف سفرنیوس نے کہا — "یہ جانتے ہوئے کہ صلح کی شرائط آپ کے ساتھ ہی طے کی جاسکتی ہیں، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے امیرالمومنین کو یہاں بلائیں۔ میں شرائط ان کے ساتھ طے کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ شہر اپنے ہاتھوں اُن کے حوالے کروں پیغمبروں کے رشتے سے یہ شہر جتنا آپ کا ہے اتنا ہی ہمارا ہے۔"

اسقف سفرنیوس نے بیت المقدس کے متعلق ایسی جذباتی باتیں کیں کہ مسلمان سالار متاثر ہوئے اور انہوں نے اسقف کی اس شرط کو تسلیم کرلیا کہ امیرالمومنین عمرؓ کو بلایا جائے۔ اسقف کو بتا دیا گیا کہ امیرالمومنین صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے آئیں گے۔

ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دیگر سالاروں کے لیے یہ ایک مسئلہ بن گیا۔ مدینہ بہت دور تھا۔ صرف ایک طرف کا سفر کم و بیش ایک مہینے کا تھا۔ رومیوں کی طرف سے صلح کی پیش کش کا مطلب یہ تھا کہ رومی شہر کا دفاع کرنے کے قابل نہیں رہے اس لیے وہ صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں مسلمان سالاروں کے سامنے سیدھا راستہ تھا کہ وہ قلعے پر تابڑ توڑ حملے کرتے اور قلعہ سر کرلیتے لیکن اسلامی احکام کے مطابق انہوں نے دشمن کو امن اور صلح کی طرف آنے کا پورا موقع دیا۔ قرآن کا یہ فرمان بڑا صاف ہے کہ دشمن جھک جائے تو اس کے ساتھ شرائط طے کرکے صلح کرلی جائے لیکن امیرالمومنین کے آنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار تھا۔ سالار اس مسئلے پر غور و خوض کرنے لگے۔

"میں ایک تجویز پیش کرتا ہوں" — سالار شرجیلؓ نے کہا — "بیت المقدس والوں نے امیرالمومنین کو کبھی نہیں دیکھا، ان کا قد بت ابنِ ولیدؓ جیسا ہے۔ شکل و صورت میں بھی کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ وقت بچانے کی خاطر ہم یوں کرسکتے ہیں کہ تین چار دنوں بعد ابنِ ولید کو اپنے ساتھ قلعے میں لے جائیں اور کہیں کہ یہ ہیں ہمارے امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب۔"

"نہیں!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "اسقفِ بیت المقدس نے ابنِ ولید کو دیکھ لیا ہے۔ بے شک اس کے ساتھ باتیں میں کرتا رہا ہوں اور اُس کی توجہ میری طرف رہی ہے۔ ہوسکتا ہے اُس نے ابنِ ولید کو اچھی طرح نہ دیکھا ہو لیکن شہر کے اندر ایسے رومی موجود ہوں گے جنہوں نے کسی میدانِ جنگ میں ابنِ ولید کو اچھی طرح دیکھا ہوگا۔ اُس وقت کی شرمساری کو سوچو جب کوئی ہمیں یہ کہہ بیٹھے گا کہ یہ ان کا امیرالمومنین نہیں

یہ تو خالدؓ ابن الولید ہے جو میدانِ جنگ میں نعرہ لگاکر آیا کرتا تھا — 'انا خالدؓ بن الولید' — کیا میرا یہ خدشہ غلط ہے؟"

"ایسا ہوسکتا ہے امین الامت!" — خالدؓ نے کہا — "اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسقف یا کوئی رومی سالار کہہ دے کہ مدینہ سے تمہارا امیرالمومنین اتنی جلدی کس طرح آگیا ہے؟"

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے" — شرجیلؓ بن حسنہ نے کہا — "کہ رومی ہمارے آگے یہ شرط رکھ کر اپنے امیرالمومنین کو بلاؤ، ہمارے مقابلے کی تیاری میں لگ جائیں۔ یہ وقت حاصل کر رہے ہوں گے۔"

"ہم یہ خطرہ مول لے سکتے ہیں ابنِ حسنہ!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "لیکن ہم دروغ اور فریب کا سہارا نہیں لے سکتے۔ ہماری چالبازی کا داغ اسلام کو لگے گا۔"

دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شرجیلؓ کے مشورے پر خالدؓ کو بیت المقدس میں لے جاکر اسقف سفرنیوس کو بتایا گیا تھا کہ یہ ہمارے امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب ہیں اور صلح نامہ عمرؓ کی بجائے خالدؓ نے عمرؓ بن کر کیا تھا، لیکن آگے پیش آنے والے واقعات اس روایت کی تردید کرتے ہیں۔ زیادہ تر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ کو مدینہ سے بلایا گیا تھا اور عمرؓ فوری طور پر روانہ ہوگئے تھے۔

ابوعبیدہؓ نے ایک تیز رفتار قاصد مدینہ کو دوڑا دیا۔ پیغام میں وہی باتیں لکھیں جو اسقفِ بیت المقدس کے ساتھ ہوئی تھیں۔ پیغام مدینہ پہنچا ہی تھا کہ وہاں مسرتوں کی لہر دوڑ گئی۔ خلیفۃ المسلمین عمرؓ کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ انہوں نے خاص طور پر حکم بھیجا تھا کہ بیت المقدس فتح کیا جائے۔ عمرؓ تو فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے۔

خلیفۃ المسلمین عمرؓ ابوعبیدہؓ کا پیغام مسجدِ نبویؐ میں لے گئے اور پڑھ کر سب کو سنایا۔

"تم سب مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟" — عمرؓ نے حاضرین سے پوچھا — "کیا میرا جانا بہتر ہے یا نہ جانا بہتر ہے؟"

"نہ جانا بہتر ہے امیرالمومنین!" — عثمانؓ بن عفان نے کہا — "تمہارے نہ جانے سے رومی سمجھیں گے کہ تم نے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی اور تم اتنے طاقتور ہو کہ صلح کی تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ اس کا یہ اثر ہوگا کہ رومی ہمارے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر جانیں گے اور جزیہ ادا کرکے ہماری اطاعت قبول کرلیں گے۔"

"اللہ تجھے اپنی اماں میں رکھے ابنِ عفان!" — علیؓ نے عثمانؓ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا — "امیرالمومنین کا جانا بہتر ہے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ مجاہدین کب سے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں؟ کب سے گرمی، سردی، آندھی، بارش اور طوفانوں میں کھلے آسمان تلے دن گزار رہے ہیں؟ جانیں قربان کر رہے ہیں، زخمی ہو رہے ہیں۔ اگر امیرالمومنین اُن کے پاس چلے جائیں گے تو اُن کے تھکے ہوئے حوصلے تازہ ہوجائیں گے۔"

"بے شک، بے شک!" — چند آوازیں سنائی دیں۔

"امیرالمومنین نہیں جائیں گے تو رومی قلعے کے اندر محفوظ بیٹھے رہیں گے" — علیؓ نے کہا — "انہیں کمک بھی مل جائے گی اور کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مجاہدین کی فتح جو ان کے سامنے کھڑی ہے وہ اُلٹ کر شکست بن جائے؟"

حاضرین نے پُرزور طریقے سے تائید کی۔

"مجھے جانا چاہیئے" — امیرالمومنین نے کہا — "میں ابھی روانہ ہونا چاہتا ہوں۔"

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب ایک اونٹنی پر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ اپنے نائبین اور مشیر تھے جن کی تعداد اور ناموں کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ وہ ایک مہینے سے کم عرصے میں جابیہ پہنچے۔ ابوعبیدہؓ نے اُن کے استقبال کا انتظام جابیہ میں کیا تھا اور گھوڑ سواروں کا ایک مختصر سا دستہ امیرالمومنین کے استقبال کے لیے آگے روانہ کر دیا تھا۔

امیرالمومنین جابیہ پہنچے تو ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور یزیدؓ کو وہاں دیکھ کر حیران ہوئے۔

"کیا تم نے ایلیا (بیت المقدس) کا محاصرہ اٹھا لیا ہے؟" — عمرؓ نے پوچھا — "تم سب یہاں کیوں ہو؟"

"امیرالمومنین!" — ابوعبیدہؓ نے کہا — "محاصرہ عمروؓ بن العاص کے سپرد کر آئے ہیں۔ محاصرہ مضبوط ہے۔ ہم تیرے استقبال کے لیے یہاں موجود ہیں۔"

خالدؓ اور یزیدؓ بڑی قیمتی اور زربفت کی عبائیں پہنے ہوئے تھے۔ وہ شہزادے لگ رہے تھے۔ خالدؓ قریش کے بڑے امیر خاندان کے فرد تھے اور یزیدؓ قبیلے کے سردار ابوسفیانؓ کے بیٹے تھے۔ اپنے امیرالمومنین کے استقبال کے لیے بنے ٹھنے ہوئے تھے۔

"خدا کی قسم، تم بے شرم ہو جو مجھے ملنے کے لیے اس شاہانہ لباس میں آئے ہو" — عمرؓ نے اپنے مخصوص غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا — "دو سال پہلے تک ہمارا کیا حال تھا؟ کیا تم نے مدینہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا؟ لعنت ہے اس مال و دولت پر جس نے تمہارے دماغ خراب کر دیئے ہیں۔ کیا تم میدانِ جنگ میں نہیں ہو؟ ... خدا کی قسم تم لباس کی شان و شوکت میں پڑ گئے تو تھوڑے ہی عرصے بعد تمہاری جگہ کوئی اور حکمران ہو گا۔"

امیرالمومنین کی اپنی یہ حالت تھی کہ موٹے کپڑے کا کُرتہ پہن رکھا تھا جو اتنا بوسیدہ ہو چکا تھا کہ اُس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

خالدؓ اور یزیدؓ نے اپنی عبائیں کھول کر امیرالمومنین کو دکھایا۔ دونوں نے زرہیں پہن رکھی تھیں اور تلواریں ساتھ تھیں۔

"امیرالمومنین!" — خالدؓ نے کہا — "خوبصورت عبائیں تو پردہ ہے۔ ہم ہتھیاروں کے بغیر نہیں لڑنے کے لیے تیار ہیں۔"

امیرالمومنین کے چہرے سے غصے کے آثار صاف ہو گئے۔ وہ مطمئن نظر آنے لگے۔

"ہمیں بہت جلدی بیت المقدس پہنچنا چاہیئے" — امیرالمومنین نے کہا — "رومیوں کو میں زیادہ انتظار میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

امیرالمومنین نے اتنے لمبے سفر کی پرواہ نہ کی اور بیت المقدس کو چل پڑے۔

امیرالمومنین جب بیت المقدس کے محاصرے میں پہنچے تو مجاہدین نے دیوانہ وار خوشیاں منائیں۔ امیرالمومنین کی صرف آمد ہی ان کے لیے حوصلہ افزا تھی، اب تو وہ اور زیادہ خوشیاں منا سکتے تھے۔ ایلیا (بیت المقدس) کی فتح کوئی معمولی کامیابی نہیں تھی۔ امیرالمومنین اپنی تمام تر فوج میں گھومے پھرے اور ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ بیت المقدس ان کا اپنا شہر تھا۔ اب صرف معاہدہ لکھنا باقی تھا۔

سب سے ملتے ملاتے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان دینی تھی جو کوئی بھی دے سکتا تھا، امیرالمومنین کے ساتھ جو مصاحب گئے تھے، ان میں مدینہ کے مشہور مؤذن بلالؓ بھی تھے۔ بلالؓ وہ مؤذن تھے جنہیں اسلام کی تاریخ تاقیامت فراموش نہیں کرے گی۔

"امیرالمومنین!" — کسی نے کہا — "بیت المقدس جیسا مقدس اور اہم شہر ہماری جھولی میں آ پڑا ہے۔ اس ایک شہر پر فتح کیے ہوئے سینکڑوں شہر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ ایسی عظیم کامیابی کی خوشی میں آج بلالؓ اذان دیں تو کتنا اچھا ہو، ہم بیت المقدس میں بلالؓ کی اذان کے بعد داخل ہوں گے۔"

خلیفۃ المسلمین عمرؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا، بلالؓ خاموش کھڑے تھے۔ اُن کے چہرے پر اداسی کا تاثر اور زیادہ گہرا ہو گیا۔ بلالؓ حبشی نسل سے تھے۔ ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کی آواز بلند، سریلی اور پُرسوز تھی، انہوں نے پہلی دفعہ اذان دی تو مسلمانوں پر تو اثر ہونا ہی تھا، دوسرے لوگ بھی مسحور ہو کر رہ گئے تھے۔ یہ بلالؓ کی آواز کا جادو تھا۔ اہلِ قریش نے اس آواز کو بند کرنے کے لیے بلالؓ پر اتنا تشدد کیا تھا کہ وہ بہت دیر تک بیہوش پڑے رہتے تھے۔ جب اُٹھتے تھے تو پہلی آواز جو اُن کے مُنہ سے نکلتی تھی، وہ اللہ کا نام ہوتا تھا۔

ان کی اذانیں دشت و جبل اور صحراؤں پر وجد طاری کرتی رہیں لیکن رسول کریمؐ کے وصال کے ساتھ ہی یہ آواز خاموش ہو گئی۔ بلالؓ نے اذان دینی چھوڑ دی۔ ان کے چہرے پر ہر وقت اداسی اور افسردگی کی سیاہ گھٹائیں چھائی رہنے لگیں۔ اتنی مدت گزر جانے کے بعد آج پہلی بار بیت المقدس کے دروازے پر امیرالمومنین عمرؓ کے مصاحبوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بیت المقدس کی فتح کے اس موقع پر بلالؓ اذان دیں۔ امیرالمومنین نے ان کی طرف دیکھا تو وہ خاموش رہے۔

"بلالؓ!" — امیرالمومنین نے کہا — "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو لیکن یہ موقع ایسا ہے کہ میں خود چاہتا ہوں اذان تم ہی دو۔ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر کون ایسا ہو گا جو رسول اللہ کو یاد نہ کرنا چاہتا ہو گا۔"

بلالؓ کچھ دیر خاموش رہے۔ سب کو توقع یہی تھی کہ بلالؓ اذان نہیں دیں گے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کے چہرے کا تاثر بدل گیا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں ایک جگہ ذرا اونچی نظر آئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اس جگہ جا کھڑے ہوئے، کانوں پر ہاتھ رکھے اور برسوں بعد بیت المقدس کی فضا اُس پرسوز آواز سے مرتعش ہونے لگی جو وصالِ رسولؐ کے ساتھ ہی خاموش ہو گئی تھی۔ امیرالمومنین اور ان کے مصاحبین اور تمام مجاہدین پر سناٹا طاری ہو گیا۔ جب بلالؓ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے — "محمد الرسول اللہ" — تو کئی ایک افراد کی دھاڑیں نکل گئیں۔ اس سے پہلے تو سب کے آنسو جاری تھے لیکن اپنے رسولؐ کا نام سُن کر سب کے جذبات کے بند ٹوٹ گئے۔ کسی کو اپنے اوپر ضبط نہ رہا۔

اذان کے بعد امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب کی امامت میں سب نے نمازِ عصر ادا کی۔

اگلے روز امیرالمومنین کا ایک ایلچی بیت المقدس کے اندر یہ پیغام لے کر گیا کہ امیرالمومنین صلح کا معاہدہ طے کرنے کے لیے مدینہ سے آ گئے ہیں۔ اسقف سفرنیوس اسی پیغام کا منتظر تھا۔ وہ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر باہر آ گیا۔ معاہدے کی شرائط طے ہوئیں اور اسقف نے شہر کی چابی امیرالمومنین عمرؓ بن الخطاب کے

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

حوالے کردی۔ معاہدہ جو تحریر ہوا، اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس معاہدے کے تحت جو خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب اور اسقفِ بیت المقدس سفرنیوس کے درمیان طے پایا، خلیفۃ المسلمین نے ایلیا (بیت المقدس) کے باشندوں کو اس معاہدے کی رُو سے امن و امان دیا۔ یہ امان ایلیا کے لوگوں کی جان و مال کے لیے ہے، ان کے گرجوں اور ان کی صلیب کے لیے ہے، ہر عمر، ہر مذہب کے فرد کے لیے ہے، تندرست کے لیے، مریض کے لیے بھی ہے۔ کسی گرجے یا کسی دوسرے مذہب کی عبادت گاہ کو فاتحین کی رہائش کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا جائے گا نہ انہیں یا ان کے احاطے کے اندر کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ انہیں مسمار کیا جائے گا.....

"گرجوں اور دیگر عبادت گاہوں میں سے نہ مال اٹھایا جائے گا نہ کوئی اور چیز۔ غیر مسلموں پر مسلمانوں کی طرف سے مذہب کے معاملے میں کسی قسم کا جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان کے ساتھ ناگوار سلوک کیا جائے گا۔ البتہ ایلیا میں یہودی نہیں رہ سکیں گے۔ یہ فرض ایلیا کے باشندوں پر عائد ہوتا ہے کہ وہ یہودیوں، رومیوں اور جرائم پیشہ افراد کو شہر سے نکال دیں۔ ایلیا کے تمام شہری دوسرے شہروں کے لوگوں کی طرح جزیہ ادا کریں گے۔ شہر سے ہمیشہ کے لیے چلے جانے والوں کی جان و مال کا تحفظ ان کی اگلی پناہ گاہ تک دیا جائے گا۔ اوپر جن ملکوں کا ذکر آیا ہے، انہیں چھوڑ کر باقی تمام دوسرے ملکوں کے جو لوگ اس شہر میں رہنا چاہتے ہیں رہ سکتے ہیں، انہیں بھی جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اگر اس شہر کا کوئی باشندہ شہر سے جانے والے رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ خود یا اپنے خاندان کے ساتھ جا سکتا ہے۔ وہ اپنا جس قدر مال و اموال اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے لے جائے۔ ان کی کھیتیوں میں جو فصل ہے، اس کی حفاظت مسلمانوں کے خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ فصل کے مالک وہی ہیں جنہوں نے بوئی تھی۔ شرط یہ ہے کہ وہ جزیہ ادا کریں اور فصل کاٹنے کے لیے آجائیں۔"

اس معاہدے پر امیر المومنین عمرؓ نے اپنی مہر لگائی۔ اسقف سفرنیوس نے اپنے دستخط کیے اور گواہوں کے طور پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان نے دستخط کیے۔

اس کے فوراً بعد امیر المومنین نے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے دستوں کے ساتھ شام کے شمالی علاقوں میں چلے جائیں جہاں کچھ جگہوں پر رومی ابھی تک قلعہ بند تھے۔ جاسوسوں نے اطلاع دی تھی کہ شہنشاہ ہرقل شام کی سرحد سے تو نکل گیا ہے لیکن اُس کی جو فوج ابھی شام میں موجود ہے، اس کے لیے ہرقل کمک تیار کر رہا ہے۔

امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب، عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ کو ساتھ لے کر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ اسقف سفرنیوس نے ان کا استقبال کیا۔ ایک روز پہلے صلح نامے پر دستخط ہو چکے تھے اور سفرنیوس نے صلح نامہ شہر کے باشندوں کو پڑھ کر سنایا۔ لوگوں پر اس سے پہلے خوف و ہراس طاری تھا۔ انہوں نے پہلے فاتحین کا ظلم و تشدد دیکھا تھا۔ رومی جب بیت المقدس میں آئے تھے تو شہنشاہ ہرقل کے حکم سے اس شہر کے باشندوں پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ لوگوں کو سرکاری مذہب قبول کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اتنی

آسانی سے اپنا مذہب کون تبدیل کرتا ہے۔ جن لوگوں نے ہرقل کا مذہب قبول نہ کیا ان کے ناک کان کاٹ دیئے گئے اور اُن کے گھر مسمار کر دیئے گئے تھے۔ انہیں فوج میں جبری طور پر بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ محکوموں اور مظلوموں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔

مسلمانوں سے تو وہ اور زیادہ خوفزدہ تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ مسلمان جس شہر کو فتح کرتے ہیں وہاں کے رہنے والوں کو زبردستی مسلمان بناتے ہیں، گھر لوٹ لیتے اور خوبصورت عورتوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ بیت المقدس کے باشندوں نے رومی فوج کے سپاہیوں کی زبانی سنا تھا کہ مسلمان بڑے ظالم ہیں۔ یہ سپاہی دراصل میدانِ جنگ کی باتیں سناتے تھے اور شہری یہ سمجھ کر خوف زدہ تھے کہ مسلمان وحشی اور خونخوار ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمان صرف میدانِ جنگ میں خونخوار ہیں۔

بیت المقدس کے شہریوں نے جب معاہدے کی تحریر سنی پھر یہ دیکھا کہ مسلمان فوج نے کسی شہری کی طرف دیکھا تک نہیں تو وہ خوشیاں منانے لگے۔

امیر المومنین نے علقمہ بن مجزّز کو بیت المقدس کا حاکم یا امیر مقرر کیا۔

اسقف سفرنیوس نے امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب کو شہر کی سیر کرائی۔ انہیں قدیم تہذیبوں اور قوموں کے آثار دکھائے، یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادت گاہیں دکھائیں۔ بیت المقدس میں ایسے بے شمار آثار تھے۔ ان میں محرابِ داؤد بھی ہے اور صخرۂ یعقوب بھی۔ یہ وہ پتھر ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ اس پر کھڑے ہوئے اور معراج کو گئے تھے۔

شہر میں گھومتے پھرتے امیر المومنین کلیسائے قیامت کے سامنے سے گزرے۔ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ نماز کی کوئی جگہ مل جائے۔

"خلیفۃ المسلمین!" — اسقف سفرنیوس نے التجا کی — "میرے لیے یہ بات باعثِ فخر ہو گی کہ آپ کلیسا کے اندر نماز پڑھیں۔"

"نہیں" — خلیفہ عمرؓ نے کہا — "میں اس کلیسا کا احترام کرتا ہوں لیکن میں اس میں نماز نہیں پڑھوں گا کہ یہ صلح کے معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔ اگر میں نے آج آپ کے کہنے پر یہاں نماز پڑھ لی تو میرے بعد مسلمان اس کو رسم بنا لیں گے اور کلیسا میں نماز پڑھنے کو اپنا حق بنا لیں گے۔"

کلیسائے قیامت وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کیا گیا تھا۔ یہاں یہ کلیسا تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے آگے کلیسائے قسطنطین تھا۔ اسقف نے اس کے دروازے میں مصلّیٰ بچھا دیا لیکن امیر المومنین نے وہاں بھی نماز نہ پڑھی۔ انہوں نے نماز مسجدِ اقصیٰ میں پڑھی۔

"محترم اسقف!" — امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے سفرنیوس سے پوچھا — "رومی آپ کا ساتھ کیوں چھوڑ گئے ہیں؟ ان کا سالار اطربون کہاں گیا؟ سُنا تھا وہ ہرقل کا ہم پلّہ ہے!"

"بھاگ گیا" — سفرنیوس نے جواب دیا — "بھاگ گیا... کوئی شک نہیں کہ وہ ہرقل کا ہم پلّہ تھا۔ اُس نے آپ کو شکست دینے کے بڑے اچھے منصوبے بنائے تھے۔ اُس نے قیساریہ کے سالار کو آپ کی فوج کے مقابلے کے لیے تیار کیا تھا لیکن آپ کے سالاروں کی چال نے اطربون کے منصوبے تباہ کر دیئے۔ اس سے پہلے وہ آپ کی فوج کے مقابلے میں نہیں آیا تھا....

"وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج میں لڑنے کا جذبہ ختم ہو گیا تھا۔ یرموک اور دوسری جگہوں سے بھاگے ہُوئے بہت سے سپاہی یہاں آ گئے تھے۔ انہوں نے یہاں کی فوج کو ایسی باتیں سنائیں جن سے سب کا جذبہ اور حوصلہ بُری طرح متاثر

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

ہُوا۔ اطربون نے اپنی فوج کو تیار کر لیا تھا اُسے جب اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے قیساریہ کو محاصرے میں لے لیا ہے تو وہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر قیساریہ کا محاصرہ توڑنے کے لیئے نکلا لیکن آپ کے کسی سالار نے اُسے راستے میں روک لیا۔ اس نے پہلی بار مسلمانوں سے ٹکر لی اور اپنی بہت سی فوج مروا کر بُری حالت میں واپس آیا......

"وہ جو اپنے ہارے ہوئے سالاروں کو بُزدل کہتا تھا اور جس نے بیت المقدس کے دستوں کو لڑنے کے لئے تیار کیا وہ خود بُزدل بن گیا اور اُس کا اپنا حوصلہ جواب دے گیا۔ اُس نے یہاں سے خزانہ نکالنا شروع کر دیا اور سمندر کے راستے قسطنطنیہ لے گیا۔ زیادہ تر فوج بھی اُس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ فوج برائے نام تھی جو میں نے قلعے کی دیوار پر کھڑی کر دی تھی۔ میں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کرنے کی شرط اِس لئے پیش کی تھی کہ جو فیصلہ خلیفہ کر سکتے ہیں وہ سالار نہیں کر سکتے۔ میں اِس شہر کو اور اس کے باشندوں کے جان و مال کو بچانا چاہتا تھا"۔

اسقف سفرینوس نے عمرؓ بن الخطاب کو یہ نہ بتایا کہ اطربون اور سفرینوس نے مِل کر بیت المقدس سے نہ صرف خزانہ نکالا تھا بلکہ گرجوں کے سونے اور چاندی کے بیش قیمت ظروب بھی نکلوا دیئے تھے۔ اِن میں صلیبِ اعظم بھی تھی۔ سفرینوس کے امیرالمومنین کو مدینہ سے اس لئے بلایا تھا کہ وہ خزانہ، ظروب، رومی فوج اور اِس کا مال و اموال نکلوانے کے لئے وقت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جتنے وقت میں امیرالمومنین پہنچے تھے اُتنے وقت میں بیت المقدس سے وہ سب کچھ نکل گیا تھا جو سفرینوس اور اطربون نکالنا چاہتے تھے۔

kutubistan.blogspot.com

اپریل ۶۳۷ء (ربیع الاوّل ۱۶ھ) کے دن تھے جب خلیفۃ المسلمین عمرؓ بن الخطاب بیت المقدس میں دس دن قیام کر کے رخصت ہوئے۔ رخصت ہونے سے پہلے اُنہوں نے تفصیل سے جائزہ لیا تھا کہ رومی کہاں کہاں موجود ہیں۔ مجموعی طور پر رومی شکست کھا چکے تھے۔ ان کا شہنشاہ ہرقل شام سے رخصت ہو چکا تھا۔ رومی فوج کے نامی گرامی سالار مارے جا چکے تھے۔ کچھ اہم مقامات تھے جن پر ابھی رومیوں کا قبضہ تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا ضروری تھا۔

ایسے مقامات میں ایک کا نام قیساریہ تھا جو بحیرۂ روم کی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے رومیوں کو نکالنا بہت ضروری تھا۔ کیونکہ رومیوں کا بحری بیڑہ ابھی بالکل صحیح حالت میں موجود تھا اور یہ بیڑہ بڑا طاقتور تھا۔ اِسے رومی مسلمانوں کے خلاف استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں نے سمندری لڑائی نہیں لڑنی تھی۔ البتہ یہ بیڑہ کمک لانے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ کمک اُتارنے کیلئے قیساریہ کی بندرگاہ استعمال ہوتی تھی۔

امیرالمومنین کے حکم کے مطابق قیساریہ سے پہلے بیت المقدس کو محاصرے میں لیا گیا تھا بیت المقدس لے لیا گیا تو امیرالمومنین عمرؓ نے یزید بن ابوسفیان کو حکم دیا کہ وہ قیساریہ کو محاصرے میں لے لیں۔

"ابن ابوسفیان!" ---عمرؓ نے انہیں کہا--- "مت سوچنا کہ تُو اِس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ بہت مضبوط قلعہ بند جگہ ہے۔ رومی یہ جگہ اتنی آسانی سے نہیں دیں گے۔ ہلے بول بول کر اپنی طاقت ضائع نہ کرتے رہنا۔ قیساریہ میں رومیوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہاں رسد کی بھی کمی نہیں۔ دُشمن یہی خواہش کرے گا کہ تُو اُس کے قلعے کی دیواروں سے ٹکراتا رہے اور اتنا کمزور ہو جائے کہ تُو محاصرہ اُٹھا لے یا تجھے کمزور پا کر دشمن باہر آ جائے اور تیرے دستوں پر ایسا حملہ کر دے کہ تو پسپا بھی نہ ہو سکے"۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو ابوسفیان!" ---عمرؓ نے کہا--- "رومیوں کو کمک مِل گئی تو ہمارے لئے بہت بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ محاصرے کو طول دو اور کمک کو روکے رکھو"۔

عمرؓ بن الخطاب خلیفہ تھے، امیرالمومنین تھے لیکن اُن کا یہ دور بادشاہوں جیسا اور آجکل کے سربراہانِ مملکت جیسا نہیں تھا کہ گئے، کسی کو شاباش دی، کسی کو انعام و اکرام سے نوازا اور آ گئے۔ اُنہوں نے تمام تر علاقے کے احوال و کوائف معلوم کئے۔ انہیں جنگی نقطۂ نگاہ سے دیکھا۔ اپنی فوج اور دشمن کے لشکر کی کیفیت کا جائزہ لیا اور اُس کے مطابق احکام صادر کئے۔ اُن کے مطابق سالار اپنے اپنے مقامات پر چلے گئے۔

شام کے شمالی علاقوں میں رومی کئی کئی قلعہ بند تھے اُنہیں اُمید تھی کہ ہرقل جہاں کہیں بھی ہے، کمک ضرور بھیجے گا۔ مسلمان اِس کوشش میں تھے کہ رومیوں کی کمک نہ آ سکے۔ اِس کوشش کی ایک کڑی یہ

تھی کہ یزیدؓ اپنے دستوں کو ساتھ لے کر قیساریہ روانہ ہو گئے اور اس شہر کو جو بندرگاہ بھی تھا، محاصرے میں لے لیا۔

سالار عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ فلسطین اور اُردن کو روانہ ہو گئے۔ اُن کے ذمّے یہ کام تھا کہ جن علاقوں سے انہوں نے رومیوں کو بیدخل کیا تھا اُن علاقوں پر قبضہ کر کے شہری انتظامیہ اور محصولات کے نظام کو بحال اور رواں کیا جائے اور ان جگہوں کے دفاع کو بھی مستحکم کیا جائے۔ رومیوں کی طرف سے جوابی حملے کا امکان موجود تھا۔

سپہ سالار ابوعبیدہؓ دمشق کو اپنا مرکز بنانے کے لیے چلے گئے۔ ان کے ساتھ مجاہدین کی جو فوج تھی اس کی نفری سترہ ہزار تھی۔

قنسرین ایک قلعہ بند مقام تھا جس میں رومی فوج موجود تھی۔ ابوعبیدہؓ اس قلعے کو محاصرے میں لے کر وہاں سے رومیوں کو نکالنے جا رہے تھے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا جس میں رومیوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔ ابنؓ الولید مجاہدین کی فوج کے ہراول میں تھے۔ اُن کے ساتھ چار ہزار گھوڑسواروں کا مخصوص رسالہ تھا جو گھوم پھر کر لڑنے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

قنسرین میں ایک مشہور رومی سالار مِنیاس تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک اپنے آدمی پھیلا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا اور سیدھا مِنیاس کے پاس گیا۔ اُس نے مِنیاس کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر آ رہا ہے جس کے ہراول میں گھوڑسوار ہیں۔ اُس نے تعداد تین اور چار ہزار کے درمیان بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ہراول کتنی دور ہے۔ مِنیاس نے بڑی عجلت سے اپنی فوج کو تیار کیا۔

"سلطنتِ روما کی عظمت کے پاسبانو!" ---اُس نے اپنی فوج کے حوصلے میں جان ڈالنے کے لئے جوشیلے انداز میں کہا--- "وہ بُزدل تھے جنہوں نے اپنے اوپر عرب کے بتوں کا خوف طاری کر لیا تھا۔ تم میں عیسائی عرب بھی ہیں۔ اگر مسلمان اتنے بہادر ہیں تو تم بھی اتنے ہی بہادر ہو۔ عرب کے مسلمان تم میں سے ہیں۔ تم بھی اسی ریت کی پیداوار ہو......اور رومیوں! اُس دن کو یاد کرو جب تم فاتح کی حیثیت سے اِس سرزمین پر آئے تھے وہ تمہارے باپ اور دادا تھے۔ تصور میں لاؤ کہ اُس وقت اُن کے سَر کتنے اونچے اور سینے کتنے چوڑے تھے، اور آج سوچو اُن کی روحوں کو کتنی شرمساری ہو رہی ہو گی"۔

"مت سوچو کہ شہنشاہ ہرقل بھاگ گیا ہے۔ روم کی عظمت کو، صلیبِ اعظم کو اور بیت المقدس کی آن کو اپنے سامنے رکھو، پھر سامنے رکھو اپنے سالار اطربون کی بے غیرتی کو جس نے عیسیٰؑ کے شہر، یسوع مسیح کے مسکن کو تمہارے مظہر اور تمہارے عقیدوں کے دشمن کے حوالے کر دیا ہے......تصور میں لاؤ اپنی بیٹیوں اور اپنی عورتوں کو جو اب مسلمانوں کے بچے پیدا کریں گی......اپنے آپ کو دیکھو۔ تم ہار گئے ہو تو باقی عمر کے لئے مسلمانوں کے غلام بن جاؤ گے۔ آج تم کس شان سے، کیسے جاہ و جلال سے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہو تم نے اگر ہتھیار ڈال لئے تو تم گھوڑے کی سواری کو بھی ترسو گے۔ تم اصطبل کے ملازم ہو گئے اور گھوڑوں کی غلاظت صاف کیا کرو گے"۔

"مت خون گرما ہمارا اے سالار!"--- ایک سوار نے بڑی ہی بلند آواز میں کہا۔ "کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم لڑنے سے منہ موڑ رہے ہیں؟ کیا تجھے ہماری جرأت اور غیرت پر شک ہے؟"

"اے تنومند گھوڑے کے بہادر سوار!"--- مِنیاس نے کہا--- "میں شک کیوں نہ کروں! ہمارا کون سا سالار ہے جو میدان سے نہیں بھاگا یا مارا نہیں گیا؟ اطربون جو ہرقل کا ہم پلّہ تھا، کتنے دعوے کرتا تھا مسلمانوں کو کچل دینے کے؟ اب وہ کہاں ہے؟ ایک دن بھی نہیں لڑا اور ایلیا (بیت المقدس) سے بغیر لڑے بھاگ گیا...کیا اسقفِ اعظم سفرنیوس کو تم اپنا مذہبی پیشوا مانو گے جس نے قلعے سے باہر جا کر مسلمانوں کے خلیفہ کا استقبال کیا اور اُسے کہا کہ کلیسا ئے قیامت میں نماز پڑھو؟ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنی عبادت گاہ اپنے مذہب کے دشمن کے حوالے کر رہا ہے؟ تم نے ثابت کرنا ہے کہ تم اتنے بزدل اور بے غیرت نہیں۔ اگر تم ثابت قدم رہے تو شاید کمک آ جائے مگر مجھے کمک آنے کی کوئی امید نہیں نہ میں کمک کی ضرورت محسوس کرتا ہوں"۔

"ہم لڑیں گے سالارِ محترم!"--- پہلے ایک پھر کئی آوازیں بلند ہوئیں--- "ہمیں بزدل اور بے غیرت نہ کہہ سالار! آزما کے دیکھ....باتوں میں وقت ضائع نہ کر....ہم ایک دن میں محاصرہ توڑ دیں گے"۔

"ہم محاصرے تک نوبت نہیں آنے دیں گے"--- سالار مِنیاس نے کہا--- "ہم دشمن کو قلعے سے دُور راستے میں روکیں گے۔ میں تم سے آگے ہوں گا"۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومی سالار مِنیاس جرأت مند سالار تھا جس کی جارحانہ قیادت مشہور تھی اور اُس کی دوسری شہرت یہ تھی کہ اپنی فوج میں ملنسار اور ہردلعزیز تھا۔ وہ سپاہیوں سے محبت اور شفقت سے پیش آتا تھا اور سپاہی اُس سے محبت کرتے تھے۔ اُسے اتنی جوشیلی اور جذباتی تقریر کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُس کا سامنا مسلمانوں سے نہیں ہُوا۔ وہ سالار تھا۔ جب اُسے خبر ملتی تھی کہ فلاں میدان میں رومیوں کو شکست ہوئی ہے تو وہ شکست کی وجوہات پر غور کرتا تھا۔ اُسے خالدؓ کے مطابق بتایا گیا کہ اُس جنگی چالوں کو کوئی قبل از وقت سمجھ ہی نہیں سکتا اور وہ غیر معمولی طور پر دلیر آدمی ہے۔

"وہ کوئی جن بھوت تو نہیں"---مِنیاس نے کہا تھا--- "اُس سے شکست کھانے والوں نے اُسے مافوق الفطرت بنا دیا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ شکست کھانے والے اسی طرح جھوٹ بولا کرتے ہیں۔ میں ہرقل کو خالدؓ بن ولید کی لاش دکھاؤں گا"۔

رومی سالار مِنیاس کی قیادت میں قنسرین میں مقیم رومی فوج رُکے ہوئے سیلاب کی مانند باہر نکلی۔ اس کا انداز جوشیلا اور جارحانہ تھا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔

اُدھر خالدؓ کے چار ہزار سوار فاتحانہ شان سے چلے آ رہے تھے۔ وہ عام کوچ کی ترتیب میں تھے۔ اُنہوں نے قنسرین کے قریب جا کر رکنا اور باقی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ قنسرین سے چند میل دُور حاظر ایک مقام تھا جو راستے میں آتا تھا۔ خالدؓ کا دستہ جب حاظر کے قریب پہنچا تو دیکھ بھال کے لیے آگے گئے ہوئے مجاہدین میں سے ایک واپس آیا اور خالدؓ کو اطلاع دی کہ رومیوں کا ایک

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

کثیر تعداد لشکر آ رہا ہے۔

"خدا کی قسم!" — خالدؓ نے للکار کر کہا — "میں امین الامّت کا انتظار نہیں کروں گا۔"

باقی لشکر امین الامّت ابوعبیدہؓ کے ساتھ پیچھے آ رہا تھا۔ خالدؓ کو انتظار کرنا چاہیے تھا کیونکہ رومی لشکر کی تعداد زیادہ بتائی گئی تھی لیکن خالدؓ کی سرکش طبیعت انتظار پر آمادہ نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنے دستے کو نہایت سرعت سے جنگی ترتیب میں کر لیا۔ اس سوار دستے کو پلک جھپکتے ایک ترتیب سے دوسری ترتیب میں ہو جانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔

دونوں فوجیں حاظر کے مقام پر آمنے سامنے آئیں۔ رومی سالار مناس کو توقع تھی کہ مسلمان جنگ سے پہلے کے رسم و رواج کا مظاہرہ کریں گے، مثلاً ان کا سالار ذاتی مقابلے کے لیے رومی سالار کو للکارے گا۔ ایسے چند ایک مقابلے ہوں گے، پھر دستوں کو ترتیب میں کیا جائے گا لیکن مسلمان سوار رُکے بغیر ایسی ترتیب میں ہو گئے جسے مناس سمجھ ہی نہ سکا۔ اتنے میں اُس پر حملہ ہو چکا تھا۔

مناس اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے آگے گیا تھا۔ اُس کے گرد محافظوں کا حصار تھا جو خاصا مضبوط تھا۔ چند ایک مسلمان سوار اس حصار پر حملہ آور ہوئے۔ محافظوں نے بڑا ہی سخت مقابلہ کیا۔ رومیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس کے علاوہ انہیں اپنے سالار مناس کے ساتھ دلی محبت تھی اس لیے وہ جم کر لڑے اور بڑی اچھی ترتیب میں تابڑتوڑ حملے کرتے رہے لیکن اُن کا ہر حملہ یوں بیکار جاتا جیسا ہوا میں گھونسہ مارا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا مقابلہ ایسے سواروں کے ساتھ تھا جو جم کر نہیں لڑتے تھے۔ ان کا انداز کچھ اور تھا۔

حملے رومی کر رہے تھے اور نقصان بھی انہی کا ہو رہا تھا۔ خالدؓ خود بھی سپاہیوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنے سواروں کو چالیں بتانے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ ایسی ضرورت مناس کو تھی وہ دیکھ رہا تھا کہ اُس کی فوج کی ترتیب بکھر رہی ہے۔ اُس نے کسی ایسے مقام پر پہنچنے کی کوشش کی جہاں سے وہ اپنی فوج کو دیکھ کر کوئی چال چل سکتا مگر مسلمان سواروں نے اُس کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے قتل کر دیا۔

میدانِ جنگ میں یوں ہوتا تھا کہ سالار مارا جاتا اور پرچم گر پڑتا تو فوج میں بددلی پھیل جاتی اور پسپائی شروع ہو جاتی۔ اسی لیے سپہ سالار کی موت پر پردہ ڈال دیا جاتا تھا لیکن مناس مارا گیا تو محافظوں نے اعلان کر دیا کہ سالار مناس مارا گیا ہے۔

مسلمان خوش ہوئے کہ رومیوں میں بھگدڑ مچ جائے گی لیکن رومی غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے "انتقام، انتقام .... مناس کے خون کا انتقام لو" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور اُن کے حملوں میں شدت پیدا ہو گئی۔ وہ قہر بن گئے۔ ایک بار تو انہوں نے مسلمان سواروں کے پاؤں اکھاڑ دیئے لیکن یہ غضبناک انداز اُن کے اپنے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ انہیں صحیح طور طریقے سے لڑانے والا مارا گیا تھا۔ وہ اب غصے میں آتے ہوئے ہجوم کی صورت اختیار کر گئے تھے۔

خالدؓ نے رومیوں کو اس کیفیت میں دیکھا تو اپنے سواروں کو نئی ہدایات دیں۔ اس کے بعد رومیوں کا جیسے قتلِ عام شروع ہو گیا ہو۔ اس کے باوجود وہ پسپا نہیں ہو رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ایک

بھی رومی میدان سے نہ بھاگا اور کوئی ایک بھی رومی زندہ نہ رہا۔ زیادہ تر مؤرخ متفقہ طور پر کہتے ہیں کہ مناس کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہیں رہا تھا اور بھاگا بھی کوئی نہیں۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بہت ہی کم تھا۔

معرکہ ختم ہوا تو حاظر کے لوگ جو سب کے سب عیسائی تھے، باہر نکل آئے اور خالدؓ سے ملے۔

"آپ کے خلاف جو لڑے ہیں وہ اپنے انجام کو پہنچ گئے ہیں" — ایک عیسائی بزرگ نے شہریوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا — "ہم بھی عیسائی ہیں لیکن ہم آپؓ سے لڑنے کا ارادہ نہ پہلے رکھتے تھے نہ اب ایسا کوئی ارادہ ہے۔ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔"

"جس نے ہم سے لڑے بغیر اطاعت قبول کر لی وہ ہماری پناہ میں آ گیا" — خالدؓ نے کہا — "نہ تم پر جزیہ واجب ہے نہ ہم تمہیں اسلام قبول کر لینے کو کہتے ہیں۔ تمہاری عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی۔"

ابھی ابوعبیدہؓ کے دستے نہیں پہنچے تھے۔ انہیں محاصرے کے لیے جانا تھا اس لیے انہیں کوئی جلدی نہیں تھی۔ انہوں نے ایک پڑاؤ بھی کیا تھا۔ خالدؓ نے وہاں انتظار نہ کیا کیونکہ انہیں قنسرین کو محاصرے میں لینا تھا۔ یہ جگہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

قنسرین کے اندر رومیوں کی کچھ فوج موجود تھی۔ خالدؓ نے محاصرہ کیا تو رومیوں نے شہر کی دیوار پر آ کر تیراندازی شروع کر دی۔ خالدؓ کو اندازہ تھا کہ اندر فوج اتنی زیادہ نہیں ہو گی۔ اگر ہوتی بھی تو خالدؓ ہمّت نہ ہارتے۔ انہوں نے اپنے ایک ایلچی کو یہ پیغام دے کر قلعے کے دروازے پر بھیجا۔

"اے رومیو! تم اگر آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں میں ہوتے تو بھی ہمارا اللہ ہمیں تم تک یا تمہیں ہم تک پہنچا دیتا۔ ہم تمہیں موقع دیتے ہیں کہ بہت بُرے انجام تک پہنچنے سے پہلے قلعے کے دروازے کھول دو۔ اگر دروازے ہم نے کھولے تو پھر صلح کی شرطیں تمہاری کمر توڑ دیں گی۔ تمہارا سالار حاظر کے باہر مرا پڑا ہے اور جو فوج وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اُس کا کوئی ایک بھی سپاہی زندہ نہیں۔ ہم نے تمہیں بہت بُرے انجام سے آگاہ کر دیا ہے۔"

اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ قلعے کے دروازے کھل گئے۔ مسلمان فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ جزیہ کی رقم اور دیگر شرائط طے ہوئیں جن میں حسبِ معمول ایک شرط یہ بھی تھی کہ قنسرین شہر اور اس کے شہریوں کی عزت اور جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور جو شہری شہر چھوڑ کر جانا چاہتا ہو وہ اپنے خاندان کے افراد اور اپنے مال و اموال کو اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔

جب خالدؓ قنسرین کو پوری طرح لے چکے تھے اُس وقت ابوعبیدہؓ پہنچے۔

"ابوسلیمان!" — ابوعبیدہؓ نے خالدؓ کو گلے لگاتے ہوئے کہا — "تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، میں حاظر کے باہر رومیوں کی لاشیں دیکھ آیا ہوں۔"

ابوعبیدہؓ نے اُسی روز مدینہ خلیفۃ المسلمین کو پیغام بھیجا [illegible] جس میں اُنہوں نے خالدؓ کی اتنی بڑی کامیابی کی تفصیلات لکھیں۔ یہ کامیابی اس لحاظ سے بہت بڑی تھی کہ [illegible] روم کے تابوت میں ایک اور کیل گاڑ دی گئی تھی۔

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

تقریباً تمام مورخوں نے لکھا ہے کہ امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے پیغام پڑھ کر کہا تھا --- "اللہ نے خالدؓ کو سپہ گری اور سالاری پیدائش کے ساتھ ہی عطا فرمائی تھی۔ ابوبکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو۔ وہ مجھ سے بہتر مردم شناس تھے"۔

قنسرین سے آگے حلب ایک اور مشہور شہر تھا جہاں رُومیوں کی خاصی بڑی تعداد قلعہ بند تھی۔ رومی سالار جو وہاں کا قلعہ دار تھا اُس کا نام یوقنہ تھا۔ یہ بھی تجربہ کار سالار تھا جس نے بے شمار لڑائیاں لڑیں اور ہر لڑائی میں فتح حاصل کی تھی۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ حلب کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ رومی سالار یوقنہ کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے۔

رومی سالاروں نے کچھ عرصے سے یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا کہ وہ جب سنتے تھے کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے، وہ اپنے دستوں کو اکٹھا کر کے جوشیلی تقریر کرتے اور قلعے سے باہر آکر لڑتے تھے۔ یہ ایک دلیرانہ اقدام تھا۔ وہ شاید یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں سے نہیں ڈرتے۔ یوقنہ نے بھی ایسے ہی کیا۔ وہ حلب سے اپنے دستے نکال کر قلعے سے چھ میل دُور آ گیا۔

مسلمانوں کی فوج کے ہراول میں اب بھی خالدؓ اپنے سواروں کے ساتھ تھے۔ یوقنہ نے اپنے ساتھی سالار منیاس کی طرح مسلمانوں کے ہراول سے ٹکر لینے کا طریقہ اختیار کیا۔ یوقنہ کو یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو قلعے سے دُور ہی دُور ختم کر دے گا۔ اُسے بھی منیاس کی طرح توقع ہو گی کہ آمنے سامنے آکر مسلمان رُک جائیں گے اور جنگی ترتیب میں آکر لڑیں گے۔

اب بھی خالدؓ نے ویسے ہی کیا کہ اطلاع ملتے ہی کہ آگے رومی لشکر آ رہا ہے، اپنے دستے کو جنگی ترتیب میں کر لیا۔ رومیوں کو دیکھ کر خالدؓ نے اپنے دستوں کو روکا نہیں۔ انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے پہلوؤں سے حملہ کر دیا۔ سوار اس طرح گھوم پھر کر لڑے کہ رومی درمیان میں اکٹھے ہو گئے۔ خالدؓ نے سامنے سے بھی حملہ کر دیا۔

خالدؓ کا یہ جارحانہ انداز یوقنہ کے لئے غیر متوقع تھا۔ اُس نے جو سوچا تھا اُس کے اُلٹ ہوا اور اُس کے دستوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ اِس معرکے میں بھی رومیوں کی تعداد مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھی۔

یوقنہ کے دستے حوصلہ ہار بیٹھے۔ اُس نے پسپائی تیار کی اور قلعے میں چلا گیا۔ یہ قلعہ پہاڑی کے اُوپر تھا اس لئے اُسے سر کرنا بہت مشکل تھا۔ مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یوقنہ نے متعدد بار اپنے دستوں کو باہر نکال کر مسلمانوں پر حملے کروائے لیکن جانی نقصان کے سوا اسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

یوقنہ کو اُمید تھی کہ شہنشاہ ہرقل کمک اور رسد بھیجے گا۔ اسے شاید معلوم نہ تھا کہ تمام تر شام میں مسلمان پھیل گئے ہیں اور اب اسے کہیں سے بھی کمک نہیں مل سکتی۔ اُس نے دستوں کو باہر نکال کر حملوں کا سلسلہ روک دیا اور قلعے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ مسلمان کسی نہ کسی طرح قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

چار مہینے محاصرے میں گزر گئے۔ قلعے کے اندر رومی ایسے پریشان اور خوفزدہ ہوئے کہ یوقنہ نے ایک روز اپنا ایلچی باہر اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر تیار ہے۔ یوقنہ کو اُمید نہیں تھی کہ خالدؓ

kutubistan.blogspot.com

اُس کی شرط کو تسلیم کر لیں گے۔ اُس کی شرط یہ تھی کہ اُسے اور اُس کی فوج کو قلعے سے چلے جانے دیا جائے۔

اُس کے ایلچی نے جب واپس جا کر اُسے بتایا کہ مسلمانوں نے اُس کی شرط مان لی ہے تو وہ حیران ہو گیا۔

"نہیں!" --- اُس نے کہا --- "ایسا ہو نہیں سکتا کہ فاتح اُس فوج کو بخش دے جس نے اُس کے آگے ہتھیار ڈالے ہوں..... میں جانتا ہوں کیا ہو گا۔ جب نہتے سپاہی باہر نکلیں گے تو مسلمان انہیں قتل کر دیں گے"۔

آخر وہ وقت آیا جب یوقنہ کے دستے بغیر ہتھیاروں کے باہر نکلے اور مسلمانوں کی فوج کے درمیان سے گزر گئے۔ یوقنہ کو سب سے پہلے نکلنا چاہیے تھا لیکن وہ آخر میں بھی باہر نہ نکلا۔ خالدؓ قلعے میں گئے تو یوقنہ نے اُن کا استقبال کیا۔

"اے رومی سالار!" --- خالدؓ نے کہا --- "تُو جا سکتا ہے"۔

"ابن ولید!" --- یوقنہ نے کہا --- "میں نہیں جاؤں گا۔ اگر میں تمہارے ساتھ رہنا چاہوں تو مجھے کیا شرط پوری کرنی پڑے گی؟"

"اسلام قبول کر لے!" --- خالدؓ نے کہا --- "پھر تیری حیثیت یہی رہے گی جو اب ہے"۔

"بے شک یہی میری خواہش تھی" --- یوقنہ نے کہا۔

اُس نے خالدؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور اگلے ہی معرکے میں اُس نے ثابت کر دیا کہ وہ اسلام کا وفادار سالار ہے۔

انطاکیہ شام کا ایک بڑا شہر تھا۔ اس کی اہمیت یہ تھی کہ شہنشاہ ہرقل نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ یہیں سے وہ احکام، کمک اور رسد وغیرہ اپنی فوج کو بھجواتا تھا۔ ہرقل اب وہاں نہیں تھا۔ وہ شام کی سرحد سے جا چکا تھا اور غالباً قسطنطنیہ میں تھا لیکن انطاکیہ میں رومی فوج اور ہیڈ کوارٹر موجود تھا۔ وہاں سے رومیوں کو نکالنا لازمی تھا۔ اس سے شام کی فتح مکمل ہو جاتی تھی۔

ابوعبیدہؓ نے انطاکیہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دے دیا۔ حسب معمول خالدؓ اپنے گھوڑسوار دستے کے ساتھ ہراول میں جا رہے تھے۔

انطاکیہ چونکہ رومیوں کا آخری بڑا قلعہ اور اہم مقام رہ گیا تھا اور وہ رومی فوج کا مرکز بھی تھا اس لئے توقع تھی کہ وہاں بڑا ہی خونریز معرکہ ہو گا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ نے اپنے مجاہدین کو آگاہ کر دیا تھا کہ آگے کیا خطرہ ہے۔ سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ مجاہدین کی اس فوج کو مدینہ سے نکلے چار سال ہو چلے تھے اور وہ مسلسل لڑ رہے تھے۔ جہاں تک جسموں کا تعلق تھا، وہ ختم ہو چکے تھے۔ اب تو یہ روح کی قوت تھی جو انہیں انسانی سطح سے بہت اوپر لے گئی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔

انہیں آرام نہیں ملتا تھا۔ دن تلواروں کی جھنکار، تیروں کے زناٹوں، برچھیوں کے وار روکنے اور وار کرنے میں گزر جاتا اور راتیں اپنے زخمی ساتھیوں کی کربناک آوازوں میں گزرتی تھیں۔ وہ باطل کی ایک چٹان کو توڑتے تو ایک اور چٹان سامنے آن کھڑی ہوتی تھی۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

وہ آخر گوشت پوست کے انسان تھے اور یہ گوشت پوست تھکن سے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ دشمن ان کی اس جسمانی کیفیت سے آگاہ تھا اور یہی ایک خطرہ تھا جو سالار محسوس کر رہے تھے۔ انطاکیہ کا دفاع بہت مضبوط تھا۔ جاسوسوں کی لائی ہوئی اطلاعیں سالاروں کو پریشان کر رہی تھیں مگر رکنا اور انتظار کرنا بھی خطرناک تھا۔ رومیوں کی کمک آنے سے پہلے انطاکیہ پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔

مجاہدین کو قرآن کی یہ آیت بار بار یاد دلائی جا رہی تھی کہ لڑو اس وقت تک جب تک کفر کا فتنہ ختم نہیں ہو جاتا۔ حکمرانی صرف اللہ اور اللہ کے دین کی رہ جائے۔

انطاکیہ کے راستے میں دو تین چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ انہیں سر کرتے ہوئے مجاہدین انطاکیہ سے تیرہ چودہ میل کے فاصلے پر پہنچے تو ایک جاسوس آیا۔

"ابو سلیمان!" — جاسوس نے خالدؓ سے کہا — "تھوڑا ہی آگے ایک دریا ہے جس پر ایک مضبوط پُل ہے۔ اس پُل سے اس طرف رومیوں کا ایک لشکر تیار کھڑا ہے۔ راستہ بدل لیا جائے یا جنگ کی تیاری کر لی جائے۔"

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو" — خالدؓ نے کہا — "اللہ کو منظور ہوا تو یہ لشکر بھی ہمارا راستہ نہیں روک سکے گا..... تعداد کتنی ہو گی؟"

"ہمارے پورے لشکر سے دُگنی تو ضرور ہو گی" — اُس نے بتایا۔

"پیچھے جاؤ" — خالدؓ نے کہا — "سپہ سالار سے کہو کہ بہت جلدی لشکر کو آگے لے آئے۔"

ابو عبیدہؓ جب خالدؓ سے آملے تو پورے لشکر نے جنگی ترتیب میں پیش قدمی کی۔ رومیوں کا لشکر زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ مقام جہاں رومی لشکر مسلمانوں کا راستہ روکے کھڑا تھا، انطاکیہ سے بارہ میل دور تھا۔ رومی سالار نے یہ دانش مندی کی تھی کہ دریا کو اپنی پُشت پر رکھا تھا۔ اسی مقام پر بڑا مضبوط پُل تھا۔ یہ بھی رومیوں کے عقب میں تھا۔

خالدؓ نے حسبِ معمول توقّف نہ کیا۔ آمنے سامنے آتے ہی اپنے رسالے کو خاص انداز سے حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی ترتیب بکھر جائے یا وہ سکڑ جائیں۔ اس خصوصی رسالے کے سوار "ضرب لگاؤ اور اِدھر اُدھر ہو جاؤ" کے اصول پر حملے کرتے تھے۔

جب دشمن کی جمعیت بکھرنے لگی تو ابو عبیدہؓ نے دشمن کے ایک پہلو پر حملہ کرا دیا۔ پیچھے دریا تھا۔ خالدؓ کی کوشش یہ تھی کہ دشمن کو اتنا پیچھے دھکیل دیا جائے کہ دریا اس کے لیے مصیبت بن جائے یا اُسے اتنا آگے لایا جائے کہ اُس کے عقب میں جانے کے لیے گھڑسواروں کو جگہ مِل جائے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ کے حملے اسی نوعیت کے تھے جن سے یہ مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن رومی لشکر کا سالار بھی تجربہ کار اور جنگی قیادت اور چالوں کا ماہر تھا۔ اُس نے اپنے دستوں کو ترتیب میں منظم رکھا اور مسلمانوں پر حملے کیے بھی اور مسلمانوں کے حملے رد کیے بھی۔ اس طرح جنگ زیادہ سے زیادہ خونریز ہوتی چلی گئی۔

خالدؓ نے رومی سالار کو دیکھ لیا اور اپنے چند ایک سواروں سے کہا کہ وہ رومیوں کے قلب میں گھسنے کی کوشش کریں۔ کئی ایک سوار اس کوشش میں جان پر کھیل گئے۔ آخر کچھ سوار رومی سالار تک جا پہنچے اور اُس

کے محافظوں کا حصار توڑ کر اُسے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

رومیوں کا پرچم گرتے ہی اُن میں افراتفری مچ گئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ کچھ دریا میں کود گئے باقی پُل کے ذریعے دریا کے پار گئے۔ جتنی دیر میں مسلمان اُن تک پہنچتے تھے وہ انطاکیہ کے قلعے کے اندر جا چکے تھے۔

ابو عبیدہؓ اور خالدؓ نے جا کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ رومیوں کا لڑنے کا جذبہ میدان میں ہی ختم ہو گیا تھا۔ قلعے میں اُنہوں نے پناہ لی تھی۔ خالدؓ نے کئی بار اعلان کروایا کہ قلعے کے دروازے کھول دیئے جائیں ورنہ کسی کی جان بخشی نہیں ہو گی اور کوئی شرط قبول نہیں کی جائے گی۔

رومیوں کا لشکر جواب پہلے جیسا طاقت ور نہیں رہ گیا تھا بغیر سالار کے تھا۔ اندر سے ایک ایلچی باہر آیا جس نے ہتھیار ڈال دیئے اور یہ شرط پیش کی کہ لشکر کو آزادی سے چلے جانے دیا جائے۔ مسلمان سالاروں نے یہ شرط مان لی۔ روم کی تمام تر فوج جو قلعے کے اندر تھی قلعے سے نکل گئی اور مسلمان انطاکیہ میں داخل ہو گئے۔ یہ ۳۰ر اکتوبر ۶۳۷ء (۵ شوال ۱۶ ہجری) کا دن تھا۔

رومیوں کا آخری اور سب سے بڑا شہر بھی مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی دو چار جگہیں رہ گئی تھیں جہاں رومی موجود تھے لیکن وہ لڑنے کے لیے موجود نہیں تھے بلکہ انھیں بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں مل رہا تھا۔ ۶۳۷ء کے آخری مہینے تک شام پر مسلمانوں کا قبضہ مکمل ہو گیا اور وہاں رومیوں کا عمل دخل بالکل ہی ختم ہو گیا۔

قسطنطنیہ میں ہرقل عیسائیوں کے ایک وفد کے سامنے اپنے محل میں بیٹھا تھا۔ یہ وہی شہنشاہ ہرقل تھا جس کی آنکھوں کی ہلکی سی جنبش سے کتنے انسانوں کو جلاّد کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے ابتداء میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا حکم دیا تھا۔ یہی ہرقل تھا جس نے حیرت کا اظہار کیا تھا کہ عرب کے ان بدّوؤں کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ اُنہوں نے سلطنت روم کی سرحد کے اندر قدم رکھا ہے! اب تھوڑے ہی عرصے بعد وہی ہرقل اپنی آدھی سلطنت مسلمانوں کے حوالے کر کے شکست خوردگی کے عالم میں اپنے دارالحکومت قسطنطنیہ میں بیٹھا تھا جیسے کبھی نہ ہارنے والا جواری بازی ہار گیا ہو اور اُس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ رہی ہو۔

"تم لوگ مجھے کس طرح یقین دلا سکتے ہو کہ مسلمانوں کو ان علاقوں سے باہر نکال دو گے جو اُنہوں نے فتح کر لیے ہیں؟" — ہرقل ان عیسائیوں سے کہہ رہا تھا — "اگر تم میں اتنی جان ہوتی تو آج میں تمہارے درمیان اس طرح نہ بیٹھا ہوا ہوتا۔"

"شہنشاہِ روم!" — عیسائیوں کے وفد کے لیڈر نے کہا — "اب یہ سوچنا بیکار ہے کہ شکست کا ذمہ دار کون ہے۔ ہم یہ مسئلہ لے کر آئے ہیں وہ ایک بار پھر سُن لیں..... آپ جس خطے کو مسلمانوں کے حوالے کر آئے ہیں وہ نہ آپ کا تھا نہ مسلمانوں کا ہے۔ وہ ہمارا خطّہ ہے۔ شکست آپ کی فوج کو ہوئی لیکن ایک غیر قوم کے غلام ہم بن گئے۔ مسلمانوں نے جزیہ ہم سے لیا ہے۔ یہ ہماری بے عزّتی ہے۔ ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے خلاف نہیں لڑ سکتے۔ ہم لڑیں گے۔ ہم اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں لیکن ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کمک بھیجنے کا وعدہ کریں تو ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتے ہیں۔"

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

ہرقل ان عیسائیوں کی جو شام کے شمالی علاقے کے رہنے والے تھے، یہ باتیں اس طرح سن رہا تھا، جیسے یہ لوگ اُس سے بھیک مانگنے آتے ہیں اور اُسے ان لوگوں کے اس مسئلے کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ ہرقل چاہتا ہی یہی تھا کہ شام کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف ایسی جنگ کے لیے تیار کرے جو بہت ہی طویل ہو تاکہ مسلمان شام کے علاقے میں ہی اُلجھے رہیں اور روم کی سلطنت میں مزید آگے نہ بڑھیں۔ یہ جنگ شب خون قسم کی ہو سکتی تھی۔

بیشتر مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ہرقل نے در پردہ شام کے قابلِ اعتماد پادریوں کو اکسایا تھا کہ وہ عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں۔ تاریخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائی تیار ہو گئے تھے۔ عیسائیوں کا یہ وفد جو اُس کے پاس بیٹھا تھا، اس سے بے خبر تھا کہ جو تجویز وہ پیش کرنے آئے ہیں اُس پر ہرقل پہلے ہی کام کر رہا ہے۔ اس وفد پر وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اُنہیں مدد دے کر وہ اُن پر بہت بڑا احسان کر رہا ہے۔

آخر میں ہرقل نے انہیں کہا کہ وہ واپس جا کر اپنے پادریوں سے ملیں اور پادری انہیں بتائیں گے کہ اس تجویز پر کس طرح عملدرآمد ہو گا۔ اس نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ عیسائی جب مسلمانوں پر جگہ جگہ حملے شروع کریں گے تو ہرقل انہیں کمک کی صورت میں اپنی فوج دے دے گا۔

مسلمانوں نے اپنے جاسوس تمام علاقے میں پھیلا رکھے تھے جن میں ایسے جاسوس بھی تھے جو عیسائی بن کر عیسائیوں کے ساتھ رہتے اور پادریوں کے مرید بنے ہوئے تھے۔ اِن میں سے بعض شام سے نکل کر جنوبی ترکی تک چلے گئے تھے۔ یہ علاقہ سلطنتِ روم کا حصّہ تھا۔

ایک روز ایک جاسوس نے شمالی شام کے جاسوسوں سے رپورٹیں لے کر ابوعبیدہؓ کو آ کر بتایا کہ عیسائی وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں کر رہے ہیں اور ہرقل نے انہیں کمک دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اِس کے بعد دو جاسوس اور آئے جنہوں نے اِسی قسم کی رپورٹیں دیں۔ اِن سے بڑی خوفناک صورت سامنے آئی۔ عیسائیوں کا اجتماع بہت زیادہ تھا۔ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ کو احساس تھا کہ عیسائیوں کے خلاف ٹکر بہت خطرناک ہو گی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ رومی جن علاقوں سے بھاگے تھے وہ اُن کے نہیں تھے۔ وہ تو بھاگ کر اپنی باقی سلطنت میں جا پناہ گزیں ہوئے تھے۔ یہ خطے دراصل عیسائیوں کے تھے۔ مسلمانوں کی اطاعت قبول کر کے اُنہیں کوئی معاشی، معاشرتی یا مذہبی پابندی نہیں تھی لیکن وہ مسلمانوں کی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ لڑائی کی صورت میں اگر اُنہیں شکست ہوتی تو اُن کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں تھی اِس لئے اُنہوں نے جنگ کی تیاریاں ایسے پیمانے پر کی تھیں جو اُن کی فتح کا باعث بن سکتی تھیں۔

جاسوسوں سے پوری رپورٹ لی گئی کہ لڑنے والے عیسائیوں کی تعداد کتنی ہو گی۔ اُن کے ہتھیار کیسے ہوں گے اور اُن کی قیادت کیسی ہو گی خیال کیا جاتا تھا کہ قیادت رومی سالار کریں گے کیونکہ عیسائیوں کے پاس قیادت کے لیے کوئی سالار نہیں تھا۔ اگر کوئی تھا بھی تو وہ مسلمان سالاروں کی ٹکر کا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بھی صورتِ حال جو پیدا ہو گئی تھی وہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔

"ابوسلیمان!"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے خالدؓ سے مشورہ لینے کے لیے کہا۔ "شام میں ہماری حکومت نوزائیدہ ہے۔ ہمارے ابھی قدم جمے نہیں۔ اگر ہم نے کوئی خطرہ مول لیا اور حالات ہمارے خلاف ہو گئے تو ہم پسپا ہو کر

مدینہ تک زندہ بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔"

"امین الامت!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔ "سوال ہمارے زندہ رہنے یا نہ رہنے کا نہیں۔ یہ سوچ کہ اسلام کا زوال شروع ہو جائے گا۔ تمام فوج شام میں ہے۔"

"کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم امیر المومنین کو اطلاع دے دیں؟"۔۔۔ ابوعبیدہؓ نے پوچھا۔ "اور مدینہ سے کمک بھی مانگ لیں۔ ہماری تعداد رہ ہی کیا گئی ہے۔"

"امین الامت!"۔۔۔ خالدؓ نے کہا۔ "مدینہ تک پیغام جاتے اور وہاں سے کمک آتے بہت وقت لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم ہر جگہ سے فوج ایک مقام پر اکٹھی کر لیں؟ ان جگہوں پر ہم ضرورت کے مطابق فوج رہنے دیں۔ خدا کی قسم، میں عیسائیوں کو کھلے میدان میں لا کر لڑانا چاہتا ہوں۔"

یہ باتیں حمص میں ہو رہی تھیں۔ وہاں دوسرے سالار بھی تھے۔ اُن سب کی رائے یہ تھی کہ حمص کے اندر رہیں اور عیسائیوں کو آنے دیں کہ وہ محاصرہ کر لیں۔ ابوعبیدہؓ کو اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے اُن دستوں کو بھی حمص میں بلا لیا جو ارد گرد کے علاقے میں تھے۔ اس کے ساتھ ہی ابوعبیدہؓ نے ایک تیز رفتار قاصد کے ہاتھ خلیفۃ الرسولؐ عمرؓ بن الخطاب کو پیغام بھیج دیا جس میں انہوں نے تفصیل سے لکھوایا کہ عیسائیوں نے ہرقل کی پشت پناہی میں کیا صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ ابوعبیدہؓ نے یہ بھی لکھوایا کہ وہ حمص میں قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔

۶۳۸ء کا سال شروع ہو چکا تھا۔

ڈیڑھ دو مہینے اور گزر گئے تو ایک روز عیسائیوں کا جمِ غفیر حمص آن پہنچا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان اس کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے بڑے لمبے عرصے کے خوراک اور تیروں وغیرہ کا ذخیرہ شہر میں جمع کر لیا تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو قلعہ بند دیکھا تو وہ حیران ہوتے کہ کھلے میدان میں لڑنے والی فوج قلعہ بند ہو کر لڑنے پر آ گئی ہے۔ اسے عیسائیوں نے مسلمانوں کی کمزوری سمجھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو للکارنا شروع کر دیا۔

"اہلِ اسلام! اب تمہارا مقابلہ عیسائی عربوں سے ہے۔"

"ہم رومی نہیں مسلمانو! ہمت کرو، باہر آ کر لڑو۔"

"قلعے کے دروازے کھول دو ورنہ تم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔"

"اب ہم جزیہ لیں گے۔"

"اِسلام کا سورج ڈوب گیا ہے۔"

"باہر آؤ اور ہم سے رحم مانگو۔"

اور ایسے بے شمار طنزیہ نعرے تھے جو عیسائی لگاتے رہے۔ مسلمانوں کی طرف سے خاموشی تھی۔ ابوعبیدہؓ، خالدؓ اور دوسرے سالاروں نے طے کر رکھا تھا کہ وہ باہر نکل نکل کر عیسائیوں پر حملے کریں گے۔

حملوں کی نوبت ہی نہ آئی۔ محاصرے کا چوتھا یا پانچواں دن تھا۔ عیسائیوں میں ہڑبونگ سی بپا ہو گئی۔ اُن پر کوئی مصیبت نازل ہو گئی تھی یا ہو رہی تھی۔ مسلمان جو دیوار پر کھڑے تھے، وہ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ انہیں ہُوا کیا ہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

دُور افق سے گرد اٹھنے لگی جو پھیلتی اور اُوپر ہی اُوپر اٹھتی گئی۔ یہ کسی قافلے کی اڑائی ہُوئی گرد نہیں تھی، یہ کسی فوج کی گرد معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ فوج تھی تو عیسائیوں کی ہی ہوسکتی تھی یا یہ رومیوں کی فوج ہوسکتی تھی۔

عیسائیوں میں جو افراتفری بپا ہُوئی تھی وہ زیادہ ہوگئی اور وہ لڑنے کی ترتیب میں آنے لگے۔ گرد ابھی دُور تھی۔ عیسائیوں نے تو محاصرہ اٹھا ہی دیا اور وہ بڑی تیزی سے ایک سمت کو روانہ ہوگئے۔ مسلمانوں نے قلعے کی دیواروں پر نعرے لگانے شروع کردیئے۔

گرد میں سے ایک فوج آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگی۔ یہ مسلمانوں کی فوج تھی۔ عیسائیوں کو اس کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل گئی تھی۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عیسائی غیر تربیت یافتہ تھے۔ وہ وہاں رکتے تو خود محاصرے میں آجاتے۔ حمص کے دروازے کھل جاتے اور اندر سے بھی مسلمانوں کی فوج باہر آجاتی۔ عیسائیوں کا انجام بہت بُرا ہوتا۔ انہوں نے یہ خطرہ بھی دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنی بستیوں میں کوئی فوج نہیں چھوڑ آئے تھے۔ لڑائی کی صورت میں مسلمانوں نے انہیں شکست دے کر اُن بستیوں پر ٹوٹ پڑنا تھا۔

مسلمانوں کی یہ فوج جو حمص میں محصور فوج کی مدد کو آئی تھی، یہ چار ہزار سوار تھے جو قعقاع بن عمرو کے زیرِکمان تھے۔ یہ سوار اس طرح آئے تھے کہ خلیفۃ الرسولؐ عمرؓ کو ابوعبیدہؓ کا پیغام ملا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ عیسائی تربیت یافتہ فوج نہیں بلکہ یہ غیر منظم ہجوم ہے جسے ابوعبیدہؓ اور خالدؓ سنبھال لیں گے لیکن کمک ضروری ہے۔ چنانچہ انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو جو عراق میں مقیم مسلمانوں کی فوج کے سپہ سالار تھے، حکم بھیجا کہ تین سالاروں کو عیسائیوں کے علاقے جزیرہ کی طرف بھیج دیں۔

ان سالاروں میں سہیل بن عدی، عبداللہ بن عقبہ اور ایاز بن غنم شامل تھے۔ عمرؓ نے حکم نامے میں یہ بھی لکھا تھا کہ سالار قعقاع بن عمرو کو چار ہزار سوار دے کر ابوعبیدہؓ کی مدد کے لیے حمص بھیج دیا جائے۔

اس طرح قعقاع محصور مسلمانوں کی مدد کو پہنچ گئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ حمص عیسائیوں کے محاصرے میں ہے۔ انہیں دیکھ کر ہی عیسائی محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

امیرالمومنین نے ٹھیک کہا تھا کہ یہ عیسائی کوئی منظم فوج نہیں۔ یہ عیسائیوں نے خود ہی ثابت کردیا اور اس کے ساتھ ہی عیسائیوں نے یہ بھی ثابت کردیا کہ مسلمانوں کو عیسائیوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور مسلمان ارضِ شام کی فتح کو اُس وقت تک مکمل نہ سمجھیں جب تک کہ وہ اندرونی خطروں کو بھی ختم نہ کرلیں۔ عیسائیوں کے اس جنگی اقدام سے واضح ہوگیا تھا کہ ہم مذہب ہونے کی وجہ سے یا مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے اُن کی دلچسپیاں اور وفاداریاں رومیوں کے ساتھ ہیں۔

خلیفہ کے حکم کے مطابق جزیرہ کے تمام علاقے کو مسلمانوں نے اپنی عملداری میں لے لیا۔ عیسائیوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی گئی۔ اگر کہیں عیسائیوں نے مسلح مزاحمت کی تو اُن کے خلاف جنگی کارروائی کی گئی۔ شمالی سرحد کو تخریب کاری سے بچانے کے لیے ابوعبیدہؓ نے سرحد پار جاکر حملے شروع کردیئے۔ اس سے شام میں امن وامان ہوگیا۔

عمرؓ بن الخطاب نے عدل وانصاف میں شہرت پائی ہے۔ "عدلِ فاروقی" ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اُن کے عدل کی لاٹھی سے سب یکساں طور پر ہانکے جاتے تھے۔ اُن کی لاٹھی غربت اور امارت، رنگ

اور نسل، آقا اور غلام کو نہیں پہچانتی تھی۔ اُس دور میں خالدؓ کی ٹکر کا کون سا ایسا سالار تھا جس نے اسلام کو ارضِ شام اردن اور فلسطین تک پھیلا دیا ہو۔ بیت المقدس کا فاتح جو کوئی بھی تھا، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ خالدؓ نہ ہوتے تو بیت المقدس کی فتح اتنی آسان بھی نہ ہوتی۔ عمرؓ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کے خلاف بعض فتوحات اس لیے ممکن ہوسکی تھیں کہ خالدؓ نے غیر معمولی طور پر دلیرانہ فیصلے کیے تھے۔

ابوعبیدہؓ ٹھنڈے مزاج کے سالار تھے۔ اگر خالدؓ ان کے ساتھ نہ ہوتے تو رومیوں کے خلاف اتنی تیزی سے اتنی زیادہ کامیابیاں حاصل نہ کی جاسکتیں۔

خود عمرؓ خالدؓ کے معترف تھے لیکن عمرؓ کو جب خالدؓ کے خلاف ایک ایسی بات کا پتہ چلا جو اسلام کی روح کے منافی تھی اور جسے عمرؓ نظرانداز بھی کرسکتے تھے، تو انہوں نے فوری کارروائی کا حکم دے دیا۔ عمرؓ نے سوچا تک نہیں کہ خالدؓ کی جو قدر وقیمت ہے وہ اتنی زیادہ ہے کہ یہ چھوٹا سا الزام ہضم بھی کیا جاسکتا ہے۔

بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی تمام دستوں میں ایک ایک دو دو مخبر رکھ دیئے تھے جو سالاروں اور دیگر عہدیداروں کی ذاتی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ جب شام میں امن وامان ہوگیا اور خالدؓ کو قنسرین کا حاکم بنا دیا گیا، عمرؓ کو مدینہ میں اطلاع ملی کہ خالدؓ نے ایک شاعر کو جس کا نام اشعث بن قیس تھا دس ہزار درہم صرف اس لیے انعام کے طور پر دیئے ہیں کہ اُس نے قنسرین جاکر خالدؓ کی فتوحات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے ایک قصیدہ پڑھا تھا۔

اشعث بن قیس بنو کندا کا سردار تھا۔ اُس نے شاعری اور مدح سرائی کو پیشہ بنالیا تھا۔ وہ اور اُس جیسے چند اور شاعر سالاروں اور حاکموں وغیرہ کے ہاں جاتے، قصیدے پڑھتے اور تحفے تحائف اور انعام واکرام وصول کرتے تھے۔ اسی ضمن میں اشعث قنسرین خالدؓ کے ہاں جا پہنچا۔

خالدؓ امیر باپ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے غربت دیکھی ہی نہیں تھی، شہزادوں کی طرح پلے بڑھے تھے۔ یہ تو اُن کی عظمت تھی کہ صحیح معنوں میں شہزادہ ہوتے ہوئے اُنہوں نے آدھی عمر میدانِ جنگ میں پیشہ ور سپاہی میں، زمین پر سوتے اور گھوڑے کی پیٹھ پر گزار دی تھی۔ وہ طبعاً خوش ذوق تھے۔ فیاض تھے۔ ہر حسین چیز کے دلدادہ تھے۔

اُنہوں نے اس شاعر کو جو انعام دیا تھا وہ اپنی جیب سے دیا تھا۔ اُس وقت سالار اس سے زیادہ امیر ہوتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ دشمن کے جس سالار کو وہ ذاتی مبارزت میں شکست دیتے تھے اُس کے تمام تر مال ودولت کے خود حقدار ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا۔

خالدؓ نے دشمن کے بے شمار سالاروں کو ذاتی مقابلوں میں قتل کیا تھا۔ اُن کے مال واموال خالدؓ کے حصے میں آئے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ خالدؓ نے اتنا مال ودولت اپنے پاس رکھا ہی نہیں تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ شام کی جنگ ختم ہُوئی تو خالدؓ نے اپنے سوار دستے کے سواروں کو اپنی جیب سے نقد انعامات دیئے تھے۔ اُن کے سوار دستے نے جو کارنامے کر دکھائے تھے وہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ وہ اس سے بھی بڑے انعام کے حقدار تھے لیکن خلافتِ مدینہ کی نگاہ میں انعام کا تصوّر کچھ اور تھا اور وہی اسلام کی رُوح کے عین مطابق تھا۔

عمرؓ بن خطاب نے تاریخ اسلام کے مشہور مؤذن بلالؓ کے ہاتھ ابوعبیدہؓ کو ایک تحریری حکمنامہ بھیجا۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

"....خالدؓ بن الولید کو مجاہدین کی جماعت کے درمیان کھڑا کرو۔ اُس کے سر سے دستار اُتارو۔ دستار سے اُس کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھو۔ ٹوپی بھی اُس کے سر سے اُتار دو۔ پھر اُس سے پوچھو کہ اُس نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو انعام اپنی جیب سے دیا ہے یا مالِ غنیمت سے۔ اگر وہ اقبال کرے کہ مالِ غنیمت سے دیا ہے تو اُسے خیانت میں پکڑو۔ اگر اُس نے اپنی جیب سے دیا ہے تو اُس پر اسراف کا الزام عاید کرو۔ ان میں سے جس الزام کا بھی وہ اعتراف کرتا ہے اُس کی پاداش میں اُسے اُس کے موجودہ عہدے سے معزول کردو اور اس کی جگہ تم خود کام کرو...."

یہ عربوں کا رواج تھا کہ جس پر کوئی الزام ہوتا تھا اُس کے ہاتھ اُسی کی پگڑی سے باندھ کر لوگوں کے سامنے پوچھا جاتا تھا کہ اُس نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ ایک عام آدمی کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا لیکن عمرؓ نے خالدؓ جیسے عظیم اور تاریخ ساز سالار کو بھی عام آدمی کی سطح پر کھڑا کردیا۔

مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ابوعبیدہؓ نے جب یہ حکم پڑھا تو اُن پر سناٹا طاری ہوگیا۔ اگر عمرؓ ابوعبیدہؓ کو تھوڑی سی بھی اجازت دے دیتے کہ وہ یہ تحقیقات اپنے طور پر کریں تو ابوعبیدہؓ خالدؓ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار نہ کرتے لیکن وہ جانتے تھے کہ عمرؓ ڈسپلن اور عدل و انصاف کے معاملے میں کس قدر سخت ہیں۔

اُس وقت ابوعبیدہؓ حمص میں اور خالدؓ قنسرین میں تھے۔ ابوعبیدہؓ نے قاصد کو بھیجا کہ وہ قنسرین سے خالدؓ کو بلا لاتے۔

قاصد نے جب خالدؓ کو پیغام دیا تو خالدؓ اچھل کر اُٹھے۔

"خدا کی قسم!"— خالدؓ نے نعرہ لگانے کے انداز میں کہا— "مجھے ایک اور جنگ لڑنے کے لیے بلایا گیا ہے۔"

خالدؓ اس خوشی کو دل میں لیے حمص پہنچے کہ رومیوں یا بازنطینیوں کے خلاف کوئی بڑی جنگ لڑی جانے والی ہے لیکن وہ جب ابوعبیدہؓ کے سامنے گئے تو ابوعبیدہؓ کے چہرے پر اداسی کے آثار دیکھے۔

"امین الامت!"— خالدؓ نے اُن کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا— "کیا وہ غلط ہے جو میں سمجھ کر آیا ہوں؟"

"ابوسلیمان!"— ابوعبیدہؓ نے غم سے بوجھل آواز میں خالدؓ سے کہا— "امیرالمومنین نے تجھ پر الزام عاید کیا ہے کہ تُو نے دس ہزار درہم اشعث کو دیئے ہیں۔ وہ اگر مالِ غنیمت سے دیے ہیں تو یہ خیانت کا جرم ہے اور اگر اپنی جیب سے دیئے ہیں تو یہ فضول خرچی ہے جو اسلام کی نگاہ میں ناجائز ہے۔ بلالؓ یہی جواب لینے آیا ہے۔"

خالدؓ کا ردِعمل یہ تھا کہ اُن پر خاموشی طاری ہوگئی۔ ابوعبیدہؓ نے ایک بار پھر پوچھا لیکن خالدؓ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ دراصل ابوعبیدہؓ چاہتے تھے کہ خالدؓ کچھ نہ کچھ ضرور کہیں تاکہ وہ طریقہ اختیار نہ کرنا پڑے جو امیرالمومنین نے اختیار کرنے کو لکھا تھا۔ خالدؓ پر ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے بلالؓ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

آخر ابوعبیدہؓ نے بلالؓ کی طرف دیکھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بلالؓ عربوں کے رواج کے مطابق خالدؓ سے بیان لیں۔ بلالؓ پورا حکم لے کر آئے تھے۔ انہوں نے کارروائی مکمل کر کے جانا تھا۔ خالدؓ نے تھوڑی سی مہلت مانگی جو انہیں دے دی گئی۔ یہ مہلت تو انہیں ملنی ہی تھی کیونکہ دستور کے مطابق تمام فوج کو اکٹھا کرنا تھا جس کے سامنے خالدؓ سے اعترافِ جرم کرانا تھا۔

خالدؓ کی ایک بہن فاطمہؓ حمص میں رہتی تھیں۔ خالدؓ اُن کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ عمرؓ نے اُن پر کیا الزام عاید کیا ہے۔ بہن سے مشورہ لینے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ عمرؓ خالدؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ فاطمہؓ نے بڑے دکھ سے عمرؓ کے خلاف ایک بات کہہ دی۔ خالدؓ پہلے ہی مغموم تھے اور کسی حد تک مشتعل بھی نہیں اپنی بہن کا مشورہ اچھا لگا اور وہ واپس ابوعبیدہؓ کے پاس چلے گئے۔

"امین الامت!"— خالدؓ نے کہا— "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں کوئی بیان نہیں دوں گا۔"

اس کے بعد زمین و آسمان نے جو منظر دیکھا اُسے دیکھ کر بھی کوئی فرد یقین نہیں کرتا تھا کہ یہ سلوک اُس عظیم شخصیت کے ساتھ ہو رہا ہے جو عظمتِ اسلام کا ستون ہے اور جس کے بغیر اسلام اس جگہ تک نہ پہنچتا جہاں۔ خالدؓ کے ہاتھ اُن کی پیٹھ کے پیچھے اُن کی دستار سے بندھے ہوئے تھے۔ اُن کے سر سے ٹوپی اتری ہوئی تھی۔ وہ زمین پر دوزانو بیٹھے ہوئے تھے اور بلالؓ اُن کے سامنے کھڑے اعترافِ جرم کرا رہے تھے۔

"اے ابنِ ولید!"— بلالؓ پوچھ رہے تھے— "تُو نے اشعث کو دس ہزار درہم اپنی جیب سے دیئے ہیں یا مالِ غنیمت سے؟"

خالدؓ کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ وہ خاموش رہے۔ بلالؓ نے ایک بار پھر پوچھا۔

خالدؓ پھر بھی خاموش رہے۔

"ابن ولید!"— بلالؓ نے کہا— "میں امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ جواب دے۔ تُو نے دس ہزار درہم اشعث کو اپنی جیب سے دیئے تھے یا مالِ غنیمت سے؟"

"اپنی جیب سے"— خالدؓ نے آخر جواب دیا۔

بلالؓ نے اُن کے ہاتھ کھول دیئے اور اپنے ہاتھوں پگڑی اُن کے سر پر رکھی۔

"ہم سب پر امیرالمومنین کے حکم کی تعمیل فرض ہے"— بلالؓ نے کہا— "ہم ہر سالار کی عزت کرتے ہیں۔"

وہاں جتنی فوج تھی اُس پر خاموشی طاری تھی۔ اس خاموشی میں اضطراب چھپا ہوا تھا۔ ہر کسی کے چہرے پر گلہ اور شکوہ تھا۔ کم از کم خالدؓ کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن نظم و ضبط کا تقاضا تھا کہ ایک جائز کارروائی کے خلاف کوئی نہیں بول سکتا۔ ابوعبیدہؓ اور بلالؓ کی بھی کیفیت یہ تھی کہ وہ آنکھیں اوپر کر کے نہیں دیکھتے تھے۔ ان کی نظریں زمین پر لگی ہوئی تھیں۔

خالدؓ اس خیال سے گھوڑے پر سوار ہوتے اور وہاں سے نکل آئے کہ معاملہ یہیں پر ختم ہوگیا ہے۔ سات آٹھ دن گزر گئے۔ خالدؓ کو کوئی حکم نہ ملا۔ وہ حمص گئے اور ابوعبیدہؓ سے ملے۔

"ابوسلیمان!"— ابوعبیدہؓ نے امیرالمومنین کا حکم نامہ خالدؓ کے آگے کرتے ہوئے کہا— "یہ پڑھ لو۔"

یہ وہ حکمنامہ تھا جو امیرالمومنین نے ابوعبیدہؓ کی طرف بھیجا تھا کہ خالدؓ جو بھی اعتراف کریں انہیں معزول کردیا جائے۔

"تجھ پر اللہ کی رحمت ہو امین الامت!"— خالدؓ نے ابوعبیدہؓ سے کہا— "امیرالمومنین کا یہ حکم مجھے اُسی

KITABISTAN.BLOGSPOT.COM

روز کیوں نہ سنا دیا؟

"خدا کی قسم ابو سلیمان!"۔۔۔ ابو عبیدہؓ نے کہا۔۔۔ "مجھے اندازہ تھا اُس دکھ کا جو تجھے ہونا تھا۔ میں اپنی زبان سے تجھے دکھ نہیں دے سکتا تھا..... یہ دکھ میرے لیے بھی کم نہیں کہ تجھے معزول کر دیا گیا ہے۔"

خالدؓ خاموشی سے اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور حمص سے نکل آئے۔ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اُس وقت خالدؓ کیا سوچ رہے تھے۔ اُن کی جذباتی دنیا میں کیسے کیسے زلزلے آ رہے تھے۔ اُنہوں نے اپنی جیب سے یہ انعام دیا تھا۔ اسے وہ جرم نہیں سمجھتے تھے۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ انہیں جو سزا دی گئی ہے وہ بہت سنگین ہے۔ اُن کی زندگی میں یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ سوچوں اور خیالوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے سفر کر رہے تھے۔ ایک اُس روز جب وہ مکّہ سے مدینہ کو تن تنہا جا رہے تھے۔ انہوں نے مدینہ جا کر رسولِ اکرمؐ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرنا تھا۔ اور اب وہ حمص سے اپنی معزولی کا حکم سن کر قنسرین کو جا رہے تھے۔ اُن کے ذہن میں اضطراب کا، رنج والم کا اور نہ جانے کیسی کیسی سوچوں کا طوفان اٹھتا تھا اور وہ اِس طوفان کے زناٹے سنتے جا رہے تھے۔

گھوڑے نے انہیں قنسرین پہنچا دیا۔ شہر کے اندر جاتے ہی اُنہوں نے اپنے اُس گھڑسوار دستے کو بلایا جو اُنہوں نے اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔ یہ چُنے ہُوئے سواروں کا دستہ تھا۔ اس دستے نے اپنے سے کئی گنا قوی دشمن کے پاؤں اکھاڑے تھے۔ اس دستے سے خالدؓ کو بہت ہی پیار تھا۔ ابھی کل ہی کی بات تھی کہ اس دستے کے سامنے کھڑے ہو کر خالدؓ کہا کرتے تھے کہ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ آج وہ اُسی دستے کے سامنے رنج والم کا مرقع بنے اپنے گھوڑے پر بیٹھے تھے۔

خالدؓ اپنے اس محبوب دستے سے نہ جانے کیسی کیسی باتیں کرنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے بولنا چاہا تو اُن پر رقّت سی طاری ہو گئی۔ وہ اس دستے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے انتہائی مختصر الفاظ میں سواروں کی کامیابیوں کی، اُن کی برق رفتاریوں کی، جانبازی اور سرفروشی کی دل کھول کر تعریف کی پھر اُنہیں بتایا کہ وہ ہمیشہ کے لیے اُن کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔

سواروں کا ردّعمل یہ تھا جیسے اُن کی سانسیں رُک گئی ہوں۔ دردناک سا ایک سکوت تھا جو اُن پر طاری ہو گیا تھا۔ اس سکوت کو سواروں کی سسکیوں نے توڑا۔ خالدؓ نے گھوڑا موڑا اور وہاں سے ہٹ آئے۔ یہ منظر اُن کی برداشت سے باہر تھا۔

وہاں سے خالدؓ حمص گئے۔ تمام مجاہدین سے ملے۔ بوجھل دل سے سب کو خدا حافظ کہا اور مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

خالدؓ مدینہ میں داخل ہوئے لیکن ایک فاتح سالار کی حیثیت سے نہیں کہ لوگ گھروں سے باہر آکر اُن کا استقبال کرتے۔ اُن کی حیثیت ایک سزا یافتہ مجرم کی سی تھی۔ اتفاق سے عمرؓ انہیں ایک گلی میں آتے مل گئے۔

"ابو سلیمان!"۔۔۔ عمرؓ نے خالدؓ کے جنگی کارناموں کو ان الفاظ میں سراہا۔۔۔ "تُو نے وہ کام کیا ہے جو کوئی اور نہیں کر سکتا تھا مگر ہر کام اللہ کرتا ہے۔"

"اور تُو نے جو کام کیا ہے وہ کسی بھی مسلمان کو پسند نہیں آیا"۔ خالدؓ نے کہا۔۔۔ "اے ابنِ خطاب! تُو نے میرے ساتھ بے انصافی کی ہے۔"

"کہاں سے آئی یہ دولت کہ تُو اسے ناجائز اسراف میں پھینکتا پھرتا ہے؟"۔۔۔ عمرؓ نے کہا۔۔۔ "ابو سلیمان! کیا تُو رومیوں اور فارسیوں جیسا بادشاہ بننا چاہتا ہے؟..... خدا کی قسم، تو میرے لیے قابلِ احترام ہے، تُو مجھے عزیز ہے۔ اب تجھے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ خدا کی قسم میں کسی سالار، کسی امیر اور کسی حاکم کو بادشاہوں جیسا نہیں بننے دوں گا کہ جس نے جھوٹی مدح کی اُس کی جھولی انعام سے بھر دی۔"

خالدؓ ایک دو دن مدینہ میں رہ کر قنسرین چلے گئے۔ وہ مدینہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اللہ کی تلوار نیام میں بند ہو گئی۔

اس واقعے کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا تھا۔ بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ تاریخ دانوں نے اپنی اپنی رائے دی ہے۔ بعض نے عمرؓ کے اس فیصلے کے خلاف لکھا ہے۔ خلفائے راشدین کو رُسوا کرنے والوں نے لکھا ہے کہ عمرؓ کے دل میں خالدؓ کے خلاف ذاتی رنجش تھی جسے اُنہوں نے یوں مٹایا کہ خلیفہ بنتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔ حقیقت کچھ اور تھی۔ اگر ہم آج کے دَور کو اور آج کے حکمرانوں کو سامنے رکھ کر سوچیں تو عمرؓ کا یہ فیصلہ اچھا نہیں لگتا اور اگر ہم اُس دَور کو تصوّر میں لائیں اور گہرائی میں جائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ عمرؓ کا فیصلہ صحیح تھا۔

غور کیجئے۔ عمرؓ نے کہا تھا کہ تم بادشاہ بننا چاہتے ہو۔ بادشاہوں کے انداز یہی ہوتے ہیں کہ جس نے تعریف میں دو کلمے کہہ دیئے تو اسے انعام واکرام سے مالا مال کر دیا۔

غور کیجئے۔ عمرؓ بن الخطاب کی نظر آنے والے وقت کے پردے چاک کر کے کتنی دُور چلی گئی تھی۔ خلفاءِ راشدین کے بعد آنے والے خلفاء نے انعام واکرام کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ عباسی تو روائتی بادشاہ بن گئے تھے۔ اُندلس کے آخری دَور کو دیکھئے۔ دربار لگا ہُوا ہے۔ شاعر اور ادیب منظوم اور نثری قصیدے پڑھ رہے ہیں اور انعامات سے جھولیاں بھر رہے ہیں۔ خوشامد ایک فن اور ایک پیشہ بن گیا ہے۔۔۔ اور ان انعام خوروں، مدح سرائوں اور خوشامدیوں نے سلطنتِ اندلس کو سقوطِ غرناطہ تک پہنچایا۔

اس کے بعد سلطنتِ اسلامیہ بادشاہیوں میں بٹ گئی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے انعام مشہور ہُوتے اور اس سلطنت کو زوال آیا۔

اب پاکستان میں دیکھ لیں۔ انعام واکرام کا وہی مذموم سلسلہ چل رہا ہے جسے اسلام نے ناجائز اسراف قرار دیا تھا۔ خالدؓ بن الولید نے تو اپنی جیب سے انعام دیا اور معزولی کی سزا پائی تھی لیکن ہمارے حکمران سرکاری خزانے سے انعام دیتے چلے جا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ غیر ممالک سے لیے ہوئے قرضوں کی رقم ہے جس پر ہم سُود ادا کر رہے ہیں۔

عمرؓ کی دُوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ انعام واکرام کا سلسلہ چل نکلا تو اس کا نتیجہ زوال کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

عمرؓ نے اس لیے بھی خالدؓ کو نہیں بخشا تھا کہ عدل وانصاف اور سزا میں چھوٹے بڑے کا فرق نہ رہے۔

KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM

انھوں نے سوچا تھا کہ انہوں نے خالدؓ کو معاف کر دیا تو یہ دستور بن جائے گا کہ سالار، امیر، حاکم اور حیثیت والے افراد کو سزا مل ہی نہیں سکتی۔ اس طرح عدل و انصاف ختم ہو جائے گا اور اسلامی معاشرہ چھوٹے اور بڑے میں بٹ جائے گا۔ عمرؓ احکام منوانے میں اس قدر سخت تھے کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے کو ایک سو کوڑوں کی سزا دی تھی۔ اسّی کوڑے مارے گئے تو اُن کا بیٹا مر گیا۔ عمرؓ کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ ایک سو کوڑے پورے کرو۔ باقی بیس کوڑے اُس کی لاش پر مارو۔

مدینہ سے خالدؓ قنسرین گئے وہاں سے حمص چلے گئے اور اُن کی عمر کے باقی چار سال وہیں گزرے۔ ایک وقت آیا کہ خالدؓ تنگ دست ہو گئے۔ اہلِ قریش کا شہزادہ، میدانِ جنگ کا بادشاہ، دل کا سخی اور فیاض، ہزاروں درہم حقداروں میں تقسیم کر دینے والا انسان مفلسی کے چنگل میں آ گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد امیر المومنین عمرؓ نے کچھ مسلمانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا جو تین ہزار درہم سالانہ تھا۔ یہ خالدؓ کو بھی ملنے لگا۔ اس سے وہ حمص میں اپنے کنبے کے ساتھ زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔

خالدؓ اب وہ خالدؓ نہیں رہے تھے جن کی اس للکار —— انا فارس الضدید۔ انا خالدؓ بن الولید۔ سے دشمن پر دہشت طاری ہو جایا کرتی تھی وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اُن کی زندہ دلی، خوش ذوقی اور شوخی ختم ہو گئی اور وہ چُپ اور اُداس رہنے لگے۔

جنوری فروری ۶۳۹ء (۱۸ ہجری) میں انہیں ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ فلسطین کے ایک قصبے عمواس میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی جو دیکھتے ہی دیکھتے تمام فلسطین اور شام میں پھیل گئی۔ لوگ بڑی تیزی سے موت کا شکار ہونے لگے۔

یہاں ابوعبیدہؓ کے کردار کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ امیر المومنین عمرؓ نے ابوعبیدہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ آ جائیں۔ ابوعبیدہؓ نے جواب دیا کہ میرے جن ساتھیوں نے میدانِ جنگ میں کبھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا انہیں میں طاعون کے ڈر سے چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنی فوج کے ساتھ رہے اور طاعون کے حملے سے رحلت فرما گئے۔

خالدؓ کے تمام ساتھی سالار جن کے ساتھ انہوں نے بڑی خوفناک جنگیں لڑی تھیں طاعون سے انتقال کر گئے۔ ان میں ابوعبیدہؓ، شرجیلؓ بن حسنہ، ضرارؓ بن الازور، یزیدؓ بن ابوسفیان بھی شامل تھے۔ خالدؓ کے اپنے بہت سے بیٹے طاعون کا شکار ہو گئے۔ ایک باپ کے لیے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا۔ طاعون کی اس وبا میں پچیس ہزار مسلمان اللہ کو پیارے ہو گئے۔

خالدؓ پہلے بھی چپ ہی رہتے تھے مگر اب تو جیسے اُن کی قوتِ گویائی ختم ہی ہو گئی ہو۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ چل رہا تھا۔ ابوعبیدہؓ کے انتقال کے بعد سپہ سالاری عمروؓ بن العاص کو ملی۔ خالدؓ جب مسلمانوں کی نئی فتح کی خبر سنتے تھے تو اُن کے چہرے پر رونق آ جاتی تھی مگر کچھ دیر بعد وہ بجھ بجھ کے رہ جاتے۔ انہیں غالباً یہ خیال آ جاتا تھا کہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔

۶۴۲ء (۲۱ھ) میں خالدؓ کو ایسی بیماری نے آ لیا جو انہیں بڑی تیزی سے کھانے لگی۔ یہ صدمے کا اثر تھا۔ اُن کا جسم گھلتا چلا گیا۔ ایک روز ایک دوست انہیں دیکھنے آیا۔

"غور سے دیکھ!" —— خالدؓ نے اپنی ایک ٹانگ ننگی کر کے دوست کو دکھائی اور پوچھا —— "کیا میری ٹانگ پر کوئی جگہ تجھے نظر آتی ہے جہاں تیر، تلوار یا برچھی کا زخم نہ ہو؟"

دوست کو ایسی کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم نہ تھا۔ خالدؓ نے دوسری ٹانگ ننگی کر کے دوست کو دکھائی اور یہی سوال پوچھا۔ پھر دونوں بازو باری باری ننگے کیے اور یہی سوال پوچھا، پھر سینہ اور پیٹھ دکھائی دوست کو ایک بالشت سے زیادہ کوئی جگہ نظر نہ آئی جہاں زخم کا نشان نہ تھا۔

"کیا تو نہیں جانتا میں نے کتنی جنگیں لڑی ہیں؟" —— خالدؓ نے بڑی نحیف آواز میں کہا —— "پھر میں شہید کیوں نہ ہوا؟ میں لڑتے ہوئے کیوں نہ مرا؟"

"تو میدانِ جنگ میں نہیں مر سکتا تھا ابوسلیمان!" —— دوست نے کہا —— "تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تلوار کہا تھا۔ یہ رسولِ اکرمؐ کی پیشگوئی تھی کہ تُو میدانِ جنگ میں نہیں مارا جائے گا۔ اگر تُو مارا جاتا تو سب کہتے کہ ایک کافر نے اسلام کی تلوار توڑ دی ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا تھا..... تو اسلام کی شمشیر بے نیام تھا۔"

انتقال کے وقت خالدؓ کے پاس اُن کا ایک ملازم حمّام تھا۔ نزع کے عالم میں خالدؓ نے کہا —— "میں ایک اونٹ کی طرح مر رہا ہوں۔ بستر پر مرنا میرے لیے شرمناک ہے" —— اور خالدؓ اُس اللہ کے حضور پہنچ گئے جس کی وہ شمشیر تھے۔ خالدؓ بن الولید سیف اللہ دنیا سے اُٹھ گئے۔

خالدؓ کی عمر ۵۸ سال تھی۔

اُن کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی تو بنی مخزوم کی عورتیں بین کرتی گلیوں میں نکل آئیں۔ مدینہ کی دوسری عورتیں بھی باہر آ گئیں اور مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔ عورتیں سینہ کوبی اور بین کر رہی تھیں۔ امیر المومنین عمرؓ نے خلافت کی مسند پر بیٹھتے ہی حکم جاری کیا تھا کہ کسی کی وفات پر گریہ و زاری نہیں کی جائے گی۔ اُن کے اس حکم پر سختی سے عمل ہو رہا تھا مگر خالدؓ کی وفات پر عورتیں گھروں سے باہر آ کر بین کر رہی تھیں۔ عمرؓ نے اپنے گھر میں بیٹھے یہ آوازیں سنیں تو وہ غصے سے اُٹھے اور دیوار کے ساتھ لٹکتا ہوا دُرّہ لے کر تیزی سے باہر کو چلے لیکن دروازے میں رک گئے۔ کچھ دیر سوچ کر واپس آ گئے اور دُرّہ وہیں لٹکا دیا جہاں سے اٹھایا تھا۔

"بنی مخزوم کی عورتوں کو رونے کی اجازت ہے" —— عمرؓ نے اعلان کیا —— "انھیں ابوسلیمان کا ماتم کر لینے دو۔ ان کا رونا دکھاوے کا نہیں۔ رونے والے ابوسلیمان جیسوں پر ہی رویا کرتے ہیں۔"

حمص میں بڑا حسین ایک باغ ہے۔ پھولوں کے کیارے ہیں۔ درمیان میں راستے ہیں۔ درخت ہیں۔ اس باغ میں ایک مسجد ہے جو مسجد خالدؓ بن الولید کے نام سے مشہور ہے۔ بہت دل کش مسجد ہے۔ اس مسجد کے ایک کونے میں خالدؓ کی قبر ہے۔ خالدؓ کی داستانِ شجاعت جاننے والوں کو آج بھی جیسے اس مسجد میں جا کر للکار سنائی دیتی ہے:

انا فارس الضدید
انا خالد بن الولید

kutubistan.blogspot.com
KUTUBISTAN.BLOGSPOT.COM